x

تقدیم

الحمد للّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ أما بعد:

برصغیر پاک و ہند میں تقلید و جمود کا جو دور دورہ تھا، اس کی داستان طویل ہے، بمصداق ''مشتے نمونہ از خروارے'' اس کا اندازہ آپ اس سے لگا لیجئے کہ جناب شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) نے جن مروجہ مسائل کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، ان میں ایک مسئلہ لفظی طور پر نماز کی نیت کی مخالفت اور اسے بدعت قرار دینا تھا، سلسلہ چشتیہ کے نامور شیخ عبداللہ خویشگی قصوری نے حضرت مجدد کی تضلیل و تردید میں جو کتاب ''معارج الولایہ'' کے نام سے لکھی، اس میں ان کے ''جرائم'' کی فہرست میں اس ''جرم'' کی بھی نشاندہی کی کہ:

(بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت: ۴/ ۳۴۷)

''جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اکثر اوقات دل سے نیت کرتے، زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی معمول تھا، کیونکہ نیت دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا۔''

غور فرمائیے! کہ معروف مسلکی طرزِ عمل کے خلاف مجدد صاحب مرحوم کے عمل پر فردِ جرم یہ بھی ہے کہ:

''وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نیت دل سے کی ہے زبان سے نہیں۔'' (سبحان اللہ!)

اسی گیارہویں صدی ہجری کا ایک اور دل دوز واقعہ ملاحظہ ہو، قاضی نصیر الدین (المتوفی ۱۰۳۱ھ) برہان پور میں ایک معروف محدث وفقیہہ گزرے ہیں، جو متبع سنت اور احکام شرعیہ کے پابند تھے، حدیث کو قیاسِ مجتہد پر ترجیح دیتے تھے اور حدیث کے مقابلے میں قولِ امام کو ہرگز قبول نہ کرتے تھے، مگر ان کے سسر شیخ علم اللہ بیجاپوری (المتوفی ۱۰۲۴ھ) متشدد حنفی تھے، ایک مرتبہ شیخ علم اللہ نے کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول سے استدلال کیا، تو ان کے داماد قاضی نصیرالدین نے اس کے مقابلے میں حدیث پیش کی، شیخ علم اللہ نہ مانے تو قاضی صاحب نے کہہ دیا کہ "هو رجل وأنا رجل" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی انسان تھے، میں بھی انسان ہوں، اصل شئ جو ہمارے لیے قابلِ حجت ہے، وہ حدیث رسول ہے، اس پر شیخ علم اللہ نے غصہ میں آ کر تلوار نکال لی اور اپنے داماد کو قتل کرنے کے لیے ان کے پیچھے

دوڑے، لیکن قاضی صاحب نے بھاگ کر جان بچائی۔ (مآثر رحیمی وغیرہ، بحوالہ فقہائے ہند: ۴/۲۵۴، ۳۸۳، حصہ دوم)

فقہی مسائل میں تعصب اور جمود ہی کا نتیجہ تھا کہ بعض عاقبت نا اندیشوں نے نماز میں رفع الیدین کرنے والوں کو کافر کہنا شروع کر دیا، چنانچہ تذکرۃ الخلیل کے مؤلف مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے:

''بعض حنفیوں نے اہلِ حدیث یعنی غیر مقلدین زمانہ کو رفع یدین پر کافر کہنا شروع کر دیا تھا۔''

(حاشیہ تذکرۃ الخلیل: ۱۳۲، ۱۳۳ مطبوعہ ۱۹۷۱ کراچی)

اس نوعیت کی دسیوں مثالیں ہمارے سامنے ہیں، مگر یہ ہمارا موضوع و مقصود نہیں، بتلانا بس اس قدر تھا کہ برصغیر میں عموماً تقلید و جمود کا چل چلاؤ تھا، اس کے برعکس جس نے بھی آواز اٹھائی اور قیاس و رائے یا ضعیف و کمزور روایات پر مبنی فقہی مسائل کے مقابلے میں صحیح احادیث پر عمل کی دعوت دی تو عوام کیا خواص کے دل بھی اس طرح سکڑتے اور دبتے ہوئے محسوس ہوئے، جس طرح مشرکین کے دل اللہ وحدہ لا شریک کی دعوت سن کر سکڑتے اور تنگ پڑ جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ [الزمر: ۴۵]

''جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے سامنے جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل بھینچ جاتے ہیں۔''

فقہی مسائل میں تقلید و جمود کا بھی عموماً یہی نتیجہ ہوتا ہے، جس کا ذکر مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے، ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو، بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو، مگر نصرتِ مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔''

(تذکرۃ الرشید: ۱/ ۱۳۱)

یہ حالت و کیفیت تھی جب خانوادہ شاہ ولی اللہ ؒ اور ان سے فیضیاب ہونے والے حضرات نے یہاں اتباع سنت کا صور پھونکا، تقلید و جمود کے خلاف اعتدال کی دعوت دی، فقہی مسائل جن کی بنیاد محض قیاس، فقہی روایات اور ضعیف احادیث پر تھی، ان کی کمزوری کو واضح کیا، تو پورے ماحول میں ایک ارتعاش پیدا ہوا، ﴿وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ﴾ کی صدائے بازگشت یہاں بھی سنی گئی، لنگر لنگوٹ کس کے میدان میں اترے، بات اپنے موقف و مذہب

کے دفاع اور اسے مدلل کرنے تک محدود رہتی تو اس میں کوئی قباحت نہ تھی، ہر ایک کو اپنے مسلک کے دفاع کا حق ہے، مگر برا ہو جمود وتعصب اور ہٹ دھرمی کا جس میں الٹا صحیح احادیث کا مذاق اڑایا گیا۔

فقہی روایات کے دفاع میں صحیح بخاری کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا، امام بخاری پر طنز وتعریض کے نشتر چلائے، صحیح بخاری کے راویوں پر بے دریغ حملے کیے۔ صحیح بخاری کو ناقص اور نامکمل کتاب باور کرنے کی سعی بلیغ کی، اس کی احادیث کوضعیف اور ناقابلِ عمل قرار دینے کی پوری پوری کوشش کی، منکرینِ حدیث کی طرح عقل پرستی میں اس کی روایات کا عقل وفکر کے ترازو پر تول کر مذاق اڑایا گیا اور انہی کی ہمنوائی میں بعض روایات کو قرآن پاک کے خلاف باور کرانے میں کوئی عار محسوس نہ کی گئی، امام بخاری اور صحیح بخاری کے خلاف یہ جسارتیں دراصل حسد وبغض کا نتیجہ اور شیوہ مبتدعین ہے، امام مسلم ﷫ نے فرمایا تھا:

" لا يبغضك إلا حاسد" کہ آپ سے بغض وہی رکھتا ہے جو حاسد ہے۔ (مقدمه فتح البارى: ٤٨)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا تھا:

"كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين" (حجة الله: ١/ ١٣٤)

"جو شخص صحیح بخاری اور مسلم کی توہین کرے گا وہ بدعتی ہے اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہے۔"

صحیح بخاری ومسلم کیا عموماً کتب احادیث کے بارے میں مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے:

"صحاح کتب میں احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کے جمع کرنے والے صحابہ اور بعد کو علماء عاملین و مقبولین رہے اور باتفاق اہل اسلام مقبول اللہ تعالیٰ کے ہیں، جو شخص ان کتابوں کو برا کہتا ہے اور توہین کرتا ہے گویا وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، وہ شخص فاسق، مرتد بلکہ کافر وملعون حق تعالیٰ کا ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ: ٨٧، ادارہ اسلامیات لاہور)

"صحاح کتب" میں صحیح بخاری تو وہ کتاب ہے، جس کے بارے میں علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اس کی تمام مرفوع ومتصل روایات کی صحت پر اجماع اور انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے، ایسی مہتم بالشان کتاب کے بارے میں اس قسم کی یاوا گوئی بلا ریب بدعتیوں کا شیوا ہے اور سبیل المؤمنین سے انحراف ہے، بلکہ مولانا گنگوہی کے فرمان کے مطابق ایسا شخص فاسق اور ملعون ہے۔ أعاذنا الله منه

صحیح بخاری کی عظمت کو داغدار کر کے اپنی عاقبت خراب کرنے والوں میں ایک پٹنہ کے مولوی عمر کریم حنفی ہو گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے جلے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے مختلف رسائل اور اشتہار لکھے، اسی "ذات شریف" نے صحیح بخاری کی احادیث مبارکہ کے بارہ میں اشتہار نمبر (٢) لکھا، تو اس میں یہ بھی لکھ مارا کہ "افسوس کہ ایسی ایسی

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

بے بنیاد اور بے سروپا حدیثوں نے اسلام کے نورانی چہرہ پر ایک بدنما داغ پیدا کر دیا ہے۔''

بتلایئے! کیا یہ کسی حنفی عالم کی تحریر ہے یا منکرِ حدیث کی؟ ان کی ایسی یاوا گوئیوں کا ترکی بہ ترکی دندان شکن جواب محترم مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی نور اللہ مرقدہ نے دیا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا۔

چنانچہ اس حوالہ سے مولانا بنارسی کے رسائل کی ترتیب حسب ذیل ہے:

۱۔ ''الكوثر الجاري في جواب الجرح على البخاري'': یہ پٹنوی صاحب کی کتاب ''الجرح علی البخاری'' کا جواب ہے، کتاب کا نام ہی مضمون کی عکاسی کے لیے کافی ہے، جو پہلے اخبار ''اہل فقہ'' امرتسر میں قسط وار شائع ہوئی تھی، یہ اس کا جواب ہے، جو مولانا بنارسی نے ''الكوثر الجاري'' ملقب بہ ''حل مشکلات بخاری'' کے نام سے دیا، جو ۳۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوئی، دوسری بار الدار السلفیۃ مؤمن پورہ بمبئی سے شائع ہوئی، مگر سن طباعت ندارد۔

۲۔ ''الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم'': پٹنوی صاحب نے ایک رسالہ لکھا، جس میں انہوں نے صحیح بخاری کے ۱۷۵ راویوں پر نقد کیا اور نام اس کا ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' ''الكلام المحكم'' رکھا، جس کا جواب مولانا بنارسی مرحوم نے ''الأمر المبرم'' کے نام سے دیا، جو ۳۰۹ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب تقریباً ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری بار ۱۹۷۲ء میں اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور سے مولانا محمد عبدہ ﷫ کی تقدیم و تعلیق سے شائع ہوئی، مگر امر واقع یہ ہے کہ اس کی تعلیقات راقم اثیم کی ہیں۔

۳۔ ''ماء حميم للمولوي عمر كريم'': پٹنوی صاحب نے ایک اشتہار ۱۳۲۲ھ میں شائع کیا، جو صحیح بخاری کے متعلق ۱۲ سوالات پر مشتمل تھا، جس کا ایک جواب تو مولانا رفعت اللہ خان نے شاہ جہان پور سے دیا اور دوسرا جواب مولانا بنارسی نے ''ماءِ حمیم'' کے نام سے دیا، جو ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ ''صراط مستقيم لهداية عمر كريم'': پٹنوی صاحب کا غیض و غضب ابھی ٹھنڈا نہیں پڑا تھا کہ انہوں نے امام بخاری ﷫ پر مزید کچھ اعتراضات اشتہار نمبر (۲) کی صورت میں شائع کیے، جن کا پہلا مختصر جواب حضرت بنارسی مرحوم نے ''صراط مستقیم'' کے نام سے دیا جو ۱۳۲۹ھ میں پہلی بار شائع ہوا تھا، اس کی اب ما شاء اللہ دوبارہ اشاعت ہو رہی ہے، جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۔ ''الريح العقيم لحسم بناء عمر كريم'': یہ بھی پٹنوی صاحب کے اشتہار نمبر (۲) کے جواب پر مشتمل ہے، بلکہ یہ اس اشتہار کا مفصل اور مکمل جواب ہے، جس میں انہوں نے پٹنوی صاحب کے اعتراض کو ''مریب'' اور اس کے جواب کو ''مجیب'' کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔

دیگر تقاریظ کے علاوہ اس پر شارح سنن ابی داود حضرت محدث شمس الحق دیانوی کی بھی تقریظ ہے اور قاضی طلا محمد خاں پشاوری کا طویل قصیدہ بھی، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کتاب میں صحیح بخاری کا دفاع ہی نہیں بلکہ بخاری کی احادیث کے خلاف حنفی عمل کی جو توجیہات پٹنوی صاحب نے بیان کی ہیں، ان کا بھی مکمل جواب ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوا تھا اور اب دوبارہ شاملِ اشاعت ہے، جو تقریباً ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ "العرجون القديم في إفشاء هفوات عمر كريم": یہ رسالہ پٹنوی صاحب کے اشتہار نمبر (۳) کا جواب ہے، اس اشتہار میں اولاً پٹنوی صاحب نے خرافیوں کے مسلک اہلحدیث پر عامۃ الورود اعتراضات کو ذکر کیا، پھر امام بخاری پر بھی تنقید کی جس کا جواب مولانا بنارسی نے ''العرجون القدیم'' کے نام سے دیا اور بحث کا حق ادا کر دیا۔ کتاب پر دیگر تقریظات کے ساتھ ساتھ محدثِ ہند حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی اور شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تقاریظ بھی ہیں، یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوا، جسے اب دوبارہ شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے، جو تقریباً ۱۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ "الخزی العظيم للمولوی عمر كريم": پٹنوی مولوی صاحب نے اشتہار نمبر (۴) اس بارے میں لکھا کہ صحیح بخاری کی دس احادیث ایسی ہیں جن کا ترجمہ باب سے کوئی تعلق نہیں، یہ دراصل مولانا بنارسی کے چیلنج کا جواب تھا، جو انہوں نے ''العرجون القدیم'' میں کیا تھا کہ ''آپ صحیح بخاری کے جن ابواب میں ان کے ذیل کی احادیث سے مطابقت معلوم نہ ہو، بذریعہ اشتہار پیش کریں، میں اسے کھول کر بتادوں گا، بشرطیکہ حق استادیت بھی ادا کرنا'' اسی کے جواب میں پٹنوی صاحب نے اشتہار میں دس احادیث پیش کیں، جن کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ ان کا ترجمۃ الباب سے تعلق نہیں، بلکہ یہ بھی فرمایا گیا کہ ''اگر کوئی بخاری پرست ان حدیثوں اور ان کے تراجم میں تطابق تام دے دے تو اس کو فی حدیث دو روپیہ انعام دیا جائے گا۔'' ان کے اسی ڈینگی اور بے ڈھبی کا جواب مولانا بنارسی نے "الخزي العظيم" کے نام سے دیا اور العرجون القدیم کے چیلنج کی مناسبت سے جواب میں معترض کو ''شاگرد'' اور جواب کو ''استاذ'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے، یہ جواب انہوں نے ایک ہی دن میں مکمل کیا، جسے آپ ''یک روزی'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۲۸ھ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا، اب دوسری بار یہ رسالہ بھی شاملِ اشاعت ہے، جو ۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

ان ساتوں انتہائی قیمتی رسائل کو اس مجموعہ رسائل میں شائع کرنے کا شرف ہمارے فاضل بھائی مولانا حافظ شاہد محمود فاضل مدینہ یونیورسٹی کو حاصل ہو رہا ہے، حافظ شاہد صاحب کے دل میں دفاع حدیث کا سودا سمائے ہوئے ہے کہ وہ اس قسم کے دفینے سفینوں میں منتقل کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا اسماعیل سلفی مرحوم کے ''مقالاتِ حدیث'' شیخ العرب والعجم حضرت محدث گوندلوی کی ''دوامِ حدیث'' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ''دفاع سنت'' پھر ''شرح

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حدیث ہرقل‘‘ ان کے حسنِ انتخاب ،حسنِ ذوق کی علامت ہے، یہ اس لیے کہ وہ خود حسن اخلاق کے پیکر اور علم کے شناور ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی جہود علمیہ کو چار چاند لگائے اور گم گشتگان راہ حق کے لیے مینارہ نور بنائے۔

حافظ شاہد صاحب نے ان رسائل کو تقریباً ایک صدی بعد حیاتِ نو ہی نہیں بخشی بلکہ حوالہ جات کی مراجعت، حتی الوسع کتابوں کے جدید ایڈیشنوں کے حوالے اور مزید مفید حواشی سے بھی کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے، جس پر وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے معاونین کو دفاعِ سنت کی اس عظیم خدمت پر اجر جزیل عطا فرمائے اور انہیں دین کے خادموں کی صف میں شمار کر کے اپنی دنیاوی واخروی نوازشوں سے نوازے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

خادم العلم والعلماء
ارشاد الحق اثری عفی عنہ
۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

X

مقدمہ

برصغیر میں علم حدیث کی ترویج واشاعت اور اس کی اہم کتابوں کی تدریس وتعلیم کا اہتمام بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کے ہاتھوں شروع ہوا، ان سے قبل اگرچہ مختلف ادوار میں بعض محدثین کا تذکرہ ملتا ہے، مگر ان میں سے اکثر ہجرت کر کے دیگر ممالک میں جا بسے، لہٰذا ان کی خدماتِ حدیث پر برصغیر والوں کا فخر کرنا بے جا ہے۔

علامہ حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ھ)، علی متقی برہانپوری (م ۹۷۵ھ)، ابو الحسن محمد بن عبدالہادی سندھی (م ۱۱۳۸ھ)، محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) اور محمد مرتضی زبیدی بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) وغیرہ علماء اصلاً برصغیر کے ضرور تھے، مگر ہجرت اور نقل مکانی کے بعد پھر انہوں نے اپنے وطن کا رخ نہیں کیا۔

کچھ علماء برصغیر میں رہ کر علم حدیث پڑھنے پڑھانے اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، جیسے محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) وغیرہ، لیکن اولاً تو ان کا دائرہ کار بہت محدود تھا، ان کے ذریعہ علم حدیث کی ہمہ گیر نشر واشاعت کا کام نہ ہوا، ثانیاً انہوں نے حدیث کی خدمت کچھ اس انداز سے کی کہ اس سے فقہی مذہب کا دفاع اصل مقصود بن گیا، اور احادیث کی آزادانہ تحقیق وتخریج، قواعدِ جرح وتعدیل کی پابندی، قدیم اور باسند کتبِ حدیث کی تلاش وجستجو اور ان کی طرف مراجعت، کتب رجال وعلل سے ائمہ محدثین کے اقوال اور احکام نقل کرنے کا اہتمام نہ رہا، اکثر علماء عموماً علامہ سیوطی اور دیگر متاخرین کی تصانیف پر اعتماد کرتے اور ان ہی کے واسطے سے اصل کتابوں کا حوالہ دیتے، ''مشارق الانوار'' ''مصابیح'' ''مشکوۃ'' اور ''جامع صغیر'' جیسے منتخبات پر پورا انحصار تھا، ان ہی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اور ان کی خدمت منتہائے کمال۔

شاہ ولی اللہ حرمین شریفین میں وقت کے اجلہ محدثین سے کتب حدیث پڑھنے اور وہاں ایک عرصہ گزارنے کے بعد ۱۱۴۵ھ میں وطن لوٹے تو انہوں نے بڑی حکمت کے ساتھ کتب حدیث کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، ان کی درجہ بندی کی، طبقات متعین کیے، ضبط اسماء رجال کا اہتمام کیا، فقہِ حدیث کی طرف توجہ دلائی، فقہائے محدثین کے منہج کی طرف دعوت دی اور عملاً اس کی تشریح وتوضیح کے لیے ''موطأ'' کی دو شرحیں (مصفّٰی اور مسوّٰی) لکھیں، ''تراجم ابواب بخاری'' پر ایک رسالہ لکھا، ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''الإنصاف'' اور ''عقد الجید'' میں اصولی مباحث کی تنقیح کی، اس طرح انہوں نے ایک ہمہ گیر تحریک شروع کی جس کے نتیجے میں کتب حدیث کی طباعت واشاعت، ترجمہ، حاشیہ اور

شرح کے ذریعہ ان کی خدمت، مساجد میں درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا اہتمام، فقہی مسائل کی آزادانہ تحقیق، تقلید اور جمود کے بجائے تحقیق اور عمل بالحدیث کا رواج ہوا، اور صرف ایک صدی کے عرصے میں شاہ اسماعیل شہید کی شہادت (۱۲۴۶ھ) تک ایک بہت بڑی جماعت تیار ہوگئی، جس نے پورے برصغیر میں توحید وسنت کی اشاعت کی اور شرک و بدعت، فقہی جمود وتقلید اور غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف اصلاحی تحریک شروع کی، جو''اہل حدیث'' کے نام سے معروف ہوئی۔

شاہ اسماعیل شہید کی ''تقویۃ الایمان''، ''تنویر العینین''، ''ایضاح الحق الصریح''، ''منصبِ امامت''، ''اصول فقہ''، ''صراط مستقیم'' اور ان کے معاصرین کی اصلاحی تصانیف سے ایوانِ بدعت وتقلید میں ہل چل مچ گئی، چنانچہ ردّ عمل کے طور پر تین رجحان سامنے آئے:

۱۔ کچھ لوگوں نے بدعت وتقلید کے دفاع اور شاہ اسماعیل شہید کے ردّ میں کتابیں لکھیں، بدایوں، خیرآباد اور رامپور وغیرہ کے علماء اس میدان میں پیش پیش تھے، انہوں نے کئی کتابیں شاہ اسماعیل شہید کی تردید بلکہ تکفیر میں لکھیں، یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

۲۔ کچھ حضرات بدعات کی تردید میں تو شاہ اسماعیل کے ہم نوا رہے، مگر عمل بالحدیث کی دعوت اور جمود وتقلید کی مخالفت ان کو پسند نہ آئی، وہ اپنے فقہی مسلک کے دفاع، اپنے امام کی تعریف وتوصیف، دعوتِ عمل بالحدیث اور اہل حدیث کی مخالفت میں غلو کی حد تک پہنچ گئے، بلکہ کچھ لوگوں نے تو شاہ اسماعیل شہید کی ان تصانیف کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی بتا کر انہیں اپنے جیسا پکا حنفی مقلّد قرار دیا اور شاہ ولی اللہ کی عبارتوں کی بھی ایسی تاویل وتوجیہہ کی جس سے ان کی مجدّدانہ ومجتہدانہ شان ہی ختم ہوجائے۔

۳۔ تیسرا رجحان یہ رہا کہ اس دعوتِ تجدید و اصلاح کی پورے طور پر تائید کی جائے اور شرک و بدعت اور غیر اسلامی رسم و رواج کی تردید کے ساتھ ہی لوگوں کو براہِ راست کتاب وسنت کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کا موقع فراہم کیا جائے، علماء اور طلبہ بھی اپنے فقہی مسلک کے حصار سے نکلیں اور سلف صالحین (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) اور دیگر ائمہ کرام کے اجتہادات سے فائدہ اٹھائیں، مسائل کی آزادانہ تحقیق کریں اور جو رائے دلائل کی روشنی میں راجح ہو اس پر خود عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کریں، عوام کو یہ اختیار حاصل ہو کہ جس عالم سے چاہیں مسئلہ پوچھیں، اور وہ عالم انہیں اپنے فقہی مسلک کے بجائے دلائلِ کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دے۔

عمل بالحدیث کے اس رجحان کو مزید تقویت اس وقت ہوئی جب دہلی میں شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی ۱۲۵۸ھ میں اپنے استاد شاہ محمد اسحاق کے مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے اور مسلسل ۶۲ سال تک حدیث اور دیگر علوم

اسلامیہ کا درس دیتے رہے، ہزاروں طلبہ ان سے مستفید ہوئے اور ہند و بیرون ہند میں ان کے اثرات عام ہوئے۔

پھر بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۹ھ میں حکومت کے بلند منصب پر فائز ہوئے اور سیکڑوں کتابیں خود تصنیف کیں اور علمائے سلف کی بیسیوں کتابیں مختلف مطابع سے چھپوا کر مفت تقسیم کیں۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح الباری، نیل الأوطار وغیرہ کتابیں پہلی بار دنیا میں ان ہی کی کوششوں سے شائع ہوئیں) اہل علم کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں مختلف علمی کاموں پر لگایا، ان ہی کی فرمائش پر نواب وحید الزماں لکھنوی نے حدیث کی بنیادی کتابوں (بخاری، مسلم وغیرہ) کے اردو ترجمے کیے، اس طرح عام لوگوں کے لیے ان سے استفادہ کرنا ممکن ہوا۔

میاں صاحب اور نواب صاحب نے اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں تمام اصولی اور فروعی مسائل کی تنقیح کی، فقہائے محدثین کے منہج کی وضاحت کی، امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ کرام کے مستند حالات اصل مآخذ سے نقل کر کے پہلی بار شائع کئے، محدثین کرام کے مقام و مرتبہ اور ان کی کتابوں کی اہمیت اور قدر و قیمت سے لوگوں کو آگاہ کیا، تقلید و اجتہاد اور عمل بالحدیث سے متعلق علمی و تحقیقی کتابیں لکھیں اور اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کر کے حقیقت واضح کی، نواب صاحب اور میاں صاحب کے تلامذہ نے بے شمار نادر و نایاب کتبِ حدیث کی طباعت و اشاعت کا بھی اہتمام کیا، اردو ترجمہ کے علاوہ ان کتابوں کی عربی زبان میں بھی مفصل شرحیں یا مختصر حاشیے لکھے۔

ان ساری خدمات کی تفصیل یہاں پیش کرنا ممکن نہیں، میں نے اپنی کتاب ''مولانا شمس الحق عظیم آبادی، حیات و خدمات'' کے مقدمے میں ان کا ایک مختصر خاکہ دیا ہے، امید ہے کہ قارئین کرام اس کی طرف رجوع کریں گے، میں یہاں صرف اس پہلو پر گفتگو کروں گا کہ علمائے اہل حدیث کی ان متنوع خدمات کا کیا اثر ہوا؟ اور ان کے مخالفین نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

-۲-

مثبت اثرات کے سلسلے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ پورے برصغیر میں بے شمار عربی مدارس و جامعات وجود میں آئے، جہاں طلبہ عربی درجات میں ہر سال حدیث کی کوئی کتاب پورے اہتمام سے پڑھتے ہیں اور بلوغ المرام سے صحیح بخاری تک ختم کر کے سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں، جبکہ حنفی مدارس میں ایک سال ساری کتبِ حدیث کا دورہ کرا دیا جاتا ہے، جس سے حدیث میں مہارت کے بجائے اس کی تاویل میں مہارت حاصل ہوتی ہے، اور حدیث کی تحقیق اور اس پر عمل کے شوق کے بجائے اس پر عمل نہ کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرنے کی ایک نفسیاتی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے چھٹکارا اخیر عمر تک نہیں ہوتا۔ إلا من رحم الله

مولانا انور شاہ کشمیری نے ایک بار بڑی حسرت کے ساتھ اس کا اظہار کیا تھا کہ ''عمر ضائع کر دی، ہماری عمر کا

ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کد و کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کر دی؟ ابوحنیفہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟'' [وحدت امت (از مفتی محمد شفیع) ص: ۱۵، ۱۶ طبع دارالاشاعت کراچی]

مگر افسوس کہ ان کے ہم مسلک علماء پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ خود اپنے اقرار کے مطابق شاہ ولی اللہ کے طریقہ درسِ حدیث سے ہٹ گئے، سید انظر شاہ کشمیری اپنے مضمون ''دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں: ''دارالعلوم کا اساسی مقصد حنفیت کی تائید ہے۔'' بے تکلف عرض ہے کہ شاہ ولی اللہ ؒ دہلوی کے درس سے یہ اہم مضمون اپنی مطلوب واقعیت کے ساتھ منصوص نہ ہو سکا، شاہ صاحب علیہ الرحمۃ حنفی نقطۂ نظر سے ہم آہنگی کے باوجود کیونکہ خود اجتہاد کا دعوی رکھتے تھے، اس لئے حنفیت کو حضرت شاہ صاحب کی غزارۃ علمی سے ممکن و متوقع فائدہ نہیں پہنچ سکا، لیکن اس کمی کی دارالعلوم دیوبند نے بھرپور تکمیل کی، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند نے حنفیت کی تائید کے لیے اپنی تدریس و تصنیف میں بے مثال کام انجام دیا۔'' [الرشید (دارالعلوم نمبر) ص: ۳۱۴ طبع لاہور ۱۹۷۶ء]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:

''درس حدیث میں حنفیہ کے اثبات و ترجیح اور تنقیحات و تشریحات کا جو انداز دارالعلوم اور دوسرے بہت سے مدارس میں جاری ہے، اسکی ابتدا حضرت نانوتوی ہی سے ہوتی ہے، ان سے پہلے درسِ حدیث میں محض حدیث کا ترجمہ اور الگ الگ مذاہب بیان کر دینے کافی سمجھے جاتے تھے، حنفیہ کے اثبات و ترجیح کا طریقہ مروّج نہ تھا، حضرت نانوتوی کے بعد ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الہند وغیرہ حضرات نے اس طریقے کو جاری رکھا۔'' (تاریخ دیوبند، ص: ۱۲۸، ۱۲۹، طبع دیوبند ۱۹۷۲ء)

ان اقتباسات کے بعد ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، قارئین کرام اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث کی خدمت کا کونسا طریقہ ہے؟ اور صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک حدیث پڑھنے پڑھانے کا جو طریقہ رائج ہے اور احادیث کی تحقیق و تنقید کے جو اصول محدثین کے یہاں پیش نظر رہے ہیں، انہیں چھوڑ کر فقہاء اور ائمہ کے آراء و اجتہادات کے مطابق احادیث کو کھینچ تان کر بنانا اور ان میں طرح طرح کی تاویل کرنا کون سا محمود مشغلہ ہے؟

۔۳۔

مدارس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں اہل حدیث کی خدمات بہت وقیع ہیں، بلکہ عالم اسلام میں ان کی پہچان ہی یہ ہے کہ انہوں نے نادر و نایاب کتبِ حدیث کی پہلی بار اشاعت کی اور ان کی مستند شرحیں لکھیں، ''عون المعبود شرح سنن ابی داوٗد'' (عظیم آبادی)، ''تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی'' (مبارکپوری)، ''التعلیقات السلفیۃ علی

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

سنن النسائی'' (بھوجیانی)، ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' (عبیداللہ رحمانی)، ''عون الباری''، ''السراج الوہاج''، ''فتح العلام'' (نواب صدیق حسن) ''حاشیہ بلوغ المرام'' اور ''تنقیح الرواۃ'' (احمد حسن دہلوی) اور ان کے علاوہ بیسیوں کتابیں ہیں، جو عرب ممالک میں برابر چھپتی رہتی ہیں اور ہر تجارتی مکتبہ اور لائبریری میں دستیاب ہیں اور علماء، طلبہ اور محققین ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

ان کے مقابلے میں برصغیر کے علمائے احناف نے کتب حدیث کے جو حواشی و شروح لکھے ہیں، مسلکی تعصب، احادیث کی بے جا تاویل اور صحیح احادیث کے مقابلے میں ضعیف، منقطع، مرسل روایات اور آثار صحابہ و تابعین سے استدلال ان کا طرۂ امتیاز ہے، احادیث کی تحقیق و تخریج میں بھی محدثین کے بجائے فقہائے اہل الرائے کے اصول پیشِ نظر رہے ہیں، ان ساری کوششوں کے باوجود بھی جب مسلک کے لیے کتبِ حدیث کا ''ضرر'' دور نہ ہوسکا تو مبینہ طور پر ان کے مقابلے میں حدیث کی ایسی کتابیں تیار کی گئیں، جن سے مسلک کی تائید کا فائدہ حاصل ہو۔ ''بلوغ المرام'' کے مقابلہ میں ''آثار السنن''، ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے مقابلے میں ''زجاجۃ المصابیح''، ''صحیح البخاری'' کے مقابلے میں ''صحیح البہاری'' اور محدثین کی تمام کتب سنن کے مقابلے میں ''اِعلاء السنن'' کی تالیف کا یہی پس منظر ہے، لیکن ان کتابوں کا رواج نہ ہو سکا، اس لئے کہ محدثین کی سابقہ تمام تالیفات میں حنفی شافعی، مالکی، حنبلی فقہ کو پیش نظر رکھ کر حدیثیں جمع نہیں کی گئی تھیں، بلکہ محدثانہ اصول اور شرائط کے مطابق ان کا انتخاب کیا گیا تھا اور ان کی بے لاگ تنقید و تحقیق کی گئی تھی، خواہ وہ کسی بھی امام کے فقہی مسلک کے موافق ہو یا مخالف۔

موطأ، صحیحین، سنن اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، مستدرک حاکم، بیہقی، دارمی، دارقطنی، مسند احمد، بزار، ابویعلی، طیالسی، حمیدی، عبد بن حمید، اسحاق بن راہویہ، ابوعوانہ، طبرانی، مصنف عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، سنن سعید بن منصور، ''شرح السنۃ'' (بغوی) اور ''الأحادیث المختارۃ'' (ضیاء مقدسی)، پھر ان سے مختصر کر کے اور سند حذف کر کے جو کتابیں تیار کی گئیں جیسے جامع الاصول، مجمع الزوائد، المطالب العالیہ، کنز العمال، الترغیب والترہیب، ریاض الصالحین، الالمام فی احادیث الأحکام (ابن دقیق العید)، المحرّر (ابن عبدالہادی)، بلوغ المرام، تقریب الاسانید (عراقی)، عمدۃ الاحکام، منتقی الاخبار، مصابیح السنۃ، مشکوۃ المصابیح، الجامع الصغیر وغیرہ، اسی طرح علل، موضوعات، تخریج احادیث اور جرح و تعدیل پر جو عظیم الشان کام ہوا، کہیں بھی مسلکی تعصب کی بنا پر کوئی مجموعہ تیار کرنے اور مسلک کی تائید کے لیے احادیث کی تصحیح یا تضعیف کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔

محدثین کے منہج کو چھوڑ کر علم حدیث کے باب میں کوئی مفید کام کرنا ممکن نہیں، تنقیدِ حدیث اور فقہِ حدیث کے لیے جو اصول و قواعد محدثین استعمال کرتے ہیں، انہیں سمجھنا پھر ان پر عمل کرنا از بس ضروری ہے، کوئی خود ساختہ منہج یہاں قابلِ قبول نہیں ہوسکتا، دنیا کے سارے علوم وفنون میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، عربی زبان سیکھنے کے

لیے فارسی کے قواعد کا کوئی سہارا نہیں لیتا، اسلامی اصطلاحات سمجھنے کے لیے ان کے مخصوص ماٰخذ ہیں۔

سابقہ گزارشات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان کیا فرق ہے، مزید تفصیل کے لیے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا باب الفرق بین اہل الحدیث واھل الرائے دیکھئے۔

۔۴۔

شاہ صاحب نے ایک پتے کی بات یہ بھی کہی ہے کہ ابو المؤید خوارزمی (م۶۵۵ھ) کی جمع کردہ ''مسانید امام ابی حنیفہ'' کا درجہ چوتھے طبقہ کی ضعیف، موضوع اور منکر احادیث پر مشتمل کتابوں کے قریب قریب ہے، جن سے بدعتی حضرات اپنے مذہب کی تائید کے لیے دلیلیں اکٹھا کرتے ہیں۔ (حجة الله: ۱/ ۱۳۵)

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب مؤلف نے (خود اپنی تصریح کے مطابق) تعصب اور اندھی عقیدت کے جذبے سے تالیف کی ہے، اس لئے اس میں بے شمار وہ حدیثیں جمع کر دیں ہیں، جن کا امام ابوحنیفہ سے ثبوت ہی نہیں اور ان کے معروف تلامذہ (امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ) کے علم میں کبھی نہ آئیں، خوارزمی سے قبل حارثی (م۳۴۰ھ) نے یہی کام کیا، جو محدثین کے نزدیک ضعیف، ناقابلِ احتجاج بلکہ متہم بوضع الحدیث ہے۔
(دیکھئے: میزان الاعتدال: ۲/ ۴۹۶، ۴۹۷ و لسان المیزان: ۳/ ۳۴۸، ۳۴۹)

پھر ابن خسرو (م۵۲۶ھ) میدان میں آئے اور چونکہ وہ حاطب اللیل تھے اور علامہ ابن عساکر کے بقول انہیں علم حدیث کا کچھ پتہ نہ تھا، اس لیے ہر طرح کی رطب ویابس روایات اور عجائب وغرائب امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر دیں۔ (دیکھئے: لسان المیزان: ۲/ ۳۱۲)

متاخرین کا سارا دارومدار ان ہی کتابوں پر ہے، حصکفی نے ان ہی سے منتخب کر کے ایک مسند تیار کی، جو امام صاحب کے مقلدین کے درمیان متداول ہے، مگر محدثین کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں، یہ حصکفی کون ہیں؟ اس کے بارے میں بھی قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، اگر یہ موسیٰ بن زکریا ہیں تو ان کی وفات (۶۵۰ھ) میں ہوئی، مگر ان کے حالات میں کہیں اس مسند کا تذکرہ نہیں۔ (دیکھئے: الجواهر المضية: ۳/ ۵۱۶)

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۲/ ۱۶۸۰، ۱۶۸۲) میں مسند ابی حنیفہ کے مرتبین میں ان کا نام نہیں لیا ہے، اس لئے لگتا ہے یہ حصفکی کوئی غیر معروف شخص ہے، حصفکی اور خوارزمی کی ان مسانید کے ناقابل اعتبار ہونے کے علاوہ اس کے مطبوعہ اور قلمی نسخے تحریفات وتصحیفات اور اغلاط واسقاط سے پُر ہیں، اگر حارثی اور ابن خسرو کی کتابوں سے ان کی تصحیح کر بھی لی جائے، تو ان میں مذکورہ احادیث کے سلسلے میں تین سوال قائم ہوتے ہیں اور حدیث کی ساری معتمد کتابوں کی صحت کا دارومدار ان کے جواب پر ہے:

۱۔ ان مؤلفین سے ہم تک یہ کتابیں قابل اعتماد ذریعہ سے پہنچی ہوں، مجہول الحال، غیر معروف اور ضعیف ومتکلم فیہ

راویوں کی روایت کردہ نہ ہوں، ہر دور میں ان کی قراءت وسماع کا اہتمام رہا ہو، ان کے صحیح قلمی نسخے موجود ہوں، ان کے سارے متون واسانید کے ضبط وتنقیح وتحقیق کا اہتمام ہوا ہو، بعد کے علماء ومحدثین نے ان کی احادیث اپنی کتابوں میں نقل کی ہوں اور ان پر اعتماد کیا ہو۔

۲۔ یہ مؤلفین خود ثقہ ہوں اور انہوں نے بڑی احتیاط سے حدیثیں جمع کی ہوں، اسانید کی چھان بین کا اہتمام کیا ہو، ہر طرح کی رطب ویابس اور بے سروپا روایات جمع نہ کر دی ہوں، ورنہ مؤلفین کے ثقہ ہونے کے باوجود ان کی کتابوں کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۳۔ ان مؤلفین سے رسول اللہ ﷺ تک اسانید متصل ہوں، ان کے سارے رجال ثقہ اور عادل ہوں، ان میں کہیں کوئی علت یا شذوذ نہ ہو، ورنہ مؤلفین اور کتابوں کے قابل اعتماد ہونے کے باوجود وہ حدیثیں، جو مذکورہ معیار پر پوری نہیں اترتیں، ضعیف، منکر یا موضوع سمجھی جائیں گی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ان کی نسبت درست نہیں ہوگی۔

حدیث کی ساری معروف ومتداول کتابوں پر ان امور کا انطباق کیجئے، پھر مذکورہ مؤلفین کے مرتب کردہ مسند ابی حنیفہ کو ان کی روشنی میں پرکھیئے، تو آپ کو شاہ ولی اللہ اور دیگر محدثین کے انہیں ناقابلِ التفات قرار دینے کی وجہ سمجھ میں آجائے گی، یہ مؤلفین چونکہ خود ہی ناقابلِ اعتماد ہیں، جیسا کہ میزان الاعتدال اور لسان المیز ان وغیرہ کتبِ رجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے اصولی طور پر ان کی جمع کردہ ساری روایات ضعیف اور مشکوک ہوجاتی ہیں، ہم ان میں سے کسی حدیث کے بارے میں اطمینان کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ ہے، پھر ان میں مذکورہ سندوں کے اکثر رجال مجہول یا ضعیف ہیں، اتصالِ سند کا کوئی پتہ نہیں، اکثر احادیث سند اور متن کے لحاظ سے معلول اور منکر ہیں، صحیحین، سنن اربعہ اور مسند احمد وغیرہ کی صحیح اور معروف احادیث سے تقابل کرنے کے بعد ان کا ضعف ہر شخص پر ظاہر ہوسکتا ہے، جو متن صحیح ہیں ان پر بھی عجیب وغریب سندیں لگا دی گئی ہیں، محدثین کے یہاں اگر ایک حدیث کسی صحابی سے مروی ومشہور ہے، تو یہاں وہ کسی دوسرے سے مروی ملے گی، حدیث کی ساری کتابوں میں اگر ایک صحابی سے چند تابعین وہ حدیث روایت کرتے ہیں، ان مسانید میں ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس کی روایت کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

باقی رہا ان کتابوں کا ہم تک قابلِ اعتماد ذریعہ سے پہنچنا، تو اس کے ادنیٰ شرائط پر بھی یہ مسانید پوری نہیں اترتیں، نہ وہ کتابیں ہر دور میں متداول اور مشہور رہی ہیں، نہ ان کے متون واسانید کی تنقیح کا کوئی کام ہوا ہے، نہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے محدثین حدیثیں نقل کرتے ہیں، نہ ان کے صحیح اور مستند نسخے پائے جاتے ہیں، نہ ان کتابوں کی مختلف طبقوں میں روایت کرنے والے ثقہ اور معروف ہیں، ان کتابوں کا کوئی ذکر کرتا بھی ہے تو غرائب ومناکیر بیان

کرنے کے لیے اور ان کی قراءت و اجازت بھی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب احادیث کی بڑی تعداد ان میں پائی جاتی ہے، یہ مقصد نہیں کہ وہ حقیقتاً ان کی بیان کردہ احادیث ہیں، علامہ حسینی نے ''التذکرۃ برجال العشرۃ'' میں اور حافظ ابن حجر نے ''تعجیل المنفعۃ'' میں ابن خسرو کی جمع کردہ مسند کے صرف وہ رجال ذکر کیے ہیں، جو سند میں امام ابوحنیفہ کے بعد آتے ہیں، مؤلف سے امام صاحب تک کے رجال کی تحقیق جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اور اس کے بغیر ان احادیث کا انتساب رسول اللہ ﷺ سے کیا خود امام صاحب سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

-۵-

جملہ معترضہ کے طور پر مسانید امام ابی حنیفہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ کچھ لوگوں کو ان کی صحت اور شہرت پر اصرار ہے، جبکہ محدثین کے نزدیک ان کا جو درجہ ہے، وہ مخفی نہیں، اس کے برعکس صحیحین (جن کی صحت پر محدثین بلکہ تمام علمائے امت کا اجماع ہے) پر بعض اہل ہوی و بدعت جرح وتنقید کرتے ہیں، ان کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے مؤلفین (امام بخاری و امام مسلم) پر طرح طرح سے طعن کرتے ہیں، تاکہ ان کتابوں کی عظمت اور اہمیت لوگوں کی نظر میں کم ہوجائے، شاہ ولی اللہ ؒ حجۃ اللہ البالغۃ (۱/۱۳۴) میں فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأنه كل من يهوّن أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين، وإن شئت الحق الصراح فقسهما بكتاب ابن أبي شيبة وكتاب الطحاوي و مسند الخوارزمي وغيرها تجد بينها وبينهما بعد المشرقين."

صحیح بخاری، امام بخاری اور اہل حدیث کے خلاف بغض و عداوت کی فضا برصغیر میں کب اور کیوں پیدا ہوئی؟ اہل حدیث کو کس کس طرح ستایا گیا؟ مسجدوں میں ان کا داخلہ کیوں بند کیا گیا؟ ان کے خلاف حکومت کو کیسے اکسایا گیا؟ انہیں ہر طرح بدنام کرنے کی کوشش کیوں کی گئی؟ علمی، تعلیمی اور دعوتی میدانوں میں نمایاں کامیابی کی وجہ سے انہیں کس طرح جدل و مناظرہ کے میدان میں دھکیل دیا گیا؟ اور وہ طوعاً وکرھاً اس کے لیے تیار ہوئے، ان امور کی تفصیلات تاریخ اہل حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، یہاں میں طرفین کے مناظرانہ لٹریچر کی روشنی میں ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اس سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ اہل حدیث کی دعوت ساری رکاوٹوں کے باوجود برابر پھیلتی رہی اور ہر طرح بدنام کرنے کے باوجود حقیقت لوگوں پر واضح ہوتی گئی، آج برصغیر میں بہت بڑی تعداد اس عقیدہ و منہج کی حامل موجود ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور توحید وسنت کے جو بھی آثار یہاں پائے جاتے ہیں، وہ اسی جماعت کی ہمہ جہت کوششوں کی وجہ سے ہیں۔

-٦-

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اہل حدیث اور احناف کے درمیان جن موضوعات پر بحث ومباحثہ ہوا ان میں سب سے مہتم بالشان مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کا تھا، اہل حدیث تقلید شخصی کے قائل نہیں، بلکہ عمل بالحدیث کے داعی ہیں، چنانچہ اس مسئلہ پر انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں، احناف نے جب بھی وجوب تقلید سے متعلق کوئی رسالہ شائع کیا، اہل حدیث علماء نے اس کی تردید ضروری سمجھی، چنانچہ اس موضوع پر بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہوئیں۔

محمد شاہ پنجابی حنفی نے ایک کتاب ’تنویر الحق‘ لکھی تو میاں نذیر حسین محدث دہلوی نے اس کے جواب میں ’’معیار الحق‘‘ شائع کی، جو تقلید واجتہاد کے موضوع پر بے نظیر ہے، پھر مولوی ارشاد حسین رامپوری حنفی نے ’’معیار الحق‘‘ کے جواب میں ’’انتصار الحق‘‘ لکھی تو اس کے جواب میں اہل حدیث علماء کی طرف سے چار کتابیں شائع ہوئیں: "براهين اثنا عشر" (امير حسن سهسواني)، "بحر زخار"، "اختيار الحق"، "تلخيص الأنظار فيما بني عليه الانتصار"

مولانا رشید احمد گنگوہی نے ’’سبیل الرشاد‘ میں تقلید کے وجوب کی بابت لکھا تو اس کے جواب میں "الإرشاد إلى سبيل الرشاد" (ابو یحییٰ محمد شاہجہان پوری) اور "صيانة العباد عن تلبيسات سبيل الرشاد" (عزیز الدین اکبر آبادی) اہل حدیث کی طرف سے شائع ہوئیں،’’الارشاد‘ علمی، سنجیدہ اور تحقیقی کتاب ہے، اسے پڑھنے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند شخص اہل حدیث سے بغض وعداوت باقی نہیں رکھ سکتا، متعصب اور تنگ نظر حضرات کی بات اور ہے۔

وجوبِ تقلید سے متعلق شوق نیموی حنفی کی کتاب "أوشحة الجيد" کے جواب میں "الجواب السديد عما أورده في أوشحة الجيد" (ابو المکارم محمد علی مئوی)، لطف الرحمٰن حنفی کی کتاب "التسديد" کے جواب میں "تأسيس التوحيد في إبطال وجوب التقليد" (عبدالرحمٰن بقا غازیپوری)، اور مولا اشرف علی تھانوی کی کتاب "الاقتصاد في التقليد والاجتهاد" کے جواب میں چار کتابیں "الانتقاد فيما ورد في الاقتصاد" (عبداللہ عرف نوازش محمدی)، ارشاد محمدی (محمد جونا گڑھی)، تقلید شخصی وسلفی (ثناء اللہ امرتسری) اور’’اہل حدیث کے امتیازی مسائل‘‘ (عبداللہ روپڑی) معروف ومشہور ہیں۔

اسی طرح "وجوب التقليد بالقرآن المجيد" (وزیر الدین دہلوی حنفی) کے جواب میں "فأس التوحيد على رأس التقليد" (منشی نجف خاں میرٹھی)،’’وجوبِ تقلید ائمہ اربعہ‘ (بذل الرحمٰن جسری حنفی) کے جواب میں "الوعد الشديد على أرباب التقليد" (محمد خدا بخش ہریہر گنجی)، "تنبيه الرفيق" (محمد احسن نانوتوی حنفی) کے جواب میں تین کتابیں: "هداية الشفيق" (شکر اللہ) "العجالة في إزالة الإزالة" (شکر اللہ) اور "صمصام التحقيق على مغالطة تنبيه الرفيق" (محمد دہکاوی)، "التقليد" (حبیب اللہ ندوری حنفی) کے رد میں "التنقيد

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

في رد التقليد" (ابو القاسم سیف بنارسی)، "مقياسِ حنفيت" (محمد عمر اچھروی حنفی) کے جواب میں "مقياسِ حقيقت" (محمد اشرف سندھو) بار بار شائع ہوچکی ہیں۔

یہاں موقع کی مناسبت سے اہل حدیث اور احناف کے درمیان ایک مشہور مناظرہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جو مسئلہ تقلید سے متعلق مرشد آباد (بنگال) میں (۱۳۰۵ھ) ہوا تھا، اس کی روداد چھپی ہوئی ہے، اس میں اہل حدیث کی طرف سے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور احناف کی طرف سے مولانا عبدالحق حقانی اور دیگر علماء تھے، مناظرہ کئی دن تک چلتا رہا، آخر اہل حدیث غالب آئے اور اس کے نتیجہ میں احناف کی ایک بڑی تعداد نے اہل حدیث مسلک قبول کرلیا۔

-۷-

چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک مسلک اہل حدیث برصغیر کے اکثر علاقوں میں مختلف اسباب کی بنا پر بڑی تیزی سے پھیلتا گیا اور جتنا ہی اس کی مخالفت کی جاتی اتنا ہی اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا، تقلید اور دیگر مسائل پر بحث و مباحثہ، جدل و مناظرہ، تصنیف و تالیف، کتب حدیث کی تدریس، ان کے اردو ترجموں کی نشر و اشاعت، مساجد میں درسِ حدیث، مختلف علاقوں میں دعوتی جلسوں، صحافت اور شاعری کے ذریعہ عقیدہ و مسلک کی اشاعت کا کام روز افزوں تھا، یہ صورتِ حال احناف کے لیے سخت تشویش کا باعث تھی، چنانچہ انہوں نے علمی بحث وتحقیق کے بجائے اہل حدیث کے خلاف جھوٹے الزامات لگانے شروع کئے، ان کی طرف ایسے عقائد و مسائل منسوب کیے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں، مقصد یہ تھا کہ اس طرح عوام میں انہیں بدنام کیا جائے، انہیں اہل سنت سے خارج کر دیا جائے اور ان کا داخلہ مسجدوں میں بند کر دیا جائے، اتنا ہی نہیں بلکہ حکومت میں ان کے خلاف شکایت کی گئی، ان کے خلاف مقدمات قائم کئے گئے، ان کے علماء خصوصاً میاں نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن خاں کے خلاف ہند وبیرونِ ہند میں محاذ آرائی کی گئی، اور ان کی خالص علمی، تعلیمی اور دعوتی سرگرمیوں کو وہابیت کا نام دیا گیا، جو عوام کے نزدیک گالی اور حکمرانوں کے نزدیک بغاوت کے مترادف تھا۔

۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں ایک کتاب "جامع الشواهد فی إخراج الوهابيين عن المساجد" (وصی احمد سورتی) شائع کی گئی، اس سے قبل ایک رسالہ "انتظام المساجد بإخراج أهل الفتن والمفاسد" (محمد لودھیانوی) لکھا گیا، ان دونوں کی خوب اشاعت کی گئی اور ان کی بناء اہل حدیث کو احناف کی مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکا جانے لگا، اور طرح طرح سے انہیں مطعون اور بدنام کر کے پریشان کیا جانے لگا، چنانچہ بڑے پیمانے پر مذہبی فسادات شروع ہوئے اور نوبت عدالت میں مقدمات تک پہنچی، جن کی تفصیل ان رودادوں میں موجود ہے، جو اس سلسلے میں رسالوں کی شکل میں شائع ہوچکی ہیں، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب

''فتوحات اہل حدیث'' میں اس طرح کے ۳۲ مقدمات کی تفصیل مذکور ہے، جو (۱۸۶۸ء) سے (۱۹۱۲ء) تک برصغیر کی مختلف عدالتوں میں دائر کئے گئے اور ان میں بحق اہل حدیث فیصلہ ہوا۔

''جامع الشواہد'' میں اہل حدیث کی طرف جن عقائد اور مسائل کا انتساب کیا گیا تھا، چونکہ وہ سب الزامات غلط بیانی، مغالطوں اور صریح جھوٹ پر مبنی تھے، اس لئے کئی علمائے اہل حدیث نے ان کے مفصل جوابات تحریر فرمائے اور شائع کئے:

۱۔ "إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان" (حافظ عبداللہ غازیپوری)

۲۔ "كاشف المكائد في رد من منع عن المساجد" (مؤلف نامعلوم)

۳۔ "صيانة المؤمنين عن تلبيس المبتدعين" (عبداللہ میواتی)

۴۔ "عمارة المساجد بهدم أساس جامع الشواهد" (محمد سعید بنارسی)

۵۔ "جامع الفوائد" (عبیداللہ پائلی)

ہر مؤلف نے اپنے اپنے انداز میں ان سب بے بنیاد الزامات کے مدلل طریقے سے جواب دیے اور ثابت کیا کہ وہ سب خلافِ واقعہ ہیں۔

اسی زمانے میں شیخ عبدالرحمٰن پانی پتی حنفی نے ایک رسالہ "كشف الحجاب" لکھا تھا، جس میں میاں صاحب اور نواب صاحب پر لعن طعن کے علاوہ اہل حدیث کو روافض جیسا بتایا گیا تھا، اس کے جواب میں تین کتابیں اہل حدیث علماء کی طرف سے شائع ہوئیں: "هداية المرتاب بردّ ما في كشف الحجاب" (محمد سعید بنارسی)، "إظهار الحق والصواب في رد هفوات المرتاب" (عبدالصمد داناپوری) اور "ضميمه فؤوس الكملة على رؤوس الجهلة" (الٰہی بخش بڑاکری) "هداية المرتاب" کی تنقید میں ایک مضمون مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی نے اخبار ''شحنۂ ہند'' (یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء) میں لکھا تو اس کے جواب میں مولانا محمد سعید بنارسی نے "كشف الارتياب عن أجوبة المرتاب" شائع کیا۔

حنفی علماء میں مولانا عبدالحی لکھنوی (م۱۳۰۴ھ) بڑے معتدل تصور کئے جاتے ہیں، انہوں نے حدیث وفقہ سے متعلق اپنی تصانیف میں جگہ جگہ دلائل کے آگے سپر ڈال دی ہے اور حنفی مذہب کو کئی مسائل میں مرجوح اور ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ بعض متعصب حنفی علماء پر سخت تنقید بھی کی ہے، مگر اس زمانے میں اہل حدیث کے خلاف جو فضا تھی، اس سے وہ بھی متاثر ہوئے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں کی "إتحاف النبلاء" "أبجد العلوم" "الإكسير في أصول التفسير" وغیرہ پر جگہ جگہ اپنی کتاب "النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير" اور دوسری کتابوں میں تنقید کی اور ان میں تاریخی غلطیاں نکالنے کی کوشش کی، اور نواب صاحب کو "غير ملتزم الصحة" قرار دیا، جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ

کسی کے حالات لکھتے وقت صحت کا التزام نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں "شفاء العي عما أو رده الشيخ عبدالحي" شائع ہوئی، جس پر مؤلف کا نام ابوالفتح عبدالنصیر لکھا ہوا ہے، اس سے مراد نواب صدیق حسن ہیں، کچھ لوگ اسے مولانا محمد بشیر سہسوانی کی طرف منسوب کرتے ہیں، مولانا عبدالحی نے اس کے رد میں "إبراز الغي الواقع في شفاء العي" لکھی، تو اس کے جواب میں نواب صاحب نے "تبصرة الناقد بردّ كيد الحاسد" شائع کی، مولانا عبدالحیٔ نے پھر "تذكرة الراشد في رد تبصرة الناقد" لکھی تو اس کے جواب میں علمائے اہل حدیث نے دو کتابیں شائع کیں: "آخر الدواء الكيّ لبرء داء عبدالحي" (محمد ٹونکی) اور "هداية المرتاب" (محمد سعید بنارسی) دوسری کتاب کے جواب میں پھر مولانا عبدالحي نے "خاتمة هداية المرتاب" لکھا تو اس کے رد میں مولانا محمد سعید بنارسی نے "إقبال الحيّ على ردّ عبدالحيّ" شائع کی اور اس طرح بحث ومناقشہ کا یہ سلسلہ بند ہوا۔

پھر مسئلہ زیارتِ قبر نبوی پر مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا محمد بشیر سہسوانی کے درمیان بحث ومناظرہ کا سلسلہ شروع ہوا، مولانا سہسوانی نے اس مسئلہ کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک کتاب "القول المحكم في زيارة قبر الحبيب الأكرم" لکھی، جس میں اہل سنت کا مسلک مع دلائل ذکر کیا اور امام ابن تیمیہ نے اپنی مختلف کتابوں میں اس موضوع سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا تھا، اسے پیش کیا اور ان کی طرف زیارت قبر نبوی سے ممانعت کی جو نسبت کی جاتی ہے، اس کی حقیقت بیان کی۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس کے رد میں "الكلام المبرم في رد القول المحكم" لکھی، تو اس کے جواب میں مولانا سہسوانی نے "القول المنصور" شائع کی، پھر اس کے رد میں مولانا عبدالحی نے "الكلام المبرور في ردّ القول المنصور" لکھی تو اس کے جواب میں مولانا سہسوانی نے "المذهب المأثور" شائع کی، پھر اس کے رد میں مولانا عبدالحی نے "السعي المشكور في ردّ المذهب المأثور" لکھی تو مولانا سہسوانی نے "اتمام الحجة على من أوجب الزيارة مثل الحجه" شائع کی اور اس طرح بحث کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔

ان ہی ایام میں ایک اہل حدیث عالم شیخ محي الدين لاہوری نے "الظفر المبين في رد مغالطات المقلدين" کی دو جلدیں شائع کیں، جس میں احناف کے ۲۵ مغالطات کی تردید، مسلک اہل حدیث کی توضیح اور ۱۰۰ مسائل میں حنفی مذہب کی جمہور سلف سے مخالفت، اور دوسرے ۱۰۰ مسائل میں صحیح احادیث کی مخالفت کا بیان تھا، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے اس کے جواب میں "نصرة المجتهدين بردّ هفوات غير المقلدين" لکھی، تو اس کے رد میں اہل حدیث علماء کی طرف سے دو کتابیں شائع ہوئیں: "فؤوس الكملة على رؤوس الجهلة" (الٰہی بخش بڑاکری) اور "صيانة المعتقدين عن تلبيسات نصرة المجتهدين" (محمد سعید بنارسی)

اہل حدیث کے عقائد اور مسائل کی تردید میں کتابیں بریلوی اور دیوبندی احناف کی طرف سے برابر شائع ہوتی رہیں اور ان سب کا جواب اہل حدیث علماء کی طرف سے برابر شائع ہوتا رہا، اس سلسلے کی ساری کتابوں کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، فضل رسول بدایونی حنفی کی "بوارق لھابیه" کے جواب میں مولانا بشیر الدین قنوجی کی "الصواعق الإلهية لطرد الشياطين اللهابية"، مہدی حسن شاہجہانپوری حنفی کی "قطع الوتين" کے جواب میں ''مقلدین کا قطع الوتین'' (محمد یوسف شمس فیض آبادی)، ''فقہ احناف کے اسراسری گر'' (عبدالجلیل سامرودی) اور ''عصائے محمدی'' (محمد جونا گڑھی) تین کتابیں، ''پاکٹ بک حنفیہ'' (محمد حسین حنفی) کے جواب میں مولانا حافظ محمد گوندلوی کی "الاصلاح"، "الصواعق الإلهية على الطائفة الوهابية النجدية" (حنفی) کے جواب میں "اللوامع الإلهية على الصواعق الإلهية" (ثناء اللہ امرتسری) وغیرہ بے شمار کتابیں شائع ہوئیں، پھر الگ الگ ایک ایک مسئلہ کی تحقیق میں طرفین کی طرف سے جو مناظرانہ رسائل شائع ہوئے، وہ ان پر مستزاد، یہ سارا ذخیرہ اب لائبریریوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے چند ہی کتابیں ایسی ہوں گی، جو دوبارہ شائع ہوئیں۔

اس پورے ذخیرہ کا جائزہ لینے سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث اور احناف کے درمیان بحث و مناظرہ سے زیادہ فائدہ اہل حدیث کو حاصل ہوا، الزام تراشی اور کذب بیانی کی حقیقت لوگوں کے سامنے آئی، مسائل کی تحقیق کی طرف توجہ ہوئی، احادیث کی تلاش اور چھان بین کی ضرورت محسوس ہوئی، فقہ و فتاویٰ کی کتابوں پر اندھا اعتماد ختم ہوا، علم حدیث سے شغف پیدا ہوا، اصل مآخذ و مراجع تک رسائی ہوئی، عقائد کے باب میں توہمات وخرافات سے نجات ملی، شرک و بدعت کی حقیقت واضح ہوئی، توحید و سنت کے نقوش نکھر کے سامنے آگئے اور بڑی حد تک اہل حدیث کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اہل حدیث لٹریچر خواہ وہ مناظرانہ ہی کیوں نہ ہو، علم و تحقیق کے آداب اس میں ہمیشہ ملحوظ رکھے گئے، اہل حدیث علماء چونکہ سارے علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کی امہات کتب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور احادیث کی تنقید و تحقیق کے میدان میں کسی طرح کے تعصب یا تحفظ کا شکار نہ تھے، ان کے اندر شخصیت پرستی نہ تھی، اس لئے بسا اوقات مختلف مسائل میں خود ان کے درمیان بھی اختلاف رائے ہوجاتا تھا اور ہر ایک اپنی تحقیق اور صواب دید کے مطابق دلائل کی روشنی میں دوسرے کی تردید کرتا، اس کی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

ان کے برعکس حنفی علماء عموماً (مولانا عبدالحی لکھنوی کو چھوڑ کر) ہمیشہ اپنے فقہی مسلک کی تائید اور اہل حدیث کی تردید کے نقطۂ نظر سے مسائل پر بحث کرتے، احادیث کی تصحیح و تضعیف کے سلسلے میں محدثین کے قواعد کی پابندی ان کے لیے دشوار تھی، اس لئے انہوں نے کچھ ایسے فقہی واصولی قواعد وضع کئے، جن کا سہارا لے کر وہ احادیث کی تاویل

وتوجیہہ کرتے، "إعلاء السنن" کا مقدمہ "إنهاء السكن" ایسے ہی قواعد پر مشتمل ہے، جسے بعض لوگوں نے "قواعد في علوم الحديث" کا نام دے دیا ہے، اس کے ساتھ "على طريقة الحنفية" کا اضافہ کر دینا چاہیے، تاکہ علماء وطلبہ اس سے دھوکا نہ کھائیں اور ان قواعد کو محدثین کے قواعد نہ سمجھیں، شیخ بدیع الدین شاہ راشدی مرحوم نے "نقض قواعد في علوم الحديث" میں ان سارے قواعد کی حقیقت بیان کر دی ہے۔

-۸-

اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان اصولی طور پر جو فرق ہے، شاہ ولی نے "حجة الله البالغه" میں "باب الفرق بين أهل الحديث وأهل الرأي" کے اندر اس کی تفصیل بیان کی ہے، قارئین کرام اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، افسوس کہ حنفی علماء اس کے باوجود اہل حدیث منہج سے واقف نہ ہو سکے اور ہمیشہ فقہاء اور محدثین کے درمیان غلط طریقے سے موازانہ کرتے رہے، یہ سلسلہ برصغیر میں علامہ شبلی نعمانی سے آج تک جاری ہے، شبلی نے ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں "سیرۃ النعمان" شائع کی، اس میں انہوں نے فقہاء اور محدثین کے منہج کا جس طرح موازنہ کیا اور امام بخاری اور ان کی کتاب "صحیح" پر جو تبصرہ کیا تھا، اہل حدیث علماء نے اس کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری سمجھا، تاکہ حقیقت لوگوں کے سامنے آ سکے، اس کے لیے انہوں نے تین اسلوب اختیار کئے:

۱۔ ایک تو یہ کہ کتاب میں موجود ساری علمی غلطیوں کی نشاندھی کی جائے، مؤلف نے جو حوالے دیے ہیں، وہ چیک کئے جائیں اور نتیجہ نکالنے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی ہے، اس کا ذکر کیا جائے، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م۱۳۳۶ھ) نے "حسن البيان فيما في سيرة النعمان" میں یہ کام کیا جو پہلی بار ۱۳۱۱ھ میں چھپی، اس کی اشاعت کے بعد شبلی نے اپنی کتاب میں کئی صریح غلطیوں کی اصلاح کر لی، یہی وجہ ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں پہلے ایڈیشن کے سارے مؤاخذات موجود نہیں۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ کہ امام بخاری اور تمام محدثین کے منہج اور طریقہ کار پر مفصل بحث کی جائے اور صحیح بخاری کی اہمیت، قدر و قیمت اور خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو ہو، تاکہ فقہائے اہل الرائے کے مقابلے میں فقہائے اہل الحدیث کا اندازِ تحقیق و استنباط و استدلال لوگوں کو سمجھ میں آئے اور وہ ان پر بے جا تنقید وتبصرہ سے احتراز کریں، چنانچہ مولانا عبدالسلام مبارک پوری (م۱۳۴۲ھ) نے علامہ عظیم آبادی کے مشورے سے "سیرۃ البخاری" تالیف فرمائی، جو ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوئی، یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے، اس میں نہ صرف امام بخاری کے حالات زندگی ہیں بلکہ ان کی "صحیح" کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ اور محدثین کے منہج کا مفصل تذکرہ بھی ہے۔

۳۔ تیسرا اسلوب یہ کہ شبلی نے امام ابوحنیفہ کے جو مناقب وفضائل بیان کئے تھے، وہ تصویر کا ایک رخ ہے، ان کے بارے میں محدثین اور علمائے جرح وتعدیل کے جو اقوال کتب تاریخ ورجال میں پائے جاتے ہیں، وہ بھی پیش

کئے جائیں، تاکہ تصویر کا دوسرا رخ سامنے آئے، اس انداز کی متعدد کتابیں بھی شائع ہوئیں، جیسے ''تاریخ بغداد'' میں امام ابوحنیفہ کے حالات اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں سے "كتاب الرد على أبي حنيفة" یہ دونوں اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوئے، اور ان پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

آزادی کے بعد ایک دیوبندی عالم احمد رضا بجنوری نے ''صحیح بخاری'' کی ایک اردو شرح "أنوار الباری" کے نام سے لکھنی شروع کی، جس میں انہوں نے اپنے استاد مولانا انور شاہ کشمیری اور دیگر علماء کے افادات جمع کرنے کی کوشش کی، اس کا مقدمہ انہوں نے دو حصوں میں شائع کیا، جس میں امام ابوحنیفہ، امام بخاری اور دوسرے فقہاء و محدثین کے حالات لکھنے کے ساتھ جگہ جگہ اہل حدیث پر تنقید کی، احناف کی خدمتِ حدیث کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا، شیخ محمد زاہد کوثری حنفی (جو اہل حدیث سے عداوت میں مشہور ہیں) کے افکار و نظریات اردو داں حضرات کے سامنے پیش کیے، جب کہ اہل علم عرب ممالک میں ان کی حقیقت سے خوب واقف ہیں، خصوصاً علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلّمی کی بے نظیر کتاب "التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل" کی اشاعت کے بعد شیخ کوثری کی حقیقت لوگوں کے سامنے آچکی ہے، "مقدمه أنوار الباری" ان ہی کوثری اور دیوبندی افادات کا مجموعہ ہے، جس کا مفصل تنقیدی جائزہ شیخ محمد رئیس ندوی مرحوم نے اپنی بے نظیر کتاب "اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات" میں لیا ہے، اس کی چار جلدیں چھپ چکی ہیں، پانچویں زیر طبع ہے۔

-۹-

علمائے احناف عموماً امام بخاری کا بڑے احترام اور تعظیم سے نام لیتے ہیں اور صحیح بخاری کے درس و تدریس اور شرح و تحشیہ کا کام کرتے رہتے ہیں، مولانا احمد علی سہارنپوری کے حاشیہ بخاری سے لے کر اب تک متعدد کتابیں اس سلسلے کی شائع ہوچکی ہیں، ان ساری کتابوں میں اگرچہ احادیث کی تاویل و توجیہ اور انہیں اپنے مسلک کے مطابق بنانے کی کوشش ہوتی ہے، لیکن صحیح بخاری یا امام بخاری پر طعن و تشنیع، ان کے بارے میں بے ہودہ گوئی اور بد زبانی، ان کی قدر و منزلت گھٹانے کی کوشش نہیں ہوتی، اس لئے کہ اہل سنت کے تمام فرقے (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہل حدیث) سارے محدثین، فقہاء، صوفیہ، متکلمین اور مؤرخین امام بخاری کے امیر المؤمنین فی الحدیث اور صحیح بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کے قائل ہیں اور شاہ ولی اللہ کے بقول ان کی شان گھٹانے والے اور ان پر زبان طعن دراز کرنے والے بدعتی ہیں۔

برصغیر میں بدقسمتی سے منکرین حدیث اور تجدد پسندوں کا ایک گروپیدا ہوگیا، جس نے صحیح بخاری اور دیگر ساری کتب احادیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر سرے سے حجیتِ حدیث کا انکار کر دیا، ہمیں فی الحال ان سے بحث نہیں، اس لئے کہ ان کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کی بار بار تردید ہوچکی ہے، اور اب احادیث کی صحت، حفاظت اور حجیت کے بارے میں ایسے شواہد اکٹھے ہوگئے ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں اور ان موضوعات پر اتنی کتابیں شائع ہوچکی

ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

اس گروہ کو ایک تو غیر مسلم مستشرقین نے مواد فراہم کیا، پھر کچھ اہل بدعت اور متعصب علماء نے اہل حدیث دشمنی میں امام بخاری اور کتب حدیث کا مذاق اڑایا، ان پر بے جا تنقید کی، سب وشتم اور طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار کیا، تو یہ سارا رطب و یابس ذخیرہ منکرین حدیث کے ہاتھ لگ گیا اور اسے مختلف پیرائے میں انہوں نے بار بار اپنی کتابوں میں دہرایا، اہل بدعت کے اس اسلوب کی ابتدا مولوی عمر کریم پٹنوی اور ان کے اعوان و انصار سے ہوئی، جو پہلے تو متعدد اشتہار شائع کر کے امام بخاری اور صحیح بخاری کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے رہے، پھر دو رسالوں ''اہل فقہ'' (امرتسر) اور ''سراج الاخبار'' (جہلم) میں مسلسل ایسے مضامین چھاپتے رہے، پھر انہیں کتابی شکل میں جمع کر کے "الجرح علی البخاري" کے نام سے دوحصوں میں ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء اور ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں شائع کیے، ایک اور کتاب "الکلام المحکم" بھی عمر کریم پٹنوی نے ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں شائع کی جس میں صحیح بخاری کے ۱۷۵ راویوں پر لا یعنی اعتراضات کیے گئے تھے۔

ان سارے اشتہارات، مضامین اور کتابوں کا ماحصل یہ ہے کہ:

صحیح بخاری حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب نہیں، اس سلسلے میں اجماعِ علمائے امت کی کوئی حیثیت نہیں، یہ دعوی بے بنیاد ہے کہ امام بخاری اپنے فن میں سارے جہان کے امام ہیں، وہ کسی مجتہدانہ صلاحیت کے حامل نہیں، وہ تو بس امام شافعی کے مقلد ہیں، علماء نے صحیح بخاری پر بڑی جرح کی ہے، اس میں بے شمار ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں، اس کی بہت سی حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں، اس کے بہت سے راوی مجروح اور سخت ضعیف بلکہ رافضی، مرجی اور بدعتی ہیں، اس کی احادیث ساری آحاد ہیں اور وہ سب ظنی ہیں، نیز وہ بالمعنی مروی ہیں، اس لئے غلطی کا بہت امکان ہے، اس کی بہت سی حدیثیں صحابہ کرام کے درمیان معمول بہا نہ تھیں، اس کے ترجمۃ الباب اور احادیث کے درمیان مطابقت نہیں، اس کی حدیثیں فقہ کے لیے معیار نہیں بن سکتیں، امام بخاری کی یہ کتاب ان کے استاد علی بن المدینی کی کتاب کی نقل ہے، ان کی اپنی تالیف نہیں، امام بخاری وفات کے وقت تک اسے کامل طور پر مرتب نہ کر سکے، صحیح بخاری میں کثرت سے صرفی ونحوی غلطیاں پائی جاتی ہیں، اس میں بہت سی ایسی روایات ہیں جو عقلاً قابل قبول نہیں، اس کی تمام حدیثوں کو مان لینا اندھی تقلید اور ضلالت بلکہ شرک ہے، امام بخاری کا حافظہ قوی نہ تھا، جن راویوں کو خود انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے، ان سے اپنی کتاب میں روایات نقل کرتے ہیں، ان کی فقاہت اور اجتہاد کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا، صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے۔

یہ ایک سرسری جائزہ ہے ان موضوعات کا جن پر یہ حضرات خامہ فرسائی کرتے رہے اور بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے، اہل حدیث علماء چونکہ ان موضوعات کی حقیقت سے خوب واقف ہیں، حدیث نبوی سے محبت، صحیح بخاری

کی عظمت اور امام بخاری اور دیگر تمام محدثین کی جلالت شان ان کے پیش نظر ہے، اس لیے انہوں نے ان گمراہ کن خیالات، بے جا اعتراضات اور جھوٹے الزامات کی حقیقت لوگوں کے سامنے بیان کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ متعدد علماء نے ان مضامین اور رسائل کی بابت ''اہل حدیث'' (امرتسر) اور دوسرے پرچوں میں بہت کچھ لکھا، ان میں سب سے نمایاں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی (م۱۳۶۹ھ) تھے، جنہوں نے ''اہل حدیث'' (امرتسر) میں سلسلہ مقالات کے علاوہ مستقل سات کتابیں عمر کریم پٹنوی اور اس کے رفقاء کے رد میں لکھیں، جو اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہیں۔

-۱۰-

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ﷫ علامہ شمس الحق عظیم آبادی ﷫ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان کے پاس ایک بڑی لائبریری تھی، جس میں ہند و بیرون ہند کی مطبوعہ مختلف علوم وفنون پر مشتمل عربی، فارسی اور اردو کی نادر و نایاب کتابیں تھیں، جن کا بڑا حصہ انہوں نے شروع سے اخیر تک پڑھ رکھا تھا، اہم مضامین اور مطالب پر نشانات لگا رکھے تھے اور کتابوں کے شروع میں ان کی فہرستیں اپنے قلم سے بنا رکھی تھیں، یہ سارا ذخیرہ اب جامعہ سلفیہ بنارس (ہند) کی لائبریری میں محفوظ ہے، اس ذخیرہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کتنے وسیع المطالعہ تھے اور کتابوں پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے، ان کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد ۶۰ سے متجاوز ہے، ان کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب اٹھائیے، آپ کو اس میں نادر و نایاب کتابوں کے اقتباسات اور حوالے ہر ہر فقرے میں نظر آئیں گے، وہ کوئی بات بلاحوالہ نہیں کہتے، مآخذ کا بقید جلد وصفحہ ذکر کرتے ہیں، کوئی فقہی مسئلہ ہو یا تاریخی بحث، تفسیر کا کوئی نکتہ ہو یا حدیث کی تحقیق، عقائد و مذاہب پر تنقید ہو یا ادب ولسانیات پر گفتگو، ہر جگہ وہ اتنے دلائل وشواہد، اقتباسات اور حوالے جمع کر دیتے ہیں کہ مزید تلاش وجستجو کی حاجت نہیں رہتی۔

علامہ عظیم آبادی نے انہیں عمر کریم پٹنوی کے ہفوات کا جواب دینے کی طرف توجہ دلائی، مطلوبہ مراجع ومصادر فراہم کیے اور ہر طرح ان سے تعاون کیا، چنانچہ انہوں نے "الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم" لکھی، لیکن اس کی اشاعت ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں علامہ عظیم آبادی کی وفات کے کچھ دنوں کے بعد ہوئی، جس کا مولانا بنارسی کو بڑا افسوس تھا، انہوں نے اس کے خاتمہ میں اس المیہ کا ذکر کیا ہے اور اپنے استاد مرحوم کی گوناگوں خوبیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پیش نظر مجموعہ حسب ذیل سات کتابوں پر مشتمل ہے:

۱۔ صراط مستقيم لهداية عمر كريم (طبع اول ۱۳۲۳ھ): یہ عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر (۲) (شائع کردہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ) کا مختصر جواب ہے۔

۲۔ الريح العقيم لحسم بناء عمر كريم (طبع ۱۳۲۸ھ): یہ عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر (۲) کے بقیہ مباحث کا مفصل جواب ہے، اس کے اخیر میں مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی تقریظ موجود ہے۔

۳۔ العرجون القديم في إفشاء هفوات عمر كريم (طبع ۱۳۲۶ھ): یہ عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر (۳) (شائع کردہ جمادی الآخرہ ۱۳۲۴ھ) کا معقول اور دنداں شکن جواب ہے، اس میں امام بخاری کا دفاع اور ان کے حالات زندگی تحقیق کے ساتھ مذکور ہیں، مولانا سیف بنارسی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کی تالیف رمضان (۱۳۲۴ھ) ہی میں مکمل کر لی تھی، مگر چند وجوہ کی بنا پر طباعت میں تاخیر ہوئی، اہل حدیث کے جن عقائد کا اشتہار میں ذکر کیا گیا تھا، اس رسالے میں ان کی مفصل تحقیق کی گئی ہے۔

۴۔ الخزي العظيم للمولوی عمر كريم (طبع ۱۳۲۸ھ): یہ عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر (۴) (مورخہ ۲۲ رجب ۱۳۲۸ھ) کا مفصل جواب ہے، جس میں اس نے دس حدیثیں بخاری کی پیش کر کے یہ لکھا تھا کہ ان کی ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں، اور چیلنج کیا تھا کہ اگر کوئی مطابقت ثابت کر دے تو اسے فی حدیث دو روپیہ انعام دیا جائے گا، مولانا بنارسی نے مطابقت دکھائی ہے۔

۵۔ ماء حميم للمولوی عمر كريم (طبع ۱۳۲۹ھ): اس میں عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر (۱) (رمضان ۱۳۲۲ھ) کے بارہ سوالوں کے اصولی جواب مفصل طور پر دیے گئے ہیں، پٹنوی کے اشتہار کے جواب میں ایک اشتہار اہل حدیث کی طرف سے الزامی جواب کے طور پر مولوی رفعت اللہ خاں نے شائع کیا تھا، اس وقت مولانا بنارسی طالب علم تھے، فراغت کے بعد انہیں اس کا تحقیقی جواب لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ یہ کتاب لکھی۔

۶۔ الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم (طبع ۱۳۲۹ھ): یہ "الكلام المحكم" کے جواب میں ہے، جس میں پٹنوی نے صحیح کے ۱۷۵ راویوں پر لایعنی اعتراضات کیے تھے۔

۷۔ حل مشکلات بخاری (مسمی بہ) الكوثر الجاري في جواب الجرح على البخاري (حصہ اول ۱۳۳۰ھ، حصہ دوم وسوم ۱۳۳۲ھ): یہ کتاب پچھلی ساری کتابوں کا لب لباب ہے، عمر کریم پٹنوی اور ان کے اعوان و انصار نے ایک کتاب ''الجرح علی البخاری'' کے نام سے ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں شائع کی تھی، پھر اس کا دوسرا حصہ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں شائع کیا تھا۔

پہلا حصہ ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو ''اہل فقہ'' (امرتسر) میں ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء سے ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء تک مختلف شماروں میں عمر کریم پٹنوی، سید محمد غوث حنفی گورداسپوری، ایڈیٹر ''اہل فقہ'' اور عبداللہ طالب العلم بہاری نے تحریر کیا تھا، ''الجرح علی البخاری'' کا دوسرا حصہ ''اہل فقہ'' (امرتسر) کے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک کے مختلف شماروں میں شائع شدہ مضامین کا مجموعہ ہے۔

ان مضامین کا اسلوب و انداز سخت جارحانہ اور تلخ تھا، مگر مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے ان کے جواب میں علمی اور سنجیدہ اسلوب اختیار کیا، باتیں حوالے کے ساتھ کیں اور معترض کے اعتراضات ہو بہو نقل کر کے ان کا مسکت جواب دیا۔
اس کتاب پر مفصل تبصرہ اس مقدمے میں ممکن نہیں، میری خواہش تھی کہ اس کے مشمولات کا جائزہ لیا جاتا اور

مؤلف نے جس طرح مدلل انداز میں سارے شکوک وشبہات دور کیے ہیں، اس کا ذکر ہوتا، تاکہ اہل علم اس کتاب کی اہمیت سے واقف ہوتے، امید ہے کہ محبّ مکرم حافظ شاہد محمود صاحب یہ کام کریں گے اور سارے موضوعات کی مفصل فہرست تیار کر دیں گے تاکہ قارئین کرام ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

مولانا بنارسی کی علمی صلاحیت اور صحیح بخاری پر ان کی مہارت کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ پٹنوی اور ان کے اعوان وانصار نے جو اعتراضات اور شکوک وشبہات سالوں کی محنت کے بعد جمع کیے تھے، ان کی تردید بہت ہی قلیل مدت میں مکمل کر کے شائع کر دی، ''حل مشکلات بخاری'' کے پہلے حصہ کی تالیف میں ایک ماہ اور ایک ہفتہ سے بھی کم مدت صرف ہوئی، دوسرا حصہ بھی قلیل عرصے میں تیار ہوگیا، تیسرا حصہ جو "الجرح علی البخاري" کے دوسرے حصہ کا جواب ہے، وہ بھی اصل کتاب کی اشاعت کے چند دنوں بعد ہی شائع ہوگیا۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے "الجرح علی البخاري" کے سارے مضامین کے سلسلہ میں یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ ''اہل فقہ'' (امرتسر) کے کس شمارے میں کس عنوان سے چھپے، برصغیر میں بدعت و ضلالت کی تاریخ مرتب کرنے والے کو اس سے بڑی مدد ملے گی اور ان مضامین کے خوشہ چین ''منکرین حدیث'' کو سارا مواد فراہم کرنے والا یہ گروہ اپنی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا۔

امام بخاری اور صحیح بخاری پر اعتراضات کرنے والے اور ان پر زبانِ طعن دراز کرنے والے گزر گئے، مگر انہوں نے جو برے اثرات چھوڑے اور ایک عالم کی گمراہی کا باعث بنے، اس کے پیش نظر ضروری تھا کہ مولانا بنارسی کے یہ رسائل سلیقے سے مرتب کر کے از سرنو شائع کیے جائیں، اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کے ناشرین کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اس کی اشاعت کی طرف توجہ دی۔

امید ہے کہ اسے پڑھ کر بہت سے لوگوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگا، امام بخاری اور صحیح بخاری کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں دور ہوں گی اور سنت رسول سے محبت، علم حدیث سے شغف اور عمل بالحدیث کی تحریک میں اضافہ ہوگا۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز

محمد عزیر شمس

مکۃ المکرّمۃ ۲۸ رجب ۱۴۳۰ھ

۲۱ جولائی ۲۰۰۹ء

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

x

مقدمۃ التحقیق

دین اسلام کے اولین دور ہی سے حدیث نبوی کو بنیادی شرعی مصدر ہونے کی بنا پر خصوصی اہمیت حاصل رہی، صحابہ کرام اور ان کے بعد سلفِ امت نے شرعی اہمیت کی بنا پر اس کی حفاظت اور جمع و تدوین میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں، جس سے دین کا یہ اساسی ماخذ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ اور مدون ہوگیا۔ حدیث نبوی کے ذخائر میں صحیح بخاری و مسلم کو اپنی منفرد اور گونا گوں خصوصیات کی بنا پر اولین مقام حاصل ہے، چنانچہ ان کی اصحیت اور قطعیت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، جو بلاشبہ قرآن مجید کے بعد کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوا، اور جمہور علمائے امت کے نزدیک صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح حاصل ہے۔ صحیح بخاری کے زمانہ تصنیف سے لے کر ہر دور میں اسے یکساں مقبولیت حاصل رہی، جس پر اس کتاب کی تعریف و توصیف میں ائمہ محدثین اور علماء و فقہاء کے اقوال شاہد عدل ہیں۔

۱۔ امام ابوجعفر عقیلی ؒ فرماتے ہیں:

"لما ألف البخاري كتابه الصحيح عرضه على أحمد بن حنبل ويحيىٰ بن معين و علي بن المديني وغيرهم، فاستحسنوه، وشهدوا له بالصحة إلا في أربعة أحاديث، قال العقيلي: والقول فيها قول البخاري، وهي صحيحة." (هدي الساري: ٧، تهذيب التهذيب: ٩/ ٤٦)

یعنی امام بخاری ؒ نے صحیح بخاری تالیف کرنے کے بعد ائمہ عصر احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور دیگر اہل علم پر پیش کی، تو انھوں نے صحیح بخاری کی تحسین کی اور اس کی صحت کی شہادت دی۔

۲۔ امام نسائی ؒ فرماتے ہیں:

"فما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب محمد بن إسماعيل." (تاريخ بغداد: ٢/ ٩)

یعنی حدیث کی تمام کتب میں صحیح بخاری سے زیادہ عمدہ کوئی کتاب نہیں۔

۳۔ امام دارقطنی ؒ فرماتے ہیں:

"فما في هذه الكتب خير وأفضل من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله."
(أطراف الغرائب والأفراد للمقدسي: ١/ ٢٠)

یعنی کتب حدیث میں صحیح بخاری سے بہتر اور افضل کتاب کوئی نہیں ہے۔

۴۔ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أول من صنف الصحيح البخاري ... وتلاه أبو الحسين مسلم بن الحجاج... وكتاباهما أصح الكتب بعد كتاب الله العزيز... ثم إن كتاب البخاري أصح الكتابين صحيحا وأكثرهما فوائد.“ (مقدمة ابن الصلاح: ١٠)

یعنی سب سے پہلے صحیح احادیث کا مجموعہ امام بخاری اور بعد ازاں امام مسلم نے تیار کیا اور یہ دونوں کتب قرآن عزیز کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں، پھر ان دونوں کتب میں صحیح بخاری کا مقام باعتبار صحت مقدم اور کثرت فوائد کے لحاظ سے فائق ہے۔

۵۔ امام الحرمین الجوینی، حافظ ابونصر وائلی اور ابن أہدل سے مختلف الفاظ میں یہ قول مروی ہے کہ:

”لو حلف الإنسان بطلاق امرأته أن ما في الصحيحين مما حكما بصحته من قول النبي صلى الله عليه وسلم لما ألزمته الطلاق لإجماع علماء المسلمين على صحته.“

(مقدمة ابن الصلاح: ١٠، تدريب الراوي: ١/ ١٣١، شذرات الذهب: ٢/ ١٣٤)

یعنی اگر کوئی انسان قسم اٹھالے کہ اگر صحیح بخاری کی حدیثیں صحیح نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق پڑ جائے، تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ صحیح بخاری کی صحت پر علمائے اسلام کا اجماع ہے۔

۶۔ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأما جامعه الصحيح فأجل كتب الإسلام، وأفضلها بعد كتاب الله تعالىٰ، وهو أعلى شيء في وقتنا إسنادا للناس.“ (تاريخ الإسلام للذهبي: ١٩/ ٢٤٢)

یعنی قرآن مجید کے بعد تمام اسلامی کتابوں میں سب سے جلیل القدر اور افضل کتاب صحیح بخاری ہے، اور ہمارے وقت میں بلحاظ سند لوگوں کے لیے سب سے اعلیٰ چیز یہی ہے۔

۷۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أجمع العلماء على قبوله وصحة ما فيه، وكذلك سائر أهل الإسلام.“ (البداية والنهاية: ١١/ ٢٤)

یعنی صحیح بخاری کی مقبولیت اور صحت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۸۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اتفق علماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله تعالىٰ أصح من صحيحي البخاري ومسلم.“ (عمدة القاري: ١/ ٥)

یعنی مشرق و مغرب کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

"أطبق علی قبوله بلا خلاف علماء الأسلاف والأخلاف." (عمدة القاري: ۱/ ۲)

یعنی ائمہ سلف وخلف نے بالاِجماع صحیح بخاری کو قبول عام سے نوازا ہے۔

۹۔ علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فقد اشتهر عن أئمتهم القول بصحة مسند صحيحي البخاري و مسلم، و ادعى غير واحد من ثقاتهم انعقاد الإجماع على ذلك، وخبر الثقة في رواية الإجماع واجب القبول."

(الروض الباسم: ۲/ ۱۹۰)

یعنی محدثین میں مشہور ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی تمام مسند روایات صحیح ہیں اور اس پر بہت سے ثقات ائمہ حدیث نے اجماع کا قول نقل کیا ہے اور نقلِ اجماع میں ثقہ راوی کی خبر واجب التسلیم ہوتی ہے۔

۱۰۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أجمع أهل هذا الشأن على أن أحاديث الصحيحين أو أحدهما كلها من المعلوم صدقه بالقبول المجمع على ثبوته." (قطر الولي: ۲۳۰)

یعنی تمام محدثین کا اجماع ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی احادیث یا ان میں سے کسی ایک کتاب کی احادیث قطعاً صحیح اور ثابت ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

"واعلم أن ما كان من الأحاديث في الصحيحين أو في أحدهما جاز الاحتجاج به من دون بحث لأنهما التزما الصحة، وتلقت ما فيهما الأمة بالقبول." (نيل الأوطار: ۱/ ۱۲)

یعنی صحیح بخاری ومسلم کی احادیث کے ساتھ احتجاج بغیر کسی بحث وتحقیق کے درست ہے، کیونکہ امام بخاری ومسلم نے صحت کا التزام کیا ہے اور امت نے ان کی احادیث کو شرف قبولیت بخشا ہے۔

۱۱۔ صحیح بخاری کی مدح وتوصیف میں امام فضل بن اسماعیل جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صحيح البخاري لو أنصفوه لما خط إلا بماء الذهب

یعنی اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو صحیح بخاری کو صرف آب زر سے لکھا جانا چاہیے۔

چنانچہ امام فضل جرجانی کی تمنا کے مطابق لوگوں نے صحیح بخاری کو آب زر سے بھی لکھا، علامہ ابو محمد مزنی کے متعلق منقول ہے:

"أمر بكتاب الله عزوجل و بصحيح البخاري، فكتبوا له بماء الذهب من الأول إلى الآخر."

(مفتاح السعادة: ۱/ ۷، نصرة الباري: ۹۱)

یعنی انھوں نے قرآن مجید اور صحیح بخاری کو آب زر سے لکھنے کا حکم دیا، جس کی تعمیل میں یہ دونوں کتابیں ازاول تا آخر آب زر سے لکھی گئیں۔

احادیثِ صحیحین کی قطعیت پر اجماع:

امت مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث قطعی اور یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ اور صحیح ہیں۔

۱۔ امام ابو اسحاق اسفرائینی فرماتے ہیں:

"أهل الصنعة مجمعون على أن الأخبار التي اشتمل عليها الصحيحان مقطوع بصحة أصولها ومتونها." (فتح المغيث: ۱/ ۵۱)

یعنی محدثین کا اجماع ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی تمام احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں۔

۲۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ثم حكى (ابن الصلاح) أن الأمة تلقت هذين الكتابين بالقبول سوى أحرف يسيرة، انتقدها بعض الحفاظ كالدارقطني وغيره، ثم استنبط من ذلك القطع بصحة ما فيها من الأحاديث، لأن الأمة معصومة عن الخطأ، فما ظنت صحته وجب عليها العمل به لابد وأن يكون صحيحا في نفس الأمر، وهذا جيد." (اختصار علوم الحديث مع شرحه الباعث الحثيث: ۱/ ۱۲۴)

یعنی ابن صلاح نے بیان کیا ہے کہ یقیناً ساری امت نے ان دونوں کتابوں کو شرف قبولیت سے نوازا ہے بعض حروف کے سوا جن پر دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے، پھر حافظ ابن صلاح نے نتیجہ نکالا ہے کہ ان دونوں کتب کی احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں، کیونکہ امت غلطی سے معصوم ہے، لہٰذا جس کو امت نے صحیح سمجھا اس پر عمل واجب ہے اور یقینی طور پر حقیقت میں بھی وہ صحیح ہے، اور یہ قول بہت عمدہ ہے۔

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين." (حجة الله البالغة: ۱/ ۱۳۴)

یعنی تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر ثابت ہیں اور جو ان کی توہین کرے وہ بدعتی ہے، جو مسلمانوں کے راستے کے خلاف گامزن ہے۔

۴۔ امام العصر حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد صرح العلماء المحققون أن مبنى إفادة أحاديثهما القطع على التلقي بالقبول وهو وحده كاف لإفادة القطع لأن معنى التلقي أن المجتهدين الذين جاؤا بعدهما وافقوهما على الحكم ولم يعترضوا إلا على ألفاظ يسيرة فصارت الأحاديث المتلقاة بالقبول مما أجمع عليه مجتهدوا هذا الفن والإجماع وإن كان واقعا على الصحة لكنه مستلزم للقطعية لأن الإجماع على صحة أحاديثهما يفيد أن مضمون أحاديثهما ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم ظنا والإجماع معصوم في الظن فالمظنون صار مقطوعا بهذا الوجه.“

(التعليقات على فيض الباري: ١/ ٤٥ نسخة جامعه تعليم الإسلام ماموں کانجن)

علاوہ ازیں دیگر کئی علماء و محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کی احادیث کی صحت اور قطعیت کے بارے میں نہایت قیمتی اقوال منقول ہیں، جن سے صحیح بخاری و مسلم کی عظمت اور اہمیت عیاں ہوتی ہے۔ [1]

مذکورہ بالا معروضات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر صاحب بصیرت شخص کے لیے امت مسلمہ کے نزدیک صحیح بخاری کی اہمیت کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں، ان تائیدی اقوال اور تصدیقات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ایک طرف اگر اسلافِ امت کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام و مرتبہ نمایاں طور پر ہمارے سامنے آتا ہے، تو دوسری طرف ان افراد اور احزاب کے نظریے کا ابطال اور فساد بھی بخوبی روشن ہوجاتا ہے، جو امت مسلمہ کے اجماعی عقیدے کے برعکس صحیح بخاری کی اہانت اور آئے روز اس کی قدر و منزلت گرانے کی فکر میں کوشاں و ہلکان رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں، جبکہ منکرین قرآن و حدیث اور اہل ہویٰ صحیح بخاری کو اپنا اولین ہدف تنقید و تنقیص بنائے ہوئے ہیں، اس کی عظمت و رفعت اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ دین اسلام کے اس چشمہ صافی کے متعلق شکوک و شبہات کا غبار دور کیا جا سکے، دشمنانِ سنت کے موجودہ لٹریچر کو دیکھا جائے تو ان کے ہر تازہ حملے کی تان صحیح بخاری ہی پر آ کر ٹوٹتی ہے، محل بحث حدیث اگرچہ حدیث نبوی کے دیگر صحائف اور ذخائر میں بھی موجود کیوں نہ ہو، لیکن ہدف تنقید صرف صحیح بخاری ہی ہوتی ہے، ایسے جہلاء کو ایک نہایت واضح اور عام حقیقت کا ادراک بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ حدیث جو صحیح بخاری پر اعتراض کرتے وقت پیش کی جاتی ہے، صحیح بخاری کی تصنیف سے قبل دیگر ائمہ حدیث کے صحائف اور مدونات میں بھی موجود تھی، ہر زمانے اور شہر کے محدثین اسے پڑھتے، سناتے اور لکھتے رہے، اور بعد ازاں انھوں نے اپنے تصنیف کردہ موطآت، مسانید، جوامع اور اجزاء میں اسے درج کر دیا، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے ذخیرۂ حدیث ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجائے۔ بعد ازیں انھی مدون صحائف اور اجزاء کو آنے والے محدثین پڑھتے اور انہی کی مدد ہی سے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: نصرةالباري في بيان صحة البخاري للعلامة عبدالرؤف رحماني رحمه الله (ص: ٧٦) أحاديث الصحيحين بين الظن واليقين لفضيلة الشيخ حافظ ثناء الله الزاهدي حفظه الله(ص:١٩)

اپنی اپنی تصنیفات تیار کرتے، بنا بریں حفاظت سنت اور تدوین حدیث کے اس عمل کو ایک تواتر اور توارث حاصل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی جب صحیح احادیث کا مجموعہ تیار کیا تو اس مجموعہ میں انھی احادیث کو داخل کیا، جن کی صحت کو ائمہ متقدمین نے جانچا، پرکھا اور تنقید وتحقیق کے ترازو میں تولنے کے بعد امت کے لیے قابل عمل اور صحیح قرار دیا، نہ کہ از خود امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث کو بنایا اور اپنی صحیح میں درج کر لیا۔ (معاذ اللہ)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هؤلاء الجهال يظنون أن الأحاديث التي في البخاري ومسلم إنما أخذت عن البخاري ومسلم... وأن البخاري و مسلما كان الغلط يروج عليهما، أو كانا يتعمدان الكذب، ولا يعلمون أن قولنا: "رواه البخاري ومسلم" علامة لنا على ثبوت صحته، لا أنه كان صحيحا بمجرد رواية البخاري ومسلم، بل أحاديث البخاري ومسلم رواها غيرهما من العلماء والمحدثين من لا يحصي عدده إلا الله، ولم ينفرد واحد منهما بحديث، بل ما من حديث إلا وقد رواه قبل زمانه وفي زمانه وبعد زمانه طوائف، ولو لم يخلق البخاري و مسلم لم ينقص من الدين شيء ... وكذلك التصحيح لم يقلد أئمة الحديث فيه البخاري و مسلما، بل جمهور ما صححاه كان قبلهما عند أئمة الحديث صحيحا متلقىٰ بالقبول، وكذلك في عصرهما، وكذلك بعدهما قد نظر أئمة هذا الفن في كتابيهما، ووافقوهما على تصحيح ما صححاه إلا مواضع يسيرة... والمقصود أن أحاديثهما انتقدها الأئمة الجهابذة قبلهم وبعدهم، ورواها خلائق لا يحصي عددهم إلا الله، فلم ينفردا لا برواية ولا بتصحيح." (منهاج السنة النبوية: ٧/ ١٥٣)

یعنی کچھ جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ صحیح بخاری ومسلم میں موجود احادیث صرف امام بخاری ومسلم ہی سے لی گئی ہیں (یعنی ان کا اور کوئی ماخذ ومصدر نہیں) اور بخاری ومسلم پر غلطیوں کا غلبہ تھا یا وہ دونوں عمداً جھوٹی احادیث بناتے تھے، حالانکہ ان لوگوں کو علم نہیں کہ ہمارا یہ کہنا: "رواه البخاري و مسلم" ہمارے لیے کسی حدیث کی صحت اور ثبوت کی علامت ہے، نہ کہ وہ حدیث صرف امام بخاری ومسلم کے روایت کرنے کی وجہ سے صحیح ہوگئی ہے، بلکہ صحیح بخاری ومسلم کی احادیث کو ان دونوں کے سوا بے شمار علماء ومحدثین نے روایت کیا ہے، جن کی حقیقی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، اور ان دونوں (بخاری ومسلم) میں سے کوئی ایک بھی کسی حدیث کے ساتھ منفرد نہیں ہے، بلکہ (بخاری ومسلم کی) ہر ایک حدیث کو ان کے زمانے سے پہلے اور ان کے اپنے زمانے اور بعد والے زمانے میں کئی گروہوں نے روایت کیا ہے، اور

بالفرض اگر امام بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو دین کے اندر کسی قسم کی کمی رونما نہ ہوتی۔ اور اسی طرح احادیث کی تصحیح میں ائمہ حدیث نے بخاری و مسلم کی تقلید نہیں کی، بلکہ اکثر وہ احادیث جن کو ان دونوں نے صحیح قرار دیا ہے، ان کے زمانے سے پیشتر محدثین کے نزدیک صحیح اور مقبول تھیں، اور اسی طرح ان کے زمانے میں (بھی محدثین کے نزدیک قبولیت اور صحت کا درجہ رکھتی تھیں) اور ایسے ہی ان دونوں کے زمانے کے بعد والے ائمہ حدیث نے بھی ان دونوں کتب کو جانچا اور بعض کے سوا اکثر احادیث کو صحیح قرار دینے پر ان کی موافقت کی۔ حاصل یہ کہ بخاری و مسلم کی احادیث کو ائمہ متقدمین اور متاخرین میں سے ماہرین نے پرکھا ہے اور ان احادیث کو بے شمار لوگوں نے روایت کیا ہے، لہٰذا نہ تو وہ دونوں کسی حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہیں اور نہ کسی حدیث کو صحیح قرار دینے میں تنہا ہیں۔

بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولكن الشيخين لا يذكران إلا حديثا قد تناظرا فيه مشايخهما، وأجمعوا على القول به والتصحيح له.“ (حجة الله البالغة: ٢٨٢)

یعنی امام بخاری و مسلم ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے اپنے اساتذہ سے بحث و مناقشہ کرتے اور صرف اسی حدیث کو داخل کرتے جس کی صحت پر ان کے مشائخ اتفاق کرتے۔

اسی طرح، جیسا کہ گزر چکا ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے جب اپنی اپنی صحیح کو تالیف کر لیا تو اسے ائمہ عصر کے سامنے پیش کیا جنھوں نے ان مجموعات کو پرکھنے اور جانچنے کے بعد اپنی موافقت کا اظہار کیا۔“

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث پیشتر اور بعد والے محدثین کے نزدیک بھی صحیح اور مقبولیت کا درجہ رکھتی ہیں، جس کی بنا پر ان کے اَصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اجماع ہے، لہٰذا اگر صحیح بخاری و مسلم کی کسی ایک حدیث کو بھی محل تنقید بنایا گیا تو وہ تنقید اور اعتراض ان تمام ائمہ متقدمین اور متأخرین پر لازم آئے گا، جنھوں نے ایسی حدیث کو امام بخاری و مسلم سے قبل اور بعد میں اپنی اپنی تصانیف میں درج کیا اور صحیح قرار دیا، بلکہ ایسے اعتراض کی زد میں ساری امت مسلمہ آئے گی، جس نے صحیحین کی صحت، قطعیت اور تلقی بالقبول پر اجماع کیا ہے لیکن درحقیقت ائمہ حدیث، امام بخاری و مسلم اور امت مسلمہ کسی بھی صحیح حدیث پر اعتراض کی زد میں نہیں آتی، بلکہ ایسا اعتراض کرنے والا بذات خود، خواہ کوئی فرد ہو یا گروہ، گمراہی کا شکار اور سبیل مؤمنین سے انحراف میں مبتلا ہے۔[1]

صحیح بخاری و مسلم پر تنقید اور اس کی حقیقت:

صحیح بخاری و مسلم پر کی جانے والی تنقید اسباب اور نتائج کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے:

[1] ائمہ حدیث اور علمائے امت کی جرح وتنقید اور مناقشات علمیہ کا الگ حکم ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۱۔ ائمہ محدثین کی جرح وتنقید۔ ۲۔ اہل ہویٰ (مبتدعین) کی جرح وتنقید۔

ائمہ محدثین کی جرح کے اسباب اور نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اخلاص وللّٰہیت۔

۲۔ حفاظت حدیث۔

۳۔ حدیث نبوی سے ہر مشتبہ چیز دور کر کے امت مسلمہ کے سامنے ایک واضح منہاج اور معیار العمل پیش کیا جا سکے۔

۴۔ حدیث وسنت کے صحیح ترین مجموعے میں کوئی سقم باقی نہ رہے اور ہر صحیح ترین حدیث اس مجموعے میں شامل ہو سکے۔

۵۔ نفسِ حدیث پر تنقید کے بجائے شیخین کی ترتیب اور منہج پر علمی وتحقیقی نقد تاکہ ہر قسم کے سقم سے ماورا صحیح ترین احادیث کا مجموعہ تیار ہو سکے۔

اس کے برعکس اہل بدعت اور منکرین قرآن وحدیث کی تنقید کے اسباب ونتائج مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اطاعتِ رسول سے راہ فرار۔ ۲۔ انکارِ حدیث۔

۳۔ قرآن کریم کی معنوی حفاظت سے انکار اور بعد ازاں اپنی تاویل وتحریف کے ذریعے اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنا۔

۴۔ دین اسلام کے اس اساسی مصدر کے خلاف شکوک وشبہات کی آبیاری کرنا۔

۵۔ امت مسلمہ کا سلف امت پر اعتماد مجروح کرنا۔

مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ صحیح بخاری ومسلم پر جارحین کی جرح وتنقید کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان میں بعض نے تشدد، بعض نے تعصب، بعض نے حسد اور بعض نے نافہمی سے اعتراض کیا ہے، لیکن بے اصل وبے بنیاد ہے۔'' (الكوثر الجاري: ۳۸۷)

صحیح بخاری ومسلم پر ائمہ محدثین کی تنقید کا جائزہ:

صحیح بخاری ومسلم کے زمانۂ تصنیف اور بعد ازاں مختلف ادوار میں ائمہ حدیث نے ان کے اسانید ومتون کی خوب چھان پھٹک اور مکمل تنقیح وتحقیق کرنے کے بعد انھیں احادیث کا صحیح ترین مجموعہ قرار دیا اور ان میں مندرجہ احادیث کی تصحیح میں شیخین کی تصدیق وتصویب کی، لیکن بعض متأخر محدثین نے صحیح بخاری ومسلم کی بعض احادیث کو صحت کے بلند ترین معیار کے مطابق درست قرار نہ دیا، جن میں امام ابوالحسن دارقطنی، حافظ ابومسعود دمشقی اور حافظ ابوعلی غسانی رحمہم اللہ کا نام نمایاں ہے، ان ائمہ حدیث کی تنقیدات کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہے کہ کیا ان تنقیدات کا صحیح بخاری ومسلم کی احادیث کی صحت وثقاہت پر بھی کوئی اثر پڑا؟ تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"ينبغي لكل منصف أن يعلم أن هذه الأحاديث، وإن كان أكثرها لا يقدح في أصل

موضوع الكتاب، فإن جميعها وارد من جهة أخرىٰ." (هدي الساري: ٣٤٦)

یعنی ہر انصاف پسند شخص کے لیے اس بات کا جان لینا مناسب ہے کہ یہ (تنقید شدہ) احادیث کتاب کے اصل موضوع کے لیے ضرر رساں نہیں، کیونکہ یہ تمام کی تمام دوسری اسانید سے مروی ہیں۔ (جو ان اعتراضات سے مبرا ہیں)

لہٰذا معلوم ہوا کہ مذکورہ تنقیدات کا صحیحین کے متون و اصول کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ وہ ایک قسم کے فنی اعتراضات تھے، جن سے نفسِ حدیث پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

امام ابوالحسن دارقطنی رحمہ اللہ نے صحیحین کا جائزہ لینے کے بعد "الإلزامات" اور "التتبع" کے نام سے دو کتابیں لکھیں:

۱۔ **کتاب الإلزامات:** اس کتاب میں انھوں نے ستر (۷۰) ایسی احادیث ذکر کیں، جو شیخین کی شرائطِ صحت کے مطابق تھیں اور امام بخاری و مسلم کو (امام دارقطنی کے نزدیک) ان احادیث کو اپنے اپنے مجموعات میں لازماً درج کرنا چاہیے تھا۔

چنانچہ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ذكر ما حضرني ذكره مما أخرجه البخاري و مسلم أو أحدهما من حديث بعض التابعين، وتركا من حديثه شبيها به، ولم يخرجاه، أو من حديث نظير له من التابعين الثقات ما يلزم إخراجه على شرطهما ومذهبهما فيما نذكره" (الإلزامات والتتبع: ٦٤)

"یعنی بخاری و مسلم نے کسی تابعی کی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اسی کی دوسری حدیث کو، جو مذکورہ حدیث کے مشابہ ہے، چھوڑ بھی دیا ہے اور اسے درج نہیں کیا، یا بخاری و مسلم کی احادیث کے مشابہ دیگر ثقہ تابعین سے کوئی حدیث مروی ہے، جسے بخاری و مسلم کو اپنی شرط اور مذہب کے مطابق ہونے کی بنا پر اپنی کتب میں درج کرنا لازم تھا، ہم انھی احادیث کو ذکر کریں گے۔"

مذکورہ بالا کلام سے معلوم ہوا کہ امام دارقطنی نے اپنی کتاب "الإلزامات" میں دو قسم کی احادیث ذکر کی ہیں:

۱۔ امام بخاری یا امام مسلم نے کسی ایک تابعی کی کوئی ایک حدیث اپنی کتاب میں درج کی اور اس کی دیگر احادیث بوجوہ اپنی اپنی کتب میں نہیں لکھیں، تو اب امام دارقطنی کے نزدیک چونکہ شیخین نے اس کی ایک حدیث کو معتبر سمجھا اور اس کی ثقاہت پر اعتماد کیا ہے، لہٰذا انھیں اس تابعی کی دیگر احادیث کو بھی اپنی کتب میں درج کرنا لازم تھا۔

۲۔ امام بخاری و مسلم نے کسی ثقہ تابعی سے روایت لی، لیکن ثقاہت و عدالت میں اس کے مساوی کسی دوسرے تابعی سے روایت نہ لی، تو امام دارقطنی کے نزدیک چونکہ وہ دوسرا تابعی بھی ثقہ اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے، لہٰذا اس کی حدیث بھی امام بخاری و مسلم کو اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا لازم تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام دارقطنی کے نزدیک امام بخاری اور امام مسلم کو اپنی شرائط کے مطابق ہر صحیح حدیث کو اپنے مجموعات میں لازماً ذکر کرنا چاہیے تھا۔

مذکورہ بالا کلام کا جواب ذکر کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت از بس ضروری ہے کہ امام دارقطنی کی کتاب **"الإلزامات"** کا صحیحین کی احادیث کی صحت وثبوت سے کوئی تعلق ہے نہ اس کتاب میں صحیح بخاری ومسلم میں مندرجہ احادیث ہی محل بحث ہیں۔

امام دارقطنی کے مذکورہ بالا کلام کے جواب میں اتنی وضاحت ہی کافی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح احادیث کو درج کرنے کا التزام نہیں کیا اور نہ ان کا منہج تھا کہ ہر صحیح حدیث اپنی کتب میں شامل کریں، جیسا کہ اصول حدیث کی بیشتر کتب میں اس کی صراحت موجود ہے، بلکہ خود امام بخاری اور امام مسلم کے اقوال بالتصریح اس کی بابت موجود ہیں کہ ہم نے کئی صحیح احادیث کو طوالت وتکرار کے خوف سے چھوڑ دیا ہے۔ اس کی عملی مثال دیکھنی ہو تو صحیفہ ہمام بن منبہ میں مندرج احادیث کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، یہ صحیفہ شیخین کے سامنے موجود تھا، اس سے انھوں نے حسب ضرورت بعض روایات لی اور بعض نظر انداز کر دی، حالانکہ سارا صحیفہ ایک ہی سند کے ساتھ مروی تھا، جو شیخین کی شرط و مذہب کے مطابق تھا، تو امام بخاری ومسلم کا بعض احادیث کو لینا اور بقیہ احادیث اپنی کتب میں نہ لکھنا، اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ تمام صحیح احادیث جمع کرنا اور صحیحین میں درج کرنا ان کا منہج نہ تھا، وگرنہ پورے صحیفے کی ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث کا صحیحین میں موجود ہونا لازمی تھا۔ إذ لیس فلیس!

۲۔ **کتاب التتبع:** اس کتاب میں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری ومسلم کی دوسو (۲۰۰) احادیث پر تنقید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"ذكر أحاديث معلولة، اشتمل عليها كتاب البخاري ومسلم، أو أحدهما، بينت عللها والصواب منها." (الإلزامات والتتبع: ۱۲۰)

یعنی بخاری ومسلم کی ایسی معلول احادیث کا ذکر جن کی علل اور درستی میں نے واضح کی ہے۔

اس کتاب میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اکثر اعتراضات فنی نقطہ نظر سے احادیث کی اسانید پر ہیں، اگر مذکورہ کتاب کی جانچ پڑتال کی جائے تو متون صحیحین پر اعتراضات کی تعداد دس سے بھی کم تعداد میں نظر آئے گی، اسی لیے امام دارقطنی رحمہ اللہ بسا اوقات سند حدیث پر کلام کرنے کے بعد واشگاف الفاظ میں متنِ حدیث کی صحت کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔[1] جو بلا شبہ ان کے عدل وانصاف اور ورع پر دلالت کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری پر امام دارقطنی رحمہ اللہ کے تمام اعتراضات کے اجمالی وتفصیلی جوابات تحریر کیے ہیں، جن سے مذکورہ اعتراضات کی کمزوری، صحیحین کی عظمت اور شیخین کی فن حدیث میں امامت و سیادت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ احادیث بخاری پر تمام اعتراضات کا فرداً فرداً جواب تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فإذا تأمل المنصف ما حررته من ذلك عظم مقدار هذا المصنف في نفسه، وجل تصنيفه

[1] دیکھیں: مقدمة الإلزامات والتتبع للشيخ مقبل بن هادي الوادعي رحمه الله (ص: ٦)

في عينه، وعذر الأئمة من أهل العلم في تلقيه بالقبول والتسليم، وتقديمهم له على كل مصنف في الحديث والقديم.'' (هدي الساري: ٥٤٧)

یعنی جب انصاف پسند شخص میرے تحریر کردہ جوابات پر تأمل کرے گا، تو امام بخاری اور صحیح بخاری کی عظمت و جلالت اس کی نظر میں اور زیادہ بڑھ جائے گی، اور وہ صحیح بخاری کی بابت علمائے امت کا تلقی بالقبول اور اسے تمام کتب پر ترجیح دینا درست طور پر سمجھ لے گا۔

حافظ ابن حجر ﵀ کے علاوہ امام نووی، قاضی عیاض اور دیگر شارحین حدیث نے امام دارقطنی ﵀ کے اعتراضات کا کافی و شافی جواب لکھا ہے، امام دارقطنی کے شاگرد حافظ ابومسعود دمشقی نے بھی اپنے استاد کے رد میں ایک رسالہ تحریر کیا، جس میں صحیح مسلم پر امام دارقطنی ﵀ کے اعتراضات کا جواب دیا۔ کچھ عرصہ پیشتر جب امام دارقطنی کی دونوں کتابیں ''الإلزامات والتتبع'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں، تو محدث یمن علامہ مقبل بن ہادی ﵀ نے اس کے حواشی میں امام دارقطنی ﵀ کے تمام اعتراضات کا جائزہ لیا۔ اسی طرح امام دارقطنی ﵀ کی مذکورہ کتاب پر محدث ہند علامہ شمس الحق عظیم آبادی ﵀ نے بھی تفصیلی حاشیہ لکھا، جس میں مذکورہ اعتراضات کی حقیقت واضح کی۔

علاوہ ازیں امام دارقطنی ﵀ کے سوا حافظ ابومسعود دمشقی، امام ابوعلی جیانی اور ابوالفضل ابن عمار وغیرہ نے صحیحین پر جو اعتراضات وارد کئے تھے، سب کا علمائے حدیث نے تسلی بخش اور تشفی آمیز جواب لکھا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر ﵀ نے ہدی الساری اور فتح الباری میں تمام ایرادات کا تفصیلی جائزہ لیا اور حافظ ابن الصلاح، رشید الدین العطار اور حافظ عراقی وغیرہ نے صحیحین کے دفاع میں مستقل تالیفات لکھیں۔

صحیح بخاری و مسلم پر اہل ہوی (مبتدعین) کی جرح کا جائزہ:

امت مسلمہ میں صحیح بخاری و مسلم کی قدر و منزلت، احادیث صحیحین کی صحت و قطعیت پر اجماع اور علمائے امت کی طرف سے ان کے دفاع میں صرف کردہ جہود و مساعی معلوم ہوجانے کے بعد انصاف پسند طبائع کے لیے صحیح بخاری و مسلم کے متعلق کسی قسم کے شکوک و شبہات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ ان دونوں کتابوں کو یہ مقام و مرتبہ آناً فاناً اور کسی حادثاتی نتیجے کے طور پر میسر نہیں آیا، بلکہ اس کے پیچھے امت مسلمہ بالخصوص علمائے امت کا ایک متواتر اور متوارث عملِ بحث و تحقیق کارگر ہے، انھوں نے صحیحین کی ایک ایک حدیث اور ہر ایک حدیث کی سند کی خوب چھان پھٹک کی، ماہرین فن حدیث نے خوب تحقیق و تدقیق سے کام لیا، جلیل القدر ائمہ معاصرین نے ان کی اسانید و متون کو پرکھا، مختلف ادوار میں سینکڑوں محدثین کی نظریں ان پر مرتکز رہیں، انھوں نے ہر سند کے راویوں کی تحقیق و تفتیش کی، روایت کے متن اور ہر متن کے تمام الفاظ کی تنقیح و تعیین ہوئی، پھر کہیں جا کر علی وجہ البصیرت تصحیح حدیث میں شیخین کی تائید و تصدیق کی گئی۔ [1]

اب امت مسلمہ کے اس اجماعی عقیدے و نظریے کے برعکس جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور گروہی تعصب کے

[1] پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ از محدث العصر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (ص: ۱۱)

جال میں پھنس کر صحیحین پر عمل جراحی کا شوق فرماتے ہیں، کیا احادیث صحیحہ پر ان کی جرح وتنقید کے باطل ہونے میں کوئی شک وشبہہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس گروہ کے پوری امت مسلمہ کے مخالف طرز عمل کے فاسد ہونے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے؟ بلکہ بقول شاہ ولی اللہ کیا انھیں اہل سنت میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ حدیث نبوی کے استخفاف اور اجماع امت کی مخالفت کی بنا پر کیا ایسے لوگوں کے ارادوں اور نیتوں کے بارے میں حسن ظن کا تصور بھی قائم کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایسے لوگوں کو اپنی جرح وتنقید کی دلیل میں ائمہ متقدمین ♦ کی جرح کو بطور دلیل پیش کرنا زیب دیتا ہے؟

غرضیکہ کسی بھی زاویے اور ترازو پر ان کے عمل کو جانچا اور تولا جائے تو اس میں عداوت سنت کی جھلک ضرر دکھائی دیتی ہے۔

کیا امام بخاری رحمہ اللہ کی بشریت اور غیر معصومیت کی آڑ میں احادیث صحیحہ پر جرح کرنا درست ہے؟

عہد حاضر میں کچھ لوگ امام بخاری رحمہ اللہ کی بشریت اور عدم معصومیت کی آڑ لے کر صحیحین پر نیش زنی کا شوق پورا کرتے ہیں، ایسے عجلت پسند اور کوتاہ نظر حضرات کو ایک لمحے کے لیے ضرور سوچنا چاہیے کہ:

۱۔ کیا بشریت کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر کام میں ضرور غلطی کرتا ہے؟

۲۔ کیا ہر انسانی عمل میں خلل اور نقص کا درآنا لازمی ہے؟

۳۔ ہم اپنے معاشرے میں بیسیوں ایسی ایجادات اور معاملات دیکھتے ہیں، جو انسانوں ہی کی زیر نگرانی بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیا ہمارے لیے اس میں عبرت اور نصیحت موجود نہیں؟

۴۔ انسانی اعمال میں اگر غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے تو کیا اس میں درستی اور اصلاح کا روشن تصور موجود نہیں ہوتا؟

۵۔ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انسان ہر کام میں ضرور غلطی کرتا ہے اور ہر انسانی عمل میں خلل اور نقص کا درآنا لازمہ بشریت ہے، تو یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ ہر غلطی کی بھی کئی وجوہ اور مختلف صورتیں ہوتی ہیں، مثلاً اگر امام بخاری رحمہ اللہ کو بشر اور غیر معصوم تسلیم کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان سے صحیح بخاری میں غلطی کا وقوع اور خطا کا صدور ہوا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے احادیث کی تصحیح وتنقیح اور تحقیق وتفتیش ہی میں غلطی ہوئی ہو؟ غلطی کتاب کی ترتیب، طریقہ تصنیف اور اس کی تبویب وعناوین میں بھی ہوسکتی ہے، جس سے احادیث کی صحت وثبوت پر کوئی زد نہیں آتی۔

۶۔ علمائے امت اور شارحین حدیث کے نزدیک یقیناً امام بخاری رحمہ اللہ بشر اور غیر معصوم ہی تھے، اسی لیے انھوں نے جہاں صحیح بخاری اور امام بخاری پر اعتراضات کا جواب لکھا اور ان کی تردید کی ہے، بعض مواقع پر انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے طریقہ تصنیف سے اختلاف کو برقرار رکھا اور اس کے جواب کو تکلف وتعسف قرار دیا ہے، صحیح بخاری کی خدمت اور دفاع میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی خدماتِ جمیلہ اور مساعی جلیلہ سے کون شخص ناواقف ہوسکتا ہے؟ لیکن انھوں نے خدمتِ حدیث اور دفاعِ صحیح بخاری کا بیڑا اٹھانے کے باوجود عدل وانصاف کا دامن ہاتھ

سے چھوٹنے نہیں دیا، انھوں نے صحیح بخاری پر کسی اعتراض میں اگر حقانیت اور صداقت محسوس کی تو صاف الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا اور اس کے جواب کو تکلف قرار دیا، چنانچہ ایک مقام پر امام دارقطنی رحمہ اللہ کا اعتراض ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"قلت: هو كما قال، وعلته ظاهرة، والجواب عنه فيه تكلف وتعسف" (هدي الساري: ٤٣٧)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"هذا جواب إقناعي، وهذا عندي من المواضع العقيمة عن الجواب السديد، ولا بد للجواد من كبوة!" (هدي الساري: ٤٣٦)

لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مذکورہ بالا مناقشات اور مباحثات کا صحیح بخاری کی احادیث کے ثبوت اور صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی محل نظر رہنا چاہیے کہ ہزاروں احادیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد چند احادیث پر بعض ائمہ کی تنقید کو (جس کے جوابات دیے جا چکے ہیں) اپنی ہوس اور تعصب کی آڑ اور دلیل بنانا سراسر ناانصافی اور عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفيها مواضع لا انتقاد فيها في البخاري، فإنه أبعد الكتابين عن الانتقاد، ولا يكاد يروي لفظاً فيه انتقاد إلا ويروي اللفظ الآخر الذي يبين أنه منتقد، فما في كتابه لفظ منتقد إلا وفي كتابه ما يبين أنه منتقد، وفي الجملة من نقد سبعة آلاف درهم، فلم يرج عليه فيها إلا دراهم يسيرة، ومع هذا فهي مغيرة ليست مغشوشة محضة، فهذا إمام في صنعته، والكتابان سبعة آلاف حديث وكسر." (منهاج السنة النبوية: ٧/ ١٥٤)

یعنی صحیح بخاری پر کیے جانے والے اعتراضات میں بعض اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں، پس بے شک دونوں کتابوں میں صحیح بخاری پر انتقادات سب سے کم ہیں اور امام بخاری اگر کوئی محل نقد لفظ ذکر کرتے ہیں تو بذات خود کوئی ایسا دوسرا لفظ بھی ذکر کر دیتے ہیں، جو پہلے لفظ میں اعتراض اور انتقاد کو بیان کر دیتا ہے، لہٰذا صحیح بخاری میں اگر کوئی بھی محل نقد لفظ موجود ہوگا، تو صحیح بخاری ہی میں اس نقد و اعتراض کا بیان اور جواب بھی موجود ہوگا، بہر حال جس نے سات ہزار درہم کو پرکھا، ہوسکتا ہے کہ اس میں چند درہم غیر معیاری بھی آ جائیں، حالانکہ یہ غیر معیاری درہم بھی کارآمد ہیں، کھوٹے اور بیکار نہیں، کیونکہ امام بخاری اپنے فن کے امام ہیں اور دونوں کتابوں میں سات ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔

کیا صحیح بخاری و مسلم پر جرح و تنقید میں ائمہ محدثین کی تنقید کو دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

بسا اوقات صحیح بخاری و مسلم پر تنقید اور اعتراض کرنے والے حضرات ائمہ محدثین کی مخلصانہ اور علمی و تحقیقی تنقید کو اپنی حاسدانہ اور متعصّبانہ تنقید کی دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں، حالانکہ دونوں تنقیدات کے اغراض و اسباب اور نتائج و

ثمرات میں بعد المشرقین ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ایسے حضرات کو عجلت میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہیے کہ:

۱۔ کیا وہ علم و فضل، وسعتِ معلومات اور علم حدیث میں مہارت کے اس درجہ تک پہنچ چکے ہیں، جو ائمہ متقدمین کا طرۂ امتیاز تھا؟

۲۔ کیا یہ لوگ حدیث نبوی کی حفاظت کے پیش نظر، اور تشریعی حیثیت کو انھی ائمہ کی طرح تسلیم کرتے ہوئے نقد و جرح کرتے ہیں؟

۳۔ ائمہ متقدمین صحیح بخاری و مسلم پر تنقید کرنے کے باوجود ان کی اصحیت کے قائل، شیخین کی فضیلت و امامت کے مقر اور حدیث نبوی کی توہین و انکار کرنے والے کی تکفیر و ارتداد کے قائل تھے، کیا عہد حاضر کے ناقدین کی جرح و تنقید کا بھی یہی ثمرہ اور نتیجہ ہے؟

۴۔ ائمہ محدثین صحیحین کی بعض جوانب پر تنقید کے باوجود صحیحین کے متون کو واجب التسلیم اور معیار العمل مانتے تھے، کیا موجودہ جارحین کی تنقید کا بھی یہی حاصل ہے؟

۵۔ ائمہ حدیث کی تنقید کے بعد اطاعتِ رسول، عظمتِ حدیث اور عمل بالحدیث کا جذبہ برقرار رہتا ہے، کیا موجودہ ''دانشور'' حضرات کی ''فکر و دانش'' پر مبنی تنقید کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

۶۔ ائمہ عظام نے چند احادیث پر جرح کرنے کے بعد صحیحین کی ہزاروں احادیث کی صحت و حجیت کو تسلیم کیا، کیا ائمہ متقدمین کی تنقید کو دلیل بنانے والوں کے لیے دیگر ہزاروں غیر منتقد احادیث اور راویوں پر جرح کرنا کسی طرح زیبا اور مناسب ہے؟

۷۔ ایسے لوگوں کے لیے اگر مذکورہ ائمہ کی تنقید دلیل بن سکتی ہے، تو ان حضرات کے لیے انھی ائمہ حدیث کا صحیحین کے متون و اصول کی صحت پر اجماع مشعل راہ کیوں نہیں بن سکتا؟

۸۔ ایسے لوگ جو امام دارقطنی وغیرہ کے علم حدیث میں مرتبہ و مقام تک نہ پہنچنے کے باوجود ان کی تنقید کو اپنے لیے دلیل بناتے ہیں، ان سے ایک سیدھا سا سوال ہے کہ کیا کسی فن سے نابلد اور جاہل انسان کے لیے اس فن میں دخل اندازی کرنا مناسب ہے؟

۹۔ اگر امراضِ قلب کا کوئی معروف اور متخصص ڈاکٹر دل کا کوئی پیچیدہ آپریشن کرے، تو کیا طبابت سے نابلد کسی عام انسان کو دل کے ایسے ہی کسی پیچیدہ آپریشن کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ عام انسان تو کجا کیا کسی ماہر انجینیر کو ایسے آپریشن کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ یا کیا علم طب سے معمولی شد بد رکھنے والے شخص کو بھی ایسے آپریشن کی اجازت دینے کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے؟ بلکہ علم طب میں درک و مہارت رکھنے کے باوجود امراض قلب سے ناآشنا اور آپریشن کے اسرار و رموز سے ناواقف ڈاکٹر کے لیے بھی ایسا آپریشن کرنا درست ہے؟ کیونکہ دل کے

ماہر فلاں ڈاکٹر نے ایسا ہی آپریشن کیا تھا؟[1]

جس طرح ہر سلیم الفطرت اور صائب العقل انسان مذکورہ بالا تمام سوالات کا جواب نفی ہی میں دے گا، تو ادباً عرض ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کے لیے جو:

۱۔ اطاعتِ رسول کا اقرار کرتا ہے۔

۲۔ حدیث نبوی کی تشریعی حجیت و استقلال کو تسلیم کرتا ہے۔

۳۔ قرآن کریم کی معنوی حفاظت پر ایمان رکھتا ہے۔

۴۔ سلفِ امت صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ محدثین کو لائق اعتماد گردانتا ہے۔

۵۔ ائمہ متقدمین اور محدثین کرام کی قدر و منزلت اور وسعت نظری کا معترف ہے۔

۶۔ اپنی حدودِ علم سے آگاہ اور قابلیت سے آشنا ہے۔

۷۔ مغربیت کی یلغار سے مرعوب اور فکر و دانش کے پھندے میں گرفتار نہیں۔

کسی بھی صورت میں حدیث نبوی پر حرف گیری اور صحیحین پر نکتہ چینی کرنا روا نہیں۔

احادیث نبویہ سے روگردانی اور ان پر جرح کرنا اہل بدعت کا شیوہ ہے:

امام ابوبکر محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ◆ کے متعلق چار طرح کے لوگ بدزبانی اور تنقید کرتے ہیں:

۱۔ جہمی: جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر ہے، جب اپنے کفریہ مذہب کے خلاف حضرت ابوہریرہ ◆ کی مرویات سنتا ہے تو عامۃ الناس اور کم عقل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے حضرت ابوہریرہ ◆ پر سب وشتم اور بہتان طرازی کرنے لگتا ہے، یہ باور کرانے کے لیے کہ ان کی احادیث قابل اعتماد نہیں۔

۲۔ خارجی: جو کسی امام اور خلیفہ کی اطاعت کرنا درست نہیں سمجھتا اور امت مسلمہ میں جنگ و جدل بپا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، ایسا شخص جب اپنے گمراہ مذہب کے خلاف حضرت ابوہریرہ ◆ کی بیان کردہ احادیث نبویہ سنتا ہے، تو اس کے پاس یہی حیلہ باقی رہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ◆ پر طعن و تشنیع کی جائے۔

۳۔ قدری: جو اسلام اور مسلمانوں سے جدا ہوجاتا ہے اور مسلمان جو قضا و قدر پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو کافر قرار دیتا ہے، ایسا شخص جب اثباتِ قدر کے متعلق حضرت ابوہریرہ ◆ کی روایت کردہ احادیث نبویہ سنتا ہے، تو اپنے کفریہ اور شرکیہ نظریے کی تائید و نصرت کے لیے اسے یہی دلیل نظر آتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ ◆ کی بیان کردہ احادیث کے ساتھ دلیل پکڑنا جائز اور درست نہیں۔

۴۔ جاہل فقیہہ: جب اپنے بغیر دلیل و برہان اختیار کردہ تقلیدی مذہب اور امام کے خلاف حضرت ابوہریرہ کی ذکر کردہ

[1] اس مبحث کے لیے کتاب "الجواب عن طعون في صحيح البخاري" للدكتور الشريف حاتم بن عارف العوني سے استفادہ کیا گیا ہے۔

احادیث سنتا ہے، تو ان میں طعن کرتا ہے اور اپنے مذہب کے مخالف ان کی بیان کردہ احادیث کو رد کر دیتا ہے حالانکہ ان کی اس طرح مخالفت کرنے کے باوجود اپنے مذہب کی تائید میں ان کی احادیث کو دلیل بنا لیتا ہے!!

(المستدرك: ۳/ ۵۱۳)

مذکورہ بالا اثر میں اگر آج حضرت ابوہریرہ ◆ کی جگہ پر صحیح بخاری اور امام بخاری ؒ کو رکھ کر دیکھا جائے تو ان پر جرح کرنے میں بھی مذکورہ عناصر اربعہ اوران کے ذیول وضائم ہی متحرک نظر آتے ہیں، اگرچہ مذکورہ بالا عناصر اربعہ میں بعض کا نام ونشان بحیثیت جماعت ختم ہو چکا ہے، لیکن صحیح بخاری اور امام بخاری ؒ پر جرح وتنقید کرنے والے افراد واحزاب پر نظر دوڑائی جائے تو ہمیں انہی عناصر اور ان کے افکار ونظریات سے متاثر حضرات ہی کا ہاتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔

مندرجہ ذیل سطور میں ہمیں صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف آخر الذکر گروہ کی چیرہ دستیوں اور دست درازیوں کا جائزہ لینا ہے۔

صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف مقلدین کی یورش:

ائمہ محدثین نے تدوین حدیث اور اپنی تصانیف ومجامیع میں کسی طرح کی گروہی یا مسلکی اغراض کو مدنظر رکھے بغیر خدمتِ دین اور حفاظتِ حدیث کے مخلصانہ جذبے کے پیش نظر احادیث لکھیں اور انھیں ترتیب دیا، ان کا مطمع نظر کسی متبوعہ مذہب یا امام مطاع کی مخالفت یا موافقت نہ تھا، کیونکہ وہ بذات خود کسی گروہی تعصب یا تقلیدی جمود کا شکار نہ تھے، (اگرچہ بعد میں مقلدین نے ظلماً وزوراً انھیں اپنے اپنے مذہب کی طرف منسوب کر لیا) لہٰذا ان کی جمع کردہ احادیث کا کسی ایک مسلک کے موافق اور کسی دوسرے مذہب یا امام کے مخالف ہونا لازمی امر تھا، اگرچہ یہ موافقت یا مخالفت من حیث الکل نہ تھی، لیکن اربابِ تقلید وجمود اور اصحابِ مذاہب کو اپنے امام کی کوئی جزوی مخالفت بھی گوارا نہیں ہوتی، کیونکہ جب سے تقلید کی یلغار نے امت مسلمہ کے بعض فرق کے حواس خمسہ پر قبضہ جمایا ہے، انھیں سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کی صلاحیتوں سے معطل کر دیا ہے، تقلید کی آبیاری چونکہ تعصب اور غباوت وحماقت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ (جیسا کہ امام طحاوی ؒ نے تصریح کی ہے) اس لیے تقلید سے انسانی قوت کار کا معطل ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ اپنے فقہی مذہب کے دفاع اور مخالفانہ دلائل کی تردید میں اختراع کردہ مقلدین کے اصول وقواعد کا جائزہ لیا جائے تو ایسے ایسے رونگٹے کھڑے کر دینے والے اصول نظر آتے ہیں کہ یا للعجب وضيعة الأدب !! مثلاً:

۱۔ ہر وہ حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی، اس کی تاویل کی جائے گی، یا اسے منسوخ سمجھا جائے گا!!

۲۔ اگر ہر حدیث پر عمل کیا جائے تو رائے وقیاس کا دروازہ بند ہونے کا خطرہ ہے!!

۳۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس ◆ غیر فقیہہ ہیں، لہٰذا قیاس کے مخالف ان کی احادیث پر عمل نہیں کیا جائے گا!!

۴۔ خبر واحد قیاس اور اصول وقواعد کے خلاف ہونے کی بنا پر منسوخ متصور ہوگی!!

۵۔ خبر واحد میں موجود قرآن مجید سے زائد حکم کا انکار!!

۶۔ عموم قرآن میں خبر واحد کے ذریعہ تخصیص سے انکار!!

یہ تو مقلدین کے خود ساختہ چند اصول وقواعد کا ذکر تھا، جن کی بنا پر نہ جانے کس قدر نصوص شرعیہ صحیحہ کو تقلیدی غلو اور مسلکی تعصب کی بھینٹ چڑھا دیا گیا، اگر فقہی فروعات وتخریجات کا جائزہ لیا جائے تو ان لوگوں کے ہاں حدیث نبوی بازیچہ اطفال نظر آتی ہے، جس سے ممکن ہے ''فقاہت و درایت'' میں تو مہارت حاصل ہوجائے، لیکن دل و دماغ میں حدیث نبوی کی وہ عظمت قائم نہیں رہتی، جو ایک مسلمان کے لیے نوید حیات اور نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے۔

اسی بنیاد پر مقلدین نے صحیح بخاری میں موجود احادیث کو جب اپنے افکار ونظریات کے مخالف پایا تو اس کی اہانت اور امام بخاری رحمہ اللہ پر بہتان طرازی کو اپنا شعار بنا لیا۔

اگر چہ عہد قدیم اور دور حاضر میں متعدد علمائے احناف صحیح بخاری اور امام بخاری کی عظمت و رفعت کے مقر اور ان کی مدح میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔[1] تاہم صحیح بخاری میں اپنے مسلک کے مخالف احادیث دیکھنے اور امت مسلمہ میں صحیح بخاری کی مقبولیت کی بنا پر ان کی تحریرات وتصنیفات میں صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف غم و غصے کا اظہار بہت نمایاں نظر آتا ہے، خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ کے ''بعض الناس'' کی صدا نے تو اور بھی جلتی پر تیل کا کام کیا، جس سے اچھی خاصی سلجھی طبائع بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

صحیح بخاری اور امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف مخالفانہ روش اور تقلیدی یورش کا آغاز اسی زمانہ میں ہوگیا تھا، جب امام رحمہ اللہ نے فقہی حِیَل کی پردہ دری اور مسلکی قیاس آرائیوں کی حقیقت واضح طور پر امت کے سامنے بیان کی تھی، مختلف ادوار میں اس مخالفت اور عداوت کے متعدد مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں:

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بخارا سے اخراج، جس کے پسِ پردہ تقلیدی ذہن ہی کارفرما تھا۔

۲۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے بخارا سے نکالے جانے کے اصل سبب کی پردہ پوشی اور ایک من گھڑت فتوی کی امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف نسبت اور اس کی تشہیر۔

۳۔ متاخرین احناف نے اپنے غم و غصے کے اظہار کے لیے اس من گھڑت فتوی کو آڑ بنایا اور اپنی کتب کے ذریعہ اس کی خوب ترویج واشاعت کی، تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مسلّمہ فقاہت کو داغدار کیا جاسکے اور ائمہ محدثین کے تابڑ توڑ حملوں سے جان بلب اپنی مجروح ''فقاہت'' کی نمائش کی جاسکے، حالانکہ یہ مدعیان درایت روایتی اعتبار سے نہیں بلکہ صرف درایتی لحاظ ہی سے اس واقعہ یا فتویٰ کا جائزہ لے لیتے تو انھیں اس سازش کے پس پردہ کردار معلوم کرنے میں ذرا دقت پیش نہ آتی۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: امام بخاری اور صحیح بخاری احناف کی نظر میں، از مولانا محمد ادریس ظفر صاحب۔

۴۔ صحیح بخاری کی مقبولیت اور شہرت کی بنا پر شروح وحواشی کی آڑ میں امام بخاری کے علم وفضل، فقاہت و درایت اور امامت و سیادت کے متعلق شکوک وشبہات کی آبیاری اور اپنے فقہی مذہب کی حمایت وتائید جو کتب حدیث پر شروح وحواشی لکھنے کا اصل مقصود ہے۔

مخالفانہ طرزِ عمل کے چند نمونے:

صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف بطور نمونہ مقلدین کے چند اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ یوسف بن موسیٰ الملطي الحلبي الحنفي الفقیه (المتوفی ۸۰۳ھ) اکثر کہا کرتا تھا:

"من نظر في كتاب البخاری تزندق" یعنی جس نے صحیح بخاری میں دیکھا وہ زندیق (بے دین) ہوگیا۔

(إنباء الغمر: ٤/ ٣٤٨، الضوء اللامع: ١٠/ ٣٣٥، شذرات الذهب: ٧/ ٤٠)

۲۔ علامہ جمال الدین زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

"فالبخاري رحمه الله مع شدة تعصبه و فرط تحامله على مذهب أبي حنيفة... والبخاري كثير التتبع لما يرد على أبي حنيفة من السنة." (نصب الراية: ١/ ٣٥٥، ٣٥٦)

یعنی بخاری ؒ مذہب حنفی کے معاملہ میں شدید تعصب اور سخت زیادتی کا شکار ہیں اور جب وہ ابوحنیفہ پر رد کرتے ہیں تو حدیث کی تلاش وجستجو میں بڑی محنت کرتے ہیں۔

۳۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی ایک مقام پر امام بخاری ؒ کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"إنما أراد به التشنيع على الحنفية، وليس هذا من دأب المشايخ." (عمدة القاري: ٢٤/ ١١٥)

یعنی امام بخاری ؒ کا مقصد صرف احناف کی برائی کرنا ہے، حالانکہ یہ مشائخ کا شیوہ نہیں۔

نیز لکھتے ہیں:

"وهذا البخاري مع شدة تعصبه و فرط تحمله على مذهب أبي حنيفة." (عمدة القاري: ٥/ ٢٩٠)

یعنی بخاری حنفی مذہب کے متعلق شدید تعصب اور سخت زیادتی کا شکار ہیں۔

۴۔ رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی واسطے باقتضاء تعصب مذہبی امام بخاری کو ہرگاہ کہ اس فقرہ میں گنجائشِ طعن نہ ملی۔''

(تالیفات رشیدیه: ٧٢٦)

۵۔ حسین احمد مدنی ٹانڈوی دیوبندی کہتے ہیں:

''اگرچہ فن حدیث میں امام بخاری کا بلند مقام ہے، مگر تعصب کی بنا پر جب یہ امام ابوحنیفہ کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان پر بھی تنقید کی جاتی ہے۔'' (تقریر ترمذی: ٣٩١)

مزید فرماتے ہیں:

''امام بخاری نے بھی اس بارے میں ایک رسالہ لکھا، مگر اپنی عادت کے مطابق روایات صحیحہ نہیں لائے، رطب و یابس سب جمع کر دیے ہیں۔'' (تقریر ترمذی: ٤٠١)

٦۔ احمد رضا شاہ بجنوری اپنے سُسر اور استاد انور شاہ کشمیری دیوبندی کے متعلق لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں امام بخاری کی زیادتیوں پر تنقید فرمائی اور فرمایا کہ اب ضعف کا وقت ہے، صبر کم ہوگیا اور ادب کا دامن چھوٹ گیا، مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے، یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہیں تھی، جس کی وجہ سے باب الحیل وغیرہ میں ائمہ حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔''

(أنوار الباری: ١/ ١١)

مزید گوہر افشانی کرتے ہیں:

''ایک روز درس میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر کی زیادتیوں پر مجھے ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی، لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا، اس لیے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی، اب چونکہ اخیر وقت ہے، اس لیے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر وضبط یوں بھی ضعف پیری کے باعث کمزور ہوگیا۔''

(أنوار الباري: ٢/ ٣٧) [1]

٦۔ حافظ احمد علی بٹالوی حنفی نے ''نصر المقلدين'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں صحیح بخاری کے ایک سو تراسی (١٨٣) راویوں پر جرح وتنقید کی گئی۔ (حل مشکلات بخاری: ٢٧٤)

٧۔ ایڈیٹر اہل فقہ امرتسر نے ''حدائق الحنفيه'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر لایعنی اعتراضات کیے گئے۔ (حل مشکلات بخاری: ٣٩٠)

٨۔ احمد رضا شاہ بجنوری دیوبندی نے صحیح بخاری کی شرح کے نام پر ایک کتاب ''انوار الباری'' لکھی جس میں اپنے جلے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے امام بخاری اور صحیح بخاری کو طنز وتشنیع اور سب وشتم کا دل کھول کر نشانہ بنایا، چنانچہ ایک مقام پر امام ابوحنیفہ کے خلاف رافضیوں کی طرح جھوٹا پروپیگنڈا کرنے والوں میں امام بخاری کو بھی شمار کرتے ہوئے احمد رضا بجنوری لکھتا ہے:

''کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پر لگانے والے امام بخاری ہیں۔'' (أنوار الباری: ١/ ٦١)

نیز لکھتا ہے: ''امام بخاری نے امام اعظم کے خلاف نہایت غلط روش اختیار کی۔'' (أنوار الباری: ١/ ٣١)

مزید لکھتا ہے:

''ایسے ہی لوگوں (یعنی امام بخاری جیسے) نے امام ابوحنیفہ کی طرف ان کو بدنام کرنے کے لیے بہت سی

---

[1] نیز دیکھیں: فيض الباري (١/ ٣٨٨) فصل الخطاب مع الكتاب المستطاب (ص: ٢٤٧)

جھوٹی باتیں منسوب کیں... کچھ حد ہے اس عداوت وحسد کی؟ امام بخاری نے ایک دوسری جھوٹی روایت امام صاحب کی تنقیص میں نقل کی ہے۔'' (أنوار الباری: ۱/ ۳۱)

ان تمام ہفوات اور افتراءات کا آپریشن علامہ محمد رئیس ندوی ﷫ نے اپنی بے نظیر کتاب ''اللمحات إلى ما أنوار الباري من الظلمات'' میں بکمال وتمام کر دیا ہے۔ جزاه الله عن الحديث وأهله خير الجزاء

مندرجہ بالا اقتباسات کے سوا بھی رہنمایانِ قوم (حنفیت و دیوبندیت) کی تحریرات میں صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف غم وغصہ کا اظہار جابجا موجود ہے، لیکن ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے مصداق حقیقت سے آگاہی اور درون خانہ احساسات کا اندازہ لگانے کے لیے اسی قدر اشارات کافی ہیں۔

مزید برآں مقلدین اور منکرین قرآن وحدیث کی طرف سے صحیحین کا مقام ومرتبہ نیچا دکھانے کے لیے طعن وتشنیع پر مبنی مستقل کتب و رسائل لکھے گئے، جن میں بطور مثال مذہبی داستانیں، ہدایہ علماء کی عدالت میں، مطالعہ صحیح بخاری، اسلام کے مجرم، مقدس قرآن اور محدث بخاری، شادی کی پہلی دس راتیں وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان میں مذکورہ ہفوات و اعتراضات کا تبعاً اور استقلالاً علمائے اہل حدیث (شكر الله سعيهم) قدیماً وحدیثاً جواب دے چکے ہیں۔

صحیح بخاری اور امام بخاری کے بارے میں مذکورہ بالا حضرات کی تنقیص وتنقید دیکھیے اور اس کے برعکس ان کی اہانت واستخفاف کرنے والے کے بارے میں علمائے امت کے اقوال ملاحظہ فرمائیے!

۱۔ امام مسلم ﷫ امام بخاری ﷫ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لا يبغضك إلا حاسد، و أشهد أنه ليس في الدنيا مثلك.'' (تهذيب الأسماء: ۱/ ۷۰)

یعنی آپ سے صرف کوئی حسد رکھنے والا ہی بغض رکھ سکتا ہے، اور میں گواہ ہوں کہ پوری دنیا میں آپ کی کوئی مثال نہیں۔

۲۔ امام ابوعمرو خفاف ﷫ فرماتے ہیں:

''لم أر مثل محمد بن إسماعيل ... ومن قال فيه شيئا فعليه مني ألف لعنة.'' (هدي الساري: ۶۷۸)

میں نے محمد بن اسماعیل (بخاری) جیسا کوئی نہیں دیکھا، جس نے ان کے بارے میں کوئی (بری) بات کہی اس پر میری طرف سے ہزار لعنت ہے!!

۳۔ علامہ قسطلانی رقمطراز ہیں:

''أما تأليفه فإنها سارت مسير الشمس، ودارت في الدنيا، فما جحد فضلها إلا الذي يتخبطه الشيطان من المس.'' (إرشاد الساري: ۱/ ۳۶)

یعنی صحیح بخاری پوری دنیا میں مشہور ومروج ہے، ایسی کسی کتاب کی عظمت وفضیلت سے وہی مخبوط الحواس

انکار کرسکتا ہے، جس کو شیطان نے خبطی بنا دیا ہو۔

۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کل من یھون أمرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین.“ (حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤)

یعنی جو شخص صحیح بخاری و مسلم کی توہین کرے گا، وہ بدعتی مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہے۔

نیز فخر علمائے احناف رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں:

''کتب صحاح میں احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کے جمع کرنے والے صحابہ کرام اور بعد کو علمائے مقبولین و محدثین رہے ہیں اور باتفاق جمیع اہل اسلام مقبول اللہ کے ہیں، جو شخص ان کتابوں کو برا کہتا ہے اور توہین کرتا ہے، گویا وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، وہ شخص فاسق مرتد بلکہ کافر اور ملعون حق تعالیٰ کا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیه: ٢/ ١٣)

اور باجماعِ امت ''کتب صحاح'' میں صحیح بخاری پہلے نمبر پر ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”ولعمري أنه نال من الشھرة والقبول درجة لا یرام فوقھا.“ (حجة الله البالغة: ٣١٨)

یعنی میں حلفاً کہتا ہوں کہ صحیح بخاری شہرت و قبولیت کے ایسے بلند درجے پر فائز ہے، جس سے اوپر بڑھنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

ڈاکٹر عمر کریم سالاری پٹنوی حنفی:

خطہ برصغیر میں عمل بالحدیث اور تقلید کے تصادم کا مرحلہ وار تاریخی جائزہ فضیلۃ الشیخ محمد عزیز شمس حفظہ اللہ اپنے بیش قیمت علمی و تحقیقی مقدمے میں لے چکے ہیں، جس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں، اسی دور سے تعلق رکھنے والی ایک ''ذات عجیب'' ڈاکٹر عمر کریم حنفی کی ہے، جن کے افکار و نظریات اور ہتھکنڈوں کا جائزہ ہمیں مندرجہ ذیل سطور میں لینا ہے۔

موصوف عظیم آباد پٹنہ کے رہنے والے تھے، جو ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرتسر کے ذریعے محدثین کرام اور کتب سنن و صحاح کے متعلق اپنے ''افکار عالیہ و نادرہ'' کی نشر و اشاعت کرتے رہے، موصوف کے ''افکار عالیہ'' کا جائزہ لینے سے قبل ان کے عقائد و نظریات کی جھلک دیکھنی نہایت مفید رہے گی:

۱۔ صفات باری تعالیٰ کا انکار۔ (العرجون القدیم: ٨٤٠)

۲۔ ''قبر رسول اللہ اور دیگر بزرگانِ دین کی جو مثل صفا و مروہ اور حجر اسود کے من شعائر اللہ یعنی اللہ کی بعض نشانیوں سے ہیں اور جس کی زیارت ذریعہ نجات کا ہر مسلمان کے ہے۔'' (العرجون القدیم: ٨٥٧)

۳۔ ''بزرگانِ دین کی قبر پر واسطے حصول حاجات کے جانا جو ایک سنت اور حدیثوں اور بزرگانِ دین کے قول و فعل

سے ثابت ہے۔'' (العرجون القدیم: ٨٦٣)

۴۔ شیخ سدو کا بکرا اور میاں جلال کا مرغ جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور موافق اس آیت کریمہ کے ﴿فكلوا مما ذكر اسم الله عليه﴾ (العرجون القدیم: ٨٦٤)

۵۔ ''رسول اللہ ﷺ اور دیگر بزرگانِ دین کی قبر شریف پر حاجات بر آنے کے واسطے جانا سنت ہے۔ (العرجون القدیم: ٨٧٩)

امت مسلمہ کے اجماعی فیصلے کے برعکس صحیح بخاری اور امام بخاری کی توہین و عداوت اس پر مستزاد جس کی اجمالی فہرست ذیل میں ملاحظہ کریں:

١۔ ''ان میں اتنا تفقہ بھی نہ تھا کہ جو ایک معمول درجہ کے طالب علم میں ہوتا ہے ... پکے متعصب ... ان میں اجتہاد کی قوت مطلق نہ تھی... ان میں مادہ اجتہاد کا نہ تھا ... ان سب خطابات (اہل الرائے مخالف رسول ﷺ) کے مستحق ہیں... حافظہ قوی نہ تھا ... اپنے کو جھوٹ موٹ محدث بنایا... امام بخاری رافضی ... امام بخاری بدعتی ... مقلد منتحلِ الحدیث جس کو نہ حدیث دانی سے کوئی واسطہ نہ فقاہت سے کچھ سروکار۔'' (حل مشکلات بخاری: ٣٣٨)

٢۔ ''ہم بخاری کے اصح الکتب کے عقیدہ کو بدعت اور ضلالت کہیں گے۔'' (حل مشکلات بخاری: ١٦٤)

٣۔ امت کے برعکس صحیح بخاری کی کئی احادیث کو موضوع کہنا۔

۴۔ صحیح بخاری کی احادیث کو قرآن مجید کے مخالف قرار دینا۔

بقیہ اتہامات اور افتراءات کی تفصیل کتاب کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے۔

صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف ''حنفی رافضی'' گٹھ جوڑ:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر عمر کریم میں اتنی قابلیت اور لیاقت موجود تھی کہ وہ صحیح بخاری اور امام بخاری پر اعتراضات تیار کر سکے؟ تو اس کا نہایت آسان اور سیدھا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف ان سب افتراءات اور تلبیسات کی بارش ''حنفی رافضی'' گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے، جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا محمد ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں آپ نے تمام حنفیوں کو دھوکہ دیا ہے، کیا آپ حنفی ہیں؟ نہیں نہیں! ارے بھائی کیوں؟ اس وجہ سے کہ کسی حنفی محقق نے بخاری کے اصح الکتب ہونے پر اعتراض نہیں کیا، آخر ہیں کیا؟ شیعہ! کس وجہ سے؟ بابو حسن علی خان صاحب شیعہ کے لنگوٹیا یار ہونے کی وجہ سے! آخر مضمون کس کی مدد سے تیار ہوتا ہے؟ انھی خان صاحب کی وجہ سے، جو کسی زمانہ میں زمیندار اور محلّہ سلطان گنج کے رئیس شمار کئے جاتے تھے، اب زمانہ کی گردش سے فضول خرچی میں مفلوک الحال ہو کر بزرگانِ دین اور ان کی کتابوں پر طعن و تشنیع کرنے کا شیوہ اختیار کیا ہے، ارے مولوی عمر کریم کیونکر پھنسے؟ بھولے جاتے تھے، اس نے اپنے

دام میں لاکر ان کو آڑ میں کھڑا کر کے بے شغلی کا شغل نکالا ہے، اوہو! ٹھیک ہے:

چرخ کو کب وہ سلیقہ ہے ستمگاری میں کوئی محبوب ہے اس پردہ زنگاری میں''

(الريح العقيم: ٧٨٧)

علاوہ ازیں کتاب میں جابجا عربی عبارات کے تراجم میں غلطیاں، راویانِ حدیث کے نام لکھنے میں غلطیاں اور ائمہ دین اور شارحین حدیث کے کلام سمجھنے میں ٹھوکریں مولوی عمر کریم کی ''قابلیت'' کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مزید برآں نقل عبارات میں خیانت وتحریف کی بنا پر موصوف کی ثقاہت وعدالت اور امانت و دیانت ہی مشکوک اور ساقط ہے، جس کا ثبوت کتاب میں جابجا دیکھنے کو ملتا ہے، سرسری جائزہ لینے کے لیے کتاب کی فہرست پر نظر ڈالنا ہی کافی ہے، موصوف کی تحریر کردہ کتب کے مشمولات ومندرجات کا تفصیلی جائزہ آگے آرہا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ:

برصغیر میں جن علماء نے خدمتِ دین اور حفاظت حدیث کے ضمن میں نمایاں خدمات سرانجام دیں، ایسے سرکردہ اور نامور علماء ومحدثین میں شیخ الاسلام مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی نمایاں حیثیت کا حامل ہے، مولانا بنارسی مرحوم نے خدمتِ حدیث کا بالعموم اور دفاعِ صحیح بخاری کا بالخصوص بیڑا اٹھایا ہوا تھا، چنانچہ جب بھی کسی طرف سے حدیث نبوی اور صحیح بخاری پر کوئی اعتراض اور تنقید ہوتی، موصوف اس کا جواب دینے کے لیے بے تاب ہوجاتے اور خداداد علم وفضل کی روشنی میں پیش کردہ اعتراضات کی خوب بیخ کنی اور نقاب کشائی فرماتے، چنانچہ ڈاکٹر عمر کریم حنفی نے جب صحیح بخاری اور امام بخاری کو اپنے سب وشتم اور ہفوات وتنقیدات کا نشانہ بنایا تو مولانا بنارسی مرحوم نے نہایت قلیل مدت میں تمام اعتراضات کا تسلی بخش اور تشفی آمیز جواب لکھ کر معترض کے ہر قسم کے اعتراضات کو ہباءً منثورا کر دیا۔ جزاه الله عن الإسلام وأهله خير الجزاء.

مولانا بنارسی مرحوم کا شمار ہندوستان کے اکابر علماء اور اعاظم رجال میں ہوتا تھا، موصوف نے مسلک اہلحدیث کی ترویج واشاعت کے لیے تحریری اور تقریری طور پر نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، اہل حدیث کے ہر قابل ذکر جلسے میں آپ کی شمولیت فرض کفایہ سمجھی جاتی تھی، مسلک اہل حدیث کے تنظیمی و جماعتی معاملات میں آپ سب سے پیش پیش ہوتے، کسی طرف سے مسلک اہلحدیث کے خلاف کوئی رسالہ یا کتاب سامنے آتی تو فوراً اس کا جواب لکھنے میں مگن ہوجاتے اور اگر کسی جگہ بحث ومناظرہ کی ضرورت پڑتی تو بے دریغ فریقِ مخالف سے مناظرہ کرنے کے لیے پہنچ جاتے، غرضیکہ مسلک اہلحدیث کی ترویج واشاعت، نصرت وحمایت، مخالفانہ تحریرات اور شکوک وشبہات کی بیخ کنی ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا اور مشغلہ حیات تھا، آپ نے ساٹھ سے زیادہ تالیفات نذر قلم کی ہیں، جن میں سے بیشتر کتب انھی موضوعات وعناوین کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

مولانا بنارسی مرحوم کو صحیح بخاری اور امام بخاری سے والہانہ شغف اور خصوصی لگاؤ تھا، آپ نے چالیس بار صحیح بخاری کو از اول تا آخر پڑھایا، جس سے ایک طرف اگر صحیح بخاری کے اسرار و رموز سے آپ کو واقفیت اور مہارت حاصل ہوئی، امام بخاری کی بے نظیر فقاہت و اجتہاد سے صحیح تعارف حاصل ہوا، تو دوسری طرف صحیح بخاری اور امام بخاری پر ہر لایعنی اعتراض اور تنقید کا کما حقہ جواب دینے کی مکمل استعداد اور بہترین صلاحیت بھی پیدا ہوئی، جس کا زیرِنظر کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا لیں گے۔

ڈاکٹر عمر کریم حنفی جیسے منہ پھٹ اور بد لحاظ معترض کی زہر آلود تنقید کا جس صبر و تحمل، سنجیدگی، متانت و وقار اور محققانہ اسلوب سے آپ نے جواب لکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ ہی کا خاصہ تھا، ایک مقام پر مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''یہ بھی یاد رہے کہ بآسانی ممکن تھا کہ میرا قلم بھی سختی اور تیز گامی سے دشوار گزار منزل طے کر کے نیم ستوں کو صدائے ہوشیار باش کی ٹھوکر لگاتا، لیکن ان ناگوار چوٹوں کا خراش دل کے ناسور ہوجانے کے ما سوا کیا نتیجہ؟ جس کے لیے خود کو مقلدین کا ہم قدم و ہم آہنگ بناؤں! خدا کا شکر ہے کہ تہذیب و صلاحیت ہم جماعت اہل حدیث کی فطرت کا مایہ ناز ہے، دغا بازی و حیلہ گری سے مصفا و مبرا ہے۔'' (الأمر المبرم: ٤٠٣)

مولانا بنارسی رحمہ اللہ کے طرز تحریر کی اہم خصوصیات:

مولانا بنارسی مرحوم کے طرز تحریر میں ہمیں مندرجہ ذیل صفات و خصوصیات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن اور علوم قرآن میں اتقان و رسوخ۔

۲۔ حدیث نبوی اور علوم حدیث میں مہارت تامہ۔

۳۔ کتب فقہ اور اصول فقہ سے استفادہ اور محققانہ و ناقدانہ نظر۔

۴۔ مختلف علوم و فنون (علوم آلیہ و عقلیہ) پر گہری نظر۔

۵۔ عربی لغت و ادب اور قواعد پر کامل عبور۔

٦۔ اردو ادب و انشاء میں ژرف نگاہی۔

۷۔ دقتِ نظر، وسعتِ معلومات اور قدیم و جدید مآخذ سے استفادہ۔

۸۔ محققانہ طرزِ تحریر اور مجتہدانہ نقد و تبصرہ۔

۹۔ متانت و وقار، صبر و تحمل، سب و شتم سے اجتناب اور فریق مخالف کے مقام و مرتبہ کا لحاظ۔

۱۰۔ قرآن و حدیث اور ائمہ سلف کے کلام سے استدلال کے ساتھ ساتھ فریق مخالف کی کتب معتبرہ سے استشہاد۔

مولانا بنارسی مرحوم کا اسلوب تحریر اس کے علاوہ بھی کئی مزایا و خصوصیات کا حامل ہے، جس کا درست اندازہ اسے پڑھنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

صحیح بخاری کے دفاع میں مولانا بنارسی مرحوم کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ:

جب صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف مقلدین احناف اور منکرین قرآن و حدیث نے تعصب و عناد کی بنا پر طوفان بدتمیزی بپا کیا اور اسے اپنے ناروا اور مضحکہ خیز اعتراضات کا نشانہ بنایا تو مولانا بنارسی مرحوم نے مختلف رسائل و جرائد اور مؤلفات کے ذریعے ان کا بھرپور تعاقب کیا اور اس فتنہ کا علمی و تحقیقی انداز میں خوب سد باب کیا، ابتداء میں صحیح بخاری کے دفاع میں مولانا بنارسی مرحوم کی تحریرات ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر وغیرہ میں شائع ہوئیں، جیسے ہی فریق مخالف کی طرف سے صحیح بخاری یا امام بخاری پر کوئی اعتراض وارد ہوتا، مولانا بنارسی ؒ اس کا جواب لکھ کر مسلکی جرائد میں شائع کروا دیتے، لیکن جب یہ فتنہ زیادہ ہی بڑھ گیا تو مولانا مرحوم نے اس کے جواب میں مستقل تالیفات سپرد قلم کیں، تاکہ مخالفین کو لگام دی جائے اور خلق خدا کو گمراہی اور مغالطات سے بچایا جا سکے، مولانا بنارسی مرحوم کے زمانہ ہی میں آپ کی تحریرات قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھیں، جس کا اندازہ ہم عصر اکابر علماء کی تقریظات اور مولانا مرحوم کو پورے ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے ملنے والے خطوط سے لگایا جا سکتا ہے۔ جن میں سے کچھ خطوط مؤلف ؒ نے اپنی بعض کتب میں نقل کیے ہیں۔

زیر نظر مجموعہ میں صحیح بخاری کے دفاع سے متعلقہ مولانا مرحوم کی مندرجہ ذیل سات کتب و رسائل شامل ہیں:

۱۔ حل مشکلات بخاری:

ڈاکٹر عمر کریم اور اس کے اعوان و انصار نے جب ''اہل فقہ'' امرتسر میں شائع شدہ اپنے مضامین کو یکجا کتابی صورت میں ''الجرح علی البخاري'' کے نام سے شائع کیا تو مولانا بنارسی مرحوم نے اس کا جواب ''حل مشکلات بخاری مسمی بہ: الکوثر الجاري في جواب الجرح علی البخاري" کے نام سے لکھا، یہ جواب مندرجہ ذیل تین حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ حل مشکلات بخاری (حصہ اول: ۱۳۳۰ھ): یہ حصہ رسالہ "الجرح علی البخاري" (حصہ اول) کے صفحہ نمبر (۶۶) تک مندرج صرف ڈاکٹر عمر کریم حنفی کے مضامین کا جواب ہے، ڈاکٹر عمر کریم حنفی کے سالہا سال کی محنت و مشقت اور تندہی سے تیار کردہ اعتراضات کا مذکورہ جواب مولانا بنارسی مرحوم نے صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھ ڈالا۔
(حل مشکلات بخاری: ۲۴۲)

۲۔ حل مشکلات بخاری (حصہ دوم: ۱۳۳۲ھ): کتاب کا یہ حصہ دو اقسام پر مشتمل ہے:

(i)۔ اس میں رسالہ ''الجرح علی البخاري'' (حصہ اول) کے صفحہ نمبر (۶۶) سے آگے دیگر معترضین سید محمد غوث حنفی، عبداللہ طالب العلم بہاری اور ایڈیٹر ''اہل فقہ'' امرتسر کے مندرجہ مضامین کا جواب دیا گیا ہے، جس کے ساتھ ہی رسالہ ''الجرح علی البخاري'' حصہ اول کا جواب مکمل ہوجاتا ہے۔ رسالہ "الجرح علی البخاری" حصہ اول ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرتسر میں ۱۹۰۶ء تا ۱۹۰۹ء شائع کردہ مضامین کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۱۲ء میں کتابی شکل میں

شائع ہوا، معترضین کے تین سال کی محنت وتندہی سے تیار کردہ مضامین کا جواب لکھنے میں مولانا بنارسی مرحوم کو مجموعی طور پر پانچ ہفتوں کا عرصہ لگا۔

(ii)۔ اس قسم میں ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرتسر میں صحیح بخاری اور امام بخاری کی تنقیص وتردید میں شائع شدہ ان مضامین کا جواب دیا گیا ہے، جو رسالہ ''الجرح علی البخاری'' (حصہ اول) میں شامل نہیں کیے گئے تھے، مولانا بنارسی مرحوم ان مضامین کا جواب لکھنے سے پیشتر فرماتے ہیں:

''اب اہل فقہ کے ان متفرق اورضروری اعتراضات کے جواب کی طرف عنان قلم کو پھیرتا ہوں، جو نہ رسالہ الجرح میں درج کیے گئے اور نہ کسی نے ان کے جواب کی طرف توجہ ہی کی، تاکہ مخالفین کا کوئی اعتراض باقی نہ رہ جائے، واللہ الموفق۔'' (حل مشکلات بخاری: ۲۸۸)

۳۔ حل مشکلات بخاری (حصہ سوم: ۱۳۳۲ھ): اخبار ''اہل فقہ'' امرتسر ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک تعطل کا شکار رہا، لیکن جب مخالفین کی تگ و دو سے دوبارہ اس کی اشاعت عمل میں آئی تو حسب دستور اس میں صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف زہر آلود تحریرات شائع ہونے لگیں، جو بعد ازاں ''الجرح علی البخاری'' حصہ دوم کے نام سے یکجا کتابی شکل میں شائع کی گئیں، یہ مجموعہ ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرتسر میں اگست ۱۹۱۱ء تا فروری ۱۹۱۳ء شائع کردہ مضامین پر مشتمل ہے، جو ۱۹۱۴ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا، اس حصے میں زیادہ تر ڈاکٹر عمر کریم کے مضامین ہیں، بعض مضامین مولوی غلام مصطفیٰ امرتسری کے بھی تحریر کردہ ہیں۔ مولانا بنارسی مرحوم نے ''حل مشکلات بخاری'' کے حصہ سوم میں رسالہ "الجرح علی البخاری" (حصہ دوم) میں مندرجہ مضامین کا جواب دیا ہے، بعد ازیں اخبار '' اہل فقہ'' امرتسر ۱۹۱۳ء میں جب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، تو معاندین کے ایک دوسرے اخبار ''سراج الاخبار'' جہلم نے اسی نہج پر صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف علمِ عداوت بلند کیا اور مخالفانہ مضامین کی اشاعت شروع کر دی، چنانچہ مولانا بنارسی مرحوم فرماتے ہیں:

''مضامین مندرجہ بالا کے بعد ''اہل فقہ'' کا پرچہ بند ہوگیا تو ''سراج الاخبار'' جہلم نے اس کی قائم مقامی کی، چنانچہ اخبار مذکور میں وقتاً فوقتاً امام بخاری کے خلاف مضامین نکلتے رہے ہیں، افسوس کہ ہمیں اخبار مذکور دیکھنے کو بھی نہیں مل سکا، قیمتاً طلب کرنے پر بھی میسر نہیں آتا، اس لیے اس کا جواب باترتیب ہم ابھی نہیں دے سکتے، اخبار مذکور کا ایک پرچہ (۴ اگست ۱۹۱۴ء) البتہ ہاتھ لگ گیا تھا، اس کا جواب ہم ذیل میں نمبر (۱۸) کی سرخی سے درج کر دیتے ہیں، بقیہ مضامین سراج الاخبار کا جواب اس کے پرچوں کے ملنے پر ہم اس کتاب کے اگلے اورحصوں میں دیں گے۔'' (حل مشکلات بخاری: ۳۸۹)

اس کے بعد مولانا مرحوم نے ''سراج الاخبار'' جہلم کے ایک مضمون کا جواب لکھا ہے، جس کے ساتھ ہی حل مشکلات بخاری کا حصہ سوم واخیر اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔

حل مشکلات بخاری حصہ سوم میں ''الجرح علی البخاری'' حصہ دوم کے تمام مضامین کا جواب مکمل نہیں ہوا تھا، اس لیے مولانا بنارسی مرحوم کا ارادہ تھا کہ بقیہ مضامین کے جواب میں حل مشکلات بخاری کا حصہ چہارم لکھا جائے گا، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''الجرح حصہ دوم کے بقیہ مضامین کا جواب حل مشکلات حصہ چہارم میں دیا جائے گا، ان شاء اللہ، فانتظروا!''
(حل مشکلات بخاری: ۳۸۹)

اب کیا مولانا بنارسی مرحوم نے حل مشکلات بخاری کا حصہ چہارم تالیف کیا تھا یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو متضاد آرا پائی جاتی ہیں:

۱۔ مولانا بنارسی مرحوم نے حصہ چہارم تالیف تو ضرور کیا تھا، لیکن حصہ ثالث کی اشاعت کے بعد مولوی عمر کریم وفات پا گیا جس پر مصنف علام نے چوتھا حصہ چھپوانے کی ضرورت نہ سمجھی، چنانچہ مولانا امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

''حالانکہ یہ جواب کچھ اصل معترض کے لیے نہ تھا، بلکہ تمام اہلِ علم کے لیے مفید تھا، اس لیے ہمیں تعجب ہے کہ صاحبِ ترجمہ (مولانا بنارسی) نے یہ التوا کیوں فرمایا؟!'' (تراجم علمائے حدیث: ۱/ ۳۵۸)

اب اگر مولانا مرحوم نے حل مشکلات کا چوتھا حصہ تحریر کیا تھا تو وہ کہاں ہے؟ تو بعض حضرات کی تصریح کے مطابق حل مشکلات کا حصہ چہارم مکتبہ راشدیہ سندھ میں موجود ہے۔ (ماہنامہ محدث لاہور اگست ستمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۲۴۱)

لیکن جب اس سلسلہ میں ہم نے مکتبہ راشدیہ کے اصحابِ انتظام سے رابطہ کیا اور بندہ بھیج کر پتہ کروایا تو اس حصہ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ **واللہ أعلم**

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مولانا بنارسی مرحوم حصہ چہارم تحریر نہ کر سکے تھے، کیونکہ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد ان کا سارا کتب خانہ بحفاظت جامعہ سلفیہ بنارس میں منتقل کر دیا گیا تھا، جس میں اس مسودے یا کتاب کا کوئی اتا پتہ نہیں ملا۔

مزید برآں مولانا مرحوم کی وفات کے بعد جب ان کے شاگرد مولانا مختار احمد ندوی نے حل مشکلات بخاری کو شائع کیا تو یہ اشاعت تین حصوں ہی پر مشتمل تھی، لہٰذا قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بنارسی مرحوم خواہش کے باوجود حل مشکلات بخاری کا حصہ چہارم تالیف نہیں کر سکے تھے۔ **واللہ أعلم**

حل مشکلات بخاری کی پہلی اشاعت تو مؤلف رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں عمل میں آ چکی تھی، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، دوسری بار اس کتاب کو مولانا بنارسی مرحوم کے شاگرد مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اپنے مکتبے ''الدار السّلفیہ'' مؤمن پورہ بمبئی کی طرف سے شائع کیا تھا، لیکن افسوس کے اس ایڈیشن پر سن اشاعت درج نہیں کیا گیا، جس سے دونوں اشاعتوں کے مابین عرصے کی تحدید اور ثانی الذکر اشاعت کی تعیین کی جا سکے۔

ناسپاسی ہوگی اگر دوسری اشاعت کے سلسلے میں حافظ فتحی محمد مرحوم کے تعاون اور مساعی کو نظر انداز کر دیا جائے، مرحوم میں اشاعتِ حدیث اور مخالفین کے جواب میں علمائے اہل حدیث سے کتابیں لکھوانے اور بعد ازاں ان کی مفت اشاعت و تقسیم کا بے پناہ جذبہ تھا، انھوں ہی نے مولانا مختار احمد ندوی ﷬ سے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھپوا کر برصغیر پاک و ہند کے مکتبات اور اہل علم میں تقسیم کروایا۔ جزاه الله عن الحديث وأهله خير الجزاء.

۲۔ الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم (۱۳۲۹ھ):

اس کتاب میں بقول مصنف ﷬ ''مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے ان اختراعات کا جواب دیا گیا ہے، جو انھوں نے صحیح بخاری شریف کے ۱۷۵ رواۃ پر کیا تھا۔''

ڈاکٹر عمر کریم حنفی نے ''الكلام المحكم'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں صحیح بخاری کے ایک سو پچھتر رواۃ کو مجروح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، علاوہ ازیں کتاب کے آغاز میں اس نے صحیح بخاری، امام بخاری، محدثین کرام اور جماعت اہل حدیث پر بے ہودہ اعتراضات اور ناروا حملے کیے، جن کے مذکورہ بالا کتاب کے شروع میں مولانا بنارسی مرحوم نے دندان شکن مسکت جوابات دیے ہیں۔

کتاب مردود میں رواۃِ صحیح بخاری پر تنقید کرنے میں ڈاکٹر عمر کریم حنفی کے طریقہ کار میں خیانت و تحریف کا ارتکاب اور افراط و تفریط کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ ڈاکٹر عمر کریم کے معتمد علیہ مصدر ہی میں جرح کے بعد اس کا جواب اور تردید واضح طور پر موجود ہوتی ہے، لیکن مولوی عمر کریم اپنی غرض کے مطابق جرح نقل کر لیتا ہے اور اس کے آگے ہی منقولہ جرح کے جواب سے چشم پوشی کر جاتا ہے۔

۲۔ ائمہ محدثین کی عبارات میں قطع و برید۔

۳۔ جرح نقل کرنے میں حافظ ذہبی ﷬ کی کتاب میزان الاعتدال مولوی عمر کریم کا سب سے بڑا ماخذ اور اہم مرجع ہے، لیکن موصوف رواۃ حدیث کے دفاع میں حافظ ذہبی ﷬ کے کلام ہی کو لائق اعتناء اور قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔

۴۔ حافظ ذہبی ﷬ عموماً ثقہ و صدوق راوی کا ترجمہ اور اس پر جرح نقل کرنے سے پہلے کلمہ ''صح'' لکھ دیتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مذکورہ راوی پر بعض ائمہ نے جرح کی ہے، لیکن بوجوہ وہ جرح مقبول نہیں اور راجح قول میں مذکورہ راوی قابل احتجاج ہے، مولوی عمر کریم اس اصطلاح کو ناواقفیت یا خیانت کی بنا پر نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ راوی پر میزان الاعتدال ہی سے جرح نقل کر دیتا ہے۔

۵۔ مولوی عمر کریم کسی راوی پر جرح میں بعض ائمہ متشددین کے کلام کو نقل کر دیتا ہے، حالانکہ ائمہ معتدلین کی توثیق کے مقابلہ میں مذکورہ جرح مرجوح ہوتی ہے۔

۶۔ جرح وتعدیل میں ائمہ محدثین کی اصطلاحات سے ناواقفیت اور کلمات جرح وتعدیل کے اطلاقات سے جہالت کی بنا پر مولوی عمر کریم ثقہ وصدوق راوی کو ضعیف اور متروک بنا دیتا ہے۔

۷۔ مولوی عمر کریم رواۃ حدیث کا نام لکھنے اور عربی عبارات کا ترجمہ کرنے میں شدید ٹھوکریں کھاتا ہے۔

۸۔ ایسے راویوں کو صحیح بخاری کا راوی سمجھ کر جرح شروع کر دیتا ہے، جن کی سرے سے صحیح بخاری میں ایک بھی روایت نہیں ہوتی، بلکہ اس راوی کا صحیح بخاری میں نام تک مذکور نہیں ہوتا۔

لہٰذا مذکورہ بالا ''صفات'' کی بنا پر کیا جرح وتنقید اور نقل میں مولوی کریم قابل اعتبار اور لائق اعتماد گردانا جا سکتا ہے؟ حاشا وکلا!!

مذکورہ بالا ہفوات اور تلبیسات کے جواب میں مولانا بنارسی مرحوم کا اسلوبِ تحریر مندرجہ ذیل صفات اور خصوصیات کا حامل ہے:

۱۔ سب سے پہلے مولوی عمر کریم کی اگر راوی کے نام، عربی عبارت کے ترجمے، راوی کی تعیین، عربی عبارت کے ضبط اور نقل جرح میں کوئی غلطی یا قطع و برید اور خیانت کا ارتکاب موجود ہو تو اس کی اصلاح اور گرفت کی جاتی ہے۔

۲۔ ائمہ محدثین کے کلام کی روشنی میں نقل کردہ جرح کے مرجوح ہونے کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

۳۔ الفاظ جرح کی توضیح اور ان کا درست معنی اور صحیح مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔

۴۔ صحیح بخاری میں اس راوی کی مرویات کا جائزہ اور اصل صورت حال واضح کی جاتی ہے، مثلاً کیا مذکورہ راوی کی روایت امام بخاری ﷫ نے اصول میں بیان کی ہے یا متابعات وشواہد میں؟ بنا بریں جرح کے مؤثر یا غیر مؤثر ہونے کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

۵۔ نقل کردہ جرح کی عدم ترجیح اور غیر مقبولیت کے اسباب و وجوہات ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً جرح کا غیر مفسر اور مبہم ہونا وغیرہ۔

۶۔ جرح کرنے والے کے درجہ کا تعین کیا جاتا ہے کہ کیا اس شخص کی کسی راوی پر جرح مقبول ہوسکتی ہے؟ مثلاً ابو الفتح ازدی اور ابن خراش وغیرہ جو بذات خود متکلم فیہ ہیں۔

۷۔ آخر میں مذکورہ راوی کی ائمہ محدثین کے کلام کی روشنی میں معتمد اور قابلِ وثوق مصادر کے ذریعے ثقاہت و صداقت ثابت کی جاتی ہے اور ائمہ حدیث کے اقوال بالتفصیل نقل کیے جاتے ہیں۔

۸۔ مؤلف ﷫ نے رواۃِ حدیث کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کیے ہیں، بعض مقامات پر معمولی تقدیم و تاخیر بھی موجود ہے، جو غالباً مولوی عمر کریم کی ترتیب کی اتباع میں ہے۔

یہ اور اس کے علاوہ کتاب میں علم حدیث اور جرح وتعدیل کے متعلقہ ان گنت فوائد اور نہایت قیمتی نکات شامل

ہیں، جو مصنف ﷫ کی علم حدیث میں مہارت اور لیاقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس کتاب کی طباعت کے حوالے سے مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں:

۱۔ یہ کتاب سب سے پہلی بار مؤلف ﷫ کی زیرنگرانی ان کے ذاتی مطبع سے ۱۳۲۹ھ میں دو سو بیس (۲۲۰) صفحات پر شائع ہوئی۔

۲۔ بعدازاں اس کتاب کی دوسری طباعت شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ الفلاح ﷫ کی زیرنگرانی اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاہور کی طرف سے عمل میں آئی، کتاب پر سنِ طباعت درج نہیں، البتہ مولانا عبدہ مرحوم کی تقدیم کے بعد ''۲۷۔۸۔۴'' کی تاریخ درج ہے۔

۳۔ ثانی الذکر ایڈیشن میں کتاب میں مذکورہ کثیر تعداد میں مصادر اور مآخذ کے حوالہ جات اور بعض مقامات پر حواشی مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ نے لکھے تھے، جو سہواً یا عمداً مولانا عبدہ الفلاح ﷫ کی طرف منسوب کر دیئے گئے، لہٰذا اس غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے موجودہ ایڈیشن میں ایسے تمام حواشی کے بعد ''مولانا ارشاد الحق اثری ﷾'' کے نام کی صراحت کر دی گئی ہے، مولانا اثری ﷾ نے اصل حواشی عربی میں لکھے تھے، لیکن موجودہ طباعت میں ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ اس کتاب کے اولین ایڈیشن میں کتاب کے آخر میں اغلاط نامہ لگایا گیا تھا، جسے دوسری طباعت میں کتاب کے اندر اصلاح کر کے ختم کر دیا گیا ہے۔

۵۔ دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے آخری دو صفحات حذف کر دیے گئے تھے، ہم نے پہلے ایڈیشن کی مدد سے ان صفحات کو بعینہ کتاب کے آخر میں دوبارہ درج کر دیا ہے۔

۳۔ ماء حمیم للمولوی عمر کریم

مولوی عمر کریم حنفی نے ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں صحیح بخاری کی بابت اشتہار نمبر (۱) شائع کیا، جس میں صحیح بخاری اور امام بخاری پر سوال نما بارہ اعتراضات کیے، چنانچہ اس کے جواب میں مولانا بنارسی مرحوم نے چند گھنٹوں میں مذکورہ رسالہ ''ماء حمیم'' تالیف کیا، جو ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا، جواب لکھنے اور اس کی اشاعت میں اتنا لمبا عرصہ کیوں گزرا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا بنارسی ﷫ فرماتے ہیں:

> ''مولوی عمر کریم کا جب اشتہار نمبر (۱) شائع ہوا، عاجز کا وہ بچپن کا زمانہ اور تحصیل علم کا وقت تھا، اس لیے خاکسار کی طرف سے اس کا جواب نہیں ہوا، گو ہمارے دوست مولوی رفعت اللہ خاں نے شاہ جہاں پور سے بہتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے ایک اشتہار اس کے جواب میں، جس میں ان کے سوالوں کو الٹ کر امام ابوحنیفہ ﷫ پر کیا تھا، شائع کیا، جس سے بڑا فائدہ ہوا کہ خصم کو تابِ جواب نہیں ہوئی، لیکن امام بخاری پر سے اصل دھبہ دور نہیں ہوا، اس لیے خاکسار کا بعد فراغت از تحصیل علوم خیال ہوا کہ اس کا

بھی تحقیقی جواب ضرور ہونا چاہیے، جیسا کہ الزامی ہوگیا، لیکن اس خیال سے رک گیا کہ اس کو شائع ہوئے مدت دراز ہوگئی، یہاں تک کہ احباب مخلصین کا سخت تقاضا ہوا کہ جس طرح اُن کے اشتہار نمبر (۲) کے تین جواب (ایک بذریعہ اشتہار، دوسرا صراط مستقیم، تیسرا الریح العقیم) اور نمبر (۳) کا جواب (العرجون القدیم) اور نمبر (۴) کا جواب (الخزی العظیم) خاکسار کی طرف سے شائع ہوئے، جو مقبول و مفید خلائق ہوئے، نمبر (۱) کا بھی ضرور جواب ہونا چاہیے، پھر کئی احباب نے اس کی تائید کی جس سے مجبور ہو کر اس کے جواب میں یہ رسالہ ''ماء حمیم'' تجویز ہوا۔''

معترض کے بارہ سوالات جہالت کا عجیب وغریب کرشمہ ہے، جس شخص کو علم حدیث کے ساتھ معمولی سا تعلق بھی ہو وہ ایسے سوالات اور اعتراضات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، مذکورہ سوالات کے جواب میں صرف صحیح حدیث کی شرائط اور حدود و قیود سے واقفیت ہی کافی ہے، جس سے مولوی عمر کریم صاحب ناواقف یا متجاہل معلوم ہوتے ہیں۔

مولانا بنارسی مرحوم نے ان سوالات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں بیش قیمت تحقیقی مباحث اور علمی فوائد ذکر کیے ہیں، جو کوزے میں دریا بند کرنے کے مترادف ہے، جس کا صحیح اندازہ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے، یہ کتاب صرف ایک بار مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں شائع ہوسکی۔

۴۔ صراط مستقیم لهداية عمر كزيم

مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی نے پندرہ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ میں اشتہار نمبر (۲) شائع کیا، جس میں صحیح بخاری کی اصحیت اور احادیث کی قطعیت کا انکار، احادیث بخاری پر شذوذ و تعارض کا الزام اور صحیح بخاری کی احادیث کا قرآن مجید کے مخالف ہونے کا اتہام جیسے اعتراضات مشتہر کیے گئے، علاوہ ازیں بعض خرافی عقائد و نظریات کی بھی تشہیر کی گئی، جن کے جواب میں مولانا بنارسی مرحوم نے مذکورہ رسالہ ''صراط مستقیم'' تحریر کیا، یہ رسالہ قلیل الحجم ہونے کے باوجود بیش قیمت علمی و تحقیقی فوائد پر مشتمل ہے، جو مولانا مرحوم کی تمام تحریرات کا خاصہ ہے۔

مولانا بنارسی مرحوم نے مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر (۲) کے تین جواب لکھے تھے:

۱۔ سب سے پہلا جواب بصورت اشتہار شائع کیا گیا۔

۲۔ دوسرا جواب مصروفیت کی بنا پر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''صراط مستقیم'' کے نام سے دیا، جو آٹھ صفحات میں شائع ہوا۔

یہ رسالہ مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں دو بار ۱۳۲۳ھ اور ۱۳۲۹ھ میں ان کے ذاتی مطبع سے اشاعت پذیر ہوا۔

۳۔ الریح العقیم: اس میں مولانا بنارسی مرحوم نے مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر (۲) میں مذکورہ اعتراضات کا تفصیلی جواب لکھا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۵۔ الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم

اس رسالہ کی بابت مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''اس رسالہ ہدایت کا مقالہ میں بفرمائش احباب مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے اشتہار نمبر (۲) کا بقیہ جواب مفصل طور پر دیا گیا ہے، جو حقیقت میں دوسرا حصہ ہے صراط مستقیم کا، نیز ان کے اعتراضات واہیہ کا خوب قلع قمع کیا گیا ہے اور صحیح بخاری کا ڈیفنس (مدافعت) کما حقہ کیا گیا ہے، جس کا لطف بغیر دیکھے نہیں ہوسکتا۔'' (الریح العقیم: ۷۵۱)

مزید فرماتے ہیں:

''لوگوں کا یہ بھی تقاضا ہوا کہ جس تفصیل سے اشتہار نمبر (۳) کا جواب دیا گیا ہے، اسی تفصیل سے اشتہار نمبر (۲) کا بھی جواب ہونا چاہیے اور بے شک یہ ٹھیک ہے کہ اشتہار نمبر (۲) کا مفصل ومکمل جواب کسی نے نہیں لکھا، اگرچہ خاکسار نے "صراط مستقیم لهداية عمر كريم" اس کے جواب میں لکھی، لیکن درحقیقت وہ بہت ہی مختصر لکھی گئی اور اس میں بہت سے ضروری اور قابل جواب امور کا جواب نہیں دیا گیا، اس لیے عاجز کا مصمم ارادہ ہوا کہ ایک اور رسالہ مفصل اس اشتہار نمبر (۲) کے جواب میں لکھا جائے، چنانچہ وہ رسالہ یہ ہے جو حیز تحریر میں لا کر ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے، اس میں ان امور کے جواب نہیں دیے گے، جن کو ''صراط مستقیم'' میں دیا گیا ہے، پس ناظرین رسالہ ''صراط مستقیم'' اور اس رسالہ دونوں کو ملا کر اشتہار نمبر (۲) کا مکمل جواب تصور فرمائیں اور بلا ضرورت طوالت سے مجھے معذور سمجھیں۔'' (الریح العقیم: ۷۵۳)

یہ رسالہ مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں ایک بار ۱۳۲۸ھ میں اڑسٹھ (۶۸) صفحات پر مشتمل ان کے ذاتی مطبع ''سعید المطابع'' بنارس سے شائع ہوا۔

۶۔ العرجون القدیم فی إفشاء هفوات عمر کریم

مولوی عمر کریم پٹنوی حنفی نے جمادی الأخریٰ ۱۳۲۴ھ میں حسب عادت صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف اشتہار نمبر (۳) شائع کیا، جس کے جواب میں مولانا بنارسی مرحوم نے مذکورہ رسالہ ''العرجون القدیم'' تصنیف کیا، یہ رسالہ اپنے گوناگوں فوائد اور متنوع مباحث کی بنا پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس میں عقیدہ توحید، رسالت، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، جیسے موضوعات پر نہایت قیمتی معلومات دیکھنے کو ملتی ہیں، خصوصاً شرک اور تقلید کی تردید میں ایسے مباحث پڑھنے کو ملتے ہیں، جو شاید ہی کسی دوسری جگہ زیر بحث لائے گئے ہوں، نیز مولانا مرحوم نے امام بخاری کا تفقہ و اجتہاد ایسے انداز سے ثابت کیا ہے اور مخالفانہ پروپیگنڈا کی اتنے بہترین اسلوب سے تردید کی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، ان تحقیقات اور فوائد کو دیکھنے کے بعد ہر دل مولانا بنارسی مرحوم کی تحقیق و اجتہاد میں مہارت کی ضرور گواہی دے گا۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یہ رسالہ اسّی صفحات پر مشتمل مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں ایک بار ان کے ذاتی پریس ''سعید المطابع'' بنارس سے ۱۳۲۶ھ کو اشاعت پذیر ہوا۔ تمام اعتراضات کا جواب دینے کے بعد کتاب کے آخر میں مولانا مرحوم نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی بھی درج کیے ہیں۔

یہ جواب مولانا مرحوم نے ایک مہینہ کی قلیل مدت ہی میں لکھ دیا تھا، لیکن اس کی اشاعت مولوی عمر کریم کے اشتہار نمبر (۳) کی اشاعت کے دوسال بعد کیوں عمل میں آئی؟ اس کا جواب دیتے مولانا مرحوم دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''ناظرین حیران ہونگے کہ مولوی عمر کریم نے اپنا اشتہار نمبر (۳) ۱۳۲۴ھ میں شائع کیا تھا، اس کا جواب آج ۱۳۲۶ھ میں کیوں نکلا ہے؟ کیا مجیب اتنے دنوں تک جواب ہی میں غلطان تھا؟ نہیں بلکہ اصل واقعہ یوں ہے کہ میرے پاس بماہ شعبان ۱۳۲۴ھ کو اشتہار نمبر (۳) پہنچ چکا تھا، جس کا جواب میں نے بعونہ وصونہ ۲۴ھ ماہ رمضان ہی میں کامل ایک ماہ میں لکھ دیا تھا، لیکن ان دنوں بوجہ سرمایہ مہیا نہ ہونے پریس میں طبع کرانے سے معذور ہوا اور دوسرے پریس میں بہ خیال صرف کثیر کے نہ چھپوا سکا، چنانچہ اس دوطرفہ خیال میں دوسرا رمضان ۱۳۲۵ھ آپہنچا اور درمیان میں بوجہ شغل کاموں کے اس کی طرف خیال بھی نہ گیا، غرض دوسرے رمضان یعنی ۱۳۲۵ھ میں میں نے ملازمین پریس مہیا کئے اور اس کے طبع کرانے کا مصمم ارادہ کرلیا، چنانچہ اس سال اپنے اشتہار میں بھی اس کو بہ لفظ ''زیر طبع'' شائع کیا، لیکن قریب نصف کے طبع ہوا ہوگا کہ پریس میں نقصان آ گیا، جس کی وجہ سے بند کر دیا گیا اور قریب ایک سال تک پریس وغیرہ کی مرمت ہوئی۔ اس سال پھر بقیہ طبع کرانے کا ارادہ ہوا، اتفاق سے خوشنویس بیمار ہوگیا، جس کی وجہ سے مزید حرج ہوا، لیکن ساتھ ہی اس کے یہ خیال ہوا کہ زیادہ دیر کرنا باعث بدنامی ہے، اس لئے کسی نہ کسی طور پر سے اس کو ازسرنو لکھایا اور طبع کرا کے ہدیہ ناظرین کیا۔ امید ہے کہ میرے احباب اس تاخیر کو معاف فرما دیں گے، والعذر عند كرام الناس مقبول!'' (العرجون القديم: ۸۳۷)

۷۔ الخزی العظیم للمولوی عمر کریم

مولوی عمر کریم حنفی نے ۲۲ رجب ۱۳۲۸ھ کو اشتہار نمبر (۴) شائع کیا، جس میں صحیح بخاری کی دس احادیث کا ان کے تراجم ابواب سے عدم مطابقت کا اعتراض کیا، اس اشتہار کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مولانا بنارسی مرحوم رقمطراز ہیں:

''میں نے خود العرجون القدیم کے صفحہ نمبر (۴۲) پر اُن کو نوٹس دیا تھا کہ ''آپ کو صحیح بخاری کے جن بابوں میں ان کے ذیل کی حدیثوں سے مطابقت معلوم نہ ہو بذریعہ اشتہار کے پیش کریں، میں اسے کھول کر بتا دوں گا، بشرطیکہ حق استادیت بھی ادا کرنا۔'' اب آپ نے مجھے اپنا استاد مان لیا، میرے لکھنے کے مطابق اشتہار نمبر (۴) میں بالفعل دس حدیثیں پیش کی ہیں۔'' (الخزي العظيم: ۹٤۸)

اس رسالہ میں مولانا بنارسی مرحوم نے صحیح بخاری کے سالہا سال کے درس وتدریس اور اس کے ساتھ اپنی خصوصی

ممارست اور مزاولت کی بنا پر انتہائی قیمتی جواہر پارے بکھیرے ہیں اور معترض کے سوالات کا مسکت اور دندان شکن جواب دیا ہے۔

یہ رسالہ مولانا بناری مرحوم کی زندگی ہی میں ایک بار ۱۳۲۹ھ کو شائع ہوا، مولانا مرحوم رسالہ کے اختتام پر لکھتے ہیں:

> ''للہ الحمد کہ ایک روز کی محنت میں آپ کے اشتہار کا جواب بغیر کسی قسم کی مشقت کے آناً فاناً تیار ہوگیا اور آپ نے جس کو عقدہ لاینحل تصور فرمایا تھا، بات کی بات میں حل ہوگیا، اب آپ اپنے بیس روپیہ انعام کو بجائے مجیب کو دینے کے اپنے دماغ کے علاج میں صرف کر کے اپنے کو تندرست بنائیں، ورنہ عداوت کا گھن اندر ہی اندر آپ کا کام تمام کر دے گا اور آپ کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' (الخزي العظيم: ٩٦٢)

یوں مولانا بنارسی مرحوم کی صرف صحیح بخاری اور امام بخاری کے دفاع میں لکھی ہوئی سات کتب و رسائل کا تذکرہ تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے لیے خدمت دین اور دفاع حدیث کے اس عمل کو بلندی درجات کا سبب بنائے اور ہمیں بھی خدمتِ دین اور تحفظ سنت کے ایسے مواقع عطا فرمائے، جو ہماری اخروی نجات اور مغفرت کا سبب بن سکیں۔ آمین یا رب العالمین

محدث ہند علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ:

ناسپاسی ہوگی اگر دفاع حدیث اور تحفظِ سنت کی مذکورہ بالا جہود و مساعی میں محدث کبیر علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ نہ کیا جائے، مولانا بنارسی مرحوم کو مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ اور خصوصی تعلق حاصل تھا، چنانچہ مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ ہی نے مولانا بنارسی مرحوم کو صحیح بخاری کے دفاع اور مولوی عمر کریم کے ہفوات کا جواب لکھنے کی طرف توجہ دلائی تھی، جس کے لیے مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ نے ہر قسم کے مادی و معنوی تعاون کا یقین دلایا اور بعد ازاں مولانا بنارسی رحمہ اللہ کو فراہم بھی کیا۔ خطۂ برصغیر میں اشاعتِ حدیث اور دفاعِ سنت کے سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان مرحوم اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد شاید ہی کوئی فرد مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ کا مقابلہ کر سکے، مولانا عظیم آبادی مرحوم میں اشاعتِ حدیث کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ اس ضمن میں انھوں نے سلفِ امت کے نہج پر حدیث نبوی کی شرح و حواشی کا کام سرانجام دیا، متونِ حدیث کی اشاعت کا اہتمام کیا، مخالفانہ شکوک و شبہات کا مؤثر ازالہ فرمایا، خود بھی اس ضمن میں کئی مؤلفات لکھیں اور اپنے تلامذہ و متعلقین کو بھی اس طرح توجہ دلائی۔

مولانا عظیم آبادی مرحوم علم و فضل میں درجہ امامت اور اجتہاد پر فائز تھے اور مالی اعتبار سے بھی نہایت مستحکم حیثیت کے مالک تھے، چنانچہ مولانا بنارسی مرحوم نے جب مولوی عمر کریم کے اعتراضات کا جواب لکھنے کی طرف عنانِ قلم کا رخ موڑا تو مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ ہی کا تعاون سب سے زیادہ شاملِ حال رہا، مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ نے اس

سلسلہ میں ضروری مصادر ومراجع فراہم کیے، اشاعتِ کتب کے لیے مالی تعاون کیا، بعض کتب پر نہایت قیمتی اور حوصلہ افزا تقریظات لکھ کر مولانا بنارسی مرحوم کی ہمت بڑھائی، حتی کہ بسا اوقات جواب مکمل کرنے پر مولانا بنارسی مرحوم کو بطور ترغیب انعام دینے کا وعدہ کیا، مولانا بنارسی مرحوم نے اپنی کتاب ''الأمر المبرم'' بھی مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ کے ایماء پر لکھنی شروع کی تھی، جس کی تکمیل پر مولانا عظیم آبادی رحمہ اللہ نے انہیں دو کتابیں بطور انعام دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن کتاب کی اشاعت سے پیشتر ہی مولانا مرحوم انتقال کر گئے، چنانچہ مولانا بنارسی مرحوم اس سلسلے میں اپنے استاد مکرم کی خدمات اور ان کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افسوس! آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

مولانا ابو الطیب مولوی شمس الحق صاحب عظیم آبادی سے کون واقف نہیں؟ آپ خاکسار کے شیوخ حدیث سے تھے اور عاجز پر بہت مہربان رہتے، خصوصاً فدوی کے رسائل سے بے انتہا خوش ہوتے اور ان کو بالالتزام من اولہ الیٰ آخرہ ملاحظہ فرما کر تقریظ لکھ دیتے اور اس کے لیے ہر قسم کی اعانت فرماتے، یہ کتاب "الأمر المبرم" بھی فقیر نے آپ ہی کے ایماء سے لکھنی شروع کی، آپ نے فرمایا تھا کہ " الكلام المحكم "کا جواب لکھو، میں تم کو دو عمدہ کتابیں بطور انعام کے دوں گا:

۱۔ ایک نہایہ ابن اثیر، کامل ہر چہار جلد

۲۔ دوسری تهذيب التهذيب کامل بارہ جلدیں۔

چنانچہ نہایہ تو آپ نے پہلے ہی مرحمت فرمائی اور تهذيب التهذيب کے لیے اتمام کتاب ہذا کے بعد وعدہ تھا، صرف لکھنے کے لیے اپنا نسخہ مرحمت فرمایا تھا اور طبع کے لیے نقدی امداد کا وعدہ تھا اور کچھ مرحمت بھی فرمایا تھا، افسوس کہ قبل اشاعت کتاب ہذا آپ بتاریخ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ یوم سہ شنبہ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء بوقت ۶ بجے صبح بعارضہ طاعون انتقال فرما گئے اور جس وقت کہ دنیا کا آفتاب طلوع ہوا تھا، اسی وقت دین کا آفتاب (شمس حق یعنی حق کا آفتاب) غروب ہوا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم اغفرله وارحمه !" (الأمر المبرم: ۷۰۲)

اسلوبِ تحقیق:

۱۔ آیات کی ترقیم: مؤلف رحمہ اللہ نے اکثر مقامات پر قرآنی آیات کو سورت اور آیت نمبر کی تحدید کے بغیر ہی ذکر کیا تھا، چند مقامات پر سورت کا نام یا پارہ ورکوع نمبر لکھا تھا، ہم نے موجودہ ایڈیشن میں کتاب کے اندر ہی آیات کے بعد سورت کا نام اور آیت نمبر بریکٹ میں درج کر دیا ہے۔

۲۔ احادیث کی تحقیق وتخریج: مؤلف رحمہ اللہ نے جہاں کہیں حدیث نبوی معرض استدلال میں پیش کی تھی، حواشی میں کتبِ احادیث سے اس کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے، اگر کسی حدیث میں کوئی ضعف اور علت موجود تھی، تو ائمہ

محدثین کے اقوال اور کتب رجال کی روشنی میں اس کے اسباب وعلل پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔ آثار کی تحقیق وتخریج: کتاب میں موجودہ آثار صحابہ وتابعین وغیرہم کی حتی الوسع تحقیق وتخریج کی گئی ہے۔

۴۔ تعلیقات وحواشی کا اضافہ۔

۵۔ کتاب میں مذکورہ عربی، اردو اور فارسی عبارات کا حتی الامکان اصل مصادر کے ساتھ تقابل۔

۶۔ اس مجموعے میں شامل چھ کتب کی اُن کی اولین طبعات مدنظر رکھتے ہوئے تصحیح، (ہمیں حل مشکلات بخاری کا اولین ایڈیشن دستیاب نہیں ہوسکا)

۷۔ عبارات کے تقابل میں اگر کوئی تصحیف اور غلطی سامنے آئی تو اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

۸۔ کتاب کے مباحث اور مطالب میں کسی قسم کے تغیر اور تبدیلی کے بغیر قدیم اسلوبِ کتابت کی اصلاح کی گئی ہے، مثلاً ''اون'' کو ''اُن'' ''اوس'' کو ''اُس'' اور ''مین'' کو ''میں'' وغیرہ۔

۹۔ بعض مقامات پر اردو عبارات کی تسہیل کی گئی ہے، لیکن اسلوبِ تحریر اور مفاہیم ومعانی میں ہر قسم کے تغیر سے مکمل گریز کیا گیا ہے۔

۱۰۔ کتاب کے اندر کسی عبارت کے اندراج، الحاق اور ہر قسم کی مداخلت سے اجتناب کیا گیا ہے، اگر کسی قسم کا اضافہ کیا گیا ہے تو اسے بریکٹ [ ] کے درمیان لکھا گیا ہے، مثلاً سورت کا نام اور آیت نمبر بریکٹ کے درمیان لکھا گیا ہے، جیسے [البقرۃ:۶۳]

۱۱۔ حتی الامکان ان کتب کو مؤلف ﷫ کے اسلوب اور منشا کے مطابق طبع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۲۔ کتاب میں مذکور اکثر عربی اور فارسی عبارات واشعار کا حواشی میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۱۳۔ مذکورہ کتب کے بعض مباحث میں تکرار محسوس ہوتا ہے، لیکن ہم نے کسی قسم کے حذف واختصار کے بغیر ان مباحث کو جوں کا توں رہنے دیا ہے، کیونکہ ہر مقام پر مختلف فوائد، نتائج اور استدلالات کا اضافہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ مؤلف ﷫ تکرار اور طوالت سے بچتے ہوئے ساتوں کتب کا ایک دوسرے کی طرف احالہ کرتے ہیں، چونکہ احالہ جات اولین طبعات کے مطابق تھے، اس لیے ہم نے مداخلت سے اجتناب کرتے ہوئے صفحات کی بائیں جانب اولین طبعات کے صفحات نمبر بھی درج کر دیئے ہیں، چونکہ ہمیں حل مشکلات بخاری کا پہلا ایڈیشن دستیاب نہیں ہوسکا تھا، اس لیے جہاں کہیں اس کی طرف احالہ کیا گیا ہے (جو بہت کم ہے) ہم نے موجودہ ایڈیشن کے مطابق ہی کتاب کے اندر بریکٹ [ ] میں صفحہ نمبر کا اندراج کر دیا ہے۔

۱۵۔ علاماتِ ترقیم اور قواعدِ املاء کی رعایت کی گئی ہے۔

۱۶۔ کتاب سے بہتر اور بآسانی استفادہ کرنے کی خاطر آخر میں آیات، احادیث، رواۃ اور موضوعات کی تفصیلی فہرست شامل کی گئی ہے۔

۱۷۔ موضوعات کی تفصیلی فہرست ہی میں بریکٹ ( ) کے اندر اہم حواشی کی فہرست بھی بنا دی گئی ہے۔

۱۸۔ چند مقامات پر مؤلف ﷫ نے بھی مختصر حواشی لکھے تھے، انہیں یوں ہی برقرار رکھ کر آخر میں لفظ (مؤلف) کی تصریح کر دی گئی ہے۔

اظہار تشکر:

میں سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ اس ذات بابرکات نے ہمیں ایک صدی پرانے اس دفینے اور خزینے کی خدمت اور از سرنو اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔

بعد ازیں اس کتاب کی تکمیل و اشاعت میں جن احباب و اخوان نے ہمارے ساتھ کسی طرح کا تعاون کیا یا رہنمائی فرمائی، ہم ان تمام حضرات کے بھی ممنون ہیں، خصوصاً:

۱۔ فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری ﷾: جنھوں نے ناسازی طبع کے باوجود اس کتاب پر بہترین مقدمہ لکھا اور مفید آراء وتجاویز سے ہماری رہنمائی فرمائی۔

۲۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد عزیر شمس ﷾: جنھوں نے ہماری خواہش پر اپنے علمی وتحقیقی مشاغل سے فرصت نکال کر اس کتاب پر پُر از معلومات طویل مقدمہ لکھا، جس سے ایک طرف برصغیر میں عمل بالحدیث اور تقلید کے تصادم کی تاریخ سامنے آ گئی ہے، تو دوسری اس مجموعہ کی اہمیت بھی دو چند ہوگئی ہے۔

۳۔ محترم جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب: جنھوں نے اپنی لائبریری سے استفادہ کرنے کی اجازت دی اور بعض رسائل کی نقول فراہم کیں۔

۴۔ محترم جناب محمد تنزیل الصدیقی: جنھوں نے ہماری خواہش پر مولانا بنارسی مضمون کے سوانح زندگی رقم کیے۔

۵۔ برادرم علی حسن خان، بھائی محمد حسن، ذوالفقار ابراہیم اثری، جن کی مشاورت اور تعاون کتاب کی تکمیل و اشاعت میں شامل حال رہا۔

علاوہ ازیں ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں، جنھوں نے اس مجموعہ کی تکمیل و اشاعت میں کسی موقع پر ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

آخر میں اللہ رب العزت کے حضور التجا ہے کہ ہماری اس حقیر سی خدمت کو قبول ومنظور فرمائے، ہمارے قول وعمل میں اخلاص پیدا کرے اور ہمیں خدمتِ دین کے مزید مواقع عطا فرمائے، جو ہماری مغفرت اور اخروی نجات کا سبب بن سکیں۔ وصلى الله على خير خلقه محمد وسلم وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

وأخيراً رحم الله امرءا أسدىٰ إلي عيوبي فإن الرجوع إلى الحق خير من التمادي في الباطل!

شاهد محمود

۲۷ شعبان ۱۴۳۰ھ بمطابق ۱۹ اگست ۲۰۰۹ء

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

محدث کبیر علامہ محمد ابو القاسم سیف بنارسی ﷫

۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء کو گجرات (پنجاب) کے اطراف میں واقع ایک قصبہ کنجاہ میں راجپوت چھتری گھرانے کے سردار کھڑک سنگھ کے گھر میں ایک لڑکا '' مول سنگھ'' پیدا ہوا۔ جس کی تقدیر میں ربّ تعالیٰ نے ظلمت و تیرگی سے نور و ہدایت کا سفر لکھ دیا تھا اور جس کی روح کو﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾کی نوید جانفزا سنادی تھی ۔ سردار کھڑک سنگھ اور ان کے خاندان کا شمار اپنے دور کے صاحبِ ثروت اور انتہائی معزز ہندو گھرانوں میں ہوتا تھا اور اس کے افرادِ خاندان ہندو معاشرے میں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہونے والے اس لڑکے نے خاندان کی تاریخ بدل کر رکھ دی اور ایک نئی شناخت و خانوادے کی بنیاد ڈالی ۔ یہ قصہ ہے مولانا محمد سعید محدث بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کا ، جو دلچسپ بھی ہے اور تاثر انگیز بھی۔ '' گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را'' کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے قارئین کو مولانا محمد سعید کے حالات زندگی سے آگاہ کریں ۔

مولانا محمد سعید محدث بنارسی :

مولانا محمد سعید نے اپنی مختصر خود نوشت اپنے ماہنامہ جریدے '' نصرۃ السنۃ'' (بنارس) میں شائع کی تھی ۔ جو بعد ازاں ہفت روزہ '' اہلِ حدیث'' امرتسر کی ۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں طباعت پذیر ہوئی۔ اس کی تاریخی و علمی اہمیت کے پیشِ نظر اسے یہاں مِن وعَن نقل کر رہا ہوں:

> '' بحمدہ تعالیٰ میرے والد اب تک درجہ سب انسپکٹری پر متعین ہیں ۔ قوم میں سابق کی شریف (راجپوت چھتری) ، میرے والد کے مکانات ،دوکانیں ، اراضی بہت سی معاشی ملکیت ہے ۔ چند مکان اور دوکان میرے ہی نام سے خرید کی ہوئی ہیں ۔ جب میں علم فارسی ، ریاضی و امتحان مڈل سے فارغ ہوا تو مجھ کو مناظرۂ مذہبی کا شوق ہوا۔ بعد دیکھنے کتبِ مناظرہ کے توحید پر عقیدہ خوب جما مگر رسالت پر کچھ اوہام باقی تھے ۔ جب میں گجرانوالہ کے ڈاکخانہ میں نوکر ہوا تو مجھ کو ایک دفعہ لاہور آنے کا اتفاق ہوا ۔ وہاں جناب مولانا عبید اللہ صاحب (مصنف تحفۃ الہند) سے بوساطت جناب منشی محمد اسحاق صاحب کے، جو میرے محسن قدیم تھے ، ملاقات ہوئی ۔ میں نے اپنے اوہام کو جناب مخدومنا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے جواب شافی سے میری تسکین فرمائی ۔ اب یہ صلاح ہوئی کہ نوکری ترک کر کے اسلام لانا چاہیے ۔ چنانچہ میں نے

گجرانوالہ جا کر استعفا داخل کیا اور لاہور میں آ کر بتاریخ ۲۶ ماہ اپریل ۱۸۷۴ء مطابق ۱۳ رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ ہجری کو اسلام قبول کیا اور میرا نام محمد سعید رکھا گیا۔ جناب مولانا عبید اللہ صاحب نے مجھ کو مالیر کوٹلہ شیخ عبدالرحیم مرحوم کے یہاں بھیج دیا۔ میرے والد میرے اسلام لانے کی خبر سن کر میری تلاش میں نکلے۔ پتہ لگا کر مالیر کوٹلہ پہونچے۔ حیلہ حوالہ سے مجھ کو پھسلا کر مکان لے گئے اور نہایت اصرار کیا کہ تو ہندو ہو جا۔ پنڈتوں کو روپیہ دیا اور مجھ کو گنگا کے اشنان کے لیے ہمراہی چند اقرباء کے روانہ کیا۔ والد کو رخصت نہ ملی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توفیق رفیق دی۔ بھاگ کر لاہور آیا اور ۲۹ جولائی ۱۸۷۴ء کو پھر نئے سرے سے اسلام لایا جیسا کہ مولانا عبید اللہ صاحب تحفۃ الہند ص ۱۹۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''محمد سعید نوجوان رشید لاہور میں اظہارِ اسلام اور مالیر کوٹلہ میں قیام کیا۔ ان کا باپ پہونچا اور غلبہ کر کے ان کو گنگا لے گیا۔ بوقتِ واپسی ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ کر نکل آئے۔ اب تحصیلِ علوم کرتے ہیں۔''

چنانچہ میں حسبِ شوراں دوستاں وہاں بغرض تحصیلِ علوم دینی ۳ مارچ ۱۸۷۵ء مطابق ماہ صفر ۱۲۹۲ ہجری یوم چار شنبہ کو دیوبند پہنچا اور تحصیلِ علم میں مصروف ہوا۔ صرف ونحو و اصول فقہ ومعقول ملاحسن تک، ریاضی میں تصریح شرح چغمینی بحث قوس تک اور اقلیدس و خلاصۃ الحساب و مقامات حریری و دیوان حماسہ وسراجیہ یہ کتب محنت سے پڑھیں۔ قدوری وکنز وشرح وقایہ وغیرہ کو میں نے دیوبند میں پڑھایا۔ دیوبند میں میرے شاگرد بالفعل مولوی محسن مطبع ہاشمی میرٹھ میں موجود ہیں، ومولوی مومن وغیرہ کو شرح ملا وکنز وغیرہ پڑھائی۔

جب میں نے دیوبند میں علم حدیث کی کتب کو پڑھنا شروع کیا تو میرا عقیدہ حنفیت سے پھر گیا۔ میں نے عمل بالسنۃ وہیں شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ دیوبند والوں نے مجھ کو جواب دے دیا۔ چونکہ میں نے والدین، مال و دولت، زوجہ کو خالصتاً اللہ کے لیے ترک کیا تھا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ میری مدد کرتا رہا۔ مہتمم مدرسہ دیوبند و مدرسین مجھ پر ایسے مہربان تھے کہ ہمیشہ مجھ کو عمدہ کپڑا ملتا رہا۔ ضروری حاجات میری نکلتی رہیں۔ اس کے بعد سے وہ ہمیشہ مجھ کو صرفہ روانہ کرتے رہے۔ جب میں نے دیوبند چھوڑا تو دہلی آیا۔ جناب میاں صاحب (مولانا وشیخنا سید محمد نذیر حسین صاحب مرحوم) نے مثل فرزندوں کے مجھ کو رکھا۔ میرے والد نے جناب میاں صاحب کو خط لکھا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ناز ونعمت سے پالا ہے۔ اب آپ کے یہاں گیا ہے، اس کو نظر عنایت سے رکھیے گا۔ جناب میاں صاحب خط پڑھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے جناب میاں صاحب سے کتب احادیث وتفاسیر پڑھ کر سند حاصل کی۔ اس کے بعد میں ۲۲ صفر ۱۲۹۷ ہجری یوم چہار شنبہ کو بوقت چاشت آرہ پہونچا۔ وہاں جناب مولانا سعادت حسین صاحب بہاری و مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازیپوری سے بقیہ کتب منطق وغیرہ کو تمام کیا۔ اسکے بعد حسبِ اصرار جناب

مولوی محمد ابراہیم صاحب کے ایک سال مدرسہ احمدیہ میں مدرس رہا۔ بعدہٗ بمعیت جناب مولانا حافظ عبد اللہ صاحب ممدوح حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مکہ معظّمہ میں شیخ عباس بن عبدالرحمان یمنی تلمیذ قاضی شوکانی سے سند حدیث کی لی ۔ وہاں سے واپس آ کر ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ یوم شنبہ کو بنارس پہونچا اور اپنا مدرسہ اسلامیہ جاری کیا۔ اسی زمانہ میں حنفیوں کی طرف سے رسالہ ''کشف الحجاب'' جاری تھا۔ میں نے اس کا جواب ''ہدایۃ المرتاب'' لکھا۔ جس کو نواب صدیق حسن صاحب والی ریاست بھوپال نے بہت پسند کیا اور براہ قدر دانی مبلغ پچاس روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر کردیا۔ چونکہ میں نے اللہ کے لیے اپنا عیش و آرام ترک کیا تھا، اللہ نے اسلام میں ایسا ہی مجھے بڑھایا۔ اپنے بندوں سے ایک خاص مقبول بندے کو میرے حال پر مہربان کردیا، جس کے باعث مجھ کو کامل غنا ہوئی ۔ مکان بھی ان کی اعانت سے بنوایا، مطبع بھی قائم کرلیا اور ۲۷ صفر ۱۳۰۲ھ یوم سہ شنبہ کو عقدِ ثانی بھی ہوگیا۔ یہ سب فضل الٰہی ہے۔''
مولانا محمد سعید کی خودنوشت یہاں تمام ہوئی ۔

مولانا سعید نے بنارس میں مستقل سکونت اختیار کی ۔ یہاں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور تعلیم و تدریس کا آغاز کیا۔ مدرسے کا نام آپ نے ''مدرسہ اسلامیہ'' رکھا جو مولانا کی وفات کے بعد بانی مدرسہ کے نام سے موسوم ہوکر ''مدرسہ سعیدیہ'' ہوگیا۔ دینی کتب کی نشر و اشاعت کی غرض سے ایک مطبع بنام ''مطبع صدیقی'' قائم کیا، جسے مولانا کی وفات کے بعد ''سعید المطابع'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ تبلیغی اغراض و مقاصد کے لیے ایک ماہانہ جریدے ''نصرۃ السنۃ'' کا اجراء بھی کیا تھا۔ فنِ مناظرہ سے انہیں خاص دلچسپی تھی ۔ اپنے عصر کے ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے انہیں شہرت و مقبولیت ملی ۔ انہوں نے متعدد کتابیں تالیف فرمائیں جن کی تعداد ۲۵ تک پہنچتی ہے۔

فتاویٰ سعیدیہ (۲ جلد)، ھدایة المرتاب في الرد علیٰ کشف الحجاب ، دفع البھتان العظیم عن حدیث الرسول الکریم ، کسر العریٰ بإقامة الجمعة في القریٰ ، السکین لقطع حبل المتین وغیرہا مولانا کی مشہور تصانیف ہیں ۔

مولانا محمد سعید نے ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ بروز جمعرات بعد نمازِ فجر وظائف اور تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہوکر اچانک ۸ بجے صبح کو بعارضہ سکتہ عالم جاوِدانی کی راہ لی ۔ رحمه الله رحمته الواسعة

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو ۱۲ اولاد عطا کیں، ۶ لڑکے اور ۶ لڑکیاں۔ جن میں سے ۴ لڑکیوں نے کم سنی ہی میں وفات پائی ۔ صاحبزادوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا محمد ابوالقاسم سیفؔ، مولانا عبدالرحمان ، مولانا ابومسعود محمود قمرؔ ، قاری احمد سعید ، مولانا عبدالآخر ۔

یہاں مولانا محمد سعید کے فرزندِ کبیر و عالم شہیر علاّمہ ابوالقاسم سیفؔ بنارسی کے حالات قدرے تفصیل سے رقم کرنا مقصود ہیں ۔

علامہ محمد ابوالقاسم سیف بنارسی

ولادت:

مولانا بنارسی کا مولد و منشا بنارس(اُترپردیش ، بھارت) تھا۔ یہیں مولانا کی ولادت با سعادت یکم شوال ۱۳۰۷ھ کومحلّہ دارانگر میں ہوئی ۔

نام وکنیت:

مولانا بنارسی کی کنیت ''ابوالقاسم''، نام'' محمد'' اور تاریخی نام''محمد فضل قادر''تھا۔ اپنے پورے زمانۂ طالب علمی میں'' محمد'' کے نام سے ہی پکارے جاتے رہے ۔لیکن حضرت شیخ الکل میاں صاحب نے اجازۂ حدیث مرحمت فرماتے وقت''محمد'' نام کے ساتھ'' ابوالقاسم'' کنیت تجویز فرمائی ۔ چنانچہ علاّمہ سیفؔ بنارسی اس پر افتخاراً لکھتے ہیں :

'' میری کنیت تو خود جناب میاں صاحب نے انتخاب کی تھی ۔ مجھے تو اس وقت صرف محمد کے ساتھ پکارا جاتا تھا۔ جب سند میں میرا نام خالی محمد لکھا گیا تو میاں صاحب نے ارشادفرمایا: ارے یہ خالی محمد کیا ہے؟ کنیت ابوالقاسم بڑھالے ۔'' [الزہرالباسم :۱۶]

تعلیم وتربیت:

علامہ سیف بنارسی کی تعلیم کا آغاز حضرت سید میاں نذیرحسین محدث دہلوی سے ہوا، انہوں نے ہی تبرکاً آپ کی تعلیم کی ابتدا کروائی اورحسنِ اتفاق یہ کہ کسبِ علم کا آخری مرحلہ بھی شیخ الکل میاں نذیرحسین ہی کی خدمت میں انجام پایا۔چنانچہ مولانا بنارسی لکھتے ہیں :

'' میری تعلیم کی ابتدا اور انتہا دونوں آپ ہی سے ہوئی ہیں ۔آپ نے چھ مہینہ پیشتر ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ میں مجھے سندِ حدیث مرحمت فرمائی تھی ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ۔'' [مسلک اہلِ حدیث پرایک نظر:۴۱]

باقاعدہ تعلیم کی ابتدا اپنے والد کے قائم کردہ'' مدرسہ اسلامیہ'' دارانگر بنارس میں ہوئی۔ سات برس کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد التزامِ حفظ کیا ۔اسی سال قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے سند''مسلسل بالأولیۃ'' حاصل ہوئی ۔ مولانا سیدعبدالکبیر بہاری (م ۱۳۳۱ھ) سے فارسی اورصرف ونحو پڑھی ۔مولانا سیّد نذیرالدین جعفری بنارسی (۱۳۵۲ھ) سے ادب ومعانی کی تحصیل کی ۔مولاناحکیم عبدالمجید بنارسی (م ۱۳۵۶ھ) سے فقہ، اصول فقہ،منطق وفلسفہ وغیرہ پڑھیں۔ کتبِ حدیث وتفسیر کی تحصیل اپنے والدگرامی سے کی ۔تقریباً ۱۲ برس کی عمر میں علوم رسمیہ سے فارغ التحصیل ہوئے ۔

میاں صاحب ﷫ کی خدمت میں:

اپنے والد کے قائم کردہ ''مدرسہ اسلامیہ'' سے کسبِ علم کے بعد ۱۳۱۹ھ میں دہلی تشریف لے گئے، جہاں مسند الوقت شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی ﷫ سے علم حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ یہ حضرت میاں صاحب کا آخری دور تھا۔ مولانا سیفؔ بنارسی کا شمار میاں صاحب کے انتہائی کم عمر شاگردوں میں ہوتا ہے۔

محدث ڈیانوی ﷫ کی خدمت میں:

مولانا بنارسی نے جن علماءِ ذی اکرام کی خدمت میں حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ان میں محدث شہیر علاّمہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی ﷫ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ دہلی میں میاں صاحب سے سندِ حدیث حاصل کرنے کے بعد مولانا بنارسی نے ڈیانواں (عظیم آباد) حضرت محدث ڈیانوی کی خدمت میں شد رحال کیا، گو اغلب یہی ہے کہ اس سے قبل بھی مولانا بنارسی نے علامہ عظیم آبادی سے اخذِ علم کی کچھ منزلیں طے کر لی تھیں۔ علامہ سیف بنارسی کا شمار علامہ عظیم آبادی کے تلامذۂ خاص میں ہوتا ہے۔ اپنے والد گرامی کے بعد سب سے زیادہ اخذ وکسب علم کا موقع بھی محدث ڈیانوی ہی سے ملا۔ اپنے استادِ گرامی کے بہت چہیتے اور فرمانبردار بھی تھے۔ جب عظیم آباد پٹنہ کے ایک غالی حنفی مولوی عمر کریم نے امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری ﷫ پر زبانِ طعن دراز کیا تو محدث ڈیانوی ﷫ کے ایماء پر مولانا بنارسی اس کی تردید میں کمربستہ ہوئے۔ مولوی عمر کریم نے تو محض تفنن کیا مگر اس تفنن کے نتیجے میں علامہ سیفؔ بنارسی کے قلم سے ''حل مشکلات البخاری''، ''ماء حمیم''، ''الامر المبرم'' وغیرہا جیسے گرانقدر علمی خزینے منصۂ شہود پر آئے۔

> ۱۹۱۰ء کے ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر کے کسی شمارے میں محدث ڈیانوی کا یہ فتویٰ شائع ہوا تھا کہ
> ''وحید چونکہ اسمائے باری تعالیٰ سے نہیں ہے لہٰذا عبد الوحید نام رکھنا جائز نہیں ہاں محمد وحید نام زیادہ مناسبِ حال ہے۔''

اس پر حیدرآباد دکن سے تعلق رکھنے والے ایک اہلِ حدیث عالم مولانا ابونعیم عبد العظیم حیدرآبادی نے ۲۶ اگست ۱۹۱۰ء کے شمارے میں ایک تنقیدی مضمون بعنوان ''وحید اور واحد'' تحریر کیا۔ اس موقع پر چونکہ علامہ بنارسی اپنے استادِ گرامی کے مؤقف کو مبنی بَر صحت قرار دیتے تھے اس لیے ان کی تائید اور مولانا حیدرآبادی کی تردید میں ایک مضمون ''لفظ وحید کی تحقیق'' قلمبند فرمایا جو ۲۳ ستمبر ۱۹۱۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

محدث ڈیانوی نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو وفات پائی۔ بقول مولانا سیفؔ بنارسی:

’’ جس وقت کہ دنیا کا آفتاب طلوع ہوا تھا اسی وقت دین کا آفتاب (شمس حق یعنی حق کا آفتاب) غروب ہوا۔‘‘

دیگر اساتذۂ علم :

ان علمائے ذی اکرام کے علاوہ مولانا سیفؔ بنارسی کو محدث یمن شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) اور مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۴ھ) سے بھی اجازۂ حدیث حاصل ہے ۔ شیخ محمد عزیر شمس نے ”حياة المحدث شمس الحق و أعمالهٗ “ (ص: ٢٧٠) میں علامہ سیفؔ بنارسی کے اساتذۂ حدیث میں شیخ عبد اللطیف نجدی آل الشیخ کا اسمِ گرامی بھی لکھا ہے ۔ جبکہ مولانا محمد مستقیم سلفی نے شیخ عبد اللطیف کو مولانا بنارسی کا شاگرد قرار دیا ہے ۔ راقم کے قلم سے اس کی مکمل تحقیق سفرِ حج کے واقعات میں آئے گی ۔

تکمیلِ علم کے بعد :

تکمیلِ علم کے بعد بنارس میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسے میں سلسلہ تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۳۳۱ھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور وفات تک اس فریضے کی ادائیگی کی ۔ ۳۹ مرتبہ طلاب حدیث کو صحیح بخاری و صحیح مسلم کا درس دیا۔ چالیسویں درس حدیث کا آغاز ہوگیا تھا مگر افسوس کہ اس کی تکمیل نہ کرسکے ۔ تا آنکہ یہ خادم حدیث خالقِ حقیقی سے جاملا۔ مولانا محمد مستقیم سلفی رقمطراز ہیں :

’’ آپ کا وجود اور درسِ حدیث امت کے لیے ایک نعمتِ خداوندی تھا۔ آپ نے ان جلیل القدر شیوخِ حدیث کی یاد تازہ کردی تھی، جو اپنے خداداد حافظہ اور کتبِ حدیث و رجال پر عبورِ کامل کی بنا پر ایک زندہ کتب خانہ کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپ کے درسِ حدیث میں اطراف و جوانب کے علاوہ دور دراز سے آکر کافی تعداد میں طلبہ شریک ہوتے تھے ۔ آپ مکمل چالیس سال تک مسلسل صحیح بخاری و مسلم کا درس دیتے رہے ۔‘‘ [ماہنامہ ’’محدث‘‘ بنارس ستمبر ۱۹۸۵ء]

وسعت علم :

علامہ سیفؔ بنارسی مختلف علوم وفنون پر یکساں نظر رکھتے تھے ۔ ان کے علم میں گیرائیِ فکر بھی تھی اور لطافتِ نظر بھی۔ چونکہ بلند پایہ مناظر بھی تھے اس لیے تفصیل و اطناب کی بجائے اختصار و جامعیت کے ساتھ اظہار مدعا کیا کرتے تھے ۔ مختلف علوم پر ان کی تصانیف ان کے وسعت علم وفکر پر شاہد ہیں ۔ شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی، عربی ، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکرِ سخن فرماتے تھے، سیفؔ تخلص تھا۔ سنسکرت اور انگریزی سے بھی واقفیت تھی ۔ وہ ایک بلند پایہ خطیب اور جرأت مند صحافی تھے ۔

آپ کے اساتذۂ گرامی آپ کے علم وفضل کے معترف تھے، معاصر فیضِ علم کے خوشہ چیں اور تلامذۂ نسبتِ تلمذ پر مفتخر۔ مولوی عمر کریم نے جب امام بخاری اور صحیح بخاری پر ناروا اعتراضات کیے تو اپنے استادِ گرامی علاّمہ شمس الحق محدث عظیم آبادی کے ایماء پر علامہ سیف بنارسی نے مولوی عمر کریم کے خرافات کا علمی جائزہ لیا۔ اس ضمن میں لکھی گئی علامہ سیف بنارسی کی کتب سے ان کی وسعتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد عزیر شمس نے ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

" هو المحدث الكبير العلامة الشيخ محمّد أبو القاسم سيفؔ بن الشيخ محمّد سعيد البنارسى، من العلماء المحققين المتأخرين في الهند." (حياة المحدث شمس الحق و أعمالهٔ :٢٦٩)

سفرِ حج:

علامہ سیف بنارسی نے دو مرتبہ فریضۂ حج کی ادائیگی کی سعادت حاصل کی، پہلی مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۳۴۴ھ میں۔ اپنے پہلے سفرِ حجاز کے موقع پر آپ بعض مجبوریوں کی بناء پر مدینہ منورہ کی زیارت سے محروم رہے۔ جس کا آپ کو بے حد قلق ہوا۔ تا آنکہ اللہ ربّ العزت نے دوسری مرتبہ ۱۳۴۴ھ کو سوئے حرم کی راہ دکھائی۔ مولانا کی زندگی کا یہ دوسرا سفرِ حجاز ان کی زندگی کا یادگارترین سفر ثابت ہوا۔ علاّمہ ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمد جوناگڑھی جیسے اصحابِ علم وفضل کی رفاقت میسر آئی۔ علمائے حجاز نے آپ کے دروس و بحوث میں حصہ لیا، آپ کے علم وفضل کا اعتراف کیا گیا۔ شیخ عبداللہ بن بلہید قاضی مکہ مکرمہ، شیخ ابراہیم آل سہیان حاکم مدینہ منورہ، شیخ محمد بن علی ترکی، قاضی شیخ محمود علی مصری وغیرہم سے مختلف امور پر تبادلۂ افکار وخیالات ہوا۔ شیخ ابراہیم حاکم مدینہ منورہ آپ کے وسعتِ علم و فضل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ باصرار جمعۃ المبارک کا خطبہ مسجد نبوی ﷺ میں آپ سے دلوایا۔ اس سفرِ حج میں مختلف علماء و مشائخ سے آپ مستفید ہوئے اور متعدد طلاب علم نے آپ سے استفادہ کیا۔

مولانا محمد مستقیم سلفی لکھتے ہیں:

''اس عہد کے علامۂ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمان بن حسن بن شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو ۱۳۳۹ھ میں سلطان عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اہلِ حرم کی تعلیم کے لیے حجاز تشریف لائے تھے) مولانا سے سندِ حدیث لی۔ چنانچہ مولانا سیفؔ بنارسی نے ''تاریخِ نجد'' (مولانا اسلم جیراجپوری) کے ص ۴۶ کے حاشیہ پر اپنے قلم سے یہ تحریر لکھی ہے کہ ''انھیں شیخ عبد اللطیف نے ۱۳۴۴ھ میں مکہ معظّمہ میں مجھ سے سندِ حدیث لی۔'' [ماہنامہ ''محدث'' بنارس ستمبر ۱۹۸۵ء]

اس کے برعکس مولانا محمد عزیر شمس لکھتے ہیں:

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

" سافر للحج مرتين : سنة ١٣٣٠ھ و ١٣٤٤ھ ، و أسند الحديث عن الشيخ عبد اللطيف آل الشيخ ، و كانت له لقاء ات و مذاكرات مع بعض علماء الحجاز."

(حياة المحدث شمس الحق و أعمالهٗ : ٢٧٠)

مولانا مستقیم سلفی نے علامۂ نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف لکھا ہے جبکہ اپنی تائید میں مولانا بنارسی کی جو تحریر پیش کی ہے اس میں اسمِ گرامی شیخ عبد اللطیف مذکور ہے ۔ شیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمان نجدی ۱۲۸۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۷ھ میں وفات پائی ۔ بلحاظِ عمر وہ مولانا سیفؔ بنارسی سے تقریباً ۲۱ برس بڑے تھے ۔ نیز مولانا بنارسی نے شیخ محمد بن عبد اللطیف کا نہیں بلکہ شیخ عبد اللطیف کا اسمِ گرامی لکھا ہے کہ انہوں نے مجھ سے سند حدیث لی۔ نجد میں مولانا سیفؔ بنارسی سے قریب ترین عہد میں دو شیخ عبد اللطیف نجدی گزرے ہیں ۔ ایک مجدد الوقت شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑ پوتے شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمان بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب نجدی (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہیں ، جو ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی ۔ ان کی وفات مولانا سیف بنارسی کی ولادت سے تقریباً ۱۵ برس پیشتر ہوئی ۔ جبکہ دوسرے شیخ عبد اللطیف کا تعارف حسبِ ذیل ہے :

یہ شیخ عبد اللطیف مذکور کے صاحبزادۂ گرامی ابراہیم کے بیٹے تھے ۔ ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۸۶ھ میں وفات پائی [1] ۔ بلحاظِ عمر مولانا سیفؔ بنارسی سے تقریباً ۸ برس چھوٹے تھے ۔ یہی وہ شیخ عبد اللطیف ہیں جن کا ذکر مولانا سیفؔ بنارسی نے اپنی تحریر میں کیا ہے ۔

جبکہ مولانا عزیر شمس کا یہ لکھنا کہ شیخ عبد اللطیف نے مولانا سیف بنارسی کو سندِ حدیث مرحمت فرمائی ، درست نہیں، غالباً سبقتِ قلم کے باعث وہ حقیقت کے برعکس لکھ گئے ۔ اہلِ علم سے اس قسم کے ذہول ونسیان کا ظہور ہوجانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ۔

دینی حمیت :

علامہ سیف بنارسی دینی اعتبار سے بہت غیور طبع تھے ۔ چونکہ آپ کا وطن ہندوستان تھا، جہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کثیر تعداد میں آباد تھے، یہی وجہ تھی کہ علامہ بنارسی کو مختلف مذاہب کے تاریخ وعقائد سے بخوبی واقفیت تھی ۔ جب بھی کبھی کسی نے اسلام اور صحیح اسلامی منہج کے خلاف زبانِ طعن دراز کیا علامہ سیف بنارسی کی غیور طبع فوراً اس کے جواب میں مستعد ہوگئی ۔

علامہ موصوف نے اپنے عہد کی بھرپور علمی ومناظراتی زندگی میں آریہ سماج ،عیسائیت ، قادیانیت ،شیعیت ، اہلِ

---

[1] علماء وافاضل آل الشیخ کی سنین ولادت و وفات کے لیے راقم نے استاد خیر الدین الزرکلی کی '' الاعلام '' پر اعتماد کیا ہے ۔

بدعت اور منکرین حدیث کا رد کیا۔ ان سے مناظرے کیے اور اور ان کے گمراہ کن افکار وعقائد کی تردید میں گراں قدر تحریری سرمایہ رقم فرمایا۔

قادیانیت کے رد میں ردّ مرزائیت، غلام احمد قادیانی کے بعض جوابات پر ایک نظر، قضاء ربّانی بر دعا قادیانی اور اظہارِ حقیقت لکھی۔

اہلِ بدعت کی تردید میں شرعی باز پرس درفتویٰ جوازعرس، الصول الشديد علىٰ مصنف القول السديد، التبديد لما في التهديد، تحفة الصبور علىٰ منحة الغفور، إيضاح المنهج لمؤلف إقامة الحجج اور ضحور المنجنيق تالیف کیں۔

مسلکِ سلف محدثین کے دفاع میں حل مشکلات بخاری، الأمر المبرم، ماء حمیم، الرّیح العقیم، العرجون القدیم وغیرہا جیسی بلند پایہ کتب تصنیف کیں۔ خاص منکرینِ حجیت حدیث کی تردید میں قضية الدحيث في حجية الحديث اور جمع القرآن و الأحاديث لکھی۔

آریہ سماجیوں سے پٹنہ، بہارشریف اور الہ آباد میں علامہ سیف بنارسی کے یادگار مناظرے ہوئے جس میں آریہ سماجیوں کو شکست فاش ہوئی۔ احناف اور شیعوں سے بھی مناظرے کیے اور الحمد للہ مسلکِ حقّہ کے لیے باعث عزت ثابت ہوئے۔

سیاسی وتحریکی خدمات:

علامہ سیف بنارسی علمی، فکری، ذہنی اور نظریاتی اعتبار سے از اوّل تا آخر سلفی العقیدہ تھے۔ تحریکی اعتبار سے آپ کا دائرہ حرکت وعمل بھی تحریکِ اہلِ حدیث کی ترقی وکامرانی کے لیے وقف رہا۔ تاہم وقت کی سیاسی صورتحال سے نہ آپ بے خبر رہے اور نہ ہی لاتعلق۔ سیاسی اعتبار سے علاّمہ سیفؔ بنارسی کانگریس کے حامی تھے لیکن کانگریس کی کوئی نمایاں یا قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی۔ انگریزی حکومت کے سخت مخالف تھے۔ آپ کی مخالفانہ تقریر وتحریر سے حکام بے خبر نہیں تھے، یہی وجہ تھی کہ چند ایک بار قیدِ فرنگ سے بھی باریاب ہوئے۔ تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس:

آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کے تو آپ بہت بڑے خادم تھے۔ اپنی پوری زندگی اس کی کامیابی کے لیے کوشاں رہے۔ مولانا ابویحیٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

"صوبہ یوپی بلکہ ملک کے تمام حصص میں اہلِ حدیث کے جلسوں میں آپ کی شرکت گویا فرضِ کفایہ کی صورت اختیار کرچکی ہے۔ کانفرنس اہلِ حدیث کے آپ پہلے بلا تنخواہ سفیر وواعظ ہیں، اور ابھی تک اس

کے جلسوں کی روح رواں ، جماعت کو آپ کی ذات اور آپ کے علم سے اس قسم کا فائدہ پہنچا، جس قسم کا نفع آپ کے والد مرحوم کے علم و تشخص (سے)اور آپ کے خاندان کی وجہ سے بنارس جماعتِ اہلِ حدیث کا بجائے خود ایک مرکز ہے اور اس (مرکز) کی وجہ سے احباب یوپی ، اودھ ، بہار اور بنگال کو ایک گونہ تقویت حاصل ہے ۔'' [تراجم علمائے حدیث ہند: ۱/۳۵۷]

علامہ سیفؔ بنارسی ''آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس'' شعبہ تصنیف و تالیف ونشر و اشاعت کے مدیر بھی رہے۔

اہلِ حدیث لیگ :

علامہ سیفؔ بنارسی نے ۱۹۳۲ء میں ''اہلِ حدیث لیگ'' کی بنیاد رکھی اور اس کے امیر جماعت مقرر ہوئے ۔ اس کا مقصد تبلیغ ونشر و اشاعتِ دین تھا ۔ افسوس کہ اس کی تفصیلات سے آگاہی نہیں ہوئی ۔

حزب المؤتمر الوطنی (بنارس):

یہ علاقائی سطح کی تنظیم تھی ۔ غالبًا اس کا مقصد فلاحی و رفاہی تھا۔ علامہ بنارسی ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک اس کے نائب صدر رہے ۔

جمعیت علمائے ہند :

مولانا بنارسی جمعیت علمائے ہند کے کبار مویدین میں سے تھے ۔ تاہم اس افسوسناک امر کا اظہار ضروری ہے کہ جمعیت کے تمام مؤرخین حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اہلِ حدیث علماء وافراد کی خدمات کو جمعیت کی تاریخ میں قصداً نظر انداز کیا جاتا رہا ہے ۔ جبکہ اہلِ حدیث علماء کی ایک بڑی تعداد جمعیت علمائے ہند کے اولین اجلاس میں شریک تھی ۔ جمعیت کے لیے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں مگر کسی دیوبندی مؤرخ کے قلم نے مولانا امرتسری کی خدمات کے اعتراف کا کماحقہٗ ذکر نہیں کیا۔ نومبر ۱۹۱۹ء کی آخری تاریخوں میں دہلی میں خلافت کانفرنس کے اختتام کے بعد علمائے کرام کے ایک مخصوص اجلاس میں جمعیت علمائے ہند کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں مولانا ثناء اللہ پیش پیش تھے ۔ مولانا ثناء اللہ اور مولانا سید داود غزنوی نے حضرات علماء کو امرتسر تشریف لانے کی دعوت دی ۔ جسے جمعیت علمائے ہند کا پہلا جلسہ قرار دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری لکھتے ہیں :

'' ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بعد نماز عصر امرتسر میں اسلامیہ ہائی اسکول کے وسیع کمروں میں جمعیت علمائے ہند کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔'' [علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے: ۲۲۹]

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اسمائے حاضرین کی فہرست دی ہے جس میں مولانا ابو القاسم سیف بنارسی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ گویا مولانا بنارسی کا جمعیت علماء کے ساتھ انسلاک زمانۂ تاسیس ہی سے تھا۔

تلامذہ:

مولانا کا درسِ حدیث طلاب علم کے لیے بڑی کشش رکھتا تھا۔ تشنگانِ علم کی ایک بڑی تعداد علاّمہ سیف بنارسی کے فیضِ علم سے مستفید ہوئی۔ جن میں برادرانِ حقیقی مولانا عبد الرحمان، مولانا ابو مسعود محمود قمر، قاری احمد سعید اور مولانا عبد الآخر کے علاوہ شیخ عبد اللطیف بن ابراہیم بن عبد اللطیف نجدی آل الشیخ (م ۱۳۸۶ھ)، مولانا محمد بشیر الاعظمی (م۲۰۰۳ء)، مولانا زین العابدین سعیدی (م۱۹۸۲ء)، مولانا محمد سہراب خان فیضی (م ۱۹۷۹ء)، مولانا شکر اللہ سعیدی (م ۲۰۰۷ء)، مولانا مختار احمد ندوی (م ۲۰۰۸ء)، مولانا حکیم عبد الحکیم رحمانی، مولانا عبد المبین منظر (م۱۹۸۹ء)، مولانا عبد الوحید سلفی (م ۱۹۸۹ء)، مولانا محمد الاعظمی، مولانا ابو شیم عبد الحلیم، مولانا محمد منیر بنارسی، مولانا عبد الرحمان، مولانا عبد اللہ، مولانا محمد اکرام وغیرہم شامل ہیں۔

تصانیف:

علامہ ابو القاسم صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے، ان کی تصنیفات ان کے علم و فضل پر شاہد ہیں۔ اس گراں قدر علمی خزینے کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

۱۔ حل مشکلات بخاری:

گزشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ پٹنہ کے ایک غالی حنفی مولوی عمر کریم نے جب امیر المومنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری ؒ اور ان کی "الجامع الصحیح" پر ناروا اعتراضات کیے تو مولانا بنارسی نے اپنے استادِ گرامی علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے ایماء پر اس کے جوابات دیے۔ یہ اس سلسلہ کی سب سے شاہکار کتاب ہے۔ اس کا اصل نام "الكوثر الجاري في جواب الجرح على البخاري" ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر محیط تھی تاہم تین حصص ہی منظرِ شہود پر آئے کہ مولوی عمر کریم نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، جس پر مصنف علام نے چوتھی جلد کے چھپوانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ مولانا امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

"حالانکہ یہ جواب کچھ اصل معترض کے لیے نہ تھے، بلکہ تمام اہلِ علم کے لیے مفید تھا، اس لیے ہمیں تعجب ہے کہ صاحبِ ترجمہ (مولانا سیف بنارسی) نے یہ التوا کیوں فرمایا! "یہ تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں۔"

[تراجم علمائے حدیث ہند: ۱/۳۵۸]

"حل مشکلات بخاری" پہلی مرتبہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ مولانا مختار

احمد ندوی کے اہتمام سے ''الدار السّلفیہ'' بمبئی سے شائع ہوئی، صفحات کی مجموعی تعداد ۳۰۰ تھی۔

۲۔ الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم :

مولوی عمر کریم نے اپنی کتاب '' الکلام المحکم '' میں صحیح بخاری کے ۱۷۵ رواۃ حدیث پر تنقید کی تھی، یہ اسی کے جواب میں ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئی۔ دوسری مرتبہ شیخ محمد اشرف نے ''اہلِ حدیث اکادمی'' لاہور سے شائع کیا۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۲۴۵ ہے۔

۳۔ ماء حميم للمولوی عمر كريم :

اس میں مولوی عمر کریم کے ان ۱۲ سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو انہوں نے صحیح بخاری پر کیے تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں مطبع سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئی تعداد صفحات ۱۶۔

۴۔ صراطِ مستقيم لهداية عمر كريم :

بسلسلۂ ہفواتِ مولوی عمر کریم۔

۵۔ الرّيح العقيم لحسم بناء عمر كريم :

یہ صراطِ مستقیم کا دوسرا حصہ ہے۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی اس کتاب سے متعلق لکھتے ہیں:

'' منکرینِ سنتِ نبویہ اور عدوّ محمد رسول اللہ ﷺ خیر البریہ کے لیے یہ تازیانہ ہے اور حاسد علیٰ صحیح البخاری کے لیے یہ کتاب سوط اللہ الجبار علیٰ متن الملحدین الاشرار ہے۔'' [الرّيح العقيم : ٦٨]

مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۸ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۶۹۔

۶۔ العرجون القديم في إفشاء هفوات عمر كريم :

مولوی عمر کریم نے صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہوئے چند اشتہارات شائع کیے تھے، یہ انہیں اشتہارات کے جواب پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں امام بخاری کے حالات بھی رقم کر دیے ہیں۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوئی۔ تعداد صفحات ۸۰۔

۷۔ قضية الدحيث في حجية الحديث :

یہ منکرینِ حدیث کی تردید میں ہے اور اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ زبانِ رسالتِ مآب ﷺ سے نکلنے والے الفاظ ہر مسلمان کے لیے واجب العمل اور آئینِ زندگی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مطبع انتظامی کانپور سے طبع ہوئی۔ تعداد صفحات ۳۲۔

۸۔ جمع القرآن والأحاديث :

اس کتاب میں اس خیالِ عام کی تردید کی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کی ترتیب بعد میں ہوئی اور یہ کہ اس کی ترتیب میں انسانی خطا و نسیان کا احتمال ہے۔ چنانچہ مصنف علاّم نے ثابت کیا کہ قرآن مجید آج جس ترتیب سے موجود ہے عہدِ نبوی میں اسی ترتیب کے ساتھ جمع کیا جاچکا تھا۔اسی طرح احادیث نبویہ بھی آخری زمانۂ رسالت میں کتابی شکل میں جمع کی جاچکی تھیں۔ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ کے فاضل تبصرہ نگار مولانا شاہ معین الدین ندوی اس کتاب سے متعلق لکھتے ہیں :

> '' جہاں تک قرآن کی تدوین کی تاریخ کا تعلق ہے مولانا ابوالقاسم صاحب کا رسالہ سب سے زیادہ جامع اور مدلل ہے۔ اس میں احادیث اور آثارِ صحابہ کی ناقابلِ تردید شہادتوں سے دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید عہدِ رسالت میں پورا مرتب ہو چکا تھا اور موجودہ قرآن اسی عہد کا مرتب شدہ ہے۔'' [جولائی ۱۹۳۷ء]

ثنائی برقی پریس امرتسر سے پہلی مرتبہ ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۶۴۔اس کی ایک اہم طباعت ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر اور محترمہ نگہت ہاشمی کی تخریج سے ۲۰۰۰ء میں بہاول پور سے منظرِ شہود پر آئی ہے۔ تحقیق و تخریج کے بعد اس کی استنادی حیثیت مزید بڑھ گئی ہے۔

۹۔ اجتلاب المنفعة لمن يطالع أحوال الأئمة الأربعة :

اس مختصر کتابچے میں ائمہ اربعہ کے حالات درج کیے ہیں اور ان کے منہجِ فکر کی وضاحت کی ہے۔ مطبع آزاد پریس دریا گنج دہلی سے طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۲۴۔

۱۰۔ ترجمہ كتاب الردّ علىٰ أبي حنيفة:

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) کی '' المصنف '' کا شمار حدیث کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کا ایک اہم حصہ '' کتاب الرد علیٰ ابی حنیفۃ '' ہے جس میں امام ابن ابی شیبہ نے ۱۲۵ ایسی مرفوع احادیث پیش کی ہیں جو امام ابو حنیفہ کے مسلک و فتاویٰ کے بَرخلاف ہیں۔ مولانا سیف بنارسی نے اسی حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۳۳ھ میں طبع ہوا۔

۱۱۔ الجرح علىٰ أبي حنيفة:

یہ مختصر کتابچہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری کے خلاف احناف کی جارحانہ تحریروں کے پسِ منظر میں لکھا گیا ہے۔ جواب آں غزل کے طور پر اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر محدثین کی جرحوں کو نقل کیا گیا ہے۔ جس کا جواب

احناف کے لیے ہمیشہ سے قرض رہا ہے، یا تو اکثر احناف اخذ و اقتباس میں بد دیانتی کا ارتکاب کرتے ہیں یا پھر محدثین ہی پر اپنے غیض وغضب کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ مولانا بنارسی نے ۱۱۰ جلیل القدر محدثین کا نام مع حوالہ کتب درج کیا ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہ کو علم حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی امام ابو یوسف اور امام محمد کی تضعیف بھی مستند کتابوں سے ثابت کی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۱ھ میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ شرعی باز پرس درفتویٰ جوازعرس :

اس میں فتویٰ جواز عرس کے بیس سوالات کی تردید کی گئی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۱۳۔ الصول الشديد علىٰ مصنف القول السديد :

ایک بریلوی معاصر ابوالمنظور قادری حنفی بدایونی کے رسالہ ''القول السدید'' کا دندان شکن جواب ہے۔ مصنف ''القول السدید'' نے فتویٰ جواز عرس کی تائید اور ''شرعی باز پرس'' کی تردید کی تھی۔ مولانا نے اسی کا جواب دیا ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۱۴۔ التبديد لما في التهديد :

مولوی حبیب الرحمان بدایونی نے ایک رسالہ ''التہدید'' لکھا جس میں مختلف رسومات بدعت کو شریعتِ اسلامی کا حصہ ثابت کرنا چاہا۔ مولانا سیف بنارسی نے اسی خرافاتی عقیدے کی تردید کی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۰۶۔

۱۵۔ جمع الرسالتين في النهي عن قراءة الفاتحة علىٰ القبور و الأطعمة برفع اليدين مع الضميمتين الكريمتين:

اس میں کھانا سامنے رکھ کر اور قبر پر دونوں ہاتھ اٹھا کر سورہ فاتحہ پڑھنے کی رسم کی تردید کی گئی ہے۔ نیز حدیثِ ضعیف کے حجت نہ ہونے کی بھی بحث کی گئی ہے جو کہ قابلِ مطالعہ ہے۔ حسبِ تصریح مولانا محمد مستقیم سلفی بنارسی یہ کتاب مولانا سیف بنارسی کے برادرِ صغیر حافظ عبد اللہ بنارسی کے نام سے شائع ہوئی تھی، تاہم اصلاً اس کے مولف مولانا سیف بنارسی ہی تھے۔ جید برقی پریس دہلی سے ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۸۱۔

۱۶۔ تحفة الصبور علىٰ منحة الغفور:

مولوی عبد الحمید بنارسی کے رسالہ ''منحۃ الغفور'' کے جواب میں ہے۔ موضوع تردید بدعت۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۲۴۔

۱۷۔ إیضاح المنهج لمؤلف إقامة الحجج:

یہ کتاب وحشی قلندر پوری اعظم گڑھی کے خرافاتی عقائد کی تردید میں ہے۔ وحشی صاحب نے بدعت کو دوحصوں میں تقسیم کرکے تمام بدعتی رسوم کو بدعتِ حسنہ ثابت کرنا چاہا تھا۔ مولانا سیف بنارسی نے وحشی صاحب کے دلائل کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا۔ مطبع سعید المطابع بنارس ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوا۔ تعداد صفحات ۴۸۔

۱۸۔ حسن الصناعة في صلاة التراويح بالجماعة:

اس میں نماز تراویح مع جماعت پڑھنے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ثنائی برقی پریس امرتسر سے ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء کو طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۲۰۔

۱۹۔ تحرير الطرفين في صلوٰة التراويح و تكبير العيدين :

''مدرسہ عین العلم'' شاہجہانپور کے ایک اشتہار کے جواب میں ہے جس میں بیس رکعت تراویح کو سنت موکدہ ثابت کیا گیا تھا۔ نیز تکبیرات عیدین کی تعداد فقہ حنفی کی رو سے بتائی گئی اور یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہی طریق سنت ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۹۰۸ء میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۲۰۔ ضحور المنجنيق علىٰ صاحب الحق الحقيق:

اس میں مولانا بنارسی نے ایک معاصر پانی پتی مصنف کی تردید کی ہے۔ پانی پتی مصنف نے بدعت سیئہ و بدعتِ حسنہ کی تقسیم کی تھی اور اپنے خرافاتی رسومات کو سندِ جواز بخشنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اسی کا مدلل ومسکت جواب ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۴۰۔

۲۱۔ البرذج في رد الأغوذج :

عبد اللطیف نامی ایک شخص کے اشتہار کا جواب ہے جس میں اس نے امام بخاری سے متعلق لایعنی سوالات کیے تھے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۸۔

۲۲۔ سواء الطريق :

یہ مولانا کا خطبۂ صدارت ہے جو ۲ اپریل ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس منعقدہ مئو ضلع الہ آباد کے موقع پر پڑھا گیا تھا۔ اس میں مولانا نے انتہائی ایجاز و جامعیت کے ساتھ تاریخ اہلِ حدیث پر روشنی ڈالی ہے اور علم وفضل کے دریا بہا دیئے ہیں۔ مطبع اسرار کریمی الہ آباد سے ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی۔ بعد ازاں مولانا داؤد راز دہلوی کی کوششوں سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ یہ وہی رسالہ ہے جو متعدد مرتبہ ''مسلکِ اہلِ حدیث پر ایک نظر'' کے عنوان سے شائع

ہو چکا ہے۔ اس کی ایک بہترین طباعت ڈاکٹر عبد الغفور راشد کی تقدیم وتہذیب کے ساتھ ادارہ تبلیغ اسلام جام پور سے ہوئی ہے۔

۲۳۔ إيضاح الطريق لصاحب التحقيق:

''سواء الطریق'' کی اشاعت کے بعد مولانا حبیب الرحمان اعظمی نے ''تحقیق اہلِ حدیث'' کے عنوان سے اس کا مفصل جواب لکھا۔ تاہم مولانا سیفؔ بنارسی نے ناقابلِ تردید دلائل و براہین سے مولانا حبیب الرحمان کے ایرادات کی تردید کی ہے کہ جس کے جواب میں مولانا اعظمی کو خاموش ہوجانا پڑا۔ آج تک کسی مقلد عالم نے اس کے جواب کی ہمت نہیں کی۔ مطبع اسرار کریمی الہ آباد سے طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۵۹۔

۲۴۔ تبصرہ:

مولانا بنارسی نے آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی جانب سے جو یادگار خطبہ صدارت الہ آباد کے مقام پر ۱۳۶۲ھ میں دیا اور جو بعد ازاں ''سواء الطریق'' کے نام طباعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد مئوآئمہ ضلع الہ آباد کے حنفی بھائیوں نے اہلِ حدیث کانفرنس کی مخالفت کرتے ہوئے'' آل انڈیا احناف کانفرنس'' کا انعقاد کیا۔ جس کے صدر قاری محمد طیب دیوبندی تھے۔ موصوف نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلک اہلِ حدیث کی تردید کی اور دنیا جہاں کی برائیاں اہلِ حدیث مسلک سے منسوب کردیں۔ مولانا سیف بنارسی نے اسی پر تبصرہ کیا ہے اور قاری صاحب کے دعوے کی حقیقت بیان کردی ہے۔ ثنائی برقی پریس امرتسر سے ۱۹۴۴ء میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۴۰۔

۲۵۔ حكم الحاكم في كنية أبي القاسم:

مولانا نے اس رسالہ میں احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۹۰۹ء میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۲۶۔ الزهر الباسم في الرخصة في الجمع بين محمد و أبي القاسم:

مولانا نے اپنے ایک ہم مسلک معاصر مولانا حکیم ابوتراب عبد الحق امرتسری کی اس تنقید کا جواب دیا ہے کہ محمد نام اور ابو القاسم کنیت ایک ساتھ رکھنا درست نہیں۔ مولانا عبد الحق امرتسری نے اپنی تنقید میں نہایت عامیانہ اسلوب اختیار کیا تھا، مولانا بنارسی نے بھی ترکی بہ ترکی نہایت سخت الفاظ اختیار کیے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۱ھ، میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۲۷۔ رمي الجمرتين علىٰ شاك كلمة الشهادتين:

مولوی عبد الستار بن امام الدین قادر پوری دہلوی کے ان مواعظ و تقاریر کی تردید پر مشتمل ہے جس میں موصوف فرماتے تھے کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اجتماعی طور پر کہنا شرک ہے کیونکہ یہ کلمہ اجتماعی طور پر قرآن و حدیث میں وارد نہیں ہوا ہے۔ مولانا نے ثابت کیا ہے کہ اجتماعی طور پر یہ کلمہ حدیث میں موجود ہے۔ نیز ان لوگوں کا بھی جواب دیا ہے جو اس میں نحوی خدشات نکالتے ہیں۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۴۰۔

۲۸۔ علاج درماندہ درکیفیت مباحثۂ ٹانڈہ:

ٹانڈہ ضلع فیض آباد کے مقام پر بماہِ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ میں مولانا سیفؒ بنارسی اور مولانا محمد فاخر حنفی الہ آبادی کے مابین تحریری سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو اصل مناظرے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس میں اسی کی کیفیت درج کی گئی ہے۔ مولانا محمد مستقیم سلفی لکھتے ہیں:

''اس رسالہ میں تیس سوالات مولوی فاخر حنفی صاحب کی طرف سے ہیں اور پچیس مولانا سیف بنارسی کی جانب سے، لیکن دونوں کے اصل سوالات کے جوابات کسی کی طرف سے نہیں آئے بلکہ مقابلہ شعر و شاعری میں ہو کر رہ گیا۔ اور آخر میں جب مولانا فاخر بے بس ہوگئے تو خط میں صرف یہ لکھ کر بھیج دیا کہ ''جواب جاہلاں باشد خموشی'' اس کے جواب میں مولانا سیف نے اسی رقعہ پر یہ تضمین لکھ دی:

یہی کہہ کر کرو تم عیب پوشی جواب جاہلاں باشد خموشی

[ماہنامہ ''محدث'' بنارس: نومبر ۱۹۸۵ء]

یہ رسالہ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۲۹۔ السعید (ٹریکٹ نمبر ۱):

اس رسالہ میں توحید اور اس کی تینوں اقسام کی وضاحت کی گئی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۳۰۔ ۱۲ سوالات کے جوابات:

یہ ان ۱۲ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو شیخ کاظم حسین نے مولانا سیف بنارسی کے رسالہ ''السعید'' پر کیے تھے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۰ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۳۱۔ السعید ٹریکٹ نمبر ۳، ۴:

اس میں ایک پانی پتی معاصر مولوی کے رسالہ ''کشف السر المکنون باثبات علم ماکان وما یکون'' کا جواب دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۴۲۔

۳۲۔ الإصباح في رد الإيضاح :

مولانا کے ایک معاصر بنارسی عالم نے ایک رسالہ لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ''ابو ہریرہ'' باعتبار لغت غیر منصرف ہے۔ مولانا سیف بنارسی نے اسی کا تعاقب کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ''ابو ہریرہ'' منصرف ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے۔ اس موضوع پر مولانا محمد سورتی نے بھی دادِ تحقیق دی ہے۔ مطبع الاکسیر الاعظم بنارس سے ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۶۔

۳۳۔ عمدة التحرير في جواب المنير و صاحب التفسير :

یہ رسالہ بھی ابو ہریرہ کے منصرف و غیر منصرف ہونے کے مسئلے پر ہے۔ مولانا کا رجحان تھا کہ یہ منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں صرف تانیثِ لفظی پائی جاتی ہے، نیز ابو ہریرہ اسم علم نہیں بلکہ مرکب اضافی ہے۔ یہ بھی بزبانِ عربی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۹ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۱۳۔

۳۴۔ أحسن التقرير في جواب المنير :

یہ مختصر رسالہ بھی بسلسلہ ''انصرافِ ابو ہریرہ'' ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۹ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۳۔

۳۵۔ عمدة الرفيق :

یہ رسالہ بھی بسلسلہ ''انصرافِ ابو ہریرہ'' ہے [1]۔

۳۶۔ اللؤلؤ و المرجان في تكلم المرأة بآيات القرآن :

یہ مختصر رسالہ عہدِ سلف کی ایک پاکیزہ خاتون اور سیدنا عبد اللہ بن مبارک کے باہم مکالمہ پر مشتمل ہے۔ حضرت ابنِ مبارک کے تمام سوالات کے جوابات ان نیک خاتون نے آیاتِ قرآنی سے دیا اور حیرت انگیز طور پر قرآن سے باہر ایک لفظ استعمال نہ کیا۔ عبورِ قرآن کی ایسی مثال شاید ہی مل سکے۔ مولانا سیفؔ بنارسی نے اسی مکالمے کو تاریخ و سوانح کے اوراق سے نقل کیا ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے تیسری مرتبہ ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا۔ تعداد صفحات ۸۔

---

[1] بسلسلہ انصراف ابو ہریرہ مولانا کے یہ رسالے ان کے ایک تلمیذِ رشید مولانا محمد منیر کے نام سے طبع ہوئے۔ جیسا کہ مولانا خود لکھتے ہیں: ''یہ چاروں رسالے (۱) عمدة التحریر (۲) احسن التقریر (۳) عمدة الرفیق (۴) الاصباح فی ردّ الایضاح ابو ہریرہ کے انصراف کی بابت ہیں جو بمصلحت میرے تلامذہ کے نام سے شائع ہوئے۔'' [الزہر الباسم :۹، بحوالہ ماہنامہ ''محدث'' بنارس دسمبر ۱۹۸۵ء]

۳۷۔لؤلؤ الشرع في حديث أمّ زرع:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ مشہور حدیث موسومہ امّ زرع کا اردو ترجمہ وتشریح ہے ۔مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۹ھ میں طبع ہوا۔تعداد صفحات ۸۔

۳۸۔سفرِ بیت اللہ:

اس کتاب میں مولانا نے اپنے سفرنامۂ حج کے حالات رقم کیے ہیں ۔حج کے اسرار و مقاصد، احکام قربانی کی تفصیلات، مدینہ منورہ، مسجدِ نبوی اور اطرافِ حرم پاک کے واقعات کے ساتھ ساتھ بمبئی، جدّہ و دیگر اماکن کی تاریخی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔نیز موجودہ عہد میں عربی زبان میں جو کچھ تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں ان کی بھی نشاندہی کی ہے ۔ارکان حج کی مسنون دعائیں بھی جمع کردی ہیں ۔مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۱ھ میں طبع ہوا۔تعداد صفحات ۶۴۔

۳۹۔تذكرة السعيد:

اس میں مولانا سیف بنارسی نے اپنے والدِ گرامی مولانا محمد سعید محدث بنارسی رحمہ اللہ کے حالات رقم کیے ہیں ۔مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۸ھ میں طبع ہوا۔تعداد صفحات ۳۶۔

۴۰۔حصول المرام:

اس میں روز مرہ زندگی کے مختلف مسائل پر شرعی احکام سے متعلق احادیث وآثار جمع کی گئی ہیں ۔یہ کتاب ہنوز منتظر طباعت ہے۔

۴۱۔التنقيد في رد التقليد:

جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب تقلید کی تردید میں ہے ۔

۴۲۔ذكر أهل الذكر:

یہ رسالہ دو فصلوں پر مشتمل ہے ۔پہلی فصل آیتِ کریمہ ﴿فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ کی تفسیر ہے اور دوسری فصل میں بتایا گیا ہے کہ اہل الذکر کون لوگ ہیں ۔مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا۔

۴۳۔تنقيد المعيار:

اس کتاب میں شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد سعید محدث بنارسی پر اہلِ بدعت کے اعتراضات کا جواب دیا

گیا ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۲۴ھ میں طبع ہوا۔

۴۴۔ اظہارِ حقیقت:

یہ رسالہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی کی حقیقت پر ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۳۲ھ میں طبع ہوا۔

۴۴۔ ردمرزائیت:

مرزا قادیانی کی تردید میں ہے۔

۴۵۔ معیار نبوت:

اس کتابچے میں پہلے نبی کی بشریت قرآن مجید سے ثابت کی گئی ہے پھر معیارِ نبوت کی وضاحت کی گئی ہے۔ مطبع سعید المطابع بنارس سے ۱۳۵۲ھ میں طبع ہوا۔

۴۶۔ شرح کافیہ:

ابن حاجب کی ''الکافیہ'' کی شرح ہے۔

۴۷۔ اربعین محمدی:

اس میں مولانا نے چالیس احادیث مبارکہ جمع کی ہیں۔

ان مذکورہ بالا تصانیف و تالیفات کے علاوہ مولانا سیفؔ بنارسی کی جن کتابوں کے محض ناموں ہی سے واقفیت ہوسکی، وہ حسبِ ذیل ہیں:

۴۸۔ جمع المسائل والعقائد
۴۹۔ رفع اوہام از ظہور امام
۵۰۔ تعلیم السلام
۵۱۔ الافکار علی الاذکار
۵۲۔ دفع بہتان
۵۳۔ عید الضحیٰ
۵۴۔ السیر الحثیث فی براۃ اہل الحدیث
۵۵۔ قشف الشر فی رد کشف الشر
۵۶۔ زبان عرب
۵۷۔ ثنائے ربانی
۵۸۔ جواب دعوت
۵۹۔ نور اسلام بجواب ظہور اسلام
۶۰۔ الجوائز
۶۱۔ ہدایۃ السائل الی احادیث وائل
۶۲۔ نافع الاحناف
۶۳۔ احسن المسائل
۶۴۔ روزمرہ مسائل ضروریہ
۶۵۔ کسوٹی معیار اسلام
۶۶۔ سوالات از علمائے دین

کتب خانہ:

علامہ سیف بنارسی کا کتب خانہ بیش بہا علمی خزینوں کا مرکز تھا۔ جس میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کا وسیع ذخیرہ تھا۔ تاہم بعد ازاں یہ کتابیں جامعہ سلفیہ بنارس کو دے دی گئیں۔ جہاں یہ مولانا بنارسی کے گوشۂ کتب کی حیثیت سے محفوظ ہیں اور اس طرح الحمد للہ یہ کتابیں ضائع ہونے سے رہ گئیں۔

مرض و وفات:

۱۹۴۳ء میں پہلی بار علامہ سیف بنارسی پر فالج کا حملہ ہوا، تاہم علاج سے افاقہ ہوا۔ لیکن ۱۹۴۸ء کے اواخر میں دوبارہ فالج کا حملہ ہوا اور ۴ صفر ۱۳۶۹ھ/ ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء کو بروز جمعہ علم وحکمت کے اس آفتاب نے وفات پائی۔ وہ نمازِ جمعہ کے لیے وضو کر رہے تھے کہ ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ جس سے جانبر نہ ہو سکے اور روح قفس عنصری جدا ہوکر ملأ اعلیٰ کی بلندیوں پر جا پہنچی۔ إنّا للہ و إنّا إلیہ راجعون

مولانا حنیف ندوی کا تعزیتی شذرہ:

علامہ سیف بنارسی کی وفات پر برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا میں بالعموم اور طبقۂ اہلِ حدیث میں بالخصوص فضائے سوگوار طاری ہوئی۔ علماء نے اظہارِ تاسف کیا۔ مختلف رسائل و جرائد میں تعزیتی شذرات لکھے گئے۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کی ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں مولانا محمد حنیف ندوی نے لکھا کہ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

۱۔ قیس کی موت تنہا ایک آدمی کی موت نہیں، اس کے مرنے سے تو پوری قوم کی عمارت گر پڑی۔
۲۔ شکوہ اللہ سے ہے لوگوں سے نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ زمین کی آبادیاں جوں کی توں قائم ہیں اور دوست ہیں کہ چلے جا رہے ہیں۔
۳۔ دوستو! موت کے سوا کوئی اور مصیبت ہوتی تو اس کا گلہ اور چارہ سازی بھی ہوتی، موت پر کیا گلہ؟

علمی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہلِ حدیث میں بالخصوص یہ خبر بڑے حزن و ملال سے سنی جائے گی کہ حضرت العلام ابو القاسم بنارسی ۴ صفر ۱۳۶۹ھ کو جمعہ کے روز ۱۲ بجے فالج کے شدید حملے سے چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم یگانہ روزگار عالم، شیوا بیان مقرر اور نکتہ سنج مناظر تھے۔ حدیث و فقہ کی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ، جس سے علمائے عربی کو بہت کم لگاؤ ہوتا ہے، مولانا کا خاص موضوع تھا اور

پھر اسلامی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق محدثین کے سیر و سوانح سے تھا، وہ تو گویا انہیں از بر تھا۔ وقت کی تمام علمی و سیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ابتدا ہی سے جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ رہے اور متعدد بار جیل بھی گئے ۔نظریہ اہلِ حدیث سے تو مرحوم کو عشق تھا۔ جب تک زندہ رہے، اس کی اشاعت و تبلیغ میں کوشاں رہے۔

مرحوم غنیمت کنجاہی کے تاریخی گاؤں کنجاہ (گجرات پاکستان) کے ایک غیر مسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت اور صلاح و تقویٰ کی بہت مقدار سے نوازا تھا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا دو گونہ فضل تھا یعنی عقیدہ و عمل کی صحت کے ساتھ علم و فضل کی برکتیں بھی ارزانی ہوئیں۔''

[بحوالہ چالیس علمائے اہلِ حدیث : ۲۱۶،۲۱۷]

سوانحی مآخذ:

۱۔ مولانا کے علم و فضل کے اعتراف میں مجلّہ '' نورِ توحید'' لکھنؤ نے ایک اشاعت خاص '' مولانا ابو القاسم سیف بنارسی نمبر'' نکالا تھا جو افسوس ہے کہ اب عام طور پر دستیاب نہیں ہے۔

۲۔ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے '' تراجم علمائے حدیث ہند'' میں علامہ سیف بنارسی کے حالات لکھے چونکہ وہ معاصر سوانح نگار ہیں اس لیے اس مضمون کی تاریخی اہمیت ہے۔

۳۔ مولانا محمد عزیر شمس نے '' حياة المحدث شمس الحق و أعمالهٗ '' میں گراں قدر متفرق معلومات کو یکجا کرتے ہوئے علامہ بنارسی کے حالات لکھے کیونکہ وہ علامہ شمس الحق کے تلمیذِ رشید تھے۔

۴۔ مولانا محمد مستقیم سلفی نے '' علاّمہ محمد ابو القاسم صاحب سیفؔ بنارسی اور ان کی تصانیف'' کے عنوان سے چار اقساط پر محیط مضمون لکھا جو ماہنامہ '' محدث'' اعظم گڑھ کی ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

ان کے علاوہ مولانا عبد المجید خادم سوہدروی نے '' سیرت ثنائی'' اور '' استادِ پنجاب'' میں، ملک عبد الرشید عراقی نے '' چالیس علمائے اہلِ حدیث'' اور '' تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء'' میں، مولانا محمد اسحاق بھٹی نے '' برصغیر کے اہلِ حدیث خدام قرآن'' میں اور ڈاکٹر عبد الغفور راشد نے '' مسلکِ اہلِ حدیث پر ایک نظر'' کے مقدمے میں لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف تذکرہ نگاروں نے مولانا بنارسی کے حالات جستہ جستہ قلمبند کیے ہیں۔

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

حل مشکلات بخاری

مسمی به

فی جواب

یعنی در تردید رسالہ "الجرح علی البخاری" مولفہ ڈاکٹر عمر کریم حنفی سالاری

۱۳۳۰ھ

از تصنیف سلطان القلم مولانا حاجی محمد ابوالقاسم صاحب قاری
ابن مولانا الحاج مولوی محمد سعید صاحب مرحوم و مغفور محدث پنجابی ثم البنارسی

X

هجوت محمدا ❶ فأجبت عنه
وعند الله في ذاك الجزاء

الحمد لله الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الباري، الذي بعث في الدنيا لإحياء سنن نبيه الأكرم أبا عبد الله محمداً البخاري ـرحمه اللهـ والصلوة والسلام على رسوله محمدﷺ صاحب الكوثر الجاري ، الذي فاحت روائح أحاديثه في أقطار العالم بالصحيح البخاري، من أخذه أخذ بحظ وافر وعلا قدره كعلو الكواكب الدراري، ومن حرم عن درسه وتدريسه حرم عن الخير كله ولم ينل بضياء ساري، اللهم صل وسلم علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه ما سمعه سامع وقرأه القاري.

أما بعد: فيا أيها الإخوان!

اس زمانہ آخر پر آشوب میں، جو ساعت کبریٰ کا ہمدوش ہے، اہل فتن نے ہر طرح کا غل مچایا ہے، قیامت کا ہنگامہ اٹھایا ہے، جدھر دیکھو اہل بدعت کا زور ہے، اہل ہویٰ کا شور ہے، اتباع سنت کا طریقہ سرد اور نرم ہے، بدعت کا بازار گرم ہے، عوام تقلید کے نشہ میں مخمور ہیں اور سنت سے کوسوں دور ہیں!

پری نہفتہ رخ دیو در کرشمۂ ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ❷

صحیح بخاری، جس کا اُصح الکتب ہونا مسلّم ہے، اس پر طرح طرح کی ژولیدہ زبانی اور ژاژ خائی کی جا رہی ہے، تا کہ اس کا نام ونشان صفحۂ دنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر کالعدم کر دیا جائے، لیکن حریفوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ:

چراغے را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس تف زندریشش بسوزد ❸

اس نور الٰہی کی ضیا یوں ہی رہے گی
افواہ سے ممکن نہیں اطفائے بخاری

❶ تم نے محمد (بن اسماعیل بخاری) کی ہجو کی، تو میں نے اس کی طرف سے جواب دیا اور اللہ ہی کے ہاں اس کی جزا ہے۔
❷ ناز وانداز میں دیو پری کا چہرہ چھپائے ہوئے تھا، عقل حیرت سے گم ہوگئی یہ کیا عجب پن ہے؟
❸ جس چراغ کو خدائے کریم روشن کرے، جو کوئی بھی اس پر تھوک پھینکے گا اس کی اپنی داڑھی ہی جلے گی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان دنوں ایک رسالہ "الجرح علی البخاري" (جو اخبار "اہل فقہ" کے مضامین کا مجموعہ ہے) ڈاکٹر عمر کریم حنفی پٹنوی نے شائع کیا ہے، جس میں نہایت بے باکی سے صحیح بخاری پر فرضی نکتہ چینیاں اور جھوٹے اعتراضات کئے گئے ہیں، اور امام عالی مقام کی شان والاشان میں نہایت رکیک اور بیہودہ الفاظ استعمال کر کے تہذیب و حیا کا خون کیا گیا ہے، گویا در پردہ اپنی کم مائیگی اور قلیل البضاعتی کا ثبوت دیا گیا ہے، ان امور متذکرہ بالا کے وجوہ سے جواب لکھنے کو طبیعت نہیں چاہتی تھی، لیکن حضرت حسان بن ثابت ♦ کا شعر معنونہ بالا یاد آیا:

هجوت محمداً فأجبت عنه
وعند الله في ذاك الجزاء

اس دوسرے مصرع نے طبیعت کو ابھار دیا اور باللہ التوفیق کہہ کر قلم ہاتھ میں اٹھا لیا۔ خدا سے دعا ہے کہ اس کٹھن بیڑے کو پار لگا دے اور منزل مقصود کو پہنچا دے۔ ع۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا!

چونکہ ان جرحوں سے اکثر کے جوابات وقتاً فوقتاً شائع ہو چکے ہیں، لہٰذا ان میں اختصار سے کام لیا جائے گا اور بسا اوقات حوالہ پر اکتفا کافی ہوگا۔ خدا معترض صاحب کو زندہ رکھے کہ ان کے اعتراضات کی بدولت صحیح بخاری کے مطلعِ حقیقت سے الزامات کا گرد و غبار دور ہو گیا اور اس کے چہرے کا نکھرا رنگ اہل نظر کے پیش رو ہو گیا۔

مانگا کریں اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

جوابِ رسالہ شروع کرنے سے قبل چند ضروری اور مفید امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس سے کتاب پر کافی روشنی پڑنے کی امید ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔

امام بخاری ﷫

ہمارے ظلم کیش ڈاکٹر عمر کریم نے اپنی حنفیت کی بدولت رسالہ جرح میں اکثر مقامات پر امام کی نسبت یہ الزام رکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ان کا علم وفہم ، حفظ و اجتہاد اور درایت و عرفان چونکہ غیر مسلّم اور ثابت نہیں ہے، لہٰذا حنفی لوگ ان کے قائلِ قدر نہیں ہو سکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ﷫ کی نسبت محض حنفیہ کے اقوال پیش کروں، تا کہ اصلی حنفی کو سرتابی کی گنجائش نہ ہو۔

ابن عابدین حنفی کا قول:

شامی (ردّالمحتار) کے مؤلف کو کون نہیں جانتا؟ جن کا نام نامی ابن عابدین ہے اور مسلّم حنفی ہیں، اپنی کتاب ’’عقود اللآلي‘‘ میں فرماتے ہیں:

” الجامع المسند الصحيح لأمير المؤمنين وسلطان المحدثين، الحافظ الشهير، الناقد البصير، من كان وجوده من النعم الكبرىٰ على العالَم، الحافظ لسنة رسول اللّٰه ﷺ، الثبت الحجة، الواضح المحجة محمد بن إسماعيل البخاري، وقد أجمع الثقات علىٰ حفظه وإتقانه وجلالة قدره وتميزه على من عداه من أهل عصره، وكتابه **أَصَحُّ الْكُتُبِ** بعد كتاب اللّٰه تعالىٰ، وأصح من صحيح مسلم، ومناقبه لا تستقصىٰ لخروجها عن أن تحصىٰ، وهي منقسمة إلى حفظٍ ودراية، واجتهاد في التحصيل، ورواية ونسك وإفادة وورع وزهادة وتحقيق وإتقان وتمكن وعرفان وأحوال وكرامات، وهذه عبارات ليست بكثيرة ولكن معانيها غزيرة، وقد أفرد كثير من العلماء ترجمته بالتاليف، وأودعها في قالب الترصيف، وذكروا من كراماته ومناقبه وأحواله من ابتداء أمره إلىٰ آخر مآله، وما اختص به صحيحه من الخصوصيات المتكاثرة، ويعلم به السامع أن ذلك فضل اللّٰه تعالىٰ يؤتيه من يشاء من عباده، ويتيقن أنه معجزة للرسول ﷺ حيث وجد في أمته مثل هذا الفريد العديم النظير، رحم اللّٰه روحهٗ ونوّر مرقده وضريحهٗ، وحشرنا في زمرته تحت لواء سيد المرسلين.“ انتهى

(عقود اللآلي:١٠٢)

’’جامع مسند صحیح مؤلفہ امیر المومنین سلطان المحد ثین، حافظ مشہور، پرکھنے والے تجربہ کار، جن کا وجود دنیا

میں بہت بڑی نعمتوں میں سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے حافظ، نہایت معتبر راہ کو واضح کرنے والے محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کہ تمام ثقہ لوگوں نے ان کے حفظ و اتقان، بزرگی وشان اور ان کے اپنے زمانہ والوں پر ممتاز ہونے پر اجماع کیا ہے اور ان کی کتاب (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے بعد سب سے نہایت صحیح کتاب ہے، حتی کہ مسلم سے بھی صحیح ہے، اور ان کی تعریفیں بے حد ہیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں، اور وہ حفظ اور درایت اور اجتہاد اور روایت اور عبادت اور افادہ اور پرہیز گاری اور زہد اور تحقیق اور اتقان اور تمکّن اور عرفان اور احوال اور کرامات پر منقسم ہیں، یہ عبارتیں بہت نہیں ہیں، لیکن معانی ان کے بہت ہیں، اور بہت سے علماء نے ان کا ترجمہ اور حالات علیحدہ تالیف کیے ہیں اور اس کو قالب بیان میں لائے ہیں اور ان کی کرامتوں اور منقبتوں اور حالتوں کو ابتدا سے انتہا تک ذکر کیا ہے، اور ان کی (جامع) صحیح کے اندر جو بہت سی خصوصیات ہیں، ان کو بھی ذکر کیا ہے کہ جس سے سننے والا معلوم کرلے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دیتا ہے اور یقین کرلے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ کی امت میں ایسے ایسے نادر نایاب بے مثل لوگ پائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کی خواب گاہ وقبر کو منور کرے اور ہم لوگوں کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے سید المرسلین کے جھنڈے کے نیچے محشور ومجتمع کرے۔'' آمین!

اللہ اکبر! کوئی حنفی تو امام بخاری رحمہ اللہ کے زمرہ میں داخل ہونے کی تمنا کرے، دعائیں مانگے، اور کوئی اتنا متنفر؟! سچ ہے:

کلاہِ خسروی و تاجِ شاہی
بہر کل کے رسد حاشا وکلا ❶

عینی حنفی کا قول:

سچ پوچھئے تو اس کے بعد کسی دوسرے حنفی کی عبارت پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ علامہ شامی حنفی نے تمام جھگڑوں کا فیصلہ کر دیا اور امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی جامع صحیح کی سچی حالت بیان کر کے ہمیں ڈگری دے دی، لیکن ہمارے معترض ڈاکٹر عمر کریم کے نزدیک عینی حنفی کا زیادہ اعتبار ہے، اس لئے کہ انہوں نے اپنے رسالہ ''الجرح'' میں زیادہ تر عینی کی عبارات پیش کی ہیں، لہٰذا مناسب ہے کہ ہم بھی علامہ عینی حنفی کا قول پیش کریں کہ ان کے نزدیک امام بخاری کا کیا رتبہ تھا؟ چنانچہ فرماتے ہیں:

" الحافظ الحفيظ، الشهير المميز، الناقد البصير، الذي شهدت بحفظه العلماء الثقات، واعترفت بضبطه المشايخ الأثبات، ولم ينكر فضله علماء هذا الشأن، ولا تنازع في صحة

❶ سرداری کی پگڑی اور بادشاہی کا تاج، ہر کہہ ومہہ کی قسمت میں کہاں!

تنقيده اثنان، الإمام الهمام حجة الإسلام أبوعبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، أسكنه الله تعالىٰ بحابيح جنانه بعفوه الجاري. " انتهى (عمدة القاری: ۱/۵)

''حافظ نگہبان، مشہور تمیز کرنے والے، پرکھنے والے تجربہ کار، جن کے حفظ کی شہادت معتبر علماء نے دی ہے، اور ان کے ضبط کا اقرار معتبر مشائخ نے کیا ہے، اور اس شان کے علماء نے ان کے فضل کا انکار نہیں کیا اور نہ ان کی پرکھ کے صحیح ہونے میں دو شخصوں نے بھی اختلاف کیا، امام بزرگ حجت اسلام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ؒ خدا ان کو اپنے عفو جاری کے صدقہ میں اپنی جنت کے بیچ میں جگہ دے۔''[1]

علامہ عینی حنفی کا تو امام صاحب کے ساتھ یہ عقیدہ ہے اور آپ کا کچھ اور ہی خیال ہے! نہ معلوم آپ کی حنفیت کس رنگ کی ہے؟ حالانکہ گزشتہ زمان کے حنفیہ کے خیال اور آپ کے تعصب میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

ملا علی قاری حنفی کا قول:

دیکھئے ملا علی قاری حنفی کیا لکھتے ہیں:

"أمير المؤمنين في الحديث، وناصر الأحاديث النبوية، وناشر المواريث المحمدية، قيل: لم ير في زمانه مثله من جهة حفظ الحديث وإتقانه، وفهم معاني كتاب الله وسنة رسوله، ومن حيثية حِدّة ذهنه ودقة نظره ووفور فقهه وكمال زهده وغاية ورعه وكثرة اطلاعه على طرق الحديث وعلله وقوة اجتهاده واستنباطه." انتهى (مرقاة: ۱/ ۱۲)[2]

''حدیث میں مومنین کے امیر، نبوی حدیثوں کے مدد کرنے والے، پھیلانے والے محمدی میراثوں کے، ان کے زمانہ میں مثل ان کا نہیں دیکھا گیا حفظ حدیث اور اتقان حدیث اور سمجھنے معانی قرآن و حدیث کے جہت سے اور بحیثیت تیزی ذہن و باریکی نظر و زیادتی فقہ اور کمال زہد اور غایت پرہیز گاری اور بہت اطلاع حدیث کی سندوں پر اور حدیث کی علتوں پر اور قوت اجتہاد اور استنباط ان کا۔''

سبحان اللہ! کیا کمال تھا امام کو کہ جس کے ذکر سے محققین حنفیہ بھی رطب اللسان ہیں؟! ایسے باکمال امام کی شان میں آج کل کے حنفی (جو دراصل اپنی حنفیت میں بھی دھبہ لگاتے ہیں!) کیسی گستاخیاں کرتے ہیں؟ خدا ان سے سمجھے!

---

1. نیز اسی کے متصل علامہ عینی صحیح بخاری کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وقد دون في السنة كتابا، فاق على أمثاله، وتميز على أشكاله، ووشحه بجواهر الألفاظ من درر المعاني، ورشحه بالتبويبات الغريبة المباني، بحيث قد أطبق على قبوله بلا خلاف علماء الأسلاف والأخلاف، فلذلك أصبح العلماء الراسخون الذين تلألأ في ظلم الليالي أنوار قرائحهم الوقادة، واستنار على صفحات الأيام آثار خواطرهم النقادة، قد حكموا بوجوب معرفته وأفرطوا في قريضته ومدحته. " نیز فرماتے ہیں: "اتفق علماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله تعالىٰ أصح من صحيحي البخاري و مسلم، فرجح البعض، منهم المغاربة، صحيح مسلم على صحيح البخاري، والجمهور على ترجيح البخاري على مسلم، لأنه أكثر فوائد منه" (عمدة القاري: ۱/ ۵)
2. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (۱/ ۲۷)

شیخ عبدالحق حنفی و شیخ نورالحق حنفی کے اقوال:

ملا علی قاری حنفی کے مثل بلکہ انہیں کی عبارت کا ترجمہ شیخ عبدالحق حنفی دہلوی نے "أشعة اللمعات" (۱/۹) میں اور ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق حنفی دہلوی نے "تیسیر القاري" (۱/۳) میں بایں الفاظ یوں کیا ہے:

''بخاری پیشوا و مقتدائے فن حدیث و اہل آں بودہ، و او را درمیانِ محدثان أمیر المومنین فی الحدیث و ناصر الأحادیث النبویة وناشر المواریث المحمدیه القاب است، وے درزمان خود درحفظ احادیث واتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدّت ذہن وجودت قریحت ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت اطلاع برطرق حدیث وعلل آں ودقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیرے نداشت.'' انتہی ❶

ایسے جامع کمالات امام الدنیا کے اوپر (۱) عدم معصومیت کا اعتراض (۲) اور عدم اجتہاد (۳) اورمقلدیت (۳) کا الزام کس قدر ناموزوں اور حقیقت کے بالکل خلاف اور انصاف سے کوسوں دور ہے؟! ہرسہ امور کی بابت بترتیب سنئے:

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا معصوم نہ ہونا:

امام پر یہ اعتراض کہ'' چونکہ وہ معصوم نہ تھے، لہٰذا ان سے وقوعِ خطا ممکن ہے۔'' معترض کی انتہا درجہ کی بے عقلی پر دال ہے، اس لئے کہ لغزش (تقدیمی و تاخیری) کا صدور تو معصومین سے بھی ہوا ہے، پھر غیر معصوم کیونکر بچ سکتا ہے؟ لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کونسا کام کیا اور ان سے کس امر میں خطا ہوئی؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف احادیثِ شتیٰ [مختلف] کی تدوین کی، فنِ حدیث میں غلطی ممکن نہیں کیونکہ وہ قول نبی ہے، جو محلّٰی بعصمت از خطا ہے، یا قولِ صحابہ اور وہ اہلِ زبان ہیں، سندِ حدیث میں بھی خطا ممکن نہیں، کیونکہ باتفاقِ امت اس کے رواۃ نہایت ثقہ اور حجت ہیں، پس رہ گئی تدوین! اس میں البتہ امکان کو دخل ہے، لہٰذا اس میں خطا نہیں بلکہ تقدیمی و تاخیری لغزش کو ضرور دخل ہوگا، اور ایسی لغزشیں انبیاء معصومین سے ثابت ہیں:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [الفتح:۲] اور ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [التوبة:۴۳]

وغیرہ آیات قرآنیہ میں اسی طرف اشارہ ہے، پس انبیاء کی ایسی لغزشیں چونکہ معاف اور ناقابل مواخذہ ہیں،

---

❶ بخاری فنِ حدیث اور اہل حدیث کے رہنما اور مقتدیٰ تھے، محدثین کے درمیان أمیر المؤمنین في الحدیث، ناصر الأحادیث النبویة اور ناشر المواریث المحمدیه ان کے القاب ہیں، وہ اپنے زمانے میں حدیث کے حفظ و اتقان، معانی کتاب وسنت کے فہم، ذہن کی تیزی، حافظہ کی عمدگی، وفور فقہ، کمالِ زہد، غایت ورع، اسانید وعللِ حدیث پر کثرت اطلاع، دقتِ نظر، قوتِ اجتہاد اور اصول سے فروع استنباط کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ لغزش بھی قابل اعتراض اور صحت کے لیے مضر نہیں۔ ❶

فافهم! فإنه دقيق، وإنه مما ألهمني ربي بمنه وكرمه عليّ خاصة، فالحمد لله على كل حال۔

ثانیا: امام بخاری رحمہ اللہ کا جامع صحیح کی تالیف کے وقت ایسا انتظام والتزام اور اہتمام دیکھ کر عقل باور نہیں کر سکتی کہ اس قدر محافظ اور گارڈ کے ہوتے ہوئے جرم وخطا وہاں پھٹک بھی سکے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں، جس کو ہم ایک معتبر حنفی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

" قال البخاري: ما وضعت فيه حديثاً إلا بعد الغسل وصلاة ركعتين، وأخرجته من زهاء ستمائة ألف حديث، وصنفته في ستة عشر سنة ...إلى قوله: وما أدخلت فيه حديثاً حتى استخرت الله، وصليت ركعتين، وتيقنت صحته،" انتهى. (مرقاة ملا علي قاري حنفي: ١/ ١٣) ❷

'' امام بخاری نے فرمایا: میں نے اس کتاب (جامع صحیح) میں کوئی حدیث بغیر نہائے اور دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہیں رکھی، اور میں نے تقریباً چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے اس میں رکھی اور سولہ برس میں اس کو تصنیف کیا۔ (پورا قول خاص صحیح بخاری کے بیان والی فصل میں نقل کیا جائے گا) اور میں نے کوئی حدیث اس میں نہیں داخل کی، جب تک کہ خدا سے استخارہ نہ کیا اور دو رکعت نماز نہ پڑھ لی اور جب تک مجھے اس کا صحیح ہونا متیقن نہیں ہوا۔''

اللہ اکبر! ایک ایک حدیث کی جانچ پڑتال میں ڈیڑھ ڈیڑھ یوم کامل صرف ہوئے اور وہ بھی محض تدوینی امر میں! اور پھر اس پر الزام خطا؟ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ [مريم: ٩٠] ❸

---

❶ انبیاء ورسل اس معنی میں معصوم ہیں کہ اگر ان سے کبھی غلطی اور خطا کا صدور ہو، تو انہیں اس پر تنبیہ کر دی جاتی ہے، وہ کسی غلطی پر قائم نہیں رہتے اور بتوفیق ایزدی انہیں کسی غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا، اس لحاظ سے انہیں "معصوم عن التقرير على الخطأ" کہا جا سکتا ہے، باقی ان سے غلطی کا صدور اور وقوع تو یہ ممکن ہے، جس پر کئی قرآنی آیات اور نبوی احادیث شاہد عدل ہیں، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولكن الأنبياء صلوات الله عليهم هم الذين قال العلماء: إنهم معصومون من الإصرار على الذنوب." نیز فرماتے ہیں: ''والقول الذي عليه جمهور الناس، وهو الموافق للآثار المنقولة عن السلف، إثبات العصمة من الإقرار على الذنوب مطلقا، والرد على من يقول إنه يجوز إقرارها عليهم." (مجموع الفتاوىٰ: ٣٥/ ٦٩، الفتاوىٰ الكبرىٰ: ٣/ ٤٤٦) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتاوىٰ الكبرىٰ (٣/ ٤٧٤) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انبیاء ورسل سے اپنے افعال میں تو خطا کا صدور ممکن ہے، لیکن شرعی احکام کی تبلیغ ورسالت میں غلطی کا امکان نہیں، بلکہ اس میں وہ معصوم ہیں، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إن الأنبياء صلوات الله عليهم معصومون فيما يخبرون به عن الله سبحانه وفي تبليغ رسالاته باتفاق الأمة " (الفتاوىٰ الكبرى: ٥/ ٢٤٩)

❷ هدي الساري (ص: ٤٨٩) عمدة القاري (١/ ٥) مرقاة المفاتيح (١/ ٢٩)

❸ عموماً جو لوگ امام بخاری رحمہ اللہ کی عدمِ عصمت اور بشریت کی آڑ لے کر صحیح بخاری کی احادیث پر اعتراض کرتے ہیں، وہ یہ امر ←

عالم میں کوئی ایسا محدث نہیں گزرا
برتر ہے بہت شان معلائے بخاری

۲۔ امام بخاری کا مجتہد ہونا:

امام پر دوسرا اعتراض کہ ''وہ مجتہد نہ تھے،'' ایسا ہے جیسے کوئی عقل کا دشمن کہے کہ سورج میں روشنی نہیں ہوتی، واضح ہو کہ کسی کے اجتہاد کو جانچنے کے تین ذریعے ہیں:

۱۔ اول یہ دیکھنا چاہیے کہ اجتہاد کی مقررہ شروط اس میں کما حقہ پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

۲۔ دوئم یہ کہ اس کا اجتہاد خود اس کے مجتہد ہونے کی شہادت دیتا ہو۔

۳۔ سوم یہ کہ لوگوں نے اس کو مجتہد مانا بھی ہو۔

اول: حنفیہ کے نزدیک شروط اجتہاد صرف تین ہیں:

۱۔ قرآن کا علم وفہم، کم سے کم پانچ سو آیات احکامیہ کا علم۔

۲۔ حدیث مع اسانید کا علم، کم سے کم تین ہزار حدیثیں یاد ہوں۔

۳۔ طریقِ قیاس وطرزِ اجتہاد سے واقف ہو۔

(ملاحظہ ہو: نور الأنوار، توضیح و تلویح و شرح مسلّم وغیرہ)[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کا قرآن اور علم و حدیث میں فہم کا ثبوت خود حنفیوں کی عبارات سے اوپر ثابت کیا گیا ہے، مواقع اور طریق قیاس کا علم ان کی جامع صحیح سے ظاہر و باھر ہے، جس کے قائل خود حنفیہ کے علماء کبار موجود ہیں، جس کی تفصیل صحیح بخاری کے بیان میں آئے گی۔

← یکسر فراموش کر جاتے ہیں کہ صحیح بخاری کی تدوین وتصنیف کوئی انفرادی جدوجہد نہیں، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے سے پیشتر ائمہ محدثین کی کتب ومؤلفاتِ حدیثیہ اور اساتذہ فن کی نگرانی اور مشاورت ہی سے اس کتاب کو مرتب کیا تھا، علم حدیث میں اہل علم سے مذاکرہ اور مشاورت ائمہ محدثین اور طلبائے حدیث کی قدیم روش تھی، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بھی پیش نظر رکھا، چنانچہ امام ابوجعفر عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لما ألف البخاري كتاب الصحيح عرضه على أحمد بن حنبل ويحيىٰ بن معين وعلي بن المديني وغيرهم، فاستحسنوه، وشهدوا له بالصحة إلا في أربعة أحاديث، قال العقيلي: والقول فيها قول البخاري وهي صحيحة. " (هدي الساري: ٧) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اپنے دور کے کئی اساطینِ حدیث سے مشاورت کی تھی، بعد ازاں امام بخاری کے ہم عصر اور متاخر علماء نے اس کتاب کو پڑھا، پرکھا اور جانچا، پھر اس کتاب کو پوری امت کی طرف سے تلقی بالقبول کا درجہ ملا، جو کتبِ احادیث میں صحیحین کے بعد کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہوا۔ مذکورہ بالا معروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری اگرچہ معصوم نہیں، لیکن پوری امت کے تلقی بالقبول کی بدولت ان کی کتاب میں عصمت ضرور موجود ہے، کیونکہ یہ ایک اجماعی عمل ہے۔ اسی معنی میں علماء نے اس کتاب کی توہین کرنے والے کو بدعتی قرار دیا ہے۔

[1] نور الأنوار (ص: ٢٥٠) التوضيح مع التلويح (٢/ ٢٤٥) شرح مسلم الثبوت (٢/ ٤٠٥)

دوئم: یعنی اجتہاد اپنے مجتہد کی شہادت دے۔ اس کے لیے صحیح بخاری کا وجود مسعود کافی ہے۔ ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب!
جس کے مقر وہی علماءِ حنفیہ ہیں اور اس کے ذکر میں رطب اللسان ہیں، جیسا کہ گزرا ہے، مفصل ثبوت آگے آئے گا۔

سوم: لوگوں کا اور خاص کر حنفیہ کا ان کو مجتہد ماننا۔

۱۔ سو واضح ہو کہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی کے استاذ علامہ اسماعیل عجلونی شامی حنفی اپنی کتاب " الفوائد الدراري" میں قول فیصل لکھتے ہیں: " كان مجتهداً مطلقاً" ❶

۲۔ شیخ ابوالحسن سندھی مدنی حنفی ترجمہ بخاری (مصری) میں لکھتے ہیں: " والصحيح أنه مجتهدٌ "❷ یعنی امام بخاری مجتہد مطلق تھے، صحیح مذہب یہی ہے، باقی سخاوی اور ابن تیمیہ وغیرہ کا قول اپنے موقع پر نقل کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ کیونکہ یہاں صرف حنفیہ کے اقوال نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

بحمد اللہ! کہ خود حنفیہ بھی امام کے مجتہد مطلق ہونے کے اقراری ہیں۔ ع۔ والفضل ما شهدت به الأعداء!

۳۔ امام بخاری کا مقلد نہ ہونا:

امام پر تیسرا اعتراض کہ "شافعی مقلد تھے۔" ایسا لچر ہے، جیسے روز روشن کو شب سے تعبیر کرنا، جو الٹی کھوپڑی والے کا کام ہے، اس لئے کہ جب امام کا مجتہد ہونا ثابت ہے اور وہ بھی خود حنفیہ کے اقوال سے، تو وہ مقلد کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا، بلکہ اجتہاد اور تقلید میں تنافی و تضاد ہے اور عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ اتنا بڑا باکمال شخص امام الدنیا اپنے سے نیچے درجے (امام شافعی) کا مقلد ہو۔ لا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!

ہاں اگر کوئی ابن هنبقه کا شاگرد یہ کہے کہ

"اجتہاد کا دروازہ ائمہ اربعہ پر بند ہو گیا، لہٰذا امام بخاری مجتہد مستقل نہیں ہو سکتے، پس لامحالہ مقلد ہوں گے۔"

تو یہ مزید اس کے حُمق پر کلنگ کا ٹیکہ لگانے والا ثابت ہوگا، اس لیے کہ خود محققین حنفیہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، ملا عبدالعلی بحر العلوم حنفی نے "فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت" میں بڑے زوروں سے اس کی تردید کی ہے اور ایسے خیال کو بوالہوسی سے تعبیر کیا ہے۔ وللتفصيل مقام آخر، من شاء فليرجع إليه!

حاصل یہ کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تا قیامت بند نہ ہوگا اور امام بخاری کا مقلد نہ ہونا، بلکہ مجتہد مستقل ہونا اظہر من الشّمس اور أبین من الأمس ہے، وهذا هو المقصود والمراد والمطلوب۔

امام بخاری کے بقیہ حالات ملا علی قاری حنفی و شیخ عبدالحق حنفی و شیخ نورالحق حنفی و مولوی احمد علی حنفی وغیرہ نے اپنی

---

❶ دیکھیں: سیرة البخاري از مولانا عبدالسلام مبارکپوری ﷫ (ص: ۱۷۱)

❷ علاوہ ازیں کئی دیگر علمائے احناف نے بھی امام بخاری ﷫ کا مجتہد ہونا برملا تسلیم کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں: النافع الكبير للكهنوي (ص: ١٦) فيض الباري للكشميري (١/ ٥٧،٥٨) ما تمس إليه الحاجة (ص: ٢٦) لامع الدراري (١/ ٦٨) فضل الباري (١/ ٣٦) امام بخاری اور صحیح بخاری احناف کی نظر میں، از حکیم محمد ادریس ظفر صاحب۔

اپنی تصنیفات میں بالتفصیل لکھے ہیں، اور کچھ میں نے بھی "العرجون القدیم" وغیرہ میں لکھا ہے۔ اب ڈاکٹر عمر کریم حنفی اتنے حنفیہ کے اقوال کو نہ مانیں، تو اس کا کیا علاج؟ ع۔ لن يصلح العطار ما أفسده الدهر!

جو لوگ کہ ہیں رائے کے پھندے میں گرفتار
وہ کس لئے کرنے لگے پروائے بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری کا خلق قرآن کا قائل نہ ہونا:

اوپر کے اعتراضات تو اکثر مقام پر ڈاکٹر عمر کریم حنفی نے کئے تھے، اس لئے ان کے جوابات علمائے حنفیہ کے اقوال سے دیئے گئے، یہ ایک چوتھا اعتراض کہ'' امام بخاری خلقِ قرآن کے قائل تھے۔'' خلیفہ منتصر باللّٰہ کے وقت میں ایک زندیق مسلمہ بن قاسم القرطبی نے اپنی کتاب '' صلة التاريخ '' میں کیا تھا، جس کو حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب میں نقل کیا ہے:

"قال مسلمة في الصلة: كان ثقة جليل القدر عالما بالحديث، وكان يقول بخلق القرآن، فأنكر ذلك عليه علماء خراسان، فهرب ومات وهو مستخف... الخ." (٩/ ٥٤) ❶

''مسلمہ نے اپنی کتاب صلة التاريخ میں کہا ہے کہ امام بخاری ثقہ تھے، بزرگ مرتبہ والے تھے، فن حدیث کے ماہر تھے، ہاں خلق قرآن کا اعتقاد بھی رکھتے تھے، اسی سبب سے علماءِ خراسان نے ان کی مخالفت کی، پس یہ بھاگ گئے اور پوشیدہ رہے، یہاں تک کہ مر گئے۔''

لہٰذا ضرور ہوا کہ اس کا بھی دفعیہ کر دیا جائے، تاکہ آئندہ کوئی اس پر معترض نہ ہو۔ اور ضرورت ہے کہ اس کا جواب محدثانہ اصول یعنی تصریحاتِ محدثین سے دیا جائے، پس پہلے میں مسلمہ کی حالت پر روشنی ڈالتا ہوں کہ یہ کون شخص تھا اور کیسا تھا؟ بہت سے علماء اس کے زندیق ہونے کے قائل ہیں، محدثین کے نزدیک یہ ضعیف اور گمراہ فرقہ مشبہہ میں سے ہے، علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

"مسلمة بن قاسم القرطبي، كان في أيام المنتصر الأموي، ضعيف، قيل: كان من المشبهة ... الخ " (٢/٤٧٥) ❷

''مسلمہ بن قاسم قرطبی یہ منتصر باللّٰہ کے زمانہ میں تھا، ضعیف اور مشبہہ میں سے ہے۔''

محدثین کے یہاں مشہور ہے کہ مسلمہ بازاری قصہ گڑھا کرتا تھا، چنانچہ اس کے ایک اور جھوٹے قصہ کا ذکر آگے نقل کر کے جواب دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ❸

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/٤٦)

❷ ميزان الاعتدال: (١١٢/٤)

❸ مسلمہ بن قاسم القرطبی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "المحدث الرحال، أبو القاسم الأندلسي القرطبي " ←

بالفعل اس اعتراض کا جواب عرض کرتا ہوں، امام بخاری کو خلق قرآن کا قائل کہنا ایسا ہے جیسے انبیاء کو مشرک کہنا!! والعیاذ باللّٰہ ، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی تہذیب التہذیب میں آ گے فرمایا ہے:

" قلت: إنما أوردت كلام مسلمة هذا لأبين فساده، فمن ذلك إطلاقة بأن البخاري كان يقول بخلق القرآن، وهو شيء لم يسبقه إليه أحد، وقد قدمنا ما يدل على بطلان ذلك." ❶

''میں کہتا ہوں کہ مسلمہ کا یہ قول اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ اس کا فاسد ہونا بیان کر دوں، پس مسلمہ کا یہ کہنا کہ امام بخاری خلق قرآن کے قائل تھے، عجیب بات ہے، جس کو اس سے پہلے کسی نے نہیں کہا اور ہم نے پہلے حکایت نقل کی ہے، جس سے یہ قول باطل ہو جاتا ہے۔''

" قال الحاكم: وسمعت أبا الوليد حسان بن محمد الفقيه: يقول سمعت محمد بن نعيم يقول: سألت محمد بن إسماعيل، لما وقع ما وقع من شأنه، عن الإيمان، فقال: قول وعمل، يزيد وينقص، والقرآن كلام اللّٰه غير مخلوق، وأفضل الصحابة أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي، علىٰ هذا حييت، وعليه أموت وأبعث إن شاء اللّٰه تعالىٰ،" انتهى ❷

(تهذيب :٩/ ٥٣ و هدي الساري: ٤٩٢ مطبوعه مصر)

اور وہ یہ ہے کہ'' حاکم نے کہا میں نے ابوالولید حسان بن محمد فقیہہ سے سنا، کہتے تھے میں نے محمد بن نعیم

➜ حافظ ابن حجر ؒ مسلمہ کی فرقہ مشبہہ کی طرف نسبت کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا رجل كبير القدر ما نسبه إلىٰ التشبيه إلا من عاداه، وله تصانيف في الفن " اور مسلمہ کی کتاب التاریخ کے بارے میں نقل کرتے ہیں: "جمع تاريخا في الرجال، شرط فيه أن لا يذكر إلا من أغفله البخاري في تاريخه، وهو كثير الفوائد في مجلد واحد" امام ابن حزم ؒ فرماتے ہیں: "كان أحد المكثرين من الرواية والحديث... وجمع علما كثيرا، ...وكان قوم بالأندلس يتحاملون عليه، وربما كذبوه، وسئل القاضي محمد بن يحيىٰ بن المفرج عنه، فقال: لم يكن كذابا، ولكن كان ضعيف العقل۔" امام ابن الفرضی صاحب تاريخ علماء الأندلس فرماتے ہیں: "كان مسلمة صاحب رأي وسر وكتاب، وحفظ عليه كلام سوء في التشبيهات. " دیکھیں: سير أعلام النبلاء (١١١/١٦) تاريخ الإسلام للذهبي (٢٦/ ٩٨) لسان الميزان (٥/ ٣٥)

مذکورہ بالا معروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمہ بن قاسم ایک جلیل القدر عالم تھے، فرقہ مشبہہ سے ان کا تعلق جوڑنا درست نہیں، بلکہ یہ ان کے حاسدین کی کاوش ہے، ابن الفرضی نے بھی بصیغہ مجہول ہی ان پر تشبیہ کی تہمت نقل کی ہے، جو کسی طرح لائق اعتناء نہیں۔ مزید برآں کسی محدث نے انہیں زندیق وغیرہ نہیں کہا، البتہ روایتِ حدیث میں وہ ضعیف اور "لم يكن بثقة" تھے۔ (سير أعلام النبلاء: ١٦/ ١١١) لیکن امام بخاری ؒ کی طرف خلق قرآن کا قول منسوب کرنا، یہ ان کی غلطی ہے، جس کا فساد اور بطلان حافظ ابن حجر اور مؤلف ♦ نے بیان کر دیا ہے۔ رحم اللّٰه الجميع

❶ تهذيب التهذيب (٩/٤٦)

❷ تهذيب التهذيب (٩/٤٥) هدي الساري (ص: ٤٩١)

سے سنا، کہتے تھے کہ جب امام بخاری کی شان میں لوگوں نے غلط الزامات (مثلاً خلق قرآن وغیرہ کے) لگائے، میں نے ان سے ایمان کی بابت سوال کیا، فرمایا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، وہ زیادہ اور کم ہوتا رہتا ہے اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے، اور صحابہ میں افضل ابوبکر ◆ ہیں، ان کے بعد عمر ◆ ، ان کے بعد عثمان ◆ ان کے بعد علی ◆ ، اسی عقیدہ پر میں زندہ ہوں اور اسی پر خدا نے چاہا تو مروں گا اور قیامت کے دن اٹھوں گا۔''

ایک نیا شگوفہ:

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمہ کا قول بالکل غلط ہے، اس کے بعد ایک اور نیا گل کھِلا، اور سچ ہے کہ جو شخص جتنا خدا کا مقرب ہوتا ہے، وہ مطعونِ خلائق بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ع۔

حسود را چہ کنم کوز خود برنج درست ❶

وہ شگوفہ یہ کہ یاروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام تو عدمِ خلقِ قرآن کے اقراری ہیں، تو یہ الزام دھرا کہ وہ ''لفظِ قرآن'' کے خلق کے قائل ہیں، جس کو حافظ ابن حجر ؒ نے تهذيب التهذيب میں نقل فرمایا ہے:

''كتب إليهما محمد بن يحيىٰ أنه أظهر عندهم أن لفظه بالقرآن مخلوق.''(٩/ ٥٤) ❷

''ابو حاتم اور ابوزرعہ کی طرف محمد بن یحییٰ (امام ذہلی) نے خط لکھ دیا کہ امام بخاری نے یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ لفظِ قرآن مخلوق ہیں۔''

جب امام بخاری کو یہ خبر معلوم ہوئی، تو محمد بن نصر مروزی سے فرمایا، جس کو حافظ ابن حجر ؒ اسی تهذيب التهذيب میں نقل فرماتے ہیں:

''قال محمد بن نصر المروزي: سمعت محمد بن إسماعيل يقول: من قال عني: أني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق، فقد كذب.'' (٩/ ٥٤ و هدى الساري: ٤٩٢) ❸

''جو شخص میری طرف سے یہ مشہور کرے کہ میں نے کہا ہے کہ میرا لفظ قرآن کا مخلوق ہے، تو وہ جھوٹا ہے۔'' مقدمہ فتح الباری میں بھی یوں ہی مرقوم ہے۔

اللہ اکبر! کیسے جھوٹے افتراء و اتہامات خود امام کی زندگی ہی میں ان پر لگائے جا چکے ہیں؟ تو اس پرفتن اور پرآشوب زمانہ میں جو جو الزامات امام والامقام پر لگائے جائیں، سب تھوڑے ہیں، لیکن جھوٹ و افتراء کرنے والوں کو کیا قرآن مجید کی آیت ﴿ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾[آل عمران: ٦١] بھول گئی؟ اسی وجہ سے تو ابوعمرو

❶ حسد کرنے والے کا کیا کروں، وہ تو از خود رنج میں مبتلا ہے!

❷ تهذيب التهذيب (٩/٤٦)

❸ تهذيب التهذيب (٩/٤٦) هدي الساري (ص: ٤٩١)

الخفاف فرمایا کرتے تھے:

"من قال فيه شيئاً، فعليه مني ألف لعنة." (تهذيب: ٩/ ٥٤) ❶

"جو امام بخاری کی شان والاشان میں کچھ بھی الزام رکھے اس پر میری طرف سے ہزار بار لعنت ہے۔"

پس امام کی شان میں گستاخی کرنے والے اور مقلدیت و عدم مجتہدیت کا غلط الزام دھرنے والے خوب متنبہ و خبردار رہیں کہ ان پر بھی یہی ہزار......!

اور کیا ہی سچ ہے کہ

محدث سے زماں کے یہ عداوت ہو اور اس پر
اسلام کا دعویٰ کریں اعدائے بخاری

❶ تهذيب التهذيب (٤٦/٩) هدي الساري (ص: ٤٨٥)

جامع صحیح بخاری

واہ واہ ! کیا پیارا کلمہ اور کیا دُلارا نام ہے؟ سبحان اللہ! جس کی شیرینی اور حلاوت سے زبان سمٹنے لگتی ہے، کیا خوب کسی نے کہا ہے:

لب چپک جاتا ہے کہتا ہے بخاری کوئی
مجھے اس نام سے بڑھ کر اور شیریں کیا ہے؟

لیکن جن کم نصیبوں نے اس کی چاشنی نہیں چکھی، ان کو کیا خبر کہ ایں چیست؟ بمصداق ۔ ع۔

قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی ❶

اور یہی شور بخت بفحوائے " من جھل شیئاً عاداہ "(جو شخص جس کی قدر نہیں جانتا، وہی اس سے عداوت رکھتا ہے) طرح طرح کے اعتراضات فاسدہ والزامات کاسدہ کرتے اور دھرتے ہیں کہ اس کتاب کا کوئی نام لیوا دنیا میں نہ رہے۔

شو ز بختاں بآرزو خواہند
مقبلاں را زوال نعمت و جاہ ❷

اور یہی ہونا بھی تھا، کیونکہ جب خود امام کی ذات ستودہ صفات پر دھبہ لگایا گیا، تو ان کی بے مثل تالیف پر بھی نکتہ چینیاں ہوئیں، جن کی تفصیل آگے دی جا رہی ہے۔

کیا صحیح بخاری کسی کی نقل اور مسروقہ ہے؟

پہلا الزام اور اعتراض کتاب بخاری کے نابود کرنے کے لیے یہ کیا گیا کہ

''یہ کتاب دراصل علی بن مدینی کی کتاب کی نقل ہے، جو امام بخاری کے استاد تھے اور اس کتاب کو پوشیدہ رکھتے تھے، امام بخاری نے ان کی عدم موجودگی میں ان کے بیٹوں کو کچھ گانٹھ لالچ دے کر کتاب مستعار لے کر کاتبوں سے نقل کرا کے واپس دیدی اور اس کو اپنے نام سے مشہور کر کے مقبول اہل جہاں ہوگئے۔''

سبحان اللہ! اس قصے کے آگے تو الف لیلہ اور طلسم ہوشربا کے قصے بھی مات ہوگئے، طرہ یہ کہ ثبوت میں اسی بے دین مسلمہ کا قول پیش کیا جاتا ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے:

❶ بخدا جب تک تو یہ شراب چکھے گا نہیں اس کی قدر نہیں جانے گا۔

❷ بدبخت آرزو کرتے ہیں کہ عزت دار نعمت و مرتبے سے محروم ہو جائیں۔

"قال مسلمة: وألف علي بن المديني كتاب العلل، وكان ضنيناً به، فغاب يوما في بعض ضياعه، فجاء البخاري إلى بعض بنيه، ورغبه بالمال على أن يرى الكتاب يوماً واحداً، فأعطاه له، فدفعه إلى النساخ، فكتبوه له، ورده إليه، فلما حضر علي تكلم بشيء فأجابه البخاري بنص كلامه مرارا، ففهم القضية واغتم لذلك، فلم يزل مغموما حتى مات بعد يسير، واستغنى البخاري عنه بذلك الكتاب، وخرج إلى خراسان، ووضع كتابه الصحيح، فعظم شأنه، وعلا ذكره، وهو أول من وضع في الإسلام كتاباً صحيحاً، فصار الناس له تبعاً بعد ذلك." انتهى (تهذيب التهذيب: ٩/ ٥٤) ❶

''مسلمہ نے کہا کہ علی بن مدینی نے کتاب العلل تالیف کی تھی، اور اس (کے دینے اور سنانے) میں بخل کرتے تھے، کسی دن وہ اپنے کھیت کھلیان دیکھنے گئے، امام بخاری آئے اور ان کے لڑکے کو مال کی لالچ دلا کر یہ کہا کہ ایک روز کے واسطے کتاب مجھے دیکھنے کو دو، لڑکے نے دیدی، امام بخاری نے کاتبوں کو نقل کے لیے دیدی اور نقل کرا کے واپس کر دیا، جب ابن مدینی واپس آئے، تو کسی مسئلہ پر گفتگو کی، جس کا جواب امام بخاری نے بعینہ ان کی کتاب العلل سے دیا، تب وہ اس قصہ کو تاڑ گئے اور بہت غمگین ہوئے، یہاں تک کہ چند روز میں وفات پائی، امام بخاری کتاب العلل کے ملنے سے بے پرواہ ہوگئے اور خراسان آ کر اپنی صحیح البخاری تالیف کی، پس قدر ان کی بلند ہوئی اور ان کا نام مشہور ہوا اور امام بخاری وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام میں صحیح حدیثوں کو جمع کیا، پھر سب لوگ ان کے تابع ہوئے اور ان کے بعد صحیح حدیثیں جمع کیں۔''

گو مسلمہ کا یہ قصہ بھی بالکل غلط ہے، جیسا اوپر کا الزام بحق امام غلط تھا، جس کا ثبوت آگے آتا ہے، لیکن اوپر کے الزام سے اس کو کوئی تعلق نہیں، کیونکہ الزام تو یہ ہے کہ صحیح بخاری علی بن مدینی کی کتاب کی نقل ہے اور مسلمہ کہتا ہے کہ صحیح بخاری تو امام بخاری نے خراسان میں تالیف کی اور نقل کتاب العلل کی کرائی تھی، بلکہ مسلمہ تو امام بخاری کو جامع بخاری کا اول مؤلف قرار دیتا ہے۔ ع۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ❷

علاوہ بریں ابن مدینی کا کتاب العلل کے ساتھ بخیلی کرنا بھی سفید جھوٹ ہے، اس لئے کہ ہزاروں طلبہ نے اس کو نقل کیا اور ابن مدینی سے روایت کیا ہے، پھر اس سے بخل کرنا اور خاص امام بخاری سے چھپانا کیا معنی؟ اور پھر ابن مدینی کی وفات کے وقت امام بخاری کا وہاں رہنا بھی غلط ہے، غرض ابن حجر نے اس موضوع قصہ کا خوب جواب دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٤٦)

❷ دیکھیں کس قدر فرق ہے۔

" وأما القصة التي حكاها فيما يتعلق بالعلل لابن المديني، فإنها غنية عن الرد لظهور فسادها، وحسبك أنها بلا إسناد، وأن البخاري لما مات علي كان مقيما ببلاده، وأن العلل لابن المديني قد سمعها منه غير واحد غير البخاري، فلوكان ضنينا بها لم يخرجها، إلى غير ذلك من وجوه البطلان لهذه الأخلوقة، والله الموفق."❶

(تهذیب التہذیب: ۹/۵۵)

''اور وہ قصہ جس میں ابن مدینی کی کتاب العلل کا ذکر کیا ہے، (اور یہ کہ ابن مدینی اس کتاب کو چھپائے رکھتے تھے) اس کے رد کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کا بے اصل ہونا ظاہر ہے، باوجودیکہ وہ بے سند بھی ہے، اور ابن مدینی کی وفات کے وقت امام بخاری اپنے مکان پر تھے، (نہ کہ ابن مدینی کے پاس جیسا کہ مسلمہ نے کہا ہے) اور کتاب العلل ابن مدینی کی (کوئی نادر کتاب نہیں ہے بلکہ) اس کو بہت سے آدمیوں نے روایت کیا ہے (اور خاص مؤلف سے اس کی نقل لی ہے) پس اگر ابن مدینی بخیل ہوتے، تو دوسرے لوگوں کو نہ دیتے، اس کے سوا اور بھی بہت سے وجوہ ہیں، جن سے یہ مصنوعی حکایت باطل ہوتی ہے۔''

ان وجوہات میں سے چند میں ذکر کرتا ہوں، اور ایک خود مسلمہ کے منہ سے، جس کو حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے:

"قال: وسمعت بعض أصحابنا يقول: سمعت العقيلي: لما ألف البخاري كتابه الصحيح، عرضه على ابن المديني ويحيىٰ بن معين وأحمد بن حنبل وغيرهم، فامتحنوه، وكلهم قال: كتابك صحيح... الخ."❷ (تهذيب: ٩/ ٥٤)

''مسلمہ بروایت بعض اصحاب عقیلی کا قول نقل کرتا ہے کہ امام بخاری جب اپنی صحیح کو تالیف کر چکے، تو اس کو ابن مدینی وابن معین اور امام احمد کے سامنے پیش کیا، انہوں نے جانچ کی اور کہا تیری کتاب صحیح ہے۔''

اس سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

اول۔ یہ کہ صحیح بخاری ابن مدینی کی وفات سے پہلے تالیف ہوئی، نہ بعد از وفات، جیسا کہ مسلمہ کے قول سے ثابت ہے۔

دوئم۔ یہ کہ خراسان میں تالیف نہیں ہوئی، جیسا کہ مابین الرکن و مقام ابراہیم کی تصریح دوسری جگہ موجود ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ پس مسلمہ کا یہ قول بھی غلط ہوا کہ خراسان میں آکر لکھی۔

سوم۔ یہ کہ صحیح بخاری اگر ابن مدینی کی کتاب کی نقل ہوتی، تو وہ پہچان جاتے اور اس کو "كتابك" (تیری کتاب) نہ فرماتے، اور پھر اس کو صحیح بھی فرمایا۔

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٤٦)

❷ تهذيب التهذيب (٤٦/٩)

چہارم۔ باوجود ان معائب کے مسلمہ نے کہیں تصریح نہیں کی کہ صحیح بخاری اسی کی نقل ہے، بلکہ برخلاف اس کے مسلمہ کی یہ بات بالتصریح موجود ہے کہ اول صحیح کتاب، جو اسلام میں فن حدیث میں لکھی گئی، وہ صحیح بخاری ہے۔
اب یہ دیکھئے کہ خود علی بن مدینی امام بخاری کو کس رتبہ اور درجہ کا سمجھتے تھے؟ جس سے مسلمہ کے قول کا اور بھی بطلان ثابت ہوجائے گا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسحاق بن احمد کی ایک روایت حامد بن احمد سے نقل کرتے ہیں:

"حدثني حامد بن أحمد قال: ذكر لعلي بن المديني قول محمد بن إسماعيل: ما تصاغرت نفسي عند أحد إلا عند علي بن المديني، فقال: ذروا قوله، ما رأى مثل نفسه،" انتهى.❶

(تهذيب التهذيب: ٩/ ٥٠)

''حامد بن احمد کہتے ہیں کہ ابن مدینی سے کسی نے امام بخاری کا یہ قول ذکر کیا کہ مجھے ابن مدینی کا ہم مقابل نہ ملا، تو ابن مدینی نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ بخاری نے اپنا ہم پلہ نہ پایا۔''

اللہ اکبر! جب علی بن مدینی کا امام بخاری کی نسبت ایسا پاکیزہ خیال ہو، اور امام بخاری بھی ایسا باکمال شخص ہو، تو پھر مسلمہ کا قول یا آج کل کے گپوٹیشن کے ممبروں کی گپ کب حیز تسلیم میں آ سکتی ہے؟ بلکہ اس کا کذب اور غلط ہونا ''كالشمس في نصف النهار في الأمصار'' ظاہر و ہویدا ہے، اصل تو یہ ہے کہ:

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر ❷

صحیح بخاری کی تکمیل بالکمال:

صحیح بخاری کی بابت جب یہ نہایت قوی دلیلوں سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ نہ کسی کتاب کی نقل ہے نہ مسروقہ۔ چنانچہ جب یاروں کو اس سے صورتِ مفر نظر نہ آئی، تو اپنا دل ٹھنڈا کرنے کو یہ بات گڑھی کہ امام بخاری اس کی تکمیل نہ کر پائے تھے، یعنی کامل طور سے اس کو مرتب نہیں کر پائے تھے کہ فوت ہوگئے، اس بات کا واضع قاضی ابو الولید باجی مالکی ہے، (جو کہ آنحضرت ﷺ کے اُمّی ہونے کا قائل نہ تھا، بلکہ کہتا تھا کہ آپ لکھنا پڑھنا سب کچھ بخوبی جانتے تھے۔❸ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور۔ ع۔ " ما كان يعرف ألواحا ولا قلماً "آپ کی شان میں مشہور مصرع ہے) اسی باجی نے یہ بھی کہا کہ موت نے امام بخاری کو اتمام کا موقع نہ دیا، بعض جگہ ترجمة الباب بغیر حدیث رہ گیا اور کہیں حدیث بلا ترجمہ رہ گئی، اس کے لئے بیاض چھوڑے ہوئے تھے، تلامذہ نے، جو اصحاب نسخ تھے، عبارات کو باہم ملا دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ فتح الباری میں اس کو نقل کرتے ہیں:

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٤٣)
❷ خراب آنکھ میں ہنر بھی عیب ہی نظر آتا ہے۔
❸ تفصیل کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء (١٨/ ٥٤١)

"قال أبوالوليد الباجي المالكي في مقدمة كتابه في أسماء رجال البخاري: أخبرني الحافظ أبوذر عبد الرحيم بن أحمد الهروي قال: حدثنا الحافظ أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد المستملي قال: انتسخت كتاب البخاري من أصله الذي كان عند صاحبه محمد بن يوسف الفربري، فرأيت فيه أشياء لم تتم، وأشياء مبيضة، منها تراجم لم يثبت بعدها شيئاً، ومنها أحاديث لم يترجم لها، فأضفنا بعض ذلك إلى بعض." (1) (هدي الساري: ٦ مصرى)

''ابو ولید باجی مالکی نے اپنی بخاری کے اسماء رجال کے متعلق کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ مجھ کو ابوذر عبدالرحیم ہروی نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھ سے حافظ ابو اسحاق ابراہیم مستملی نے حدیث بیان کی اور کہا کہ میں نے کتابِ بخاری کی نقل اس کی اس اصل سے کی ہے، جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی، جو امام بخاری کے ساتھی اور شاگرد ہیں، پس میں نے اس میں چند چیزیں ناتمام دیکھیں اور چند بیاض (سادہ ورق)، بعض جگہ ترجمہ باب تھا اور حدیث کوئی نہیں اور بعض جگہ حدیثیں تھیں، ان کا باب نہیں تھا، پس ہم نے ان سب کو باہم ملا دیا۔''

میرے نزدیک یہ واقعہ بالکل صحیح نہیں، بلکہ غلط اور حیز تسلیم میں آنے کے قابل نہیں، بچند وجوہ:

أولاً: اس لئے کہ باجی کا یہ تکلف محض اس لئے ہے کہ اکثر جگہ جامع صحیح میں ظاہر حدیثوں کو ترجمہ باب سے مطابقت نہیں ہے۔ (جیسا کہ ظاہر کے لحاظ سے ہمارے ڈاکٹر عمر کریم بھی معترض ہیں) لیکن ایسے ظاہری لوگ مطابقت کی تعریف اور طریقے سے ناآشنا ہیں، جن کو خدا نے فہم در حدیث بخشا ہے، ان پر روشن ہے کہ صحیح بخاری کی تمام حدیثوں کو ان کے ترجمہ باب سے بیّن مطابقت ہے، جس پر وہ نازاں اور عش عش کرتے ہیں، جس سے امام کے اجتہاد کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ غرض امام بخاری نے ہرگز ایسا نہیں کیا کہ صرف حدیثیں لے آئے اور ترجمہ باب منعقد نہیں کیا یا اس کے برعکس کیا، بلکہ سب کچھ خود مرتب فرما گئے ہیں، حافظ ابن حجر مقدمہ کی فصل ثانی میں فرماتے ہیں:

" تقرر أنه التزم فيه الصحة، وأنه لا يورد فيه إلا حديثاً صحيحاً ...إلى قوله: ثم رأى أن لا يخليه من الفوائد الفقهية والنكت الحكمية، فاستخرج بفهمه من المتون معاني كثيرة، فرقها في أبواب الكتاب بحسب تناسبها ...إلى قوله: قال الشيخ محي الدين ـنفع اللّٰه بهـ: ليس مقصود البخاري الاقتصار على الأحاديث فقط، بل مراده الاستنباط منها، والاستدلال لأبواب أرادها ...إلى قوله: وقد ادعىٰ بعضهم أنه صنع ذلك عمداً." (2) انتهى

(هدي الساري، مصرى: ٦)

---

(1) هدي الساري (ص:٨)

(2) مصدر سابق

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یہ بات ثابت ہے کہ امام نے التزام کیا ہے کہ اس میں سوائے صحیح حدیث کے اور کسی قسم کی روایت نہیں ذکر کریں گے، اور بایں خیال کہ اس کو فوائد فقہی اور حکمت کے نکتہ سے خالی نہ رہنا چاہیے، اپنے فہم سے متن حدیث سے بہت بہت معانی استخراج کئے، جن کو مناسبت کے ساتھ بابوں میں علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے، شیخ محی الدین نے کہا کہ امام کا مقصود فقط حدیث ہی ذکر کر دینا نہیں ہے، بلکہ اس سے استدلال واستنباط کر کے باب مقرر کرنا ہے (انہیں وجوہات سے) بعض نے دعویٰ سے کہا ہے کہ امام نے یہ سب کچھ خود اور قصداً کیا ہے۔''

اس سے صاف ثابت ہے کہ باب وترجمہ واحادیث وغیرہ سب کچھ امام کا خود ہی مرتب کیا ہوا ہے، جس سے ان کے اجتہاد واستدلال کا ثبوت عیاں ہے، لہٰذا زیادہ تر احادیث اوران کے ترجمہ باب میں مطابقت بطریق استنباط ہے، جو مطابقت کی سب سے اعلیٰ اور مشکل قسم ہے۔

ثانیاً: تمام کتب تواریخ وشروح وغیرہ میں صحیح بخاری کی نسبت '' اَلَّفَ وَصَنَّفَ'' وغیرہ کا لفظ مرقوم ہے، جو بخاصیت باب تفعیل قصر فراغت عن التالیف پر دال ہے، جس کا معتبر قرینہ امام کا تکمیل کے بعد ائمہ عصر کی خدمت میں پیش کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

”وقال أبو جعفر محمود بن عمرو العقيلي: لما ألف البخاري كتابه الصحيح، عرضه على أحمد بن حنبل ويحيىٰ بن معين وعلي بن المديني وغيرهم، فاستحسنوه وشهدوا له بالصحة“. (هدى الساري، ص: ٥، ٤٩١) [1]

''ابوجعفر عقیلی نے کہا کہ جب امام بخاری صحیح بخاری کی تالیف سے فارغ ہوئے، تو اس کو امام احمد وابن معین وابن مدینی پر پیش کیا، انہوں نے اس کی تحسین کی اور اس کی صحت کی شہادت بھی دی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری مکمل طور پر مرتب ہو چکی تھی، تبھی تو اس کو محدثین پر پیش کیا، دوسرا یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ ابن مدینی کی زندگی ہی میں تالیفِ بخاری سے فارغ ہوگئے تھے، اور ابن مدینی کا انتقال ۲۳۴ھ میں ہوا ہے، اس کے بعد امام بخاری نے بائیس سال زندہ رہ کر ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا، پس یہ اعتراض کیسا غلط اور کذب محض ہے کہ '' موت نے امام بخاری کو اتمام کا موقع نہ دیا، بلکہ وہ قبل تالیف فوت ہوگئے۔'' نیز امام احمد پر پیش کرنے کا ذکر بھی موجود ہے اور ان کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا ہے، اس کے بعد امام بخاری پندرہ سال تک زندہ رہے۔ نیز صحیح بخاری کو پوری کر کے یحییٰ بن معین پر پیش کرنے کی بھی تصریح ہے، اور ابن معین کا انتقال ابن مدینی سے ایک سال پہلے ۲۳۳ھ میں ہوا ہے، ان کے بعد امام بخاری ۲۳ سال تک زندہ رہے۔ پس ثابت ہوا کہ امام بخاری اپنی وفات

---

[1] هدي الساري (ص: ٧، ٤٨٩)

سے بہت سالوں پیشتر اپنی جامع صحیح کی تکمیل سے فارغ ہو چکے تھے، وهو المطلوب۔ علی ہذا القیاس مرقاۃ میں ہے:

" فلما كمّله عرضه على مشايخه ...إلى قوله: استحسنوه وشهدوا بصحة كتابه، وأنه لا نظير له في بابه." (مرقاة: ١/ ١٥) ❶

''جب امام بخاری اپنی جامع کی تکمیل کر چکے، تو اس کو اپنے مشائخ پر پیش کیا، ان لوگوں نے اس کی تحسین کی اور صحت کی شہادت دی اور اس کی بھی کہ بے نظیر ہے۔''

اس عبارت میں لفظ " كمّله "بصراحت تکمیل بالکمال پر دال ہے، نیز اس عبارت میں اسماءِ مشائخ میں اسحاق بن راہویہ کا بھی نام ہے اور ان کا انتقال ۲۳۸ھ میں ہوا ہے، ان کے بعد امام بخاری اٹھارہ سال تک زندہ رہے، اس سے بھی اس اعتراض کا بیّن ابطال ہوتا ہے۔

ثالثاً: امام بخاری کا تکمیل وفراغت کے بعد نظر ثانی اور نظر ثالث کرنا بھی ثابت ہے، مرقاۃ میں ہے:

" روي عن وراق البخاري أنه قال: قلت للبخاري: جميع الأحاديث التي أوردتها في مصنفاتك، هل تحفظها؟ فقال: لا يخفىٰ عليّ شيءٌ منها، فإني قد صنفتُ كتبي ثلاث مرات، و كأنه أراد بالتكرار التبييض والتنقيح." انتهى (مرقاة شرح مشكوة، مصرى: ١/ ١٣) ❷

''وراق کہتے ہیں: میں نے بخاری رحمہ اللہ سے کہا: جو حدیثیں آپ اپنی تصنیف کردہ جامع بخاری میں لائے ہیں، سب آپ کو یاد ہیں؟ امام نے فرمایا: مجھ پر اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے، اس لئے کہ میں تین بار اس پر نظر کر چکا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ امام نے اس پر نظر ثانی وثالث کر کے اس کی تنقیح کر کے پوری طور سے مرتب کر کے تکمیل کر دی تھی۔

رابعاً: امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے شاگردوں سے اپنی جامع صحیح کی بابت یہ فرمانا کہ:

"ما وضعت في كتابي الصحيح حديثاً إلا اغتسلت... الخ". (تهذيب: ٩/ ٤٩ و مرقاة وغيره) ❸

''میں نے اپنی کتاب جامع صحیح میں بغیر غسل کئے اور بغیر دو رکعت نماز پڑھے کوئی حدیث داخل نہیں کی۔''

یہ اس امر پر صاف طور پر دال ہے کہ امام اپنی جامع صحیح کو بصورت کتاب مرتب ومکمل کر کے گئے تھے اور ہزارہا تلامذہ کو اس کا درس دیا تھا، كما لا يخفىٰ.

خامساً: امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کی جو وجہ مشہور ہے کہ خالد بن محمد ذہلی گورنر بخارا نے امام کے پاس یہ

---

❶ مرقاة المفاتيح (١/ ٣٧)

❷ مرقاة المفاتيح (١/ ٢٩، ٣٠)

❸ تهذيب التهذيب (٤٢/٩) مرقاة المفاتيح (١/ ٢٩)

پیغام بھیجا تھا کہ:

''أن یحضر منزله فیقرأ الجامع و التاریخ علی أولاده، فامتنع ... الخ.''❶

(تھذیب :٥٢/٩ و مرقاۃ جلد أول وغیرہ)

''میرے مکان پر آ کر بچوں کو اپنی جامع بخاری اور تاریخ کبیر پڑھا جایا کرو، امام نے نہ مانا۔''

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اپنی جامع کی ترتیب علیٰ وجہ الکمال کر چکے تھے۔علاوہ بریں اور بھی دلائل ہیں، جو بخوف طوالت نقل نہیں کیئے جائیں گے، مثلاً اس کی تکمیل کے بعد اس کی مختلف نقلیں وغیرہ وغیرہ، اور اختلاف نسخ کی وجہ اس کی یہی مختلف نقلیں ہیں، یہ نہیں کہ تلامذہ نے مختلف ابواب و تراجم بیاض میں زیادہ کر دیئے۔

وهل هذا إلا سفسطة، لا يرضىٰ به أرباب العقول والعلماء الفحول، إنما يتذكر به أولوا الألباب، والله أعلم.

اسمي ويحك هل سمعت بغدرة رفع اللواء لنا بها في المجمع❷

عینی حنفی:

قاضی محمود بن احمد بدرالدین حنفی، جو حافظ ابن حجر کا ہم عصر بلکہ رشتہ دار تھا، نہایت متعصب شخص تھا، جس پر مولوی عبدالحی حنفی مرحوم کو بھی لکھنا پڑا کہ:

''لو لم يكن فيه رائحة التعصب المذهبي لكان أجود وأجود.'' (الفوائد البهية: ٧٦)

''اگر اس میں مذہبی تعصب کی بو نہ ہوتی، تو نہایت عمدہ شخص تھا۔''

جب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کی تالیف شروع کی، تو عینی کو نہایت حسد ہوا، لیکن خود فن حدیث میں اتنی استعداد نہیں رکھتا تھا کہ حدیث اور خصوصاً بخاری کی شرح لکھے، حافظ کے ایک معمولی شاگرد برہان بن خضر نامی کو ساٹ کر فتح الباری کے اجزاء منگواتا اور زیادہ تر اس سے اور کچھ رکن الدین احمد بن محمد قریمی کی شرح سے چرا کر عمدۃ القاری شرح بخاری تیار کرتا، جیسا کہ ملا کاتب چلپی لکھتے ہیں:

''واستمد فيه من فتح الباري بحيث ينقل منه الورقة بكمالها، وكان يستعيره من البرهان بن خضر، و تعقبه في مواضع، وطوله بما تعمد الحافظ ابن حجر حذفه من سياق الحديث بتمامه ... الخ. (كشف الظنون: ١/ ٣٦٧ مصرى)❸

''اور عینی نے اپنی شرح میں فتح الباری سے مضامین لئے ہیں، اس طرح پر کہ سارے ورق کی پوری طور

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/٤٤) مرقاة المفاتيح (١/ ٣٣، ٣٤)

❷ کیا تم نے ہمارے متعلق کسی ایسی غداری کا سنا ہے، جس کی وجہ سے مجالس میں ہمارے جھنڈے لگے ہوں؟

❸ كشف الظنون (١/٥٤١)

سے نقل کی ہے اور فتح الباری برہان بن خضر کے ذریعہ سے ہاتھ لگتی تھی، عینی نے اپنی شرح میں (بوجہ منافرت و معاصرت) فتح الباری پر بعض جگہ تعاقب کیا ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے قصداً حذف کر دیا تھا، اس کو بیان کر کے مضمون کو طول دے دیا ہے۔''

فتح الباری سے نقل کرنا منع تو نہیں ہے، لیکن عینی کو منقول عنہ کا حوالہ دینا ضروری تھا، بخلاف اس کے عینی فتح الباری کا ذکر تک نہیں لاتے۔ علاوہ بریں ملا چلپی نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ بعض فضلاء نے حافظ ابن حجر سے کہا کہ عینی کی شرح نوادرات میں آپ کی شرح سے ترجیح لے گئی، تو حافظ ابن حجر نے اسی وقت فرمایا:

"هذا شيء نقله من شرح لركن الدين، وقد كنت وقفت عليه قبله، ولكن تركت النقل منه لكونه لم يتم، إنما كتب منه قطعة ...إلى قوله: ولذا لم يتكلم العيني بعد تلك القطعة بشيءٍ من ذلك". انتهى (كشف الظنون: ١/ ٣٦٨)

''عینی نے سب رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے، جس پر میں پہلے ہی سے واقف تھا، لیکن چونکہ وہ شرح پوری نہ تھی، اس لئے میں نے اس سے کچھ نقل نہیں کیا (اور نہ مجھے ضرورت ہے) رکن الدین نے تو صرف ایک ٹکڑا کی شرح لکھی تھی، اسی وجہ سے اس ٹکڑے کے بعد عینی کچھ نہ لکھ سکے۔''

معلوم ہوا کہ اگر فتح الباری بھی تکمیل کو نہ پہنچتی، تو عینی کی شرح بھی ناتمام رہ جاتی، چہ جائیکہ عینی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مرہون منت ہونا چاہیے تھا، لیکن ہم زمانہ ہونے کی وجہ سے ایسی منافرت ہوئی کہ حافظ پر ہاتھ چھوڑ دیا اور جس سے مضمون لیا اسی پر اعتراض کر دیا۔ اسی کو کہتے ہیں: جس برتن میں کھائے، اسی میں سوراخ کرے!

سچ عرب کا مقولہ مشہور ہے: " المعاصرة أصل المنافرة" اور تعصب نے یہ رنگ پکڑا کہ بہت سے مقامات پر امام بخاری رحمہ اللہ پر بھی اعتراض جمایا۔ ''چمگادڑ کی آنکھ اور آفتاب سے مقابلہ!''

اور لطف یہ کہ ان اعتراضات کی بناء علمی تحقیق پر نہیں ہے، چنانچہ ہمارے مقابل ڈاکٹر عمر کریم جو کچھ امام بخاری رحمہ اللہ یا ان کی جامع صحیح پر اعتراض کرتے ہیں، وہ اکثر عینی کے اعتراضات کا نتیجہ بلکہ اسی کی نقل ہوتی ہے، اس کے جواب کا لطف تو ان شاءاللہ آگے مدافعت عن الجروح کے مضامین میں آئے گا، نمونہ کے طور پر ہم ایک مثال ذکر کرتے ہیں:

صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے: " قال أبو عبد الله: إستيأسُوا: افتعلوا"[1] یعنی امام بخاری رحمہ اللہ

---

[1] صحيح البخاري مع العمدة (٣٨٦/٧) صحیح بخاری کی اکثر روایات میں "استيأسوا: استفعلوا" ہے، یعنی "استيأسوا" کا وزن باب استفعال سے بیان کیا گیا ہے، جسے حافظ ابن حجر اور قسطلانی وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: إرشاد الساري (٢٩٩/٥) فتح الباري (٤٢٠/٦)

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں جو " استیأسوا " وارد ہے، وہ دیکھنے میں تو باب استفعال سے ہے، جس کے معنی میں طلب ہوتا ہے، لیکن یہاں مراد طلب نہیں ہے، بلکہ وہ معنی میں باب افتعال کے ہے، چنانچہ فصول اکبری وغیرہ کتب صرف میں بھی مرقوم ہے کہ باب استفعال افتعال کے معنی میں بھی آتا ہے، [1] جیسے "استعصم" معنی میں " اعتصم" کے ہے۔ عینی حنفی کو کیا غلطی ہوئی کہ سمجھ گئے کہ امام بخاری ♋ کی مراد اظہار وزن و اشتقاق ہے، لیکن علم صرف نہ جاننے کے سبب ان سے غلطی ہوگئی، چنانچہ فرماتے ہیں:

" والظاهر أن مثل هذا من قصور اليد في علم التصريف ." (عمدة القاري: ٧/ ٣٨٦) [2]

''امام کا ہاتھ علم صرف میں قاصر ہے، جس کا یہ نمونہ ہے۔''

حالانکہ اسی سے ثابت ہوا کہ عینی کا ہاتھ علم صرف میں قاصر ہے ، کیونکہ امام بخاری ♋ جو فرما رہے ہیں بعینہ وہی بات کتب صرف ولغت میں موجود ہے۔ یہ ہے امام بخاری ♋ پر عینی کے لایعنی اعتراضات کا نمونہ! چنانچہ بہت بسط سے اس بحث کی تفصیل ان شاء اللہ اس کے مقام پر آئے گی۔ نیز معلوم ہوا کہ عینی کے اعتراض کی بناء علمی تحقیق پر نہیں ہے۔ اب ہم حافظ ابن حجر پر ان کے اعتراض کا نمونہ ذکر کر کے ان کی علمی بضاعت کی قلعی کھولتے ہیں۔ اس سے قبل ہم ایک حکایت ذکر کرتے ہیں، بستان المحدثین میں ہے کہ:

حافظ ابن حجر کے عہد میں سلطان وقت نے جب مدرسہ مؤیدیہ بنوایا، تو اس کے میناروں میں سے برج شمالی کی مینار جھک کر گرنے کے قریب ہوئی، سلطان نے اس کو گرا کر اسی وقت دوسری نئی تیار کرنے کا حکم دیا، اس کے نیچے عینی صاحب بیٹھے درس میں مشغول تھے، حافظ ابن حجر نے فی البدیہہ ایک قطعہ نظم کر کے بادشاہ کو سنایا، جس کا آخری مصرع یہ ہے:" فليس على جسمي أضر من العيني "عینی سن کر بڑے غصہ میں ہوا، لیکن خود اتنی استعداد نہ تھی کہ اس رباعی کا جواب دے، ایک مشہور شاعر نواجی کو بلوایا اور اس سے حافظ کے قطعہ کا جواب بنوایا۔ (ص:۱۱۴) [3]

حافظ ابن حجر کے مقابلہ میں یہ تو ان کی استعداد تھی، اور حافظ ہی پر اعتراض کرتے ہیں! جس کی تفصیل کے لیے ہم اپنے مکرم مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی ایک تحریر مع شئے زائد جریدہ ''اہل حدیث'' (مجریہ ۲۸ محرم ۲۸ھ) سے نقل کرتے ہیں اور جن عربی عبارات کا ترجمہ نہیں ہے، ان کا ترجمہ بھی افادۂ عام کے لیے کر دیں گے، پس ناظرین انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں، اور وہ یہ ہے:

صحیح البخاری کتاب الوصایا میں حضرت عبداللہ بن عمر ♦ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ♏ نے فرمایا:

---

[1] فصول اکبری (ص:۴۱) نیز دیکھیں: لسان العرب (٦/٢٦٠) القاموس المحيط (٤/٦٦٨)

[2] عمدة القاري (١٥/ ٢٨١)

[3] بستان المحدثين (ص: ٣٠٥)

"عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ما حق امرئ مسلمٍ، له شيء يوصي فيه، يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده." [1] (بخاری: ۱۱: ۱/ ۳۸۲)

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اس میں وصیت کرنی چاہے تو اسے لائق نہیں کہ دو راتیں بھی گزارے، مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو۔''

اس حدیث میں لفظ "یبیت" کے محلِ اعراب میں شرّاحِ حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ "یبیت" بتقدیر "أن" مصدریہ ما نافیہ کی خبر ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ "یبیت" صفت ہے، امرئ کی یا مسلمٌ کی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله: يبيت، كأن فيه حذفاً، تقديره: أن يبيت، وهو كقوله تعالىٰ: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ﴾ [2] الآية، ويجوز أن يكون "يبيت" صفة لمسلم، وبه جزم الطيبي قال: هي صفة ثانية." انتهى [3]

(فتح الباری: ۱۶/ پ ۱۱)

''یبیت کے پہلے أن محذوف ہے، جیسے آیت قرآن ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ﴾ میں ''یریکم" کے پہلے "أنْ" محذوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ "یبیت" صفت ہے "مسلم" کی، اور یہی طیبی نے کہا ہے کہ یہ صفت ثانیہ ہے۔''

اب دیکھئے کہ عینی (جو علامہ کہلاتے ہیں!) اس کے متعلق کیا لکھتے ہیں:

" قوله: يبيت ليلتين: جملة فعلية، وقعت صفة أخرى لامرئ، وقال بعضهم: يبيت كأن فيه حذفًا، تقديره أن يبيت، وهو كقوله تعالىٰ: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ﴾ انتهى، قلت: وهذا القياس فاسد، وفيه تغيير المعنىٰ أيضاً، وإنما قدر أن في قوله: يريكم، لأنه في موضع الابتداء، لأن قوله: ومن ايته، في موضع الخبر، والفعل لا يقع مبتدأ، فيقدر أن فيه حتى يكون في معنى المصدر، فيصح حينئذ وقوعه مبتدأ، فمن له ذوق من العربية يفهم هذا، ويعلم تغيير المعنى فيما قال." انتهى [4] (عینی: ۶/۴۷۳)

''یبیت جملہ فعلیہ ہے، امرئ کی صفت ثانیہ واقع ہوئی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے پہلے اَنْ پوشیدہ ہے، جیسے آیت ''یریکم" میں، (عینی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں، یہ قیاس فاسد ہے، نیز اس میں معنیٰ

[1] صحيح البخاري: كتاب الوصايا، باب الوصايا...، رقم الحديث (٢٥٨٧) صحيح مسلم: كتاب الوصية، رقم الحديث (١٦٢٧)

[2] الروم: ٢٤

[3] فتح الباري (٥/٣٥٧)

[4] عمدة القاري (١٤/ ٢٨)

بدل جاتا ہے، اور یریکم میں اَن اس لئے مقدر ہے کہ وہ مبتدا کی جگہ میں ہے اور و من اٰیاته خبر (مقدم) ہے، اور فعل چونکہ مبتدا نہیں ہوتا، اس لئے اس کے پہلے اَن مقدر مانا گیا کہ مصدر کے معنی میں ہو کر اس کا مبتدا ہونا صحیح ہو، جس کو عربیت کا ذوق ہوگا، وہ اس کو خوب سمجھ لے گا اور معنی کے بدل جانے کو سمجھے گا۔"

عینی کی اس عبارت میں "بعضھم" سے مراد حافظ ابن حجر ہیں، جن کی عبارت منقولہ اوپر گزر چکی ہے۔

سبحان اللہ! عینی کو مذاقِ عربیت کا بھی دعویٰ ہوگیا؟ اے لو! مینڈکی کو بھی زکام ہوا، ان کی جو خبر سندھی حنفی نے لی ہے اور اس مذاق عربیت پر جو مذاق اڑایا ہے، وہ عجیب لطیفہ ہے، جس کو ہم آخر میں ذکر کریں گے، ان شاء اللہ! ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو دو ترکیبیں لکھی ہیں، وہی عینی نے ترتیب بدل کر لکھ دی ہے، جن میں ایک کو پسند کیا لیکن منقول عنہ کا ذکر نہیں کیا اور دوسری پر حافظ رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کر کے اعتراض کر دیا ہے، اور تحقیق نہیں کی کہ حافظ رحمہ اللہ نے جو "أن" کو مقدر لکھا ہے، وہ دوسری جگہ خاص اسی حدیث میں بالتصریح مذکور ہے، چنانچہ سنن نسائی اور ابن ماجہ میں ہے:

"عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ما حق امرئ مسلم، له شيء يوصي فيه أن يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده." [1]

(كتاب الوصايا، نسائى ٢/ ٥٧٤، مطبوعه نظامى و ابن ماجه،٢/ ١٩٨ فاروقى)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کچھ مال ہو، اس کو بغیر وصیت کئے دو راتیں بھی گزارنی لائق نہیں۔"

ان دونوں صحاح کی کتابوں کی روایتوں میں "یبیت" کے پہلے "اَنْ" صراحتاً موجود ہے اور تیسیر الوصول میں بھی "أن" کی تصریح والی روایت کو نقل کیا ہے، اس سے واضح ہوگیا کہ عینی نے اعتراض کے وقت دیگر روایات کو زیرِ نظر نہیں رکھا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ترکیب پر بوجہ منافرت و معاصرت اعتراض کر دیا ہے، جو بالکل غلط ہے۔ع۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

دیگر یہ کہ دوسرے شرّاح حدیث نے اس اعتراض میں قاضی عینی کی موافقت نہیں کی، بلکہ بے طرح تردید کی ہے، ہم صرف ایک عینی کے ہم مذہب ہی کا قول پیش کرتے ہیں، یعنی علامہ سندھی حنفی حاشیہ بخاری، مطبوعہ مصر میں اسی حدیث کی ترکیب میں فرماتے ہیں:

"الفعل أعني: يبيت، بمعنى المصدر خبر عن الحق، إما بتقدير أن أو بدونها، ومثله قوله

---

[1] سنن النسائي: كتاب الوصايا، الكراهية في تاخير الوصية، رقم الحديث (٣٦١٥) سنن ابن ماجه: كتاب الوصايا، باب الحث على الوصية، رقم الحديث (٢٦٩٩) مسند أحمد (٢/ ١٠) المعجم الأوسط (١/ ١٢٣) مسند الشاميين (٢/ ٣٧٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

تعالیٰ: ﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ﴾ وعلى القول بتقدير أن، يجوز نصبه كما هو شأن أن المقدرة في جواز العمل، والباعث على تأويله بالمصدر أن جملة يبيت لا تصلح أن تكون خبراً عن الحق، ولا ضمير فيه يرجع إلى الحق، ويدل على التأويل رواية النسائي: أن يبيت، فصرح بأن المصدرية، **وقول العيني**: إن التأويل يغير المعنىٰ ولا حاجة إليه، ناشيء عن قلة التدبر في المعنىٰ والقواعد، والعجب أنه قال: إن من له ذوق بالعربية يفهم لكل ما ذكرناه، مع أن من له ذوق يشهد ببطلان قوله." انتهى (سندھی، مصری: ۸۵/۲) [1]

''فعل یبیت مصدر کے معنی میں ہے، اور حق کی خبر ہے، مصدر اس کو اس کے پہلے أن مقدر مان کر کہا جائے یا أن کے سوا، اَن کی صورت میں مثل قول خدا "يريكم" کے ہوگا، اور اس حالت میں یبیت کو نصب پڑھنا جائز ہوگا، جیسا کہ أن مقدرہ کا عمل ہے اور وجہ اس کو بتاویل مصدر ماننے کی یہ ہے کہ یبیت جملہ فعلیہ خبر نہیں ہوسکتا، نہ اس کی ضمیر حق کی طرف لوٹ سکتی، نیز اس تاویل پر نسائی کی روایت "أن یبیت" مصرحہ بأن شاہد و دال ہے اور عینی کا قول کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اس سے معنی بدل جاتا ہے، یہ ان کے معنی اور قواعد میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، اور تعجب ہے کہ فرماتے ہیں: جس کو عربیت کا ذوق ہوگا، وہ اس کو سمجھ لے گا، حالانکہ جس کو ذوقِ عربیت ہے، وہ اس کے بطلان کی شہادت دیتا ہے۔''

اے سبحان اللہ! علامہ سندھی نے اس عبارت میں اَنْ مقدر والی ترکیب کو درست لکھا ہے اور تائید میں نسائی والی روایت کا حوالہ دیا ہے، جو اوپر گزر چکی اور عینی کے اعتراض کا سبب معنی اور قواعد میں تدبر کی کمی کو قرار دیا اور مذاقِ عربیت کو اس کے برخلاف شاہد گزار کر ان کے قول کو باطل کہا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ سخت تردید ہوسکتی ہے؟ اور اس کے آگے عینی کی اختیار کردہ ترکیب یعنی "یبیت" کے صفت ہونے کی بھی تردید کی ہے، گویا جس ترکیب کو قاضی عینی نے صحیح سمجھا تھا، اسے رکیک کہا اور جسے انہوں نے غلط قرار دیا تھا، اسی کو صحیح کہا ہے!

علامہ سندھی کی طرح زرقانی شارح موطا امام مالک ؒ نے بھی اس حدیث کے ذیل میں "أن" کی ترکیب کو بحوالہ سنن نسائی درست رکھا ہے اور عینی کے اعتراض کو مردود قرار دیا ہے، بلکہ ان کے قول "هذا قياس فاسد" کا فساد بھی ظاہر کیا ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس کو سارا نقل کر دیتا، ہاں حوالہ ضرورت بتلا دوں گا۔ (ملاحظہ ہو: زرقانی: ۳/ ۲۲۸)

اسی طرح علامہ قسطلانی (بتشديد اللام) نے بھی إرشاد الساري شرح بخاری (۳/۵) میں عینی کے اس قول کی بڑے زوروں سے تردید کی ہے، اسی طرح روح التوشيح حاشیہ صحیح بخاری میں بھی یبیت کی تقدیر ''أن يبيت" لکھی ہے، اور حضرت حجت الہند شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ؒ نے بھی مصفی ترجمہ موطاً میں اس حدیث کا ترجمہ

[1] حاشية السندي على البخاري (۲/ ۲۳۰)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

بتقدیر اَنْ کیا ہے، اور شیخ الاسلام نے بھی ترجمہ فارسی بخاری میں ترجمہ بتقدیر اَنْ کیا ہے، اور مولوی عبدالحی حنفی مرحوم نے بھی تعلیق ممجد میں دونوں ترکیبیں نقل کی ہیں اور ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مشکوۃ (۳/ ۳۹۷) میں یبیت کی تقدیر اَنْ یبیت لکھی ہے۔ ❶ غرض کہاں تک حوالے دیے جائیں اور تا کجا ان کی نقل ہو؟ ع۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی ❷

اس بیان سے مثل آفتاب نیمروز روشن ہوگیا کہ قاضی عینی میاں جو اعتراض بخاری یا فتح الباری پر کرتے ہیں، اس کی بناء کہاں تک تحقیق پر ہوتی ہے اور دیگر محققین کہاں تک ان سے موافقت کرتے ہیں؟!

اب ہم عینی کا راز زیادہ طشت از بام نہ کریں گے، اس لئے کہ ہمارے ناظرین کے اکتا جانے کا خوف ہے۔ اب ہم اس تمہید کو ناچار ختم کرتے ہیں اور جواب و مدافعت کی طرف متوجہ ہو کر عینی و جمیع معترضین بخاری کو اس رباعی مندرجہ ذیل سے صدائے ہشیار باش کی ٹھوکر لگاتے ہیں۔

وليس قولك من هذا بضائره العرب تعرف من أنكرت والعجم
الله شرّفه قدماً وعظمه جرىٰ بذاك له في لوحه القلم ❸

---

❶ شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك (٤/٧٣) مرقاة المفاتيح (١٠/ ٢١) التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد (٣/ ١١٥)

❷ آخر تک آ گئے ہیں اور بہت ساری باتیں ابھی تک باقی ہیں۔

❸ تیری یہ بات بے ضرر ہے، جس کا تو انکار کر رہا ہے عرب و عجم سب اس سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے روز اول ہی سے اس کی قسمت میں عظمت و شرف لکھ دیا ہے۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

آغازِ کتاب وابتداءِ جواب

مدت سے ارادہ تھا کہ ڈاکٹر عمر کریم کے مضامین جو اخبار ''اہل فقہ'' امرتسر میں، مع مضامین دیگر مبتدعین، شائع ہوئے ہیں، ان کا جواب بصورت رسالہ دیا جائے، تاکہ عرصہ تک کارآمد ہو، لیکن ایک خفیف سی دقت جو اخبار ''اہل فقہ'' کے فائل الٹ پلٹ کرنے کی تھی، وہ خدا کے فضل سے دور ہوگئی، اس طرح پر کہ ''اہل فقہ'' کے بند ہونے کے بعد ڈاکٹر عمر کریم نے خود ان اخباری مضامین کو یکجائی صورت میں کر کے رسالہ بنا دیا اور اس کا نام " كتاب الجرح على البخاري" رکھ کر عبدالغفور نامی کسی مقلد کے نام سے شائع کر دیا۔ گو مجھے مع محصول اس کے سات آنہ پیسے دام بھی دینے پڑے۔ حالانکہ ایک روپیہ تک کے دام کی کتاب یعنی " الأمر المبرم "ڈاکٹر عمر کریم کی خدمت میں مفت جاتی ہے، لیکن نام کی اتنی خوشی ضرور ہوئی کہ مفت کی محنت سے اتنے پیسوں پر ستا چھوٹا اور باعتبار سابق کے اب وہ مشقت نہ اٹھانی پڑی۔ جیسے ہی رسالہ کے ٹائیٹل کے سرے پر نظر پڑی، تو مسلم کی یہ حدیث مرقوم دیکھی:

" قال عليه السلام: لا تكتبوا عني، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه"[1]

معلوم نہیں یہ حدیث کس غرض سے لکھی گئی اور اس سے کیا فائدہ ملحوظ ہے؟ بقول'' مراد شاعر دربطن او''[2] شاید اس سے معترض کی غرض کتب حدیث کی تدوین کو نبی ﷺ کے حکم کے مخالف قرار دینا اور کتابتِ حدیث کو ناجائز ثابت کرنا ہے، تو یہ اس کی فاش غلطی ہے، اس لئے کہ یہ حکم اس وقت تھا، جب قرآن میں اختلاط کا خوف تھا، جب یہ خوف جاتا رہا تو خود آنحضرت ﷺ نے اپنا سابق حکم منسوخ کر کے ابوشاہ یمنی وغیرہ کو کتابتِ حدیث کی اجازت

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الزهد والرقائق، باب التثبت في الحديث وحكم كتاب العلم، رقم الحديث (٣٠٠٤)

نوٹ: معترض نے متنِ حدیث سے پہلے "عليه السلام" کا لفظ ذکر کیا ہے، تو یہاں یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے نام یا ذکر کے ساتھ صلوۃ وسلام دونوں لکھنے یا بولنے چاہیے، حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت: ويكره أيضا الاقتصار على قوله: عليه السلام" نیز کتابتِ حدیث کے آداب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ينبغي له أن يحافظ على كتبة الصلاة والتسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذكره، ولا يسأم من تكرير ذلك عند تكرره، فإن ذلك من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبته وكتبته، ومن أغفل ذلك حرم حظا عظيما. " (مقدمة ابن الصلاح: ١٠٥)

[2] شاعر کی مراد اس کے پیٹ میں ہوتی ہے۔

بخشی۔❶ ملاحظہ ہو: مقدمه ابن الصلاح (ص: ٢٧) نوع: ٢٥ درکتابت حدیث۔❷

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو ♦ نے آپ سے اجازت لے کر سب حدیثوں کو لکھنا شروع کیا،❸ اور حضرت ابوہریرہ ♦ نے تو چند کتابیں بنا ڈالی تھیں۔❹ جس کی بحث قدرے تفصیل کے ساتھ میں نے " الأمر المبرم" (ص: ١١، ١٢) میں کی ہے۔ من شاء فليرجع إليه!

اب میں بعون اللّٰه وتوفيقه رسالہ کے جواب کی طرف توجہ کرتا ہوں اور ناظرین کی آسانی کے لیے معترضین کے اقوال ''قوله'' سے اور اس کا جواب ''أقول'' سے تعبیر کرنے کی تجویز مناسب سمجھ کر پہلے عبدالغفور نامی کے اشتہاری مضامین کا (جو بطور تمہید کتاب ہے) مختصر جواب عرض کر کے معترض قدیم کا جواب باصواب دوں گا۔ إن شاء اللہ!

والرجاء من الناظرين الكرام أن يمنّوا علي بإعفاء الزلل وسد الخلل، لأن باذل الوسع معذور، وجهد المقل مشكور۔

اللهم أعني على أعدائي ولا تعنهم علي، وانصرني ولا تنصر علي، وامكر لي ولا تمكر علي، واهدني ويسر الهدىٰ لي، وانصرني على من بغى على الإمام البخاري، واجعلني مطوّعا لك مخبتاً إليك أوّاها منيبا، واشرح لي صدري ويسرلي أمري، وارزقني قوة في عضدي، وسوقاً في قلمي، واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي، وأيدني بروح القدس!

---

❶ صحيح البخاري: كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، رقم الحديث (٢٣٠٢) صحيح مسلم: كتاب الحج، باب تحريم مكة ...، رقم الحديث (١٢٥٥)

❷ مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠٣) اس حدیث کے متعلق اہل علم نے جمع، نسخ اور ترجیح کے حوالے سے کئی جوابات ذکر کیے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح السنة (١/ ٢٩٤) معالم السنن للخطابي (٤/٤٢) مجموع الفتاوىٰ (١٨/٨) فتح الباري (١/٢٧٥) الأنوار الكاشفة للمعلمي (ص: ٤٣)

❸ صحيح البخاري: كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم الحديث (١١٣) سنن أبي داود: كتاب العلم، باب في كتاب العلم، رقم الحديث (٣٦٤٦)

❹ جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر (١/ ٢٨١)

قوله: مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس ملک ہندوستان میں ایک نیا فرقہ جو اسلام میں پیدا ہوا ہے، جس کا نام عرف عام میں وہابی ہے۔

أقول: ع۔

" فليبك للإسلام من كان باكيا "[1]

ہم بھی آپ کے آنسو پونچھنے میں شریک ہیں، بے شک جیسے حنفی ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، ایسے ہی وہابی محمد بن عبدالوہاب حنبلی کے مقلد ہیں، پس دونوں مقلد آپس میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور ایسے ہی دیگر مقلدین ۔ع۔''رخنہ در دین نبی انداختند ''[2] کے مصداق ہیں۔

قوله: وہ کتابِ بخاری اور امام بخاری کے بہ نسبت بھی ایسے عقائد رکھتے ہیں جو سراسر ضلالت وگمراہی ہے۔

أقول: آپ نے علم عقائد کی کتابیں تو ضرور پڑھی ہوں گی، لیکن کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ صحیح حدیثوں کو بھی صحیح کہنا کونسی کتبِ عقائد میں ضالین کا عقیدہ کہا گیا ہے؟ پھر آپ نے ان عقائد کو کس بناء پر باعث ضلالت سمجھا؟ ع۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند [3]

قوله: اس کا یہ عقیدہ ہے کہ کتاب مذکور آسمانی کتاب کے مثل ہے۔

أقول: آپ اس سفید جھوٹ کا کوئی ثبوت بھی دے سکتے ہیں؟ یا تعصب کی وجہ سے یوں ہی زبانی جمع خرچ ہے؟ اجی جناب! ہنوز آپ نے عبارت مشہورہ " أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري" بھی نہیں سنی؟ اس میں بعدیت کی قید ہے، مثلیت کی نہیں، لہٰذا ہمیں مجبوراً کہنا پڑا: لعنة الله على الكاذبين !

قوله: اور اس میں جس قدر حدیثیں ہیں، وہ سب صحیح بلکہ اصح اور مقبولہ رسول ﷺ ہیں۔

أقول: بے شک اس کی سب حدیثیں "أصح الصحيح" ہیں، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تکمیل کے بعد جب صحیح بخاری ائمہ عصر یعنی علی بن مدینی، امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور یحییٰ بن معین وغیرہ پر پیش کی تو سب نے اس کی صحت کی شہادت دی،[4] اور مقبولہ رسول اللہ ﷺ بھی ہے، جیسا کہ مولوی نور الحق حنفی تیسیر القاری میں فرماتے ہیں:

---

[1] جو اسلام کے لیے رونا چاہے، وہ رو دے!

[2] انہوں نے نبی ﷺ کے دین میں رخنہ ڈالا۔

[3] یہ کام تمھی کر سکتے ہو، مرد ہی ایسا کر سکتے ہیں۔

[4] هدي الساري (ص:٤٨٩)

''ابو زید مروزی گوید کہ درمیان رکن و مقام ابراہیم درخواب بودم پیغمبر ﷺ را دیدم کہ گفت اے ابو زید چرا دریں کتاب مرا درس نمی گوئی، گفتم کہ یا رسول اللہ کتاب تو کدام است؟ گفت کتاب محمد بن اسماعیل بخاری!'' ❶

جیسا کہ ہم نے '' العرجون القديم'' (ص: ٢٤) میں قدرے مفصل لکھ دیا ہے، وہاں دیکھ لیں۔

ہے فرمایا رسول اللہ نے اس کو کتاب اپنی
پڑھے اس کو پڑھائے اور سنائے جس کا جی چاہے

قوله: اور کبھی کسی نے اس کے راوی وغیرہ پر کسی قسم کی کوئی جرح نہیں کی۔

أقول: یہ بات تو غلط ہے، جارحین نے جرح ضرور کی ہے، لیکن چونکہ ان کی جرحیں غیر واقعی اور غلط اور عدم فہم پر مبنی تھیں، اس لئے ان کے جوابات بھی زوروں سے ہوئے۔ ❷ جس صورت سے کہ مخالفین اسلام نے قرآن مجید پر طرح طرح کی جرحیں کیں اور علماء اسلام نے ان کے معقول جوابات دیئے، پس بلحاظ جوابات کوئی جرحیں نہیں رہیں۔

قوله: اور نہ امام بخاری سے اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی واقع ہوئی ہے۔

أقول: ہم اس کے متعلق اوپر مدلل بحث کر آئے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ معصوم تو بے شک نہ تھے، لیکن انہوں نے صرف احادیث صحیحہ کی تدوین کی ہے، اس میں کسی صورت وقوعِ خطا ممکن نہیں، مفصل ورق الٹ کر دیکھ لیں۔

قوله: اور جمیع اہل سنت نے اس کو قبول کر لیا ہے۔

أقول: بے شک محدثین کا سر تو ضرور اس کی قبولیت میں خم ہے، نام کے اہل سنت کا ذمہ نہیں ہے!!

قوله: اور اس پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرے، تو وہ گمراہ اور خارج از اہل سنت ہے۔

أقول: خود تمہارے مولوی رشید احمد مرحوم حنفی نے ایسے لوگوں کو فاسق و مرتد بلکہ کافر اور حق تعالیٰ کا ملعون لکھا ہے۔ دیکھو: ''فتاویٰ رشيديه'' (۲/ ۱۳) اور حضرت حجت الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صحیح بخاری پر لایعنی اعتراضات

---

❶ ''ابوزید مروزی کہتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے فرمایا: اے ابوزید! تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی کتاب کونسی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب''! نیز دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٨٩)

❷ ا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے رجال صحیحین پر امام نسائی وغیرہ کی جرح کا جواب دیا، جسے ان کے شاگرد ابوبکر برقانی نے جمع کیا۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے هدي الساري اور فتح الباري میں رجال بخاری پر اعتراضات کا کافی وشافی جواب لکھا۔

۳۔ حافظ ولی الدین ابو زرعہ نے رجال صحیح بخاری کے دفاع میں ''البيان والتوضيح لمن أخرج له في الصحيح وقد مس بضرب من التجريح '' کے نام سے مستقل کتاب لکھی، جس میں ساڑھے تین سو رواۃ کا ذکر کیا۔

۴۔ علامہ محمد بن اسماعیل بن خلفون نے ''رفع التماري في من تكلم فيه من رجال البخاري'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔

۵۔ علامہ ابوالولید الباجی نے ''التعديل والتجريح لمن خرج عنه البخاري في الصحيح'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔

کرنے والوں کو بدعتی اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج کہا ہے۔ دیکھو: "حجة الله البالغه، مصری" (۱/۱۳۹)۔

قوله: اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ کے مثل مجتہد مطلق تھے۔

أقول: ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ خود علماء احناف نے ان کو مجتہد مطلق مانا ہے، اور یہ بھی واضح کر آئے ہیں کہ ان میں شروط اجتہاد کامل طور سے پائی جاتی تھیں، پھر ان کے ائمہ اربعہ کے مثل مجتہد مطلق ہونے میں کیا شک رہا؟

قوله: اور مثل انبیاء کے معصوم تھے اور ان سے کسی قسم کی غلطی کا وقوع میں آنا ازقسم محالات ہے۔

أقول: یہ دونوں باتیں بالکل افتراء اور سفید جھوٹ نہیں بلکہ سیاہ جھوٹ ہیں، ہم اس عصمت اور وقوعِ خطا کی مکمل بحث اوپر کر آئے ہیں، نیز ابھی اس کا بیان گزرا ہے۔

قوله: اگر اس کو بخاری پرست کہا جائے، تو کچھ بے جا نہ ہوگا ...إلى قوله: بخاری پرستی بدستور باقی رہی۔

أقول: سچ ہے: "کل إناء یترشح بما فیه"[1] امام پرستی اور قبر پرستی والے اگر اپنا عکس دوسرے میں بھی نہ سمجھیں تو ان کے کمال میں دھبہ آئے گا۔ سبحانه عما یقول الظالمون علواً کبیراً!

قوله: امام بخاری ایک مقلد اور سخت متعصب شافعی المذہب شخص تھے۔

أقول: وہی بات یہاں بھی ہے کہ آپ چونکہ مقلد ہیں، اس لئے سارا جہان آپ کو مقلد نظر آتا ہے، ہم اوپر دلیل سے ثابت کر آئے ہیں کہ امام کا مجتہد ہونا جب سب کو مسلّم ہے، تو وہ ہرگز مقلد نہیں ہو سکتے، نیز وہ شافعی بھی نہ تھے، جس کو ہم مفصل طور پر "الریح العقیم" (ص: ۳، ٤) اور "العرجون القدیم" (ص: ۱۲ تا ۱٤) میں لکھ آئے ہیں، اور ان شاء اللہ آگے بھی کچھ لکھیں گے۔

قوله: ان میں اتنا تفقہ بھی نہ تھا، جو ایک معمولی درجہ کے طالب العلم میں ہوتا ہے۔

أقول: اگر اس کو امام ابوحنیفہ کی شان میں کہو تو کسی قدر موزوں بھی ہوگا، امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں یہ کہنا ایسا ہے جیسا کوئی مرتد کہے کہ آنحضرت ﷺ میں قرآن مجید سمجھنے کا مادہ نہ تھا۔ العیاذ باللہ، خاکش بدہن!

قوله: اور کتاب بخاری کسی زمانہ میں بھی صحیح مجرد نہیں مانی گئی اور نہ اس کے اصح الکتب ہونے پر کبھی اجماع ہوا۔

أقول: یہ بالکل غلط اور واقعہ کے خلاف ہے، سلف سے لے کر خلف تک کی کتابیں بھری پڑی ہیں، جیسا کہ کچھ عبارتیں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور اس کے اصح الکتب ہونے پر ہم اپنے مختلف رسائل میں اجماع ثابت کر چکے

---

[1] ہر برتن سے وہی برآمد ہوتا ہے، جو اس کے اندر موجود ہے۔

ہیں، شرح نخبہ وغیرہ دیکھ لو۔ [1]

قوله: ہر زمانہ میں بڑے بڑے ائمہ دین اور محدثین اس پر جرح و اعتراض کرتے آئے۔

أقول: ان پر سخت تعاقب اور ان کے معقول جوابات بھی دیئے گئے۔

قوله: اس میں نہ صرف فن حدیث کی بلکہ صرفی اور نحوی وغیرہ غلطیاں بھی کثرت سے واقع ہوئی ہیں۔

أقول: یہ بالکل جھوٹ ہے، جن کو صرف و نحو آتی نہ تھی، یا قدرے واقف تھے ان کو بوجہ عدم علم کے غلطی معلوم ہوئی، یہ ان کا اپنا قصور ہے نہ بخاری ؒ کا، جس کا نمونہ ہم نے عینی کے بیان میں پیش کیا ہے۔

قوله: اور بھی اس میں بہت سی نا قابل قبول روایات اور اہل ہویٰ روات موجود ہیں۔

أقول: بالکل غلط ہے، اس کی کل روایات مقبول ہیں اور اس کے روات ثقہ عادل اور حجت ہیں، "الأمر المبرم" کا مطالعہ کرو۔

قوله: خود امام بخاری نے بھی کبھی اس کو اصح الکتب اور اس کی سب حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا اور نہ اس کی سب حدیثوں کو اپنا معمول بہ ٹھہرایا۔

أقول: یہ بھی مثل سابق بالکل غلط ہے، امام بخاری ؒ کا خود اپنا بیان ہے:

"ما أدخلت في كتابي الجامع إلا ما صح. [2] (مقدمه ابن صلاح:٨)

''یعنی میں نے اپنی جامع بخاری میں سوا صحیح حدیث کے اور ذکر ہی نہیں کیا۔''

علیٰ ہذا القیاس سب احادیث کے معمول بہ نہ ٹھہرانے کا قول بھی غلط اور بے ثبوت ہے۔

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٠) معترض نے مذکورہ بالا کلام میں صحیح بخاری کے متعلق دو امور کا انکار کیا ہے:

۱۔ ''کسی زمانے میں کتابِ بخاری مجرد صحیح نہیں مانی گئی۔'' یہ بات حقیقت کے خلاف اور جہالت کا شاہکار ہے، کیونکہ یہ بات تو اصول حدیث کی عام اور متداول کتب میں بالتصریح موجود ہے۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں: "أول مصنف في الصحيح المجرد صحيح البخاري " ان الفاظ کی شرح میں علامہ سیوطی ؒ نے بالتفصیل اس بات کو مبرہن کیا ہے۔ دیکھیں: تدريب الراوي (١/ ٩٠) امام ابن ملقن ؒ فرماتے ہیں: "أول من صنف الصحيح، يعني المجرد، البخاري" (المقنع في علوم الحديث، ص: ٥٦) نیز دیکھیں: النكت للزركشي (١/ ١٦١) توجيه النظر (١/ ٢١٤) ظفر الأماني (ص: ٥٥)

۲۔ ''أصح الکتب ہونے پر اجماع'' تو اس کے متعلق ایک حنفی کی شہادت ہی کافی ہے، علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: "اتفق علماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله تعالىٰ أصح من صحيحي البخاري و مسلم ... والجمهور على ترجيح البخاري على مسلم لأنه أكثر فوائد منه . " (عمدة القاري: ١/ ٥) نیز تاج الدین سبکی شافعی لکھتے ہیں: "وأما كتاب الجامع الصحيح فأجلّ كتب الإسلام وأفضلها بعد كتاب الله" (طبقات الشافعية الكبرى: ٢/ ٢١٥)

[2] تاريخ دمشق (٥٢/ ٧٣) التعديل والتجريح للباجي (١/٣١٠) تهذيب الكمال (٢٤/ ٤٤٢) مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠) نیز امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان احادیث کی صحت کا یقین ہے۔ (هدي الساري : ٣٤٧)

قوله: اس کی کل حدیثوں کو بلا دلیل مان لینا اعلیٰ درجہ کی اندھی تقلید اور ضلالت بلکہ شرک ہے۔

أقول: تقلید کا یہ انجام تو ہم ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں کہ کسی چیز کو بے دلیل ماننا تقلید ہے اور یہ ضلالت اور شرک ہے، بحمد اللہ کہ آپ مقلد ہو کر اس کے قائل ہوگئے، پھر بھی مقلد ہی بنے رہے! ذرا ڈاکٹر عمر کریم کو تو سمجھا دیں کہ وہ اپنے اشتہار نمبر (۳) میں تقلید کے شرک ہونے پر کیوں خفا ہو کر معترض ہوگئے تھے؟

آہ کیا سچ ہے!

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

افسوس! بخاری کی ضد میں تعصب سے آپ نے کیسی کیسی بیہودہ باتیں لکھ کر حروفِ کتاب کی مثل اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ؎

یہ مجموعہ احادیث شفیع المذنبین کا ہے
مسلماں ہو کے اس سے بغض جو رکھے وہ ناری ہے

جواب مضامین ڈاکٹر عمر کریم حنفی

امام بخاری مجتہد مطلق تھے، امام شافعی کے مقلد نہیں:

ڈاکٹر صاحب اس کے مخالف سرخی مقرر کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کے شافعی ہونے کی دلیل میں وہی ابو عاصم [1] کا قول مردود ذکر کرتے ہیں اور مجتہد نہ ہونے کی دلیل میں تین حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ ان کو ترجمہ باب سے مطابقت نہیں ہے، سبحان اللہ! قصور اپنے فہم کا ہے اور الزام لگائیں امام کے اجتہاد پر! بہر حال آپ فرماتے ہیں:

قوله: تاج الدین سبکی نے کہا کہ ابو عاصم نے بخاری کو شافعیوں کے زمرہ میں ذکر کیا ہے...الخ

(ص:٤)

اقول: اس قول میں صرف ابو عاصم شاذ ہے اور آپ کا اسے تین افراد (قسطلانی، تاج الدین سبکی، ابو عاصم) کا مذہب سمجھنا غلط ہے، کیونکہ قسطلانی اور سبکی صرف ناقل ہیں اور یہ امر بدیہی ہے کہ نقلِ امر اس بات کو مستلزم نہیں کہ ناقل کے نزدیک بھی وہ صحیح ہو، کیا آپ نے نہیں سنا: نقل کفر کفر نہ باشد؟ باقی رہے صرف ابو عاصم، تو ان کا قول ایسا ہی ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل کو بھی مصنف طبقات شافعیہ والے نے شافعیوں میں شمار کر دیا ہے، [2] حالانکہ وہ خود صاحب مذہب مستقل ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ حنبلی شافعی ایک ہی ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ [3] پس جیسا کہ امام احمد

---

[1] اس سے مراد ابو عاصم محمد بن احمد عبادی ہروی ہیں، جنھوں نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی، دیکھیں: سیر أعلام النبلاء (١٨/ ١٨٠) ابو عاصم کے قول کو تاج الدین سبکی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ذكر أبو عاصم العبادي أبا عبد الله في كتابه الطبقات، وقال: سمع من الزعفراني وأبي ثور والكرابيسي، قلت: وتفقه على الحميدي، وكلهم من أصحاب الشافعي، " (طبقات الشافعية الكبرىٰ: ٢/ ٢١٤)

[2] طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبكي (٢/ ٢٧) اسی طرح امام داود ظاہری کو بھی شوافع میں شمار کیا گیا ہے۔ (طبقات الشافعية: ٢/ ٢٨٤) حالانکہ یہ تمام لوگ ائمہ اجتہاد میں سے ہیں، اس کار سازی کی حقیقت آمیز اور دلچسپ توجیہ بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصل بات یہ ہے کہ جب اہل تقلید کے وجوب نے ائمہ کی تقلید کا دعویٰ کیا، وہ بھی ائمہ اربعہ کی تقلید کا، تو اب اس دعوائے وجوب کے بعد کسی کو محقق کیوں کر کہہ سکتے تھے اور اپنے ائمہ کی تخریجات کے سامنے کسی کے علم وقوتِ اجتہاد کو کیوں کر تسلیم کر سکتے تھے؟ شاید اور بھی ممکن ہوتا، تو ترقی کر کے تابعین وصحابہ کو اپنے ائمہ کا مقلد بتاتے۔ آخر حضرت عیسیٰ ◆ پیغمبر اولو العزم اور امام مہدی کو حنفی اور شافعی بنا دیا!'' (سيرة البخاري: ١٧٣)

[3] اسی طرح یہ بھی لازم آئے گا کہ امام شافعی حنفی ہیں، کیونکہ انہیں اصحاب ابی حنیفہ سے تلمذ حاصل تھا، بلکہ اس بنا پر تو یہ بھی لازم آئے گا کہ امام ابوحنیفہ مالکی ہیں، اس لیے کہ انہوں نے امام مالک سے روایت لی ہے! اللازم باطل فالملزوم مثله!!

شافعی نہیں ہو سکتے، امام بخاری ؒ بھی نہیں ہوسکتے، ابوعاصم نے توافق فی المسائل کی بنا پر ایسا کہا ہے، ورنہ امام بخاری ؒ مستقل مجتہد مستقل تھے۔ [1] جیسا کہ علامہ اسماعیل عجلونی شامی حنفی "الفوائد الدراري " میں لکھتے ہیں:

"كان مجتهداً مطلقاً، واختاره السخاوي، قال: والميل بكونه مجتهداً مطلقاً صرح به تقي الدين ابن تيمية، فقال: إنه إمام في الفقه من أهل الاجتهاد" انتهى (الفوائد الدراري) [2]

''امام بخاری ؒ مجتہد مطلق تھے اور اس کو سخاوی نے اختیار کیا اور ترجیح دیا ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے، اس کی تصریح امام ابن تیمیہ نے بھی فرمائی ہے کہ امام بخاری فقہ کے امام اور اہل اجتہاد سے تھے۔''

پس جب امام بخاری ؒ کا مجتہد ہونا ثابت ہے تو یہ بدیہی امر ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا، لہٰذا امام بخاری ؒ ہرگز امام شافعی کے مقلد نہیں ہو سکتے۔ جس کی مفصل بحث میں نے اپنے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ۳، ٤) اور " العرجون القديم" (ص: ۱۲۔ ۱٤) میں کی ہے۔ [3] پس امام بخاری ؒ کے مجتہد نہ ہونے کے ثبوت کے

---

[1] حقیقت بھی یہی ہے کہ مصنفینِ طبقات نے نسبتِ تلمذ اور مسائل و فتاویٰ میں توافق اور توارد کی بنا پر کئی ائمہ مجتہدین کو اپنے اپنے مذہب کی طرف منسوب کر دیا ہے، امام ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: ''یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ان فقہاء (طبقہ اولیٰ) میں وہ بھی ہیں، جن کا شافعی المذہب ہونا مشہور ہے اور ان میں وہ بھی ہیں، جو شہرت میں پہلی قسم کی نسبت کم مشہور ہیں، اور وہ بھی جن کے اہل مذہب ہونے میں شک ہے اور ان میں وہ بھی ہیں، جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ شافعی المذہب نہیں تھے، بلکہ کسی دوسرے مذہب پر تھے اور ان میں ائمہ حدیث کی ایک جماعت کا بھی ذکر ہے، ہم نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کرنا محض اس لیے پسند کیا کہ ان کی (بالواسطہ یا بلا واسطہ) امام شافعی سے روایت ہے۔'' (طبقات الفقهاء الشافعيين: ۱/ ۹۷) نیز ابن أمیر الحاج نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر قفال، شیخ ابوعلی اور قاضی حسین فرماتے تھے: "لسنا مقلدين للشافعي، بل وافق رأينا رأيه " (التقرير والتحبير في علم الأصول لابن أمير الحاج: ۳/ ٤٥۳) اسی طرح مختلف مذاہب فقہیہ کی طرف محدثین کے انتساب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں: "وكان صاحب الحديث قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي والبيهقي ينسبان إلى الشافعي۔" (حجة الله البالغة: ۱/ ۳۲۲)

[2] محولہ بالا کتاب "الفوائد الدراری" کے مولف اسماعیل بن محمد بن عبدالهادی الجراحی العجلونی ہیں، جو ۱۰۸۷ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۱۶۲ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ مذکورہ بالا کتاب "الفوائد الدراري في ترجمة محمد بن إسماعيل البخاري" کا نسخہ خان بہادر خدا بخش صاحب مرحوم پٹنہ، انڈیا کے مکتبہ میں موجود ہے۔ جہاں سے مذکورہ بالا عبارت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے مقدمہ تحفۃ الأحوذی (ص: ۳۵۵) اور مولانا عبدالسلام مبارکپوری ؒ نے سیرة البخاری (ص: ۱۷۳) میں نقل کی اور انہیں سے مؤلف ؒ نے نقل کی ہے۔ نیز اس کتاب کا نسخہ برسلاو یونیورسٹی میں بھی موجود ہے، جیسا کہ بروکلمان (۳/ ۱٦٤) اور سزگین (۱/ ۱۷٤) نے ذکر کیا ہے، دیکھیں: سيرة البخاري (ص: ٤۳، حاشیه)

[3] امام ابن تیمیہ ؒ کا کلام مجموع الفتاویٰ (۲۰/ ٤۰) میں موجود ہے، فرماتے ہیں: "أما البخاري وأبو داود فإمامان في الفقه من أهل الاجتهاد " اور امام سخاوی ؒ کا کلام " عمدة القاري والسامع في ختم الصحيح الجامع " (ص: ۵۹) میں موجود ہے۔ نیز مولانا انور شاہ کشمیری حنفی لکھتے ہیں: "واعلم أن البخاري مجتهد لا ريب فيه" (فيض الباري: ۱/ ۵۸) ←

لئے آپ نے دوطریقے اختیار کئے تھے:

۱۔ کسی مستند شخص کے قول سے ثابت کرنا۔ یہ ثابت نہ ہوسکا، بلکہ اس کے برخلاف ان کا مجتہد ہونا ثابت ہوگیا۔

۲۔ دوسرا طریقہ آپ کا کہ یہ ثابت کیا جائے کہ ان میں اجتہاد کی قوت نہ تھی۔ اس پر جو تین حدیثیں نقل کی ہیں کہ ان کو ترجمہ باب سے مطابقت نہیں ہے، یہ بھی ذرا دیر میں ھباء منثوراً ہوا جاتا ہے۔

ذرا غور سے سنیں اور اپنے قصورِفہم کا یونانی علاج کرائیں! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان حدیثوں کو نقل کرنے سے قبل آپ کو ذرا مطابقت کا مطلب سمجھا دیں کہ مطابقت کسے کہتے ہیں؟ گو ہم رسالہ "الخزي العظيم" (ص:۵) میں اس کو مفصل لکھ چکے ہیں، مختصر یہ کہ مطابقت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ لفظی ۲۔ معنوی

پھر معنوی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مطابقت بطریق خصوص۔ ۲۔ مطابقت بطریق عموم۔ ۳۔ مطابقت بطریق استنباط۔

اور یہ تیسری قسم نہایت ادق اور مشکل ہے، آپ نے مطابقت کو صرف لفظی سمجھا ہے، حالانکہ صحیح بخاری میں معنوی کی تیسری قسم یعنی مطابقت بطریق استنباط زیادہ ہے، جہاں ظاہر میں حدیث، ترجمہ باب کے مخالف معلوم ہوتی ہے، حالانکہ معنی میں اس کا مفہوم سے ایک تعلق ہوتا ہے، جس کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں ہے سوائے محدثینِ عظام کے، پس اس کو ملحوظ رکھ کر اپنی ہر سہ پیش کردہ احادیث کا جواب سنئے:

۱۔ **قوله**: باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور. باب اس چیز کے بیان میں جو مکروہ ہے قبروں پر مسجدوں کا بنانا۔

حدیث: ولما مات الحسن بن الحسين بن علي، ضربت امرأته القبة على قبره سنة، ثم رفعت، فسمعت صائحاً يقول: ألا هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه آخر: بل يئسوا فانقلبوا ."

(بخاری، مطبوعه أحمدی، جلد: ۱/۱۷۷)

''جب حسن بن حسین بن علی کا انتقال ہوا، تو ان کی عورت نے ایک سال تک ان کی قبر پر خیمہ لگایا، پھر اٹھا لیا، پس انہوں نے کسی آواز کرنے والے کو سنا، جو کہہ رہا تھا کہ کیا پالیا اس چیز کو جو گم کیا تھا؟ پس دوسرے نے یہ جواب دیا کہ نہیں بلکہ مایوس ہوئے اور پھر گئے۔''

پس دیکھئے کہ اس حدیث سے مسجد پر قبر بنانے کی کراہیت، جس کا باب میں دعویٰ کیا گیا ہے، مطلق ثابت نہیں ہوتی۔ (ص:۵)

← مزید لکھتے ہیں: إن البخاري عندي سلك مسلك الاجتهاد، ولم يقلد أحدا في كتابه، بل حكم بما حكم به فهمه " (فيض الباري: ۱/ ۳۳۵) نیز امام شافعی کی طرف انتساب کے متعلق لکھتے ہیں: وما اشتهر أنه شافعي، فلموافقته إياه في المسائل المشهورة" (فيض الباري: ۱/ ۵۸)

أقول: اللہ اکبر! کس قدر دھوکہ دہی سے کام لیا گیا ہے؟ دعویٰ تو یہ کیا کہ باب اور حدیث میں مطابقت نہیں، اور پیش کیا باب اور ترجمہ باب!

اے جناب! حسن بن حسین کی وفات کا واقعہ کیا حدیث ہے؟ کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو "حدثنا" کے بعد ذکر کیا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حدیث تو اس کے بعد خود علیحدہ ہے کہ " لعن اللّٰه اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد "❶ جس سے قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت صاف عیاں ہے، وفاتِ حسن کا واقعہ تو ترجمہ باب میں ذکر کیا گیا ہے، نہ کہ وہ حدیث ہے، جسے آپ نے حدیث کر کے لکھا ہے، جس سے آپ کی حدیث دانی کا راز طشت از بام ہوگیا۔ افسوس کہ جس کو حدیث کی تعریف معلوم نہ ہو اور یہ تمیز نہ کر سکے کہ حدیث کون ہے؟ وہ بھی اس میدان میں قدم مارنے کو آمادہ ہو؟ ہاں اگر یہ سوال کرتے کہ اس باب اور ترجمہ باب میں مطابقت نہیں ہے، تو کسی قدر قابل التفات ہوتا، اور ہم جواب دیتے کہ اس کے نیچے صاف لکھا ہے:

"مطابقته للترجمة من حيث أن هذه القبة لم تخل عن الصلوة فيها." ❷

یعنی وہ عورت قبر پر قبہ نصب کر کے جب ایک سال تک مقیم رہی، تو پنج وقتی نماز کے لیے خاص مصلیٰ کے طور پر ضرور کوئی جگہ مقرر کی ہوگی، اور اس میں نماز ادا کرتی ہوگی، یہ نماز اس کی اس میں ناجائز ہوئی۔

افسوس کہ جس کتاب سے آپ اعتراض کرتے ہیں، اسی کے نیچے مطابقت بتلا دی گئی ہے، لیکن عمداً آپ ایثارِ شر کے لئے اغماض کر جاتے ہیں، آپ کی یہ بے ایمانی نکل کر رہے گی، ان شاء اللہ۔ فانتظر ولا تعجل!

۲۔ **قوله**: باب طول القيام في صلاة الليل. ''یہ باب ہے رات کی نماز میں درازی قیام کے بیان میں۔''

حدیث: عن حذيفة: أن النبي ﷺ كان إذا قام للتهجد من الليل، يشوص فاه بالسواك."

(بخاری، مطبوعه أحمدی: ۱/ ۱۵۳)

''حذیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت جب نماز تہجد پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف کر لیتے۔''

پس دیکھئے کہ یہ باب اور اس کی حدیث ''من چہ گویم وطنبورۂ من چہ سراید'' ❸ کے مصداق ہو رہی ہے۔ الخ

---

❶ صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، رقم الحديث (۱۲٦۵)

❷ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ومناسبة هذا الأثر لحديث الباب أن المقيم في الفسطاط، لا يخلو من الصلاة هناك، فيلزم اتخاذ المسجد عند القبر، وقد يكون القبر في جهة القبلة، فتزداد الكراهة" نیز فرماتے ہیں: ''وإنما ذكره البخاري لموافقته للأدلة الشرعية، لا لأنه دليل برأسه" (فتح الباري: ۳/ ۲۰۰)

❸ میں کیا کہہ رہا ہوں اور میرا طنبورا (ستار) کیا گا رہا ہے۔

أقول: ہم اس کا مفصل جواب رسالہ " الخزي العظیم" (ص: ۱۱) میں دے چکے ہیں، اور اخبار ''اہل حدیث'' (۱۴/۷، اکتوبر ۲۰۱۰ء و ۱۱ نومبر ۲۰۱۰ء) میں بھی سب کا جواب دیا گیا ہے، مختصر جواب چار شقوں میں سن لیں، یعنی چار دلیلوں سے حدیث مذکور اور اس کے باب میں مطابقت ہے:

۱۔ لفظ "قیام" در باب اور "قام" در حدیث سے لفظی مطابقت ظاہر ہے۔

۲۔ مسواک کرنا چونکہ ازالہ نوم کی معین ہے، لہٰذا یہ تہیؤ بطریق استنباط خود طولِ قیام پر دال ہے۔

۳۔ اس میں ایک نکتہ ہے، وہ یہ کہ یہ روایت حذیفہ کی ہے اور نماز تہجد میں طوالتِ قرأت کی روایت بھی صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ ہی سے مروی ہے۔[1] پس امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے دوسری حدیث کی طرف اشارہ کر کے سمجھا دیا کہ آنحضرت ﷺ نماز تہجد میں لمبی قرأت پڑھتے تھے۔ کیونکہ دونوں روایتیں ایک ہی نماز کے متعلق اور ایک ہی صحابی کی روایت سے ہیں۔

۴۔ حدیث مذکور سے ہر دوگانہ تہجد کے بعد مسواک کرنا نکلتا ہے، اور ظاہر ہے کہ تغییر رائحہ فم کی ضرورت ایک عرصہ کے بعد ہوتی ہے ﷺ پس معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک دوگانہ میں ایک عرصہ تک قیام فرماتے تھے، یعنی قیام طویل کرتے تھے۔[2]

اور علامہ عینی (جو معترض کا مایہ ناز ہے) نے یوں مطابقت دی ہے کہ:

''باب ہے رات کی نماز میں درازی قیام کا، اور حذیفہ کی حدیث میں تہجد کے لیے قیام کا ذکر موجود ہے اور تہجد کی نماز رات کو درازی سے ادا کی جاتی ہے اور درازی طول قیام سے ہوتی ہے۔''[3]

پس طول قیام ثابت ہے، جو باب کا مضمون ہے۔ بہر حال اس حدیث کی باب سے مطابقت ظاہر ہے جسے معترض نے عقدہ لانیحل سمجھا تھا، وہ پانی ہو کر بہہ گیا۔ فالحمد للّٰہ!

۳۔ **قوله**: باب الصلوة على الجنائز بالمصلى والمسجد. اور اس باب میں جو حدیث دی گئی ہے، وہ یہ ہے:

" عن عبد الله بن عمر: أن اليهود جاؤا إلى النبيﷺ برجل منهم وامرأة زنيا، فأمر بهما، فرجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد." (بخاری، مطبوعه أحمدی: ۱/ ۱۷۷)

''ابن عمر سے روایت ہے کہ یہود اپنی قوم کی ایک عورت اور مرد کو، جنہوں نے زنا کیا تھا، آنحضرت ﷺ کے پاس لائے، پس آپ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، پس وہ دونوں سنگسار کئے گئے اس جگہ

[1] صحيح مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل، رقم الحديث (۷۷۲)

[2] فتح الباري (۳/ ۱۹)

[3] عمدة القاري (۷/ ۱۸۶)

کے قریب جو جنازہ کے لیے مسجد کے نزدیک مقرر تھی۔"

اس حدیث میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی دلیل نہیں ہے۔

أقول: ابن بطال کا یہ قول، جو آپ نے نقل کیا ہے، عینی حنفی نے اس کا رد کیا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، ہاں باب کا ترجمہ جو آپ نے "جائز ہے" کے ساتھ کیا ہے، صحیح نہیں، اس لئے کہ اس باب میں جواز کا کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ جواز و عدم جواز ہر دو کا احتمال ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں:

" باب الصلوة على الجنائز بالمصلّىٰ والمسجد، يحتمل وجهين: أحدهما الإثبات، والآخر النفي." (٤/ ١٧٤)

"یعنی یہ باب جواز اور عدم جواز ہر دو کا احتمال رکھتا ہے، یعنی نماز جنازہ مصلیٰ اور مسجد میں پڑھنا جائز ہے، تو اس کی مطابقت حدیث سے یوں ہوگی کہ حدیث میں " عند المسجد "کو" في المسجد "کے معنی میں لیں گے۔ جیسا کہ علامہ عینی لکھتے ہیں:

"إن " عند " في قوله: عند المسجد، بمعنى: في "[1]

تو اس حالت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ دونوں مرد وزن مصلیٰ جنازہ کے قریب رجم کیے گئے، جو مسجد نبوی کے اندر تھا، یعنی رجم باہر کی جانب میں اس کے نزدیک ہی ہوا، تو مطابقت باب سے صاف ظاہر ہوجائے گی کہ باب سے جواز ثابت ہوتا ہے، اور حدیث سے بھی مصلّیٰ جنازہ کا مسجد میں ہونا ثابت ہوگیا، لہٰذا جو نماز جنازہ ہوتی ہوگی، وہ مسجد ہی میں ہوتی ہوگی، اور یہی منشأ باب تھا۔ اور جب باب سے جواز نہیں لیں گے، تو حدیث کے معنی صاف رہیں گے، یعنی وہ دونوں شخص اس جگہ رجم کئے گئے، جو جنازہ کے مصلیٰ کے قریب مسجد نبوی کے متصل باہر کی جانب تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنازہ کا مصلیٰ مسجد سے علیحدہ تھا، لہٰذا نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھنا چاہئے، (جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے) اور یہی منشاءِ باب بھی اسی سے استدلال کرکے مانا جائے گا کہ اس میں بھی عدم جواز ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی ابن بطال کا قول رد ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ حدیث واقع میں نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھنے کی دلیل ہوگی۔ اسی بنا پر علامہ عینی لکھتے ہیں: " وبهذا يدفع كلام ابن بطال"[2] غرض باب کی مطابقت دونوں صورتوں میں ہر دو معنی مراد لینے سے حدیث سے بین وعیاں ہے، جس کو دکھائی نہ دے تو کسی کا کیا قصور؟

خدا کا شکر ہے کہ آپ نے جن احادیث اور ترجمہ باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا عدم تفقہ ثابت کرنا چاہا تھا، اس کی بجائے غایت درجہ کی فقاہت ثابت ہوگئی اور حدیث سے کس عمدگی کے ساتھ استنباط کا ڈھنگ نظر آ گیا، اور کس خوبی سے باب سے مطابقت ہوگئی کہ سبحان اللہ! اور امام بخاری کا مجتہد مطلق ہونا آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہوگیا۔

[1] عمدة القاري (٨/ ١٣٢)

[2] مصدر سابق

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یہاں تک تو آپ کے اس مضمون کا جواب ہوا، جو آپ نے اُخبار ''اہل فقہ'' (جلد:۱، شمارہ نمبر: ۴، مورخہ ۳ رجب ۲۴ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۰۶ء یوم جمعہ) میں شائع کرایا تھا، جو ''کتاب الجرح'' (ص: ۶) میں تمام ہوا، اب آگے (ص: ۷) کے مضمون نمبر (۲) کا جواب چلتا ہے، جو ''اخبار اہل فقہ'' (جلد: ۱، شمارہ نمبر: ۷، ص: ۵،۶ مورخہ ۲۴ رجب: ۲۴ھ مطابق ۱۴ستمبر ۶ء یوم جمعہ) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ تھی:

امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ (جعلی یا مصنوعی):

اس سرخی کے ذیل میں امام بخاری رحمہ اللہ پر ایک جھوٹے فتویٰ کا اتہام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسا فتویٰ دیا تھا اور اس مضمون کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے، چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ (ص: ۵۶ و ۵۹) میں اس کا ذکر موجود ہے، جو اخبار ''اہل فقہ'' (جلد: ۳ شمارہ نمبر: ۱ صفحہ: ۸، مورخہ ۹ رجب ۲۶ھ مطابق ۷ اگست ۸ء اور جلد: ۳، شمارہ نمبر ۲۹، صفحہ: ۶ مورخہ ۲۱ شوال ۲۷ھ مطابق ۵ نومبر ۹ء) میں شائع ہوا تھا، ہم ان تینوں مقامات کے اعتراض واحد کا جواب اسی ایک مقام پر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سے امام بخاری کا غیر مجتہد ہونا ثابت کیا ہے، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے! چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

> **قوله**: ابوحفص کبیر کے زمانہ میں جب امام بخاری بخارا میں آ کر فتویٰ دینے لگے، تو امام ابوحفص کبیر نے ان کو ممانعت کی کہ آپ فتویٰ دینے کے لائق نہیں ہیں، مگر انہوں نے نہ مانا، یہاں تک کہ ایک دن لوگوں نے بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر دولڑکوں نے ایک بکری یا ایک گائے کا دودھ پیا ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں میں رضاعت کی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ جب لوگوں نے ان کا یہ اجتہاد سنا تو ہجوم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کو بخارا سے نکال دیا۔
>
> (رواه في فتح القدير والنهاية والكفاية)

أقول: اللہ اکبر! یہ کس قدر جھوٹی تہمت اور افتراءِ بین ہے کہ قریب ہے آسمان ٹوٹ پڑے اور زمین پھٹ جائے؟! ایسا فتویٰ تھوڑی کتابوں سے واقف ایک طالب العلم بھی نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ ایک امام استاذ المجتہدین سے اس کا صدور ممکن مانا جائے؟ اس کے جواب میں کسی متشدد مجیب نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہ کا ہے، جو زبردستی امام بخاری کے ذمہ لگایا جاتا ہے، لیکن ہم کسی کو صحیح نہیں سمجھتے۔ یہ امام بخاری پر بمصداق۔ ع۔

" حسدوا الفتىٰ إن لم ينالوا شأنه "[1]

کینہ وحسد سے اتہام جڑا گیا ہے، گو ہم اس کا جواب "العرجون القديم" (ص: ٤٠) میں دے چکے ہیں، لیکن ناظرین کی آگاہی کے لیے یہاں بھی ذرا تفصیل سے جواب عرض کرتے ہیں۔

[1] جب وہ اس نوجوان کے مقام کو نہ پہنچ سکے، تو اس سے حسد کرنے لگے۔

اس قصے میں دوامور کا ذکر ہے:

۱۔ نفسِ قصہ۔ ۲۔ اس کی وجہ سے امام بخاری کا بخارا سے نکالا جانا۔

لیکن خیریت سے ایک بھی صحیح نہیں بلکہ دونوں غلط اور غیر صحیح ہیں، چنانچہ ہم علیحدہ علیحدہ دونوں پر بحث کرتے ہیں۔

نفسِ قصہ:

پہلی بحث نفس قصہ کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ ہم اس کا غلط ہونا دو طریقوں سے ثابت کرتے ہیں اور اس کے کذب ہونے پر دو شہادتیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ داخلی شہادت یعنی اس کے غلط ہونے پر خود کتاب صحیح بخاری شاہد عدل ہے اور یہ اعلیٰ شہادت ہے۔

۲۔ خارجی شہادت یعنی جن مفتریوں نے یہ افتراء گھڑا ہے، اس کا دروغ بے فروغ ہونا اقوال رجال سے ثابت ہے۔

داخلی شہادت:

اس نقل کے کذب ہونے پر داخلی شہادت (جو خاص صحیح بخاری میں موجود ہے) یہ ہے کہ یہ بات بلا نزاع و اختلاف لائق تسلیم ہے کہ دو بچوں کے ایک بکری کا دودھ پینے سے جو شخص رضاعت ثابت کرے گا، تو مرضعہ پر بکری کا قیاس ہی کرے گا، کیونکہ بجز قیاس کے اس حکم پر نہ کوئی نص قرآنی ہے نہ حدیث نبوی اور نہ اجماع امت اس پر شاہد ہے، اور یہ قیاس اسی شخص کا کام ہوگا، جو قیاس کا قائل ہوگا، اور امام بخاری ﷫ قیاس کے منکر ہیں نہ کہ قائل۔

چنانچہ صحیح بخاری میں باب مقرر کرتے ہیں:

"باب ما يذكر من ذم الرأي وتكلّف القياس...... الخ (١٠٨٦)

پھر اسی کے متصل صفحہ (۱۰۸۷) میں دو اور باب پیش کئے ہیں،[1] جن سے قیاس کی نفی ظاہر ہے،[2] پس ممکن نہیں بلکہ محال ہے کہ امام نے اثبات رضاعت میں قیاس سے کام لیا ہو اور اس فتویٰ کی بناء قیاس ہی پر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی نسبت امام بخاری ﷫ کی طرف کذب ہے۔ وھو المطلوب!

ہاں اس رضاعت کا حکم البتہ وہی شخص دے سکتا ہے، جو پہلے بکری کو بچے کی ام رضاعی کہہ کر بکری سے حرمتِ

---

[1] امام بخاری ﷫ فرماتے ہیں:

۱۔ "باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يسأل مما لم ينزل عليه الوحي، فيقول: لا أدري، أو لم يجب حتى ينزل عليه الوحي، ولم يقل برأي ولا بقياس."

۲۔ باب تعليم النبي صلى الله عليه وسلم أمته من الرجال والنساء مما علمه الله، ليس برأي ولا تمثيل، (صحيح البخاري مع الفتح: ١٣/ ٢٩٠، ٢٩٣)

[2] امام بخاری ﷫ کا مقصود قیاس فاسد کی تردید ہے، قیاس صحیح کو تو انہوں نے اگلے باب میں ثابت کیا ہے، لہٰذا ان کی طرف قیاس کا کلیتاً انکار منسوب کرنا محل نظر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري (١٣/ ٢٩٧)

نکاح کا فتویٰ دے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جس بکری کا دودھ نہ پیا ہو، اس کے ساتھ نکاح جائز ماننے اور یہ کام ہے ان اصحاب رائے وقیاس کا جن کا سنہرا اصول یہی ہو: " علمنا هذا رأي!"[1] ورنہ جو شخص قیاس ورائے کا دشمن اور اس کا مخالف ہو، اس سے اس کا صدور ناممکن ہی نہیں بلکہ ممتنع ومحال ہے، پس ثابت ہوگیا کہ امام بخاری کی طرف اس جھوٹے قصے کی نسبت صحیح نہیں ہے، بلکہ افتراء واتہام ہے۔

خارجی شہادت:

اس قصے کے باطل ہونے کی خارجی شہادت یہ ہے جو مولوی عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم " الفوائد البهية" میں لکھتے ہیں:

"وهي حكاية مشهورة في كتب أصحابنا، ذكرها أيضاً صاحب العناية وغيره من شراح الهداية، لكني أستبعد وقوعها بالنسبة إلى جلالة قدر البخاري ودقة فهمه وسعة نظره وغور فكره، مما لا يخفىٰ علىٰ من انتفع بصحيحه." انتهى (ص:١٣)

"گو یہ حکایت ہم حنفیہ کی کتابوں اور ہدایہ کی شروح میں مشہور ہے، لیکن میں امام بخاری سے اس کے وقوع کو مستبعد سمجھتا ہوں، ان کی اعلیٰ شان اور باریکی فہم وفراخی نظر وکمال غور کی وجہ سے جو پوشیدہ نہیں ہے اس شخص پر جو ان کی جامع صحیح سے منتفع ہوتا ہے۔"

واقع میں جو صحیح بخاری کے مطالعہ سے منتفع ہوتا ہے، اسی کو یہ معلوم ہوسکتا ہے، ورنہ جس کی آنکھ بیمار ہے، اسے سوائے اعتراض کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر[2]

ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

" ثم لاعبرة بنقل صاحب النهاية، ولا بقية شراح الهداية، فإنهم ليسوا من المحدثين."[3]

(موضوعات کبیر، مصری)

"صاحب نہایہ اور ہدایہ کے بقیہ شارحین کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے کہ وہ محدثین سے نہیں ہیں۔"

لیجئے جناب! آپ کے مایۂ ناز حنفی نے تو حنفیوں کو محدثیت سے خارج کر کے ان کے اقوال کی بے اعتباری کھول دی۔ یہ خوب ہوا کہ حنفیوں کی شہادت سے ان مفتری حنفیوں کا قول رد ہوگیا اور اس قصہ کا جھوٹ ہونا خارجی شہادت سے بھی ثابت ہوگیا۔ اس سے زیادہ اس قصے کا جھوٹ اور کذب اس امر کی تحقیق سے بخوبی ظاہر ہوجائے گا

---

[1] یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ دیکھیں: تاريخ بغداد (١٣/ ٣٥٢) الملل والنحل (١/ ٢٠٥)

[2] بیمار آنکھ میں ہنر بھی عیب ہی نظر آتا ہے۔

[3] الموضوعات الكبرىٰ (ص:٣٥٦) الموضوعات الصغرىٰ (ص: ١٩١) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة (ص:٨)

کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بخارا سے نکالے جانے کی وجہ کیا تھی؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تهذيب التهذيب میں ارقام فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ شیخ نورالحق حنفی دہلوی "تیسیر القاری" میں یوں کرتے ہیں:

"قال محمد بن العباس الضبي: سمعت أبا بكر بن أبي عمرو الحافظ يقول: كان سبب مفارقة أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البلد، يعنى بخارىٰ، أن خالد بن أحمد الأمير سأله أن يحضر منزله، فيقرأ الجامع والتاريخ على أولاده، فامتنع، فسأله أن يعقد لأولاده مجلساً، لا يحضره غيرهم، فامتنع أيضاً، فاستعان عليه بحريث بن أبي الورقاء وغيره ، ونفاه عن البلد." (٩/ ٥٢) ❶

"یعنی از اصحاب حسد وغرض حاکم بخارا رابرآں داشتند کہ بخاری رااستد عانمود ... إلیٰ قوله: والئ بخارا استدعانمود از بخاری کہ مجلس خالص با اولاد معین سازد کہ درآں مجلس غیر ایشاں را استماع صحیح خویش نہ نماید، بخاری درجواب گفتہ فرستاد کہ من نمی توانم کہ قومے را بہ سماع حدیث مخصوص سازم، پس ایں امر سبب وحشت شد میان بخاری وحاکم، حاکم بخارا امر کرد کہ محمد بن اسماعیل از بخارا بیروں آید۔" ❷

نیز یہ قصہ قسطلانی (١/ ٤٥) ہدی الساري (ص:٥٨٢) اور بستان المحدثین وغیرہ وغیرہ کتب حدیث وشروح و تاریخ میں منقول ہے۔ ❸ جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بخارا سے نکالے جانے کی وجہ یہ تھی کہ امام نے حاکم بخارا کے لڑکوں کو درس دینے کے لیے کوئی علیحدہ مجلس کا انتظام نہ کیا، نہ یہ کہ اس جھوٹے فتوے کی وجہ سے لوگوں نے نکال دیا۔ اس سے اس فتوی کا مصنوعی، جعلی ہونا اور اس کا کذب و باطل ہونا نیمروز کی طرح ظاہر ہوگیا۔ سچ ہے دروغ کو کہاں فروغ؟ ساتھ ہی اس کے امام بخاری رحمہ اللہ کا عالی مرتبہ اور مجتہد مطلق وغیرہ ہونا بخوبی ثابت ہوگیا۔ ❹ فالحمدللہ ۔

یہ پرتو تھا جلوہ انوارِ نبی کا
پتلی سے بھی روشن تھا سویدائے بخاری

اس کے بعد آپ کی سرخی " الجرح على البخاري "کے ذیل کے مضامین کا جواب شروع ہوتا ہے، جو اخبار ''اہل فقہ'' (جلد:١ شمارہ نمبر:١٣ ص:٣، مورخہ ٣٠ شعبان ٢٤ھ مطابق ١٩ اکتوبر، ١٩٠٦ء) میں شائع ہوا تھا۔ جس سے آپ نے امام بخاری کے حافظہ کا غیر قوی ہونا ثابت کرنا چاہا ہے اور بیس راویوں کے نام لکھے ہیں کہ امام بخاری کو خود ان کا ضعیف ہونا مسلّم ہے اور پھر انہیں سے اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ پس سنئے!

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٤٥) نیز دیکھیں: تاريخ بغداد (٢/ ٣٣) تاريخ دمشق (٥٢/ ٩٦)

❷ بعض حاسدین نے حاکم بخارا کو ابھارا کہ بخاری کو طلب کریں... والی بخارا نے امام بخاری سے کہا کہ اس کی اولاد کے لیے خاص مجلس منعقد کریں، جس میں ان کے علاوہ کوئی صحیح بخاری کا سماع نہ کرے، امام بخاری نے جواب دیا کہ میں کسی گروہ کو سماعِ ⟵

➜ حدیث کے لیے مخصوص نہیں کر سکتا، چنانچہ اسی سبب امام بخاری اور حاکمِ بخارا کے درمیان وحشت پیدا ہوگئی اور حاکم بخارا نے محمد بن اسماعیل بخاری کو بخارا سے نکل جانے کا حکم دیا۔

❸ دیکھیں: تاريخ بغداد (۲/۳۳) تاريخ دمشق (۵۲/۹٦) تهذيب الكمال (۲٤/ ٤٦٤) سير أعلام النبلاء (۱۲/ ٤٦٤) هدي الساري (ص: ٤٩۳) بستان المحدثين (ص:۲۷۲)

❹ امام بخاری ؒ کو آخری ایام میں بخارا سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا، جب کہ ابو حفص کبیر اس سے کئی سال پیشتر محرم ۲۱۷ھ کو وفات پا چکے تھے (جو اس من گھڑت قصے کے مرکزی کردار بیان کیے جاتے ہیں) اور ان کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر ۲۳ سال تھی۔ (سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۱۵۷) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام بخاری پر صریح بہتان ہے اور اسے گھڑنے والا علم و عقل دونوں سے کورا تھا! علاوہ ازیں یہ من گھڑت قصہ بے سند بھی ہے، جسے امام بخاری ؒ سے صدیوں بعد سرخسی اور عبدالقادر قرشی وغیرہ نے امام بخاری ؒ کی طرف منسوب کر دیا۔ دیکھیں: المبسوط (۵/۱۳۹) الجواهر المضيئه (۱/ ٦٦) الطبقات السنية في تراجم الحنفية (۱/ ۳۹۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: سيرة البخارى (ص: ۱۳٦، حاشيه)

صحیح بخاری کے چند روات

ڈاکٹر عمر کریم صاحب نے امام بخاری کی کتاب الضعفاء سے چند راویوں کو ذکر کرکے یہ تشخیص کی ہے کہ یہ سب مریض اور ضعیف ہیں اور یہ ان راویوں کے علاوہ ہیں جن کو دیگر محدثین نے ضعیف کہا ہے اور دونوں قسم کے راوی صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ [1] لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب علم تشخیص سے واقف نہیں، جس کی وجہ سے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ امام بخاری ؒ نے تو کتاب الضعفاء اپنی کتاب کا نام رکھا اور اس میں جس قدر رواۃ کا ذکر ہے، سب ہی ضعیف نہیں ہیں، بلکہ بعض قدرے متکلم فیہ اور بعض ثقہ ہیں، جن پر دوسروں نے کلام کئے ہیں، وہ واقع میں ایسے نہیں ہیں، پس اس کا نام محض کتاب الضعفاء میں آجانے سے وہ ضعیف نہیں ہوسکتا، چنانچہ آگے روات کے بیان میں یہ عقدہ حل ہوجائے گا۔ باقی رہے بخاری کے دوسرے روات جن پر دیگر ائمہ نے کلام کیا ہے، تو ان کے جواب میں میری کتاب "الأمر المبرم" مدت سے شائع شدہ ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے، اگر تشفی نہ ہو تو دماغ کا علاج کیجئے، میں مجبور ہوں۔ اس وقت میں ان سب راویوں کو نقل کر کے ان پر ترتیب وار بحث کرتا ہوں، پس بگوش ہوش سنئے اور غور کیجئے!

قوله: بخاری کے چند راویوں کے نام جن کا ضعیف ہونا خود امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء الصغیر میں قبول کیا ہے: (۱) إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع (۲) إسماعيل بن أبان ابو اسحاق (۳) ايوب بن عائذ الطائي (۴) حارث بن شبل (۵) زهير بن محمد التيمي [2] العنبري (۶) سعيد بن ابي عروبه (۷) عبد الله بن الحفص (۸) عبدالله بن ابي لبيد (۹) عبدالله بن لهيعه بن عقبه (۱۰) عبدالله

---

[1] بعینہ یہی کارستانی ایک شیعہ رافضی نے کی کہ صحیح بخاری کے اٹھارہ روات کو "رواة ضعفهم البخاري، ثم أخرج لهم في صحيحه" کے نام سے جمع کیا، جس میں بیشتر روات وہی ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ ہیں، کیسا بیّن توارد ہے؟ جو درحقیقت "تشابهت قلوبهم" کا مظہر اتم ہے۔ حالانکہ ان تمام شبہات کا جواب صدیوں پیشتر ائمہ محدثین دے چکے ہیں، لیکن اعداءِ سنت ہیں کہ حسد کی آگ میں جلتے ہی جا رہے ہیں۔ مزید برآں امام بخاری ؒ کا صرف کسی راوی کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر دینا، اس کے ضعف کو مستلزم نہیں، کیونکہ امام بخاری ؒ نے تو کتاب الضعفاء میں بعض صحابہ کرام، جیسے حيي الليثي، سعد بن المنذر، سلمة بن الفضل، عبد الله المزني اور عبدالله بن ثابت ؓ وغیرہم کا تذکرہ بھی کیا ہے، جس سے ان کی تضعیف ہرگز مطلوب نہیں۔ علاوہ ازیں بعض رواۃ کو ذکر کرنے کے بعد انہیں صدوق بھی کہا ہے۔ دیکھیں: الضعفاء، ترجمه أيوب بن عائذ الطائي۔

[2] "تیمی" نہیں بلکہ "تمیمی" ہے۔ (مؤلف)

بن نافع قرشی ابوبکر (۱۱) عبدالرحمٰن بن اسحاق بن الحارث (۱۲) عبدالرحمٰن بن سلمان (۱۳) عبدالملک بن اعین (۱۴) عبدالوارث بن سعید (۱۵) عطاء بن السائب بن زید (۱۶) **عطاء بن أبي میمونة البصري** (۱۷) علاء بن خالد الأسدي (۱۸) **عکرمة بن خالد المخزومي** (۱۹) **کھمس بن المنھال** (۲۰) مجالد بن سعید بن عمیر (ص: ۹۔۱۰)

أقول: (۱) **إبراھیم بن إسماعیل بن مجمع:** کے متعلق امام بخاری نے اسی کتاب میں آگے صاف لکھ دیا ہے: " یکتب حدیثه "[1] (ملاحظہ ہو: صفحہ: ۲) یعنی اس کی حدیث لکھے جانے کے لائق ہے۔

پس فرمایئے! یہ اس کی تضعیف ہوئی یا توثیق؟ اسی لئے ہم نے پیشتر ذکر کر دیا کہ اس کتاب میں فقط نام آجانے سے راوی ضعیف نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ابن حبان نے کتاب " الثقات "لکھ کر اس میں بہت سے رواۃ کی توثیق کی ہے، تو وہ ثقہ نہیں ہو سکتے۔ فافھم و تدبر!

اور پھر لطف یہ کہ امام بخاری نے ان سے بدء الخلق میں تعلیقاً استشہاد کیا ہے، نہ کہ سند میں ان کو ذکر کیا ہے۔[2] پس اگر یہ ضعیف بھی ہوں تو حرج نہیں، کیونکہ ان کا نام تعلیق میں آیا ہے، باوجود اس کے ابن عدی نے بھی ان کی شان میں کہا ہے: " یکتب حدیثه " (ملاحظہ ہو: تھذیب التھذیب، جلد أول)[3]

(۲) **إسماعیل بن أبان:** ان کی توثیق کی مکمل بحث ہم نے " الأمر المبرم " (ص: ۳۸، ۳۹) میں کی ہے۔ مختصر یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ ثقہ وصدوق ہیں، خلاصہ میں علامہ صفی الدین لکھتے ہیں: " وثقه أحمد والبخاري " اور میزان الاعتدال اور تھذیب التھذیب (ج ۱) میں ہے: " قال البخاري: صدوق "[4]

یعنی امام احمد اور امام بخاری نے ان کو ثقہ اور صدوق کہا ہے۔

پس امام بخاری کا ان کا نام کتاب "**الضعفاء**" میں کسی وجہ سے لانا اس کے منافی نہیں ہے کہ یہ ثقہ نہ ہوں، بلکہ خود یہ امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ان کے علاوہ اسماعیل کو امام احمد و احمد بن منصور اور ابو داود اور مطین و نسائی

---

[1] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إبراھیم بن إسماعیل بن مجمع بن جاریة الأنصاري، یُروی عنه، وھو کثیر الوھم، یروي عن الزھري وعمرو بن دینار، یکتب حدیثه، (الضعفاء، برقم: ۱) نیز اسے امام نسائی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی روایت کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "علق له موضعا واحداً" (ھدي الساري: ٤٥٦) امام بخاری رحمہ اللہ بایں طور استشھادا ان کی روایت ذکر کرتے ہیں: "وقال صالح وابن أبي حفصة وابن مجمع عن الزھري ..." (صحیح البخاري، برقم: ۳۱۲۳)

[2] صحیح البخاري: کتاب بدء الخلق، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ الحدیث (۳۱۲۳)

[3] تھذیب التھذیب (۱/ ۹۱) نیز دیکھیں: الکامل في الضعفاء (۱/ ۲۳۲)

[4] میزان الاعتدال (۱/ ۲۱۲) تھذیب التھذیب (۱/ ۲۳۶) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۲)

ویحیٰی بن معین و دارقطنی و ابن شاہین وعثمان بن ابی شیبہ وامام حاکم وابن حبان و ابن مدینی وجعفر بن محمد بن شاکر وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔[1] (ملاحظہ ہو: تہذیب: ج۱، والأمر المبرم: ۳۹)

(۳) **أیوب بن عائذ الطائي**: ان کی توثیق کی کامل بحث بھی ہم " الأمر المبرم " (ص: ٤١) میں کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بھی امام بخاری ﷫ کے نزدیک صدوق ہیں، خود اسی کتاب الضعفاء میں ہے: " وهو صدوق" (ص: ٥) اور ہدی الساری میں ہے: " قال البخاري: صدوق "[2] معلوم ہوا کہ جب امام بخاری نے ان سے روایت لی تھی، اس وقت یہ ثقہ تھے، پھر بعد کو جب یہ مرجیہ ہوگئے، تو ان کو ضعفاء میں ذکر کر دیا۔ علاوہ بریں امام بخاری ان کی روایت اپنی صحیح میں متابعتاً لائے ہیں۔ پس متابعت والی روایت میں غیر ثقہ راوی سے بھی حرج واقع نہیں ہوتا۔ نیز ایوب کو یحیٰی بن معین اور ابوحاتم اور نسائی اور ابن حبان و ابوداود و ابن مدینی وعجلی نے ثقہ کہا ہے، پس ان کی توثیق مسلّم بین الائمہ ہے۔[3]

(۴) **حارث بن شبل**: یہ بے شک ضعیف ہے، لیکن اس سے حدیث کی کسی کتاب میں روایت نہیں ہے، بلکہ اسماء رجال والوں نے اس کو تمییز کی فصل میں ذکر کیا ہے، اور علامتِ تمییز کی بابت دیباچہ میں بتایا ہے کہ "ليست له رواية في الكتب "[4] یعنی کتب ستہ کی کسی کتاب میں ان سے روایت نہ ہو، پس صحیح بخاری میں بھی کہیں حارث بن شبل نہیں ہے، ہاں حارث بن شبیل (بالتصغیر) ہے اور یہ باتفاق ثقہ ہے، پس حارث بن شبل کو بخاری کا راوی کہنا سخت غلطی ہے۔[5] ڈاکٹر صاحب ! یہاں تشخیص غلط ہوگئی؟

---

[1] دراصل "إسماعیل بن أبان" نام کے دو راوی ہیں:

۱۔ إسماعيل بن أبان الوراق الأزدي أبو إسحاق، ويقال: أبو إبراهيم الكوفي شيخ البخاري، انہی کو امام بخاری سمیت دیگر محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور انہی سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔

۲۔ تمييز: إسماعيل بن أبان الغنوي الخياط، أبو إسحاق الكوفي، امام بخاری ﷫ کتاب الضعفاء میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "إسماعيل بن أبان: عن هشام بن عروه، متروك، وكنيته: أبو إسحاق الكوفي." اول الذکر إسماعیل کی ہشام بن عروہ سے روایت نہیں ہے اور صرف انہی کی روایت بخاری اور ترمذی میں مروی ہے، جبکہ ثانی الذکر اسماعیل سے کتب ستہ میں کوئی روایت نہیں اور انہی کو امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام عثمان بن ابی شیبہ ﷫ فرماتے ہیں: "إسماعيل بن أبان الوراق ثقة صحيح الحديث، قيل له: فإن إسماعيل بن أبان عندنا غير محمود، فقال: كان هاهنا إسماعيل آخر، يقال له: ابن أبان غير الوراق، وكان كذابا،" نیز امام علی بن مدینی ﷫ فرماتے ہیں: "لا بأس به، وأما الغنوي فكتبت عنه وتركته، وضعفه جداً." دیکھیں: الجرح والتعديل (٢/ ١٦٠) تهذيب الكمال (٣/٥) ميزان الاعتدال (١/٢١٠) تهذيب التهذيب (١/ ٢٣٦)

[2] هدي الساري (ص: ٣٩٢)

[3] دیکھیں: الجرح والتعديل (٢/ ٢٥٢) تهذيب الكمال (٣/ ٤٧٨)

[4] تقريب التهذيب (ص: ١٠)

[5] اسی لیے حافظ ابن حجر ﷫ حارث بن شبیل کا ترجمہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: الحارث بن شبل كالأول، لكن بلا ←

(۵) زهير بن محمد تميمي : امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں ان کے متعلق یہ لکھا ہے:

"روى عنه أهل الشام أحاديث مناكير" (١٤) ❶

''یعنی شام والوں کے نزدیک انہوں نے چند حدیثیں منکر روایت کیں۔''

اس سے ان کی تمام حدیثوں کا منکر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ ضعیف قرار دیئے جائیں۔ چنانچہ جب ان کو ابن عبدالبر نے ضعیف کہا، تو امام ذہبی نے جواب دیا:

"قلت: كلا بل خرج له البخاري و مسلم". ❷ (ميزان الاعتدال: ج١)

''یعنی یہ ہرگز ضعیف نہیں ہیں، اس لئے کہ ان سے امام بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔''

دیکھئے! امام بخاری کا کسی راوی سے روایت کرنا بھی اس کی توثیق کی دلیل ہے۔ نیز امام بخاری نے خود ان کو ثقہ کہا ہے، علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

"قال البخاري: للشاميين عنه مناكير، وهو ثقة ليس به بأس." ❸ (ص:١٢٣)

''یعنی زہیر سے شام والوں نے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ زہیر فی نفسہ ثقہ اور لا بأس به ہے۔''

معلوم ہوا کہ محض کتاب " الضعفاء " میں کسی راوی کو ذکر کر دینا ضعف کی دلیل نہیں ہے۔ علاوہ بریں ان کو ابن عدی و ابو زرعہ و ابن معین و امام احمد و ابن مدینی و عجلی و ابو حاتم و عثمان دارمی و صالح بن محمد و یعقوب بن شیبہ و موسیٰ بن ہارون و ابن حبان و زکریا ساجی وغیرہ نے ثقہ و صدوق ولا باس بہ کہا ہے۔ ❹ (تہذیب: ج ٣)

⬅تصغير، بصري ضعيف من السادسة، أخطأ الكلاباذي في خلطه بالذي قبله، ورد ذلك الباجي، وحرر القول فيه في رجال البخاري، تمييز." (تقريب التهذيب (ص: ١٤٦) **نیز امام ابوالولید الباجی ﷫ فرماتے ہیں:**

"ذهب أبو نصر الكلاباذي إلى أن الحارث بن شبيل والحارث بن شبل واحد، وأن الخلاف وقع في اسم أبيه، والصواب أنهما رجلان، والحارث بن شبل يحدث عن الحارث بن شبيل، والحارث بن شبل بصري ضعيف، والحارث بن شبيل كوفي ثقة" (التعديل والتجريح: ٢/ ٥١٣)

حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں:"فرق جماعة بين الحارث بن شبيل والحارث بن شبل، منهم أبو حاتم وابن معين ويعقوب بن سفيان والبخاري وابن حبان في الثقات." (تهذيب التهذيب: ٢/ ١٢٤)

❶ الضعفاء للبخاري (ص: ٥٠) برقم (١٢٧)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٨٥) **نیز حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں:**"وأفرط بن عبد البر فقال: إنه ضعيف عند الجميع" (هدي الساري: ٤٠٣)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٢٣) **نیز دیکھیں:** تهذيب الكمال (٩/ ٤١٨) تهذيب التهذيب (٣/ ٣٠١)

❹ زہیر بن محمد تمیمی کے بارے میں امام احمد، بخاری، ابن معین، ابو حاتم عجلی اور ابن عدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب اہل شام ⬅

(٦) **سعيد بن أبي عروبه:** ان کے متعلق ہم نے پوری بحث " الأمر الامبرم" (ص: ٦٧، ٦٨) میں کی ہے، وہاں دیکھنا زیادہ مناسب ہے ، یہاں صرف اس قدر ذکر کر دینا کافی ہوگا کہ امام بخاری نے ان کو کتاب "الضعفاء" میں بوجہ ان کے مختلط ہونے کے ذکر کیا ہے، ❶ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے جب ان سے روایت لی تھی، تو اس وقت یہ مختلط نہ تھے، ہدی الساری میں ہے:

" أما ما أخرجه البخاري من حديثه ...إلى: قبل الاختلاط ". ❷

"یعنی امام بخاری نے ان سے قبل از اختلاط روایت لی ہے۔"

پس یہ اس وقت نہایت ثقہ تھے، چنانچہ ابن معین ونسائی وابوزرعہ وابوحاتم وابن سعد وابن حبان وعجلی وابن عدی نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ ❸

(٧) **عبد الله بن حفص:** اس راوی کا ذکر کتاب " الضعفاء "میں کہیں بھی نہیں ہے، بلکہ امام بخاری نے اسی کتاب " الضعفاء " کے صفحہ (٢٠) میں البتہ عبداللہ بن عمر بن حفص کو ذکر کیا ہے، ❹ لیکن یہ صحیح بخاری کا راوی نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری کا راوی عبداللہ بن حفص ہے،اور وہ باتفاق امت ثقہ ہے۔ ❺ نہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو

← ان سے روایت کریں، تو ان کی روایت ضعیف ہے اور اہل شام کے علاوہ اہل عراق کی روایت ان سے صحیح اور مقبول ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے انہیں کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے ان سے اہل شام کی روایت میں مناکیر کا تذکرہ کیا ہے، کیونکہ ان میں صرف اسی پہلو سے ضعف ہے، لہٰذا انہیں مطلق ضعیف قرار دینا درست نہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری میں ان سے صرف ابو عامر العقدی البصری روایت کرتے ہیں، دیکھیں: صحيح البخاري: برقم (٢٣٣٣، ٥٨٧٥) هدي الساري (ص: ٤٠٣) اور زہیر بن محمد سے ابو عامر عقدی کی روایت صحیح ہوتی ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أما رواية أصحابنا عنه فمستقيمة عبد الرحمن بن مهدي وأبي عامر " (تهذيب التهذيب (٣/ ٣٠١)

لہٰذا ثابت ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا انہیں کتاب الضعفاء میں ذکر کرنے اور صحیح بخاری میں ان سے متابعتاً روایت لینے میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ کتاب الضعفاء میں ذکر کرنے کا مقصد ان سے اہل شام کی مرویات منکر بتانا ہے، جیسا کہ دیگر ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے اور صحیح بخاری میں ان سے اہل شام کی کوئی روایت نہیں، بلکہ ان سے صرف ابو عامر عقدی بصری کی متابعتاً روایت ہے، جسے بالتصریح محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

❶ كتاب الضعفاء (ص: ٥١) برقم (١٣٨)

❷ اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مکمل کلام قابل دید ہے، فرماتے ہیں: "وأما ما أخرجه البخاري من حديثه عن قتادة، فأكثره من رواية من سمع منه قبل الاختلاط، وأخرج عمن سمع منه بعد الاختلاط قليلا... فإذا أخرج من حديث هؤلاء انتقىٰ منه ما توافقوا عليه، كما سنبينه في مواضعه إن شاء الله تعالى " (هدي الساري: ٤٠٦)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٥٧)

❹ كتاب الضعفاء (ص: ٦٥) برقم (١٨٨)

❺ دیکھیں: تهذيب التهذيب (٥/ ١٦٥) وقال ابن عبد البر: كان من أهل العلم والثقة، أجمعوا على ذلك "

کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور نہ کسی نے بھی اس کی تضعیف کی ہے، بلکہ یہ آپ کا اتہام ہے۔

کہئے ڈاکٹر صاحب! آپ تو کمپونڈری کے لائق بھی معلوم نہیں ہوتے؟ (چیرز!)

(۸) **عبد الله بن أبي لبيد:** میں نے ان کے ثقہ ہونے کی پوری بحث " الأمر المبرم" (ص: ۹۴) میں کی ہے، جس کا لب لباب یہ ہے کہ خود امام بخاری نے اسی کتاب "الضعفاء" میں ان کی بابت یہ لکھا ہے:

"كان عبدالله من عباد أهل المدينة ."[1] (ص:۲۰)

''یعنی عبداللہ مدینہ والوں میں بڑے عابد تھے۔''

کتاب " الضعفاء " میں ان کا ذکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر قدریہ ہونے کا گمان کیا گیا تھا،[2] لیکن امام ذہبی نے میزان میں فیصلہ کر دیا ہے کہ ان سے قدر ثابت نہیں ہوا، شاید انہوں نے توبہ کر لی اور پھر ان کی توثیق کی ہے۔[3] پس صحیح بخاری میں ان کے ثقہ ہونے کی بنا پر ان سے روایت لی گئی ہے۔ چنانچہ ان کو امام احمد و ابن مدینی وابن معین ونسائی و ابوزرعہ وابو حاتم وابن ابی نجیح وعجلی وابن سعد وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔[4] (تهذيب : ج٥)

(۹) **عبد الله بن لهيعة:** ان کو خود امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر (جس کے بعد ان کی کتاب "الضعفاء الصغیر" لگی ہوئی ہے) میں لکھتے ہیں: " لا يرىٰ به بأساً "[5] (ص:۲۰۰) یعنی یہ ثقہ ہیں۔ ان کو کتاب "الضعفاء " میں داخل کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کی کتابیں جل گئیں، تو یہ مختلط ہو گئے تھے، جیسا کہ

---

[1] كتاب الضعفاء (ص: ٦٦) برقم (١٨٩) یہ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ نیز امام بخاری ترجمہ کے آخر میں فرماتے ہیں: "وهو محتمل"

[2] کیونکہ اس کے علاوہ ان پر کوئی جرح نہیں ہے، بلکہ ائمہ محدثین نے ان کو صراحتاً ثقہ وصدوق لکھا ہے، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے آگے ذکر کیا ہے۔

[3] ميزان الاعتدال (٢/ ٤٧٥) میں اس کے برعکس لکھا ہوا ہے: "ثقة إلا أنه قدري "

[4] تهذيب التهذيب (٥/٣٢٦) علاوہ ازیں صحیح بخاری میں ان کی صرف ایک روایت محمد بن عمرو اور سلیمان الأحول کی متابعت کے ساتھ مروی ہے۔ (هدي الساري ص: ٤١٦)

[5] التاريخ الصغير (١٨٩/٢) کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اسی طرح موجود ہے، لیکن یہ محرف اور طباعت کی غلطی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: "لا يراه شيئا " علاوہ ازیں یہ امام بخاری کا نہیں بلکہ یحییٰ بن سعید کا قول ہے، اس طباعتی غلطی کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہی قول التاريخ الكبير (١٨٢/٥) اور كتاب الضعفاء (ص: ٦٦) میں "كان لا يراه شيئا" کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۲۔ دیگر مصادر ومراجع میں بھی امام بخاری اور امام حمیدی کی سند سے یحییٰ بن سعید سے یہ قول "لا يراه شيئا" کے الفاظ کے ساتھ ہی مروی ہے۔ دیکھیں: الجرح والتعديل (١٤٦/٥) الكامل في الضعفاء (١٤٤/٤) المجروحين لابن حبان (١٢/٢) الضعفاء للعقيلي (٢/ ٢٩٣) تاريخ دمشق (٣٢/ ١٣٧) تهذيب الكمال (٤٨٧/١٥) تهذيب التهذيب (٣٢٨/٥)

تقریب وغیرہ میں ہے۔ ❶ لہٰذا اس کے بعد ان سے مناکیر روایت ہونے لگیں، ورنہ اصل میں پہلے یہ ثقہ تھے، جب ان سے امام بخاری نے روایت لی تھی، ❷ اور جس جس نے ان سے پہلے روایت لی، وہ سب صحیح ہے۔

خلاصہ میں ہے:

" قال أحمد: احترقت كتبه، وهوصحيح الكتاب، ومن كتب عنه قديما فسماعه صحيح." انتهى (ص: ٢١١)

''یعنی یہ صحیح الکتاب تھے، ان کی کتابیں جل گئیں، جس نے ان سے پہلے لکھ لیا، اس کا سماع صحیح ہے۔''

چنانچہ احمد بن صالح نے بڑے زوروں سے ان کی توثیق کی ہے اور ابن وہب نے ان کی صداقت کی شہادت دی ہے۔ ❸ (تهذيب : ج٥)

(۱۰) عبد الله بن نافع (مولیٰ ابن عمر): یہ صحیح بخاری کا راوی نہیں ہے، بلکہ تمام اسماء رجال والوں نے اس کو ابن ماجہ کا راوی لکھا ہے۔ ❹

(۱۱) عبد الرحمن بن إسحاق بن حارث: یہ بھی صحیح بخاری کا راوی نہیں ہے، بلکہ اس سے صرف ابوداود اور ترمذی میں روایت لی گئی ہے، دیکھو: کتب اسماء رجال۔ ❺

(۱۲) عبد الرحمن بن سلمان: یہ راوی بھی صحیح بخاری میں نہیں ہے، بلکہ یہ صحیح مسلم، ابوداود و مراسیلِ ابوداود اور نسائی کا راوی ہے۔ ❻ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی بابت صرف " فيه نظر " فرمایا ہے، ❼ اسی لئے اس سے روایت نہیں لی، اور چونکہ یہ ابن یونس کے نزدیک ثقہ اور نسائی کے نزدیک " لا بأس به " ہے اور اس کو صالح الحدیث بھی کہا گیا ہے۔ ❽ اس لئے ان سے صحیح مسلم وغیرہ میں روایت ہے۔ البتہ صحیح بخاری کا راوی عبدالرحمٰن بن

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٣١٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢١١)

❷ صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں ہے۔ حافظ ابوالحجاج مزی، ذہبی، ابن حجر اور خزرجی رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی روایت مسلم، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے، کسی نے بھی صحیح بخاری میں ان کی روایت کا ذکر نہیں کیا، اسی لیے امام ابوالولید الباجی نے ان کو "التعديل والتجريح لمن خرج له البخاري في الجامع الصحيح" میں ذکر نہیں کیا۔

❸ تهذيب التهذيب (٣٢٩/٥)

❹ دیکھیں: تقريب التهذيب (ص: ٣٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص:٢١٧)

❺ دیکھیں: تهذيب الكمال (١٦/ ٥١٥) تقريب التهذيب (ص: ٣٣٦)

❻ دیکھیں: تهذيب التهذيب (١٧٠/٦) الكاشف (٢/ ٦٢)

❼ التاريخ الكبير (٢٩٣/٥) الضعفاء (ص:٧١) التاريخ الصغير (٩٧/٢)

❽ تهذيب التهذيب (١٧٠/٦) نیز امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ بخاری نے ان کو ضعفاء میں داخل کیا ہے، ان کو وہاں سے ہٹا دینا چاہیے۔ (الجرح والتعديل: ٥/ ٢٤١)

سلیمان بن غسیل مدنی ہے اور وہ باتفاق ثقہ ہے۔ [1] (دیکھو: الأمر المبرم: ۱۰۲، نمبر: ۷۹)

(۱۳) **عبد الملک بن أعین**: ان کے متعلق ہم نے کامل بحث "الأمر المبرم" (ص: ۱۰۸، نمبر ۸۸) میں کی ہے، اس کا ملخص یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے متابعتاً روایت کی ہے، جیسا کہ تقریب و خلاصہ ومیزان و تہذیب (جلد: ٦) میں مرقوم ہے [2] اور یہ بھی اس وجہ سے کہ ان کو ابو حاتم نے صدوق صالح الحدیث اور یحییٰ بن معین نے صدوق اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔ آپ کا اعتراض جب واقع ہوتا، اگر امام بخاری رحمہ اللہ ان سے بلا متابعت روایت کرتے، إذ لیس فلیس!

(۱۴) **عبد الوارث بن سعید**: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب "الضعفاء" میں ان پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ ان کی توثیق کی ہے، فرمایا ہے کہ لوگ ان کو قدریہ ہونے کا الزام دیتے ہیں، حالانکہ ان سے قدر کے متعلق کوئی کلام سنا نہیں گیا، اور آگے لکھا ہے:

"یعرف الإتقان في قفاه" (ص: ٢٤) [3] "یعنی ان کی گدی میں اتقان معلوم ہوتا ہے۔"

نیز تقریب وخلاصہ و ہدی الساری تہذیب (ج٦) میں ہے کہ ان کا قدریہ ہونا ثابت نہیں ہوا۔ [4]

خلاصہ میں یہاں تک مرقوم ہے:

"أجمع المسلمون علی الاحتجاج به" (ص: ٢٤٧)

"یعنی امام ذہبی نے کہا کہ ان سے حجت پکڑنے پر محدثین کا اجماع ہے۔"

ان کو ابو زرعہ ونسائی و ابن سعد و ابن نمیر وعجلی و ابو حاتم نے ثقہ اور یحییٰ بن معین نے ثقہ أثبت کہا ہے۔

(ملاحظہ ہو: هدي الساري و تهذیب: ج٦) [5]

(۱۵) **عطاء بن السائب**: ان کی بابت بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کتاب "الضعفاء" میں توثیق کی ہے، فرماتے ہیں:

"قال یحییٰ القطان: ما سمعت أحدا من الناس یقول في عطاء بن السائب شیئاً في حدیثه

---

1. دیکھیں: تهذیب التهذیب (١٧٢/٦)
2. میزان الاعتدال (٢/ ٦٥٢) تهذیب التهذیب (٣٤٢/٦) تقریب التهذیب (ص: ٣٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٣)
3. الضعفاء (ص: ٧٩) یہ امام شعبہ کا قول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے صرف انہیں تہمتِ قدر سے بری کرنے کے لیے ذکر کیا ہے، وگرنہ وہ فی نفسہ ثقہ ہیں۔
4. تهذیب التهذیب (٣٩٢/٦) هدي الساري (ص: ٤٢٢) تقریب التهذیب (ص: ٣٦٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٧)
5. تهذیب التهذیب (٣٩٢/٢) هدي الساري (ص: ٤٢٢)

القديم.” (ص: ٢٧) ❶

”یعنی میں نے کسی کو ان کی قدیم حدیث میں کلام کرتے نہیں سنا۔“

ان کی توثیق کی مکمل بحث ”الأمر المبرم“ (١١٣، ١١٤) میں ملاحظہ فرمائیے۔ مختصر یہ کہ عطاء ثقہ ہیں، ان کو امام احمد و ایوب و عجلی و ابوحاتم و نسائی و ابن حبان و ساجی و طبرانی و یعقوب بن سفیان و ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، اور امام بخاری نے ان سے بالمتابعت روایت کی ہے۔ (تہذیب: ج ۷) ❷

(۱۶) **عطاء بن أبي ميمونة**: ان کے متعلق بھی ہم نے ”الأمر المبرم“ (ص: ١١٤، ١١٥) میں مفصل بحث کی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب ”الضعفاء“ میں ان پر کوئی جرح نہیں کی ہے، سوائے اس کے ”كان يرى القدر“ ❸ (ص: ٢٧) یعنی صرف ان کا خیال قدر کے متعلق تھا، نہ یہ کہ یہ قدریہ تھے۔ اس سے ان کی توثیق میں فرق نہیں آ سکتا، بلکہ ان کو ابن معین و ابوزرعہ و نسائی و ابوحاتم و ابن حبان و یعقوب بن سفیان نے ثقہ کہا ہے۔ ❹ (تهذيب التهذيب: ج٧)

(۱۷) **علاء بن خالد أسدي**: ان پر بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب ” الضعفاء “میں کوئی جرح نہیں کی، صرف یہ لکھا ہے:

”قال يحيىٰ: تركت العلاء ثم كتبت عن الثوري عنه “ (ص: ٢٨)

”یعنی یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے علاء سے بلا واسطہ لکھنا چھوڑ دیا، ہاں بواسطہ ثوری البتہ لکھتا ہوں۔

اس سے ان پر کوئی جرح نہیں ہوتی اور پھر لطف یہ کہ یہ راوی صحیح بخاری میں موجود ہی نہیں ہے، بلکہ صرف مسلم و ترمذی میں ہے، اور ابن معین و ابوداود کے نزدیک ثقہ ہے۔ ❺ (تهذيب : ج٨)

(۱۸) **عكرمه بن خالد مخزومي**: یہ بھی صحیح بخاری کا راوی نہیں ہے، کیونکہ یہ عکرمہ بن خالد بن سلمہ بن عاص بن ہشام مخزومی ہے، جس کا امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب ” الضعفاء “ میں ذکر کر کے منکر الحدیث کہا ہے اور اس سے صحاح ستہ کی کسی کتاب میں روایت نہیں ہے، ہاں جس سے صحیح بخاری وغیرہ میں روایت ہے، وہ عکرمہ بن

❶ الضعفاء للبخاري (ص: ٨٨) امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں ان کو آخر عمر میں اختلاط کی وضاحت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ اختلاط کے بعد ان کی روایت ضعیف ہے اور بتایا ہے کہ ان سے شعبہ اور ثوری کی روایت صحیح ہے اور صحیح بخاری میں صرف ان کی ایک موقوف روایت أبو بشر جعفر بن أبي وحشيه الثقة الثبت کی متابعت کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٦٢٠٧) هدي الساري (ص:٤٢٥)

❷ تهذيب التهذيب (١٨٤/٧)

❸ الضعفاء للبخاري (ص: ٨٩) برقم (٢٧٧)

❹ تهذيب التهذيب (٧/ ١٩٢)

❺ تهذيب التهذيب (٨/ ١٥٩)

خالد بن عاص مخزومی ہے اور وہ باتفاق محدثین ثقہ ہے۔ ❶ (ملاحظہ ہو: کتب اسماء رجال)

(۱۹) کھمس بن منھال: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے متعلق کتاب ''الضعفاء'' میں صرف بصیغہ مجہول ''یقال فیہ القدر'' ❷ (ص: ۳۰) لکھا ہے۔ یعنی ان کے قدریہ ہونے پر تیقن نہیں ہے، پس کوئی جرح نہیں رہی۔ ہم نے ان کے متعلق پوری بحث ''الأمر المبرم'' (ص: ۱۵٤، نمبر: ۱۲۰) میں کی ہے۔ اس کے باوجود امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے بالانفراد روایت نہیں کی، بلکہ بمتابعت محمد بن سواء روایت کی ہے، جیسا کہ خلاصہ و ہدی الساری و تہذیب (ج:۸) میں ہے اور یہ بھی اس وجہ سے کہ ان کو ابو حاتم نے صدوق اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ ❸ (تہذیب: ۸)

(۲۰) مجالد بن سعید بن عمیر: یہ صحیح بخاری کا راوی ہی نہیں ہے، ہاں صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کو مقرون بالاخر ذکر کیا ہے نہ بالانفراد، ❹ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے سوا دیگر بقیہ کتابوں میں اس سے روایت لی گئی ہے، پس جب یہ صحیح بخاری میں موجود ہی نہیں تو جرح فضول ہے۔

الحمدللہ! جو بیس راوی آپ نے کتاب ''الضعفاء'' سے پیش کئے تھے، ان کے معقول جوابات ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ بعض کا تو صحیح بخاری میں کہیں پتہ ہی نہیں ہے اور بعض کو جرح کے لیے نہیں بلکہ توثیق کے لیے ذکر کیا ہے اور ان کی ثقاہت آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوگئی اور اس امر کے ذکر پر آپ نے جو نتیجہ مترتب کیا تھا، وہ باطل ہوگیا، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حافظہ کا پختہ ہونا ظاہر ہوگیا اور ان پر '' المرء یؤخذ بإقرارہ '' ❺ کا کلیہ صادق نہیں آیا۔

باقی رہی آپ کی وہ تحریر جو اس مضمون کے تمہیدی دیباچہ (ص: ۸) میں ہے کہ ان پر امام نسائی و امام مسلم و دارقطنی وابن حزم وابن جوزی وابن ہمام و شیخ عبدالحق نے جرح کی ہے، اس کا مفصل جواب ہم اپنے رسالہ '' الریح العقیم ''میں دے چکے ہیں۔ چنانچہ امام مسلم کا جواب (ص: ۱۲ سے ۱۴) تک، ابن جوزی کا جواب (ص: ۱۸ سے ۲۰) تک، دارقطنی ونسائی و ابن حزم کا جواب (ص: ۲۱ سے ۲۳) تک، شیخ عبدالحق کا (ص: ۲۴ سے ۲۶) تک اور ابن ہمام کا (ص: ۲۸) میں جواب دیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر آپ ان کی جرحیں نقل کرتے تو یہاں بھی ہم ان کا جواب دوبارہ دیتے، نیز امام مسلم کے ان سے نہ روایت کرنے کی وجہ اسی ''الریح العقیم '' (ص: ٤ تا ۱٦) میں اور

---

❶ میزان الاعتدال (۳/ ۹۰) تہذیب التہذیب (۷/ ۲۳۰، ۲۳۱)

❷ الضعفاء للبخاري (ص: ۹۷) برقم (۳۰۷)

❸ تہذیب التہذیب (۸/ ٤۰٤) ھدي الساري (ص: ٤۳۷) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۲۲)

❹ دیکھیں: تہذیب التہذیب (۱۰/ ۳٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳٦۹)

❺ آدمی پر اس کے اقرار کے ساتھ گرفت ہوتی ہے۔

کسی صحاح والے کی ان سے روایت نہ کرنے کی وجہ (ص: ١٧ و ١٨) میں مفصل مرقوم ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں اور مجھے بیجا طوالت سے معذور رکھیں، غرض کوئی امرنکتہ سے خالی نہیں ہے، سمجھنے کوفہم اور دیکھنے کوچشم بینا چاہیے، لیکن ۔ ع۔

لن يصلح العطار ما أفسده الدهر

اب اس کے آگے آپ کے مضمون " الجرح علی البخاری نمبر(٤) کا جواب ہے، جو''اہل فقہ'' (جلد:١ شمارہ نمبر: ١٨، ص:٦ مورخہ ١٢ شوال ٢٤ھ مطابق ٣٠ نومبر ٦٠ء) میں شائع ہوا تھا، جس میں آپ نے صحیح بخاری کی چند حدیثوں پر جرح کرتے ہوئے امام بخاری کا غیر مجتهد ہونا ثابت کیا ہے۔

چند احادیثِ بخاری

قوله: حدیث اول: "قال: كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد، في زمان رسول اللهﷺ، فلم يكونوا يرشون شيئاً من ذلك".

''یعنی سب کتے زمانہ رسول اللہ ﷺ میں مسجد نبوی میں ہمیشہ آمدو رفت کرتے تھے اور اصحاب کسی جگہ پانی نہیں چھینٹتے تھے۔'' (بخاری، مطبوعہ أحمدی: ١/ ٢٦) ...إلی قوله:

کسی طرح یہ امر یقین کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مسجد نبوی میں ہمیشہ کتا آیا جایا کرتا، نہ تو کتے کے آنے کا انسداد کیا جائے اور نہ اس جگہ پانی چھینٹا جائے کہ پاک ہوجائے...اور طرہ یہ کہ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ اجتہاد فرمایا کہ کتے کا پیشاب پاک ہے!'' (الجرح: ١٠،١١)

أقول: حدیثِ مذکور میں تو صرف ایک واقعہ کا ذکر ہے، اس سے آپ کو یہ کیونکر متیقن نہیں ہوتا کہ مسجد نبوی میں کتے کیونکر آتے اور ان کا انسداد نہیں کیا جاتا؟ اے جناب! مسجد نبوی تو آپ کی سنگی مسجد بانکی پور کی طرح نہ تھی کہ اس کی چار دیواری وغیرہ ہو، وہ تو پیشتر ایک ٹوٹے پھوٹے پھوس اور کھجور کی شاخوں سے چھت ڈال کر کھڑی کر دی گئی تھی۔ اس میں ہر چار جانب دیواریں تھیں نہ دروازے، ہاں قبلہ کی جانب ایک معمولی سا ٹٹر شاخوں کا گیڑ دیا گیا تھا کہ سترہ ہوجائے، پھر اس حالت میں کتوں کی آمدو رفت کو کون سی چیز مانع ہوسکتی ہے؟ وہاں نہ پہرا تھا نہ چوکیدار، جو ہر وقت ہاتھ میں ڈنڈا لئے ہوئے کتوں کے پیچھے دھت دھت کرتے پھریں اور زیادہ تر تو رات کو جب سب لوگ سوجاتے، اس وقت کتے مسجد میں آتے، جیسا کہ ابن عمر کی دوسری روایت: " كنت أبيت في المسجد و كانت الكلاب...... الخ "[1] سے معلوم ہوتا ہے اور یہ ابتدائے ورودِ مدینہ کا واقعہ ہے، جبکہ مسجد کی تکریم وتطہیر کا حکم نہیں ہوا تھا، جیسا کہ فتح الباری میں ہے:

"إن ذلك كان في ابتداء الحال، ثم ورد الأمر بتكريم المساجد وتطهيرها، وجعل الأبواب عليها." (١/ ١٤)[2]

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب في طهور الأرض إذا يبست، رقم الحديث (٣٨٢) صحيح ابن خزيمة (١/ ١٥١) صحيح ابن حبان (٤/ ٥٣٧)

[2] فتح الباري (١/ ٢٧٩)

''یہ ابتداءِ وقت کا واقعہ ہے، پھر اس کے بعد مسجد میں دروازہ لگانے اور اس کی عزت اور پاک کرنے کا حکم صادر ہوگیا۔''

امید ہے کہ اب تو آپ کو کتوں کے مسجد میں آجانے اور اس کے عدم انسداد کی وجہ بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی۔ ہاں اس سے امام بخاری ؒ کے نزدیک کتوں کے پیشاب کے پاک ہونے کی دلیل سمجھنا کم فہمی ہے، بحالیکہ کہ حدیثِ مذکور میں کہیں پیشاب کا ذکر بھی نہیں ہے، اسی لئے تو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں صاف لکھ دیا ہے:

"لا حجة فيه لمن استدل به على طهارة الكلاب، للاتفاق على نجاسة بولها." [1] (١/ ١٣٩)

''یعنی کتے کے پیشاب کے ناپاک ہونے پر اتفاق ہے، اس میں کتے کی طہارت کی دلیل بھی نہیں ہے۔''

چہ جائیکہ اس کے بول کی طہارت ثابت ہو؟ ہاں اگر آپ فرمادیں کہ دیگر روایات مثلاً ابوداود وغیرہ میں "تبول" کا لفظ بھی آیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا اعتراض صحیح بخاری کی روایت پر ہے، اور اس میں یہ لفظ ندارد ہے۔ [2] چونکہ امام بخاری کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہوا، اس لئے نہیں لائے ، اور جن روایتوں میں آیا بھی ہے اس کی "خارج المسجد " محذوف مان کر تاویل کی گئی ہے۔ [3] یعنی وہ مسجد کے باہر پیشاب کرتے تھے، کیونکہ اگر مسجد میں پیشاب کرتے تو ضرور پانی بہایا جاتا، جب ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا، تو اس پر پانی بہایا گیا، تو کتا جس کا پیشاب باتفاق ناپاک ہے، وہ مسجد میں پیشاب کرتا اور پانی نہ بہایا جاتا، ایں چہ معنی؟

یہ اس امر پر صاف قرینہ ہے کہ وہ مسجد کے باہر بول کرتے تھے اور پھر تو رفتہ رفتہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عروج بخشا، ممالک فتح ہوئے، تو مسجد نبوی شاندار بن گئی، دیواریں بھی درست ہوگئیں، منبر بھی تیار ہوگیا، دروازے بھی لگ گئے، غرض سب کچھ ہوگیا اور ہر چیز سے پورا انسداد ہوگیا، جن لوگوں کے دروازے مسجد کی جانب تھے، وہ بھی مسدود ہوگئے، غرض بہرصورت کامل انتظام ہوگیا۔ فالحمدللہ

قوله: حدیث دوم: عن عبد الله بن عمر قال: ارتقيت على ظهر بيت حفصة لبعض حاجتي، فرأيت رسول اللهﷺ يقضي حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام ."

(بخاری، ص:٢٧)

''عبداللہ بن عمر ♦ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں حضرت حفصہ کے مکان کی پشت پر بعض اپنے کام کو چڑھا، پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا، درانحالیکہ آپ کی

---

1. فتح الباري (١/ ٢٧٨)
2. صحیح بخاری کی منقولہ بالا حدیث یہیں سے شروع ہوتی ہے: كانت الكلاب تبول و تقبل ... الخ
3. دیکھیں: فتح الباري (١/ ٢٧٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

پشت قبلہ کے جانب تھی اور منہ آپ کا جانب شام کے۔“

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کی تھی، رسول اللہ ﷺ کی شان سے یہ امر نہایت مستبعد ہے کہ آپ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف پشت کریں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے دوسروں کو قبلہ کی طرف پشت یا منہ کر کے قضائے حاجت کرنے سے منع کیا ہو، جیسا کہ اسی بخاری میں اس حدیث سے تین حدیث قبل یہ حدیث ہے:

”عن أبي أيوب الأنصاري رضى الله عنه قال رسول الله ﷺ: إذا أتىٰ أحدكم الغائط، فلا يستقبل القبلة و لا يولها ظهره.“ (بخاری، ص: ٢٦)

”یعنی جب تم قضائے حاجت کو آؤ، پس قبلہ کی طرف مت منہ کرو اور نہ اس طرف پیٹھ کرو۔“ (ص: ١١)

أقول: اس کی وجہ خود اسی حدیث سے نہایت ظاہر طور پر ثابت ہے، جس کا آپ نے آگے (ص: ۱۲) پر اقرار بھی کیا ہے کہ حدیث اول مکان کے واسطے ہے، کیونکہ مکان میں دیوار ہوتی ہے، جس سے پردہ اور آڑ ہو جاتا ہے، اور حدیث دوم میدان کے لیے ہے، کیونکہ وہاں کسی چیز کی آڑ نہیں ہوتی، آپ خواہ مخواہ اس کو غلط قرار دیتے ہیں، بحالیکہ امام بخاری ؒ خود باب میں یہ استدلال کرتے ہیں: ” إلا عند البناء جدار أو نحوه“[1] یعنی جس حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس سے مکان اور آڑ والی چیزیں مثلاً دیوار وغیرہ مستثنیٰ ہیں، کیونکہ دوسری حدیث میں کوئی شئے جدار وغیرہ کی مخصص نہیں ہے، پس وہ میدان کے لیے ہوگی۔ ہاں آپ کا یہ قول عجیب ہے کہ ”میدان اور کعبہ کے بیچ میں بھی ہزاروں مکانات و پہاڑ وغیرہ حائل ہیں۔“ یہ حائل ہونا کوئی مفید امر نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ہزاروں مکانات اور پہاڑ اس شخص کے لئے آڑ نہیں ہو سکتے، بخلاف متصل دیوار کے کہ وہ آڑ اور سترہ ہے، لہٰذا مکان کے اندر جائز ہے اور یہی حضرت عائشہ وعروہ و ربیعہ و داود وغیرہ کا مذہب ہے اور مطلب بھی دونوں حدیثوں کا صاف اور اپنے محل میں بحال ہے۔[2] فافهم !

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (١/ ٢٤٥)

[2] نیز اس حدیث پر مندرجہ ذیل ائمہ محدثین کی تبویبات سے بھی یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے:

۱۔ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں: باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء جدار أو نحوه.

۲۔ امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی ؒ نے بھی گھروں میں رخصت کے ابواب قائم کیے ہیں۔

۳۔ امام الائمہ ابن خزیمہ ؒ فرماتے ہیں: ”باب ذكر الخبر المفسر للخبرين اللذين ذكرتهما في البابين المتقدمين، والدليل على أن النبي صلى الله عليه إنما نهى عن استقبال القبلة واستدبارها عند الغائط والبول في الصحارى والمواضع اللواتي لا سترة فيها، وأن الرخصة في ذلك في الكنف والمواضع التى فيها بين المتغوط والبائل وبين القبلة حائط أو سترة“

۴۔ امام ابن حبان ؒ فرماتے ہیں: ”ذكر الخبر الدال على أن الزجر عن استقبال القبلة واستدبارها بالغائط والبول، إنما ←

اس کے آگے آپ نے جو''الجرح'' کا پانچواں نمبر''اہل فقہ'' (جلد: ۱، شمارہ نمبر: ۲۲، ص: ۷ مورخہ ۱۱ ذیعقدہ ۲۴ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۲۰۰۶ء) میں شائع کرایا تھا، وہ بھی چونکہ حدیث پر جرح ہے، لہٰذا ہم اس کو اسی فصل میں داخل کر کے حدیث سوم سے معنون کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔

قوله: حدیث سوم: عن ابن عمر: ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ قال: يأتيها في."

(بخاري: ٦٤٩)

اس حدیث میں امام بخاری نے "في" کا مجرور چھوڑ دیا ہے اور وہ دبر ہے، اور یہ فلاں فلاں حدیث کے مخالف ہے۔ (ص: ۱۳، ۱۴)

أقول: اے جناب! یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ابن عمر ♦ کا اثر ہے اور''فی'' کا مجرور''دبر'' نہیں ہے، بلکہ ''فرج'' ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام حمیدی نے اپنی کتاب " جمع بين الصحيحين "میں اس اثر کو''يأتيها في الفرج" کے جملہ سے نقل کیا ہے اور حافظ ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے صغانی کے نسخہ کو دیکھا، اس میں برقانی نے''فی'' کا مجرور''فرج'' زیادہ کیا ہے۔ [1] چنانچہ امام بخاری ﷫ کا بھی یہی مذہب ہے اور اس حدیث میں''فی'' کا مجرور''فرج'' ماننے کے کئی قرینے ہیں:

اول: یہ کہ اثر ابن عمر کی جس روایت میں " في الدبر "کی تصریح ہے، نافع نے اس روایت سے انکار کیا ہے۔ [2]

دوم: یہ کہ سالم بن عبداللہ نے اپنے باپ ابن عمر کے اس قول کا مطلب یہ نقل کیا ہے:

" لا بأس أن يوتى في فروجهن من أدبارهن " [3] (جواهر منيفه: ٢/ ١٠٠)

سوم: یہ کہ حضرت ابن عمر نے خود اس فعل سے بایں الفاظ انکار کیا ہے: " وهل يفعل ذلك أحد من المسلمين" [4] (جواهر) یعنی کیا اس کو کوئی مسلمان کر سکتا ہے؟

چہارم: یہ کہ''فی'' کا مجرور''دبر'' ماننے سے آیت " حرث لكم "کے مفاد کے مخالف ہوگا۔

🡸زجر عن ذلك في الصحاری دون الكنف والمواضع المستورة "

۵۔ امام بیہقی ﷫ فرماتے ہیں: "باب الرخصة في ذلك في الأبنية" نیز دیکھیں: الأوسط لابن المنذر (١/ ٣٣٠) الاستذكار لابن عبد البر (٢/ ٤٤٣) فتح الباري (١/ ٢٤٥)

[1] لیکن بعد میں حافظ ابن حجر ﷫ نے "في" کا مجرور "فرج" نکالنے کی تردید کی ہے اور حمیدی کا "فرج" کو مجرور ذکر کرنا ان کا اپنا فہم اور صریح روایت کے مخالف قرار دیا ہے۔ دیکھیں: فتح الباري (٨/١٨٩)

[2] دیکھیں: السنن الكبرىٰ للنسائي (٥/٣١٥) شرح معاني الآثار (٣/٤٢)

[3] تفسير البغوي (١/ ٢٥٩) شرح معاني الآثار (٣/ ٤٢)

[4] سنن الدارمي (١/ ٢٧٧) شرح معاني الآثار (٣/٤١) غريب الحديث للخطابي (٢/ ٤٠٠)

پنجم: یہ کہ بقول آپ کے بہت سی احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ ❶

یہ سب قرائن صاف بتلاتے ہیں کہ حدیث بخاری میں ''في'' کا مجرور ''فرج'' ہے نہ کہ ''دبر''۔

پس اب نہ کسی حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے نہ قرآن کی، لہٰذا آپ کی دوصفحہ (۱۳،۱۴) کی طویل تحریر فضول بلکہ رائیگاں گئی اور آپ کے سارے مطاعن ﴿ هباءً منثورا ﴾ ہوگئے۔

باقی رہا کہ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے ''في'' کا مجرور ''فرج'' ذکر کیوں نہیں کر دیا؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ ''في'' کا مجرور محض ''فرج'' ہی نہیں بلکہ " في فروجهن من أدبارهن" بھی ہے، اس لئے اس کے ذکر میں استکراہ سمجھا اور یہ غایت تہذیب و دانائی ہے۔ ❷ العاقل تکفیه الإشارة!

ہم نے اس مسئلہ پر مفصل بحث اخبار ''اہل حدیث'' (یکم مارچ ۱۲ء) اور (۲۴ مئی ۱۲ء حل نمبر ۶ و ۱۱) میں کی ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ امید ہے کہ وہ مضمون اس کتاب کی جلد ثالث میں نقل ہوجائے گا۔

بحمداللہ کہ جن تین حدیثوں پر ڈاکٹر صاحب نے جرح کی تھی، اس کا بخوبی ابطال ہوگیا اور امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہاد کا کامل ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔

اب ہم آگے رسالہ "الجرح" کے (ص:۱۵) کے نمبر (۶) کا جواب دیتے ہیں، جو اخبار " اهل فقه" (شمارہ نمبر: ۲۲، ج:۱،ص: ۹ مورخہ ۱۷ ذی الحجہ ۲۴ھ مطابق یکم فروری ۷ء) میں طبع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ ہے:

---

❶ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریم إتیان في الدبر کے بارے میں وارد احادیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"قلت: لكن طرقها كثيرة، مجموعها صالح للاحتجاج به، ويؤيد القول بالتحريم أنا لو قدمنا أحاديث الإباحة، للزم أنه أبيح بعد أن حرم، والأصل عدمه، فمن الأحاديث الصالحة الإسناد حديث خزيمة ... صححه ابن حبان، وحديث أبي هريرة ... وصححه ابن حبان أيضا، وحديث ابن عباس ... وصححه ابن حبان أيضا، وإذا كان ذلك، صلح أن يخصص عموم الآية. " (فتح الباري: ۱۹۱/۸) نیز دیکھیں: التلخيص الحبير (۱۷۹/۳) إرواء الغليل (۶۸/۷) برقم (۲۰۰۶)

❷ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مجرور کے عدم ذکر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"وهذا الذي استعمله البخاري، نوع من أنواع البديع، يسمى الاكتفاء، ولا بد له من نكتة يحسن بسببها استعماله " (فتح الباري: ۱۹۰/۸)

”بخاری میں بندروں کی کہانی“

امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے والے لکھا کرتے ہیں کہ ہم ان کی توہین نہیں کرتے، لیکن یہ سرخی خود ہی صاف بتلاتی ہے کہ اس سے کیسی توہین مترشح ہوتی ہے؟ یہاں تک تو غنیمت تھا، رسالہ " الجرح " میں اس کے بعد بریکٹ میں اتنا اور بڑھایا گیا ہے: ”یارام لیلا کا سانگ!“ جس کا ذکر اخبار میں نہیں ہے، معترض کا اس سے جو مقصود ہے، یعنی دل دکھانا، وہ اس کو حاصل ہوگیا، سچ ہے۔ ع۔

اب ہمیں ظالم ستالے پھر ستانا ہو نہو

قوله: کتاب بخاری میں ایک بندر کا عجیب وغریب قصہ لکھا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے:

حديث: ”عن عمرو بن ميمون قال: رأيت في الجاهلية قردة قد زنت، فرجموها فرجمتها معهم.“ (بخاری، مطبوعه أحمدی: ٤٥٣، باب القسامة في الجاهلية)

”عمرو بن میمون سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ ہم نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندریا کو دیکھا کہ اس نے زنا کیا اور بندر سب جمع ہوئے اور سبھوں نے مل کر اس بندریا کو رجم کیا اور ہم نے بھی بندروں کے ساتھ مل کر اس کو رجم کیا۔“

یہ ایک ایسی حدیث ہے کہ جس کا ثبوت نہ تو عقل سے ہوتا ہے نہ نقل سے، لیکن عقل سے پس ظاہر ہے ...إلى قوله: اور لیکن نقل سے پس یہ معلوم ہے کہ کسی زمانہ میں شرع حیوانات پر نازل نہیں ہوئی، یہ ہمیشہ سے قانون شرعی سے غیر مکلّف اور آزاد رہے، نہ ان کو کسی عبادت کا حکم ہوا اور نہ ان کا کوئی فعل جرم ٹھہرایا گیا... الیٰ آخرہ. (ص: ١٥،١٦)

أقول: مجھے نہایت حیرت ہے کہ ہنوز آپ حدیث سے بھی ناواقف ہیں کہ حدیث کس کو کہتے ہیں؟ صحابی کے قول کو بار بار حدیث کہتے جاتے ہیں۔[1] اے جناب! جیسے آپ نے اس قصہ کو عقل ونقل کے خلاف کہا ہے،

---

[1] یہ واقعہ عمرو بن میمون رحمہ اللہ کا بیان کردہ ہے، جو ایک تابعی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مخضرم مشهور، ثقة عابد“ (تقريب التهذيب: ٤٢٧) نیز دیکھیں: تهذيب التهذيب (٩٦/٨)

مخالفین اسلام قرآن مجید کے اس قصہ کو بھی غلط کہتے ہیں کہ قابیل نے جب ہابیل کو مار ڈالا، مارنے کے بعد وہ پچھتایا اور حیران تھا کہ کیا کرے؟ تو خدا نے ایک کوّا بھیجا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾ [المائدة: ۳۱، ۳۲]

یعنی قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی ہابیل کے مار ڈالنے کی رغبت دلائی، پس مار ڈالا اس کو، پس ہوگیا نامرادوں سے، پس بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کھودتا تھا زمین کو (چونچ سے) تاکہ دکھلائے اس کو کیونکر چھپائے لاش اپنے بھائی کی، قابیل نے کہا اے افسوس! کیا عاجز ہوگیا میں اس بات سے کہ ہو جاؤں مثل اس کوے کے ڈھانکوں نعش اپنے بھائی کی پس ہوگیا وہ پشیمان۔''

حالانکہ جس طرح یہ قرآنی قصہ صحیح ہے، اسی طرح وہ بھی صحیح ہے، کیونکہ دونوں کا مآل ایک ہے اور وہ یہ کہ جس طرح خدا کی قدرت کا ایک نمونہ بغرض تعلیم و عبرت ظہور میں آیا اور ایک کوے نے دوسرے کو دفن کیا، اسی طرح ایک صحابی کے دل میں قبل از وقت اسلام کی خوبی جمانے کے لیے ان کے مشاہدہ سے یہ حرکت بندوروں کی گزاری۔ آپ جس طرح اس صحیح واقعہ کو خلاف عقل و نقل ٹھہراتے ہیں، اس قرآنی واقعہ کو بھی ٹھہرایئے اور دل کھول کر فراغت سے اللہ پر اعتراض کیجیے کہ وہ تو غیر مکلّف اور آزاد ہیں، پھر ان کو شرعی طور پر دفن کرنے کی کیا ضرورت؟ حالانکہ جس طرح یہ مسلّم ہے کہ یہ کوا دراصل فرشتہ تھا، جب بشکل غراب تعلیم کے لیے آیا تھا اور اس نے دوسرے حقیقی کوے کو مار کر دفن کیا، اسی طرح ان بندوروں نے بھی، جو تمام جن تھے، اس جنگل میں بندروں کی شکل میں نمودار ہو کر ایک کافر مشرک کو قدرت کا کرشمہ دکھلایا، فتح الباری میں ہے:

" فلعل هؤلاء كانوا من الجن، وإنهم من جملة المكلفين ...إلى قوله: فلا يستلزم إيقاع التكليف على الحيوان ." انتهى [1] (۱۵/ ۲۳۳)

''یہ لوگ جنوں سے تھے اور وہ مثل انسان کے مکلّف ہیں، پس حیوان کے مکلّف ہونے کا الزام اٹھ گیا۔''

آپ نے جو رسالہ کے (ص:۱۶) میں ابن عبدالبر کا قول عینی سے نقل کیا ہے، اس میں بھی آگے صاف موجود ہے:

" كانوا من الجن، لأن العبادات في الجن والإنس دون غيرهما." [2] (۸/ ۴۹)

---

1. فتح الباري (۷/ ۱۶۰)
2. عمدة القاري (۱۶/ ۳۰۰)

''یعنی وہ جنوں سے تھے اور عبادت کے مکلّف جن وانس ہیں نہ کہ غیر۔''

پس آپ کا اعتراض اٹھ گیا اور اس سے روایت کی صحت پر بھی کچھ بٹہ نہیں لگا، کیونکہ جس امر کی بنا پر آپ نے اپنے رسالے کے صفحہ (۱۷) کے نصف صفحہ تک روایت پر کلام کیا ہے اور روات کی عدم ثقاہت یوں ہی فرضاً ثابت کی ہے، وہ باطل ہوگئی۔ آیئے اب ہم آپ کو اس روایت کی بابت کرمانی کا قول سنا دیں، فرماتے ہیں:

" الحديث المذكور في معظم الأصول التي وقفنا عليها." [1] (فتح الباری: ١٥ / ٤٣٣)

''یعنی یہ روایت معظم اصول کی ہے اور نہایت معتبر ہے۔''

غرض روایت مذکورہ میں کسی طرح کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ہاں تو آپ کا یہ فرمانا کہ ''جنگلی بندروں کے ساتھ آدمی شریک ہوجائے اور وہ نہ بھاگیں؟'' کوئی تعجب خیز نہیں ہے، اس لئے کہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جب بندروں کی بہت بڑی جماعت ہو، تو وہ ایک مرد سے نہیں ڈرتے، بلکہ اکثر اس کی ٹوپی وغیرہ لے جایا کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے انگریزی کورس کی کتابوں میں اکثر بندروں کے کے قصے پڑھے ہوں گے (بشرطیکہ ڈاکٹری انگریزی پڑھ کر پاس کی ہو؟ چیرز!) اور خاص کر جبکہ وہ سب جنات ہیں، تو وہ انسان سے کیوں بھاگیں گے؟ [2]

بحمد اللہ کہ اب آپ کے جواب سے فراغت ہوئی ہے، تو مولانا افگر ایڈیٹر ''اہل فقہ'' کے اعتراض کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو انھوں نے حافظ ابن حجر کے گھوڑے والے تائیدی قصہ پر اعتراض اور تمسخر کیا ہے اور ''اہل فقہ'' (جلد: ۳، شمارہ نمبر: ۷، صفحہ: ۴، مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۲۷ھ مطابق ۲۰ اپریل ۰۹ء) میں طبع کر کے شائع کیا ہے اور جسے ہمارے ڈاکٹر صاحب نے اپنے رسالہ (ص: ۹۷) میں نقل کیا ہے، ہم اس کا بھی اسی جگہ جواب عرض کرتے ہیں۔

قولہ: گھوڑے کا قصہ اور بندروں کی کہانی کی تائید! فتح الباری میں اس قصہ کی تائید ایک گھوڑے کے قصہ سے کی گئی ہے، شارح بخاری فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک گھوڑے کو ایک گھوڑی سے، جو اس کی ماں تھی، ملانے لگے، تو گھوڑے نے کوئی توجہ نہ کی، کیونکہ وہ گھوڑی اس کی ماں تھی، پھر یہ تجویز کی گئی کہ گھوڑی پر پردہ ڈالا گیا، تاکہ گھوڑا اس کو پہچان نہ سکے، مگر جب گھوڑے نے اس پر جست کی تو سونگھنے سے اس کو معلوم ہوگیا کہ اس کی ماں ہے، پس اس گھوڑے نے اپنے منہ سے اپنے عضو مخصوص کو

---

1. فتح الباری (١٦٠/٧) یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے، دراصل امام حمیدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الجمع بين الصحيحين" میں لکھا تھا کہ یہ روایت صحیح بخاری کی نہیں، بلکہ کسی نے اس میں اضافہ کر کے ملا دی ہے، تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وما قاله مردود، فإن الحديث المذكور في معظم الأصول التي وقفنا عليها ... الخ
2. نیز اسی طرح بعض حیوانات کے دلچسپ واقعات، جو ان کی ذہانت و فطانت پر دلالت کرتے ہیں، کے لیے دیکھیں: احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ لفضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (ص: ١٩١)

کاٹ ڈالا (اس کے بعد فرماتے ہیں) کہ جب گھوڑے میں اتنی تمیز ہے کہ اپنی ماں پر جست نہیں کرتا، بندر تو بہ نسبت گھوڑے کے زیادہ سمجھ دار ہے، اس لئے اگر بندروں نے کسی بندر کو زنا کی سزا میں رجم کیا تو کوئی تعجب نہیں (إلی قولہ) قابل غور امر یہ ہے کہ کیا گھوڑے کا یہ قصہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو کوئی صاحب یہ ثابت کر دے کہ گھوڑے کا منہ اس کے عضو مخصوص تک پہنچ سکتا ہے، ہم اسے مبلغ انعام دیں گے۔

أقول: یہ انعام تو آپ اپنے پاس رکھیں، گھوڑے کے اس قصہ میں کونسا استحالہ ہے، جس سے اس کی صحت معرضِ شک میں ہے؟ زمانہ حال میں یہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ اکثر جانور اپنی ماں وغیرہ پر جست نہیں کرتے مگر باستکراہ، اور اکثر کرتے بھی ہیں، غرض دونوں صورتیں امکان کے مخالف نہیں، رہا عضو مخصوص تک منہ کا پہنچنا، تو یہ جانوروں میں تو بکثرت ہے، گھوڑا بھی جب لیٹ جائے اور مستی سے اپنے عضو مخصوص کو پوری طرح باہر کر لے، تو اس وقت بآسانی اس کا منہ پہنچ سکتا ہے، آپ کسی طویلہ میں جا کر نظارہ بازی کر لیں۔ علاوہ بریں اس میں حافظ ابن حجر کا کیا قصور ہے؟ انہوں نے ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کی ''کتاب الخیل'' سے ایک گھوڑے کا واقعہ نقل کر دیا، جو بطریق اوزاعی ہے۔ [1] اگر بالفرض یہ واقعہ غلط ہو، تو کوے والا قرآنی واقعہ تو صحیح ہے، جو دراصل اس قصے کی تائید کرتا ہے، اگر وہ بھی غلط ہے تو تسلیم کر لیجیے، چلئے جھگڑا فیصل شد۔ افسوس کہ صحیح بخاری کی عداوت میں آپ لوگ کیسے کیسے تفحش پر آمادہ ہو گئے اور حیاء و شرم کا خون کر دیا؟ مجبوراً آپ کے مقابل میں بفحوائے ﴿وَجَزَٰٓؤُا۟ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ [الشوریٰ: ٤٠] ہم کو بھی یہ طریق اختیار کرنا پڑا، امید ہے کہ ناظرین ہمیں ایک حد تک معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گے۔

---

[1] فتح الباري (١٦١/٧)

''امام بخاری کا طرز عمل''

ڈاکٹر عمر کریم صاحب نے اس سرخی کے ذیل میں دو حدیثیں پیش کی ہیں کہ امام بخاری کا طرز عمل اس کے خلاف تھا، لہٰذا یہ دونوں حدیثیں خود امام بخاری کے نزدیک ساقط الاعتبار اور غیر قابل العمل ہیں، لیکن افسوس کہ معترض کو اس کی سطحی عقل کی وجہ سے اختلاف معلوم ہوا، حالانکہ عین موافق عمل تھا، چنانچہ یہ نکتہ خود ظاہر ہوجاتا ہے۔

قوله: حدیث اول: إن عبدالله بن عمر قال: أخبر رسول اللهﷺ .الخ (بخاری، ص: ٦٥)

عمر ♦ نے کہا کہ رسول اللہ ♏ خبر دیئے گئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اللہ کی کہ ہم دن کو روزہ رکھیں گے اور شب کو قیام کریں گے، فرمایا کہ تحقیق تم اس کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ پس روزہ رکھو اور افطار کرو اور قیام کرو، اور سوؤ، اور ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھو، ایسا روزہ مثل صیام دہر کے ہے، ہم نے کہا کہ تحقیق ہم اس سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں، فرمایا روزہ رکھو ایک روز اور افطار کرو ایک روز۔ اِلیٰ قولہ:

لیکن امام بخاری تمام عمر اپنی روایتوں کے برعکس عمل کرتے رہے، یعنی صائم الدہر رہا کرتے تھے، جیسا کہ کتاب طبقات کبریٰ امام عبدالوہاب شعرانی، مطبوعہ مصر (۱/ ۵۰) امام بخاری کے حال میں لکھا ہے:

"محمد بن إسماعيل البخاري، كان صائم الدهر، وجاع حتى انتهى أكله كل يوم إلى تمرة أو لوزة ."

''محمد بن اسماعیل بخاری صائم الدہر تھے اور اتنی فاقہ کشی کی کہ ان کی روزانہ کی غذا ایک خرما یا ایک بادام تک پہنچ گئی۔''

پس دیکھئے کہ صوم دہر کی ممانعت کی حدیثوں کو اگرچہ وہ خود روایت کرتے ہیں، مگر ہمیشہ اس کے خلاف عامل رہے۔ (ص: ۱۷، ۱۸)

أقول: اے جناب! آپ نے امام بخاری ؒ کے صائم الدھر ہونے کا مطلب نہیں سمجھا، وہ ہرگز حدیث کے خلاف عامل نہیں ہوئے، بلکہ حدیث میں جیسا مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کو کہا گیا ہے، ویسا ہی امام

بخاری ؒ کرتے اور پھر بقیہ ایام نہایت کم خوراکی سے بسر کرتے، امام بخاری ؒ کے صائم الدھر ہونے کے یہ معنی ہیں، ورنہ جس معنی میں آپ نے سمجھا ہے، اس اعتبار سے شعرانی کی عبارت میں تناقض ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ دن کو کھائیں بھی (ایک کھجور یا بادام ہی سہی) اور پھر صائم بھی ہوں؟ هل هذا إلا تناقض!

مطلب یہ کہ ان کی اس قدر کم خوراکی بھی صیام کے مثل ہے، یہ نہیں کہ امام بخاری ؒ کچھ کھاتے ہی نہ تھے، اسی طبقات کبریٰ للشعرانی میں ہے:

ابوالحسن یوسف بن ابی ذر کہتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے چالیس سال تک نانخورش نہیں کھایا، صرف خشک روٹیوں پر گزارا کرتے رہے، جب علیل ہوئے تو بہ تجویز شیوخ روٹیوں کے ساتھ شکر کھانی منظور کی۔ [1]

جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری ؒ کچھ کھایا بھی کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ کھانا اور نہ کھانا دونوں ایک برابر تھا، لہٰذا ان کو صائم الدہر کہا گیا، صائم الدھر کا وہ مطلب نہیں ہے، جو آپ نے سمجھا ہے کہ ہمیشہ روزہ ہی رکھا کرتے تھے، مطلقاً کچھ کھایا ہی نہیں، بلکہ کچھ ضرور کھاتے، پس یہ عمل ہرگز حدیث کے خلاف نہیں ہوا۔ [2]

امام نے تو قدم بقدم اصحاب رسول اللہ ﷺ کے مثل دنیا گزاری۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [المائدہ: ٥٤]

ہاں ذرا میری بھی سنئے کہ امام ابوحنیفہ ؒ کی شان میں جو یہ شعر پڑھایا جاتا ہے:

يبيت مشمراً سهر الليالي وصام نهاره لله خيفة

’’یعنی امام صاحب رات کو ہمیشہ جاگ کر قیام میں بسر کرتے اور خدا کے ڈر سے دن کو برابر روزہ رکھتے۔‘‘

یہ صیام الدہر قیام الدہر اور ہر دو کیا مرقومہ بالا حدیث نبوی کے مخالف نہیں ہے؟ سچ ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھلے دکھائی دیتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں پڑتا۔ امام بخاری ؒ کے قیام اللیل کی بابت ابوعبداللہ حاکم اپنی مسلسل سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ؒ رمضان میں نصف شب سے سحر تک نماز پڑھتے اور تین روز میں ایک قرآن ختم کرتے۔ [3] یہ بھی بالکل حدیث کے مطابق عمل ہے۔

الحمدللہ! کہ جس قدر آپ اعتراض کرتے جاتے ہیں، امام بخاری ؒ کا پایہ بلند ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ فالحمد للّٰه ثم الحمد للّٰه!

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٨١) تغليق التعليق (٣٩٨/٥) الطبقات الكبرىٰ (ص: ٩٢)

[2] علاوہ ازیں شعرانی نے طبقات میں امام بخاری کے متعلق مذکور عمل کی کوئی سند بیان نہیں کی، کیونکہ مذکورہ عمل کے پایہ ثبوت کو پہنچنے کے بعد ہی کسی توجیہ کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ إذ ليس فليس!

[3] تاريخ بغداد (١٢/٢) تاريخ دمشق (٧٩/٥٢) سير أعلام النبلاء (٤٣٨/١٢)

قوله: حدیث دوم: لا یتمنیٰ أحدکم الموت، إما محسناً فلعله أن یزداد خیراً، وإما مسیئاً فلعله أن یستعتب " (بخاری: ۸٤۷)

''ایک تم سے موت کی آرزو نہ کرے یا وہ نیکوکار ہے پس شاید نیکی کو زیادہ کرے اور یا وہ بدکار ہے، پس شاید وہ اللہ کی رضا مندی توبہ کرنے سے طلب کرے۔''

امام بخاری جب بخارا سے سمرقند آئے اور وہاں بھی لوگوں نے ان کے ساتھ مخالفت کی، تو آپ ان سب مصائب پر صبر نہ کرسکے اور حالانکہ صبر کرنا چاہیے تھا اور بہت تنگ دل اور ملول ہوکر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

" اللھم قد ضاقت علي الأرض بما رحبت فاقبضني إلیك"

''اے خدا! مجھ پر زمین باوجود اس فراخی کے تنگ آئی، پس ہم کو طرف اپنے اٹھا۔''

اور اسی ماہ میں انتقال کیا، پس یہ دعائے مرگ جو امام بخاری نے مانگی، وہ کتاب بخاری کی مذکورہ بالا حدیث نبوی کے بالکل خلاف کیا۔ (ص: ۱۹)

أقول: امام بخاری ؒ نے حدیث کے خلاف نہیں، بلکہ بالکل حدیث کے موافق کیا، آیئے آپ کو بالتفصیل سمجھا دوں، اصل فرمان نبوی یہ ہے: "لا یتمنین أحدکم الموت من ضر أصابه" [1] چنانچہ یہ روایت اس روایت سے تین حدیث قبل موجود ہے، اور بعض روایات میں ہے: " لضر نزل به "[2] ان دونوں حدیثوں میں "ہ" کی ضمیر "أحد" کی طرف لوٹتی ہے۔ دونوں کا مطلب یہ ہوا کہ جب تم انسانوں کی ذات پر تمہارے دنیاوی امور میں کوئی مصیبت پیش آجائے، تو موت کی تمنا نہ کرو، معلوم ہوا کہ جب دینی امور میں ضرر کا خوف ہو، تو تمنا جائز ہے، چنانچہ حدیث کا مفہوم مخالف یہی ہوا، اور شارحین بھی یہی لکھتے ہیں، فتح الباری میں ہے:

"قوله: من ضر أصابه، الضر الدنیوي، فإن وجد الضر الأخروي بأن خشي فتنة في دینه، لم یدخل في النهي، ویؤخذ ذلك من روایة ابن حبان: لا یتمنین أحدکم الموت، لضر نزل به في الدنیا، [3] علیٰ أن " في " في هذا الحدیث سببیة، أي: بسبب من أمر الدنیا، وقد فعل ذلك جماعة من الصحابة...... الخ [4] (۲۳/ ۳۸٤)

---

[1] صحیح البخاري: کتاب المرضیٰ، باب نهي تمني المریض الموت، رقم الحدیث (۵۳٤۷) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب کراهة تمني الموت لضر نزل به، رقم الحدیث (۲۶۸۰)

[2] صحیح البخاري: کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحیاة، رقم الحدیث (۵۹۸۸) صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب کراهة تمني الموت لضر نزل به، رقم الحدیث (۲۶۸۰)

[3] سنن النسائي، برقم (۱۸۲۰) صحیح ابن حبان (۲۳۲/۷) مصنف ابن أبي شیبة (٤٤/۶)

[4] فتح الباري (۱۰/ ۱۲۸)

''حدیث میں ضرر سے مراد ضرر دنیوی ہے، پس اگر ضرر اخروی (دینی) کا خوف ہو، بایں طور کہ دین میں فتنہ کا ڈر ہو، تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کی مؤید ابن حبان کی روایت ہے کہ دنیاوی نقصان کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، ورنہ بہت سے صحابہ نے دینی مضرت کے خوف سے تمنائے موت کی ہے۔'' (جیسا کہ نیچے آتا ہے)

غرضیکہ دوسری روایت سے ثابت ہوگیا کہ دینی امور میں جب ضرر کا خوف ہو، تو تمنا جائز ہے، پس امام بخاری نے اپنے کسی ذات کے نقصان و مصائب پر موت کی تمنا نہیں کی، بلکہ جب بخارا میں حدیث نبوی کے درس سے روک دیئے گئے اور خارج شہر کر دیئے گئے اور سمر قند میں بھی درس کی کوئی جگہ تجویز نہ ہوسکی، نیز مقام بیکند میں یہی جھگڑا پھیل گیا اور امام بخاری نے دیکھا کہ اب حدیث نبوی کی اشاعت کے لیے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن ہے، زمین باوجود فراخی رکھنے کے بالکل تنگ ہوگئی کہ کہیں حدیث نبوی کے درس دینے کے لیے جگہ نہیں ملتی، تو اپنے لئے موت کی دعا کی۔ ❶ کیونکہ آپ مخزن حدیث تھے اور حدیث کا مخزن میں جمع رہنا مناسب نہیں ہے، لہٰذا اس دینی مضرت کے خوف سے موت کی دعا کی، یہ تو عین حدیث کے موافق اور حکم حدیث کے مطابق ہوا، چنانچہ عمر فاروق ♦ نے بھی آخر عمر میں ایسی ہی دعا مانگی تھی:

"اللهم كبرت سني وضعفت قوتي وانتشرت رعيتي، فاقبضني إليك، غير مضيع ولا مفرط، رواه في الموطأ، وأخرجه عبد الرزاق من وجه آخر". ❷ (فتح الباری: پارہ ۲۳)

''یعنی حضرت عمر ♦ نے فرمایا تھا: اے خدا! میں بوڑھا ہوگیا ہوں، مجھے اپنی طرف اٹھالے۔''

علی ہذا القیاس سنن ابی داود میں ہے کہ جب دحیہ بن خلیفہ صحابی دمشق سے نکل کر مقام فسطاط میں پہنچے، تو وہاں لوگوں کو خلاف سنت عمل کرتے ہوئے پاکر نہایت رنجیدہ ہوکر فرمایا:

" اللهم اقبضني إليك ". ❸ (أبو داود، كتاب الصيام، ص: ۳۲۸)

بعینہ اسی طرح امام بخاری نے بھی فرمایا: " اقبضني إليك! " ❹

اجی! خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے موت کی دعا بایں الفاظ فرمائی:

---

❶ تاريخ بغداد (۲/ ۳٤) سير أعلام النبلاء (۱۲/ ٤٤۳)

❷ الموطأ (۸۲٤/٦) برقم (۱۵۰٦) مصنف عبد الرزاق (۳۱٦/۱۱) حلية الأولياء (۱/ ۵٤) فتح الباري (۱۲۸/۱۰)

❸ سنن أبي داود: كتاب الصيام، باب قدر مسيرة ما يفطر فيه، رقم الحديث (۲٤۱۳) مسند أحمد (۳۹۸/٦) صحيح ابن خزيمة (۲٦٦/۳)

❹ تاريخ بغداد (۲/ ۳٤) تغليق التعليق (۵/ ٤٤۰)

"اللهم ألحقني بالرفيق الأعلىٰ."[1] (صحيح بخاري مقام مذكور)

چنانچہ اسی بنا پر ابن التین نے اس سے حدیث "لا يتمنى أحدكم ...... الخ "کو منسوخ قرار دیا ہے،[2] گو ان کا یہ قول صحیح نہیں۔ اس حدیث کی رو سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا عمل حدیث کے مطابق ہوگیا۔

علاوہ بریں اور بھی بہت سے واقعات ہیں، منجملہ ان کے مسند احمد وغیرہ میں مرقوم ہے:

کہ عابس غفاری نے پلیگ کے زمانہ میں بیماری کو مخاطب کر کے تمنا کی: " يا طاعون خذني "یعنی اے طاعون! مجھ کو پکڑ لے۔ علیم کندی نے اعتراض کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ رسول خدا ﷺ نے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے، تو اس کا جواب انہوں نے دیا: " إني سمعته يقول: بادروا بالموت ستاً...... الخ یعنی میں نے خود آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب چھ باتیں دیکھنا تو موت کے جلد آنے کی دعا مانگنا، چنانچہ اب وہ وقت آ گیا ہے۔[3] (فتح الباری: پ ٢٣)

نیز ابوداود میں معاذ رضی اللہ عنہ سے ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنے کے بارے میں روایت موجود ہے:

" إذا أردت بقوم فتنة، فتوفني إليك غير مفتون ".[4]

"یعنی اے خدا! جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے، تو مجھے اس سے پیشتر اٹھا لے۔"

پس امام بخاری رحمہ اللہ کی دعا اس حدیث کے مطابق اور اپنی بخاری کی حدیث کے موافق اور فرمان نبوی کے مثل اور افعال صحابہ کے مثل واقع ہوئی، اب اس سے زیادہ عمل کیا چاہیے؟ بھلا ایسے جلیل القدر امام ہو کر حدیث کے خلاف کر سکتے ہیں؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں! بلکہ امام بخاری کو سنن کی پیروی کا بڑا لحاظ تھا اور ہمیشہ ایسی بات سے پرہیز کرتے جس سے ان پر کسی قسم کی تہمت لگ سکے، امام بخاری کا مفصل حال کتاب " سيرة البخاري " میں دیکھو۔

معترض کا یہ لکھنا کہ " سمرقند میں آئے اور وہاں بھی لوگوں نے مخالفت کی۔" بالکل غلط اور عدم تاریخ دانی پر مبنی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سمرقند آئے نہ تھے، بلکہ ارادہ رکھتے تھے، آنے سے قبل ہی وہاں اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اس لئے خرتنگ میں قیام پذیر ہو کر یہاں ہی وفات پائی اور یہاں سے آگے نہ بڑھ سکے۔[5] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

---

1. صحيح البخاري: كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم الحديث (٤١٧٥) صحيح مسلم: كتاب السلام، باب رقية المريض بالمعوذات والنفث، رقم الحديث (٢١٩٢)
2. فتح الباري (١٠/ ١٣٠)
3. مسند أحمد (٣/٤٩٤) فتح الباري (١٠/ ١٢٨)
4. مسند أحمد (١/ ٣٢٨) نیز دیکھیں: فتح الباري (١٠/ ١٢٨) إرواء الغليل (٣/ ١٤٧)
5. سير أعلام النبلاء (١٢/ ٤٦٦) هدي الساري (ص: ٤٩٣)

بحمداللہ کہ آپ کے ہر دو اعتراض کا کافی شافی جواب ہوگیا، اور ہر دو حدیثوں کا واجب العمل ہونا ثابت ہوگیا۔

اب اس کے بعد ہم آپ کے اس طویل مضمون کا جواب دیتے ہیں، جسے پیشتر آپ نے اشتہار نمبر (۲) میں شائع کیا تھا اور ہم نے اس کا مفصل جواب "الريح العقيم "میں دیا تھا۔ (جس کا حوالہ بھی پہلے گزر چکا ہے) پھر دوبارہ آپ نے اس کو اخبار ''اہل فقہ'' (ج:۱، شمارہ نمبر: ۲۹،ص: ۷ تا ۹ وشمارہ نمبر: ۳۰،ص: ۶، مورخہ ۱۹ و ۲۶ ربیع الاول ۲۵ھ مطابق ۳ و ۱۰ مئی ۷ء) میں دو دفعہ کر کے شائع کیا اور پھر اپنے رسالہ " الجرح" کے ص (۲۰) سے (۲۹) تک میں طبع کیا ہے، جس کی سرخی یہ ہے:

کتاب بخاری کے صحیح مجرد ہونے پر اجماع:

آپ نے لکھا ہے کہ اس پر کبھی اجماع نہیں ہوا، بلکہ لوگوں نے اس پر کلام کئے ہیں، آپ کے ان مردودہ و مطرودہ اقوال کو ہم دوبارہ نقل کر کے بحوالہ " الريح العقيم "مختصر جواب دیتے ہیں، پس بگوش ہوش متوجہ ہو کر سنئے، پھر بعد میں ہم اجماع بھی ثابت کر دیں گے۔

۱۔ **قوله**: امام مسلم شافعی صحیح مسلم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"قد تكلم بعض منتحلي الحديث..." الخ.

''ہمارے زمانہ کے ایک آدھ ایسے شخص (امام بخاری) نے جنہوں نے اپنے تیئں جھوٹ موٹ محدث قرار دیا ہے، حدیثوں کی سند کے کھرے کھوٹے ہونے کی بابت منہ سے کچھ ایسی بات نکالی ہے۔''

(تا آخراز ص: ۲۰ تا ص: ۲۲ وقدرے از ص: ۲۲)

امام مسلم کی مراد ایک آدھ شخص سے امام بخاری ہیں، اس لئے کہ امام بخاری کی شرط ہے...الخ (تا آخر حاشیہ،ص:۲۰)

أقول: ہم اس کا مفصل جواب اپنے رسالہ " الريح العقيم" (ص: ۱۳، ۱۴) میں دے چکے ہیں، جس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ جس مسئلہ پر امام مسلم جرح کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ امام مسلم کے نزدیک عنعنہ میں معنعن کی صرف معاصرت شرط ہے اور دیگر محدثین محققین کا یہ مذہب ہے کہ محض معاصرت ہی نہیں بلکہ لقاء بھی شرط ہے اور یہی مذہب صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول حدیث، مقدمہ ابن صلاح و تدریب الراوی و فتح المغیث وغیرہ۔ ❶

مولوی احمد علی حنفی مرحوم نے بھی مقدمہ صحیح بخاری میں اس مذہب کی صحت کو یوں لکھا ہے:" وهو الصحيح "

اور اس کا قائل صرف امام بخاری کو متعین کرنا باطل و بلا دلیل ہے، کیونکہ یہ مذہب ان کے شیخ علی بن مدینی اور ابوبکر الصیرفی وغیرہ قدماء کا ہے۔ ❷ آپ نے صحیح مسلم کی شرح نووی کیوں نہ دیکھ لی، جس میں امام ابوزکریا یحییٰ لکھتے ہیں:

❶ مقدمه ابن الصلاح (ص: ٣٦) تدريب الراوي (١/ ٢١٥) فتح المغيث (١/ ٢٩)

❷ امام علی بن مدینی اور امام بخاری • کی طرف اس مذہب کی نسبت محل نظر ہے، کیونکہ ان سے بسند صحیح یا ضعیف یہ قول و مذہب ←

”وهذا الذي صار إليه مسلم، قد أنكره المحققون، وقالوا: هذا الذي صار إليه ضعيف، والذي رده هو المختار الصحيح، الذي عليه أئمة هذا الفن: علي بن المديني والبخاري وغيرهما......“ الخ ❶ (مسلم: ١/ ٢١)

”امام مسلم جس مسئلہ کی طرف گئے ہیں، محققین نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مسلم جس امر کی طرف گئے ہیں، وہ بالکل ضعیف ہے، اور جس کا امام مسلم رد کرتے ہیں، وہ پسندیدہ اور صحیح ہے اور اسی پر فن حدیث کے بڑے بڑے امام لوگ مثلاً علی بن مدینی اور امام بخاری وغیرہ ہیں۔“

معلوم ہوا کہ یہ مذہب امام بخاری رحمہ اللہ سے پیشتر کے محققین کا ہے، جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ سے ہیں۔ پس امام مسلم کے کلمات طعن ”منتحل الحدیث، مخطئی، مخالف، فاسد، محدثات و ساقط وغیرہ“ جن کو آپ نے اپنی نادانستگی سے امام بخاری رحمہ اللہ کا شان والا شان میں سمجھا ہے، ہرگز ہرگز ان کی شان میں نہیں ہوسکتے، کیونکہ اس مسئلہ کے موجد اور محض قائل امام بخاری رحمہ اللہ ہی نہیں ہیں، بلکہ یہ مسئلہ ان کے پیشتر سے چلا آتا ہے اور اس کی قائل محققین کی ایک جماعت ہے، بمصداق۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست ❷

نیز ایسے کلمات کا امام مسلم سے امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں صادر ہونا ایک امر محال اور ناقابل تسلیم ہے، بحالیکہ امام مسلم ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر گھڑی امام بخاری رحمہ اللہ کے مداح وثنا خواں رہتے، مقدمہ فتح الباری میں ہے:

”أشهد أنه ليس في الدنيا مثلك، وروى البيهقي من طريق أبي حامد الأعمش يقول: سمعت مسلم بن الحجاج، وجاء إلىٰ محمد بن إسماعيل، فقبل بين عينيه، وقال: دعني حتى أقبل رجليك يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث في علله“ ، انتهى ❸

(هدى الساري، فصل عاشر)

”امام بخاری کو امام مسلم نے کہا: میں اقرار کرتا ہوں کہ تمام دنیا میں تیرا مثل (علم وفضل میں) کوئی نہیں ہے، اور بیہقی نے اعمش سے روایت کیا کہ اعمش کہتے ہیں، میں نے امام مسلم کو سنا، جبکہ وہ امام بخاری کے پاس آئے، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور فرمایا کہ مجھ کو اجازت دیجیے کہ میں آپ کے ہر دو پاؤں

← ثابت نہیں ہے، بلکہ ابوبکر صیرفی سے تو اس مذہب کے خلاف امام مسلم کی حمایت میں ایک قول مروی ہے۔ دیکھیں: إجماع المحدثين للعوني (ص: ٢١)

❶ نیز دیکھیں: إجماع المحدثين للعوني (ص: ٥٢)

❷ ....

❸ تاريخ بغداد (١٣/ ١٠٢) تاريخ دمشق (٥٢/ ٦٨) هدي الساري (ص: ٤٨٨)

کا بوسہ لوں، اے استاذوں کے استاذ! اے محدثین کے سردار! اے حدیث کی علل کے طبیب!۔"

اللہ اکبر! وہ امام مسلم جو امام بخاری کی شان والا شان میں ایسے ادب و عاجزی سے کلام کر رہے ہیں اور امام بخاری ﷫ کے سامنے کیسی فروتنی و انکسار سے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ امام کی شان میں طعن کے کلمات استعمال کر سکتے ہیں؟[1] ایں خیال است ومحال است وجنوں! اور سنئے: تهذيب التهذيب جلد تاسع میں ہے:

"قال الحاكم: سمعت أبا عبد الله بن الأخرم يقول: سمعت أبي يقول: رأيت مسلم بن الحجاج بين يدي البخاري، وهو يسأله سؤال الصبي المتعلم ...إلى قوله: فقال: إن البخاري كان أعلم من مسلم ومنك ومني".[2] (۹/ ۵۳)

"امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ بن اُخرم سے سنا، انہوں نے اپنے باپ اخرم سے سنا، اخرم کہتے تھے کہ میں نے امام مسلم کو امام بخاری کے روبرو مثل متعلم بچہ کے سوال کرتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے کہا کہ امام بخاری امام مسلم سے اور تجھ سے اور مجھ سے زیادہ جاننے والے تھے۔"

دیکھئے! امام مسلم امام بخاری کے آگے متعلم بچہ کی طرح سے رہتے اور پوچھتے تھے۔ نزهة النظر میں ہے:

"اتفق العلماء على أن البخاري كان أجلّ من مسلم في العلوم، وأعرف منه بصناعة الحديث، وأن مسلما تلميذه وخرّيجه، ولم يزل يستفيد منه، ويتبع آثاره، حتى قال الدارقطني: لولا البخاري لما راح مسلم ولا جاء". انتهى[3] (شرح نخبه)

"تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام مسلم سے امام بخاری علوم میں بڑھ کر تھے، اور صنعت حدیث کو امام مسلم سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ اور شاگرد تھے اور ہمیشہ امام مسلم امام بخاری سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ امام دارقطنی نے فرمایا کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے، تو امام مسلم کا پتہ بھی نہ ہوتا۔"

امام مسلم پر یہ سب امام بخاری ﷫ ہی کا احسان ہے، تو کیا امام مسلم احسان فراموشی کریں گے؟ اور اپنے جلیل القدر شیخ کی شان میں ناشائستہ کلمات استعمال کریں گے؟ كلا! وإنه ليس من دأب العالمين فضلا عن المحدثين الكرام رحمهم الله!

---

[1] بلکہ امام بخاری ﷫ سے کینہ اور بغض رکھنے والے کے متعلق امام مسلم فرماتے ہیں: "لا يبغضك إلا حاسد، وأشهد أنه ليس في الدنيا مثلك" (تاريخ بغداد: ۲/ ۲۹، هدي الساري، ص: ۴۸۸)

[2] تهذيب التهذيب (۹/ ۴۵)

[3] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۷۵) نیز دیکھیں: تاريخ بغداد (۱۳/ ۱۰۲) تاريخ دمشق (۵۸/ ۹۰) هدي الساري (ص: ۱۱، ۴۹۰)

۲۔ **قوله**: دارقطنی شافعی نے بخاری اور مسلم کی دوسو حدیث پر طعن کیا ہے، جیسا کہ عینی نے شرح بخاری کے دیباچہ میں ہے:

"وقد طعن الدارقطني في كتابه المسمى بالاستدراكات والتتبع على البخاري و مسلم في مائتي حديث فيهما. الخ (الجرح، ص: ٢٢)

أقول: امام دارقطنی کی جرح کا جواب ہم اپنے رسالہ "الريح العقيم" (ص:٢١) میں دے چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ دارقطنی نے جن حدیثوں پر استدراک کیا ہے، ائمہ فن نے ہر ایک استدراک کا کافی وشافی جواب دیا ہے، امام نووی کا قول "التعليق المغني على سنن الدارقطني" میں منقول ہے:

"وصنف (الدارقطني) التصانيف، منها الاستدراك على الصحيحين، لكن هذا الاستدراك مبني علىٰ قواعد بعض المحدثين ضعيفة جداً، مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم، فلا تغتر بذلك." انتهى ❶

"دارقطنی کی منجملہ بہت سی تصانیف کے ایک الاستدراك على الصحيحين ہے، لیکن یہ استدراک بعض محدثین کے ان قواعد پر مبنی ہے، جو بہت کمزور اور جمہور اہل اصول کے مخالف ہیں، پس تم اس سے دھوکہ نہ کھانا۔"

سمجھا جناب! دارقطنی کی جرح ایک تو بعض محدثین کے قواعد پر مبنی ہے نہ کہ جمہور محدثین کے قواعد پر، اور اس پر طرہ یہ کہ بعض کے وہ قواعد بالکل کمزور اور مخالف ہیں، بمصداق "ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا" لہٰذا یہ بناء فاسد علی الفاسد ہوئی اور جرح هباء منثوراً ہوگئی، چنانچہ دارقطنی کے کل استدراک کا جواب لفظ بہ لفظ فتح الباری شرح بخاری اور شرح مسلم للنووی میں موجود ہے۔ زمانہ حال میں علامہ زماں فاضل دوراں مولانا شمس الحق صاحب ابو الطیب عظیم آبادی مرحوم ومغفور نے دارقطنی کی کتاب "التتبع والاستدراك" پر مطولہ حاشیہ قابل دید لکھا ہے، خدا وہ دن کرے کہ وہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر مقبول اہل جہاں اور مولانا کی یادگار نفیسہ ہو۔ ❷ آمین

---

❶ التعليق المغني (١/ ٧) نیز دیکھیں: هدي الساري (ص: ٣٤٦)

❷ امام دارقطنی رحمہ اللہ کی مذکورہ کتاب "الإلزامات والتتبع" کے نام سے علامہ مقبل بن ہادی رحمہ اللہ کی تحقیق سے مطبوع ہے، جس میں انھوں نے تمام انتقادات کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے، دراصل یہ کتاب دو مختلف کتب کا مجموعہ ہے:

۱۔ الإلزامات: اس میں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے وہ احادیث ذکر کی ہیں، جو شیخین کی شرط پر ہیں، لہٰذا بقول امام دارقطنی، امام بخاری اور امام مسلم کو انھیں اپنی اپنی کتاب میں لازماً ذکر کرنا چاہیے تھا، کیونکہ وہ ان کی شرائط پر پورا اترتی ہیں۔

۲۔ التتبع: اس حصہ میں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صحیحین میں موجود بعض احادیث پر نقد کیا ہے، لیکن اس نقد سے نفسِ حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

←

۳۔ **قوله**: باجی مالکی نے بخاری کے راویوں کی جرح وتعدیل میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے، جس کا نام کتاب " التعديل والتجريح فيمن روىٰ عنه البخاري في الصحيح " ہے۔

أقول: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے باجی کی جرحوں کا دندان شکن جواب " فتح الباري " میں دیا ہے، جس کے مطالعہ سے تمہیں معلوم ہوگا کہ باجی کی جرحیں کس قدر نافہمی پر مبنی ہیں۔ اسی کو صاحب " دراسات اللبيب " نے لکھا ہے: " وأجابوا عن ذلك لما جعلوه هباءً منثوراً "[1] یعنی جن لوگوں نے صحیح بخاری پر جرح کی ہے، محدثین نے ان کے ایسے جوابات دیئے ہیں کہ ان جرحوں کو اڑتا ہوا پراگندہ غبار کے مانند کر دیا ہے۔ فتفکر!

۴۔ **قوله**: علامہ عینی شرح بخاری (۸/ ۵۱) میں اس امر کے جواب میں کہ بخاری کی سب حدیثیں صحیح ہیں؟ یوں لکھتے ہیں: " قلت: فيه نظر ... الخ

أقول: علامہ عینی کے حوالہ میں آپ نے جرح کے دو امر پیش کئے ہیں:

← "ينبغي لكل منصف أن يعلم أن هذه الأحاديث، وإن كان أكثرها لا يقدح في أصل موضوع الكتاب، فإن جميعها وارد من جهة أخرى. " (هدي الساري: ٣٤٦)

یعنی ان اعتراضات سے صحیح بخاری کے اصل موضوع ومقصود پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ ان منتقد احادیث پر، کیونکہ ان کی دوسری اسانید موجود ہیں، جو ان اعتراضات سے مبرّا ہیں۔

لہٰذا ان انتقادات سے صحیح بخاری کی صحت وامتیازی حیثیت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بالفرض اگر ان کا کوئی اثر تسلیم کیا جائے، تو محض امام بخاری رحمہ اللہ کی ترتیب اور طریقۂ تصنیف پر مانا جا سکتا ہے، صحیح بخاری کی احادیث پر قطعاً کوئی اثر نہیں، کیونکہ ان کی دیگر اسانید اور طرق موجود ہیں۔ یہاں ایسے لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے، جنھیں علم حدیث کی شد بد بھی نہیں اور وہ امام دارقطنی وغیرہ کی تنقید کو دلیل بنا کر صحیح بخاری کی احادیث پر عملِ جراحی کا شوق فرمانے لگتے ہیں، قابل ذکر امر یہ ہے کہ کیا وہ معرفتِ حدیث وعلوم حدیث میں امام دارقطنی وغیرہ ائمہ کے مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں؟

اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں، تو کیا انہیں صحیحین کی احادیث کو نشانۂ تنقید بنانا کسی طرح بھی زیب دیتا ہے؟

اگر ایسے لوگ ان احادیث پر نقد کریں، جنہیں امام دارقطنی نے ہدف تنقید بنایا تھا، (جن کے جوابات علماء دے چکے ہیں) تو ان لوگوں کے ارادوں کے بارے میں نظر ثانی ہوسکتی ہے، لیکن اگر وہ لوگ، جو امام دارقطنی وغیرہ کو دلیل بناتے ہیں، ایسی احادیث پر اعتراضات کریں، جنہیں ائمہ متقدمین نے اعتراضات سے مبرّا قرار دیا اور ان کی صحت پر اجماعِ امت ہو چکا ہے، تو کیا ایسے لوگوں کو امام دارقطنی وغیرہ کی تنقید کو اپنی نفسانی تنقیدات کی دلیل بنانا، کسی طرح بھی موزوں ہے؟

اسی طرح جو لوگ یہ آڑ لے کر صحیحین پر نقد کرتے ہیں کہ ائمہ متقدمین سے بھی صحیحین پر تنقید مروی ہے، تو ایسے لوگوں سے ایک سیدھا سوال ہے کہ اگر کوئی ماہر اور امراضِ قلب میں متخصص ڈاکٹر دل کا کوئی پیچیدہ آپریشن کرے، تو کیا جو طبابت سے نابلد ہے، اس کے لیے بھی ایسا آپریشن کرنا درست ہے؟ بلکہ طبابت سے درمیانی شد بد رکھنے والے شخص کے لیے بھی ایسا رسک لینا درست ہے؟ فاعتبروا يا أولي الألباب!

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الجواب عن طعون في صحيح البخاري للشيخ حاتم العوني (ص: ١١)

[1] دراسات اللبيب (ص: ٢٧٦)

۱۔ ایک تو یہ کہ علامہ عینی نے صحیح بخاری کے بعض رجال کو اہل ہویٰ کہا ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وہ بخاری کی سب حدیثوں کو صحیح نہیں مانتے۔

اب ہر ایک کا جواب علامہ عینی ہی کی عبارت میں سنئے:

امر اول کے متعلق علامہ عینی دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"السابعة: في الصحيح جماعة، جرحهم بعض المتقدمين، وهو محمول علىٰ أنه لم يثبت جرحهم بشرطه، فإن الجرح لا يثبت إلا مفسراً مبين السبب عند الجمهور... الخ [1] (٨/ ١١)

''بعض متقدمین نے صحیح بخاری کے رواۃ کی ایک جماعت پر جرح کی ہے، وہ جرح امام بخاری کی شرط کے مخالف ہے، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک جرح اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ وہ مفسر ہو اور اس کے کل اسباب بیان کر دیئے گئے ہوں۔''

پس بعض معترضین کا رجال بخاری کو بے دلیل اہل ہویٰ بنا دینا کب حیز تسلیم میں آ سکتا ہے، بحالیکہ خود علامہ عینی اسے تسلیم کرتے ہیں؟

امر دوم کے متعلق سنئے، علامہ عینی اسی عمدۃ القاری (عینی) میں فرماتے ہیں:

"اتفق علماء الشرق والغرب على أنه ليس بعد كتاب الله أصح من صحيحي البخاري و مسلم ...إلى قوله: والجمهور على ترجيح البخاري على مسلم... الخ [2] (٧/١)

''علماء مشرق و مغرب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں اور جمہور کے نزدیک صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر صحت میں ترجیح ہے۔''

جیسا کہ امام بخاری کو امام مسلم پر ترجیح ہے۔ کما مر!

دیکھئے! علامہ عینی حنفی کس زور سے صحیح بخاری کا اُصح الکتب ہونا تسلیم کر رہے ہیں؟ ع۔

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

نیز علامہ عینی نے امام بخاری کی جو مدح کی ہے، وہ اس رسالہ کے دیباچہ میں بیان ہوئی۔ نیز عینی کا مفصل جواب " الريح العقيم " (ص: ٢٣، ٢٤) میں بھی دیا گیا ہے۔

۵۔ قوله: ابن ہمام حنفی فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"وقول من قال: أصح الأحاديث ما في الصحيحين ...إلى قوله: وكذا في البخاري جماعة

---

[1] عمدة القاري (١/ ٨)

[2] عمدة القاري: (١/ ٥)

تکلم فیهم... الخ (ص: ۲۳، ۲٤)

أقول: ہم اس کا جواب " الريح العقيم " (ص:۲٦، ۲۸) میں دے چکے ہیں کہ ابن الہمام کا یہ اعتراض اس ترتیب پر ہے، جس کو محدثین نے حدیثوں کے صحیح تسلیم کرنے کے لیے مقرر کیا ہے، لیکن ابن ہمام کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے، جس کا جواب کتبِ اصولِ حدیث میں موجود ہے۔[1] ابن ہمام نے ترتیب پر اعتراض کے ضمن میں یہ بھی کہہ دیا کہ بخاری کے راویوں کی ایک جماعت پر کلام کیا گیا ہے اور یہ کچھ غلط نہیں، کلام تو کیا گیا، لیکن وہ کلام دراصل خود غلط اور باطل ہے اور جس بناء پر کلام کیا گیا ہے، وہ بھی باطل ہے۔ پس یہ ایسا ہی ہوا کہ جیسے کوئی اپنے کلام کی روانی میں کہہ جائے کہ آریوں نے قرآن مجید کے بڑے حصے پر اعتراض کیا ہے، اس سے کلام مجید کا ناقابل اعتبار ہونا ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اعتراض سرے ہی سے غلط ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری کے رواۃ پر جو کلام کیا گیا، وہ غلط اور باطل ہے، جس کا مفصل جواب محدثین کرام دے چکے ہیں۔ میں نے اس مبحث میں خاص ایک کتاب "الأمر المبرم" لکھی ہے۔ پس اس سے صحیح بخاری کا عدم اعتبار ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس کا معتبر اور پایہ والی ہونا ثابت ہوگیا۔ ابن الہمام کے تمام توہمات اور خیالات کا معقول جواب ان کے استاذ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں مفصل دیا ہے، فتدبر!

٦۔ **قوله:** امام قسطلّانی شافعی دیباچہ شرح بخاری میں یہ تحریر کرتے ہیں:

"والمضعف مالم يجمع على ضعفه ...إلى قوله: وفي البخاري منه...الخ (ص: ٢٤)

أقول: قسطلانی کی عبارت سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن حدیثوں کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اجماع ہے، ان میں سے صحیح بخاری میں ایک بھی نہیں ہے، پس بعض کی بے دلیل تضعیف کا کیا اعتبار؟ صحیح بخاری کی شان اس سے ارفع ہے، اسی لئے تو خود امام قسطلانی اسی ارشاد الساری جلد اول میں فرماتے ہیں:

"وقد اتفق الأمة على تلقي الصحيحين بالقبول، واختلف في أيهما أرجح؟ وصرح الجمهور بتقديم صحيح البخاري، ولم يوجد عن أحد التصريح بنقيضه." (قسطلانی:۱/ ۱۹، فصل: ٤)

''تمام امت نے اتفاق کر کے صحیح بخاری ومسلم کو (ان کی اعلیٰ صحت کی وجہ سے) دست قبول میں لے لیا ہے، ہاں البتہ بعض کا یہ اختلاف ہوا ہے کہ دونوں میں ترجیح کس کو ہے؟ پس جمہور نے بالتصریح صحیح بخاری کو مسلم پر مقدم کیا ہے اور اس کے خلاف (یعنی مسلم کا بخاری پر ترجیح پانا) کسی سے منقول نہیں ہے۔''

پس بحمداللہ یہ تو ہماری ڈگری ہے، جس کو ہم اپنے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ۲۰) میں پیشتر ہی لکھ چکے ہیں۔ فتفكر وكن من الخائضين!

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: توضيح الأفكار للصنعاني (١/ ٨٩)

۷۔ **قولہ**: شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی شرح سفر السعادۃ کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں:

قول أول: ...الی قولہ: در کتاب بخاری جماعت اندکہ تکلم کردہ شدہ است درایشاں (تا) قول دوم: دریں کتاب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف ہمہ موجود است۔ (ص: ۲۵)

أقول: شیخ عبدالحق کی پہلی عبارت تو دراصل ابن الھمام کی فتح القدیر والی مندرجہ بالا عبارت کا ترجمہ اور مذہب ابن ہمام ہی کی نقل ہے، یہ مذہب خود شیخ صاحب کا نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: شرح سفر السعادۃ: ۱٤)

کیونکہ نقلِ امر اس بات کو مستلزم نہیں کہ ناقل کا بھی وہی مذہب ہو، چنانچہ یہی شیخ عبدالحق صحت احادیث بخاری کے مقر ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، پس یہ جرح، جو ابن ہمام کی ہے، اس کا جواب اوپر ہو چکا ہے، نیز اس کا مفصل جواب صاحب دراسات نے خوب دیا ہے۔ دوسرے قول کا مطلب ٹھیک ہے، لیکن آپ نے اسے سمجھا نہیں، وہ یہ کہ ان چھ کتابوں میں صحیح وحسن وضعیف احادیث موجود ہیں، مطلب یہ کہ صحیح بخاری ومسلم میں صحیح حدیثیں اور سنن اربعہ میں حسن وضعیف احادیث موجود ہیں اور یہ سچ ہے کہ ان کے مجموعہ کو ''صحاح ستہ'' تغلیباً کہتے ہیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ حکم الکل حکم الجزء کو مستلزم نہیں ہے، یہ حکم صحیحین کے متعلق نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کی صحت کے تو شیخ عبدالحق ان لفظوں میں مقر ہیں، خود اسی شرح سفر السعادۃ (ص: ۱۳) میں لکھتے ہیں:

''بدانکہ نزد جمہور محدثین آنست کہ صحیح بخاری مقدم است برسائر کتب مصنفہ وگفتہ اند اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔'' [1]

اور ''أشعة اللمعات'' میں ارقام فرماتے ہیں:

''جمہور علماء برآنند کہ کتاب او درصحت مقدم است برجمیع کتب مصنفہ درحدیث تا آنکہ گفتہ اندکہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔'' [2] (۱/۱۱)

پس آپ نے جو شیخ عبدالحق کی جرح خیال کی تھی، وہ تعدیل سے متبدل ہوگئی۔ نیز اس کا مفصل جواب "الريح العقيم" (ص: ٢٥) میں دیکھیں۔

۸۔ **قولہ**: ملاعلی قاری حنفی نزهة النظر کی شرح مسمی بہ "مصطلحات أهل الاثر" [3] میں لکھتے ہیں:

"فإن الذي انفرد البخاري بهم أربعمائة... الخ (الجرح: ص: ٢٥)

---

[1] جان لو کہ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح بخاری تمام کتب مصنفہ پر مقدم ہے اور کہا گیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری ہے۔

[2] أشعة اللمعات (١/ ١١، سطر: ٢٠، ٢١) ان الفاظ میں بھی مذکورہ بالا موقف ہی بیان کیا گیا ہے۔

[3] ملاعلی قاری حنفی نے اپنی شرح کے آغاز میں نزهة النظر کا نام یوں ذکر کیا ہے: شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر" لہٰذا مذکورہ بالا نام ملاعلی قاری کی شرح کا نہیں، بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب نزهة النظر ہی کا بقیہ نام ہے۔

أقول: یہ تو دراصل شرح الفیہ کی عبارت ہے،[1] جس کو مولوی عبداللہ حنفی ٹونکی نے حاشیہ شرح نخبہ (ص: ۸) میں نقل کر کے (ص: ۹) اس کا جواب دراسات سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ دراسات (ص: ۲۷۶) کھول کر دیکھ لو جس کو ہم نے "الریح العقیم" (ص: ۲۹ و ۳۰) میں نقل کر دیا ہے۔ علاوہ بریں اس انتقاد کا جواب علامہ ابوالحسن حنفی سندھی مدنی نے شرح نخبۃ الفکر کی شرح (ص: ۳۵) میں تین طرق سے دیا ہے، جس کو مع عبارت کے ہم "الریح العقیم" کے صفحہ مذکور میں نقل کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے ایسے جن راویوں سے حجت پکڑی ہے، جن میں دوسروں نے طعن کیا ہے، وہ اس بات پر محمول ہے کہ شیخین کے نزدیک ان پر طعن مفسر ثابت نہیں ہوا، اور طعن غیر مفسر پر تعدیل مقدم ہے۔

۲۔ راوی پر شیخین کے اس سے روایت لینے کے بعد ضعف طاری ہوا ہو، جیسا کہ لوگوں نے عبداللہ بن وہب کے بھتیجے احمد بن عبدالرحمٰن کی بابت کہا ہے کہ یہ ۲۵۰ھ کے بعد، جب امام مسلم مصر سے چلے آئے تھے، مختلط ہو گئے تھے اور امام مسلم نے ان سے قبل از اختلاط روایت لے لی تھی۔

۳۔ روایت متکلم فیہا شیخین کے نزدیک گو اس سے بھی زیادہ صحیح سند سے ثابت ہو، لیکن اس کی سند بوجہ کثرت واسطہ کے نازل ہو، پس شیخین نے بخیال سند عالی متکلم فیہ راوی سے روایت کر لیا ہو اور اس میں کوئی حرج نہیں، از روئے مرتبہ کے سند عالی کو تقدیم ہے، اس لیے کہ ائمہ فن کو وہ قرینے معلوم رہتے ہیں، جو راوی کی صداقت پر باوجود متکلم فیہ ہونے کے دلالت کرتے ہیں۔[2] انتھی

یہ ایک حنفی عالم کے تم حنفیوں کے لیے تین جواب لکھ دیئے گئے ہیں، ان میں سے جس کو چاہو پسند کر کے اپنی جرح واپس لو اور اس میں تفکر سے غور وخوض کرو۔ آیندہ احتیاط!

اس کے بعد والا نواں اور دسواں قول آپ نے اخبار "اہل فقہ" کے دوسرے پرچہ (یعنی شمارہ نمبر: ۴۰ ج:۱ص: ۶ مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۲۵ھ مطابق ۱۰ مئی ۷ء) میں طول طویل شائع کیا تھا، چونکہ وہ اسی سابق مضمون کا حصہ ہے، لہٰذا اس کا جواب بھی انہیں اقوال کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے۔

۹۔ قوله: محبّ اللہ بہاری حنفی مسلّم الثبوت (ص: ۴۱۱) میں ...الخ

---

[1] دیکھیں: تدریب الراوي (۱/ ۹۲) الشذا الفیاح (۱/ ۱۰۵) المقنع لابن الملقن (ص: ۸۰) فتح المغیث (۱/ ۲۹) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے انفراداً ایسے چار سو تیس راویوں سے روایت لی ہے، جن سے امام مسلم نے روایت نہیں لی اور بخاری کے چار سو تین راویوں میں متکلم فیہ صرف اسی (۸۰) کے قریب ہیں۔ ان رواۃ پر جرح کے جواب کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ۳۸٤) الأمر المبرم لإبطال الكلام المحكم از مؤلف رحمه الله۔

[2] نیز دیکھیں: هدي الساري (ص: ۳۸٤)

۱۰۔ دہم: بحر العلوم حنفی اس کی شرح میں یہ لکھتے ہیں: " فرع ابن الصلاح...إلی آخرہ "محبّ اللہ بہاری اور بحر العلوم کا خلاصہ تقریر یہ ہے کہ:

۱۔ اس پر اہل علم کا اتفاق نہیں ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیثوں کو دوسری کتابوں کی حدیثوں پر ترجیح ہے۔

۲۔ بخاری ومسلم کی جلالت شان اور یہ امر کہ دونوں کی کتابوں کو لوگوں نے قبول کر لیا ہے، مسلّم نہیں۔

۳۔ ان دونوں کتابوں کی سب حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

۴۔ ان دونوں کتابوں میں ایسی حدیثیں موجود ہیں، جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

۵۔ ان دونوں کتابوں کے رواۃ قدریہ وغیرہ اہل بدعت ہیں کہ جن کی روایت قبول کرنے میں اختلاف ہے۔

۶۔ اس امر پر اجماع نہیں کہ ان دونوں کتابوں کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔

۷۔ مجرد ان دونوں کتابوں میں روایت ہونے سے اس پر یقین کرنا واجب نہیں۔ (ص: ۲۶ تا ۲۸ وقدرے: ۲۹، الجرح)

أقول: محبّ اللہ اور بحر العلوم (ناشناسانِ فنِ حدیث!) کی بابت ہم نے " الریح العقیم " (ص: ۲۶ تا ۲۷) میں لکھا تھا کہ وائے ہے ایسے لوگوں کی عقل پر جو ائمہ دین ومحدثین پر جرح کرنے کے لیے غیر محدث کے اقوال پیش کرتے ہیں اور وہ اقوال بھی ان حضرات کے جو علم حدیث سے بالکل نابلد اور ناآشنا ہیں!

شیخ محبّ اللہ بہاری جن کو سوائے علوم آلیہ کے علوم عالیہ (فن حدیث) میں کچھ بھی دخل نہیں، جنھوں نے غالباً سوائے مشکوۃ کے علم حدیث میں اور کچھ بھی نہیں پڑھا، ورنہ تاریخ غلام علی آزاد بلگرامی دیکھ کر بتلاؤ کہ شیخ محبّ اللہ کو علم حدیث میں کس سے سند ہے؟

علی ہذا القیاس بحر العلوم ملا عبد العلی لکھنوی جو علوم فلسفہ ومنطق واصول فقہ وفقہ میں البتہ بحر تھے، باقی علوم دینیات میں وہ بالکل لاشیءِ محض تھے، ان کی کتاب "ارکان اربعہ" اٹھا کر دیکھو کہ ان کا مبلغ علم وانتہائے معلومات صرف شرح سفر السعادۃ وشرح مشکوۃ شیخ عبد الحق وفتح القدیر تک محصور ہے۔ ان کی نقل مشہور ہے کہ غزوۂ تبوک کو غزوۂ بتوک (باء موحدہ کو مقدم کر کے) کہا کرتے تھے۔ بھلا ایسوں کی جرح فن حدیث میں قابل قبول ہو سکتی ہے؟ مجھے خطرہ ہے کہ کل کو آپ یہ مشتہر کریں گے کہ میرے والد مولوی علی کریم مرحوم نے بھی جرح کی ہے!! یا للعجب وضیعة الأدب!

اب اپنے ملخصات سبعہ کا مختصر جواب سنئے:

۱۔ خلاصہ اول جو آپ نے لکھا ہے کہ "صحیحین کی حدیثوں کو دوسری کتابوں کی حدیثوں پر ترجیح پانے پر اہل علم کا اتفاق نہیں۔" یہ بالکل غلط اور عدم تحقیق پر مبنی ہے، ہم ابھی اوپر شیخ عبد الحق حنفی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ:

"جمہور علماء برآنند کہ صحیح بخاری مقدم است برجمیع کتب مصنفہ در حدیث۔" [1] الخ

(أشعة اللمعات: ۱۱، و شرح سفر السعادة: ۱۳)

---

[1] یعنی جمہور علماء کا موقف ہے کہ صحیح بخاری حدیث میں لکھی گئی تمام کتب پر مقدم ہے۔

۲۔ امر دوم یعنی ''شیخین کی جلالت اور صحیحین کو لوگوں کا قبول کرنا مسلّم نہیں۔'' یہ بھی بالکل غلط اور خلاف واقع ہے، شیخین کی جلالت کے متعلق حافظ ابن حجر کا قول شرح نخبہ (ص:۱۳) میں " وجلالتهما في هذا الشأن"[1] اور پھر محشی کی تفصیل اس جلالت کے ثبوت میں کافی و وافی ہے۔ دوسرے لوگوں کا صحیحین کو دست قبول سے لینا پہلے بحوالہ قسطلانی منقول ہو چکا کہ:

"وقد اتفق الأمة على تلقي الصحيحين بالقبول." (قسطلانی :۱/ ۱۹)

اور نزهة النظر میں ہے:

"وتلقي العلماء لكتابيها بالقبول." [2] (ص: ۱۳)

اور اسی شرح نخبہ میں دوسرے مقام پر ہے:

"لاتفاق العلماء بعدهما على تلقي كتابيهما بالقبول."[3] (ص: ۱۹)

یعنی تمام امت و جمیع علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کو لوگوں نے قبول کے ہاتھوں سے لیا ہے، اب اس سے زیادہ کیا ثبوت چاہیے؟[4]

۳۔ امر سوم کہ ''صحیحین کی سب حدیثیں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔'' یہ ان دونوں کے عدم مطالعہ کا نتیجہ ہے، جو احادیث کہ مرفوع ہیں، وہ بے شک رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور جو موقوف (یعنی قول صحابہ) یا مقطوع (یعنی قول تابعی) ہے، وہ قول رسول اللہ ﷺ کیونکر ہو جائے گی؟ افسوس کہ معترض کو مرفوع اور موقوف کا فرق بھی نہیں معلوم![5]

---

1. نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۲۰)
2. مصدر سابق
3. نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص:۷۳)
4. مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمة ابن الصلاح (ص:۷) هدي الساري (ص: ۹) إرشاد الساري (۱/ ۲۰)
5. صحیحین کی احادیث قطعاً رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، امام ابو اسحاق اسفرائینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أهل الصنعة مجمعون على أن الأخبار التي اشتمل عليها الصحيحان، مقطوع بصحة أصولها ومتونها." (فتح المغيث: ۱/ ۵۱)

اور امام ابو نصر سجزی فرماتے ہیں: أجمع أهل العلم، الفقهاء وغيرهم أن رجلا لو حلف بالطلاق أن جميع ما في كتاب البخاري مما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم قد صح عنه ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاله، لاشك فيه أنه لا يحنث، والمرأة بحالها في حبالته" (مقدمه ابن الصلاح: ۱۰)

نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع ." (حجة الله البالغة: ۱/ ۱۳٤) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: أحاديث الصحيحين بين الظن واليقين لفضيلة الشيخ ثناء الله الزاهدي حفظه الله۔

۴۔ امر چہارم کہ ''صحیحین میں ایسی حدیثیں ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔'' یہ نتیجہ ہے کتب اصول حدیث سے بے خبری اور تطبیق کے عدم شعور کا، اصول حدیث میں یہ مرحلہ طے شدہ ہے کہ اگر دو مختلف حدیثوں میں امکانِ جمع ہو تو تطبیق دیں گے، ورنہ تاریخ کے معلوم ہونے اور متاخر یہ کے ثابت ہو جانے پر ناسخ و منسوخ کا حکم لگا دیں گے، ورنہ بصورتِ تعیین ترجیح وعدم تعیین توقف کریں گے، صحیح بخاری کی احادیث میں تطبیق نہایت آسان اور شروح میں مرقوم ہے، مطالعہ کر لو۔

۵۔ امر پنجم یہ تھا کہ ''صحیحین میں رواۃ قدریہ وغیرہ اہل بدعت ہیں۔'' معترض کو معلوم نہیں کہ قدریہ دو قسم کے ہوتے ہیں، صغیر وکبیر، قدریہ صغیر کی روایت بشرطیکہ وہ ثقہ ہو مقبول ہے، صحیحین میں بعض راوی جو بالمتابعت آئے ہیں، وہ صغیر قدریہ سے ہیں اور پھر وہ ثقہ ہیں، لیکن وہ صرف متابعت میں لیے گئے ہیں، جس کی تفصیل میرے رسالہ " الأمر المبرم " میں مطالعہ کرو۔

٦۔ امر ششم کہ ''صحیحین کی سب حدیثوں کی صحت پر اجماع نہیں۔'' بالکل غلط اور خلاف بداہت ہے، شرح نخبہ میں ہے:

" والإجماع حاصل علیٰ أن لهما مزية، فيما يرجع إلیٰ نفس الصحة." (ص: ١٣)

اس کے کچھ اوپر مرقوم ہے: " فالإجماع حاصل على تسليم صحته. " (ص: ١٣) [1]

مقدمہ ابن صلاح میں صحیح بخاری کی بابت ہے:

" لم يضع في كتابه إلا الأحاديث ...إلى قوله: الصحيح المجمع عليه" (ص: ٨) [2]

اور صحیح مسلم کی بابت اس مقدمہ میں ہے: " وروينا عن مسلم أنه قال:... إنما وضعت ههنا ما أجمعوا عليه،" انتهى [3] (ص: ٨) " ان ہر چہار عبارات سے صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں کے صحیح ہونے پر اجماع کا ہونا آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہے۔ جس کو ہم " الأمر المبرم (ص: ١٥)" میں لکھ چکے ہیں۔

۷۔ امر ہفتم کہ '' فقط ان دونوں کتابوں میں روایت ہونے سے اس پر یقین کرنا واجب نہیں۔'' تو پھر کب یقین کرنا واجب ہوگا؟ جب وہ مسلّم الثبوت میں بھی ہوگی؟ (چیرز!)

اے جناب! ذرا اصول حدیث کا مطالعہ کیجئے، محدثین نے خبر آحاد کے مفید للیقین ہونے کے دلائل میں دلیل اول یہ بیان کی ہے کہ جو خبر واحد صحیحین میں روایت کی گئی ہو، وہ بلا شک وشبہ علم یقین کی مفید ہوگی۔ [4] (ملاحظہ ہو:

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٠)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠)

[3] مصدر سابق، نیز دیکھیں: صحيح مسلم، برقم (٤٠٤)

[4] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٠)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"شرح نخبہ ص: ۱۳" **وغیرہ کتب اصول حدیث)**

لیکن معترض بیچارہ اصول حدیث سے ناواقف ! اسے کیا خبر کہ حدیث کیا چیز ہے......؟ افسوس ایسے ہی ناواقف از علوم حدیث نے علم حدیث میں نادانستگی سے جرح وقدح کر کے سنت رسول اللہ ﷺ کو ملیا میٹ کر ڈالا!! فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون!

لیجئے آپ کی دس جرحیں اور دسویں قسم میں سات جرحیں سب کافور و معدوم ہوگئیں۔ شرم و حیا رکھتے ہو تو زبان اپنی بند کرو، ورنہ۔ ع۔ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن!

اب اس کے بعد آپ کے مضمون نمبر (۹) مندرجہ ''اہل فقہ'' (شمارہ نمبر: ۴۳، ج:۱، ص: ۱۰ مورخہ ۱۸ ربیع الآخر ۲۵ھ مطابق ۳۱ مئی ۷۰ء) کا جواب دیا جاتا ہے، جسے آپ نے "الغریق یتشبث بکل حشیش"[1] **کی سرخی سے لکھا ہے کہ:**

> **''چونکہ وہابی لوگ (خاکش بدہن) اس شخص کو جو بخاری پر جرح کرتا ہے، رافضی کہہ دیتے ہیں، اس لئے ہم بخاری کے راویوں میں ایک جماعت (صرف چار اشخاص) رافضیوں کی بتلاتے ہیں۔'' (ص: ۹)**

حالانکہ ان رواۃ پر مکمل بحث ہم اپنی کتاب "الأمر المبرم" **میں کر چکے ہیں، لیکن یہاں بھی آپ کی خاطر اسی** "الأمر المبرم" **سے کچھ نقل کر دیتے ہیں، پس غور سے سنئے!**

صحیح بخاری کے چند رواۃ پر شبہہ رفض کا دفعیہ:

۱۔ واضح ہو کہ جن راویوں میں قلیل تشیع ہو، یعنی وہ اصحاب کرام کے دشنام دہندہ نہ ہوں اور وہ ثقہ اور ثابت الأخذ والأداء ہوں، تو یہ صحیح کے لیے مضر نہیں ہوتا، کیونکہ صحیح کی تعریف اس پر صادق ہے۔

۲۔ نیز کوئی راوی ضعیف یا قدرے شیعی کسی صحیح حدیث کی متابعت والی سند میں لایا جائے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوتا، کیونکہ صحیح کی اصل روایت اس عیب سے بری ہے اور یہ مجروح محض تائید و متابعت میں لایا گیا ہے۔

۳۔ نیز جن راویوں پر بلا دلیلِ مفصل تشیع کا حکم لگا دیا گیا ہو، وہ بوجہ جرح غیر مفسر ہونے کے مقبول نہیں اور اس پر تعدیل مقدم ہوگی۔[2]

---

[1] ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا!

[2] **اسی ضمن میں اس سوال کا کہ ''کس طرح کسی بدعتی کی توثیق درست ہے؟ حالانکہ ثقہ کی تعریف یہ ہے کہ جس میں عدالت اور اِتقان (دونوں) موجود ہوں، جبکہ بدعت عدالت میں جرح ہے، تو کوئی بدعتی کس طرح ثقہ ہوسکتا ہے''؟ جواب دیتے ہوئے حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:** ''وجوابه: أن البدعة على ضربين: فبدعة صغرىٰ كغلو التشيع أو كالتشيع بلا غلو ولا تحرق، فهذا كثير في التابعين وأتباعهم، مع الدين والورع والصدق، فلو رد حديث هؤلاء، لذهب جملة من الآثار النبوية، وهذه مفسدة بينة، ثم بدعة كبرىٰ كالرفض الكامل، والغلو فيه، والحط على أبي بكر و عمر رضي الله عنهما، والدعاء إلى ذلك، فهؤلا لا يقبل حديثهم، ولا كرامة !" (ميزان الاعتدال: ١ / ٦)

ان تینوں امور ممہدہ مسلّمہ مابین المحدثین کو ملحوظ رکھ کر ان ہر چہار راویوں پر بحث ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ **قوله: خالد بن مخلد القطواني الكوفي**: قال ابن سعد: مفرط في التشيع.

یعنی ابن سعد نے کہا کہ سخت شیعہ تھے۔ (ص: ۳۰)

أقول: "الأمر المبرم" (ص: ۵۷) میں اس راوی کی حالت پر مفصل بحث کی گئی ہے، مختصر یہ کہ ان کو سخت شیعہ کہنا باطل ہے، اس لئے کہ لفظ ''مفرط'' باب اِفعال کا اسم فاعل نہیں ہے، جس کا معنی اِفراط اور زیادتی وسختی کے لیے جائیں گے، بلکہ یہ ''مفرّ ط'' بتشدید الراء باب تفعیل کا اسم فاعل ہے، یعنی ''مفرّط'' تفریط سے ہے، جس کے معنی کمی کے ہیں، مطلب یہ کہ خالد میں قلیل تشیع تھا، چنانچہ عجلی سے بھی یہی منقول ہے، جس کو حافظ ابن حجر ؒ تهذيب التهذيب جلد ثالث میں نقل کرتے ہیں:

" وقال العجلي: فيه قليل تشيع "[1] یعنی عجلی نے کہا کہ ان میں تشیع کم تھا۔

اور یہ امر تمہید میں ہو چکا کہ ثقہ راوی میں اگر قلیل تشیع ہو، تو صحت کو مضر نہیں ہوتا، حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں:

"أما التشيع فقد قدمنا أنه إذا كان ثبت الأخذ والأداء لا يضره."[2] (هدي الساري)

''یعنی راوی جب ثابت الأخذ والأداء ہو، تو تشیع صحت کو مضر نہیں ہوتا۔''

چنانچہ خالد کی نقاد ذیل نے توثیق کی ہے، یعنی خالد کو ابو داود نے بروایت آجری: صدوق، اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابن معین نے بروایت عثمان " لا بأس به " (ثقہ) اور ابن عدی نے " لا بأس به" اور عجلی نے ثقہ وکثیر الحدیث اور صالح جزرہ نے ثقہ فی الحدیث اور ازدی نے صدوق اور ابن شاہین نے ثقات میں اور عثمان اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (ج۳) ایسا ہی خلاصہ اور ہدی الساری میں ہے۔[3]

۲۔ **قوله: عباد بن يعقوب الأسدي الرواجني الكوفي**: قال صالح جزرة: كان عباد بن يعقوب يشتم عثمان، وسمعته يقول: الله أعدل من أن يدخل طلحة والزبير الجنة، قاتلا عليا بعد أن بايعاه.

''صالح جزرہ نے کہا کہ عباد بن یعقوب حضرت عثمان ♦ (خلیفہ سوم) کو گالی دیتے تھے اور سنا میں نے ان کو یعنی عباد بن یعقوب کو کہ کہتے تھے کہ اللہ اس سے زیادہ انصاف والا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو جنت میں داخل کرے، ان دونوں نے حضرت علی سے بیعت کرنے کے بعد جنگ کی۔'' (ص: ۳۰ الجرح)

---

1. الثقات للعجلي (۱/ ۳۳۱) تهذيب التهذيب (۳/ ۱۰۱)
2. هدي الساري (ص: ٤٠٠)
3. تهذيب التهذيب (۱۰۱/۳) هدي الساري (ص: ٤٠٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ۱۰۲)

أقول: اس کا نام تشیع نہیں ہے، بلکہ (صحابہ کو گالی دینا) رفض ہے، (شاید آپ نے تشیع اور رفض کا فرق نہیں سمجھا) اور اسی وجہ سے عباد سے امام بخاری رحمہ اللہ نے بالانفراد روایت نہیں لی، بلکہ مقرون بالغیر روایت کیا ہے، آپ کا اعتراض جب واقع ہوتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ عباد کے ساتھ تفرد کرتے۔ وإذ ليس فليس!

چنانچہ میزان الاعتدال، تقریب التہذیب اور خلاصہ وہدی الساری وتہذیب التہذیب ہر ایک میں بالتصریح مرقوم ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے مقترن روایت کیا ہے۔ [1] (ملاحظہ ہو: "الأمر المبرم" ص: ۸۸) پس بحالت اقتران اعتراض فاسد ہے اور لطف یہ کہ اس حالت میں بھی امام ذہبی میزان الاعتدال میں عباد کے متعلق لکھتے ہیں:

"لكنه صادق في الحديث" (ج: ۲) "یعنی اس امر کے باوجود وہ حدیث میں صادق ہے۔

اور یہ اس بناء پر ہے کہ ان کو دارقطنی نے صدوق اور ابوحاتم نے شیخ ثقہ کہا ہے، اور حاکم نے کہا کہ امام ابن خزیمہ جب ان سے حدیث بیان کرتے تو کہتے کہ ہم کو (عباد) ثقہ نے حدیث بیان کی۔ ملاحظہ ہو: **تهذيب التهذيب (ج ۵) و ميزان الاعتدال و هدى الساري وغيره.**

اسی بناء پر امام بخاری نے ان کو صحیح روایت کی متابعت میں بطور مقرون بالغیر نقل کیا اور ان کے ساتھ تفرد نہیں کیا، جو موجب اعتراض ہو، جیسا کہ اوپر تمہید نمبر (۲) میں ذکر ہوا۔

۳۔ **قوله: عوف الأعرابي، أبو سهل البصري:** قيل: كان يتشيع، وقال بندار: والله لقد كان عوف قدريا رافضيا شيطاناً.

"کہا گیا ہے کہ شیعہ تھے اور بندار نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی کہ تحقیق عوف قدریہ رافضی شیطان تھا۔"

أقول: یہ جرح کسی طرح حیز قبول میں نہیں آ سکتی، جیسا کہ "الأمر المبرم" (ص: ۱۳۵) میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا تشیع "قيل" کے ساتھ بصیغہ مجہول مروی ہے، جس کا عدم تیقن مسلم ہے، بندار کا قسم کھا کر ان کو رافضی قدری بنانا بے دلیل ہے، اور ان کی یہ جرح شاذ ہے، جو کثیر ائمہ کی توثیق کے مقابلہ میں مردود ہے۔ جیسا کہ اوپر تمہید نمبر (۳) میں بیان ہوا کہ جو جرح غیر مفسر ہو، وہ مقبول نہیں، اس پر تعدیل مقدم ہوگی، چونکہ یہاں جرح کا کوئی بھی سبب بیان نہیں کیا گیا کہ ان میں رفض یا قدر کی کونسی علامت پائی گئی؟ اس کا مفصل سبب کیا ہے؟ لہٰذا یہ جرح مبہم ہوئی اور جرح مبہم بالاتفاق مردود ہے۔ (الأمر المبرم، ص: ۲۲ تا ۲۷، مطالعہ کرو)

اور یوں امام بخاری رحمہ اللہ کی توثیق کے مقابل میں کسی کا بھی طعن مقبول نہیں، چاہے وہ جماعت کثیرہ ہی کیوں نہ ہو، حافظ ابن حجر ہدی الساری کی فصل تاسع (۹) میں لکھتے ہیں:

---

[1] ميزان الاعتدال (۲/ ۳۷۹) تهذيب التهذيب (۲۹۵/۵) هدي الساري (ص: ٤١٢) تقريب التهذيب (ص: ۲۹۱) الخلاصة للخزرجي (ص: ۱۸۷)

"إذا وجدنا لغيره في أحد منهم طعنا، فذلك الطعن مقابل تعديل هذا الامام فلا يقبل ." انتہی [1]

''جب بخاری کے کسی راوی کے متعلق ہم کسی دوسرے کا طعن پائیں گے، تو وہ امام بخاری کی تعدیل کے مقابلہ میں مقبول نہ ہوگا۔''

بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس سے روایت کرنا خود اس کی توثیق کی دلیل ہے، اور عوف پر تو جرح مفصل ثابت ہی نہیں، بلکہ ائمہ نقاد اور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ عبداللہ نے بروایت اپنے والد امام احمد عوف کو ثقہ اور صالح الحدیث اور ابن معین نے بروایت اسحاق ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق وصالح الحدیث اور نسائی نے ثقہ ثبت کہا ہے اور مروان نے بروایت ولید کہا ہے کہ عوف کی غایت صداقت سے اس کا نام ہی صدوق ہوگیا اور محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ عوف کو عوف صدوق کہا جاتا ہے اور محمد بن سعد نے عوف کو ثقہ کثیر الحدیث کہا ہے اور انہیں ابن سعد نے محمد بن عبداللہ انصاری کی روایت سے کہا ہے کہ عوف سب سے زیادہ ثبت ہے اور ابن حبان نے عوف کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیے: تہذیب التہذیب جلد ہشتم و ہدی الساری وغیرہ) [2]

دیکھئے! امام بخاری کے علاوہ اس قدر محدثین نے عوف کی توثیق وتعدیل کی ہے۔ پس اس کے مقابل میں بندار کی جرح مبہم غیر مفسر غیر مبین کیا وقعت رکھی ہے؟ بلکہ بقاعدہ اصول اس پر تعدیل مقدم ہوگی اور پھر جبکہ تعدیل جماعت کثیرہ کی ہو!

قولہ: (۴) **محمد بن فضيل بن غزوان:** قال أبوداود: كان شيعيا محترقاً .

''ابوداود نے کہا کہ یہ سخت شیعی تھے۔''

أقول: یہ امام ابوداود کی رائے محض ہے، اس پر دوسرے کسی ناقد نے موافقت نہیں کی، محمد بن فضیل کا شیعہ ہونا دراصل صحیح نہیں، بلکہ یہ تو سنی تھے، ان پر اہل سنت والجماعت کی علامات دیکھی گئیں ہیں، جس کو ہم نے اپنے رسالہ "الأمر المبرم" (ص: ١٦٥) میں مفصل لکھا ہے۔ نیز یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، پس ابوداود کا ان کو شیعہ کہنا من قبیل الشاذ ہے، جو بوجہ إفراد مسلّم نہیں، ہدی الساری میں ہے:

"قال أحمد بن علي الأبار: حدثنا أبوهاشم: سمعت ابن فضيل يقول: رحم الله عثمان، و لا رحم الله من لا يترحم عليه، قال: رأيت عليه آثار أهل السنة والجماعة رحمه الله." [3]

(مقدمه فتح البارى، مصرى: ٤٤١)

''احمد بن علی کہتے ہیں کہ ہم سے ابو ہاشم نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن فضیل کو (یہ دعا کرتے) سنا کہ

---

[1] هدي الساري (ص: ٣٨٤)

[2] تهذيب التهذيب (١٤٨/٨) هدي الساري (ص: ٤٣٣)

[3] هدي الساري (ص: ٤٤١) نیز اسی قول کے آخر میں یہ بھی موجود ہے کہ "وسمعته يحلف بالله أنه صاحب سنة وجماعة" (التعديل والتجريح: ٢/ ٦٧٤، تهذيب التهذيب (٣٥٩/٩)

خدا حضرت عثمان پر رحمت کرے اور جو ان کے حق میں رحمت کی دعا نہ کرے، اس پر خدا رحمت نہ کرے۔ (یہ گو یا شیعوں کے حق میں بد دعا ہے) اور احمد بن علی نے کہا کہ میں نے ان (محمد بن فضیل) پر اہل سنت والجماعت کے نشانات دیکھے۔ خدا اس پر رحمت کرے!''

پس شیعوں کو بد دعا دینے والا کبھی شیعہ ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ابوداود نے کسی شبہ کی بناء پر ان پر شیعیت کا حکم لگایا ہے، ورنہ دراصل یہ شیعیت کے الزام سے بری ہیں۔ علاوہ بریں یہ ثقہ اور صدوق ہیں، ان کو امام احمد نے بروایت حرب حسن الحدیث اور ابن معین نے بروایت عثمان ثقہ اور ابوزرعہ نے صدوق اہل علم سے اور ابو حاتم نے شیخ (بزرگ) اور نسائی نے " لا بأس به " کہا ہے، اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور ابن سعد نے ان کو ثقہ صدوق کثیر الحدیث اور عجلی نے محمد کو اور ان کے باپ فضیل دونوں کو ثقہ کہا ہے اور ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن مدینی نے ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث اور دارقطنی نے ثقہ فی الحدیث اور یعقوب نے ثقہ کہا ہے۔ [1]

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (ج٩) و الأمر المبرم (ص :١٦٦)

پس ان کا شیعی ہونا باطل اور ثقہ و صدوق ہونا کالشمس في رابعة النهار ظاہر ہوگیا۔ اب اپنے ہر دو سوالوں کا جواب بگوش ہوش متوجہ ہو کر سنئے۔

ا۔ **قوله**: اول یہ کہ ان رافضیوں اور دیگر روافض کی روایت جو بخاری میں ہیں، وہ صحیح اور قابل وثوق ہیں یا نہیں؟ اگر قابل وثوق ہیں تو اس کی کیا وجہ؟ آپ نے تو یہ قاعدہ مقرر کیا کہ رافضی کی کوئی روایت صحیح اور معتبر نہیں، پھر ان رافضیوں کی روایت کیونکر صحیح اور قابل وثوق ہو سکتی ہے؟ اور اگر صحیح اور قابل وثوق نہیں تو بخاری صحیح مجرد باقی رہی یا نہیں؟ (ص: ٣٠)

أقول: سبحان اللہ! کیا معقول سوالات ہیں کہ بس عقدہ لا ینحل ہے، اور پھر سوال در سوال در سوال؟ لیجئے ہم ان سب کا ایک ٹکا سا جواب دیتے ہیں، سنئے! صحیح بخاری میں رافضیوں کی کوئی روایت بالانفراد نہیں، ہاں بعض قلیل تشیع والوں سے ہے، وہ لوگ ثابت الاخذ والاداء ہیں، ان کی روایت صحیح اور قابل وثوق ہے۔ اس کی مفصل وجہ اوپر معلوم ہو چکی ہے، البتہ رافضیوں کی روایت معتبر نہیں ہے، اور ایسی روایت کا جامع بخاری میں پتہ تک نہیں، پس صحیح بخاری صحیح مجرد باقی ہے۔ [2]

---

1. تهذيب التهذيب (٩/ ٣٥٩)
2. بیشتر کتبِ اصولِ حدیث میں صحیح بخاری کی بابت صحیح مجرد کتاب ہونے کی تصریح موجود ہے، جو کتبِ اصول پر نظر رکھنے والے ادنی طالب علم پر بھی مخفی نہیں، ذیل میں کتب اصول کے بجائے ایک معتبر حنفی علامہ عینی رحمہ اللہ کی شہادت پیش کی جاتی ہے، جو شاید معترض کے ہمنوا حضرات کے لیے سبق آموز اور باعث عبرت بن سکے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سمىٰ البخاري كتابه بالجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله وسننه وأيامه، وهو أول كتابه، وأول كتاب صنف في الحديث الصحيح المجرد " (عمدة القاري ١/ ٥)

۲۔ قوله: دوم یہ کہ امام بخاری بھی رافضی ہوئے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئے تو کیوں؟ جو شخص رافضیوں کو اپنا شیخ بنائے اور ان سے حدیثیں روایت کرے اور پھر وہ رافضی نہ ہو اس کے کیا معنی؟ ایسے شخص کو تو بدرجہ اول رافضی ہونا چاہیے۔ الخ (ص:۳۱)

أقول: اے جناب ڈاکٹر صاحب! یہ سوال اور بھی مہمل ہے، اول تو امام بخاری ﷫ نے حنفیوں کو تو اپنا شیخ بنایا ہی نہیں، رافضیوں کو تو کیا بناتے! لیکن یہ تو فرمایئے کہ یہ کونسا لزوم ہے کہ اگر کسی کا شیخ یا استاد رافضی ہو تو وہ بھی رافضی ہوجائے؟ بہت سے سنی علماء شیعہ سے علم منطق پڑھتے ہیں اور وہ ویسے ہی سنی رہتے ہیں، فرمایئے تو آپ کے امام اعظم امام ابوحنیفہ ﷫ نے امام مالک سے پڑھا، نیز امام محمد نے امام مالک سے پڑھا تو کیا یہ مالکی ہوگئے؟ امام ابویوسف نے محمد بن اسحاق سے مغازی پڑھا، امام شافعی نے امام محمد سے پڑھا تو کیا امام شافعی حنفی ہوگئے؟ ایک مسلمان نے ناگری ہندو سے پڑھی تو وہ بھی ہندو گیا؟ ایک عیسائی نے مسلمان سے عربی سیکھی تو وہ بھی مسلمان ہوگیا؟ آپ نے لالہ سے فارسی پڑھی تو کیا آپ بھی لالہ ہوگئے؟ (لیکن شکل تو لالہ جیسی ہوگئی!!) وھل ھذا إلا شيء عجيب!

بحمد اللہ کہ آپ کے نمبر (۹) کا جواب بھی اختتام کو پہنچا، اب بعون اللہ نمبر (۱۰) کا جواب شروع ہوتا ہے، جو ''اہل فقہ'' کے دوسرے سال میں طبع ہونا شروع ہوا تھا، یعنی ''اہل فقہ'' (جلد۲، نمبر۵، ص:۴ مجریہ ۲۷ رجب ۲۵ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۰۷ء) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی آپ نے رسالہ الجرح (ص:۳۱) میں جو بصورت نفی لکھی ہے، ہم اسے بطریق اثبات لکھتے ہیں:

''جامع بخاری کا اُصح الکتب ہونا جمیع اہل علم کے نزدیک مسلّم ہے۔''

ہمارے مقابل معترض کی جو باتیں ہوتی ہیں، وہ خیریت سے ایسی ہی ہوتی ہیں، جن کو ہزار میں انتخاب کہنا چاہیے۔ امام بخاری ﷫ کی مخالفت یہاں تک آپ میں بہ ترقی حلول کرگئی ہے کہ آپ کے خیال میں ہنوز علماء سلف میں یہ بھی منقح نہ ہوا کہ کتب احادیث میں کون اصح الکتب ہے؟ (جو محض غلط ہے) چنانچہ بطور تمہید کے آپ فرماتے ہیں:

قوله: ''اس امر کو جمیع علماءِ سنت نے نہیں مانا ہے کہ کتاب بخاری بہ حیثیت وصف و شان صحت کے اصح الکتب ہے اور دیگر بے رتبہ یا کمتر پایہ کی ہیں، کیونکہ اصحیت کتاب بخاری کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ مضمون سلف میں غیر منقح رہا کہ کتب احادیث میں اصح الکتب کون ہے؟ اور فوقیت اور ترجیح کس کتاب کو حاصل ہے؟ کوئی تو مسلم کی اصحیت کا قائل ہے اور کوئی بخاری کا، کوئی ابوداود کی فوقیت کی دلیل پیش کرتا ہے، اور کوئی ترمذی کی، وغیر ذلک، غرضیکہ مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ وللناس فيما يعشقون مذاهب'' (ص: ۳۱، الجرح)

أقول: اے جناب! اس امر کو جمیع علماء محدثین نے تسلیم کیا ہے کہ جامع بخاری بہ حیثیت وصفِ صحت اصح الکتب ہے اور حدیثوں کی دوسری کتابیں مرتبہ میں اس سے کم ہیں، اصول حدیث (شرح ونخبہ وغیرہ) کا مطالعہ تو

کیجئے۔ [1] پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ اصحیت کتاب بخاری کے ساتھ مخصوص معین ہے اور یہ امر سلف میں طے شدہ ہے کہ جامع بخاری ہی اصح الکتب ہے، جیسا کہ پیشتر معلوم ہو چکا اور جو دیگر کتابوں کی اصحیت کا قائل ہے، وہ اس میں تنہا اور شاذ ہے۔ اس کا یہ قول حیز قبول میں آنے کے قابل نہیں ہے، جیسا کہ آگے مفصل معلوم ہوگا۔ اور ابوداود، ترمذی و نسائی کی اصحیت کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے، نہ آپ نے ان کی اصحیت کی بابت کوئی صریح قول پیش کیا، بلکہ ان اقوال کا تو کچھ اور ہی مطلب ہے، جس کو آپ سمجھ نہ سکے۔ افسوس! ع۔ ولن يصلح العطار ما أفسده الدهر!

ا۔ قوله: كشف الظنون میں صحیح مسلم کے بیان میں ہے:

"وذكر الإمام النووي في أول شرحه: أن أبا عليّ الحسين النيشابوري شيخ الحاكم قال: ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم، ووافقه بعض شيوخ المغرب، وعن النسائي قال: ما في هذه الكتاب كلها أجود من كتاب البخاري".

''امام نووی نے شرح مسلم کے شروع میں ذکر کیا کہ تحقیق ابوعلی حسین نیشا پوری شیخ حاکم نے کہا کہ آسمان کے نیچے کتابِ مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے اور بعض شیوخ مغرب نے اس میں ان کی موافقت کی اور امام نسائی نے کہا کہ جو اس کتاب مسلم میں ہے، کل اس کا جید زیادہ ہے کتاب بخاری سے۔'' [2]

انتقال ابوعلی کا ۳۴۹ھ میں ہے۔ (ص =)

أقول: ابوعلی نیشا پوری کے اس قول کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عرصہ ہوا پرخچے اڑا چکے ہیں، چنانچہ شرح نخبہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٢)

[2] امام نسائی کی عبارت "ما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب البخاري" (تاريخ بغداد: ٢/ ٩) کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں صحیح بخاری سے زیادہ عمدہ کوئی کتاب نہیں ہے۔ معترض کے ذکر کردہ حوالہ کشف الظنون (١/ ٥٥٥) کے مذکورہ مقام پر یہ قول بایں الفاظ "ما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب البخاري" موجود ہے، معترض نے اس مقام پر دوطرح سے تحریف اور بد دیانتی کا ارتکاب کیا ہے:

ا۔ تحریف لفظی: امام نسائی کے قول "ما في هذه الكتب" کو "ما في هذه الكتاب" بصیغہ مفرد تبدیل کر دیا، تاکہ اس کا مشار إلیہ اکیلا صحیح مسلم کو قرار دیا جا سکے، جیسا کہ ترجمہ سے صراحتاً ظاہر ہے، حالانکہ "هذه" اور "كلها" کے درمیان لفظ "الكتاب" بصیغہ مفرد ذکر کرنا نہ صرف تحریف اور بد دیانتی ہے، بلکہ ناقل کی اصول وقواعد عربیہ سے شدید جہالت اور کم علمی کی بین دلیل ہے۔

۲۔ تحریف معنوی: امام نسائی رحمہ اللہ تو صحیح بخاری کی تفضیل وتوصیف میں مذکورہ بالا قول ارشاد فرما رہے ہیں، جیسا کہ علماء ذکر کرتے آئے ہیں، جبکہ معترض بذریعہ تحریف مذکورہ بالا کلام کا حلیہ بگاڑ کر اپنا خود ساختہ مطلب کشید کر رہا ہے کہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت وترجیح حاصل ہے!! شاید ہی چشمِ فلک نے تحریف وخیانت کی اس سے بھیانک کوئی مثال دیکھی ہو۔ حقیقت میں یہ "توجيه القول بما لا يرضىٰ به قائله" کی واضح مثال ہے۔ ایسے کتنے ہی کشتگانِ عقل وخرد گزرے ہیں، اور فی زمانہ بھی موجود ہیں، جو بایں دعوائے علم ودانش قرآن مجید کے بعد شریعتِ اسلامیہ کی معتبر اور صحیح ترین کتاب صحیح بخاری پر حملہ آوری کو بے تاب اور بے چین ہیں۔ عاملهم الله بما يستحقون !!

”وأما ما نقل عن أبي علي النسيابوري أنه قال: ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم، فلم يصرح بكونه أصح من صحيح البخاري، لأنه إنما نفى وجود كتاب أصح من كتاب مسلم، إذ المنفي إنما هو ما تقتضيه صيغة ”أفعل“ من زيادة صحة في كتاب، شارك كتاب مسلم في الصحة، يمتاز بتلك الزيادة عليه، ولم ينف المساواة، وكذلك ما نقل عن بعض المغاربة أنه فضل صحيح مسلم علىٰ صحيح البخاري، فذلك فيما يرجع إلى حسن السياق وجودة الوضع والترتيب، ولم يفصح أحد منهم بأن ذلك راجع إلىٰ الأصحية، ولو أفصحوا به لرده عليهم شاهد الوجود، فالصفات التي تدور عليها الصحة في كتاب البخاري، أتم منها في كتاب مسلم وأشد، وشرطه فيه أقوى وأسدّ.“ انتهى [1] (نزهة النظر، مجتبائی: ۲۸، ۲۹)

” جو ابوعلی نیشاپوری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے جرم آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے، اس میں انہوں نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ مسلم صحیح بخاری سے بھی زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ ابوعلی نے مسلم سے زیادہ صحیح کسی کتاب کے پائے جانے کی نفی کی ہے، کیونکہ امر منفی یہاں وہ ہے جس کو صیغہ اسم تفضیل اصحیت کا مقتضی ہے، یعنی (نفی) زیادتی صحت کی ایسے کتاب کی ہے، جو صحت میں کتاب مسلم کے شریک ہو اور وہ کتاب صحیح مسلم سے اس زیادتی کے سبب ممتاز ہوجائے، ابوعلی نے مساوات (برابری) کی نفی نہیں کی ہے، (پس حاصل یہ ہوا کہ صحیح مسلم جامع بخاری کے اصحیت میں برابر ہوئی نہ زیادہ اور ابوعلی کی موافقت میں بعض شیوخ مغرب سے معترض نے جو نقل کیا ہے، اس کے جواب میں حافظ ابن حجر آگے فرماتے ہیں) ایسا ہی جو بعض مغربیوں سے منقول ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دی ہے، یہ تفضیل باعتبار حسن سیاق کے ہے (یعنی صحیح مسلم کا طرز سیاقِ حدیث ذرا اچھا معلوم ہوتا ہے) اور باعتبار عمدگی وضع وترتیب (ظاہری) کے ہے (اور یہی مطلب ہے نسائی کے قول ”أجود من البخاري“ کا جو معترض نے نقل کیا ہے، یعنی یہ فضل باعتبار جودت وضع کے ہے، اور در حقیقت یہ امر کوئی ایسا باعث فضل نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ وجوہِ فضل صحیح بخاری میں موجود ہیں) اور کسی نے ان (مغاربہ) میں سے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ تفضیل راجع اِلی الأصحیۃ ہے (یعنی اس سے مسلم کا بخاری سے اَصح ہونا لازم آتا ہے، ایسا ہرگز نہیں) اور اگر وہ لوگ اس کی تصریح کر دیتے (یعنی مسلم کو بخاری سے اصح کہہ دیتے) تو اس کے رد میں جامع بخاری کا وجود مسعود کافی شاہد ہے، اس لئے کہ وہ صفات جن پر صحت کا مدار ہے، صحیح بخاری میں مسلم سے کہیں زیادہ پوری اور سخت ہیں اور امام بخاری کی شرط صحت (مسلم کی شرط سے) زیادہ قوی اور درست ہے۔“

اور ابوعمرو تقی الدین ابن صلاح فرماتے ہیں:

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٥)

”وأما ما رويناه عن أبي علي الحافظ النيسابوري أستاذ الحاكم أبي عبد الله الحافظ من أنه قال: ما تحت أديم السماء كتاب أصح من كتاب مسلم بن الحجاج، فهذا وقول من فضل من شيوخ المغرب كتاب مسلم على كتاب البخاري إن كان المراد به أن كتاب مسلم يترجح بأنه لم يمازجه غير الصحيح، فإنه ليس فيه بعد خطبته إلا الحديث الصحيح مسروداً غير ممزوج بمثل ما في كتاب البخاري في تراجم أبوابه من الأشياء التي لم يسندها علىٰ الوصف المشروط في الصحيح، فهذا لا بأس به، وليس يلزم منه أن كتاب مسلم أرجح فيما يرجع إلى نفس الصحة على كتاب البخاري، وإن كان المراد به أن كتاب مسلم أصح صحيحاً، فهذا مردود على من يقوله، والله أعلم.“ [1] (مقدمہ ابن صلاح: ۸)

”ابوعبداللہ حاکم کے استاذ ابوعلی نیشاپوری نے کہا ہے کہ آسمان کے نیچے کوئی کتاب مسلم سے زیادہ صحیح نہیں ہے، یہ قول اور ان شیوخ مغاربہ کا قول، جنہوں نے مسلم کو بخاری پر فضیلت دی ہے، اس سے مراد اگر یہ ہے کہ مسلم کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ اس میں سوائے صحیح کے اور حدیثیں ملی نہیں ہیں اور مسلم میں خطبہ کے بعد سے صحیح حدیثیں بیان ہونی شروع ہوگئی ہیں، بغیر کسی آمیزش کے جیسا کہ بخاری کے ترجمہ باب میں بعض حدیثیں ایسی ہیں، جو اس وصف پر نہیں ہیں، جو صحیح کے مشروط ہے، تو اس مراد میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس سے مسلم کا باعتبار نفس صحت کے بخاری پر ترجیح پانا لازم نہیں آتا، اور اگر ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ مسلم اَصح ہے بخاری سے، تو یہ قول مردود ہے۔“

مختصر یہ کہ ان لوگوں کا مطلب مسلم کو بخاری پر ترجیح دینا نہیں ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو اس میں وہ لوگ غلطی پر ہیں، کیونکہ یہ قول مخالف اجماع اور بدیہی غلط ہے۔ [2] كما لا يخفىٰ .

کہئے! ان مشاہیر ائمہ اصول حدیث کے صریح فیصلہ کے بعد بھی اور کسی قول کی ضرورت ہے؟ لیکن آپ شاید جانتے تھے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں، وہ قول مردود ہے اور ائمہ اصول نے اس کا کافی جواب دیا ہے، اسی لئے آپ نے ابن صلاح کا پایہ (ص: ۳۳) نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس میں آپ کی ناکامی آگے چل کر اس قول کے جواب میں معلوم ہوگی، حاصل کلام وخلاصہ مرام یہ کہ صحیح بخاری کی اصحیت آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر ہے۔ [3] وهو المطلوب!

---

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠)

[2] نیز حافظ ابوعلی نیشاپوری کے قول کی تردید میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ابوعلی نیشاپوری کے استاد امام نسائی ﷫ کے کلام ”ما في هذه الكتب كلها أجود من كتاب البخاري“ میں ابوعلی اور دیگر مغاربہ کی تردید موجود ہے۔

[3] نیز امام نووی ﷫ فرماتے ہیں: ”هو أول مصنف صنّف في الصحيح المجرد، واتفق العلماء علىٰ أن أصح الكتب المصنفة صحيحا البخاری و مسلم، واتفق الجمهور على أن صحيح البخاري أصحهما صحيحا، وأكثرهما فوائد، وقال ←

۲۔ قولہ: بہ نسبت مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کے مقدمہ زرقانی شرح مؤطا امام مالک میں یہ لکھا ہے:

"أخرج ابن فهر عن الشافعي: ما على ظهر الأرض كتاب بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك".

''یعنی امام شافعی نے یہ فرمایا کہ روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ (ص:۳۲)

أقول: ہم اس کا جواب رسالہ "صراط مستقیم" میں عرصہ ہوا دے چکے ہیں کہ یہ قول جامع بخاری کی تالیف سے پیشتر کا ہے، جب مؤطا تالیف ہوئی تھی، اس وقت تو امام بخاری رحمہ اللہ کا وجود بھی نہ تھا، پھر اس قول سے جامع بخاری پر کیونکر جرح متصور ہوسکتی ہے؟ اس وقت جب جامع بخاری نہ تھی، مؤطا ہی روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد حدیث نبوی میں صحیح تر کتاب تھی، لیکن جب جامع بخاری تالیف ہوئی، تو اس کے مقابل میں سب ہیچ ہوگئیں اور اس کی اصحیت غالب رہی، بقول۔

رات بھر تاروں کی محفل میں رہی گفت و شنید
صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

حافظ تقی الدین ابن صلاح فرماتے ہیں:

"وأما ما رويناه عن الشافعي رحمه الله من أنه قال: ما أعلم في الأرض كتابا في العلم أكثر صواباً من كتاب مالك رحمه الله، ومنهم من رواه بغير هذا اللفظ، فإنما قال ذلك قبل وجود كتابي البخاري ومسلم". انتهى [1] (مقدمه ابن صلاح: ۷)

''امام شافعی سے جو مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں روئے زمین میں علم حدیث کی کسی کتاب کو امام مالک کی کتاب موطا سے زیادہ صائب نہیں جانتا، یا انھیں امام شافعی وغیرہ سے جو دوسرے لفظوں سے مروی ہے، (کہ روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے) یہ قول امام شافعی نے صحیح بخاری و مسلم کے وجود سے پیشتر فرمایا ہے۔''

پس اس سے صحیح بخاری و مسلم پر کوئی زد نہیں آسکتی، بلکہ جب جامع بخاری تالیف ہوئی، اسی وقت سے خلائق کے خیالات دگرگوں ہوگئے اور سب نے بالاتفاق کہہ دیا کہ أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري، كما سيجيئ...، فافهم!

← الحافظ أبو علي النيسابوري وبعض علماء المغرب: صحيح مسلم أصح، وأنكر العلماء ذلك عليهم، والصواب: ترجيح صحيح البخاري، وقد قرر الإمام الحافظ أبوبكر الإسماعيلي في كتابه المدخل ترجيح صحيح البخاري على صحيح مسلم، وذكر دلائله، وقال النسائي: أجود هذه الكتب كتاب البخاري، وأجمعت الأمة على صحة هذين الكتابين، ووجوب العمل بأحاديثهما" (تهذيب الأسماء واللغات للنووي: ۱/ ۸۱)

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۰) تدريب الراوي (۱/ ۹۱) فتح المغيث (۱/ ۲۶) توضيح الأفكار (۱/ ۳۸)

۳۔ **قوله:** زهر الربی شرح سنن نسائی مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی کے مقدمہ میں دربارہ نسائی کے ہے:"قال أبو الحسن المعافري: إذا نظرت إلى ما يخرجه أهل الحديث، فما خرجه النسائي أقرب إلى الصحة مما خرجه غيره"

ابوالحسن معافری نے کہا کہ جس وقت دیکھا میں نے ان حدیثوں کو جن کو محدثین نے روایت کیا ہے، پس وہ حدیثیں جو روایت کی ہیں نسائی نے وہ قریب زیادہ طرف صحت کے ان حدیثوں سے جن کو سوائے نسائی کے دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔''

أقول: بہت ٹھیک ہے، بخاری و مسلم کی اصحیت تو سب کو مسلم ہے، اس پر کلام ہی نہیں، ان دونوں کے بعد کتب حدیث میں نسائی بالکل صحیح تو نہیں، ہاں اقرب إلی الصحت ہے، پس ابوالحسن معافری نے جو کہا ہے بے شک درست ہے اور یہ ہمارے مدعا کے مخالف نہیں، بلکہ عین مدعا ہے، اور آپ کے مدعا کے لیے مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے، عقل ہو تو سمجھئے ورنہ مجبوری ہے!

۴۔ **قوله:** بہ نسبت سنن ابوداود کے تہذیب نووی میں ابوداود کے بیان میں یہ چند اقول ہیں:

اول: "لما صنف كتاب السنن صار لأهل الحديث كا لمصحف يتبعونه".

''جس وقت کہ کتاب سنن ابوداود تصنیف کی گئی، پس ہوئی وہ واسطے اہل حدیث کے مثل قرآن شریف کے کہ اس کی پیروی کرتے تھے۔ (ص: أيضاً)

أقول: اس کا مفصل جواب ہم "الريح العقيم" (ص: ۵) میں دے چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ "كالمصحف" میں کاف اسمیہ نہیں ہے، بلکہ تشبیہ کا ہے، اور قاعدہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں صرف ایک امر میں مطابقت ہوتی ہے، من کل الوجوہ مطابقت ضروری نہیں، جیسے " زيد كالأسد "پس ابوداود کی تشبیہ مصحف سے صرف سہولت اخذ و استیعابِ مسائل و احکام میں ہے، مطلب یہ کہ اگر کسی شخص کو علیٰ وجہ الأتم علم نہ ہو اور اس کے پاس کوئی کتاب نہ ہو سوائے قرآن پاک اور ابوداود کے تو دینی مسائل کے لئے اس کو اور کسی کتاب کی حاجت نہ ہوگی، چنانچہ امام خطابی نے علامہ ابوعبداللہ محمد بن مخلد کے قول مذکور کا یہی مطلب کہا ہے، جو آپ کے قول سوم کے ذیل میں مذکور ہوگا۔ ان شاء اللہ، چنانچہ ان دنوں بھی اکثر غیر مستطیع لوگوں کو کتاب بخاری کے خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی تو وہ مسائل دینیہ سے واقف ہونے کے لیے کتب سنن سے کوئی ارزاں کتاب خرید لیتے ہیں، جو ان کو کافی ہوتی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کتب سنن صحیحین سے بھی درجہ میں زیادہ ہیں، بلکہ صحیحین کی اصحیت سب کو مسلّم ہے۔

قوله: دوم:" عن المحسن بن إبراهيم الواذراري قال: رأيت النبي في المنام، قال: من أراد أن يستمسك بالسنن، فليقرأ كتاب أبي داود."

''محسن بن محمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوخواب میں دیکھا، پس فرمایا آپ نے کہ جوشخص چاہے کہ پکڑے سنتوں کو پس چاہیے اس کو پڑھے ابوداود کو۔''

أقول: اولاً تو امر خواب وغیرہ معرض استدلال میں پیش نہیں کیا جاتا، کیونکہ۔ ع۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ❶

اور علی وجہ التسلیم جامع صحیح بخاری کی بابت ابو زید مروزی کا خواب نبوی اس سے کہیں زیادہ مصرح اور صحیح بخاری کا کتاب نبوی ہونا ثابت کرتا ہے، ملاحظہ فرمایئے: ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

"قال محمد بن أحمد المروزي: كنت نائماً بين الركن والمقام، فرأيت النبي ﷺ في المنام، فقال لي: يا أبا زيد! إلى متىٰ تدرس كتاب الشافعي ولا تدرس كتابي؟ فقلت يا رسول الله! وما كتابك؟ قال: جامع محمد بن إسماعيل البخاري." انتهى. ❷

(مرقاة شرح مشكوة، مصرى: ١/ ١٦)

'' ابو زید محمد مروزی نے کہا: میں مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان سویا تھا کہ میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا، آپ نے فرمایا کہ اے ابو زید! تو شافعی کی کتاب کا درس کب تک دے گا؟ میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتا؟ میں نے عرض کیا: اے رسول خدا! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل بخاری کی جامع صحیح بخاری۔''

پس ثابت ہوا کہ صحیح بخاری خاص کتاب نبوی ہے، اور ابو داود کا پلہ بہر حال اس سے نیچا رہا۔ ع۔

ہاتھ لا او یار ! کیوں؟ کیسی کہی؟

قوله: سوم: " قال الخطابي: اعلموا رحمكم الله! أن كتاب السنن لأبي داود كتاب شريف، لم يصنف في حكم الدين كتاب مثله".

'' خطابی نے کہا: جانو! رحم کرے تم پر اللہ، تحقیق کہ کتاب سنن ابوداود ایک ایسی کتاب شریف ہے کہ نہیں تصنیف کی گئی ہے حکم دین میں کوئی کتاب مثل اس کے۔'' خطابی کا انتقال ۳۸۹ھ میں ہے۔

أقول: اس کے ساتھ ہی خطابی کا اگلا قول بھی ملا لیجئے، جو ابوداود کے متعلق ہے، پھر نتیجہ نکالئے۔

چہارم: امام خطابی فرماتے ہیں:

"قال الخطابي: سمعت أبا سعيد ابن الأعرابي يقول: لو أن رجلا لم يكن عنده من العلم إلا المصحف، ثم هذا الكتاب، لم يحتج معهما إلى شيء من العلم البتة." انتهى ❸

(كتاب التهذيب للنووى، مصرى)

---

❶

❷ مرقاة المفاتيح فی شرح مشكاة المصابيح (١/ ٤٠)

❸ تهذيب الأسماء واللغات للنووي (٢/ ٩٣)

''میں نے ابوسعید ابن اعرابی سے سنا، فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کے پاس علم دین کی کوئی کتاب نہ ہو سوائے قرآن مجید کے، پھر یہ کتاب (سنن ابوداود) ہو تو اس کو یقیناً اور کسی کتب دینیہ کی ضرورت نہ ہوگی۔''

یہی مطلب اوپر کے قول کا بھی ہے کہ چونکہ اس میں امور دین کافی طور سے مبین ہیں، اس لئے اس کے رہتے ہوئے مسائل سے واقف ہونے کو دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ نہ یہ کہ ابوداود صحیح بخاری سے بڑھ کر یا برابر ہے، بلکہ دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ ع۔

کلام حق ہے خورشید اور مہ تاباں بخاری ہے!

قوله: پنجم: ترمذی کے بہ نسبت کشف الظنون میں جامع ترمذی کے بیان میں ہے:

''من كان في بيته، فكأن النبي ﷺ يتكلم في بيته.''

''جس گھر میں جامع ترمذی ہو، پس گویا اس گھر میں رسول اللہ ﷺ کلام فرما رہے ہیں۔''

أقول: اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جامع صحیح بخاری تو خود رسول اللہ ﷺ کی خاص کتاب ہے، جس کو حضور سید المرسلین نے خود اپنی کتاب فرمایا ہے اور جامع ترمذی چونکہ بالکل جامع بخاری کے طرز پر تالیف شدہ ہے، اسی لئے دونوں کو جامع کہتے ہیں، گو ترمذی نے التزام صحت نہیں کیا، تاہم ان پر سب کچھ فیض امام بخاری ہی کا ہے اور انہی امام بخاری کے ترمذی خاص شاگرد ہیں، اور امام ترمذی اپنی جامع میں مختلف مقامات پر امام بخاری سے روایت کرتے ہیں، اور رواۃ کے متعلق امام بخاری کے اقوال نقل بھی کرتے ہیں۔ [1] اس وجہ سے امام بخاری کے طفیل سے امام ترمذی کی جامع کی یہ قدر ہوئی کہ بعض محدثین نے اسے کلام رسول سے تعبیر فرمایا، اور چونکہ یہ سب امام بخاری ہی کا کیا دھرا ہے، اس لئے بہر حال امام بخاری کی جامع کا درجہ برتر رہا اور یہی حق اور امر واقعی اور مقصود ہے، ورنہ یوں تو ساری حدیثیں کلام رسول ہیں۔ فافھم!

محصل الکلام یہ کہ آپ کے ان پانچوں مذکورہ اقوال میں کسی سے بھی کسی کتاب کی اصحیت جامع بخاری کے مقابل میں ثابت نہ ہوسکی، بلکہ بخاری ہی کی اصحیت ثابت ہوتی گئی۔

اب چھٹے نمبر میں جو آپ نے ابن الصلاح کا پایہ گرانا چاہا ہے، اس کا جواب شافی ملاحظہ ہو۔

٦۔ **قوله**: ابن صلاح شافعی المذہب جو چھٹی صدی کے آخر میں ہیں اور چند مغلوب الحال مقلدینِ ابن صلاح کتاب بخاری کی اصحیت کے قائل ہیں، اور ان کا بے دلیل یہ خیال ہے کہ اس کتاب کو دیگر کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہے، اور اس زمانہ میں بعض لوگوں نے اسی خیال بے بنیاد کو علماء سنت کا مذہبی عقیدہ اور ایمان کا ایک جزو قرار دے رکھا ہے، ورنہ اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ کوئی اس کا ماخذ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ الخ (ص: ٣٣)

---

[1] اسی لیے امام ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے: "لم أر بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل والتاريخ ومعرفة الأسانيد كبير أحد أعلم من محمد بن إسماعيل" (العلل للترمذي: ٣٢)

أقول: آپ کا یہ قول سراپا غلط ہے، ابن صلاح بڑے پایہ کا شخص ہے۔ (دیکھئے: تاریخ ابن خلکان : ۱/ ۳۱۲، مصری)[1] اصحیتِ بخاری کے متعلق اس محدث کا خیال ہرگز بے دلیل نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری کا وجود مسعود بجائے خود ایک واضح دلیل ہے۔ ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اور جتنے لوگوں نے ابن صلاح کے بعد اصحیتِ بخاری کا اقرار کیا ہے، وہ ابن صلاح کی تقلید کی وجہ سے نہیں اور نہ ان کا کوئی مقلد تھا، بلکہ سب نے خود تحقیق کر کے جمہور کا اجماع نقل کیا ہے اور کل متقدمین ومتاخرین کا یہی مذہب تھا، کشف الظنون میں ہے:

"إن السلف والخلف قد أطبقوا على أن أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري."[2]

سلف وخلف کا صحیح بخاری کے اُصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اتفاق ہے۔

اور علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

"أطبق على قبوله بلا خلاف علماء الأسلاف والأخلاف" (عمدة القاري: ۱/ ۵)

''جامع صحیح بخاری کی قبولیت پر علماء سلف اور خلف کا اتفاق ہے۔''

ان دونوں اقوال سے ثابت ہوا کہ علماء خلف (متاخرین) کے علاوہ سلف متقدمین کا بھی جامع بخاری کی اصحیت وقبولیت پر اتفاق ہے، ابن صلاح تو یقیناً علماء خلف (متاخرین) سے ہیں، ان سے پیشتر کے لوگ سلف (متقدمین) کہلاتے ہیں، وہ بھی چوتھی صدی تک کے علماء، چنانچہ خطیب بغدادی جو چوتھی صدی کے آخر میں پیدا ہوئے، ان کو علماءِ طبقات اول المتاخرین وآخر المتقدمین لکھتے ہیں۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ علمائے سلف کا بھی جامع بخاری کی اصحیت وقبولیت وفوقیت پر اتفاق ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ابن صلاح سے پیشتر بھی لوگ جامع بخاری کی اصحیت و فوقیت کے قائل تھے۔ چنانچہ امام نسائی (جو ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۳۰۲ھ میں وفات پائی) ان کا قول جامع بخاری کی بابت ملاحظہ ہو: "الحطة في ذكر الصحاح الستة" میں ہے کہ امام نسائی نے فرمایا:

"قال النسائي: أجود هذه الكتب كتاب البخاري."[3] (ص: ۸۷)

''کتب حدیث میں سب سے اعلیٰ درجہ کی کتاب بخاری ہے۔''

امام نسائی جو امام بخاری کے ہم عصر ہیں، وہ بھی بخاری کو "أجود" بصیغہ اسم تفضیل مثل "أصح" اسم تفضیل

---

[1] امام ابن خلکان رحمہ اللہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: "كان أحد فضلاء عصره في التفسير والحديث والفقه وأسماء الرجال، وما يتعلق بعلم الحديث ونقل اللغة، وكانت له مشاركة في فنون عديدة، وكانت فتاواه مسددة... ولم يزل أمره جاريا على سداد وصلاح واجتهاد في الاشتغال والنفع إلىٰ أن توفي" (وفيات الأعيان: ۳/ ۲۴۴) نیز دیکھیں: طبقات السبكي (۵/۱۲۷) تذكرة الحفاظ للذهبي (۴/ ۱۴۳۰) شذرات الذهب (۶/۲۲۱)

[2] كشف الظنون (۱/ ۶۳۵)

[3] تاريخ بغداد (۲/۹)

کے فرماتے ہیں، پس اس قول سے کتاب بخاری کا دیگر کتب احادیث پر فوقیت رکھنا ثابت ہوگیا اور آپ کا اس کو بے دلیل اور بے بنیاد کہنا باطل ہوگیا۔ فالحمداللہ، اور یہی قول ما بعد (خلف) کے لوگوں کے قول کا اصل اور ماخذ صحیح ہے۔ علاوہ اس کے امام بخاری کا خود اپنی جامع کو صحیح کہنا اور ان کے اقرار کا منقول ہونا کہ اس جامع میں صرف صحیح حدیثیں جمع کی گئی ہیں اور تالیف سے قبل اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں اس امر کا تذکرہ ہونا کہ کاش کوئی کتاب ایسی ہوتی، جس میں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثیں ہوتیں:

" التي بلغت من الصحة أقصىٰ درجاتها" [1] (حطة: ٨٧)

اس پر امام بخاری کا مستعد ہو کر جامع بخاری کی تالیف کرنا اور اس میں باقرار خود محض صحیح حدیثوں کو جمع کرنا اور اس کو علمائے معاصرین پر پیش کرنا اور ان سب لوگوں کا اس کی تحسین مع اقرار صحت کرنا۔ [2] (کما مر)

یہ سب ما بعد کے لوگوں کے قول " أصح الكتب... الخ " کی دلیل بلکہ ماخذ ہیں۔ فتفكر !

باقی رہا اس کو مذہبی عقیدہ اور ایمان کا جزو کہنا، تو یہ اتہام محض اور افتراء عظیم ہے، امید ہے کہ آپ اپنے اس قول کو واپس لیں گے۔

قوله: پس ایسی حالت میں کہ اس قدر اکابر دین کی مختلف رائے بہ نسبت کتب احادیث کے موجود ہیں، تو یہ کیونکر بے محابا کہا جا سکتا ہے کہ صرف کتاب بخاری کے اصح الکتب ہونے پر علماء کا مذہبی عقیدہ اور اجماع ہے؟ کس واسطے کہ جو شخص سوائے بخاری کے کسی دوسری کتاب کی اصحیت کا قائل ہے، تو وہ اس کتاب کے علاوہ بقیہ دیگر کتب احادیث کا، عام اس سے کہ وہ کتاب بخاری ہو یا اور کوئی دوسری کتاب، انکار کرتا ہے۔ (ص: أیضاً)

أقول: صحیح بخاری کے اصح الکتب ہونے پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہے، جو اوپر جابجا منقول ہوا، اکابر دین سے کسی نے بھی صحیح بخاری پر کسی کتاب کو اصحیت میں ترجیح نہیں دی، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، موطا کی بابت جس نے کہا اس وقت صحیح بخاری کا وجود نہ تھا اور صحیح بخاری کی تالیف کے بعد آج تک کسی کا ایسا قول منقول نہیں، جس میں صحیح بخاری کی اصحیت کو ذکر کر کے اس پر دوسری کتاب کو ترجیح دی گئی ہو، اس واسطے ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

" ولم يوجد عن أحد التصريح بنقيضه ." [3] (مرقاة : ١٦)

''یعنی کسی سے بھی کوئی قول صراحتاً قول مذکور (أصح الكتب بعد كتاب الله البخاري) کے خلاف پایا ہی نہیں گیا۔''

---

[1] الحطة في ذكر الصحاح الستة (ص: ١٧٨)

[2] تهذيب التهذيب (٩/٥٤) هدي الساري (ص: ٤٨٩)

[3] مرقاة المفاتيح (١/ ٣٧)

بلکہ علامہ عینی حنفی تو یہ فرماتے ہیں کہ بخاری کے اصح الکتب ہونے پر علماء شرق وغرب کا اتفاق ہے۔[1] پس اس اجماع کا منکر حدیث " يد الله على الجماعة، فمن شذ شذ في النار"[2] کا مصداق ہے۔ فافهم! اب اپنے عجیب وغریب حاشیہ کا جواب سنئے۔

قوله: سب وہابی مجلس مولود شریف کے بدعت ہونے میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ شیخ عمر بن محمد نے چھٹی صدی میں اس کو ایجاد کیا......چھٹی صدی کے قبل اس فعل کا وجود نہ تھا......ہم بخاری کے اصح الکتب ہونے کے عقیدہ کو بدعت اور ضلالت کہیں گے، کس واسطے کہ اگرچہ کتاب بخاری تیسری صدی میں تالیف ہوئی، مگر چھٹی صدی کے اول تک اس کو کسی نے اصح الکتب نہ سمجھا، حتی کہ خود امام بخاری نے بھی اس کو اصح الکتب نہیں کہا، البتہ چھٹی صدی میں صرف ابن صلاح اس کتاب کے اصح الکتب ہونے کے قائل ہوئے...... یہ حکم کرنا...... مطابق اصول وہابیوں کے بدعت اور ضلالت ہے۔ کس واسطے کہ علت بدعت چھٹی صدی میں ہونا...... دونوں میں مشترک ہے۔ (حاشیہ نمبر ۱/ ۳۳)

أقول: ہنوز آپ بدعت کی تعریف سے بھی بے علم ہیں۔ اے جناب! چھٹی صدی کی قید بدعت کی تعریف کا جزو نہیں ہے، بلکہ بدعت تو وہ کام ہے جو دین میں نیا جاری کیا جائے اور اس کو ثواب کی غرض سے کیا جائے اور اس کی نظیر قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو، خواہ وہ چوتھی صدی میں ہو یا آٹھویں میں، پس مولود اس لئے بدعت ہے کہ قرون ثلاثہ سے اس کا ثبوت نہیں ہے اور یہ بغرض ثواب کیا جاتا ہے، بخلاف قول اصح الکتب کے وہ ایمانیات و اعتقادیات سے نہیں ہے۔ فأين الوفاق؟

علاوہ بریں مولود کا چھٹی صدی میں ایجاد ہونا غلط ہے، یہ تو ساتویں صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ شیخ عمر بن محمد نے اس کو ۶۰۴ھ میں شہر موصل میں ایجاد کیا ہے اور یہ ساتویں صدی تھی، اور ابن صلاح کی پیدائش ۵۷۷ھ کی ہے، وہ البتہ چھٹی صدی کے ہیں، لہٰذا آپ کی مشترک علت بھی باقی نہ رہی اور مولود کا وجود ساتویں صدی کے پیشتر نہیں تھا، بخلاف قول اصح الکتب کے کہ وہ چھٹی صدی کے پیشتر بھی علماء سلف سے منقول ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس اس کا بدعت کہنا بالکل غلط ہوا اور اس کا مولود پر قیاس، قیاس مع الفارق ہوا، ہاں اسے امام بخاری رحمہ اللہ کا اصح الکتب نہ کہنا یہ کوئی معقول اعتراض نہیں، کتب جمع ہے اور اس وقت اس کے مقابل میں صرف ایک مؤطا امام مالک تھی، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اصح الکتب نہیں کہا، کیونکہ جب اُفراد کتب موجود نہیں تو جملہ مذکورہ مہمل ہوتا، ہاں انہیں دنوں

---

[1] عمدة القاري: (۱/ ۵)

[2] سنن الترمذي: كتاب الفتن، باب لزوم الجماعة، رقم الحديث (۲۱۶۷) وقال الترمذي: "هذا حديث غريب من هذا الوجه." اس کی سند میں سلیمان بن سفیان ضعیف ہے، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحيح دون: ومن شذ" نیز دیکھیں: ظلال الجنة للألباني (۱/ ۳۳)

File C:\Books\Books\Books\Bukhari Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

بزمانہ تصنیف دیگر کتبِ احادیث امام نسائی نے جامع بخاری کو أجود الکتب کہا، جیسا کہ گزرا اور یہی مفاد ہے أصح الکتب کا۔ پس تیسری صدی میں جبکہ یہ کتاب تالیف ہوئی، اس کے اجودیت واصحیت کا ثبوت ہوگیا، فالحمدللہ۔ ع۔

حوریاں رقص کناں سجدہ شکرانہ زدند!

اب اس کے بعد نمبر (۱۱) کا جواب ملاحظہ ہو، جو ''اہل فقہ'' (جلد۲، شمارہ نمبر ۲۳، ص: ۸، مورخہ ۱۹ ذی الحجہ ۲۵ھ مطابق ۲۴ جنوری ۰۸ء) میں یہ سرخی ذیل شائع ہوا تھا:

''امام بخاری نے کتاب بخاری میں اپنے زمانہ کے اہل بیت سے کوئی روایت (کیوں) نہیں کی؟''

أولاً: یہ امر قابل تنقیح ہے کہ اصل اہل بیت کون لوگ ہیں؟ اور قرآن مجید میں جو وارد ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ [الأحزاب: ۳۳]

اس آیت میں کس کی طرف اشارہ ہے؟ کچھ شک نہیں کہ آیت مرقومہ پر ادنیٰ توجہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اہل بیت سے مراد یقیناً ازواج مطہرات ہیں، جس پر سیاق وسباق بین شاہد ہے، بایں طور کہ تمام صیغے مؤنث کے ہیں اور مخاطب بھی وہی ہیں، چنانچہ شروع کی آیت میں ﴿يَٰنِسَآءَ النَّبِيِّ﴾ فرمایا گیا ہے، اس کے بعد تمام صیغے مؤنث کے ہیں، حتی کہ آیت اہل بیت کے بعد بھی انہیں کو بصیغہ مؤنث ﴿وَاذْكُرْنَ﴾ سے خطاب کیا گیا ہے اور ''کم'' کی تذکیر بلحاظ اہل کے ہے، جو مذکر ہے، جیسا کہ موسیٰ نے اپنی بی بی کو اہل کہا، پھر فعل جمع مذکر کا استعمال کیا: ﴿ فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا ﴾ [طٰہٰ: ۱۰] پس اس امر کے ثابت ہونے کے بعد کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، صحیح بخاری کو دیکھئے، تو اس میں ازواج نبی ﷺ سے بکثرت روایات ملیں گی۔ لہٰذا امام بخاری ؒ پر یہ الزام کہ ''اہل بیت سے کوئی روایت نہیں کی۔'' بالکل غلط ثابت ہوگیا۔

ثانیاً: اگر حسب روایت مسلم [1] آل عبا د اصحاب کسا (حضرت علی وحسن وحسین وفاطمہ ؓ) کو بھی اہل بیت شمار کر لیا جائے، تو بفضلہ صحیح بخاری میں ان اہل بیت (حضرت علی وفاطمہ وحسن وحسین ؓ) سے بھی روایات موجود ہیں۔ اس بناء پر بھی وہ الزام کہ ''اہل بیت سے کوئی روایت نہیں کی۔'' باطل ثابت ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: حضرت حسن وحسین ؓ کی اولاد کو بھی اہل بیت کہنا سند صحیح کا محتاج ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف آل عبا د اصحاب کسا (حضرت علی وحسن وحسین وفاطمہ ؓ) ہی کو اہل بیت میں داخل کیا، نہ کہ ان کی اولاد کو، پس جب تک کسی صحیح سند سے ان کی اولاد کا اہل بیت ہونا آپ ثابت نہ کر لیں، آپ کا امام بخاری ؒ پر یہ الزام کہ ''اپنے زمانہ کے اہل بیت سے کوئی روایت نہیں لی۔'' بالکل لچر اور پوچ ہے، کیونکہ اہل بیت کا حضرت امام حسین پر خاتمہ ہوگیا۔ پھر امام بخاری ؒ کے زمانہ میں اہل بیت کا ہونا چہ معنی؟

---

[1] صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث (٢٤٢٤)

رابعاً: اگر بفرض تسلیم ہم امام حسین ♦ کی اولادوں کو بھی اہل بیت تسلیم کر لیں، تو ان میں جو اصحاب حدیث تھے، ان سے بے شک امام بخاری ♋ نے روایت لی ہے، چنانچہ امام جعفر صادق سے اپنی کتاب "الأدب المفرد" میں روایت کی ہے[1] اور اپنی جامع صحیح میں امام زین العابدین و امام باقر سے بہت جگہ روایت کی ہے، امام زین العابدین کا ذکر خیر صحیح بخاری (پارہ ۱۰) میں تحت "باب في العتق و فضله" دیکھئے، اور ان سے روایت پارہ آٹھ "باب ما قیل في الصواغ" کے ذیل میں اور پارہ بارہ "باب فرض الخمس" کے تحت میں اور "باب ما ذکر من ورع النبی صلی اللہ علیه وسلم" کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے،[2] اور امام باقر سے روایت دوسرے پارہ میں تحت "باب الغسل بالصاع" اور "باب من أفاض علی رأسه ثلاثاً" کے ذیل میں دوبارہ مطالعہ کیجئے، اور امام باقر کا قول پہلے پارے میں "باب من لم یر الوضوء الخ" کے ذیل میں منقول دیکھئے۔[3] غرض کہاں تک حوالہ دوں؟

پس جب امام بخاری ♋ نے اپنی جامع صحیح میں امام زین العابدین و امام باقر سے اور الأدب المفرد میں امام جعفر صادق سے روایت کی ہے اور ان ائمہ کو یقیناً آپ اہل بیت کہتے ہیں، تو پھر امام بخاری پر یہ الزام کہ "اہل بیت سے روایت نہیں کی"، مہمل ہی نہیں، بلکہ خلاف واقعہ بھی ہے۔ رہا یہ امر کہ ان کے زمانہ میں جو چار اہل بیت تھے، (جن کا ذکر آگے آتا ہے) ان سے روایت کیوں نہیں کی؟ یہ خواہ مخواہ کی گٹھری ان کے سر پر رکھنا ہے، جب اس قدر اہل بیت سے امام بخاری ♋ نے روایت لی، یعنی:

۱۔ ازواج نبی ♏۔

۲۔ آل عبا داصحاب کسا۔

۳۔ امام زین العابدین۔ امام باقر وامام جعفر صادق۔

تو اگر ان چار سے کسی وجہ سے (جو آگے مذکور ہوگی) روایت نہیں لی، تو شان امام بخاری ♋ میں کیا فرق آیا؟

وهل هذا إلا شيء عجاب!! لا يصغي إليه أولوا الالباب۔

اب اپنے ہفوات کا جواب سنئے!

قوله: امام بخاری ♋ اگرچہ زمانہ خیر القرون کے گزرنے کے بعد پیدا ہوئے اور تابعی یا تبع تابعی نہ تھے۔ (ص: ۳۴)

---

[1] دیکھیں: تهذيب التهذيب (۲/ ۸۸)

[2] صحيح البخاري، برقم (۲۳۸۱، ۱۹۸۳، ۲۹۲۵)

[3] صحيح البخاري، برقم (۲۴۹، ۲۵۳) قبل حديث (۱۷۴)

أقول: ایسا ہی تو وہ چاروں اہل بیت بھی، جن کا ذکر آگے آپ نے کیا ہے، زمانہ خیر القرون کے بعد پیدا ہوئے، تو کیا ان کی شان میں کچھ فرق آیا؟ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی زمانہ خیر القرون میں نہ تھے، اس لئے کہ زمانہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر تابعین پر تمام ہوجاتا ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یقیناً تابعی نہ تھے، دیکھو میرا رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٤٥) تو کیا شان امام اعظم کچھ کم ہوگئی؟

قوله: مگر تاہم جس زمانہ میں آپ تھے، وہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ جس میں رسول اللہ کے اہل بیت رسول اللہ سے چار امام موجود تھے:

۱۔ امام ہشتم: سیدنا حضرت امام علی ملقب بہ امام رضا◆۔
۲۔ امام نہم: سیدنا حضرت امام محمد ملقب بہ امام تقی ◆۔
۳۔ امام دہم: سیدنا حضرت امام علی ملقب بہ امام نقی ◆۔
۴۔ امام یازدہم: سیدنا حضرت امام حسن ملقب بہ امام عسکری ◆۔

مگر تعجب ہے کہ کتاب بخاری ان ائمہ دین کی روایت سے بالکل خالی ہے! (ص: ایضاً)

أقول: سنئے! آسانی سے آپ کا تعجب رفع ہوجاتا ہے، بشرطیکہ شیعیت غالب نہ ہو! اور وہ اس طور پر کہ یہ سب لوگ اصحاب حدیث نہ تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ پر کیا منحصر ہے، اہل سنت کے علماء محدثین سے کس نے ان سے روایت کیا ہے؟ کم سے کم اسی کا ثبوت دیجئے! یا یہی بتلا دیں کہ محدثین نے ان کو طبقاتِ حفاظِ حدیث و محدثین میں کہاں ذکر کیا ہے؟ کتب اسماء رجال محدثین ان کے نام سے بالکل خالی ہیں۔ صرف آپ کے امام ہشتم امام رضا کا علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے، وہ بھی بایں الفاظ:

" قال الدارقطني: أخبرنا ابن حبان في كتابه: قال علي بن موسىٰ الرضىٰ، يروى عنه عجائب، يهم ويخطئ ."انتهى (٢/ ٢١٥) [1]

یعنی دارقطنی نے بروایت ابن حبان کہا ہے کہ امام رضا اپنے باپ امام موسیٰ کاظم سے عجیب عجیب روایتیں کرتے ہیں اور حدیث میں وہم اور خطا کرتے ہیں۔

پھر بھلا ان کی روایت کیونکر قابل اخذ ہوسکتی ہے؟ اور ان کے ما بعد کے تین ائمہ کا محدثین نے اسماء رجال

[1] میزان الاعتدال (٣/ ١٥٨) نیز دیکھیں: المجروحين لابن حبان (٢/ ١٠٧) لیکن امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إنما الشأن في ثبوت السند إليه، وإلا فالرجل قد كذب عليه، ووضع عليه نسخةسائرها الكذب " اسی طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: من سادات أهل البيت وعقلائهم، وجلة الهاشميين ونبلائهم، يجب أن يعتبر حديثه، إذا روىٰ عنه غير أولاده وشيعته وأبي الصلت خاصة، فإن الأخبار التي رويت عنه وتبين بواطيل، إنما الذنب فيها لأبي الصلت ولأولاده وشيعته، لأنه في نفسه كان أجل من أن يكذب " (الثقات لابن حبان: ٨/ ٤٥٦) نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدوق، والخلل ممن روىٰ عنه " (تقريب التهذيب: ٤٠٥)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

الحدیث کی کتابوں میں ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ ❶ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ان کے پاس حدیث نبوی سچی اور صحیح تھی، اور نہ یہ لوگ اس کے اہل تھے، ورنہ دلیل پیش کریں۔ ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [البقرہ: ١١١]

اب امام بخاری ﵀ کے چاروں مذکورین اماموں سے روایت نہ کرنے کی وجہ علیحدہ علیحدہ گوش گزار فرمائیے:

١۔ امام رضا ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور شروع ۲۰۳ھ میں بماہ صفر انتقال کر گئے۔ ❷ اس وقت امام بخاری ﵀ کی عمر صاف سات سال کی ہوتی ہے، کیونکہ امام بخاری ﵀ ۱۹۴ھ کے آخر میں بماہ شوال پیدا ہوئے ❸ اور اس وقت امام بخاری ﵀ نے تحصیلِ حدیث شروع ہی نہیں کی تھی، بلکہ دسویں سال آپ حدیث یاد کرنے میں مشغول ہوئے۔ ❹ امام رضا کے انتقال کے تین سال بعد۔ پھر کیونکر امام بخاری ﵀ ان سے روایت بالمشافہ کرتے، جبکہ وہ زندہ ہی نہیں ہیں؟ لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری ﵀ کے زمانہ میں امام رضا تھے اور انھوں نے ان سے روایت نہیں کی، بالکل عدمِ تحقیق پر مبنی ہے۔

٢۔ امام محمد تقی ۱۹۵ھ میں بماہ رمضان پیدا ہوئے، امام بخاری ﵀ کے پیدا ہونے کے ایک سال بعد اور ۲۵ سال کی عمر میں بماہ ذوالحجہ ۲۲۰ھ میں انتقال فرما گئے۔ ❺ نہ ان کی تحصیل حدیث علی وجہ الکمال ہوئی اور نہ انھوں نے حدیث کی کوئی روایت ہی بیان کی، اور امام بخاری ﵀ ان سے پیشتر تحصیل کر چکے تھے اور روایت بیان کرتے تھے، پھر اپنے سے کم علم کم حدیث والے سے، بحالیکہ ان کے اساتذہ بھی وہی ہیں جو امام بخاری کے ہیں، امام بخاری کیونکر ان سے روایت کرتے؟ و هل هذا إلا شيء عجيب!

٣۔ اور امام علی نقی ۲۱۴ھ میں بماہ رجب پیدا ہوئے، جبکہ امام بخاری تحصیل حدیث کر رہے تھے اور امام نقی کی تحصیل کے وقت امام بخاری ﵀ اپنی جامع صحیح تالیف فرما رہے تھے، اسی اثنا میں امام بخاری ﵀ کے انتقال کے دو سال پیشتر امام علی نقی ۲۵۴ھ میں بماہ جمادی الاولیٰ انتقال بھی کر گئے۔ ❻ پھر ان سے امام بخاری ﵀ روایت کرتے تو کیونکر؟ جبکہ امام بخاری ﵀ جس وقت حدیث روایت کرتے تھے، اس وقت ان (امام علی نقی) کی تحصیل بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ یا للعجب!!

---

❶ محمد بن علی بن موسیٰ کے ترجمہ کے لیے دیکھیں: تاریخ بغداد (٣/ ٥٤) اور ان کے بیٹے علی بن محمد ابو الحسن عسکری کے ترجمہ کے لیے دیکھیں: تاریخ بغداد (١٢/ ٥٦) اور ان کے بیٹے حسن عسکری کے ترجمہ کے لیے دیکھیں: تاریخ بغداد (٣٦٦/٧) لیکن کسی کے ترجمہ میں توثیق و تجریح منقول نہیں ہے۔

❷ دیکھیں: تاریخ خلیفة بن خیاط (ص: ١٤١) الثقات لابن حبان، (٤٥٧/٨) الکاشف (٤٨/٢)، تهذيب التهذيب (٣٣٩/٧)

❸ هدي الساري (ص: ٤٧٧) تغليق التعليق (٣٨٥/٥)

❹ تاريخ بغداد (٦/٢) سير أعلام النبلاء (١٢/ ٣٩٣) هدي الساري (ص: ٤٧٨)

❺ تاريخ بغداد (٥٥/٣)

❻ تاريخ بغداد (١٢/ ٥٦)

۴۔ اور امام حسن عسکری ۸ ربیع الاول ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ [1] ان کی پیدائش کا زمانہ اور امام بخاری ؒ کی جامع صحیح کی تالیف کا زمانہ قریباً مساوی ہے۔ پھر ان کے تحصیل علوم حدیث سے فارغ ہونے کے وقت تک تو امام بخاری ؒ اپنی جامع صحیح تالیف فرما کر اس کی کما حقہ اشاعت کر کے اور بکثرت روایت علم حدیث جاری کر کے ۲۵٦ھ میں انتقال فرما چکے تھے۔ پھر اپنے عقب والے سے کیونکر امام بخاری ؒ روایت کر سکتے تھے؟ غرض چاروں ائمہ سے روایت ناممکن بلکہ قریباً محال !!

لہٰذا امام بخاری ؒ آپ کے غلط الزام سے بالکل بری ہیں۔ کہئے! اس عجیب تحقیق پر آپ کیا فرماتے ہیں؟

قوله: یہ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری ؒ حدیثوں کی تلاش میں تمام دنیا میں پھرے اور اپنی عمر کو اسی میں صرف کیا۔ یہ واقعہ اگر ایک طرف رکھا جائے اور دوسری طرف یہ دیکھا جائے کہ ان چاروں پیشوایان دین سے انہوں نے کوئی روایت نہیں کی، تو یہ دونوں امر ایک دوسرے کے اس قدر خلاف ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (ص:۳۴)

أقول: سمجھ میں کیا خاک آئے! جب تحقیق کو آپ راہ ہی نہیں دیتے؟ یہ کہنا کہ ''امام بخاری ؒ تمام دنیا میں پھرے۔'' بھی تحقیق کے خلاف ہے، تمام دنیا میں نہیں بلکہ چند مقامات مخصوصہ میں تشریف لے گئے، جہاں حدیث نبوی کا کوئی عالم ہوتا۔ ان پیشوایان دین سے روایت لینا ممکن ہی نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، تو خواہ مخواہ ان سے روایت لیتے ؟

قوله: ''یہ امر ظاہر ہے کہ ہر چیز کی تلاش اس جگہ کی جاتی ہے جو اس کا محل ہوتا ہے اور حدیث چونکہ اہل بیت کے گھر کی چیز تھی اور یہ امر مشہور ہے کہ " أهل البيت أدرى بما فيها "یعنی گھر والا گھر کے حالات کو زیادہ جانتا ہے، اس واسطے جو شخص حدیث کا جویا ہو اور پھر اصل جگہ جہاں حدیثوں کا ذخیرہ ہو، نہ پہنچے، یہ ایک عجیب وغریب امر ہے۔'' (ص: ایضاً)

أقول: اہل بیت سے مراد اگر نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں، تو آپ کا اوپر کا جملہ صحیح ہے، کیونکہ ازواجِ نبی ﷺ سے زیادہ آپ کے گھر کے حالات دوسرا کوئی نہیں جان سکتا اور وہی مخزن حدیث ہوں گی، تو جامع صحیح بخاری میں بفضلہٖ امہات مومنین سے بیشتر روایتیں موجود ہیں، اور اگر اہل بیت سے مراد آپ کی آل فاطمہ ؓ ہیں، تو یہ بھی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے امام زین العابدین و امام باقر سے صحیح بخاری میں کئی روایات ہیں، باقی رہا کہ ان چار ائمہ اہل بیت سے بخاری میں روایت کیوں نہیں کی گئی؟ اس کی مفصل وجہ اوپر معلوم ہوئی۔ رہا یہ امر کہ ائمہ اہل

[1] تاريخ بغداد (٣٦٦/٧) اس میں تاریخ ولادت ۲۳۱ھ مرقوم ہے۔

بیت کے پاس حدیث کا ذخیرہ ہے، یہ سند صحیح کا محتاج ہے اور ان ائمہ پر "أهل البيت ... الخ "کا جملہ چسپاں کرنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ حقیقی معنی میں اہل بیت نہیں اور نہ ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ ہی ہے، دیکھئے امام زین العابدین، جن سے امام بخاری ؒ نے بھی اپنی جامع صحیح میں حدیث روایت کی ہے، ان کی بابت علامہ ذہبی تذكرة الحفاظ میں فرماتے ہیں:

"لكنه قليل الحديث ." انتهى (٢/ ٦٥) [1] ''یعنی امام زین العابدین قلیل حدیث والے تھے۔''

اور یہیں سے اس اصول کا کہ'' حدیث اہل بیت کے گھر کی چیز ہے اور جہاں حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔'' بے بنیاد ہونا ظاہر ہوجاتا ہے۔ علاوہ بریں ائمہ اہل بیت کی طرف سے بہت سے لوگوں نے جھوٹی حدیثیں بھی گڑھ لیں، اس وجہ سے امام بخاری ؒ نے امام جعفر صادق سے اپنی جامع صحیح میں اور امام علی رضا سے بالواسطہ بھی روایت نہیں لی۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"قد كذب عليه ووضع عليه نسخة سائرة، كما كذب على جده جعفر الصادق."

انتهى [2] (٢/ ٢١٥)

''یعنی امام علی رضا پر بہت سی جھوٹی حدیثیں گڑھی گئیں، جیسے ان کے دادا امام جعفر صادق پر۔''

پس چونکہ ان دونوں اماموں کی طرف جتنی حدیثیں منسوب ہیں، وہ سب جھوٹی ہیں، [3] اس لئے امام بخاری ؒ نے اپنی جامع صحیح میں ان دونوں سے کوئی روایت نہیں لی۔ اگر ان سے کوئی سچی حدیث منقول ہوتی تو ضرور روایت لیتے، لہٰذا ان کے پاس حدیثوں کا ذخیرہ ماننا غلط ہے۔ ہاں بے شک جھوٹی حدیثوں کا انبار بہت زیادہ ہے!

قوله: '' اور ہر گاہ کہ امام بخاری ؒ نے کتابِ بخاری میں ان اہل بیتِ رسول اللہ ﷺ سے، جو ان کے زمانہ میں موجود تھے، کوئی روایت نہیں کی، تو ایسی حالت میں اگر امام ابوحنیفہ ؒ سے جو بہت زمانہ قبل امام بخاری ؒ کے تھے، کوئی روایت کتاب مذکور میں نہیں، تو یہ جائے استعجاب نہیں اور اس سے نہ تو امام ابوحنیفہ کی کچھ کسر شان ہوسکتی ہے اور نہ ان کے مرتبہ حدیث دانی میں کچھ فرق آ سکتا ہے

---

[1] تذكرة الحفاظ (١/ ٧٥) یہ امام زہری ؒ کا قول ہے، جو زین العابدین ؒ کے شاگرد تھے۔ نیز دیکھیں: تاريخ دمشق (٤١/ ٣٧٦) تاريخ أسماء الثقات لابن شاهين (ص: ١٤٠) تهذيب التهذيب (٢٦٩/٧)

[2] ميزان الاعتدال (١٥٨/٣)

[3] اگر ان سے کوئی ثقہ وصدوق راوی، جو ان کی اولاد اور شیعہ میں سے نہ ہو، روایت کرے، تو اس کی حدیث مقبول ہوگی، جیسا کہ امام ابن حبان ؒ نے تصریح کی ہے۔ (الثقات لابن حبان: ٤٥٦/٨)

اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، وہ محض نافہم اور جاہل اور واقعات سے بے خبر ہیں۔'' (ص: ٣٤، ٣٥)

أقول: امام بخاری ﷫ نے جو اپنے زمانہ کے اہل بیت سے روایت نہیں کی، اس کی مفصل وجہ اوپر مذکور ہوئی۔ ان سے پیشتر کے زمانہ کے اہل بیت سے بلاشک صحیح بخاری میں روایت موجود ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ باقی رہا امام ابو حنیفہ سے روایت نہ کرنا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام صاحب ممدوح حدیث میں ضعیف ہیں اور خود امام بخاری ﷫ نے ان کی تضعیف کی ہے اور ان کی بابت " ترکوا حدیثه "[1] فرمایا ہے، تو ان سے کیونکر روایت کرتے؟ اگر یہ الزام بخاری پر ہے، تو فرمایئے صحاح ستہ والوں سے اور کس نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے؟ امام دارقطنی نے کہیں روایت نقل بھی کی، تو اسی جگہ فرما دیا کہ امام ابو حنیفہ ضعیف ہیں۔[2] پھر کیونکر حدیث دانی میں امام صاحب کا مرتبہ عظیم سمجھا جاتا ہے؟ بحالیکہ سب محدثین اس کے منکر ہیں۔[3] اور پھر ایسا کہنے والوں کو نافہم اور جاہل اور واقعات سے بے خبر کہنا، خود اپنی نافہمی اور جہالت اور واقعات سے بے خبری ظاہر کرتا ہے۔ کہئے! کیسے لینے کے دینے پڑ گئے؟!

اب اس کے آگے اپنے مضمون نمبر (١٢) کا جواب ملاحظہ فرمایئے، جو ''اہل فقہ'' (جلد ٢، شمارہ نمبر ٣٠، ص: ٥، مورخہ ٩ صفر ٢٦ھ مطابق ١٢ مارچ ١٩٠٨ء) میں طبع ہوا ہے، جس کی سرخی یہ ہے: ''بخاری میں تاریخی غلطی''۔

---

❶ التاريخ الكبير (٨/ ٨١) امام بخاری ﷫ کے مکمل الفاظ یہ ہیں: "كان مرجئا، سكتوا عنه وعن رأيه وعن حديثه"

❷ دیکھیں: سنن الدارقطني (١/ ٣٢٣)

❸ تفصیل کے لیے دیکھیں: تاریخ بغداد (١٣/ ٣٢٣)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

تاریخی غلطی کا جواب

قوله: کتاب بخاری کی ایک حدیث میں امام بخاری ؒ سے ایک تاریخی غلطی واقع ہوئی ہے، یعنی دو واقعہ جو مختلف دو جگہوں اور دو وقتوں میں واقع ہوا تھا، اس کو امام بخاری نے ایک واقعہ ❶ سمجھ کر داخل حدیث کر دیا ہے۔
ذیل میں ہم اولاً اس حدیث کو اور اس کے بعد اس غلطی کو، جو ائمہ دین ❷ کی تصریح سے ظاہر ہوتی ہے، لکھتے ہیں:
حديث : عن مسروق قال: أتيت ابن مسعود فقال: إن قريشاً أبطأوا عن الإسلام، فدعا عليهم النبي... إلى قوله: وزاد أسباط عن منصور، فدعا رسول اللهﷺ فسقوا الغيث، الحديث. (بخاری، مطبوعه أحمدی : ١/ ١٣٩، باب إذا استشفع المشركون بالمسلمين عند القحط.)
خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ:

۱۔ مسروق سے روایت ہے کہ جب قریش نے قبول اسلام میں توقف کیا، تو آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں بد دعا کی، پس وہ قحط میں مبتلا ہوئے، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوئے اور مردہ اور ہڈی کھانے لگے، پس ابوسفیان نے حضور اقدس ﷺ میں حاضر ہو کر یہ عرض کی کہ آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، آپ دعا فرمائیں، پس آپ نے یہ پڑھا: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ الخ﴾ [الدخان: ١٠]

۲۔ اور اسباط نے بروایت منصور یہ اور زیادہ کیا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی، پس سات روز تک پانی برستا رہا، اس وقت لوگ ❸ حضرت اقدس ﷺ میں بارش کی کثرت کے شاکی ہوئے، پس آپ نے دعا فرمائی اور وہاں پانی کا برسنا موقوف ہو گیا۔''

یہ حدیث ہے۔ اب اس میں جو تاریخی غلطی واقع ہوئی ہے، اس کو سنئے کہ درحقیقت یہ واقعہ، جس کو امام بخاری نے اس حدیث میں بیان کیا ہے، وہ دو واقعے ہیں، ❹ ایک قریش کا واقعہ جس کی روایت مسروق سے ہے اور جس پر ہم نے نشان نمبر(۱) دے دیا ہے اور وہ واقعہ مکہ معظّمہ کا ہجرت کے قبل کا ہے ❺ اور

---

❶ واقع میں واقعہ ایک ہی ہے۔ (مؤلف)
❷ ائمہ دین سے خود سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ (مؤلف)
❸ لوگ سے مراد وہی ابوسفیان اور کفار قریش ہیں۔ (مؤلف)
❹ دو نہیں بلکہ ایک ہی واقعہ ہے۔ (مؤلف)
❺ بالکل غلط ہے، بلکہ یہ بھی ہجرت مکہ سے قبل کا واقعہ ہے۔ (مؤلف)

دوسرا وہ جس کو اسباط نے زیادہ کیا اور جس پر ہم نے نشان نمبر (۲) دے دیا ہے اور یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہجرت کے بعد کا ہے، امام بخاری سے یہ فاش غلطی [1] واقع ہوئی کہ انہوں نے دونوں واقعات کو [2] ایک واقعہ سمجھ کر مدینہ کے قصہ کو مکہ کے قصہ میں داخل کر دیا۔ ائمہ دین نے بخاری کی اس غلطی کی گرفت کی ہے۔ [3] چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں حدیث مذکور کی شرح میں یہ لکھتے ہیں:

"واعترض على البخاري... الخ. (عینی، مطبوعہ مصر: ۳/ ۴۵۲)

''بخاری پر اسباط کی اس زیادتی کا اعتراض کیا گیا ہے۔''

پس داودی نے کہا کہ داخل کر دیا بخاری نے مدینہ کے قصہ کو قریش کے قصہ میں اور حالانکہ وہ غلط ہے، اور عبدالملک نے کہا کہ اسباط نے جو زیادہ کیا ہے، وہ وہم اور اختلاط ہے، کس واسطے کہ ملا دیا انہوں نے سند کو عبداللہ بن مسعود کے اوپر متن حدیث انس بن مالک کے اور وہ قول " فدعا رسول الله ﷺ فسقوا الغيث " ہے آخر تک، اور ایسا ہی حافظ شرف الدین دمیاطی نے کہا کہ حدیث عبداللہ بن مسعود کی مکہ میں تھی اور اس میں یہ واقعہ نہیں، اور بخاری سے تعجب ہے کہ وہ کیونکر لائے اس روایت کو اور حالانکہ یہ اس کے خلاف ہے کہ جو ثقات نے روایت کی ہے۔ (الجرح: ۳۵، ۳۶)

أقول: اس ساری لمبی چوڑی عبارت کا مختصر لفظوں میں خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پہلی روایت ہے مسروق کی اور دوسری زیادت ہے اسباط کی۔

۲۔ امام بخاری نے مدینہ کے قصے کو مکہ کے قریش کے قصہ میں داخل کر دیا۔

۳۔ اسباط کی زیادت وہم اور اختلاط ہے۔

۴۔ اس نے ابن مسعود کی سند کو انس کی متنِ حدیث سے ملا دیا۔

۵۔ ابن مسعود کی حدیث میں یہ واقعہ نہیں ہے۔

۶۔ یہ واقعہ اس کے خلاف ہے، جو ثقات نے روایت کیا ہے۔

اب اسی ترتیب سے ان چھ باتوں کا نمبر وار مفصل جواب سنئے، اور اپنی کم فہمی پر آٹھ آٹھ آنسو بہائیے!!

۱۔ پہلی روایت کو مسروق کی اور دوسری کو اسباط کی زیادت کہنا، یعنی دونوں کی سندوں کو دو سمجھنا غلط ہے، اس لیے کہ زیادتِ اسباط والی روایت بھی بروایت مسروق ہے اور دونوں کے راوی ایک یعنی عبداللہ بن مسعود ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے جو فرمایا: " وزاد أسباط عن منصور " اس سے مراد وہی سند ہے، جو اوپر کی حدیث نمبر (۱)

---

[1] یہ منہ اور مسور کی دال؟ امام بخاری نے غلطی نہیں کی بلکہ شارحین نے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ (مؤلف)

[2] حقیقت میں دونوں مکہ کا ایک ہی واقعہ ہے۔ (مؤلف)

[3] انہوں نے خود غلطی کھائی ہے۔ (مؤلف)

کی ہے، یعنی " زاد أسباط عن منصور عن أبي الضحىٰ عن مسروق عن ابن مسعود "پس دونوں کی سند ایک ہے اور واقعہ بھی ایک ہی ہے۔ کما سیجيء!

۲۔ امام بخاری ؒ کا مدینہ کے قصہ کو مکہ کے قریش کے قصہ میں داخل کر دینا جب ہوتا کہ امام بخاری ؒ کو مدینہ کا واقعہ بحیثیت مدینہ میں ہونے کے معلوم نہ ہوتا، حالانکہ جس حدیث پر آپ اعتراض کر رہے ہیں، اس سے پیشتر " باب الاستسقاء في المسجد الجامع" سے باب " باب إذا استشفع المشركون بالمسلمين " تک سات بار حضرت انس کا واقعہ مدینہ میں منبر پر مسجد جامع میں جمعہ کے دن پانی مانگنے کا مختلف سند و باب میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ امام بخاری ؒ علم وتبیین کے باوجود مدینہ کا واقعہ مکہ کے قصہ میں داخل کر دیں؟ وهل هذا إلا عجيب!

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اسباط کی زیادت کا واقعہ مدینہ کا نہیں ہے، بلکہ وہ بھی مکہ معظّمہ کا ہے، کیونکہ نہ تو اس میں منبر و مسجد کا ذکر ہے، نہ قید جمعہ اور سائل وغیرہ ہے، اور مدینہ کے واقعہ میں منبر وغیرہ کی تصریح ہے، حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں:

"لا يلزم من ذلك اتحاد هذه القصة مع قصة أنس، بل قصة أنس واقعة أخرى، لأن في رواية أنس: فلم يزل على المنبر حتى مطروا ...إلى قوله: والسائل في هذه القصة غير السائل في تلك، فهما قصتان، وقع في كل منهما طلب الدعاء بالاستسقاء، ثم طلب الدعاء بالاستصحاء، "انتهى.[1] (فتح الباری: ٤/ ٥٥١)

''اس زیادتِ اسباط سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ اور انس کا قصہ (مدینہ والا) دونوں ایک ہوں، بلکہ انس کا قصہ ایک دوسرا واقعہ ہے، اس لئے کہ انس کی روایت میں ہے کہ آپ منبر ہی پر تھے کہ بارش شروع ہوگئی، اور سائل بھی اس قصہ کا کوئی دوسرا ہے، اس مدینہ والے قصہ کا (کیونکہ مکہ میں سائل ابوسفیان کافر تھا اور مدینہ والے واقعہ میں سائل ایک اعرابی بدوی مسلمان ہے۔) پس درحقیقت دونوں قصے جدا ہیں، جن میں پانی برسنے کے لیے دعا کی طلب اور پانی موقوف ہونے کے لیے دعا کی خواہش کی گئی ہے۔''

اور اگر بالفرض والتسلیم مان لیا جائے کہ دونوں ایک ہی واقعے ہیں اور حدیث مذکور میں مدینہ کا واقعہ مکہ کے واقعہ میں داخل کر دیا گیا ہے، تو اس سے امام بخاری پر کیا اعتراض ہے؟ اس لئے کہ آپ مانتے ہیں کہ یہ اسباط راوی کی زیادتی ہے، اس نے ایسا اختلاط کیا ہے۔ کما مر و سیجيء!

پس اگر یہ غلطی ہوئی تو منصور راوی کے شاگرد سے نہ کہ امام بخاری ؒ سے، کیونکہ امام بخاری ؒ کا فرض یہ ہے کہ حدیث اور سند صحیح طور سے نقل کریں، اس نقل میں غلطی نہ ہو۔ پس امام بخاری ؒ نے جس طرح اپنے شیخ سے

---

[1] فتح الباري (٢/٥١٢)

ایک حدیث سنی، اس کو اسی طرح بلاکم وکاست نقل کر دیا، یہ تو امام بخاری ؒ کے لئے باعث تعریف ہے کہ انہوں نے صحیح طور سے ہم تک وہ واقعہ جس طرح بھی ہوا، پہنچا دیا، لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری ؒ سے تاریخی غلطی ہوئی، بالکل غلط ہے، امام بخاری ؒ سے یہ الزام بالکل مرتفع ہے۔فافهم!

لیکن واضح رہے کہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسباط راوی سے بھی غلطی نہیں ہوئی، چنانچہ آگے ملاحظہ ہو۔

۳و۴۔ یہ اعتراض کہ اسباط کی زیادت وہم واختلاط ہے اور یہ کہ اس نے ایک حدیث (ابن مسعود کی سند والی) کو دوسری حدیث (متن حدیثِ انس) سے ملا دیا ہے، یہ بالکل غلط واختباط ہے۔حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں:

" نسبوا أسباط بن نصر إلى الغلط... الخ، وزعموا أنه أدخل حديثاً في حديث...... وليس هذا التعقب عندى بجيدٍ...... والدليل على أن أسباط بن نصر لم يغلط ما سيأتي في تفسير الدخان من رواية أبي معاوية عن الأعمش عن أبي الضحیٰ، في هذا الحديث: فقيل: يا رسول الله استسق الله لمضر، فإنها قد هلكت، قال لمضر إنك لجريء فاستسقیٰ فسقوا... الخ ...إلى قوله: فظهر بذلك أن أسباط بن نصر لم يغلط في الزيادة المذكورة، ولم ينتقل من حديث إلى حديث." انتهى [1] (فتح الباري، حواله مذكوره)

''دادوی وغیرہ نے جو اسباط کی طرف غلطی کی نسبت کی ہے کہ اس نے ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا (یعنی استسقاء کے واقعہ کو جو مدینہ کا ہے، مکہ کا کہہ دیا) یہ اعتراض کوئی عمدہ نہیں ہے، اسباط کے غلطی نہ کرنے کی دلیل خود صحیح بخاری کی دوسری روایت ہے، جو سورۂ دخان کی تفسیر میں (بیسویں پارہ میں) اسی سند کے ساتھ وارد ہے، (اور اس میں یہی واقعہ قحطِ مکہ کا بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد یہ الفاظ ہیں) کہ ابوسفیان سردار مضر نے آ کر یہ بھی کہا کہ اے خدا کے رسول! اپنی قوم مضر کے لیے پانی مانگئے، وہ تو ہلاک ہوگئے، تو آپ نے اس سردارِ مضر (ابوسفیان) سے فرمایا: تو بڑا دلیر ہے! (اپنی قوم کے لیے پانی مانگتا ہے۔) پس آپ نے پانی کے لئے دعا فرمائی، لوگ پانی برسائے گئے۔اس سے ظاہر ہوا کہ اسباط نے زیادت مذکورہ (واقعہ استسقاء) میں کوئی غلطی نہیں کی اور نہ ایک حدیث سے دوسری حدیث کی طرف انتقال کیا ہے۔''

اور اس سے اعتراض نمبر (۵) یعنی ''ابن مسعود ♦ کی حدیث میں یہ واقعہ نہیں ہے۔'' کا بھی بخوبی جواب ہوگیا کہ دوسرے مقام پر خود صحیح بخاری میں انہیں ابن مسعود ♦ کی حدیث میں واقعہ استسقاء یعنی پانی طلب کرنے اور برسائے جانے کا ذکر موجود ہے، شک ہو تو دیکھئے صحیح بخاری پارہ (۲۰) تحت " باب قوله: ﴿يغشى الناس هذا عذاب أليم﴾ [2] در تفسیر سورۂ دخان۔ پس ثابت ہوگیا کہ اسباط کو نہ تو وہم واختلاط ہوا اور نہ اس نے ایک حدیث کو

---

[1] فتح الباري (۲/ ۵۱۱، ۵۱۲)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (۸/ ۵۷۱)

دوسری حدیث سے ملایا، بلکہ خود ابن مسعود کی اسی حدیث میں وہ واقعہ موجود ہے۔ دیکھنے کو چشم بینا اور سمجھنے کو دل دانا چاہیے، تعصب اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں!

٦۔ یہ کہنا کہ ''یہ واقعہ اس کے خلاف ہے جو ثقات نے روایت کیا ہے۔'' اب بالکل غلط ہوگیا، اس لئے کہ ثقات کی روایات یعنی انس کا مدینہ والا واقعہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے، وہ واقعہ دوسرا ہے اور یہ دوسرا، پس وہ ثقات کی روایت کے مخالف نہ ہوا۔ علاوہ بریں امام بخاری رحمہ اللہ نے جس واقعہ کو بزیادت اسباط مکہ کے واقعہ میں شامل نقل کیا ہے، یہ روایت کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے، چنانچہ اس کے ہم معنی اسی سند سے بیہقی میں بھی وارد ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ عینی حنفی نے خود عمدۃ القاری میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

”قد وصله الجوزقي والبيهقي من رواية علي بن ثابت عن أسباط بن نصر عن منصور، وهو ابن المعتمر، عن أبي الضحىٰ عن مسروق عن ابن مسعود قال: لما رأى رسول اللهﷺ من الناس إدبارا، فذكر نحو الذى قبله، وزاد: فجاءه أبو سفيان وناسٌ من أهل مكة، فقالوا: يا محمد! إنك تزعم أنك بعثت رحمة، وإن قومك قد هلكوا، فادع الله لهم، فدعا رسول اللهﷺ فسقوا الغيث“ . انتهى [1]

(فتح الباري حواله مذكوره و عمدة القاري: ٣/ ٤٥١)

''اسباط نے بروایت ابن مسعود بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں (کفار مکہ) کی اسلام سے برگشتگی دیکھی، تو آپ نے بد دعا کی، تو ان کو قحط پہنچا، لوگ مرنے لگے، اسباط نے زیادہ کیا کہ آپ کے پاس ابو سفیان مع چند مکہ والوں کے آیا، سبھوں نے کہا: اے محمد ﷺ! آپ اپنے کو رحمۃ للعالمین سمجھتے ہیں، آپ کی قوم مر رہی ہے، خدا سے دعا کیجئے (کہ پانی برسائے) تو آپ نے دعا فرمائی، سب پانی برسائے گئے۔''

اس حدیث سے بھی صاف واضح ہے کہ اسباط کی زیادت اسی مکہ کے واقعہ کے متعلق ہے، وہ یہ کہ ابو سفیان نے خود بارش کے لیے دعا کرائی تھی اور آپ نے دعا کی تھی اور لوگ پانی برسائے گے، اور معلوم ہوا کہ مدینہ کا انس والا واقعہ بالکل دوسرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسی کے ہم معنی ایک حدیث مسند احمد سے اسی اسناد مذکور سے اور نقل کی ہے، جس کے الفاظ بالکل الفاظِ بخاری سے ملتے ہیں اور اس سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ زیادتِ اسباط مکہ ہی کا واقعہ ہے، نہ کہ مدینہ کا، چنانچہ ملاحظہ ہو، راوی کہتا ہے:

”قال: جاءهٗ رجل، فقال: استسق الله لمضر! فقال: إنك لجري، المضر؟...... قال: فأجيبوا، فما لبثوا أن أتوه، فشكوا إليه كثرة المطر...... فقال: اللهم حوالينا ولا علينا، فجعل السحاب يتقطع يميناً وشمالاً.“ انتهى (ص: أيضاً)

[1] فتح الباري (٢/ ٥١١) عمدة القاري (٧/ ٤٦)

''کہ ایک مرد (ابوسفیان سردار مضر) آیا، اس نے کہا کہ (اپنی قوم) مضر کے لئے خدا سے پانی مانگئے، تو آپ نے فرمایا کہ تو مضر میں بڑا دلیر ہے، آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر فرمایا: اے خدا! پانی دے، (تا آخر) راوی کہتا ہے کہ دعا قبول ہوئی اور پانی برسنے لگا، پس لوگ نہیں ٹھہرے، یہاں تک کہ (چند دنوں کے بعد) پھر آئے اور کثرت بارش کی شکایت کی، آپ نے دعا فرمائی ''اللهم حو الينا... الخ'' پس بادل دائیں بائیں پھٹ گیا۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ میں پہلے ہوا اور وہ شخص آنے والا ابوسفیان کافر تھا، بدلیل حدیث بیہقی جو اوپر منقول ہوئی۔ لہٰذا جن لوگوں نے ان دو واقعے کو ایک سمجھا اور مکہ کے واقعہ استسقاء کا خیال ہی نہیں کیا، بلکہ اس کو دو سمجھا، درحقیقت ان سے یہ فاش غلطی ہوئی، نہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو نہایت ٹھیک سمجھا اور اس سے ان کا فن تاریخ میں نہایت عبور ثابت ہوتا ہے اور معترضین کی قلت نظر وعدم تحقیق آشکار ہو رہی ہے، اسی واسطے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعہ کے کل ما لہ وما علیہ پر بحث کر کے دمیاطی وغیرہ غیر محقق معترضین کے حق میں فرماتے ہیں:

''وإني ليكثر تعجبي من كثرة إقدام الدمياطي على تغليط ما في الصحيح بمجرد التوهم، مع إمكان التصويب بمزيد التأمل والتنقيب عن الطرق، وجمع ما ورد في الباب من اختلاف الألفاظ.'' انتهى [1] (فتح الباری، حوالہ مذکور)

''مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایات کی تغلیط کے لیے حضرت دمیاطی صاحب فقط ایک وہم پر آمادہ ہوجاتے ہیں، باوجود مزید تامل اور کل طرق پر واقفیت اور ان مختلف حدیثوں کے جمع کرنے سے، جو اس باب میں آئی ہیں، راہ صواب ممکن ہوتی ہے۔''

واقعی امر اور حقیقت حال یہی ہے کہ صحیح بخاری پر جس قدر ایرادات باطلہ کئے جاتے ہیں، سب عجلت اور عدم تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ کاش لوگ سمجھتے! پس ڈاکٹر صاحب سے امید ہے کہ آپ بھی ہوش کی دوا کریں گے اور اپنے باطل اعتراض کو واپس لینے میں تامل نہ کریں گے۔

قوله: جو شخص کہ چھ یا دس لاکھ حدیثوں کے ملنے کا مدعی ہو اور اس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کون سا واقعہ مکہ معظّمہ میں ہوا تھا اور کون سا واقعہ مدینہ منورہ میں؟ تو اس سے زیادہ اور کون سا امر تعجب خیز ہوسکتا ہے۔ البتہ کسی سترہ حدیث کے پانے والے بیچارے سے ایسی غلطی ہوئی ہوتی، تو چنداں تعجب کا مقام نہ تھا۔ الخ (ص: ٣٧)

أقول: اوپر تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو دونوں واقعے خوب اچھی طرح سے معلوم تھے

[1] فتح الباري (٢/٥١٢)

کہ مدینہ کا واقعہ بالکل الگ ہے اور مکہ معظّمہ کا واقعہ علیحدہ، اور مکہ معظّمہ کے واقعہ میں بھی استسقاء ونزول باراں کا واقعہ ہوا تھا، پس اپنا تعجب دور کیجئے اور یقین لائیے کہ دونوں دو واقعے ہیں۔ ہاں سترہ حدیث والے بیچارے کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ بدر کی لڑائی پہلے ہوئی تھی یا احد کی؟ جیسا کہ ان کے شاگرد رشید کا خود بیان ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان (۲/ ۲۰۵، مصری) ❶ ع۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

اب اس کے آگے اپنے مضمون نمبر (۱۳) کا جواب جو ''اہل فقہ'' (جلد دوم، شمارہ نمبر ۳۵، ص: ۵، ۶ مورخہ ۱۴ ربیع الاول ۲۶ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۰۸) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ شعر ہے۔ ؎

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

---

❶ وفیات الأعیان (۳۸۳/۶) ترجمہ قاضی ابو یوسف۔

جواب نمبر۱۳

اس مضمون کی وجہ تحریر ڈاکٹر عمر کریم صاحب تمہید میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ ''اخبار اہل حدیث'' ۷ اپریل ۱۹۰۸ھ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیہ سے حنفیوں کو مرجیہ لکھا گیا ہے، اس لئے ہم بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں، بایں طور کہ امام بخاری کو امام ذہلی نے بدعتی کہا۔ سبحان اللہ! اگر امام بخاری کو بدعتی کہا گیا، تو کیا اس سے ان کی شان میں فرق آ گیا؟ امام ابوحنیفہ ؒ کو بھی تو جہمیہ حتی کہ زندیق کہا گیا، تو کیا اس سے ان کی خدا داد شان گھٹ گئی؟ آپ تو خود ہی (ص: ۳۸) میں لکھتے ہیں:

''اگر اس کی جستجو کی جائے کہ کس نے کس کو کیا کہا ہے، تو شاید کسی کی ذات بھی محفوظ نہیں رہ سکتی، نہ کوئی محدث بچ سکتا ہے نہ کوئی مفسر نہ اور کوئی۔''

قيل إن الإله ذو ولد قيل إن الرسول قد كهنا [1]

تو آپ ہی انصاف سے فرما دیں کہ امام بخاری ؒ کی ذات کب بچ سکتی تھی؟ اسی بنا پر ان کو بھی برا بھلا کہا گیا، وہ کہنے والے لوگ تو سب مر گئے اور اپنا کیا خدا کے یہاں پاتے ہوں گے، ایک آپ زندہ باقی ہیں، لیکن تابہ کے؟ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷] اب اپنے ہفوات کا جواب سنئے:

قولہ: ''تمہارے مشکل کشا بلکہ حاجت روا، جن کی کتاب کو تم مشکلوں اور مصیبتوں میں روز و شب ختم کیا کرتے ہو اور اس ختم کو تم قاضی الحاجات اور برآرندۂ مرادات سمجھتے ہو۔'' (ص: ۳۸)

أقول: امام بخاری ؒ نہ مشکل کشا نہ قاضی الحاجات وغیرہ ہیں اور نہ ان کی کتاب، اور نہ ہم ایسا سمجھتے ہیں، بلکہ کلام رسول ﷺ اور حدیث نبوی میں البتہ یہ برکت سمجھتے ہیں کہ جہاں اس کا دور ہوگا اور اس کی وجہ سے درود شریف کی کثرت ہوگی۔ تو خدا کی رحمت ضرور نازل ہوگی اور وہ رحمت دنیاوی بلا کو دھکے دے کر دفع کر دے گی۔ فأنىٰ هذا من ذلك ؟!

قولہ: جن کی قبر مشک کی ہوگئی تھی، جو درجہ کسی پیغمبر کو بھی نصیب نہ ہوا اور مدت تک لوگ اس

---

[1] کہا گیا کہ اللہ کی اولاد ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ رسول کاہن ہے۔

مشک کو لاتے رہے تھے، افسوس کہ ہم اس وقت وہاں موجود نہ ہوئے، ورنہ بہت سا مشک مفت میں جمع کرتے۔ (ص: أيضاً)

أقول: امام بخاری ؒ کی قبر مشک کی نہیں ہوگئی تھی، بلکہ اسی مٹی سے مشک کے مانند خوشبو آتی تھی، و بینھما بون بعید۔ کیا آپ نے سعدی کی گلستان نہیں پڑھی؟ سنئے: سعدی ؒ فرماتے ہیں:۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویزے تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرو وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم [1]

آپ فرماتے ہیں کہ" جو درجہ کسی پیغمبر کو بھی نصیب نہ ہوا" اجی حضرت! آپ کو کیا معلوم؟ رسول اللہ ﷺ کے پسینہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔[2] آپ کی بی بی آپ کے پسینہ کو شیشی میں رکھ لیتیں،[3] اور آپ کی قبر کے بارے میں حضرت فاطمہ ؓ نے یہ فرمایا تھا:

ماذا على من شم تربة أحمد أن لا يشم مدى الزمان غواليا [4]

تو کیا ایسے رسول ﷺ کی حدیث شریف کے عامل و حافظ کی قبر سے بہ برکت کلام نبی ﷺ اگر مشک کی خوشبو آئی، تو اس میں کون سا استحالہ ہوگیا؟ اور اچھا ہوا کہ اس وقت آپ وہاں تشریف فرما نہ ہوئے، ورنہ مشاہدہ کر کے بھی آپ کو یقین نہ آتا تو آپ کا کفر اور بڑھ جاتا۔ ﴿وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ [القمر:۲]

قوله: جن کے انتقال کے وقت خود رسول اللہ ﷺ مع صحابہ ؓ کے تشریف لائے تھے اور تعجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ زندگی میں تو غیب داں نہ تھے، مگر بعد انتقال کیونکر غیب داں ہوگئے؟ الخ (ص: أيضاً)

أقول: اور جب حضرت خضر ؑ امام ابوحنیفہ ؒ کے انتقال کے بعد ان کی قبر سے ۳۰ سال تک فقہ پڑھتے

---

[1] گلستان سعدی (ص: ۷) حمام میں ایک دن محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو ایک خوشبودار مٹی پہنچی، میں نے اس سے پوچھا: تو کستوری ہے کہ عنبر؟ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں، اس نے کہا: میں ناچیز مٹی ہوں، لیکن ایک مدت تک پھول کی ہم نشیں رہی ہوں، ساتھی کے جمال نے مجھ پر بھی اثر کر دیا ہے، وگرنہ میں تو وہی مٹی ہوں!

[2] صحيح مسلم كتاب الفضائل، باب طيب رائحة النبي صلى الله عليه وسلم ولين مسه والتبرك بمسحه، رقم الحديث (۲۳۳۰)

[3] صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب طيب عرق النبي صلى الله عليه وسلم والتبرك به، رقم الحديث (۲۳۳۱)

[4] جس نے ایک مرتبہ احمد ﷺ کی قبر کی مٹی سونگھ لی، اسے مدتوں اعلیٰ سے اعلیٰ مشک و عنبر بھی سونگھنے کی حاجت نہیں رہے گی۔ (عيون الأثر: ۲/۴۴۵) یہ شعر حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ کی طرف منسوب ہے۔

تھے اور امام صاحب برابر ان کو پڑھاتے تھے۔❶ اس پر آپ کو تعجب نہیں آیا اور کسی کے خواب کے واقعے پر اس قدر چیں بہ جبیں ہوگئے؟! سنئے۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ❷

قوله: ان حضرت پر امام ذہلی نے، جو ان کے استاد اور اجلّہ شیوخ سے ہیں، بدعتی ہونے کا فتویٰ دیا ہے... تا آخر (ص: ۳۸)

أقول: امام ذہلی کا یہ فتویٰ اس بناء پر تھا کہ ان کو بغداد سے کسی حاسدِ بخاری نے یہ غلط خبر لکھ کر بھیج دی تھی کہ امام بخاری ؒ کہتے ہیں: "لفظي بالقرآن مخلوق" حالانکہ یہ امام بخاری ؒ کا ہرگز مذہب نہیں ہے، وہ بڑی سختی سے اس کا انکار کرتے ہیں، جیسا کہ مفصل میں نے دیباچہ رسالہ ہذا میں بہ سرخی ''امام بخاری ؒ کا خلق قرآن کا قائل نہ ہونا'' لکھا ہے اور کئی عبارات نقل کی ہیں اور کچھ آگے بھی منقول ہوں گی۔ پس جب امام بخاری ؒ کا وہ مذہب ہی نہیں ہے، تو ان پر امام ذہلی کا فتویٰ بھی چسپاں نہیں ہوگا۔ ہاں امام ذہلی کا ایسا فتویٰ دینا ان کی عجلت اور تحقیق نہ کرنے کا نتیجہ تھا، جس پر آخر میں ان کو کف افسوس ملنا پڑا۔ ❸

قوله: ایک (قول) کتاب طبقات کبریٰ تاج الدین سبکی سے (نقل کرتے ہیں) جو شوافع کے طبقات کی کتاب ہے، اور امام بخاری ؒ چونکہ شافعی المذہب تھے، اس واسطے ان کے حالات بھی اس میں لکھے گئے ہیں۔ (ص: ۳۹)

أقول: امام بخاری ؒ کو شافعی کہنا بالکل غلط ہے، جیسا کہ ہم اپنے مختلف رسالوں میں (جو آپ کے جواب میں پیشتر شائع ہو چکے ہیں) مفصل لکھ چکے ہیں۔ اگر امام بخاری ؒ کے شافعی ہونے کی دلیل یہی ہے کہ سبکی نے ان کے حالات کو طبقات شوافع میں لکھا ہے، تو سبکی نے امام احمد بن حنبل اور امام داود ظاہری وغیرہ کو بھی طبقات شوافع میں ذکر کیا ہے۔❹ حالانکہ امام احمد اور داود ظاہری خود صاحب اجتہاد بلکہ صاحب مذہب مستقل ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے حنبلی مذہب نکلا اور داود ظاہری سے فرقہ ظاہر یہ، تو کیا آپ حنبلیوں کو بھی شافعی کہیں گے؟ اس بناء پر تو چار مذہب سے تین ہی مذہب رہ جائیں گے۔ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!!

❶ رد المحتار (۱/ ۵۷) حاشية الطحطاوي (۱/ ۴۰) یہ حوالہ فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ کے افادات سے ہے۔

❷ جب آفتاب میرا غلام ہے، تو میں سب اسی سے کہوں گا، میں رات ہوں نہ رات پرست کہ خواب کی باتیں کروں۔

❸ تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ۴۹۰)

❹ طبقات الشافعية للسبكي (۲/۲۷، ۲۸۴)

قولہ: یہ واقعہ مقدمہ فتح الباری اور دیگر متعدد کتب میں موجود ہے، ہم یہاں پر اس کو دو کتابوں سے نقل کرتے ہیں، ایک کتاب طبقات کبریٰ تاج الدین سبکی سے، دوم مقدمہ فتح الباری سے:

اول:قال أبو حامد بن الشرقي: ''ابو حامد بن شرقی نے کہا کہ میں نے امام بخاری کو سعید بن مروان کے جنازہ میں دیکھا اور امام ذہلی پوچھتے تھے اسماء اور کنی اور علل کو اور گزرتے تھے اس میں بخاری مثل تیر کے، پس نہیں گزرا تھا اس پر ایک مہینہ یہاں تک کہ کہا امام ذہلی ﷫ نے یہ کہا کہ خبردار جو شخص کہ جائے مجلس میں بخاری کے، پس وہ نہ آئے میرے پاس، کس واسطے کہ لوگوں نے میرے پاس بغداد سے یہ لکھا ہے کہ بخاری نے دوبارہ مسئلہ لفظ (قرآن) کے تکلم کیا ہے اور ہم نے بخاری کو اس سے منع کیا، مگر انہوں نے نہ مانا، پس نزدیک ان کے مت جاؤ، کہتے ہیں ہم کہ تھے بخاری اس امر کے قائل کہ تلفظ قرآن کا مخلوق ہے، اور محمد بن یحییٰ ذہلی نے کہا کہ جس شخص نے گمان کیا کہ تلفظ قرآن کا مخلوق ہے، پس وہ مبتدع ہے، اس کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے، اور نہ اس سے بولنا چاہیے جس شخص نے یہ گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے پس وہ کافر ہے۔

دوم: قال أبوحامد بن الشرقي: سمعت... الخ . ''ابو حامد بن شرقی نے کہا کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کو سنا کہتے تھے کہ قرآن کلام اللہ کا غیر مخلوق ہے اور جس نے گمان کیا کہ تلفظ قرآن کا مخلوق ہے، پس وہ مبتدع ہے، اس کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے اور نہ اس سے بولنا چاہیے، اور جو شخص اس کے بعد پاس جائے محمد بن اسماعیل کے پس اس کو بھی متہم جانو، کس واسطے کہ نہیں جائے گا ان کی مجلس میں مگر وہ شخص جو ان کے مذہب کا ہوگا۔

(ص: ۳۹، ٤٠)

أقول: عبارت اولیٰ میں صرف دو باتیں ہیں:

۱۔ خلق قرآن کا قائل کافر ہے۔

۲۔ خلقِ لفظِ قرآن کا قائل مبتدع ہے۔

اور امام بخاری ﷫ پر دوسری شق کا الزام لگایا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کے خلق کے قائل تھے، یہ الزام بالکل غلط اور ناقابل مسموع ہے، افسوس کہ آپ نے مقدمہ فتح الباری سے اگلی عبارت نقل نہیں کی، جس سے یہ امر واضح طور سے معلوم ہوجاتا کہ امام بخاری ﷫ نہ لفظ قرآن کے خلق کے قائل تھے، نہ نفس قرآن کے خلق کے، اور وہ بھی خود امام بخاری ﷫ کے اقرار سے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر ﷫ مقدمہ فتح الباری مسمی بہ هدى الساري اور تهذيب التهذيب جلد تاسع میں غنجار کی تاریخ بخاریٰ سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

''قال محمد بن نصر: سمعت محمد بن إسماعيل يقول: من زعم أني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فإنى لم أقله...... قال أبو عمرو: فأتيت البخاري...... فقلت: يا أبا عبد الله! ههنا من يحكي عنك أنك تقول: لفظي بالقرآن مخلوق؟......

فقال: يا أبا عمرو! احفظ عني من زعم من أهل نيسابور أنني قلت: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فإني لم أقله...... وقال الحاكم: سمعت أبا الوليد حسان بن محمد الفقيه يقول: سمعت محمد بن نعيم يقول: سألت محمد بن إسماعيل لما وقع في شأنه ما وقع عن الإيمان، فقال: قول و عمل، ويزيد وينقص، والقرآن كلام الله غير مخلوق، وأفضل أصحاب رسول الله ﷺ أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي، على هذا حييت، وعليه أموت، وعليه أبعث إن شاء الله تعالى." انتهى ❶

(هدي الساري، مصرى: ٤٩٢، تهذيب التهذيب: ٩/ ٥٣، ٥٤)

"محمد بن نصر مروزی نے کہا: میں نے امام بخاری سے سنا، فرماتے تھے کہ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ میں نے کہا ہے، قرآن کے ساتھ میرا لفظ مخلوق ہے، وہ شخص جھوٹا ہے، میں نے ایسا نہیں کہا ہے، ابوعمرو (کو یہ سن کر یقین نہیں آیا، تو وہ خود امام بخاری کے پاس آئے، چنانچہ انہوں) نے کہا کہ میں (خود) امام بخاری کے پاس آیا اور کہا: اے ابوعبداللہ (بخاری) یہاں (نیشا پور میں) بعض لوگ آپ کی طرف سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرا لفظ قرآن کے ساتھ مخلوق ہے۔ (کیا یہ سچ ہے؟) امام بخاری نے فرمایا: اے ابوعمرو! میری اس بات کو خوب یاد رکھنا کہ جس شخص نے نیشا پور والوں سے یہ گمان کیا کہ میں نے کہا ہے کہ میرا لفظ قرآن کے ساتھ مخلوق ہے، وہ جھوٹا ہے، میں نے ایسا نہیں کہا، اور حاکم نے بالاسناد امام بخاری سے نقل کیا ہے، محمد بن نعیم کہتے ہیں کہ جب (لوگوں نے) امام بخاری کی شان میں واقع کیا (الزام غلط و افتراء و کذب) تو میں نے امام بخاری سے ایمان کی بابت پوچھا، تو فرمایا کہ ایمان (نام ہے) قول اور عمل کا اور وہ بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے، قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے اور اصحاب رسول اللہ ﷺ میں افضل ابوبکر ♦ ہیں، پھر عمر ♦ پھر عثمان ♦ پھر علی ♦ ، اسی عقیدہ پر میں زندہ ہوں اور خدا نے چاہا تو اسی پر مروں گا اور اسی پر اٹھایا جاؤں گا۔"

مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نہ خلق قرآن کے قائل تھے، نہ خلق الفاظِ قرآن کے، البتہ حاسدین نے امام ذہلی کو بغداد سے غلط خبر پہنچائی، اس لئے انہوں نے ایسا فتویٰ جاری کیا کہ جو خلق قرآن کا قائل ہو، وہ بدعتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تو قائل ہی نہ تھے، پس وہ اس فتویٰ کے مصداق کس طور پر ہوئے؟ جو شخص خلقِ الفاظِ قرآن کا قائل ہوگا، وہ البتہ بدعتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نہ کبھی قائل تھے، نہ ہوئے، پس وہ بدعتی بھی نہیں ہوئے۔ پس امام ذہلی کا یہ فتویٰ حسب حدیث انہیں پر عائد ہوئے گا، امام ذہلی پر کمال افسوس ہے کہ انہوں نے نفس امر

❶ هدي الساري (ص: ٤٩١) تهذيب التهذيب (٤٦/٩)

کی تحقیق نہ کی اور یاروں کے پھندے میں گئے اور بغیر سمجھے بوجھے فتویٰ شائع کر دیا، یا یہ کہ حسد اور " المعاصرة أصل المنافرة" نے ان کو اس خلاف شان امر پر مجبور کیا، جیسا کہ آگے مذکور ہوتا ہے۔ ع۔ حسود راچہ کنم کوز خود برنج دراست. ❶

قوله: حضرت امام ذہلی نے حضرت امام بخاری کو مبتدع اور بے دین ٹھہرایا (الی قولہ) جب یہ بدعتی ٹھہرے تو ان کے مقلدین بھی بدعتی ہوئے۔ (ص: ٤٠)

أقول: بالکل غلط ہے، امام ذہلی نے کہیں بھی یہ نہیں کہا (اور نہ آپ نے نقل کیا) کہ امام بخاری رحمہ اللہ مبتدع ہیں، بلکہ یہ کہا کہ جو شخص الفاظ قرآن کے خلق کا قائل ہو، وہ مبتدع ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ تو اس کے قائل ہی نہ تھے، لہٰذا وہ ہرگز اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ گزرا، اس پر آپ نے آگے جو نتیجہ متفرع کیا ہے کہ ان کے مقلدین بھی بدعتی ہوئے، یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ کیونکہ و إذ لیس فلیس!

قوله: لوگوں کو ان کے ساتھ مجالست اور مخالطت کرنے سے منع کیا اور یہ کہا کہ جو ان کے پاس جائے، وہ میرے پاس نہ آئے۔ (ص: أیضاً)

أقول: یہ سب حضرت حسد کا کرشمہ تھا، پہلے تو یہی امام ذہلی بڑے تپاک سے امام بخاری رحمہ اللہ کے استقبال کو نکلے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی بایں الفاظ ابھارا تھا:

" من أراد أن يستقبل محمد بن إسماعيل غداً، فليستقبله، فإني أستقبله، فاستقبله... الخ. ❷

(مقدمه فتح الباري، حواله مذكوره)

"یعنی کل صبح جس کو امام بخاری کے استقبال کے لئے چلنا ہو، وہ چلے، میں خود بھی چلوں گا، چنانچہ جا کر استقبال کیا۔"

اور جب امام بخاری رحمہ اللہ نیشاپور میں قرار گزیں ہوئے، تو اپنے تلامذہ کو ان کی خدمت میں جا کر حدیث سننے کا بایں الفاظ حکم دیا:

"اذهبوا إلى هذا الرجل الصالح العالم فاسمعوا منه... الخ ❸ (هدي الساري)

"یعنی اس نیک مرد عالم کی خدمت میں جاؤ اور ان سے حدیث سنو۔"

جب لوگوں نے امام بخاری کی مجلس میں جانا شروع کیا، تو ادھر امام ذہلی کا رنگ پھیکا پڑنے لگا اور ان کی مجلس خالی ہونے لگی، آخرش آتش حسد سینہ میں اٹھی اور امام بخاری پر ایک غلط الزام لگا کر لوگوں کو ان سے برگشتہ کر دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

❶ حسد کرنے والے کا کیا کروں، وہ تو از خود رنج میں مبتلا ہے!

❷ هدي الساري (ص: ٤٩٠)

❸ مصدر سابق

"قال: فذهب الناس إليه، فأقبلوا على السماع منه، حتى ظهر الخلل في مجلس محمد بن يحيىٰ، قال: فتكلم فيه بعد ذلك ...إلى قوله: حسداً." انتهى (هدى الساري: ٤٩١)

''جب امام ذہلی کے حکم سے لوگوں نے امام بخاری کے پاس جانا اور ان سے سننا شروع کیا، تو امام ذہلی کی مجلس میں خلل ظاہر ہوا، بس اس کے بعد انہوں نے امام بخاری کی شان میں حسد سے کلام کرنا شروع کیا۔''

وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ :

حسدوا الفتىٰ إذ لم ينالوا سعيه والقوم أعداء له وخصوم

كضرائر الحسناء قلن لوجهها حسداً وزوراً إنه لدميم. ❶

قوله: اب آپ لوگوں کو اس میں دم مارنے کی جگہ باقی نہیں رہی اور ان کی احادیث کا بھی کچھ اعتبار باقی نہیں رہا، پس کتاب بخاری از بائے بسم اللہ تا تائے تمت پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی اور آپ حضرات کی اصل پونجی غائب شد۔ (ص: أیضاً)

أقول: تم حاسدین کا تو دلی منشا یہی ہے کہ صحیح بخاری کا اعتبار دنیا سے اٹھا دیں اور تم نے اس میں کوئی کسر کیا باقی چھوڑی ؟ لیکن یہ خدا کا فضل ہے کہ جس قدر تم اس کے پیچھے پڑتے ہو، اس کا کمال مزید ظاہر ہوتا جاتا ہے۔ مشک کو کریدتے ہو تو خوشبو دوبالا ہوتی ہے، تمہارے اعتراض پر ہمارے جواب سے صحیح بخاری کا من اُولہ تا آخرہ پایۂ اعتبار ارفع ہوگیا۔ ہاں آپ کے اعتراض کی پونجی البتہ غائب ہوگئی، ہمارے دم مارنے کی بہت کچھ جگہ باقی ہے، خدا اس دم کو سلامت رکھے اور تمہاری دم بازیوں سے بچائے۔

قوله: من درچہ خیالیم فلک درچہ خیال۔ (ص: ایضاً)

أقول: کمال حسد نے آپ کو صحیح مصرع لکھنے سے بھی اندھا کر دیا، سنئے ''خیالیم'' متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے، اس کی ضمیر ''من'' لانا صحیح نہیں۔ ''ما درچہ خیالیم'' لکھئے، اور دوسرا مصرع مجھ سے سنئے۔ ع۔

کاریکہ خدا کند فلک راچہ مجال ❷

اب اس کے بعد والے مضمون کا جواب سنئے، جس کی ابتداء میں آپ نے الجرح میں نمبر (۱۴) لکھا ہے اور اخبار ''اہل فقہ'' (ج ۳، شمارہ نمبر ۵، ص: ۵ تا ۷، مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۲۷ھ بمطابق ۵ اپریل ۰۹ء) میں نمبر (۱۵) کے ہیڈنگ سے شائع ہوا، جس کی سرخی یہ ہے ''بخاری میں موضوع حدیثیں۔''

---

❶ انہوں نے نوجوان سے حسد کیا جب اس کی رفعت چھو نہ سکے، قوم اس کی دشمن اور رقیب بن گئی، حسینہ کی سوتنوں کی طرح، جنہوں نے حسد اور جھوٹ میں اس کے خوبصورت چہرے کو بدصورت کہا۔

❷ ہم کس خیال میں ہیں اور آسمان کس خیال میں؟ جو کام خدا کرے وہاں آسمان کے دم مارنے کی کیا مجال؟!

’’صحیح بخاری میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے۔‘‘

ڈاکٹر عمر کریم صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ صحیح بخاری میں احادیث موضوعہ بھی ہیں، چنانچہ اپنے زعم فاسد کے مطابق دو حدیثوں کونقل کر کے موضوع بتلایا ہے اور موضوعیت کی جو دلیل دی ہے، وہ بالکل اسی مثل کے مصداق ہے کہ ’’زمین گول ہے، اس لئے کہ چاول سفید ہے۔‘‘ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ **قوله**: " ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف .

’’یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا ، ریشمی کپڑا، شراب اور معازف (غنا آلات لہو وغیرہ) کو حلال سمجھیں گے۔‘‘

(بخاری مطبوعه أحمدی: ۸۳۷، كتاب الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه.)

امام شوکانی (وہابیوں کے پیشوا تا آخر) نے اپنے رسالہ " إبطال دعوىٰ الإجماع على تحريم مطلق السماع " میں بہ نسبت بخاری کی اس حدیث اور دیگر احادیث کے، جو اس مضمون کی حدیث کی کسی کتاب میں ہو، یہ لکھا ہے:

"في تحريم المعازف وسائر الملاهي أحاديث مروية في غاية الكثرة، ولكنها متكلم عليها من أئمة الحديث وبعضهم يجزم بوضعها. (دیکھو رسالہ مذکور مطبوعہ أنور محمدى لكهنؤ، ص : ۳۳، جو چند رسالہ کے ساتھ طبع ہوا ہے)

’’یعنی معازف اور سب ملاہی کی حرمت میں اگر چہ کثرت سے احادیث ہیں، لیکن ان سب پر ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے، اور بعض ائمہ حدیث ان سب کو موضوع کہتے ہیں۔‘‘

پس ائمہ حدیث کی تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معازف کی حرمت کی جس قدر حدیثیں ہیں، خواہ وہ بخاری میں ہوں یا اور کسی کتاب میں، وہ سب متکلم علیہا اور موضوع ہیں۔ (ص: ۴۰، ۴۱)

أقول: أولاً: تو قول منقول میں کہیں بخاری کا صراحتاً ذکر نہیں ہے اور چونکہ بخاری کی کل حدیثوں کا أصح الصحیح ہونا ائمہ حدیث تسلیم کر چکے ہیں، لہٰذا ان کا قول من قبیل عام مخصوص منہ البعض ہے اور یہ مسئلہ مسلّم ہے: وما من عام إلا وقد خص منه البعض، فافهم ![1]

---

[1] امام شوکانی رحمہ اللہ دیگر ائمہ کی طرح مجرد کسی حدیث کے صحیحین میں ہونے ہی کو قابل احتجاج سمجھتے ہیں اور اس پر کسی بحث وتحقیق ←

ثانیاً: وضع کا قول صرف بعض ائمہ کا ہے نہ کل کا، پس وہ حیز قبول میں نہیں آ سکتا۔ لأن الشاذ کالمعدوم!

ثالثاً: ائمہ حدیث نے جو ان حدیثوں کو متکلم فیہ کہا ہے، اس سے حدیثِ بخاری مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ اصول حدیث میں یہ مرحلہ بھی طے ہو چکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو روایت کرنا، یہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے۔ (دیکھئے: الأمر المبرم)

رابعاً: کسی حدیث کا موضوع ہونا بایں طور ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی وضاع ہو، یا وہ متکلم فیہ اس وقت ہوگی جب اس کی سند کا کوئی راوی غیر ثقہ ہو، پس ہم جب مذکورہ حدیث کی سند کو جانچتے ہیں، تو ہم کو سب راوی ثقہ ملتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱۔ اس کا پہلا راوی ہشام بن عمار ہے، اس کو یحییٰ بن معین نے ثقہ اور ابوحاتم اور دارقطنی نے صدوق اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔[1] (دیکھئے: میزان الاعتدال، جلد دوم)

۲۔ دوسرا راوی جس سے ہشام روایت کرتے ہیں، صدقہ بن خالد ہے، اس کو حافظ ابن حجر تقریب میں ثقہ فرماتے ہیں اور فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"صدقة هذا ثقة عند الجميع، قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة ابن ثقة، ليس به بأس، ...إلیٰ قوله: ونقل معاوية بن صالح عن ابن معين: أن صدقة بن خالد ثقة،" انتهى[2] (۲۳/۳٤۸)

"یعنی صدقہ راوی کل ائمہ حدیث کے نزدیک ثقہ ہے، امام احمد نے اس کو ثقہ ولد ثقہ اور لا بأس به فرمایا ہے اور یحییٰ بن معین نے بھی صدقہ کو ثقہ فرمایا ہے۔"

۳۔ تیسرا راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ہے، جس سے صدقہ روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر تقریب میں اس عبدالرحمٰن کو ثقہ لکھتے ہیں، اور علامہ ذہبی میزان میں اس کو "أحد العلماء الثقات" فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کو یحییٰ بن معین نے ثقہ اور امام احمد نے لا بأس به اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے۔[3]

← کی ضرورت نہیں سمجھتے، فرماتے ہیں: "واعلم أن ما كان من الأحاديث في الصحيحين، أو في أحدهما، جاز الاحتجاج به من دون بحث، لأنهما التزما الصحة، وتلقت ما فيهما الأمة بالقبول،" (نيل الأوطار: ١/ ١٤) نیز فرماتے ہیں: "ولا نزاع في أن خبر الواحد إذا وقع الإجماع على العمل بمتقضاه، فإنه يفيد العمل، لأن الإجماع عليه قد صيره من المعلوم صدقه، وهكذا خبر الواحد إذا تلقته الأمة بالقبول، فكانوا بين عامل به ومتأول له، ومن هذا القسم أحاديث صحيحي البخاري و مسلم، فإن الأمة تلقت ما فيهما بالقبول " (إرشاد الفحول: ١/ ١٣٨) قطر الولي (ص: ٢٣٠)

1. ميزان الاعتدال (٤/ ٣٠٢) تهذيب التهذيب (١١/ ٤٦)
2. فتح الباري (١٠/ ٥٤) تقريب التهذيب (ص: ٢٧٥)
3. ميزان الاعتدال (٢/٥٩٩) تقريب التهذيب (ص: ٣٥٣)

۴۔ چوتھا راوی عطیہ بن قیس کلابی ہے، اس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ثقہ کہا ہے اور فتح الباری میں فرمایا ہے: ''قواہ أبو حاتم '' (حوالہ مذکورہ) یعنی ابوحاتم نے اس کو قوی کہا ہے، اور تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❶ (ج: ۷)

۵۔ پانچواں راوی عبدالرحمٰن بن غنم اشعری ہے، فتح الباری میں ان کی بابت ہے: '' وثقه العجلي'' (۲۳/ ۳٤۹) یعنی عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور تقریب التہذیب میں ہے کہ یہ کبار ثقات تابعین میں سے ہے، اور تہذیب التہذیب جلد سادس میں ہے کہ ان کو محمد بن سعد نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❷

٦۔ چھٹے راوی ابو عامر ♦ صحابی یا ابو مالک ♦ اشعری صحابی ہیں اور کل صحابی بالاتفاق عدول (ثقہ) ہیں اور اسم صحابی کا تردد چنداں مضر نہیں، جیسا کہ اصول حدیث میں طے شدہ ہے۔

۷۔ ساتویں رسول اللہ ﷺ صادق المصدوق ہیں۔

اب فرمایئے کہ حدیث مذکور کو سوائے صحیح کے حسن تک نہیں کہہ سکتے، چہ جائیکہ وہ ضعیف یا موضوع ہو؟

اللہ أکبر! ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [الکہف: ٥]

خامساً: کسی حدیث کا موضوع ہونا متن حدیث سے بھی معلوم ہو جاتا ہے، بایں طور پر کہ اس کے الفاظ یا معانی رکیک و بے ربط ہوں، یا عقل کے مخالف ہو، یا حس و مشاہدہ اس کو رفع کرے۔ ❸

(مقدمه ابن صلاح، تدریب الراوی، فتح المغیث)

بحمد اللہ ان کل امور سے حدیثِ بخاری کا متن بالکل پاک ہے اور راوی سند قسم کھا کر اس کی صداقت بیان کرتا ہے: '' واللّٰه ما كذبني سمع النبي ﷺ ... الحديث '' ❹ (بخاري)

ان بدیہی امور کے باوجود کیونکر اس کو کوئی عقلمند موضوع کہہ سکتا ہے؟

سادساً: اس حدیث کی بابت اب تک کسی نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا سوائے ابن حزم کے کہ انہوں نے غلطی سے اس تعلیق بخاری کو انقطاع سمجھ لیا تھا، اس کا جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دیا ہے:

''هذا الذي قاله خطأ نشأ عن عدم تأمل .'' ❺ (۲۳/ ۳٤۷)

---

❶ تهذيب التهذيب (۷/ ۲۰۳) فتح الباري (۱۰/ ٥٤) تقريب التهذيب (ص: ۳۹۳)

❷ تهذيب التهذيب (٦/ ۲۲٥) فتح الباري (۱۰/ ٥٤) تقريب التهذيب (ص: ۳٤۸)

❸ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٥۸) تدريب الراوي (۱/ ۲۷٥) فتح المغيث (۱/ ۲٦۹)

❹ صحيح البخاري: كتاب الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، رقم الحديث (٥۲٦۸)

❺ فتح الباري (۱۰/ ٥۲)

''یعنی ابن حزم نے جو اس کو منقطع کہا ہے، اس میں ان سے بوجہ عدم تامل خطا ہوگئی ہے۔''

اور علامہ عینی نے فرمایا:

"وهم ابن حزم في هذا." ❶ (۱۰/۹۲) ''یعنی اس دعویٰ انقطاع میں ابن حزم کو وہم ہو گیا ہے۔''

اور قاضی شوکانی نے فرمایا:

"أخطأ ابن حزم في دعوىٰ الانقطاع من وجوه." (نیل ۷/ ۳۱۴)

''یعنی ابن حزم نے جو اس حدیث کے منقطع ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اس میں کئی وجھوں سے خطا کی ہے۔''

معلوم ہوا کہ تعلیق مذکور منقطع نہیں بلکہ متصل ہے۔

سابعاً: آپ نے امام شوکانی کے قول سے حدیث مذکور کا موضوع ہونا ثابت کرنا چاہا ہے، آیئے ہم خود امام شوکانی سے اس کی عدم موضوعیت بلکہ صحت کا اقرار کرا دیتے ہیں، سنئے ! وہ نیل الاوطار میں حدیث مذکور کی بابت فرماتے ہیں:

" والحديث صحيح معروف الاتصال "❷ یعنی حدیث بخاری (مذکور) صحیح اور متصل السند ہے۔

فرمایئے! اب تو آپ کا دعویٰ غتر بود ہوگیا! اور اپنے مایہ ناز علامہ عینی حنفی کی شہادت بھی سنئے، وہ حدیث مذکور کے تحت میں فرماتے ہیں:

"والحديث صحيح، وإن كانت صورته صورة التعليق."❸ انتهى (عمدة القارى: ۱۰/ ۹۱)

اور حافظ ابن حجر ؒ کا قول بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"والحديث صحيح معروف الاتصال بشرط الصحيح... ❹ الخ (فتح البارى: ۲۳/ ۳٤۸)

''یعنی حدیث مذکور صحیح متصل بشرط الصحیح ہے۔ پس بحمد اللہ کہ ائمہ حدیث کی تصریحات مفصلہ سے حدیث بخاری کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا اور آپ کا دعویٰ موضوعیت باطل! ❺ فالحمدلله ثم الحمد الله!

۲۔ قوله: " عن أبي هريرة قال قال النبي ﷺ: لا يزني الزاني وهو مؤمن، ولا يشرب الخمرحين يشرب، وهو مؤمن، ولا يسرق حين يسرق، وهو مؤمن... الخ "

(بخاری مطبوعه أحمدی: ۳۳٦، كتاب المظالم، باب النهبى بغير إذن صاحبه)

---

❶ عمدة القاري (۲۱/ ۱۷۵)

❷ نيل الأوطار (۷/۳۱٤) (مؤلف)

❸ عمدة القاري (۲۱/ ۱۷۵)

❹ فتح الباري (۱۰/ ۵۲)

❺ نیز اس حدیث کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تحريم آلات الطرب للعلامة ناصر الدين الألباني ؒ (ص: ۳۹)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان زنا کرنے اور شراب پینے اور چوری کرنے کے وقت مسلمان نہیں رہتا۔''

امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک اس مضمون کی سب حدیثیں موضوع ہیں، جیسا کہ رسالہ " العالم والمتعلم" (جو امام ابوحنیفہ ؒ کی تصنیف ہے اور بشمول وصیت نامہ وغیرہ کے طبع ہوا ہے) کے (ص:۶۳) میں ہے:

" قال المتعلم... الخ "(از ص: ۴۱ تا ۴۴) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے اپنے تلمیذ ابومطیع بلخی کو ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ حدیث قرآن مجید کی دو آیتوں کے مخالف ہے:

۱۔ ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ...﴾ الخ

۲۔ ﴿وَ الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ﴾ الأية

ان دونوں آیتوں کے مخاطب مومن ہیں نہ یہود و نصاریٰ، لہٰذا ہم حدیث مذکور کے راویوں کو جھوٹا جانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے خلاف ہرگز کوئی حکم نہیں فرما سکتے۔

أقول: أولاً: جرحِ حدیث کسی ماہر محدث سے ہونی چاہیے، امام ابوحنیفہ ؒ بالاتفاق محدث نہ تھے، نہ کسی نے ان کو طبقات محدثین میں شمار کیا ہے، محدثین نے کہا کہ ان کی بضاعت حدیث میں مزجاۃ (قلیل) ہے، ابن خلدون میں ہے کہ امام صاحب کو صرف ۱۷ حدیثیں ملی تھیں۔ [1] تاریخ خمیس میں ہے کہ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے:

"قولنا هذا رأي "[2] یعنی ہمارا قول وعلم رائے ہے، روایت نہیں ہے، پس حدیث پر ان کی جرح بجوئ نیرزد!

ثانیاً: امام صاحب نے بھی حدیث کو موضوع نہیں کہا، بلکہ ان کے قیاس میں یہ حدیث بظاہر قرآن کی آیتوں کے مخالف معلوم ہوئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کچھ کہہ نہیں سکتے تھے، راویوں پر ہاتھ صاف کر دیا اور ان کو جھوٹا کہہ دیا، نہ کسی خاص راوی کی تصریح کی اور نہ کسی کا کاذب ہونا ثابت کیا۔

ثالثاً: ہم حدیث مذکور کو جب ائمہ جرح و تعدیل کے سامنے پیش کرتے ہیں، تو سب اس کے راویوں کی توثیق کرتے ہیں، کوئی بھی کسی کو کاذب نہیں کہتا، چنانچہ ملاحظہ ہو:

۱۔ حدیث مذکور کا پہلا راوی سعید بن کثیر بن عفیر ہے، تقریب التهذيب میں ان کو "صدوق عالم" کہا گیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ ابن عدی نے ان کو صدوق اور ثقہ کہا ہے اور میزان الاعتدال میں ان کو "أحد الثقات" اور "ثقة عند الناس" کہا گیا ہے، ہدی الساری میں ہے کہ ان کو ابن معین نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق اور نسائی نے صالح الحدیث کہا ہے، اور تهذيب التهذيب جلد چہارم میں ہے کہ ان کو ابو حاتم نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں اور یحییٰ بن معین نے بروایت ابن جنید ان کو ثقہ اور لا بأس به کہا ہے۔ [3]

---

[1] مقدمة ابن خلدون، ص: ۲۵۶، الفصل السادس: علوم الحديث

[2] تاريخ بغداد (۱۳/ ۳۵۲) نیز فرماتے تھے:''عامة ما أحدثكم به خطأ " (تاريخ بغداد: ۱۳/ ۴۲۵)

[3] ميزان الاعتدال (۲/۱۵۵) تهذيب التهذيب (۴/۶۶) هدي الساري (ص: ۴۰۶) تقريب التهذيب (ص: ۲۴۰)

۲۔ دوسرا راوی لیث بن سعد ہے۔ ان کو تقریب التھذیب میں ''ثقہ'' اور ''ثبت'' کہا گیا ہے، اور میزان الاعتدال میں ہے: " ثقة حجة بلا نزاع " اور خلاصہ میں ہے کہ ان کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے اور تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں ہے کہ ان کو ابن سعد نے ثقہ اور امام احمد نے ثقہ وثبت اور ابن معین نے ثقہ اور ابن مدینی اور عجلی اور نسائی نے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور ابو زرعہ و ابن خراش وعمرو بن علی نے صدوق کہا ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❶

۳۔ تیسرا راوی عقیل بن خالد بن عقیل ہے۔ تقریب التہذیب میں ان کو ثقہ اور ثبت کہا گیا ہے، اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کو ثبت (ثقہ) اور حجت کہا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اور امام احمد نے بھی ثقہ کہا ہے، اور تہذیب التہذیب جلد ہفتم میں ہے کہ ان کو امام احمد اور محمد بن سعد نے ثقہ اور ابوزرعہ نے صدوق وثقہ اور ابوحاتم نے " لا بأس به " اور ابن معین نے ثقہ حجت اور عجلی نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❷

۴۔ چوتھا راوی زہری ہے۔ یعنی ابن شہاب محمد بن مسلم، یہ مشہور ثقہ تابعی ہے، ان کی ثقاہت کل محدثین کے ہاں مسلّم ہے، ان کی تعریف وتوصیف سے اسماء رجال کی کل کتب مملو ہیں۔ دیکھو تقریب وخلاصہ ومیزان وتہذیب وغیرہ۔ ❸

۵۔ پانچواں راوی ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ہے۔ ان کو تقریب التہذیب میں ثقہ کہا گیا ہے، اور خلاصہ میں ان کو "ثقة فقيه عالم سخي كثير الحديث" کہا گیا ہے اور تہذیب التہذیب جلد دوازدہم میں ہے کہ ان کو واقدی نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور ابن خراش نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❹

۶۔ چھٹے راوی حضرت ابوہریرہ ♦ صحابی ہیں اور کل صحابی ثقہ ہوتے ہیں، اور ساتویں رسول اللہ ﷺ صادق المصدوق ہیں، غرض سب کے سب ثقہ ہیں۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں دوسری جگہ (کتاب الحدود، پارہ ۲۷) بھی آئی ہے۔ ❺ وہاں بھی یہی سب ثقہ راوی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے سوائے شیخ بخاری کے، کہ وہ یہاں سعید بن عفیر تھے اور وہاں یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ہیں، ان

❶ ميزان الاعتدال (۳/ ۴۲۳) تهذيب التهذيب (۸/ ۴۱۲) تقريب التهذيب (ص: ٤٦٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۲۳)

❷ تهذيب التهذيب (۷/ ۲۲۸) تقريب التهذيب (ص: ۳۹۶)

❸ تهذيب التهذيب (۹/ ۳۹۵) تقريب التهذيب (ص: ٥٠٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۵۹) نیز تفصیل کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء (۹/ ۳۹٤)

❹ تهذيب التهذيب (۲/ ۳٤) تقريب التهذيب (ص: ٦٢٣)

❺ صحيح البخاري، برقم (٦٣٩٠) نیز دیکھیں: رقم الحديث (٥٢٥٦، ٦٤٠٠، ٦٤٢٦، ٦٤٢٥)

کی بابت تقریب التہذیب میں ہے کہ یہ ثقہ ہیں اور خلاصہ میں ہے کہ ان کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کو ثقہ کہا ہے، اور تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں ہے کہ ان کو خلیلی نے ثقہ اور ابن قانع نے ثقہ اور ساجی نے صدوق اور ابن عدی نے أثبت الناس کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❶

پس بحمد اللہ کہ بتصریحات ائمہ جرح و تعدیل حدیث مذکور کی سند کے رجال کی تعدیل ثابت ہوگئی اور امام صاحب کا ان کو جھوٹا کہنا باطل ٹھہرا، اور سچوں کو جھوٹا کہنا گناہ عظیم ہے، خدا بچائے۔ آمین۔ ❷

رابعاً: حدیث مذکور صحیح بخاری میں بہت سے طرق (سند) سے مروی ہے اور اس کی تمام سندیں صحت میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، ہر سند کے روات ثقاہت میں فوقیت کا مرتبہ رکھتے ہیں، پس ایک بارگی سب کو جھوٹا کہہ دینا درحقیقت اپنی تنقیصِ شان کرنا ہے۔

خامساً: روات کی توثیق کے بعد متن حدیث کو بھی دیکھنا چاہیے کہ حسب تعریف موضوع متن میں کچھ رکاکت الفاظ یا خلاف عقل وحس و مشاہدہ تو نہیں ہے؟ جیسا کہ گزر چکا ہے، پس بحمد اللہ ان سب امور سے کچھ بھی نہیں پایا جاتا، معترض کا صرف یہ دعویٰ ہے کہ مضمونِ حدیث قرآن مجید کی دو آیات کے مخالف ہے اور یہ درحقیقت عدم تفکر کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ حدیث مذکور میں کمال ایمان کی نفی مذکور ہے نہ کہ مطلق ایمان کی، علامہ عینی حنفی حدیث مذکور مابہ النزاع کے تحت میں لکھتے ہیں:

"هذه الألفاظ التي تطلق علىٰ نفي الشيء يراد نفي كماله، كما يقال: لا علم إلا بما نفع، ولا مال إلا الإبل، ولا عيش إلا عيش الآخرة، ثم إن مثل هذا التأويل ظاهر شائع في اللغة يستعمل كثيراً. "انتهى ❸ (عمدة القاری مصری:٦/ ١٤٦)

''ایسے الفاظ جو کسی چیز کی نفی پر بولے جاتے ہیں، ان سے مراد کمال کی نفی ہوتی ہے، جیسے کہتے ہیں کہ علم

---

❶ ميزان الاعتدال (٣٩١/٤) تهذيب التهذيب (٢٠٨/١١) تقريب التهذيب (ص: ٥٩٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٥)

❷ امام ابوحنیفہ ؒ سے یہ قول ابو مطیع بلخی نے نقل کیا ہے، جیسا کہ معترض نے ذکر کیا ہے، یہاں دو امر قابل ذکر ہیں:

١۔ امام ابوحنیفہ ؒ سے یہ قول نقل کرنے والا ابو مطیع بلخی ہے، جو سخت ضعیف اور متروک ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: الطبقات الكبرىٰ لابن سعد (٣٧٤/٧) الجرح والتعديل (١٢١/٣) تاريخ بغداد (٢٢٣/٨) الكامل في الضعفاء (٢١٤/٢) المجروحين لابن حبان (١/ ٢٥٠) لسان الميزان (٢/ ٣٣٤) الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث (ص:١٠٢)

٢۔ یہ قول امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف منسوب کتاب "العالم والمتعلم" سے نقل کیا گیا ہے، لیکن اس کتاب کا ثبوت محل نظر اور محتاج سند و دلیل ہے۔ بنا بریں اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف کرنا اور انہیں مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں۔

❸ عمدة القاري (٢٧/١٣) نیز لکھتے ہیں:"وبهذا يحصل الجمع بينه وبين ما ذكر من الحديث والآية"

نہیں مگر جو نفع دے، مال نہیں مگر اونٹ، زندگی نہیں مگر آخرت کی (حالانکہ غیر نافع بھی علم ہوتا ہے، اونٹ کے علاوہ اور بھی مال ہوتا ہے، آخرت کے علاوہ دنیا کی بھی ایک زندگی یقینی ہے، تو مطلب ان جملوں کا یہ ہوا کہ ان چیزوں میں کمال نہیں ہے سوائے زوال کے) اور ایسے مطالب ظاہر ہیں، لغت میں شائع ہیں اور کثرت سے مستعمل ہیں۔''

ایسا ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں امام نووی کا قول نقل فرماتے ہیں:

"وقال النووي: اختلف العلماء في معنى هذا الحديث، والصحيح الذي قاله المحققون: أن معناه لا يفعل هذه المعاصي وهو كامل الإيمان، هذا من الألفاظ التي تطلق علىٰ نفي الشيء، والمراد نفي كماله... الخ." [1] (٢٧/ ٣١٩)

''امام نووی نے فرمایا کہ علماء کا اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، صحیح معنی وہ ہے جو محققین نے کہا ہے اور وہ یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں کو کر کے کامل الایمان نہیں رہتا، یہ لفظ ان الفاظ سے ہے جو کسی چیز کی نفی پر بولے جاتے ہیں اور مراد کمال کی نفی ہوتی ہے۔''

پس حدیث مذکور میں کمال ایمان کی نفی ہے نہ کہ مطلق ایمان کی، تو یہ منقولہ بالا آیات قرآنیہ کے عین مطابق ہو گیا اور کوئی اختلاف و تناقض باقی نہیں رہا، بلکہ آیت قرآنیہ اور حدیث مذکور کا ایک ہی مطلب ہو گیا۔

سادساً: اس مطلب کو امام بخاری نے حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد اور کتاب الحدود میں ما قبل حضرت ابن عباس ♦ سے خود نقل کر کے واضح کر دیا ہے:

حيث قال: تفسيره: أن ينزع منه نور الإيمان." [2] (بخاری)

یعنی اس عاصی سے ایمان کا نور الگ ہو جاتا ہے نہ کہ مطلق ایمان، بلکہ وہ باقی رہتا ہے۔''

علامہ عینی حنفی اس کے ذیل میں عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

"والإشارة فيه إلىٰ أنه لا يخرج عن الإيمان." [3] انتهى (٦/ ١٤٧)

یعنی اس تفسیر میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عاصی ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

پس جب ایمان سے خارج نہیں ہوتا، تو پھر آیت قرآنیہ سے کوئی اختلاف باقی نہیں رہا، بلکہ آیت قرآنی کے لفظ ﴿مِنْكُمْ﴾ میں جس ایمان کی طرف اشارہ ہے، وہ ایمان اس عاصی میں پایا گیا، لہٰذا حدیث و قرآن میں تطابق تام اور توافق عظام ثابت ہوا۔ فالحمدللہ! اب حدیث مذکور امام ابوحنیفہ کی شرط (بشرطیکہ ثابت بھی ہو!) کے مطابق بھی

---

[1] فتح الباري (١٢/ ٦٠)

[2] صحيح البخاري، قبل حديث (٦٣٩٠) وبعد حديث (٢٣٤٣، ٦٤٢٤)

[3] عمدة القاري (١٣/ ٢٧)

صحیح ثابت ہوگئی اور آپ کا دعوائے موضوعیت غلط اور باطل ٹھہرا۔

قوله: امام ممدوح (ابو حنیفہ) کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کے خلاف نہ ہو اور حدیث مذکور قرآن شریف کے خلاف ہے۔ (ص:۴۴)

أقول: بالکل غلط اور سفید جھوٹ ہے، حدیث مذکور بالکل قرآن مجید کے مطابق ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس امام ابوحنیفہ کی شرط کے مطابق بھی وہ صحیح ثابت ہوگئی۔[1] فافهم و تدبر!

قوله: امام بخاری ایسی حدیثوں کو بھی صحیح سمجھتے ہیں کہ جو قرآن شریف کے مخالف ہوں، اس لئے کہ کتاب بخاری میں نہ صرف یہی حدیث بلکہ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو کہ نص قرآنی کے مخالف ہیں، جس میں سے کچھ حدیثیں ہم اپنے اشتہار نمبر (۲) اور نمبر (۳) میں لکھ چکے ہیں۔ (ص: ٤٥)

أقول: جو حدیثیں قرآن شریف کے خلاف ہوں، اس کو امام بخاری ہرگز ہرگز صحیح نہیں سمجھتے، یہ ان پر اتہام بین و افتراء صریح ہے، اور نہ کتاب بخاری میں ایسی کوئی بھی حدیث ہے جو قرآن پاک کے خلاف ہو۔ جس کو آپ نے اپنی کم فہمی سے اشتہار نمبر (۲) اور نمبر (۳) میں پیش کیا تھا، اس کا مفصل جواب ہم نے رسالہ " الريح العقيم "اور" العرجون القديم " میں دے دیا ہے، جس سے آپ کی تشفی ہوگئی اور پھر اس پر چوں تک نہیں کیا۔ کہئے! ٹھیک ہے نا؟!

قوله: جو حدیث امام بخاری یا اور کسی محدث کے نزدیک صحیح ہو، تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی صحیح ہو؟ (ص: أيضاً)

أقول: امام بخاری کے نزدیک جو حدیث صحیح ہوتی ہے، اس کو تمام دنیا کے محدثین صحیح مانتے ہیں اور اپنی حدیثوں کی صحت "على شرط البخاري" کے جملہ سے فخریہ ثابت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت تو آپ کے محقق

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مذکورہ بالا شرط کا ثبوت محتاج سند و دلیل اور محل نظر ہے۔ علاوہ ازیں کچھ لوگ کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ حدیث قرآن کے مخالف نہ ہو، اس ضمن میں ایک موضوع روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ " ستفشو عني أحاديث، فما أتاكم من حديثي فاقرؤا كتاب الله فاعتبروه، فما وافق كتاب الله فأنا قلته، وما لم يوافق كتاب الله فلم أقله " اس موضوع اور من گھڑت حدیث کے بارے میں امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال يحيىٰ بن معين: إنه موضوع، وضعته الزنادقة، وقال عبد الرحمن بن مهدي: الزنادقة والخوارج وضعوا حديث: ما أتاكم عني فاعرضوه على كتاب الله... الخ (إرشاد الفحول: ٥٣)

نیز یہ حدیث بذات خود قرآن مجید کے مخالف ہے، امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد عارض هذا الحديث قوم، فقالوا: نحن نعرضه على كتاب الله قبل كل شيء، ونعتمد على ذلك، قالوا: فلما عرضناه على كتاب الله وجدناه مخالفا لكتاب الله، لأنا لم نجد في كتاب الله أن لا نقبل من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا ما وافق كتاب الله، بل وجدنا كتاب الله يطلق التأسي به، والأمر بطاعته، ويحذر من المخالفة عن أمره جملة على كل حال." (الموافقات: ٤/ ١٩)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مجمع الزوائد (١/ ٤١٤) كشف الخفاء، برقم (٢٢٠) مفتاح الجنة للسيوطي (ص: ٢٢) السلسلة الضعيفة (١٠٨٨، ٥٤٣٩)

حنفی طحطاوی نے لکھ دیا ہے کہ انہوں نے حدیث پڑھی ہی نہیں۔[1] تو ان کے نزدیک صحیح یا غیر صحیح ہونا چہ معنی دارد؟

قوله: "إذا صح الحديث فهو مذهبي" کا یہی مطلب ہے کہ جو حدیث ہمارے شرط پر صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے...... نہ یہ کہ جن احادیث کو امام بخاری یا اور کوئی محدث سو ڈیڑھ سو برس ہمارے زمانے کے بعد اپنی شرائط اور مقرر کردہ اصول کے مطابق صحیح کہیں گے...... وہ سب میرا مذہب ہوجائے گا؟ (ص: أيضاً)

أقول: سبحان اللہ! نازم بریں فہم !! اجی حضرت! تو وہ حدیثیں جو امام صاحب کی شرط پر صحیح ہیں، ان کو پیش تو کیجئے کہ وہ کون کون سی اور کس کتاب میں ہیں؟ امام بخاری وغیرہ اگر بعد کو ہوئے ہیں، تو حدیث رسول اللہ ﷺ تو پیشتر کی ہے، فقہ کے جس قدر مسائل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں اور بہ ظاہر قرآن و حدیث (بخاری وغیرہ کے جو ڈیڑھ سو برس کے بعد ہوئے ہیں) کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، ان کا صحیح ماخذ بتلائیے کہ پیشتر کی وہ کون سی احادیث ہیں؟ اور پھر ان کا امام ابو حنیفہ کی شرط کے مطابق صحیح ہونا نقل کیجئے۔ یا یوں ہی لمبا چوڑا دعویٰ کئے جاتے ہیں اور پلّے پونجی خاک نہیں؟!

قوله: پس کوئی حنفی بخاری یا اور کسی کتاب کی کسی حدیث کا اس وقت تک پابند نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہوجائے کہ وہ حدیث علی شرط ابی حنیفہ ہے ...الخ۔ (ص: ایضاً)

أقول: بار بار وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جاتے ہیں! آپ اگر بخاری وغیرہ کے پابند نہیں ہو سکتے تو بلا سے، آپ ان حدیثوں کو ہی پیش کریں جو علی شرط ابی حنیفہ ہوں اور شرط ابی حنیفہ کو بہ تفصیل بتلا دیں تاکہ حنفی بیچارے انہیں حدیثوں پر عمل کریں اور فقہ کے جنجال سے چھوٹیں۔ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرہ: ٢٤]

اب اس کے بعد آپ کے نمبر (۱۵) کا جواب دیا جاتا ہے، جو "اہل فقہ" (جلد۳، شمارہ نمبر ۱۱، ص: ۴ تا ۶، مورخہ ۲۹ ربیع الآخر ۲۷ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء) میں نمبر (۱۶) کے ہیڈنگ سے بہ سرخی "کتاب بخاری میں غلطیوں کی کثرت" شائع ہوا ہے۔

---

[1] دیکھیں: طحطاوي (۱/۳۵)

صحیح بخاری میں کوئی بھی غلطی نہیں ہے۔

قوله: جس وقت کتاب مذکور کی غلطیوں کی کثرت کی طرف نظر کی جاتی ہے، تو البتہ اس وقت تعجب اور سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ تاریخی غلطی، نحوی غلطی، احادیث کے سلسلہ رواۃ میں غلطی، وغیرہ وغیرہ۔ (ص: ٤٦)

أقول: یہ غلطیاں آپ کو بباعث قلت علم یا عدم علم معلوم ہوتی ہیں۔ کاش آپ صحیح بخاری لائق استاد سے پڑھے ہوتے تو آپ کے یہ سب شبہات دور ہوجاتے، تاریخی غلطی جس کو آپ نے تصور کیا تھا، اس کا جواب پیشتر کس بسط سے دیا گیا، جس سے امام بخاری ﷫ کی فن تاریخ میں کمال مہارت ثابت ہوئی۔ نحوی غلطی جو بظاہر آپ کو معلوم ہوتی ہے، یہ نحو نہ جاننے کی وجہ سے ہے، ابن مالک نحوی نے ان تمام باتوں کو جو بظاہر نحو کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، عین قاعدہ نحو کے مطابق ہونا مع شواہد وتمثیلات سے اپنے خاص رسالہ میں ثابت کیا ہے، جس کا نام ہے: " شواهد التوضيح والتصحيح لمشكلات الجامع الصحيح "۔ سلسلہ روات کی غلطی آپ کو علم اسانید وطرق نہ جاننے کی بنا پر معلوم ہوئی، حالانکہ دراصل وہ غلطی نہیں ہے، جیسا کہ ابھی آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا۔ إن شاء اللہ

قوله: اور حدیثوں کے ترجمۃ الأبواب قائم کرنے میں تو جس قدر غلطی ہوئی ہے، اس کی تو کچھ انتہا ہی نہیں (الی قولہ) اس زمانہ کا بھی کوئی ادنیٰ طالب العلم ایسا باب نہ باندھتا کہ جیسا امام بخاری نے باندھا ہے۔ (ص: ایضاً)

أقول: اللہ اکبر! امام بخاری ﷫ کی شان میں یہ گستاخی؟ اور پھر کہتے ہو کہ ہم توہین نہیں کرتے؟ آہ! ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [الکہف: ٥] امام بخاری ﷫ اور ادنیٰ طالب العلم کا کیا تقابل؟ بڑے بڑے محدثین کرام جو گزرے ہیں حتی کہ شیوخ بخاری ﷫ وہ بھی اس قدر امام بخاری ﷫ کے مداح اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کے آرزومند ہوتے کہ اللہ اکبر! ذرا کتب شروح حدیث وحالات محدثین کا مطالعہ کرو، صحیح بخاری میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس کو اپنے باب سے تطابق نہ ہو، مطابقت دینے اور سمجھنے کے لیے چشم بینا اور دل دانا چاہیے۔ یہی تو امام بخاری ﷫ کا کمال ہے، جس پر تمام دنیا حیران ہے، جیسا کہ اس سے پیشتر مطابقت حدیث کا کچھ نمونہ پیش کیا گیا ہے اور کچھ آگے بھی آپ کے اعتراض کے جواب میں مفصل مذکور ہوگا۔ إن شاء اللہ

قوله: کتاب بخاری کی اندھی تقلید کرنے والے اس کو کتاب آسمانی سے اور امام بخاری کو معصوم جاننے والے یعنی بخاری پرست اس کو پڑھیں۔ (ص: أیضاً)

أقول: نہ تو بخاری کی کوئی تقلید کرتا ہے، نہ اس کو کوئی آسمانی کتاب سمجھتا ہے، بلکہ احادیثِ رسول اللہ ﷺ بسند صحیح جامع بخاری میں مروی ہیں، ان پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کو کوئی معصوم نہیں سمجھتا، جیسا کہ کتاب ہذا کے دیباچہ میں مذکور ہوا، اور یہ ضروری نہیں کہ جو شخص غیر معصوم ہو، وہ ہمیشہ ہر بات میں غلطی ہی کیا کرے، لیکن ہمیں پیر پرست، امام پرست، قبر پرست، سر پرست، ہوا پرست، فقہ پرست، صنم پرست وغیرہ پرستوں سے حیرت ہے کہ انہوں نے اپنے ہی اوپر دوسروں کو بھی قیاس کر لیا اور تعصب نے ان پر پورا قدم جمایا، جس کی وجہ سے وہ تحقیق سے کوسوں دور چلے گئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون!

قوله: غلطی اول: حدیث: وقال اللیث: ثني یونس عن ابن شهاب قال عروة: قالت عائشة: إن بریرة دخلت علیها تستعینها في کتابتها، وعلیها خمسة أواق، نجمت علیها في خمس سنین ...الخ (بخاری، مطبوعه أحمدی، کتاب المکاتب: ۳۴۷)

''علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری (۶/ ۲۴۷) میں اس پر دو اعتراض کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

''وفیه مقال من وجهین: أحدهما... (تاآخر)

عینی کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری سے اس حدیث میں دو غلطیاں ہوئی ہیں:

تو یہ کہ امام بخاری نے اس مقام پر یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کو لیث نے بواسطہ یونس کے ابن شہاب سے روایت کیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کو خود لیث نے بغیر واسطہ یونس کے ابن شہاب سے روایت کیا ہے، چنانچہ مسلم نے بھی اس کو ایسے ہی روایت کیا ہے کہ روایت کی لیث نے ابن شہاب سے اور طحاوی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ روایت کیا یونس اور لیث نے ابن شہاب سے اور نسائی نے بھی مثل طحاوی کے روایت کیا ہے، اور خود بخاری نے بھی آئندہ باب میں اس حدیث کو ایسے ہی روایت کیا ہے کہ روایت کی لیث نے ابن شہاب سے۔ پس ان سب روایات سے یہ امر محقق ہوا کہ یونس لیث کے رفیق ہیں نہ کہ شیخ، یعنی بخاری کا یہ کہنا کہ لیث نے یونس سے اور یونس نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے، یہ غلط ہے، بلکہ لیث اور یونس دونوں نے مل کر ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔

۔غلطی یہ ہے کہ بخاری نے اس حدیث میں یہ لکھا ہے: ''وعلیها خمسة أواق، نجمت علیها في خمس سنین ''اور یہ غلط ہے، اور مشہور ہشام کی روایت میں یہ ہے کہ: '' إنها کاتبت علیٰ تسع أواق، کل عام أوقیة ''اور خود بخاری نے بھی دو باب کے بعد جو حدیث روایت کی ہے، اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ: '' إنها کاتبت علی تسع أواق، کل عام أوقیة ''یعنی امام بخاری کا پانچ اوقیہ لکھنا غلط ہے اور صحیح نو اوقیہ ہے۔

(ص: ۴۶ تا ۴۸)

أقول: اس ساری عبارت کا ملخص یہ ہوا کہ حدیث مذکور میں دو غلطیاں ہیں:

۱۔ سند میں۔ ۲۔ متن میں۔

سند کی غلطی دو شقوں میں منقسم ہے:

۱۔ امام بخاری نے یہاں لکھا ہے کہ حدیث مذکور کو لیث نے بواسطہ یونس کے ابن شہاب سے روایت کیا ہے، حالانکہ لیث کی روایت ابن شہاب سے بغیر واسطہ کے ہے۔

۲۔ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس رفیق ہیں لیث کے نہ کہ شیخ، لیکن سندِ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ لیث کے یونس شیخ ہیں اور یہ غلط ہے۔

دوسری غلطی متن کی یہ ہے کہ بریرہ پر نو اوقیہ تھا، امام بخاری نے پانچ اوقیہ لکھ دیا۔

اب اسی ترتیب سے ان سب کا جواب سنئے:

۱۔ امر اول یعنی یہ کہنا کہ لیث کی روایت یونس کے واسطہ سے ابن شہاب سے لانے میں امام بخاری سے غلطی ہوئی ہے، صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کو امام بخاری کی غلطی اس وقت کہہ سکتے تھے جب امام بخاری کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ لیث کی روایت ابن شہاب سے بالواسطہ ہے یا بغیر واسطہ کے؟ حالانکہ آگے خود امام بخاری نے اس کو بلا واسطہ لیث عن ابن شہاب سے روایت کیا ہے،[1] جیسا کہ آپ نے بھی اوپر لکھا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ امام بخاری کو اس امر کا علم تھا، رہا یہ امر کہ ایک جگہ بلا واسطہ نقل کیا، جو کہ صحیح اور دیگر روایات کے موافق ہے، اور ایک جگہ بواسطہ یونس کیوں نقل کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ حدیث مذکور کی سند میں لیث عن ابن شہاب بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں طریق سے آیا ہے۔ اس کا ثبوت قسطلانی کی اس عبارت سے ہوتا ہے، جس کو وہ صحیح بخاری کی اس دوسری حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، جس میں امام بخاری نے بلا واسطہ یونس لیث کی روایت ابن شہاب سے نقل کی ہے، چنانچہ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

”حدثنا الليث بن سعد، زاد في نسخة: عن عقيل بن خالد عن ابن شهاب...“ الخ ملخصاً

(إرشاد الساري: ٤/ ٣١٧)

یعنی بخاری کے ایک نسخہ میں اس دوسری روایت میں لیث اور زہری کے درمیان میں عقیل کا واسطہ ہے، لیث روایت کرتے ہیں عقیل سے اور وہ روایت کرتے ہیں ابن شہاب زہری سے، اور عقیل بھی مثل لیث کے زہری کے

---

[1] صحيح البخاري: كتاب العتق، باب إثم من قذف مملوكه، وباب المكاتب ونجومه في كل سنة نجم، رقم الحديث (٢٤٢١) وباب ما يجوز من شروط المكاتب ومن اشترط شرطا ليس في كتاب الله، رقم الحديث (٢٤٢٢)

شاگرد ہیں لیکن لیث کے شیخ بھی ہیں، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ [1] پس ثابت ہوا کہ حدیث مذکور میں لیث عن ابن شہاب کے درمیان میں واسطہ بھی ہے اور نہیں بھی ہے، پس محدث کو اختیار ہے جس طریق سے چاہے روایت کرے، بواسطہ یا بے واسطہ، اس سے تو امام بخاری کا رجال و رواۃ پر کمال اطلاع معلوم ہوتا ہے نہ کہ ان سے غلطی ہوئی۔ أستغفر اللہ!

۲۔ یہ کہنا کہ یونس رفیق ہیں لیث کے نہ کہ شیخ، یہ بالکل غلط ہے، یہ خدشہ دراصل احوال رجال پر عدم اطلاع کے باعث پیدا ہوا ہے۔ اجی حضرت سنئے! یونس رفیق تو لیث کے اس معنی میں بے شک ہیں کہ دونوں ایک استاد یعنی زہری کے شاگرد ہیں، لیکن لیث یونس کے بھی شاگرد ہیں اور یونس لیث کے بلا شبہہ شیخ ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں لیث بن سعد کے حال میں لکھتے ہیں:

"رویٰ عن فلان وفلان و عقیل ویونس بن یزید..." الخ [2] (ص: ٤٦٠)

"یعنی لیث نے عقیل سے اور یونس بن یزید سے بھی روایت کیا ہے۔"

اور جلد یازدہم میں یونس کے حال میں لکھتے ہیں:

"رویٰ عن أخیه أبي علي والزهري ونافع... الخ، وعنه جریر و عمرو بن الحارث واللیث والأوزاعي... الخ [3] (ص: ٤٥٠)

"یعنی یونس نے اپنے بھائی ابوعلی اور زہری اور نافع وغیرہ سے روایت کیا ہے، اور یونس سے جریر اور عمرو اور لیث اور اوزاعی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔"

دونوں عبارتوں سے ثابت ہوا کہ یونس لیث کے شیخ ہیں اور لیث نے یونس سے روایت کی ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض کہ یونس لیث کے شیخ نہیں بالکل غلط ہوگیا۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ یونس لیث کے شیخ ہیں، تو امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ لیث نے یونس سے روایت کیا اور یونس نے ابن شہاب سے، بالکل صحیح ہوا، اور سارا اعتراض هباء منثوراً ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ حدیث مذکور بواسطۂ یونس اور بلا واسطہ دونوں طور سے صحیح ہے۔ فالحمدللہ!

دوسرا اعتراض جو متن حدیث پر ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بریرہ پر پانچ اوقیہ تھا اور دوسری روایت میں ہے، جو صحیح ہے، کہ اس پر نو اوقیہ تھا، لہٰذا پانچ اوقیہ کہنا بالکل غلط ہے۔ اس کا جواب تو خود علامہ عینی حنفی ہی نے آگے اعتراض نقل کرنے کے بعد دے دیا تھا، افسوس کہ آپ نے مثل سابق صرف اعتراض نقل کر دیا اور جواب پر پردہ پوشی کی۔ افسوس!!

---

[1] تہذیب التہذیب (٤١٢/٨)

[2] مصدر سابق

[3] تہذیب التہذیب (٣٩٥/١١)

علامہ عینی ﷬ آگے فرماتے ہیں:

”قلت: أجيب عنه بأن التسع أصل، والخمس كانت بقيت عليها، وبهذا جزم القرطبي والمحب الطبري، فإن قلت: في رواية قتيبة: ولم تكن أدت من كتابتها شيئاً، قلت أجيب بأنّها كانت حصلت أربع أواق قبل أن تستعين بعائشة، ثم جاءتها، وقد بقي عليها خمس.“[1] انتهى (عمدة القاري، مصرى: ٦/ ٢٤٧)

”جواب اس کا یہ ہے کہ نو اوقیہ تو اصل تھا (جس مقدار پر کتابت ہوئی تھی) لیکن پانچ اوقیہ بریرہ پر باقی تھا، (اور لفظ حدیث ”علیہا“ بھی اسی کو مقتضی ہے) اور یہی قرطبی اور محبّ طبری نے بالجزم کہا ہے، رہا یہ اعتراض کہ قتیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ بریرہ نے اپنی کتابت سے کچھ بھی اس وقت تک ادا نہیں کیا تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے چار اوقیہ حضرت عائشہ ◻ سے مدد چاہنے کے قبل حاصل کر لیا تھا (دیا نہ تھا) پھر حضرت عائشہ ◻ کے پاس اس حالت میں آئی کہ پانچ اوقیہ (کا حاصل کرنا) باقی تھا۔“

اور یہی جواب حافظ ابن حجر ﷬ نے فتح الباری میں دیا ہے۔ دیکھو: (۱۰/۵۲۳)[2]

سبحان اللہ! کیا نفیس جواب ہے!! دیکھا حضرت! یہ ہے امام بخاری ﷬ کا کمال، جس کو آپ غلطی سمجھے ہوئے تھے، کیا اب بھی اپنی غلط فہمی پر آنسو نہ بہائیں گے اور اپنے اعتراض کو واپس نہ لیں گے؟ اجی حضرت!

حاجت ہے بصیرت کی پئے معرفت حق
کب ہونے لگے کور شناسائے بخاری

قوله: غلطی دوم، حدیث:” حدثنا محمد بن كثير حدثنا إسرائيل أنا عثمان بن المغيرة عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ: رأيت عيسىٰ وموسىٰ و إبراهيم... الخ (بخاری، مطبوعه أحمدی : ٩٨٤)

”ائمہ حدیث کا یہ اعتراض ہے کہ بخاری نے جو اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ” عن مجاهد عن ابن عمر “یہ غلط ہے، بلکہ صحیح ” عن مجاهد عن ابن عباس “ ہے۔ یعنی مجاہد نے اس حدیث کو ابن عباس سے روایت کیا ہے، بخاری کا یہ کہنا کہ مجاہد نے ابن عمر سے روایت کیا ہے، غلط ہے۔ چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری (۷/ ۴۴۶) میں لکھتے ہیں:

”وقال أبو مسعود الحافظ: أخطأ البخاري في قوله: عن مجاهد عن ابن عمر ...الخ “

بے شک علامہ عینی کا یہ کہنا بہت صحیح اور درست ہے۔ (ص: ٥٠)

---

[1] عمدة القاري (١٢٠/١٣)

[2] فتح الباري (١٨٧/٥)

أقول: اس کے دو جواب ہیں، جن میں پہلا جواب بر تقدیر تسلیم غلطی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

أولاً: ہم نے مانا کہ یہ غلطی بخاری کے نسخ (کتابت) میں ہوگئی، لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا ہے کہ امام بخاری ﷫ سے غلطی ہوئی، بلکہ ان ناسخین (کاتب لوگوں) سے ہوئی ہے، جنھوں نے اس کو نقل کیا اور نقل و کتابت میں غلطی کم وبیش اور تغیر و تبدل کی ہو ہی جاتی ہے، چنانچہ یہ غلطی حقیقت میں فربری ناسخ (کاتب) بخاری سے بوقت نقل ہوگئی ہے، کیونکہ فربری سے جتنے نسخے منقول ہیں، سب میں یہی "عن مجاهد عن ابن عمر" آیا ہے، چنانچہ علامہ عینی نے خود اس کو تیمی سے نقل کیا ہے، تیمی کہتے ہیں کہ ابوذر نے کہا:

"هكذا وقع في جميع الروايات المسموعة عن الفربري: عن مجاهد عن ابن عمر ... الخ" (٧/ ٤٤٦)

"یعنی فربری سے جتنی روایتیں سنی گئی ہیں، سب میں یوں ہی واقع ہے: عن مجاهد عن ابن عمر۔"

اس کے آگے کا قول ابن مندہ والا عن البعض ملاحظہ ہو، وہ یہ کہ:

" أن الوهم فيه من غير البخاري، فإن الإسماعيلي أخرجه من طريق نصر بن علي عن أبي أحمد، وقال فيه: عن ابن عباس، ولم ينبه على أن البخاري قال فيه: عن ابن عمر، فلو كان وقع له كذلك لنبه عليه كعادته ." [1] (عینی: ٧/ ٤٤٦)

"اس سند میں وہم بخاری کے علاوہ کسی دوسرے سے ہوا ہے، اس لئے کہ اسماعیلی (ناسخ بخاری) نے اس حدیث کو نصر بن علی عن ابی احمد کی سند سے روایت کیا ہے، اس میں عن ابن عباس ہے اور اسماعیلی نے تنبیہ نہیں کی کہ بخاری ﷫ اس کی سند میں (غلطی سے) عن ابن عمر کہہ گئے ہیں، پس اگر امام بخاری ﷫ کے صحیح نسخے میں ایسا (عن ابن عمر) ہوتا، تو اسماعیلی اپنی عادت کے مطابق ضرور آگاہ کر دیتا۔"

پس ثابت ہوا کہ فربری سے زلت قلم بوقت نسخ (نقل) بخاری ہوگئی ہے، امام بخاری ﷫ کا کچھ قصور نہیں ہے۔ رہا علامہ عینی کا یہاں پر یہ کہنا کہ "ممکن ہے کہ امام بخاری ﷫ ہی سے غلطی ہوگئی ہو، کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔" جس کو آپ نے بہت صحیح اور درست لکھا ہے، بالکل غلط اور صریحاً نادرست ہے، اس لئے کہ امام بخاری ﷫ نے روایت مذکورہ کے ہم معنی روایت، جس میں حضرت ابراہیم ◆ وموسیٰ ◆ ومسیح ◆ کا واقعہ ہے، صحیح بخاری میں دوسری جگہ بھی روایت کیا ہے وہاں مجاہد کی روایت ابن عباس ہی سے ہے۔ (دیکھئے: بخاری، مطبوعہ أحمدی ص: ۲۱۰، باب التلبية إذا انحدر في الوادي اور (ص: ۴۷۳) "باب قول الله : ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾ اور پارہ ۲۴ " كتاب اللباس، باب التلبيد " سے پیشتر وغیرہ) [2]

---

[1] عمدة القاري (١٦/ ٣٣) نیز دیکھیں: فتح الباري (٦/ ٤٨٥)

[2] صحيح البخاري، برقم (١٤٨٠، ٣١٧٧، ٥٥٦٩)

پس امام بخاری کی اگر غلطی ہوتی تو ہر جگہ ہوتی نہ اسی جگہ، کیونکہ ایسی غلطی کا مقتضیٰ عدم علم ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کو اس کا بخوبی علم ہے، پس ماننا ہوگا کہ ان کی غلطی نہیں ہے بلکہ یہ ان کے بعد آنے والے ناسخین کی غلطی ہے۔

ثانیاً: میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ناسخین یا فربری وغیرہ کسی کی بھی غلطی نہیں ہے، بلکہ حدیث مذکور میں " عن مجاهد عن ابن عمر " ہی صحیح ہے۔ اس میں امام بخاری کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ مجاہد کو ابن عمر سے بھی سماع حاصل ہے اور موسیٰ و ابراہیم و مسیح کے واقعہ کی حدیث ابن عمر سے بھی مروی ہے، دیکھئے صحیح بخاری کے اسی صفحہ (۴۸۹) پر حدیث مذکور کے بعد والی حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے۔ [1] جیسے کہ وہی ابن عباس سے مروی ہے، اور مجاہد نے جیسے ابن عباس سے سنا ہے، ویسے ہی ابن عمر سے بھی، علامہ عینی و دیگر معترضین کے اعتراض کی بناء صرف اس امر پر ہے کہ مجاہد کو ابن عمر سے سماع نہیں ہے، چنانچہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجاہد کو چار صحابیوں سے سماع نہیں ہے:

۱۔ رافع بن خدیج سے۔

۲۔ ابوسعید خدری سے۔

۳۔ ابوہریرہ سے۔

۴۔ عبداللہ بن عمر سے۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ مجاہد کو ان چاروں میں دو صحابی سے یقینی سماع حاصل ہے، ابوہریرہ سے اور ابن عمر سے، چنانچہ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد عاشر میں مجاہد کے شیوخ میں ابوہریرہ و ابن عمر کو بھی شمار کر کے لکھتے ہیں:

"قال البرد يجي: روى مجاهد عن أبي هريرة وعبد الله بن عمر." [2] انتهى (ص: ٤٤)

"یعنی مجاہد نے ابوہریرہ ♦ و ابن عمر ♦ سے روایت کیا ہے۔"

پس امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی یہی بتلانا مقصود ہے کہ مجاہد کو ابن عمر سے سماع حاصل ہے۔ اور ایک طریق (سند) میں واقعہ حضرت ابراہیم و موسیٰ وغیرہ کا " عن مجاهد عن ابن عمر " آیا ہے اور وہ بھی صحیح اور درست ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ وہ واقعہ ابن عمر سے بھی دیگر طرق میں مروی ہے اور ابن عمر سے مجاہد کی روایت بھی درست ہے، لہٰذا وہ روایت مذکورہ بجائے خود صحیح اور درست ہے اور اس پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں، بجائے خود باطل اور مردود ہیں، اور غلطی گرفت کرنے والوں کی خود اپنی ہی غلطی ہے۔ فتفكر و كن من الخائضين! والحمد لله الذي ألهمني هذا الجواب بتوفيقه علي ومنّه وكرمه.

---

[1] صحيح البخاري، برقم (٣٢٥٧)

[2] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٠)

قوله: غلطی سوم، حدیث: " عن مسروق عن عائشة رضي الله عنها: أن بعض أزواج النبيﷺ قلن للنبيﷺ: أينا أسرع بك لحوقا؟ قال: أطولكن يداً، فأخذوا قصبة يذرعونها، فكانت سودة أطولهن يداً، فعلمنا بعد إنما كانت طول يدها الصدقة، وكانت أسرعنا لحوقاً به، وكانت تحب الصدقة." (بخاری، مطبوعه أحمدی: ۱۹۱، کتاب الزکاۃ)

"یعنی حضرت عائشہ □ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ♏ سے آپ کی بعض بی بی نے یہ پوچھا کہ آپ کے بعد ہم لوگوں میں سے پہلے کس کا انتقال ہوگا؟ رسول اللہ ♏ نے فرمایا کہ جس کا ہاتھ زیادہ لمبا ہے، پس ان سبھوں نے ایک نرکٹ لے کر کے اپنا اپنا ہاتھ جو ناپا، تو حضرت سودہ □ کا ہاتھ سب سے لمبا ٹھہرا اور انہیں کا انتقال بعد انتقال رسول اللہ ♏ کی سب بیبیوں سے پہلے ہوا اور حضرت سودہ □ صدقہ دینا بہت پسند فرماتی تھیں، اور بعد اس کے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مطلب زیادہ صدقہ دینے کا تھا۔"

اس حدیث میں امام بخاری سے ایک سخت تاریخی غلطی واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ارباب سیر اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ♏ کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت زینب □ کا انتقال ہوا، نہ معلوم کہ امام بخاری نے یہ کہاں سے لکھ دیا کہ آنحضرت ♏ کے بعد سب سے پہلے حضرت سودہ □ کا انتقال ہوا، محدثین نے اس غلطی کی گرفت کی ہے اور اس پر سخت اعتراض کیا ہے، چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری (۴/ ۳۱۲) میں یہ لکھتے ہیں: "وقال ابن سعد ... الخ" إلى قوله:

پس دیکھئے کہ امام بخاری سے اس حدیث میں کیسی فاش غلطی ہوئی ہے کہ انتقال تو پہلے حضرت زینب کا ہوا اور لکھ دیا کہ پہلے انتقال حضرت سودہ کا ہوا ہے؟! (ص: ۵۰، ۵۱، ۵۲)

أقول: عینی کے اس اعتراض کی بناء چونکہ علمی تحقیق پر نہیں ہے، بلکہ مذہبی مخالفت پر ہے، اس لئے ان کو بڑی سخت غلط فہمی ہوئی ہے، بلکہ تعصب نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ حدیث مذکور میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ سودہ □ بہت صدقہ دینا پسند کرتی تھیں اور نہ یہ بالتصریح مرقوم ہے کہ سب سے پہلے سودہ □ نے انتقال کیا، بلکہ حقیقت میں "كانت أسرعنا لحوقا به، وكانت تحب الصدقة"[1] میں مؤنث غائب کی ضمیریں حضرت زینب □ ہی کی طرف راجع ہیں، جن کا نام بوجہ شہرت کے حذف کر دیا گیا ہے، یعنی ان کی وفات کا ذکر جملہ "فعلمنا بعد" کے قبل محذوف ہے، قرینہ اس پر یہ ہے کہ "بعد" ظروف زمانیہ سے ہے اور مبنی علی الضم ہے، اس حالت میں اس کا مضاف الیہ

[1] صحیح البخاري: کتاب الزکاة، باب أي الصدقة أفضل وصدقة الشحيح الصحيح، رقم الحديث (١٣٥٤)

منوی غیر مذکور ہوتا ہے، دیکھئے کتب نحو وغیرہ اور اس کو عینی نے خود تسلیم کیا ہے۔ ❶ (دیکھو: ٤/ ٣١٢)

پس "بعد"،معنی میں " بعده " کے ہوا، اور " ہ "کی ضمیر اسی محذوف کی طرف راجع ہوگی، جس کو عینی نے یوں لکھا ہے، یعنی " بعد موت أول نسائه " (ص: أيضاً) اور اول نساء سے مراد بالاتفاق حضرت زینب ہیں، جیسا کہ دیگر تمام روایات میں ہے اور تمام شراح نے ایسا ہی لکھا ہے، حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں:

"فينظر السامع ويبحث فلا يجد إلا زينب، فيتعين الحمل عليه، وهو من باب إضمار ما لا يصلح غيره كقوله تعالىٰ: حتى توارت بالحجاب". ❷ (فتح الباري: ٦/ ٢١)

''جب سننے والا اس کو (بنظر غور) دیکھے گا اور بحث (تلاش) کرے گا تو (اس کا مصداق) سوائے زینب کے اور کسی کو نہ پائے گا، پس اسی پر حمل کرنا متعین ہوا (کہ مراد زینب ◻ ہیں) اور یہ جملہ اس باب سے ہے جس میں ضمیریں ایسی لائی جاتی ہیں کہ غیر کی صلاحیت نہیں رکھتیں، جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾[ص:٣٢] ''یعنی یہاں تک کہ اوٹ میں چھپ گیا۔''

یہاں ﴿تَوَارَتْ﴾ کی ضمیر مؤنث غائب کا مرجع مذکور نہیں ہے، لیکن بوجہ شہرت کے شمس کی طرف راجع ہے۔ (ایسی بہت سی مثالیں آگے ذکر کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ)

اور ابن بطال نے کہا ہے:

"هذا الحديث سقط منه ذكر زينب لاتفاق أهل السير على أن زينب أول من مات من أزواج النبي ﷺ . " (فتح الباری، حوالہ مذکور)

''اس حدیث میں زینب ◻ کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ کل ارباب سیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کی بیبیوں میں سب سے پیشتر حضرت زینب ◻ مری ہیں۔'' (پھر تصریح نام کی حاجت کیا؟)

سبحان اللہ! بہت ٹھیک کہا، اور زین بن منیر نے فرمایا ہے کہ:

"وقد انحصر الثاني في زينب للاتفاق على أنها أولهن موتاً، فتعين أن تكون هي المرادة، وكذلك بقية الضمائر بعد قوله: فكانت، واستغنىٰ عن تسميتها لشهرتها بذلك." انتهى

(فتح الباری حوالہ مرقومہ)

''زینب ◻ کے پہلے انتقال کرنے پر چونکہ اتفاق ہے، لہٰذا یہ امر متعین ہے کہ (کانت کی ضمیر سے) وہی مراد ہیں اور ایسا ہی بعد کی کل (مؤنث کی) ضمیروں سے (وہی زینب مراد ہیں) اور ان کا نام بوجہ شہرت کے نہیں ذکر کیا گیا بلکہ (صرف ضمیر پر) اکتفا کیا گیا۔''

---

❶ عمدة القاري (٢٨٢/٨) نیز دیکھیں: شرح قطر الندىٰ (ص: ١٦)

❷ فتح الباري (٢٨٧/٣)

اور کرمانی شارح بخاری نے کہا ہے:

''إن في الحديث اختصاراً أو اكتفاءً بشهرة القصةِ لزينب... الخ ''

(فتح الباری، حوالہ مسطورہ بالا)

''حدیث یا تو مختصر ہے یا اس میں بوجہ مشہور ہونے قصہ زینب کے (صرف ضمیر پر) اکتفا کی گئی ہے۔''

ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث میں زینب کی وفات کا ذکر محذوف ہے اور '' كانت أسرعنا'' اور ''كانت تحب '' میں ضمیر کا مرجع وہی زینب ہے۔ اب اس کی وجہ گوش گزار فرمایئے کہ زینب کی وفات کا ذکر محذوف کیوں ہے؟ لفظ میں مذکور کیوں نہیں ہوا؟ اس لئے کہ بلاغت کی شان یہ ہے کہ حذف کی جگہ میں ذکر نہ کریں اور مقام ذکر میں حذف نہ کیا جائے، جیسا کہ کتب معانی و بیان میں مصرح ہے، اور حذف اس مقام پر کیا جاتا ہے، جہاں سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہو، جیسا کہ شیخ الاسلام کی کتاب '' الإشارة إلى الإيجاز'' میں حذف کے اقسام میں مذکور ہے اور قرآن مجید میں بکثرت اس کے نظائر ہیں۔ حدیث مذکور میں سیاق کلام اس طرح پر دلالت کرتا ہے کہ طول ید کے مجازی معنی یعنی ذکر صدقہ روایت مذکورہ میں بصراحت مسطور ہے، اور اس معنی کی تعیین حضرت عائشہ □ کے نزدیک زینب کے موت کے واقعہ کے سوا اور کسی طرح نہیں ہوئی اور اس کو وہ ''فعلمنا بعد'' سے تعبیر کرتی ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر حذف ہی مناسب ہے نہ کہ صراحت، چنانچہ شیخ الاسلام موصوف کتاب مذکور میں مواقع حذف میں لکھتے ہیں:'' الثالث: ما يدل عليه الوقوع ''یعنی حذف اور تعیین پر کبھی واقعہ بھی دلالت کرتا ہے۔ پس یہاں حذف پر زینب □ کا واقعہ موت یقیناً دال ہے اور یہ امر مشہور ہے، اور جب کوئی امر بہت مشہور ہو تو اس کی طرف ضمیر کا بغیر ذکر کے لوٹانا جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے کہ اس مقام پر چونکہ اور کچھ صحیح نہیں ہوسکتا، لہٰذا ذکر مرجع بھی ضروری نہیں ہوتا، اس کی مثالیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں، ایک مقام میں ارشاد ہے:

﴿ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَآبَّةٍ ﴾ [النحل: ٦١]

یہاں ﴿عَلَيْهَا﴾ میں ''ھا'' کا مرجع ارض ہے، جو اوپر کہیں بھی مذکور نہیں، کیونکہ ﴿دَآبَّةٍ﴾ کے معنی یہ ہیں:

''كل ما يدب على الأرض '' پس یہ لفظ ﴿دَآبَّةٍ﴾ ''ھا'' کا مرجع ''ارض'' معین کرنے کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح آیت ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾[الرحمن: ٢٦] میں بھی ''ھا'' کا مرجع مذکور نہیں ہے۔ علاوہ بریں کتب قواعد میں جب کسی چیز کی مثال دیتے ہیں، تو پیشتر یوں لکھتے ہیں، '' كقوله'' اس قول کا مقولہ اگر آیت قرآنیہ ہے تو ''قوله'' کی ضمیر خدا کی طرف راجع ہوتی ہے، اور اگر آگے کسی کا شعر مذکور ہو تو ضمیر شاعر کی طرف ہوتی ہے، حالانکہ پیشتر نہ خدا کا ذکر ہوتا ہے نہ اس شاعر کا نام ، اسی طرح امثلہ بالا کے موافق حضرت زینب □ کا واقعہ

ازواج مطہرات میں سب سے پیشتر سب کو معلوم تھا، لہٰذا بغیر ذکر کے اس کی طرف ضمیر کا لوٹانا جائز ہوا،ا ور ایسے مواقع میں حذف ہی بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی ؒ نهاية الإيجاز میں حذف کلام کی خوبی میں شیخ عبدالقادر جرجانی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فلهذا قال الشيخ: ما من اسم حذف في الحال التي ينبغي أن يحذف إلا وحذفه أحسن من ذكره ." انتهى

''یعنی کوئی اسم اس جگہ حذف کر دیا جائے، جہاں اس کا حذف لائق ہے، تو اس کا حذف اس کے ذکر سے اچھا ہوتا ہے۔''

ہمارے بیان بالا کی تائید امام بخاری کی خود اپنی اس عبارت سے ہوتی ہے، جو انہوں نے حضرت زینب ؓ کی نسبت اپنی تاریخ صغیر میں لکھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"يعني ابنة جحش، فكانت أول نساء النبيﷺ موتا بعده ."[1] (ص: ٢٦)

''یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب ؓ کی وفات ہوئی تھی۔''

پس اب کسی انصاف پسند کے لیے اس امر کو تسلیم کرنے میں شک نہیں رہا کہ صحیح بخاری کی روایت میں "كانت أسرعنا "اور" كانت تحب " میں مؤنث غائب کی ضمیریں حضرت زینب ؓ کی طرف پھرتی ہیں اور حضرت سودہ ؓ کے انتقال کی بابت خود امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں فوت ہوئیں:

حيث قال: "توفيت سودة زوج النبيﷺ في زمن عمر رضي الله عنه".[2] انتهى

(تاريخ صغير للبخاري: ٢٧)

''یعنی سودہ ؓ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں فوت ہوئی ہیں۔

اس بناء پر حدیثِ بخاری میں مؤنث کی ضمیریں ہرگز ہرگز سودہ ؓ کی طرف راجع نہیں ہوسکتیں۔

بحمد اللہ کہ یہاں تک ہم اس امر کو بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت میں سب سے پیشتر حضرت زینب ؓ ہی کے انتقال کا ذکر ہے اور صدقہ کو بھی وہی حضرت زینب ؓ ہی دوست رکھتی تھیں۔ اس کے بعد اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح صحیح بخاری میں حضرت زینب ؓ کا نام حذف کیا گیا ہے، اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں جو حضرت عائشہ ؓ ہی سے مروی ہے، حضرت سودہ ؓ کا ذکر مذکور نہیں اور اس روایت مسلم میں بھی جملہ " أطولكن يداً " میں حقیقی اور مجازی معنی کا اشتباہ واقعہ ہی کی دلالت سے رفع ہوتا ہے، نہ بصراحت الفاظ، چنانچہ

---

[1] التاريخ الصغير للبخاري (١/ ٧٤)

[2] التاريخ الصغير للبخاري (١/ ٧٤)

اس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عائشة قالت: قال رسول اللهﷺ: أسرعكن لحوقاً بي أطولكن يداً، فكانت أطولنا زينب، لأنها كانت تعمل بيدها وتصدق."❶ (مسلم، کتاب الفضائل)

''حضرت عائشہ □ ام المومنین فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جلدی میرے ساتھ ملنے والی تم میں سے زیادہ لمبے ہاتھ والی ہے۔ پس ہم میں لمبے ہاتھ والی زینب تھی، اس لئے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ کام کرتی اور صدقہ کرتی تھی۔''

اس روایت میں " فكانت أطولنا زينب "لکھا ہے، حالانکہ صحیح بخاری میں " فكانت سودة أطولهن" ہے، اور واقعہ بھی حضرت سودہ کی نسبت گواہی دیتا ہے، اگر عینی میاں صحیح مسلم کی بھی شرح لکھتے، تو شاید اس روایت میں مذکورہ اعتراض کر دیتے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ صحیح بخاری میں " فكانت سودة أطولهن" میں ظاہری ہاتھ کی لمبائی مراد ہے اور صحیح مسلم میں " فكانت أطولنا زينب " میں صدقہ یعنی مجازی معنی ملحوظ ہے، کیونکہ اس کے آگے اس کی علت مذکور ہے اور یہاں حضرت سودہ کا قصہ محذوف ہے۔ پس صحیح بخاری کی روایت میں حضرت سودہ کا ذکر مذکور ہے اور اس کے بعد حضرت زینب □ کے نام کی تصریح محذوف ہے اور ان کا ذکر آخراً مذکور ہے، اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت سودہ کا ذکر مطلقاً مذکور نہیں اور حضرت زینب کا ذکر ابتداءً یعنی " حتى توفيت زينب " کی تصریح محذوف ہے اور آخراً مذکور ہے، پس صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر دو روایتوں کو پیش نظر رکھنے سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ نکتہ رس طبائع کے لیے اکیلی صحیح بخاری ہی میں کفایت ہے اور اکیلی صحیح مسلم میں بھی لطافت کہ اس میں نتیجہ کے طور پر معنی صرف مجازی ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد کے مطابق جو مصداق تھا، اس کا صرف ذکر کیا ہے۔ اسی لئے امام نووی کو روایت مسلم کی شرح میں پورا قصہ کھول کر لکھنا پڑا اور صحیح بخاری کی روایت کی نسبت جو بعض کو وہم ہوا ہے کہ اس سے حضرت سودہ کی وفات پیشتر معلوم ہوتی ہے، اس کا ابطال اس طرح کیا کہ:

" ووقع هذا الحديث في كتاب الزكاة من البخاري بلفظ متعقد يوهم أن أسرعهن سودة، وهذا الوهم باطل بالإجماع."❷ (نووی شرح مسلم، کتاب الفضائل)

''یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الزکاۃ میں ایسے لفظ کے ساتھ آئی ہے، جس سے وہم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وفات سودہ کی ہوئی، یہ وہم بالاجماع باطل ہے۔''

یہ عبارت ہمارے معنی کی تائید کرتی ہے، کیونکہ ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت سودہ

---

❶ صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب من فضائل زينب أم المؤمنين رضي الله عنها، رقم الحديث (٢٤٥٢)

❷ شرح مسلم للنووي (٩/١٦)

کی وفات کا وہم باطل ہے اور ہم نے بشہادت امام بخاری رحمہ اللہ و بمطابقت قواعد عربیہ ثابت کر دیا کہ روایت بخاری کی عظمت وجلالتِ شان بحال رہی۔ فالحمدللہ

اب اس کے بعد نمبر (۱۶) کا جواب دیا جاتا ہے، جو اخبار ''اہل فقہ'' (جلد ۳، شمارہ نمبر ۲۱ و ۲۲، ص: ۱۰، مورخہ ۱۸، ۲۶ رجب ۲۷ھ مطابق ۵، ۱۳، اگست ۰۹ء) میں نمبر (۱۷) کے ہیڈنگ سے شائع ہوا ہے جس کی سرخی یہ ہے:

ایجاب و وجوب:

قوله: کتاب بخاری میں ایک جگہ غلط طور پر بجائے لفظ وجوب کے ایجاب لایا گیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کتاب بخاری کے ایک مقام (ص:۱۰۱) میں فرماتے ہیں: " باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلوة " حالانکہ " باب وجوب التكبير " کہنا چاہیے تھا، کس واسطے کہ تکبیر میں خود صفت وجوب پائی جاتی ہے، نہ یہ کہ نماز پڑھنے والا تکبیر کو خود اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے، علامہ عینی شارح بخاری نے بھی اس غلطی کی گرفت کی ہے اور اس جملہ کے شرح میں یوں لکھتے ہیں: "ثم اعلم أنه (إلى قوله) وإطلاق الإيجاب على الوجوب تسامح " (عینی، مطبوعه مصر: ۳/ ۲)

أقول: عینی سے اس قول میں خود ہی تسامح ہوا ہے، امام بخاری کا یہاں ایجاب کہنا ہی صحیح ہے اور ایجاب کے یہاں یہ معنی نہیں ہیں کہ نمازی تکبیر کو اپنے اوپر واجب کرے، بلکہ ایجاب سے مراد شارع ﷺ کا نمازیوں پر تکبیر واجب کرنا ہے۔[1] اس کو ذرا تفصیل سے سنئے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ ایجاب میں بڑا راز رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ نماز کا شروع کرنا بلفظ اللہ اکبر ہی منصوص عن الشارع ہے، اس کے بجائے اور کلمات جیسے اللہ اعظم وغیرہ کہنا جائز نہیں، جیسا کہ بعض الناس کا مذہب ہے اور اس کا استدلال حدیث " فإذا كبر فكبروا "[2] سے کیا ہے، جو اس معنی کو صاف ظاہر کر رہا ہے، کیونکہ " إذا " کا استدلال ایسی چیز کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، جس کا وقوع متیقن ہوتا ہے اور مطلق امر سے وجوب مستفاد ہوتا ہے، لہٰذا مقتدی اور امام دونوں پر لفظ اللہ اکبر کہنا واجب ہوگا اور اس سے عدول ناجائز۔ مقتدی کا وجوب تو لفظ امر سے صراحتاً مستفاد ہے، لیکن امام کا لفظ "إذا" سے کنایتاً، مگر ادائے مقصود میں دونوں یکساں ہیں۔

---

[1] دیکھیں: فتح الباري (۲/ ۲۱۷)

[2] صحيح البخاري: كتاب صفة الصلاة، باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة، رقم الحديث (۷۰۰)

اس قدر بیان سے ظاہر ہوگیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا باب میں لفظ ایجاب لانے سے مقصود عمومی الفاظِ تعظیم کو تکبیر تحریمہ میں ذکر کرنے کی تردید کرنا ہے، جو تصریحاتِ شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ پس وجوب کے بجائے لفظ ایجاب کا لانا صاف بتلاتا ہے کہ اللہ اکبر کا وجوب منصوص عن الشارع ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی پر لفظ اللہ اکبر واجب کر دیا ہے کہ وہ بوقت تحریمہ اللہ اکبر ہی کہے، اس کی بجائے اور کوئی لفظ نہ کہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس غرض و مراد پر قرینہ جملہ " وافتتاح الصلوة "ہے، یہاں پر واؤ معنی میں ''مع'' کے ہے، جن لوگوں نے اس کو عاطفہ کہا ہے، انہوں نے تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ ظاہر کے خلاف کیا، اس لئے کہ عطف یا تو مضاف (لفظ ایجاب) پر ہوگا یا مضاف اِلیہ (التکبیر) پر، ایجاب پر عطف کرنے سے افتتاح کے معنی دعا لینا ہوگا، ورنہ مطلب صحیح نہیں ہوگا اور یہ خلافِ ظاہر ہے اور التکبیر پر عطف کرنے سے دعا کا پڑھنا واجب ہوجائے گا اور یہ بھی صحیح نہیں، پس واؤ کو ''مع'' کے معنی میں لینا صحیح ہوا، اور اس حال میں " افتتاح الصلوة" معنی میں "الشروع في الصلوة" کے ہوگا اور یہ درست اور ظاہر کے موافق ہے۔ ❶

پس اگر امام بخاری رحمہ اللہ ایجاب کے بجائے وجوب کہتے تو مطلب صحیح نہیں ہوتا، بلکہ اصل مطلب ہی ضبط ہوجاتا، اس لیے کہ وجوب اس صفت کا نام ہے، جو مکلّف کے ساتھ قائم ہو اور حاصل بالمصدر ہے اور حاصل بالمصدر کا عامل ہونا صحیح نہیں، لہٰذا " التکبیر و افتتاح الصلوة " وجوب کا معمول ہرگز نہیں ہوسکتا، ہاں لفظ ایجاب مصدر مضاف مفعول بہ (لفظ التکبیر) کی طرف ہے اور "وافتتاح الصلوة" میں واؤ بمعنی مع ہوکر ایجاب کا مفعول معہ مصاحب لفظ التکبیر مفعول بہ کے ہے اور ایجاب کا فاعل شارع (صلی اللہ علیہ وسلم) مقدر ہے۔ لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا ایجاب کہنا بہت صحیح ہے اور یہ خوبی لفظ وجوب سے پیدا نہ ہوتی۔ فالحمد لله على ما ألهمني بذلك حمدا كثيرا۔

اور اگر ہم اس کو خطاب شارع نہ مانیں، بلکہ مکلّف کے فعل کی صفت کا لحاظ کریں، تو اس بناء پر ہمارا یہ جواب ہوگا کہ باب میں ایجاب بمعنی وجوب کے مجازاً ہے، جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے ❷ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کتب صرف میں بتلایا گیا ہے کہ باب اِفعال کی خاصیت جیسے متعدی ہونا ہے، ایسے ہی لازم ہونا بھی ہے۔ پس یہاں افعال متعدی نہیں ہے، اس لئے ایجاب معنی میں وجوب کے ہے اور یہ قاعدہ صرفیہ کے عین مطابق ہے۔ ❸

لگے ہاتھ ایک الزامی جواب بھی سن لیجئے! حنفیہ کے اصول فقہ میں جہاں حکم کی تعریف کی گئی ہے، وہاں اس پر شافعیوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں حکم اس کو کہتے ہیں جو خطاب شارع سے ثابت ہو،

---

❶ دیکھیں: فتح الباري (٢/٢١٧)

❷ دیکھیں: فتح الباري (٢١٦)

❸ فصول اکبری (ص: ٣٧)

جیسے وجوب اور حرمت، جو فعل مکلّف کی صفات سے ہے، حالانکہ حکم نام ہے نفس خطاب کا، جو صفت شارع ہے۔ (توضیح)

تو اس کے کئی جواب صاحب تلویح نے دیے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ وجوب اور ایجاب اور حرمت اور تحریم میں باعتبار ذات کے کچھ بھی فرق نہیں ہے، صرف ایک اعتباری فرق ہے، حاکم کی طرف نسبت کیجیے تو ایجاب ہو جاتا ہے، فعل کی طرف نسبت کی جائے تو وجوب ہوتا ہے، (تلویح، مصری: ۱۵) [1]

کیوں حضرت! جب فقہائے حنفیہ وجوب اور ایجاب کو متحد بالذات تسلیم کرتے ہیں، تو آپ کو ماننے میں اب کیا عذر ہے؟

صحیح بخاری میں بھی ایجاب کو وجوب کے معنی میں لے لیجیے، کیونکہ دونوں باعتبار ذات کے ایک ہی ہیں، ورنہ سب سے پیشتر اپنے حنفیوں کے اصول فقہ پر اعتراض کیجیے، پھر ادھر کا رخ کیجیے، پہلے اپنے گھر کی سیر کر آیئے، پھر باہر نظر دوڑایئے گا۔

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اب اس کے بعد نمبر (۱۷) کا جواب سنئے جو اخبار ''اہل فقہ'' (جلد ۳، شمارہ نمبر ۱، ص: ۸، مورخہ ۹ رجب ۲۶ھ مطابق ۷ اگست ۱۹۰۸ء) میں نمبر (۱۴) کی سرخی سے شائع ہوا تھا، جس کا عنوان یہ شعر تھا۔

سزوار چو ابر بہمن کہ دریں چمن بگریم
طرب آشیان بلبل بنگر کہ زاغ دارد

آپ فرماتے ہیں:

نمبر ۱۷:

قوله: آج کل اس امر کی کوشش کی جا رہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی مثل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مجتہد مطلق ٹھہرائے جائیں۔ (الجرح: ۵۳)

أقول: آج کل کوشش کیا ہو سکتی ہے، تمام محدثین سلف کا اجماع ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق تھے، حتی کہ حنفیہ بھی اس کے مقر ہیں، علامہ شامی حنفی کے استاد علامہ اسماعیل عجلونی حنفی اپنی کتاب ''الفوائد الدراري'' میں لکھتے ہیں: ''كان مجتهداً مطلقاً، واختاره السخاوي... الخ'' علامہ شامی حنفی نے بھی ''عقود اللآلي'' میں امام بخاری رحمہ اللہ کو مجتہد مانا ہے، جیسا کہ ہم ''الريح العقيم'' (ص: ٤) میں لکھ چکے ہیں، [2] امام ابن تیمیہ

---

[1] شرح التلويح على التوضيح (٢/ ٣١٤)

[2] اسی طرح مولانا عبدالحئ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں: ''فقد وجد بعدهم أيضا أرباب الاجتهاد المستقل كأبي ثور البغدادي ←

وغیرہ تمام محدثین نے ایسا ہی کہا ہے۔ بخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کہ ان میں وہ شرائطِ اجتہاد جن کو خود حنفیہ نے ذکر کیا ہے، ہرگز موجود نہ تھے۔ (دیکھو میرا رسالہ: العرجون القدیم: ۳۵)

قوله: یہ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کا جو درجہ فن حدیث میں تھا، وہ درجہ کسی تابعی یا تبع تابعی کو بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ (ص: ایضاً)

أقول: یہ بھی آج کل نہیں کہا جاتا، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے معاصرین محدثین کی رائے یہی ہے اور یہ امر واقعی ہے، ذرا امام نووی کی "تهذيب الأسماء" (ص: ۹۰) کا مطالعہ کیجیے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب بصرہ میں تشریف لائے، تو محمد بن بشار نے کہا کہ آج تمام فقہاء کا سردار آیا ہے، اور عبداللہ بن محمد مسندی نے کہا کہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کو سب کا پیشوا نہ جانے، اس کا دین متہم ہے، اور ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ آسمان کی دھوڑی کے نیچے امام بخاری رحمہ اللہ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا عالم کوئی نہیں دیکھا گیا۔"[1] انتهى

اور ان کے درجہ کی بابت اسی کتاب میں اٹھارہ اشخاص کے اقوال منقول ہیں:

(۱) محمد بن حمدویہ (۲) امام احمد بن حنبل (۳) حافظ ابوعلی صالح جزرۃ (۴) محمد بن بشار (۵) علی بن مدینی (۶) محمد بن عبداللہ بن نمیر (۷) ابوبکر بن ابی شیبہ (۸) عمرو بن علی الفلاس (۹) امام دارمی (۱۰) ابوسہل (۱۱) علی بن حجر (۱۲) اسحاق بن راہویہ (۱۳) ابوعمرو خفاف (۱۴) امام ترمذی (۱۵) امام مسلم (۱۶) حاکم (۱۷) ابن خزیمہ (۱۸) امام نووی (●)

ان میں سے کسی نے امام بخاری رحمہ اللہ کو حافظ الحدیث اور کسی نے بےمثل فی حفظ الحدیث وفی معرفۃ الاسانید اور کسی نے منتہی الحفظ من حفاظ الدنیا اور کسی نے سيد الفقهاء و أجمع في علم الحديث وذو الفضل والعلم

← وداود الظاهري و محمد بن إسماعيل البخاري وغيرهم" (النافع الكبير: ١٦) نیز دیکھیں: فيض الباري (١/ ٥٨)

[1] تهذيب الأسماء واللغات (١/ ٧٩) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قال الحافظ أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسي: وحسبك بإمام الأئمة ابن خزيمة يقول فيه هذا القول مع لقيه الأئمة والمشايخ شرقا و غربا."

علاوہ ازیں فن حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کے درجہ کو عیاں کرنے کے لیے امام اسحاق بن راہویہ کا یہ قول کتنا مبنی برحق ہے، فرماتے ہیں: "فإنه لو كان في زمن الحسن البصري لاحتاج الناس إليه لمعرفته بالحديث وفهمه" (مصدر سابق)

نیز امام ابومصعب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"محمد بن إسماعيل أفقه عندنا، وأبصر بالحديث من أحمد بن حنبل، فقال له رجل من جلسائه: جاوزت الحد! فقال له أبو مصعب: لو أدركت ما لكا، ونظرت إلى وجهه ووجه محمد بن إسماعيل لقلت: كلاهما واحد في الحديث والفقه!" (هدي الساري: ٤٨٢)

والصبر وأفهم فی الحدیث، ولا ثانی له فی الدنیا، اور امام مسلم نے أستاذ الأستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث وغیرہ کہا ہے۔ (مفصل دیکھئے: العرجون القدیم: ٢٤ و ٣٨)

قوله: کتاب بخاری کی اصحیت میں وہ غلو اور مبالغہ کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی اصحیت بھی اس کی اصحیت کے سامنے مات ہوجاتی ہے۔ (ص:۵۴)

أقول: سبحانك هذا بهتان عظیم! صحیح بخاری کے لیے تو یہ کہا جاتا ہے: "أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ "، یعنی اس کی أصحیت کتاب اللہ کے بعد ہے، مطلب یہ کہ کتاب اللہ کی أصحیت مقدم اور بالا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ صحیح بخاری کی اصحیت کے آگے قرآن مجید کی اصحیت مات ہوجاتی ہے، بالکل غلط اور آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔

قوله: ان عقل کے اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ...... ایک مقلد شافعی المذہب جنہوں نے اپنی تمام عمر تقلید شخصی میں بسر کی ہو...... ہزار برس کے بعد کسی کے بنائے مجتہد کیونکر بن سکتے ہیں؟ (ص: أیضاً)

أقول: امام بخاری ؒ کو شافعی کا مقلد کہنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو عقل اور آنکھ دونوں کے اندھے ہوں، امام بخاری ؒ ہرگز ہرگز مقلد نہ تھے، جیسا کہ بارہا لکھا گیا، بلکہ وہ خود مجتہد تھے، جیسا کہ مکرر سہ مکرر لکھا گیا ہے اور یہ دعویٰ آج ہزار برس کے بعد نہیں کیا گیا، بلکہ پیشتر سے محدثین اس کے قائل تھے۔ صحیح بخاری کا وجود خود اس کا کافی شاہد ہے۔ فتفکر!

قوله: کتاب طبقات کبریٰ تاج الدین سبکی جو شوافع کے طبقات کی کتاب ہے، اس میں امام بخاری کا نام موجود ہے...... دیگر شوافع کے طبقات کی کتابوں میں بھی ان کا نام پایا جاتا ہے۔ (ص: أیضاً)

أقول: بار بار وہی مرغے کی ایک ٹانگ!! اجی حضرت! سبکی کا طبقات شوافع میں امام بخاری ؒ کو مجرد ذکر کر دینا امام بخاری ؒ کے شافعی ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی، ورنہ انہیں سبکی میاں نے اسی طبقات میں شوافع میں امام احمد بن حنبل ؒ کو بھی ذکر کیا ہے۔ [1] جو صاحب اجتہاد بلکہ صاحب مذہب مستقل ہیں، تو کیا امام احمد بھی شافعی ہوگئے؟ علی ہذا القیاس دیگر کتب طبقات کو سمجھئے، اور اس کی مفصل بحث " الریح العقیم" (ص: ٤) میں دیکھئے۔

قوله: ابو عاصم نے بھی امام بخاری ؒ کو شافعیوں کے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ (ص: ایضاً)

أقول: ابو عاصم چونکہ خود مقلد ہے، اس لئے اس نے اپنے اوپر قیاس کر کے ایسا کہہ دیا ہے، یا تو افق فی الاصول کے لحاظ سے اس نے ایسا کہا ہے، بہر حال یہ اس کی صریح غلطی ہے۔ امام بخاری خود مجتہد مستقل تھے، وہ امام شافعی سے کسی بات میں کم نہ تھے، جو ان کی تقلید کرتے، بلکہ امام شافعی سے امام بخاری کا رتبہ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا، ہم نے اس کا مفصل جواب " الریح العقیم " اور " العرجون القدیم" وغیرہ میں دیا ہے۔ وہاں دیکھ کر تسکین کر لو!

[1] طبقات الشافعیة للسبکي (٢/٢٧)

قوله: بڑے بڑے ائمہ دین اور محققین کی تحقیق میں یہ شافعی المذہب تھے، تو اب اگر چند جہلاء مل کر ان کو مجتہد بنانا چاہیں...الخ۔ (ص: ایضاً)

أقول: وہ کون سے بڑے بڑے ائمہ دین ہیں؟ ذرا ان کا نام تو لیا ہوتا، سوائے ایک شاذ ابوعاصم کے وہ بھی کسی اور وجہ سے کہتا ہے، جس میں بھی اس نے غلطی کھائی ہے، ہاں البتہ امام بڑے بڑے محدثین اور محققین حنفیہ نے امام بخاری ؒ کو مجتہد مطلق کہا ہے۔ جیسے علامہ عجلونی وشامی حنفی وغیرہ، اب ان کو خوشی سے جاہل وغیرہ بناؤ!!

قوله: یہ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کو مقلد کہنا ان کی کسر شان کرنا ہے۔ (تا آخر: ۵۴)

أقول: بے شک! اس لئے کہ مقلد اور جاہل کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے، اگر امام ابوحنیفہ ؒ کو حماد ونخعی کا مقلد کہا جائے، تو کیا ان کی کسر شان نہ ہوگی؟ ع۔ انچہ بخود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند۔ [1]

قوله: امام بخاری کو اس لفظ (مقلد) سے یاد کرنے والے کچھ حنفی لوگ نہیں ہیں، بلکہ وہ بڑے بڑے مہذب اور باخبر ائمہ دین ہیں...الخ۔ (ص: ۵۵)

أقول: امام بخاری ؒ کو حنفی تو مقلد کہتے ہی نہیں بلکہ وہ تو مجتہد مطلق کہتے ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے، رہے بڑے بڑے ائمہ دین، وہ بھی کوئی امام بخاری ؒ کو مقلد نہیں کہتے، یہ ان پر افتراء عظیم ہے۔ فتدبر!

قوله: امام بخاری کو ان ائمہ دین نے جب صفات مذکورہ بالا کے ساتھ متصف پایا ہوگا، تب تو ان کو زمرہ مقلدین میں داخل کیا، ورنہ معاذ اللہ! ان بزرگواروں کو کچھ امام بخاری سے عداوت تو تھی ہی نہیں...الخ۔ (ص: أیضاً)

أقول: بار بار ائمہ دین کا لفظ ''نبی جو بھیجو!'' کی طرح رٹتے چلے جاتے ہو اور نام صرف ایک ابوعاصم کا لیتے ہو، ان ائمہ دین کا پتہ دو! اور ''ہوگا'' کی اچھی کہی، اجی ڈاکٹر صاحب! سنئے ابو عاصم نے امام بخاری ؒ کو طبقات شافعیہ میں اس لئے شمار کر دیا کہ امام بخاری نے کرابیسی اور ابوثور اور زعفرانی سے حدیثیں سنیں اور امام حمیدی سے تفقہ حاصل کیا اور یہ سب امام شافعی کے تلامذہ ہیں، ورنہ واقع میں تو امام بخاری ؒ اپنی جامع صحیح میں کہیں بھی امام شافعی کا اجتہاد پیش نہیں کرتے، کیا مقلد کی شان یہی ہوتی ہے؟

قوله: امام بخاری کے مجتہد ہونے کی دلیل میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو چھ لاکھ حدیث یا دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں، مگر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ سب حدیثیں کیا ہوئیں...الخ۔ (ص: ایضاً)

أقول: امام بخاری کو البتہ چھ لاکھ حدیثیں یاد بلکہ نوک زبان تھیں، امام بخاری ؒ کا خود اقرار ہے، فرماتے ہیں:

---

[1] جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے، وہ دوسروں کے لیے پسند نہ کرو!

" صنفت الجامع من ستمائة ألف حديث" [1] الخ (هدي الساري ص: ٤٩٠)

''یعنی میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے جامع بخاری کو تصنیف کیا ہے۔''

جس میں چار ہزار حدیثیں اُصح الصحیح لکھی ہیں، جیسا کہ ان کا اپنا خود اقرار ہے:

" إنه قال: ما أدخلت في كتاب الجامع إلا ما صح " [2] (ابن صلاح: ٨)

یعنی میں نے جامع صحیح میں صرف صحیح حدیثیں داخل کی ہیں۔

ہاں آپ بقیہ حدیثوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کیا ہوئیں؟ تو سنئے کچھ حدیثوں کو تو حاکم نے مستدرك على الصحيحين میں جمع کر دیا ہے، جس کو امام بخاری نے چھوڑ دیا تھا۔ (مقدمہ ابن صلاح، ص:۸)

اور بقیہ حدیثوں کو امام حمیدی نے کتاب "**الجمع بين الصحيحين**" میں جمع کر دیا۔ [3] (ص: ۱۰) فالحمدللہ!

قوله: بخاری میں مکررات دور کرنے کے بعد صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ (ص: ایضاً)

أقول: سچ ہے کہ تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے! یہی غلطی آپ نے رسالہ " الكلام المحكم " میں بھی کی تھی، جس کا جواب " الأمر المبرم "(ص: ١٤) میں دیا گیا، پھر بھی آپ کو ہوش نہیں آیا!!

سنئے! صحیح بخاری میں کل حدیثیں ۷۲۷۵ ہیں، جس میں مکررات کے حذف کر دینے کے بعد چار ہزار (۴۰۰۰) حدیثیں باقی رہتی ہیں، نہ ۲۷۶۱، ملاحظہ ہو: مقدمه ابن صلاح: ٨ و تهذيب الأسماء للنووي و هدي الساري " [4] وغیرہ۔

قوله: ان میں سے اگر ریچھ بندر کی کہانی اور وہ حدیثیں جو قرآن شریف کے خلاف ہیں (الی قولہ)

کتاب مذکور سے نکال دی جائیں تو شاید سولہ آنے میں ایک آنہ حدیثیں باقی نہیں رہیں گی...الخ (ص: أيضاً)

أقول: ریچھ کی کہانی تو بخاری میں کہیں نہیں ہے، بندر کا ایک واقعہ (صحابی کا اثر) [5] بے شک منقول ہے، صحیح بخاری میں نہ تو کوئی حدیث قرآن شریف کے خلاف ہے، نہ کسی کے رواۃ اور متن پر ائمہ دین نے جرح و قدح کی ہے، نہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور خاکسار نے بارہا ان کے شافی جوابات دیئے ہیں، تم جیسے نا اہلوں کو اگر ایسا معلوم ہو تو اس کا کیا علاج؟!

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٨٩)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠)

[3] مصدر سابق

[4] مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠) تهذيب الأسماء واللغات للنووي (١/ ٧٩) هدي الساري (ص: ٤٧٧) حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: فجميع ما في صحيح البخاري من المتون الموصولة بلا تكرير على التحرير ألفا حديث وستمائة حديث وحديثان. "

[5] صحابی کا نہیں بلکہ عمرو بن میمون تابعی کا واقعہ منقول ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

قوله: امام مسلم جو امام بخاری کے ہم عصر اور شاگرد تھے، اپنی صحیح مسلم کے دیباچہ میں امام بخاری کو منتحل الحدیث نہ لکھتے۔(ص: أیضاً)

أقول: شکر ہے کہ امام مسلم کو آپ نے امام بخاری کا شاگرد تو مان لیا، اب سنئے کہ امام مسلم نے کہیں امام بخاری رحمہ اللہ کو منتحل الحدیث نہیں کہا ہے، آپ اگر سچے ہیں تو دیباچہ مسلم میں میں بتصریح امام بخاری رحمہ اللہ کا لفظ یا نام دکھلائیے، اور انعام مندرجہ الأمر المبرم (ص: ۲۰) حاصل کیجئے۔

قوله: صحاح والوں نے بھی سوائے ترمذی کے اپنی اپنی صحیح میں امام بخاری سے کوئی روایت نہیں کی (الی قولہ) اس کو صحاح والے اس قابل بھی نہ سمجھیں کہ اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت کریں۔(ص: ٥٦)

أقول: صحاح والوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے جو روایت نہیں کی وہ اسناد کے نازل ہوجانے کے سبب ہے، کیونکہ محدثین اسناد عالی کے رہتے ہوئے نازل کو نہیں لیتے، تاہم ترمذی کا روایت کرنا تو آپ کو مسلم ہے، نسائی کا روایت کرنا ہم سے سنئے!"وہ کتاب الصیام ، باب الفضل والجود في شهر رمضان" میں دوسری حدیث کو یوں شروع کرتے ہیں: "أخبرنا محمد بن إسماعيل البخاري[1] (جلد أول) اور امام مسلم امام بخاری سے صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں روایت کرتے ہیں، مولوی احمد علی حنفی مقدمہ بخاری میں لکھتے ہیں:

"وممن روى عنه من الأئمة الأعلام أبو الحسين مسلم بن الحجاج صاحب الصحيح." الخ

"یعنی امام مسلم نے امام بخاری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔"

اور اگر یہ لوگ امام بخاری رحمہ اللہ سے روایت نہ بھی کریں، تو امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں فرق نہیں آسکتا، جیسے کہ امام ابوحنیفہ نے امام مالک سے پڑھا، لیکن ان سے روایت نہیں کرتے، تو اس سے امام مالک رحمہ اللہ کی شان میں فرق نہیں آسکتا۔ اس کی مفصل بحث "الريح العقيم" (ص: ١٤) سے (ص: ١٨) تک میں ملاحظہ کیجئے۔

قوله: امام بخاری کی فقاہت اور اجتہادات کا بھی دنیا میں کہیں نام ونشان نہیں ملتا کہ جس سے ان کا مجتہد ہونا ثابت ہو، کوئی کتاب یا رسالہ عالم میں ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ جس میں امام بخاری نے خود یا ان کے بعد کسی اور نے امام بخاری کے اجتہادات اور مسائل فقہیہ کو قلمبند کیا ہو، اور اگر کوئی شخص ایسی کتاب سے واقفیت رکھتا ہو، تو مہربانی فرما کر اس کے نام سے ضروری مطلع فرمائے۔ (ص: أیضاً)

أقول: اب تک کیا آپ خواب غفلت میں تھے؟ آیئے ہم آپ کو اس کا نام بتلا دیتے ہیں، سنئے وہ جامع بخاری ہے، جس سے امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت و اجتہادات آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر و باہر ہیں اور اسی سے ان کا مجتہد ہونا بھی کالشمس في رابعة النهار ہویدا ہے۔ ع۔

---

[1] سنن النسائي، برقم (٢٠٩٦)

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلش خواہی از وے رو متاب ❶

یہ کہنا کہ ان کے اجتہادات کا دنیا میں نشان نہیں ملتا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ آفتاب عالمتاب کا کہیں روئے دنیا میں نام ونشان نہیں، اور یہ کہنا کہ کوئی کتاب عالم میں ایسی نہیں ہے، اسی طرح ہے جیسے کہا جائے کہ نہار کا وجود ہی عنقا ہے۔ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!! ولنعم ما قيل:

وإذا خفيت على الغبي فعاذر
أن لا تراني مقلة عمياء ❷

قوله: صرف ان کا ایک فتویٰ ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے ایک دفعہ یہ فتویٰ دیا تھا کہ اگر دو لڑکوں نے کسی بکری یا گائے کا دودھ پیا ہو، تو ان دونوں میں رضاعت کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔
(ص: أيضاً)

أقول: یہ فتویٰ بالکل جعلی، فرضی ومصنوعی ہے اور شراح ہدایہ کا یہ صریح اتہام وافتراء وبہتان ہے۔ مولوی عبدالحی حنفی مرحوم نے "الفوائد البهية" (ص:۱۳) میں بڑے زوروں سے اس کی تردید کی ہے۔ ایسا ہی ملا علی قاری حنفی وشیخ عبدالحق حنفی وغیرہ نے اس کو اتہام بحت کہا ہے۔❸ امام بخاری ﷫ کی شان سے یہ بمراحل بعید ہے، ان کی جانب ایسے جھوٹے فتویٰ کا انتساب محض تعصب وعدم تحقیق کا نتیجہ ہے، اس کی مفصل بحث اسی رسالہ کے صفحہ (۳۳) سے (۳۵) تک میں ورق الٹ کر ملاحظہ کر لیجیے۔

قوله: جب لوگوں نے یہ فتویٰ سنا، تو امام بخاری کو بخارا سے نکال دیا۔

أقول: یہ غلط در غلط ہے۔ امام بخاری ﷫ کے بخارا سے نکالے جانے کی وجہ یہ تھی جو تهذيب التهذيب و نور القاري وغیرہ میں مرقوم ہے کہ خالد بن احمد والی بخارا نے امام بخاری کے پاس کہلا بھیجا کہ ان کے مکان میں آکر ان کے لڑکوں کو جامع بخاری اور تاریخ بخاری پڑھا جایا کریں، امام بخاری ﷫ نے انکار کیا۔ دوسری فرمائش اس نے یہ کی کہ اچھا وہاں ہی ایک خاص مجلس منعقد کر کے محض میرے لڑکوں کو پڑھا دیں، اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ امام بخاری نے یہ بھی نہیں مانا، بس یہی امر کشیدگی کا باعث ہوا، حاکم بخارا نے حریث بن ابی الورقاء کی مدد سے ان کو بخارا سے نکلوا دیا۔

---

❶ سورج کی دلیل سورج ہے، اگر اس کی دلیل چاہتے ہو تو اپنا منہ اس سے نہ پھیر!
❷ جب میں بے وقوف کو نظر نہ آؤں، تو معذور سمجھنا کہ مجھے اندھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی!
❸ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ نیز دیکھیں: سیرۃ البخاری (ص: ۱۳۶)

سنا ڈاکٹر صاحب ! آپ بار بار اس کو لکھتے ہیں اور میں جواب دیتا ہوں، کہئے یہی ایک دو باتیں جھوٹی فرضی آپ کو ملی ہیں؟ کچھ تو خدا سے ڈریئے اور اس کار بد سے باز آیئے، ایک روز مرنا بھی ہے، خدا کو کیا منہ دکھلاؤ گے؟

قولہ: دعویٰ کیا جاتا ہے کہ امام بخاری ؒ کی فقاہت اور اجتہادات کتاب بخاری کے ترجمۃ الابواب میں ہے، لیکن جو حالت بخاری کے ترجمۃ الابواب کی ہے، وہ ناظرین سے مخفی نہیں ہے، نہ حدیث کو باب سے کچھ تعلق اور نہ باب کو حدیث سے سروکار، حدیث اگر نماز کی ہے تو باب نکاح کا باندھا گیا ہے، اور باب اگر روزہ کا ہے تو حدیث طلاق کی لکھی گئی ہے وغیر ذلک، چنانچہ نمونہ کے طور پر دو تین ترجمۃ الابواب مع اس کی حدیثوں کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ (ص: أیضاً)

أقول: امام بخاری ؒ کی فقاہت اور اجتہادات بے شک صحیح بخاری کے ترجمۃ الابواب میں ہیں اور صحیح بخاری میں کوئی بھی ایسی حدیث نہیں جس کو اس کے باب سے تعلق نہ ہو، لیکن اس کو معلوم کرنے کے لیے مرد دانا و عقل بینا ہونا چاہیے، امام بخاری کے اجتہاد کا یہ کمال ہے کہ وہ جونسا باب منعقد کر کے اس کے ذیل میں کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں، اس میں صرف ایک امر سے مطابقت ہوتی ہے نہ کہ پوری حدیث کے پورے مضامین سے، جیسا کہ آپ نے اپنے زعم فاسد میں سمجھ رکھا ہے کہ جو لفظ باب میں ہو وہی لفظ حدیث میں بھی ہو، گو کہیں کہیں ایسا بھی ہے، لیکن کمال اس امر میں ہے کہ باب کی حدیث سے ایک سرّی طریق پر مناسبت ہو اور ظاہر نظروں میں خلاف معلوم ہو۔ پس مطابقت کی تشریح و تقسیم ذرا تفصیل سے سنئے۔ گو ہم اس کو (ص: ۲۹) لکھ کر آئے ہیں۔ مطابقت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ لفظی۔ ۲۔ معنوی۔

مطابقت لفظی یہ ہے کہ جو الفاظ و مضمون حدیث میں ہوں، وہی باب میں ہوں، ایسا ہی صحیح بخاری میں ہے۔

اور مطابق معنوی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مطابقت بطریق عموم۔

۲۔ مطابقت بطریق خصوص۔

۳۔ مطابقت بطریق استنباط۔

ان تینوں میں تیسری بہت مشکل ہے، اور اسی سے اجتہاد کا کمال معلوم ہوتا ہے، امام بخاری ؒ نے مطابقت معنوی کی تین قسموں کو بھی استعمال کیا ہے، لیکن تیسری قسم کو بکثرت بیان کیا ہے، جس سے ان کے اجتہاد کا حد درجہ ذروہ کمال پر پہنچنا معلوم ہوتا ہے، اور مطابقت بطریق استنباط یہ ہے کہ ظاہر میں مضمون حدیث و ترجمہ باب میں کوئی تعلق معلوم نہ ہو بلکہ بالکل خلاف معلوم ہو، لیکن اس کے معانی میں ایک مطلب سے اور مفہوم باب سے تعلق ہوتا ہے، جس کے سمجھنے کے لئے بڑے خوض و علم کی ضرورت ہے۔ جسے ان شاء اللہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔'' و ذلک

مما تحيرت فيه الأفهام و كثرت فيه الأوهام وزلت فيه الأقدام"!

اس کا مفصل بیان " الخزي العظيم" (ص: ٤، ٥) میں دیکھئے۔

ترجمہ باب سے احادیث کی مطابقت:

قوله: أول ۔ باب فضل صلاة الفجر في جماعة. "یہ باب ہے بیچ زیادتی ثواب نماز فجر کے جماعت میں"

حدیث: " عن أبي موسىٰ قال النبيﷺ: أعظم الناس أجراً في الصلوة أبعدهم فأبعدهم فيمشي،[1] والذي ينتظر الصلوة حتى يصليها مع الإمام أعظم أجراً من الذي يصلي ثم ينام."

"یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بہترین آدمیوں کے ازروئے ثواب کے وہ نمازی ہیں، جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں، اور وہ شخص جو انتظار کرتا ہے اس امر کا کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے وہ بہت زیادہ ثواب میں ہے ایسے شخص سے کہ جو پڑھتا ہے اور سو رہتا ہے۔"

پس دیکھئے کہ اس باب سے حدیث کو کوئی مناسبت نہیں، باب تو نماز فجر کی جماعت میں پڑھنے کی فضیلت کا ہے، اور حدیث میں نماز فجر کا پتہ تک نہیں ملتا ہے، " ثم ينام " کے لفظ سے، جو حدیث میں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حدیث عشاء کی نماز کے بارے میں ہے۔ (ص: ۵۷)

أقول: اس کا مفصل جواب ہم رسالہ " الخزي العظيم" (ص:٦) میں دے چکے ہیں، چنانچہ اسی کا اختصار ذیل میں ذکر کر دیتے ہیں، سنئے!

آپ کو اگرچہ جلی نظر سے مطابقت معلوم نہیں ہوتی، لیکن دقیق نظر سے بیّن مطابقت ہے، امام بخاری ؒ نے اس باب کے ذیل میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، ان تینوں میں مطابقت معنوی کی وہ تینوں قسمیں فرداً فرداً پائی جاتی ہیں، جو اوپر مذکور ہوئیں، پہلی حدیث ابو ہریرہ والی کی باب سے مطابقت بطریق خصوص ہے، کیونکہ اس حدیث میں فجر کا لفظ موجود ہے، دوسری حدیث ابو الدرداء والی کی باب سے مطابقت بطریق عموم ہے، کیونکہ باب میں " في جماعة" کی قید بھی مذکور ہے، اور دوسری میں " يصلون جميعاً " آیا ہے، جس میں جمع و جماعت کی صریحی مطابقت ہے اور اس میں نماز فجر بطریق عموم داخل ہے۔ تیسری حدیث ابو موسیٰ والی جس پر آپ نے اعتراض کیا ہے، اس کی مطابقت باب سے بطریق استنباط ہے، بایں طور کہ لفظ حدیث " فأبعدهم ممشىً " سے اجر کی زیادتی وجود مشقت " بالمشي إلى الصلوة " پر ثابت ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ نماز فجر میں بہ نسبت دوسری نمازوں کی اشد

---

[1] "فيمشي" غلط ہے، "ممشىً" صحیح ہے۔ (مؤلف)

مشقت اور سخت دشواری بوجہ نیند سے بیداری اور نماز باجماعت کے لیے اندھیرے میں مسجد کی طرف چل کر جانے کی وجہ سے ہوتی ہے، ❶ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

خواب نوشیں بامداد رحیل باز دارد پیادہ را از سبیل ❷

علامہ سندھی حنفی حاشیہ بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ومعلوم أن المشقة في الجماعة في الفجر أز يد، فيعلم أن أجرها أوفر ." ❸

پس مفہوم حدیث و مصداق باب میں مطابقت ثابت ہوگئی اور ایسی مطابقت ہی سے امام بخاری ؒ کا کمال اجتہاد معلوم ہوتا ہے، جس کا وجود مسعود سوائے بخاری کے اور کتب حدیث میں مفقود ہے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [المائدہ: ٥٤] فافهم وتدبر!

قوله: دوم: باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين، وكذلك النساء، ومن كان في البيوت والقرىٰ " یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب کسی سے عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ دو رکعت نفل پڑھے اور اسی طرح سے عورتیں اور جو لوگ گھروں اور دیہاتوں میں ہیں، دو رکعت پڑھیں۔

حدیث: "عن عائشة رضي الله عنها أن أبا بكر رضي الله عنه دخل عليها، وعندها جاريتان في أيام منىٰ تدففان وتضربان، والنبيﷺ متغش بثوبه، فانتهرهما أبوبكر، فكشف النبيﷺ عن وجهه، فقال: دعهما يا أبابكر! فإنها أيام عيد، وتلك الأيام أيام منىٰ ."

"یعنی حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ عید کے روز میرے گھر میں ابوبکر ؓ آئے اور اس وقت دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے، پس حضرت ابوبکر ؓ نے ان لڑکیوں کو منع کیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر فرمایا کہ اے ابوبکر ان سے کچھ نہ کہو، یہ دن عید کا ہے۔"

پس یہ حدیث اور اس کا باب "سوال از آسمان اور جواب از ریسماں" کا مصداق ہو رہا ہے۔ باب تو عید میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ہے اور حدیث میں دو لڑکیوں کے دف بجانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ (ص: ایضاً)

أقول: اس کا بھی مفصل جواب ہم رسالہ " الخزي العظيم" (ص: ١٠) میں دے چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری ؒ نے باب اداء قضا نمازِ یوم عید کا منعقد کیا ہے اور حدیث میں بالتصریح ایام عید کا لفظ

---

❶ دیکھیں: فتح الباري (٢/ ١٣٨)

❷ میٹھی نیند کوچ کی صبح مسافر کو سفر سے روک دیتی ہے۔

❸ حاشية السندي على البخاري (١/ ١١٥)

موجود ہے، جس سے لفظی مطابقت ہونے کے علاوہ مقصود یہ ہے کہ لفظ "أیام" حدیث میں مرد و زن ہر ایک کو بغیر کسی کی خصوصیت کے شامل ہے، لہٰذا وہ "یوم" محلِ ادا ہوگیا اور جب ادا کا محل ہونا ثابت ہے، تو امام کے ساتھ عید کی نماز فوت کرنے والا ایام منیٰ میں بھی نماز ادا کر سکتا ہے اور وہ وہی دو رکعتیں ہیں جن کو باب میں بتلایا۔❶ پس مطابقت ظاہر ہے، سنئے آپ کے بزرگ علامہ عینی لکھتے ہیں:

"مطابقته للترجمة من حيث أن اليوم الذي كانت الجاريتان تدفّفان فيه كان من أيام منىٰ، وهي أيام العيد، ذكرها بالإضافة، فيستوي فيها الرجال والنساء والواحد والجماعة، فإذا فاته الصلوٰة مع الإمام صلىٰ ركعتين حيث كان." انتهى

(عمدة القاري: ۳/ ۴۰۰)

"حدیث کی مطابقت باب سے یوں ہے کہ وہ دن جس میں دونوں چھوکریاں دف بجاتی تھیں، وہ دن منیٰ کے دنوں سے تھا، جو کہ عید کا دن ہے، امام بخاری نے ایام کو عید کی طرف مضاف کر کے ذکر کیا ہے، پس اس دن میں مرد و زن اور ایک اور کئی (جمع) سب برابر ہیں۔ پس جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ پڑھنے سے فوت ہو جائے، وہ دو رکعتیں پڑھ لے جہاں کہیں ہو۔"

فرمائیے! اب تو آپ کی تسکین ہوگئی یا نہیں؟ کیونکہ یہ آپ کے بڑے باوا کی مطابقت ہے!

قوله: سوم: باب في كم تقصر الصلوة. "یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ کتنے روز کے سفر میں نماز کو قصر کیا جائے۔"

حديث: عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبيﷺ قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم.

"یعنی حضرت ابن عمر ♦ سے روایت ہے کہ عورت تین روز کا سفر بغیر ہمراہی کسی ذی محرم کے نہ کرے۔"

پس باب اور حدیث ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں رکھتے، باب تو اس بات کا ہے کہ کتنے روز کے سفر میں نماز قصر کرنی چاہیے اور حدیث کا مضمون یہ ہے کہ عورت تین دن سے زیادہ کا سفر بغیر کسی ذی محرم کے نہ کرے۔

(ص: ۵۸)

أقول: اجی حضرت! مطابقت تو ظاہر ہوگئی کہ تین روز کے سفر میں نماز قصر کرنی چاہیے، بایں طور کہ جب عورتوں کی بابت فرما دیا گیا کہ تین روز سے زیادہ کا سفر بغیر کسی ذی محرم کے نہ کریں، تو اس سے ثابت ہوا کہ سفر کا ادنیٰ اطلاق تین روز کی مسافت پر ہوتا ہے، لہٰذا اسی تین یوم کی مسافت کے سفر پر نماز قصر بھی ہے، آپ کے علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

---

❶ دیکھیں: فتح الباري (۲/۴۷۵)

"مطابقته للترجمة من حيث أنه يبين الإبهام الذي في الترجمة ففسره... الخ[1] (۳/ ۳۹)

یعنی حدیث کی باب سے مطابقت یوں ہے کہ باب میں ابہام ہے کہ کتنی مسافت پر قصر کرے۔ اس کی تفسیر اس حدیث میں کر دی کہ تین دن کی مسافت میں قصر کرے، جو عورتوں کے محرم کے ساتھ سفر کرنے کی ابتدائی حد ہے۔ افسوس کہ ایسی کھلی مطابقت بھی آپ کی سمجھ سے بالا ہوگئی؟ ہائے تعصب! تیرا ستیاناس ہو!!

قوله: اور یہی حال بخاری کی کثرت سے ترجمۃ الابواب کا ہے، جس کے نسبت نہایت فخر سے یہ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کی فقاہت بخاری کے ترجمۃ الابواب میں ہے، اگر تفقہ اسی کا نام ہے کہ حدیث کا ترجمۃ الابواب بھی نہ قائم کیا جا سکے تو خدا ہی حافظ ہے! (ص: ایضاً)

أقول: امام بخاری رحمہ اللہ کے تفقہ کو تم جیسے سطحی نظر اور اوپری خیال والے کیا سمجھیں گئے؟ بے شک امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت صحیح بخاری کے ترجمۃ الابواب میں ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جیسا ترجمۃ الابواب قائم کیا ہے، تمام دنیا اس پر حیران ہے، محدثین عش عش کرتے ہیں اور حاسدین نکتہ چینی!

قوله: بس العجب کل العجب کہ ایک مقلد شافعی المذہب منتحل الحدیث کے بہ نسبت کہ نہ حدیث دانی سے کوئی واسطہ اور نہ فقاہت سے کچھ سروکار، ہزار برس کے بعد بڑی دلیری سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مجتہد مطلق تھے! (ص: ایضاً)

أقول: خدا کی پھٹکار تم پر ہو کہ تم بار بار امام بخاری رحمہ اللہ کو مقلد شافعی کہتے ہو، حالانکہ وہ خود مجتہد مطلق تھے اور اس کو بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔ ہاں اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت یہ الفاظ کہے جائیں کہ ان کو نہ حدیث دانی سے کوئی واسطہ اور نہ فقاہت سے کچھ سروکار اور آج ان کو مجتہد مطلق کہا جاتا ہے، تو فرمایئے آپ کو پسند آئے گا؟ حالانکہ یہ مطابق واقع ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ پر تو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، پس خوب سن رکھو کہ ع۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے!

اب اس کے بعد آپ کے مضمون نمبر (۱۸) کا جواب شروع ہوتا ہے، جو اخبار "اہل فقہ" (شمارہ نمبر ۲۹، ص: ۶، مورخہ ۲۱ شوال ۱۳۲۷ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۰۹) میں نمبر (۱۹) کی سرخی سے شائع ہوا ہے، جس کا عنوان "کتاب بخاری میں رسول اللہ کی توہین" ہے۔

نمبر ۱۸:

قوله: کتاب بخاری میں رسول اللہ کی توہین۔ (ص: ۵۸)

---

[1] عمدة القاري (۷/ ۱۲۶) نیز دیکھیں: فتح الباري (۲/ ۵٦۸)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

أقول: آہ! ﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴾ [الکهف: ۵] اللہ اکبر! کتنا بڑا بہتان ہے کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی توہین ہو؟ حالانکہ اس کا پورا نام "الجامع الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وأقواله وأفعاله وأحواله" صاف بتلاتا ہے کہ اس میں محض رسول اللہ ﷺ کی سیرت و مناقب مذکور ہیں۔ سبحان اللہ! وہ کتاب جس میں آنحضرت ﷺ کے مناقب کے علیحدہ ابواب ہوں، معجزات کے الگ، دلائل نبوت کے جدا، اس میں سے آپ کی توہین نکالی جائے؟ انصاف کی حد ہوگئی! حیا کا خاتمہ ہوگیا! غیرت کا خون ہوگیا! جھوٹ نے اپنا قبضہ جمایا! افتراء پردازی کی دھوم مچ گئی! بس خدا ہی حافظ ہے!!

قوله: امام بخاری نے جو جملہ حضرت امام ابوحنیفہ پر اور جو توہین آپ کی کتاب بخاری میں کی ہے (الی قولہ) اس کا ہمیں چنداں افسوس نہیں۔ (ص: أيضاً)

أقول: بالکل غلط کہتے ہو، جامع صحیح بخاری میں آپ کو کہیں امام ابوحنیفہ کا ذکر تک بھی نہ ملے گا، توہین تو درکنار! سچے ہو تو پیش کرو!

قوله: مثلاً چوبیس جگہ آپ کو بعض الناس کہا ہے، جو کلمہ تحقیر ہے، اور ایک مقام پر ...... " هذا الخداع "...... اور ایک جگہ " خالف رسول الله " لکھا ہے۔ (ص: أيضاً)

أقول: چور کی داڑھی میں تنکا سچ مثل مشہور ہے، بعض الناس آپ سے آپ چاہے امام ابوحنیفہ کو مراد لے لیں، لیکن امام بخاری نے کہاں کہا ہے کہ بعض الناس سے ہماری مراد امام ابوحنیفہ ہیں؟ اور بعض الناس کو تحقیر کا کلمہ کہنا بھی عجیب ہے، حالانکہ اسی صحیح بخاری میں بعض الناس سے صحابہ کرام ؓ بھی مراد لئے گئے، چنانچہ سترھویں پارے میں باب غزوہ خیبر کے ذیل کی ساتویں ابوہریرہ ؓ والی حدیث ملاحظہ ہو:

" حتى كثرت به الجراحة، فكاد بعض الناس يرتاب... الخ "[1]

اور بعض الناس تو کلام عرب میں عام طور سے بعض لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس کو تحقیر کا کلمہ کہنا عجیب ہے۔ اور " فأجاز هذا الخداع " اور " خالف رسول الله " میں ضمیر غائب کا مرجع امام ابوحنیفہ اولاً و آخراً کہیں بھی مذکور نہیں، آپ نے خود اپنی طرف سے لفظ ابوحنیفہ بڑھا کر خود ان کی توہین کی ہے، امام بخاری نے کہیں بھی نام نہیں لیا۔ آہ!

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
خود اٹھا لاتے ہیں جو تیر خطا جاتا ہے

---

[1] صحيح البخاري: كتاب المغازي باب غزوة خيبر، رقم الحديث (٣٩٦٧)

اب اپنے حاشیہ کا جواب سنئے!

قوله: اور اس کے علاوہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں جو کلمات امام ابوحنیفہ ﷬ کی شان میں لکھے ہیں، وہ تو ایسے ہیں (الی قولہ) جو اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں۔ (تا آخر حاشیہ: ٥٩)

أقول: امام بخاری ﷫ نے تاریخ میں وہ کلمات اپنی طرف سے (سوائے نصف جرح کے) کوئی بھی نہیں لکھے ہیں، بلکہ ان کو صرف نقل کر دیا ہے۔[1] وہ کلمات تو ان محدثین کے ہیں جو امام ابوحنیفہ کے معاصر تھے، جیسے سفیان وغیرہ، اس میں امام بخاری ﷫ کا کیا قصور ہے؟ ان کے ذمہ صرف نقل تھا، وہ پورا کر دیا، رہی جرحِ تضعیف، تو اس میں امام بخاری ﷫ منفرد نہیں ہیں، بلکہ کل محدثین یہی کہتے آئے ہیں، پس امام بخاری پر کیا طعن؟ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، بالکل غلط ہے، علامہ خطیب "أسماء رجال المشکوۃ" میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں چار صحابہ موجود تھے:

" لکن لم یلق أحداً منھم، ولا أخذ عنھم " یعنی امام ابوحنیفہ نے نہ تو کسی صحابی سے ملاقات کی اور نہ کچھ روایت ہی لی۔

اس کی مفصل بحث میرے رسالہ " العرجون القدیم" (ص: ٤٥، ٤٦) میں دیکھو۔ حاشیہ کا جواب تمام ہوا۔

قوله: اولاً تو امام بخاری متعصب شافعی المذہب تھے اور ثانیاً ان کو امام ابوحنیفہ اور ان کے پیروؤں سے ایک ذاتی عداوت بھی تھی۔ (ص: ٥٦)

أقول: یہ مضمون از سرتاپا غلط ہے۔ امام بخاری ﷫ میں نہ تو کسی قسم کا تعصب تھا اور نہ وہ شافعی تھے اور نہ ان کو حنفیوں سے کچھ عداوت تھی، یہ تینوں دعوے بلا دلیل ہیں، جن کی تردید بکرّات ومرّات کی جا چکی ہے۔ فتذکر!

قوله: زمانہ ابوحفص کبیر میں...... جب امام بخاری فتویٰ دینے لگے، تو امام ابوحفص کبیر نے ان کو منع کیا کہ آپ فتویٰ نہ دیا کریں، آپ فتویٰ دینے کے لائق نہیں ہیں۔ (ص: ایضاً)

أقول: یہ بالکل ایک غلط قصہ یاروں نے گڑھ لیا ہے، ابوحفص کبیر کی امام بخاری ﷫ کے سامنے کیا حقیقت تھی؟ وہ بیچارہ ''کے آمدی و کے پیر شدی'' کا مصداق تھا، وہ امام بخاری ﷫ کو فتویٰ دینے سے کیا روکتا؟ اس کی کیا مجال تھی کہ وہ امام بخاری کے آگے پانی بھرے؟ امام بخاری کا فتویٰ تو عین حدیث سے ہوتا تھا، وہ کیا غلط ہو سکے گا؟ کچھ نہیں یہ سب امام بخاری سے حسد وعناد کا نتیجہ ہے اور اس سے امام بخاری کی شان میں کچھ بٹہ نہیں لگ سکتا بلکہ اور بھی ارفع ثابت ہوتی ہے۔ والحمدللہ

قوله: لوگوں نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر دو لڑکوں نے ایک بکری یا ایک گائے کا دودھ پیا ہو تو

---

[1] دیکھیں: التاریخ الکبیر (٨/٨١) التاریخ الصغیر (٢/٤١) الضعفاء للبخاري (ص:١٣٢)

ان میں رضاعت کی حرمت ثابت ہوگئی یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا: ہاں (الی قولہ) جب لوگوں نے یہ فتویٰ سنا تو بخاری کو بخارا سے نکال دیا۔ الخ (ص: أيضاً)

أقول: یہ بالکل جھوٹا قصہ امام بخاری ؒ کی مخالفت میں حاسدین نے گڑھا ہے، جس کی کامل تردید (ص: ۳۹) میں بخوبی کی گئی ہے، اور ابھی اوپر اس کا ابطال گزر چکا ہے۔ خود محققین حنفیہ نے اس کی کامل تردید کی ہے اور شراح ہدایہ کی عدم تحقیق طشت از بام کر دی ہے۔ علاوہ بریں آپ کی اس عبارت مذکورہ میں تین صریح جھوٹ ہیں:

۱۔ اس قصہ کا جھوٹا ہونا، جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا۔

۲۔ اس فتوی کی وجہ سے امام بخاری کا بخارا سے نکالا جانا۔ یہ بھی بالکل غلط ہے، امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حاکم بخارا کی فرمائش (کہ حاکم کے لڑکوں کو علیحدہ مجلس مقرر کر کے درس دیا کریں) کو نہیں مانا تھا، اس لئے نکال دیئے گئے۔

۳۔ لوگوں نے امام بخاری کو نہیں نکالا تھا، بلکہ حاکم بخارا خالد بن احمد نے نکلوایا تھا، جس کا وبال اس قدر جلد اس پر پڑا کہ ایک مہینہ کے اندر اندر وہ معزول ہوگیا۔[1] ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ٤٥]

قوله: اس واقعہ سے امام بخاری کے دل میں امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدوں سے ایک عداوت ذاتی پیدا ہوگئی تھی، پس ایسی حالت میں انہوں نے اگر امام ابوحنیفہ کی شان میں توہین کے کلمات لکھے تو افسوس ہی کیا ہے؟ (ص: أيضاً)

أقول: اگر اس فرضی واقعہ سے امام بخاری کو امام ابوحنیفہ سے عداوت ہوئی اور اس وجہ سے انہوں نے توہین کے کلمات لکھے تو یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ اس واسطے کہ آپ جب بخارا سے نکلے تو چند ہی دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ بخارا سے سمرقند تشریف لے جا رہے تھے کہ راہ میں بمقام خرتنگ وفات پائی، اور صحیح بخاری اس سے کہیں پیشتر تصنیف ہوچکی تھی، پس جو کتاب پہلے تیار ہوچکی ہو، اس میں بعد کے کسی واقعہ سے توہین وغیرہ کا کوئی مضمون سبب کے وقوع سے قبل کیونکر لکھا جا سکتا ہے؟ وهل هذا إلا عجيب!!

سچ ہے کہ عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ سنئے! امام بخاری کو تو عداوت کیا ہوتی، ہاں حنفیوں کو البتہ ان کی طرف سے بڑی عداوت تھی، بوجہ اس کے کہ امام بخاری کا شہرہ تمام ملکوں میں فوراً ہوگیا اور سب فقہاء کے مکائدِ حیل حدیثِ نبوی کے آفتاب کے آگے کالعدم ہوگئے اور اسی وجہ سے امام بخاری کی شان میں مقلدین نے غلط سلط قصے بنا کر

[1] دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٩٣)

خلاف واقع لگا دیئے اور امام بخاری کی توہین کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔

قوله: بخاری میں کلمات توہین کا استعمال صرف امام ابوحنیفہ ہی کی ذات تک محدود نہ رہا بلکہ صحابہ کرام بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس بھی ایسے کلمات سے محفوظ نہ رکھی گئی اور آپ کے مرتبہ وعلو شان کی مطلق پرواہ نہ کی گئی۔ (ص: ٦٠)

أقول: إن هذا إلا إفك قديم! یہ امام بخاری پر صریح تہمت ہے، صحیح بخاری میں جس قدر رسول اللہ ﷺ کی مدح سرائی اور صحابہ کرام کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، کسی دوسری کتاب میں کم ملیں گے توہین تو درکنار، ہاں حنفیہ نے بے شک رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی توہین کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ابو اسحٰق فرازی کے جواب میں، جب انہوں نے کسی مسئلہ میں حدیث نبی ﷺ کو پیش کیا، تو امام صاحب نے، فرمایا: " حك هذا بذنب خنزير "[1] (تاریخ خطیب بغدادي) امام صاحب نے کلام رسول کو سور کی دم سے ذکر فرمایا۔ استغفر اللہ!

اور فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"إيمان أهل السماء والأرض لا يزيد ولا ينقص، والمؤمنون مُستَوُون في الإيمان ".[2]

''یعنی آسمان والوں (فرشتے وشیاطین) اور زمین والے (انسان و جنات) کا ایمان کم وبیش نہیں ہوتا، سب مومن ایمان میں برابر ہیں۔''

اب دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ کی صریح توہین کی گئی ہے کہ آپ کا ایمان اور کل چیزوں کا ایمان مساوی کہا گیا ہے۔[3] لاحول ولا قوة!

صحابہ کی تنقیص سنئے، ملا جیون حنفی نے " نور الأنوار " (اصول فقہ حنفی) میں حضرت ابو ہریرہ ♦ جیسے جلیل القدر صحابی کو غیر فقیہہ وغیرہ لکھ دیا۔[4] کیا یہ توہین صحابہ نہیں ہے؟

ڈاکٹر صاحب! اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں سوجھتا، دوسرے کی آنکھ کا تنکا پہلے دکھائی دیتا ہے! پہلے اپنے مذہب سے باخبر ہو جایئے، پھر بخاری کے منہ آیئے گا! ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

---

❶ تاريخ بغداد (١٣/ ٤٠١)

❷ الشرح الميسر على الفقهين الأبسط والأكبر المنسوبين لأبي حنيفة (ص: ٥٥)

❸ بلکہ امام ابوحنیفہ سے یہاں تک مروی ہے کہ " إيمان إبليس وإيمان أبي بكر الصديق واحد، قال أبوبكر: يا رب! وقال إبليس: يا رب !!" (السنة لعبد الله بن أحمد: ١/ ٢١٩)

❹ نور الأنوار (ص: ١٨٣) اصول الشاشی (ص: ٧٥) اصول بزدوی (ص: ١٨٣)

صحیح بخاری میں کہیں بھی آنحضرت ﷺ کی توہین نہیں ہے:

قوله: صحابہ کرام کی شان میں اہانت کے جو کلمات کتاب بخاری میں لکھے گئے ہیں، اس کا تذکرہ ہم یہاں نہیں کرتے۔ اس تحریر میں ہم صرف ان چند مقامات کو لکھتے ہیں کہ جس میں رسول مقبول ﷺ کی شان میں توہین کے کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔ (ص: ٦٠)

أقول: اچھا ہم بھی دیکھتے ہیں کہ کہاں آپ کی توہین کی گئی ہے اور آپ کی غلط فہمی کو دور کر دیتے ہیں، اور صحابہ کرام کا تذکرہ جب آپ کریں گے تو اس کا بھی جواب دیا جائے گا، ہم نے تو آپ کی کتابوں سے آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام دونوں کی توہین اوپر پیش کر دی ہے۔ کہئے! آپ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ ہوتو دیجئے! ع۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

قوله: أول: باب قول الرجل للرجل: اخسأ. (بخاری ص: ٩١١) یعنی یہ باب قول رجل کا واسطے رجل کے ''اخسأ'' پس یہاں پر رجل اول سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ الخ

دوم: باب قول الرجل: مرحباً. (ص: ٩١٢) اس جگہ بھی رجل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

سوم: باب ما جاء في قول الرجل: ويلك (ص: ٩١٠) '' یہاں بھی رجل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔''

چہارم: باب قول الرجل للشيء: ليس بشيء ... الخ (ص: ٩١٧) ''اس مقام میں بھی رجل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔''

پس دیکھئے کہ بخاری کی متعدد جگہوں میں رسول مقبول ﷺ کی شان میں لفظ رسول اللہ ﷺ نہ کہہ کر بجائے اس کے لفظ رجل کا، جو عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے، کس کشادہ پیشانی سے بے دھڑک استعمال کیا گیا ہے۔ الخ (ص: ٦٠)

أقول: شعر۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو ایک قطرہ خون نہ نکلا

آپ نے جو اس قدر لمبی چوڑی تمہید باندھی تھی، یہاں آ کے سب کی حقیقت عیاں ہوگئی۔ سبحان اللہ! خوب توہین ثابت کی، اور لطف یہ کہ متکلم کے منشا کے خلاف خود ہی لفظ رجل کا مصداق رسول اللہ ﷺ کو مقرر کر کے توہین کا الزام لگا دیا۔ اسی کو کہتے ہیں: ''مدعی سست اور گواہ چست'' اجی حضرت سنئے! امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد باب میں لفظ رجل سے رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں ہیں، بلکہ حدیث میں جو اس کے مصداق رسول اللہ ﷺ ثابت ہوتے ہیں، امام

بخاری ؒ اس پر قیاس کر کے عام رجل کے لیے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کہ ہر کوئی (کسے باشد) "اخسأ" یا "مرحبا" "ويلك" وغیرہ کسی مخاطب کو کہہ سکتا ہے۔ فأنى هذا من ذلك؟!

پس کون عقلمند اس کو توہین پر محمول کرے گا؟ امام بخاری ؒ تو رجل سے مراد رسول اللہ ﷺ کو لیتے ہی نہیں اور آپ خواہ مخواہ اپنی طرف سے اس کی تعیین کر کے توہین ثابت کرتے ہیں۔ آہ! ع۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

سنئے! امام بخاری باب میں جب رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں، تو خود رسول اللہ ﷺ لکھا کرتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری کے بابوں کی فہرست ملاحظہ کیجئے، سینکڑوں باب آپ کو ملیں گے، ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے صحیح بخاری کے اول وآخر سے دو حوالے نقل کر دیتے ہیں، پہلے پارہ کتاب العلم میں دیکھئے:

"باب قول النبي ﷺ: علمه الكتاب" اور پارہ ۲۹ واں دیکھئے: باب قول النبي ﷺ: من حمل علينا السلاح فليس منا، باب قول النبي ﷺ: لا ترجعوا بعدي كفارا، باب قول النبي ﷺ: تكون فتنة، القاعد فيها خير من القائم،" وغير ذلك.

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

بس یہی حضرت آپ کی پونجی اور جھوٹی شیخی تھی؟ جو فوراً جھڑ گئی! بندہ خدا! اعتراض کچھ تو پائیدار کیا ہوتا؟ اور اگر امام بخاری کی مراد باب میں رجل سے رسول اللہ ﷺ ہی ہوں تو اس میں کونسی تحقیر شان ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ رجلیت سے خارج تھے؟ حالانکہ قرآن مجید میں آپ کو جیسے بشر کہا گیا ہے، ایسے ہی رجل بھی فرمایا گیا ہے، سورہ یونس کی ابتدائی آیت ملاحظہ ہو، ارشاد ہے:

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ [يونس: ٢]

علی ہذا القیاس کل انبیاء کو رجل کہا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ﴾ [الأنبياء: ٧]

بلکہ تمام نبیوں نے خود ہی اپنے کو رجل کہا ہے، سورۂ اعراف میں حضرت نوح اور ہود ؑ کا کلام ملاحظہ ہو، ارشاد ہے:

﴿أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ﴾ [الأعراف: ٦٣]

اب تو سب سے بڑا اعتراض آپ کا خدا پر ہونا چاہیے کہ لفظ رجل کا، جو عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے، اللہ میاں نے کیسے بے دھڑک کل انبیاء کو حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں استعمال کیا ہے، اب قرآن مجید سے بھی ہاتھ دھوئیے، حدیث نبوی کو تو پہلے ہی چھوڑ بیٹھے، اور کہیے:

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

قوله: سب بخاری پرست جو رسول اللہ ﷺ کومثل اپنے ایک آدمی جانتے ہیں، اس کا ماخذ بھی کتاب بخاری ہی ہوتو عجب نہیں ہے۔ (ص: ٦١)

أقول: رسول اللہ ﷺ کی بشریت و رجلیت کا ماخذ کتاب اللہ ہے، جس میں رجل کی آیت اوپر مذکور ہوئی، بشریت کی اب ملاحظہ ہو:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾ [الكهف: ١١٠]

''یعنی اے محمد ﷺ آپ خود فرما دیں کہ میں تمہارے ہی جیسا بشر ہوں، فرق یہ ہے کہ میں پیغمبر ہوں میری طرف وحی آتی ہے۔'' ولنعم ما قیل:

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اب یہاں سے آپ کے مضمون نمبر (۱۹) کا جواب دیا جاتا ہے، جو اخبار ''اہل فقہ'' کے اسی نمبر ۲۹ (جلد ۳، ص: ٦ کے پہلے کالم) میں نمبر (۱۸) کی سرخی سے طبع ہوا تھا، جس کا عنوان یہ ہے:

(کیا) کتاب بخاری کا آغاز بغیر حمد اور صلوۃ کے ہے؟

قوله: کتاب بخاری کا آغاز امام بخاری رحمہ اللہ نے جو بطریق مسنون نہیں کیا ہے، یعنی اس کے شروع میں نہ تو حمد لکھی ہے اور نہ صلوۃ، اس کے متعلق ہم کوئی امر اپنی طرف سے لکھنا نہیں چاہتے، بلکہ علامہ عینی نے کتاب عینی شرح بخاری (جلد ۱/ ۱۵) میں جو کچھ لکھا ہے، صرف اسی کا نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ (تا آخر ص: ٦٢ از ص: ٦١ الجرح)

أقول: اس کا جواب بچند وجوہ ہے:

أولاً: حمد کی تعریف یہ ہے کہ " هو الثناء باللسان "یعنی زبان سے تعریف ادا کرنا نہ کہ لکھ کر، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے:

''كل أمر ذي بال لايبدأ فيه بحمد الله فهو أجذم''. [1] (أبو داود و نسائي)

[1] سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب الهدي في الكلام، رقم الحديث (٤٨٤٠) سنن النسائي الكبرىٰ (٦/ ١٢٧)

''یعنی جونسا ذی شان کام اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے، اس میں برکت نہیں ہوتی۔''

حضرت نے یہ نہیں فرمایا: لا يكتب فيه بحمد الله . یعنی اللہ کی حمد لکھی نہ جائے۔

بلکہ لکھ کر حمد کرنا دراصل حمد ہی نہیں ہے، کیونکہ مفہوم حمد " هو الثناء باللسان " کے مخالف ہے۔ (آج تک تمام مصنفین نے اس راز کو سمجھا ہی نہیں) اور اسی وجہ سے خود رسول اللہ ﷺ بھی کسی رقعہ وغیرہ میں حمد نہیں لکھتے تھے، حدیبیہ کا صلح نامہ یوں لکھا گیا تھا:

" بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما صالح عليه محمد رسول الله" [1] (بخاري)

یہاں رسول اللہ ﷺ نے محض بسم اللہ لکھوائی، حمد نہیں لکھوائی، حالانکہ یہ کتنا ذی شان کام تھا؟ ایسا ہی جتنے خطوط آپ نے بادشاہوں کی طرف بھیجے، سب یوں ہی لکھے گئے:

" بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله إلى فلان "

اس میں صرف بسم اللہ پر اکتفا کیا گیا ہے، حمد کہیں بھی نہیں لکھی گئی۔ ایسا ہی قرآن مجید میں حضرت سلیمان ◆ کے خط کی نقل یوں مذکور ہے:

﴿ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ ﴾ [النمل: ۳۰،۳۱]

اور اسی وجہ سے قرآن مجید کی سب سے پہلی آیت جو غار حرا میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی، اس میں بھی حمد نہیں ہے، بلکہ صرف بسم اللہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴾ [العلق: ۱،۲]

معلوم ہوا کہ طریقہ مسنونہ اصل میں یہی ہے۔ [2] اسی لئے امام بخاری ؒ نے بھی اپنی جامع بخاری کو فقط بسم اللہ سے شروع کیا اور حمد نہیں لکھی۔ چنانچہ یوں فرمایا:

" بسم الله الرحمن الرحيم، باب كيف كان بدء الوحي... " الخ

➔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: "اختلف في وصله وإرساله فرجح النسائي والدارقطني الإرسال " (التلخيص الحبير: ۳/ ۱۵۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: سنن الدارقطني (۱/ ۲۲۹) العلل للدارقطني (۸/۲۹) سنن البيهقي (۳/۲۰۸) إرواء الغليل (۱/ ۳۰)

[1] صحيح البخاري: كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، رقم الحديث (۲۵۸۱) رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کے آغاز میں "بسم الله الرحمن الرحيم" ہی لکھنے کو کہا تھا، لیکن سہیل بن عمرو کے اعتراض پر "باسمك اللهم" لکھا گیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے "محمد رسول الله" ہی لکھنے کا حکم دیا تھا، لیکن سہیل بن عمرو کے اعتراض پر ''محمد بن عبداللہ'' لکھا گیا، جیسا کہ محولہ بالا حدیث میں صراحتاً مرقوم ہے۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري (۱/ ۸)

پس اس کے سوا اور کون سا طریقہ مسنون ہوسکتا ہے؟ سبحان اللہ! صحیح بخاری تو بالکل ہی مسنون طریق سے واقع ہے اور جتنے لوگوں نے شروع میں حمد وصلوۃ لکھا درحقیقت غیر مسنون وہی ہے۔

علامہ عینی حنفی نے اس جواب پر پانچویں اور ساتویں نمبر میں چند اعتراضات کئے ہیں:

۱۔ تو پھر امام بخاری نے بسم اللہ کو کیوں لکھا؟

۲۔ تمام مصنفین کی مخالفت ہوگئی۔

۳۔ قرآن مجید کے نزول کی حالت کا اعتبار نہیں، ترتیب عثمانی کا لحاظ کیا جائے گا۔

۴۔ اور اگر نزول کا لحاظ کیا جائے، تو بسم اللہ بھی نہیں لکھنی تھی (کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ آیت قرآنیہ نہیں ہے، جس کو انہوں نے (جلد ۱/ص: ۱۵) میں لکھا ہے)۔

لیکن افسوس کہ ان میں کوئی اعتراض بھی پائیدار نہیں ہے، پہلا اور دوسرا پھر بسم اللہ کیوں لکھی اور تمام مصنفوں کی مخالفت کیوں کی؟ نہایت ہی پوچ ہے، سنئے! بسم اللہ اس وجہ سے لکھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطوں میں بسم اللہ لکھی تھی، اس میں امام بخاری نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی ہے اور اس حدیث پر عمل کیا ہے، جس کو انہوں نے خود اپنی صحیح میں نقل کیا تھا، اس اتباع محمدی میں چاہے دنیا کے تمام مصنفوں کی مخالفت ہوا کرے، ایں مخالفت بجوئے نیرزد! ع۔

عالم بمنت یکطرف تابع بہ سنت یکطرف

تیسرا اعتراض تو نہایت ہی واہی ہے، بنظرِ ابتداء حالتِ نزول ہی کا اعتبار ہوگا نہ ترتیب عثمانی کا، اس لئے کہ کلام ابتداء امر ذی شان میں حمد کے لکھنے یا نہ لکھنے پر ہے، اور جب قرآن مجید کے نزول کی ابتداء میں اس سورہ میں حمد نہ تھی، بعد کی ترتیب میں اگر الحمدللہ پیشتر لکھ دی گئی تو اس سے کیا؟ بہر حال ابتدائی حالت کو دیکھنا ہے۔

چوتھا اعتراض کہ بسم اللہ پھر نہ لکھتے؟ یہ اس بناء پر ہے کہ بسم اللہ آیت قرآنیہ نہ ہو، حالانکہ بسم اللہ تا آخر یقیناً آیت قرآنیہ ہے اور حنفیہ نے جو اس کا انکار کیا ہے، اس میں سخت غلطی کھائی اور جمہور صحابہ وتابعین کی مخالفت کی ہے، ابن عباس وابن عمر وابو ہریرہ وابن زبیر وسعید بن جبیر وعطا وابن مبارک واحمد (فی أحد القولین) واسحاق وحضرت علی وزہری ومحمد بن کعب وثوری وامام شافعی (درقول جدید) وابو قلابہ وعکرمہ وطاوس ومجاہد وعلی بن حسین وسالم بن عبداللہ وابن سیرین وابن منکدر ونافع وزید بن اسلم ومکحول وغیرہ وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ بسم اللہ تا آخر ہر سورت کی آیت اور اس کا جزو ہے، صرف امام مالک وامام ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیت نہیں ہے۔[1] ان دو شخصوں کی رائے جماہیر کے آگے کیا حقیقت رکھی ہے؟ پس جب بسم اللہ آیت قرآنیہ ہوئی تو امام بخاری کا بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا بہت ٹھیک اور مناسب ہوا۔ پس بحمداللہ کہ عینی کے اعتراضات (جو انہوں نے مجیبین کے جوابات پر

[1] دیکھیں: الأوسط لابن المنذر (٤/٢٦٣) تفسير ابن كثير (١/ ١٧)

کئے تھے) سب ھباء منثورًا ہوگئے اوران کے شافی جوابات ہم نے دے دیئے۔

اب ڈاکٹر صاحب اپنے اعتراض کا دوسرا جواب سنئے، یہ ایسا جواب ہے کہ آج تک کسی نے اس کو غلط نہیں ٹھہرایا اور نہ اس پر کسی نے اعتراض کیا ہے، بلکہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ کسی نے آج تک یہ جواب دیا ہی نہیں، یہ خاص اس خاکسار کی جدت ہے، آپ کی طرح نہیں کہ آپ اعتراض نقل کرتے وقت کہہ دیتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے کوئی امر نہیں لکھنا چاہتے، ہاں صاحب! آپ کو آتا ہی کیا ہے جو اپنی طرف سے لکھیں گے؟ آپ تو عینی کے کاسہ لیس ہیں!! بقول ع۔

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم ❶

ثانیاً: اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حمد کا ابتداءِ کتاب میں لکھنا ہی ضروری ہے، تو سنئے ہم ثابت کر دیتے ہیں کہ امام بخاری نے حمد لکھی ہے اور صحیح بخاری میں اب بھی موجود ہے، دیکھنے کو چشم بینا اور سمجھنے کو دل دانا درکار ہے، اور وہ حمد ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے، اس لئے کہ حمد کے معنی ستائش کے ہیں اور وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے حاصل ہے، اس طور پر کہ اللہ اسم ذات ہے اور رحمٰن و رحیم اسماء صفات جن سے حمد واضح ہے، اور اہل دین و اہل علم کا یہ قاعدہ ہے کہ شروع میں ایسی ذات کا نام لیتے ہیں، جو ہر طرح سے محمود اور جمیع محامد کا مجمع ہو اور تمام عیوب سے پاک و بری ہو، اور یہ خصوصیت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی ذات میں نہیں، پس امام بخاری اگر شروع میں محض لفظ اللہ ہی لکھ دیتے تو بھی حمد ادا ہوجاتی، لیکن یہاں پر انہوں نے رحمٰن و رحیم لکھ کر واضح طور پر اظہار حمد کیا، پس ابتداء حمد سے ہوگئی، اسی وجہ سے قرآن مجید کی ابتدائی آیت میں اور مکتوبات نبوی میں علیحدہ حمد نہیں لکھی گئی، کیونکہ بسملہ خود ہی حمد کافی ہے۔ فتذکر!

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ابتداء کے علاوہ انتہا بھی حمد سے کی ہے، چنانچہ صحیح بخاری اس حدیث پر ختم ہوتی ہے: ''سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم'' ❷ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صلوۃ کو بھی ابتداء میں ذکر کر دیا ہے، فرماتے ہیں: '' باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ'' یہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بالتصریح صلوۃ وسلام ہے، اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟ لیکن پہلے تعصب کا چشمہ اتار کر پھر اس کو دیکھنا چاہیے، ورنہ اس حالت میں تو دن بھی رات معلوم ہوگا!! ع۔ ولن يصلح العطار ما أفسده الدهر، افسوس!

قولہ: ان عذرات کے بہ نسبت جو لوگوں نے بخاری کی طرف سے اس خصوص میں پیش کیے ہے۔ (الی قولہ) علامہ عینی نے ایک ایک عذر لکھ کر اس کا جواب باصواب دیا ہے (تا) امام بخاری کسی طرح اس الزام سے بری نہیں ہوسکتے۔ (ص: ٦٢)

---

❶ جو استاد نے کہا میں بھی وہی کہوں گا۔

❷ صحيح البخاري: كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾ وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن، رقم الحديث (٧١٢٤)

أقول: امام بخاری ؒ اس الزام سے بلاشبہہ بری ہیں، انہوں نے حمد وصلوۃ دونوں کو لکھا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، اور عینی نے عذرات کے جو جوابات دیئے ہیں وہ باصواب نہیں بلکہ ناصواب ہیں، جس کی قلعی اوپر کھولی گئی ہے کہ انہوں نے کیسے لچر پوچ اعتراضات کیے ہیں، جو اہل علم کی شان سے بعید ہیں، اور جواب انہوں نے کیا خاک دیا ہے؟ ذرا صفحہ نمبر (۱۶) میں تیسرے اعتراض کے جواب کو دیکھئے کہ علامہ عینی جواب دے رہے ہیں یا عذر قبول کر رہے ہیں؟!

سنئے! تیسرا عذر یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے پرچہ میں حمد نہیں لکھوائی، اس کا جواب عینی میاں یہ دیتے ہیں:

"لم لا يجوز أن يكون الترك لبيان الجواز؟."[1] (ص: ١٦)

"یعنی رسول اللہ ﷺ کا حمد کا صلح نامہ میں ترک کرنا، یہ بیان جواز کے لئے ہے کہ ترک حمد جائز ہے۔"

پس عینی نے جوازِ ترکِ حمد کو تسلیم کر لیا اور جواب دینے بیٹھے تھے خود ہی لاجواب ہوگئے اور امام بخاری کا ترک حمد کا غیر منکر ہونا ثابت ہوگیا۔

کہئے ڈاکٹر صاحب! آپ عینی کے ایسے ہی جوابات پر پھولے نہیں سماتے تھے؟ اب کہئے!

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اب اس کے آگے نمبر (۲۰) کا جواب شروع ہوتا ہے، جو "اہل فقہ" (جلد ۳ نمبر ۳۱ ص: ۷ مورخہ ۶ ذیعقدہ ۲۷ھ مطابق ۲۰ نومبر ۰۹ء) میں بہ سرخی نمبر (۲۱) شائع ہوا تھا، جس کا عنوان یہ تھا، "کتاب بخاری میں ایک اور غلطی۔"

جواب غلطی:

قوله: حديث: عن أبي هريرة الدوسي قال: خرج النبيﷺ في طائفة النهار، لا يكلمني، ولا أكلمه حتى أتىٰ سوق بني قينقاع، فجلس بفناء بيت فاطمة فقال: أثم لكع أثم لكع...الخ
(بخاری مطبوعه أحمدی: ٢٨٥، باب ما ذكر في الأسواق)

"ابو ہریرہ دوسی سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نکلے رسول اللہ ﷺ ایک ٹکڑا دن میں، نہ آپ مجھ سے بولتے تھے نہ میں آپ سے بولتا تھا، یہاں تک کہ تشریف لائے آپ سوق بنی قینقاع میں، پس بیٹھے آپ صحن مکان حضرت فاطمہ ؓ میں اور فرمایا آپ نے کہ کیا یہاں لڑکا ہے؟ یہاں لڑکا ہے؟ (مطلب آپ کا حضرت حسن سے تھا)۔" الخ

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک روز نکلے اور سوق بنی قینقاع میں تشریف لا کر حضرت

---

[1] عمدة القاري (١٢/١)

فاطمہ □ کے صحن مکان میں بیٹھے اور جو کچھ فرمانا تھا فرمایا، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ □ کا مکان سوق بنی قینقاع میں تھا حالانکہ یہ غلط ہے، حضرت فاطمہ □ کا مکان سوق بنی قینقاع میں نہ تھا، بلکہ آپ کا مکان رسول اللہ ﷺ کے مکانات کے درمیان میں تھا، جس کو سوق بنی قینقاع سے کچھ تعلق نہیں، جیسا کہ علامہ عینی عمدۃ القاری (۵/ ۴۷۶) میں حدیث مذکور کی شرح میں بحوالہ قول داودی کے لکھتے ہیں۔ الخ بخلاف اس کے اس حدیث کو جو حضرت امام مسلم ؒ نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے وہ بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور وہ یہ ہے، حدیث الخ، (الی قولہ) پس اس حدیث کا مضمون کہ ''رسول اللہ ﷺ سوق بنی قینقاع میں آئے اور وہاں سے پھر کر مکان حضرت فاطمہ □ پر تشریف لائے۔'' صحیح اور درست ہے نہ کہ بخاری کی حدیث مذکورہ بالا کا مضمون کہ رسول اللہ ﷺ سوق بنی قینقاع میں حضرت فاطمہ □ کے مکان میں تشریف لائے۔ فافھم! (ص: ۶۳،۶۴)

أقول: داودی کا یہ اعتراض کہ یہاں ناقل نے ایک حدیث کو دوسری میں داخل کر دیا ہے، بالکل غلط ہے، اس لئے کہ حدیث ایک ہی ہے نہ کہ دو، ہاں یہاں اختصار ہے، جس کی وجہ سے چند الفاظ درمیان سے (حضرت کے بازار سے پھر کر بیتِ فاطمہ □ میں آنے کے) ساقط ہوگئے ہیں، جیسا کہ اختصار میں ہوتا ہے۔ آپ امام مسلم کی روایت کا حوالہ کیا دیتے ہیں کہ اس میں بازار سے پھر کر جانے کا ذکر ہے اور وہ ٹھیک ہے، ہم سے سنئے، خود صحیح بخاری ہی کے دوسرے مقام میں وہ الفاظ جو مسلم میں ہیں اور صحیح بخاری کے اس مقام میں مذکور نہیں ہیں، کتاب اللباس میں بالتصریح مذکور ہیں، چنانچہ چوبیسویں پارے میں '' باب السخاب للصبیان '' میں ملاحظہ ہو:

''عن أبي هريرة قال: كنت مع رسول الله ﷺ في سوق من أسواق المدينة، فانصرف وانصرفت فقال: أين لكع ثلاثاً ...؟ [1]'' الخ .

''یعنی آنحضرت ﷺ بازار (بنی قینقاع) سے پھر کر (حضرت فاطمہ □ کے مکان آئے اور) فرمایا کہ چھوٹا بچہ (حسن ♦) کہاں ہے؟''

پس دیکھئے کہ صحیح بخاری میں خود بازار سے پھر کر رسول اللہ ﷺ کے (بیت فاطمہ میں) آنے کا ذکر موجود ہے، نہ یہ کہ بازار ہی میں ان کے مکان میں گئے تھے۔ دیکھئے راوی بھی ایک ہی (وہی ابو ہریرہ) ہے اور واقعہ بھی ایک، لیکن یہاں بھی اختصار ہے، یہاں پر بازار کا نام اور بیت فاطمہ □ میں آنے کی تصریح مذکور نہیں ہے، تیسرے مقام میں امام بخاری اس روایت کو اس سے بھی نہایت مختصر لائے ہیں، چنانچہ چودھویں پارہ میں مناقب حسن وحسین میں اسی راوی سے اسی واقعہ کے آخری جملہ کو بلاسند (تعلیقاً) یوں لائے ہیں:

[1] صحيح البخاري: كتاب اللباس، باب السخاب للصبيان، رقم الحديث (٥٥٤٥)

"وقال نافع بن جبير عن أبي هريرة: عانق النبي ﷺ الحسن." [1] انتہی
"یعنی آنحضرت ﷺ نے حسن کو گلے سے لگا لیا۔"

دیکھئے اسی واقعہ کا یہ آخری جملہ ہے اور کیسا مختصر! اصل یہ ہے کہ محدثین کی عادت ہے کہ جہاں اجمال کا موقع ہوتا ہے، وہاں صرف اپنا مقصود ثابت کرنے کے لیے حدیث مختصر کر دیتے ہیں اور کہیں موقع تفصیل میں مفصل، یہ ان کی اپنی حالت پر موقوف ہے، کہیں نشاط ہوا تو پوری حدیث لفظ بلفظ بیان کر دی اور نشاط نہ ہوا تو کچھ حذف کر کے اور کچھ ذکر کر کے اپنا مدعا ثابت کر لیا، اور اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اس قسم کا اجمال وتفصیل قرآن مجید میں صدہا جگہ موجود ہے، مثلاً موسیٰ ◆ کے قصہ کو سورہ مریم میں نہایت مختصر بیان کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ [مريم: ٥٢]

اس آیت میں طور پہاڑ کے دائیں جانب سے صرف ندا آنے کا ذکر ہے۔ سورۂ قصص میں اس سے پیشتر کے حالات ومقامِ نداو حکم کو تفصیل سے ذکر فرمایا:

﴿ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [القصص:٢٩]

یہاں پر دیکھئے اتنا واقعہ مذکور ہے: "موسیٰ کا پہلے کوہ طور کی جانب آگ دیکھنا، پھر اپنے اہل سے کہنا کہ ٹھہرو تاپنے کے لیے میں آگ لاتا ہوں یا خبر ہی دریافت کروں گا، پھر موسیٰ ◆ کا وہاں آنا، بعد ازاں وادی کے دائیں جانب سے بقعہ مبارکہ میں درخت سے آواز آنا کہ اے موسیٰ ◆ ! میں خدا ہوں۔" یہ سب باتیں پہلی آیت میں نہیں ہیں، اس کے بعد کا واقعہ تیسری آیت میں اس سے بھی تفصیل سے مذکور ہے، چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں ہے:

﴿ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ [طٰهٰ:١١]

یہاں پر فرمایا کہ "آواز یہ دی گئی تھی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں، اپنی جوتیاں نکال دو، تم مقدس وادی طویٰ میں ہو۔"

کیا اس پر بھی آپ اعتراض کریں گے کہ پہلی آیت میں آگ دیکھنا اور وہاں آنا مذکور نہیں ہے، دوسری میں خلع نعلین کا ذکر نہیں وغیر ذلک؟ لا حول ولا قوة !

[1] صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما.

اسی طرح صحیح بخاری میں متعدد مواضع میں وہ روایت آئی ہے، کہیں حد سے زیادہ اختصار ہے، کہیں بعض الفاظ محذوف ہیں، کہیں ان کا ذکر ہے، پس اگر اسے امام بخاری کی غلطی پر محمول کیا جائے، تو قرآن مجید کی آیات کو بھی اللہ تعالیٰ کی غلطی پر محمول کرنا چاہیے۔ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه، لأنه تعالىٰ عن ذلك علوا كبيراً !

پس امام بخاری کی بھی حدیث مذکور میں کوئی غلطی نہیں ہے، بلکہ اس سے تو امام بخاری کی صداقت اور جودت حفظ ثابت ہوتی ہے کہ بخیال طوالت، جو مخل ذہن ہے، روایت کو مختصر کر دیا، اس طور پر کہ مقصودِ ایراد فوت نہ ہو، چنانچہ وہ فوت نہ ہوا، بلکہ جس مقصد سے اس حدیث کو "باب ذكر الأسواق" میں لائے تھے، وہ سوق بنی قینقاع سے واضح طور پر ثابت ہوگیا۔ فالحمد لله حمداً كثيرا طيباً مباركا فيه مباركا عليه، اور یہ بھی اسی صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوگیا کہ حضرت فاطمہ کا مکان بازار بنی قینقاع میں نہیں تھا، اور نہ رسول اللہ ﷺ بازار ہی میں ان کے مکان میں تشریف لے گئے تھے، بلکہ بازار سے پھر کر آئے تھے، اس کے بعد وہاں گئے تھے،اور اس پر بین قرینہ حدیث مذکور میں " فجلس "کی ''ف'' ہے، جو تعقیب کے لئے آئی ہے اور بتلاتی ہے کہ اس سے پیشتر کوئی جملہ یا واقعہ محذوف ہے اور وہ وہی ہے جو دوسرے مقام پر بصراحت مذکور ہے، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کی روایتیں متحد اللفظ والمعنی ہیں۔ فتدبر!

کہئے ڈاکٹر صاحب! آپ تو غلطی نکالنے آئے تھے، آپ کی غلطی وہ کیا ہوگئی؟!

اب اس کے بعد آپ کے آخری مضمون نمبر (۲۱) کا جواب دیا جاتا ہے، جو اہل فقہ کے اسی نمبر اور اسی جلد اور اسی تاریخ میں اس مضمون سے ایک صفحہ پیشتر یعنی ص (۶) میں نمبر (۲۰) کی سرخی سے شائع ہوا تھا، جس کا عنوان یہ تھا: ''بخاری کے مرجیہ رواۃ۔''

نمبر ۲۱:

> **قوله**: جس طرح سے کتاب بخاری میں کذاب اور حدیثوں کو جعلی بنانے والے وغیرہ راوی موجود ہیں، اسی طرح سے اس میں ایک جماعت بد مذہب رواۃ کی بھی ہے، جیسے خوارج، شیعہ، قدریہ، جبریہ وغیرہ۔ (ص: ٦٤)

أقول: یہ بالکل غلط ہے، جیسے آپ کی تمام باتیں غلط ہوا کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں نہ تو کوئی راوی کذاب اور نہ کوئی وضاع (جعل بنانے والا) ہے، بلکہ سب راوی نہایت ثقہ، صدوق، امین ہیں۔ شیعیت وغیرہ کا الزام بھی مدفوع ہے، جیسا کہ مفصل اسی رسالہ کے صفحہ (۶۳) و (۶۷) میں گزرا۔ فليطالع هناك !

> **قوله**: " ان رواۃ کو ذیل میں لکھتے ہیں کہ جو مرجیہ تھے...... جو ہمیشہ امام اعظم حضرت امام

ابوحنیفہ ♋ اور ان کے مقلدوں پر مرجیہ ہونے کا غلط الزام ...... وہ جواب دیں کہ امام بخاری نے کیوں مرجیوں سے بخاری میں روایت کی اور ان کو اپنے شیوخ میں داخل کیا اور کتاب بخاری بوجہ اس کے کہ اس میں مرجیوں سے روایت کی گئی ہے، کیوں پایۂ اعتبار سے ساقط نہ سمجھی جائے گی؟'' (ص: ٦٤، ٦٥)

أقول: مرجیہ سے روایت لینا، جب وہ ثقہ اور ثابت الاخذ و الاداء ہو، محدثین کے نزدیک ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہے۔ دیکھئے مشرکین مکہ نے جب حضرت ابوبکر سے رسول اللہ ♏ کی معراج کا واقعہ بیان کیا، تو ابوبکر ◆ نے فوراً مان لیا، کیونکہ مشرکین اکثر سچے ہی ہوتے تھے، تو جب مشرکین کی روایت لینی جائز ہے، تو مسلمان کی روایت لینی، خواہ وہ کسی خیال کا ہو، بدرجہ اولیٰ جائز ہونی چاہیے۔ [1] لہٰذا صحیح بخاری ہرگز پایۂ اعتبار سے ساقط نہیں ہوسکتی، ورنہ چاہیے کہ قرآن مجید بھی ساقط الاعتبار ہو، کیونکہ اس میں مشرکین کے بہت سے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ وذلك لا يقول به أحدٌ أبداً!

رہا یہ کہ امام بخاری نے مرجیہ سے روایت کیوں لی؟ پس سنئے! حدیث میں آیا ہے:

" كلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو أحق بها" . [2] (ترمذی)

محدثین کا گم شدہ تو حدیث نبوی ♏ ہے، پس جہاں اس کو پائیں گے (بشرطیکہ حدیث بیان کرنے والا ثقہ اور ثابت الاخذ و والاداء ہو) ضرور لیں گے۔ پس مرجیہ راوی اگر ثقہ ہے اور ثابت الاخذ والاداء ہے، تو اس سے روایت لینی جائز ہے، دیکھئے کتب اصول حدیث۔ [3]

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق ◆ نے بایں شرط "لئن كان قال ذلك لقد صدق "مشرکین کی بات تسلیم کی تھی، مطلقاً مشرکین مکہ کی روایت کی تصدیق نہیں کی، کیونکہ قبولِ روایت کے لیے اسلام شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

[2] سنن الترمذي: كتاب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، رقم الحديث (٢٦٨٧) بلفظ: "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن..." وقال الترمذي: "هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وإبراهيم بن الفضل المدني المخزومي يضعف في الحديث من قبل حفظه" نیز امام ابن جوزی ♋ فرماتے ہیں: "هذا حديث لا يصح، قال يحيىٰ: إبراهيم ليس حديثه بشيء" (العلل المتناهية: ١/ ٩٥) نیز دیکھیں: الضعفاء للعقيلي (١/ ٦٠) الكامل لابن عدي (١/٢٣١) المجروحين لابن حبان (١/ ١٠٥)

[3] دیکھیں: تدريب الراوي (١/ ٣٢٥) توضيح الأفكار (٢/٢٢١) توجيه النظر للجزائري (٢/٨٨٧) علامہ جمال الدین قاسمی ♋ فرماتے ہیں: بہت سے رواۃ کو اتہاماً شیعی، خارجی، اور ناصبی وغیرہ کہہ دیا جاتا ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین کے بہت سے رواۃ پر ''تشیع'' کی تہمت لگائی گئی ہے، جب میں نے شیعہ کی کتب رجال کا مراجعہ کیا، تو صحیحین کے پچیس رواۃ میں سے، جن پر تشیع کا الزام تھا، مجھے صرف کتب شیعہ میں دو راویوں کا ذکر ملا، بقیہ رواۃ کا کوئی ذکر تک مجھے نظر نہیں آیا۔ جس سے ایک انتہائی اہم قاعدہ معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کا بدعت کی طرف انتساب ملے، تو ہمیں اس مذہب کی کتب رجال کی طرف رجوع کرنا چاہیے، تاکہ اصل حقیقت حال معلوم ہو سکے۔'' (قواعد التحديث ص: ١٩٤، مختصراً)

باقی رہا مقلدین ابوحنیفہ کا مرجیہ ہونا، اس کو تو آپ کے حضرت بڑے پیر صاحب نے غنیہ میں لکھا ہے۔ ❶ جن کا وظیفہ آپ پڑھتے ہوں گے، پس انہیں سے اس کا راز بھی دریافت کر لیجئے، وجہ تو انہوں نے خود غنیہ ہی میں لکھ دی ہے، اور امام صاحب کا مرجیہ ہونا ابن قتیبہ دینوری کی کتاب "المعارف" میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس کا بدلہ آپ امام بخاری سے لینے اٹھے ہیں؟! ہم بخاری کے رواۃ سے شبہہ ارجاء اٹھا دیتے ہیں، آپ امام صاحب اور ان کے مقلدین سے اٹھائیے، ورنہ کہا جائے گا کہ امام صاحب اور ان کے مقلدین کا مرجیہ ہونا، آپ تسلیم کر کے صحیح بخاری کے رواۃ میں بھی وہی ارجاء دکھلاتے ہیں، اور یہ کوئی خوبی کی بات نہیں، بلکہ الزام آپ پر آپ ہی کے ہاتھوں قوی ہو گیا۔ فتدبر!

صحیح بخاری کے رواۃ پر سے طعنِ ارجاء کا دفعیہ:

قوله: نمبر۱: **شبابة بن سوار مدايني:** عن أحمد بن حنبل قال: تركت شبابة للإرجاء، وقال ابن المديني: صدوق إلا أنه يرى الإرجاء. ان سے بخاری (ص: ۴۷) میں حدیث روایت کی گئی ہے: " باب الصلوة على النفساء و سنتها " (ص: ٦٥)

أقول: شبابہ پر ارجاء کا الزام صحیح نہیں، اس لئے کہ انہوں نے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا، اسی میزان الاعتدال میں ذرا سا آگے نہیں دیکھ لیا؟ ابوزرعہ فرماتے ہیں:

" رجع شبابة عن الإرجاء . ❸ (ج۱) "یعنی شبابہ نے ارجاء سے رجوع کیا اور تائب ہو گئے تھے۔"

علی ہذا القیاس حافظ ابن حجر ؒ نے ہدی الساری میں اس رجوع کو بحکایت سعید بن عمرو بن برذعی بیان کیا ہے۔ من شاء فليرجع إليه۔ ❹

لہٰذا آپ کی ارجاء کی جرح کافور ہو گئی اور ان کا مرجیہ نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ فالحمدللہ، اب ان کی توثیق اگر دیکھنی ہو، تو "الأمر المبرم" (ص: ٧٦) دیکھئے کہ کس قدر محدثین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ فتفكر!

قوله: نمبر۲: **عبد الحميد بن عبد الرحمن أبويحيىٰ الحماني الكوفي:** قال أبوداود: وكان داعية إلى الإرجاء. ان کی حدیث بخاری (ص:۷۵۵) میں روایت کی گئی ہے: "باب حسن الصوت بالقرأة" (ص: أيضاً)

---

❶ غنية الطالبين (ص: ١٦٢)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٢٦١)

❹ هدي الساري (ص: ٤٠٩) نیز دیکھیں: الضعفاء لأبي زرعة (١/ ٤٠٧)

أقول: داعی الی الارجاء ہونے اور مرجیہ ہونے میں فرق ہے۔ علاوہ بریں ان سب میں توبہ کا احتمال بھی باقی ہے، جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن ابی نجیح کے ترجمہ میں لکھا ہے: " لعلهم تابوا" (ج ۲) [1] پس ممکن ہے کہ عبدالحمید نے بھی توبہ کر لی ہو، یا امام بخاری ﷫ نے ارجاء کے قبل ان سے روایت لی ہو، یا ان کا ارجاء اس درجہ کا غالی نہ ہو، جو اخذ میں مضر ہو۔ پس اس قدر احتمالات کے رہتے ہوئے آپ کی جرح ناقابل سماعت ہوگی، اور خاص کر ایسی حالت میں کہ ان کو تمام محدثین ثقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے رسالہ " الأمر المبرم "کا (ص: ۱۰۰) ملاحظہ ہو۔

قوله: نمبر۳: **عمر بن ذر الهمداني:** صدوق ثقة لكنه رأس في الإرجاء "ان سے بخاری (ص: ۹۲۳) میں حدیث روایت کی گئی ہے:" باب إذا دعي الرجل " الخ (ص: أيضاً)

أقول: ان کا ارجاء میں سردار ہونا صحیح نہیں، علامہ ذہبی نے اسی میزان میں آگے خود تردید کر دی ہے اور لکھ دیا ہے:" بل كان لين الكلام فيه"[2] (ج ۲) یعنی عمر نرم زبان سے ارجاء میں کچھ کلام کرتے تھے اور ایسا خفیف ارجاء اخذ حدیث میں مانع نہیں ہوتا، بحالیکہ راوی ثقہ ہو۔[3] چنانچہ ان کی توثیق کثیر محدثین نے کی ہے اور ان کا زہد و صداقت مسلّم ہے۔ "الأمر المبرم" (ص: ۱۲۳) دیکھئے، وہاں ان پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ان کی ثقاہت ثابت کر دی گئی ہے۔

قوله: نمبر۴: **عمرو بن مرة الجملي** . قال أبو حاتم: ثقة يرىٰ الارجاء. ان سے بخاری (ص: ۹۱۱) میں روایت لی گئی ہے:" باب علامة الحب في الله... الخ" (ص: ٦٦)

أقول: ان کا ثقہ ہونا تو آپ کو تسلیم ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابو حاتم سے خود نقل کیا ہے، باقی رہا "يرى الإرجاء" اس کے معنی مرجیہ ہونے کے نہیں ہیں، بلکہ ان کا خیال کچھ کچھ ارجاء کا تھا، اور ایسا خفیف سا ارجاء باوجود ان کی ثقاہت کے ان کو مضر نہیں، جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا، اور ان کی توثیق محض ابوحاتم ہی نے نہیں کی ہے، بلکہ محدثین کے ایک جم غفیر نے کی ہے، اس کی تفصیل " الأمر المبرم" (ص: ۱۳۳) میں مطالعہ کیجئے۔

قوله: نمبر ۵: **ورقاء بن عمر:** قال أبوداود: ورقاء صاحب سنة إلا أنه فيه إرجاء." ان سے بخاری (ص: ۲۲۴) میں حدیث لی گئی ہے:" باب النسك شاةٌ "(ص: أيضاً)

---

[1] میزان الاعتدال (۲/ ۵۱۵)

[2] میزان الاعتدال (۱۹۳/۳)

[3] چنانچہ امام یحیٰ بن سعید ﷫ فرماتے ہیں: "عمر بن ذر ثقة في الحديث، ليس ينبغي أن يترك حديثه الرأي أخطأ فيه" (الجرح والتعديل: ١٠٧/٦)

أقول: ورقاء کا صاحب حدیث ہونا تو ابوداود کے قول سے ظاہر ہے، لیکن ان پر ارجاء کی جرح حقیقت میں صحیح نہیں، امام احمد سے پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا، ہدی الساری میں ہے: " قیل له كان يرى الإرجاء؟ قال: لا أدري "اور تهذيب التهذيب جلد یازدہم میں ہے:" قيل له: كان مرجياً؟ قال: لا أدري "[1]

خلاصہ دونوں کا یہ ہوا کہ امام احمد سے پوچھا گیا کہ ورقاء کیا مرجیہ تھے؟ اس میں ارجاء تھا؟ تو جواب دیا کہ میں نہیں جانتا، یعنی مرجیہ ہو اور مجھے علم نہ ہو؟ ایسا نہیں، پس ثابت ہوا کہ ورقاء مرجیہ نہیں ہے، بلکہ ایک نہایت ثقہ شخص ہے۔ تفصیل کے لیے " الأمر المبرم" (ص: ۱۸۹) دیکھئے، بہت بسط سے ان کا حال اس میں لکھا گیا ہے۔

قوله: نمبر٦: **أيوب بن عائد الكوفي**: وكان من المرجية، قاله البخاري، وأورده في الضعفاء لإرجائه، والعجب من البخاري يغمزه، وقد احتج به " ان سے بخاری (ص: ٦٢٣) میں روایت کی گئی ہے:" باب بعث أبي موسىٰ إلى اليمن "(ص: أيضاً)

أقول: چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو خود صدوق کہا ہے، جیسا کہ هدي الساري اور تهذيب التهذيب جلد أول میں مرقوم ہے۔[2] اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے ان سے ان کے مرجیہ ہونے سے قبل روایت لی تھی، بعد ازاں یہ مرجیہ ہوگئے، اس وجہ سے ان کو امام بخاری نے ہی اپنی کتاب "الضعفاء " میں درج کر دیا۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ایوب کی روایت کو بمتابعت شعبہ ذکر کیا ہے۔[3] لہٰذا مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا۔ امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔[4] (میزان) اور دیگر محدثین نے بھی ایوب کو ثقہ وصدوق کہا ہے، جیسا کہ " الأمر المبرم" (ص: ٤١) میں مفصل لکھا گیا ہے، وہاں دیکھنا چاہیے۔ نیز " الريح العقيم" (ص: ٥٥، ٥٦) میں بھی ان کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے۔

قوله: یہ چند نام بطور نمونہ کے ہم نے لکھے ہیں، ورنہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مرجیہ رواۃ بخاری میں ہیں، جو اسماء رجال کی کتابوں میں موجود ہیں اور اہل علم سے پوشیدہ نہیں، جیسے بشر بن محمد السختیانی اور سالم بن عجلان اور شعیب بن اسحاق اور خلاد بن یحییٰ وغیرہ، مگر بخوف طوالت ہم نے ان سب کو ترک کیا۔ (ص: أيضاً)

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٤٩) تهذيب التهذيب (١١/ ١٠)

[2] الضعفاء للبخاري (ص: ١٨) هدي الساري (ص: ٣٩٢) تهذيب التهذيب (١/ ٣٥٥)

[3] جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے:"له في صحيح البخاري حديث واحد... أخرجه له بمتابعة شعبة " (هدي الساري (٣٩٢) لہٰذا امام ذہبی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ "قد احتج به "درست نہیں۔

[4] ميزان الاعتدال (١/ ٧٨٩)

أقول: ان چار راویوں کے متعلق بھی جواب سنئے:

نمبر ۷: **بشر بن محمد السختياني**: ان کے متعلق تقریب میں بصیغہ مجہول لکھا ہے:" رمي بالإرجاء"❶ اور صیغہ مجہول عدم تیقن کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا ان کا مرجیہ ہونا متیقن نہیں۔ علاوہ بریں اسی تقریب میں ان کو صدوق کہا گیا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ تهذيب التهذيب جلد اول میں ہے۔❷ فلا اعتراض عليه۔ فافهم!

(۸) **سالم بن عجلان** . ان کو ابوحاتم نے مرجیہ کہا ہے، وہاں ساتھ ہی صدوق، نقي الحديث (عمدہ حدیث والا) کہا ہے، اور جوزجانی نے جہاں ان کو مرجیہ کہا ہے، اسی مقام میں ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے:

" وهو في الحديث متماسك "❸ (هدى السارى) ''یعنی حدیث میں ان سے تمسک کیا گیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ان کا ارجاء اس درجہ کا نہیں ہے کہ یہ اخذ حدیث کے قابل نہ ہوں، بلکہ محدثین نے ان سے روایت لی ہے اور سب نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن معین نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے۔ ان کی توثیق کا مفصل بیان "الأمر المبرم" (ص: ۹۵) میں دیکھئے کہ ان کو امام احمد اور عجلی اور محمد بن سعد اور نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ فلا حرج إذاً!

(۹) **شعيب بن إسحاق**. ان کے متعلق بھی تقریب میں اسی طرح بصیغہ مجہول " رمي بالارجاء " وارد ہے،❹ جس سے اس کا عدم جزم مسلّم ہے، یعنی ان کا مرجیہ ہونا یقینی نہیں ہے، اور ساتھ ہی تقریب میں ان کو ثقہ بھی کہا گیا ہے۔ امام احمد سے ان کی بابت منقول ہے:

" ثقة، ما أصح حديثه! "❺ (تهذيب التهذيب، ج: ٤) ''یعنی شعیب ثقہ ہے، اس کی حدیث کتنی صحیح ہے!۔''

سبحان اللہ! علاوہ ازیں ان کو ابوداود نے ثقہ اور ابن معین و دحیم و نسائی نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق و ثقہ مامون کہا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ (تہذیب: ج۴) فاندفع الإيراد!

(۱۰) **خلاد بن يحيىٰ**: ان کے متعلق بھی تقریب میں اسی مجہول کے صیغہ سے مرقوم ہے:" صدوق رمي بالارجاء " اور تهذيب التهذيب میں ہے:" كان يرى شيئاً من الإرجاء"❻ (ج ۳) معلوم ہوا کہ ارجاء کی

❶ تقريب التهذيب (ص: ١٢٤)

❷ تهذيب التهذيب (١/ ٤٠١) نیز دیکھیں: الثقات لابن حبان (١٤٤/٨)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٤) تهذيب التهذيب (٣٨٢/٣)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٢٦٦)

❺ تهذيب التهذيب (٣٠٤/٤)

❻ تهذيب التهذيب (١٥٠/٣) تقريب التهذيب (ص: ١٩٦١)

طرف ان کا کچھ خیال گیا تھا، واقع میں یہ مرجیہ نہ تھے، اس لئے عدم جزم کے صیغہ سے کہا گیا، بلکہ یہ تو امام بخاری کے کبار شیوخ سے ہیں اور نہایت ثقہ ہیں، خلاصہ میں ہے:

"وثقه أحمد بن حنبل" اور ہدی الساری میں ہے: "وثقه أحمد والعجلي والخليلي." ❶

"یعنی ان کو امام احمد بن حنبل وعجلی وخلیلی نے ثقہ کہا ہے۔"

اور میزان الاعتدال میں ہے کہ خلاد کو ابوداود نے " لا بأس به " اور ابن نمیر نے صدوق کہا ہے، اور تہذیب التہذیب جلد ثالث میں ہے کہ ان کو دارقطنی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❷ فاندفع ما كان يرد، والحمد لله علىٰ ذلك، تلك عشرة كاملة .

ان کے علاوہ دیگر جن رواۃ پر آپ کو شبہہ ہو، پیش کر کے جواب لیجئے، یا اسی قدر آپ کی پونجی تھی؟ جو چٹکیوں میں ھباءً منثوراً ہوگئی!

ڈاکٹر صاحب! اب ذرا سر اٹھایئے اور ہوش کی دوا کیجئے، آئندہ سنبھل کر قدم رکھئیے گا۔ ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٠١) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٠٧)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٦٥٧) تهذيب التهذيب (١٥٠/٣)

خاتمہ

رسالہ "الجرح علی البخاري" کے صفحہ (٦٦) تک خاص عمر کریم کے مضامین تھے، جن کا جواب آج کم و بیش ایک ماہ کی مدت میں اختتام کو پہنچا، جواب ہذا چونکہ بہت لمبا ہوگیا تھا، اس لئے ارادہ ہوا کہ جواب الجرح کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے، پہلے حصہ میں صرف عمر کریم کے مضامین کے جوابات ہوں، اس لیے کہ وہ مضامین سلسلہ وار اور بہت ہیں، اور دوسرے حصہ میں بقیہ معترضین کے جوابات دیئے جائیں، جو رسالہ "الجرح علی البخاری" میں (ص: ٦٧) سے (ص: ٩٦) تک مندرج ہیں، اور وہ تین اشخاص کے مضامین کا مجموعہ ہے، چنانچہ پہلا حصہ عمر کریم کے مضامین کے جوابات کا اتمام کو پہنچا، اس کو بنظر غور ملاحظہ فرمایئے، اس کے بعد دوسرے حصہ میں ہاتھ لگایا جائے گا، ان شاء اللہ، اس کے بعد "اہل فقہ" میں مندرجہ متفرق مضامین کے جوابات کا ایک تیسرا حصہ بھی ہوگا، میں نے جس محنت سے اس کتاب کو لکھا ہے، خدا اس کو ٹھکانے لگائے اور قبول فرمائے۔ آمین

زندہ رہا تو دوسرے حصہ میں اب ملاقات کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر...... خدا لایا

وهذا آخر ما أردنا إيراده، والحمد لله رب العالمين،

والصلوة والسلام علىٰ رسوله محمد واله وصحبه أجمعين إلى يوم الدين، آمين !

حل مشکلات بخاری

(حصہ دوم)

الحمد لله الملك العزيز الباري، الذي خلق لإشاعة أحاديث نبيه أبا عبد الله البخاري، والصلوة والسلام على خير خلقه محمد واله وصحبه أولي الخير الجاري، والهدي الساري، وبعد !

حل مشکلات بخاری کا حصہ اول جب میرے قلم سے نکل کر زیور طبع سے آراستہ ہو کر پبلک میں آیا، تو لوگوں نے اسے نگاہِ قدر سے دیکھا اور زمرہ علماء میں بھی مقبول ہوا۔ یہ خدا کا فضل واحسان تھا کہ اس نے اپنا کام اس خاکسار سے لے لیا، اب اس کی توفیق وعنایت سے اس دوسرے حصہ میں رسالہ "الجرح علی البخاري" کے بقیہ مضامین کا جواب شروع کرتا ہوں، دعا ہے کہ خدا اتمام کو پہنچائے اور اسے بھی مقبولیت کا شرف بخشے کہ محنت ٹھکانے لگے۔ ع۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جواب مضامین سید محمد غوث حنفی سکھو چکی گورداسپوری: نمبر ۱

اس نمبر کا مضمون اخبار ''اہل فقہ'' (جلد: ۱، ص: ۱۱، نمبر ۶، مورخہ ۲۳ شعبان ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۶) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ ہے:

بخاری کی حدیثوں کا دوسری کتب حدیث سے مقابلہ:

آپ فرماتے ہیں:

قولہ: بخاری کے "باب البول قائماً و قاعداً "میں حضرت حذیفہ □ [1] سے روایت ہے:

"أتى النبيﷺ سباطة قوم، فبال قائماً، ثم دعا بماء، فجئته بماء، فتوضأ ".

''یعنی نبی کریم ﷺ قوم کے خاکروب [2] پر آئے، پس وہاں حضور نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی طلب فرمایا، میں نے [3] حضرت کی خدمت میں پانی لایا، تو آپ نے وضو کیا۔''

یہ حدیث بچند وجوہ عادات واخلاق نبوی کے خلاف ہے:

وجہ اول: ایک خفیف العقل آدمی بھی لوگوں کے روبرو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو ناپسند جانتا ہے اور

---

[1] ''عنہا'' مؤنث کی ضمیر خوب ہے! [2] ''سباطة'' کا ترجمہ خاکروب غلط ہے۔ [2] یہاں ''نے'' غلط ہے۔ (مؤلف)

واقعی یہ امر قلتِ حیا پر مبنی ہے، جیسا کہ شاہد ہے کہ کھڑے ہو کر وہی لوگ پیشاب کرتے ہیں، جن کی فطرت حیا کے لباس سے عاری اور برہنہ ہے، مثلاً نصاریٰ وغیرہ، اور جس شخص کو عقل سلیم اور فطرت صحیحہ سے قدرے بہرہ حاصل ہے، وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو خلاف ادب ہونے کے علاوہ ایک قسم کی بے حیائی تصور کرتا ہے۔ پھر جناب سید المرسلين سلطان المؤدبين إمام المهذبين عليه أفضل الصلوة وأكمل التحيات سے ایسے ناشائستہ فعل کا صادر ہونا نہایت ہی حیرت ہے!

(الجرح على البخاري : ٦٧)

أقول: کیوں نہ خفیف العقل بے بہرہ اصحاب کو حیرت ہو؟! جو آشنائے حقیقت شناورِ دریائے تحقیق نہیں ہیں، ان کی عقل ضرور یہاں چکرائے گی اور ڈبکوں ڈبکوں کرے گی۔ اسی وجہ سے آپ نے یہ کہہ دیا کہ ''روبرو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا'' فرمائیے تو جناب! کہ آنحضرت ﷺ کا قوم کے روبرو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا آپ نے کس جملہ سے استخراج کیا ہے؟ ع۔

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

اور اس کو قلتِ حیاء پر مبنی سمجھنا اور عاداتِ نصاریٰ سے شمار کرنا عدم تحقیق یا تعصب کا نتیجہ ہے۔ اگر مخالفین اسلام ہمارے کسی طریقہ کو لازم پکڑ لیں، تو اسے ان کی عادت سمجھ کر ترک کر دینا کونسی عقلمندی ہے؟ یہود داڑھی رکھتے ہیں، تو اسے بھی آپ ان کی عادت کہیں گے! ع۔

بریں عقل و دانش ہزار آفریں

سنئے! کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں بہت فائدے ہیں، زین العرب نے کہا ہے کہ چالیس طبیبوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کی دوا ہے۔ اس سے جمع صلب کو شفا ہوتی ہے۔[1] دبر سے ریح آواز سے نہیں نکلتی۔ حضرت عمر ◆ فرمایا کرتے تھے:

"البول قائماً أحصن للدبر، رواه عبد الرزاق عن عمر رضي الله عنه ."[2] (فتح الباري: ١/ ١٦٤)

''یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے دبر کی حفاظت ہوتی ہے۔'' (ریح آواز سے نہیں نکلتی)۔

اسی وجہ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کا ایک طائفہ یہ سب لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں:

"وقد ثبت عن عمر وعلي وزيد بن ثابت وغيرهم أنهم بالوا قائماً، وهو دال على الجواز من

---

[1] فتح الباري (١/ ٣٣٠)

[2] الأوسط لابن المنذر (١/ ٣١٩) سنن البيهقي (١/ ١٠٢) فتح الباري (١/ ٣٣٠)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

غير كراهة إذا أمن الرشاش، والله اعلم . " [1] (فتح الباری: ۱/ ١٦٤)

''یعنی حضرت عمر، حضرت علی اور زید بن ثابت ؓ وغیرہ سے ثابت ہے کہ وہ لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اور یہ اس امر کے جواز بلا کراہت پر دال ہے۔''

علی ہذا القیاس تابعین کی بابت نووی شرح مسلم میں منقول ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ کیا یہ سب لوگ آپ کے نزدیک بے حیا، بے بہرہ خلاف ادب اور ناشائستہ وغیرہ تھے؟ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ العیاذ باللہ!

بلکہ یہ سب لوگ سنت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے حامل تھے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، یہ لوگ بھی کرتے رہے، آپ حضرات چونکہ سنت نبوی سے چڑا کرتے ہیں، اس لئے یہ آپ کو اچنبھا معلوم ہوتا ہے اور مخالفت کا سہرا سر پر باندھے ہوئے ہیں، لہٰذا مجبوری ہے۔ ولن يصلح العطار ما أفسده الدهر!

قولہ: وجہ دوم: یا تو حضور انور علیہ الصلوۃ نے پیشاب کرتے کرتے حذیفہ ؓ کو پانی لانے کا اشارہ فرمایا یا پیشاب کرنے کے بعد۔ شق اول تو صریح البطلان ہے، کیوں کہ ایسے وقت میں کلام کرنے کی سخت ممانعت احادیث کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے اور عقلاً بھی نازیبا ہے، خصوصاً سید عالم ﷺ سے، شق ثانی پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حذیفہ ؓ کے پانی لانے تک جو حضور پر نور نے انتظار کیا، تو اس اثنا میں پیشاب کے قطرات بند ہوگئے تھے یا نہیں؟ اگر بند ہوگئے تھے تو خود بخود یا ڈھیلا کرنے سے؟ اگر خود بند ہوگئے تھے تو اس امر کا ثبوت حدیث سے بھی ہونا چاہیے، اور یہ حدیث تو اس تفصیل سے بالکل معرا ہے۔ (الجرح: ۱/ ٦٧، ٦٨)

أقول: ان فضول احتمالات سے کیا نتیجہ؟ اور آپ کے شقوق سے کیا حاصل؟ کچھ تو اس کو ظاہر کیا ہوتا؟ الفاظ حدیث پر غور کیجئے، حذیفہ ؓ کہتے ہیں: " ثم دعا بماء " [2] یعنی پیشاب کرنے کے بعد آپ نے پانی مانگا، "ثم" تراخی کے لیے آتا ہے، لہٰذا کچھ دیر ضرور ہوئی، عام اس سے کہ پیشاب کے قطرات بند ہوئے تھے یا کہ نہیں؟ کوئی سامنے جا کر دیکھ تو نہ سکتا تھا اور نہ یہ جائز ہے اور نہ اس سے کوئی فائدہ متصور ہے، نہ اس کے علم پر کوئی نتیجہ موقوف ہے، پس تفصیل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لیت قومي يعلمون!

اور ہاں ذرا ان حدیثوں کو نقل تو کیجئے، جن میں حالت پیشاب میں بولنے کی سخت ممانعت ہے اور ان کی اسانید کی صحت بتلائیے۔ ولن تستطيعوا أن تأتوا بها، ولو كان بعضكم لبعض ظهيراً!!

---

[1] فتح الباري (١/ ٣٣٠)

[2] صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب البول قائما و قاعدا، رقم الحديث (٢٢٢)

قوله: وجہ سوم: اس کے معارض وہ حدیث ہے، جسکو امام احمد اور ترمذی اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ □ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی تھیں کہ جو شخص حدیث بیان کرے تم سے کہ آنحضرت ♏ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، سوتم اس کی تصدیق نہ کرنا، نہیں پیشاب کرتے تھے آنحضرت ♏ مگر بیٹھ کر، الفاظ اس حدیث کے یہ ہیں: " عن عائشة رضى الله عنها قالت: من حدثكم... " الخ اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عمر ♦ سے روایت ہے:

قال: رآني النبي ﷺ ... الخ "یعنی دیکھا مجھے نبی ♏ نے کہ میں کھڑا ہو کر پیشاب کرتا تھا، پس فرمایا: حضرت ♏ نے: اے عمر ♦! نہ پیشاب کر کھڑا ہو کر، پس اس وقت سے میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔
(الجرح: ١/٦٨)

أقول: خدا کی قدرت! کہ آپ نے حدیث بخاری کو دوسری کتب حدیث سے معارض ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ ان کتابوں میں خود وہ حدیث موجود ہے، چنانچہ ترمذی ♋ باب منعقد کرتے ہیں: " باب ما جاء في الرخصة في ذلك "[1] یعنی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت کا باب، پھر وہی سباطہ والی حدیث مذکورہ حدیث کے بعد لائے ہیں، جو بخاری میں ہے۔ علی ہذا القیاس ابن ماجہ میں " باب ما جاء في البول قائما " کے ذیل میں وہ حدیث موجود ہے، امام نسائی نے بھی " باب الرخصة في البول في الصحراء قائما " کے تحت میں حدیث سباطہ ذکر کی ہے۔ امام ابوداود نے بھی اپنی سنن میں حدیث مذکور ارقام فرمائی ہے۔ صحیح مسلم میں بھی ہے۔[2] غرض کل صحاح ستہ میں وہ حدیث موجود ہے، پھر آپ نے معارضہ کس کا کیا ہے؟ یہ معارضہ تو ہر کتاب کی دو مختلف حدیثوں میں ہوگیا نہ کہ صحیح بخاری اور دیگر کتب میں! آپ کا مقصود تو فوت ہوگیا، معلوم ہوا کہ آپ کا مطمح نظر صرف مشکوۃ ہے، آپ نے کتابوں کو دیکھا کیا چھوا تک بھی نہیں ہے۔ سچ ارشاد ہے: ﴿ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ﴾ [النجم: ٣٠] اور مشکوۃ میں حدیث عمر ♦ کے بعد حدیث حذیفہ □ موجود ہے، صاحب مشکوۃ حدیث عمر ♦ نقل کرنے کے بعد امام محی السنہ سے تردیداً نقل کرتے ہیں:

"قال الشيخ الإمام محي السنة: قد صح عن حذيفة قال: أتى النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائماً. "[3]
"یعنی حذیفہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ آنحضرت ♏ نے سباطہ قوم پر تشریف لا کر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔"

اب سنئے حدیث عائشہ □ کا جواب! حضرت عائشہ □ جو فرماتی ہیں کہ جو یہ کہے آنحضرت ♏ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے، اس کی تصدیق نہ کرنا۔ بہت ٹھیک ہے، حضرت عائشہ □ مداومت کی منکر ہیں، یعنی ہمیشہ

---

[1] سنن الترمذي، أبواب الطهارة، باب الرخصة في ذلك، رقم الحديث (١٣)

[2] صحيح مسلم، برقم (٢٧٣) سنن أبي داود، برقم (٢٣) سنن النسائي، برقم (١٨) سنن ابن ماجه، برقم (٣٠٥)

[3] مشكاة المصابيح (١/ ٧٨)

آنحضرت ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے، جس پر ''کان'' استمرار کا بین قرینہ ہے، علاوہ بریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث واقعہ بیوت پر محمول ہوگی، یعنی گھر میں آنحضرت ﷺ نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ ملاعلی قاری حنفی کہتے ہیں:

''حديث عائشة مستند إلى علمها، فيحمل على ما وقع في البيوت''. (مرقاة، مصری: ١/ ٢٩٦)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گھر کے واقعہ پر محمول ہوگی، گھر کے باہر جو واقعات ہوئے ہیں ان کا علم ہونا ان کو ضروری نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (١/ ١٦٤) میں لکھتے ہیں:

''حديث عائشة مستند إلى علمها، فيحمل على ما وقع منه في البيوت، وأما في غيرالبيوت، فلم تطلع هي عليه، وقد حفظه حذيفة، وهو من كبار الصحابة.''[1] انتہیٰ

''یعنی حضرت عائشہ کی حدیث ان کے اپنے علم پر مبنی ہے، وہ گھر کے واقعات پر محمول ہوگی، لیکن گھر سے باہر کے واقعات پر ان کو اطلاع نہیں ہوئی اور اسے حضرت خدیفہ رضی اللہ عنہ نے یاد رکھا، جو کبار صحابہ سے ہیں۔''

پس حضرت حذیفہ کا یہ واقعہ محفوظ اور بسند کثیر مروی ہے۔ رہی حضرت عمر کی حدیث کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع کیا۔ وہ سخت ضعیف اور نا قابل حجت ہے، خود امام ترمذی نے اس کو نقل کر کے فرما دیا کہ اس میں ایک راوی عبدالکریم بن ابی المخارق ضعیف ہے، اس کو ایوب سختیانی اور دیگر محدثین نے ضعیف کہا ہے اور اس میں کلام کیا ہے۔[2] دیگر یہ کہ اس کا جملہ '' فما بلت قائما بعد '' بھی غیر محفوظ اور صحیح نہیں، اس لئے کہ حضرت عمر سے حالت اسلام میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے،[3] جیسا کہ اوپر فتح الباری سے منقول ہوا، اور ثابت ہی نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بزور اس کے موید تھے اور فرماتے: '' البول قائما أحصن للدبر'' جیسا کہ گزر چکا ہے اور یہ فعل صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے ثابت ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' فثبت عن عمر بن الخطاب وزيد بن ثابت و ابن عمر و سهل بن سعد أنهم بالوا قياماً، وروي ذلك عن أنس وعلي وأبي هريرة، وفعل ذاك ابن سيرين وعروة بن الزبير.'' انتهى
(نواوی: ١/ ١٣٣)

''کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حضرت عمر، ابن عمر، زید بن ثابت، سہل بن سعد، انس، حضرت علی، ابو ہریرہ،

---

1. فتح الباري (١/ ٣٣٠)
2. امام ترمذی رحمہ اللہ مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''وإنما رفع هذا الحديث عبد الكريم بن أبي المخارق، وهو ضعيف عند أهل الحديث، ضعفه أيوب السختياني وتكلم فيه '' نیز اسے حافظ عراقی اور امام بوصیری رحمہما اللہ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن عدی رحمہ اللہ عبدالکریم کی ضعیف احادیث میں مذکورہ بالا روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ولعبد الكريم بن أمية من الحديث غير ما ذكرت، والضعف بيّن على كل ما يرويه '' (الكامل: ٥/ ٣٤٠)
3. علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''إسناده صحيح '' (السلسلة الضعيفة : ٢/ ٣٣٧)

اور عروہ اور ابن سیرین وغیرہ سے ثابت ہے۔''

اسی بناء پر امام ترمذی حدیثِ حذیفہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" قد رخص قوم من أهل العلم في البول قائما."[1]

''یعنی اہل علم کی ایک جماعت نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بارے میں رخصت دی ہے۔''

پس واضح رہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے منع میں کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت نہیں ہوئی، جو حدیث بخاری کے معارض ہو سکے، اسی بناء پر حافظ ابن حجر نے تو یہ فرما دیا:

"لم يثبت عن النبيﷺ في النهي عنه شيء." (فتح الباري: ١/ ١٦٤)

''یعنی کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت میں آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔''

بلکہ اس کے برخلاف آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کر کے اس کا جواز تا یوم القیام بتلا دیا، حافظ ممدوح فرماتے ہیں: " والأظهر أنه فعل ذلك لبيان الجواز "[2] (فتح الباری: پ ۱)

اور نیل الأوطار میں ہے:"والحاصل أنه قد ثبت عنه البول قائماً وقاعداً ، و الكل سنة."[3] انتهى (٨٦/١)

''یعنی آنحضرت ﷺ نے محض جواز بتلانے کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کیا اور آپ سے کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر ہر دو طرح پیشاب کرنا ثابت ہے اور ہر ایک سنت ہے۔'' فافهم!

قوله: بعض لوگ جو بخاری کی اس حدیث کو آنحضرت ﷺ کے عذر پر محمول کرتے ہیں، تو یہ ان کی حجت ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ میں عذر اور بے عذری کا کوئی ذکر نہیں۔ (ص: أيضاً)

أقول: ہم اس کو ہرگز عذر پر محمول نہیں کرتے ، بلکہ یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو کھڑے ہوکر پیشاب کیا وہ محض جواز بتلانے کے لیے ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، پس کھڑے ہوکر پیشاب کرنا سنت اور جائز ہے۔

قوله: پس ہم غیر نبی کے قول کو جس کو ہمارا مخالف قابل احتجاج نہیں سمجھتا، ہرگز نہیں تسلیم کریں گے، بلکہ دیوار پر ماریں گے یا اس شخص کی پیشانی پر جو ایسے اقوال واہیہ ہمارے سامنے پیش کرنے کو جواب سمجھتا ہے۔ (ص: أيضاً)

أقول: ایسے ہی آپ اقوال ائمہ پر بھی عمل کیا کریں، تو ہمارے آپ کے درمیان کوئی نزاع نہ رہے، میں بھی نہیں کہتا کہ آپ ان عذرات واہیہ کو تسلیم کریں، بلکہ ان عذرات کی بابت تو قاضی شوکانی نے پہلے ہی فرما دیا ہے:

"فلا يخفىٰ ما في هذا الكلام من التكلف." انتهى (نيل الأوطار : ١/ ٨٦)

---

[1] سنن الترمذي (١/ ١٩)

[2] فتح الباري (١/ ٣٣٠)

[3] نيل الأوطار (١/ ١٠٧)

''یعنی ان عذرات کی توجیہات میں جس تکلف سے کام لیا گیا ہے، وہ پوشیدہ نہیں ہے۔'' فتفکر!

قوله: میں دیکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں (کھڑے ہوکر پیشاب کرنا) بخاری پرست بھی بہ سبب ترکِ عمل بالحدیث کے زمرہ گمراہان میں داخل ہیں، یہ بات دو حال سے خالی نہیں: یا تو بخاری شریف کی حدیث مرقومہ بالا کو صحیح نہیں سمجھتے یا صحیح سمجھتے ہیں مگر عمل کرنے سے شرماتے ہیں، بہرصورت بخاری شریف کی حدیث کے منکر یا تارک ہیں۔ (ص: ایضاً)

أقول: یہ آپ کا خیال فاسد وزعم کا سد ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے بوقت ضرورت کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، ایسے ہی عاملان بالحدیث وعاشقان سنت صاحب حدیث بھی بوقت ضرورت عمل کرتے ہیں، یہ آپ کی ہوا پرستی کا نتیجہ ہے کہ آپ اپنے جیسا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ سچ ہے:" المرء يقيس على نفسه! " آیندہ ایسی بدگمانی نہ کیجئے گا۔

قوله: ''نمبر۲: نیز بخاری شریف باب أیضاً[1] ﴿وإن يونس لمن المرسلين﴾ میں حضرت ابو ہریرہ ♦ سے بدیں لفظ حدیث مسطور ہے:

" عن النبيﷺ قال: من قال: أنا خير من يونس بن متى فقد كذب "

یعنی فرمایا جناب فخر عالم رسول اکرم ﷺ نے جو کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، اس نے جھوٹ بولا۔

پس ہم (خاکسار محمد غوث) پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت محمد ﷺ یونس بن متیٰ سے بہتر اور افضل ہیں یا نہیں؟ بخاری شریف کی یہ حدیث تو حضرت یونس بن متیٰ سے کسی کو بہتر اور افضل بننے نہیں دیتی، كائنا من كان نبيا أو مرسلا، تو جب آنحضرت ﷺ یونس بن متیٰ سے بہتر اور افضل نہ ہوئے، تو آپ کی ذات عالی صفات کو سید الانبیاء وافضل المرسلین کہنا ہی ناجائز اور ممنوع ہوا۔'' (ص: ۶۹)

أقول: آپ نے حدیثِ بخاری کا مطلب ہی نہیں سمجھا، کاش حدیث کسی اہلحدیث سے پڑھے ہوتے تو اصل مفہوم پر مطلع ہوتے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے کو یونس بن متیٰ سے بہتر کہے، جو شخص کہ اپنے کو یونس بن متیٰ سے بہتر کہے گا، وہ جھوٹا ہے، نہ کہ آنحضرت ﷺ کو بہتر نہ کہے، اس لئے کہ آپ تو بالاتفاق کل انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ یہ مطلب اسی صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ما ينبغي لأحد أن يكون خيرا من ابن متىٰ."[2] (پ: ۲۰)

''یعنی کسی کو لائق نہیں کہ وہ (اپنے خیال میں) یونس بن متیٰ سے بہتر ہو جائے۔''

آپ نے اپنی بابت یہ نہیں فرمایا، پس آپ کا سارا اعتراض ہی غلط اور باطل ہے اور لوگوں کو جو منع فرمایا ہے کہ اپنے کو یونس بن متیٰ سے بہتر نہ کہیں، اس لئے کہ ہر شخص کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ دیکھو تو حضرت یونس

---

[1] اس کا مطلب کیا ہے؟ (مؤلف)

[2] صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب وإن يونس لمن المرسلين، رقم الحديث (٤٥٢٦)

کیسے شخص تھے کہ خدا سے بگڑ بیٹھے اور اس کی خدائی سے نکل کر چلا جانا چاہا، اس سے تو ہم کہیں اچھے ہیں کہ اتنی سمجھ تو رکھتے ہیں کہ خدا سے خفا ہو کر کچھ نہیں بنا سکتے۔ پس اس خیال سے نبی خدا حضرت یونس کی تنقیص ہوتی ہے، اس لئے آپ نے فرما دیا کہ خبردار! کوئی شخص اپنے کو یونس بن متیٰ سے بہتر نہ سمجھے، وہ خدا کے نبی تھے، ان سے خطاء اجتہادی ہوگئی، تاہم وہ نبی تھے اور نبی کا درجہ عوام سے کہیں بالا ہے۔ رہے آنحضرت ﷺ! آپ تو بالاتفاق سید الانبیاء افضل المرسلین ہیں، فاندفع الإيراد وحصل المراد!

قوله: ''یہ بھی معلوم نہیں کہ تمام انبیاء ومرسلین سے یونس ◆ کو حضرت ﷺ نے اس حدیث میں کیوں اور کس وجہ سے مخصوص کیا ہے؟ اگر آنحضرت ﷺ ازروئے مراتب یونس ◆ سے بہتر و افضل نہیں، تو حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ؑ سے بدرجہ اولی ہونگے، کیونکہ یہ حضرات اولوالعزم اور اعلیٰ درجہ کے ہیں۔'' (ص: أيضاً)

أقول: حضرت یونس ◆ کے مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے جو فعل دنی سرزد ہوا، کسی نبی سے نہیں ہوا، اس لئے ان کی تنقیص کا ہر کس و ناکس کے ذہن میں حلول ہونا ممکن تھا، آنحضرت ﷺ نے منع فرما کر ان کی رفعت کو عوام پر ثابت کر دیا اور آنحضرت ﷺ بذات خود حضرت یونس وموسیٰ وعیسیٰ وابراہیم وغیرہ جملہ انبیاء ومرسلین سے افضل واعلیٰ ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

قوله: اگر کہیں کہ بخاری کی یہ حدیث منسوخ ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا نسخ صریح حدیث کے الفاظ سے ہونا چاہیے کہ فلاں حدیث بخاری کی منسوخ ہے اور یہ اس کی ناسخ، ورنہ دعویٰ بے دلیل ہے، اگر اس حدیث کو بدون کسی صریح الفاظِ حدیث کے منسوخ قرار دیتے ہیں، تو رفع یدین عند الرکوع وعقد الأیدی فوق الصدر کے منسوخ ہونے میں کیا تامل ہے؟'' (ص: أيضاً)

أقول: بخاری کی حدیث مذکور ہرگز منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم امت کے لئے ہے، جو اب تک بحال ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔ ایسا ہی رفع یدین ووضع اليمين على الشمال فوق الصدر بھی منسوخ نہیں۔ فرمایئے! اسی قدر آپ کی شیخی تھی؟ اچھا آگے چلئے!

نمبر۲:

اس نمبر کا مضمون اخبار ''اہل فقہ'' (جلد اول، نمبر ۱۸، ص: ۷، مورخہ ۱۳ شوال ۲۴ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۰۶ء) میں طبع ہوا تھا جس کی سرخی یہ تھی: " الجرح على البخاري"

جواب " الجرح علی البخاري "

قولہ: بخاری کے " باب غسل ما يصيب من فرج المرأة "میں ابی بن کعب ◆ سے مروی ہے:

"أنه قال: يا رسول اللهﷺ إذا جامع الرجل المرأة فلم ينزل، قال: يغسل ما مس المرأة منه، ثم يتوضأ ويصلي، قال أبوعبد الله: الغسل أحوط ".

''یعنی اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ جب مرد اپنی عورت سے جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے ستر کو دھولے اور وضو کرے، پھر نماز پڑھ لے۔''

اس حدیث کی صحت میں چند وجوہ سے کلام ہے:

وجہ اول: مدعیان بالحدیث یعنی حضرات غیر مقلدین بھی اس پر عمل نہیں کرتے، اگر عمل کرتے ہیں تو آ گاہ فرمائیں! (الجرح ص: ٧٠)

أقول: ما شاء اللہ عدم صحت کی وجہ خوب ہی ارشاد فرمائی کہ اصول حدیث والے بھی آپ کی بلائیں لے لیں! جناب عالی! حدیث مذکور چونکہ منسوخ ہے، اس لئے ہم اہلحدیث اس پر عمل نہیں کرتے اور کسی روایت کے منسوخ ہونے سے اس کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ آیاتِ کلام مجید جو منسوخ ہیں، ان سے کلام ربانی کی صحت میں بھی اثر ماننا پڑے گا۔ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه ! ہاں جو لوگ نسخ کے قائل نہیں ہیں، جیسے فرقہ ظاہر یہ (یعنی داؤد ظاہری کے مقلدین) وہ لوگ اسی حدیث پر عمل کرتے رہے، ان کے نزدیک عدم انزال سے غسل نہیں آتا، لیکن امام بخاری نے ان کی تردید کر دی اور فرمایا: " الغسل أحوط " جس کا ترجمہ آپ نے عمداً نہیں کیا، مطلب یہ کہ غسل کر لینا محتاط تر ہے۔ فاندفع ما أورد!

قولہ: وجہ دوم: اس کے معارض ومخالف ہے وہ حدیث جو بخاری ومسلم میں مسطور ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ: إذا جلس أحدكم بين شعبها الأربع ثم جهدها، فقد وجب الغسل، وزاد مسلم: وإن لم ينزل ."

''یعنی ابوہریرہ ◆ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بیٹھا کوئی تمہارا عورت کی چار شاخوں میں، پھر اس سے جماع کیا، تو غسل واجب ہوا اور زیادہ کیا مسلم نے اگرچہ انزال نہ ہو۔ (ص: أيضاً)

أقول: ابی بن کعب ◆ کی عدم غسل والی پہلی حدیث کی بابت عرض کیا گیا کہ وہ منسوخ ہے، ابتداء اسلام میں وہی حکم تھا، پھر اس سے ممانعت ہوگئی، چنانچہ ابو داود و ترمذی و دارمی وغیرہ میں انہیں ابی بن کعب سے مروی ہے:

"قال: إنما كان الماء من الماء رخصة في أول الإسلام، ثم نهي عنها." [1]

[1] سنن أبي داود: كتاب الطهارة، باب في الإكسال، رقم الحديث (٢١٤) سنن الترمذي: أبواب الطهارة، باب ما جاء←

''یعنی انزال سے غسل (یا عدم انزال سے عدم غسل) کا حکم شروع اسلام میں تھا۔ پھر اس کی ممانعت ہوگئی۔''

ابوداود (ص: ۲۱) میں تو یوں ہے کہ ابی بن کعب نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو یہ رخصت ابتداء اسلام میں بوجہ قلتِ ثیاب دی تھی، پھر آپ نے غسل کا حکم کیا اور اس سے منع کیا۔ پس جب نسخ ثابت ہوگیا، تو اعتراض باطل ہوگیا۔ لہٰذا ناسخ حدیث واجب العمل ہوگی اور منسوخ غیر واجب العمل۔ فتدبر!

قوله: وجہ سوم: قاضی ابن العربی نے حدیث اول کے برخلاف صحابہ و من بعدہم اور ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ دیکھو: **مسک الختام** اور **کشف المغطا**''۔ (ص: أيضاً)

أقول: صحابہ کرام کو بھی جب تک نسخ کا علم نہیں ہوا تھا، برابر حدیث اول ہی پر عمل کرتے رہے اور جب ان کو معلوم ہوگیا، اس وقت اس سے باز آئے۔ پھر ان کی کثرت سے جمہور نے غسل پر اتفاق کر لیا، اور بعض صحابہ و تابعین کو علم نہیں ہوا، وہ اسی حال پر قائم رہے، جیسا کہ ابوداود میں ہے:

''وكان أبوسلمه يفعل ذلك.''[1] یعنی ان کا مذہب یہ تھا کہ عدم انزال پر غسل نہیں ہے۔

حضرت علی و عثمان و ابن مسعود و ابی کا بھی عرصہ تک یہی مذہب رہا ہے، پھر آخر میں رجوع کیا ہے، لہٰذا اس کا نسخ ان کے تعامل سے بھی ثابت ہوا۔[2] والحمد للہ!

قوله: وجہ چہارم: امام مالک کی موطا میں چند احادیث بخاری کی حدیث مذکور کے معارض ہیں:

عن سعيد بن المسيب أن عمر. الخ ''یعنی سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ♦ اور حضرت عثمان ♦ اور عائشہ صدیقہ ◻ کا بھی یہی قول تھا کہ جب مس کرے ختنہ ختنہ سے تو واجب ہوا غسل۔ وعن نافع أن عبدالله بن عمر. الخ ''یعنی عبداللہ بن عمر کہتے تھے کہ جب تجاوز کر جائے ختنہ سے ختنہ تو واجب ہوا غسل۔'' (ص: أيضاً)

أقول: ہاں صاحب! میں بھی بار بار یہی کہے جاتا ہوں کہ حدیث زیر بحث کا حکم ابتداء اسلام میں تھا، اب اس سے ممانعت ہوگئی اور غسل کا حکم واجب العمل ہوا، جو حضرت عمر و حضرت عائشہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ سنئے یہی حضرت عائشہ ◻ خود فرماتی ہیں:

''إن رسول اللهﷺ كان يفعل ذلك، ولا يغتسل، وذلك قبل فتح مكة، ثم اغتسل بعد ذلك

⬅أن الماء من الماء، رقم الحديث (١١٠) سنن الدارمي (١/ ٢١٣) صحيح ابن خزيمة (١/ ١١٣) صحيح ابن حبان (٣/ ٤٤٧)

[1] سنن أبي داود، برقم (٢١٧)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: الأوسط لابن المنذر، كتاب الاغتسال من الجنابة، ذكر إسقاط الاغتسال عمن جامع إذا لم ينزل، وإيجاب غسل ما مس المرأة منه.

وأمر الناس بالغسل ". [1]

''یعنی آنحضرت ﷺ قبل مکہ کے قبل خود ایسا کرتے اور غسل نہ کرتے، پھر واقعہ فتح کے بعد ایسا کرنے پر غسل کرتے اور لوگوں کو بھی غسل کے لیے حکم کرتے۔

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا اور صحیح کہا ہے۔ لہٰذا اب تو صریح صحیح دلیل سے نسخ ثابت ہوگیا۔ فلا غبار علیه!

قوله: اگر کہیں کہ بخاری کی یہ حدیث منسوخ ہے اور ابوہریرہ کی حدیث اس کی ناسخ، تو ہم کہتے ہیں کہ تمہاری یہ بات بھی کئی وجہ سے قابل اعتبار نہیں:

وجہ اول: اس حدیث کا نسخ کسی صریح حدیث سے ہونا چاہیے کہ فلاں حدیث منسوخ اور یہ اس کی ناسخ، إذ ليس فليس ! (ص: ٧١)

أقول: اوپر صریح حدیث سے ثابت کر دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ سے قبل اس فعل کو کرتے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے، چنانچہ رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں اپنی بی بی سے وطی کر رہا تھا کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے پکارا، میں ویسے ہی کھڑا ہوگیا، حالانکہ انزال نہیں ہوا تھا، میں غسل کر کے مکان سے باہر نکل آیا، اور واقعہ عرض خدمت کیا، آپ نے فرمایا:

" لا عليك، الماء من الماء "[2] یعنی اس حال میں غسل تجھ پر نہ تھا۔ غسل تو انزال سے ہوتا ہے۔

ایسا ہی حضرت عتبان کا واقعہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔[3] پھر فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ خود بھی غسل کرتے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے، چنانچہ انھیں رافع بن خدیج سے مروی ہے:

"قال رافع: ثم أمرنا رسول الله ﷺ بعد ذلك بالغسل."[4]

''یعنی اس کے بعد آپ نے ہم لوگوں کو عدم انزال پر بھی غسل کا حکم دیا۔''

اب اس سے صریح نسخ کی دلیل اور کیا چاہیے؟ اس لئے کہ نسخ کے لئے اصول حدیث میں یہی شرط بتلائی گئی ہے کہ تقدیم و تاخیر کی تاریخ کا علم ہوجائے، وہ یہاں صاف طور سے ثابت ہورہا ہے، آپ ایسے بدیہی مسئلہ کو خواہ مخواہ کیوں نظری بناتے ہیں؟! ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب!

---

[1] صحيح ابن حبان (٣/ ٤٥٤) نیز دیکھیں: مسند أحمد (٦٨/٦)

[2] مسند أحمد (١٤٣/٤)

[3] صحيح مسلم: كتاب الحيض، باب إنما الماء من الماء، رقم الحديث (٣٤٣)

[4] مسند أحمد (١٤٣/٤)

قولہ: وجہ دوم: غیر نبی کے قول سے بخاری کی حدیثوں کو چھوڑ دینا آپ لوگوں کے حق میں سخت مضر ہوگا۔ (ص: ایضاً)

أقول: ہم نبی کی حدیث کو خود نبی کے قول سے چھوڑتے ہیں، کیونکہ حدیث مذکور کا آنحضرت ﷺ کے قول و فعل ہر دو سے منسوخ ہونا ثابت ہے، جیسا کہ گزرا ہے، اور بخاری کی حدیث کا کیا معنی؟ حدیث تو نبی ﷺ کی ہے اور بخاری ہی میں نہیں بلکہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے، پھر آپ فرماتے کیا ہیں؟ حضرت! ذرا ہوش کے ناخن لیجئے!!

> **قولہ**: وجہ سوم: اگر ترمذی یا بغوی وغیرہ کے کہنے سے اس حدیث کا مفہوم منسوخ اور متروک العلم سمجھا جائے، تو حدیث کے مقابلہ میں زید وعمرو کے اقوال حجت ٹھہریں گے اور یہ سب سے مشکل ہوگی، نیز بخاری صاحب کی نسبت بغوی وغیرہ کی معلومات زیادہ ماننی پڑیں گیں! (ص: أیضاً)

أقول: آپ کو بار بار ایک ہی بات کے اعادہ سے شائد مزا ملتا ہے! سنئے حدیث مذکور تو خود رسول اللہ ﷺ کے فرما دینے سے منسوخ ہے اور ترمذی و بغوی وغیرہ کے اقوال محض تائید میں پیش کئے جاتے ہیں، وشتان بینهما! ہاں حنفیہ کے نزدیک تو اقوال الرجال حجت ہیں، لہٰذا ان کے آگے تو ترمذی و بغوی ہی کا قول ان کے ماننے کے لیے پیش کر دینا کافی ہوگا، ہاں امام بخاری سے امام بغوی وغیرہ کا علم زیادہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ امام بخاری بھی تو یہی فرماتے ہیں: " الغسل أحوط" [1] یعنی عدم انزال کی صورت میں غسل ہی سے پاک ہوگا، فاندفع ما كان يرد!

> **قولہ**: وجہ چہارم: بر تقدیر تسلیم کرنے نسخ حدیث مذکور کے امام بخاری صاحب کی حدیث دانی کو بٹہ لگتا ہے، کیونکہ آپ تو فرماتے ہیں: " الغسل أحوط " یعنی غسل کرنا احوط ہے۔ حالانکہ یہاں غسل کرنا واجب ہے، جیسا کہ اس کے معارض حدیثوں سے ظاہر ہے، پس بخاری صاحب کا " الغسل أحوط " کہنا اس حدیث کی عدم نسخ کی بین دلیل ہے ورنہ امام بخاری صاحب امام المحدثین کہلانے کے مستحق نہیں رہتے، اس لئے کہ جس حالت میں ذات والا کو ناسخ ومنسوخ کی تمیز نہیں، تو آپ کو حضرات محدثین کا پیشوا قرار دینا پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔ (ص: أیضاً)

أقول: یہ تحریر خود اعلی حضرت کی جہالت کا نتیجہ ہے! جن احادیث میں "وجب الغسل" وارد ہے، ان میں "وجب" سے وجوب اصطلاحی مراد نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے اور نہ اس زمانہ میں لفظ "وجب" وجوب

---

[1] صحيح البخاري (١/ ١١١)

اصطلاحی کے معنی میں بولا جاتا تھا، بلکہ زیادہ سے زیادہ ضروری کے معنی میں بولا جاتا، اور یہی امام بخاری نے بھی فرمایا ہے، چنانچہ اسی کے ہم معنی وہ چار الفاظ بصیغہ اسم تفضیل لائے ہیں: " الغسل أنقیٰ وأحوط وأجود وأوکد " یعنی غسل نہایت پاکیزہ، بہت محتاط، زیادہ عمدہ اور حد درجہ ضروری ہے، اور یہی مفہوم " وجب الغسل " کا ہے، پس یہ نسخ کی بین دلیل ہے، نہ عدم نسخ کی، لہٰذا نہ ان کی حدیث دانی میں بٹہ لگتا ہے، نہ ان کے امام المحد ثین ہونے میں فرق آتا ہے، نہ تمیز نسخ میں ان کا کوئی ہم پلہ ثابت ہوتا ہے۔ع۔

جو اس پر بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

قولہ: اگر ہماری اس حدیث کو بلا دلیل منسوخ کیا جاتا ہے، تو رفع الیدین عند الرکوع و آمین بالجہر کے منسوخ ماننے میں کیوں ضد اور تعصب سے کام لیا جاتا ہے؟ حالانکہ جس طرح اس حدیث کی معارض ومخالف حدیثیں ہیں، اسی طرح رفع الیدین و آمین بالجہر کے مخالف بھی کتب صحاح وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، مگر ایک کو بدوں بیان کرنے سے کسی دلیل کے منسوخ کہہ دینا اور دوسرے کو اپنے حال پر رکھنا سوائے بے انصافی اور تعصب کے کوئی وجہ نہیں۔ (ص: ۷۲)

أقول: بار بار وہی مرغے کی ایک ٹانگ! حدیث مذکور کے منسوخ ہونے کا مدلل ثبوت ہم نے اوپر پیش کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کے قول وعمل سے وہ منسوخ ہے، آپ رفع الیدین و آمین کا نسخ بھی اسی طرح ثابت کر دیں، تو ہم سے یک صد چہرہ دار انعام لیں!

آپ لکھتے ہیں کہ: ''جیسے اس حدیث کی معارض حدیثیں ہیں، اسی طرح آمین بالجہر وغیرہ کی۔''

اجی حضرت! اس حدیث کی معارض جو روایت تھی، وہ رتبہ صحت میں اس کے برابر تھی، جب تو اس کی ناسخ (بدلیل فرمان نبوی ﷺ) ہوئی اور آمین بالجہر ورفع الیدین کی معارض حدیث آپ ایک بھی صحیح سند سے ثابت کر دیں، جناب والا! عدم رفع الیدین اور آمین بالسّر کی جس قدر روایات ہیں، سب ضعیف غیر قابل حجت ہیں، پھر ان کو معارض ٹھہرانا کیا ضد اور تعصب اور بے انصافی نہیں ہے؟ پھر کیونکر وہ ناسخ (باوجود عدم ثبوت تقدیم وتاخیر کے) ہوسکیں گی؟۔ع

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پر تم سمجھے تو کیا سمجھے

قولہ: اب ہماری اس عبارت سے ناظرین با انصاف نے سمجھ لیا ہوگا کہ بخاری کی احادیث میں کس قدر تخالف و تعارض ہے؟ علاوہ اس کے بخاری کی بعض حدیثیں اجماع امت کے بھی برخلاف ہیں، جو ہرگز کسی وجہ سے قابل عمل نہیں، باوجود ان اوصاف کے پھر بھی بخاری شریف کے مقابلہ میں کسی کی نہیں سنی جاتی۔ (ص: ایضاً)

أقول: بخاری کی حدیثوں میں کہیں بھی باہم تعارض نہیں ہے، بشرطیکہ تطبیق یا تمیز نسخ کا شعور ہو، ورنہ بے علمی کی دوا تو ارسطو کے پاس بھی نہیں تھی۔ نیز احادیث نبویہ کو اجماع امت کے برخلاف کہنا بھی عجیب ہے، حضرت! حدیث نبوی ﷺ کے مقابل میں اگر دنیا کا قول اس کے خلاف ہوگا تو مردود ہوگا، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ ہوش کی دوا کیجئے! امام بخاری نے حدیثیں گھر سے تو گڑھ نہیں لیں، پھر اس کو غیر قابل عمل کہنا آپ ہی کا کام ہے! سچ آپ نے لکھا ہے۔ ع

جہالت ہو تو ایسی ہو تعصب ہو تو ایسا ہو

نمبر ۳:

اس نمبر کا مضمون اخبار ''اہل فقہ'' (جلد اول، نمبر ۴۰، ص ۸۷۷، مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۰۷ء) میں طبع ہوا تھا جس کی سرخی یہ تھی:

بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیثوں کا مقابلہ:

قوله: بخاری کی جلد ثالث باب العزل میں ہے: حدثنا (إلى قوله) قال: كنا نعزل والقرآن ينزل "یعنی جابر ؓ فرماتے ہیں: ہم عزل (عورت کے شرم گاہ سے باہر انزال کرنا) کیا کرتے تھے اور قرآن کریم نازل ہوتا تھا، مطلب یہ کہ قرآن شریف نے ہمیں اس کی ممانعت کا حکم نہیں دیا اور دوسری حدیث یہ ہے:

حدثنا (إلى قوله): قال: أصبنا سبيا، فكنا نعزل، فسألنا رسول اللهﷺ، فقال: أو أنكم لتفعلون؟ قالها ثلاثاً، ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا كائنة."

خلاصہ کلام و حاصل مرام یہ کہ حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عزل کرنے کی نسبت حضرت پرنور ﷺ سے استفسار کیا، تو آنحضرت ﷺ (فداہ ابی و امی) نے ارشاد فرمایا کہ عزل کرنے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں [1] اور جو جان قیامت تک آنے والی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔

اس حدیث کے برخلاف اور معارض وہ روایت ہے جو مسلم شریف میں بدیں الفاظ موجود ہے: " عن جدامة بن وهب" الخ یعنی جدامہ بن وہب ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مجمع میں جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا، اس وقت حضور رحمۃ للعالمین یہ ارشاد فرما رہے تھے: میں نے غیلہ یعنی دودھ پلانے والی عورت سے مجامعت منع کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر دیکھا کہ رومی اور فارسی غیلہ

---

[1] یہ ترجمہ اور خلاصہ کن الفاظ کا ہے؟ افسوس کہ آپ نے مطلب ہی نہیں سمجھا!! (مؤلف)

کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو اس سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد خدمت عالیہ میں عزل کے نسبت استفتا پیش ہوا، تو حضرت نے فرمایا کہ عزل کرنا تو بچے کا پوشیدہ زندہ گاڑ دینا ہے، جس کے بارے میں اللہ جل شانہ سورۂ تکویر میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴾ یعنی جیتی گاڑی گئی پوچھی جائے گی کہ تو کس جرم کرنے سے ماری گئی؟ پس اس تقریر سے ہر شخص جو عقل سلیم اور فہم مستقیم سے اپنے اندر حصہ رکھتا ہے، بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں سے جو باہمی تعارض وتخالف رکھتی ہیں، ایک تو ضرور ہی پایۂ اعتبار سے ساقط و خارج ہے، بر تقدیر صحت حدیث بخاری کے مسلم شریف کی حدیث غلط اور ساقط الاعتبار ہوگی، و کذا عکسه ! (ص: ۷۳، ۷۴)

أقول: تعارض کی بابت یہ حکم ہے کہ جب دو حدیثوں میں اختلاف و تعارض ہو، تو اگر دونوں میں جمع (تطبیق) ممکن ہو تو مطابقت دیں گے، بصورت عدم مطابقت اگر تقدیم وتاخیر کی تاریخ کا علم ہوجائے، تو متاخر کو ناسخ اور متقدم کو منسوخ کہیں گے، بحالت عدم معرفتِ تاریخ اگر بوجہ من وجوہ الترجیح دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن ہو، تو ترجیح دیں گے، ورنہ توقف کریں گے، ملاحظہ ہو شرح نخبہ وغیرہ،[1] اور یہ توقف دونوں حدیثوں پر ہوگا نہ ایک پر، اس لئے اصول فقہ میں بھی کہا گیا ہے: " إذا تعارضا تساقطا " (نور الأنوار)[2] یعنی جب دونوں باہم متعارض ہوں گی تو دونوں ساقط الاعتبار ہوں گی نہ ایک، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔

یہ تو ہوئی آپ کے اعتراض کی حقیقت! اب سنئے جواب! بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں کوئی بھی تعارض نہیں ہے، سمجھنے کو علم وعقل سے کام لینا چاہیے۔ پہلا اثر جابر کا " كنا نعزل والقرآن ينزل "[3] اس میں اور مسلم کی حدیث مذکور میں تعارض کہنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اثر صحابی و حدیث مرفوع کے مقابلہ میں اثر صحابی بالاتفاق متروک العمل ہوتا ہے، وہ درایت اور یہ روایت، اور روایت کے مقابل میں درایت حجت نہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے، اس بناء پر اثر جابر کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ غلط ہونے اور قابل حجت نہ ہونے میں فرق بین ہے، وہ فہم راوی ہے جو بمقابل حدیث نبوی غیر قابل حجت ہے، گو سند اس کی صحیح ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ ان کو ممانعتِ عزل کا علم نہ ہوا ہو اور برابر عزل کرتے ہوں اور اگر ہم اس کو مرفوع کے حکم میں مانیں، جیسا کہ اصول حدیث میں بتلایا گیا ہے، تو اس بنا پر ہم اس کو منسوخ کہیں گے، کیونکہ یہ واقعہ فتح مکہ سے قبل کا ہے، اور مسلم کی حدیث جدامہ والی جس میں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: تدريب الراوي (۲/ ۱۸۹)

[2] نور الأنوار (ص: ۱۹۷)

[3] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب العزل، رقم الحديث (٤٩١١) صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب حكم العزل، رقم الحديث (١٤٤٠)

ممانعت عزل ہے، بعد کی ہے، کیونکہ جدامہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا ہے، لہٰذا یہ بوجہ متاخر ہونے کے ناسخ ہوجائے گی، یہی مذہب طحاوی حنفی وغیرہ کا ہے۔ [1] (عینی : ج۹)

پس تاریخ کے علم پر تعارض کا اعتراض باطل ہوگیا، وهو المطلوب۔ رہی ابوسعید خدری والی مرفوع حدیث، تو اس میں اور مسلم کی مرفوع روایت میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ دونوں کا مآل واحد ہے، جس طرح حدیثِ مسلم میں عزل کی ممانعت ہے، اسی طور سے حدیث بخاری میں، فرق یہ ہے کہ مسلم کی روایت میں منع کا ذکر شدید لفظوں میں ہے اور بخاری کی حدیث میں ذرا خفیف طرح سے منع کیا گیا ہے، آپ نے حدیث بخاری کے ترجمہ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ ''عزل کرنے میں کوئی حرج ونقصان نہیں'' یہ بالکل غلط ہے، عبارت کا سیاق بالکل اس کا انکاری ہے، آپ ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا: " أوأنكم لتفعلون؟ " [2] یہ استفہام توبیخی ہے۔ (قرآن مجید میں اس کی صدہا مثالیں ہیں) یعنی کیا تم ایسا کرتے ہو؟ مطلب یہ کہ مت کرو، کیونکہ جو جان قیامت تک پیدا ہونے والی ہے، وہ پیدا ہوکر رہے گی، پس تمہارا عزل بے سود ہے۔ اسی کو دوسری بار (مسلم کی روایت میں) آپ نے سخت لفظوں میں "ذلك الوأد الخفي" [3] (یہ زندہ درگور کرنا ہے) فرمایا۔

پس دونوں کا مفہوم ایک ہے، چنانچہ انہیں ابوسعید کی مرفوع روایت مسلم میں بایں الفاظ مروی ہے: "لا عليكم أن لا تفعلوا " [4] یعنی تم اگر عزل نہ کرو حرج نہیں، یہ بھی اقرب الی النہی ہے، جیسا کہ ابن سیرین نے کہا ہے، بلکہ امام حسن بصری تو قسم کھا کر فرماتے: "والله لكان هذا زجر " [5] (فتح الباری: پ ۲۱) یعنی خدا کی قسم یہ ڈانٹ (اور منع) ہے۔

لہٰذا خود مسلم کی روایت سے ثابت ہوگیا کہ بخاری و مسلم کی دونوں روایات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جملہ " أو أنكم لتفعلون؟ " کی بابت علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: " ظاهره الإنكار والزجر، فنهى عن العزل، وحكي ذلك أيضاً عن الحسن، وكأنهم فهموا من كلمة: لا ما عليكم أن لا تفعلوا، وهي رواية ابن القاسم وغيره عن مالك، إنها للنهي عما سئل عنه، وإن كلمة "لا" في أن لا تفعلوا، لتاكيد النهي، كأنه قال: لا تعزلوا، وعليكم أن لا تفعلوا." انتهى (عمدة القاري، مصرى: ۹/ ۴۹۶)

''کہ ظاہر اس لفظ سے انکار و زجر ہے، آپ نے عزل سے منع کیا ہے، ایسا ہی حسن بصری سے منقول

---

1. دیکھیں: عمدة القاري (۲۰/ ۱۹۶)
2. صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب العزل، رقم الحديث (۴۹۱۲)
3. صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب جواز الغيلة، وهي وطئ المرضع، وكراهة العزل، رقم الحديث (۱۴۴۲)
4. صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب حكم العزل، رقم الحديث (۱۴۳۸)
5. فتح الباري (۹/ ۳۰۷)

ہے، انہوں نے کلمہ " لا ما علیکم أن لا تفعلوا "(کہ مت عزل کرو اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر عزل نہ کرو) سے ممانعت عن العزل سمجھا ہے: " لا تفعلوا " میں " لا "تاکید نہی کے لئے ہے، مطلب یہ کہ عزل مت کرو اور تم پر ضروری ہے یہ کہ نہ کرو۔"[1]

لہٰذا روایت بخاری اور مسلم میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں رہا، بلکہ دونوں صحیح اور لائق اعتبار ثابت ہوئیں۔

کہئے! سمجھ گئے؟ اچھا آگے چلئے۔

قوله: اور ان دونوں حدیثوں میں سے ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ سمجھنا بھی پلّے درجہ کی حماقت اور سفاہت کا ثبوت دینا ہے، کیونکہ نسخ کا احتمال زید وعمرو کے اقوال سے، جو کسی طرح سے قابل احتجاج و لائق التفات ہی نہیں، کیسے ہوسکتا ہے؟ تاوقتیکہ جناب شارع کی طرف سے اس دعویٰ پر کوئی دلیل قاطع اور حجت ساطع مذکور نہ ہو۔ (ص: ٧٤)

أقول: ابوسعید خدری کی روایت جو بخاری ومسلم دونوں میں ہے، اس میں اور روایت جدامہ بنت وہب جو مسلم میں ہے، اس میں سے کوئی بھی ناسخ ومنسوخ نہیں ہے، جیسا کہ اوپر مفصل مذکور ہوا، بلکہ دونوں میں عزل کی ممانعت وارد ہے اور دونوں کا مفہوم واحد ہے۔ ہاں روایتِ جابر کو آپ کے ہم مذہب طحاوی حنفی نے البتہ منسوخ کہا ہے، تو یہ بقول آپ کے حماقت اور سفاہت ہے، اگر کل علمائے احناف کے اقوال کو آپ اسی طرح نتیجہ حمق متصور کریں، تو پھر مطلع ہی صاف ہوجائے، بشرطیکہ تعصب سے بھی علیحدہ ہوجائیں۔

قوله: اور جو حضرات اس نہی کو کراہیت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں، ان کی سخت غلطی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں زندہ لڑکی کو گاڑ دینا بھی مکروہ تنزیہی سمجھا جائے گا۔ وهذا باطل ! (ص: ٧٥)

أقول: أولاً: ہم اس نہی کو تنزیہی نہیں کہتے۔

دوئم: اگر تنزیہی ہی کہا جائے، جیسا کہ بعض کا مذہب ہے، تو اس سے زندہ لڑکی کو درگور کرنا مکروہ تنزیہی کیونکر

---

[1] علامہ عینی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری ♦ کی حدیث میں وارد لفظ "لا علیکم أن لا تفعلوا" کی توجیہہ میں اہل علم سے مختلف تین آراء اور اقوال نقل کیے ہیں، منقولہ بالا قول بھی ایک جماعت کی رائے ہے، جو علامہ عینی نے بایں الفاظ: "فقالت طائفة: ظاهره الإنكار والزجر... الخ " نقل کیا ہے، بعد ازاں تیسرا قول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقالت طائفة أخرىٰ: كأنها جعلت جوابا لسؤال قوله: عليكم أن لا تفعلوا أي ليس عليكم جناح في أن لا تفعلوا، وقول هؤلاء أولىٰ بالمصير إليه، بدليل قوله: ما من نسمة... إلىٰ آخره، وبقوله: افعلوا، أولا تفعلوا إنما هو القدر، وبقوله: إذا أراد الله خلق شيء لم يمنعه شيء، وهذه الألفاظ كلها مصرحة بأن العزل لا يرد القدر، ولا يضر، فكأنه قال: لا بأس به، وبهذا تمسك من رأى إباحته مطلقا عن الزوجة والأمة، وبه قال كثير من السلف من الصحابة والتابعين كما ذكرناه. " (عمدة القاري: ١٩٦/٢٠)

ہوجائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے تو عزل کو ''وأد خفی'' فرمایا ہے، پس موؤدہ صغریٰ اور موؤدہ کبریٰ میں جو فرق ہے وہ بین ہے، نہ دونوں ایک ہو سکتے ہیں، نہ دونوں کا حکم ایک۔ فافهم!

قوله: اور جو علماءِ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ فیما بین الحدیثین المعارضین تطبیق دینے میں سخت تکلف کے محتاج ہوتے ہیں، اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو ان کا یہ تکلف دخل در منقول ایک قسم کی رائے زنی سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں رکھتا۔ (ص: أیضاً)

أقول: اگر دو متعارض احادیث میں تطبیق دینا دخل در منقول اور رائے زنی ہے، تو پھر بہت سی آیات و احادیث ساقط الاعتبار ہوجائیں گی، افسوس کہ آپ نے صحیح بخاری کی عداوت میں قرآن مجید و دیگر کتب احادیث سے بھی ہاتھ دھویا، سچ ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

قوله: نیز جب عزل کرنا جائز ہوا، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث مصرح بالا سے واضح ہے، تو جلق (مشت زنی جو شرعی اور طبی لحاظ سے نہایت درجہ کا فعل شنیع اور مذموم پایا گیا ہے) میں کون سا عیب ہوگا؟ (الی قولہ) جلق جیسے فعل کی جو عندالعقل بھی برا اور معیوب ہے، صاف اجازت ہوگی۔ (ص: أیضاً)

أقول: آپ کے فقہاء حنفیہ نے جلق کی صاف اجازت دی ہے، چنانچہ آپ کی فقہ کی کتاب ''رد المحتار'' (شامی مطبوعہ دھلی) (۳/ ۱۵۶) میں ہے کہ ''جس کو زنا کا خوف ہو اس کو جلق لگانا واجب ہے۔''

اور فتاویٰ قاضی خان (۱/ ۱۰۰) میں لکھا ہے کہ ''تسکین کی نیت سے مشت زنی کرنے میں گناہ نہیں ہے۔''

کہئے؟ اب تو (آپ کے مذہب میں) جلق کی صاف اجازت ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں!!

حضرت! مبارک ہو، صحیح بخاری کی عداوت کا یہی نتیجہ ہے۔!

میرے پہلو سے گیا پالا ستمگر سے پڑا
مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا

جواب مضامین اڈیٹر اہل فقہ امرتسر:

جو "الجرح علی البخاری" کے (ص: ۷۵) سے چلتا ہے، اور "اہل فقہ" (جلد۲، ص: ۳، مورخہ ۱۸ شعبان ۲۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۰۷ء) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ ہے:

نمبر ۱: اجتہاد وتقلید:

قوله: حضرت امام اعظم کا اجتہاد بمقابلہ اجتہاد امام بخاری رحمہ اللہ کے صحیح اور راجح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا اجتہاد خلاف قرآن و حدیث ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد متعلق ایمان پر کوئی دلیل قائم نہ فرمائی، بلکہ باوجودیکہ حضرت جبرئیل ◆ ایمان اسلام اور احسان وغیرہ کے سوالات الگ الگ ہیں، بلا دلیل لکھ دیا کہ: " جعل كله من الإيمان " یعنی ایمان اسلام احسان وغیرہ سب ایمان ہی ہے، اس کے مقابلہ میں امام صاحب نے مدلل فرمایا کہ: " ثم العمل غير الإيمان " الخ عمل غیر ایمان ہے اور ایمان غیر عمل ہے، اس دلیل سے کہ اکثر اوقات مومن سے عمل اٹھ جاتا ہے، تو یہ کہنا جائز نہیں کہ مومن سے ایمان اٹھ گیا، حیض والی عورت سے نماز چھوٹ جاتی ہے، مگر اس کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ اس سے ایمان اٹھ گیا یا یہ کہ اس کو ایمان چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، حالانکہ شرع یہ کہتی ہے کہ نماز چھوڑ دے اور اس کی قضا کر، اور یہ صحیح نہیں کہ کہا جائے کہ ایمان چھوڑ دے پھر اس کی قضا کر، اور یہ کہنا جائز ہے کہ فقیر پر زکوۃ فرض نہیں مگر یہ کہنا جائز نہیں کہ فقیر پر ایمان فرض نہیں۔ ان تمثیلات سے ہر ایک ذی فہم سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اور چیز ہے اور عمل اور چیز۔ (الجرح: ۷۶، ۷۷)

أقول: مجھے ان حضرات کی نکتہ سنجیوں پر ہنسی کے ساتھ قلق بھی ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کس جرأت اور بے باکی سے ہدایت کے منکر ہو جاتے ہیں اور دن کو رات کہہ دینے میں کچھ بھی تامل نہیں کرتے؟!

اڈیٹر اہل فقہ لکھتے ہیں کہ " امام بخاری کا اجتہاد (ایمان وغیرہ کا عمل ہونا) خلاف قرآن و حدیث ہے، انہوں نے اس پر کوئی دلیل قائم نہ فرمائی۔" حالانکہ امام بخاری نے اس دعوے پر بہت سی آیات اور احادیث نبویہ پیش کی ہیں، آنکھیں آشوب کر آئی ہوں، یا تعصب کی پٹی بندھی ہو تو اس کا البتہ علاج نہیں، سنئے! امام بخاری کتاب الایمان کے ذیل میں فرماتے ہیں: " وهو قول و فعل " پھر آگے چل کر ایک باب یوں قائم کرتے ہیں:

"باب من قال: إن الإيمان هو العمل، لقول الله تعالىٰ: ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [الزخرف: ٧٢] وقال عدة من أهل العلم في قوله تعالىٰ: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الحجر: ٩٣] عن قول لا إله إلا الله، وقال تعالىٰ: ﴿لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾ [الصافات: ٦١] (صحيح بخارى، مطبوعه أحمدى: ٨)

"یعنی باب جس نے کہا کہ ایمان عمل ہے بدلیل آیت" اس جنت کے تم وارث بنائے گئے اپنے عمل کے سبب سے۔" (اس عمل میں ایمان بلاشک داخل ہے) اور اہل علم کی ایک جماعت (انس ♦ وابن عمر ♦ ومجاہد وغیرہ) نے اس آیت "قسم ہے تیرے رب کی ہم (بروز قیامت) سب سے پوچھیں گے۔ اس چیز سے جو وہ (دنیا میں) عمل کرتے تھے۔" کی تفسیر میں کہا ہے کہ عمل سے مراد لا الہ اللہ کہنا (اقرارِ توحید) ہے، (اور یہی ایمان کا پہلا زینہ ہے، جسے خدا نے عمل فرمایا) "اس کے مثل عمل کرنے والے عمل کریں۔" یعنی ایمان لانے والے ایمان لائیں ﴿فليعمل العاملون﴾ معنی میں " فليؤمن المؤمنون" کے ہے۔ ❶ پس اس آیت شریفہ میں بھی خدائے پاک نے ایمان کو عمل سے تعبیر فرمایا ہے

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات قرآن مجید میں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان بھی عمل ہے، اب سنئے وہ حدیث جسے امام بخاری نے اپنی دلیل میں پیش کیا ہے:

"إن رسول الله ﷺ سئل: أي العمل أفضل؟ فقال: إيمان بالله ورسوله،" ❷ الحديث.
(صحيح بخارى: أيضاً)

"حضرت ابوہریرہ ♦ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے سوال کیا: کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لانا۔"

یہاں خود حضور ﷺ نے ایمان کو عمل فرمایا، اب اس سے زیادہ کیا ثبوت اور دلیل چاہیے؟ اے حضرات ناظرین! ذرا انصاف کو مدنظر رکھ کر ملاحظہ فرمائیے کہ امام بخاری کا دعویٰ (ایمان کا عمل ہونا) مؤید بالکتاب والسنۃ ہے، اسے خلافِ قرآن وحدیث اور بے دلیل کہنا کس قدر جرأت عظیمہ ہے؟ انصاف کی جان رحم کی امیدوار ہے، رہا یہ امر کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایمان غیر عمل ہے، اس کو ہم آیات مذکورہ وحدیث مذکور کے خلاف البتہ کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب کا اجتہاد خلاف قرآن وحدیث ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایمان عمل القلب کا نام ہے، جسے دوسرے لفظوں میں تصدیق کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور اس میں کسی کو بھی انکار نہیں ہے، پس جب ایمان عمل قلب کا نام ہوا، تو اس بناء پر بھی ایمان عمل ہوگیا، اور امام بخاری کا فرمودہ بجا اور درست ثابت ہوا، فرمائیے اب تو دونوں اماموں کا اجتہاد متحد ہوگیا؟ ؎

❶ دیکھیں: فتح الباري (١/ ٧٨)

❷ صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل، رقم الحديث (٢٦)

للہ الحمد کہ میاں من و تو صلح فتاد
حوریاں رقص کنان سجدہ شکرانہ زدند ❶

علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری (۱/۲۱٤) میں فرماتے ہیں:

"إطلاق العمل على الإيمان صحيح من حيث إن الإيمان هو عمل القلب...إلى قوله: فهذا لا نزاع فيه لأحد لأن الإيمان عمل القلب وهو التصديق." (عینی: ۱/۲۱۷)

''عمل کا اطلاق ایمان پر صحیح ہے، اس لئے کہ ایمان عملِ قلب کا نام ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ ایمان عمل قلب ہے اور یہی تصدیق ہے۔''

اور ابن بطال نے تو اسے جماعت اہل سنت کا مذہب کہا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اوزاعی وغیرہ کے یہاں ایمان فعل قلب ولسان و جملہ اعضائے جوارح کا نام ہے۔ان ائمہ پر بھی آپ اعتراض کیجئے۔

پس امام بخاری کا اسلام و ایمان وغیرہ کی بابت یہ کہنا: " جعل كله من الإيمان " (بخاری:۱۲) بے دلیل نہیں ہے بلکہ بجائے خود نہایت صحیح اور واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تمام امور کو (جن کا سوال حضرت جبرئیل نے آنحضرت ﷺ سے کیا تھا) ادا کرنا اور بجا لانا کمال ایمان سے ہے (اگر من کو تبعیضیہ مانیں) یعنی ان امور کی بجا آوری سے ایمان کامل ہوتا ہے، یا یہ کہ ایمان مبدأ ہے اسلام و احسان کا (اگر من کو ابتدائیہ کہیں) اس لئے کہ اگر خدا کے ساتھ ایمان نہیں ہے تو اس کی عبادت بھی متصور نہیں ہوسکتی۔ (عینی مصری: ۱/۳٤۱)

پس یوں سمجھئے کہ عمل اور ایمان میں وہی نسبت ہے جو انسان اور حیوان میں پائی جاتی ہے۔

قوله: (۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر مقامات پر فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایمان اور اعمال صالحہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیز ہیں (الی قولہ) علمائے نحو کا متفقہ اصل ہے کہ معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت ہوتی ہے، پس ﴿ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کے مابین واؤ عاطفہ کا ہونا ایمان اور عمل کی مغایرت کے لیے کافی دلیل ہے۔ (الجرح: ۷۷)

أقول: اگر ایمان و عمل میں مغایرت کلی ہے تو آپ کا یہ اعتراض امام بخاری ہی پر نہیں، بلکہ امام ابوحنیفہ پر بھی صادق آئے گا، کیونکہ امام اعظم کے نزدیک عمل قلب ولسان کو ایمان کہتے ہیں، بہر حال عمل کا اطلاق ایمان پر ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لیکن اس مغایرت سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ ما هو جوابكم فهو جوابي!

سنئے! ایمان ایک فرد ہے عمل کا، عمل بمنزلہ جنس کے ہے، پس آیت مذکورہ میں ایمان کا ذکر جو علیحدہ کیا گیا ہے،

❶ شکر ہے میرے اور تمہارے درمیان صلح ہوگئی، حوریں رقص کرتے ہوئے سجدہ شکر بجا لا رہی ہیں۔

وہ صرف اہتمام شان کے لیے ہے نہ مغایرت کی وجہ سے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے خدا نے فرمایا:

﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ ﴾ [العنکبوت: ١٥] یعنی نجات دی ہم نے نوح ◆ کو اور کشتی والوں کو۔

اس آیت میں نوح کا ذکر جو علیحدہ کیا ہے، وہ محض ان کی رفعت شان کی غرض سے ہے، ورنہ یہ بدیہی بات ہے کہ اصحاب سفینہ کا ایک فرد نوح ◆ بھی ہیں، اور ایمان کا عمل ہونا خود قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اور قرآن مجید میں جو ایمان و عمل بسبیل عطف آئے ہیں تو اس سے کیا ہوا؟ سورہ عصر میں جو ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ [العصر: ٣] بسبیل عطف وارد ہے تو کیا تواصی بالحق وتواصی بالصبر اعمال صالحہ میں معدود نہیں؟ یا ابوداود میں درود ماثورہ میں جو " أزواجه و ذريته و أهل بيته "[1] بسبیل عطف وارد ہے، تو کیا اہل بیتِ نبی ذریتِ نبی میں داخل نہیں؟[2] اسی قبیل سے آیت مذکورہ میں بھی سمجھئے۔

اس تقریر سے علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا، جو انہوں نے عمدۃ القاری (١/ ١٢٥) میں آیت مرقومہ بالا نقل کر کے کیا ہے کہ:

''اگر ایمان عمل صالح میں داخل مانا جائے تو عطف سے تکرار بلا فائدہ لازم آتی ہے۔''

وہ یہ کہ یہاں عطف سے جو تکرار ثابت ہوئی ہے، وہ بے فائدہ نہیں ہے، بلکہ بڑا فائدہ ایمان کا مہتم بالشان ہونا مقصود ہے اور ایمان عمل میں بلا نکیر داخل ہے۔ فتدبروا ولا تعجلوا!

قولہ: (٢) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً ﴾ [إبراهيم: ٣١]

''یعنی کہہ دے یا رسول اللہ میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ قائم کریں نماز کو اور ہمارے دیے ہوئے میں سے ظاہر اور خفیہ طور پر خرچ کریں۔''

اس آیت میں ایمانداروں کو حکم ہے کہ نماز پڑھو اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ بس قابل غور ہے کہ اگر ایمان نماز زکوۃ وغیرہ ایک ہی بات ہوتی (جیسا کہ امام بخاری ؒ کا خیال ہے) تو یہ حکم اسی طرح پر نہ ہوتا۔ یہاں نماز اور زکوۃ کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے، جو پہلے ایماندار ہیں، پس اس میں کوئی شک نہیں

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد التشهد، رقم الحديث (٩٨٢) اس کی سند میں حبان بن يسار الكلابي راوی مختلط ہے، جس کی بنا پر یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ابن عدی ؒ حبان بن یسار کے ترجمہ میں مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وأحاديثه فيه ما فيه لأجل الاختلاط الذي ذكر عنه " (الكامل: ٢/ ٤٢٤) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: التاريخ الكبير (٣/ ٨٧) الضعفاء للعقيلي (١/ ٣١٨) ضعيف الجامع، برقم (٥٦٢٦)

[2] امام بیہقی ؒ مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "أفرد أزواجه وذريته بالذكر على وجه التأكيد، ثم رجع إلى التعميم، ليدخل فيها غير الأزواج والذرية من أهل بيته صلى الله عليه وسلم وعليهم أجمعين." (سنن البيهقي: ٢/ ١٥١)

کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام واحسان وغیرہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ (ص: ۷۷، ۷۸)

أقول: صاف کیوں نہیں کہتے کہ اگر ایمان و نماز و زکوۃ ایک ہی ہے تو نماز و زکوۃ کا حکم ایمانداروں کو دینا تحصیل حاصل ہے، جیسا عینی نے عمدة القاری (حوالہ مذکورہ) میں کہا ہے۔ اچھا حضرت! تو پھر دوسری آیت کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے، جو سورہ نساء میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ [النساء: ۱۳۶]

''یعنی اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔''

یہاں ایمان لانے کا حکم انھیں لوگوں کو دیا گیا ہے، جو پہلے ہی سے ایماندار ہیں، کیا یہ تحصیل حاصل نہیں؟ کیا ان دونوں ایمانوں میں بھی فرق ہے؟ اور دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں؟ آپ یہی کہیں گے کہ مطلب یہ ہے کہ ایمان پر ثابت رہو، تو ہم کہیں گے کہ آیت مسطورہ بالا میں کمال ایمان کا ذکر ہے کہ نماز پڑھو، زکوۃ دو، تاکہ تمھارا ایمان کامل ہو جائے، پس ایمان عمل ہی ہوا۔ وھو المطلوب!

قوله: (۳) قرآن شریف میں اس امر کی تصریح ہے کہ مومنین ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کفار ہمیشہ آگ جہنم میں، اب دیکھنا چاہیے کہ ایک شخص جو خدا اور رسول اور ملائکہ و کتب آسمانی پر ایمان لایا ہے لیکن اس نے اچھے عمل نہیں کیے یا ایک شخص (فرض کرو کہ) بعد طلوع آفتاب صدق دل سے ایمان لایا اور قبل از وقت ظہر وہ فوت ہوگیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا نہیں؟ یہ تو بالکل باطل ہے، کیونکہ اگر ایسی بات ہو تو ان کے لئے کفر و ایمان مساوی ٹھہرے، اور شق ثانی سے تو ہمارا مدعا ثابت ہے کہ ایمان اور اعمال میں مغایرت ہے۔ (ص: ۷۸)

أقول: جب اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ایمان نام ہے عمل قلب کا، تو ہر دو شخص مذکور میں عمل قلبی پایا گیا، اس عمل کی بنا پر وہ دونوں دخول وخلود فی الجنہ کے مستحق ہیں۔ پس ثابت ہوگیا کہ ایمان عمل ہے وھو المراد۔ کہیے! سمجھ گئے؟ آگے چلیے۔

قوله: ہم حدیث بھی پیش کرتے ہیں، بخاری و مسلم دونوں نے ابوذر کی حدیث نقل کی ہے (الی قولہ) '' وإن رغم أنف أبي ذر '' کہیے صاحب! اگر اعمال حسنہ عین ایمان ہیں تو اعمال قبیحہ عین کفر کیوں نہ ہوں؟ (تا) امام بخاری ؒ کا اجتہاد نہ صرف غلط بلکہ خلافِ قرآن و حدیث ہے۔ (ص: ۷۸، ۷۹)

أقول: اوپر بارہا لکھا جا چکا ہے کہ عملِ قلب کا نام ایمان ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ پھر حدیث ابی ذر: ''وإن زنیٰ وإن سرق'' [1] آپ کو کیا مفید ہوسکتی ہے؟ کیونکہ اس سارق و زانی میں عمل قلبی (ایمان) موجود ہے، ہاں

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب في الجنائز ومن كان آخر كلامه لا إله إلا الله، رقم الحديث (۱۱۸۰) صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، رقم الحديث (۹۴)

اعمال حسنہ کو عین ایمان سمجھنا صریح غلطی ہے۔ اوپر لکھا گیا کہ عمل بمنزلہ جنس کے ہے، اور ایمان اس کا فرد (نوع) اور جنس عین نوع نہیں ہوتی اور اعمال قبیحہ اگر مطلق کفر نہیں ہیں تو کفر دون کفر کے رتبہ میں ضرور ہیں۔ پس امام بخاری کا اجتہاد ہرگز غلط اور کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہے، بلکہ بالکل صحیح اور مؤید بالکتاب والسنۃ ہے کہ ایمان واسلام وغیرہ عمل ہیں۔ وقد مر مِرَاراً، فافهم!

نمبر۲:

اس نمبر کا مضمون ''اہل فقہ'' (جلد۳، نمبر۷، نمبر۴، مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۲۷ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۰۹ء) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ تھی ''گھوڑے کا قصہ اور بندروں کی کہانی کی تائید۔

اس عنوان کا مضمون رسالہ " الجرح " (ص: ۷۹) میں سطر (۸) سے چل کر (ص: ۸۰) سطر (۶) میں تمام ہوا ہے، اس کا مفصل جواب ہم نے حل مشکلات بخاری [حصہ اول ص:۱۳۰] میں اس مضمون کو پورہ نقل کر کے دیا ہے، اس وجہ سے کہ وہاں اس کی مکمل بحث آئی تھی۔ اس لئے ناظرین سے گزارش ہے کہ " الجرح علی البخاري " کے اس مضمون کا جواب، جو اس میں یہاں درج ہے، حل مشکلات حصہ اول کے صفحہ مرقومہ میں ملاحظہ فرمائیں اور مجھے بے جا طوالت سے معذور رکھیں۔

نمبر۳:

اخبار اہل فقہ کے اسی نمبر اسی جلد اسی تاریخ (ص: ۵) میں میری کتاب " العرجون القديم " کی تقریظ اڈیٹر صاحب نے لکھی ہے، رسالہ مذکورہ پر تقریظ لکھتے ہوئے امام بخاری پر حسبِ عادت اعتراض جڑ دیا ہے، وہ تقریظ مع اعتراض کے رسالہ " الجرح علی البخاری" (ص: ۸۰) میں بھی طبع ہوئی ہے، جس کی سرخی ہے:

''مشاغل علمی وریویو''

چونکہ اس کا جواب مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی طرف سے بہت بسط سے اسی وقت اخبار اہلحدیث امرتسر (مجریہ ۸ جمادی الاولیٰ ۲۷ھ نمبر۳ ص:۸ جلد ۶) میں شائع ہوا تھا، اسی کا خلاصہ ہم یہاں جواب میں نقل کر دیں گے، ان شاء اللہ وہی مضمون ہے جس کی طرف ہم نے حل مشکلات بخاری حصہ اول [ص:۸۸] میں اشارہ کیا تھا، اس سے عینی حنفی کے اعتراض کی بناء ظاہر ہوجائے گی کہ وہ تحقیق علمی نہیں ہوتی، بلکہ وہ محض حسد اور تعصب کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، جس میں خود ٹھوکریں کھاتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قوله: آپ (امام بخاری) کی علمیت کا یہ حال ہے کہ علم صرف جس کو طلبا سب سے پہلے پڑھتے ہیں، آپ نہیں جانتے تھے، آپ نے " استیأسوا "کو" افتعلوا " کے وزن پر لکھا ہے، کرمانی شارح بخاری نے اس نقص کو چھپانے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہاں بیان وزن مراد نہیں ہے، اس کے جواب

میں ہم وہی الفاظ نقل کر دیتے ہیں، جو علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری (ص: ۷/ ۳۸۶) شرح بخاری میں اس موقع پر لکھے ہیں: " قوله: ولا بيان الوزن " الخ یعنی یہ قول کہ بیان وزن مراد نہیں واہیات کلام ہے، کیونکہ اگر اس (امام بخاری) کی مراد وزن کا بیان کرنا نہیں تو یہ کیوں کہتا کہ: "استيأسوا: افتعلوا " یہ عین بیان وزن ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی غلطیوں کا باعث علم صرف سے ناواقفی ہے۔ پس ایسے بزرگ کو جو علم صرف سے بھی آشنا نہ ہوں مجتہد تو درکنار کوئی نبی بنا دے یا خدا سے زیادہ سمجھ لے، تو اس کو ایسی سمجھ مبارک ہو۔ (ص: ۸۱)

أقول: گو ہم نے حل مشکلات حصہ اول میں اس اعتراض کا جواب بایں الفاظ دے دیا ہے کہ "صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ہے: " قال أبو عبد الله: استيأسوا: افتعلوا "[1] (پ ۱۳) یعنی امام بخاری فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورہ یوسف میں جو " استیأسوا " وارد ہے، وہ دیکھنے میں تو باب استفعال سے ہے جس کے معنی میں طلب ہوتا ہے، لیکن یہاں مراد طلب نہیں ہے، بلکہ وہ معنی میں باب افتعال کے ہے۔ چنانچہ فصول اکبری وغیرہ کتب صرف میں مرقوم ہے کہ باب استفعال، افتعال کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے " استعصم" معنی میں "اعتصم" کے ہے۔ عینی حنفی کو کیا غلطی ہوئی کہ سمجھ گئے امام بخاری کی مراد اظہار وزن و اشتقاق ہے لیکن بوجہ علم صرف نہ جاننے کے ان سے غلطی ہوگئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام کا ہاتھ علم صرف میں قاصر ہے، جس کا یہ نمونہ ہے۔ (عمدة القاری: ۷/ ۳۸۶)

حالانکہ اسی سے ثابت ہوا کہ عینی کا ہاتھ علم صرف میں قاصر ہے، کیونکہ امام بخاری جو فرما رہے ہیں، بعینہ وہی بات کتب صرف ولغت میں موجود ہے، یہ ہے امام بخاری پر عینی کے لایعنی اعتراضات کا نمونہ، چنانچہ اس بحث کی تفصیل بہت بسط سے ان شاء اللہ اس کے مقام پر آئے گی۔ (ص: ۱۹، ۲۰)

گو ایک معنی سے یہ جواب دانا کے لیے کافی و وافی ہے، لیکن حسب وعدہ ہم اس اعتراض کا جواب بسط سے دیتے ہیں اور اس کے جواب میں ہم تین طریق اختیار کرتے ہیں:

طریق اول: یہ کہ صحیح بخاری کے کئی نسخوں میں (جو ہند میں طبع ہوئے اور رائج ہیں) " استيأسوا: استفعلوا " لکھا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری نے اس کا وزن باب استفعال سے ظاہر کیا ہے، جو واقعی درست ہے۔

۱۔ چنانچہ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی جلد اول (ص: ۴۸۰) میں ہے: " استيأسوا: استفعلوا من يئست " یعنی "استیأسوا "وزن پر ہے، "استفعلوا" کے اور مشتق ہے "یئست" سے۔

۲۔ اسی طرح فتح الباری حامل متن بخاری مطبوعہ انصاری دہلی میں بھی لکھا ہے: "استيأسوا استفعلوا" (پ: ۱۳/ ۲۴۶)

---

[1] صحيح البخاري (٦/ ٤١٩، مع الفتح)

۳۔ شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ " استفعلوا " ہی کو اختیار کر کے فرماتے ہیں:

" وقع في كثير من الروايات: افتعلوا، و الصواب الأول " (فتح الباری : پ: ۱۳/ ۲٤٦)

یعنی بعض روایتوں (نسخوں) میں " افتعلوا " وارد ہے، لیکن صحیح اول (استفعلوا) ہے۔

۴۔ اسی طرح شارح قسطلانی نے بھی بروایت اصیلی (جو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ایک راوی ہے) "استفعلوا" نقل کر کے کہا ہے: " هو الصواب " یعنی یہی صحیح ہے۔

۵۔ اسی طرح عینی نے خود بھی اپنی شرح میں شارح کرمانی سے " استفعلوا " نقل کیا ہے (حوالہ مذکورہ)

۶۔ اور اسی طرح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں بھی " استفعلوا" لکھا ہے۔

پس ان تصریحات کے بموجب معلوم ہوا کہ امام بخاری نے " استیأسوا " کا وزن " استفعلوا " ہی بتایا ہے، جو واقعی درست ہے۔ اور جن نسخہ جات اور روایات میں " افتعلوا " لکھا ہے، جیسے بخاری مطبوعہ مصر تقطیع خرد میں اور متن قسطلانی میں ہے۔ " افتعلوا " کی یہ روایت حسب تصریحات بالا امام بخاری سے درست نہیں، جیسا کہ فتح الباری اور ارشاد الساری کے " استفعلوا " کی نسبت " وهو الصواب " لکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ [1] پس امام بخاری پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔

طریق ثانی: یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کرلیا جائے کہ " استیأسوا " کے بعد " افتعلوا " کی روایت درست ہے، تو اس سے امام بخاری کی مراد وزن ظاہر کرنا نہیں ہے، بلکہ باب افتعال کا ذکر اظہار معنی کے لئے کیا ہے، چنانچہ عینی نے اس امر کو خود شارح کرمانی سے نقل کیا ہے۔ (جیسے معترض نے بھی ذکر کیا ہے) اور وہ یہ ہے کہ:

" وقال الكرماني: استيأسوا استفعلوا، وفي بعض النسخ: افتعلوا، وغرضه بيان المعنى، وأن الطلب ليس مقصودا فيه، ولا بيان الوزن والاشتقاق ." انتهى (عمدة القاري: ۷/ ۳۸٦)

" کرمانی نے کہا: " استیأسوا " (وزن پر ہے) " استفعلوا" (کے) اور بعض نسخوں میں " افتعلوا" ہے (اس سے) غرض امام بخاری کی بیان معنی ہے اس میں طلب مقصود نہیں ہے۔ اور نہ وزن و اشتقاق کو بیان کرنا (مقصود ہے)۔"

اور یہی عبارت حاشیہ مولوی احمد علی مرحوم حنفی سہارن پوری میں منقول ہے۔ اس توجیہہ پر حقیقت میں تو کوئی اعتراض و جرح نہیں لیکن عینی نے شارح کرمانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ " یہ توجیہہ واہی ہے۔" جسے معترض نے اوپر نقل کیا ہے، مگر عینی نے اس توجیہہ پر کوئی معقول نقض نہیں کیا، جس سے اس کا واہی ہونا ثابت ہو اور لطف یہ ہے کہ عینی نے جو وجہ بیان کی ہے، اس سے شارح کرمانی کی توجیہہ اور امام بخاری کی مراد کی تائید ہوتی ہے نہ کہ تردید، کیونکہ عینی لکھتے ہیں:

---

[1] فتح الباري (٦/ ٤٢٠) إرشاد الساري للقسطلانی (٥/ ٢٩٩)

File D:\Books\Books\Books\Sunaulo Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"وقوله: إن الطلب ليس مقصودا منه، كلام واه، لأن من قال: إن السين فيه للطلب قال ليس إلا للمبالغة ." (ص: أيضاً)

''کہ کرمانی کا یہ کہنا کہ " استيأسوا "میں طلب مقصودنہیں ہے، کلام واہی ہے، اس لئے جس نے یہ کہا ہے کہ سین (استیأسوا میں) طلب کے لئے ہے، اس نے یہ کہا ہے کہ سین اس جگہ مبالغہ کے لیے ہے۔''

اچھا صاحب! امام بخاری اور شارح کرمانی کی مراد وغرض بھی تو یہی ہے کہ " استيأسوا " اپنے باب پرنہیں ہے اور اس کا سین طلب کے لئے نہیں ہے، یہ دیگر امر ہے کہ سین اس جگہ مبالغہ کے لیے ہے یا اس میں موافقت افتعال ہے؟ لیکن یہ ہر دو یعنی علامہ عینی اور شارح کرمانی کے نزدیک مسلّم ہے کہ یہ سین طلب کے لیے نہیں ہے۔ پس عینی کا نقض شارح کرمانی کی توجیہہ کو توڑ نہیں سکتا، شارح کرمانی نے " افتعلوا" کی توجیہہ میں جو یہ ذکر کیا کہ اس سے امام بخاری کی مراد وزن بتلانا نہیں ہے، بلکہ بیان معنی مقصود ہے، یعنی استفعال بمعنی افتعال ہے، اس کی تائید خود امام بخاری کے الفاظ سے بھی ہوسکتی ہے کہ وہ اس کو ذکر کرنے کے بعد "استيأسوا" کے اشتقاق کی بابت فرماتے ہیں: " من يئست " یعنی اس کا اشتیاق "یئس" سے ہے، جو اس کا مجرد ہے، پس یہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے کہ ایک متبحر عالم کسی لفظ کا حاصل مادہ تو معلوم کر لے اور پھر اس کے مزید فیہ کے وزن میں اسے دھوکہ ہوجائے اور غلطی کر بیٹھے؟ کیونکہ وزن میں غلطی ہونی متفرع ہے مادہ میں غلط فہمی ہونے پر، جب مادہ معلوم ہوگیا تو وزن کس طرح غلط بتلایا جا سکتا ہے؟ وهل هذا إلا عجاب !!

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام بخاری نے " استيأسوا " کے بعد " افتعلوا"کا ذکر محض اظہار معنی کے لیے کیا ہے نہ اظہار وزن کے لیے۔

طریق ثالث: کتب صرف ولغت میں یہ مصرح مسطور ہے کہ باب استفعال معنی میں کبھی باب افتعال کے موافق ہوتا ہے، چنانچہ فصول اکبری میں خاصیت استفعال کے ذیل میں دیگر خصائص کے بعد لکھا ہے:

"وموافقت مجرد وأفعل وتفعل وافتعل "[1] یعنی باب استفعال کبھی معنی میں مجرد اور باب اِفعال وتفعل وافتعال کے موافق ہوتا ہے، اور کتب لغت میں بھی " يئس " کے استفعال اور افتعال کو ہم معنی لکھا ہے، چنانچہ صراح میں ہے:

استيأس اتأس: نا امید شدن، اور قاموس میں ہے: كاستيأس واتأس، اور لسان العرب میں ہے:

فاستيأس منه بمعنى أيس، واتأس أيضاً، وهو افتعل ."[2] یعنی استفعال معنی میں افتعال کے ہے۔

مزید برآں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ صاحب ذوق سلیم سمجھ سکتا ہے کہ "استيأس" میں طلب ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ

---

[1] فصول اکبری (ص: ۴۱)

[2] لسان العرب (٢٦٠/٦) القاموس المحيط (٦٦٨/٤) الصراح (٤٥٤/١)

کوئی شخص یاس کا خواہاں نہیں ہوتا بلکہ یاس اس کو حاصل ہوتی ہے اور یہی امر یعنی حصول باب افتعال میں بھی ملحوظ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری اور دیگر اہل لغت نے استیأس کو اتأس کا ہم معنی ذکر کیا ہے اور فتح الباری میں تو اس معنی کو روایت کی رو سے بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ کہا ہے:

"قوله: استيأسوا استفعلوا من يئست منه من يوسف وقع في كثير من الروايات: افتعلوا، والصواب الأول، وفي تفسير ابن أبي حاتم من طريق ابن إسحاق: فلما استيأسوا أي لما حصل لهم اليأس من يوسف." انتهى (١٣/ ٢٤٦)

''امام بخاری کا قول ہے: " استيأسوا استفعلوا " الخ اکثر روایات میں افتعلوا واقع ہے اور صحیح اول (استفعلوا) ہے اور ابن ابی حاتم کی تفسیر میں ابن اسحاق کے طریق سے آیت " فلما استيأسوا" (کا مطلب منقول ہے) یعنی جب برادران یوسف کو یوسف ◆ سے ناامیدی حاصل ہوئی۔''

حاصل کلام و خلاصہ مرام یہ کہ " استفعلوا"، تو " استيأسوا" کے وزن کے متعلق ہے اور " افتعلوا" اس کے معنی کے متعلق، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری کے علم کا نقص ثابت ہونے کے بجائے ان کا علمِ صرف و فن لغت میں باریک بیں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ والحمدلله علی افضاله۔

الزام:

ہاں اگر امام اعظم کی بابت یہ کہا جائے کہ وہ صرف ونحو اور عربیت نہیں جانتے تھے، تو ایک حد تک درست ہوسکتا ہے، کیونکہ سید احمد طحطاوی حنفی نے امام صاحب کے طلب علم کی کیفیت میں لکھا ہے کہ جب آپ نے صرف ونحو اور عربیت سیکھنے کا ارادہ کیا اور اس کے نتیجہ پر غور کیا تو فرمایا:

"هذا لا عاقبة له " (طحطاوی ١/ ٣٥) یعنی اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

پس آپ نے صرف ونحو وادب وغیرہ کچھ نہیں سیکھی، اسی وجہ سے آپ کے کلام میں لحن ہوتا، بہت غلط بولتے، جیسا کہ ''نامہ دانشوران ناصری'' میں ہے: '' گاہے سخنانش بہ لحن وغلط آمیختہ می شد'' [1]

پس اڈیٹر صاحب کے آخری الفاظ انہیں پر کس خوبی سے عود کرآتے ہیں: ''پس ایسے بزرگ کو جو علم صرف ونحو و عربیت سے بھی آشنا نہ ہوں، مجتہد تو درکنار کوئی نبی بنادے یا خدا سے زیادہ سمجھ لیوے تو اس کو ایسی سمجھ مبارک ہو!'' (الجرح: ٨١) اڈیٹر صاحب برا نہ مانئے گا۔

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

---

[1] کبھی اس کا کلام لحن اور خطا کا ملغوبہ ہوتا۔

نمبر۴:

اس نمبر کا مضمون (جو الجرح علی البخاری میں اڈیٹر اہل فقہ کا آخری مضمون ہے) اخبار ''اہل فقہ'' (جلد ۳ نمبر ۱۴ ص:۱ مورخہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۰۹ء) میں شائع ہوا تھا، جس کی سرخی یہ تھی:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری:

قوله: نہ ان تحریرات کا مدلل جواب لکھتے ہیں، جو اہل فقہ میں امام موصوف کی کتاب کی نسبت لکھے گئے (الی قولہ) اس کا جواب ان لوگوں کی بساط سے باہر ہے۔ (الجرح: ۸۲)

أقول: بعون اللّٰہ وصونہ اہل فقہ کی تمام تحریروں کا مدلل ومعقول جواب اس خاکسار نے متعدد طور سے دیا ہے اور امام بخاری کی جامع صحیح پر جس قدر اعتراضات کئے گئے، ان سب کی کما حقہ تردید کر دی گئی ہے۔

قوله: امام بخاری کی کتاب بخاری کی نسبت جو ہم لکھتے ہیں، وہ ہمارا اپنا خیال نہیں اور نہ ہم نے کبھی اپنی طرف سے لکھا بلکہ ہمارے علمائے دین ہمیشہ یہی کہتے چلے آئے۔ (ص: أیضاً)

أقول: آپ تو عینی کے کاسہ لیس ہیں، آپ کو آتا ہی کیا ہے، جو آپ اپنی طرف سے کچھ کہیں گے؟ آپ تو باقرار خود بے علم ہیں۔ (ملاحظہ ہو: اہل فقہ، ۱۱ جنوری ۱۹۰۷ء کالم ا ص:۴): ''اس میں کچھ شک نہیں کہ خاکسار اڈیٹر اہل فقہ بالکل بے علم ہے۔'' اور عینی کے حسد اور عناد کا حال اور ان کے اعتراض کی حقیقت حل مشکلات کے حصہ اول [ص: ۸۷] میں بخوبی بیان ہوئی۔ فلیطالع ثمہ!

قوله: کتاب بخاری کے متعلق زیادہ تر مضامین حضرت مولانا مولوی سید عمر کریم صاحب عظیم آبادی کے قلم سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ (ص: أیضاً)

أقول: وہ بھی ان کی فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ عینی کی خوشہ چینی ہوتی ہے۔ جس کی حقیقت ان کے جواب میں بارہا ظاہر کی گئی ہے، اتنی بات ضرور ہے کہ عمر کریم کا نام البتہ اس سے روشن ہو گیا اور یہی ان کی غرض تھی۔

قوله: کہا جاتا ہے کہ بخاری کے اصح الکتب ہونے پر اجماع ہے مگر ہم بارہا اپنے مضامین میں دکھا چکے ہیں کہ یہ مرتبہ ہر ایک کتاب کو حاصل ہے۔ (ص: أیضاً)

أقول: یہ رتبہ جلیلہ سوائے صحیح بخاری کے ہرگز کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے اور جامع بخاری کے اصح الکتب ہونے پر یقیناً اجماع ہے، جیسا کہ حل مشکلات [۱/۱۵۴] میں لکھا گیا ہے۔

قوله: موطا امام مالک رحمہ اللہ کو بھی یہ درجہ حاصل ہے کہ وہ کتاب اللہ کے بعد اصح تسلیم کی گئی، مسلم کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کیا گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ چھ کتابیں صحیح قرار دی گئیں، چنانچہ صحاح ستہ کا

لفظ عام طور پر خاص و عام کو معلوم ہے۔ (ص: أیضاً)

أقول: ۱۔ موطا کو اَصح الکتب اس وقت کہا گیا تھا، جب بخاری شریف کا وجود بھی نہ تھا، جب صحیح بخاری تالیف ہوئی تو وہ حکم اس پر لگایا گیا، چنانچہ اس پر مفصل بحث ہم حل مشکلات حصہ اول [ص: ۱۵۸] میں کر چکے ہیں۔

۲۔ مسلم کی بابت بھی مفصل بحث ہم حصہ اول [ص: ۱۵۵] میں کر چکے ہیں۔

۳۔ سنن اربعہ کو صحاح تغلیبا کہتے ہیں، ان کل روایتوں کی صحت کا آج تک کوئی قائل ہی نہیں ہوا۔ فأنی هذا من ذاك وأين السمك من السماك ؟!

قوله: ترمذی وابن ماجہ وغیرہ باوجود اس کے کہ اس میں ضعیف حدیثیں ہیں، جب صحیح ہیں، تو کتاب بخاری کیوں کسی حدیث کے ضعف کی حالت میں صحیح نہ رہے گی؟ (ص: ۸۳)

أقول: سنن اربعہ میں تو روایات از قسم ضعاف بے شک بالاتفاق ہیں، لیکن جامع صحیح بخاری میں تو سوائے صحیح روایت کے حسن تک نہیں ہے، ضعیف چہ معنی؟ چنانچہ بکرات ومرات اس پر بحث ہو چکی ہے۔

قوله: حضرت رسول کریم ﷺ نے حدیثوں کے لکھنے سے صاف الفاظ میں منع فرما دیا تھا۔ (ص: أیضاً)

أقول: ممانعت کا یہ حکم اس وقت تھا، جب قرآن مجید میں اختلاط کا خوف تھا، جب یہ خوف جاتا رہا تو خود حضور ﷺ نے یہ حکم منسوخ فرما کر آخر زمانہ میں حجۃ الوداع میں ابوشاہ یمنی وغیرہ کو کتابت حدیث کا حکم دے دیا۔ ❶ دیکھئے اسی حل مشکلات کا [ص:۹۴] اس کی مفصل بحث "الأمر المبرم" (۱۱، ۱۲) میں دیکھئے۔

قوله: اس لئے صحابہ کرام نے خلفائے راشدین کے زمانہ تک حدیثوں کو نہ تو قلمبند کیا اور نہ زیادہ روایت کی۔ (ص: أیضاً)

أقول: یہ بھی بالکل غلط ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ♦ آنحضرت ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت لے کر آپ ہی کے زمانہ میں حدیثیں آپ سے سن کر لکھ لیتے تھے، جیسا کہ مسند احمد اور ابوداود اور خود بخاری میں ہے۔ ❷ علی ہذا القیاس حضرت ابوہریرہ ♦ بھی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ ❸ دیکھو "الأمر المبرم" (ص ۱۲) اور بقدر ضرورت روایت بھی کرتے تھے، مفصل دیکھو: مقدمہ ابن صلاح ۔ ❹

---

❶ صحيح البخاري: كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، رقم الحديث (۲۳۰۲) صحيح مسلم: كتاب الحج، باب تحريم مكة وصيدها وخلاها وشجرها ولقطتها، رقم الحديث (۱۳۵۵)

❷ مسند أحمد (۱۷۶/۲، ۱۹۶) سنن دارمي (۱/ ۱۳۷) سنن أبي داود، برقم (۳۶٤٦) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (۱۱۳)

❸ دیکھیں: سنن دارمی (۱/ ۱۳۸) كتاب العلم لأبي خيثمه (ص: ۳۲) المدخل إلى السنن الكبرىٰ (۲٤۳/۲)

❹ مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۰۳)

قوله: اس زمانہ کے بعد حدیثوں کے قلمبند ہونے کا سلسلہ چلا مگر بدقسمتی سے ایسے وقت میں کتابیں تصنیف ہونے لگیں، جب کہ صحیح حدیثوں سے سینکڑہ گونا موضوع اور غلط حدیثیں رائج ہوگئیں۔ (ص: ایضاً)

أقول: اجی حضرت! حدیثوں کا قلمبند ہونا عہد نبوی سے ہی رائج ہوگیا تھا اور جب موضوعات کی بھرمار ہوئی تو محدثین کرام (شکر اللہ سعیھم) نے کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دیا۔ ورنہ آج حدیث نبوی کا پتہ بھی نہ ہوتا، خدا ان کو جزائے خیر دے، آمین۔

قوله: آخر وہ بشر تھے، اور بتقاضائے بشریت ان سے غلطی کا ہونا یقینی تھا۔ (ص: أیضاً)

أقول: محدثین نے صحت وضعف کے جانچنے کے جو قواعد مقرر کئے تھے، وہ آج تک منہاج العمل ہیں، ان میں ان سے غلطی کیا واقعہ ہوئی؟ ذرا کھل کے کہئے، اگر وہ قواعد غلط ہیں، تو پھر صحت وضعف میں تمیز کرنے کا صحیح معیار کیا ہے؟ کچھ بیان تو کیا ہوتا!!

قوله: سب سے پہلے حدیث کے صحت وضعف کا مدار راویوں کے حال پر رکھا گیا (الی قولہ) افسوس کہ اس میں بھی ایک حد تک نا اتفاقی ہے، بعض ایسے راوی ہیں کہ ایک محدث تو اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور دوسرے بزرگ اس پر جرح کرتے ہیں۔ (ص: أیضاً)

أقول: رواۃ پر ہر محدث کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جاتا، ذرا اصول حدیث کو پڑھیے، جو لوگ ائمہ ناقدین و ائمہ جرح وتعدیل ہیں، ان کی مجموعی رائے سے راوی مجروح ہوتا ہے اور اکثر ائمہ ناقدین کا مجروح راویوں کے مجروح ہونے پر اتفاق ہی ہوتا ہے۔ بہر حال مدار صحت وضعف علم احوال رجال ہی پر رہا ہے، بدلا نہیں گیا۔ پس یہ متفق علیہ مسئلہ ہوگیا۔ فافھم!

قوله: احادیث کے جمع کرتے وقت اپنے اپنے مذہب ومشرب کا خیال بھی رکھا گیا، چونکہ امام بخاری شافعی مذہب تھے، اس لئے ان کو وہی حدیثیں زیادہ بھائیں، جو مذہب شافعی کی موید تھیں۔ (ص: ایضاً)

أقول: ہائے تعصب! تیرا ستیاناس ہو!! جناب والا! محدثین نے محض خدا کے لئے احادیث نبویہ کو جمع کیا ہے، تاکہ طریقہ محمدی پھیل جائے، اس کو کوئی ان کے کلیجہ سے پوچھے، امام بخاری نے تو کئی مقام پر اپنی جامع صحیح میں امام شافعی کی تردید کی ہے، وہ ان کے مذہب کی مؤید حدیث پھر کیوں لاتے؟ اصل یہ ہے کہ امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، اس سے خواہ کسی کے خیال کی تائید ہو یا تردید، امام کو اس سے سروکار نہیں۔

قوله: اکثر کہا کرتے ہیں کہ بخاری کی حدیثوں کا کوئی راوی ضعیف نہیں (الی قولہ) بخاری کے راویوں کے متعلق ایک مستقل رسالہ مولانا سید عمر کریم صاحب نے بھی لکھا ہے، اس رسالہ کا نام

"الکلام المحکم" ہے (تا) بخاری کے (۱۷۵) ضعیف راویوں کا حال لکھا ہے۔ (ص: ٨٤)

أقول: ہم نے بھی اس رسالہ کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام "الأمر المبرم" ہے، جو عرصہ سے شائع و ذائع ہے، اس میں ان (۱۷۵) روات پر سے کل اعتراضات کو اٹھا دیا ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ واقعی بخاری کی حدیثوں کا کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔

قوله: اور مولانا مولوی حافظ احمد علی صاحب بٹالوی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے ایک مبسوط کتاب غیر مقلدین کی ایک کتاب کے جواب میں لکھی ہے، جس کا نام "نصر المقلدین" ہے، اس میں انہوں نے بخاری کے (۱۸۳) ضعیف راویوں کا حال علم اسماء رجال کی مشہور کتاب "تقریب التهذیب" سے نقل کیا ہے۔ (ص: أيضاً)

أقول: افسوس ہے کہ مجھے یہ کتاب باوجود تلاش کے اب تک دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ فوراً اس کا بھی جواب لکھ ڈالتا، کیونکہ میں نے امام بخاری کی مدافعت کا بیڑہ اٹھا لیا ہے، آپ اسے اگر بھیج دیں تو عین نوازش ہوگی، پھر دیکھئے گا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟!

قوله: امام نووی شرح صحیح مسلم میں ابن صلاح کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں قطعی الصدور ہیں، اس کے بعد ان الفاظ میں شیخ موصوف کا رد کیا ہے: "هذا الذي ذكر الشيخ" الخ یعنی شیخ ابن صلاح نے جو یہاں ذکر کیا ہے، وہ بہت سے محققین کے خلاف ہے، کیونکہ محققین نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی جو حدیثیں متواتر نہیں ہیں وہ آحاد ہیں اور آحاد سے افادہ ظن ہوتا ہے، (یعنی یقین کے درجہ کو نہیں پہنچیں) اور اس امر میں بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابیں سب برابر ہیں، کسی میں کچھ فرق نہیں (الی قولہ) محدثین محققین ان حدیثوں پر ظن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

(ملخصاً از ص: ٨٤، ٨٥)

أقول: اچھا تو اس سے کیا ہوا؟ حدیث ظنی بالاتفاق واجب العمل تو ہے، بہر حال صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں، لیکن جناب ذرا سنئے تو سہی! حدیث ظنی بھی تو بقرائن مفیدِ یقین ہوتی ہے، جمہور محدثین نے ان قرائن میں کسی حدیث کا صحیحین میں ہونا بھی شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو: شرح نخبہ، [1] ان محدثین میں سے استاذ ابو اسحاق اسفرائینی اور ابوعبداللہ حمیدی اور ابوالفضل بن طاہر وغیرہ ہیں کہ جس حدیث آحاد کو امام بخاری و مسلم دونوں صاحب روایت کریں، وہ مفید یقین ہوگی نہ ظن کی، اور قرینہ دونوں اماموں کی جلالت شان ہے۔[2] فتدبر!

---

1. نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٠)
2. مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: أحاديث الصحيحين بين الظن واليقين للشيخ ثناء الله الزاهدي.

قوله: اس کے بعد امام نووی فرماتے ہیں:

"ولا يلزم من إجماع الأمة على العمل بما فيهما إجماعهم على أنه مقطوع بأنه كلام النبي ﷺ."

"یعنی بخاری ومسلم کی حدیثوں پر عمل کرنے میں جو امت نے اجماع کیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت نے اس بات پر بھی اجماع کر لیا ہو کہ یہ ضرور ہی رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔

(ص: ۸۵)

أقول: بالکل ٹھیک ہے کہ صحیح بخاری میں سب کلام آنحضرت ﷺ ہی کے نہیں ہیں، کہیں صحابہ کے بھی ہیں، کہیں تابعین و دیگر ائمہ دین وفقہائے امت کے اقوال منقول ہیں، پس جو حدیث مرفوع ہے وہ بلا شک کلام نبی ﷺ ہے اور جو موقوف ہے وہ اقوال صحابہ اور جو مقطوع ہے وہ سخن تابعی، وقس عليها، بہر حال کلام نووی سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوئی کہ بخاری ومسلم کی حدیثوں پر عمل کرنے میں امت کا اجماع ہے۔ فالحمد لله. ع

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی ❶

قوله: اب ہم ایک اور حوالہ دیتے ہیں:

"ولا يرجح ما في الصحيحين أو أحدهما." (کبیری شرح منیه : ۳۷۰)

علامہ محمد بن ابراہیم چلپی شارح منية المصلي فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم دونوں میں سے ایک کو ترجیح نہیں، اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ جن حدیثوں پر یہ دونوں متفق ہیں، وہ سب سے زیادہ صحیح ہیں، پھر جس کی روایت اکیلی بخاری نے کی ہے، پھر جس کی روایت اکیلے مسلم نے کی ہے، پھر ایسی حدیثیں جو بخاری ومسلم دونوں کی شرطوں پر صحیح ہو، پھر بخاری کی شرطوں پر، پھر مسلم کی شرطوں پر، پس یہ زبردستی کی بات ہے، اس معاملہ میں اس تحکم کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ کسی حدیث کا صحیح ہونا راویوں کے حال کی واقفیت پر ہے ان شرطوں سے جن کا اعتبار کیا گیا ہے، پس جب یہ شرطیں بخاری ومسلم کے بغیر دوسری کتابوں کی احادیث کے راویوں میں پائی جائیں تو کیا بخاری ومسلم کی شروط کی اصلیت پر حکم کرنا عین زبردستی نہ ہوگی؟ (ص: ۷۵، ۲۸)

أقول: یہ اعتراض دراصل ابن الہمام کا ہے، جس کا مفصل جواب ہم "الريح العقيم" (ص: ۲۶-۲۸) میں دے چکے ہیں۔

أولاً: تو غیر محدثین جو محدثین کے قواعد مسلمہ پر اعتراض کریں گے، وہ مقبول نہیں، کیونکہ ان کو فن حدیث میں شغل نہیں ہوتا۔

---

❶ برا کہہ کر خوش ہو، اچھا کہہ! اللہ تمہیں معاف کرے۔

ثانیاً: محققین حنفیہ نے اس اصول کو (جس پر چلپی نے اعتراض کیا ہے) بڑی خوبی سے تسلیم کیا ہے، علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں:

"وأعلى درجة الصحيح عند الحفاظ ما اتفق عليه الشيخان." (زيلعي: ١/ ٢١٩)

''یعنی جس حدیث پر بخاری ومسلم نے اتفاق کیا ہو، وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔''

ثالثاً: جو روایت علی شرط الشیخین دیگر کتب حدیث میں ہو محدثین اس کو بھی صحیح مانتے ہیں بشرطیکہ وہ صحیحین کے معارض نہ ہو، ورنہ صحیحین کی حدیث مقدم ہوگی، کیونکہ ان دونوں کے رتبہ وجلالتِ شان کو کوئی بھی نہیں پہنچا۔

رابعاً: ترتیب مذکورہ پر ہمیشہ محدثین کا عمل رہا ہے، حنفیہ اگر تعصب کی وجہ سے نہ مانیں تو اس سے محدثین کے سنہرے اصول پر کچھ دھبہ نہیں آ سکتا۔

آواز سگاں کم نہ کند رزق گدا را

قوله: اس کے بعد ہی علامہ موصوف فرماتے ہیں: " وقد أخرج مسلم في كتابه " الخ مسلم نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے حدیثیں لی ہیں، جن پر سخت جرح کی گئی ہے اور ایسا ہی بخاری کے متعلق ایک جماعت نے کلام کیا ہے، پس راویوں کے بارے میں علماء کے اجتہاد پر دارومدار ہے۔

(ص: ٨٦)

أقول: کلام تو قرآن مجید پر بھی کیا گیا ہے، خدا کی ذات پر بھی اعتراض ہوا ہے، پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بخاری ومسلم کے رواۃ پر جو جرحیں کی گئی ہیں، محدثین نے ان کے جوابات بھی دندان شکن دیئے ہیں، صاحب دراسات فرماتے ہیں:

"أجابوا عن ذلك مما جعلوه هباءً منثوراً . " (ص: ٢٧٦)

''یعنی محدثین نے ان تمام جرحوں کا ایسا جواب دیا ہے کہ ان اعتراضات کو پراگندہ غبار کی مانند کر دیا ہے۔''

قوله: اس کے بعد علامہ موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ راویوں کے حالات میں گڑ بڑ ہے: " وكذا فيمن ضعف راويا، ووثقه الآخر " یعنی ایک راوی کو ایک تو ضعیف بتاتا ہے اور دوسرا اسی کو معتبر ظاہر کرتا ہے۔ (ص: أيضاً)

أقول: اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے کہ جرح میں ہمیشہ ائمہ ناقدین کے اقوال کا اعتبار کیا جاتا ہے، جو ائمہ فی الجرح والتعدیل مانے گئے ہیں، پھر جرح بھی وہ مقبول ہوتی ہے، جو مفسر ہو، اس کے اسباب مبین ہوں، ورنہ اس پر تعدیل مقدم ہوگی۔ وقد مر مراراً

قوله: اگر ہم کتاب بخاری کی احادیث پر کوئی کلام کرتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم تو

سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ (ص: أیضاً)

أقول: سبحان اللہ! کیا کہنا ہے؟ اگر آپ اپنے قول میں سچے ہیں اور واقعی سلف صالحین کی اتباع کرتے ہیں، تو جس طرح انہوں نے صحیح بخاری کو " أصح الكتب بعد كتاب الله "کہا ہے اور مانا ہے، آپ بھی تسلیم کیجئے اور جامع صحیح پر اعتراضات کرنے چھوڑ دیجئے! ورنہ آپ بھی "أحد الكاذبين" میں ہوں گے!

قوله: اگر ہم یا ہمارا کوئی مضمون نگار امام بخاری کی کسی غلطی کو دکھاتا یا کسی حدیث پر بحث کرتا ہے (الی قولہ) عمدہ طریق یہ ہے کہ ہر ایک معاملہ پر علمی بحث کی جائے۔ (ص: أیضاً)

أقول: علمی بحث اس وقت کی جائے گی، جب مضمون بھی علمی ہو اور کسی عالم کی قلم سے نکلا ہو، ورنہ جس کو اپنی بے علمی کا خود اقرار ہو، اس کے مضمون کی طرف توجہ کرنا چنداں مفید نہیں ہوتا، تاہم یہ ہمارا ہی حوصلہ تھا کہ آپ کے کل مضامین کا علمی طریق سے جواب دے دیا، ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

جواب مضامین عبداللہ طالب العلم بہاری:

ان حضرت کا مضمون (جو الجرح علی البخاری کا آخری اور نہایت درشت اور تلخ مضمون ہے اور پانچ ورقوں میں تمام ہوا ہے اور اس کا زیادہ حصہ امام ابوحنیفہ کی مدح سرائی سے پر ہے) اخبار ''اہل فقہ'' میں دو حصے کر کے شائع ہوا تھا، پہلا حصہ اہل فقہ (جلد ۳، نمبر ۶، ص: ۴ تا ۷، مورخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء) میں طبع ہوا تھا جس کی سرخی یہ تھی '' شحنہ ہند کے نامہ نگار کا جواب'' اب ہم اس کا '' جواب الجواب'' شروع کرتے ہیں۔

جواب الجواب:

قوله: جھوٹ موٹ اپنے فرضی مجتہد مرحوم امام بخاری کو فلک الافلاک پر پہنچانے میں حتی الوسع آپ نے دانستہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ (ص: أیضاً)

أقول: دنیا میں اصلی مجتہد صرف ایک امام بخاری ہی ہوئے ہیں، جو واقعی اس قابل ہیں کہ ان کا رتبہ فلک الافلاک سے بھی بالا ہو، ان کے علاوہ باقی اور نام کے مجتہد ضرور تھے، امام بخاری کا مجتہد ہونا ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ع۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

قوله: امام حسین ◆ کو عراقیوں نے کس دکھ اور درد کے ساتھ شہید کیا۔ (ص: أیضاً)

أقول: عراقیوں نے نہیں بلکہ کوفیوں نے ان کو شہید کیا، کہئے! کوفہ والوں کے ایسے ہی کرتوت پر آپ نازاں ہیں؟ سچ ہے: الكوفي لا يوفي! (چیرز!)

قوله: یہ لوگ درحقیقت مسلمان ہی نہیں ان کی انسانیت اور آدمیت ہی میں کلام ہے۔ (ص: ۸۸)

أقول: واقعی جو لوگ امام بخاری اور جامع صحیح بخاری پر نکتہ چینی اور اعتراض کرتے ہیں، ہم بھی ان کو مسلمان کیا انسان ہی نہیں سمجھتے اور آپ کے خیال پر صاد کرتے ہیں۔ مولانا روم نے ایسے ہی حضرات کی بابت فرمایا ہے:

اینکہ می بینی خلاف آدم اند
نیستند آدم خلاف آدم اند [1]

آہ ؎

اخبار نبی سے یہ عداوت ہو اس پر
اسلام کا دعویٰ کریں اعداءِ بخاری

قوله: فرمایئے تو سہی! کجا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کجا امام بخاری رحمہ اللہ کجا آسمان کجا زمین کچھ بھی لگاؤ ہے؟ ۔ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

(ص: أيضاً)

أقول: سچ کہتے ہو! امام بخاری اور امام ابوحنیفہ میں کچھ بھی لگاؤ نہیں ہے، امام بخاری حامل سنن سید المرسلین، رافع لواء شافع المذنبین، حافظ حدیث سید الرسل، ناشر مواریث فخر الآخر والاول تھے، اور امام ابوحنیفہ صرف قیاس کرنے میں امام تھے، احادیث نبوی سے شغل ہی نہ تھا، دیکھو طحطاوی وغیرہ،[2] پس کجا آفتاب اور کجا ذرہ سراب؟ شتان بينهما !!

قوله: قاضی ابن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے جلیل الشان جن کے مقابلہ میں امام بخاری طفل مکتب بھی متصور نہیں تھے۔ (الی قولہ) اللہ اللہ! امام بخاری ”کے آمدی و کے پیر شدی۔“ (ص: ۹۰)

أقول: قاضی ابن ابی لیلیٰ وغیرہ بیچاروں کی کیا حقیقت ہے؟ جن کے اجتہاد کی امام صاحب نے چھ غلطیاں نکالیں، امام بخاری نے چوبیس نکالیں، امام بخاری کے مقابل میں دنیا کے محدثین وفقہاء سرنگوں ہیں، ابن ابی لیلیٰ بچارہ پانی بھرے!

قوله: امام بخاری شافعی طریقے کے ایک مقلد تھے۔ (الی قولہ) مقلد کے سوا مجتہد ہوتے تو کس طرح ہوتے؟ (ص: أيضاً)

أقول: امام بخاری کو مقلد کہنا ایسا ہی ہے جیسے سفید کو سیاہ اور دن کو رات کہنا، تعجب ہے کہ جو شخص اپنی کتاب

---

[1] جسے تو آدمیت کے خلاف دیکھے، ایسا نہیں، آدمی ہی آدمی کے خلاف ہے۔

[2] طحطاوی (۱/ ۳۵)

میں امام شافعی کی جابجا تردید کرے، وہ بھی ان کا مقلد کہا جائے؟ امر واقعی یہ ہے کہ امام بخاری ہرگز مقلد نہ تھے، بلکہ خود مجتہد تھے، اس کی بحث میں بہت سے رسائل میں کر چکا ہوں۔

قوله: بخاری پرستوں کو یہ سوجھی ہے کہ (الی قولہ) امام بخاری کے سر پر اجتہاد کا عمامہ اور فقاہت کی دستار لپیٹئے! (ص: أیضاً)

أقول: امام بخاری کے سر اجتہاد و فقاہت کا سہرا خود خدا نے باندھ دیا تھا، جس کا نمونہ جامع صحیح بخاری ہے، اگر امام پرست پیر پرست ہویٰ پرستوں کو نہ سوجھے تو اس کا علاج نہیں۔ یہاں تک تو غنیمت ہے، لیکن اخبار ''اہل فقہ'' (جلد نمبر ۹ ص: ۵ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۰۶ء) میں جوتم نے بہ سرخی ''ہر فرعونے راموسیٰ'' یہ لکھا ہے کہ ''ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ آخری نبوت کا سہرہ امام بخاری معصوم کے سر پر باندھ دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔'' یہ تمہاری غایت درجہ شقاوت کا نتیجہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے سر جس طرح تمہاری جماعت نے نبوت وعصمت کا سہرہ ان کی تقلید و اتباع میں باندھا ہے، اسی طرح دوسروں کو بھی قیاس کرتے ہو؟ سچ ہے: " المرء يقيس على نفسه "، امام بخاری نبی ﷺ کی امت کے فخر تھے، نبی اور معصوم نہ تھے، جیسا کہ حصہ اول کے دیباچہ میں مفصل مرقوم ہوا، خدا تم کو ہدایت دے۔ آمین

قوله: امام بخاری صاحب کو مقلد کہتے ہیں، اگر کہتے ہیں تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ ان کو تقلید کی کرسی پر بٹھا گئے، دیکھو: ''قسطلانی شرح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲ مطبوعہ مصر، قال التاج السبكي: ذكره يعنى البخاري، أبوعاصم في طبقات أصحابنا الشافعي " (ص: ۹۱)

أقول: اس کا جواب ہم رسالہ " الريح العقيم" (ص: ۳، ۴) والعرجون القديم (ص: ۱۲، ۱۴) اور حل مشکلات (۱/ ۱۰۱) میں مفصل دے چکے ہیں کہ ابوعاصم نے صرف توافق فی المسائل کی بنا پر امام بخاری کو (غلطی سے) شافعی کہہ دیا ہے، ورنہ حقیقت میں امام بخاری مجتہد مستقل تھے، جیسے کہ امام احمد بن حنبل مجتہد اور صاحب مذہب مستقل ہیں، لیکن ان کو بھی مصنف طبقات شافعیہ نے شافعیوں میں شمار کر دیا ہے، اس بنا پر حنبلی شافعی ایک ہو جائیں گے، حالانکہ یہ بداہتاً غلط ہے۔ ابو عاصم کے قول کی آج تک کسی نے بھی متابعت نہیں کی، پس اس کا بھی غلط ہونا ظاہر ہے، امام بخاری تو مجتہدین کی کرسی کے صدر نشین تھے۔

قوله: نواب صدیق حسن خان جنہوں نے اپنے اتحاف میں سینکڑوں محدثین کو شافعی لکھا ہے، اور اپنے تصنیف الحطة میں امام مسلم کو شافعی لکھا ہے۔ الخ (ص: ایضاً)

أقول: نواب صاحب ممدوح صرف ناقل ہیں اور نقل شے اس امر کو مستلزم نہیں کہ ناقل کا بھی وہی مذہب ہو، مشہور ہے: ''نقل راچہ عقل؟'' پس یہ الزام صحیح نہیں۔

قولہ: ہم بے حجت و برہان کے مان بھی لیں کہ واقعی بخاری کی کتاب اس منصب کی (اصح الکتب) ہے (الی قولہ) تم مسئلہ شہادت امام حسین میں کلام کر کے بخاری اصح الکتب کو ہماری خاک میں ملا رہے ہو۔ (تا) اس کے اوراق کو پانی میں گھول کر پی جاؤ۔ (ص: ۹۲)

أقول: صحیح بخاری کے ماننے والوں اور اس کی حدیثوں پر عمل کرنے والوں میں سے کسی نے بھی واقعہ شہادت امام حسین کا انکار یا کسی قسم کا کلام نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہے، پس اب تو آپ کے فیصلہ سے ہی صحیح بخاری کا اصح الکتب ہونا باقی اور ثابت رہا، اور اس کا اصح الکتب ہونا بلا حجت و برہان ہرگز نہیں ہے، بلکہ با حجت و برہان ہے، حل مشکلات کا حصہ اول [ص: ۱۵۴] پڑھو، یا گھول کر پی جاؤ!

قولہ: نہ ہی کوئی قول پیش کیا کہ امام بخاری کو ائمہ مجتہدین میں شمار کرتے ہیں۔ (ص: أيضاً)

أقول: اگر حنفیوں کا قول سننا چاہتے ہیں تو سنئے: شامی حنفی کے استاد علامہ اسماعیل عجلونی حنفی اپنی کتاب "الفوائد الداري" میں امام بخاری کی نسبت لکھتے ہیں: "كان مجتهدا مطلقا" اور شیخ ابوالحسن سندی مدنی حنفی ترجمہ بخاری (مصری) میں لکھتے ہیں: "والصحيح أنه مجتهد" اور اسی الفوائد الدراری میں سخاوی کا قول امام بخاری کے متعلق "كان مجتهدا" اور ابن تیمیہ کا قول "إنه إمام في الفقه من أهل الاجتهاد" منقول ہے، [1] کہیے! تسکین ہوئی؟

قولہ: کہاں بخاری میں ان کا اجتہاد ہے؟ کہاں ان کی فقاہت ہے؟ بھلا امام بخاری کو فقاہت اور اجتہاد سے کیا واسطہ؟ ع۔ علیو از زاباکبوتر چہ کار؟
اتنی سمجھ اتنا دماغ بھی تو ہو (الی قولہ) لنگڑا لولہا مضمون آپ کے امام صاحب نے بخاری کے عنوان ابواب میں لکھ کر اپنے سرمایہ قابلیت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ (ص: أيضاً)

أقول: استغفر اللہ! اس دریدہ دہنی کا بدلہ خدا ہی دے گا۔ جناب! محدثین کا یہ مسلّمہ جملہ ہے:

"فقه البخاري في تراجمه" (قسطلانی) [2] امام بخاری کی فقاہت ان کے ترجمہ باب سے معلوم ہوتی ہے، لیکن سمجھنے کو عقل کامل اور دیکھنے کو چشم بینا چاہیے۔ امام بخاری کے فہم اور دماغ کے مقابلہ میں آج تک کسی کا فہم و دماغ ظاہر نہیں ہوا، ان کے مضامین کو جو کلام رسول ہیں، لنگڑا لولہا کہنا آپ کا کمال ایمان ہے۔ شرم!!

---

1. اس کی تفصیل گزر چکی ہے، دیکھیں: سیرۃ البخاری (ص: ۱۷۱)
2. مقدمه إرشاد الساري للقسطلاني (۱/ ۲۰)

قوله: بخاری کے عنوان ابواب میں اجتہاد کیا ہے؟ اس کا عنوان ابواب تو خود کرم پر ہاتھ رکھ کر آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے اور امام بخاری کو دعائے خیر کے ساتھ یا دکرتا ہوا کلیجہ پیٹ پیٹ کر انجمن عام میں بیان کر رہا کہ بھلا امام بخاری کا ہم نے کیا بگاڑا تھا کہ مجھے ایسی احادیث کے مضامین کے ساتھ کر دیا ہے کہ یک دم بیگانگیت ہے اور ہمارے بے لگاؤ ہونے پر بخاری کے شراح ایک طرف طرح طرح کی پھبتیاں کر رہے ہیں اور طلبہ ایک جانب قسم قسم کے مضحکے اڑا رہے ہیں،عنوان ابواب بیچارہ تو امام بخاری سے سخت برافروختہ ہے اور ان سے غایت غیظ وغضب میں مبتلا ہے اور تم عنوان ابواب کو امام بخاری کے اجتہاد وفقاہت پر شاہد ٹھہراتے ہو۔ (ص: ۹۳)

أقول: ہاں صاحب ہاں! امام بخاری کے اجتہاد وفقاہت پر عنوان ابواب ہی شاہد کامل ہے، آپ نے چونکہ مدرسہ اہل حدیث کو چھوڑ دیا اور تعصب کی پٹی کھول کر صحیح بخاری نہیں پڑھی، اس لئے آپ کی ظاہر نظر میں ترجمہ باب حدیث سے بے لگاؤ معلوم ہوتا ہے اور مطابقت ظاہر نہیں ہوتی، سنئے مطابقت دینی ہر کہ ومہ کا کام نہیں ہے، صرف خاص لوگ جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، انہیں کو مطابقت معلوم ہوتی ہے۔ آیئے آپ کو ذرا مطابقت کی تشریح وتقسیم سنا دوں (گو میں اس کو مفصل حل مشکلات [۱/۱۰۳] میں لکھ آیا ہوں)

مطابقت کی دو قسمیں ہے:

۱۔ لفظی۔ ۲۔ معنوی۔

مطابقت لفظی یہ ہے کہ جو الفاظ ومضمون حدیث میں ہوں، وہی باب میں بھی ہوں، صحیح بخاری میں یہ قسم بھی ہے، اور مطابقت معنوی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مطابقت بطریق عموم۔ ۲۔ مطابقت بطریق خصوص۔ ۳۔ مطابقت بطریق استنباط۔

ان تینوں میں تیسری مطابقت بہت مشکل ہے اور اسی سے اجتہاد کا کمال معلوم ہوتا ہے، امام بخاری نے مطابقت کی ان تینوں قسموں کو بھی استعمال کیا ہے، لیکن تیسری قسم کو بکثرت بیان کیا ہے، جس سے ان کے اجتہاد کا حددرجہ ذروہ کمال پر پہنچنا معلوم ہوتا ہے، اور مطابقت بطریق الاستنباط یہ ہے کہ ظاہر نظر میں مضمون حدیث وترجمہ باب میں کوئی تعلق معلوم نہ ہو، بلکہ بالکل خلاف معلوم ہو، لیکن اس کے معانی میں ایک مفاد سے اور مفہوم باب سے گہرا تعلق ہوتا ہے، جس کے معلوم کرنے کے لیے بڑے تعمق وفکر اور علم کی ضرورت ہے، جیسا کہ آگے ان شاء اللہ آپ ملاحظہ کریں گے۔

قوله: اگر تمہیں ہماری بات پر یقین نہ ہو، تو بخاری کھول کر دیکھو:

اول: باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم .

''کیا اس شخص پر جو نماز جمعہ میں حاضر نہ ہو غسل ہے؟ یعنی عورتوں اور لڑکوں وغیرہ پر۔''

"عن ابن عمر قال: كانت امرأة لعمر تشهد صلوة الصبح والعشاء في الجماعة في المسجد، فقيل لها لم تخرجين، وقد تعلمين أن عمر يكره ذلك ويغار؟ قالت: وما يمنعه أن ينهاني؟ قال: يمنعه قول رسول الله ﷺ: لا تمنعوا إماء الله مساجد الله ."

(بخاری: ۱/ ۱۰۲ مطبوعه مصر)

''ابن عمر سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ عمر ◆ کی بیوی مسجد میں عشاء اور صبح کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، ان کو لوگوں نے کہا کہ تم کیوں نکلتی ہوں، حالانکہ تم جانتی ہو کہ حضرت عمر ◆ اس بات کو ناپسند اور غیرت معلوم کرتے ہیں؟ تو حضرت عمر کی بیوی نے جواب دیا کہ پھر مجھ کو باز رکھنے سے ان کو کس چیز نے روکا؟ تو انہوں نے کہا کہ جناب رسول اللہ ♏ کے اس ارشاد " لا تمنعوا ...... " الخ نے انہیں روکا۔''

دیکھو اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس کے اشارہ کنایہ سے اس حدیث کے عنوان باب کے مضمون سے لگاؤ ہو۔ (ص: أيضاً)

أقول: اس کا جواب ہم رسالہ " الخزي العظيم" (ص: ۱۷) میں دے چکے ہیں کہ امام بخاری باب مذکور کے تحت میں پانچ روایتیں لائے ہیں، پہلی تین روایتوں میں مطابقت بطریق خصوص و بطریق عموم ہے، جن میں غسل کے متعلق باب اور حدیث میں صریح مطابقت ہے، باقی دو پچھلی روایتوں میں باب سے مطابقت بطریق استنباط ہے، چنانچہ بگوش ہوش متوجہ ہو کر سنئے!

امام بخاری نے باب کے ترجمہ میں ایک اثر ابن عمر بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔ (جسے معترض نے قصداً چھوڑ دیا ہے):

" وقال ابن عمر: إنما الغسل على من تجب عليه الجمعة "

جس سے امام ہمام کی غرض یہ ہے کہ جس پر جمعہ فرض نہیں ہے، اس پر جمعہ کا غسل بھی نہیں ہے، مطلب یہ کہ غسلِ جمعہ نمازِ جمعہ کا تابع ہے، پس عورتوں اور بچوں وغیرہ پر جمعہ فرض نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے غسل بھی ضروری نہیں۔ اب حضرت عمر ◆ کی بیوی والی حدیث سے اور باب سے اس طریق پر مناسبت ہوئی کہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ'' آنحضرت ♏ نے فرمایا: عورتوں کو رات کے وقت مسجد میں آنے کی اجازت دے دیا کرو۔'' اور اس حدیث (حضرت عمر کی بیوی والی) میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ'' خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔'' پہلی حدیث میں رات کے وقت کی قید ہے اور دوسری مطلق ہے، اور علم اصول کی رو سے مطلق کو قید پر حمل کیا جاتا ہے، پس امام بخاری نے دونوں حدیثوں کو اکٹھا ذکر کر کے سمجھایا کہ حضرت عمر کی بیوی کے ذکر والی حدیث جو مطلق ہے، وہ پہلی مقید حدیث پر محمول ہے، مطلب یہ ہوا'' کہ عورتوں کو رات کے وقت مساجد میں آنے سے مت روکو۔'' کیونکہ دونوں روایتیں حضرت ابن عمر ◆ سے مروی ہیں، پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ حدیث میں جو عورتوں کے لیے

مسجد میں آنے کی اجازت ہے، وہ رات کے وقت کے متعلق ہے، تو اب ظاہر ہے کہ جمعہ تو دن کی نماز ہے نہ رات کی، پس عورتوں اور لڑکوں پر جمعہ واجب نہ ہوا، اور جب جمعہ واجب نہ ہوا تو غسل جمعہ بھی واجب نہ ہوا۔ اور یہی ترجمۃ الباب کا مضمون تھا، لہٰذا حدیث اور ترجمۃ الباب میں بڑی باریک مناسبت ہوئی۔ والحمدللّٰه.

اب سنئے کہ آپ کے واجب التعظیم بزرگ علامہ عینی حنفی بھی اس حدیث کی مناسبت کے متعلق یہی کہتے ہیں، جو ہم نے بیان کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"هذا الحديث مطلق، والذي قبله مقيد، فكأن البخاري حمل هذا المطلق على ذاك المقيد، فإذا كان كذلك، يكون المعنىٰ: لا تمنعوا إماء اللّٰه مساجد اللّٰه بالليل، والجمعة تخرج عنه لأنها نهارية، فحينئذ لا تشهدها، ومن لا يشهدها ليس عليه غسل، فحصلت المطابقة بينه وبين الترجمة بهذا الطريق، فافهم!" (عمدة القاى: ٣/ ٢٧١، ٢٧٣ مصرى)

"یہ حدیث (زوجہ عمر والی) مطلق ہے اور اس کے پہلے والی مقید، گویا امام بخاری نے اس مطلق کو اس مقید پر محمول کیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے رات کے وقت نہ روکو، جمعہ اس سے نکل جائے گا، کیونکہ وہ نہاری (دن کا) ہے، اس وقت میں عورتیں جمعہ میں حاضر نہ ہوں گی اور جو جمعہ میں حاضر نہ ہو، اس پر غسل نہیں ہے، اس طریق سے اس حدیث اور ترجمہ باب میں مطابقت حاصل ہوجاتی ہے۔ فافهم!"

قوله: دوم "باب التكبير [1] للعيد" سویرے جانا عید کی نماز کے لیے۔

عن البراء قال: خطبنا النبيﷺ يوم النحر أن أول بتدايه [2] في يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر، فمن فعل ذلك فقد أصاب سنتنا، ومن ذبح قبل أن يصلي، فإنما هو لحم عجله لأهله ليس من النسك في شيء، فقام خالي أبوبردة بن نيار فقال: يا رسول اللّٰه أنا ذبحت قبل أن أصلي، وعندي جذعة خير من مسنة، قال: اجعلها مكانها، أو قال: اذبحها، ولن تجزي جزعة عن أحد بعدك. (بخاری: ١/ ١١٠ مطبوعہ مصر)

"براء سے روایت ہے کہ بقرعید کے روز جناب رسول اللہ ﷺ نے وعظ فرمایا، جس میں ارشاد فرمایا کہ آج بقرعید کے دن پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھو، اس کے بعد لوٹوں تو قربانی کرو، جس نے اس طرح کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پالیا اور جس نے قبل نماز کے قربانی کی وہ قربانی نہیں بلکہ اپنے اہل کے لئے گوشت کیا، راوی کہتے ہیں کہ ہمارے ماموں ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میں نے

---

[1] تکبیر غلط ہے، تبکیر صحیح ہے۔ [2] صحیح عبارت "أوّل ما نبدأ" ہے۔ (مؤلف)

نماز کے قبل ذبح کی ہے اور میرے پاس چھ مہینے کا بکری کا بچہ ہے، جو ایک سال کے بچے سے نکلتا ہوا ہے، آپ نے فرمایا اس کے بدلے کرلو۔ یا آپ نے یوں ارشاد کیا: اس کو ذبح کر ڈالو اور یہ تمہارے بعد کسی کو روا نہیں۔"

دیکھو اس حدیث میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس سے عید کی نماز کے سویرے جانا مفہوم ہوتا ہو۔ (ص: ٩٤)

أقول: عید کی نماز میں سویرے جانا اس جملہ "آج کے دن سب سے پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھیں۔" سے نہایت واضح طریق پر مفہوم ہوتا ہے، لیکن سمجھنے کو فہم مستقیم وطبع سلیم درکار ہے، سنئے جب آنحضرت ﷺ نے فرما دیا کہ آج سب سے پہلے نماز پڑھنی ہے، تو صبح سے عید کا سامان اور نماز کی تیاری کرنی ضروری ہوئی اور کسی کام میں مشغول ہونا تو رہ گیا، بلکہ سارے کاموں کا کرنا نماز کے بعد موقوف رہا اور اپنے روزانہ کاموں کے علاوہ ابھی قربانی کرنی ہے اور بقرعید میں بھوکے جانا ہوتا ہے، کیونکہ اسی قربانی کے گوشت سے ابتداء خورد ونوش کرنی چاہیے۔ [1]

پس ان سب کے لحاظ سے نماز کے لیے جلدی کرنا متعین ہوا اور جلد نماز ادا کرنے کو سویرے جانا لازم ہے، لہٰذا اس مبادرت سے تبکیر (سویرے جانا) ذہن میں آ گیا اور مناسبت نہایت عمدہ طریق سے ظاہر اور ثابت ہوگئی۔ آپ کو اگر میرے اس بیان میں کوئی شک وشبہ ہو تو اپنے بڑے بزرگ علامہ عینی کی شہادت سنئے، وہ بھی مطابقت بطریق مذکور بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"مطابقته للترجمه من حيث أن الابتداء بالصلوة يوم العيد والمبادرة إليها قبل الاشتغال بكل شيء غير التأهب لها، ومن لوازم ذلك التبكير إليها" انتهىٰ. (عمدة القاري: ٣/ ٣٧٨)

"اس حدیث کی ترجمہ باب سے مطابقت یوں ہے کہ عید کے دن نماز کے ساتھ ابتداء کرنی اور نماز کی طرف جلدی کرنی کسی کام میں مشغول ہونے پیشتر سوائے سامان کرنے اسی نماز کے، ان باتوں کے لوازم سے ہے نماز عید کی طرف سویرے جانا۔"

کہیے! اب تو آپ سر تسلیم خم کریں گے، یا یوں ہی انکار ہی رہے گا؟ (دیدہ باید!)

قوله: باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال .

"مسلمان کا بہتر مال بکری کا گھیڑ ہے، جس کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر لگا رہے۔"

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبيﷺ قال: إذا سمعتم بكاء [2] الديكة، فاسئلوا الله من

---

1. مسند أحمد (٥/٣٥٢) سنن الدارقطني (٢/٤٥) سنن البيهقي (٣/٢٨٣) نیز دیکھیں: فتح الباري (١٠/ ٢٧) تحفة الأحوذي (٣/ ٨٠)
2. صحیح بخاری میں "صياح الديكة" کے الفاظ ہیں۔

فضله، فإنها رأت ملكا، وإذا سمعتم نهيق الحمار، فتعوذوا بالله من الشيطان، فإنه رأى شيطانا."

''ابو ہریرہ ◆ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مرغ بانگ دیوے، تو اس وقت اللہ سے اس کی مہربانی کی درخواست کرو، کیونکہ اس مرغ نے فرشتہ کو دیکھا ہے اور جب گدھے کے رینگنے کی آواز سنو، تو بذریعہ اللہ کے شیطان سے پناہ مانگو، کیونکہ اس گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے۔''

دیکھو اس حدیث میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس کے مفہوم سے اس حدیث کے عنوانِ باب کے مضمون سے ذرہ بھر بھی لگاؤ ہو۔ (ص: أيضاً)

أقول: اس کا جواب ہم رسالہ " الخزي العظيم" (ص:۹) میں دے چکے ہیں کہ امام بخاری نے باب میں (جو کہ دراصل ایک حدیث کا ٹکڑا ہے) پہاڑ کی چوٹی پر مابین اہل غنم خیر ہونے کا ذکر کیا ہے اور حدیث صیاح الديك ونهيق الحمار میں اس طرف اشارہ ہے کہ مابین اہالی دیک وحمار کا سکونت پذیر ہونا (یعنی شہر یا گاؤں میں رہنا) بھی جائز ہے۔ مرغ اذان کے وقت بانگ دیا کرتا ہے، لیکن خیریت اہالی غنم میں شعف الجبال پر اقامت کرنے میں ہے۔ کہیے کیسی باریک مناسبت ہے؟

دوسرے طریق سے سنئے! یہ باب کتاب " بدء الخلق " میں واقع ہے، اس باب میں امام بخاری کا مقصود یہ بھی ہے کہ ایسے مواشی جن سے انسانی حوائج رفع ہو سکتے ہیں، ان میں غنم (بکری) بدرجہا افضل ہے، اور وجہ فضیلت یہ بتلائی کہ ایام فتنہ میں سوائے بکری کے اور کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ انسان اسے لے کر دنیا سے یکسو ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر بسر کرے اور حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرغ اور گدھے وغیرہ مواشی بھی رفع حوائج انسانی ہی کے لیے پیدا کئے گئے ہیں لیکن ان سے پہاڑ کی چوٹی پر وہ حاجت انسانی (اکل وشرب) پوری نہیں ہوسکتی، جو غنم سے ہوگی، کیونکہ لبن غنم (دودھ) خورد ونوش دونوں کے لئے کافی وافی ہے، لہٰذا خیریت غنم ہی میں ہے، فرمایئے! کیسی دقیق مطابقت ہے؟

تیسرے طریق سے ملاحظہ ہو! اصل باب تو آیت قرآنیہ کا باب ﴿وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ [لقمان: ۱۰] ہی ہے اور وہ باب جو زیر بحث ہے (یعنی خير مال المسلم الخ) اس کے ضمن میں دوسرے باب سے پہلا باب عام زمینی جانداروں کے متعلق ہے، جس میں اس باب اور اس کے تابع ضمنی باب کی سب احادیث شامل ہیں، اور دوسرا باب اس امر کی تنبیہ کے لئے ہے کہ ان زمینی جانوروں میں سے بعض جانور مبارک ہیں، یعنی ان سے نیک سبق حاصل ہوتا ہے اور بعض منحوس ہیں، ان سے ایذا پہنچتی ہے، مبارک جانوروں میں سے ایک تو بکری ہے کہ آدمی فتنہ کے وقت اس کو باہر جنگل میں چرانے کے سبب سے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، دوسرا مرغ ہے، یہ سحر کے وقت بانگ دیتا ہے اور زہاد لوگ اس کی بانگ سے وقت کا اندازہ کر کے عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔

منحوس جانوروں میں ایک تو گدھا ہے کہ اس کی عادات بھی خراب ہیں اور آواز بھی منکر ہے، ایک چوہا ہے، جو گھر کے اسباب اور کھیتوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے، ایک چھپکلی ہے کہ موذی ہے، ایک سانپ ہے، جو زہریلا جانور ہے، ان سب (مبارک و منحوس) جانوروں کا ذکر اس باب زیر بحث میں کیا گیا ہے اور ترجمہ الباب کو خاص ہے لیکن ان مذکورہ بالا جانوروں کو اس سے برابر تعلق ہے، کیونکہ جو مبارک جانور ہیں، ان کو تو جنسیت کے لحاظ سے تعلق ہے اور جو منحوس ہیں، ان کو ضدیت کی رو سے تعلق ہے اور یہ امر کہ کسی شے کے ذکر میں اس کی جنس یا ضد کو ذکر کرنا قرآن مجید میں عام طور پر ہے اور فصحاء کے نزدیک متعارف ہے، پس مناسبت ثابت ہوگئی اور معترض کا اعتراض باطل ہوگیا۔ والحمد للہ علی ما ألهم و أنعم ۔ دیکھا حضرت امام بخاری کا اجتہاد! لیکن۔

جو لوگ کہ ہیں رائے کے پھندے میں گرفتار
وہ کس لئے کرنے لگے پروائے بخاری

قولہ: دیکھو بخاری کے عنوانِ ابواب کی پراگندہ حالت، اگر یہ کہو کہ امام بخاری کی یہ خطا فی الاجتہاد ہے اور مصیب اور مخطی کا ہونا مجتہد کی شان سے ہے تو واضح ہو کہ اس کو خطا نہیں کہتے بلکہ عرف میں اس کا دوسرا نام ہے، جس کو لوگ جہالت بولا کرتے ہیں۔ (ص: ۹۴، ۹۵)

أقول: جاہلوں کو جہالت ہی کی سوجھتی ہے اور ان کو ان کی طبعی جہالت سے کل باتیں جہالت کی معلوم ہوتی ہیں، ورنہ جن کے قلوب میں ذرا بھی علم کی روشنی ہے اور فہم سلیم سے ان کو بہرہ ملا ہے، وہ امام بخاری کے اجتہادات پر عش عش کرتے ہیں، جس کا قدرے نمونہ اوپر مذکور ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [الحدید: ۲۱]

قولہ: اور واضح ہو کہ یہ بخاری میں ایک دو جگہ نہیں جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے، یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے، ہم بخاری کی بخاری کھول کر دکھائیں گے۔ لیجئے، امام بخاری کی یہی بے بہا اجتہاد اور فقاہت ہے، اس پر طرہ یہ ہے کہ بخاری نے اجتہاد ہی نہیں کیا بلکہ لوگوں کو اجتہاد کا سبق پڑھایا۔ (ص: ۹۵)

أقول: ہاں ہاں امام ہمام نے دنیا کو اجتہاد کا ڈھب اور طریقہ بتلایا، ان کے جیسا اجتہاد کسی کا پیش تو کرو! اصل یہ ہے کہ تم نے صحیح بخاری کما حقہ نہیں پڑھی، اسی لئے تم کو ساری بخاری کے عنوانِ باب کی اس کی حدیثوں سے مطابقت معلوم نہیں ہوتی، بہتر ہے کہ کچھ دنوں خاکسار سے آ کر صحیح بخاری پڑھ لو، یا دستار (فضیحت) بندھ چکی ہو اور پڑھنے میں شرم آئے تو لکھ کر دریافت کر لو، جن جن حدیثوں کی مناسبت تم کو معلوم نہ ہو، بندہ بڑی خوشی سے اس کے بتلانے کو تیار ہے، بشرطیکہ تعصب کی عینک اتار کر پڑھو!

یہاں سے آپ کے مضمون کے دوسرے حصہ پر نظر کی جاتی ہے، جو ''اہل فقہ'' (جلد ۳ نمبر ۹ ص: ۵،۶

مورخہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ بمطابق ۵ مئی ۱۹۰۹ء) میں طبع ہوا تھا، اس میں امام بخاری پر صرف ایک ہی اعتراض ہے، باقی مضمون امام ابوحنیفہ کی تعریف و تائید میں ہے۔

قولہ: امام مسلم صاحب لکھ گئے ہیں کہ امام بخاری محدث نہ تھے، جھوٹ موٹ اپنے کو محدث بنا لیا، اور یہ مقدمہ مسلم شریف کی عبارت " قد تكلم بعض منتحلي الحديث " کے تحت میں امام نووی نے علی بن المدینی و بخاری کو لکھا ہے، لیجئے یک نشد دو شد، آپ مجتہد مجتہد گا رہے تھے، یہاں تو محدثیت کا بھی مطلع صاف ہے (الی قولہ) امام بخاری کو محدث ثابت کرو، ورنہ بخاری پرستی چھوڑو۔ (رسالہ الجرح: ۹۶)

أقول: اس کا مفصل و مکمل جواب ہم رسالہ " الريح العقيم " (ص: ۱۳، ۴) و " حل مشكلات " [۱/ ۱۳۷] میں دے چکے ہیں، جس کا لب لباب یہ ہے کہ امام مسلم اصل میں اس مسئلہ کے قائل پر طعن کرتے ہیں، جو کہتے ہیں عنعنہ میں معنعن کی معاصرت ہی شرط نہیں بلکہ لقاء بھی ضروری ہے، حالانکہ یہی مذہب صحیح ہے اور یہ مسئلہ امام بخاری سے پیشتر کا رائج ہے، ان کے شیوخ ابن مدینی و ابوبکر صیرفی وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے۔

پس بخاری کی تعیین باطل ہوئی، آپ نے امام نواوی سے ابن مدینی و بخاری کا نام تو نقل کر دیا، لیکن امام نووی نے جو امام مسلم کے مسئلہ کی تردید کی ہے اور اس پر محققین کا انکار نقل کیا ہے، اسے دیدہ و دانستہ چھپا گئے؟ امام مسلم جو امام بخاری کے شاگرد رشید اور امام بخاری کے چشمہ فیض سے سیراب ہیں، وہ بھلا امام بخاری کی شان والا شان میں ایسے غیر شایان کلمات نکال سکتے ہیں؟! ع

این خیال است و محال است و جنوں

بلکہ اس کے برخلاف امام مسلم تو امام بخاری کی مدح سرائی کیا کرتے تھے، آپ امام بخاری کے محدث ہونے کا ثبوت طلب کرتے ہیں؟ سبحان اللہ! آیئے انہیں امام مسلم کے قول سے ہم امام بخاری کا محدث ہونا ثابت کر دیتے ہیں، امام مسلم اپنے شیخ امام بخاری کو یوں پکارتے:

" يا أستاذ الأستاذين! ويا سيد المحدثين! ويا طبيب الحديث في علله! "[1] (هدى الساري)

کہئے! کیسی اقبالی ڈگری ہوئی؟ امام بخاری کے سید المحدثین ہونے کے خود امام مسلم اقراری ہیں، زیادہ کے لئے کتب اسماء رجال و طبقات حفاظ و سیرت بخاری وغیرہ کا مطالعہ کیجئے اور تعصب پرستی و ہوا پرستی چھوڑیئے، خدا کو کیا منہ دکھایئے گا؟ وما علينا، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات الباقيات ۔ع

شد ختم بر حدیث تو آخر بیان

رسالہ ''الجرح علی البخاری'' کا جواب ختم ہوا۔

---

[1] تاريخ بغداد (۱۳/ ۱۰۲) تاريخ دمشق (۵۲/ ۶۸) هدي الساري (ص: ۴۸۸)

الحمدللہ کہ اس کی توفیق وعنایت سے رسالہ ''الجرح علی البخاری'' کے بقیہ حصہ کا جواب (جو تین شخصوں کے مضامین کا مجموعہ تھا) کچھ کم ایک ہفتہ میں اختتام کو پہنچا اور رسالہ مذکورہ کے اعتراضات جنھیں مخالفین نے لا ینحل تصور کیا تھا، **هباء منثورا** ہو گئے، اب ''اہل فقہ'' کے ان متفرق اور ضروری اعتراضات کے جواب کی طرف عنان قلم کو پھیرتا ہوں، جو نہ رسالہ الجرح میں درج کئے گئے اور نہ کسی نے ان کے جواب کی طرف توجہ ہی کی، تا کہ مخالفین کا کوئی اعتراض باقی نہ رہ جائے۔ واللہ الموفق.

جواب مضامین شتّٰی بابت صحیح بخاری

(مندرجہ اہل فقہ جلد اول)

نمبر ۱:

۳ اگست کے پرچہ میں ایڈیٹر صاحب نے صحیح بخاری پر دو اعتراضات کئے ہیں:

۱۔ امام بخاری نے جو ایمان کو عمل کہا ہے، اس کی تردید کی ہے، اس کا مفصل جواب تو اوپر بحمداللہ گزر چکا ہے۔

۲۔ امام بخاری نے حدیث جبریل میں اَشراط قیامت میں یہ جملہ " إذا ولدت الأمة ربها "نقل کیا، یہ موضوع ہے، اس لئے کہ مسند ابوحنیفہ میں اس جملہ کا پتہ نہیں۔

سبحان اللہ! دلیل بھی کیا معقول سی ہے؟ اجی حضرت! پہلے مسند ابو حنیفہ کا ثبوت تو پیش کیجئے کہ یہ کہاں سے آئی؟ کس نے اسے تصنیف کیا؟ ہم سے سنئے، اس مسند کو قاضی ابومؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی نے ۶۷۴ھ میں بنا کر امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ ❶ پھر اس سے بخاری کا معارضہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس کے مصنف نے جملہ مذکورہ چھوڑ دیا ہے، کیونکہ " إذا ولدت الأمة ربها "محض بخاری ہی میں نہیں بلکہ حدیث کی کل کتابوں میں ہے، جس جس میں حدیث جبریل مروی ہے، مذکورہ جملہ اس میں موجود ہے۔ ❷ پس اس کثرت کے مقابل میں مسند ابی حنیفہ بوجہ شذوذ کے قابل تسلیم نہیں۔ آگے آپ فرماتے ہیں:

> بخاری میں " أن تعبد الله كأنك تراه " ہے اور بعض روایت میں " أن تخشىٰ الله " آیا ہے، لیکن یہ دونوں مرجوح ہیں۔ مسند اَبی حنیفہ میں "أن تعمل لله كأنك تراه" آیا ہے، جو راجح ہے، کیونکہ عمل عام ہے اور عبادت خاص اور حضرت کا کلام جامع ہوتا ہے، اس لئے لفظ عام " أن تعمل " راجح ہے۔

(ملخصاً حاشيه صفحه: ٤)

أقول: میں کہتا ہوں کہ "أن تعمل" کی روایت صحیح نہیں، اس لئے کہ عمل جب عام ہے، تو نیک و بد دونوں کو شامل ہوگا اور بدی میں اس مفہوم کا لحاظ، جو نیکی میں ضرور ہے، ممکن نہیں، کیونکہ نیکی کرتے وقت یہ خیال کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ سمجھو تم کو خدا دیکھ رہا ہے، تا کہ بندہ یہ تصور کر کے عبادت میں دل لگائے اور یہ دل لگانا بدی میں جائز نہیں، لہٰذا " أن تعبد الله " والی روایت ہی صحیح ہے۔ فافهم!

---

❶ دیکھیں: حجة الله البالغة (١/ ٢٨٤) سيرة النعمان (ص: ٦٧)

❷ صحيح البخاري، برقم (٥٠) صحيح مسلم، برقم (٩) سنن ابن ماجه، برقم (٦٤) مسند أحمد (٢/ ٤٢٦) صحيح ابن خزيمة (٥/٤) ابن حبان (١/ ٣٧٥)

اہل فقہ نمبر ۵ ج ا

اہل فقہ (۳۱ اگست ۱۹۰۶ء) میں یہ سرخی ''بقیہ معیار کے جوابوں کی تنقید'' ایک امرتسری طالب علم علی احمد کا مضمون طبع ہوا ہے، جو یہ ہے۔ بخاری میں ہے:

أن أبا هريرة رضي الله عنه أخبرهما أنه سمع رسول اللهﷺ يقول: في الحبة السوداء شفاء من كل داء، قال ابن شهاب: والسام الموت، والحبة السوداء الشونيز ."

دوسری حدیث بھی بروایت عائشہ صدیقہ ◘ بایں الفاظ بخاری میں موجود ہے، پس آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ شونیز ہر ایک مرض کے لیے دواء ہے۔ (ص: ۳)

یہی اعتراض غلام رسول ڈاکٹر حکیم نے ''اہل فقہ'' (نمبر ۳۶ ص: ۵ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۷ء) میں کیا ہے۔

اب اس کا مفصل جواب ملاحظہ ہو۔ حدیث میں جو شونیز (کلونجی منگریلا) کی بابت فرمایا ہے کہ ہر بیماری کی اس میں شفا ہے یہ کلیہ (کل داء کا) باعتبار اکثر کے ہے، جیسے قرآن مجید میں شہد کی بابت فرمایا گیا: ﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾[النحل: ٦٩]

حالانکہ بہت سے امراض میں شہد مضر ہے، پس حبہ سوداء چونکہ گرم خشک ہے، لہٰذا یہ ہر اس بیماری میں مفید ہوتا ہے، جو رطوبت یا بلغم سے پیدا ہو، یہ تو اس کے مفرد استعمال پر ہے اور جب اور ادویہ میں بترکیب دیگر اسے استعمال کیجئے، تو بلا شک وشبہ کل بیماریوں کے حق میں شفاء کامل ہے، اس بناء پر حدیث مذکور میں ''کل داء'' کا کلیہ اپنے حقیقی کلی معنی میں ہوگا، نہ مجازی اکثری معنی میں، علامہ عینی لکھتے ہیں:

"قال الخطابي: هو من العموم الذي أريد به الخصوص، ...إلى قوله: إنما أراد شفاء كل داء يحدث من الرطوبة والبلغم، لأنه حار يابس، وقال الكرماني: يحتمل إرادة العموم منه بأن يكون شفاء للكل، لكن بشرط تركيبه مع الغير، ولا محذور فيه"... الخ (عمدة القاري، مصرى: ١٥٧/١)

''خطابی نے کہا ہے کہ حدیث مذکور عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے، مراد شفاء ہر اس بیماری سے ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہو، اس لئے کہ منگریلا گرم خشک ہے اور کرمانی نے کہا ہے کہ حدیث مذکور عموم کا احتمال رکھتی ہے، بایں طور کہ شونیز میں ہر بیماری کی شفا ہے، اس وقت جب دوسری دواؤں کے ساتھ مرکب کی جائے اور اس سے حدیث مذکور میں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔''

پھر علامہ عینی نے اٹھارہ سطروں میں شونیز کے منافع لکھے ہیں۔ (ا/ ۱۵۶۔۱۵۷) جسے ہم کتب طب سے نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ واقعی شونیز (کلونجی) ہر مرض کی دوا ہوسکتی ہے۔ پہلے مفردات سے سنیے:

ا۔ ناصر المعالجین میں شونیز کے افعال وخواص لکھے ہیں: ''مقطع بلغم، محلل ریاح غلیظہ، قاتل دیدان بوئیدن مشوی

آں در پارچہ سبتہ دافع زکام معد مسقط جنین نافع قولنج'' (ص:۸۲)

۲۔جامع المفردات میں ہے:''مسخن مجفف رطوبات منفج مقطع اخلاط جالی مدر بول وحیض سرفہ بارد ودرد سینہ و استسقاء وقولنج ریحی رامفید'' (ص:۸۳)

۳۔مفردات ناصری میں ہے:'' مدر مسقط جنین مسخن مجفف مقطع محمر ومخرج دیدان نافع پتھائے کہنہ و مفتت حصات بہق و برص رانافع منبت موحلل ریاح سرفہ وزکام را مفید (ص:۵۵)''

۴۔مخزن الادویہ میں ہے :''گرم خشک مسخن ومجفف رطوبات منفج ومقطع اخلاط جالی و مدر شیر و بول حیض مسقط جنین زندہ ومردہ ومیثمہ تریاق سموم باردہ شرباً وبخورا وحمولا بادہن سوسن جہت سرفہ بارد و درد سینہ واتصاب نفس و فی المدہ وغثیان واستسقا ویرقان وسپرز وقولنج ریحی شرباً وضماداً نافع و مداومت خوردن آں ہر صباح ومدر بول وحیض وشیر با سرکہ جہت اخراج اقسام کرم معدہ شربا وضماداً مفید با سکنجبین جہت تپ ربع وتپ بلغمی کہنہ مفید ص: (۳۸۵،۳۸۶) علی ہذا القیاس تحفۃ المومنین (ص: ۳۸۵) میں ہے۔

لیکن اب سنئے کام کی بات ! اطباء کے اقوال برسبیل تجربہ ہیں اور حدیث مذکور کلام نبی ﷺ ہے، جو الہام باری ہے، اطبا کا تجربہ تو غلط بھی ہوسکتا ہے،فرمان نبی بالکل سچا ہے۔پس حدیث مذکور میں بالکل شک نہیں ہوسکتا، بلکہ یقیناً وہ عام اورمفید کل ہے۔کیا خوب عینی ؒ نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے:

"قال ابن أبي حمزة رحمه الله: تكلم ناس في هذا الحديث، وخصوا عمومه وردوه إلى قول أهل الطب والتجربة، ولا خفاء بغلط قائل ذلك، وذلك لأنا إذا صدقنا أهل الطب ومدار علمهم غالباً إنما هو على التجربة التي بناؤها على ظن غالب، فتصديق من لا ينطق عن الهوىٰ أولىٰ بالقبول من كلامهم ." انتهى (۱۵۸/۱۰)

''یعنی ابن ابی حمزہ ؒ نے کہا ہے کہ لوگوں نے اس حدیث مذکور میں کلام کیا ہے اور اس کے عموم کو خاص کرطب اور تجربہ والوں کے قول کی طرف رد کیا ہے، اس کے قائل کی غلطی پوشیدہ نہیں ہے، اس لئے کہ ہم جب طب والوں کی تصدیق کرتے ہیں، حالانکہ ان کے علم کا مدار تجربہ پر ہے، جس کی بناء ظن غالب پر ہے،تو وہ اس شخص (نبی ﷺ) کے کلام کی تصدیق جو اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں بولتا، ان اطباء کے کلام کوقبول کرنے سے زیادہ لائق ہے۔''

طالب العلم مذکور کے مضمون پر ایڈیٹر''اہل فقہ'' نے جونوٹ لکھا ہے، وہ اور بھی عجیب وغریب ہے، چنانچہ خلیفہ متوکل علی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''المتوکل علی اللہ جعفر نے ۲۳۴ھ میں احادیث کے واسطے بہت انعام دیئے اور اسی انعام کی برکت سے رصافہ میں تیس ہزار اور جامع منصور میں تیس ہزار آدمی احادیث سنا کر انعام لینے والے جمع ہوگئے۔ (تاريخ الخلفاء: ٢٣٦) اسی زمانہ میں امام بخاری بھی تھے، ان کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی، اسی وجہ سے ان کو بھی ۶ لاکھ حدیثیں یاد ہوگئیں۔'' ملخصاً

علی ہذا القیاس اہل فقہ (نمبر ۱۶ ص: ۴ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۶) میں بایں الفاظ مسطور ہے:

''امام بخاری ایسے زمانہ میں عجم میں تھے، جب حدیثوں کے سنانے پر انعام ملا کرتے تھے، اس لئے کثرت سے حدیثیں مل گئیں، ورنہ حدیثیں کہاں؟ صحابہ کے مسکن میں تو حدیث نہ ہو اور عجم میں حدیث ملے؟

مسکن ملاح در چین است و کشتی در فرنگ ❶

ہائے تعصب! تیری مٹی پلید ہو، تو لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ ایڈیٹر صاحب! یہ تو بتلائیے کہ امام بخاری نے انعام کی خبر سن کر حدیثیں یاد کی تھیں، پھر یہ ثابت کیجیے کہ خلیفہ مذکور کے پاس جا کر سنایا اور ان کو اس قدر انعام ملا، ودونه خرط القتاد! بندہ خدا جھوٹ بولتے ہوئے کچھ تو شرمایئے، خلق کیا کہے گی؟ امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور دس سال کی عمر میں حدیثیں یاد کرنا شروع کیں، اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف میں ہاتھ لگایا، بیس سال کی عمر میں صحیح بخاری کی تالیف شروع فرمائی۔ اس وقت ۲۱۴ھ تھا اور سولہ سال میں جامع صحیح کی تالیف سے فارغ ہوئے، یعنی ۲۳۰ھ میں صحیح بخاری تیار ہوگئی تھی اور اس کا درس شروع ہوگیا تھا، اور خلیفہ متوکل نے ۲۳۴ھ میں (بقول آپ کے) انعامی اشتہار شائع کیا تھا۔ پس امام بخاری ﷬ اس سنہ سے چار سال پیشتر جامع صحیح کی تالیف سے فراغت پا چکے تھے اور اس سے کہیں پیشتر (یعنی ۱۸ سال کی عمر میں ۲۱۲ھ تک میں) ۶ لاکھ حدیثیں یاد کر چکے تھے۔ مفصل دیکھئے، ہدی الساری و تہذیب التہذیب وغیرہ ❷ پھر کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری نے بطمع انعام حدیثیں یاد کیں۔ آہ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [الکہف: ۵] ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾ [النور: ۱۶]

اور پھر امام بخاری کو انعام کا لالچ کیوں ہوتا؟ وہ تو خود ہی بہت بڑے دولت مند اور غنی تھے، والد کا بہت سا مال ان کو وراثت میں ملا تھا، وہ تو خود دوسروں کو بکثرت فی سبیل اللہ مال دیتے تھے، ان کے برابر تو سخی اور جواں مردان کے عصر میں کوئی نہ تھا، پھر ان پر الزام طمع سفید جھوٹ ہے۔ رہا یہ کہ عجم میں حدیثیں ان کو کیونکر ملیں؟ سنئے محدثین و صحابہ

❶ ملاح کا گھر چین میں ہے اور کشتی انگلستان میں!

❷ هدي الساري (ص: ٤٧٩) تهذيب التهذيب (٤١/٩)

کرام نے جس جس مقام پر ترک وطن کر کے سکونت اختیار کی تھی، وہاں سے حدیثیں امام کو ملیں، امام بخاری چھ سال تک حجاز میں رہے، دوبار مصر اور شام گئے، چار بار بصرہ تشریف لے گئے، بے حد مرتبہ بغداد آئے، چنانچہ ایک ہزار اسی شخصوں سے روایت لی۔ [1] ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [الحديد: ٢١] فافھم!

اہل فقہ نمبر ٦ ج ١:

''اہل فقہ'' (٧ ستمبر ١٩٠٦ء) میں پھلواری میاں نے بہ سرخی ''وہابی'' امام بخاری پر بہت کچھ ہاتھ صاف کیا ہے،، کہیں تو ان کو بدعتی فرمایا اور کہیں صاحب باطن اور ۵ اکتوبر ١٩٠٦ میں ان کو شافعی بنایا ہے، حالانکہ بارہا اس کی تردید کی جا چکی ہے۔ ٣ مئی ١٩٠٧ نمبر (٣٩) میں روایات بخاری کو مرجوح وغیرہ بتایا ہے، حالانکہ بارہا اس کی تردید کی جا چکی ہے اور ان سب مسائل پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ اس نمبر میں صاحب باطن اور بدعتی ہونے کا جواب دیا جاتا ہے، بس بغور سنئے، آپ فرماتے ہیں:

قولہ: ''امام بخاری صاحب باطن تھے۔ (إتحاف النبلاء، ص: ٥٠) اس زمانہ کے غیر مقلدین علم باطن ہی کا انکار کرتے ہیں۔ (ص: ٥)

أقول: اول تو احناف میں جس امر پر امام صاحب کا باطن ہونا متفرع ہوا ہے، وہ بلفظ شائد ہے۔

دوئم: امام بخاری صاحب کا صاحب باطن ہونا ان معنوں میں نہیں ہے جو آپ کے ذہن میں ہے، بلکہ بمصداق آیت قرآنیہ ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ [الزمر: ٢٢] امام بخاری کا سینہ منور تھا اور باطن روشن، اس کا کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

قولہ: ''امام بخاری ہر حدیث کو جامع صحیح میں درج کرنے کے لیے غسل کرتے اور دوگانہ پڑھتے تھے، (إتحاف النبلاء) جو اس زمانہ کے اہل حدیث کے قاعدے سے بدعت ہے۔ لہٰذا امام بخاری بدعتی ہو گئے۔'' (ص: أيضاً: ٧ ستمبر ١٩٠٦ء)

أقول: نیز ''اہل فقہ'' (جلد ا ص: ٤٧، ١١ مورخہ ٢٨ جون ١٩٠٧) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اب سنئے جواب! امام بخاری کا حدیث درج کرنے کے لئے غسل کے بعد دوگانہ نماز پڑھنا بدعت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ استخارہ کی نماز تھی، جیسا کہ امام بخاری کا خود اقرار ہے:

"ما أدخلت فيه حديثا حتى استخرت الله وصليت ركعتين... الخ" (هدى الساري: ٤٩٠)

یعنی میں نے دو رکعتیں استخارہ کی نماز پڑھ کر جامع صحیح میں حدیث داخل کی ہے۔

---

[1] سير أعلام النبلاء (٣٠٧/١٢) هدي الساري (ص: ٤٧٨) تغليق التعليق (٣٨٩/٥)

اور نماز استخارہ پڑھنے کا حکم آنحضرت ﷺ سے منقول ہے۔ [1] لہٰذا امام بخاری کا عمل حدیث پر ہوا نہ کہ وہ بدعتی ہوئے۔ أستغفر اللّٰه !!

دوستو! اپنی زبان سے ایسے کلمات نکالتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کیا کرو اور ذرا بھی تو شرم کرو! لیکن۔

شرم چہ کنی است کہ پیش...... بیاید

اہل فقہ نمبر ۱۰ ج ا:

مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ کے پرچہ میں غلام رسول ڈاکٹر حکیم امرتسری نے بعنوان ''حدیث کی کوئی کتاب [2] زمانہ رسول اللہ ﷺ و زمانہ صحابہ میں نہ تھی،'' صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل اعتراض کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قوله: ''بخاری'' باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء '' یعنی باب ہے گھی اور پانی میں نجاست گرنے کا، مگر مبوب حدیثوں میں پانی کے اندر نجاست گرنے کا مطلق ذکر نہیں، تعجب ہے کہ بخاری ؒ نے پانی میں گرنے کا باب کیوں باندھ لیا؟ اور پھر لطف یہ ہے کہ پانی میں گرنے کی حدیث دستیاب نہ ہوئی، یہ ہے بخاری کی ثقاہت و فقاہت اس پر بعض بے علم ان کو مجتہد مطلق بتاتے ہیں۔ الخ (ص: ۵)

أقول: امام بخاری کو مجتہد تو اہل علم کہتے آئے ہیں، ہاں بے علم ان کے اجتہاد کا انکار ہی کرتے رہے، لیکن آفتاب پر خاک ڈالنے سے کیا ہوتا ہے؟ اگر آپ اجتہاد کی حقیقت سے واقف ہوتے تو امام ہمام کے اجتہاد در بحث پر پھڑک جاتے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

أولاً: امام بخاری کا استدلال باب میں محض حدیثوں ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال سے بھی ہوتا ہے، پس گھی میں نجاست گرنے کا استدلال تو امام بخاری نے حدیث مرفوع سے کیا اور پانی میں نجاست کا استدلال زہری تابعی کے اثر سے کیا۔ چنانچہ ترجمہ باب ہی میں فرماتے ہیں:

"وقال الزهري: لا بأس بالماء مالم يغيره طعم أو ريح أو لون" [3] (پ ۱)

یعنی زہری نے کہا ہے کہ جب پانی کا مزا، بو اور رنگ نہ بدلے، اس وقت تک اس کے استعمال میں حرج نہیں۔

اور امام زہری کا یہ قول حدیث مرفوع سے مستنبط ہے، جو ابن ماجہ وغیرہ میں ابو امامہ باہلی سے مرفوعاً مروی ہے۔ چونکہ ابن ماجہ کی یہ روایت ضعیف ہے۔ [4] اس لئے امام بخاری نے اس کو نقل نہیں کیا اور زہری کا اثر جو تعلیقاً نقل کیا

[1] صحيح البخاري: أبواب التطوع، باب ما جاء في التطوع مثنىٰ مثنىٰ، رقم الحديث (۱۱۰۹)

[2] اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں خود آپ کے حکم سے کتابت حدیث ہوئی۔ (مؤلف)

[3] صحيح البخاري كتاب الوضوء، باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء، قبل الحديث (۲۳۳)

[4] سنن ابن ماجه: كتاب الطهارة وسننها، باب الحياض، رقم الحديث (۵۲۱) قال البوصيري في الزوائد: "إسناده ضعيف لضعف رشدين"۔ وقال الشافعي: "لا يثبت أهل الحديث مثله"، وقال الحافظ ابن حجر: "إسناده ضعيف، وفيه اضطراب أيضاً" (فتح الباري: ۱/ ۳۴۲)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ہے، یہ ابن وہب کی مسند میں موصول ہے [1] اور تعلیقات بخاری بالاتفاق مقبول ومعتبر ہیں۔ [2]

ثانیاً: گھی والی حدیث سے بھی پانی کا حکم ثابت ہوتا ہے، بایں طور کہ حدیث مرفوع بخاری میں گھی کے متعلق یہ حکم ہے کہ ''جب چوہا گھی میں گر جائے، تو اس کو نکال کر اس کے گرد اگرد کا گھی بھی نکال کر پھینک دو، باقی کھاؤ۔ [3] یہ حکم سمن جامد (جمے ہوئے گھی) کا ہے، کیونکہ مائعات (پتلی چیزوں) کا گرد خاص نہیں ہوسکتا، بلکہ سارا کا سارا ہی اس کا گرد ہے۔ پس اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو سارا کا سارا ہی پھینکنا پڑے گا، جب یہ حکم جامد کے مخالف مائعات کا بطور مفہوم مخالف کے ثابت ہوگیا تو پانی بدرجہ اولیٰ کل کا کل (بوجہ نجاست گرنے کے) پھینک دینے کے قابل ہوگا، اس لئے کہ وہ بھی مائعات کا ایک فرد ہے۔ کہئے اب پانی کو باب میں ذکر کرنے کی وجہ سمجھ میں آئی اور امام ہمام کے اجتہاد بے مثل کی حقیقت معلوم ہوئی؟ آگے چلئے، فرماتے ہیں:

قولہ: اور پھر ان کے فدائی بڑی گونج سے پکارتے ہیں کہ بخاری رحمہ اللہ تین لاکھ اور چھ لاکھ اور دس لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ شائد تلاش سے کہیں تقریباً چار ہزار ہاتھ لگ سکیں اور اگر اس میں بھی تفتیش کی جائے تو کچھ اور بھی چھنٹ جائیں۔ (ص: ٥)

أقول: جناب عالی! امام بخاری کا خود اپنا اقرار ہدی الساری وغیرہ میں بالاسناد منقول ہے:

"صنفت الجامع من ستمائة ألف حديث." [4] (ص: ٤٩٠)

یعنی میں نے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے جامع بخاری کو تصنیف کیا۔''

معلوم ہوا کہ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں نوک زبان تھیں، اور تلاش سے چار ہزار حدیثوں کے لئے آپ نے لفظ ''شائد'' کا کیوں استعمال کیا؟ چار ہزار حدیثیں تو خود صحیح بخاری (بعد حذف مکررات) موجود ہیں، مفصل دیکھئے: حل مشکلات (١/ ١١٨) اور الأمر المبرم (ص: ١٤)

---

[1] دیکھیں: فتح الباري (١/٣٤٢)

[2] معلقاتِ بخاری کے متعلق ایسا مطلق حکم لگانا محل نظر ہے، کیونکہ بعض معلقات تو بتصریحِ امام بخاری ضعیف ہیں۔ دیکھیں: صحیح البخاري، كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة في الثياب (١/ ٧٤)

مزید برآں ایک اور معلق اثر "قال طاوس: قال معاذ لأهل اليمن ... (صحيح البخاري: كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة) کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هذا التعليق صحيح الإسناد إلى طاوس، لكن طاوس لم يسمع من معاذ، فهو منقطع، فلا يغتر بقول من قال: ذكره البخاري بالتعليق الجازم فهو صحيح عنده، لأن ذلك لا يفيد إلا الصحة إلىٰ من علق عنه، وأما باقي الإسناد فلا... الخ (فتح الباري : ٣/ ٣١٢) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ١٧)

[3] صحيح البخاري، برقم (٢٣٣، ٢٣٤)

[4] هدي الساري (ص: ٤٨٩)

چھنٹ جانے کی آپ نے ایک ہی کہی! آپ کو اختیار ہے کل احادیث نبی کو پس پشت ڈال دیں اور ڈال ہی دیا جس کا عقدہ بروز قیامت حل ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، آگے فرماتے ہیں:

قولہ: ''بخاری کی حدیث جس کو بدعتیوں نے قرآن پر قاضی ہونے کا حکم دیا ہے، کیا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ ♦ یا کسی تابعی نے کہا کہ قرآن کے بعد فرضاً بخاری کا مرتبہ ہے۔'' (ملخصاً)

أقول: معترض کی بدحواسی تو دیکھو، اس چھوٹی سے عبارت میں کس قدر تخالف و تضاد ہے، اوپر تو یہ کہا کہ ''بدعتیوں نے بخاری کو قرآن پر مقدم کیا'' اور یہ غلط الزام بے قصوروں پر دھرا اور کہاں خود ہی مان گئے کہ بخاری کا درجہ قرآن کے بعد ہے۔ اللہ رے تعصب! جناب والا! بخاری کو کسی نے قرآن پر قاضی نہیں بنایا، بلکہ قرآن مجید سب کلاموں پر قاضی ہے۔ بخاری کو تو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور اس بعدیت کی قید کو آپ خود تسلیم کر رہے ہیں، ہاں اس کی جو دلیل آپ نے مانگی ہے، تو سنئے کہ دلائل کی آپ کے یہاں چار قسمیں ہیں، ان میں سے تیسری قسم یعنی اجماع امت دلیل ہے اس امر کی کہ بخاری '' أصح الكتب بعد كتاب الله '' ہے، اور اس کا ثبوت حل مشکلات حصہ اول [ص:۱۵۴،۱۶۲] میں ملاحظہ فرمایئے۔ جہاں ایک حنفی علامہ کی شہادت پیش کی گئی ہے، تاکہ آپ کو پورے طور سے معلوم ہو جائے کہ

بخاری بعد تنزیل سماوی کتنی پیاری ہے
جو اس پر دل تصدق ہے تو اس پر جان واری ہے

ایضاً نمبر۱۰ و نمبر۲۰ ج۱:

اہل فقہ کے ان دو نمبروں میں فضل احمد صدیقی چوہگ پوری نے صحیح بخاری پر چند خدشات پیش کئے ہیں، پہلے نمبر میں تو امام بخاری پر کچھ طعن کیا ہے، چنانچہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ کے پرچہ میں بذیل سرخی ''علم فقہ وفقہاء'' کی تعریف لکھتے ہیں:

قولہ: ''امام بخاری کچھ مس علم فقہ کی جانتے تھے موجب کم محاورہ علم فقہ کے انہوں نے کوئی کتاب فقہ کی نہ بنائی۔'' (ص: ۷ نمبر ۱۰)

أقول: حیرت ہوتی ہے کہ جو لوگ ایک سطر اردو کی بھی صحیح نہیں لکھ سکتے، وہ امام الدنیا پر اعتراض کے لیے قلم اٹھاتے ہیں!! عالی جناب! امام بخاری نے علم فقہ کو بالاستیعاب حاصل کیا تھا، لیکن فقہ حنفی کی طرح فقہ بنانے کو نہیں بلکہ اس کی تردید کرنے کو، ہاں جو فقہ حدیث سے مستنبط ہے، اس کو صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں لکھا، چنانچہ اہل علم کا مسلمہ مقولہ ہے: '' فقه البخاري في تراجمه '' (قسطلانی) لہٰذا اگر جامع بخاری کو فقہ کی کتاب کہا جائے تو بجا ہے، اس لئے کہ صحیح بخاری ہر فن کی جامع ہے، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، سیر، ادب، نحو، صرف، وغیرہ ہر ایک

فن اس میں مکمل موجود ہے، سمجھنے کو علم وعقل کی ضرورت ہے، ایک لائق طالب علم اگر سمجھ کر صحیح بخاری کو پڑھ لے تو واللہ اس کو کسی دوسرے فن کے سیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

آگے چلئے! آپ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں اختلاف ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قوله: ''بخاری ومسلم میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بارے میں تین طرح کی روایت آچکی ہے، ایک روایت میں کسی ثقہ نے غلطی سے ساٹھ سال میں آپ کا وفات پانا بیان کیا ہے، دوسرے میں ۶۵ سال، حالانکہ اصح ۶۳ سال ہے۔ (ملخصاً ''اہل فقہ ۱۴ دسمبر ۱۹۰۶ء نمبر ۲۰ ج ۱ ص: ۸'')

أقول: صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عباس و عائشہ ♦ سے کئی مقام میں بصراحت آنحضرت ﷺ کے تریسٹھ سال میں وفات پانے کی روایت موجود ہے، ملاحظہ ہو پارہ (۱۴) باب وفات النبی ﷺ اور پارہ (۱۵) باب ہجرۃ النبی ﷺ اور پارہ (۱۸) باب وفات النبی ﷺ اور پارہ ۱۵ باب مبعث النبی ﷺ کے ذیل میں جو روایت ہے اس سے بھی ۶۳ سال ہی مفہوم ہوتا ہے۔ ❶ رہا ساٹھ سال میں آپ کی وفات یہ تصریح (۶۰ سال کی) بخاری کی کسی روایت میں نہیں ہے۔ہاں جن روایات سے یہ مفہوم ہوتا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ چالیس سال میں آپ کو نبوت ملی، دس سال مکہ میں ٹھہرے، آپ پر وحی اترتی تھی اور دس سال مدینہ میں پارہ ۱۴، باب صفۃ النبی ﷺ اور پارہ ۱۸ باب وفات النبی ﷺ ❷

اس کے جمع کرنے سے البتہ ساٹھ برس ہوتے ہیں، لیکن اس میں تین سال وحی کے بند رہنے کا زمانہ شمار نہیں ہے، کیونکہ مکہ میں دس سال قیام کا ذکر نزول وحی کی حالت کے ساتھ مقید ہے، پس یہ ایک اعتباری تغایر ہوا، ورنہ مآل دونوں کا واحد ہے، حقیقت میں اس سے بھی تریسٹھ سال ہی مفہوم ہوتا ہے اور پینسٹھ سال کی روایت بخاری میں نہیں ہے، ہاں مسلم میں بے شک ہے۔ ❸ وہ ان لوگوں کے حساب سے ہے، جو آپ کی بعثت کے وقت کی عمر ۴۳ سال مانتے ہیں (گو یہ صحیح نہیں ہے) پس اس میں بھی اعتباری تغایر ہوا، یہ دراصل درایت راوی کی وجہ سے خلاف ہوا ہے، ورنہ صحیح روایت وفات ۶۳ سال ہی کی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔ پس دراصل روایت بالا میں کوئی تخالف نہیں ہے، ملاحظہ ہو عینی (۸/۴۵۳)

قوله: اسی طرح اختلاف کی دوسری مثال آگے جو آپ نے دی ہے کہ:

''بخاری میں ایک روایت میں ہے کہ جناب ﷺ نے قباء میں چودہ یوم قیام فرمایا، دوسری میں ہے ۲۴

❶ صحيح البخاري: برقم (٣٣٤٣، ٣٦٨٩، ٣٦٣٨)

❷ صحيح البخاري، برقم (٣٣٥٤، ٤١٩٦)

❸ صحيح مسلم، برقم (٢٣٥٣)

یوم، تیسری میں ہے گیارہ یوم، بتاؤ کس پر یقین ہو؟۔'' (ملخصاً)

أقول: اس کا بھی جواب ملاحظہ ہو:

أولاً: قبا میں گیارہ یوم ٹھہرنے کی روایت صحیح بخاری میں کہیں نہیں ہے، پندرہویں پارہ میں ہجرت کے بیان میں جو "بضع عشرة ليلة" وارد ہے، [1] یعنی کچھ اوپر دس روز آپ ﷺ ٹھہرے، اسے آپ نے شائد گیارہ دن سمجھا ہے، تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے، اس لئے کہ "بضع" کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا، پس مراد "بضع عشرة" سے "أربع عشرة" (۱۴ دن) ہے، جیسا کہ اسی پارہ کے اگلے باب (باب مقدم النبيﷺ وأصحابه إلي المدينة) کے ذیل میں بروایت انس: "فأقام فيها أربع عشرة ليلة." [2] (بخاری:پ ۱۵) ''آپ ۱۴ یوم ٹھہرے، مصرح موجود ہے۔ اور اسی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اولیٰ بالقبول فرماتے ہیں۔

(فتح الباري: ١٠/ ٤٧٦)

لہٰذا ہر دو روایات کا مفہوم اور مطلب واحد ہوا۔

ثانیاً: قباء میں ۲۴ یوم ٹھہرنے کی روایت بھی صحیح بخاری کے صحیح نسخے میں نہیں ہے، ہاں ہند کی مطبوعہ بخاری یا فتح الباری حامل متن بخاری (مطبوعہ انصاری دہلی) کے دوسرے پارہ میں بذیل باب " هل ينبش قبور مشركي الجاهلية " الخ میں وارد ہے:

" فأقام النبيﷺ فيهم أربعا وعشرين ليلة" یعنی آپ ۲۴ دن ٹھہرے، یہ نقل مستملی اور حموی کے نسخے کی ہے جو صحیح نہیں، حافظ ابن حجر نے صاف لکھ دیا ہے:

"وللباقين: أربع عشرة، وهو الصواب ." (فتح الباری: ۲/ ۲٦۱)

''یعنی باقی ناسخین بخاری کے نسخوں میں چودہ یوم ٹھہرنے کا ذکر ہے اور یہی درست ہے۔''

اس لئے کہ اس حدیث کے راوی حضرت انس ◆ ہیں، انہیں سے یہ روایت پندرہویں پارہ میں تحت "باب مقدم النبي صلى الله عليه وسلم" جو آئی ہے، اس میں صاف "أربع عشرة" (۱۴ دن) موجود ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں بھی "أربع عشرة" ہی صحیح ہے، اسی وجہ سے مصر کے جس قدر مطبوعہ نسخے ہیں، ان میں "أربع عشرة" (۱۴ دن) اس جگہ مطبوع ہے۔ ملاحظہ ہو: "مصری بخاری سند ھی (١/ ٥٦) فتح الباري حامل متن بخاری مطبوعه مصر (١/ ٤٣٨) إرشاد الساري (١/ ٤٢١) عمدة القاري (٢/ ٣٥٣) وغیرہ۔

---

[1] صحيح البخاري، برقم (٣٦٩٤)

[2] صحيح البخاري، برقم (٣٧١٧)

معلوم ہوا کہ "أربع و عشرین"(۲۴ یوم) کی روایت امام بخاری سے درست نہیں، جیسا کہ فتح الباری کی تصریح مذکور "وھو الصواب" سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا امام بخاری پر کوئی اعتراض نہیں اور قبا میں قیام کی صحیح مدت چودہ دن ہی ہے، جیسا کہ ظاہر ہوا۔ معترض صاحب آگے فرماتے ہیں:

قوله: ''اور جن راویوں کی امام مسلم نے تصحیح کی ہے اور امام بخاری نے تضعیف کی ہے، اسی طرح بخاری کے راویوں کی امام مسلم نے تضعیف کی ہے۔'' (ملخصاً ص: ایضاً)

أقول: آپ ان راویوں کو پیش کرتے تو بالتفصیل جواب دیا جاتا۔ جناب عالی! امام بخاری نے خود اپنی صحیح کے بعض راویوں کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر دیا ہے، لیکن یہ باتیں ایک اصول کے جاننے پر موقوف ہیں۔

سنئے! محدثین کسی وقت میں کسی سے روایت لیتے ہیں، اس وقت وہ صحیح الحال اور ثقہ ہوتا ہے، لیکن بعد میں بوجہ کبرسنی یا اختلاط یا وہم کے اس پر ضعف کا حکم لگایا جاتا ہے، لہٰذا بخاری یا مسلم کے راویوں میں سے کسی کو اگر کسی نے ضعیف کہہ دیا، تو وہ مجرد تضعیف دیکھ کر اعتراض نہ کرنا چاہیے، جب تک یہ نہ متحقق ہو کہ شیخین میں کسی نے اس سے حالت ضعف میں روایت لی ہے۔ ودونه خرط القتاد!

حالانکہ محدثین کا یہ مذہب ہے کہ امام بخاری کا کسی راوی سے روایت لینا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ رسالہ " الأمر المبرم " وغیرہ میں مفصل لکھا گیا ہے، جس پر اہل فقہ کے ایک نامہ نگار (سید نورالدین بنگلوری) کو حد درجہ تعجب ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ''اہل فقہ'' (نمبر ۲۵ ج ا ص ۸ مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۷ء) میں بذیل سرخی ''مفقود الخبر '' لکھتا ہے:

قوله: ''عجیب کیفیت ہے کہ امام بخاری جب کسی حدیث کو لیں، وہ بمجرد لینے کے واجب التصحیح ہو، حالانکہ وہ اس رتبہ کے کسی طرح نہ تھے۔''

ہاں صاحب! محدثین کرام کا تو یہی مذہب ہے اور وہ امام بخاری کو بے شک اس رتبہ کا سمجھتے ہیں، آپ جیسے ماؤف الدماغ نہ سمجھیں تو اس کا کیا علاج؟ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر [1]

اسی گلزار باغ پٹنہ سے ایک شخص محمد محی الدین نامی ''اہل فقہ'' (نمبر ۲۹ ص ۳ جلد ا مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۰۷ء) کے پرچہ میں صحیح بخاری پر بہت کچھ لعن طعن بکتا ہوا لکھتا ہے:

قوله: ''کیا کوئی حنفی کہہ سکتا ہے کہ صحیح بخاری کی کل حدیثیں ایسی ہیں کہ آنکھ بند کر کے قبول کر لی جائیں؟''

---

[1] خراب آنکھ ہنر بھی عیب ہی دکھاتی ہے۔

أقول: جی جناب! جو سچا حنفی ہوگا، وہ تو بے شک ایسا ہی کہے گا، چنانچہ محققین کی شہادت امام بخاری و جامع بخاری کے متعلق دیباچہ حل مشکلات حصہ اول [ص: ۶۹] میں ملاحظہ کریں، تو آپ کے عقدہ کا حل ہونا ظاہر ہوجائے گا، بشرطیکہ آپ بھی سچے پکے حنفی ہوں، بدعی نہ ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس ایک بدعی طالب علم محمد جمیل نامی بدایوں سے ''اہل فقہ'' (نمبر ۴۴ ص ۴ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۷ء) میں قلم پھٹکارتا ہوا لکھتا ہے:

''آج کل وہابیوں نے صرف بخاری شریف ہی کی حدیثوں کو واجب العمل بنا لیا ہے، حالانکہ صحاح ستہ میں اور بھی کتب حدیث داخل ہیں۔''

اس عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والے سے کوئی پوچھے کہ صحاح ستہ کی بقیہ کتب کو کس نے چھوڑ دیا ہے؟ اور سنن اربعہ کی صحیح وحسن احادیث کو کس نے غیر واجب العمل بتایا یا لکھا ہے؟ آہ! سچ ارشاد ہے:

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴾ [الکھف: ۵]

تم لوگوں کی ایسی تحریروں سے صحیح بخاری کے رتبہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے، یہ خوب واضح رہے!

اس نور الٰہی کی ضیاء یوں ہی رہے گی
افواہ سے ممکن نہیں اطفائے بخاری

ایک سوال کا جواب:

''اہل فقہ'' (جلد اول نمبر ۳۳ ص ۸ مورخہ ۷ صفر ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۰۷ء) میں سید محمد غوث حنفی سکھو چکی (جن کے مضامین رسالہ " الجرح علی البخاري " میں مطبوع تھے اور ان کے جوابات اس حصہ کے ابتداء ہی میں دیئے گئے) ایک سوال کرتے ہیں:

سوال: ایام قحط یا وباء میں بخاری شریف کا ختم کرنا جائز ہے یا ممنوع؟ سید محمد غوث سکھو چک

جواب: جائز ہے، اس لئے کہ اس پر سلف کا تعامل رہا ہے، اور نور الانوار ومحیط وغیرہ (فقہ حنفی) میں تعامل کو ملحق بہ اجماع کہا ہے۔ پس آپ حنفیوں کی ادلہ اربعہ میں قسم ثالث (اجماع) سے ثابت ہے کہ ایام بلاء وغیرہ میں صحیح بخاری کا ختم جائز ہے، اور یہ اس لئے کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی خالص صحیح حدیثیں ہیں، ان کی برکت سے بلا وغیرہ باذن خدا دور ہوجاتی ہے اور یہ معجزہ نبی ﷺ ہے، کہئے سمجھ گئے؟ گو اس کے حوالہ جات وغیرہ بھی کتب حنفیہ میں ملتے ہیں، لیکن اس وقت طوالت کی ضرورت نہیں، العاقل تكفيه الإشارة!

اہل فقہ نمبر ۳۶ ج ۱:

اس نمبر میں ایک حق گو (یا بد گو) صاحب بہ سرخی ''نجدیوں کی بے بسی'' یوں ژاژ خائی فرماتے ہیں:

قوله: ''بخاری کی روایت سے نجدی ذریت کے لئے شراب کا پینا مباح ہے (ترجمہ حدیث بخاری کا) فرمایا: حضرت عمر ♦ نے کہ میں نے عبیداللہ کے منہ سے بوشراب کی پائی، میں نے اس کو باتوں میں لگایا، اگر اس میں نشہ کا اثر پایا جاتا تو میں بے شک عبیداللہ کو درہ لگواتا۔''

(اهل فقه:ص ۷ اپریل ۷ سنہ ۱۹۰۶ء)

أقول: آپ نے ترجمہ بالکل غلط کیا ہے، بخاری کی عبارت کا صحیح ترجمہ کا یہ ہے:

"قال عمر: وجدت من عبيد الله ريح شراب، وأنا سائل عنه، فإن كان يسكر، جلدته." [1]

(پ:۲۳)

''حضرت عمر ♦ نے فرمایا: میں نے (اپنے بیٹے) عبیداللہ سے شراب کی بو پائی ہے، میں اس کی بابت اس سے پوچھنے والا ہوں، اگر شراب نشہ لائی تو میں اس کو کوڑا ماروں گا۔''

چنانچہ حضرت عمر نے جب دریافت کیا تو اس شراب کو نشہ آور پایا، لہٰذا فوراً اپنے بیٹے عبیداللہ کو حد تام لگائی جس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بسند موصول وصحیح کئی طریق سے نقل کیا ہے:

"فجلد عمر الحد تامًا، وسنده صحيح" [2] یعنی حضرت عمر نے حد تام لگائی۔

پس معترض صاحب! فرمایئے شراب کا مباح ہونا کیونکر ثابت ہوا؟ حالانکہ اسی صحیح بخاری میں حدیث مرفوع منقول ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"كل شراب أسكر فهو حرام" [3] (پ: ۲۳) یعنی ہر نشہ آور شراب حرام ہے۔

ہاں آپ کے مذہب حنفی میں قوت حاصل کرنے کو شراب کی نو (۹) پیالیاں نوش کر لینی جائز ہیں۔ نیز آپ کے یہاں شراب کا سرکہ بھی حلال وطیب ہے، دونوں مسئلے ہدایہ وشرح وقایہ وغیرہ کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں۔ [4]

پس اپنے گھر کا یہ حال رکھتے ہوئے دوسروں کے منہ کیوں آتے ہو؟ کیا نہیں جانتے: خمیر مایہ دکان شیشہ گر سنگ است؟

آگے آپ محدثین واہل علم کے مسلمہ مسئلہ "أصح الكتب بعد كتاب الله" پر یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

قوله: ''یہ رفض ہے کہ قرآن کریم کے بعد مرتبہ بخاری کا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ بخاری کی مندرجہ

---

[1] صحيح البخاري تعليقا: كتاب الأشربة، باب الباذق، ومن نهى عن كل مسكر من الأشربة، قبل الحديث (٥٢٧٦) حافظ ابن حجر ؒ اس معلق اثر کے متعلق فرماتے ہیں: وصله مالك عن الزهري عن السائب بن يزيد أنه أخبره أن عمر... وسنده صحيح... وأخرجه سعيد بن منصور..." (فتح الباري: ٦٥/١٠) نیز دیکھیں: موطأ إمام مالك (٢/ ٨٤٢) برقم (١٥٣٢)

[2] فتح الباري (١٠/ ٦٥)

[3] صحيح البخاري: كتاب الوضوء، باب لا يجوز الوضوء بالنبيذ ولا المسكر، رقم الحديث (٢٣٩)

[4] الدر المختار (١/ ١٧٢) فتاوى عالمگيرى (١٨٣/٩) شرح الوقاية (٥٦٨/٤) تفصیل کے لیے دیکھیں: حقيقة الفقه از مولانا محمد یوسف جے پوری ؒ (ص: ٢٦٣)

حدیث کے مقابل دوسری کوئی حدیث نہ مانی جائے، پس یہ بدعت آپ کے لئے گمراہی کا باعث ہوئی۔''

أقول: ابھی تک آپ کو بدعت کی صحیح تعریف بھی معلوم نہیں۔ سبحان اللہ! یہ کس نے کہا کہ دیگر کتب حدیث کی حدیثوں کو مت مانو، ہاں صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اس سے کم درجہ کی حدیث بے شک قابل قبول نہیں ہے۔ یہ اصول حدیث والوں کا متفقہ مسئلہ ہے، پس دیگر کتب حدیث کا رتبہ صحیح بخاری کے بعد کا ہے اور جامع بخاری کا کلام مجید کے بعد، اس پر جملہ سلف و خلف کا اتفاق ہے، اگر یہ رفض ہے، تو تمام علمائے سلف و خلف رافضی ہوئے، ایسی رافضیت بقول امام شافعی سر آنکھوں پر۔

إن كان رفضا حب ال محمد فليشهد الثقلان أني رافضي [1]

قوله: کیا جو شرع و عقل کے خلاف بخاری میں ہے اس کو بھی مانا جائے؟ مثلاً مانا جائے کہ بخاری میں بندروں کی کہانی سچ ہے؟''

أقول: ہاں صاحب سچ ہے! فرمائیے اس میں کون سا استحالہ یا خلاف عقل ہے؟ ذرا حل مشکلات حصہ اول [ص: ۱۲۸] میں اس کی مفصل بحث کا مطالعہ کر کے قلم اٹھائیے گا۔ آپ بخاری کو خلاف عقل کہہ رہے ہیں اور دوسرے لوگ قرآن مجید کو، کہئے مسلمانیت کا پتہ کہاں رہا؟ اجی حضرت! نہ قرآن مجید خلاف عقل ہے، نہ احادیث بخاری۔ سمجھنے کو عقل کی ضرورت ہے، جس کو اس سے حصہ ہی نہیں ملا، ایسے بے بہرہ کی بابت کیا کہنا؟! آگے آپ کی ژولیدہ زبانی سنئے:

قوله: ''یہ ایمان انھیں کا ہوگا جو پہلے اہل حدیث نام رکھ کر بعد میں مرتد و کافر ہو جاتے ہیں۔''

أقول: اہل حدیث تو بفضل خدا زمانہ رسول اللہ ﷺ سے چلے آتے ہیں اور اس لقب اہلحدیث کا ثبوت متقدمین و سلف صالحین میں بھی ملتا ہے، بتلائیے ان میں سے کتنے اور کون مرتد و کافر ہوئے؟ یا یہ سب تعصب و ہوائے قلب کا نتیجہ ہے؟ ہاں البتہ حنفیوں سے بہتیروں نے مذہب تبدیل کر ڈالے، ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلکان وغیرہ، کہئے آپ کا ایمان کس قسم کا ہے؟ بہر حال ابلیس کے مساوی ہی ہوگا، کیونکہ آپ کے مذہب حنفی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ [2] (چیرز!) آگے آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

قوله: ''کیا مانا جائے کہ عطاء کا قول کہ حاملہ لونڈی کے مقام جماع کے سوا دوسری جگہ جماع کیا جائے؟ چنانچہ: قال عطاء: ولا بأس أن يصيب الجارية الحامل ما دون الفرج. کیا یہ روایت عقل اور شرع کے خلاف نہیں؟۔''

---

[1] دیکھیں: تاریخ دمشق (۹/ ۲۰، ۵۱/ ۳۱۷)

[2] دیکھیں: السنة لعبد الله بن أحمد (۱/ ۲۱۹)

أقول: ہرگز نہیں! اس لئے کہ آپ نے مطلب تو درکنار اس جملہ کے معنی ہی نہیں سمجھے، عطاء کہتے ہیں کہ حاملہ لونڈی کے ساتھ وطی کے سوا اور سب کچھ تقبیل و مباشرت کر سکتے ہیں۔[1] آپ نے مقام جماع کے سوا دوسری جگہ جماع کرنا، کس جملہ کا مفہوم سمجھ لیا؟ کیا "یصیب" کے معنی آپ نے جماع کے سمجھے؟ اوہو! تب ہی تو آپ کو دھوکہ ہوا، افسوس کہ آپ نے صحیح بخاری پڑھی ہی نہیں یا اگر پڑھی ہے تو سمجھے نہیں، یہ جملہ تو اسی طرح ہے جیسا حائضہ عورت کی بابت آیا ہے کہ ما سوا فرج کے (یعنی وطی کرنے کے) اور سب کچھ تقبیل (مباشرت) حلال ہے، کیا حائضہ کی بابت بھی آپ نے یہی سمجھا ہے؟ "یصیب" باب افعال سے ہے، اس کا مصدر اصابت ہے، جس کے معنی پہنچنا ہے، مطلب یہ کہ حاملہ لونڈی کے ساتھ ما سوا فرج کے (دبر میں وطی کرنا تو مطلق حرام ہے اس کا ذکر ہی کیا) اور سب کچھ تقبیل و مباشرت کے قبیل سے حلال و جائز ہے، اور یہ عین عقل اور شرع کے موافق ہے اور مانا جا سکتا ہے۔

کہئے! آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اپنی عقل کو رویئے!

خدا کی قدرت! جو لوگ ایک سطر عربی کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتے، وہ بھی صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہیں! یہ منہ اور مسور کی دال! چنانچہ یہی اعتراض ڈاکٹر حکیم غلام رسول امرتسری نے بھی "اہل فقہ" (جلد ۲ نمبر ۸ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ص ۵ کالم اول) میں کیا ہے، جس کے جواب سے بفضلہ ہم یہاں ہی سبکدوش ہو چکے ہیں۔

کیا ہوتا ہے گر شپرۂ چشم اس کو نہ دیکھیں
چشم اولی الابصار میں ہے جائے بخاری

اخبار اہل فقہ جلد دوم نمبر ۸:

اب دوسرے سال کے پرچوں کی کیفیت ملاحظہ ہو، امام بخاری پر بغیر نکتہ چینی کئے ہوئے نہ اڈیٹر کو چین آتا ہے نہ اس کے نامہ نگاروں کو، چنانچہ امرتسر کے ایک ڈاکٹر حکیم غلام رسول صاحب ۲۷ ستمبر ۱۹۰۷ کے پرچہ میں بہ سرخی "ایک کے تین تین" فرماتے ہیں:

قوله: "خاص بخاری ہی سے تعارضِ حدیث کا باعث آپ سے پوچھا جائے گا۔"

(ص: ۸، کالم: ۲، نمبر ۸، ج ۲)

أقول: اچھا صاحب! شوق سے پوچھئے، ہم بھی آپ کو شافی جواب دیں گے، اگر آپ نے صحیح بخاری کی عداوت پر کمر باندھی ہے، تو ہم نے حمایت پر، ہاں جلد پوچھئے!

قوله: "بخاری ؒ نے " باب العزل "تو لکھا ہے، مگر کیا عزل ممنوع یا متروک ہے یا مطلوب و

[1] صحیح البخاري: کتاب البیوع، باب هل یسافر بالجاریة قبل أن یستبرئها، قبل الحدیث (۲۱۲۰)

مقصود؟ کچھ تو فرماتے!'' (ص: أیضاً)

أقول: امام بخاری کو یہ علم نہ تھا کہ کسی زمانہ میں ہماری کتاب کا ترجمہ ہوجائے گا اور عوام جہلاء اس کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے، ورنہ ضرور تصریح کر جاتے۔ امام بخاری نے تو اہل علم کو فائدہ پہنچانے کے لیے جامع صحیح کو تالیف کیا، چنانچہ اہل علم نے مقصود باب کی اگلی حدیثوں سے یقیناً سمجھ لیا کہ عزل جائز نہیں، آپ بھی تو ''اہل فقہ'' (نمبر ۱۰، ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۷ء) کے پرچہ میں فرماتے ہیں:

''بخاری کے باب باندھنے کا اجتہاد تو ہماری سمجھ میں بخوبی آ گیا۔'' (ص: ۱۲ کالم ۲)

تو پھر اعتراض کیا ہے؟ چلئے فیصلہ ہی ہوگیا۔ آگے کیا خوب فرماتے ہیں:

قولہ: ''بخاری ﷫ نے اس (قول جابر ♦ بابت عزل) کو اور اس کی مثل اقوال (صحابہ) کو کیوں اپنی کتاب بخاری میں درج کر دیا؟ جب ایسے اقوال سے استدلال نہیں ہوسکتا تو کتاب کا حجم بڑھانے سے کیا فائدہ''؟ (ص:۸ کالم ۲ نمبر ۸ ج ۲)

أقول: امام بخاری نے اقوال صحابہ کو حدیث مرفوع کی تائید میں یہ بتلانے کو پیش کیا ہے کہ صحابہ کا مذہب بھی یہی تھا، لہٰذا ایسے مقام پر استدلال ہوسکتا ہے اور وہ صحیح ہوگا، پس دیکھئے کتنا بڑا فائدہ ہے؟ آپ خواہ مخواہ حجم کی حجامت کرنا چاہتے ہیں، بس خدا ہی سمجھے، دوسرے نمبر کا جواب سنئے۔

اہل فقہ نمبر ۱۰ ج ۲:

ڈاکٹر حکیم صاحب موصوف ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۷ کے پرچہ میں حدیث ''انزال نہ ہونے سے غسل نہیں۔'' اور امام بخاری کے قول "الغسل أحوط" کو نقل کر کے اعتراضاً فرماتے ہیں:

قولہ: ''بخاری ﷫ کے باب باندھنے کا اجتہاد تو ہماری سمجھ میں بخوبی آ گیا، مگر ظاہر حدیث کے خلاف حکم دینا سمجھ سے باہر ہے۔'' (یہ تو غسل میں اختلاف کا نمونہ ہے۔)

أقول: قریباً یہی اعتراض ایڈیٹر اہل فقہ نے بھی اہل فقہ (جلد سوم نمبر ۹ ص ۴ کالم ۲ مورخہ ۵ مئی ۱۹۰۸ء) میں کیا ہے، لگے ہاتھ دونوں کا جواب ملاحظہ ہو۔ اے حضرت! غسل میں اختلاف نہیں ہے، غسل کا حکم آخری ہے، اسی لئے امام بخاری نے غسل کے لئے " أحوط وأجود و أوكد " تاکیدی الفاظ لکھے ہیں، جیسا کہ اسی حصہ کے ابتدائی مضامین کے جواب میں مفصل لکھا گیا ہے۔ جب نسخ بدلیل ثابت ہوجائے تو پھر اختلاف نہیں کہا جاتا اور اس عدم غسل کا نسخ تو خود رسول اللہ ﷺ کے افعال و اقوال سے ثابت ہے۔ فلا غبار علیه کما مر مفصلا من قبل، فتفکر!

آگے صحیح بخاری میں اختلاف کا دوسرا ثبوت آپ یوں پیش کرتے ہیں:

قوله: ''ایک ہی جنازہ کی نسبت مختلف حدیثیں ہیں، جن کی تطبیق بھی اشد ضروریات سے ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول نے وفات پائی تو اس کا بیٹا آنحضرت ﷺ کے پاس کرتہ مانگنے لگا اور جنازہ پڑھنے کی درخواست کی اور دعا کرنے کی درخواست کی، آپ نے قمیض اتار کر دے دی اور جا کر جنازہ پڑھا، دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عبداللہ مذکور کے دفن کے بعد تشریف لائے اور اس کو قبر سے نکلوا کر اپنی قمیض اسے پہنائی اور اس کے دہن میں لب مبارک لگایا۔

(ملخصاً) (بخاری، مصری: ۱/ ۱٤٤، أهل فقه حواله مذكوره)

أقول: کاش! حضرت معترض معانی سے واقفیت رکھتے تو ہرگز اعتراض نہ کرتے، عربی میں حقیقت اور مجاز کا ایک بہت بڑا مشکل فن ہے، جس جگہ حقیقت متعذر ہوتی ہے، وہاں مجاز ہوتا ہے۔ روایت اولیٰ میں: "فأعطاه قميصه "[1] اپنے اصلی حقیقی معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہاں اس کے مجازی معنی کئے جاتے ہیں وہ یہ کہ'' آپ نے اپنا کرتہ دینے کا وعدہ کیا۔''[2] عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ آئندہ زمانہ میں جب کسی چیز کے وقوع کا کامل تیقن ہوتا ہے، تو اسے ماضی کے صیغہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہ گویا ہو چکا، یعنی زمانہ مستقبل میں یہ یقینی ہوگا، خدا فرماتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱] ''مومنوں نے نجات پالی۔'' یعنی قیامت کے دن وہ یقینی نجات پائیں گے، اسی طرح حدیث مذکور میں راوی نے کہا ہے کہ'' آپ نے اسے کرتا دے دیا۔'' یعنی وعدہ کیا کہ ضرور دیں گے، گویا دے دیا۔

کاش! اگر عینی کو بھی دیکھ لئے ہوئے تو شائد خاموش رہتے، سنئے آپ کے سرتاج علامہ عینی فرماتے ہیں:

"وأما التوفيق بين روايتي ابن عمر وجابر، فقيل: إن معنىٰ قوله في حديث ابن عمر: أعطاه أي أنعم له بذلك، فأطلق على الوعد اسم العطية مجازا لتحقق وقوعها، وقال ابن الجوزي: يجوز أن يكون أعطاه قميصين قميصا للكفن، ثم أخرجه، فألبسه غيره، والله أعلم ."

(عمدة القاري، مصرى: ٤/ ٦٠)

''ابن عمر کی روایت (کہ آپ نے کرتہ دیدیا) اور جابر کی روایت (کہ قبر سے نکلوا کر کرتہ پہنایا) دونوں میں مطابقت یوں ہے کہ ابن عمر کی روایت میں " فأعطاه " (اسے کرتہ دیا) کے معنی ہیں کہ اس سے کہہ دیا کہ اچھا دوں گا، پس اس وعدہ مجاز پر عطیہ کا اطلاق کیا گیا کہ (آپ نے دے دیا) اس لئے کہ اس کا وقوع متحقق تھا، یعنی آپ یقینی دینے والے تھے۔ اور ابن جوزی نے یہ کہا ہے کہ آپ نے پہلے اس کو ایک کرتہ کفن کے

[1] صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب الكفن في القميص ...، رقم الحديث (١٢١٠)

[2] دیکھیں: فتح الباري (٣/ ١٣٩)

لیے دے دیا، پھر قبر سے نکال کر دوسرا پہنا دیا، واللہ أعلم۔"

یہ بھی ایک جواب ہو سکتا ہے، غرض ہر دو حدیث مذکور میں مطلق تخالف نہیں ہے، ہاں سمجھنے کو علم و عقل کی ضرورت ہے!

حاجت ہے بصیرت کی پئے معرفت حق
کب ہونے لگے کور شناسائے بخاری

اہل فقہ نمبر ۱۲ ج ۲:

ایک شخص داتہ کا باشندہ سید محبوب شاہ نامی یکم نومبر ۱۹۰۷ کے پرچہ میں بہ سرخی "تردید قدامت اہل حدیث" لکھتا ہے:

قولہ: "امام بخاری وغیرہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں (بایں طور کہ) امام اعظم کے شاگرد امام مالک، امام مالک کے تلمیذ امام شافعی، ان کے امام احمد اور امام احمد استاد ہیں امام بخاری وغیرہ کے۔" ملخصاً (کالم ۱/ص ۸)

أقول: جناب والا! آپ کو معلوم نہیں فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کے امام مالک استاد ہیں اور امام صاحب امام مالک کے شاگرد ہیں، دیکھو کتاب: " تزيين الممالك بمناقب الإمام مالك للعلامة جلال الدين السيوطي (ص: ۱۸و۵۹) وغیرہ اور كتاب الذبائح للدارقطني اور مسند أبي حنيفه لابن خسرو البلخي اور كتاب الرواة عن مالك رحمه الله للخطيب البغدادي اور كتاب النكت على علوم الحديث للحافظ مغلطائي اور كتاب محاسن الاصطلاح للبلقيني اور نكت على ابن الصلاح للزركشي اور مسند أبي حنيفة لأبي الضياء "وغیرہ، [1]

پس حقیقت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام بخاری وغیرہ امام مالک کے شاگردوں میں ہیں، کہیے! سمجھ گئے؟

اچھا اب اپنے اس مضمون کا جواب سنیے، جو آپ نے "اہل فقہ" (نمبر ۳۰ جلد ۳ مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء) میں لکھا ہے۔

قولہ: "ابن عباس کا قول وفات مسیح پر تو اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں درج ہے۔" (کالم ۲/ص ٤)

أقول: شکر ہے کہ آپ نے صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ تو مان لیا۔ اب سنیے جواب!

---

[1] سير أعلام النبلاء (۱۵/۵۰) محاسن الاصطلاح للبلقيني مع مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۵۵) النكت للزركشي (۱/۱٤۸) مرعاة المفاتيح (۱/ ۱۲) تزيين الممالك (ص: ۱۱۹) إصلاح كتاب ابن الصلاح لمغلطائي (۲/ ۵۲)

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت ابن عباس کا جو قول آیت ﴿ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ ﴾ [آل عمران: ٥٥] کی تفسیر میں "ممیتك" مذکور ہے، [1] اس سے حضرت عیسی کے وفات پا جانے کا استدلال صحیح نہیں، بلکہ یہاں "أماته بعد النزول " مراد ہے۔ یعنی جب آپ قرب قیامت آسمان سے نزول فرمائیں گے، اس کے بعد آپ فوت ہوں گے۔ جیسا کہ تفسیر عباسی میں اس کی تفسیر یوں مرقوم ہے: " أي: قابضك بعد النزول " [2] یعنی نزول سماوی کے بعد آپ کی حقیقی وفات ہوگی اور اس پر سب کا اتفاق ہے، پس تفسیر ابن عباس حضرت عیسیٰ ◆ کو بجسد عنصری آسمان پر تشریف لے جانے کے مخالف سمجھنا صحیح نہیں۔ فتفکر و کن من الخائضین!

اہل فقہ نمبر ۳۰ ج ۲:

ایک حنفی طالب العلم عبداللہ بہاری (جس کے مضمون مندرج "الجرح" کی پہلے تردید ہو چکی ہے) مارچ ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں بہ سرخی ''امام اعظم'' امام بخاری کی تنقیص شان کرتا ہوا رقم طراز ہے:

قوله: '' امام عالی مقام (ابوحنیفہ) کے لیے بمصداق روایت صحیح بخاری: " خیر أمتي قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم " یہ بہت بڑا شرف ہے، جو امام بخاری صاحب کو اصلاً نصیب نہیں (الی قولہ) امام بخاری کو تبع تابعی ثابت نہیں کر سکتے۔ (کالم ۱/ص ۸)

آپ نے چونکہ مدرسہ اہل حدیث میں پڑھنا چھوڑ دیا، اس لئے حدیث کا صحیح مطلب بھی نہیں سمجھ سکے۔ حدیث "خیر أمتي... " [3] الخ کا مطلب جو سمجھا ہے کہ پہلے قرن سے مراد زمانہ نبوی اور دوسرے سے صحابہ کرام کا عہد اور تیسرے قرن سے تابعین کا زمانہ ہے اور یہی مطلب مشہور ہے، بچند وجوہ صحیح نہیں:

---

[1] صحیح البخاري: کتاب التفسیر، باب ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ (۲۸۳/۸، مع الفتح)

[2] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس المنسوب إلی ابن عباس رضي الله عنهما، زیر آیت آل عمران (۵۵) یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ◆ کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کی نسبت صحیح اور ثابت نہیں، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی کذاب اور متروک راوی ہے، جو من طریق أبی صالح عن ابن عباس یہ تفسیر روایت کرتا ہے:

۱۔ قال علي بن مسهر عن أبي جناب الکلبي: حلف أبو صالح أني لم أقرأ علی الکلبي من التفسیر شیئاً.

۲۔ قال أبو عاصم: زعم لي سفیان الثوري قال: قال الکلبي: ما حدثت عن أبي صالح عن ابن عباس فهو کذب، فلا ترووه.

۳۔ قال ابن حبان: وضوح الکذب فیه أظهر من أن یحتاج إلی الإغراق في وصفه، یروي عن أبي صالح عن ابن عباس التفسیر، وأبو صالح لم یر ابن عباس، ولا سمع منه شیئا، ولا سمع الکلبي من أبي صالح إلا الحرف بعد الحرف... الخ

۴۔ قال أحمد بن هارون: سألت أحمد بن حنبل عن تفسیر الکلبي فقال: کذب، قلت: یحل النظر فیه؟ قال: لا!" (الثقات لابن حبان: ۲۵۳/۲، تهذیب التهذیب: ۱۵۷/۹)

[3] صحیح البخاري: کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم، رقم الحدیث (۳۴۵۰)

اول: ان پچھلے قرنوں میں بہت سے مظالم واقع ہوئے ہیں، پھر وہ بہتر کیسے ہوسکتے ہیں؟ حضرت عثمان ◆ کی شہادت کے بعد ہی جنگ جمل وصفین پیش آئی، جن میں ہزاروں مسلمانوں کے خون بہہ گئے، خود حضرت عثمان ◆ کی شہادت کیا کم ظلم ہے؟ پھر واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ پیش آیا اور اس قدر مظالم و مفاسد ہوئے، جن کی تعداد سوائے علیم و خبیر کے کون جان سکتا ہے؟ کتب تواریخ کے صفحات ان مظالم سے سیاہ ہیں۔

دوئم: احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی چکی پینتیس (۳۵) سال تک چلے گی، اس کے بعد ہلاکت ہوگی، [1] پس جب اسلام کی چکی پینتیس (۳۵) برس کے بعد بند ہوگئی اور ہلاکت کا زمانہ شروع ہوگیا تو بہتری کیا ہوسکتی ہے؟ وعلی هذا القیاس!

لہٰذا محققین محدثین نے حدیث مذکور کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ قرن اول رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے جو ہجرت کے بعد شروع ہوا اور وفات اقدس پر ختم ہوگیا، اور قرن دوم حضرت ابوبکر صدیق ◆ اور حضرت عمر فاروق ◆ کا زمانہ ہے، اور قرن سوم حضرت عثمان ◆ کا زمانہ ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اپنی کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد اول میں اس حدیث کی شرح تین مقام پر کی ہے:

اول: فصل چہارم میں بذیل مسند عبداللہ بن مسعود، دوم: فصل چہارم کے آخر میں، سوم: فصل پنجم کے مقصد دوم میں، مقام اول میں اس مطلب کو ازروئے لغت مدلل کیا ہے کہ قرن اصل لغت میں ان لوگوں کو کہتے ہیں، جو ہم عمر ہوں، پھر ان لوگوں کو کہنے لگے، جو ریاست و خلافت میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، جب بدل جائیں تو قرن بدل جاتا ہے، اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیخین کا زمانہ ایک قرن اس سبب سے ہے کہ حضرت عثمان ◆ کے بعد فتن کا ظہور ہوا اور خیریت نہ رہی، مقام سوم میں اس مضمون میں بہت بسط دیا ہے، آخر میں بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں، پس تو پہچان لے کہ وہ تین قرن جن کی تعریف کی گئی ہے ایک قرن نبوت ہے اور:

”پس بشناس ایں قرون ثلاثہ ممدوحہ یکے قرن نبوت است ودوم قرن خلافت وآن ہمہ در مدینہ بودہ است وبعد آن دو قرن گاہے درمدینہ سلطنت مستقر نشد پس تعین بمدت خمس وثلاثین وتعین بہ بودن درمدینہ مصداق آن ہر دو یکے است ہر دونشان یک مدعا است وہر دو متوجہ بیک مرمیٰ... الخ [2] (إزالۃ الخفاء فصل پنجم مقصد دوم)

دو قرن خلافت اور یہ سب مدینہ میں تھے، بعد ان دو قرنوں کے کبھی مدینہ میں سلطنت نہیں رہی، لہٰذا ۳۵ برس کی مدت کا تعین اور مدینہ میں خلافت کے ہونے کا تعین ان دونوں کا مصداق ایک ہے، یہ دونوں چیزیں ایک ہی مقصود

[1] سنن أبي داود: كتاب الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، رقم الحديث (٤٢٥٤) اس حدیث کو امام ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی ◆ نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء (١/ ١٥١)

چیزوں کے نشان ہیں اور دونوں کا اشارہ ایک طرف ہے۔

اس نفیس تحقیقات سے حدیث خیر قرون کا مطلب اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حدیث مذکور میں تین زمانوں کی تعریف فرمائی گئی ہے، وہ تینوں زمانے یہ ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ۲۔ شیخین • کا زمانہ ۳۔ حضرت عثمان ♦ کا زمانہ ❶

پس معترض صاحب! جو شرف امام بخاری کو نہ ملا، وہ امام ابوحنیفہ کو بھی تو نصیب نہیں۔ کہیئے!

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اہل فقہ نمبر ۴۱، ۴۲ ج ۲:

اڈیٹر صاحب کی امام بخاری پر جو نظر عنایت ہے، وہ بارہا ظاہر کی جا چکی ہے، کچھ اور بھی ملاحظہ ہو۔

آپ ۵/۱۲ جون ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں ''اہل حدیث و اہل فقہ'' کی سرخی سے یوں رقمطراز ہیں:

قولہ: ''امام بخاری ایک انسان تھے، مثل انبیاء معصوم نہ تھے، ان کا کلام وحی الٰہی نہ تھا، ائمہ سلف نے ان کی بعض حدیثوں کو غلط ٹھہرایا ہے، ان کی کتاب بتمامہ اصح الکتب نہیں ہوسکتی (الی قولہ) اقوال رجال سے بخاری کی تائید کرنا ان کے مسلک کے خلاف ہے (تا) تردید دلائل سے کرے۔ (کالم ۳/ص ۵)

اور سنئے: اڈیٹر صاحب! ''اہل فقہ'' (جلد سوم نمبر ۱۱ مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء) میں یوں ارقام فرماتے ہیں:

'' ہم ان (بخاری) کو مجتہد نہیں سمجھتے، ان کی کتاب کی بعض حدیثیں صحیح نہیں، امام بخاری مقلد شافعی المذہب تھے، وہ مذہب شافعی کو ترجیح دیتے تھے۔'' (کالم ۳/ ص ۳)

سنتے جایئے! اڈیٹر صاحب مدظلہ اسی جلد سوم (نمبر ۳۰ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۰۹ء) کے پرچہ میں لکھتے ہیں:

''معاندین کو سوائے بخاری کے آیت قرآنی پر بھی بمشکل اعتبار ہوتا ہے، دوسری کتاب میں کیسی ہی حدیث صحیح ہو، ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔'' (کالم ۳/ ص ۲)

أقول: اب ان تیرہ باتوں کا (جن پر نمبر لگا دیئے گئے ہیں) نمبر وار جواب سنئے:

۱۔ امام بخاری بے شک انسان تھے، یہ کس نے کہا کہ فرشتہ تھے یا جن؟ انبیاء بھی تو انسان ہی تھے!

۲۔ اس امر کا بھی کوئی قائل نہیں کہ امام بخاری معصوم تھے، امام بخاری معصوم نہ تھے لیکن انہوں نے ایسے شخص کے اقوال و افعال کو ترتیب دیا ہے، جو معصوم تھا یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ (مفصل دیکھو: حصہ اول ص: ۶)

---

❶ حافظ ابن حجر ؒ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "المراد بقرن النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث الصحابة... وقوله: ثم الذين يلونهم أي القرن الذي بعدهم، وهم التابعون، ثم الذين يلونهم وهم أتباع التابعين. " (فتح الباري: ۶/۷) نیز دیکھیں: مقالاتِ حدیث از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی ؒ (ص: ۴۲۹)

۳۔ امام بخاری کے کلام کو وحی الٰہی کسی نے بھی نہیں کہا، ہاں امام بخاری نے اس کلام کو، جو وحی الٰہی تھا، اپنی جامع میں درج کیا ہے۔ یعنی کلام خدا و کلام نبی، پس ان کلاموں کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۴۔ ائمہ سلف نے ہرگز صحیح بخاری کی کسی حدیث کو غلط نہیں ٹھہرایا، یہ ان پر صریح اتہام ہے اور دعویٰ بلا دلیل!

۵۔ امام بخاری کی جامع صحیح بتمامہ اصح الکتب ہے، اس پر علماء سلف و خلف کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ مفصل حصہ اوّل میں لکھا گیا ہے۔ ❶

۶۔ بخاری کی تائید اقوال سے اس لئے کی جاتی ہے کہ ان پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں، وہ اقوال رجال سے ہوتے ہیں، پس رجال معترضین کی ناواقفی اور مؤیدین کی ثقاہت ظاہر کر دی جاتی ہے۔ ع۔

زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

۷۔ جس قسم کے دلائل سے معترضین اعتراض پیش کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ زور دار دلائل سے جوابات دیے گئے ہیں، حل مشکلات کے کل حصص کا بغور مطالعہ کریں۔

۸۔ نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں، آپ کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ تمام دنیا تو امام بخاری کو مجتہد بلکہ مجتہد گر تسلیم کر چکی ہے، اور ان کا اجتہاد آفاق میں ظاہر و باہر ہے۔

۹۔ امام بخاری کی کتاب جامع صحیح بخاری کی حدیثیں اصح الصحیح ہیں، جن لوگوں کو فن حدیث میں تمیز نہیں، انہیں البتہ بعض احادیث صحیح نہیں معلوم ہوتیں، لہٰذا آپ مجبور محض ہیں۔

۱۰۔ چونکہ آپ خود مقلد ہیں، اس لئے آپ کو تمام لوگ مقلد ہی معلوم ہوتے ہیں۔ المرء يقيس على نفسه!

امام بخاری بذات خاص مجتہد تھے اور یہ ظاہر ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا، پس امام بخاری کو تقلید سے کیا سروکار؟

۱۱۔ امام بخاری نے کہیں بھی مذہب شافعی کو ترجیح نہیں دی، بلکہ اکثر مقامات پر تردید ضرور کی ہے۔ ❷ اگر کسی کا مذہب حدیث کے موافق ثابت ہو جائے، تو یہ اس مذہب کی تائید نہیں ہو سکتی بلکہ عمل حدیث پر ہوگا۔

۱۲۔ جس شخص کو آیت قرآنی پر اعتبار نہ ہو یا بمشکل اعتبار ہو، ہمارے نزدیک تو اس کی مسلمانی میں فرق ہے۔ ایسا ہی جس کو صحیح احادیث پر اعتبار نہ ہو (خواہ وہ بخاری ہی میں کیوں نہ ہوں) اس کو بھی ہم مسلمان نہیں سمجھتے۔

۱۳۔ دوسری کتب حدیث میں جونسی حدیث صحیح ثابت ہو جائے، وہ بلاشبہ صحیح و قابل عمل ہے، جیسے وضع اليد على الصدر کی حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے۔ ❸ ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ انتهى

---

❶ دیکھیں: عمدة القاري (١/٥)

❷ دیکھیں: صحيح البخاري: كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء، وترد في الفقراء حيث كانوا، وباب استعمال إبل الصدقة وألبانها لأبناء السبيل، كتاب الجمعة، باب إذا نفر الناس عن الإمام في صلاة الجمعة، فصلاة الإمام ومن بقي جائزة.

❸ صحيح ابن خزيمة (١/ ٢٤٣)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

آپ تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کے دلوں سے صحیح بخاری کی قدر گرادیں لیکن واقعہ میں یہ کوشش آپ کی آپ کو مضر اور ہمارے حق میں مفید ہوں گی، اس لئے کہ اس سے صحیح بخاری کی قدر ومنزلت اور بڑھتی جاتی ہے، بقول متنبّی:

وإذا أتتك مذمتي من ناقص فهي الشهادة لي بأني كامل ❶

اہل فقہ نمبر ایضاً ج۲:

پرچہ مذکورہ میں ایک گمنام تحریر (جو ڈاکٹر حکیم امرتسری کی معلوم ہوتی ہے) " الحق مر " کی سرخی سے شائع ہوئی ہے، اس میں ایک تو صحیح بخاری کی حدیث:

" كان الله ولم يكن بشيء غيره، وكان عرشه على الماء "

(صحيح بخاری، مطبوعه مصر، كتاب بدء الخلق : ۲/ ۱٤۲)

خدا تھا اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

یہ اعتراض بصورت سوال کیا گیا ہے، نامہ نگار صاحب فرماتے ہیں:

قوله: ''اللہ جل وشانہ کے سوا ابتدا میں کوئی نہ تھا، تو عرش اور پانی کیا تھا؟ عین باری یا غیر باری؟ اگر پانی وعرش عین خدا ہیں تو تین خدا ٹھہریں گے، اگر عرش و پانی غیر خدا ہیں، تو حدیث میں الفاظ " لم يكن شيء غيره " کے کیا معنی کرو گے؟'' (کالم ۱/ ص۹)

اور اہل فقہ جلد سوم کے نمبر (۸) میں اسی حدیث کے متعلق سوال کرتے ہیں: کان وقتی ہے یا استمراری؟

أقول: میں ان اعتراضات کو دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ یہ کسی مسلمان کا اعتراض ہے یا آریہ سماج کا؟ کیونکہ اعتراض امام بخاری پر نہیں بلکہ کلام رسول پر ہے!! خیر اب جواب سنئے! عرش اور پانی غیر باری ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے ہے، اس کے سوا کوئی نہ تھا، پھر اس نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے قبل پانی کو پیدا کیا، بعد ازاں عرش کو، جو خدا کے حکم سے پانی پر مستقر ہوا، "كان الله" کے "كان" سے مراد ازل وقدم اور "كان عرشه" سے مقصود حدوث بعد عدم ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"فيه دلالة على أنه لم يكن شيء غيره، لا الماء ولا العرش، ولا غيرهما، كل ذلك غير الله تعالى، ويكون قوله: وكان عرشه على الماء، معناه: أنه خلق الماء سابقاً، ثم خلق العرش على الماء ...إلى قوله: والمراد بكان في الأول: الأزلية، وفي الثاني: الحدوث بعد العدم ." انتهى

(فتح الباری:۱۳/ ۱۸٦)

'' حدیث مذکور اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہ تھا، نہ پانی نہ عرش نہ اور کچھ، کیونکہ یہ سب غیر باری ہیں اور كان عرشه على الماء کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پہلے پانی کو پیدا کیا، پھر عرش کو

❶ جب تیرے پاس کوئی کم تر آ کر میری مذمت کرے، تو سمجھ لینا یہ میرے کامل ہونے کی گواہی ہے۔

پانی پر (مستقر کیا) کان اول ازلی ہے، دوسرا حدوث بعدالعدم کے لئے ہے۔"

کرمانی نے کہا ہے کہ "کان عرشه" معطوف ہے "وکان اللّٰہ" پر، اور اس سے معیت نہیں پائی جا سکتی، اس لئے کہ واؤ عاطفہ اصل ثبوت ووجود میں اجتماع کرتا ہے کہ دونوں میں تقدیم وتاخیر ہو اور اسی توہم معیت کو دفع کرنے کے لئے فرمایا گیا: "ولم یکن شيء غیره" یعنی اسکے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ [1] (فتح الباری: پ ۳۰)

اور بعض لوگوں نے "وکان عرشه" کے واؤ کو "ثم" کے معنی میں لے کر ترتیب ذہنی کو ثابت کیا ہے، لیکن علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ واؤ کو "ثم" کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ واؤ وجود خارجی میں ترتیب کی نفی نہیں کرتا۔ (حاشیه بخاری، مصری: ۱٤٢/٢)

معترض یا سائل "ولم یکن شيء غیره" یا "قبله" کے معنی پوچھتے ہیں کہ کیا کرو گے؟ لہٰذا ہم ان کو ترکیب نحوی بتلا دیتے ہیں، کوفیوں کے مذہب کے لحاظ سے یہ جملہ "کان اللّٰہ" کی خبر ہوگی، کیونکہ اخفش کے نزدیک کان اور اس کے ہم جنسوں کی خبر پر واؤ کا داخل ہونا جائز ہے، تشبیهاً للخبر بالحال اور علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جملہ مذکورہ حال ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے: "کان اللّٰہ منفرداً" [2] اس بنا پر معترض کے تمام اعتراض هباء منثوراً ہو جاتے ہیں، اس کی مفصل بحث فتح الباری (پاره ۷۳۵/۳۰) میں دیکھنی چاہیے۔

رہا سوال کان کا کہ وقتی ہے یا استمراری؟ گو اس کا جواب پیشتر ہو چکا ہے کہ پہلا کان ازلی ہے اور دوسرے سے مراد حدوث، لیکن ہم اس کی مثال بھی دے دیتے ہیں، قرآن مجید میں جہاں اس کا ذکر اوصاف باری کے ضمن ہوا ہے، وہاں اس سے ازل ہی مراد ہے، جیسے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [الأحزاب: ٤٠] اور آیت ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [الإسراء: ١٠٠] وغیرہ میں حدوث بعد عدم کے لئے ہے، لہٰذا حدیث مذکور کے مطلب میں اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ آگے دوسرا سوال آپ یوں پیش کرتے ہیں:

قوله: قسامة الجاهلية کے ضمن میں بندریا کی کہانی کی فقہ بیان فرمائی جائے کہ یہ قصہ کس مطلب کے لئے بیان ہوا؟ (ص: أیضاً)

اس واقعہ کو اہل فقہ کا نامہ نگار بار بار خدا جانے کیوں پیش کرتا ہے؟ اڈیٹر صاحب بھی جلد دوم (نمبر ۴۱، ۴۲ مورخہ ۱۲/۵ جون ۱۹۰۸ء) کے پرچہ میں لکھتے ہیں:

"اور کس طرح بندروں کی کہانی کو قرآن وحدیث صحیح کے مطابق بتایا جاتا ہے۔"

أقول: حضرت! اس طرح تو بندروں کا قصہ قرآن مجید میں بھی ہے، ارشاد ہے: ﴿كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾

---

[1] فتح الباري (٤١٠/١٣)

[2] مصدر سابق

[البقرہ: ٦٥] تو قرآن مجید کو بھی بندروں کی ہی کہانی کہا کیجئے۔ (شرم!) امام بخاری نے أیام الجاھلیة کا باب منعقد فرمایا، زمانہ جاہلیت میں جو جو معمولی یا غیر معمولی واقعے ہوئے تھے اور صحابہ کرام اسلام کے بعد ان کا ذکر کرتے تھے، امام بخاری نے ان کو بسند نقل کر دیا، مقصود ایک تاریخی واقعہ بتلانا ہے، اور اس واقعہ میں خدا کی قدرت کا ایک بڑا بھاری کرشمہ یہ ہے کہ عرب جو زمانہ جاہلیت میں بہت زنا کرتے تھے، ان کو غیرت آئے کہ بندر کو اپنی بندریا کا دوسرے کے پاس جانا گوارا نہیں، تو ہم کیونکر کسی کی بیوی سے چھپ کر زنا کرتے ہیں؟ تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو۔ جیسے قابیل کو کوے کا واقعہ، جو قرآن مجید میں مذکور ہے، دیکھ کر غیرت آئی تھی اور عبرت حاصل ہوئی تھی، جیسا کہ حصہ اول [ص: ۱۲۹] میں مفصل لکھا گیا ہے۔ پس یہ واقعہ بالکل قرآن مجید کے واقعہ غرابی سے ملتا ہے، اب اس پر بھی اعتراض کیجئے!

تو یوں شوق سے گالیاں غیر (امام بخاری) کو دے اسے کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا۔ (قرآن کو)

اہل فقہ نمبر ۴۴ ج ۲:

اڈیٹر صاحب (جو کہ حقیقت میں محض ایک شاعر ہیں) ۱۰ جولائی ۱۹۰۸ء کے پرچہ کے صفحہ (۴) کالم (۳) میں یوں تان اڑاتے ہیں: ؎

تیرے نزدیک پیمبر تو نہ ہوئے معصوم
ہاں بخاری سے لگی کچھ ہے طبیعت تیری
ہو بخاری کا کوئی حکم خلاف قرآن
سر پہ آنکھوں پہ اٹھاتی ہے سفاہت تیری

مناسب ہے کہ شعر ہی میں اس کا جواب بھی سنئے بمصداق: جیسے کو تیسا! ؎

میرے نزدیک پیمبر تو سبھی ہیں معصوم
ہاں بخاری پہ سراپا ہے یہ تہمت تیری
ہو کسی کا بھی کوئی حکم خلاف قرآن
ہو وہ لائق تسلیم؟ ہے یہ عادت میری

أیضاً:

اسی نمبر، اسی تاریخ اور اسی جلد کے پرچہ ''اہل فقہ'' میں اڈیٹر صاحب صحیح بخاری کے ایک باب کو نقل کر کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے ترجمہ باب کو نیز حدیث کو باب سے تطابق نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

قوله: ''بخاری نے اپنی کتاب بخاری میں ایک باب باندھا ہے:" باب مسح الرأس كله لقوله

تعالیٰ: ﴿وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ "یعنی باب ہے سارے سر کے مسح کرنے کے بیان میں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے سروں کا مسح کرو، آیت قرآنی کے الفاظ سے سارے کا کہیں پتہ نہیں، وہاں تو مجملاً سر کا ذکر ہے، سارے یا تھوڑے کا ذکر نہیں (الی قولہ) بڑی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ "برؤسکم" میں با زائد ہے، جو سارے پر دلالت کرتی ہے، لیکن صاحب فتح الباری نے اس کا رد کیا ہے کہ با بعض کے واسطے بھی آتی ہے۔ (کالم ۱، ۲ /ص ۷)

أقول: خطرہ ہے کہ آگے چل کر یہ نہ کہہ دیں کہ سارے منہ کا دھونا بھی ناجائز ہے! اس لئے کہ ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ میں کہیں سارے کا پتہ نہیں، مجملاً منہ کا ذکر ہے، جناب عالی! جس طرح یہاں سارا منہ مراد ہے، اسی طرح وہاں بھی سارا سر مراد ہے، اور با واقعی زائد ہے، یہی مذہب اور یہی دلیل امام مالک رحمہ اللہ و امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ہے، امام بخاری نے کوئی انوکھی دلیل پیش نہیں کی، پھر امام بخاری پر کیا اعتراض؟ اور پھر آپ نے یہ غضب کیا کہ دن دہاڑے جھوٹ بولا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر صریح تہمت دھری کہ انہوں نے با کے زائد ہونے کا رد کیا ہے، سبحان اللہ! وہ تو دونوں احتمالوں کو نقل کر کے باء تبعیضیہ کی تردید کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

" لفظ الآية مجمل، لأنه يحتمل أن يراد منها مسح الكل على أن الباء زائدة أو مسح البعض على أنها تبعيضية، فتبين بفعل النبي ﷺ أن المراد الأول." [1] انتهى (فتح الباری پارہ اول: ۱۴۵)

"آیت کا لفظ (برؤسکم) مجمل ہے، اس لئے کہ وہ احتمال رکھتا ہے کہ اس سے سارے سر کا مسح مراد ہو اس بنا پر کہ با زائد ہے، یا بعض سر کا مسح مراد ہو، اس بنا پر کہ با بعض والی ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کے فعل (مندرجہ حدیث کہ آپ نے سارے سر کا مسح کیا) سے ظاہر ہوتا ہے کہ (آیت کی) مراد اول (با کو زائد مان کر سارے سر کا مسح کرنا) ہے۔"

کیوں جناب! حافظ ابن حجر نے تردید کی ہے یا تائید؟ ہاں آپ کے مذہب کا بے شک رد ہوگیا اور قرآنی مسئلہ ثابت۔ نیز اس سے اس حدیث کی طرف سے بھی جواب ہوگیا، جس پر آپ نے بایں الفاظ اعتراض کیا تھا:

قولہ: "بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں جو حدیث نقل کی ہے، اس میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے وضو کرنے کے بیان میں مسح کے متعلق یہ الفاظ ہیں: " مسح رأسه بيديه فأقبل بهما وأدبر بدأ بمقدم رأسه " یعنی سر کا مسح کیا دونوں ہاتھوں سے، پس آگے کو لائے اور پیچھے کو لے گئے اور سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا۔ اس میں بھی کہیں سارے سر کا لفظ نہیں۔" الخ (ص: أيضاً)

[1] دیکھیں: فتح الباري (۱/ ۲۹۰)

أقول: چونکہ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط اور من مانا کیا، اس لئے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو اعتراض کی جگہ بھی مل گئی، ورنہ صحیح ترجمہ کی رو سے ہرگز آپ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا، آپ نے ترجمہ ''سے'' کی جگہ ''کو'' لگا دیا اور یوں لکھا ''آگے کو لائے'' حالانکہ آگے خود ہی یہ بھی لکھ دیا کہ ''سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا۔''

کیوں جناب! جب اگلے حصہ سے شروع کیا تو آگے کو لانا کہاں سے ہوا؟ سنئے اور غور سے سنئے!

حدیث مذکور کافی و وافی طور سے ثبوت دیتی ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے:

''سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا، پس آگے سے لائے اور پیچھے کو لے گئے اور سر کی اگلی طرف سے شروع کیا۔''

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اس میں سارے سر کے مسح کا ذکر ہے۔ آگے سے لانا اور پیچھے کو لیجانا صاف بتلا رہا ہے کہ اس صورت میں تمام سر ہوگیا اور استیعاب ثابت ہوگیا۔ فافهم و تذكر!

بسی ہے جان و دل میں اس قدر الفت بخاری کی
نچھوڑیں گے اسے عشاق دم میں جب تلک دم ہے

اخبار اہل فقہ جلد سوم نمبر ۲، ۳:

پرچہ مذکور (مورخہ ۱۴/ ۲۱ اگست ۱۹۰۸ء) میں حسن میاں پھلواروی اپنے ایک طویل مضمون جو ''سماع وتواجد'' کی سرخی سے معنون ہے، لکھتے ہوئے امام بخاری کو بھی ڈھولک ڈھمک کے جرگہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں، فرماتے ہیں:

قوله: ''مطلق سماع وقوالوں پر لعن وطعن حقیقت میں امام بخاری ؒ کے دین و ایمان پر حملہ کرنا ہے کہ وہ قوالوں کی روایات لیتے ہیں اور ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔'' الخ (کالم ۲/ص ۱۱)

أقول: سبحان اللہ! کیا خوب؟ جناب والا! راوی حدیث جب ثقہ اور ثابت الاخذ والاداء ہو، تو حسب تصریح محدثین اس سے اخذ روایت جائز ہے، اسی بناء پر امام بخاری نے قوالوں ہی سے نہیں بلکہ شیعہ وقدریہ وغیرہ سے بھی روایات لی ہیں، تو کیا یہ سب ان کے پیشوا ہوگئے؟ ہرگز نہیں بلکہ کلام رسول جس ثقہ صادق شخص کے پاس سے بلا کم و کاست صحیح طور پر مل گیا، محدثین نے ان سے روایت لے لی۔ پس قطع نظر اخذ حدیث کے اگر ان رواۃ کے مذہب یا عقائد پر کلام کیا جائے تو محدثین کے دین و ایمان پر حملہ نہیں ہوسکتا۔ فتفکر!

ناظرین! ان معترضین کے محض امام بخاری پر ہی ہاتھ صاف کرنے سے عجیب حیرت ہوتی ہے کہ ان کو اس سے کیا نفع ہوتا ہے؟ دیکھئے! اڈیٹر اہل فقہ اسی جلد سوم (پرچہ نمبر ۳۰ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۰۹ء) میں لکھتے ہیں:

''امام بخاری کے پاس کسی مدرسہ کی کوئی سند تھی؟'' (کالم: ۱/ص ۷)

کیوں صاحب! آپ کو جامع صحیح بخاری کی ہر حدیثوں کے پیشتر امام بخاری کے شیوخ کی سندیں نظر نہیں آتیں

جن کو وہ سلسلہ وار رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں؟ کیا آپ نے اصول حدیث میں اجازت کی نو قسمیں نہیں پڑھیں جو محدثین تلامذہ کو دیتے تھے؟ کیا آپ نے اجازت کو محض کاغذ پر لکھی ہوئی سند (جیسے ان دنوں مدرسوں سے دی جاتی ہے) پر منحصر سمجھا ہے؟ یہ آپ کی غلط فہمی وقصور مطالعہ ہے، اصول حدیث میں اجازت کی قسمیں دیکھئے، خود ہی آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ امام بخاری کو کس کی اجازت (یا سند) حاصل تھی۔ ؎

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اہل فقہ نمبر ۸ ج ۳:

۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کے پرچہ میں امرتسر کے ڈاکٹر حکیم غلام رسول صاحب بذیل سرخی " الحق مر " پھر یوں رقم طراز ہیں:

قوله: ''بخاری رحمہ اللہ کو حدیث شریف میں مجتہدانہ دخل تھا تو ضرور ہے کہ حدیث مذکورہ بالا کی انہوں نے فقہ بیان فرمائی ہو۔ (کالم ۳/ ص ٤)

أقول: محدث مجتہد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام حدیثوں کی فقہ ہی بیان کیا کرے، بلکہ جس حدیث سے کوئی مسئلہ استنباط کرنا ہوتا ہے، وہاں اس کی فقہ ضرور بیان کی جاتی ہے، یہ کام تو شراح حدیث کا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے، جو صحیح بخاری کے خدام سے ہیں، فتح الباری میں حدیث مذکور کی فقہ بیان کر دی ہے، تیرھواں پارہ اور تیسواں پارہ ملاحظہ ہو، آگے چلئے!

قوله: اگر آپ لوگ بخاری رحمہ اللہ کو ناقل محض سمجھتے ہیں، تو یہ درست نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع '' اس حدیث کی رو سے اگر کوئی بلا تحقیق کسی حدیث کی روایت کرے تو اس پر خطاب کذب جاری ہوگا۔ الخ (ص: أيضاً)

أقول: یہ تو فرمایئے کہ تحقیق سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اگر فقہی تحقیق مراد ہے، تو سب حدیثیں " كفىٰ بالمرء"[1] کی مصداق ہیں اور سب جھوٹی ہیں، کیونکہ حدیث کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے، ہر ہر حدیث کے ہر ہر جملہ کی فقہی تحقیق کسی میں بھی موجود نہیں، لہٰذا دنیا میں بقول آپ کے حدیث کا وجود پایا ہی نہیں جا سکتا، حتی کہ ''كفىٰ بالمرء'' الخ والی حدیث بھی اپنے مضمون کی مصداق یعنی جھوٹی ہوگی، لہٰذا کلام نبی کا تو یوں آپ نے خاتمہ کر دیا اور تحقیق سے مراد اگر تحقیق صحت وسقم ہے، تو اس امر میں حدیث کی کوئی کتاب صحیح بخاری سے لگا نہیں کھاتی، جامع صحیح بخاری اس تحقیق کی رو سے صحت میں سب سے اعلیٰ ہے۔ پس نقل محض سے کذب کیونکر لازم آیا؟ ع۔

[1] صحيح مسلم: المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، برقم (٥)

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ تم سمجھے تو کیا سمجھے

قوله: آگے دوسری روایت (حدیث افک) کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم بخاری کی اس حدیث کونہیں مانتے کہ حضرت علی ♦ بھی مسلمین افک میں سے تھے (الی قولہ) یہ اعتقاد خلافِ اسلام ہے۔ملخصاً (کالم ۱ / ص ۵)

أقول: اچھا تو آپ بسند صحیح یہ ثابت کر دیں کہ حضرت علی ♦ حضرت عائشہ □ کے طرفداروں میں تھے اور صدیقہ کی براءت کرتے تھے۔ نیز یہ بھی بتلا دیں کہ حضرت عائشہ کو حضرت علی سے دشمنی کیوں تھی؟ جنگ جمل کیوں ہوئی؟ حضرت عائشہ □ کسی ایسے واقعہ میں جس میں حضرت علی شریک رہتے، حضرت علی کا نام کیوں نہیں لیتیں؟ پھر اس امر کو کتب عقائد سے ثابت کیجئے کہ حضرت علی کے متعلق، جو بخاری شریف میں مذکور ہے، اس پر اعتقاد رکھنا اہل سنت کے خلاف ہے۔ ودونه خرط القتاد!

آگے آپ نے پھر بندروں کے رجم کے واقعہ کو چھیڑا ہے اور چند خدشات بایں الفاظ پیش کئے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

قوله: فرماتے ہیں:

۱۔ بندروں کی امت میں بھی محرمات وقتی ومحرمات ابدی کی وجہ سے نکاح وطلاق جاری ہے؟

۲۔ صحابی مذکور بندروں کی زبان سے واقف تھا؟

۳۔ انہیں رجم کرنے کی یہ عادت قدیم سے جاری تھی؟

۴۔ بندریا کو رجم کیا گیا تو بندر سے کیا سلوک کیا گیا؟ حدیث میں تو سب الفاظ مونث کے وارد ہیں!

(کالم ۲،۳ / ص: ایضاً)

أقول: اب جواب بھی نمبر وار ملاحظہ ہو:

۱۔ وہ بندر حقیقت میں جن تھے، بندر نہ تھے، ہاں بندروں کی شکل میں تھے، کیونکہ جن اشکال مختلفہ میں متشکل ہو سکتے ہیں، دیکھئے عینی (۸/ ٤٩): ''كانوا من الجن''۔ اور جنات میں بالاتفاق نکاح وطلاق جاری ہے، کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ جنات بھی انسان کی طرح مکلّف بالشرع ہیں۔

۲۔ عمرو بن میمون صحابی [1] ان کی زبان قال تو بے شک نہیں جانتے تھے، ہاں البتہ زبان حال سے واقف تھے، کیونکہ ان کا اجتماع اور رجم وغیرہ یہ سب انسان کو سمجھنے کے لیے کافی قرینہ ہے۔

۳۔ جنات چونکہ قدیم سے مکلّف بالشرع ہیں، اس لیے رجم کا حکم جو پیشتر سے تورات میں مذکور ہے (اور جسے آپ نے

---

[1] عمرو بن میمون تابعی تھے۔ دیکھیں: تقریب التهذیب (ص: ٤٢٧)

بھی آگے لکھا ہے) اس کے مکلّف جنات بھی ہیں، اس لئے ان کی متشرع جماعت میں بے شک جاری ہوگی۔

۴۔ بندریا اور بندر دونوں کو رجم کیا گیا، کیونکہ " قردة "کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ [البقرة: ٦٥] اور حدیث میں مؤنث کے جو الفاظ وارد ہیں، وہ لفظ " قردة " کے اعتبار سے ہیں، کیونکہ بظاہر اس میں تاء تانیث موجود ہے، لیکن قرآن مجید میں " قردة "کی صفت " خاسئين " مذکر آئی ہے۔ فافهم !

ہاں قرآن مجید میں جو دفن غراب کا واقعہ مذکور ہے، اس کی بابت معترض صاحب موصوف یہ فرماتے ہیں:

''پہلے دفن کرنے کا وجود ہی نہ تھا، اس کو تا قیام قیامت جاری رکھنا منظور تھا، رجم کا حکم پہلے تورات میں آچکا تھا اور اس پر عمل بھی جاری تھا۔'' (ص: أيضاً)

سبحان اللہ! دفن گو یا سنت غرابی ہوئی! چہ خوش جناب والا! ممثل اور ممثل لہ میں من کل الوجوہ مطابقت شرط نہیں ہے، بندر کے واقعہ کی مثال میں جو کوا والا واقعہ پیش کیا جاتا ہے، اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ جس طرح کوے سے ایک خلاف شان واقعہ ظہور پذیر ہوا اور قابیل کے لیے وہ باعث نصیحت بنا، اسی طرح بندروں سے بھی ایک خلاف دستور قصہ طشت از بام ہوا اور صحابی مذکور کے لیے سبب عبرت بنا، گو پیشتر سے دفن کا رواج نہ تھا اور رجم کا حکم تورات میں آچکا تھا، یہ مابہ النزاع سے علیحدہ امر ہے۔ کہئے! سمجھ گئے؟

آپ کے جواب سے چھٹی ہوئی تو اڈیٹر اہل فقہ کے اس نوٹ کی طرف توجہ کرتا ہوں، جو انہوں نے آپ کے مضمون کے ضمن میں ارقام فرمایا ہے، ناظرین! ذرا اڈیٹر صاحب کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''امام بخاری کی تاریخ وفات (۲۵۶) بھی تو لفظ بندر ہے۔'' (حواله مذكوره)

یہ تحریریں اس مذہب کے لوگوں کی ہیں، جو بار بار لکھتے ہیں کہ ہم امام بخاری کی توہین نہیں کرتے۔ اب ذرا انصاف سے فرمائیے کہ اس سے زیادہ اور توہین کیا ہوگی؟ اسی کے جواب میں جب مصنف " الجرح على أبي حنيفه'' نے امام ابوحنیفہ کی تاریخ ''سگ (۸۰)'' لکھی، تو ان حضرات نے اس قدر شور مچایا کہ آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس کا الزام خواہ مخواہ میرے سر دھرا اور اپنی کرتوت پر سے نظر ہی اٹھا لی۔ آہ! کیا ہی سچ ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

خاتمہ

ناظرین! اخبار اہل فقہ امرتسر یہاں تک امام بخاری کی شان والاشان میں گستاخانہ مضامین لکھ کر چونکہ بند ہوگیا تھا، لہٰذا ہم نے بھی ان مضامین کے جوابات یہاں تک پورے کر کے رسالہ ہٰذا کے حصہ دوم کو تمام کر دیا۔ پھر جب اخبار اہل فقہ جاری ہوا تو اس نے حسب دستور امام بخاری کی شان مقدس میں زہر اگلنے شروع کئے، ان کے جوابات کے لئے حصہ سوم کا مطالعہ کیجئے، جو اسی کے ساتھ ملحق ہے اور دعا کیجئے کہ خدا ان منہ پھٹ معترضوں کو ہدایت نصیب کرے!

مانگا کریں گے دعا اب سے ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

وهذا آخر ما أردنا إيراده، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات الباقيات، والصلوة والسلام على محمد واله وأصحابه أولي الفضائل والكرامات، مادامت الأرض والسماوات، بالكرات والمرات ـ

حصہ دوم تمام شد ۱۳۳۲ھ

&

حل مشکلات بخاری (حصہ سوم)

جواب

کتاب الجرح علی البخاری (حصہ دوم)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

خدا در انتظار حمد ما نیست محمد چشم بر راہ ثنا نیست
محمد حامد حمد خدا بس خدا مدح آفریں مصطفیٰ بس ❶

وصلى الله على محمد، وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وسائر أتباعه وسلم أجمعين إلى يوم الدين.

حمد ونعت کے بعد واضح ہو کہ محض خداوند جل وعلا کی توفیق سے حل مشکلات بخاری کے دو حصے تمام ہو چکے اور رسالہ " الجرح على البخاری" حصہ اول مع دیگر مضامین کے جواب باصواب سے فراغت حاصل ہوئی۔ لگے ہاتھ اس تیسرے حصہ میں مولوی عمر کریم و دیگر نامہ نگاران اخبار اہل فقہ کے ان مضامین کا جواب درج کیا جاتا ہے، جو وقتاً فوقتاً اخبار اہل فقہ میں رسالہ " الجرح على البخاری " حصہ اول کی اشاعت کے بعد شائع ہوتے رہے اور خاکسار نے ان کے جوابات فی الفور بذریعہ اخبار گہر بار ''اہل حدیث'' امرتسر دیے جو مقبول عام ہوئے، اپنے بہی خواہوں کے مزید اصرار پر ان کو بھی بصورت رسالہ جمع کر کے حل مشکلات بخاری کا حصہ سوم قرار دیا، تاکہ ناظرین ہر ایک سے یکساں مجموعی فائدہ حاصل کرتے رہیں اور خاکسار کے حق میں دعاءِ خیر کریں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ سے امید ہے کہ اس رسالہ کو تاقیامت مقبول ہر خاص و عام کرے اور بروز قیامت رسول اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے امام بخاری رحمہ اللہ کے زمرہ مبارکہ میں ہم سب کو جمع کرے، اور ان رسائل وکتب کی بدولت جو خاکسار نے صحیح بخاری کی مدافعت میں لکھی ہیں، ہمارے تمام قصور وخطا کو معاف و درگزر کرے۔ آمین۔

قدسی ندانم چوں شود سودائے بازار جزا
اونقد آمرزش بہ کف من جنس عصیاں در بغل ❷

❶ خدا ہماری حمد کے انتظار میں ہے، نہ محمد (ﷺ) ہماری تعریف کے چشم براہ، محمد صرف خدا کی تعریف کے لیے ہے اور خدا مصطفیٰ کا مدح آفریں۔

❷ جب اس کی جزا کا بازار لگے تو میں بھی بغل میں نافرمانی دبائے اس کی نقد بخشش حاصل کرلوں۔

نمبرا:

مدت کے بعد اخبار ''اہل فقہ'' امرتسر (۷ اگست ۱۹۱۱ء) نظر سے گزرا، جس میں ہمارے قدیم کرم فرما ڈاکٹر عمر کریم کا ایک مضمون '' اَصح الکتب اور غلطیاں '' کی سرخی سے طبع ہوا ہے اور صحیح بخاری کی چار غلطیاں درج کی گئی ہیں۔ گو ذی علم کی نظر میں ایک مسلّم صحیح کتاب کی بابت ایسا مضمون سوائے ژاژ خیالی کے اور کوئی وقعت نہیں رکھتا، لیکن عوام کی غلط فہمی دفع کرنے کے لئے میں اس کی بابت کچھ عرض کرتا ہوں، جس سے صحیح بخاری کا جامع کمالات و مبرّا عن الاغلاط والالزامات ہونا بخوبی ظاہر ہوجائے گا۔ گو میں صحیح بخاری کی مدافعت میں کئی رسائل اور کتابیں لکھ چکا ہوں، لیکن بالفعل نئے مضمون کے شائع ہونے سے خیال ہوا کہ فوراً اس کا جواب اپنے مذہبی آرگن پرچہ ''اہل حدیث'' کی وساطت سے شائع کر دینا چاہیے، جس میں معترض کا ناقص العلم اور تعصب سے شرابور ہونے کا ثبوت طشت از بام ہوجائے،۔آپ فرماتے ہیں:

قوله: غلطی اول: بخاری (مطبوعہ احمدی: ۱۳۲) " باب فضل العمل في أيام التشريق " میں یہ آیت قرآنی لکھی ہوئی ہے:" واذكر الله في أيام معلومات " بخاری کے نسخہ میں روات نے اس کو تین طرح سے روایت کیا ہے، روایت کریمہ اور ابن شبویہ میں ہے: "واذكرالله في أيام معلومات" اور روایت مستملی اور حموی میں " ويذكر الله في أيام معلومات" ہے، اور جو روایت ابوذر نے کشمیھنی سے کی ہے، اس میں " ويذكر الله في أيام معلومات" ہے۔مگر افسوس کے یہ تینوں غلط اور ان تینوں میں سے کوئی بھی قرآن کی آیت نہیں ہے، بلکہ یہ آیت جو سورہ حج میں واقع ہے، یوں ہے: ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ﴾ بعض شارح نے امام بخاری کو اس فاش غلطی سے بچانے کے لیے کہہ دیا کہ یہ قرآنی آیت نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عباس ♦ کا قول ہے، لیکن سیاق وسباق سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآنی آیت ہے نہ کہ حضرت ابن عباس ♦ کا قول۔''

(الجرح، حصہ دوم: ۳)

أقول: جواب نمبرا: اولاً تو آپ نے ہرسہ نقلوں میں (جن تینوں کو آپ نے غلط بتایا ہے) خود غلطی کی ہے، آپ کریمہ وابن شبویہ کی روایت نقل کرتے ہیں:" واذكر الله في أيام معلومات " امر بصیغہ واحد، حالانکہ کریمہ و ابن شبویہ کی صحیح روایت " واذكروا "جمع سے ہے، علیٰ ہذا القیاس مستملی وحموی کی روایت آپ بصیغہ واحد " ويذكر الله " الخ نقل کرتے ہیں، حالانکہ ان کی صحیح روایت " ويذكروا الله " مضارع بصیغہ جمع ہے، اور بجائے "معلومات " کے لفظ " معدودات " ہے۔ چنانچہ آپ کے عینی نے خود ان ہر دو روایات کو یوں ہی نقل کیا ہے۔ [1]

[1] عمدة القاري (٦/٢٨٩) نیز دیکھیں: فتح الباري (٢/ ٤٥٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

تیسری روایت ابوذر کی کشمیھنی سے " ویذکر اللّٰہ في أیام معلومات " یہ بالکل غلط ہے، اور دراصل اس میں خود علامہ عینی سے غلطی ہوئی ہے۔ ابوذر کی روایت جو کشمیھنی سے ہے وہ سورہ حج کی آیت کے موافق ہے، یعنی ﴿وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ [الحج: ٢٨] فتح الباری میں ہے:

"ویذکروا اسم اللّٰہ في أیام معلومات کذا لأبي ذر عن الکشمیھني" انتھی

(ملاحظہ ہو "فتح الباری، مطبوعہ بولاق مصر :٢/ ٣٨١ و مطبوعہ انصاری پارہ ٤ / ٥٢٤) ❷

علامہ قسطلاّني (بتشدید اللام) إرشاد الساری میں فرماتے ہیں:

"في فرع الیونینیة مما رقم له بعلامة أبي ذر عن الکشمیھني: ویذکروا اسم اللّٰہ في أیام معلومات باللام، وھذا موافق لما في الحج" (٢/ ٢٠٦)

اس کا ترجمہ شیخ الاسلام میں یوں ہے

" درنسخہ فرع یونینی کہ بہ علامت ابوذر از کشمیھنی:" ویذکروا اسم اللّٰہ في أیام معلومات است"

(بر حاشیہ تیسیر القاري: ٢/٢٩٨)

پس ہر سہ روایات غلط و مخالف نہ ٹھہریں بلکہ ایک بالکل موافق ہے۔ باقی رہیں اوپر والی دو، تو ان کا مفہوم بھی ہرگز قرآن کے مخالف نہیں ہے اور بہرصورت وہ ابن عباس ہی کا قول ہے، کیونکہ اس کے پہلے بالتصریح "قال ابن عباس " کا جملہ موجود ہے۔ آپ کو اس کے سابق میں اس صریح جملہ کے رہتے ہوئے کیونکر معلوم ہوا کہ" سیاق و سباق سے یہ صاف ثابت ہورہا ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے نہ کہ حضرت ابن عباس کا قول؟" اگر ابن عباس کا قول نہیں ہے، تو "قال ابن عباس" کا کیا معنی ہے؟ حالانکہ امام بخاری کا جنرل رول (عام قاعدہ) یہ ہے کہ جب قرآن کی آیت نقل کرتے ہیں تو " قول اللّٰہ" یا "قال اللّٰہ " یا اس کے ہم مثل جملہ لاتے ہیں۔ چنانچہ اس سے دو ورق پہلے الٹ کر اسی صحیح بخاری میں دیکھیں، فرماتے ہیں:

" أبواب صلوة الخوف، وقال اللّٰہ عزوجل: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ الخ

اس کے قبل کتاب الجمعة میں فرماتے ہیں:

" باب فرض الجمعة لقول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ الخ

علی ہذا القیاس تمام بخاری میں آپ جہاں قرآن کی آیت دیکھیں گے، اس کے قبل آپ کو قرآنی آیت پر

---

❷ فتح الباري (٢/ ٤٥٨)

دلالت کرنے والے صریح الفاظ ملیں گے اور یہاں سابق میں جب " قال ابن عباس "کا لفظ موجود ہے، تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ سیاق وسباق کے مخالف ہے؟

چنانچہ آپ کے عینی صاف لکھتے ہیں:

" الحاصل من ذلك أن ابن عباس لا يريد به لفظ القرآن ." انتهى (٣/ ٣٧٩)

اب آیئے میں آپ کو صحیح بخاری میں ابن عباس کا قول آیتِ قرآن کے موافق دکھلا دوں، مطبع بولاق مصر میں جو فتح الباری، ۱۳۰۰ ہجری میں طبع ہوئی ہے، اس کے حاشیہ پر جو صحیح بخاری ہے، اس میں یوں مرقوم ہے:

" باب فضل العمل في أيام التشريق، وقال ابن عباس: ويذكرو اسم الله في أيام معلومات: أيام العشر " الخ (٢/ ٣٨١)

لیجئے اب تو آپ کا اعتراض هباء منثورا ہوگیا ہے؟ یہ ہے صحیح بخاری کا کمال!! ولنعم ما قيل: ؎

خطاؤں سے مبرّا ہے بھری ہے رشد و حکمت سے

جو دانائی میں لقمان ہے تو عصمت میں یہ مریم ہے

قوله: آگے فرماتے ہیں:

"غلطی دوم: بخاری (مطبوعہ احمدی صفحہ ۷۸) " باب فضل صلوة العصر " کی حدیث اول میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ، حالانکہ آیت قرآنی "فسبح" نہیں ہے، بلکہ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ الخ ہے اور یہ آیت سورۂ ق میں ہے۔ علامہ عینی نے اس غلطی کی گرفت کی ہے اور یہ لکھتے ہیں: " وسبح بالواو لا بالفاء " یعنی "وسبح" واؤ کے ساتھ ہے نہ فا کے ساتھ۔ الخ (الجرح : ۲/ ایضاً)

أقول: جواب نمبر۲: افسوس یہ بھی آپ کو مفید نہیں کیونکہ امام بخاری کی یہاں کوئی غلطی نہیں ہے، اس لئے کہ امام نے آیت کو اپنے کسی دعویٰ واجتہاد کی دلیل میں نہیں پیش کیا بلکہ وہ حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو جریر صحابی نے قیس سے روایت بیان کرتے وقت حدیث کی تائید میں پڑھا ہے، جس پر "قرأ" کا لفظ دلالت کرتا ہے،[1] اور قرآن مجید چونکہ صحابہ کی زبان (عربی) میں نازل ہوا اور وہ بھی سات حرفوں پر، لہٰذا اہل زبان (صحابہ) کو وسعت تھی کہ جس طرح مناسب سمجھیں پڑھیں، سات حرفوں کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ في نفسها کلمہ کا اختلاف زیادتی ونقصان کے ساتھ جیسے " ننشزها" اور " وننشزها "اور " سارعوا "کو

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٥٢٩)

"وسارعوا" پڑھیں۔

۲۔ اختلاف تذکیر و تانیث، جیسے "یکن" کو "تکن"

۳۔ جمع و واحد کے ساتھ تفسیر، جیسے "کتبہ" اور "کتابہ"

۴۔ اختلاف تصریفی جیسے تشدید و تخفیف "یکذبون و یکذّبون" میں۔

۵۔ اختلاف اعرابی جیسے "ذوالعرش المجید" بکسر الدال اور "المجید" برفع الدال۔

۶۔ اختلاف حروف جیسے "فسبح" اور "سبح"

۷۔ اختلاف لغات جیسے تفخیم و اِمالات وغیرہ (مرقات: ۲/ ۶۲۰)

پس جریر صحابی کو اختیار تھا کہ "وسبح" کو باجازت نمبر (۶) "فسبح" پڑھیں، چنانچہ انہوں نے پڑھا، اسی کو رواۃ نے امام بخاری تک نقل کیا ہے اور امام نے اسی کو اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ اس سے تو ان کی روایات کے غایت درجہ محفوظ ہونے کا ثبوت ملتا ہے، جس سے صحیح بخاری کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ ہاں مصحف عثمانی میں "وسبح" ہے، جو زیر تلاوت ہے۔ اس سے امام بخاری کی صحیح پر کوئی اعتراض نہیں، آپ کا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ" علامہ عینی نے اس غلطی کی گرفت کی" انہوں نے گرفت نہیں کی، بلکہ یہ بتلایا ہے کہ موجودہ قرآن میں تلاوت "وسبح" کے ساتھ ہے۔ چنانچہ آپ نے نقل عبارت میں عمداً حسب عادت سرقہ کیا ہے، عینی کی اصل عبارت یہ ہے:

"التلاوة: وسبح بالواو لا بالفاء." (۲/ ۵۵۰) "یعنی مروج التلاوت قرآن میں "وسبح" ہے۔"

جو بالکل صحیح ہے، نہ یہ کہ بخاری سے غلطی ہوئی۔ چنانچہ فن تفسیر میں دخل رکھنے والوں پر یہ امر خوب ظاہر ہے۔ خود علامہ سیوطی جلالین میں مروج التلاوت الفاظ سے متغیر الفاظ بعض جگہ نقل کرتے ہیں۔ علاوہ بریں "فسبح" کی یہ روایت ہروی وابی الوقت واصیلی وابن عساکر کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: إرشاد الساري: ۱/ ٤٨٤)

باقی روایت میں "وسبح" قرآن مجید کے موافق ہے۔ (ملاحظہ ہو: تیسیر القاري و شیخ الاسلام وغیرہ)

چنانچہ جو بخاری مصر میں فتح الباری کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے، اس میں "وسبح" کا لفظ ہے۔ (ملاحظہ ہو: ۲/ ۲۸)

پس آپ کا یہ اعتراض بھی محض ژولیدہ زبانی کا نتیجہ تھا، جس سے صحیح بخاری کا بھی مزید کمال ظاہر ہوگیا اور کیوں نہ ہو! اس لئے کہ۔

حدیثوں میں بخاری کی عجب شان معظم ہے
کتاب حق مقدم اس سے یہ سب سے مقدم ہے

قوله: آگے فرماتے ہیں:

غلطی سوم: لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع، ویذکر عن سالم عن ابن عمر عن

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

النبي مثله (بخاري مطبوعه أحمدی: ١٩٥) اس حدیث پر صاحب تلویح کا اعتراض جس کو علامہ عینی نے عینی (۴/۳۵۳) میں نقل کیا ہے: وقال صاحب التلويح: كيف ساغ للبخاري أن يعلق هذا الحديث ممرضا وهو نقض لما يقول المحدثون.

یعنی برخلاف دیگر محدثین کے بخاری نے کیونکر اس حدیث کو ممرض بنا دیا؟ (الجرح: ٢/ ٤)

أقول: جواب نمبر۳: قبل اس کے کہ میں اس کا جواب دوں، ایک ضروری امر کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ مولوی عمر کریم نے اپنی کتاب " الجرح على البخاري" (حصه اول: ص ٥٨، ١٨) میں ایک سرخی مقرر کی ہے: ''کتاب بخاری میں رسول اللہ کی توہین'' اور چار حوالے پیش کئے ہیں کہ:

''بخاری میں ہے: " باب قول الرجل للرجل " الخ اس میں پہلے رجل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، لیکن امام بخاری نے ان کو رسول اللہ ﷺ نہیں لکھا بلکہ عام لوگوں میں داخل کر دیا۔''

حالانکہ الفاظِ باب میں محدث کی مراد عام ہوتی ہے اور رجل کا مصداق اس کا کل فرد ہے نہ خاص، جیسا کہ اس کا مفصل جواب اس کتاب کے جواب میں دیا گیا ہے، لیکن یہاں خود معترض صاحب نے صحیح بخاری سے "صلی اللہ علیہ وسلم" اڑا کر " عن النبي مثله " کہنے پر اکتفا کیا ہے، اور نیز سرخی کتاب میں رسول اللہ کے بعد "صلی اللہ علیہ وسلم" نہیں لکھا، کہئے نبی اور رسول اللہ کا خاص لفظ لا کر اور پھر درود نہ بھیجنا آپ کی کتنی بڑی توہین ہے؟ اب پڑھئے: میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

اب سنئے اپنے لایعنی اعتراض کا جواب! واضح ہو کہ محدث جو باب باندھتا ہے، اس کے الفاظ اگر کسی حدیث کے الفاظ سے بعینہ مل جائیں تو اس باب پر تعلیق کا اعتراض صحیح نہیں ہے، خصوصاً جب اس کے آگے سند موجود ہو، گو امام بخاری کا قاعدہ ہے کہ ان کے باب اکثر حدیث کے ٹکڑے ہوتے ہیں لیکن ان حدیثوں کی کہ جن کی سند امام کے نزدیک صحیح ثابت نہ ہو، چنانچہ یہ باب جس حدیث کا ٹکڑا ہے، وہ ترمذی وغیرہ میں ہے۔[1] اس کی سند میں سفیان بن حسین، امام زہری سے روایت لینے میں ضعیف ہے۔[2] (ملاحظہ ہو: فتح الباری، پارہ ٢ ص: ٣٤)

لیکن امام نے اس کا ایک موصول شاہد حدیث انس کی رو سے ترجمہ باب کے بعد ذکر کر دیا ہے اور پھر اس روایت کی صحیح سند بھی بیان کر دی ہے۔ لہٰذا اب تعلیق کہاں رہی؟

صاحب تلویح کا اعتراض بالکل بے معنی ہے اور وہ کوئی فن حدیث کا امام نہیں، علامہ عینی نے تو اس کے قول

[1] سنن الترمذي، برقم (٦٢١)

[2] فتح الباري (٣/ ٣١٤)

کو جواب دینے کے لیے نقل کیا ہے، لیکن آپ نے ضد کی وجہ سے صرف اعتراض نقل کر دیا ہے۔ آگے علامہ عینی کا جواب ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لیا! غور سے دیکھئے، علامہ عینی آگے خود آپ کے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں:

" قلت: لا اعتراض عليه في ذلك، فإنه لا يلزم من تحسين الترمذي إياه أن يكون حسنا عنده " (٤/ ٣٥٣) لیجئے! ع۔

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

یہ بھی صحیح بخاری کا کمال ہے اور کیوں نہ ہو۔

ہے درجہ دوسرا اس کا کتاب اللہ باری سے
تو باری باری سے اس سے فیض اٹھائے جس کا جی چاہے

قوله: آگے فرماتے ہیں:

غلطی چہارم: حدثنا أبوعبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي قال: حدثنا موسىٰ بن إسماعيل قال: حدثنا أبو عوانة عن حسين عن أبي وائل قال: حدثني مسروق بن أجدع قال: حدثني أم رومان وهي أم عائشة قالت...الخ

(بخاری مطبوعه أحمدي: ٢/ ٥٩٦، باب حديث الإفك)

اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ مسروق کا سماع ام رومان سے ثابت نہیں ہے، اس واسطے کہ ام رومان کا انتقال زمانہ رسول اللہ ﷺ میں ہو چکا تھا اور مسروق کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ یمن میں تھے اور زمانہ رسول اللہ ﷺ میں نہیں آئے بلکہ بعد انتقال رسول اللہ زمانہ خلافت حضرت ابوبکر یا حضرت عمر میں یمن سے آئے تھے۔ پس ایسی حالت میں مسروق یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ: " حدثني أم رومان" چنانچہ علامہ عینی نے اس اعتراض کو کتاب عینی (جلد ۸/ ۲۷۵) میں جو لکھا ہے ہم اس کو بجنسہ نقل کرتے ہیں "(إلى) استشكله الخطيب " الخ (الجرح: ٢/ ٤)

أقول: جواب نمبر۴: افسوس یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اعتراض نقل کر کے اس کے آگے جو اس کا جواب مذکور ہو اس کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور ناظرین کی آنکھ میں مٹی ڈال دی جائے؟ اے مہربان ! علامہ عینی نے خطیب کا قول جواب دینے کے لیے نقل کیا ہے کہ خطیب جو کہتے ہیں کہ ام رومان کا انتقال آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوا ہے اور مسروق کو ان سے سماع حاصل نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ورد على الخطيب ومن تبعه بوجهين: الأول: أن مستندهم في تاريخ وفات أم رومان عن

الواقدي، فلا يضر ذلك الإسناد الصحيح، الثاني: ذكر أبو نعيم الأصبهاني أن أم رومان عاشت بعد النبي ﷺ، ويؤيد هذا ما تقدم في علامات النبوة من حديث عبد الرحمن بن أبي بكر في قصة أضياف أبي بكر ...إلى قوله: وفي كتاب الأدب عند البخاري: فلما جاء أبوبكر، قالت له أمي: احتبست عن أضيافك، الحديث، فهذا يدل على أن وفات أم رومان تأخرت إلي زمن بعد النبي ﷺ ." [1] انتهى (٨/ ٢٧٥)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ام رومان کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوا ہے، پس مسروق کے سماع میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وقد جزم إبراهيم الحربي بأن مسروقا سمع من أم رومان، وله خمس عشرة سنة، فيكون سماعه في خلافة عمر رضي اللہ عنه، لأن مولد مسروق كان في سنة الهجرة، و كذا قال أبو نعيم الأصبهاني: عاشت أم رومان بعد النبي ﷺ ." انتهى (إرشاد الساري: ٦/ ٣٣١) [2]

"یعنی ام رومان کا انتقال آنحضرت ﷺ کے بعد ہوا ہے اور مسروق نے ان سے پندرہ برس کی عمر میں حضرت عمر کی خلافت کے وقت میں سنا ہے۔"

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ (جو ان کی روایت نقل کرتے ہیں) اپنی تاریخ صغیر میں خود فرماتے ہیں کہ ام رومان کی وفات زمانہ نبی ﷺ میں محل نظر ہے:

حيث قال: "وفيه نظر، و حديث مسروق أسند ." [3] انتهى (مطبوعه إله آباد: ٢١)

جس کو حافظ ابن حجر فتح الباری میں بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"وذكر الزبير بن بكار بسند منقطع فيه ضعف: أن أم رومان ماتت سنة ست في ذي الحجة، وقد أشار البخاري إلى رد ذلك في تاريخه الأوسط والصغير، فقال بعد أن ذكر أم رومان في فصل من مات في خلافة عثمان: روى علي بن يزيد عن القاسم قال: ماتت أم رومان في زمن النبي ﷺ، قال البخاري: وفيه نظر، وحديث مسروق أسند، أي أقوى إسنادا وأبين اتصالا. انتهى، وقد جزم إبراهيم الحربي بأن مسروقا سمع من أم رومان، وله خمس عشرة سنة، فعلى هذا يكون سماعه منها في خلافة عمر، لأن مولد المسروق كان فی سنة الهجرة، ولهذا قال أبو نعيم الأصبهاني: عاشت أم رومان بعد النبي ﷺ ." انتهى [4] (پاره ١٦/ ٨١)

---

[1] عمدة القاري (١٧/ ٢١١) نیز دیکھیں: فتح الباري (٤٣٨/٧)

[2] نیز دیکھیں: فتح الباري (٤٣٨/٧)

[3] التاريخ الصغير (١/ ٣٨)

[4] فتح الباري (٧/ ٤٣٨)

''یعنی ام رومان کے زمانہ آنحضرت ♏ میں انتقال کی سند ضعیف ہے، امام بخاری نے اپنی تاریخ اوسط وصغیر میں اس کا رد کیا ہے اور ابراہیم حربی نے لکھا ہے کہ مسروق نے پندرہ سال کی عمر میں بزمانہ خلافت عمر ♦ ام رومان سے حدیثیں سنی ہیں اور نعیم اصبہانی نے تصریح کر دی ہے کہ ام رومان آنحضرت ♏ کے بعد تک زندہ رہیں۔''

اور یہی حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

"والصحيح أن أم رومان عاشت بعد النبي ﷺ، ورواية مسروق عنها مصرح فيها بالسماع، منها في صحيح البخاري وليست بخطأ" . انتهى ❶ (ص: ٣٤٤)

علیٰ ہذا القیاس تہذیب التہذیب جلد دوازدہم میں بھی ہے۔ ❷ اور سیوطی نے جامع الأصول میں کہا ہے کہ ام رومان آنحضرت ♏ کے بعد ایک زمانہ دراز تک زندہ رہی ہیں۔ اور تیسیر القاری میں ہے:

'' و جزم کردہ است ابراہیم الحربی بسماع مسروق ام رومان را و گفتہ وے دریں وقت سماع پانزدہ سالہ بود و ایں درزمان خلافت عمر ♦ خواہد بود ازانکہ تولد او درسنہ اول از ہجرت ست ابونعیم اصفہانی گفتہ ام رومان بعد از وفات آں حضرت ♏ زندہ بود، سیوطی گفتہ ام رومان زمانہ دراز از بعد آنحضرت ♏ در قید حیات بودہ است.'' انتھی (٤/ ٩٥)

ان سب مرقومہ بالا عبارات سے صاف ثابت ہوگیا کہ ام رومان کا آنحضرت ♏ کے زمانہ میں انتقال نہیں ہوا بلکہ ایک زمانہ کے بعد، اور مسروق کو ان سے سماع حاصل ہے۔ وهو المطلوب!

پس آپ کا اعتراض آپ کو بیرنگ واپس کیا جاتا ہے۔ دیکھا جناب! یہ ہے جامع صحیح بخاری کا کمال! اور کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ۔ ؎

تنقید روایات میں اس وقت سے اب تک
تسلیم ہے سب کو ید طولائے بخاری

نمبر۲:

اہل فقہ (۲۱ اگست ۱۹۱۱ء) میں پھر مولوی عمر کریم کا ایک مضمون طبع ہوا کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث موضوع ہے، جو کہ عبداللہ بن عمر ♦ سے مروی ہے:

"قال: صلى بنا النبيﷺ العشاء في آخر حياته، فلما سلم، قام، فقال: أرأيتم ليلتكم هذه فإن رأس مائه سنة منها، لا يبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد." (بخارى: ٢٢)

❶ تقريب التهذيب (ص: ٧٥٦)

❷ تهذيب التهذيب (١٢/ ٤٩٤)

''یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین کی پشت پر جو لوگ ہیں، وہ سو برس کے بعد نہ رہیں گے۔ مطلب بالکل صاف ہے کہ موجودہ لوگوں کے عدمِ بقاء کی خبر ہے، لیکن آپ نے کیا سمجھا کہ سو برس کے بعد کوئی باقی ہی نہیں رہے گا (بلکہ قیامت قائم ہوجائے گی) حالانکہ تیرہ سو برس گزر گئے، زمین بہ نسبت سابق کے زیادہ آباد ہے، پس وہ حدیث بداہت کے خلاف ہے۔ لہٰذا موضوع! (الجرح ۲/ ٦، ۷)

أقول: سبحان اللہ! کیا ہی موضوعیت کی دلیل ہے؟ خیریت سے خود مطلب نہیں سمجھے، پھر اس پر تحکم یہ کہ حدیث پر موضوع کا حکم لگا دیا!! اسی کو کہتے ہیں: بناء فاسد علی الفاسد!

بھلا کوئی پوچھے کہ آپ یہ موضوعیت کا حکم لگانے والے کون؟ آپ نہ محدث نہ مجتہد! خیریت سے ذی علم بھی نہیں! ہاں یاد آیا آپ کہہ دیں گے مولانا بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس کو موضوع لکھا ہے۔ (جیسا کہ آپ نے اس کے موضوع ہونے کی دوسری دلیل یہی پیش کی ہے) ہم کہیں گے: واہ واہ سبحان اللہ! دلیل بھی ایسی کہ آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے۔ اے جناب! بحر العلوم کون سے محدث یا مجتہد تھے؟ ان کی کتاب ارکان اربعہ اٹھا کر دیکھئے، تو معلوم ہوجائے گا کہ انکا مبلغ علم وانتہائے معلومات صرف شرح سفر السعادۃ وشرح مشکوۃ شیخ عبدالحق و فتح القدیر تک محصور ہے۔ ان کی نقل مشہور ہے کہ غزوہ تبوک کو غزوہ بتوک (بتقديم الباء) کہا کرتے تھے۔ پس فن حدیث میں جن کی یہ استعداد ہو، اس کی بات بھی کسی صحیح اصح حدیث کی بابت مان لی جائے گی کہ یہ موضوع ہے؟ ہاں علوم فلسفہ و منطق واصول فقہ کے البتہ وہ بحر ہیں۔ وأنیٰ هذا من ذلك؟

پس آپ کی دونوں دلیلیں بجائے خود مخدوش و مقدوح ہیں۔ اگر آپ سچے ہیں تو اس کے موضوع ہونے کی نسبت محدثین کی تصریحات پیش کیجئے!

علاوہ بریں بحر العلوم نے خود مسلّم الثبوت والے کا جواب دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"هذا غير مرضي، فإن المراد الموجودون الآن." (ص: ۴۱۲)

''یعنی اس کا موضوع کہنا درست نہیں، کیونکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ نہیں رہیں گے۔''

اب فرمایئے! آپ نے ان پر بھی افترا کیا؟ خوب! ہاں یہ تو فرمایئے آپ اپنے عینی کو کیوں بھول گئے؟

اوہو! راز اب کھلا! چونکہ حنفیہ کے نزدیک مشہور ہے کہ حضرت خضر◆ نے امام ابوحنیفہ سے چالیس برس تک علم فقہ حاصل کیا، دس برس زندگی میں اور ۳۰ برس قبر شریف سے،[1] اور حدیث مذکور سے خضر◆ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ نے سوچا کہ یہ تو بڑا برا ہوا کہ امام صاحب کی جو مزیت ثابت ہوتی تھی، وہ تو متبدل بہ منقصت ہوتی

---

[1] اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جاتی ہے، آؤ حدیث ہی کو سرے سے اڑا دو، اس لئے لکھ دیا کہ موضوع ہے۔ کہئے! ع

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اب آیئے اصول حدیث کی رو سے جانچا جائے کہ موضوع حدیث کی پہچان کیا ہے؟

مقدمہ ابن صلاح (ص: ٤٤) میں ہے:

"إنما يعرف كون الحديث موضوعا بإقرار واضعه، أو ما يتنزل منزلة إقراره ...إلى قوله: يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها ." انتهى

علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

"ومن جملة دلائل الوضع أن يكون مخالفاً للعقل بحيث لا يقبل التأويل، ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة ." انتهى [1] ایسا ہی فتح المغیث وشرح نخبہ میں ہے، [2]

یعنی موضوع حدیث کی پہچان یہ ہے کہ واضع خود اقرار کرے یا اس سے ایسے الفاظ صادر ہوں، جو بمنزلہ اس کے اقرار کے ہوں یا اس حدیث کے الفاظ و معانی بے ربط ہوں یا مشاہدہ وحس وعقل کے خلاف ہو، اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

بحمد اللہ کہ ان عیوب میں سے حدیث مذکور میں کوئی بھی موجود نہیں، نہ اس کا کوئی راوی وضاع ہے، بلکہ سب ثقہ وحجت ہیں، نہ معنی غلط ہے، نہ عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ حدیث کا مطلب بالکل ٹھیک وصاف ہے، وہ یہ کہ روئے زمین پر اس وقت جتنے لوگ زندہ موجود ہیں، سو برس کے بعد کوئی نہ ہوں گے۔ یہ بالکل عقل کے مطابق ہے، بلکہ اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ نحوی قاعدہ ہے اس کو پڑھ لیں۔ " هو على ظهر الأرض " جملہ اسمیہ ہے، هو مبتدا ہے، اس کی خبر " على ظهر الأرض" ظرف بجار و مجرور ہے، لہٰذا اس کے قبل ایک محذوف کی ضرورت ہے، چاہے بصریوں کے مذہب کے مطابق فعل "استقر" محذوف مانئے، یا کوفیوں کے مذہب کے مطابق اسم "كائن" محذوف گردانئے۔ بہر حال مطلب یہی ہوگا کہ جو روئے زمین پر اس وقت مستقر وموجود یعنی زندہ ہیں، وہ سو برس کے سرے پر نہ رہیں گے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے: "أي الآن موجود أحد" [3] نہ کہ جو آپ نے سمجھا ہے کہ سو برس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا، کوئی شخص زندہ ہی نہ رہے گا بلکہ سب مر جائیں گے اور قیامت قائم ہوجائے گی۔ آیئے اب آپ کو محدثین و شارحین کی تصریحات سناؤں۔ بعض نے کہا ہے کہ

---

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص: ٥٨) تدريب الراوي (١/ ٢٧٦)

[2] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ١٠٨) فتح المغيث (٢٦٩/١)

[3] فتح الباري (١/ ٢١٢)

"الأرض" پر الف لام استغراق کا نہیں ہے، جیسے قرآن مجید ﴿أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ [المائدة: ٣٣] میں نہیں ہے، پس اس سے کل روئے زمین مراد نہیں ہوگی، بلکہ جزیرہ عرب ہے، جو حجاز و تہامہ ونجد کو مشتمل ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، ملاحظہ ہو: قسطلانی (١/ ٣٠٤)

بعض نے کہا ہے کہ الف لام کی بحث کے علاوہ ارض سے مراد خاص مدینہ ہے، جیسے قرآن میں ﴿أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً﴾ [النساء: ٩٧] میں ارض سے مراد خاص مدینہ ہے، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: عینی (١/ ٥٨٤) لیکن جمہور نے کہا ہے کہ ارض سے مراد کل روئے زمین ہے، کیونکہ جنس ہے، لہٰذا اس قرینہ سے اس پر الف لام بھی استغراق کا ہے اور یہی صحیح ہے۔ پس اس بناء پر حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آج کی رات جتنے لوگ زندہ ہیں، سو برس کے بعد کوئی نہ ہوں گے، کیونکہ امم ماضیہ کی عمریں امت محمدیہ کی اعمار کی نسبت بہت زیادہ ہوتی تھیں، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میری امت کی عمر اکثر ساٹھ ستر کے اندر ہوگی۔ [1] إلا ماشاء اللّٰه،

چنانچہ امام نووی نے فرمایا ہے:

"المراد أن كل من كان تلك الليلة على الأرض لا يعيش بعد هذه الليلة أكثر من مائة سنة سواء قل عمره قبل ذلك أم لا، وليس فيه نفي حياة أحد يولد بعد تلك الليلة مائة سنة، واللّٰه أعلم." [2] (فتح الباری و عینی و قسطلانی)

"یعنی جو شخص آج کی رات روئے زمین پر ہے، اس رات کے بعد سو برس سے زیادہ نہیں زندہ رہے گا اور جو آج کی رات کے بعد پیدا ہو، اس کی سو برس سے زائد زندہ رہنے کی نفی نہیں ہے۔"

افسوس باوجودیکہ مولوی احمد علی نے بین السطور میں لکھ دیا تھا:

"وعظهم بقصر أعمارهم، وأعلمهم أن أعمارهم ليست كأعمار من تقدم من الأمم ليجتهدوا في العبادة." (١/ ٥٨٤)

اور یہی عبارت فتح الباری میں ہے، جس کو عینی نے بعینہ نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتح الباری: پارہ ١٠٨/١) علی ہذا القیاس تیسیر القاری میں ہے:

"یعنی ہر کس کہ دریں شب است تا آخر صد سال زندہ نمی ماند" (١/ ٦٣)

شیخ الاسلام میں ہے: "یعنی ایں طبقہ وقرن آدمیان کہ دریں شب بر زمین موجود اند در مدت صد سال ہمہ

---

[1] سنن الترمذي: كتاب الزهد، باب ما جاء في فناء أعمار هذه الأمة ما بين الستين إلى السبعين، رقم الحديث (٢٣٣١) وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب من حديث أبي صالح عن أبي هريرة، وقد روي من غير وجه عن أبي هريرة.
نیز اس حدیث کو ابن حبان، حاکم، ذہبی اور البانی ◆ نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] فتح الباري (١/ ٢١٢) عمدة القاري (٢/ ١٧٧)

بمیرند و ہیچ احدے ازاں باقی نماند، مقصود تحریض ست براجتہاد درعبادت وتقصیر اعمار باعتبار امم سابقہ''

(حاشيه تيسير: ١/ ١٧٧)

عبارات مرقومہ کا مطلب ظاہر ہے کہ امم ماضیہ کے مثل چونکہ امم موجودہ کی عمریں نہ ہوں گیں، لہٰذا ان کو چاہیے کہ عبادت میں خوب کوشش کر لیں۔ مرنا جلد ہے آج کی رات میں جتنے لوگ زندہ موجود ہیں، سو برس کے بعد کوئی زندہ نہ ہوں گے۔

پس اگر آپ کے علم میں اس رات کا کوئی موجود شخص سو برس کے بعد زندہ رہا ہو، تو اس کا نام مع ثبوت حوالہ پیش کریں، ورنہ اپنا اعتراض واپس لیں، دیکھا آپ نے کیسا باریک مطلب تھا جس کو آپ نہ سمجھ سکے؟ یہ ہے بخاری کا کمال! ؎

حاجت ہے بصیرت کی پے معرفت حق
کب ہونے لگے کور شناسائے بخاری

نمبر۳:

ناظرین نمبر (۲) حل کا ملاحظہ فرما چکے ہیں، جس میں خاکسار نے مولوی عمر کریم کے مضمون ''بخاری میں موضوع حدیث'' مندرجہ اہل فقہ (۲۱ اگست ۱۹۱۱ء) کا جواب دیا تھا۔ اس سے قبل خود ایک حنفی مولوی کا مضمون بجواب مولوی عمر کریم اہل فقہ (۴ ستمبر ۱۹۱۱ء) میں بہ سرخی ''تفتیش حدیث'' شائع ہو چکا تھا۔ جس میں مجیب مذکور نے حدیث بخاری کا واقعی درست مطلب بہ تصریحات محدثین پیش کیا تھا اور لکھا تھا کہ آج تک بخاری میں موضوع حدیث نہیں سنی گئی۔

ہمارے کرم فرما مولوی عمر کریم کو خود اپنے ہم مشرب کا یہ جواب دیکھ کر تاب نہ رہی، تو ۲۵ ستمبر ۱۹۱۱ء کے اہل فقہ میں مضمون سابق کی تائید میں پھر ایک مضمون بہ سرخی " تنقيد التفتيش " دھر گھسیٹا (گو اس سرخی کی ترکیب بلحاظ معنی و معنی بلحاظ ترکیب غلط ہے) اور اپنے رسالہ " الجرح على البخاری "حصہ اول سے صحیح بخاری کی تین حدیثیں اپنے زعم میں موضوع ثابت کی ہیں، جو ''کوه کندن و کاه بر آور دن''[1] کا پورا مصداق ہے۔ نیز مجیب کے جواب پر کچھ اعتراض کیا ہے، چونکہ اس اعتراض کا ظاہر میں کسی قدر ہمارے مضمون سے بھی تعلق ہے، لہٰذا ہم پہلے اس کا جواب دے کر ان تینوں حدیثوں کے متعلق امر واقعی عرض کر کے معترض کا جہل مرکب طشت از بام کریں گے۔ إن شاء الله تعالیٰ

مجیب بدایوانی نے حدیث کے چند معنی بتصریحات محدثین و شارحین پیش کئے تھے، علی ہذا القیاس خاکسار مولوی عمر کریم اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ:

''اس اختلاف سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اس قدر بے معنی ہے کہ محدثین میں ایک انتشار پھیلا ہے اور یہ بھی اس کی موضوعیت کی دلیل ہے۔''

سبحان اللہ! کیا ہی عجیب اصول ہے کہ جو حدیث معانی کثیرہ کی محتمل ہو، وہ کلام رسول نہیں بلکہ موضوع ہے!

---

[1] کھودا پہاڑ نکلا تنکا!!

اے جناب! آنحضرت ﷺ کا یہی تو اعجاز ہے کہ آپ کو جوامع الکلم عطا ہوئے تھے، جس سے بہت سے معانی و مطالب اخذ کئے جاتے تھے، ورنہ پھر اجتہاد بہ عبارت النص و اشارۃ النص وغیرہ بالکل مہمل و غلط ہیں، حالانکہ قرآن مجید کی آیتوں کی بابت بھی مفسرین کے درمیان اختلاف مطالب موجود ہے، ملاحظہ ہو ایک چھوٹی سی آیت کا ٹکڑا ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ [البقرة: ١٨٤] اس کے کئی مطلب بیان کئے جاتے ہیں، کوئی اس کو منسوخ قرار دیتا ہے، کوئی محکم، کوئی "لا" محذوف مانتا ہے، کوئی خاصیت سلب وغیرہ وغیرہ، تو کیا آپ جیسا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کلام خداوندی نہیں ہے کیونکہ یہ آیت بے معنی ہے جس کی وجہ سے مفسرین میں ایک انتشار پھیلا ہوا ہے؟ ولا يقول بذلك الا من سفه نفسه!

حالانکہ محدثین نے جس قدر اس حدیث کے مطالب بیان کئے ہیں، سب درست اور ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ آپ کا یہ جملہ کیسا مہمل ہے کہ ''سب تاویلات پر اعتراض ہوسکتا ہے؟''

اے جناب! دنیا میں تو کوئی ایسی چیز نہیں، جس پر اعتراض نہ ہو سکے، حتی کہ لوگوں نے خدائے تعالیٰ پر بھی اعتراض جما دیے ہیں۔

ما نجا الله والرسول معا من لسان الورىٰ فكيف البخاري

لیکن اعتراض بھی واقعی اعتراض ہو۔ درحقیقت آپ کے اعتراضات اگر واقعی ہیں تو بصد شوق پیش کریں اور ایک کے چار لیں، عینی کا قول " هذه كلها تعسفات " والا پیش کرنا خود تعسف سے خالی نہیں، اس لئے کہ علامہ عینی نے حدیث کے مختلف مطالب کو تعسفات میں داخل نہیں کیا ہے، بلکہ اقوال کرمانی کو تعسف کہا ہے، جو انہوں نے حضرت عیسیٰ ◆ کو اہل سماء اور ابلیس کو اہل ہوا والنار سے تعبیر کر کے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس کو علامہ عینی تعسف میں داخل کر کے فیصلہ کرتے ہیں:

"قلت: هذه كلها تعسفات، ولا يرد على هذا لا بعيسىٰ عليه السلام، ولا بإبليس، فإن مراده عليه السلام ممن هو على ظهر الأرض أمته، والقرائن تدل على ذلك.[1] الخ (١/ ٥٨٤)

''یعنی آنحضرت ﷺ کی مراد " من على ظهر الارض " سے آپ کی امت ہے، نہ عیسیٰ ◆ اور نہ ابلیس وغیرہ، اس پر کئی قرائن دال ہیں۔''

پھر ان کو مفصل بیان کیا ہے۔ علامہ عینی کی اس عبارت سے آپ کے اس اعتراض کا بخوبی جواب ہوتا ہے، جو آپ نے "الیوم" کی قید پر کیا ہے کہ ''ہاروت و ماروت و ابلیس وغیرہ (از اقسام شیاطین) زندہ ہیں'' اس لئے کہ یہ سرے سے بنی آدم ہی نہیں ہیں، افسوس کہ علامہ عینی تو خود آپ کے ہفوات کا جواب دے چکے ہیں، لیکن آپ اس

[1] عمدة القاري (٢/١٧٧)

سے سرقہ کر کے کسی کے ایراد کو کسی پر چسپاں کرتے ہیں! ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

باقی رہی فواتح الرحموت کی عبارت، تو اس کی نسبت مجیب بدایونی نے سچ کہا تھا کہ بحر العلوم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ نقل حدیث تو متن مسلم الثبوت میں ہے، جو محبّ اللہ بہاری کی عبارت ہے نہ بحر العلوم کی، بحر العلوم نے تو اس کو غیر مرضی کہا ہے۔ (دیکھو ص: ۴۱۲) افسوس کہ متن و شرح کی عبارت میں بھی تمیز نہ ہوسکی۔ انا للہ!!

اب سنئے اپنی پیش کردہ احادیث کی وضعیت کا ابطال! آپ لکھتے ہیں:

قوله: اول: ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر و الحرير والخمر والمعازف۔

(بخاري، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ۲/ ۸۳۷)

امام شوکانی رسالہ " إبطال دعوىٰ الإجماع على تحريم مطلق السماع" (مطبوعه انوار محمدی لکھنؤ، ص: ۳۲) میں اس مضمون کی حدیث کی نسبت، عام اس سے کہ وہ بخاری میں ہو یا کسی کتاب میں، یہ لکھتے ہیں:

"وفي تحريم المعازف وسائر الملاهي أحاديث مروية في غاية الكثرة، ولكنها متكلم عليها من أئمة الحديث، وبعضهم يجزم بوضعها."

"یعنی بعض ائمہ حدیث اس مضمون کی حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں۔" (اہل فقہ ۲۵ ستمبر)

أقول: جواب نمبر ا: قاضی شوکانی کی یہ عبارت آپ کو مفید نہیں، اس لئے کہ یہ حکم بخاری کی حدیث کے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے، اس لئے کہ انہیں قاضی شوکانی نے اپنی مشہور کتاب نیل الاوطار میں ابن حزم کے اعتراض کے جواب میں بخاری کی اس حدیث کی صحت بڑے زوروں سے ثابت کی ہے، جو انہوں نے غلطی سے تعلیق بخاری کو انقطاع سمجھا تھا۔ جس کا اصل جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری (پارہ: ۲۳۵) اور عینی نے جلد عاشر میں بڑے زوروں سے دیا ہے کہ یہ تعلیق ہے انقطاع نہیں ہے۔ اس کے موضوع ہونے کا تو کسی نے اعتراض ہی نہیں کیا، سنئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"أخطأ ابن حزم في دعوىٰ الانقطاع من وجوه، الحديث صحيح معروف الاتصال، والبخاري قد يفعل مثل ذلك لكونه قد ذكر الحديث في موضوع آخر من كتابه ." الخ

(نيل الأوطار: ۷/ ۳۱٤)

اور لیجئے علامہ عینی لکھتے ہیں:

"والحديث صحيح، وإن كانت صورته صورة التعليق." الخ (١٠/ ٩١)

اور حدیث میں تابعی خود قسم کھا کر کہتا ہے: " واللّٰه ما كذبني سمع النبی ﷺ" باوجود ان سب تصریحات کے حدیث کو اپنی الٹی عقل سے موضوع کہنا بلا دلیل و بلا علامت وضع و بلا تصریحاتِ محدثین ظلم اکبر و عداوت کبریٰ نہیں تو کیا ہے؟ بس خدا ہی سمجھے! اصل یہ ہے کہ گیروے رنگ کے لباس والے ناچنے گانے والے متصوفین حال وقال پر دم دینے والوں نے گانے بجانے کے لیے اجازت اور فتویٰ دینے کے لیے ایک انوکھا ڈھنگ سوچا ہے کہ اس حدیث کو سرے سے موضوع مشہور کرو کہ ہمیں گانے بجانے سے کوئی ممانعت کرنے والا نہ رہے۔ بس پھر کیا ہے اس رنگ میں خوب بھنگ چھنے گا۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون!

یہ سب اَمارات ساعت سے ہیں، جن کی خبر پیشتر سے صادق مصدوق ﷺ نے دی ہے۔ جن کے حکم کی پرواہ نہ کرنے والے اس حدیث کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ فإلى اللّٰه المشتكىٰ !!

اس کا مفصل جواب حصہ اول (ص:٦٥۔٩٦) رسالہ ہذا میں دیکھئے۔ آگے آپ لکھتے ہیں:

قوله: دوم: " عن أبي هريرة قال: قال النبي: لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولا يشرب الخمرحين يشرب وهو مؤمن، ولا يسرق حين يسرق وهو مؤمن. الخ

(بخاری، باب النهبىٰ بغير إذن صاحبه : ٣٣٦)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس مضمون کی سب احادیث موضوع ہیں، جیسا کہ رسالہ " العالم والمتعلم" (ص: ١٦٣) میں ہے، (خلاصہ اس کا یہ ہے کہ) امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگرد ابومطیع بلخی سے کہا کہ یہ حدیث آیت قرآن: ﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ﴾ کے خلاف ہے۔ (لہٰذا موضوع ہے) (ایضاً)

أقول: جواب نمبر۲: حدیث کی موضوعیت کے لیے تصریحِ محدث کی ضرورت ہے۔ امام ابوحنیفہ فقیہ تھے نہ محدث! وأنىٰ هذا من ذلك؟ علاوہ بریں حدیث بخاری ہرگز آیات قرآنیہ کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ اس میں کمال ایمان کی نفی ہے، نہ مطلق ایمان کی، علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

"هذه الألفاظ التي تطلق على نفي الشيء يراد نفي كماله، يقال: لا علم إلا بما نفع، ولا مال إلا الإبل، ولا عيش إلا عيش الآخرة . الخ (١٤٦/٦)

علی ہذا القیاس فتح الباری میں ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کے مطلب میں تیرہ اقوال محدثین کے علاوہ اقوال خوارج ومعتزلہ کے ہیں۔ [1] (ملاحظہ ہو: پارہ ٢٧/٣٢٠) جو کسی طرح آیت قرآنی کے خلاف نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں امام بخاری نے آخر میں خود ابن عباس سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے: "تفسيره: أن ينزع منه نور الإيمان"

[1] فتح الباري (١٢/ ٥٩)

یعنی نور ایمان اس کا جاتا رہتا ہے نہ ایمان، بلکہ وہ باقی رہتا ہے، اور اسی طرف آیت قرآن کے لفظ " منکم " میں اشارہ ہے۔ پس جو حدیث قرآن کی آیت کے مطابق ہو، اس کو جو مخالف قرار دے اور موضوع کہے اس کی خود عقل کا فتور ہے۔ اس کا مفصل جواب بھی حصہ اول میں دیکھئے۔ آپ مزید لکھتے ہیں:

قوله: سوم: ابن جوزی نے بھی اپنی موضوعات میں بخاری کی ایک حدیث کو موضوع لکھا ہے۔ دیکھو دیباچہ تعقبات سیوطی علی موضوعات ابن جوزی ♋ (الی قولہ) ابن جوزی ایسے محدث نے اس کو موضوع کہا (تا آخر) تعقب سے اس جگہ بحث نہیں۔ (اہل فقہ ۲۵ ستمبر)

أقول: جواب نمبر۳: آپ کو بار بار ابن جوزی کا حوالہ دیتے شرم نہیں آتی؟ جس کا کئی مرتبہ جواب پا چکے ہیں!! ملاحظہ ہو: " الريح العقيم" (ص: ۱۸ تا ۲۰) و الأمر المبرم (ص: ۱۶)

اے جناب! ابن جوزی نے جو " أبو حنيفة سراج أمتي "کو موضوع قرار دیا ہے،[1] (جو واقعی موضوع ہے) اس کو صاحب ضیاء معنوی و مصنف درمختار نے تعصب پر محمول کیا اور جس حدیثِ بخاری کو ابن جوزی نے غلطی سے موضوعات میں لکھ دیا اور اس پر علامہ سیوطی و دیگر محدثین نے سخت تعاقب کر کے اسے ان کا بیجا تشدد و خطا قرار دیا، اس کو آپ لئے پھرتے ہیں اور لطف یہ کہ حوالہ اسی تعقبات سیوطی کا دیتے ہیں اور پھر جواب کے ڈر سے آخر میں لکھتے ہیں، کہ'' تعاقب و عدم تعاقب سے بحث نہیں۔'' اجی! کیوں بحث نہیں؟ ذرا سنئے تو سہی! علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"إن كتاب الموضوعات لابن الجوزي قد نبه الحفاظ قديما وحديثاً على أن فيه تساهلا كثيرا أو أحاديث ليست بموضوعة .الخ

پھر ان حدیثوں کو جمع کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

"هذه لا سبيل إلى إدراجها في سلك الموضوعات..." الخ[2]

اور پھر ان میں سے بخاری و مسلم کی حدیث کو الگ چھانٹ دیا ہے۔ آپ ذرا اس کا مطالعہ تو کریں اور اس کو خوب یاد رکھیں!

وہ اعدائے نبی ہیں جو کہ اس سے خار کھاتے ہیں
بخاری گلشن احمد ♏ کی اک شاداب کیاری ہے

نمبر۴:

اہل فقہ (۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء) میں مولوی عمر کریم نے اپنے سابقہ مضامین کے متعلق تسطیر کرتے ہوئے بہت کچھ گوہر

[1] الموضوعات لابن الجوزي (۲/ ۴۷)

[2] التعقبات للسيوطى (ص: ۶۰)

افشانیاں کی ہیں، جس کا کامل جواب تو وہ بدایونی مولوی صاحب دیں گے، جن کے جواب میں مولوی پٹنوی نے مضمون آرائی کی ہے، ہاں چونکہ چند باتوں کو میرے سابقہ مضامین سے تعلق ہے، اس لئے ان کی بابت کچھ عرض کرتا ہوں۔

صحیح بخاری کے پہلے پارہ میں جو سو برس کے بعد عہد نبوی کے موجود لوگوں کے زندہ نہ رہنے کی خبر ہے، اس پر خواہ مخواہ ہمارے پٹنوی دوست الجھتے اور اس کو موضوع قرار دیتے ہیں، حالانکہ امام بخاری نے خود تیسرے پارہ میں اس عقدہ کو حل کر دیا ہے۔ چنانچہ " باب السمر في الفقه " کے ذیل میں ہے:

"أن عبد الله بن عمر قال: صلى النبي ﷺ صلوة العشاء في آخر حياته، فلما سلم قام النبيﷺ، فقال: أرأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة لا يبقى من هو اليوم على ظهر الأرض أحد، فوهل الناس في مقالة النبيﷺ إلى ما يتحدثون في هذه الأحاديث عن مائة سنة، وإنما قال النبيﷺ: لا يبقى ممن هو اليوم على ظهر الأرض، يريد بذلك إنها تخرم ذلك القرن." (بخاری: ٨٤)

"حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی آخر زندگانی میں عشاء کی نماز پڑھ کر فرمایا کہ آج کی رات کو یاد رکھ لو، آج جو روئے زمین پر ہیں، وہ سو سال کے بعد نہ رہیں گے، لوگوں نے اس کلام نبوی کی تاویل میں خطائیں کی ہیں، حالانکہ مطلب صاف ہے کہ یہ موجودہ زمانہ منقطع ہو جائے گا۔"

جب امام بخاری نے خود اس حدیث کا مطلب واضح کر دیا، تو اپنی جانب سے ایک نیا مطلب گڑھ کر حدیث کو موضوع کہنا قائل کی کمال زیرکی یا دوسرے لفظوں میں غیر دانشمندی پر دال ہے۔ ہاں اس کے موضوع ہونے کی یہ دلیل آپ نے خوب دی کہ اس کا ایک راوی ثقہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں جو سعید بن عفیر راوی ہیں، ان کی نسبت میزان الاعتدال میں یہ لکھا ہے:

" قال الجوزجاني: مختلطاً غير ثقة" (اہل فقہ ١١ دسمبر ص: ١٦)

اس ایراد باطل کا جواب بہ چند وجوہ ہے:

أولاً: ایک راوی کا ثقہ نہ ہونا (بغرض تسلیم) کسی حدیث کی موضوعیت کا موجب نہیں ہوتا۔

ثانیاً: جوزجانی کی جرح محدثین کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو: هدى الساري مقدمه فتح الباري [1] اور میرا رسالہ "الأمر المبرم" (ص: ٦٦، ٩٦ و ١١٥ و ١٨٠ وغیرہ)

ثالثاً: سعید بن عفیر ہرگز غیر ثقہ نہیں ہے۔ آپ نے حسب عادت قدیمہ میزان الاعتدال سے پوری عبارت (جس میں جوزجانی کے باطل قول کا جواب تھا) نقل نہیں کی۔ سنئے! علامہ ذہبی آگے فرماتے ہیں:

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٠٦)

" قال ابن عدي: ما قاله الجوزجاني لا معنى له، ولم أسمع أحدا، ولا بلغني عن أحد كلام في سعيد بن عفير، وهو عند الناس ثقة ." ❶ انتهى

''یعنی جوزجانی کا قول بے معنی ہے، اس میں کوئی بھی ان کا موافق نہیں اور نہ کسی نے سعید پر کلام کیا بلکہ وہ تمام لوگوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔''

علیٰ ہذا القیاس تقريب التهذيب و هدي الساري و تهذيب التهذيب جلد چہارم میں ہے۔ ان کی توثیق کی مفصل بحث میرے رسالہ " الأمر المبرم" (ص: ٦٨، ٩٩) میں ملاحظہ فرمائیں۔

رابعاً: میں نے صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت تیسرے پارہ سے جو ابھی اوپر لکھی ہے، اس میں سعید بن عفیر نہیں ہے۔ ❷ پس جھگڑا تمام شد۔ افسوس آپ اس مخالفت کے سبب سے کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پھر اوپر سے لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک ہم کو خیال ہے ہم نے ان (امام بخاری) پر کبھی حملہ نہیں کیا ہے اور نہ یہ کہیں لکھا ہے کہ وہ اپنے مدارج میں ایک ادنیٰ طالب علم سے کم ہیں۔'' (اہل فقہ ۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء ص:٤)

سچ ہے: ''دروغ گو را حافظہ نبا شد۔'' آپ ہم سے مشتے نمونہ از خروارے اپنے تازہ رسالہ " الجرح علی البخاری" حصہ اول سے سنئے۔ آپ امام بخاری کی شان والا شان میں یوں ہرزہ درائی کرتے ہیں:

'' ان میں اتنا تفقہ بھی نہ تھا کہ جو ایک معمولی درجہ کے طالب علم میں ہوتا ہے۔'' (ص: ۳) '' پکے متعصب'' (ص:۴وص:۱۳) '' ان میں اجتہاد کی قوت مطلق نہ تھی'' (ص:۴) '' امام بخاری کا عدم تفقہ'' (ص:۴ وص:۶) '' ان میں مادہ اجتہاد کا نہ تھا'' (ص:۶) '' ان سب خطابات (اہل الرای مخالف رسول ﷺ) کے مستحق ہیں'' (ص:۷) '' حافظہ قوی نہ تھا'' (ص:۹) '' اپنے کو جھوٹ موٹ محدث بنایا، مخطی وغیرہ'' (ص:۲۲ و ۵۵) ''امام بخاری رافضی'' (ص:۳) ''ان کی فاش غلطی'' (ص:۳۶) '' امام بخاری بدعتی'' (ص:۳۸ وص:۴۰) '' مقلد منتحل الحدیث جس کو نہ حدیث دانی سے کوئی واسطہ نہ فقاہت سے کچھ سروکار'' (ص:۵۸) وغیرہ وغیرہ، وقس على هذا البواقي!

کیا یہ حملہ نہیں؟ کیا امام کی یہی شان تھی؟ ہم اگر فرض کر لیں کہ امام بخاری نے آپ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سخت الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (حالانکہ آپ صحیح بخاری میں کہیں امام ابوحنیفہ کا نام وذکر بھی نہیں دکھا سکتے) تو کیا آپ کی فقہ میں یہی تعلیم ہے کہ جو تم کو برا کہے تم بھی اس کو ویسا ہی کہو؟ کیا ﴿ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ [المؤمنون: ٩٦] کی

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ١٥٥)

❷ صحيح البخاري، برقم (٥٧٦)

آیت منسوخ ہے؟ کیا آپ کونہیں معلوم؟ ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی اَحسن الی من اَسا ❶

ہاں حدیث مذکور کے موضوع ہونے کا ثبوت اور بھی عجیب تر ہے کہ:

''اس حدیث سے خضر ◆ کی موت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ امام بخاری کا مذہب ہے اور واقع میں خضر◆ زندہ ہیں، اس لئے وہ موضوع ہے۔''

خوب! '' زمین گول ہے اس لئے کہ چاول سفید ہے۔'' میں کہتا ہوں کہ خضر◆ کی زندگی سے کیا فائدہ اور ان کی وفات سے کیا نقصان ؟ نہ وہ خدا ہیں نہ مشکل کشا، آپ تو ان کے زندہ رہنے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث بھی نہیں پیش کر سکتے، اور ہمارے پاس تو قرآن کی آیت اور صحیح حدیث موجود ہے۔ ہاں آپ اقوال الرجال سے کام لیں گے، تو ہمارے پاس حدیث کے علاوہ اقوال الرجال بھی ہیں کہ خضر زندہ نہیں ہیں۔ ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست ❷

امام بخاری کا عندیہ تو اسی حدیث سے معلوم ہوگیا اور سلف نے بھی کہا ہے کہ حدیث " لا یبقیٰ علی وجه الأرض " وفاتِ خضر کی عمدہ دلیل ہے:

۱۔ ابوبکر نقاش نے اپنی تفسیر میں حضرت علی بن موسیٰ رضا سے روایت کیا ہے کہ خضر مر گئے۔

۲۔ ابوحیان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خضر مر گئے۔

۳۔ ابن ابی الفضل سے منقول ہے کہ خضر صاحب موسیٰ نے رحلت کی۔ اس لئے کہ اگر زندہ ہوتے، تو ان پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کی اتباع لازم ہوتی۔

۴۔ ابوالحسن بن مبارک نے جو کتاب احوال خضر میں جمع کی ہے، اس میں وہ ابراہیم حربی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ خضر نے رحلت کی۔ اسی کا یقین ابن المنادی نے کیا ہے۔

۵۔ ابن الجوزی ؒ ابو یحییٰ حنبلی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے خضر کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ انہوں نے رحلت کی۔

۶۔ ابو طاہر عبادی کا یہی قول ہے، اور ابوالفضل بن ناصر اور قاضی ابوبکر بن العربی اور ابوبکر نقاش بھی انہی بزرگوں کے ہم خیال تھے۔

❶ بدی کا بدلہ بدی میں دینا آسان ہے، اگر مرد ہوتو جو بدی کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کر!

❷ اس میخانے میں اکیلا ہی مست نہیں، جنید، شبلی اور عطار بھی مست ہیں۔

ابن جوزی کی دلیل یہ ہے کہ اگر خضر زندہ ہوتے تو ان پر ہجرت واجب ہوتی، جمعہ، جماعات و جہاد میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کرتے۔

۷۔ ابن منادی کہتے ہیں کہ اکثر بے خبر اس دھوکہ میں ہیں کہ خضر زندہ ہیں اور ان کے خیالات کا منشا وہ واہی روایات ہیں جو اس بارے میں آئی ہیں اور وہ زیادہ تر اہل کتاب کی طرف منسوب ہیں۔ لہٰذا اور بھی قابل اعتماد نہیں۔ سلمہ بن مصقلہ کی روایت بمنزلہ خرافات ہے اور روایات ریاح مثل ریح (باد ہوائی) ہے۔ باقی روایتیں سب واہی الصدور والاعجاز (بے سروپا) ہیں اور یہ خیال انسانوں میں شیطان نے القاء کیا ہے۔ انتھی

۸۔ تفسیر اصبہانی میں ہے کہ حسن بصری کا مذہب یہ تھا کہ خضر نے وفات پائی۔ وغیر ذلك من أقوال السلف. مفصل اس کو اصابہ میں ملاحظہ کریں۔ جس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان اقوال کو درج کیا ہے۔ ❶

پس اگر امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے تو اس سے کیا وہ حدیث موضوع ہو جائے گی؟ کچھ نہیں، یہ صرف امام بخاری سے عداوت کا سبب اور تعصب کا نتیجہ ہے۔ ورنہ بات بالکل صاف ہے، آئندہ احتیاط!

نمبر ۵:

اہل فقہ (۲۸ دسمبر ۱۹۱۱ء) میں ایک مضمون مولوی غلام مصطفیٰ امرتسری کا ''التماس ضروری'' کی سرخی سے طبع ہوا ہے، جو ''الجرح'' (۲/ ۷۶ تا ۷۸) میں مندرج ہے۔ اس میں امام بخاری کا خطا سے مبرّا نہ ہونا اور ان کی جامع صحیح کے کلاً صحیح نہ ہونے کا بے ثبوت ذکر چھیڑا ہے اور ایک حدیث پر اعتراض بھی کیا ہے۔ دو مضامین کا مرحلہ میں اپنے رسائل اور بعض مضامین میں مع ثبوت طے کر چکا ہوں کہ خود علمائے احناف اس امر کے اقراری ہیں کہ صحیح بخاری کلاً صحیح ہے اور اس کی تالیف میں امام سے کوئی خطا نہیں ہوئی، نیز اس کے ثبوت میں خود جامع صحیح کا وجود مسعود کافی ہے۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

لیکن ہاں اتنی کسر ہے کہ۔ ع

لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید ❷

صحیح بخاری پارہ پنجم میں حضرت موسیٰ اور ملک الموت کے واقعہ والی جو حدیث ہے کہ

''ملک الموت کو حضرت موسیٰ نے طمانچہ مارا اور ان کی آنکھ پھوٹ گئی، یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔''

اس کے معارض کوئی نقل تو پیش نہیں کی، ہاں عقل کے مخالف ہونے کی دلیل یہ دی کہ

''فرستادہ باری تعالیٰ کی موسیٰ سے اسی عزت کی توقع ہو سکتی ہے؟ لہٰذا حدیث مذکور صحیح نہیں۔''

---

❶ الإصابة في تمييز الصحابة (۲/ ۳۱۱)

❷ لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے!

مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ موجودہ علمائے احناف جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ عرصہ سے بند ہے، نیز وہ خود جامۂ محدثیت سے ملبوس نہیں، کیونکر وہ کسی مسلمہ صحیح حدیث کو اپنی طرف سے ایک فرضی دلیل قائم کر کے ضعیف کر دیتے ہیں؟ کیا وہ اصول حدیث میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں؟ یا اپنے کو محدث بنانے کی بوالہوسی ہے؟ اگر کچھ نہیں تو یہی دلیل عداوت و فساد ہے۔ کلام نبی ﷺ پر اعتراض جمانے والے کیا عجیب کہ کل کلام باری پر بھی اعتراض کریں، اس لئے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کی کئی نظیریں موجود ہیں کہ انبیاء کے پاس فرستادۂ باری (فرشتہ) آئے، اور ان کو نہ پہچاننے کی وجہ سے وہ عزت نہ کر سکے، جو ان کے شایان شان تھی:

۱۔ قرآن مجید میں ابراہیم خلیل اللہ ◆ کا واقعہ یوں منقول ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۔ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ [هود: ٦٩، ٧٠]

ابراہیم ◆ کا ناشتہ پیش کرنا (حالانکہ فرشتے کھاتے نہیں) اور نکارت اور ڈرنا، یہ اس لئے ہوا کہ وہ فرشتے بشکل انسان آئے تھے، لہٰذا ان کو پہچان نہ سکے۔ اس پر یہ اعتراض ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ابراہیم ◆ جیسے حلیم سے چونکہ اس معمولی اخلاق کی توقع نہ تھی، لہٰذا یہ آیت غلط ہے۔ لا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!

۲۔ علی ہذا القیاس لوط ◆ کا قصہ دیکھئے، ارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ [هود: ٧٧، القصص: ٣٣]

لوط ◆ کا ان فرشتوں سے رنج وخفا و ناخوش ہونا اسی نہ پہچاننے کی وجہ سے تھا، کیونکہ ملائکہ بشکل انسانی آئے تھے۔

۳۔ حضرت داؤد ◆ کا قصہ ملاحظہ کیجئے: ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ﴾ [ص: ٢٢]

داؤد کا ڈر سے گھبرا جانا، (بقول) اسی وجہ سے تھا کہ فرشتے آدمی بن کر آئے تھے۔

۴۔ حضرت مریم ☯ کے واقعہ کو سنئے: ﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ [مريم: ١٨]

دیکھئے حضرت مریم نے اسی نہ پہچاننے کی وجہ سے استعاذہ کیا، کیونکہ حضرت جبرئیل ◆ انسانی شکل میں آئے تھے۔

۵۔ خود آنحضرت ﷺ کے پاس جب جبرئیل ◆ ایمان و اسلام کے سائل بن کر تشریف لائے تھے تو اس وقت آپ نے نہیں پہچانا، پہچاننے کے بعد فرمایا:

"ما أتاني في صورة قط إلا عرفته فيها غير هذه المرة"[1]

---

[1] مسند أحمد (١/ ٥٢) سنن الكبرىٰ للنسائي (٤٤٦/٣) المعجم الكبير للطبراني (١٢/ ٤٣٠) وقال الألباني: إسناده (أحمد) صحيح" (إرواء الغليل: ١/ ٣٤) نیز دیکھیں: سنن الدارقطني (٢٨٢/٢) وقال الدارقطني: إسناد ثابت صحيح، أخرجه مسلم بهذا الإسناد"

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

علی ہذا القیاس حضرت موسیٰ ◆ کے پاس ملک الموت بشکل انسان بلا اجازت اندر چلے آئے، موسیٰ ◆ بڑے غصہ ور تھے، ایک تھپڑ مار دیا، جس سے ان کی آنکھ (ظاہری) ضائع ہوگئی، کیونکہ فلسفہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ عقول متشکل باشکال مختلفہ مع اثر ہا متبدل ہوتی ہیں۔ جب عزرائیل ◆ [1] انسانی شکل میں آئے تو وہی اثر وہی خو بو بھی ساتھ لازم ہوگی، ایک تھپڑ سے آنکھ نکل آنا حضرت موسیٰ کی طاقت کے آگے کوئی محال نہیں، قرآن مجید میں قبطی کے مار ڈالنے کا قصہ بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ﴾ [القصص: ١٥] ایک مکا میں کام تمام کر دیا۔

اسی سورت میں موسیٰ ◆ کی طاقت کا دوسرا کرشمہ بھی منقول ہے، جو مدین پہنچ کر آپ نے دو لڑکیوں کے لیے بڑا ڈول کنویں سے بھر کر کھینچ دیا تھا: ﴿ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ ﴾ [القصص: ٢٤] ایسی طاقت والے کے ایک تھپڑ سے اگر کسی کی آنکھ نکل آئے تو کیا محال ہے؟ حالانکہ بے اجازت مکان کے اندر جھانکنے والے کے لئے آنحضرت ﷺ سے بھی آنکھ پھوڑنے کا ارادہ منقول ہے۔ [2] حضرت موسیٰ ◆ نے اجنبی کے گھس آنے پر جو آنکھ پھوڑی تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، مگر وہی جس کو علامہ حنفی عمدۃ القاری میں ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں:

"أنكر بعض أهل البدع والجهمية هذا الحديث ...إلى قوله: وهذا اعتراض من أعمى الله بصيرته." (عینی: ٤/ ١٦٤)

''یعنی اہل بدعت اور جہمیہ نے اس (موسیٰ ◆ کے تھپڑ مارنے والی) حدیث کا انکار کیا ہے۔ جس کی بینائی خدا نے اندھی کر دی ہے، وہی اس پر اعتراض کر سکتا ہے۔''

چہ جائیکہ کوئی اہل سنت ہونے کا مدعی ہو کر اس کا انکار کرے؟ یہ تو ہوا حدیث مذکور کا اصلی صحیح مطلب!

ابن قتیبہ نے بھی تاویل کی ہے کہ ان کی تخیلی و تمثیلی آنکھ جاتی رہی تھی، جب وہ اپنی روحانی شکل پر گئے تو اس عیب سے پاک ہوگئے۔ [3] بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب دلیل میں کوئی مغلوب ہو تو بولتے ہیں کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ چونکہ ملک الموت حضرت موسیٰ ◆ کے جواب سے عاجز ہوگئے تھے، لہٰذا یہ بولا گیا کہ حضرت موسیٰ ◆

---

1. ملک الموت کا نام ''عزرائیل'' کسی صحیح و حسن حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"هذا هو اسمه (ملك الموت) في الكتاب والسنة ، وأما تسميته بعزرائيل فمما لا أصل له، خلافا لما هو المشهور عند الناس، ولعله من الإسرائيليات!" (أحكام الجنائز: ١٥٦)

2. صحيح البخاري: كتاب الديات، باب من اطلع في بيت قوم ففقؤا عينه فلا دية له، رقم الحديث (٦٥٠٥، ٦٥٠٦)
صحيح مسلم: كتاب الآداب، باب تحريم النظر في بيت غيره، رقم الحديث (٢١٥٨)

3. دیکھیں: تأويل مختلف الحديث لابن قتيبة (ص: ٢٧٨)

نے ان کی آنکھ پھوڑ دی، لیکن ابن التین نے اس کی تردید کر دی ہے، [1] اور واقع میں جب حقیقی معنی درست ہوسکتا ہے تو مجاز کی کیا ضرورت ہے؟

مولوی صاحب کا یہ لکھنا کہ ملک الموت موسیٰ ◆ کی جان بحکم الٰہی قبض کرنے آئے تھے، محض غلط ہے، وہ جان قبض کرنے نہیں آئے تھے بلکہ حضرت موسیٰ ◆ کو جانچنے کے لیے آئے تھے، اگر اس وقت روح قبض کرنی ہوتی تو فوراً وہ اپنا کام کرتے، اس مجادلہ کی نوبت کیوں آتی؟ ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ﴾ [نوح: ٤]

عینی شرح بخاری میں ہے:

"إن موسیٰ لم یبعث اللّٰه إلیه ملك الموت وهو یرید قبض روحه حینئذ، وإنما بعثه اختبارا وبلاء." الخ (٤/ ١٦٤)

ہاں مولوی صاحب نے یہ خوب کہی کہ "اگر اس حدیث کو صحیح مانو تو پیران پیر کی زنبیل والی کرامت (ڈنڈا مار کر روح چھیننے کی) کو بھی مانو۔" بھلا اس سے اور اس سے کیا نسبت؟ یہ بے ثبوت بلا سند واقعہ، وہ کلام رسول باسند صحیح! نیز یہ واقع کے خلاف ہے، کیونکہ روحیں یا تو علیین میں ہیں یا سجین میں، ملک الموت کے پاس زنبیل آئی کہاں سے؟ یہ تو روحیں صرف قبض کرتے ہیں، پھر فرشتے ان کے ہاتھ میں روح پلک بھانجنے کے برابر بھی رہنے نہیں دیتے، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ [2] پس جب روح ان کے پاس رہتی ہی نہیں تو خالی زنبیل لے کر کیا کریں گے؟ افسوس کہ تعصب نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ حدیث کی صحت کا موقوف علیہ ایک غلط واقعہ قرار دیا گیا۔ فإلی اللّٰه المشتکی!

نمبر ٦:

اہل فقہ (فروری ١٩١٢ء) میں مولوی غلام مصطفیٰ کا دوسرا مضمون "صحیح بخاری" کی سرخی سے طبع ہوا ہے، جو "الجرح" حصہ دوم (٧٩ تا ٨١) میں مندرج ہے۔ اس میں صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے اثر ابن عمر ◆ (عن نافع عن ابن عمر ﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ﴾ قال: یأتیها في. (پ:١٨) پر جواہر منیفہ سے پانچ مندرجہ ذیل اعتراضات کئے گئے ہیں:

١۔ اس اثر میں فی سے مراد ادخال فی الدبر ہے۔
٢۔ اس کے راوی نافع اس روایت سے منکر ہیں۔

---

[1] عمدة القاري (٨/١٤٩)

[2] مسند أحمد (٤/٢٨٧) مسند الطیالسي (ص: ١٠٢) مصنف ابن أبي شیبة (٣/٥٤) المستدرك (١/ ٩٣) شعب الإیمان (١/ ٣٥٥) تاریخ دمشق (٦٠/٣٦٥) اس حدیث کو امام حاکم، ذہبی اور البانی ◆ نے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز حافظ ہیثمی ﷫ فرماتے ہیں: "هو في الصحیح وغیره باختصار، رواه أحمد ورجاله رجال الصحیح" (مجمع الزوائد، برقم: ٤٢٦٦)

۳۔ مروی عنہ یعنی ابن عمر ◆ نے بھی ضمناً اس سے انکار کیا ہے۔
۴۔ نافع نے یہ روایت ذہاب عقل کی حالت میں بیان کی ہے۔
۵۔ یہ حدیث آیت ﴿ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ کے مفاد کے سراسر مخالف ہے، لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں۔

اس کے جواب میں اولاً تو یہی عرض ہے کہ اثر صحابی کو بار بار حدیث کہنا کمال درجہ کی حدیث دانی ہے۔

دوئم یہ کہ تمام اعتراضات بذاتہا نہایت پوچ و لچر ہیں۔ چنانچہ ہر ایک اعتراض کی بابت مفصل گوش گزار فرمائیے:

۱۔ پہلا اعتراض یعنی "في" سے اِدخال فی الدبر مراد لینا جواہر منیفہ کی مصرح عبارت کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں سالم بن عبداللہ سے اس کا مطلب یوں منقول ہے:

"إنما قال عبد اللّٰه: لا بأس أن يوتى في فروجهن من أدبارهن."[1] (٢/ ١٠٠ و أهل فقه: ٧)

نیز امام حمیدی کا اپنی کتاب جمع بين الصحيحين میں اس اثر کو " يأتيها في الفرج " کے جملہ سے نقل کرنا اس کا موید ہے، جس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ و علامہ عینی ہر دو نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔[2] حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے صغانی کے نسخہ کو دیکھا اس میں برقانی نے مجرور کی جگہ فرج کو زیادہ کیا ہے۔ پس یہ دونوں عبارتیں سالم کے قول کی مؤید ہیں۔ علاوہ بریں جب آپ خود قائل ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مذہب نہیں ہے، تو یہ بین قرینہ ہے کہ فی کا مجرور فرج ہے نہ کہ دبر، جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مذہب ہے، لہٰذا آپ کی پہلی شق باطل ہوئی۔

۲۔ دوسرا اعتراض آپ کا کہ نافع اس روایت سے منکر ہیں اور چوتھا اعتراض کہ نافع نے یہ روایت ذہاب عقل کے وقت بیان کی، باہم متعارض ہیں۔ لہٰذا بقاعدہ اصول " إذا تعارضا تساقطا " دونوں ساقط الاعتبار ہوئے۔ لہٰذا دوسری اور چوتھی شق غیر مقبول!

۳۔ تیسرا اعتراض آپ کا کہ حضرت ابن عمر نے بھی ضمناً اس سے انکار کیا ہے۔ اگر یہ انکار جواہر منیفہ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے تو ہمارے قول کا موید ہے کہ فی کے بعد اس کا مجرور فرج محذوف ہے نہ کہ دبر، لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے، بلکہ جواہر منیفہ کی عبارت سے ابن عمر ◆ کا اقرار ثابت ہوتا ہے نہ کہ انکار، شاید آپ نے اس عبارت پر غور نہیں کیا۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت عمر ◆ فرماتے ہیں کہ جب انصار کی عورتوں نے اجبار (ادخال فی الدبر) سے کراہت کی تو خدا نے اس کراہت کے ابطال میں ﴿ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ والی آیت اتار دی۔ چنانچہ دیگر طرق سے جو آثار حضرت ابن عمر ◆ سے مروی ہیں، جس میں وطی فی الدبر کی تصریح ہے، وہ اس کی تائید کرتے ہیں، پس آپ کی تیسری شق بھی صحیح نہیں۔

۵۔ پانچواں اعتراض کہ یہ "حدیث آیت ﴿ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ کے مفاد کے خلاف ہے۔" بھی خدشہ سے بچند وجوہ خالی نہیں:

---

[1] نیز دیکھیں: شرح معاني الآثار للطحاوي (٤٢/٣)

[2] فتح الباري (١٨٩/٨) عمدة القاري (١١٧/١٨)

اول: یہ کہ وہ حدیث نہیں ہے بلکہ اثر ہے۔

دوئم: یہ کہ فی کا مجرور جب مذکور نہیں تو عدمی اشیاء پر حکم لگانا تحکم ہے۔

سوم: یہ کہ فہم صحابہ ہے، جو حجت نہیں۔ پس آپ کے پانچوں اعتراضات مردود اور بجائے خود مخدوش و نا قابل تسلیم ہیں اور اس میں امام بخاری کی کوئی تحقیقی غلطی نہیں ہے۔ فافھم و تدبر!

نمبر ۷:

اہل فقہ (۱۹ فروری ۱۹۱۲ء) میں ہمارے پرانے کرم فرما مولوی عمر کریم کا مضمون ''غلطیاں'' کی سرخی سے طبع ہوا ہے، جو'' الجرح حصہ دوم'' (ص: ۷ تا ۱۱) میں درج ہے۔ اس میں امام بخاری سے یکے بعد دیگرے تین غلطیوں کے واقع ہونے کا ثبوت دیا ہے اور خود بدولت کیا غلطیاں نکالتے ؟ علامہ عینی کی عبارت کو نقل کر کے ترجمہ کر دیا ہے، اور علامہ عینی کا تعصب اور علمی قابلیت حدیث کے متعلق مشہور ہے۔ قبل اس کے کہ ہم تینوں غلطیوں کا خود غلط ہونا ثابت کریں، مختصر طور پر اپنے ناظرین کو علامہ عینی کا تعارف کرا دیں، گو ہم ان کا مفصل حال اس کتاب کے حصہ اول (ص: ۱۸ سے ۲۳) میں لکھ آئے ہیں۔ مولوی عبدالحی حنفی لکھنوی مرحوم ''الفوائد البهية'' میں لکھتے ہیں:

''لولم يكن فيه رائحة التعصب المذهبي لكان أجود ''. (۸۶)

''یعنی اگر علامہ عینی متعصب نہ ہوتے تو اچھے تھے۔''

آپ نے عمدۃ القاری جو کہ بخاری کی شرح لکھی، اس کا زیادہ حصہ فتح الباری کی ساری عبارت ہے اور کچھ شرح رکن الدین کی، وہ بھی وہاں تک کہ جس مقام تک رکن الدین نے صحیح بخاری کی شرح لکھی تھی۔ پھر تو ورق کا ورق فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ اس طور پر کہ حافظ ابن حجر کے ایک شاگرد برھان بن خضر نامی کو ساٹ کر کچھ قلمی اجزاء فتح الباری کے منگا کر کہیں سارا کا سارا نقل کر دیتے، کہیں کم و بیش، کہیں اپنا عیب چھپانے کو تعاقب بھی کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: کشف الظنون، مصری : ۱/ ۳۶۵)

ذرا ان کی استعداد کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ حافظ ابن حجر کے عہد میں سلطان وقت نے جب مدرسہ مؤیدیہ بنوایا، تو اس کے میناروں سے برج شمالی کی مینار جھک کر گرنے کے قریب ہوگئی۔ سلطان نے اس کو گرا کر دوسری مرتبہ تیار کرنے کا حکم دیا، اس کے نیچے علامہ عینی صاحب بیٹھے درس دے رہے تھے، حافظ ابن حجر ؒ جو وہاں سامنے آپڑے، یہ سین دیکھ کر فی البدیہہ ایک قطعہ نظم کر کے بادشاہ کو سنایا، جس کا آخری مصرع یہ تھا۔ ع

فليس على جسمي أضر من العيني

عینی بڑے غصہ میں آئے، لیکن خود اتنی استعداد نہیں رکھتے تھے کہ اس رباعی کا جواب دیتے، نواجی مشہور شاعر کو

بلایا، اسے کچھ دے دلا کر حافظ ﷺ کے قطعہ کا جواب تیار کرایا۔ (ملاحظہ ہو:" بستان المحدثین : ١١٤)

اللہ کی شان کہ جن صاحب کا یہ حال ہے، وہ بھی صحیح بخاری پر اعتراض کرتے ہیں؟ اچھا ہم اس کو ٹھنڈے دل سے سن کر جواب دیتے ہیں۔ پس بگوش متوجہ ہو کر سنئے!

١۔ پہلا اعتراض امام بخاری کی اس عبارت پر ہے:" المائدة أصلها مفعولة " (پ: ١٨ كتاب التفسير) کہ امام بخاری فرماتے ہیں مائدہ کا اصل مفعولہ ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ ہر کلمہ کا اصل اس کا حروف ہوتا ہے، اور یہ یہاں مقصود نہیں بلکہ یہاں لفظ مائدہ کو بمعنی اسم مفعول ثابت کرنا ہے،یعنی مائدہ معنی میں میمودہ کے ہے۔ (الجرح ٢ / ٧)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا اس مقام میں " ليس على طريق أهل الفن في هذا الباب "کہنا خود اس طریق سے عدم واقفیت کی دلیل ہے۔ نیز ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ یہ قول کس کا ہے؟ اے جناب! یہ امام بخاری کا قول نہیں، بلکہ ابوعبیدہ کا قول ہے، امام بخاری نے تو اس کو صرف نقل کیا ہے۔ اگر آپ فتح الباری بھی دیکھ لیتے تو شائد اس پر پیش قدمی نہ کرتے۔ حافظ ابن حجر صاف لکھتے ہیں:

"قال ابن التين: هو قول أبي عبيدة ." (١٨/ ١٧٤)

اگر آپ یہ کہیں کہ پھر امام بخاری نے ایسے غلط قول کو نقل کیوں کیا؟ تو جواباً عرض یہ ہے کہ وہ قول غلط نہیں ہے، بلکہ اس فن کے علماء یوں ہی بولا کرتے ہیں۔ دیکھئے زجاج نحوی لغت کا مشہور امام اسی لفظ مائدہ کے بارے میں کہتا ہے: " وهي فاعلة على الأصل " (جمل ١/ ٢٥٣) اب آپ کہیں گے کہ'' یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اصل ہر کلمہ کا اس کا حروف ہوتا ہے۔'' اصل یہ ہے کہ آپ اور علامہ عینی نے لفظ اصل کو مادہ لفظ سمجھ کر یہ دھوکا کھایا ہے۔ حالانکہ محاورہ میں اصل کا اطلاق اور معنوں پر بھی ہوتا ہے۔ پس دیکھئے کہ اہل فن بلکہ امام فن جب اس طرح بولتے ہیں،تو عینی کا اس کو فن کے خلاف کہنا فن لغت سے کس قدر ناواقفیت کی دلیل ہے؟!

٢۔ دوسرا اعتراض کہ'' امام بخاری مائدہ کی مثالوں میں " تطليقة بائنة " لائے ہیں جو صحیح نہیں، اس لئے کہ "بائنة" اپنے اسم فاعل کے معنی میں ہے نہ اسم مفعول کے معنی میں۔'' (الجرح :٢/ ٨)

اس پر آپ نے عینی وقسطلانی ہر دو کے اقوال پیش کئے ہیں کہ'' عینی اس کو غیر صحیح اور قسطلانی اس کو غیر واضح بتلاتے ہیں۔'' قسطلانی کا قول تو ایک حد تک صحیح ہوسکتا ہے، اس لئے کہ " بائنة" کا مفعول کے معنی میں ہونا تأمل کے بعد واضح ہوجاتا ہے،لیکن عینی کا اس کو ایک دم غیر صحیح کہہ دینا، یہ ان کی اسی قابلیت کا نتیجہ ہے، جس کا اوپر کچھ ذکر ہوا۔

اے جناب! آپ نے قسطلانی کی عبارت تو حاشیہ بخاری سے نقل کی لیکن اس کے حاشیہ میں مولوی احمد علی

صاحب مرحوم نے کرمانی شرح بخاری سے صاف نقل کیا ہے کہ " تطليقة بائنة " معنی میں " مطلقة مبانة " کے ہے۔ اس سے آپ عمداً چشم پوشی کر گئے؟ جس کا ہمیں چنداں افسوس نہیں۔ اس لئے کہ ہم آپ کی عادت سے واقف ہیں۔ لہٰذا جب " تطليقة " معنی میں " مطلقة " کے اور " بائنة "معنی میں " مبانة " (اسم مفعول) کے ہے، تو امام بخاری بلکہ ابوعبیدہ کا اس کو مائدہ کی مثال میں لانا بہت صحیح ہے، مثل "عيشة راضية" کے کہ " راضية " معنی میں " مرضية " اسم مفعول کے ہے، جس کو صحیح بخاری میں مائدہ کی تمثیل اول میں ذکر کیا گیا ہے۔ فتدبر !

۳۔ تیسرا اعتراض کہ ''امام بخاری سورۂ آل عمران کی ایک آیت "متوفيك " کی تفسیر " مميتك " کے ساتھ اس سورۂ مائدہ میں نقل کرتے ہیں، یہ ان کی بڑی غلطی ہے۔'' (الجرح: ۲/ ۹)

بالکل تعصب پر مبنی ہے، اس لئے کہ حافظ ابن حجر، کرمانی اور قسطلانی نے پہلے ہی سے اس کا جواب دے دیا ہے کہ چونکہ اس سورہ میں ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ کا جملہ آیا ہے، اس مناسبت سے " متوفيك " کی تفسیر یہاں کر دی ہے، اس میں کونسا استحالہ پیدا ہوگیا؟ اسے تو کوئی بیان نہیں کرتا، عینی بلا دلیل صرف یہ کہتے ہیں کہ: " هذا أبعد " میں کہتا ہوں کہ کیوں بعید ہے؟ ہاں اڈیٹر اہل فقہ اس پر یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ ''امام بخاری نے چونکہ "فلما توفيتني "والی آیت کا آگے ایک الگ باب مقرر کیا ہے، اس لئے اس کو وہاں درج کرنا مناسب تھا، اس لئے یہ تاویل بعید ہے۔''
(الجرح: ۲/ ۱۰)

میں کہتا ہوں یہ تاویل اس وقت بعید ہوتی، جب وہاں بھی امام بخاری ''توفيتني " کی تفسیر الگ بیان کرتے اور جب وہاں اس کو بے تفسیر چھوڑا ہے، تو یہ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ امام بخاری نے اسی تفسیر پر اکتفا کیا ہے اور اس " متوفيك " کی تفسیر کو اسی " توفيتني " کی مناسبت سے پہلے ہی ذکر کر دیا ہے، تاکہ مقصود کے ذکر سے قبل ہی انتباہ ہوجائے، وذلك من دأب المحققين كما هو ظاهر۔

اور بعض نے اس کا یہ بھی جواب دیا ہے کہ ناسخین بخاری نے اس " متوفيك "کو سورۂ مائدہ کی آیت کا ٹکڑا سمجھ کر یہاں درج کر دیا ہے، اس کو علامہ عینی ''أبعد'' کہتے ہیں اور دلیل ان کی طرف سے صدیوں کے بعد آج اڈیٹر اہل فقہ یہ دیتے ہیں کہ'' یہ راویوں پر حملہ اور سوء ظن اور ان کی توہین ہے، کیا وہ اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ آیت سورۂ آل عمران کی ہے یا سورہ مائدہ کی؟'' (۲/ ۱۰)

افسوس کہ اڈیٹر اہل فقہ نے اسے توہین رواۃ پر محمول کیا اور خود جو رواۃ بخاری پر درجن کی درجن جرح کرتے ہیں اور امام بخاری ؒ کی غلطیاں نکالتے ہیں، اسے توہین سے خارج سمجھتے ہیں! ہائے تعصب!! حالانکہ تفسیر اتقان وغیرہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلف بعض آیات قرآنی کے متعلق آپس میں ایسے مختلف ہیں کہ بعض کسی آیت کو

کسی سورت کا ٹکڑا سمجھتے ہیں اور بعض کسی کا، یہ تو چشم حقیقت سے دیکھا جا سکتا ہے نہ تعصب کی آنکھ سے!

اڈیٹر صاحب آگے کیا خوب فرماتے ہیں:

''پھر امام بخاری نے اپنے تفقہ سے اس کا ذکر آل عمران میں کیوں نہ کیا؟'' (۱۰/۲)

تعجب ہے کہ عینی کی عبارت میں خود دیکھ بھی رہے ہیں کہ بعض کا تبین یعنی ناسخین نے اپنے ظن کے مطابق اس جگہ لکھ دیا اور پھر اس کے درست نہ کرنے کا الزام امام بخاری پر قائم کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ناسخین بخاری نے بعد میں مختلف طور پر نسخ کئے تھے، جس سے بخاری کے کئی کئی نسخے علیحدہ علیحدہ ہوگئے، بعض میں کچھ ہوتا ہے اور بعض میں کچھ، اور یہ میرا جواب تو اس جواب کی بناء پر تھا کہ راویوں نے اس کو اپنے ظن سے لکھ دیا ہے، ورنہ میں تو نہ اس جواب کو مانتا ہوں اور نہ میرا یہ مذہب ہے کہ صحیح بخاری میں بعد کو ناسخین نے کچھ رد و بدل کیا ہے، بلکہ اصل جواب وہی ہے کہ امام بخاری نے خود اس تفسیر "متوفيك"کو "توفيتني"کی مناسبت سے ذکر کیا ہے اور اس پر خدشہ کا جواب اوپر مذکور ہو چکا۔ فلله الحمد

آگے اڈیٹر صاحب نے یہ خوب لکھا ہے کہ''اس قول کی نسبت ابن عباس کی طرف بے سند ہے اور یہ قول جمہور اہل سنت کے مذہب کے خلاف ہے۔'' (۱۰/۲)

اے جناب! بخاری کے ترجمہ باب میں زیادہ تر تعلیق ہوتی ہے، سند کا ذکر نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی سند اس درجہ کی نہیں ہوتی کہ اس کو متن میں ذکر کیا جائے، جس طرح کہ آپ کی فقہ کے تمام اقوال بے سند ہیں۔ [1] اور اس کو جمہور کے مذہب کے خلاف کہنا بھی تعصب پر مبنی ہے، جب کہ آگے خود آپ اقرار کرتے ہیں کہ'' خدا سب کو مارے گا ایک دن سب کو مرنا ہے۔'' (۱۱/۲)

پس " متوفيك " کے معنی " مميتك " کے کرنے سے کیونکر لازم آیا کہ عیسیٰ ◆ اپنے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے؟ بلکہ یہاں " أماته بعد النزول "مراد ہے، جیسا کہ تفسیر عباسی میں ابن عباس سے اس کی تفسیر " قابضك بعد النزول"منقول ہے [2] اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ پس آپ صحیح بخاری کو کلاً صحیح مانیں یا جزواً، بہر حال آپ کے دل میں صحیح بخاری کی طرف سے عناد کا ہونا آفتاب نصف النہار بین الأمصار کی طرح روشن وظاہر و ہویدا ہے۔ ع

---

[1] حضرت ابن عباس ◆ کے مذکورہ بالا اثر کی سند امام ابن أبی حاتم نے یوں ذکر کی ہے:"حدثنا أبي، حدثنا أبو صالح، حدثني معاوية بن صالح عن علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: قوله: إني متوفيك، يقول: إني مميتك. " نیز یہی سند علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری میں ذکر کی ہے۔ دیکھیں: عمدة القاري (۱۸/ ۲۱۵)

[2] یہ تفسیر حضرت ابن عباس ◆ کی طرف کذباً و زوراً منسوب ہے، جو کسی طرح ان سے ثابت نہیں۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

نمبر ۸:

میں نے حل نمبر (۵) میں مولوی غلام مصطفیٰ صاحب امرتسری کے اعتراض (جو انہوں نے موسیٰ◆ کے ملک الموت کو طمانچہ مارنے پر کیا تھا) کا مفصل جواب لکھا تھا۔ آپ نے اہل فقہ (۲۵ مارچ ۱۹۱۲ء) میں اس کا رد کرتے ہوئے پہلا الزام مجھ پر سخت کلامی کا لگایا اور ساتھ ہی تمام جماعت اہل حدیث (كثر الله سوادهم) کو آڑے ہاتھ لیا ہے کہ ''اس گروہ کی حالت ہی ایسی ہے کہ مغلوب الغیض ہوکر توہین پر اتر آتے ہیں۔'' اس نئی منطق پر مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اہل میزان تو کہا کرتے ہیں: " الجزئي لا يكون كلياً "

اور مولانا نے شخصیہ کا حکم کلیہ پر لگا دیا۔ اے سبحان اللہ! اور لطف یہ کہ اپنا الزام ہم پر الٹ دیا۔ آنجناب نے خود اپنی تحریر کو باوجود دعویٰ تہذیب کے کس قدر درشت کیا ہے اور اس کے پہلے صفحہ پر اڈیٹر صاحب کی تحریر نے اور بھی غضب ڈھایا ہے، چنانچہ نمونہ ملاحظہ ہو، جماعت اہل حدیث کی بابت الفاظ ذیل استعمال کئے گئے ہیں:

''کانٹے، دشمنان رسول، فرقہ ہائے ضالہ مضلہ، عداوت کا سہرا وغیرہ وغیرہ۔''

سچ ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا پہلے نظر پڑتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دکھتا۔ خیر! ''ماراچہ ازیں قصہ؟''

ہم اصل مضمون پر آتے ہیں اور آپ کے ایراد باطل کا دفعیہ کرتے ہیں، بعون الله وتوفيقه.

صحیح بخاری پر جرح کرتے ہوئے آپ نے پہلی عبارت " إن الذين انفرد البخاري " الخ جو شرح نخبہ سے نقل کی ہے، ہم اس کا جواب اپنے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ۲۸ تا ۳۰) میں مفصل دے چکے ہیں اور لطف یہ کہ خود ایک حنفی (علامہ ابوالحسن حنفی سندی ثم المدنی) کی تحریر اس کے جواب میں "شرح الشرح لنخبة الفكر" (ص: ۳۵) سے نقل کر دی ہے۔ جس میں علامہ نے تین طریق سے اس عبارت کا جواب دیا ہے۔ پھر صاحب دراسات اللبیب کا جواب (ص: ۲۷۶) مفصل نقل کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں خود مولوی عبداللہ صاحب حنفی ٹونکی محشی نزہہ نے (ص: ۶) حاشیہ میں اس عبارت کا مفصل جواب دراسات سے نقل کیا ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں اس ساری بحث کو نقل کر دیتا۔

آپ نے جیسے دفتر ''اہل فقہ'' میں تشریف لا کر اخبار ''اہلحدیث'' میں میرا مضمون دیکھا، ایسے ہی پھر تکلیف کر کے اسی دفتر میں جا کر رسالہ " الريح العقيم "کا صفحہ مذکور بھی دیکھ لیں۔ علی ہذا القیاس ہم نے شیخ عبدالحق وراق دہلوی کی مندرجہ شرح سفر السعادۃ کا بھی مفصل جواب اسی رسالہ (ص: ۲۵) میں دیا ہے۔ اسی طرح علامہ حلبی کی

عبارت اور تمام اعتراضات کی بابت صاحب دراسات لکھتے ہیں:

" أجابوا عن ذلك مما جعلوه هباء منثوراً "(ص: ۲۷٦)

یعنی تمام اعتراضات کے جوابات دے کر ان اعتراضوں کو پراگندہ غبار کے مانند کر دیا ہے۔

اور علمائے احناف کا صحیح بخاری کی صحت کلاً تسلیم کرنے کا اقرار میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٦٣ تا ٦٥) میں ملاحظہ فرمایئے، جو آپ کے اسی دفتر اہل فقہ میں دیکھنے کو مل جائے گا۔ پھر آپ کو اعتراضات واہیہ کا باطل ہونا خود نظر آ جائے گا، بشرطیکہ تعصب کی عینک نہ لگائی ہو۔ ہاں یہ خوب فرمایا کہ ''علامہ عینی شرح بخاری میں غلطیاں کیوں نکالتے ہیں؟''۔ اس کا جواب میں نے حل نمبر (۷) میں دیا ہے، مختصر یہ کہ قلت عربیہ اور کم قابلیت کی وجہ سے تو سندھی حنفی نے حاشیہ بخاری میں عینی کے اعتراضات واہیہ پر عجیب عجیب الزامات لگائے ہیں۔ ایک جگہ (۲/ ۸۵) لکھتے ہیں:" وقول العيني ناشيء عن قلة التدبر في المعنى والقواعد "۔ [1] ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

آگے چل کر آپ نے کیا خوب لکھا کہ ''اعتراض کا نام اجتہاد رکھنا'' الخ۔ اب میں کیا عرض کروں کہ کس کی سمجھ کا پھیر ہے؟ اے جناب! حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگانا تو محدثین مجتہدین کا منصب ہے، پھر آپ نے ایک صحیح حدیث کو اپنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے ضعیف کہہ دیا، یہ آپ کا اجتہاد باطل نہیں تو کیا ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ ''امام اعظم اور دیگر محدثین کے قواعد کا موازنہ کریں۔'' افسوس کہ ہمیں آج تک امام اعظم کی تصنیف کی ہوئی کوئی ایسی کتاب نہ ملی، جس میں انھوں نے حدیث کے قواعد لکھے ہوں، جس سے ہم موازنہ کر سکیں۔ پھر خلف کے لوگ جو امام اعظم کی طرف قواعد منسوب کرتے ہیں، اس کی کوئی متصل سند تو ہے نہیں، پھر اس کی صحت کا کیا اعتبار؟ یہ تو بقول اڈیٹر اہل فقہ ''مدعی سست وگواہ چست'' والا معاملہ ہے! آپ فرماتے ہیں: ''کیا آپ یا آپ کا فریق مجتہد ہے؟''

ہاں جناب! ہو سکتا ہے، اس لئے کہ اجتہاد نبوت کے مثل امر وہبی نہیں ہے بلکہ کسبی ہے، جو ان قواعد کی پابندی کرے جن کو اہل اصول نے اجتہاد کے لئے مقرر کئے ہیں، وہ ضرور مجتہد ہو سکتا ہے۔

(دیکھو رسالہ: اجتہاد وتقلید مصنفہ فاضل امرتسری)

یہاں تک تو ہوا اصل مضمون سے آپ کی زائد باتوں کا جواب! اب اصل مضمون پر آیئے:

آپ فرماتے ہیں کہ ''موسیٰ ◆ نے ملک الموت کو پہچان کر مکا مارا تھا، لہٰذا تمہارے (خاکسار کے) استدلالات باطل ہو گئے۔'' اور دلیل میں " أجب ربك " والی حدیث پیش کی ہے کہ ''اس فرشتے نے پہلے یہ جملہ کہا تھا، اس کے بعد حضرت موسیٰ ◆ نے مارا۔'' اس استدلال میں بالکل ہی ہیر پھیر سے کام لیا ہے۔ اگر "أجب ربك " سے

---

[1] حاشيه السندي على البخاري (۲/ ٥٤)

موسیٰ ◆ اس کا مرسل الٰہی ہونا پہچان لیتے تو کیوں مارتے؟ یہ تو خود دلیل ہے اس امر کی کہ موسیٰ ◆ نے ان کو نہیں پہچانا، اور واقعی بات یہی ہے کہ جب وہ فرشتہ انسانی شکل میں ہے اور پھر کہتا ہے ''خدا کے یہاں چل!'' تو لازمی بات ہے کہ موسیٰ ◆ کو غصہ آئے گا کہ یہ ایک آدمی ہو کر " أجب ربك "کہتا ہے اور یہ نتیجہ ہے موسیٰ ◆ کے جلد غصہ میں آجانے کا، حضرت جبرئیل ◆ نے آنحضرت ﷺ سے دیر تک کلام کیا تو آپ نے ان کو پہچانا ہی نہیں، جیسا کہ پیشتر کی تحریر میں لکھا گیا۔ پس موسیٰ ◆ صرف " أجب ربك " سے کس طرح اس کا فرشتہ ہونا پہچان لیتے؟ اس نہ پہچاننے کی وجہ سے یہ نوبت آئی، ورنہ اسے اگر فرستادہ باری سمجھتے ہوتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اسی بنا پر عینی میں ہے:

"لا يعرف موسىٰ الملك حين دخل عليه ...إلى قوله: أرسله في صورة البشر، فاستنكر موسىٰ شأنه ودفعه عن نفسه ." (٤/ ١٦٥)

''یعنی وہ چونکہ صورت انسانی میں آئے تھے اور موسیٰ ◆ نے ان کو پہچانا نہیں، اس لئے یہ نوبت آئی۔''

مولانا! افسوس کہ آپ ایک بدیہی بات کو خواہ مخواہ نظری بنا رہے ہیں۔ یا للعجب! بے اجازت اندر گھسنے والے کی آنکھ پھوڑنے کا حکم والا جواب تو جواب سابق کی تائید میں تھا، ورنہ اصل جواب وہی ہے اس کا انسانی شکل میں آکر انسان کی بساط سے باہر بات کہنا کہ ''خدا کے یہاں چل!'' یہی وجہ غضب ولطم وفقاء عین تھی نہ غیر، پھر آپ کا یہ لکھنا کیسا عجیب ہے کہ

''موسیٰ پر کیا کوئی آیت حجاب نازل ہوئی تھی، اور اگر ستر فرض تھا تو وہ آدمی نہ تھا، بلکہ معصوم فرشتہ تھا۔''

گو وہ فرشتہ ہی تھا لیکن آیا تو آدمی بن کر تھا؟ پس اس کے اس وجود انسانی پر یہ حکم لگا، نہ کسی دوسرے وجود پر، باقی رہا میرا ابن خزیمہ کا قول پیش کرنا اور آپ کا اسے محققانہ بحث کے خلاف اور اقوال الرجال کہنا، ہماری اصطلاحِ اقوال الرجال سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہم کبھی مسائل شرعیہ میں اقوال الرجال کو نہیں مانتے، جیسا کہ امام اعظم بھی فرمایا کرتے تھے: " هم رجال ونحن رجال "[1] اگر ابن خزیمہ نے تنہا کسی راوی کو ملحد و زندیق کہا اور محدثین کی ایک جماعت اس کی توثیق کرتی ہو تو ابن خزیمہ کا قول بوجہ من قبیل الشاذ ہونے کے نامقبول ہوگا، اور یہاں عدم قبول کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا کہنا واقعی حق ہے کہ: " هذا اعتراض من أعمى الله بصيرته " یہ اور بھی تعجب خیز بات ہے کہ آپ مجھ سے تمثیلی اور تخیلی آنکھ کا پتہ پوچھتے ہیں، حالانکہ میں نے خود اس کی تردید میں ابن التین کا قول نقل کیا ہے۔ گو اس کا پتہ عینی (ص: ۴/ ۱۶۵) میں ملتا ہے۔ ہاں اگلی بحث یعنی اس فرشتہ کا امتحان کے لیے آنا اور اجل اللہ کا نہ ٹلنا، اس کو آپ نے چونکہ ملتوی کیا ہے اور ایک معنی سے تسلیم کر لیا ہے، لہٰذا ہم بھی اس کو چھوڑتے ہیں، کیونکہ واقعی بات یہی تھی کہ یہ اختبار و امتحان تھا، جیسا کہ عینی سے پیشتر ہی نقل کر دیا گیا تھا۔

---

[1] الإحكام لابن حزم (٥٧٣/٤)

آخر میں ایک ضروری التماس کے تتمہ میں آپ نے پھر زنبیل والی کرامت کے غلط واقعہ کا خواہ مخواہ ذکر چھیڑا کہ ''اس حدیث کی صحت تسلیم کرنے سے قصہ مذکورہ کی صحت کا امکان تسلیم کرنا ہوگا۔'' بحالیکہ دونوں میں نہ کوئی لگاؤ ہے نہ تعلق، بلکہ " بينهما بون بعيد" کا مصداق ہے۔ پھر اس کی صحت کا امکان (یہ امکان بھی قابل غور ہے) حدیث کی صحت پر کیونکر موقوف ہوگا؟ مختصر یہ کہ اس باطل قصہ کی صحت کو تسلیم کرنے کے لیے صحیح حدیث نبوی کو موقوف علیہ گردانا کسی معنی میں صحیح نہیں۔ نہ بمعنی مصحح لدخول فاء بمعنی: "لو لاه لا متنع، " فافهم و تدبر!

آخر میں اڈیٹر صاحب میری سخت کلامی کی شکایت سخت کلامی سے کرتے ہوئے اپنے پر قیاس کر کے یہ عجیب نوٹ لکھتے ہیں کہ ''بنارسی صاحب نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، بلکہ فیض الباری شرح اردو صحیح بخاری سے لیا ہے۔'' خود بدولت شائد ایسا کرتے ہوں گے، اس لئے دوسروں کو بھی بھجوائے " المرء يقيس علىٰ نفسه " اپنے پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر میں نے فیض الباری کا نام بھی نہ سنا تھا۔ دیکھنا چہ معنی؟ اور نہ میرے خیال میں بنارس میں کسی کے پاس بھی ہو، میرے پاس ہونا تو درکنار! سچ ارشاد ہے: ذلك مبلغهم من العلم!

نمبر ۹:

اہل فقہ (۵ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ) میں مولوی عمر کریم کا پھر ایک مضمون مولوی بدایونی کے جواب میں شائع ہوا ہے، جس میں پہلے مجھے مخاطب کیا ہے کہ ''ہمارے مابین کے مباحثہ میں دخل نہ دیں۔'' واقعی آپ لوگوں کا مشورہ صحیح ہے، نہ مجھے دخل دینے کی ضرورت ہے نہ کوئی فائدہ، لیکن آپ کے جن مضامین (جرح بخاری) سے میرے مشن (ڈیفنس بخاری) کو زد پہنچنے کا اندیشہ ہوگا، اس کا دفعیہ ضروری کروں گا۔ میری تحریر ہمیشہ ایراد کے متعلق ہوئی ہے اور ہوگی، ان شاء اللہ۔

باقی رہا آپ لوگوں کے مابین کا راز و نیاز! اس سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ چنانچہ آپ کے ساڑھے تین صفحے کے لمبے مضمون سے صرف تین سطریں میں لیتا ہوں، جن سے میرے مشن کو زد پہنچی ہے، باقی آپ جانیں اور وہ!

اس مضمون سے قبل ایک ضروری امر کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ آپ نے اہل فقہ (۹ دسمبر) میں لکھا تھا:

''ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ ادنیٰ طالب علم سے کم ہیں۔''

''لیکن جب ہم نے حل نمبر (۴) مندرجہ ''اہل حدیث'' (۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء) میں اس کا پتہ دیا، تو اس دفعہ آپ نے خود ہی اپنے قلم سے مشتہر کر دیا کہ ''اس زمانہ میں بھی ایک ادنیٰ طالب علم اس سے بہتر باب باندھ سکتا ہے۔'' (کالم ۱/ ۵) ادنیٰ طالب علم کی کیا حقیقت ہے، بڑے سے بڑے ذی شان علماء اس میدان میں قدم نہیں مار سکتے۔ اللہ اکبر! جس کے نزدیک امام بخاری کی یہ وقعت ہو اور ان کی ایسی توہین کی جائے، اسے پھر محقق ہونے کا دعویٰ ہو!

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [الکہف: ۵]

صحیح بخاری کی پہلی حرمت معازف ومزامیر والی حدیث کے متعلق میں نے حل نمبر (۳) مندرجہ ''اہل حدیث'' (۱۷ نومبر ۱۹۱۱ء) میں مفصل جواب دیا تھا، اس کا جواب انہیں امام شوکانی کی نیل الاوطار سے دیا تھا کہ ان کو خود اس حدیث کی صحت مسلّم ہے، اور ابن حزم کے اعتراض کا جو جواب انہوں نے دیا ہے، وہ بھی نقل کر دیا تھا۔ اس کے متعلق اب آپ کا صرف یہی اعتراض اس طویل مضمون میں دیکھنے میں آیا کہ ''یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو رؤس ائمہ مجتہدین اس سے حجت پکڑتے'' (ص: ٦)

پس واضح ہو کہ حدیث کی صحت اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ ائمہ اربعہ نے اس سے حجت پکڑی ہو، اصول حدیث والوں نے جو صحیح کی تعریف کی ہے، وہ جس حدیث پر صادق آئے گی، وہ صحیح ہوگی، خواہ ائمہ اربعہ اس سے حجت پکڑیں یا نہ! اگر صحیح کی تعریف میں ائمہ اربعہ اور رؤساءِ مجتہدین کا حجت پکڑنا بھی داخل ہے، تو اس کا ثبوت نقل فرمائیں۔ آپ خود مجتہد نہیں ہیں، جو اپنے اجتہاد سے صحیح وغیرہ کی کوئی نئی تعریف گڑھ لیں!

دوسری حدیث: '' لا يزني الزاني '' الخ کے متعلق آپ کا آخری جواب اب یہی ہے کہ یہ تاویل (جو خاکسار نے خود صحیح بخاری و نیز عینی کی عبارت سے پیش کی تھی) اس کا علم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نہ تھا؟ میں کہتا ہوں واقعی نہیں تھا، اور یہ کوئی ان کی شان کے مخالف نہیں، صاحب صدر الشریعۃ توضیح میں فرماتے ہیں:

''أبو حنيفة لم يدر الدهر ''[1] یعنی امام اعظم کو عمر بھر دہر کا معنی ہی معلوم نہیں ہوا۔

تو اس حدیث کی تاویل اگر ان کو معلوم نہ ہوئی، تو اس سے بھلا حدیث موضوع ہو سکتی ہے؟ لا يقول بذلك إلا من سفه نفسه. فافهم!

تیسری: سو برس والی حدیث کے متعلق آپ کی انتہائی بحث اب یہی ہے کہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ صحابی آنخضرت ﷺ کے انتقال کے بعد ایک سو دس برس تک زندہ رہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہوگئی۔ جس کا حوالہ آپ نے کتاب الجمع سے دیا ہے، لیکن افسوس کہ یہ افسوں بھی آپ کا نہیں چل سکتا، کہنے والا اس کو یوں چٹکیوں میں اڑا دے گا کہ یہ من قبیل الشاذ ہے۔ والشاذ كالمعدوم، فاندفع ما أورد!

لیکن آیئے ہم آپ کی خاطر اس کے متعلق محققانہ بحث کرتے ہیں، پس بغور سنئے!

ابوالطفیل عامر بن واثلہ کے سنہ وفات کے متعلق چار قول ہیں:

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی۔

---

[1] شرح التلويح على التوضيح (١/ ٣٠) ولفظه: ''لأن العلماء المجتهدين لم يتيسرلهم علم بعض الأحكام مدة حياتهم كأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ لم يدر الدهر ''

۲۔ بعض کے نزدیک ۱۰۲ھ میں۔

۳۔ بعض کے یہاں ۱۰۷ھ میں۔

۴۔ بعض کے خیال میں ۱۱۰ھ میں۔ [1]

آپ نے جوان کی وفات ۱۲۰ھ میں لکھی ہے، یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے۔ امام مسلم صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

" مات أبو الطفيل سنة مائة "[2] (۲/ ۲۵۸)

اور حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:

" قال مسلم: مات سنة مائة، وقال ابن البرقي: مات سنة اثنتين ومائة، وعن مبارك بن فضالة مات سنة سبع ومائة، وقال وهب بن جرير بن حازم عن أبيه: كنت بمكة سنة عشر ومائة، فرأيت جنازة، فسألت عنها، فقيل لي: أبو الطفيل ." انتهى (۲۰۷/٤)

تهذيب التهذيب جلد پنجم میں فرماتے ہیں:

"قال مسلم: مات أبو الطفيل سنة مائة، وقال خليفة: مات بعد سنة مائة، ويقال: مات سنة سبع، وقال وهب بن جرير بن حازم عن أبيه: كنت بمكة سنة عشر ومائة، فرأيت جنازة، فسألت عنها، فقالوا: هذا أبو الطفيل۔ قلت: وقال ابن البرقي: مات سنة ۱۰۲، وقال موسىٰ ابن إسماعيل: ثنا مبارك بن فضالة: ثنا كثير بن أعين: سمعت أبا الطفيل بمكة سنة سبع ومائة." الخ [3] (كذا في التاريخ الصغير للبخاري : ۱۲۰)

اور تقريب التهذيب میں لکھتے ہیں:

"مات سنة عشر و مائة على الصحيح" اور خلاصہ میں ہے: "مات سنة مائة، وقيل: سنة عشرة."[4]

ان تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ ابوالطفیل نے ۱۰۰ھ میں وفات پائی ہے، اور ابن البرقی کہتے ہیں کہ عامر ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے ہیں اور خلیفہ اور ابن فضالہ کہتے ہیں کہ عامر نے ۱۰۷ھ میں انتقال کیا ہے اور وہب بن جریر بن حازم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ۱۱۰ھ میں مکہ میں ابوالطفیل کا جنازہ دیکھا تھا۔ غایت ما فی الباب اگر عامر کی وفات ۱۱۰ھ میں مان لی جائے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اسے صحیح قرار دیا ہے، تو عامر کا آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد ننانوے سال کے آخر میں فوت ہونا ثابت ہوتا ہے، پس یہ ہمارے لیے مضر نہیں، کیونکہ سو سال کے اندر ان کی وفات ثابت ہوگئی، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

---

[1] دیکھیں: تهذيب التهذيب (۷۱/۵) الإصابة (۲۳۰/۷)

[2] صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب كان النبي صلى الله عليه وسلم أبيض مليح الوجه، بعد حديث (۲۳٤۰)

[3] التاريخ الصغير (۱/ ۲۵۰) تهذيب التهذيب (۷۱/۵)

[4] تقريب التهذيب (ص: ۲۸۸) الخلاصة للخزرجي (ص: ۱۸۵)

"وغاية ما قيل في عامر بن واثلة: أنه بقي إلى سنة عشر و مائة، وهي رأس مائة سنة من مقالة النبيﷺ، والله أعلم." (٣/ ٣٣٢)

یعنی عامر کی وفات ۱۱۰ھ میں ماننے سے ٹھیک سو سال کے اندر اندر قریب راس سو برس کے ان کی وفات ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے وہ حدیث اپنے انتقال سے ایک ماہ پیشتر فرمائی تھی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں " في آخر حياته " کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"جاء مقيدا في رواية جابر: أن ذلك كان قبل موتهﷺ بشهر." (١/ ١٠٨)

لہٰذا حساب کی رو سے ننانوے سال کے آخر میں عامر کا انتقال کرنا ثابت ہوگیا اور معترض کا ایراد ہباءً منثوراً ہوگیا۔ پس ثابت ہوا کہ محل بحث حدیث أصح الصحيح ہے۔ وهو المطلوب، فلله الحمد.

نمبر ۱۰:

اہل فقہ (۸ اپریل ۱۹۱۲ء) میں مولوی عمر کریم کا پھر ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس کی سرخی یہ ہے: ''بخاری کی ایک اور حدیث'' اس میں حدیثِ بخاری کہ:

''آنحضرت ﷺ کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی منافق پر جنازہ پڑھنے سے روکا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا: میں اس کے لئے ستر سے زیادہ استغفار کروں گا۔'' [1]

کو موضوع ٹھہرایا ہے۔ یہ مضمون " الجرح حصه دوم" (ص: ۱۱ سے ۱۶) میں درج ہے اور ثبوتِ وضع میں عینی اور شرح مسلم پیش کی ہے۔ لطف یہ کہ معترض کے دعویٰ کا ثبوت دونوں سے نہیں ہوتا، مولوی عمر کریم کا دعویٰ یہ ہے کہ '' یہ حدیث موضوع ہے،'' اور فواتح الرحموت سے لے کر مصنف نے جن متکلمین کے کلام نقل کئے ہیں، ان کا طعن حدیث کی صحت میں ہے، یعنی وہ اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے اور یہ قاعدہ کسی اصول کی کتاب میں نہیں ہے کہ کسی حدیث کی صحت اگر ثابت نہ ہو، تو وہ موضوع ہو جائے، حدیث صحیح نہ ہو تو حسن ہوتی ہے، اس کا حسن ہونا بھی ثابت نہ ہو، تو غریب ہوگی، یہ بھی ثابت نہ ہو، تو البتہ ضعیف ہوسکتی ہے، لیکن اس کے لیے بھی محدثین کی تصریح شرط ہے، ضعیف حدیث کو موضوع تو کہہ ہی نہیں سکتے، چہ جائیکہ وہ (بالفرض) فقط صحیح نہ ہونے سے موضوع ہو جائے؟

اس سے صاف معلوم ہوا کہ معترض کو نہ تو اصول حدیث سے مس ہے، نہ وہ موضوع وضعیف وحسن وصحیح کے فرق کی تمیز کر سکتا ہے، پھر جب بضاعتِ علم یہ ہو تو اس میدان میں قدم مارنا کس قدر حماقت ہے؟! دوسری بات اس سے عجیب تر یہ ہے کہ معترض نے عینی سے صرف اعتراض نقل کیا ہے اور علامہ عینی نے خود اس کا آگے جو جواب دیا ہے،

[1] صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب مايكره من الصلاح على المنافقين، والاستغفار للمشركين، رقم الحديث (١٣٠٠)

اسے ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہ لی۔ یہ کس قدر غدر، فریب اور ناظرین کو دھوکا دینا ہے، لیکن میں ہمیشہ سے آپ کی یہ عادت دیکھتا آیا ہوں۔ لہٰذا شاید " العادة تكون الطبيعة الثانية " کے لحاظ سے آپ مجبور کہے جائیں؟ اس سے بھی زیادہ لطف کی بات سنئے کہ عینی نے ان اعتراضات کو حسب عادت فتح الباری سے نقل کیا ہے، لیکن نام تک نہ لیا (یہی اثر ان کے حواریوں میں بھی آنا تھا!) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان اعتراضات کو نقل کر کے کئی طریق سے مفصل جوابات دیئے ہیں اور ان معترضین (قاضی ابوبکر و ابوبکر الباقلانی و امام الحرمین وغزالی و داودی) کی بابت پہلے ہی فرما دیا ہے:

''وذلك ينادي على منكري صحته بعدم معرفة الحديث، وقلة الاطلاع على طرقه .'' [1]
(۲۰۵/۱۹)

''یعنی اس حدیث کے منکرین کو حدیث کی معرفت نہیں، اور وہ اس کے طرق پر بہت کم مطلع ہوئے۔''
(ورنہ وہ ہرگز اس کی صحت سے انکار نہ کرتے)۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے طرق بہت ہیں اور اس کی صحت پر امام بخاری و امام مسلم کا اتفاق ہے، اور اسی سند صحیح سے ارباب صحاح نے اس کو روایت کیا ہے۔ علامہ عینی آگے صاف جواب دیتے ہیں:

''وأجيب بأنهم ظنوا أن قوله: ذلك بأنهم كفروا، الآية، نزل مع قوله: استغفرلهم، ولم يكن نزوله إلا متراخيا عن صدر الآية فحينئذ يرتفع الإشكال .'' انتهى (٦٥١/٨)

''یعنی منکرین صحت نے یہ خیال کیا کہ آیت قرآنی ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا ﴾ ساتھ اتری ہے ﴿ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ کے (اس لئے ان کو حدیث کے مطلب سمجھنے میں دھوکا ہوا) حالانکہ ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا ﴾ والی آیت بہت پیچھے اتری ہے، شروع آیت ﴿ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ کے، پس اشکال اٹھ گیا۔''

مطلب اس کا یہ کہ منکرین صحت نے سمجھا کہ اللہ نے جب یہ فرمایا کہ آپ چاہے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے، تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا، اور پھر آگے اس کے کفر کی تصریح فرمائی تو اختیار جاتا رہا، چاہے ہزار مرتبہ بھی ان کے لیے بخشش مانگی جائے بے سود ہے، اور یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ حضرت ﷺ نے آیت کا معنی غلط سمجھا، لا محالہ حدیث ہی صحیح نہیں۔ تو اس کا جواب علامہ عینی نے دیا کہ ان کے کفر کی تصریح بعد کو اتری ہے، پہلے اختیار والی ہی آیت اتری تھی، اس لئے ان کو دھوکہ ہو گیا، ایک تو جواب ان کا یہ ہوا۔

دوسرا جواب حافظ ابن حجر نے دیا کہ ان کو حدیث کی معرفت ہی نہیں، نہ حدیث کی کثرت طرق پر ان کو اطلاع ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کا کسی صحیح حدیث کے متعلق عدم صحیح کا حکم ہرگز حیز قبول میں نہیں آ سکتا۔ فاندفع ما كان يرد!

[1] فتح الباري (٣٣٨/٨)

یہ تو ہوا اس اعتراض کا جواب، جو آپ نے عینی سے نقل کیا تھا، اب فواتح الرحموت کی تقریر اور اس کے وجوہ کے جوابات مفصلہ گوش گزار فرمایئے، گو بحر العلوم نے آگے خود بھی اس کا مفصل جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''اس بحث سے حدیث کی سند پر کلام کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی سند اس قدر کثرت سے ہے کہ خدشہ ہے کہ اس حدیث کو مشہور کہہ دیا جائے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ♦ کا روکنا اپنے گمان کی بنا پر تھا اور ممانعت صلوۃ بر منافق کی آیت پیچھے اتری ہے، اور ناسخ ہے اس آیت تخییر کی۔ لیکن ہم آپ کی خاطر ان وجوہات و خدشات پر مکمل بحث کرتے ہیں، جن کو آپ نے پیش کیا ہے، پہلا خدشہ فواتح الرحموت کی عبارت سے آپ نے یہ اخذ کیا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہم ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کریں گے، اگر بنظر تالیف تھا، تو اس سے دو خرابی لازم آتی ہے:

۱۔ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے عصیان کیا۔

۲۔ یہ کہ آپ ﷺ نے آیت کے اصل مطلب کو چھپایا۔ (۲/ ۱)

یہ دونوں شقیں غلط اور باطل ہیں، پہلی اس لئے غلط ہے کہ عصیان جب ہوسکتا ہے، جب خدا نے نماز پڑھنے سے پہلے منع کیا ہوتا، حالانکہ اس وقت تک ﴿لا تصل﴾ والی آیت یعنی ممانعت نماز کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ بعد کو نازل ہوئی، اس وقت تک تو صرف وہی آیت اتری تھی: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ [التوبة: ۸۰] جس میں آپ کو اختیار دیا گیا ہے، اگر یہ عصیان حضرت عمر کے قول " نهاك ربك أن تصلي عليه" سے سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ فواتح کی عبارت سے مترشح ہے، تو یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ مسلّم ہے کہ اس وقت تک ممانعتِ نماز کی آیت نہیں اتری تھی، لہٰذا حضرت عمر ♦ کا " نهاك ربك أن تصلي عليه" فرمانا، آیت ﴿فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ کے قرینہ سے ان کا اجتہاد تھا اور چونکہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک کھلے لفظوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں اتری تھی، اس لئے آپ نے حضرت عمر ♦ کا قول نہیں مانا۔

علاوہ بریں دوسری روایتوں میں حضرت عمر ♦ کا قول یوں منقول ہے: " نهاك الله أن تستغفر لهم "[1] لہٰذا "أن تصلي عليه " کا معنیٰ " أن تستغفر لهم" پر محمول ہوگا، اور اگر عصیان اس دلیل سے ثابت کیا جائے کہ اللہ نے دوسری آیت میں اس سے پہلے مشرکین کے استغفار سے آپ کو روک دیا تھا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۱۳]

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں اتری تھی، جو صریح (قولاً وفعلاً) مشرک مرے تھے، اور عبداللہ بن ابی مظہر الاسلام تھا، یعنی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا مرا تھا، لہٰذا اس کو اس آیت پر قیاس کرنا، کسی طرح ممکن نہیں۔ غرض کسی طرح عصیان ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] صحيح البخاري، برقم (٤٣٩٥)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

دوسری شق یعنی آپ ﷺ نے آیت کا مطلب چھپایا۔ یہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ اس وقت تک یہی اختیار والی آیت ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ کے سوا اور کوئی آیت نہ اتری تھی، نہ ﴿ لا تصل ﴾ والی، نہ سورۂ منافقین والی، پس اس آیت کا بصورت اس کے تنہا ہونے کا یہی مطلب ہے کہ آپ کو اختیار حاصل ہے۔ فبطل ما أورد!

دوسرا خدشہ اس عبارت میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ یہ اگر بنظر تالیف نہ تھا، بلکہ آیت سے عدد مخصوص مراد ہے، تو اس سے تین خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

۱۔ سیاقِ آیت اس کا انکاری ہے۔

۲۔ یہ فعل آپ کا سورۂ منافقون کی آیت ﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ [المنافقون: ٦] کے مخالف ہے۔

۳۔ آپ کا اپنا وعدہ پورا کرنا (کہ ستر سے زیادہ استغفار کروں گا) بھی منقول نہیں۔ (۲/ ۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب بنظر تالیف ہونا اوپر ثابت ہوگیا اور ان میں جن خرابیوں کا احتمال تھا اس کا معقول دفعیہ ہوگیا، تو یہ شق ''اگر بہ نظر تالیف نہ تھا'' باطل ہے، لہٰذا تینوں خرابیاں بھی اٹھ گئیں اور بصورت تسلیم (فرضاً) اس خدشہ ثانی کے شق اول کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ فعل سورہ منافقون کی اس آیت کا نزول اس آیت ﴿استغفرلهم کے بہت بعد ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"أخرج الطبري من طريق العوفي عن ابن عباس قال: أنزلت هذه الآية (أي سواء عليهم استغفرت لهم) بعد التي في التوبة: استغفرلهم ." (٢٠/ ٣٦٧)

پس اس سورہ (منافقون) کی آیت کے قبل کا فعل اس کے مخالف کیونکہ ہوسکتا ہے؟ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه !!

تیسری شق کہ ''آپ کا وعدہ پورا کرنا منقول نہیں،'' اس کے دو جواب ہیں، ایک تو یہ کہ عدم ذکر عدم شے کو مستلزم نہیں۔

دوسرا یہ کہ بے شک آپ کا وعدہ تھا کہ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا، لیکن جیسے ہی نماز جنازہ سے فارغ ہوئے، آیت ﴿ ولا تصل ﴾... الخ اتری۔ ❶ جس کی وجہ سے آپ ایفا سے رک گئے، گو آپ نے پہلے ارادہ کیا تھا لیکن اب ممانعت کے بعد اس کا ایفا ضرور عصیان ہوتا۔ وهو معصوم، وشأنه تعالى عن ذلك.

تیسرا خدشہ اس عبارت میں یہ مرقوم ہے کہ ''اس کے بعد والی آیت سے اس منافق کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، تو اس کو استغفار کیا نفع دے سکتا ہے۔ اگرچہ ہزار مرتبہ بھی کیا جائے؟'' یہ خدشہ بھی عجیب الٹی عقل کا نتیجہ ہے، استغفار کا ارادہ تو آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا کفر ظاہر ہونے سے قبل کیا تھا۔ اور ﴿ بأنهم كفروا بالله ﴾ والی آیت

❶ دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (١٣٠٠)

ارادہ کے بعد نازل ہوئی، اس لئے آپ نے استغفار نہ کیا، یہ تو اس وقت صحیح ہوتا جب اس کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ استغفار کرتے۔ وإذ ليس فليس!

چوتھا خدشہ فواتح الرحموت کی عبارت سے یہ مترشح ہوا ہے کہ ''اہل بدر پر تو آنحضرت ﷺ نے سات سے زیادہ تکبیر نہیں فرمائی اور منافق پر سات سے بھی زیادہ یعنی ستر کا وعدہ کیا، تو منافق کی فضیلت اہل بدر پر ثابت ہوگئی، حالانکہ اہل بدر خیار امت ہیں۔'' (۲/ ۱۵)

سبحان اللہ! کجا تکبیر جنازہ وکجا استغفار؟ دونوں کو ایک سمجھنا عجیب منطق ہے! اے جناب! آنحضرت ﷺ نے اس کے جنازہ کو تو چار ہی تکبیر سے پڑھا ہے، باقی رہا استغفار، تو وہ تکبیر سے علیحدہ ہے، اہل بدر کے لیے استغفار نہیں، کیونکہ وہ سب یقینی مغفور ہیں، البتہ اس منافق کے لیے استغفار کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے استغفار کا ارادہ کیا، تو اللہ پاک نے روک دیا۔ وأنىٰ هذا من ذلك؟!

بس یہی امام الحرمین کے خدشات باطلہ تھے، جن کی بنا پر انہوں نے بوجہ عدم معرفتِ حدیث کے صحیح حدیث کو غیر صحیح بنا دیا، جو بحمداللہ مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ گئے، اور حدیث بخاری کا أصح الصحیح ہونا آفتاب نیمروز کی طرح درخشاں ہوگیا۔ فلله الحمد.

نمبر ۱۱:

میں نے حل نمبر (۲) میں حضرت ابن عمر کے اثر " يأتيها في " کے مجرور محذوف کے متعلق مولوی غلام مصطفیٰ امر تسری کے خدشات کا دفعیہ کرتے ہوئے جو بحث کی تھی، اس کا جواب مولوی صاحب موصوف نے اہل فقہ (۱۵ اپریل) میں دیا ہے، جس کی سرخی ہے: '' في کا مشار الیہ '' اس سرخی نے سارے مضامین کی حقیقت آپ ہی کھول دی کہ جس سے ایسی فاش غلطی سرخی میں ہوئی ہو، اس کے بقیہ مضمون کی کیا حالت ہوگی؟ قیاس کن زگلستان من بہار مرا!!

یہ مضمون " كتاب الجرح على البخاري " جلد دوم کا آخری مضمون ہے، جو (ص:۷۲) سے (ص: ۸۸) میں تمام ہوا ہے۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ آپ لکھتے ہیں: '' في کا مشار الیہ ''۔ نحو کی چھوٹی سی کتاب پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ '' في '' حرف جار ہے اور جار کے لئے مجرور ہوتا ہے نہ مشار الیہ، مشار الیہ تو اسم اشارہ کے لیے ہوتا ہے، اور '' في '' اسم اشارہ نہیں۔ آگے کے مضمون کے متعلق کیا عرض کیا جائے؟ مضمون کیا ہے؟ مختلف بحثوں کا مجموعہ، یا یوں سمجھئے کہ معجون مرکب!

'' في '' کے مجرور پر بحث کرتے ہوئے اصول حدیث پر جادھمکے، کہیں راویوں کو دو چار سنائی، کہیں روایات کو

ساقط الاعتبار بنا دیا، اس لئے ہمیں بھی مجبوری ہوئی کہ ہم اپنے مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کریں، پہلے حصہ میں اصل اثر ما فی النزاع پر بحث کریں اور دوسرے میں خارجی باتوں پر، لہٰذا آپ بگوش ہوش متوجہ ہو کر سنئے۔

آپ نے جواہر منیفہ سے اثر ابن عمر پر پانچ اعتراضات نقل کئے تھے، جن کا میں نے مفصل جواب دیا تھا، آپ کی طبیعت میں اگر انصاف ہوتا تو قبول کے سوا چارہ نہ ہوتا، لیکن آپ کو خود چونکہ جواب کا شوق ہے، اس لئے ہم دوبارہ ہر ایک شق پر مفصل بحث کرتے ہیں اور آپ کے جدید خدشات کی قلعی کھولتے ہیں۔

۱۔ پہلا اعتراض آپ نے جواہر منیفہ سے یہ نقل کیا تھا کہ ''اس میں ''فی'' سے ادخال فی الدبر مراد ہے، میں نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ جواہر منیفہ کی عبارت کے خلاف ہے، اس لیے کہ آپ اس سے ادخال فی الدبر کا ہی ٹھیک ہونا سمجھتے ہیں، حالانکہ سالم ؒ اس کی تکذیب کر کے مطلب کچھ اور ہی نقل کرتے ہیں۔ [1] لہٰذا اس کو اپنی دلیل سمجھنا غلط ہے۔ اس پر آپ لکھتے ہیں کہ ''اس قدر طیش میں آنا کیا معنی؟ ادخال فی الفرج تو معمولی بات ہے، اس کے ذکر کرنے میں کیا اکراہ ہے؟'' (۲/۸۳)

اے جناب! چونکہ بعض لوگوں کا مذہب ادخال فی الدبر ہی تھا (جیسا کہ آپ بھی آگے مانتے ہیں) اس لئے اس اثر میں ان کا رد ہوگا، جبکہ اس کا مجرور فرج ہوگا نہ کہ دبر، ہاں اور کیا دبر میں اسکتراہ ہے اور ذکر فرج میں استلذاذ ؟ تو پھر اور حدیثوں میں (جن میں وطی فی الدبر کی ممانعت ہے) اور آثار میں لفظ دبر کیوں آیا؟ ۔ع حیلہ خولا بہانہ بسیار!

میں نے چونکہ پہلے ہی ثابت کر دیا تھا کہ جس جواہر منیفہ سے آپ فی الدبر ثابت کرتے ہیں، آگے اس کو سالم جھٹلاتے ہیں، لہٰذا آپ کا مقصود ثابت نہیں ہوا بلکہ فی کا مجرور فرج ثابت ہوگیا۔ وھو المطلوب!

آگے آپ لکھتے ہیں کہ: ''امام عینی اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔'' (۲/ ۸٤)

اجی حضرت! وہ تو صرف اسماعیلی کا قول نقل کرتے ہیں، اور نقل مذہب اس امر کو مستلزم نہیں کہ اس ناقل کا بھی وہی مذہب ہو، مؤلف ہدایہ نے اکثر جگہ امام شافعی کو بھی ذکر کیا ہے، تو کیا اس سے یہ بھی لازم آیا کہ صاحب ہدایہ کا وہی مذہب ہے جو امام شافعی کا ہے؟ ع۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

اور یہی جواب ہے آپ کی اس عبارت کا کہ:

''چونکہ امام مالک اور شافعی کے نزدیک وطی فی الدبر حلال ہے (جس کی عبارت آپ نے عینی سے نقل کی ہے) اور امام بخاری کا اکثر ان کے مذہب سے توافق ہو جاتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہاں بھی توافق ہوگیا ہو اور امام بخاری کے نزدیک بھی (فی کا مجرور دبر ماننے سے) یہ وطی فی الدبر حلال ہو۔'' (ص: ایضاً)

---

[1] دیکھیں: شرح معاني الآثار (۳/٤۲) فتح الباري (۸/۱۹۰)

میں کہتا ہوں کہ کسی مسئلہ کو مجتہد کی تصریح کے بغیر اس کا مذہب سمجھنا عجیب لازمہ ہے، باوجودیکہ آپ نے اپنی پہلی تحریر میں خود تسلیم کیا تھا کہ ''امام بخاری کا یہ مذہب نہیں ہے۔''

کیا اکثر مسائل میں فقہاء حنفیہ کا فقہاء شافعیہ سے توافق نہیں ہوتا؟ تو پھر ہم اس وجہ سے دیگر مسائل میں بھی حنفیہ کا وہ مذہب قرار دے سکتے ہیں جو شافعی کا ہے؟ لا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!

آگے اپنی طرف سے ایک عذر خود بخود قائم کر کے مجھے عجیب الزام دیا ہے کہ ''امام بخاری کا بوجہ تردد مجرور کا ذکر نہ کرنا مہمل عذر ہے۔'' (۲/ ۸۵)

جس کا میری سابق تحریر میں کہیں بھی پتہ نہیں ہے اور اسی پر طیش میں آ کر ایک سارا کالم روایت کے متعلق فضول بحث سے سیاہ کیا ہے، جس کے متعلق کچھ بحث ہم اس مضمون کے دوسرے حصے میں کریں گے۔ انشاء اللہ

۲۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ نافع اس روایت سے منکر ہیں اور چوتھا یہ تھا کہ نافع نے ذہاب عقل کے وقت یہ روایت بیان کی ہے، میں نے ان دونوں کی بابت لکھا تھا کہ یہ دونوں باہم متعارض ہیں۔ آپ اس پر فرماتے ہیں کہ ''تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ نافع کا انکار بحالت قیام ہوش ہے اور اقرار ذہاب عقل کے وقت، جو کالعدم کے برابر ہے، لہٰذا صرف انکار ہی رہا۔'' (۲/ ۸۷)

لیکن آپ نے یہ نہ بتلایا کہ نافع نے جو ذہاب عقل کے وقت اقرار کیا، تو ان کا انکار کرنا اقرار سے قبل ہے یا بعد؟ اگر ان کا اقرار قبل ہے اور انکار بعد میں ہے، جیسا کہ جواہر منیفہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالنضر نے نافع سے پوچھا:

''إنه قد أكثر عليك القول: إنك تقول عن ابن عمر أنه أفتىٰ أن تؤتى النساء في أدبارهن؟ فقال نافع: كذبوا علي.'' (۲/ ۱۰۰)

کہ آپ سے ابن عمر والی وطی فی الدبر کی روایت بہت مشہور ہے، تو جواب دیا کہ جھوٹ ہے۔

یہ شہرت اس وقت ہوئی ہوگی جب نافع نے پہلے اقرار کیا ہو، خواہ وہ ذہاب عقل ہی کے وقت ہو، بہر حال اس انکار کے بعد اقرار کسی حال میں منقول نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ نافع ذہاب عقل کے بعد پھر ذی عقل ہوگئے تھے!

اب یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ذہاب عقل ان کا کب ہوا تھا اور وہ کیا تھا جنوں یا مراق؟ اسماء رجال میں تو ذہاب عقل سے عمر شیخوخت مراد ہوتی ہے، جس کے بعد افاقہ ممکن نہیں، جب تک شیخوخت زائل نہ ہو، وذا محال!

یا اگر انکار قبل ہے تو اقرار (بوقت ذہاب عقل) کا ثبوت ہونا چاہئے کہ وہ سن شیخوخت میں ہوا، جو کالعدم مانا جائے، ثبوت کے بعد بھی یہ عبارتِ جواہر کے خلاف ہوگا، پس تعارض نہیں تو کیا ہے؟ اور اقرار کو کالعدم مان کر نافع کا

انکار ہی مانا جائے، تو علاوہ اس کے کہ اس سے آپ کی چوتھی شق خود باطل ہوتی، یہ انکار دبر کو مجرور ماننے سے ہوگا نہ اصل روایت سے، لہٰذا فی کا مجرور فرج ثابت ہوجائے گا، جو امام بخاری اور امام حمیدی و برقانی وسالم کا مذہب ہے۔ جو جواہر منیفہ سے پہلے نقل کیا گیا تھا، یعنی " أن يؤتى في فروجهن من أدبارهن "

۳۔ تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ''حضرت ابن عمر نے بھی ضمناً اس سے انکار کیا ہے۔'' اس پر میں نے عرض کیا تھا کہ یہ انکار جواہر منیفہ کی عبارت سے مترشح نہیں ہوتا، بلکہ اقرار البتہ پایا جاتا ہے۔ اس کو تو آپ نے تسلیم کر لیا کہ اس عبارت سے واقعی انکار نہیں مترشح ہوتا، جب تو جواہر منیفہ کے دوسرے مقام سے انکار کی عبارت صراحتاً نقل کی ہے، آپ کی اس دوسری عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر اس فعل وطی فی الدبر سے انکار کرتے ہیں، تو اس انکار کی بنا پر میں نے پہلے ہی لکھ دیا تھا اور اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اس سے میرا مقصود ثابت ہوگیا کہ فی کا مجرور محذوف فرج ہے نہ دبر، کیونکہ حضرت ابن عمر ♦ خود فی الدبر سے انکار کر رہے ہیں۔ کیا خوب ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

۵۔ پانچواں اعتراض یہ تھا کہ ''یہ حدیث آیت ﴿ حرث لكم﴾ کے مفاد کے خلاف ہے۔'' اس پر میں نے کئی خدشات پیش کئے تھے، لیکن اب بحمداللہ آیت مذکورہ کے مفاد کے موافق ثابت ہوگیا بلکہ پورا مصداق ہوگیا، کیونکہ یہ اچھی طرح پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ اثر ابن عمر ♦ میں فی کا مجرور جو محذوف ہے، وہ فرج ہے نہ کہ دبر، اور آیت ﴿ حرث لكم﴾ کا یہی مفاد ہے۔

لہٰذا آپ کی پانچوں شقیں پھر دوبارہ باطل ہوگئیں اور اس دفعہ کی بحث میں یہ عجیب لطف ہوا کہ ہر شق کے ابطال کے بعد فی کا محذوف مجرور فرج ہی ثابت ہوتا گیا نہ دبر، اور امام بخاری اور ابن عمر کا مذہب وطی فی الفرج کا ہی ہونا آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہوگیا۔ فللہ الحمد.

اب ہم دوسرے حصے پر آتے ہیں، آپ نے لکھا ہے: ''اثر پر حدیث کا اطلاق کہاں منع ہوا؟'' (۲/ ۸۳)

اے جناب! آپ کے فقہاء کی طرف سے منع ہوا۔ مقدمہ ابن صلاح (ص: ۲۱) و تدریب الراوی (ص: ۶۱، مصری) میں ہے: " الفقهاء يقولون: إن الخبر ما يروى عن النبي ﷺ، والأثر ما يروى عن الصحابه "❶

اور نخبہ اور اس کی شرح میں ہے: " ويقال للآخيرين أي موقوف، والمقطوع: الأثر "❷

اور عرف میں بھی آثار صحابہ بولا کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''خلفائے راشدین کے طریق اخذ کو چھوڑ کر محدثین نے اخذ احادیث کا اور طریقہ جاری کیا۔''

---

❶ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٢٧) تدريب الراوي (١/ ١٨٤)

❷ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ١٤٥)

اس کے بعد آگے خلفائے راشدین کے طریقہ کو لکھا ہے کہ ''کثرت حدیث سے مجتنب رہتے، حضرت علی ◆ راوی کو حلف دے کر اس سے حدیث سنتے، حضرت صدیق و فاروق ◆ راوی سے بینہ وشہادت طلب فرماتے۔'' (۲/ ۸۶)

نتیجہ یہ مرتب کیا ہے کہ محدثین نے آزادی اختیار کی، صحابہ کے طریق کو چھوڑا، حسب فرمان نبوی کذب کا افشاء ہوا، بہت سی حدیثیں موضوع بن گئیں۔ انتهى ما فيه.

میں کہتا ہوں کہ اس تحریر سے غالباً آپ کی مراد یہ ہے کہ اگر حدیثیں جمع نہ ہوتیں، تو ہمارے قیاسی مسائل کا بازار اچھی طرح سے گرم رہتا اور جو مسئلہ چاہتے ایجاد کر کے شائع کرتے۔ واقعی حدیثوں کا جمع ہونا قیاسی فقہی مسائل کے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوا۔

اے جناب! محدثین کا احسان مانیے کہ انہوں نے کلام رسول کو ہم تک بلاغش وغل پہچانے کے لیے ایسے کام کئے کہ دنیا حیران ہے، علم اسناد وضع کیا، اصول وقواعد مقرر کئے، رواۃ کے حالات سے ہمیں متنبہ کیا، جس سے ہم کلام رسول وکلام غیر میں اچھی طرح تمیز کر سکیں، صحابہ ❁ میں بہت سے ایسے تھے، جنہوں نے حدیثوں کو کتابوں میں جمع کیا، حضرت ابوہریرہ ◆ نے کئی مجلد کتابوں میں حدیثیں جمع کیں، حضرت ابن عمرو ◆ الگ لکھ کر رکھتے، [1] بعض صحابہ اپنے تورع سے حدیث زیادہ بیان کرنے سے رکتے کہ مبادا کلام نبی میں کوئی اختلاط ہوجائے، جب کلام نبی کے ساتھ کلامِ غیر کے مختلط ہونے کا خوف ہوا تو محدثین نے علم اسناد وضع کر کے ثقہ راوی کو غیر ثقہ سے الگ کیا، حدیثوں کو کتابوں میں جمع کیا۔ خدا ان کی سعی وکوشش کو مشکور فرمائے۔ آج مسلمانوں کے اس علم پر مخالفین اسلام عش عش کرتے ہیں، چہ جائیکہ مسلمان ہی اس کو آزادی سے تعبیر کر کے محدثین پر حملہ کریں؟ العیاذ باللہ!

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس پر کامل بحث کریں اور تمام اصول کی کتابوں سے اس کی حقیقت کھول کر بتلا دیں کہ محدثین کی یہ سعی کس قدر مقبول اور طریقِ صحابہ کے مطابق ہے؟ لیکن افسوس کہ یہاں طوالت کا موقع نہیں ہے، ہم اس کی مفصل بحث ان شاء اللہ ایک الگ رسالہ میں کریں گے۔ مختصر یہ کہ محدثین کے عام احسان کے علاوہ ہم پر امام بخاری کا خاص احسان ہے کہ لوگوں کے عمل کے لیے خاص أصح الصحيح احادیث کا انتخاب کر کے صحیح بخاری میں جمع کر دیں، خدا ان کو جزاءِ خیر دے۔

آسان نہیں تالیف احادیث صحیحہ — یہ کام ہے الحق ید بیضائے بخاری
کی غوطہ زنی قلزم تحقیق میں برسوں — تب ہاتھ تو لؤلا لائے بخاری
یکجا کیا اخبار صحیحہ کو پرکھ کر — ہر سر پہ ہے احسان کرمہائے بخاری

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: دراسات في الحديث النبوی وتدوينه (۱/ ۹۲)

نمبر۱۲:

اہل فقہ (۱۵ جولائی ۱۹۱۲ء) میں عمر کریم کا ایک مضمون ''غلطی'' کی سرخی سے شائع ہوا ہے کہ:

''امام بخاری سے صحیح بخاری کی ایک حدیث کی سند میں یہ غلطی واقع ہوگئی ہے کہ انہوں نے عطا خراسانی کو عطاء بن ابی رباح سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ عطاء خراسانی ہے، اور اس کو نہ ابن عباس سے سماع ہے اور نہ اس سے ابن جریج کو، لہٰذا حدیث منقطع ہوگئی۔'' (۲/ ۱۶، ۱۷)

میں کہتا ہوں کہ سندِ بخاری میں تو صرف یوں مرقوم ہے: " قال عطاء عن ابن عباس "[1] (پ ۱۰)

اس عطاء کے خراسانی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ بحالیکہ اس میں خراسانی کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ عطا بن ابی رباح ہے، جس سے انقطاع کا شبہ بالکل مدفوع ہے۔ بناءِ ثبوت جب صرف اقوالِ شارحین پر ہی موقوف ہے، تو ہم سے سنئے، قسطلانی میں ہے:

"لكن البخاري ما أخرجه إلا أنه من رواية عطاء بن أبي رباح، لأن الخراساني ليس على شرطه، ولقائل أن يقول: هذا ليس بقاطع في أن عطاء المذكور هو الخراساني، فيحتمل أن يكون هذا الحديث عند ابن جريج عن الخراساني وابن أبي رباح جميعاً." (۷/ ۲۸۳)

یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو عطا بن ابی رباح کی روایت سے بیان کیا ہے، اس لئے کہ عطاء خراسانی ان کی شرط پر نہیں ہے، کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس کے یقین ہونے کا کیا ثبوت ہے کہ یہ عطا خراسانی ہی ہے؟ بلکہ احتمال ہے کہ ابن جریج کے پاس' یہ حدیث عطاء خراسانی وعطاء بن ابی رباح ہر دو کی روایت سے ہو اور امام بخاری نے اس سے عطا بن ابی رباح مراد لیا ہو۔ (کیونکہ عطا خراسانی ان کی شرط پر نہیں ہے)۔ فإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال!

لہٰذا خراسانی کا تعین باطل ہوگیا۔ علامہ عینی سے اس کی بابت جو آپ نے " فيه نظر " کا جملہ نقل کیا ہے، اس میں خود نظر ہے، اس لئے کہ حالاتِ رواۃ امام بخاری پر پوشیدہ نہ تھے، ہاں "فسبحان من لا يخفىٰ عليه شيء" تو تمام اشیائے موجودہ فی السماء والارض وما تحت الثریٰ کے متعلق ہے۔ جن کا جاننے والا خداوند تعالیٰ ہے، کیونکہ عالم الغیب وہی ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"والذي قوي عندي أن هذا الحديث بخصوصه عند ابن جريج عن عطاء الخراساني وعن

---

[1] صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ رقم الحديث (٤٦٣٦)

عطاء بن أبي رباح جميعا." [1] انتهی (فتح الباری: ۲/ ۳۷۷)

"یعنی یہ حدیث خاص کر ابن جریج کے پاس عطاء خراسانی و عطا بن ابی رباح ہر دو کی سند سے ہے۔"

اور اس جواب کو علامہ عینی نے بھی نقل کیا ہے، جسے مولوی عمر کریم نے بھی اہل فقہ میں نقل کیا ہے، لیکن اس پر علامہ عینی کا احتمالِ امکان کہ یہ شاید امام بخاری پر پوشیدہ رہا ہو، بے ثبوت و خلاف بداہت ہے۔ افسوس کے ایسے مہمل اور لایعنی اعتراضات سے معترض خود اپنی قلیل البضاعتی کا اظہار کرتے ہیں، خدا ہدایت دے۔ آمین۔

نمبر۱۳:

اہل فقہ (۲۱ شعبان ۱۳۳۰ھ) میں امام بخاری رحمہ اللہ پر یہ دو اعتراضات شائع ہوئے ہیں:

۱۔ تراجمِ ابواب بخاری کے بعض مسائل میں خود امام بخاری کو یقین نہیں ہوا بلکہ تردد و شک رہا اور اسی وجہ سے ان مسائل میں امام بخاری نے اپنی طرف سے کوئی قطعی یا ظنی فیصلہ نہیں کیا۔

۲۔ بعض مسائل میں ان کے فیصلہ کو دوسرے محدثین نے نہیں مانا۔ اس بنا پر نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ ان کے مسائل مثل مسائل مذاہب اربعہ قطعی و اتفاقی نہیں ہیں۔ (الجرح حصہ دوم: ۳۳)

معترض کے اس عجیب اعتراض پر نہایت تعجب ہے کہ باوجود تسلیمِ بعضیت کے سارے مسائلِ بخاری پر عدم القطع کا کیونکر حکم لگا دیا؟ حالانکہ اکثریت کی بناء پر مجازاً کل کا حکم لگایا جاتا ہے، کیونکہ اعتراض اول میں مرقوم ہے کہ بعض مسائل میں امام بخاری کو یقین نہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اکثر پر تیقن ہے، پس بفحوائے " للأكثر حكم الكل " اس بعض کا اعتبار نہیں۔

اعتراض دوم میں یہ مسطور ہے کہ ان کے بعض فیصلہ کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا (گو محدثین ایک دوسرے کے مقلد نہیں ہوتے کہ خواہ مخواہ اس کی تقلید کریں بلکہ خود مجتہد و محقق ہوتے ہیں، وہ اپنے اجتہاد کے نتیجہ پر عامل ہوا کرتے ہیں) لیکن معلوم ہوا کہ مسائل میں امام بخاری کا اکثر فیصلہ محدثین کو مسلّم ہے۔ لہٰذا یہاں بھی بعضیت کا اعتبار نہیں رہا، اور اگر معترض نے اس بعض کو اکثر یا کل کے معنی میں مراد لیا ہے، تو ہر دو اعتراض خود ایک دوسرے کے مناقض و معارض ہوں گے، کیونکہ اس صورت میں اعتراض اول کا منشاء یہ ہوگا کہ امام بخاری کے کل مسائل فیصل شدہ نہیں ہیں بلکہ سب میں ان کو شک و تردد تھا۔ (گو یہ خلاف بداہت ہے) دوسرے اعتراض سے ثابت ہوگا کہ امام بخاری کے کل مسائل فیصل شدہ ہیں، لیکن دوسروں کو مسلم نہیں۔ (یہ ایک اور بات ہے) پس یہ دونوں صریح ایک دوسرے کے مخالف ہیں، کیونکہ معترض کہتا ہے کہ امام بخاری نے مسائل ابواب پر فیصلہ نہیں کیا۔ (لیکن غیروں کو مسلم

---

[1] فتح الباري (٨/٦٦٨)

نہیں)۔ وهل هذا إلا شيء عجيب!

پس اعتراض میں بعضیت کی صورت بحال ہوگئی۔ یعنی بعض مسائل بخاری کے غیر فیصل شدہ ہیں اور بعض فیصل شدہ مسائل محدثین کو مسلم نہیں، اور اس اعتراض کے ضمن میں معترض کو یہ مسلم ہے کہ بخاری کے اکثر مسائل فیصل شدہ اور محدثین کو مسلم ہے، اب سنئے ہر دو اعتراض کا جواب! اعتراض دوم تو ہمارے خیال میں مقلدیت کا نتیجہ ہے اور محدثین چونکہ مجتہد ہوتے ہیں نہ مقلد، لہٰذا وہ دوسرے کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا اجتہاد کسی کے اجتہاد سے موافقت کر جائے، لہٰذا اس توافق فی الاجتہاد کی وجہ سے ان پر مقلدیت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ جیسا کہ امام بخاری کے اکثر مسائل امام شافعی سے مل گئے ہیں، لیکن وہ شافعی کے مقلد نہیں بلکہ بعض جگہ شافعی کا صریح خلاف کیا ہے، ان پر شافعی کی تقلید کا الزام نہایت غلط و باطل و کذب و افترا ہے، جیسا کہ میں اپنے کئی رسالوں میں مفصل لکھ چکا ہوں۔

پس اگر امام بخاری کے بعض فیصلہ جات کو دوسرے محدثین نے تسلیم نہیں کیا تو اس سے امام بخاری یا جامع بخاری کی منزلت میں نقص نہیں آ سکتا۔ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ کے بہت سے مسائل ان کے ارشد تلامذہ امام محمد و امام یوسف کو مسلم نہیں ہوئے، اس سے امام اعظم کی شان میں فرق نہیں آ سکتا، پس یہ تو کوئی بات نہیں ہے اور یہ اعتراض ہی سرے سے لغو اور مقلدیت کا نتیجہ ہے۔ ہاں اعتراض اول کہ ''امام بخاری کو بعض مسائل میں تردد رہا، اس لئے انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔'' یہ صحیح بخاری میں عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ امام بخاری کی تبویب جامع بخاری میں مختلف وجوہ سے ہے، بعض تو ان کا مذہب ہوتا ہے، جو قطعی اور فیصل شدہ ہوتا ہے۔ جیسے: باب النهي عن الاستنجاء باليمين، اور باب لا يستنجى بروث، اور باب غسل الرجلين ولا يمسح على القدمين. وغیرہ وغیرہ

بعض ابواب میں صرف نقل مذاہب مدنظر ہوتا ہے، نہ فیصلہ کرنا، یعنی اطلاع عام کے لیے مذاہب مختلفہ بتلانا اور ان کو ان کے دلائل کے ساتھ نقل کر دینا، اس صورت میں فیصلہ کوئی ضروری امر نہیں ہے بلکہ جس کو اس کی تحقیق میں جو دلیل واضح اور مختار معلوم ہو اس کے ساتھ اتفاق کر لے، امام بخاری پر مختلف مذاہب کے نقل کرنے میں فیصلہ اس وقت ضروری تھا، جب ان کو اپنی تقلید کرانی منظور ہوتی، نہ یہ کہ ان کو تردد و شک تھا۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت ہماری موید ہوگی نہ معترض کی، جو اس نے مقدمہ بخاری سے نقل کی ہے:

"ومنها أنه يترجم بمذهب ذهب إليه ذاهب، ويذكر في الباب ما يدل عليه ." الخ

''یعنی امام بخاری کسی مذہب والے کے مذہب کے موافق ترجمہ باب مقرر کر کے اس کے ذیل میں ایسی

احادیث لاتے ہیں، جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔“

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نقلِ مذہب مع دلیل صرف اطلاع عام کے لیے ہے نہ خود حکم بن کر اس پر قطعی فیصلہ کرنے کو، اسی لئے تو ان کے بعض ایسے فیصل شدہ مسائل کو بعض محدثین تسلیم نہیں کرتے، یہ تو بیٹھا رہے امام بخاری کا یہ مذہب کہ عنعنہ میں معنعن کی صرف معاصرت ہی شرط نہیں بلکہ لقا بھی شرط ہے۔ جو محدثین اور تمام اصول حدیث والوں کا متفق علیہ مذہب ہے، امام مسلم سے (جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ سے ہیں) نے اسے نہیں تسلیم کیا، بلکہ زوروں سے اس کا رد کیا ہے، جو صحیح نہیں۔ پس شک و تردد کا الزام امام بخاری پر بالکل مدفوع ہے اور ایسے ابواب کی مثال: ”باب سؤر الكلاب اور باب إذا شرب الكلب في الإناء اور باب من أجاز طلاق الثلاث اور باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين “ وغیرہ وغیرہ ہے، جسے فاضل معترض نے شک و تردد کی مثال میں ذکر کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان ابواب میں خود معترض کو شک و تردد ہے، تبھی تو شک و تردد کی مثال میں لکھتے ہیں:

صحیح (ص: ۲۹) کے دو ابواب میں کتے کے جوٹھے کا مسئلہ بیان کیا ہے (الی قولہ) کوئی قطعی کجا ظنی فیصلہ بھی نہیں کیا کہ کتے کا جوٹھا پاک ہے، جو اگلی تین حدیثوں سے (جن کی بابت معترض لکھتا ہے کہ ان میں کتے کی منہ ڈالی چیز کو دھونے کا حکم نہیں دیا گیا) ظاہر طور سے ثابت ہے اور بعض کے نزدیک پلید ہے، جو اس برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالنے والی حدیث سے ثابت ہے۔“

پس یہ تو مذاہب مختلفہ ہیں، جس شخص کو ان دلائل سے جو قوی اور راجح معلوم ہو، اس پر وہ عمل کرے، امام بخاری کے فیصلہ کی حاجت نہیں ہے، اسی واسطے عینی نے لکھ دیا:

”غرضه بيان مذاهب الناس .“ (۱/ ۷۸۲) جس کو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔

ایسا ہی امام بخاری نے ” باب من أجاز طلاق الثلاث “(جس کو معترض نے دوسری مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ (الجرح: ۲/۳۶) منعقد کر کے اختلاف مذہب بتلایا ہے کہ بعض کے نزدیک تین طلاقیں ایک طہر کی تین ہی ہوتی ہیں، بدلیل حدیث لعان: ”فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره ﷺ “[1] (گو بعض کا یہ استدلال فی نفسہ مسلّم نہیں) اور بعض کے نزدیک تین طلاقیں تین طہر کی ہوتی ہیں، نہ ایک طہر کی، بدلیل حدیث زوجہ رفاعہ قرظی: ” أن رفاعة طلقني فبت طلاقي “[2] یہ طلاق بتہ متفرق دفعہ کی تھی، بدلیل دوسری روایت کے جو خود امام بخاری اپنی جامع صحیح میں کتاب الأدب میں لائے ہیں: ” فطلقها آخر ثلاث تطليقات“[3] (پارہ ۲۵) جس سے تین طلاق کا متفرق طہر

[1] صحيح البخاري: كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، رقم الحديث (۴۹۵۹)

[2] مصدر سابق، برقم (۴۹۶۰)

[3] صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب التبسم والضحك، رقم الحديث (۵۷۳۴)

میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ نقل مذاہب ہے نہ یہ کہ اس میں امام بخاری کو شک و تردد تھا، جس کی بنا پر معترض صاحب نے لکھ دیا کہ ''اس باب میں امام بخاری نے جو احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک میں بھی تصریح نہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو سوائے صورتِ لعان کے ایک طہر میں تین طلاقیں دے تو اس کی عورت اس سے قطعاً بہ سہ طلاق علیحدہ ہوجاتی ہے۔'' (الجرح: ۲/ ۳۶)

اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''امام بخاری نے اس باب میں کوئی ایسی صریح حدیث وارد نہیں کی، جس سے ثابت ہو کہ تین طلاقیں بدوں حالت لعان کے ایک ہی طہر میں دی جائیں، وہ تین ہوتی ہیں۔'' (۲/ ۳۶)

حالانکہ معترض کو ان دونوں تحریروں میں مسلّم ہے کہ لعان کی صورت میں تین طلاقیں تین ہوں گی، باقی رہا غیر صورت لعان میں اس میں بدلیل دوسری حدیث (رفاعہ قرظی) تین طلاقیں جب متفرق طہر میں دی جائیں گی تو تین بتہ ہوں گی ورِلا فلا، پس یہ مسئلہ کس قدر صاف ہے؟ اس پر امام بخاری کے قطعی یا ظنی فیصلہ وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں، جیسا کہ معترض کو وہم ہوا ہے بلکہ ہر دو مذاہب کے دلائل سامنے ہیں، اب ان میں از روئے تحقیق مجتہد دیگر جو قوی اور راجح معلوم ہو اس پر عمل کریں، ورنہ فیصلہ بخاری کی آرزو میں تقلید کا عار سہنا ہوگا، جسے کوئی مجتہد کیا عاقل بھی اپنے لئے پسند نہیں کرسکتا!

علی ہذا القیاس '' باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین '' (جس کا ذکر دوسری مثال کے ضمن میں آیا ہے)۔(حاشیہ الجرح: ۲/ ۳۵)

یہ باب بھی امام بخاری نے مذہب بتلانے کے لئے منعقد کیا ہے، کیونکہ اس وقت ایک جماعت کا مذہب یہ مشہور تھا کہ علاوہ مخرجین کے اور مخارج بدن سے اگر کوئی شے خارج ہو وہ ناقض وضو نہیں۔

معترض کا اس بات پر یہ لکھنا کہ:

'' امام بخاری خون کے ناقض وضو ہونے یا نہ ہونے میں متردد تھا، اس لئے صاف نہیں کہا کہ خون ناقض وضو نہیں ہوتا۔'' (حاشیہ: ۲/ ۳۶)

صحیح نہیں، کیونکہ کسی مسئلہ کا منطوق نہ ہونا تردد و شک کی دلیل نہیں ہوسکتا، بحالیکہ وہ مفہوم ہوتا ہو، چنانچہ عدم نقض کا مفہوم ہونا معترض کو مسلم ہے، لہٰذا امام بخاری کو ہرگز ہرگز عدم نقض میں تردد نہیں تھا، صاف کہنا اس وقت ضروری ہوتا، جب اس مسئلہ میں امام بخاری محاکمہ کرتے، حالانکہ انہوں نے آگے حدیث وآثار عدم نقض کے بیان کردیئے ہیں، جس کا معترض کو خود اقرار ہے، گو وہ ترجمہ باب ہی میں ہے، ترجمہ باب میں مذکور ہونے کے متعلق امام بخاری کی شرط پر نہ ہونے کا عذر غیر مسموع ہے، جیسا کہ معترض نے آگے لکھا ہے، کیونکہ علاوہ ازیں کہ ان

حدیث و آثار کی صحت بجائے خود ثابت ہے، وہ تعلیقات بخاری سے ہوں گے، جن کی صحت مسلم ہے، پس عدم وضو از خروج دم ان سے صاف مفہوم ہوتا ہے، اب عدم نقض کا صریح دعویٰ کیسا چاہئے؟

باقی رہی اعتراض دوم کی مثال، اولاً تو اعتراض دوم خود سرے سے باطل ہو چکا، اب اس کی مثال کا حال بھی سن لیں، معترض کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ

''امام بخاری نے دو حدیثیں نقل کی ہیں، ایک سے عندالوطی خواہ انزال ہو یا نہ ہو بہر حال غسل کرنا ثابت ہے، دوسری سے بہ حالت عدم انزال صرف وضو، اور اس ثانی الذکر کو امام بخاری نے حضرت کا آخری حکم کہا ہے اور پہلی کو منسوخ۔'' (الجرح: ٢/ ٣٧)

یہ بالکل غلط ہے، امام بخاری کی جس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے، اس پر تفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، امام بخاری نے کہیں نہ پہلی (غسل والی) حدیث کو منسوخ کہا ہے نہ کہیں دوسری (عدم غسل والی) کو آخری حکم کہا ہے، بلکہ عبارتِ بخاری" قال أبو عبد الله: الغسل أحوط، وذلك الآخر إنما بيناه لاختلافهم "[1] میں جو ''آخر'' کا لفظ آیا ہے، اس سے حضرت ﷺ کا آخری حکم سمجھنا عینی وغیرہ کی تقلید کا نتیجہ ہے، یہ آخر بکسر الخاء نہیں ہے، جس سے آخری حکم سمجھا جائے بلکہ بفتح الخاء یعنی آخَر ہے، جس سے مراد حدیث آخر فی الذکر ہے، کیونکہ ذالک کا مشار الیہ حدیث ہے، اس کو ابن التین نے ضبط کیا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"قال ابن التين: ضبطناه بفتح الخاء، فعلىٰ هذا الإشارة في قوله: وذلك، إلى حديث الباب." انتهى[2] (ص: ١٩٩)

یعنی " ذلك الآخر " سے مراد حدیث آخر ہے نہ حکم آخری، چنانچہ اس کی تائید صنعانی کے نسخہ سے ہوتی ہے، جسے حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں:

"وفي نسخة الصنعاني: إنما بينا الحديث الآخر لاختلافهم، والماء أنقىٰ." انتهى[3]

یعنی آخر صفت ہے حدیث کی، مطلب یہ کہ ہم نے اس پچھلی حدیث کو لوگوں کا اختلاف جتلانے کو نقل کر دیا ہے، حالانکہ میرے نزدیک غسل اَحوط واَنقیٰ واَجود واَوکد ہے۔ یہ چار الفاظ امام بخاری کی صحیح بخاری میں غسل کے لئے منقول ہیں، جو عدم غسل کا مرجوح ہونا آشکارا کر رہے ہیں، پس دیگر محدثین سے اس مسئلہ میں موافقت ہو گئی کہ وہ اس غسل کے حکم کے آخری ہونے کے قائل نہیں، ہاں ان کے ذکر حدیث میں چونکہ فقط وضو کی حدیث پیچھے

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الغسل، باب غسل ما يصيب من فرج المرأة، بعد حديث (٢٨٩)

[2] فتح الباري (١/ ٣٩٨)

[3] مصدر سابق

بیان ہوئی ہے، لہٰذا امام بخاری اس کا اپنے ذکر میں پیچھے آ جانا بیان کر رہے ہیں، معترض نے اسے آخری حکم سمجھ لیا۔ وأنیٰ هذا من ذلك؟!

پس جب تمام اعتراض دراصل باطل ہیں، تو آخر میں معترض کا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ ''صحیح بخاری کتب فقہ کی طرح مذہب اہل حدیث کی فیصلہ کن کتاب نہیں ہے۔'' (الجرح: ۲/ ۳۹) کیونکہ اس قول کا اگر یہ مطلب ہے کہ صحیح بخاری میں جو اقوالِ بخاری ہیں، وہ مذہب اہل حدیث کے لیے فیصلہ کن کتاب نہیں ہیں، تو یہ کہنا صحیح ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اہل حدیث کے لیے کسی کا قول فیصلہ کن نہیں ہوسکتا، بجز قول نبی کے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس کی احادیث صحیحہ فیصلہ کن نہیں ہیں، تو یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ جب احادیث صحیحہ کو فیصلہ کن نہ تسلیم کیا جائے گا، تو مذہب اہل حدیث ہی کیا رہے گا؟ امید ہے کہ معترض صاحب غور کی نظر سے اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔ معترض کے اعتراضات باطلہ کی بنا پر اڈیٹر اہل فقہ کا یہ لکھنا کہ ''کتاب بخاری کا اتنا اعتبار نہیں جتنا کہ کتب فقہ کا ہے۔''
(الجرح: ۲/ ۳۱)

بالکل تعصب اور آشوب زدہ قلم کا نتیجہ ہے، حالانکہ مطلق عدم اعتبار کا معترض بھی قائل نہیں ہے، اسی کو کہتے ہیں: ''مدعی سست و گواہ چست!''

نمبر۱۴:

اہل فقہ (۵ اگست ۱۹۱۲ء) میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کی اس کے باب سے عدم تطبیق پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ''امام بخاری رحمہ اللہ نے باب منعقد فرمایا ہے: ''باب وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما ''جس میں امام بخاری نے '' فسماهم المؤمنين ''فرما کر ہر دو لڑنے والے فریق کو مسلمان تسلیم کیا اور حدیث نقل کی کہ احنف جنگ جمل میں حضرت علی ♦ کی مدد کو جاتے تھے، حضرت ابوبکرہ ♦ نے ان کو '' القاتل والمقتول في النار '' کی حدیث سنا کر روک دیا، جس سے دونوں فریق کا دوزخی ہونا ثابت ہوا، پس قرآن مجید کی آیت سے ان کا مومن ہونا ثابت ہوا اور حدیث سے ان کا فی النار ہونا، اس کے علاوہ معترض نے قرآن مجید کی پوری آیت (خواہ مخواہ اور بطور ایزاد من قبل نفسہ کے) نقل کر کے حدیث سے نمبر وار کئی صورتوں میں مطابقت نہ ہونا ذکر کیا ہے:

۱۔ جس سے پہلا تو گزرا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ قرآن مجید میں صلح کرانے کی تاکید ہے اور حدیث میں مصالحت کا ذکر بھی نہیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ مقتول کا محض ارادہ قتل ہی کی وجہ سے مجرم ہو کر فی النار ہو جانا، (علاوہ اس کے کہ قرآن نے ان کو بھی مومن کہا ہے) یہ قرآن مجید کی بہت آیتوں کے خلاف ہے، جس میں مصرح مذکور ہے کہ محض ارادہ بد بجز افعال

جوارح کے کسی کو مجرم نہیں ٹھہراتا۔

۴۔ چوتھا یہ کہ حضرت علی ◆ عشرہ مبشرہ سے ہیں، جو یقینی بہشتی ہیں اور حضرت عائشہ جو ام المومنین ہیں، یہ دونوں فریق کیونکر اہل نار ہوں گے؟ کیا ابوبکرہ ان کی شان سے ناواقف تھے؟

۵۔ پانچواں یہ کہ ابوبکرہ نے آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کا آیت قرآنی مذکورہ کے مخالف ہونا کیوں نہ پوچھ لیا؟

۶۔ چھٹا یہ کہ امام بخاری دوسرے مقام پر (انتیسویں پارہ میں) اس حدیث کو لائے ہیں، وہاں بجائے احنف کے حسن کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کی مدد کو نکلا، کیا یہ دو واقعہ ہے؟

۷۔ ساتواں یہ کہ امام بخاری نے اس کو اٹھائیسویں پارہ میں بغیر انعقاد باب کے نہ معلوم کس حکمت سے ذکر کیا ہے؟

۸۔ آٹھواں یہ کہ ابوبکرہ نے احنف کو حضرت علی ◆ کی مدد سے کیوں روک دیا؟

۹۔ نواں یہ کہ بخاری میں اس قسم کی حدیثیں تعامل سے یک طرف ہیں، کہیں حق اللہ کی کہیں حق العباد کی، کسی جگہ موسیٰ کے عزرائیل کو مکا مار کر آنکھیں نکال لینے کی، کسی مقام پر بندروں کے بندریا کو زنا سے رجم کرنے کی امام بخاری کو تمنا تھی۔

۱۰۔ دسواں یہ کہ بخاری نے مجتہدین متشددین فی الروایت مثلاً امام احمد و امام شافعی سے کوئی روایت نہیں لی اور خوبی یہ کہ تیسری صدی میں چار پانچ راویوں سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے صدی کے سرے پر بھی اتنے ہی سے، اور پھر اس میں بھی متکلم فیہ راوی ہیں۔ تلك عشرة كاملة !

یہ دس اعتراضات بڑے شد و مد سے ایک امرتسری فاضل (حنفی) نے لکھے ہیں، جو "الجرح" حصہ دوم (۶۵ سے ۷۵) میں مندرج ہیں، جس کو بالکل مختصر کر کے نقل کیا گیا ہے، لیکن افسوس کہ یہ سب عدم تفکر کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ جوابات سے بخوبی واضح ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔

۱۔ اعتراض اول کے جواب میں واضح ہو کہ معترض کے پاس چونکہ مصری بخاری ہے، جس سے انہوں نے خود حوالہ دیا ہے، اور وہ اصیلی کے نسخہ بخاری کی نقل ہے، جس میں آیت قرآن ﴿ وإن طائفتان... ﴾ کا الگ باب منعقد ہے، اس کے ذیل میں احنف بن قیس کی روایت منقول ہے، [1] اس لئے معترض کو اور بھی شبہ پیدا ہوا ہے کہ اس حدیث کو باب کے ہر ہر لفظ سے مطابقت نہیں ہے، ورنہ اگر وہ صحیح بخاری مطبوعہ ہند کو ملاحظہ فرماتے، جو نسخہ مستملی کے موافق ہے، تو شاید یہ شبہ نہ ہوتا، کیونکہ اس نسخہ میں ﴿ وإن طائفتان... ﴾ آیت قرآنی ترجمہ باب " باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفر صاحبها إلا بالشرك " کی دلیل میں منقول ہے کہ کوئی شخص اگر شرک کے علاوہ امر جاہلیت کے کسی معاصی کے ساتھ مرتکب ہو، تو اس کو کافر نہیں کہہ سکتے، جیسے

---

[1] صحيح البخاري، برقم (۳۱)

قتل کہ جاہلیت میں اس کا آپس میں بہت رواج تھا، اللہ تعالیٰ نے دو مسلمانوں کے باہمی قتال کو ایمان کے ضمن سے خارج نہیں کیا بلکہ ان کا نام مسلمان رکھا ہے، جس کا مطلب صاف ہے۔

اس کے بعد جو حدیث احنف بن قیس کی منقول ہے، اس کے الفاظ بھی یہی ہیں: " إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار " جس میں ہر قاتل ومقتول کو مسلمان کہا گیا ہے، اور آیت کا یہ مطلب ہے، پس تطبیق تام ظاہر ہے۔ اس کے بعد سلیمان بن حرب کی ابو ذر والی روایت ہے: " إنك امرؤ فيك جاهلية" [1] مصری بخاری میں اس کو باب المعاصی کے ذیل میں نقل کیا ہے اور احنف والا واقعہ دوسرا باب منعقد کر کے اس کے ذیل میں، نسخہ مستملی (بخاری مطبوعہ ہند) کے لحاظ سے تو کوئی اعتراض ہی (عدم تطبیق کا) نہیں ہو سکتا، جیسا کہ گزرا، اور اصیلی کے نسخہ کے موافق (جس کی نقل مطبوعہ مصر ہے، جس سے فاضل معترض کو شبہ ہوا ہے) بھی کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ " باب وإن طائفتان. . . الخ" میں آیت قرآنی سے ہر دو قاتل ومقتول کا مسلمان ہونا ثابت ہے اور روایت احنف بھی "إذا التقى المسلمان " بالتصریح موجود ہے۔ (جسے معترض نے ''إذا تواجه المسلمان" کے ساتھ نقل کیا ہے، حالانکہ اس مقام پر ''إذا التقى" ہے، [2] انتیسویں پارہ میں ''إذا تواجه" ہے، [3] جسے اسی لفظ کے ساتھ آگے دوسری حدیث میں معترض نے ٹھیک لکھا ہے)

غرض کہ حدیث سے بھی قاتل ومقتول کا اسی طرح مسلمان ہونا ثابت ہے، جیسا کہ قرآن سے، لہٰذا تطبیق تام بین ہے، رہا یہ امر کہ پھر دونوں کے لئے فی النار کا حکم لگایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مسلمانیت کا فرمان حالت التقاء میں ہے، نہ حالت قتال میں، کیونکہ دونوں قاتل ومقتول (میرے اس لفظ میں قاتل ومقتول ایک عام لفظ ہے، کسی خاص لڑائی یا کسی خاص جماعت کی طرف اشارہ نہیں، ہاں جس جگہ خاص مسئلہ ہوگا، وہاں علیحدہ جواب دیا جائے گا۔ کما سیجیئ) جب ایک دوسرے سے قتال کے لیے ملے، اس وقت تک ان میں ایمان باقی تھا، لیکن بوقت قتال نور ایمان ان سے الگ ہوگیا، بحوائے "لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن... الخ" [4] لہٰذا حسب فرمان قرآن مجید میں ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ﴾ [النساء: ۹۳] قاتل دوزخی ہوگا، کیونکہ وہ بھی قاتل کے قتل کا حریص تھا، جس کو حدیث نے بیان کیا، اس کی مفصل بحث آگے آتی ہے، لہٰذا وہ بھی قاتل کے حکم میں ہونے کی وجہ سے حسب حکم قرآن مجید دوزخی ہے، گو دوزخ میں دونوں ایک درجہ پر نہ ہوں گے، جس کے قائل جمہور علمائے محدثین ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، برقم (۳۰)

[2] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (۳۱)

[3] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٦٦٧٢)

[4] صحيح البخاري: كتاب المظالم، باب النهبىٰ بغير إذن صاحبه، رقم الحديث (۲۳۴۳)

”ولا يلزم من كون القاتل والمقتول في النار أن يكونا في مرتبة واحدة، فالقاتل يعذب على القتال و القتل، والمقتول يعذب على القتال فقط“ (فتح الباری: ۲۹/ ۵۳۷)

اور دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

”ويلزم من قوله: فالقاتل والمقتول في النار، أن يكونا في درجة واحدة من العذاب بالاتفاق.“ (فتح الباری: ۱۳۹/۲۹)

دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قاتل ومقتول دونوں ایک مرتبہ پر نہ ہوں گے، قاتل کو دوگنا عذاب قتال وقتل کا ہوگا اور مقتول کو قتال کا فقط۔

پس شبہ اولیٰ کا کافی ازالہ کافی ہوگیا، کیونکہ بہت سے مومن بھی اپنی کسی بدعملی کی وجہ سے مدت معینہ تک دوزخ میں ہوں گے۔ وهو ثابت بالنص، ولا محذور فيه!

۲۔ دوسرا یہ اعتراض کہ ”قرآن مجید میں صلح کی تاکید ہے، حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔“ یہ غلط فہمی اس بنا پر ہوئی ہے کہ معترض شاید باب و حدیث کی تطبیق اس معنی میں سمجھتا ہو کہ باب کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر لفظ سے حدیث کی مطابقت ہوتی ہے، حالانکہ ماہرین حدیث جانتے ہیں کہ واقع میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ باب کے کسی جملہ سے مطابقت ہو، تو یہ اسہل مرتبہ ہے، متوسط یہ ہے کہ مضمون باب سے مطابقت ہو اور اعلیٰ یہ کہ مقصود باب سے تطبیق گو ظاہر میں کوئی لفظ مطابقت کے لئے موزوں نہ ہو، ایسے ہی مقام نکتہ کے ہوتے ہیں، اس سے مجتہد مستنبط کا کمال ظاہر ہوتا ہے، جس کا اندازہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء!

پس واضح ہو کہ باب سے امام بخاری کی غرض ہر دو فریق کی مسلمانیت ثابت کرنا ہے، وہ غرض حدیث کے لفظ مسلمان سے ثابت ہوگئی، اب صلح وغیرہ سے اس مقام میں کوئی مطلب نہیں ہے، اسی لیے امام بخاری ؒ نے پوری آیت نقل نہیں کی، معترض نے اپنی طرف سے پوری آیت نقل کر کے حدیث کی مطابقت ہر ہر بات سے چاہی ہے، هل هذا إلا شيء عجيب! لہٰذا اعتراض دوم سرے سے باطل ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ”مقتول محض ارادہ کی وجہ سے ناری کیسے ہوگا؟ حالانکہ قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے کہ محض ارادہ دل سے گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک اسے کرے نہیں۔“ پھر معترض نے کئی آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے، اس کے جواب میں میں بھی پہلے معترض صاحب کی توجہ قرآن مجید کی چند آیتوں کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں، جن سے ثابت ہوگا کہ جو ارادہ محض دل میں واقع ہوا، اس پر بھی مواخذہ ہوگا:

ا۔ ارشاد ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ [البقرۃ: ۲۲۵] یہ مواخذہ ارادہ قلبی پر ہے۔

۲۔ دوسری آیت گوش گزار فرمائیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

﴿أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور: ۱۹] یہ دنیا و آخرت کا عذاب ان کے واسطے ہے، جو محض یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بدکاری کا چرچا ہو، یہ چاہنا بھی وہی ارادہ قلبی ہے۔

۳۔ تیسری آیت ملاحظہ فرمائیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] یہ ظن جو گناہ قرار دیا گیا ہے وہی امر قلبی ہے۔

۴۔ چوتھی آیت لیجئے: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ﴾ [البقرۃ: ۱۸۷] یہ معافی اور توبہ کا قبول ہونا اسی قلبی ارادہ پر ہے، غرض میں کہاں تک آیتیں نقل کروں!

ان سے صاف ثابت ہوگیا کہ ارادہ قلبی پر بھی مواخذہ ہوگا، خواہ سخت ہو یا نرم۔ ایک حدیث بھی سن لیں:

"إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ ما نوىٰ" [1] (متفق عليه)

یعنی جزائے اعمال نیت پر موقوف ہے، اور نیت نام ہے قصد القلب کا، ملاحظہ ہو کتب لغت، ورنہ اس حدیث کا مطلب غلط ہوگا:

"من هم بحسنة فلم يعملها كتب الله له عنده حسنة كاملة" [2] (بخاری پارہ: ۲۶)

کہ نیکی کے محض ارادہ پر ایک کامل نیکی لکھی جاتی ہے۔

اگر بقول معترض کے ارادہ کا مطلق اعتبار ہی نہیں ہے بلکہ معافی ہے، تو نیکی کے محض ارادہ سے بصورت نہ کرنے کے نیکی نہ لکھی جانی چاہئے۔ وذلك تكذيب الرسول عليه الصلوة والسلام!

علی ہذا القیاس بغض خدا و بغض رسول وحسد و کبر و عجب و بغی و مکر وغیرہ جن کا تعلق محض قلب سے ہے، ان پر بھی مواخذہ نہ ہونا چاہیے، حالانکہ ان کا گناہ ہونا اور ان پر مواخذہ ہونا بالنص ثابت ہے، پس واضح ہو کہ ارادہ قلبی، جو نفس میں واقع ہوتے ہیں، ان کی محققین نے چار قسمیں لکھی ہیں:

اول: دل میں خطرہ آئے اور فوراً نکل جائے، اس کا نام وسوسہ ہے اور یہ معاف ہے، یہ اضعف قسم ہے۔

ثانی: یہ کہ اپنے دل میں متردد ہو، کبھی ارادہ کرے اور کبھی نفرت، اس کا نام تردد ہے اور یہ بھی معاف ہے، یہ اس قسم سے زیادہ ہے۔

ثالث: یہ کہ دل میں اس بدی کی طرف میلان ہو، نفرت نہ ہو، لیکن کرنے کا مصمم ارادہ نہ ہو، اس کا نام ہمّ ہے اور یہ بھی معاف ہے، یہ اس دوسری قسم سے اعلیٰ ہے۔

رابع: یہ کہ اس کے کرنے کا مصمم ارادہ ہو اور وہ دو طرح سے ہوتا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، برقم (۱) صحيح مسلم، برقم (۱۹۰۷)

[2] صحيح البخاري، برقم (٦١٢٦)

پہلا: یہ کہ صرف افعال قلوب سے ہو، جیسے وحدانیت ونبوت و بعثت میں شک کرنا، یہ بھی دل کا ارادہ ہے اور یہ کفر ہے، اس کا عقیدت مند یقینی دوزخی ہے۔
دوسرا: یہ کہ اعمال جوارح سے ہو، جیسے زنا، سرقہ، قتل وغیرہ، اس کے محض عزم پر مواخذہ ہے، کیونکہ اس پر ارادہ مصمم ہے، اوپر جو آیات قرآنیہ لکھی گئی، وہ اسی چوتھی قسم کی قبیل سے ہیں اور مقتول بھی (حدیث میں) اسی قبیل سے ہے، ایسے عزم قلبی پر حافظ ابن حجر ؒ نے فتح الباری میں بذیل باب بخاری: " باب من هم بحسنة أو سيئة " (پارہ ۲۶) کامل چار صفحوں میں قابل دید بحث کی ہے، ایک مقام پر ابن الباقلانی کا مذہب (مواخذہ باعمال القلوب) کا نقل کر کے لکھتے ہیں:

”عامة السلف وأهل العلم على ما قال ابن الباقلاني لاتفاقهم على المؤاخذة بأعمال القلوب ...إلى قوله: فمن عزم على المعصية، وصمم عليها كتبت عليه سيئة، فإذا عملها كتبت معصية ثانية، قال النووي: وهذا ظاهر حسن لا مزيد عليه، وقد تظاهرت نصوص الشريعة بالمؤاخذة على عزم القلب المستقر.“ انتهى (فتح الباری: ۲۶/ ۱۳۸)

”یعنی تمام سلف کے علماء ابن باقلانی کے قول پر متفق ہیں کہ اعمال (ارادہ) قلوب پر مواخذہ ہوگا، جو معصیت کا مصمم عزم کرے گا، اس پر ایک گناہ لکھا جائے گا اور جو جوارح سے عمل میں لائے گا، اس پر دوسری معصیت لکھی جائے گی، امام نووی کے نزدیک یہی عمدہ ہے، اس سے اور کچھ زیادہ نہیں، اس میں شریعت کی نص دلیل ظاہر سے آئی ہے کہ قلب کے عزم مستقر پر مواخذہ ہوگا۔“

پس مقتول کے اس عزم بالقتل پر ضرور مواخذہ ہوگا، جس کی وجہ سے وہ ناری ہوگا۔
حافظ ابن حجر ؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:

”عزم كل منهما على قتل صاحبه، واقترن بعزمه فعل بعض ما عزم عليه، وهو شهر السلاح، وإشارته به إلى الآخر، فهذا الفعل يؤاخذ به سواء حصل القتل أم لا.“ انتهى (فتح الباری: ۲۶/ ۱۳۷)

”یعنی قاتل ومقتول سے ہر ایک نے اپنے فریق مقابل کے قتل کا عزم بالجزم کیا اور پھر اس عزم کے ساتھ اپنا فعل بھی ملایا، وہ یہ کہ ہر ایک نے دوسرے پر ہتھیار چلایا، اسی سے مواخذہ ثابت ہوگیا۔“

میں بخوف طوالت اتنے ہی پر اکتفار کرتا ہوں، ورنہ اسی بحث میں ایک مستقل رسالہ ہوجائے۔ وذلك مما تحيرت فيه الأفهام، وزلت فيه الأقدام، فتفكر وكن من الخائضين!

یہاں تک تو عام مقتول کی بحث تھی، اب آگے اس اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے جو خاص جنگِ صحابہ پر کیا گیا ہے، جس کے موقعہ پر یہ حدیث ابوبکرہ نے احنف کو سنائی، پس غور سے سنئے۔

۴۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہر دوفریق یقینی جنتی ہیں، حضرت عائشہ □ ام المومنین ہیں اور حضرت علی ♦ عشرہ مبشرہ سے ہیں، پھر اہل نار سے کیوں کر ہونگے ؟

اے جناب! قاتل ومقتول سے ابوبکرہ کی مراد حضرت علی ♦ وحضرت عائشہ □ نہیں ہیں، بلکہ وہ عوام کہ جن کے جنتی ہونے کی کوئی خبر نہیں دی گئی، اور وہ ہر دوفریق کے لشکروں میں شامل ہیں، کیونکہ قاتل عموماً افواج ہوتی ہے، نہ امیر، علاوہ بریں یہ ابوبکرہ کا ذاتی اجتہاد ہے، جیسا کہ آٹھویں اعتراض کے جواب میں آتا ہے۔

۵۔ پانچواں اعتراض یہ تھا کہ ابوبکرہ نے اس حدیث کا آیت قرآنی سے مخالفت کا اعتراض کیا تھا:

"فقلت: يا رسول الله! هذا القاتل، فما بال المقتول؟ " جیسا کہ آپ نے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے، اس کا وہی مطلب ہے کہ مقتول کا ناری ہونا بظاہر مخالف معلوم ہوتا ہے، آپ نے اس کا شافی جواب دے دیا کہ "إنه كان حريصا على قتل صاحبه " جس کی بحث تیسرے اعتراض کے جواب میں مفصل کی گئی ہے۔ فتفکر!

٦۔ چھٹا اعتراض کہ امام بخاری دوسرے مقام پر (انتیسویں پارہ میں) اس حدیث کو پھر لائے ہیں، اس میں بجائے احنف کے حسن کہتے ہیں کہ میں حضرت علی ♦ کی مدد کو نکلا، تو معلوم نہیں کون صحیح ہے؟

یہ عدم تامل کا نتیجہ ہے، صحیح یہی ہے کہ احنف کہتے ہیں میں حضرت علی ♦ کی مدد کو نکلا، اصل یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، حسن بصری نے احنف سے ارسال کیا ہے، عمرو بن عبید راوی نے حسن کے بعد احنف کو حذف کر دیا ہے۔ فتح الباری میں ہے:

"الحسن كان يرسله عن أبي بكرة ." (٢٩/ ٥٣٦)

اور تابعی کا صحابہ سے ارسال بالاتفاق مقبول ہے، ملاحظہ ہو کتب اصول حدیث، خود امام بخاری نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد آگے صاف لکھ دیا ہے:

"قال حماد بن زيد: فذكرت هذا الحديث لأيوب ويونس بن عبيد، وأنا أريد أن يحدثاني به، فقالا: إنما روى هذا الحسن عن الأحنف بن قيس عن أبي بكرة ."[1] (پ٢٩)

"یعنی جب حماد بن زید نے اس حدیث کو ایوب و یونس سے اسی مرسل طریق پر ذکر کیا، تو ان دونوں نے صاف بتلا دیا کہ یہ حسن، احنف سے روایت کرتا ہے۔"

پھر اس کے آگے امام بخاری نے ایک اور سند نقل فرمائی ہے، جس میں حسن کی روایت احنف سے ثابت ہے۔

افسوس! معترض نے عمداً اس کو نظر انداز کر دیا اور ناظرین کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا ہے، لیکن۔ ع

تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٦٦٧٢)

پس دونوں ایک واقعہ اور ایک ہی حدیث ہے، جو یہاں پر "باب إذا التقى المسلمان بسيفيهما " کے ذیل میں ہے۔ فافهم!

۷۔ ساتواں اعتراض یہ ہوا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اٹھائیسویں پارے میں بغیر انعقاد باب کے نہ معلوم کس حکمت سے ذکر کیا ہے؟

معترض کو جب اوپر موٹا سا باب بھی نہ معلوم ہوا، تو اس کا کیا علاج ہے؟ خود مصری بخاری ہی میں دیکھ لیجئے:

"باب قول الله تعالىٰ: ومن أحياها، قال ابن عباس: من حرم قتلها إلا بحق، فكأنما أحيا الناس جميعاً ."[1] (ج: ٤)

''یعنی جس نے کسی کو ناحق نہ مارا بلکہ حق سے (قصاص میں) مارا تو اس کی وجہ سے قتل بند ہوگا، لوگوں کی زندگی ہوگی۔''

معلوم ہوا کہ ناحق قتل سے گناہ گار ہوگا، اسی کے ذیل میں امام بخاری ؒ بارہویں حدیث ابوبکرہ کی لائے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ناحق قاتل ومقتول دوزخی ہیں، چلئے فیصلہ شد کہ اس حکمت سے امام بخاری نے یہاں ذکر کیا ہے، لیکن فہم ثابت کے لئے عدم تعصب شرط ہے، خدا تعصب سے بچائے، آمین۔

۸۔ آٹھواں اعتراض یہ تھا کہ ابوبکرہ نے احنف کو حضرت علی ♦ کی مدد سے کیوں روک دیا؟ اس لئے روک دیا کہ پھر ادھر ام المومنین ◻ کا مقابلہ ہوتا ہے، حالانکہ ان کی بھی حرمت چاہیے، پس یہ ایک احتیاط تھی۔

حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں:

"ولا يرد على ذلك منع أبي بكرة الأحنف من القتال مع علي، لأن ذلك وقع عن اجتهاد من أبي بكرة أداه إلى الامتناع والمنع احتياط لنفسه الخ " (فتح البارى: ٢٩/ ٥٣٧)

''یعنی ابوبکرہ کا احنف کو روکنا اجتہاد تھا، جس سے غرض ان کی احتیاط تھی۔''

لیکن احنف نے (اسی وجہ سے) نہیں مانا، بلکہ حضرت علی ♦ کی امداد کو چلے گئے۔

اور حافظ ابن حجر اسی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"وقد رجع الأحنف عن رأي أبي بكرة في ذلك، وشهد مع علي باقي حروبه."[2] انتهى (پ١/ ٤٦)

''یعنی ابوبکرہ کی رای احنف نے تسلیم نہیں کی، بلکہ حضرت علی کے ساتھ جا کر شامل ہوگئے۔''

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، قبل حديث (٦٤٧٣)

[2] فتح الباري (١/ ٨٦)

۹۔ نواں مہمل اعتراض یہ ہے کہ ”امام بخاری کو ایسے ہی قصہ کہانیوں والی حدیث کے جمع کرنے کی تمنا تھی۔“ بالکل غلط ہے، شاید معترض صاحب نے صحیح بخاری کو ہنوز حق دیکھنے کا نہیں دیکھا، صحیح بخاری میں تو تمام حدیثیں تعامل ہی کی ہیں، کہیں تائید اعمال وغیرہ میں احادیث حکایات بنی اسرائیل کی نقل فرما دی ہیں، جو کہ فرمان رسول ﷺ ہے، موسیٰ ◆ کا عزرائیل کو مکا مارنا نہ پہچاننے کی وجہ سے تھا، جس کی مفصل بحث اسی ”حل مشکلات بخاری“ [۳۴۲/۳] میں ہو چکی ہے، بندریا کے رجم پر میں نے اسی رسالہ کے حصہ اول [ص: ۱۲۸] میں مفصل بحث کی ہے، حضرت علی کی اونٹنی کا کلیجہ چاک ہو جانا، ایک واقعہ ہے، جو قبل از حرمتِ شراب تھا۔ ❶ ولا محذور فيه ولا إيراد!

کیا ساری بخاری میں ایسے ہی واقعات کی حدیثیں بھری ہیں؟ ایسا کہنا دن کو رات اور سفید کو سیاہ کہنا ہے اور یہ غلط و باطل ہے، جس پر صحیح بخاری کا وجود مسعود شاہد ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلش خواہی از وے رو متاب

۱۰۔ دسواں لا یعنی اعتراض کہ ”امام بخاری نے امام احمد و امام شافعی سے روایت بوجہ تشدد نہیں کی۔“ یہ بالکل غلط ہے، امام بخاری سے زیادہ تشدد امام احمد و شافعی میں نہ تھا، پھر آپ ہی امام احمد و امام شافعی کی حدیثیں کسی کتاب میں جمع شدہ بتلا دیں؟ مسند احمد و مسند شافعی و مسند امام ابو حنیفہ وغیرہ سب غیروں کی تالیف ہیں۔ ❷

علاوہ بریں امام بخاری نے صحیح بخاری تالیف کر کے امام احمد پر پیش کی تھی، جس پر انہوں نے آفریں و تحسین فرمائی، جو کل کتب شروح و اسماء رجال میں منقول ہے۔ ❸ اصل یہ ہے کہ محدثین سند عالی کے رہتے ہوئے سند نازل نہیں پیش کرتے، اگر سند عالی میں کچھ نقص ہوتا ہے، تو بمجبوری سند نازل لیتے ہیں، اسی وجہ سے جیسے تیسری صدی میں چار پانچ راوی ہوتے ہیں، دوسری میں بھی ہو جاتے ہیں، اس کے کل مرحلے کتب اصول حدیث میں طے ہو چکے ہیں۔ باقی رہا رواتِ بخاری کا متکلم فیہ ہونا، تو یہ باعث جرح نہیں ہے، کیونکہ بعض کا کلام ان پر قادح نہیں ہو سکتا، جس کو مفصل میں نے اپنے رسالہ ” الأمر المبرم “ میں لکھا ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ پس تمام اعتراض عشرہ کا ابطال کافی ہو گیا اور حدیث بخاری کا صحیح اور مطابق باب ہونا ” کالشمس في رابعة النهار “ ظاہر ہو گیا۔ فالحمدللہ

اب آپ کی تمنا اور کوتاہی خدا کی ناشکری ہے، جب کہ ان کی صحیح بخاری سکھلانے کو علماء موجود ہیں اور اس کے

---

❶ دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٢٢٤٦)

❷ دیگر کتب کے ساتھ مسند احمد کو امام احمد کے علاوہ کسی دوسرے کی تالیف کہنا درست نہیں، کیونکہ براہین قاطعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مسند احمد بذات خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: خصائص المسند لأبي موسىٰ المديني۔

❸ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٧)

شیدا اس خدمت کے انجام دینے کو دستیاب ہیں!

نمبر ۱۵:

اہل فقہ (۲۳ستمبر ۱۹۱۲ء) میں مولوی عمر کریم صاحب پٹنوی کا ایک مضمون بہ سرخی ''حدیث میں کتر بیونت'' طبع ہوا ہے، جس میں صحیح بخاری کی اس حدیث: " أنه سأل زيد بن ثابت فزعم أنه قرأ على النبيﷺ والنجم، فلم يسجد فيها "[1] (۱/ ۱٤٦) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ

> ''اس روایت میں " أنه سأل " کے بعد یہ ٹکڑا اور تھا "عن القرأة مع الإمام، فقال: لا قراءة مع الإمام في شيء " جیسا کہ صحیح مسلم وسنن نسائی میں انہیں الفاظ اور اسی سند کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ اس سے عدم قراءۃ خلف الامام ثابت ہوتا ہے اور یہ بخاری کے مسلک کے خلاف ہے، لہٰذا اس کو حذف کر دیا، یہ امام بخاری کی تراش وخراش ہے!'' (أهل فقه: ٦، و الجرح ٢/ از ١٨ تا ٢٢)

اور پھر عینی کو اس اعتراض میں اپنا ہم خیال بنا کر اس سے عبارت نقل کی ہے۔ (جس کا خلاصہ آگے آتا ہے) حالانکہ عینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کو (جو کہ واقع میں کسی اور کا ہے) جواب دینے کے لیے نقل کیا ہے، یہ کس قدر کھلا افتراء ہے کہ اعتراض کسی اور کا ہو اور اسے علامہ عینی کے سر تھوپا جائے؟ اور کس قدر خیانت اور دھوکہ دہی ہے کہ علامہ عینی نے بوجوہ متعددہ اس کے جوابات دیئے ہیں، ان پر پردہ ڈالا جائے؟ اوپر سے اڈیٹر اہل فقہ کے طعن کو دیکھئے، لکھتے ہیں کہ

> ''علمائے غیر مقلدین ان مضامین کے جواب سے ساکت ہیں اور نامہ نگار بنارسی (خاکسار) کوئی محققانہ جواب اپنی ذاتی قابلیت سے نہیں دیتا۔'' (الجرح: ٢/ ٢١، ٢٢)

میں کہتا ہوں کہ معترض کا اعتراض ہی اس کی کون سی ذاتی قابلیت سے ہوتا ہے؟ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تم قرآن مجید یا احادیث شریفہ پر اپنی ذاتی قابلیت سے کوئی جدید اعتراض کرو، جو تم سے پیشتر کسی نے نہ کیا ہو اور کہیں کسی کتاب میں ان کا نام ونشان نہ ہو، میں انشاء اللہ اسی طرح اپنی خاص خداداد ذاتی قابلیت سے ایک ایک کے جوابات بوجوہ متعددہ و بدلائل عقلیہ ونقلیہ دینے کو تیار ہوں، ذرا آنکھ تو ملاؤ، لیکن جب خود معترض ہی پرانا مردود ومطرود اعتراض نقل کرتا ہے، تو اس کی چوری اور خیانت دکھلانے کو شرح سے جواب نقل کر دیتا ہوں، اس لئے کہ ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ یہ پرانا اعتراض ہے اور پیشتر ہی اس کے متعدد جوابات دیے جا چکے ہیں۔ اب رہا ان شارحین کے جوابات کو تاویلات بعیدہ وأبعد اور رکیکہ وغیرہ کریہہ الفاظ سے تعبیر کرنا، تو یہ بزرگان دین کی توہین ہے اور پھر الٹا اس کا الزام مجھ پر لگایا جاتا ہے، آج دیکھئے، ہم علامہ عینی رحمہ اللہ کے جوابات کو (جو اعتراض بالا کے ابطال میں ہیں) عمدة القاری سے نقل کرتے ہیں، اب آپ اپنے مذہبی لیڈر (علامہ عینی) کو چاہے خوب گالیاں دیں یا ان کے جوابات کو تاویلات فاسدہ

[1] صحيح البخاري، برقم (١٠٢٢)

وغیرہ الفاظ سے تعبیر کریں، بہرحال یہ پرانا اعتراض ہے اور اس کے متعدد جوابات ہو چکے ہیں۔

علامہ عینی نے حدیث مذکور کے ذیل میں "وقال بعضھم" سے تین اعتراضات (کسی بعض ایرے غیرے نتھو خیرے کے) نقل کئے ہیں:

۱۔ پہلا یہ کہ حدیث بخاری سے امر مسئول عنہ سجدہ در سورہ نجم مفہوم ہوتا ہے، حالانکہ صحیح مسلم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر مسئول عنہ قراءۃ مع الامام ہے۔

۲۔ دوئمش امام بخاری رحمہ اللہ نے قول صحابی ♦ (لا قراء ة مع الإمام في شيء) کو اس لئے حذف کر دیا کہ وہ ان کی غرض اور مقصود کے مخالف تھا۔

۳۔ امام بخاری مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں زید بن ثابت ♦ کے مخالف تھے۔ (یہی ہر سہ اعتراضات آپ نے اہل فقہ میں نقل کئے ہیں)

علامہ عینی اس نقل کے بعد فرماتے ہیں (ذرا آنکھ کھول کر دیکھنا!): "قلت: هذا مردود من وجوه" یعنی یہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔ چنانچہ تین وجھوں سے ان تینوں اعتراضات کے جوابات خود علامہ عینی نے حسب ذیل مفصل دیے ہیں:

۱۔ جواب اول یہ کہ یہ امر متحقق ہے کہ مسئول عنہ سجود فی النجم ہے، اس لئے کہ پھر کلام کی مناسبت تامہ باقی نہیں رہتی (یہ علامہ عینی کی امام بخاری کے ساتھ خوش خیالی ہے، ورنہ دراصل یہ جواب صحیح نہیں، بلکہ صحیح امر یہ ہے کہ مسئول عنہ قراءت مع الامام ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (٤/ ٥٧٢) میں اور دیگر شارحین نے اپنی شرح میں لکھا ہے، لہٰذا اب یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر امام بخاری نے اس کو ذکر کیوں نہ کیا؟ حذف کیوں کر دیا؟ اس کا جواب علامہ عینی کے دوسرے جواب سے واضح ہوگا، جو درحقیقت اصل جواب ہے۔ وہو ہذا)

۲۔ یہ (یعنی اعتراض ثانی) واہی کلام ہے، (علامہ عینی دوسرے اعتراض کو واہیات فرماتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ) اس لئے کہ یہ اعتراض اس امر کو مقتضی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ متن حدیث میں تصرف بالزیادۃ والنقصان کیا کرتے تھے، (جیسا کہ ہمعصر معترض اس کو کتربیونت و تراش وخراش سے تعبیر کرتا ہے) امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنے شیخ ابوالربیع سلیمان بن داود سے روایت کرتے ہیں اور ابوالربیع اسماعیل بن جعفر سے اور امام مسلم چار شخصوں سے روایت کرتے ہیں: (۱) یحییٰ بن یحییٰ (۲) یحییٰ بن ایوب (۳) قتیبہ بن سعید (۴) علی بن حجر اور یہ سب اسماعیل بن جعفر سے روایت کرتے ہیں، اس میں وہ ابوالربیع نہیں ہیں، پس جو روایت ابوالربیع کی ہے، اس میں وہ زیادت (أنه سأل زيد بن ثابت کے بعد عن القرأة مع الإمام، فقال: لا قراءة مع الإمام في شيء) موجود ہی نہیں ہے (بلکہ وہ اسی طرح ہے جس طرح کہ صحیح بخاری میں ہے اور اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ سے سنا) اور مسلم میں چاروں شیوخ اس زیادۃ مذکورہ کے

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ساتھ روایت کرتے ہیں۔ (جیسا کہ صحیح مسلم میں امام مسلم نے چاروں شیوخ سے سن کر لکھا ہے اور انہیں شیوخ میں سے ایک (علی بن حجر) امام نسائی کے شیخ ہیں، اسی لئے سنن نسائی میں بھی یہ زیادت موجود ہے (کیونکہ یہ لوگ اس زیادت کو روایت کرتے ہیں) لہٰذا اس (تصرف وغیرہ) کی نسبت امام بخاری کی طرف نہیں ہو سکتی (کیونکہ اس میں امام بخاری ؒ کا کیا قصور ہے؟)

سبحان اللہ! علامہ عینی نے اس کتر بیونت سے امام بخاری ؒ کی کیا صاف براءت ثابت کی؟ اب کہاں ہے معترض؟ ذرا اپنے ہم خیال کے خیال کو دیکھو اور پڑھو!۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اب آگے علامہ عینی اعتراض ثالث کا تیسرا جواب دیتے ہیں، غور سے سنو:

۳۔ تیسرا اعتراض کہ ''امام بخاری اس مسئلہ قراءت خلف الامام میں زید بن ثابت ♦ کے مخالف تھے۔'' یہ کلام مردود ہے (خوب!) اس لئے کہ زید کی مخالفت اس امر کو متدعی نہیں کہ اس وجہ سے متن حدیث میں کوئی حذف واقع ہو، اصل وجہ یہ ہے کہ یہ جگہ مسئلہ قراءت خلف الامام کے بیان کی نہیں ہے، بلکہ مبحث سجودِ تلاوت کا ہے، علاوہ بریں یہ بڑی بے ادبی ہے (بے ادبو! ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھنا!) کہ کہا جائے کہ زید بن ثابت ♦ کے امام بخاری ؒ مخالف تھے، بلکہ یہ بات بالفرض اگر خود امام بخاری سے پوچھی جاتی، تو یوں فرماتے کہ حضرت زید بن ثابت کے اجتہاد میں جو مسئلہ ظاہر ہوا، وہ اس طرف گئے اور جو میرے اجتہاد میں آیا اس پر میں ہوں۔ دیکھو: عمدة القاری (۳/۵۱۴، ۵۱۵)

سبحان اللہ! کیا معقول جواب دیا ہے کہ معترض کے ہفوات ہباءً منثورا ہوگئے؟! بتلاؤ! اب بھی کچھ کسر باقی ہے؟ تو میں بھی اپنی طرف سے بولوں، لیکن تم میری مانو گے نہیں اور نہ سنو گے، اس لئے میں تمہارے ہی مایۂ ناز کے جوابات کی پیش کش کر کے سبکدوشی حاصل کرتا ہوں۔ ولعل فيه كفاية لمن له دراية!

علاوہ بریں امام ابوداود و ترمذی نے بھی اس زیادت کو نقل نہیں کیا۔ ❶ اس لئے کہ ان کے شیوخ کی روایات میں یہ زیادت نہیں ہے۔ ہمارے معترض حذفِ زیادۃ کی وجہ کیا خوب بیان فرماتے ہیں:

''قصداً صرف اس وجہ سے حذف کر دیا کہ چونکہ وہ اس کے قائل نہ تھے۔'' (الجرح: ۲/ ۲۱)

اور غالباً امام ترمذی و ابوداود کے حذف کرنے کی بھی آپ کے خیال میں یہی وجہ ہوگی؟ تو کیا امام مسلم و نسائی جنھوں نے زیادت کو نقل کیا ہے، وہ عدم قراءت خلف الامام کے قائل تھے؟ وهل هذا إلا باطل؟!

سبحان اللہ! استدلال و وجہ استدلال ہر دو عجیب و غریب ہیں، جیسا کہ اڈیٹر اہل فقہ کا منع رفع الیدین کی بابت

❶ دیکھیں: سنن أبي داود، برقم (١٤٠٤) سنن الترمذي، برقم (٥٧٦)

❷ صحيح مسلم، برقم (٤٣٠)

"مالي أراكم "[2] الخ والی حدیث سے استدلال عجیب وغریب تھا، جس کو انہوں نے آخر مضمون میں نقل کیا ہے، لیکن بحمد اللہ جابر بن سمرہ ♦ کی دوسری روایت [1] سے تخصیصِ محل یعنی قید وقت سلام کو (اڈیٹر اہل حدیث مدظلہ کے جواب سے) مان گئے ہیں، جس کو آخر میں دبے قلم سے لکھا ہے۔ لیکن زید بن ثابت کے زیر بحث الفاظ'' لا قراءة مع الامام في شيء'' سے خلف الامام قراءت کی ممانعت پر استدلال باطل ہے، بہ دو وجہ:

۱۔ ایک یہ کہ تقدیر عبارت حضرت زید ♦ یوں ہے:

"لا قراءة السورة التي بعد الفاتحه مع الإمام في شيء من الصلوة الجهرية ."

''یعنی امام کے پیچھے جہریہ نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی سورہ پڑھنا جائز نہیں۔''

اس سے احادیث صحیحہ کی موافقت ہو جاتی ہے۔

۲۔ دوئمش، اگر ہم مان لیں کہ اس سے عدم قراءت خلف الامام ثابت ہوتا ہے تو یہ قول صحابی ہے اور ان کو وہ حدیث صحیح: " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "[2] نہیں پہنچی ہوگی، لہٰذا جب قول صحابی حدیث مرفوع کے معارض ہو تو وہ حجت نہیں۔ حنفیوں کے فخر علامہ ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"قول الصحابة حجة عندنا إذا لم ينفه شيء من السنة."(١/ ٢٦٤)

''یعنی صحابہ کا قول ہمارے نزدیک اسی وقت تک حجت ہے، جب تک سنت (حدیث) اس کے مخالف نہ ہو۔''

اس قاعدہ سے حضرت زید بن ثابت کا قول واجب الترک ہوگا اور حدیث مرفوع أصح الصحيح واجب العمل. فافهم!

---

[1] دیکھیں: مسند أحمد (٥/ ٨٦) سنن النسائي (١٣٢٦) صحيح ابن حبان (١٨٨١)

[2] صحيح البخاري: كتاب صفة الصلاة، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم......، رقم الحديث (٧٢٣) صحيح مسلم: كتاب الصلاة: باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، رقم الحديث (٣٩٤)

نمبر ۱۶

پہلا مضمون:

اہل فقہ (۱۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء) میں صحیح بخاری کی ضب (گوہ) والی حدیث "لم یکن بأرض قومي "[1] پر اعتراض کیا گیا ہے کہ "یہ صحیح نہیں ہے" اور عدم صحت کی یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ

"کیا کوئی عقلمند آدمی مان سکتا ہے کہ سوسمار (گوہ) عرب میں نہیں؟" (صفحہ ۳)

سبحان اللہ! ایسے اعتراض کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ کہہ دوں: اب تم ایک نئی اصولِ حدیث بناؤ، جس میں صحیح کی تعریف میں ان چیزوں کا نہ ہونا ذکر کرو!!

اولاً: تو ارض سے سارا عرب مراد لینا غلط ہے، بحالیکہ قوم کی طرف اس کی اضافت مخصوصہ موجود ہے۔

دوم: یہ کہ شارحین نے جوارض سے مراد حوالی مکہ لیا ہے، اس پر معترض نے دوسرا اعتراض یوں جڑا ہے کہ

"یہ بھی غلط ہے، پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ حوالی مکہ میں سوسمار کا وجود معدوم ہے حالانکہ یہ غلط ہے، لہٰذا حدیثِ بخاری کی عدم صحت میں کوئی شبہ نہیں۔" (کالم اول، ص: ۳، اہل فقہ)

شاید معترض اصول مناظرہ سے بھی واقف نہیں ہے، اچھا لو ہم ہی انکار کرتے ہیں کہ حوالی مکہ میں سوسمار کا وجود مطلقاً نہیں ہے، آپ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور ضمناً وجودِ سوسمار کے مدعی ہوئے ہیں، لہٰذا اس کا ثابت کرنا آپ کا فرض تھا، جو آپ نے نہ کیا (اور نہ کر سکیں گے) پھر حدیث نبوی پر ضعف کا الزام بلا دلیل اور محض تحکم ہے، حالانکہ اس کی اسناد کے سب راوی نہایت ثقہ ہیں، اگر آپ کو اپنے قول کی کچھ بھی لاج ہو تو اس کو صراحتاً ثابت کریں کہ مکہ معظّمہ میں اس کے حوالی میں سوسمار ہوتے ہیں اور امداد کی ضرورت ہو تو میں ہی بتلا دوں: حیاۃ الحیوان و عجائب المخلوقات وغیرہ کتب عربیہ کو دیکھ لیں، پھر ہم حدیث کا صحیح مطلب بھی آپ کو بتلا دیں گے۔ **إن شاء اللہ.**

دوسرا مضمون:

ایسا ہی بے سر و پاؤں کا ایک دوسرا مضمون "اہل فقہ" (۲ دسمبر ۱۹۱۲ء) میں پٹنوی حضرت کا پھر شائع ہوا ہے، جس کی سرخی یہ ہے "بخاری میں ایک اور موضوع حدیث" جس میں صحیح بخاری جلد ثانی سے ابو ہریرہ والی یہ حدیث پیش کی

[1] صحيح البخاري: كتاب الأطعمة، باب ماكان النبي صلى الله عليه وسلم لا يأكل حتى يسمىٰ له فيعلم ما هو، رقم الحديث (٥٠٧٦)

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ما من مولود يولد إلا والشيطان يمسه فيستهل صارخا من مس الشيطان إياه إلا مريم وابنها." (٦٥٢/٢) [1]

''یعنی ہر بچہ کو اس کے پیدا ہوتے وقت شیطان چھو دیتا ہے، جس سے وہ روتا ہے مگر حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کو نہیں چھوا تھا۔''

اور اس کے موضوع ہونے کی دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں اس حدیث کو بذیل آیت قرآنیہ: ﴿ إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾ (آل عمران) نقل کر کے لکھتے ہیں:

"الله أعلم بصحته" ''یعنی اس کا صحیح ہونا خدا ہی کو معلوم ہے۔ (الجرح: ٢/ ٢٤، ٢٥)

اس سے موضوعیت کہاں ثابت ہوئی؟ وہ بیچارہ زمخشری تو اپنا عدم علم ظاہر کرتا ہے اور واقعی امر بھی یہی ہے کہ زمخشری کو اس کی صحت معلوم نہیں ہوئی، لہٰذا وہ مجبور ہے، اور فرض کرو کہ اگر زمخشری بالتصریح بھی کسی حدیث کو موضوع لکھ دے تو یہ بھی قابل تسلیم نہ ہوگا کیونکہ وہ بیچارہ تو محدث تھا نہ فن حدیث کی طرف اس کا شوق تھا، بلکہ اس کا توغّل فن ادب و معانی و علم کلام وغیرہ میں زیادہ تھا اور انہیں فنون کا وہ امام بھی تھا، اس کو حدیث سے کیا سروکار؟ بلکہ شارحینِ حدیث تو اس کو معتزلی کہتے ہیں۔ خدا جانے آپ کی اس سے کیونکر دوستی ہوگئی؟ کیا یہ سبب تو نہیں ہوا کہ تمام محققین حنفیہ تو صحیح بخاری کو اصح الکتب مانتے آئے ہیں اور آپ نے اس مسئلہ میں ان سے اعتزال اختیار کیا ہے، لہٰذا زمخشری سے بھی اس اعتزالی نسبت میں مناسبت ہوگئی؟! ہاں بات تو جب ہے کہ حدیث مذکور کی بابت ائمہ حدیث کی تصریحات دکھلا دیتے کہ انہوں نے موضوع کہا ہے، اور پھر صحیح بخاری اور اس میں موضوع حدیث؟! ۔ع

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

چنانچہ ہم اس کو کئی رسالوں میں لکھ چکے ہیں اور آپ کے ایسے ہفوات کا بارہا ابطال کر آئے ہیں، فواتح الرحموت کی عبارت کا کافی جواب سو برس والی حدیث کے بیان میں ہی اس حصہ کے مختلف نمبروں میں دے چکے ہیں کہ نہ صحیح بخاری میں کوئی اخبار متناقضہ ہیں اور نہ اس کے رواۃ قدریہ و بدعتی ہیں، جس پر ہماری ضخیم کتاب "الأمر المبرم" کافی دلیل ہے۔ نیز علامہ عینی کی عبارت مندرجہ (الجرح: ٢/ ٢٣) کا مفصل جواب ہم اسی رسالہ کے حصہ اول میں بذیل قصہ بندر دے چکے ہیں کہ صحیح بخاری کی کل صحت کا دعویٰ بے دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے قطعی دلیل (اجماع) موجود ہے۔ فانظر ثمه!

---

[1] صحيح البخاري: كتاب التفسير، باب ﴿ إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾ رقم الحديث (٤٢٧٤)

افسوس کہ آپ بار بار پرانی مردود باتوں کو پیش کرتے ہیں، کیا اب آپ کو کوئی نیا مضمون نہیں ملتا؟ زنبیل خالی ہوگئی؟ ہاں اپنی ذاتی قابلیت سے کوئی معقول اعتراض کیجئے، پھر لطفِ جواب دیکھئے!

ایسے ایسے نا معقول سوالوں پر اڈیٹر اہل فقہ فرماتے ہیں کہ ''کوئی علمائے غیر مقلدین سے جواب نہیں دیتے۔'' کیا یہ سوالات بھی کوئی قابل جواب ہیں؟ اگر ضلالتِ عوام کا خیال وخوف نہ ہوتا، تو میں بھی ہرگز جواب نہ دیتا، لیکن افسوس کہ مجبور ہوں۔ ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

نمبر ۱۷

اٹھارہ سوالوں کے جوابات:

اہل فقہ (۱۷ فروری ۱۹۱۳ء) میں مولوی عمر کریم کے صحیح بخاری کی بابت چند سوالات طبع ہوئے ہیں، جو ''الجرح'' حصہ دوم (۲۵ سے ۲۸) میں مندرج ہیں، ان کے مختصر جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں کیونکہ ہماری مختلف تصنیفات میں فرادیٰ فرادیٰ ان سوالوں پر مفصل بحث ہو چکی ہے، معترض صاحب بیکاری کے شغل میں ایسے ہی فضولیات میں وقت ضائع کیا کرتے ہیں۔ خیر ماراچہ ازیں قصہ؟

t(۱) سب سے پہلے بخاری کو اصح الکتب کس نے کہا اور کس زمانہ میں اور کتاب مذکور کی تصنیف کے کتنے روز بعد کہا؟

u (۱) امام بخاری رحمہ اللہ جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے، تو اس وقت اپنے مشائخ امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین وعلی بن مدینی وغیرہ پر اس کو پیش کیا، سب نے اس کی صحت کا اقرار کیا اور اسی وقت سے خلق میں اس کا اصح الکتب ہونا شائع ہوگیا۔ دیکھو: هدي الساري و مقدمه مرقاة و تهذيب التهذيب [1] وغیرہ

t(۲) جس وقت تک بخاری اصح الکتب نہیں کہی گئی تھی، اس وقت تک اس کا کوئی ایسا لقب جس سے اس کو دیگر کتب احادیث پر تفوق حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ اگر کوئی ایسا لقب اس کا تھا تو کیا تھا؟ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں تھا؟

u (۲) اس وقت صحیح بخاری ان جملوں سے زیادہ تر تعبیر کی جاتی: ''هو أول من وضع في الإسلام كتاباً صحيحاً'' (تهذيب: ج۹) ''وإنه لا نظير له في بابه'' (مرقاة: ۱۵) [2] وغير ذلك یعنی صحت میں

[1] هدي الساري (ص: ۷) مرقاة المفاتيح (۱/ ۳۷)

[2] تهذيب التهذيب (۹/ ٤٦) مرقاة المفاتيح (۱/ ۳۷) نیز دیکھیں: عمدة القاري (۱/ ٥)

بے نظیر ہے اور اسلام میں سب سے پہلے یہ کتاب صحیح تالیف ہوئی ہے، یہی عدیم النظیر ہونا معنی ہے اصح الکتب کا۔

t(۳) خود بخاری یا کسی محدث اصحاب روایت نے خصوصاً صحاح والوں نے کتاب بخاری کو اصح الکتب کہا یا نہیں؟

u(۳) ہاں خود امام بخاری نے اپنی کتاب کو صحیح کہا ہے۔ دیکھو: تہذیب، جلد ۹ [1] اور ان محدثین نے بھی کہا ہے جن کا نام اوپر مذکور ہوا، اور وہ صحاح والوں کے مشائخ و اساتذہ سے ہیں۔

t(۴) اگر نہیں کہا تو کیوں نہیں کہا؟

u (۴) یہ لفظ اصح الکتب نہیں کہا، اس لئے کہ اس وقت تک سوائے موطا امام مالک کے کوئی حدیث کی کتاب کسی کے پاس جمع شدہ موجود نہ تھی، فن حدیث میں دوسری کتاب یہ جامع صحیح بخاری تالیف ہوئی ہے اور کتب لفظ جمع ہے، حالانکہ بالمقابل اس کے ایک موطا رہتی ہے، اس لئے اس کا فقط صحیح کہنا بھی اس وقت اس درجہ میں تھا جو بوقت تالیف دیگر کتب احادیث اصح الکتب کا درجہ ہے۔

t(۵) امام مسلم، ابوداود ونسائی وابن ماجہ نے اپنی اپنی صحیح میں امام بخاری سے کوئی روایت کی ہے یا نہیں؟

u (۵) امام ترمذی و امام نسائی نے اپنی کتاب میں امام بخاری سے روایتیں کی ہیں۔

t(۶) اگر ان لوگوں نے کوئی روایت کی ہے تو وہ کس مقام میں ہے اور اگر نہیں کی تو کیوں نہیں کی؟ کیا یہ لوگ کتاب بخاری کو اس قابل نہ سمجھتے تھے کہ ان سے روایت کریں؟

u (۶) امام ترمذی نے تو بے حد مقامات پر امام بخاری سے روایت کی ہے، جس کا غالباً آپ کو بھی علم ہے، جب ہی تو سوال میں ترمذی کا نام نہیں لیا، ہاں امام نسائی کتاب الصیام کے " باب الفضل والجود في شهر رمضان " کی دوسری حدیث کو یوں شروع فرماتے ہیں: " أخبرنا محمد بن إسماعيل البخاري" [2] (جلد اول) اس کے علاوہ ایک جگہ اور بھی ہے جس کو ابھی ہم نہیں بتلائیں گے، باقی رہے امام مسلم و ابوداود و ابن ماجہ انہوں نے بخوف سند نازل ہو جانے کے روایت نہیں کی کیونکہ محدثین سند عالی کے رہتے ہوئے سند نازل نہیں لیتے، جس کو ہم بارہا لکھ چکے ہیں۔

t(۷) امام بخاری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حدیث کی تلاش میں بہت دور کا سفر کیا اور ان کے زمانہ میں چار امام خاندان رسول اللہ m کے موجود تھے۔ اول: سیدنا امام رضا◆ ، دوم: سیدنا امام تقی ◆، سوم: سیدنا امام نقی◆ ، چہارم: سیدنا امام عسکری ◆، اب سوال یہ ہے کہ بخاری ان چاروں ائمہ دین اہل بیت رسول اللہ m کی

---

[1] تهذيب التهذيب (۹/ ۴۱)

[2] دیکھیں: سنن النسائي، برقم (۲۰۹۶)

خدمت شریف میں بتلاش حدیثوں کے پہنچے یا نہیں؟ اگر نہیں روایت کی تو اس کا کیا سبب؟ کیا بخاری کو یہ معلوم نہ تھا کہ أهل البيت أدرى بما فيها؟

u(۷) امام بخاری نے اصل اہل بیت (حضرت عائشہ و جملہ ازواج امہاتِ مومنین) سے بے شمار روایتیں کی ہیں، اسی بنا پر کہ "أهل البيت أدرى بما فيها" باقی رہے ائمہ مذکورین تو ان پر اہل بیت کی تخصیص نہیں ہے، علاوہ بریں جس شخص کے پاس احادیث رسول ہوتیں اس سے ضرور روایت لیتے، صحیح بخاری میں عدم ذکر عدم روایت کو مستلزم نہیں ہے، اس کا مفصل جواب حصہ اول (۷۷ تا ۸۲) میں دیکھئے۔

t(۸) امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم نے بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے اور کتاب بخاری میں درج نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ انہوں دیدہ دانستہ رسول اللہ m کی حدیثیں جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتیں، کیوں ترک کیں؟ یہ کہا جاتا ہے کہ بخوف طوالتِ کتاب سب حدیثوں کو نہیں لکھا، خیر رسول اللہ m کی حدیثیں تو بخوف طوالت چھوڑ دی گئیں لیکن بہت سی حدیثوں کو جو پچاسوں جگہ فضول طور پر تکرار کیا، تو کیا اس سے کتاب کو طوالت نہ ہوئی؟

u(۸) امام بخاری a نے جس موضوع پر صحیح بخاری تالیف کی تھی، اس درجہ کی وہ بقیہ احادیث نہ تھیں، اس لئے ان کو کتاب میں درج نہ کیا، باقی اپنے شاگردوں کو سب بتلا گئے، خود امام بخاری کے شیخ حمیدی نے ان احادیث کو کتاب "جمع بين الصحيحين" میں جمع کر دیا، ان احادیث کے عدم ذکر کی وجہ خوفِ طوالت نہیں ہے، بلکہ ان کی اسناد عالی نہ تھیں۔

t(۹) اکابر محدثین و ائمہ دین مثلاً دارقطنی، ابن جوزی، ابن بطال، ابن عبدالبر، علامہ عینی، باجی، ابن ہمام، شیخ عبدالحق دہلوی، ملا علی قاری، سخاوی، محبّ اللہ بہاری، بحر العلوم، داودی، ابومسعود حافظ، غسانی، ابن مندہ، ابن سعد، علامہ ذہبی، حافظ شرف الدین دمیاطی، جار اللہ زمخشری، قاضی ابوبکر باقلانی، امام غزالی (ومولوی عمر کریم) وغیرہ وغیرہ نے جو کتاب بخاری پر اعتراضات و جرحیں کی ہیں اور اس کی بہت سی حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھا ہے، تو اس سے ان کا کیا مقصود تھا؟

u(۹) ان میں بعض نے تشدد، بعض نے تعصب، بعض نے حسد اور بعض نے نافہمی سے اعتراض کیا ہے، لیکن سب بے اصل و بے بنیاد ہے، جیسا کہ ہماری تالیفات بابت صحیح بخاری سے خوب واضح ولائح ہے۔

t(۱۰) جن راویوں کو بخاری نے خود ضعیف کہا ہے، تو پھر ان سے کتابِ بخاری میں کیوں روایت کی؟ کیا بخاری کو اس سے قوی راوی نہ مل سکے؟

u(۱۰) ان سے بالمتابعت روایت کی ہے نہ بالانفراد، ولا حرج فيه كما بينته في بعض تصانيفي۔

t (۱۱) کتاب بخاری کا تیس پارہ کس وقت ہوا اور کس نے کیا؟

u (۱۱) شارحین نے آسانی شرح ومحدثین نے آسانی درس وتدریس کے لیے ایک زمانہ کے بعد کیا۔

t (۱۲) مثل قرآن شریف کے جو بخاری کا تیس پارہ بنایا گیا تو یہ شرک ہوا یا نہیں؟

u (۱۲) نہیں یہ شرک نہیں ہوا، کیونکہ شرک کی تعریف اس پر صادق نہیں، اور خود کلام اللہ کے تیس پارے خدا کے یہاں سے ہو کر نہیں آئے۔

t (۱۳) کیا امام ابوحنیفہ وامام مالک • کی شرط پر بخاری کی سب حدیثیں صحیح ٹھہرتی ہیں؟ اور اگر سب نہیں صحیح ٹھہرتی ہیں تو کس قدر صحیح ٹھہرتی ہیں؟

u (۱۳) امام ابوحنیفہ کی شرائط صحتِ حدیث بسند صحیح منقول نہیں، امام مالک ؒ کی شرط صرف ان کے عصر کے لیے ہے، جمہور کی شرط پر صحیح بخاری کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔

t (۱۴) کیا بخاری کی سب حدیثوں کو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی چاروں طریقہ والوں نے قبول کر لیا اور اپنا معمول بہ ٹھہرایا ہے؟

u (۱۴) ہاں ہر چہار مذہب والے اس سے استدلال کرتے ہیں، اسی بنا پر امام بخاری کو حنبلیوں نے حنبلی اور شافعیوں نے شافعی اور مالکیوں نے مالکی سمجھ لیا تھا، جو کہ دراصل بالکل غلط تھا۔

t (۱۵) بخاری میں کوئی حدیث منسوخ بھی ہے یا نہیں؟

u (۱۵) ہاں جیسے قرآن مجید میں آیات منسوخ ہیں۔

t (۱۶) شرائط بخاری اگر بہت عمدہ اور اعلیٰ تھیں تو دیگر محدثین اصحاب روایت نے اس کی پیروی کیوں نہ کی؟

u (۱۶) بہتوں نے پیروی کی، علی بن المدینی وابوبکر صیرفی وغیرہ سب امام بخاری کے موید تھے۔

t (۱۷) بخاری کی شرط پر جو حدیث صحیح ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ دیگر محدثین کی شرط پر بھی صحیح ٹھہرے؟

u (۱۷) ہاں جناب! دیگر محدثین اپنے رواۃ کی توثیق ان الفاظ میں کیا کرتے ہیں کہ یہ "علی شرط البخاری" ہے، اس قدر اس پر اعتبار ہے!

t (۱۸) کوئی ایک حدیث جو بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور کسی دوسرے محدث کی شرط پر صحیح نہیں ہے، تو وہ حدیث اس دوسرے محدث پر، جس کی شرط پر وہ صحیح نہیں ہے، اس کے متبعین پر حجت ہوسکتی ہے یا نہیں ہوسکتی؟ اور اگر ہو سکتی ہے تو کیوں؟

u (۱۸) حجت ہوسکتی ہے، اس لیے کہ جمہور اسی طرف ہیں اور اگر کوئی حجت نہ سمجھے تو اس کا اپنا اجتہاد ہے

کیونکہ محدثین میں تقلید تو سرے سے نہیں ہے:، كما هو ظاهر، فالحمد لله الذي بنعمته تم الجواب، وهو أعلم بالصواب ، وإليه المرجع والمآب۔

الجرح حصہ دوم کے بقیہ مضامین کا جواب ''حل مشکلات حصہ چہارم'' میں دیا جائے گا ان شاء اللہ۔ فانتظروا!

مضامین مندرجہ بالا کے بعد اہل فقہ کا پرچہ بند ہوگیا، تو سراج الاخبار جہلم نے اس کی قائم مقامی کی، چنانچہ اخبار مذکور میں وقتاً فوقتاً امام بخاری کے خلاف مضامین نکلتے رہے ہیں، افسوس کہ ہمیں اخبار مذکور دیکھنے کو بھی نہیں مل سکا، قیمتاً طلب کرنے پر بھی میسر نہیں آتا، اس لئے اس کا جواب با ترتیب ہم ابھی نہیں دے سکتے، اخبار مذکور کا ایک پرچہ (۴ اگست ۱۹۱۴ء) البتہ ہاتھ لگ گیا تھا، اس کا جواب ہم ذیل میں نمبر ۱۸ کی سرخی سے درج کر دیتے ہیں، بقیہ مضامین سراج الاخبار کا جواب اس کے پرچوں کے ملنے پر ہم اس کتاب کے اگلے اور حصوں میں دیں گے۔ ان شاء اللہ

نمبر ۱۸:

اڈیٹر سراج الاخبار نے حدیث صياح الديك و نهيق الحمار کی باب خير مال المسلم غنم..." سے مطابقت کی بحث کرتے ہوئے (جس کا مفصل جواب ہم نے رسالہ ہذا کے حصہ دوم میں دیا ہے اور تین طریق سے مطابقت ثابت کر دی ہے) صحیح بخاری کے مکمل نہ ہونے کی نسبت مقدمہ فتح الباری سے ابو الولید باجی مالکی کا ایک قول نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''جامع بخاری نا تمام تھی، بہت جگہ مفید یعنی خالی تھی، کہیں ترجمہ باب تھا تو حدیث ندارد، اور کہیں حدیثیں ہیں تو باب نہیں، ناسخین بخاری نے ان سب کو آپ میں ملا دیا۔'' ملخصاً (کالم ۳/ ص: ٤)

گو اس کا بھی مفصل جواب ہم حل مشکلات کے حصہ اول [ص:۸۳] میں دے چکے ہیں اور چار قوی دلیلوں سے اس کا غلط ہونا ثابت کر چکے ہیں، لیکن یہاں بھی علامہ قسطلانی کا ایک قول نقل کر دیتے ہیں، جس کو انہوں نے اپنی نفیس کتاب مسمیٰ بہ ارشاد الساری شرح بخاری میں قول مذکور نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''ابو الولید کے قول مذکور میں نظر (کلام) ہے، اس لئے کہ کتاب (بخاری) مؤلف (امام بخاری) پر پڑھی گئی تھی اور اس میں شک نہیں کہ امام بخاری پر اس حال میں پڑھی گئی، جب یہ مرتب اور مبوب ہو چکی تھی۔''

"وهذا الذي قاله الباجي فيه نظر من حيث إن الكتاب قرئ على مؤلفه، ولا ريب أنه لم يقرأ عليه إلا مرتبا مبوباً" الخ (إرشاد الساری، مصری: ۱/ ۲۳)

علاوہ بریں امام بخاری نے تین مرتبہ اپنی جامع صحیح بخاری پر نظر ثانی بھی فرمائی ہے اور اچھی طرح سے اس کی تکمیل کر دی ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ صحیح بخاری ایک مکمل کتاب ہے، آگے فرماتے ہیں:

''بخاری پرستوں کے اس زعم باطل کی کہ بخاری ایک مکمل کتاب ہے اور اس کے ترجمۃ الابواب میں فقاہت واجتہاد کے وہ اسرار وغوامض اور نکات بھر دیئے گئے ہیں... الخ (ص: أیضاً)

ہاں! صاحب ہاں! یہ محض زعم ہی نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے، سنئے علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

" فقه البخاري في تراجمه " یہ قول فضلاء کی ایک جماعت کا ہے اور ٹھیک ہے۔ (إرشاد الساري: ١/ ٢٣)

شیخ الاسلام بلقینی نے تراجم بخاری کی تعریف میں ایک طویل نظم لکھی ہے، جسے ہم مفصل آخر میں درج کریں گے، اس نظم میں بلقینی نے صحیح بخاری میں جس قدر کتب وابواب ہیں سب کو بہ ترتیب نام بنام نہایت خوش اسلوبی سے پرو دیا ہے، جس کا لطف دیکھنے سے حاصل ہوگا، اس کا پہلا شعر یوں ہے۔

أتى البخاري حكمة في التراجم مناسبة في الكتب مثل البراجم ❶

ولنعم ما قيل ۔

أعيا فحول العلم حل رموز ما أبداه في الأبواب من أسرار ❷

معلوم ہوا کہ واقعی صحیح بخاری کے ترجمۃ الابواب میں اسرار فقاہت مشحون ہیں، اس پر آپ بخاری پرست بنایئے یا کچھ اور، ہم تو خدا پرست ہیں اور بس! اڈیٹر صاحب اپنے رسالہ "حدائق الحنفیه" کی حد سے زیادہ تعریف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقاہت امام بخاری کے ۲۱ نمونہ جات ان کی صحیح سے ایسے نقل کئے گئے ہیں کہ جن کے باب وحدیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے (الی قولہ) اس کے جواب لکھنے کی اب تک جرأت نہیں ہوسکی۔'' (کالم ١/ ص: ٥)

آپ حضرات اپنی کتابیں مصنفین علمائے اہل حدیث کی خدمت میں بھیجتے ہی نہیں اور گھر میں بیٹھے ڈینگ ہانکا کرتے ہیں، مہربانی کر کے آپ کتاب مذکور بہت جلد بھیج دیں، تاکہ لگے ہاتھ اس کا بھی جواب لکھ دوں، اور اس کتاب کے حصہ پنجم کو اسی کے جواب سے زینت دوں، تاکہ پبلک کو معلوم ہوجائے کہ ۔

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے!

وہ ساری ان کی شیخی جھڑی دو گھڑی کے بعد

وليكن هذا أخر ما أردنا إيراده في هذا الكتاب المستطاب، وآخر دعوانا أن الحمد لله العزيز الوهاب، ختم الله لنا بالحسنى، وأذاقنا حلاوة رضوانه الأسنىٰ.

فقط

---

❶ بخاری کے تراجم میں حکمت اس طرح جڑی ہوئی ہے، جس طرح انگلیوں کے جوڑ!

❷ اس نے ابواب میں ایسے اسرار رکھ دیئے ہیں کہ نامور علماء انہیں حل کرنے میں عاجزی محسوس کرتے ہیں۔

قصیدہ عربیہ در مدح امام بخاری ؒ و جامع صحیح بخاری

صورة ما أنشده الشيخ العلامة علاء الدين علي بن أبيك الدمشقي رحمه اللّٰه تعالى

هذا البخاري بحمد اللّٰه قد ختما	وليس فيه حديث واحد كتما
لكن وجدناه أبواباً مبوّبة	مملوءةً أدباً موفورةً حكما
وقد قرعنا به الأسماع فانفتحت	من بعد ما ملئت من قبله صمما
وأصبحت كل عين من بصائرنا	للحق مبصرة ليست تخاف عما
هذا الكتاب الذي ما شاب قوته	ضعف وصحته ما تعرف السقما
هذا الكتاب الذي نرجو الشفاء به	هذا الكتاب الذي للداء قد حسما
هذا الكتاب الذي قد جاء جوهرة	غلت له قيمة لما علت قيما
من روضة كان فيها الشيخ ألفه	هبت له نسمة قد أحيت النسما
لا يستلذ به إلا الخبير ولا	يحلو مكرره إلا لمن فهما
كم قد كشفنا به من كُربة عظمت	كم قد طرحنا به من حادث هجما
كان أسطره من عنبر رقمت	كان ألفاظه زهر قد ابتسما
ما للبخاري نظير في جلالته	ومثله حافظ ما أمسك القلما
قد كان وهو صغير السن مجتهداً	وكان ذا همة قد فاقت الهمما
كأنما صدره بحر يموج ذكاً	كأنما ذهنه غيث قد انسجما
شرقاً وغرباً على حفظ الحديث سعىٰ	دهرًا ولا عرباً أبقىٰ ولا عجما
وألف شيخ له في الأرض وهو علىٰ	تلك المشائخ في علم الحديث سما
كم قلبوا من أسانيد الحديث له	بالأمس واقتسموها بينهم قِسما
فردها مثل ما كانت وصححها	وصار في علمه قد أمّهم علما
وما أضر به المكر الذي مكروا	لكن أقر له بالفضل من علِما
وكل حفاظ بغداد له اعترفوا	لما زكا بالذكا محفوظة ونما
ومسلم قام في عينيه قبله	ولم يدعه البخاري يلثم القدما

هما الإمامان في علم ومعرفة كالبحر حين طمىٰ والغيث حين هما
لو قيل من فاق أهل الأرض قاطبة في العقل والنقل والتحرير قلتُ هما
الله يجزيهما خيراً بما فعلا والله يجمعنا يوم اللقا بهما

وقال بعضهم

قالوا لمسلم فضل قلت البخاري جللا
قالوا البخاري يكرر قلت المكرّر أحلىٰ

تمت

تمام شد

۱۹۱۴ء

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

قصیدہ عربیہ بابت ترتیب تراجم جامع صحیح بخاری

لشيخ الإسلام البلقينى ؒ

أتى في البخاري حكمة في التراجم　مناسبة في الكتب مثل البراجمِ
فمبدأ وحي اللّٰه جاء نبيه　وإيمان يتلوه بعقد المعالمِ
وإن كتاب العلم يذكر بعده　فبالوحي إيمان وعلم العَوالمِ
وما بعد اعلام سوى العمل الذي　به يرد الإنسان ورد الأكارمِ
ومبدؤه طهرأتى لصلاتنا لصلاتنا　وأبوابه فيها بيان الملائمِ
وبعد صلوة فالزكوة تبيعها　وحج وصوم فيهما خلفَ عالمِ
روايته جاءت بخلف بصحة　كذا جاء في التصنيف طبق الدعائمِ
وفي الحج أبواب كذاك بعمرة　لطيبة جاء الفضل من طيب خاتمِ
معاملة الإنسان في طوع ربه　يليها ابتغاء الفضل سوق المواسمِ
وأنواعها في كل باب تميزت　وفي الرهن والإعتاق فك الملازمِ
فجاء كتاب الرهن والعتق بعده　مناسبة تخفىٰ على فهم صارمِ
كتابة عبد ثم فيها تبرع　كذاهبة فيها شهود التحاكمِ
كتاب شهادات تلي هبة جرت　وللشهداء في الوصف أمر لحاكمِ
وكان حديث الإفك فيه افتراؤهم　فويل لأفاك وتبا لآثمِ
وكم فيه تعديل لعائشة التي　يبرئها المولىٰ بدفع العظائمِ
كذا الصلح بين الناس يذكر بعده　فبالصلح إصلاح ورفع المظالمِ
وصلح وشرط جائزان لشرعهِ　فذكر شروط في كتاب لعالمِ
كتاب الوصايا والوقوف لشارط　بها عمل الأعمال تم لقائمِ
معاملتنا رب وخلق كما مضىٰ　وثالثها جمع غريب لفاهمِ
وجزيتهم بالعقد فيه كتابها　موادعة معها أتت في التراجمِ
كتاب الجهاد جهد لإعداء كلمة　وفيه اكتساب المال إلا لظالمِ
فيملك مالى الحرب قهرا غنيمة　كذا الفيء يأتينا بعز المغانمِ

كتاب لبدء الخلق بعد تمامه مقابلة الإنسان بيد المقاسم
وللأنبياء فيه كتاب يخصهم تراجم فيها رتبة للأكارم
فضائل تتلو ثم غزو نبينا وما قد جرىٰ حتى الوفاة لخاتم
وإن نبي الله أوصىٰ وصية تخص كتاب الله يا طيب عازم
كتاب لتفسير تعقبه به وإن أولى التفسير أهل العزائم
وفي ذاك إعجاز لنا ودليلنا وإحياؤه أرواح أهل الكرائم
كتاب النكاح انظره منه تناسل حيٰوة أتت منه لطفل محالم
وأحكامه حتى الوليمة تلوها ومن بعدها حسن العشير الملائم
كتاب طلاق فيه أبواب فرقة وفي النفقات أفرق ليسر وعادم
وأطعمة حلت وأخرى فحرمت ليجتنب الإنسان إثم المحارم
وعق عن المولود يتلو مطاعماً كذا الذبح مع صيد بيان الملائم
وأضحية فيها ضيافة ربنا ومن بعدها المشروب يأتي لطاعم
وغالب أمراض بأكل وشربه كتاب لمرضانا برفع الماثم
فبالطب يستشفىٰ من الدا برقية بفاتحة القرآن ثم الخواتم
لباس به التزيين وانظره بعده كذا أدب يؤتى به بالكرائم
وإن بالاستئذان حلت مصالح به تفتح الأبواب وجه المسالم
وبالدعوات الفتح من كل مغلق وتيسير أحوال لأهل المُعازم
رقاق بها بعد الدعاء تذكر وللقدر اذكره لأهل الدعائم
ولا قدر إلا من الله وحده تبررنا بالنذر شوقا لخاتم
وأيمان من كتب وكفارة لها كذا النذر في لج بدا من ملاحم
وأحوال أحياء تتم وبعدها مواريث أموات أتت للمقاسم
فرائضهم فيها كتاب يخصها وقد تمت الأحوال حالات سالم
ومن يأت قاذورا تبين حده محاربهم فيها أتت حتم حاتم
وفي غرة فاذكر ديات لأنفس وفيه قصاص جا لأهل الجرائم
وردة مرتد ففيه استتابة بردته زالت عقود العواصم
ولكنما الإكراه رافع حكمه كذا حيل جاءت لفك التلازم

وفى باطن الرؤيا لتعبير أمرها   وفتنتها قامت فما من مقاومِ
وأحكامها خلفا يزيل تنازعاً   كتاب التمني جاء رمز لراقمِ
ولا تتمنوا جاء فيه تواتر   وأخبار آحاد حجاج لعالمِ
كتاب اعتصام فاعتصم بكتابه   وسنة خير الخلق عصمة عاصمِ
وخاتمة التوحيد طاب ختامها   بمبدئها عطر ومسك لخاتمِ
فجاء كتاب جامع من صحاحها   لحافظ عصر قد مضىٰ في التقادم
أتى في البخاري مدحه لصحيحه   وحسبك بالإجماع في مدح حاذم
أصح كتاب بعد تنزيل ربنا   وناهيك بالتفضيل فاجأر لراحم
وقل رحم الرحمان عبدا موحدا   تحرىٰ صحيح القصد سبل العلائم
وفي سنة المختار يبدي صحيحها   بإسناد أهل الصدق من كل حاذم
وأنا تواخينا كتابا يخصه   على أوجه تأتي عجابا لغانم
عسىٰ اللّٰه يهدينا جميعا بفضله   إلىٰ سنة المختار رأس الأكارم
وصلىٰ على المختار اللّٰه ربنا   يقارنها التسليم في حال دائم
وآل له والصحب مع تبع لهم   يقفون آثارا أتت بدعائم
بتكرير ما يبدو وتضعيف عده   وفي بدئها والختم مسك الخواتم

تمت

حصه سوم تمام شد

﴿اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ﴾

للّٰہ الحمد والمنہ کہ رسالہ ھدایت کا مقالہ مسمیٰ بہ

الأمر المبرم

لإبطال

الکلام المحکم

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے ان اختراعات کا مفصل جواب دیا گیا ہے، جو انہوں نے صحیح بخاری شریف کے ایک سو پچھتر (۱۷۵) رواۃ پر کیا تھا۔

از تازہ تالیفات
مولانا محمد ابو القاسم صاحب
مصنف صراط مستقیم والعرجون القدیم والریح العقیم والخزی العظیم وغیرہ وغیرہ
خلف الصدق مولانا مولوی محمد سعید صاحب محدث (پنجابی ثم البنارسی) مرحوم ومغفور

مطبع سعید المطابع بنارس میں مصنف کے زیر اہتمام طبع ہوا

2 &

حامدا ومصلیا ومسلما

دیباچہ

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ
ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

صبح کا سہانا وقت ہے اورمشرقی افق کی طرف آفتاب کی زرد زرد شعاعیں دنیا میں پھیل رہی ہیں،نسیم سحر کے جھونکے اپنی انتہا کوپہنچ چکے ہیں، ادھرہم نے بھی صحیح بخاری شریف کی تدریس سے فراغت پائی ہے کہ ناگاہ ڈاک پیادہ نے ایک پیکٹ لاکر دیا، بڑے شوق سے اس کوکھولا تو کیا دیکھا کہ ہمارے قدیم کرم فرما مولوی عمر کریم حنفی (برعکس نہند نام زنگی کا فور) کا رسالہ''الکلام المحکم'' ہے،جس میں صحیح بخاری شریک کےایک سوپچھتر (۱۷۵) راویوں پرلا یعنی اعتراضات کیے گئے ہیں، ساتھ ہی دل میں خیال پیدا ہوا کہ عرصہ سے حضراتِ مقلدین کی جماعت سنانِ قلم سے خون کے فوارے اڑا رہی ہے اورنو ایجادستم و جفا کی چھریوں سے جماعتِ حقہ اہل حدیث کا حلقومِ جگر کاٹے ڈالتی ہے،گویا وہ راہ زیست کی ٹھوکر یا گزرگاہ عام کے پامال و پاشکن پتھر ہیں،جس کو ہر شخص کا پاؤں ٹکراٹکرا کرممنون منت کرتا ہے۔

وہ گروہ اہلحدیث ۔کثر اللہ سوادھم۔ جوکبھی مرجع عالم اور ملجائے کائنات تھے،جس کے سراپا قدرت ہاتھوں میں ربع مسکوں کی بے شمار جانیں تھیں، وہی ستم زدہ غریب آج مکروہ اورنفرتی باتوں کے مخاطب صحیح ہیں، انہی کے کلیجوں پرزبان کی چھریاں اورقلم کے نیزے چل رہے ہیں،انہیں کے ناکردہ گناہ کان مقلدین کی ناگوار آوازوں کے سوہن جگر دوز سے رِیتے جارہے ہیں۔ ہائے ہائے فتنے بلند ہیں، پہاڑ ٹکرا رہے ہیں،شعلے بھڑک بھڑک کرسقف نیلگوں کوجلد سے جلد پھونکنا اورجلانا چاہتے ہیں، دلوں کا سمندر آزادی وترقی کی موجیں ماررہا ہے،مقلدوں کی طرف سے کیسے کیسے خوں ریز اور زہراگلنے والے پرچے اوراخبارات ۔ایک''اہل فقہ'' امرتسر میں،تو دوسرا''سراج الأخبار''
3 جہلم میں۔حصن حصین مذہب اہل حدیث اورصحیح بخاری شریف پرحملہ کرنے کو جاری ہیں،جن کی بدزبانی اور حیا سوز بے باکی سے جگر میں ناسور پڑگیا، سینہ چھلنی ہوگیا، دل پرہجوم طپش اور آنکھوں پر ہجوم اشک نے قبضہ پالیا ہے،

جذبات موج مارنے لگے، طوفانِ تخیل زور شور سے اٹھا اور سمندر کے اٹھے ہوئے بخارات کی مانند فضائے دماغ پر چھا گیا، آخری تخیل جو کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا، وہ ’’الکلام المحکم‘‘ کے جواب لکھنے کا خیال تھا، جو صحیح بخاری کے مطلع حقیقت سے الزاماتِ مخالفین۔خصوصاً مولوی عمر کریم۔ کے گرد و غبار کو دور کر کے بخاری شریف کے چہرہ کا نکھرا رنگ اہل نظر کو دکھائے اور گرم جوش و منچلے حریفوں کو طنطنۂ کوس جلال سے آشنا کرے کہ:

ہمیں کیا اشقیا کو گر بخاری سے عداوت ہے
احادیث نبی سے فیض اٹھائے جس کا جی چاہے
بخاری اپنی رہبر بعد تنزیل سماوی ہے
قیاس و رائے کو رہبر بنائے جس کا جی چاہے
بخار آتا ہے بے دینوں کو بس نامِ بخاری سے
گل باغ نبی سے خار کھائے جس کا جی چاہے

الحمد للہ کہ اس تخیل نے خانہ دماغ سے نکل کر صورت ظہور اختیار کی اور خیالی رسالہ موسومہ بہ ’’الأمر المبرم لإبطال الکلام المحکم‘‘ اصل وجود میں آ گیا۔

اب حضرات مقلدین اس کو بنظر انصاف ملاحظہ کریں اور اپنی بدکرداری پر آٹھ آٹھ آنسو بہائیں۔ نیز یہ بھی عرض ہے کہ آپ حضرات اپنی زبان وقلم کی طغیانی کو روکیں، امام بخاری پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں، صحیح بخاری پر نکتہ چینی کرنا جامۂ تہذیب اور لباسِ ادب سے باہر ہونا ہے، جو مقتضائے جہالت وحیوانیت ہے، آدمیت وانسانیت کو ایسی باتوں سے شرم آتی ہے، کوئی ذی ہوش اور عالی نظر شخص آپ کی تحریروں کو پڑھ کر آپ کی نسبت ہرگز عمدہ رائے قائم نہیں کر سکتا، چنانچہ مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ تحریریں منصفانہ جانچ و پڑتال کا فرض ادا کرنا نہیں چاہتیں، بلکہ یہ اُس زہریلے مادۂ سوادی کے بخارات ہیں، جو مدت سے مقلدین کے اعصاب اور شرائین میں دوڑے پھر رہے ہیں، اسی ذہن میں بے چارے ضعفاءِ خلق اہل حدیثوں کا گروہ ان پیکانوں کا شکار ہو رہا ہے، جن کا وہ صحیح مستحق نہ تھا، یہ گروہ اس دشوار اور پُر از فتنہ وشر زمانہ میں اس مظلوم کے مانند ہے، جو ظالم کے قہر آلود ستموں کو سہتا ہے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بس ایک سرد آہ بھر کر رہ جاتا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ اس چمن میں اگلی سی بہار اور بہار میں پہلا سا سماں نہیں رہا۔ اس اجڑے ہوئے باغ کے نخل بند یا اس سچے مذہب کے بانی مبانی آنحضرت ﷺ حظیرۂ قدس۔ جنت۔ میں آرام کر رہے ہیں، دیدہ ور تماشائیوں کا وجود ناپید ہو گیا، اجنبی نظارہ بازوں کے بوالہوس دل تماشائے گل سے سیر ہو چکے، عنادلِ ہزار داستان اور قمریان خوش 4

آ ہنگ، جن کے خوش آئند نغمے کانوں کو سرور اور دلوں کو فرحت و ابتہاج کا نور بخشتے تھے، امتداد زمانہ سے خاموش ہوگئے، جس طرف دیکھو اداسی کا سماں اور وحشت کا سناٹا چھایا ہوا ہے، آتش کدہ عرب کی شعلہ ور آگ ۔قرآن مجید اور حدیث شریف۔ اَبردالمما لک ہند میں آ کر اصلی حرارت و التہاب (شعلہ زنی) سے الگ ہوگئی، اس آگ کے شرارے (اہل حدیث) بجھ بجھ کر راکھ ہو ہو کر ڈھیر ہوگئے، لیکن حریفوں (مقلدوں) کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اہل حدیث اس بجھ جانے پر بھی آتش تہ خاکستر ہیں، قرآن و حدیث مضبوط لکڑی کی دیر پا آگ ہے، پھوس کی آگ نہیں کہ ایک لپکا اٹھا اور کچھ نہ تھا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مقلدین باشندگان ہند کے تیز اور پھرتی باز لکڑ ہارے اس غریب (جماعت اہل حدیث) کے درختِ زندگی کا برگ و بار کاٹ ڈالیں اور کاٹ کر اس کے بے برگ و بار ٹھونٹھ کو ظلم وستم کی آگ میں جلا کر خاکستر کر دیں، جب بھی وہ تہہ خاکستر شرارہ مقلدینِ ہند کے خرمنِ ہستی کو پاک وصاف نہیں چھوڑے گا۔ مذہبِ اہل حدیث کوئی نیا مذہب نہیں، بلکہ باعتبار وجودِ مقلدین قدیم ہے اور جس طرح ہتھیلیوں میں انگلیوں کا جوڑ ہے یا گوشت سے ناخن کا اتصال، اسی طرح اس سچے مذہب کا وجود ہندوستان سے وابستہ ہے، اس میں تفرقہ ڈالنے کا تخیل موج و سمندر کی ہم آغوشی اور رفعت و آسمان کی ہم کناری دور کرنے کا تخیل ہے، دونوں محال، دونوں ناممکن اور دونوں طاقت انسانی سے باہر!

پس مقلدو! نام کے حنفیو! اپنے باطل ذہن میں فقہ کے حامیو! میں نہایت نیک نیتی اور نہایت صاف دلی سے صلاح دیتا ہوں کہ امام بخاری اور ان کی جامع صحیح پر اعتراض کرنا چھوڑ دو اور اس باطل تخیل اور فرض محال کو دماغ سے نکال دو، ورنہ یاد رکھو:

أنا صخرة الوادي إذا ما زوحمت
وإذا نطقت فإنني الجوزاء ❶

یہ بھی یاد رہے کہ بآسانی ممکن تھا کہ میرا قلم بھی سختی اور تیز گامی سے دشوار گزار منزل طے کر کے نیم ستوں کو صدائے ہوشیار باش کی ٹھوکر لگاتا، لیکن ان ناگوار چوٹوں کا خراش دل کے ناسور ہوجانے کے ماسوا کیا نتیجہ؟ جس کے لیے خود کو مقلدین کا ہم قدم و ہم آہنگ بناؤں! خدا کا شکر ہے کہ تہذیب وصداقت ہم جماعت اہل حدیث کی فطرت کا مایہ ناز ہے، دغا بازی وحیلہ گری سے مصفا ومبرا ہے۔ ؎

ما اہل حدیثیم و دغا را نشناسیم
صد شکر در مذہب ما حیلہ وفن نیست ❷

❶ جب مجھ سے ٹکرایا جائے تو میں وادی کی چٹان ہوں اور جب میں بولوں تو میں ہی جوزا ہوں۔

❷ ہم اہل حدیث ہیں اور دھوکہ دینا نہیں پہچانتے، صد شکر ہے کہ ہمارے مسلک میں حیلہ سازی اور فنکاری نہیں ہے!

اہل حدیث حضرات کی خدمت میں:

اب ہم اپنے اہلحدیث بھائیوں سے بھی التماس کرتے ہیں کہ دیکھو دیکھو چونکو، خوابِ تغافل سے چونکو، تم نہتے ہو
اور حریف ہتھیار بند، افسوس تمہارے خانۂ عمل میں صفر کامل ہے اور صد افسوس کہ تم نے اگلی آن بان کھو دی، تمہاری 5
کشتی حیات گرداب فنا میں چکر کھا رہی ہے، بادِ مخالف کا زور ہے، بحیرۂ ہند سے لہروں کا طوفان اٹھ اٹھ کر آسمان سے
ٹکرا رہا ہے، نہنگ اور مردار خوار آبی جانور منہ پھاڑے تاڑ نظر لگائے ہوئے ہیں، دیکھو مقلدین کی طرف سے کیسی تابڑ
توڑ کوششیں ہو رہی ہیں، اشتہار پر اشتہار، رسالہ پر رسالہ، پرچہ پر پرچہ، اخبار پر اخبار ہمیشہ شائع ہوتے رہتے ہیں،
ایک تم ہو کہ تمہاری طرف سے کچھ نہیں ہے!

دوستو! اگر دنیا کی دیوی پر کیسہ ہائے زر و جواہر نچھاور کر رہے ہو، تو تم اپنے پیارے اور سچے مذہب کی حمایت کرنے والے صاحب تصانیف علماء اہل حدیث کے رسائل چھپوانے کا انتظام کر دو، طباعت کے بعد ان کی اشاعت کراؤ، وہ وقت آ گیا ہے کہ تم سے پوچھا جائے: ؎

أترضىٰ صناديد الأعارب بالأذى
وتغضي على ذل الكماة الأعاجم ❶

الٰہی و مولائی! تو کہ برپا کنندہ انجمن انجم اور زیب دہندہ انجمن دنیا بہ مردم ہے، اپنے فضل و کرم اور تائید غیبی سے اپنے سچے دین کے اپنے سچے تابعدار گروہ اہل حدیث کو ہمیشہ دن دونی رات چوگنی ترقی، رونق و برکت اور اثر عطا کر اور ہمیشہ ان کو غالب اور ان کے مخالفوں کو مغلوب رکھ۔ اللهم انصرنا و لا تنصر علينا!

شد ختم بر حدیثِ تو آخر بیانِ ما
باشد نگینِ نام تو مہر دہانِ ما ❷

خاکسار

محمد أبو القاسم

بنجابي الأصل بنارسي الوطن

مصنف رساله هذا

---

❶ کیا سرداران عرب تکلیف پر راضی ہو جائیں گے اور عجمی سرداروں کی ذلت پر چشم پوشی کریں گے؟

❷ تیری بات پر ہمارا آخری بیان ختم ہوا، تمہارے نام ہمارے منہ کی مہر کا نگینہ ہوا۔

6

&

وكم من عائب قولا صحيحا
وآفته من الفهم السقيم [1]

الحمد لله علىٰ ما علمنا بالقلم ما لم نكن نعلم، فأعربت الألسن عما رسم في الضمائر من الحكم، ونبهنا بآثاره على سلوك الطريق الواضح المعلم، وسلك بنا من لطفه العليم مسلك الإحسان والنعم والكرم ، وصلى الله على سيدنا محمد نخبة الكرام ولبنة التمام وسلم، الذي أضاح بنوره سواد العرب ومراد العجم، وعلىٰ آله الجهابذة وصحبه الأساتذة، خيرة الخيرة في الأمم، وعلىٰ محدثي أمته المرحومة الذين هم المشار إليهم بقوله: "اتبعوا السواد الأعظم"، [2] خصوصاً على سيد الفقهاء والمحدثين الإمام الهمام البخاري رحمه الله تعالىٰ الذي أحيىٰ سنن النبي الأكرم، والذي ظهرت أنوار هدايته للناس في حوالك الظلم، وعلينا معهم برحمتك يا أرحم الراحمين ارحم، أما بعد :

حضراتِ ناظرین والاتمکین ! خاکسار نے اپنے خیالات کا سچا فوٹو مختصر طور پر دیباچہ میں کھینچ کر دکھلا دیا ہے، اس لیے یہاں مزید کسی تمہید کی ضرورت نہیں، ہاں اس قدر بتلانا ضروری ہے کہ ہمارے مقابل مولوی عمر کریم کو دعوائے سیادت کے باوجود، جو شاید داڑھی مونچھ ہر دو کے صفایا کی وجہ سے ہو، کیوں اس قدر امام بخاری اور ان کی جامع صحیح بخاری سے ضد ہے؟ سچ پوچھیں تو ہم کو اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ بات بالکل صاف ہے، چونکہ بمصداق مثل مشہور ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' امام بخاری ؒ نے ان کی فقہ کو بالاستیعاب علی وجہ الکمال حاصل کر کے بمقابلہ احادیثِ صحیحہ ان کی آراءِ فاسدہ اور اُفکارِ کاسدہ کی قلعی کھول دی، اس لیے آپ کے "بعض الناس'' نے ان کے دلوں میں کھلبلی ڈال دی اور ان کے خیالات یکبارگی پھر گئے، گویا کایا ہی پلٹ گئی، اور چونکہ امام بخاری ؒ کا ریمارک فقہ حنفی پر بالکل صائب تھا، اس لیے بقول ۔ع:

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

ان حنفیوں نے جامع صحیح کے ثقات رواۃ پر بھی اعتراضات جمانا شروع کر دیے اور ع۔

---

[1] کتنے ہی لوگ درست بات میں عیب جوئی کرنے والے ہوتے ہیں، جبکہ ان کی اصل مصیبت بیمار عقل ہوتی ہے!

[2] سنن ابن ماجه: كتاب الفتن، باب السواد الأعظم، رقم الحديث (٣٩٥٠) قال البوصيري في الزوائد: "في إسناده أبو خلف الأعمى، واسمه حازم بن عطاء، وهو ضعيف، وقد جاء الحديث بطرق في كلها نظر، قاله شيخنا العراقي في تخريج أحاديث البيضاوي۔" نیز دیکھیں: السلسلة الضعيفة (٢٦٩٨)

کس بشنود یا نشود من گفتگوئے میکنم ❶

کے صحیح مورد بنے، چنانچہ رسالہ "الکلام المحکم" جس کا ہم جواب دینے بیٹھے ہیں، اسی کا نمونہ ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ان حنفیوں کے ایسے ہی کارناموں کی طرف کسی نے اشارہ کیا ہے۔ ؎

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفته من الفهم السقيم

اس لیے اب میں بفضل اللہ ونصرہ وعونہ وصونہ اپنے قلم کو جواب کے لیے اٹھاتا ہوں۔
والالتماس من كرام الناس أن يعفوا الزلل، ويسدوا الخلل، لأن جهد المقل مشكور، وباذل الوسع معذور، اللهم أنت الهادي، وعليك اعتمادي، وبك في كل الأمور استنادي، أنت 7
عضدي ونصيري، بك أحول وبك أصول، فكن لي جاراً من شر من عاداني من المعاندين، واحفظني من فتنة الشيطان وحزبه كما تحفظ عبادك الصالحين، وانصرني علىٰ عدوي وعلىٰ عدوك وعدو نبيك وعدو المحدثين، واجعل لي لسان صدق في الآخرين، رب اشرح لي صدري ويسر لي أمري، اللهم أيدني بروح القدس!

واضح ہو کہ معترض کا قول "**قوله**" اور اس کا جواب "**أقول**" سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ ناظرین آسانی سے طرفین کی تحریروں میں امتیاز کر سکیں، والأن أشرع في المقصود متوكلا على واهب الخير والجود۔

---

❶ کوئی سنے یا نہ سنے، میں گفتگو کرتا رہوں گا۔

قوله: الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

أقول: واہ جناب! پہلے ہی بسم اللہ غلط، آپ نے احکام قرآنی، جو محفوظ ہیں، ان کو بھی ترک کر دیا! حالانکہ قرآن کا حکم ہے: ﴿ صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [الأحزاب: ٥٦] اور آپ نے "والصلوة" کو اڑا ہی دیا، اسی وجہ سے مقدمہ ابن صلاح (ص:٩١) میں ہے:

"ویکرہ أیضا الاقتصار علی قولہ: علیہ السلام" انتھی ❶

یعنی صرف " علیہ السلام " کہنا اور "الصلوۃ" نہ کہنا یہ بھی مکروہ ہے۔

کیونکہ قرآن کے خلاف ہے، لیکن آپ تو مقلد ہیں، جن کے بائیں ہاتھ کا یہ کھیل ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ع۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ❷

قوله: نہ اپنے میں اس قدر علمی لیاقت دیکھتا تھا کہ دو چار ورق کی کتاب لکھ کر...... الخ۔

أقول: میں نے رسالہ "العرجون القدیم" میں کیسی سچی و جدانی پیشین گوئی پہلے ہی کر دی تھی کہ آپ کی کم مائیگی اور قلت علمی نے آپ کو ان اشتہار بازیوں پر مجبور کیا ہے، آپ علم سے بالکل نا آشنا اور کورے ہیں، الحمدللہ کہ اس کا خود آپ کو بھی اقرار ہے، پھر یہ بتلائیے کہ آپ کو کیونکر ایسی جرأت ہوئی کہ امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کرنا شروع کر دیا؟ کیا یہی تو نہیں کہ "چمگادڑ کی آنکھ اور آفتاب سے مقابلہ" والا معاملہ ہوا؟ شمس محمدی ❸ نے آپ کی شان میں سچ لکھا تھا۔ ؎

بدعی بے علم کی وہ ساری گرما گرمیاں
ہوگئیں کافور کیسا سرد و پالا ہوگیا
سفلۂ و کم ظرف کرتا تھا بخاری پر جو جرح
کھل گئی کم مائیگی ظاہر رذالہ ہوگیا

---

❶ مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠٥)

❷ یہ تمہارا ہی کام ہے، مرد ہی ایسا کرتے ہیں۔

❸ یعنی مولوی محمد یوسف صاحب شمس محمدی ایڈیٹر اخبار "اہل الذکر" جنھوں نے مؤلف رحمہ اللہ کے رسالہ "العرجون القدیم" پر اپنی تقریظ میں مذکورہ بالا اشعار لکھے تھے، پوری نظم مذکورہ رسالہ کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

قوله: اور اس تصنیف کو اپنی شہرت اور نام آوری کا ذریعہ بنا دے۔

أقول: جناب! کیا آپ کا یہ مقصود نہ تھا؟ سچ کہیے گا! ہم سے سنئے، اگر آپ ایسا نہ کرتے تو کوئی آپ کو جانتا بھی نہیں۔ ؎

کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو
پاؤ ہو یا ڈیڑھ ہو یا پون ہو

میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کا اصلی مقصود اور ذاتی ارادہ یہی تھا کہ مجھے بھی لوگ مولوی اور صاحب تصنیف کہیں، 8
میری بھی شہرت ہو، ورنہ آپ باعتبار علمی بضاعت کے ویسے ہی ہیں، جیسا خود آپ نے لکھا ہے۔ ؎

شہرت کے ہم حریص ہیں عزت سے نہیں کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

قوله: ہر شہر و قریہ اور کوچہ و بازار میں عمل بالحدیث کا شور بلند ہے۔

أقول: الحمدللہ کہ مقلدین کی تابڑ توڑ کوششوں کے باوجود بھی ان کی بی بی تقلید برقع اوڑھ کر سیدھے اسفل السافلین کو چلی گئی اور یہ حضرات منہ دیکھتے ہی رہ گئے، چنانچہ اس کا آپ کو خود اقرار ہے کہ ہر شہر و قریہ اور کوچہ و بازار میں عمل بالحدیث کا شور بلند ہے، آج خدا کا وہ ارشاد پورا ہوگیا:

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [التوبہ: ٣٢]

خدا کرے گھر گھر عمل بالحدیث کا شور بلند ہوجائے اور تقلید کا وجود اس پردۂ دنیا سے کالعدم ہو۔ ويرحم الله عبداً قال آمينا!

قوله: عمل بالحدیث تو ایک اچھی بات بلکہ ہر مسلمان پر فرض و واجب ہے۔

أقول:

بدم گفتی و خور سندم عفاک الله نکو گفتی ❶

جب آپ کو خود یہ اقرار ہے، تو پھر تقلید کے پیچھے کیوں اس قدر پڑ کر ''کوہ کندن وکاہ برآوردن''❷ کے مصداق بنتے ہیں، اس لیے کہ عمل بالحدیث کو آپ فرض و واجب بتلاتے ہیں اور یہ تقلید کے منافی ہے، کیونکہ عمل بالحدیث اور تقلید میں تناقض اور تباین کلّی ہے، پس ایک ہی شخص عامل بالحدیث اور مقلد نہیں ہوسکتا، کیونکہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا، جو محال ہے، لہٰذا آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جب ہر مسلمان پر عمل بالحدیث فرض ہے، تو تقلید کا ترک بھی

---

❶ برا کہہ کر خوش ہو رہے ہو! تمھیں اللہ معاف کرے، اچھا کہہ!

❷ کھودا پہاڑ نکلا تنکا!

اس پر فرض ہوا، گویا آپ نے اپنی اس تحریر سے خود ہی اپنے ان دو اشتہار نمبر۲۔۳ کا جواب دے دیا، جس میں آپ نے تقلید کی بابت خامہ فرسائی کی ہے، اسی کو کہا جاتا ہے، : " الكذوب قد يصدق " کبھی جھوٹا بھی کہہ دیتا ہے سچ، دیکھو خدا کی شان!

قوله: اس زمانہ کے عمل بالحدیث کا اصلی مقصد یہی (رسول اللہ کی اہانت اور حقارت کرنا) ہے اور اس کا ثبوت ان کی کتابوں (تقوية الإيمان) کو دیکھنے سے بخوبی مل سکتا ہے۔

أقول: بالکل غلط اور سفید جھوٹ بھی نہیں بلکہ یہ سیاہ جھوٹ ہے، بھلا عامل بالحدیث ایسا کر سکتے ہیں؟ یہ بالکل ان کی شان کے خلاف اور ان پر افتراء اور اتہام ہے، وہ تو یہ کہتے ہیں۔ ؎

يا صاحب الجمال و يا سيد البشر من وجهك المنير لقد نور القمر
لا يمكن الثناءُ كما كان حقه بعد از خدا بزرگ توئ قصه مختصر [1]

اگر اسی کا نام حقارت و اہانت ہے تو۔ ع۔ چشم ما روشن دل ما شاد ؎ 9

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر [2]

بلکہ سچ پوچھو تو حضراتِ مقلدین ہی آنحضرت ﷺ کی اہانت وحقارت کرتے ہیں کہ آپ کو عالم الغیب اور درجہ بشریت سے پرے درجہ الوہیت پر سمجھتے ہیں، ۔العیاذ باللہ۔ اسی کو کہتے ہیں: الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے!

اپنا الزام ہم پر؟ واہ جناب واہ! ہاں تقویۃ الإیمان کی ایک ہی کہی، تقویۃ الإیمان میں کہیں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے، جس سے آنحضرت ﷺ کی اہانت ہو، یہ ایسی کتاب ہے کہ "من تركه فقد غوى" [3]

اگر آپ کو شک ہو تو سنئے میں آپ کو ایسے معتبر شخص کا قول سناؤں کہ ''اگر کسے شک آرد کافر گردد'' [4] میری مراد اس سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب حنفی گنگوہی ؒ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

'' بندہ کے نزدیک سب مسائل اس کے صحیح ہیں اور اگر کتاب کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مبتدع فاسق ہے اور تمام تقویۃ الایمان پر عمل کرے۔'' (دیکھو: فتاویٰ رشیدیہ: ۱/۶۴)

معلوم ہوا کہ آپ کا ایسا لکھنا محض غلط اور سراسر کذب و بہتان ہے، نیز یہ آپ کی قلت علمی، جس کی بابت آپ

---

[1] اے صاحب جمال! اے سردارِ انسانیت! تیرے روشن چہرے سے چاند منور ہوا، کما حقہ تعریف نہ ممکن ہے، قصہ مختصر، خدا کے بعد تو ہی عظیم ہے۔

[2] خراب آنکھ میں ہنر بھی عیب لگتا ہے۔

[3] جس نے اس کو چھوڑا، تو وہ یقیناً گمراہ ہوگیا۔

[4] اگر کسی کو شک ہوا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کوخود اقرار ہے، کی بیّن دلیل ہے۔

یہ عقیدہ کی خرابی کہہ تو دو کیسے بنی
غیر کو مجرم بناتے تھے یہ گت اپنی بنی

قولہ: زیادہ مطلوب امر یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی فقہ کی اہانت کی جائے۔

أقول: یہ بھی صریح غلط ہے، مناقب ابوحنیفہ رحمہ اللہ بے شمار ہیں، لیکن اسی قدر جہاں تک صحیح ثابت ہوں، نقطہ کو دائرہ بنانا یہ خود کسر شان ہے، جو مقلدین کیا کرتے ہیں، بفضلہ ہم لوگ اس سے بالکل بری ہیں، باقی رہی جرح و قدح! تو یہ محدثین کا کام ہی ہے، اس کو اہانت نہیں کہا کرتے۔

مشائخ میں جو فتح نکلا جتایا
ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

باقی رہی ان کی فقہ! یہ ہمارا عام اصول ہے کہ فقہ جس کی بھی ہو، اگر قرآن و حدیث کے موافق ہے، یا ان کے مخالف نہ ہو تو اس کو قابل عمل سمجھتے ہیں، وگرنہ نہیں، دیکھو شاہ ولی اللہ صاحب وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

''دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن، آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن وإلا کالائے بد بریش خاوند دادن''[1]

اور یہی مقتضائے انصاف ہے اور یہی معنی ہے: ''اترکو قولي بخبر الرسول'' کا۔
(قول امام ابو حنیفه منقول از تفسیر مظهری)[2]

پس آپ کا ایسا لکھنا کہ ''فقہ کی اہانت ان کو مطلوب ہے،'' محض اتہام بے جا ہے۔

تہمتِ الفتِ اغیار ہے بے جا ہم پر 10
کیجئے باور نہ رقیبوں کی بنائی ہوئی بات

قولہ: اپنے مسئلہ فقہ کو چھوڑا، اگرچہ وہ مسئلہ دوسری حدیث صحیح کے موافق تھا اور وہ حدیث جو اس کے مخالف تھی، پایہ اعتبار سے ساقط تھی۔

أقول: کیا آپ نے یہ سمجھا ہے کہ فقہ کے کل مسائل حدیث کے موافق ہیں؟ چنانچہ آپ کی عبارت سے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے، تو ذیل کے مسئلہ کے موافق کوئی حدیث پیش کیجئے:

---

1. وصیت نامہ (ص: ۵) ہمیشہ فقہی فروعات کتاب و سنت پر پیش کرنی چاہئیں، جو ان کے موافق ہو اسے قبول کر لینا چاہیے۔
2. إيقاظ همم أولي الأبصار للفلاني (ص: ٥٠) إرشاد النقاد للصنعاني (ص: ١٣٢) القول المفيد للشوكاني (ص: ٥٤) عقد الجيد للشاه ولي الله (ص: ٢٢)

" إن أولج بهيمة أو ميتة ولم ينزل لم يفسد صومه ولا يلزم الغسل " (فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۱۰۵) ❶

یعنی کسی نے جانور یا مردہ سے وطی اور دخول کیا اور انزال نہ ہوا، تو نہ اس کا روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس پر غسل فرض ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کا ماخذ قرآن وحدیث سے بتائیے!

درمختار (ص: ۱۶) میں ہے:

" عند وطي بهيمة أو ميتة أو صغيرة غير مشتهاة... إلى قوله: ولا ينتقض الوضوء"❷

یعنی کسی نے جانور یا مردہ اور چھوٹی لڑکی، جو خواہش کے قابل نہیں ہے، اس سے وطی کی، تو اس پر غسل نہیں اور اس فعل سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

کہیے جناب! آپ کو مبارک ہو! بتائیے اس میں کونسی آیت یا حدیث نص صریح ہے؟ یہ تو ''مشتے نمونہ از خروارے،'' ❸ عام مسائل فقہیہ تھے، اگر خاص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسئلہ سننا چاہتے ہیں تو سنیے:

محیط، جو فقہ کی معتبر کتاب ہے، میں منقول ہے کہ زانیہ عورت کی کمائی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال طیب ہے۔

بتلائیے! یہ کس صحیح حدیث کے موافق ہے؟ اگر آپ کو اپنے مسائل فقہیہ دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا رسالہ "التنقيد في رد التقليد " کے آخر میں پچیس مسائل کا اشتہار ملاحظہ فرمائیے اور اس کے موافق کوئی قرآنی آیت یا حدیث صحیح نص صریح پیش فرمائیے، ورنہ اپنے خیال فاسد سے باز آیئے اور ہم نے مسائل فقہ کی بابت محدثین کا جو اصول اوپر لکھا ہے، اس کو تسلیم کیجیے، سمجھا کہ نہیں جناب! ؎

دور کر للہ یہ غفلت کا پردہ دور کر
کچھ تجھے اپنی خبر اے بے خبر ملتی نہیں

قوله: غضب تو یہ ہوا کہ بمقابلہ احادیث کے، جو غیر محفوظ ہیں، احکام قرآنی بھی، جو محفوظ ہیں، ترک کیے جانے لگے۔

أقول: ایسا کرنے والے حنفی حضرات ہیں کہ نص قرآن کے صریح خلاف عمل کرتے ہیں، دیکھیے قرآن مجید میں ہے: ﴿مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ [النساء: ۲۵]

یعنی اگر تم آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو تم ایماندار لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو۔

❶ نیز دیکھیں: الفتاویٰ الهنديه (۱/ ۲۲)

❷ الدر المختار (۱/ ۹۵)

❸ ڈھیر سے مٹھی بھر۔

اس آیت میں خدا نے عام لونڈیوں سے نکاح کا حکم نہیں دیا، بلکہ ایماندار کی قید لگائی ہے، یعنی ایمان والی لونڈیوں سے نکاح کا حکم دیا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ کافر لونڈیوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔ ❶

دیکھئے! احکام قرآنی کی کس نے مخالفت کی؟ ہاں اور بتلائیے حنفیہ کے نزدیک مہر میں جو دس درہم کا تعین ہے ❷ قرآن مجید کی کس آیت سے یہ تعین ثابت ہوتا ہے؟ بتلائیے احکام قرآنی کس نے ترک کیے؟!

11 اسی طرح حنفیہ کے بہت سے مسائل قرآن مجید کے صریح خلاف ہیں، خود آپ ہی نے اپنے رسالہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کا صریح خلاف کیا ہے کہ قرآن کا حکم آنحضرت ﷺ پر صلوۃ وسلام دونوں بھیجنے کا ہے اور آپ نے صرف "و سَلَامٌ" ہی پر اکتفا کیا ہے، پس یاد رہے کہ آپ نے یہ اتہام، جو عاملین بالحدیث پر لگایا ہے، محض بے جا اور غلط ہے۔

جھوٹ بد باتوں سے باز آؤ خدا کے واسطے
چپ رہو بس منہ نہ کھلواؤ خدا کے واسطے

قوله: اور چونکہ اکثر مسائل فقہیہ کے خلاف احادیث لائی جاتی تھیں...الخ

أقول: جناب من! آپ صرف انہیں مسائل پر، جو اوپر لکھے گئے ہیں، موافق حدیث نص پیش کر دیں، تو میں آج سے عہد کرتا ہوں کہ مسائل فقہیہ کے خلاف احادیث پیش نہیں کروں گا۔ ابھی مزید فقہ کے مزیدار مسائل کو تو رہنے دیجئے، اگر کہیں آپ نے ان پچیس مسائل کے موافق جو "التنقید" کے آخر میں لکھے ہیں، احادیث پیش کر دیں، تو "نور علی نور" میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا، ورنہ!

سچ سچ کہو اگر نہ بنا تم سے کچھ جواب
پھر بھی یہ منہ جہاں کو دکھاؤ گئے یا نہیں

قوله: لیکن اردو زبان میں کتاب "سيرة النعمان" ایک جامع کتاب ہوئی ہے۔

أقول: اس کا جواب باصواب "حسن البيان" اس سے کہیں زیادہ جامع اور مانع ہے، آپ ذرا اس کا مطالعہ تو کریں! چونکہ جو باتیں آپ نے "سيرة النعمان" سے لکھی ہیں، ان کا معقول جواب "حسن البيان" میں ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے، آپ اس میں ملاحظہ فرمائیں۔ ع۔

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است ❸

---

❶ البحر الرائق (٣/ ١١٢) تبيين الحقائق (٢/ ١١١) فتح القدير (٣/ ٢٣٥)

❷ البحر الرائق (٣/ ١٤٤) الهداية (١/ ٢٠٤) بدائع الصنائع (٢/ ٢٧٦)

❸ اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک ہی صرف کافی ہے۔

قوله: احادیث کی تواریخی حالت پر نظر ڈالیے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حدیثوں کی کتابت پوری ایک صدی گزرنے کے بعد اس وقت شروع ہوئی تھی...... الخ۔

أقول: اے جناب! آپ کو معلوم نہیں کہ کتابتِ حدیث پہلی صدی گزرنے کے قبل نہیں بلکہ آنحضرت ♏ کے عہد مبارک ہی سے اس کی ابتداء ثابت ہے؟ دیکھئے خود امام بخاری اپنی جامع صحیح میں "باب كتابة العلم" کے تحت ایک مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت ♏ نے فتح مکہ کے دنوں میں خطبہ پڑھا، جس میں بہت سے مسائل حدیثیہ بھی بیان فرمائے، ایک یمنی شخص ابو شاہ نے عرض کیا کہ "اكتب لي يا رسول الله "اے حضرت! مجھ کو یہ لکھوا دیجئے، حضور نے فرمایا: " اكتبوا لأبي شاه " یعنی اس کو لکھ دو۔ ❶ دیکھئے آنحضرت ♏ نے خود حکم دے کر حدیثوں کو لکھوایا۔ اسی باب کے تحت امام بخاری ♋ بروایت حضرت ابوہریرہ ♦ حضرت عبداللہ بن عمرو ♦ کی بابت حدیث لائے ہیں: " فإنه كان يكتب " ❷ یہ حدیث آنحضرت ♏ سے سن کر لکھ لیا کرتے تھے۔

انہیں حضرت ابن عمرو کی بابت مسند امام احمد میں ہے:

12 " استأذن رسول الله ﷺ في الكتابة عنه فأذن له " ❸

یعنی حضرت عبداللہ نے آنحضرت ♏ سے آپ کی احادیث لکھنے کی اجازت لے لی تھی۔

سنن ابی داود میں خود انہیں حضرت عبداللہ بن عمرو کا مقولہ منقول ہے:

"عن عبدالله بن عمرو: كنت أكتب كل شيء سمعته من رسول الله ﷺ " انتهى. ❹

یعنی حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں جس قدر حدیثیں آنحضرت ♏ سے سنتا، سب لکھ لیتا۔"

یہ عبداللہ بن عمرو ♦ ۳۷ھ میں شہید ہوئے ہیں۔ (دیکھو: تاریخ صغیر للبخاری) ❺

پس کتابتِ حدیث پہلی صدی کے انقضاء سے قبل ہی ثابت ہوئی۔ اور سنیے! فتح الباری میں ہے:

---

❶ صحيح البخاري: كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم الحديث (١١٢) صحيح مسلم: كتاب الحج، باب تحريم مكة وصيدها وخلاها وشجرها ولقطتها، رقم الحديث (١٣٥٥)

❷ مصدر سابق

❸ مسند أحمد (٢/ ٤٠٣) نیز دیکھیں: تقييد العلم (ص: ٧٨) حافظ ابن حجر ♋ فرماتے ہیں: " إسناده حسن " فتح الباري (١/ ٢٠٧)

❹ سنن أبي داود: كتاب العلم، باب في كتاب العلم، رقم الحديث (٣٦٤٦) اس حدیث کو امام حاکم اور علامہ البانی ♠ نے نے "صحیح" قرار دیا ہے۔

❺ عبداللہ بن عمرو ♦ نے بہتر (۷۲) سال کی عمر میں ۶۵ھ یا ۶۹ھ میں وفات پائی۔ دیکھیں: التاريخ الصغير للبخاري (١/ ١٢٤) الإصابة لابن حجر (٤/ ١٩٢)

"أخرج ابن وهب من طريق الحسن بن عمرو بن أمية قال: تحدث عند أبي هريرة بحديث فأخذ بيدي إلى بيته فأرانا كتبا من حديث النبيﷺ وقال: هذا هو مكتوب عندي" انتهى . ❶

یعنی حسن بن عمرو بن امیہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی، تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھ کو آنحضرت ﷺ کی احادیث کی چند کتابیں دکھلائیں اور فرمایا کہ دیکھو یہ ویسا ہی میرے پاس لکھا ہوا ہے۔

دیکھئے جناب! پہلی صدی سے قبل کئی کئی حدیث کی کتابیں لکھی گئی تھیں، آپ جانتے ہیں کہ ابو ہریرہ کا کب انتقال ہوا ہے، علی اختلاف الروایتین ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں آپ نے وفات فرمائی ہے۔ دیکھو: تاریخ صغیر للبخاري ❷

پس دیکھئے! پہلی نصف صدی ہی میں کتابتِ حدیث شروع ہوچکی تھی، اس کو بار بار ملاحظہ فرمائیے! ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
ہوتا ہے جو خراب وہ اپنا ہی گھر نہ ہو

قولہ: جب بوجوہات مختلفہ (اربابِ سیر خود اس سے واقف ہیں) ایک بڑا دفتر اغالیط اور موضوعات احادیث کا تیار ہوچکا تھا، ہزاروں بلکہ لاکھوں موضوعات احادیث کا انبار موجود تھا۔

أقول: میں خود اس وجہ سے واقف ہوں، آپ چھپاتے کیوں ہیں؟ سنیے! یہ آپ کی فقہ کی بدولت ہوا، مقدمہ ابن الصلاح (ص: ٤٥) میں ہے کہ ابوعصمہ نوح بن ابی مریم، جو ایک مشہور وضاع تھا، اس سے حدیث وضع کرنے کی وجہ پوچھی گئی، تو اس نے جواب دیا:

" إني رأيت الناس قد أعرضوا عن القرآن، واشتغلوا بفقه أبي حنيفة، ومغازي محمد بن إسحاق، فوضعت هذه الأحاديث حسبة "❸ انتهى

---

❶ جامع بيان العلم (١/ ١٥١) فتح الباري (١/ ٢٠٧) حافظ ابن عبد البر ﷫ نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: "تحدثت عند أبي هريرة بحديث ... "

❷ التاريخ الصغير للبخاري (١/ ٩٩) الإصابة لابن حجر (٧/ ٤٤٤)

❸ مقدمه ابن الصلاح (ص: ٥٨) تدريب الراوي (١/ ٢٨٢)

حافظ ابن حجر ﷫ وضعِ احادیث کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " أو فرط العصبية كبعض المقلدين " (نزهة النظر: ٢٢٥) یعنی شدتِ تعصب جیسا بعض مقلدین کے ہاں ہوتا ہے۔ امام نووی ﷫ فرماتے ہیں: ''احادیث وضع کرنیوالوں میں ایک وہ گروہ ہے، جو اپنے مذہب کی نصرت و تائید کے لیے احادیث وضع کیا کرتا تھا۔'' علاوہ ازیں امام سیوطی ﷫ اہل رائے میں سے کسی شخص کا قول نقل کرتے ہیں کہ " ما وافق القياس الجلي جاز أن يعزىٰ إلى النبيﷺ " (تدريب الراوي: ١/ ٢٨٤، ٢٨٥)

حافظ سخاوی ﷫ فرماتے ہیں: ''احادیث وضع کرنے والوں میں ایک گروہ ایسا ہے، جو اپنی آراء کے ساتھ فتویٰ دیتے ہیں، پھر جب انہیں دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، تو احادیث گھڑنا شروع کر دیتے ہیں۔'' (فتح المغيث: ١/ ٢٥٩) ←

''یعنی میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر ابو حنیفہ کی فقہ میں مشغول ہوگئے، پس میں نے یہ حدیثیں بامید ثواب بنائیں۔''

دیکھئے لوگ فقہ پر عمل کرنے کو ایسا برا جانتے تھے کہ اس کے مقابلہ میں موضوع حدیثوں کے ماننے کو اس سے کہیں بہتر سمجھتے تھے، اب فرمایئے۔

دوست ہی اپنا دشمنِ جان ہوگیا حافظ
نوش دارو نے کیا کیا اثر سمّ پیدا

قوله: عبدالکریم جو حدیث کا ایک مشہور وضاع گزرا ہے......الخ۔ 13

أقول: معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی انہیں کے بھائی ہو، کیونکہ وہ تو حدیث وضع کرتا تھا اور تم احادیث رسول اللہ ﷺ، جو جامع صحیح بخاری میں ہیں، پر اعتراض ونکتہ چینی کرتے ہو، تمہارا اور اس کا نام بھی ملتا جلتا ہے، کیونکہ عبدالکریم وعمر کریم میں قدرے فرق ہے۔ او ہو! او ہو!۔

کھل گیا عشق بتاں طرز سخن سے مومن
اب مکرتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

قوله: امام بخاری ؒ نے کئی لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے صحیح بخاری تیار کی ہے۔

أقول: جزاك الله! بہت ٹھیک ہے، یہاں آپ نے ان تین باتوں کو تسلیم کر لیا ہے، جس کا کبھی کبھی انکار کر دیتے ہیں:

۱۔ امام بخاری ؒ کا اسی طرح امام ہونا جیسے کہ امام ابو حنیفہ وغیرہ امام کہے جاتے ہیں۔
۲۔ ان کو کئی لاکھ حدیثیں ملنا۔
۳۔ ان کی کتاب جامع بخاری شریف کا صحیح ہونا۔

پھر باوجودیکہ آپ اس کتاب کو صحیح جانتے ہیں، آگے یہ لکھتے ہیں کہ اس میں موضوع احادیث ہیں اور اس کے رواۃ مجروح ہیں، دونوں میں کس قدر تناقض اور تعارض ہے؟ اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ چونکہ تمام اقسام حدیث پر صحیح مقدم ہے، اس لئے آپ کا صحیح ماننا صحیح ہے اور اس کے مخالف جرح کا اعتراض خود مجروح ہے۔ الحمدللہ کہ آپ کے اعتراض کا جواب خود آپ کی عبارت سے ہوگیا، اسی کو خدا نے فرمایا ہے:

← مذکورہ بالا نقول کے علاوہ اگر موضوع احادیث کے ذخائر پر نظر ڈالی جائے، تو صدہا احادیث ایسی نظر آتی ہیں، جو اپنے فقہی مسائل کی حمایت وتائید، ائمہ مذاہب کے فضائل اور مخالفین کی اہانت وتذلیل میں وضع کی گئیں، جو اس بات کی بڑی قوی دلیل ہے کہ وضع احادیث میں مذہبی تعصب اور تقلید جامد ایک بڑا اہم اور نمایاں عنصر تھا۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

﴿ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾ [الحشر: ۲]

اور آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو کئی لاکھ احادیث پہنچنے کا اقرار کیا ہے، پھر باوجود اس اقرار کے آپ نے اپنے رسالہ نما اشتہار: ۲ (ص: ۹) میں یہ کیوں لکھا کہ ''امام بخاری کا درجہ اس قدر بڑھایا گیا کہ ان کو چھ لاکھ حدیثیں ملی تھی۔'' کیا کئی لاکھ میں یہ چھ لاکھ داخل نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ حقیقت میں آپ بھی ان کو چھ لاکھ حدیثیں پہنچنے کے اقراری ہیں، لیکن آپ پر تعصب کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ایسا چھایا کہ اپنے ہاتھوں سے ٹانگ میں کلہاڑی ماری اور اپنے ہی قول پر اعتراض کر دیا۔ ہائے تعصب! تیرا ستیا ناس ہو، تو بڑوں بڑوں کو اندھا اور ان کی عقل کو زائل کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بے شک امام بخاری رحمہ اللہ کو چھ لاکھ حدیثیں ملی تھیں، جس کے آپ خود بھی اقراری ہیں، پس جب امام بخاری خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ:

'' ما أدخلت في كتابي الجامع إلا ما صح '' (مقدمہ ابن صلاح: ۸) ❶

یعنی میں نے اپنی کتاب جامع صحیح میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی کو بھی داخل نہیں کیا۔

چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں سے صحیح بخاری میں صرف سات ہزار دو سو پچھتر احادیث کو مع مکررات کے داخل کیا، ورنہ صرف چار ہزار ہی ہیں، ❷ تو کون عقل سلیم والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں بھی موضوع اور مجروح رواۃ کی حدیثیں ہونگی؟

14 حالانکہ امام بخاری کو ایک لاکھ صرف صحیح حدیثیں یاد تھیں، مولوی احمد علی حنفی سہارنپوری ''مقدمہ بخاری'' میں لکھتے ہیں:

''وعن محمد بن حمدويه قال: سمعت محمد بن إسماعيل البخاري يقول: أحفظ مائة ألف حديث صحيح، '' انتہیٰ (نیز دیکھو: مقدمة ابن الصلاح: ۸) ❸

''یعنی امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صرف صحیح حدیثیں یاد ہیں۔''

اور پھر اس میں بھی انتخاب کر کے صرف چار ہزار حدیثیں اپنی جامع صحیح میں رکھیں، جس سے معلوم ہوا کہ وہ غایت درجہ کی اُصح ہوں گی، لہٰذا آپ کا اعتراض سمجھدار اور سلیم الطبع شخص کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا، نیز آپ خود بھی ان کی حدیثوں کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں۔ ؎

للہ الحمد میان من و او صلح فتاد

حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند ❹

---

❶ الاحتجاج بالشافعي للخطيب (ص: ٣٦) تاريخ دمشق (٥٢/ ٧٣) الإرشاد للخليلي (٣/ ٩٦٢) مقدمه ابن الصلاح (ص: ١٠)

❷ دیکھیں: مقدمه ابن الصلاح (ص: ١٠)

❸ تاريخ دمشق (٥٢/ ٦٤) تهذيب الكمال (٢٤/ ٤٦١) مقدمه ابن الصلاح (ص: ١٠) مقدمه بخارى (ص: ٣)

❹ شکر ہے میرے اور تمہارے درمیان صلح ہوگئی، حوریں رقص کرتے ہوئے شکرانے کے جام لٹا رہی ہیں۔

قوله: جس میں مکررات دور کرنے کے بعد صرف ۲۷۶۱ حدیثیں ہیں۔

أقول: سبحان اللہ نازم بریں علم! واہ جناب! آپ نے خوب اپنی تاریخ وسیردانی کا ثبوت دیا ہے، پہلے تو آپ نے اپنی کم علمی کا خود اقرار کیا تھا، یہاں اور بھی لٹیا ڈبو دیا، جو کچھ رہا تھا وہ بھی جاتا رہا، جب آپ کو اس قدر بھی معلوم نہیں کہ صحیح بخاری میں کس قدر حدیثیں ہیں؟ تو اس پر اعتراض کرنے کے لیے کیوں کود پڑے؟ کیا آپ جانتے نہیں "عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے" جی جناب! صحیح بخاری میں مکررات دور کرنے کے بعد چار ہزار حدیثیں ہیں، شک ہو تو مقدمہ ابن الصلاح (ص: ۸) کو ملاحظہ فرمائیے:

حيث قال: "وجملة ما في كتابه الصحيح سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون حديثا بالأحاديث المكررة، وقد قيل: إنها بإسقاط المكررة أربعة آلاف حديث،" انتهى [1]

یعنی صحیح بخاری میں مکررات دور کرنے کے بعد چار ہزار حدیثیں ہیں۔علی ہذا القیاس تهذيب الأسماء للنووی، مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ بخاری، مولوی احمد علی حنفی میں دیکھو۔[2] کہیے جناب! آپ کی کیسی حقیقت کھل گئی؟

کی بناوٹ بہت سی باتوں میں
پھر کہیں چھپتی ہے بنائی بات

قوله: لیکن جو امر قدرتِ بشری سے باہر ہو، وہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

أقول: وہ کونسا امر ہے؟ ذرا اس کو لکھا تو ہوتا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ امام بخاری درجہ بشریت سے الگ نہیں اور معصوم بھی نہیں، اس لیے ان سے خطا ممکن ہے، تو عرض یہ ہے کہ اول تو فن حدیث ایسا فن ہے کہ اس کی بابت محدثین کو ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ کہیں غلطی نہ ہو، لہٰذا جب ایک شخص نے اتنا التزام کیا کہ ایک لاکھ صحیح حدیثوں سے بھی سولہ برسوں میں صرف چار ہزار احادیث کا انتخاب کیا اور ایک ایک حدیث کو ڈیڑھ ڈیڑھ دن تک جانچا پرکھا، استخارہ کیا تب اپنی جامع صحیح میں رکھا،[3] اگر پھر بھی اس میں غلطی تسلیم کی جائے، تو پھر صحیح حدیث کوفہ سے آئے گی؟ ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نہیں بلکہ

---

1. مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۰) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں بتکرار احادیث کی تعداد سات ہزار تین سو ستانوے (۷۳۹۷) ہے۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری میں معلقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) اور متابعات وغیرہ کی تعداد تین سو اکتالیس (۳۴۱) ہے، اسی طرح متابعات اور معلقات کو شامل کرنے کے بعد صحیح بخاری میں بتکرار احادیث کی تعداد نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) ہے، جس میں موقوفات صحابہ اور تابعین کی مقطوع روایات شامل نہیں ہیں اور تکرار کے بغیر احادیث کی تعداد دو ہزار چھ سو دو (۲۶۰۲) ہے۔ (هدي الساري: ٤٦٥، فتح المغيث: ١/ ٣٣)
2. تهذيب الأسماء واللغات للنووي (١/ ٧٥) هدي الساري (ص: ٤٦٥) مقدمہ حاشیہ بخاری از أحمد علی سہارنپوری (ص: ٤)
3. دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٨٩)

جارحین نے امام بخاری کے برابر عدم لیاقت اور ان کے نکات نہ سمجھنے کی بدولت خود غلطی کھائی ہے، آپ ان کی جرح کو بمنزلہ 15
وحی کیوں سمجھتے ہیں؟ کیا وہ معصوم تھے؟ سنیے جب جمع احادیث قدرتِ بشری سے باہر امر ہے، تو آپ کو یہ ماننا ہوگا کہ جمع قرآن، جو حضرت عثمان ♦ نے کیا، وہ امر بھی قدرتِ بشری سے باہر تھا، کیونکہ وہ معصوم تو تھے نہیں، پس چلیے اسلام رخصت شد! واہ! کیا سمجھ ہے؟ قربان ایسے فہم پر! بریں عقل و دانش ہزار آفریں ❶

فإن كنت لا تدري فتلك مصيبة
وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم ❷

قوله: اور نہ یہ احادیث کا موجودہ دفتر موضوعات سے پاک و خالی ہوا۔

أقول: بالکل غلط کہتے ہو، اگر اس سے تمہاری مراد کتب صحاح ہیں، جیسا کہ آگے تم نے تصریح بھی کی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس میں سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں صحیح لذاتہ کے سوا صحیح لغیرہ یا حسن لذاتہ تک بھی کوئی حدیث نہیں، چہ جائیکہ ضعیف بلکہ موضوع ہو۔ دیکھو صحیح بخاری کی نسبت مقدمہ ابن الصلاح (ص:۸) میں ہے:

"إنه لم يضع في كتابه إلا الأحاديث التي وجد عنده فيها شرائط الصحيح المجمع عليه" انتهى. ❸

یعنی امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان حدیثوں کو رکھا ہے، جن میں ان کے نزدیک صحیح کے شرائط پائے گئے، جن پر سب کا اجماع ہو چکا ہے۔

شرح نخبہ میں ہے:

"فالإجماع حاصل على تسليم صحته"، انتهى. ❹ یعنی صحیح بخاری کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے۔

اور صحیح مسلم کی بابت مقدمہ ابن الصلاح (ص:۸) میں ہے:

"وروينا عن مسلم أنه قال: ...الى قوله: إنما وضعت ههنا ما أجمعوا عليه" انتهى ❺

---

❶ ہزار شاباش ہے ایسی عقل و خرد پر!

❷ اگر تم نہیں جانتے تو یہ ایک مصیبت ہے، اور اگر تم جانتے ہو، تو یہ زیادہ بڑی مصیبت ہے!

❸ حافظ ابن الصلاح ؒ نے یہ بات امام مسلم ؒ کے اس قول " ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هٰهنا، إنما وضعت هٰهنا ما أجمعوا عليه " کی وضاحت کرتے ہوئے صحیح مسلم کے بارے میں لکھی ہے۔ البتہ قبل ازیں انھوں نے امام بخاری ؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: " ما أدخلت في كتابي الجامع إلا ما صح وتركت من الصحاح لحال الطول" (مقدمه ابن الصلاح: ۱۰) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح بخاری میں صرف صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔

❹ نزهة النظر (ص: ٦١) حافظ ابن حجر ؒ نے یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کی بابت ذکر کیا ہے۔

❺ مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۰) نیز دیکھیں: صحیح مسلم، برقم (٤٠٤)

یعنی میں نے صحیح مسلم میں ان حدیثوں کو رکھا ہے، جن کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے۔

شرح نخبہ میں ہے:

"والإجماع حاصل على أن لهما مزية فيما يرجع إلى نفس الصحة" انتهى ❶

''یعنی صحیحین کی حدیثوں کی صحت کی وجہ سے ان کی مزیت وفضیلت پر اجماع حاصل ہے۔''

باقی رہی جامع ترمذی، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ تو ان کی بابت کہیں بھی اصول کی کتب میں یہ نہیں آیا کہ اس میں موضوع حدیثیں ہیں، بخلاف اس کے مقدمہ ابن الصلاح (ص:١٨) میں ہے:

"فيها ما صرحوا بكونه ضعيفا أو منكرا أو نحو ذلك من أوصاف الضعيف" انتهى. ❷

یعنی ان کتب سنن میں اوصاف ضعیف سے البتہ حدیثیں موجود ہیں۔

دیکھیے یہاں ''اوصاف ضعیف'' کا لفظ ہے نہ موضوع کا، اور یہ ظاہر ہے کہ موضوع اوصاف ضعیف سے نہیں، بلکہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے، بينهما بون بعيد، ❸ اس لیے کہ موضوع حدیث کسی حالت میں قابل عمل تو کیا، قابل روایت بھی نہیں، بخلاف ضعیف حدیث کے، کیونکہ فضائل میں اس کی روایت اور عمل جائز ہے۔

مقدمہ ابن الصلاح (ص:٤٤) میں ہے:

"ولا تحل روايته لأحد، علم حاله في أي معنى كان إلا مقرونا ببيان وضعه، بخلاف غيره من الأحاديث الضعيفة التي يحتمل صدقها في الباطن، حيث جاز روايتها في الترغيب والترهيب" انتهى. ❹

16 یعنی کسی شخص کو بھی جو موضوع کا حال جان لے، اس کے لیے اس کو روایت کرنا اس کی حالت بیان کرنے کے بغیر کسی معنی میں حلال نہیں، بخلاف احادیث ضعیفہ کے، جس میں باطناً صدق کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے اس کی روایت ترغیب وترھیب والی احادیث میں جائز ہے۔

---

❶ نزهة النظر (ص: ٦١)

❷ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٢٠)

❸ دونوں کے درمیان بہت طویل فاصلہ ہے۔

❹ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٥٨) ائمہ محققین سے ایک جماعت کا مذہب یہی ہے کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وعید نبوی "من قال علي ما لم أقل ... ، کے پیش نظر احتیاط کا پہلو یہی ہے، علاوہ ازیں ابن صلاح کی منقولہ بالا عبارت میں صرف ضعیف حدیث کی روایت کا ذکر ہے، انھوں نے اس پر عمل سے تعرض نہیں کیا، اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمة الترغيب والترهيب و مقدمة ضعيف الجامع كلاهما للعلامة المحدث ناصر الدين الألباني رحمه الله۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حاصل کلام یہ کہ صحاح کا موجودہ دفتر موضوعات سے بالکل پاک وصاف، مبرا ومجلیٰ اور بے پتہ وخالی ہے۔ ❶ خصوصاً صحیحین کہ جس میں موضوع کیا ضعیف بھی نہیں، بلکہ حسن لغیرہ ولذاتہ بلکہ صحیح لغیرہ سے بھی منزہ ہے، افسوس آپ ایک نہیں بلکہ تمام محدثین پر اتہام عائد کرتے ہیں، حالانکہ ان کی کتابیں فرداً فرداً بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔ ؎

قد أصبحت أم الكريم تدّعي

علي ذنبا كله لم أصنع ❷

قوله: ابن جوزی وغیرہ محدثین نے کثرت سے احادیث موضوعات کا صحاح ستہ وغیرہ میں نشان دیا ہے۔

أقول: اگرچہ اوپر کی تقریر سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ صحاح میں موضوع حدیثیں نہیں ہیں، لیکن آیئے یہاں آپ کو ایک دوسرے طریقہ سے بتلا دیں، پہلے آپ یہ معلوم کریں کہ موضوع حدیث کی پہچان کیا ہے؟ پھر اس بنا پر کوئی حدیث صحاح میں نکال دیں، سنئے! مقدمہ ابن صلاح (ص:۴۴) میں ہے:

"إنما يعرف كون الحديث موضوعا بإقرار واضعه، أو ما يتنزل منزلة إقراره ...إلى قوله: يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها" انتهى. ❸

''موضوع حدیث پہچاننے کے کئی طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا واضع خود اس کے وضع کا اقرار کرے، یا اس سے ایسے الفاظ ثابت ہوں، جو بمنزلہ اس کے اقرار کے ہوں، موضوع حدیث کی آسان پہچان یہ ہے کہ اس کے الفاظ اور معانی رکیک اور بے ربط ہوتے ہیں۔''

امام جلال الدین سیوطی "تدريب الراوي شرح تقريب النواوي" میں لکھتے ہیں:

"من جملة دلائل الوضع أن يكون مخالفا للعقل بحيث لا يقبل التأويل، ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة" كذا في فتح المغيث. ❹

خلاصہ یہ کہ موضوع حدیث کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ عقل اور مشاہدہ کے مخالف ہو۔

---

❶ بلاشبہ صحیحین کے اندر باتفاق امت کوئی موضوع حدیث نہیں ہے، البتہ سنن اربعہ میں بعض کے اندر علماء قدیماً و حدیثاً بعض موضوعات کا ذکر کرتے آئے ہیں، چنانچہ علامہ ناصر الدین البانی ﷫ نے سنن ترمذی میں اٹھارہ (۱۸) اور سنن ابن ماجہ میں پینتالیس (۴۵) موضوعات کا ذکر کیا ہے، اسی طرح انھوں نے سنن ابی داود کی ایک حدیث (۵۲۷۳) کو موضوع کہا ہے، جو محل نظر ہے۔ مذکورہ بالا تعداد ایک تقریبی اندازہ ہے، جس سے اختلاف ممکن ہے، البتہ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سنن اربعہ میں بعض کے اندر موضوع احادیث موجود ہیں۔

❷ کریم کی ماں مجھ پر ایسا گناہ تھوپ رہی ہے، جو میں نے کیا ہی نہیں!

❸ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٥٨)

❹ تدريب الراوي (١/ ٢٧٦) فتح المغيث (١/ ٢٦٨)

کیا آپ اس طریقہ پر صحاح میں کوئی حدیث دکھلا سکتے ہیں؟ ہاں آپ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن جوزی نے صحاح میں موضوع حدیثوں کا نشان دیا ہے،اس کا مفصل جواب ہم "الريح العقيم" (ص:١٨، ٢٠) میں دے چکے ہیں، مختصر یہ ہے کہ آپ ذرا امام جلال الدین سیوطی کے تعاقب کو ملاحظہ فرمائیں، جو انہوں نے ابن جوزی کی موضوعات پر کیا ہے، جس میں انہوں نے بڑے زوروں سے اس کی تردید کی ہے، اصل وجہ یہ ہے کہ ابن جوزی نقد رواۃ میں بڑے متشدد تھے، انہوں نے ان رواۃ کو، جو پہلے ثقہ تھے اور بعد میں مختلط ہوگئے، خود کتاب میں داخل کیا ہے، اسی لیے ان کا تعاقب علامہ سیوطی نے بایں الفاظ کیا ہے:

"وبعد: فإن كتاب الموضوعات جمع الإمام أبي الفرج ابن الجوزي قد نبه الحفاظ قديما
17 وحديثا على أن فيه تساهلا كثيراً، و أحاديث ليست بموضوعة بل هي من وادي الضعيف، وفيه أحاديث حسان، و أخرى صحاح، بل فيه حديث من صحيح مسلم، نبه عليه الحافظ ابن حجر، ووجدت حديثا من صحيح البخاري من رواية حماد بن شاكر... إلى قوله: فلذلك وجب على الناقد الاعتناء بما ينقله منهما من غير تقليد لهما" انتهى. [1]

یعنی موضوعات ابن جوزی کی نسبت محدثین سلف و خلف نے کہا ہے کہ اس میں ابن جوزی سے بہت تساہل ہوا ہے، اس میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں، جو موضوع نہیں بلکہ وادی ضعیف سے ہیں اور اس میں حسن حدیثیں بھی ہیں، بلکہ صحیح تک موجود ہیں، اس میں صحیح مسلم کی بھی ایک حدیث ہے، بلکہ ایک حدیث صحیح بخاری کی بھی بروایت حماد بن شاکر موجود ہے،اس لیے ناقد پر جانچ واجب ہے، نہ آنکھ بند کر کے ابن جوزی کی تقلید کر لینا۔

امام سیوطی اپنے رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

"هذا آخرما أوردته في هذا الكتاب من الأحاديث المتعقبة التي لا سبيل إلى إدراجها في سلك الموضوعات، وعدتها نحو ثلثمائة حديث، منها في صحيح مسلم حديث، وفي صحيح البخاری من رواية حماد بن شاكر حديث" انتهى. [2]

یعنی موضوعات ابن جوزی سے میں نے تین سو حدیثیں اس رسالہ میں لکھ دی ہیں، جن کو موضوعات کی زنجیر میں پرونے کی کوئی صحیح وجہ نہیں ہے، ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم کی ہے اور ایک حدیث صحیح بخاری کی بروایت حماد بن شاکر ہے۔

---

[1] التعقبات على الموضوعات للسيوطي (ص: ١)

[2] التعقبات (ص: ٦٠)

خلاصہ مرام یہ کہ کتب صحاح میں موضوعات کا نام ونشان تک نہیں ہے اور ابن جوزی نے جو نشان دیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، ان کے علاوہ آپ کا دیگر محدثین پر الزام رکھنا محض افترا ہے، افسوس آپ کو تو اس قدر احادیث نبویہ سے نفرت ہے اور پھر مسلمانیت کا دعویٰ؟ آہ! کیا ہی سچ ہے۔

وكل يدعي وصلا لليلى ولیلى لا تقر لهم بذاكا ❶

قولہ: حتی کہ بخاری ومسلم بھی ایسے (یعنی مجروح) رواۃ سے خالی نہیں۔

أقول: یہ محض ابن ہمام کی تقلید کا نتیجہ ہے، ورنہ صحیحین میں ایسے کوئی رواۃ نہیں، اس کی مختصر تحقیق اوپر گزر چکی ہے، اس کی مفصل تحقیق اور آپ کے شبہات کا جواب ''دفع مطاعن از رواۃ بخاری'' میں آجائے گا۔ إن شاء الله، فانتظر! ہاں اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ آپ جرح کی تعریف سے محض ناواقف ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کس شخص کی جرح اور کس قسم کی جرح مقبول ہوتی ہے؟ اس لیے آپ بار بار صحیحین کے رواۃ کو مجروح کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، عنقریب اس کی تحقیق بھی آئے گی۔ پس آپ کا ایسا لکھنا محض قلت علمی کا نتیجہ ہے، جس کا کوئی علاج نہیں، کیونکہ

فتنہ پردازی تمہاری شان ہے
جو تمہاری بات ہے بہتان ہے

قولہ: جیسا کہ مولوی عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادة کے دیباچہ میں محقق حنفیہ شیخ کمال الدین ابن الہمام کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں...... الخ۔ 18

أقول: یہ بالکل آداب مناظرہ کے خلاف ہے، آپ جرح تو محدثین پر کرتے ہیں اور اس کا ثبوت حنفیہ کے اقوال سے دیتے ہیں! حالانکہ جرح کے لیے نقادِ فن یعنی محدثین کے اقوال کی ضرورت ہے، شیخ عبدالحق حنفی تھے اور ان کو محدث باصطلاح محدثین نہیں کہہ سکتے، بلکہ وہ ورّاق تھے، علی ہذا القیاس ابن الہمام بھی محقق حنفیہ سے ہیں نہ کہ محدثین سے، دیکھیے امام بخاری کے متعلق رضاعت کا جو جھوٹا واقعہ شارحین ہدایہ نے لکھا ہے، اس کے متعلق آپ کے یہی مولوی عبدالحق حنفی اور ملا علی قاری حنفی نے جواب دیا ہے کہ:

"ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية، ولا بقية شراح الهداية، فإنهم ليسوا من المحدثين". ❷

یعنی نہ نہایہ کے مصنف کی نقل کا اعتبار ہے، نہ بقیہ شارحین ہدایہ کا۔ (جس میں ابن الہمام بھی داخل ہے) اس لیے کہ وہ محدثین میں سے نہیں ہیں۔

---

❶ ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا دعوی کرتا ہے اور لیلیٰ ان میں سے کسی کو بھی ہاں نہیں کرتی۔

❷ المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (ص: ١٩١) الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة (ص: ٣٥٦)

لہٰذا ابن الہمام کا یہ قول بھی، جو شیخ عبدالحق حنفی نے دیباچہ سفر السعادۃ میں لکھا ہے، قابل قبول نہیں ہوسکتا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں:

"وإن صدر من غير عارفٍ بالأسباب لم يعتبر به" انتهى . ❶

یعنی اس جرح کا اعتبار نہیں، جو اسباب جرح سے ناواقف شخص سے صادر ہو۔

کیونکہ اس سے واقف کار صرف محدثین ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن الہمام محدثین سے نہیں ہے، مولوی عبدالحی حنفی رسالہ "الرفع والتكميل" (ص: ۹) میں لکھتے ہیں:

"ولا تبادر تقليدا بمن لا يفهم الحديث وأصوله، ولا يعرف فروعه إلى تضعيف الحديث وتوهينه بمجرد الأقوال المبهمة، والجروح الغير المفسرة الصادرة من نقاد الأئمة في شأن راويه" انتهى . ❷

یعنی وہ لوگ جو حدیث اور اس کے اصول وفروع کو نہیں سمجھتے، ان کی اس امر میں جلدی سے تقلید نہ کرنے لگو کہ انہوں نے صرف اقوال مبہمہ اور جروح غیر مفسرہ سے حدیث کی تضعیف وتوہین کر دی ہے۔

اور آپ نے جھٹ سے ابن الہمام کی تقلید کر لی۔ (آخر تو مقلد ہو!) معلوم ہوا کہ جرح کے متعلق حنفیہ کے اقوال خصوصاً شیخین کی صحیحین کے متعلق ہرگز حیز قبول میں نہیں آ سکتے۔ پس اس مختصر اصول کو یاد رکھئے اور آگے چلئے، ہاں ابن ہمام کی اس عبارت کا مفصل جواب دیکھنا ہو تو میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ۲۵) میں ملاحظہ فرمائیے۔

راہ سیدھی چل کہ ایک عالم تجھے سیدھا کہے
کجروی بہتر نہیں اے شوخ یہ رفتار چھوڑ

قولہ: پس ایسی حالت میں موجودہ احادیث کب ایسی فقہ کی معیار ہوسکتی ہیں کہ جو اعلیٰ درجہ کی مہتم بالشان ہو!

أقول: فقہ اور اعلیٰ درجہ کی مہتم بالشان! جس کے مسائل مختصر نمونے کے طور پر ہدیہ ناظرین کیے گئے۔

اے جناب! فقہ کی کتابیں تو کتب احادیث کے مدون ہونے کے بعد ایجاد ہوئی ہیں، دیکھئے قدروی چوتھی صدی، ہدایہ پانچویں صدی، وقایہ چھٹی صدی اور شرح وقایہ ساتویں صدی میں بنی ہیں، وقس على هذا البواقي، اور اس سے پہلے موطا امام مالک پہلی صدی کے ختم ہونے پر بن چکی تھی اور دوسری صدی ختم ہونے پر صحیح بخاری وصحیح مسلم 19
قدروی سے قبل تیار ہو چکی تھی، پھر انہوں نے حدیث کے پا جانے کے باوجود کیوں مسائل فقہ کو حدیث کے مطابق نہ کیا؟ حالانکہ اس کا راستہ پہلے ہی سے امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ کھول گئے تھے اور صدہا مسائل میں امام ابو حنیفہ کی

---

❶ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۱۷۹)

❷ الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي (ص: ۱۰۹)

مخالفت کر گئے تھے، ان فقہاء کے پاس مسائلِ فقہ کی بابت کوئی صحیح سند تو ہے نہیں کہ براہ راست اماموں تک پہنچتی ہو، بلکہ ممکن ہے کہ اس میں کسی یار نے اپنی طرف سے بھی کوئی مسئلہ ملا دیا ہو، پھر احادیث کتب میں جمع ہو جانے کے بعد ضرور ان کو مسائل فقہ کو درست کرنا چاہیے تھا، لیکن نہ کیا۔ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ ❶

قوله: اور ان احادیث کے مطابق ہو، جو رسول ﷺ سے ایک یا دو واسطے سے امام ابوحنیفہ کو ملی تھیں۔

أقول: اچھا جناب! تو آپ ان مسائل فقہیہ کے مطابق، جس سے کچھ مسائل پہلے نقل کئے گئے ہیں، ان احادیث سے کوئی حدیث پیش کریں، جو امام ابوحنیفہ کو کم واسطے سے ملی ہیں، اے حضرت! پہلے آپ اس امر کو تو ثابت کر لیں کہ امام ابوحنیفہ کو کس قدر حدیثیں ملیں اور وہ کون کون سی ہیں؟ تو پھر اُن کے مسائل فقہیہ کی مطابقت اس حدیث سے کر کے دکھلا دیں۔ ودونہ خرط القتاد! ❷

قوله: تعجب اور سخت تعجب ہے کہ جو حدیثیں عرصہ کے بعد ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے سے ایک عرصہ کے بعد از خرابی بسیار جمع کی گئیں، اس کی پابندی کا تحکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر کیونکر ہو سکتا ہے؟

أقول: جی حضرت! جو احادیث امام ابوحنیفہ کے وقت میں جمع ہو چکیں تھیں، اس کی امام ابوحنیفہ نے کونسی پابندی کی؟ دیکھئے امام مالک کی موطا اس وقت تصنیف ہو چکی تھی، نیز ابن شہاب زہری شروع صدی میں احادیث مدون کر چکے تھے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

”وأول من دون الحديث ابن شهاب الزهري على رأس المائة بأمر عمر بن عبد العزيز، ثم كثر التدوين ثم التصنيف، وحصل بذلك خير كثير، فلله الحمد“ ❸

قوله: ہاں جو احادیث ان کو ان کی شرائط کے مطابق ملیں، اس کے مطابق انہوں نے فقہ بنائی۔

أقول: آخرش وہ حدیثیں کیا ہوگئیں؟ کیا جیسے شیعوں کے قرآن کے دس پارے امام مہدی لے کر غار میں چھپ گئے کہیں ان حدیثوں کو بھی تو نہیں لے گئے؟ آپ آگے چل کر ان حدیثوں کی بابت یہ لکھتے ہیں کہ ”بوجہ امتداد زمانہ کے حدیثوں کے جمع کرنے کے وقت ان حدیثوں کا نشان نہ باقی ہو“ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل وہ حدیث نہ ہوگی، بلکہ آپ یوں ہی شیخ چلیوں کی طرح دل خوش کرنے کو کہتے ہیں، اس لیے کہ امام ابوحنیفہ کے انتقال کے صرف پچاس ساٹھ برس بعد ہی صحیح بخاری جمع ہو چکی تھی، اتنی کم مدت میں ہی وہ حدیثیں کالعدم ہوگئیں؟ کس قدر لڑکپن ہے! ہاں آپ نے ایک یہ وجہ بھی خوب کہی کہ یا ”متاخرین نے شرائط صحت اور قبول کے راویوں میں جمع نہ

❶ النجم: ٢٢

❷ اور یہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے!

❸ فتح الباري (١/ ٢٠٨)

ہونے کی بدولت ان حدیثوں کو نہ قبول کیا ہو،'' اس کے علاوہ کہ اس سے رواۃ کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرائط کا سخت ہونا باطل ہوتا ہے، ان کو حدیثیں نہ پہنچنے کا بھی بخوبی اثبات ہوتا ہے، اس لیے کہ متاخرین اگر اس کو شرائط صحت وقبول کے جمع نہ ہونے کی بدولت نہ لیتے تو ضعیف یا موضوعات غرض حدیث کی اور کسی قسم میں تو اس کو داخل کرتے، حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے، پس معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کو احادیث ملی ہی نہیں، لہٰذا آگے چل کر آپ کا یہ لکھنا کہ ''اس وجہ سے ابوحنیفہ (ہیں! حنفی ہو کر امام ابوحنیفہ ؒ نہیں کہتے، تعجب ہے!) نے ان حدیثوں کو قبول نہ کیا۔'' محض عدمِ تحقیقات اور قلتِ تدبر پر مبنی ہے۔ فافهم و تدبر! ؎

یہ الجھ پڑنے کی خو اچھی نہیں
بے محابا گفتگو اچھی نہیں

قولہ: امام مسلم نے اپنے استاد امام بخاری کی کتاب بخاری پر دیباچہ مسلم میں حملہ کر کے امام بخاری کو سخت لفظوں سے یاد کیا ہے۔

أقول: بالکل غلط ہے، اگر تم دیباچہ مسلم میں امام بخاری یا ان کی کتاب بخاری کا نام دکھلا دو تو یک صد چہرہ دار[1] انعام لو۔ اب حقیقت ہم سے سنو، امام مسلم نے نہ امام بخاری اور نہ ان کی جامع صحیح بخاری کا نام لیا ہے، بلکہ انھوں نے نفس قاعدہ پر اعتراض کیا ہے،[2] جس پر محدثین نے سخت نفرین کی ہے اور اس کی تردید کر دی ہے، جس قاعدہ (اصول) پر امام مسلم کا اعتراض ہے، وہ تمام ائمہ فن (حدیث) کا مسلّمہ اصول ہے، امام مسلم کی ''أهل عصرنا'' سے مراد امام بخاری ہی نہیں، بلکہ علي بن المديني اور ان کے موافقین ہیں۔[3] آپ ذرا صحیح مسلم کی شرح نووی کا مطالعہ کریں، حاصل کلام یہ کہ امام مسلم جس امر کی تردید کر رہے ہیں وہی صحیح ہے اور ان کا اعتراض غیر صحیح ہے۔ نووی (ص: ۲۱) ملاحظہ ہو۔[4] اس کی مفصل بحث میرے رسالہ ''الريح العقيم'' (ص: ۱۲۔۱۴) میں دیکھیں اور اپنی کم فہمی پر نادم ہو کر جس جھوٹ پر کمر باندھی ہے، اس سے باز آئیں!

---

1. چہرہ دار: ایسے روپے کو کہا جاتا ہے، جس پر بادشاہ وقت کا چہرہ منقش ہو۔ (فیروز اللغات، ص: ٥٧٥)
2. دیکھیں: مقدمه صحيح مسلم (ص: ١٢)
3. سب سے پہلے قاضی عیاض ؒ نے اس قول کی نسبت امام بخاری ؒ کی طرف کی، جس کی انھوں نے امام بخاری ؒ کے قول و عمل سے کوئی دلیل نقل نہیں کی، اگرچہ بعد میں کئی دیگر علماء نے امام بخاری ؒ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے، لیکن اس کی کوئی واضح اور صریح دلیل نہیں ہے کہ امام بخاری کے نزدیک صحت حدیث کے لیے ثبوتِ لقاء و سماع کا علم ضروری ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: السنن الأبين لابن رشيد الفهري، إجماع المحدثين على عدم اشتراط العلم بالسماع في الحديث المعنعن بين المتعاصرين للدكتور الشريف حاتم بن عارف العوني۔
4. شرح صحيح مسلم للنووي (١/١٢٧)

باندھی ہے تم نے زیر فلک جھوٹ پر کمر
شاید بگڑ گیا ہے کہیں پاٹ نیل کا!

قوله: یہ نتیجہ ہوا کہ صحاح ستہ کے اندر ابن جوزی نے موضوع حدیثیں ٹھہرائیں۔

أقول: سچ ہے۔ ع۔

دروغ گو را حافظہ نباشد ❷

ابھی اس بات کو لکھ آئے ہیں، پھر یہاں پر اسی کو پیش کرتے ہو، جی جناب! ابن جوزی نے کتب صحاح میں جو
21 موضوع حدیثیں بتلائی ہیں، اس پر امام جلال الدین سیوطی کا جو جامع مانع اور سچا حق تعاقب ہوا، اس کو بھی تو ملاحظہ کرو، جس کی تحقیق ابھی گزری ہے۔ اب ہم تم کو ایک دوسرا قول سناتے ہیں، ابن جوزی کی موضوعات پر علامہ ذہبی نے بھی یہی اعتراض کیا ہے، چنانچہ میزان الاعتدال (ص: ۱/ ۹) میں "أبان بن يزيد العطار" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

" وهذا من عيوب كتابه يسرد الجرح ويسكت عن التوثيق" انتهى ❸

''یعنی یہی تو ان کی کتاب کا بڑا عیب ہے کہ راوی کی توثیق بیان ہی نہیں کرتے، صرف جرح نقل کر دیتے ہیں۔''

غرض صحاح میں موضوعات کا نام ونشان نہیں، جیسا کہ گزرا، یہ سب آپ کا شر وفتور اور اتہام ہے۔ ؎

شر و فتور اٹھتے ہیں ہر بات بات پر
ابلیس کے سے وصف ہیں مفسد کی ذات میں

قوله: اگر کل مسائل حنفیہ کے مقابلہ میں احادیث پیش کرتا ہوں، تو بیکار ہے۔

أقول: آپ پیش کہاں سے کریں گے؟ کیونکہ آپ لکھ چکے ہیں کہ مسائل فقہ جن احادیث کے مطابق ہیں، ان حدیثوں کا بوجہ امتداد زمانہ نام ونشان باقی نہیں رہا، پھر آپ کیا بانکی پور کے گول گھر سے حدیث لائیں گے؟ اچھا جناب! آپ کُل مسائل کو تو ابھی رہنے دیں، صرف اسی قدر، جو پہلے لکھے جا چکے ہیں، انہیں کے مطابق کوئی حدیث بتلا دیں، لیکن یاد رہے ؎

تو یوں گالیاں شوق سے غیر کو دے
ہمیں کچھ کہے گا تو روتا رہے گا

قوله: ابتداءً یہ خیال میں آیا کہ ایک ایسا رسالہ لکھوں، جس میں صحاح ستہ کے مجروح راویوں کا نام ہو۔

---

❷ جھوٹے آدمی کی یادداشت نہیں ہوتی!

❸ میزان الاعتدال (۱/ ۱۳۱) حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ تبصرہ امام ابن جوزی کی کتاب "الضعفاء والمتروکین" کے متعلق کیا ہے۔

أقول: آپ کی احادیث نبویہ اور محدثین خصوصاً صحاح ستہ سے اس قدر عداوت کیوں ہے؟ یاد رکھیے کہ آپ اپنے خطاب ۔حنفی۔ سے معزول کر کے کسی اور خطاب کے مستحق سمجھے جائیں گے، لیکن ہم وہ خطابات نہیں دیں گے، بلکہ ایک ایسے بزرگ شخص سے دلوادیں گے، جو خود حنفی ہوں، ہماری مراد ان سے وہ بزرگ ہیں جن کا نام نامی اخبار ''اہل فقہ'' (۱۲ اپریل ۷ےء) میں یوں لیا گیا ہے:

" جناب مستطاب، عمدة العلماء، زبدة الکملاء، حامی سنت، ماحی بدعت، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوهی "

حضرت ممدوح فرماتے ہیں: ''کتب صحاح میں احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کے جمع کرنے والے صحابہ اور بعد کو علماء و عاملین ومقبولین رہے، اور باتفاق جمیع اہل اسلام مقبول اللہ تعالیٰ کی ہیں، جو شخص ان کتابوں کو برا کہتا ہے اور توہین کرتا ہے، گویا وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، وہ شخص فاسق ومرتد بلکہ کافر وملعون حق تعالیٰ کا ہے۔''
(فتاویٰ رشیدیه: ۲/ ۱۳)

ہاں بتلایئے! آپ اس کے مستحق ہیں یا نہیں؟ آہ! کیا سچ ہے ۔

جفا جو سنگدل بے رحم و ظالم
لقب اتنے ہیں جن کے وہ تمہیں ہو 22

قوله: اس واسطے صرف صحیح بخاری کے مجروح راویوں کو، جو دوسو کے قریب ہیں، اس رسالہ میں جمع کیا ہے۔

أقول: ماشاء اللہ خوب کیا! افسوس آپ کتاب بخاری کو صحیح بھی مانتے ہیں اور پھر اس میں مجروح راوی نکالتے اور بتاتے ہیں، کیسی عقل ہے؟ کیا یہ اس بات کا نتیجہ نہیں کہ آپ "بعض الناس "کی عداوت سے ایسا کرتے ہیں؟ بے شک ضرور ہے، اس لیے کہ آپ اوپر سے مانتے ہیں کہ تمام مسائل اور امور کے متعلق رسالے لکھے جا چکے ہیں، اس لیے تحصیل حاصل ہوگی، آپ نے جس قدر مجروح راوی پیش کیے ہیں، ان کے پہلے ہی جوابات ہو چکے ہیں، علامہ حافظ ابن حجر ؒ خود اس مرحلہ کو طے کر چکے ہیں، پس آپ کا ان کو پھر پیش کرنا تحصیل حاصل نہیں؟! فرمایئے۔ ع۔

خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم [1]

دیکھئے! آپ کو صحاح ستہ کی اہانت کرنے سے اس قدر القاب ملے، امام بخاری کی جامع صحیح کی توہین سے آپ جن القاب کے مستحق ہوئے ہیں، ان کو بھی ہم پیش کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجة الله البالغة (ص: ۱۳۹) میں فرماتے ہیں:

"وأنه من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين" انتهى . [2]

---

[1] خود غلط ہو اور ہمیں غلط سمجھ رہے ہو!

[2] حجة الله البالغة (۱/ ۲۸۲)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یعنی جو شخص صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی توہین کرے، وہ بدعتی اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج اور متبع غیر سبیل المومنین ہے۔ اور ان کا ٹھکانا اور انجام یا سزا خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں یوں فرماتا ہے:

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [١]

کہیے! اب کس قدر القاب ہوئے؟

قیامت کے مفتن ہو غضب کے دلربا تم ہو
خدا جانے پری ہو حور ہو انسان ہو کیا تم ہو

اب جرح اور مجروح کی مختصر تحقیق سنئے، جرح وہ مقبول ہوتی ہے، جس میں اس کے تمام اسباب واضح طور پر مذکور ہوں، مولوی عبدالحی حنفی رسالہ "الرفع والتکمیل" (ص:٧) میں لکھتے ہیں:

"وأما الجرح فإنه لا يقبل إلا مفسرا مبينا لسبب الجرح...... إلى قوله: لأن الناس مختلفون في أسباب الجرح فيطلق أحدهم الجرح بناءا على ما اعتقده جرحا، وليس بجرح في نفس الأمر، فلا بد من بيان سببه ليظهر أهو قادح أم لا؟" انتهى. ❶

"یعنی وہ جرح احاطہ قبول میں آ سکتی ہے، جو مفسر ہو اور اس میں جرح کے تمام اسباب واضح ہوں، اس لیے کہ لوگ جرح کے اسباب میں مختلف ہیں، وہ اپنے اعتقاد کی بنا پر کسی کو مجروح کر دیتے ہیں، حالانکہ نفس الامر میں وہ جرح نہیں ہوتی، اس لئے اس کے تمام اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو کہ حقیقت میں یہ مجروح ہے یا نہیں؟"

اور آپ نے جس قدر جرحیں نقل کی ہیں، وہ سب اسی قبیل سے ہیں، اس لیے حقیقت میں سرے سے وہ جرح ہی نہیں ہیں، مقدمہ ابن صلاح میں ہے: "إن الجرح لا يثبت إلا إذا فسر سببه" انتهى. ❷

یعنی جرح ثابت نہیں ہوتی، جب تک اس کے تمام اسباب بیان نہ کیے جائیں۔

23 لہٰذا آپ کا صحیح بخاری کے رواۃ کو مجروح کہنا محض غلط ہے، پس اس امر کو بخوبی یاد رکھیں کہ صرف ان کے متعلق جرح کے ایک دو حوالے نقل کر دینے سے وہ مجروح نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ نے یہ کرنا تھا کہ جس کو مولوی عبدالحئ حنفی رسالہ "الرفع التکمیل" (ص: ٥) میں لکھتے ہیں:

"والواجب عليهم أن ينقلوا الجرح والتعديل كليهما ثم يرجحوا حسبما يلوح لهم أحدهما" انتهى. ❸

---

❶ الرفع والتكميل في الجرح والتعديل (ص: ٨٠)

❷ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٦١)

❸ الرفع والتكميل في الجرح والتعديل (ص: ٦٦)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یعنی ناقلین جرح پر واجب ہے کہ ان کی جرح وتعدیل دونوں کو نقل کریں، پھر ان دونوں میں سے ایک کو ترجیح دیں، جو ان کے لیے ظاہر (بالدلیل) ہو۔

بتلایئے! آپ نے ایسا ہی کیا ہے؟ ہر گز نہیں، لہٰذا آپ کی نقل کردہ جرحیں اس قابل نہیں کہ ان کا جواب دیا جائے، آئندہ اس اصول کو خوب اچھی طرح یاد رکھیں اور اس سے آگے اپنے باقی ہفوات کا یہی جواب سمجھیں کہ ؎

ستعلم ليلىٰ أي دين تداينت وأي غريم للتقاضي غريمها [3]

---

[3] لیلیٰ عنقریب جان لے گی کہ کونسا قرض اس نے دیا اور کونسا قرض خواہ تقاضا کرنے کے لیے اس کا غریم (عاشق) ہے؟

24 راویانِ صحیح بخاری سے اتہامِ جرح کا دفعیہ

تمہید ضروری:

جو لوگ صحیح بخاری کے راویوں پر جرح کر کے ان کو مجروح لکھتے ہیں، ان کی آ گاہی و انتباہی کے لیے علامہ حافظ ابن حجر "هدي الساري" (ص: ٤٤٤) میں لکھتے ہیں:

''اس طعنِ رواۃ میں غور کرنے سے پہلے ہر منصف کو یہ جاننا چاہیے کہ صاحب صحیح امام بخاری کا کسی راوی سے تخریج کرنا، اس بات کو مقتضی ہے کہ ان کے نزدیک وہ راوی عدالت، صحت حافظہ اور عدم غفلت کے ساتھ متصف ہے، خاص کر ایسی حالت میں کہ دونوں کتابوں کا نام صحیحین رکھنے پر جمہور ائمہ کا اتفاق بھی ہے اور یہ بات اس راوی کی نسبت حاصل نہیں ہے، جس سے انہوں نے اپنی صحیح میں تخریج نہیں کیا، پس جو راوی ان دونوں میں ذکر کیے گئے ہیں، ان کی تعدیل پر جمہور کا اتفاق ہے، یہ اس وقت ہے جب ان روات کی حدیث اصول میں تخریج کی جائے، اگر اس سے متابعات، شواہد اور تعلیقات میں تخریج کی جائے، تو ان کے درجات ضبط وغیرہ میں مختلف ہیں، مگر صدق کا نام ان پر صادق ہے، اس وقت جب ہم ان میں سے کسی راوی کی نسبت کسی دوسرے کا طعن پائیں گے، تو وہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلہ میں ہوگا، لہٰذا اسے (تعدیل کو) قبول کیا جائے گا۔ (مقلد! غور کر!) مگر اس وقت جب سبب بیان کیا جائے اور یہ تفسیر کی جائے کہ جرح کرنے والا راوی کی عدالت اور ضبط میں مطلقاً جرح کرتا ہے، یا اس کے بعینہ کسی خبر کے ضبط میں جرح کرتا ہے۔''

''اس لئے کہ ائمہ کے نزدیک اسبابِ جرح مختلف ہیں، بعض ان میں سے لائق جرح ہیں اور بعض نہیں، شیخ ابو الحسن مقدسی اس شخص کے بارے میں، جس سے صحیح بخاری میں تخریج کی جائے، کہا کرتے تھے کہ یہ شخص پل کے پار ہوگیا، یعنی اس کے بارے میں جو جرح کی جائے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ (معترضو! پھر پڑھو!) شیخ ابو الفتح قشیری نے اپنی مختصر میں کہا ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں، اس اعتقاد سے علیحدہ نہ ہوں گے، مگر ایسی حجت ظاہرہ اور بیان شافی کے ساتھ جو اس بات پر، جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ شیخین کے بعد تمام لوگوں کا ان دونوں کی کتابوں کو صحیحین نام رکھنے پر اتفاق ہے، غلبہ ظن کو زیادہ کرے اور ان دونوں کے راویوں کی تعدیل اس کے لوازم سے ہے۔ (ابن حجر کہتے ہیں کہ) ان میں سے کسی کے بارے میں واضح جرح کے بغیر طعن قبول

نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ جرح کے اسباب مختلف ہیں اور اس کا مدار پانچ چیزوں پر ہے:

۱۔ بدعت۔

۲۔ یا مخالفت ثقات۔

۳۔ یا غلط۔

۴۔ یا راوی کا مجہول الحال ہونا۔

۵۔ یا سند میں انقطاع کا دعویٰ۔اس طور پر کہ کسی راوی کی نسبت دعوی کیا جائے کہ وہ تدلیس یا ارسال کرتا تھا۔ 25

لیکن (راوی کا) مجہول الحال ہونا تو صحیح کے تمام راویوں میں ممتنع ہے، اس لیے کہ صحیح کی شرط ہے کہ اس کے راوی معروف بالعدالۃ ہوں گے، پس جو شخص یہ گمان کرے کہ ان میں سے کوئی راوی مجہول ہے، گویا اس نے مصنف کے اس دعوے کی کہ وہ معروف ہے، مخالفت کی، اور اس میں شک نہیں کہ اس کی شناخت کا دعویٰ کرنے والا عدم شناخت کا دعوی کرنے والے پر مقدم ہوگا، اس لیے کہ ثبوت کرنے والے کو زیادہ علم ہوتا ہے اور باوجود اس کے صحیح کے راویوں میں کسی کو ایسا نہیں پاؤ گے، جس پر جہالت کے نام کا اطلاق کیا جا سکے، جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

لیکن غلط کبھی راوی سے بکثرت ہوتا ہے، کبھی کم، جب وہ کثیر الغلط کے ساتھ متصف ہو، تو اس کی روایت میں نظر کی جائے گی، اگر اس کے یا اس کے غیر کے پاس اس موصوف بالغلط کے سوا دوسرے کی روایت پائی جائے گی تو جانا جائے گا کہ اصل حدیث پر اعتماد کیا گیا ہے، نہ خاص اس سند پر، اور اگر اس سند کے سوا نہیں پائی جائے گی، تو یہ جرح اس حدیث کے صحت پر حکم لگانے میں توقف کا باعث ہوگی، بحمد اللہ صحیح بخاری میں اس قسم کی کوئی روایت نہیں ہے، اور جب راوی قلت غلط کے ساتھ موصوف کیا جائے، جیسے کہا جاتا ہے: ”سيء الحفظ“ یا ”له أوهام“ یا ”له مناكير“ وغیرہ اس میں بھی ماقبل والا ہی حکم ہے، مگر متابعت میں روایت ایسے لوگوں سے بہ نسبت ان لوگوں کی روایت کے زیادہ ہے، لیکن مخالفت جس سے شاذ و منکر کی اصطلاح نکلتی ہے، اس وقت ہوگی جب کہ ضابط یا صدوق کسی چیز کو روایت کرے، پھر اس سے زیادہ حافظہ والا یا اکثر عدد والا اس کے خلاف روایت کرے اور اس کا محدثین کے قواعد کے موافق جمع کرنا متعذر ہو، اس کو شاذ کہیں گے، کبھی مخالفت میں زیادتی اور حفظ میں ضعف ہوتا ہے، اس کو منکر کہتے ہیں اور یہ قسم صحیح میں نہیں ہے، مگر بہت کم، جس کا بیان (ابن حجر نے) بحمد اللہ تعالیٰ ماقبل کی (آٹھویں) فصل (ص: ۴۰) میں کیا ہے۔“

”لیکن انقطاع کا دعویٰ ان لوگوں کی نسبت جن سے بخاری نے اخراج کیا ہے، مدفوع ہے، جیسا کہ ان کی شرط سے معلوم ہوتا ہے، باوجودیکہ اس کے ان رجال کا حکم، جو تدلیس یا ارسال کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ جو

حدیثیں عنعنہ کے ساتھ ان کے پاس موجود ہیں، ان کی جانچ کی جائے، اگر سماع کے ساتھ تصریح پائی جائے گی، تو اعتراض دفع ہوجائے گا اور اگر نہیں، تو نہیں۔ لیکن بدعت جس کے ساتھ راوی موصوف ہوگا، اس قسم کی ہوگی کہ اسے کافر کہا جائے یا فاسق، اس بدعت میں، جس کی طرف کفر کی نسبت کی جائے، یہ ضرور ہے کہ وہ تکفیر تمام ائمہ کے قواعد کے موافق متفق علیہ ہو، جیسے کے غلاۃ روافض ہیں کہ بعض حضرت علی وغیرہ میں الٰہیت کے حلول کا دعویٰ کرتے ہیں، یا دنیا میں قیامت سے قبل ان کے رجوع پر ایمان رکھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، صحیح بخاری میں ان لوگوں کی حدیثوں سے کچھ بھی نہیں ہے، اور فسق کی طرف نسبت کرنے والی بدعتیں خارجیوں اور ان رافضیوں کی ہی، جو اس قدر غلو نہیں **26**
کرتے اور ان گروہوں کی ہے جو اصول سنت کے بظاہر مخالف ہیں، لیکن کسی تاویل کے ساتھ سند پکڑنے والے ہیں، تو اہل سنت نے اس قسم کے لوگوں کی حدیث قبول کرنے میں اختلاف کیا ہے، جب وہ جھوٹ سے پرہیز کرنے میں معروف، خلاف مروءت سے سلامت رہنے میں مشہور، دیانت وعبادت کے ساتھ موصوف ہو تو کہا گیا ہے کہ مطلقاً مقبول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلقاً مردود ہے۔''

''تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی وہ روایت (دو حال سے خالی نہیں) بدعت کی داعی ہوگی، یا داعی نہیں ہوگی، پس غیر داعی مقبول ہوگی اور داعی مردود، اور یہی مذہب زیادہ قرین انصاف ہے، اسی طرف ائمہ کی ایک جماعت گئی ہے اور ابن حبان نے اس پر اہل نقل کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، لیکن یہ دعویٰ ٹھیک نہیں ہے، پھر اس میں بھی قائلین کا اختلاف ہے، بعض اس کے بلا قید قائل ہیں، بعض نے اور تفصیل کی ہے کہ غیر داعی کی روایت میں اگر ایسے الفاظ پائے جائیں گے، جس سے اس کی بدعت کو بظاہر پختگی، زینت اور تحسین ہوتی ہو، تو وہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

اور اگر ایسے الفاظ نہ پائے جائیں گے تو قبول کی جائے گی اور بعض نے بعینہ اسی تفصیل کو اس کے برعکس داعی کے حق میں بیان کیا ہے کہ اگر اس کی روایت میں ایسے الفاظ ہوں گے، جن سے اس کی بدعت کا رد ہوتا ہے، تو قبول کی جائے گی اور اگر نہیں تو نہیں، اسی بنا پر جب بدعتی کی روایت، خواہ داعی ہو یا غیر داعی، ایسے الفاظ کو شامل ہوگی، جس سے اس کی بدعت کا کوئی تعلق نہیں ہے، تو آیا مطلقاً مردود ہوگی یا مطلقاً مقبول ہوگی؟ ابو الفتح قشیری اس میں ایک اور تفصیل کی طرف مائل ہوئے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا اس کی موافقت کرتا ہو تو اس کی بدعت ٹھنڈی کرنے اور اس کی آگ بجھانے کی غرض سے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے اور اگر کوئی اس کی موافقت نہیں کرتا اور اس کے سوا کہیں یہ حدیث پائی نہیں جاتی اور یہ صدق اور جھوٹ سے پرہیز کرنے اور دین کے ساتھ مشہور ہونے کے ساتھ موصوف ہے اور اس حدیث کو اس کی بدعت سے کوئی تعلق نہیں، تو اس حدیث کے حاصل کرنے اور اس سنت کے پھیلانے کی مصلحت کو اس کی اہانت اور بدعت کے بجھانے کی مصلحت پر مقدم کرنا چاہیے۔'' **واللہ اعلم**

’’اور اس بات کو بھی جانو کہ عقائد کے اختلاف کے سبب بھی ایک جماعت نے دوسری جماعت پر طعن کیا ہے، اس سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، ایسے طعن کا لحاظ نہیں کرنا چاہیے، مگر جب کہ حق ہو، اور ایسا ہی پرہیز گاروں کی ایک جماعت نے ان پر طعن کیا ہے، جو دنیا کے کاموں میں داخل ہوگئے ہیں اور اس وجہ سے ان کی تضعیف کی ہے، صدق اور ضبط کے ساتھ ان کی اس تضعیف کا کوئی اثر نہیں ہے، واللہ الموفق۔‘‘

’’ان سب سے بعید از اعتبار یہ ہے کہ بعض راویوں کی تضعیف ان امور کی وجہ سے کی گئی ہے، جن کا وقوع ان کے علاوہ کسی دوسرے سے ہوا ہے اور اسی سبب سے زیادہ سخت اس شخص کی تضعیف ہے، جس نے اپنے سے زیادہ ثقہ یا بلند مرتبہ والے یا حدیث کے عارف کی تضعیف کی ہے، پس یہ سب قابل اعتبار نہیں ہیں۔ (ابن حجر کہتے ہیں کہ) میں نے ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس کے آخر میں اللہ کی مدد سے ان کے نام بیان کیے ہیں، جب یہ سب ثابت ہو چکا، تو ہم بخاری کے ان راویوں کو بیان کرتے ہیں، جن پر طعن کیا گیا ہے اور اس طعن کی حکایت اور اس کے سبب کی تفتیش کر کے اس کا جواب دیں گے، جیسا ہم نے احادیث معللہ میں بیان کیا ہے (جو ”هدي الساري “ کی نویں فصل میں منقول ہے) اسی طرح سے اس کے رد کے طریقہ سے متنبہ کریں گے۔‘‘ بعون اللّٰہ تعالیٰ وتوفیقہ۔ [1] 27

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

واضح ہو کہ عوام کو اس مشہور قاعدہ ” الجرح مقدم على التعديل “ سے دھوکہ ہوتا ہے کہ مجروح راوی کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہیں، سو یہ قاعدہ ان جرحوں کی بابت ہے، جو مفسر، مبین، واضح اور مثبت بالدلیل ہوں، ورنہ غیر مبہم، غیر مفسر، غیر مبین جرحیں تعدیل پر ہرگز مقدم نہیں، علامہ ابو الحسن حنفی سندی ثم المدنی ”شرح شرح نخبة الفکر“(ص:۳۵) میں خطیب کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

” ما احتج به البخاري ومسلم من جماعة علم الطعن فيهم من غيرهما محمول علىٰ أنه لم يثبت الطعن المفسر عندهما، وغير المفسر ليس بمقدم على التعديل وناهيك بهما“ انتهى. [2]

خلاصہ یہ ہے کہ جروح غیر مفسرہ تعدیل پر مقدم نہیں ہیں۔

بہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی [3]

---

[1] هدي الساري (ص: ۳۸۵)

[2] دیکھیں: صيانة صحيح مسلم (ص: ۹٦) شرح مسلم للنووي (۱/ ۲۵) توضيح الأفكار للصنعاني (۱/ ۱۳۲)

[3] یہ دفتر اختتام کو پہنچا، لیکن بات ابھی باقی ہے۔

28

حرف الألف

قوله: (۱)**إبراهيم بن عبد الرحمن السكسكي:** قال أحمد: ضعيف۔

ترجمہ: احمد نے کہا کہ ضعیف ہیں، از میزان الاعتدال۔

أقول: أولاً: مذکوہ بالاتمہید پر غور کرنے سے یہ جرح ہرگز قابل التفات ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ جرح خود مجروح ہے، کیونکہ اس جرح کا سبب نہ مبین ہے اور نہ مفسر، جس طرح کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

ثانیاً: صحیح بخاری میں ان کی حدیث بطور شاہد ہے، جو اسی کے ہم معنی اسی بخاری میں ابن مسعود سے دوسرے مقام میں مروی ہے۔ [1] لہٰذا اگر وہ مجروح بھی ہوں، تب بھی کوئی حرج نہیں، علاوہ بریں ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی صدوق اور قابل حجت ہے، ملاحظہ ہو: تقریب، نیز خود علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

" صدوق لم يترك، خرج له البخاري، وقال ابن عدي: لم أجد له حديثا منكر المتن" انتهى ملخصاً. [2]

"یعنی ابراہیم بن عبدالرحمٰن سکسکی صدوق اور غیر متروک ہے، امام بخاری نے اس سے تخریج کی ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر المتن نہیں پائی۔"

نیز اس اصول کو ہمیشہ کے لیے یاد رکھیں کہ جس راوی سے امام بخاری تخریج کریں، وہ ان کے نزدیک ضرور ثقہ اور عادل ہوتا ہے، لہٰذا امام بخاری کے کل راویوں پر سے جرح مدفوع ہے۔

ایسا ہی امام صفی الدین نے بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو: خلاصہ (مصری) [3] علی ہذا القیاس حافظ ابن حجر نے هدى الساري میں لکھا ہے:

" قال النسائي: يكتب حديثه، وقال ابن عدي: لم أجد له حديثا منكر المتن، وهو إلىٰ الصدق أقرب" انتهى [4]

---

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٢٢٢٩) هدي الساري (ص: ٣٨٨)

[2] ميزان الاعتدال (١/ ١٦٦) تقريب التهذيب (ص: ٩١) نیز امام ابن عدی فرماتے ہیں: " وهو إلى الصدق أقرب منه إلى غيره، ويكتب حديثه كما قال النسائي۔" (الكامل في الضعفاء: ١/ ٢١٠، تهذيب الكمال: ٢/ ١٣٢)

[3] خلاصة تذهيب تهذيب الكمال للخزرجي (ص: ١٩)

[4] هدي الساري (ص: ٣٨٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اور تهذيب التهذيب جلد اول میں لکھتے ہیں:

"ذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن عدي: لم أجد له حديثا منكر المتن، وهو إلى الصدق أقرب منه إلى غيره، ويكتب حديثه كما قال النسائي" انتهى. ❶

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عدی نے کہا: میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر المتن نہیں پایا اور یہ صدق کی طرف اقرب ہیں، نسائی نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے، نیز ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقات سے ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (۲) **إبراهيم (بن المنذر) الخزاعي** (یا حزامی): قال زكريا الساجي: عنده مناكير، جاء إلى أحمد بن حنبل فسلم عليه فما رد عليه."

"زکریا ساجی نے کہا کہ ان کے پاس نا مقبول روایتیں ہیں، یہ احمد بن حنبل کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا، پس احمد بن حنبل نے سلام کا جواب نہیں دیا۔" أيضاً۔

أقول: ساجی نے ان کی نسبت جو کہا ہے کہ "عنده مناكير" اس پر محدثین نے سخت تعاقب کیا ہے، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" وقال الساجي: عنده مناكير، تعقب ذلك الخطيب " یعنی ساجی کے قول "عنده مناكير" کا خطیب بغدادی نے تعاقب کیا ہے ❷ (کہ ساجی کا یہ قول صحیح نہیں ہے)

اور تهذيب التهذيب جلد اول میں لکھتے ہیں:

" والذي قاله الخطيب سبق أبو الفتح الأزدي بمعناه " یعنی خطیب نے ان پر تعاقب کر کے جو بات 29
کہی ہے، اسی کے ہم معنی ان سے پہلے ابو الفتح ازدی کہہ چکے ہیں، ❸ (یہ وہی ازدی ہیں، جن سے آپ نے عبدالحمید بن ابی اویس پر نمبر (۷۴) میں جرح نقل کی ہے)

اب اصل حال سنئے! ابراہیم خزاعی ثقات متقنین سے ہے، اس کے علاوہ کہ حافظ نے تقریب میں "صدوق" لکھا ہے، ❹ خود امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"حافظ، من شيوخ الأئمة، وثقه ابن معين، وكتب عنه، وهو من أقرانه، وقال أبو حاتم:

---

❶ تهذيب التهذيب (۱/ ۱۲۰)

❷ هدي الساري (ص: ۳۸۸)

❸ تهذيب التهذيب (۱/ ۱٤٥)

❹ تقريب التهذيب (ص: ۹٤)

صدوق" انتهى. ❶

یعنی یہ حافظ اور ائمہ کے شیوخ سے ہیں، یحییٰ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ان سے حدیث لکھی ہے حالانکہ وہ ان کے ساتھی ہیں، اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے۔

حافظ صفی الدین ''خلاصہ'' میں لکھتے ہیں:

" أحد كبار العلماء المحدثين، وثقه ابن معين والنسائي وأبوحاتم والدارقطني" انتهى ❷

یعنی یہ کبار علماء محدثین سے ہیں، ان کو یحییٰ، نسائی، ابو حاتم اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔

حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" أحد الأئمة، وثقه ابن معين وابن وضاح والنسائي وأبو حاتم والدارقطني، واعتمده البخاري، وانتقىٰ من حديثه " انتهى. ❸

اس کا بھی وہی ترجمہ ہے، نیز اس میں ان کی ثقاہت میں امام بخاری کا اعتماد بھی مرقوم ہے، جس سے ہماری پہلی تحریر کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہی علامہ حافظ ابن حجر ﷬ ''تهذيب التهذيب" جلد اول میں لکھتے ہیں:

" قال عثمان الدارمي: رأيت ابن معين كتب عن إبراهيم بن المنذر أحاديث، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال صالح بن محمد: صدوق، وقال أبو حاتم: صدوق، وقال أيضا: هو أعرف بالحديث، قال الخطيب: أما المناكير فقلما توجد في حديثه إلا أن يكون عن المجهولين، ومع هذا فإن يحيىٰ بن معين وغيره من الحفاظ كانوا يرضونه ويوثقونه، وقال الدارقطني: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن وضاح: لقيته بالمدينة وهو ثقة، وقال الزبير بن بكار: كان له علم بالحديث ومروءة وقدر" انتهى. ❹

یعنی عثمان نے کہا کہ میں نے ابن معین کو ان سے بہت سی حدیثیں لکھتے دیکھا ہے اور نسائی نے کہا: "ليس به بأس" اور صالح بن محمد اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے، نیز ابو حاتم نے ان کو "أعرف بالحديث" کہا ہے اور خطیب بغدادی نے کہا کہ ان (ابراہیم) کی حدیث میں مناکیر بہت ہی کم پائی جاتی ہیں، مگر وہ بھی جب مجہولین سے روایت ہو، اس کے باوجود ابن معین وغیرہ حفاظ نے ان کو ثقہ کہا ہے، نیز دارقطنی، ابن حبان اور ابن وضاح نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور زبیر نے کہا کہ ان کو حدیث کا علم اور مروءت اور قدر و منزلت تھی۔

❶ ميزان الاعتدال (١/ ١٩٣)

❷ خلاصة تذهيب تهذيب الكمال (ص: ٢٢)

❸ هدي الساري (ص: ٣٨٨)

❹ تهذيب التهذيب (١/ ١٤٥)

غرض یہ راوی بھی حفاظ ثقات سے ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (٣) **إبراهيم بن يوسف بن إسحاق بن أبي إسحاق السبيعي:** روى عباس عن يحيىٰ: ليس بشيء، وقال الجوزجاني: ضعيف، وقال (أي النسائي): ليس بالقوي، وقال (أي أبو داود): ضعيف ''ترجمہ: عباس نے یحییٰ سے روایت کی کہ وہ کچھ نہیں ہیں اور جوز جانی نے کہا کہ وہ ضعیف ہیں 30
اور نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں ہیں اور ابو داود نے کہا کہ ضعیف ہیں۔ أيضاً

أقول: أولاً: ان تمام جرحوں کی کوئی مفصل وجہ نہیں ہے، لہٰذا یہ جرح مقبول نہیں جیسا کتاب کی تمہید میں گزر چکا ہے۔

ثانياً: جوز جانی نے جو ان کو ضعیف کہا ہے، ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

وقال الجوزجاني: ضعيف، وهو إطلاق مردود". ❶

''یعنی جوز جانی کا ان کو مطلقاً ضعیف کہنا مردود ہے۔''

مطلب یہ کہ صحیح نہیں۔ نیز انہیں علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں ''صدوق'' لکھا ہے، نیز حافظ صفی الدین نے خلاصہ اور علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

" قال أبو حاتم: يكتب حديثه " یعنی ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے۔ ❷

نیز حافظ نے هدي الساري میں لکھا ہے:

"قال أبو حاتم: حسن الحديث يكتب حديثه، وقال ابن عدي: ليس هو بمنكر الحديث". ❸

یعنی ابو حاتم نے ان کو حسن الحدیث اور ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث نہیں ہیں۔

نیز یہی علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "تهذيب التهذيب" جلد اول میں لکھتے ہیں:

"قال ابن عدي: له أحاديث صالحة، وليس بمنكر الحديث، يكتب حديثه، وقال أبو حاتم: حسن الحديث يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدار قطني: ثقة " ملخصاً. ❹

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٢٦) تقريب التهذيب (ص: ٢٩) خلاصة تذهيب التهذيب الكمال (ص: ٣٠)

❸ هدي الساري (ص: ٣٨٨)

❹ تهذيب التهذيب (١/ ١٦٠)

یعنی ابن عدی نے ابراہیم کو صالح الحدیث اور غیر منکر الحدیث اور ابو حاتم نے حسن الحدیث کہا ہے، نیز دونوں نے کہا ہے کہ ان کی حدیث لکھنے کے لائق ہے، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور دارقطنی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ یہ راوی بھی ثقہ ہے۔❶ آگے چلیے:

قوله: (۴) ''**أبي بن عباس بن سهل بن سعد الساعدي**: قال أحمد بن حنبل: منكر الحديث، وقال النسائي والدولابي: ليس بالقوي، ضعفه ابن معين''

''احمد بن حنبل نے کہا کہ ان کی حدیثیں نامقبول ہیں اور نسائی اور دولابی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہے، ان کو ابن معین نے ضعیف کہا۔'' أیضاً

أقول: أولاً: تمہید میں نیز اس کے قبل بھی بسط سے لکھا جا چکا ہے کہ وہ جرح مقبول ہوتی ہے، جو مفسر اور اس میں جرح کے کل اسباب مبین ہوں، أبي کی جرح میں یہ امر بالکل مفقود ہے، لہٰذا درحقیقت یہ جرح جرح نہیں ہے، اس لیے نامقبول ہے۔

ثانیاً: اوپر کی تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جس راوی سے امام بخاری تخریج کریں، وہ ان کے نزدیک ثقہ اور عادل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس راوی کا امام بخاری کی کتاب ''الضعفاء الصغير'' میں پتہ نہیں ہے، لہٰذا یہ راوی امام بخاری کے نزدیک مقبول ہے۔

نیز تمہید میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جب ہم کسی راوی کی نسبت غیر کا طعن پائیں گے، تو یہ طعن امام بخاری کی
31 تعدیل کے مقابلہ میں ہوگا، لہٰذا قبول نہیں کیا جائے گا۔ افسوس آپ نے میزان الاعتدال کی اس قدر عبارت تو نقل کر دی، لیکن خاص امام ذہبی کا فیصلہ نہ دیکھ لیا، علامہ ذہبی آگے فیصلہ کرتے ہیں:

❷ معترض نے ابراہیم بن یوسف کی تضعیف میں امام نسائی رحمہ اللہ کا قول ''ليس بالقوي'' نقل کیا ہے، تو اصولِ حدیث میں یہ بات مقرر ہے کہ یہ الفاظ راوی حدیث کے حفظ وضبط کی اصلاً نفی نہیں کرتے، بلکہ اس کے حفظ واتقان کے درجہ کمال کی نفی کرتے ہیں، جو ایسے راوی کے ''حسن الحديث'' ہونے کے منافی نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس لفظ ''ليس بالقوي'' کے متعلق فرماتے ہیں: ''هذا تليين هين'' (هدي الساري: ۳۹۷)

معترض نے مذکورہ بالا راوی کی تضعیف میں امام ابن معین رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: ''ليس بشيء'' تو ان الفاظ کی بابت یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ امام ابن معین کے خاص اصطلاحی الفاظ ہیں، جن سے ان کی اکثر یہ مراد ہوتی ہے کہ اس راوی کی احادیث قلیل ہیں، ہر جگہ یہ جرح کے الفاظ نہیں ہوتے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢١) تهذيب التهذيب (٨/ ٤١٩) الرفع والتكميل (ص: ٩٩) ظفر الأماني (ص: ٣٤)

بسا اوقات کوئی امام کسی راوی پر ''ليس بالقوي'' کا اطلاق کرتا ہے اور دیگر ائمہ محدثین اسی راوی کو ثقہ وصدوق قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی امام کسی راوی پر اس لفظ کا اطلاق کرتا ہے اور بعد ازاں خود ہی اسے ''حسن الحديث'' قرار دیتا ہے۔ دیکھیں: الجرح والتعديل (٣/ ١١٧، ١٥٦، ٨/ ٤٩٤)

" قلت: أبي هو حسن الحديث"❶ یعنی أبي حسن الحدیث ہے۔

اس کی حدیثیں قابل قبول ہیں، لہٰذا کوئی جرح نہیں رہی، چلئے جھگڑا تمام شد!

قوله: (٥) **أحمد بن بشير الكوفي**: قال عثمان الدارمي: هو متروك۔

''عثمان دارمی نے کہا کہ یہ متروک ہیں۔'' ایضاً

أقول: عثمان دارمی کی یہ جرح غیر مقبول ہے، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

" وأما كلام عثمان الدارمي فقد رده الخطيب ."❷

یعنی خطیب بغدادی نے عثمان دارمی کے کلام کی تردید کر دی ہے۔

یہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کو تقریب میں ''صدوق'' لکھتے ہیں، اور علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

"قال ابن نمير: صدوق حسن المعرفة، وقال أبو زرعة: صدوق، وقال الدارقطني: يعتبر بحديثه، قلت: قد خرج له البخاري في صحيحه ،" ملخصاً . ❸

یعنی ابن نمیر نے صدوق حسن المعرفة، ابو زرعہ نے صدوق اور دارقطنی نے ان کی حدیث کو قابل اعتبار کہا ہے، نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے۔

یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ خلاصہ میں ہے:

" قال يحيىٰ: ليس به بأس، وقال أبو زرعة: صدوق ". ❹

یعنی ابن معین نے "ليس به بأس" اور ابو زرعہ نے ''صدوق'' کہا ہے۔

حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"قواه ابن معين و أبو زرعة وغيرهما" . ❺

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٢٠٨)

❷ هدي الساري (ص: ٣٨٦) دراصل اس نام کے دو راوی ہیں: " أحمد بن بشير الكوفي" اور " أحمد بن بشير البغدادي" حافظ خطیب بغدادی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں " أحمد بن بشير البغدادى" راوی مجروح ہے اور " أحمد بن بشير الكوفي" صدوق ہے، امام عثمان بن سعید دارمی نے غلطی سے "أحمد بن بشير البغدادى" پر ہونے والی جرح " أحمد بن بشير الكوفي" کے متعلق ذکر کر دی ہے، جو دراصل صدوق ہے۔ دیکھیں: تاریخ بغداد (٤/ ٤٦) میزان الاعتدال (١/ ٤٣) (٤/ ٤٦) هدي الساري (ص: ٢٨٦) تقريب التهذيب (ص:٧٨)

❸ ميزان الاعتدال (١/ ٢١٩) تقريب التهذيب (ص: ٧٨)

❹ خلاصة تذهيب تهذيب الكمال للخزرجي (ص: ٤)

❺ هدي الساري (ص: ٣٨٥)

یعنی یحییٰ، ابوزرعہ اور ان کے سوا بہت سے محدثین نے ان کو قوی کہا ہے۔

نیز یہی علامہ حافظ "تهذيب التهذيب" جلد اول میں لکھتے ہیں:

"قال ابن معين: لم يكن به بأس، وقد كان موصوفا بالصدق، وقال ابن نمير: كان صدوقا حسن المعرفة، وقال أبو زرعة: صدوق، وقال أبو حاتم: محله الصدق، وقال أبوبكر بن أبي داود: كان ثقة كثير الحديث، ونقل أبوالعرب عن النسائي أنه قال: ليس به بأس" انتهى ملخصاً. ❶

یعنی نسائی اور ابن معین نے ان کو "لا بأس به" کہا ہے (اور ابن معین کی اصطلاح میں "لا بأس به" سے مراد ثقہ ہوتا ہے) ❷ نیز ابن معین، ابن نمیر، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے ان کو صدوق کہا ہے، ہاں ابن نمیر نے ان کی نسبت حسن المعرفة زیادہ کیا ہے اور ابوبکر بن ابی داود نے ان کو کثیر الحدیث اور ثقہ کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ راوی بھی ثقہ ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (٦) **أحمد بن شبيب بن سعيد**: قال الأزدي: منكر الحديث.

''ازدی نے کہا کہ ان کی حدیثیں نامقبول ہیں۔'' (ایضاً)

أقول: جی جناب! اَزدی تو خود ضعیف ہے، لہٰذا کسی دوسرے کے متعلق اس کی جرح کیونکر احاطہ قبول میں آئے گی؟ ازدی کی جرح غیر مقبول ہونے کی نسبت ہم بہت بسط سے اپنے رسالہ "العرجون القديم" (ص: 32
٥٦) میں لکھ چکے ہیں۔ نیز اس کی کچھ تفصیل آپ کے نمبر (٤٧) عبدالحمید بن ابی اویس کی جرح کے جواب میں آئے گی۔ یہاں پر مختصر یہ کہ حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"وقال الأزدي: منكر الحديث غير مرضي، ولا عبرة بقول الأزدي لأنه هو ضعيف، فكيف يعتمد في تضعيف الثقات؟" انتهى. ❸

یعنی ازدی نے احمد کو جو منکر الحدیث کہا ہے، یہ قابل تسلیم نہیں، نہ ازدی کے قول کا (جرح میں کچھ) اعتبار ہے، اس لیے کہ ازدی بذات خود ضعیف ہے، پس ثقات کی تضعیف میں کیونکر اس پر اعتماد کیا جائے گا؟''

اس سے ایک امر اور بھی معلوم ہوا کہ احمد ثقات سے ہے، اب صریح عبارات سنئے!

یہی علامہ حافظ تقریب میں لکھتے ہیں: "صدوق من العاشرة"

اور علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کی نسبت فیصلہ کرتے ہیں: "قلت: قد وثقه أبو حاتم" یعنی ابوحاتم

---

❶ تهذيب التهذيب (١/ ١٥)

❷ دیکھیں: الرفع والتكميل (ص: ١٠٠)

❸ هدي الساري (ص: ٣٨٦) نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم يلتفت أحد إلى هذا القول بل الأزدي غير مرضي" (تهذيب التهذيب: ١/ ٣١)

نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

خلاصہ میں ہے:" قال أبو حاتم: ثقة صدوق " یعنی ابو حاتم نے احمد کو ثقہ اور صدوق کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"وثقه أبو حاتم الرازي، وقال ابن عدي: وثقه أهل العراق، وكتب عنه علي بن المديني " انتهى .

اور تهذيب التهذيب جلد اول میں لکھتے ہیں:

" قال أبو حاتم: صدوق، وقال ابن عدي: قبله أهل العراق ووثقوه، وكتب عنه علي بن المديني، وذكره ابن حبان في الثقات، "انتهى . ❶

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ابو حاتم رازی نے ان کو صدوق اور ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اہل العراق نے ان کو مقبول اور ثقہ کہا ہے اور ابن المدینی نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ راوی بھی ثقات سے ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (۷)" **أحمد بن صالح أبو جعفر المصري (ابن الطبری)**: قال النسائي: ليس بثقة ولا بمأمون، وقال النسائي أيضا: تركه محمد بن يحيىٰ، ورماه يحيىٰ بن معين بالكذب، وقال معاوية بن صالح عن ابن معين: أحمد بن صالح كذاب "

ترجمہ:" نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ اور الزام سے محفوظ نہیں ہیں اور نسائی نے یہ بھی کہا کہ ان کو محمد بن یحییٰ نے چھوڑ دیا اور یحییٰ بن معین نے ان کو کذب کی طرف منسوب کیا ہے اور معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا کہ احمد بن صالح بڑے جھوٹے ہیں۔" ایضاً

أقول: آپ نے یہاں تحقیق سے بالکل کام نہیں لیا، نسائی نے أحمد بن صالح (ابن الطبری) پر جو کلام کیا ہے، اس میں ان کو دھوکہ ہوا ہے اور وہ یہ ہے جس کو حافظ ابن حجر "تقريب التهذيب" میں لکھتے ہیں:

"وجزم ابن حبان بأنه إنما تكلم في أحمد بن صالح الشموني، فظن النسائي أنه على ابن الطبري " انتهى. ❷

یعنی ابن حبان نے بالجزم یہ کہا ہے کہ اصل میں احمد بن صالح شمونی پر کلام کیا گیا تھا، نسائی نے وہ جرح ان ابن الطبری پر گمان کر لی۔"

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٤٨) تهذيب التهذيب (١/ ٣٦) هدي الساري (ص: ٤٤٦) تقريب التهذيب (ص: ٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٦)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٨٠) نیز دیکھیں: الثقات لابن حبان (٨/ ٢٥)

سمجھ گئے جناب یا نہیں؟ سنئے! خود علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

" آذى النسائي نفسه بكلامه فيه، قال ابن عدي: كان النسائي سيء الرأي فيه،" انتهى. ❶

یعنی نسائی نے ابن الطبری پر کلام کر کے اپنے نفس کو ایذا دی ہے، ابن عدی نے کہا کہ نسائی احمد بن صالح کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے۔

اب ذرا اس کو تفصیل سے سنئے، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"وأما النسائي فكان سيء الرأي فيه، (كذا في تهذيب التهذيب لابن حجر ج١) فاستند النسائي في تضعيفه إلى ما حكاه عن يحيىٰ بن معين، وهو وهم منه، حمله على اعتقاده سوء رأيه في أحمد بن صالح ...... وهو أنه كان أحمد بن صالح لا يحدث أحدا حتى يسأل عنه، فلما أن قدم النسائي مصر، جاء إليه، وقد صحب قوما من أهل الحديث لا يرضاهم أحمد، فأبىٰ أن يحدثه فذهب النسائي...... إلى قوله: وشرع يشنع عليه، وما ضره ذلك شيئاً (كذا في تهذيب التهذيب ج١) وقال ابن حبان: ما رواه النسائي عن يحيىٰ بن معين في حق أحمد بن صالح فهو وهم، وذلك أن أحمد بن صالح الذي تكلم فيه ابن معين هو رجل آخر غير ابن الطبري، وكان يقال له: الأشمومي، وكان مشهورا بوضع الحديث، وأما ابن الطبري فكان يقارب ابن معين في الضبط والإتقان (كذا في التهذيب) فتبين أن النسائي انفرد بتضعيف أحمد بن صالح بما لا يقبل،" انتهى ملخصاً. ❷

ان ساری عبارات ، جو ہدی الساری اور انہیں کے ہم معنی تہذیب التہذیب میں ہیں، کا خلاصہ یہ ہے کہ نسائی احمد بن صالح کے بارے میں بری رائے والے تھے، نسائی نے ان کی تضعیف میں ابن معین سے جو حکایت بیان کی ہے، یہ ان کا وہم ہے، اس بات پر نسائی کو بد اعتقادی نے برانگیختہ کیا، جو ان کو احمد کی طرف سے تھی، وہ یہ کہ احمد بن صالح جب تک کسی کے پورے حالات سے واقف کار نہ ہوجاتے اس کو حدیث نہیں بیان کرتے تھے، جب نسائی مصر میں آئے، تو احمد بن صالح کے پاس بھی حاضر ہوئے، قبل ازیں نسائی ان اہلحدیثوں کی صحبت میں تھے، جن سے احمد بن صالح کچھ ناراض تھے، اس لئے احمد نے نسائی کو حدیث بیان نہیں کی، پس نسائی اس ضد میں احمد بن صالح پر تشنیع (ان کی برائی بیان) کرنے لگے، جس سے احمد کا کوئی نقصان نہیں، ابن حبان نے یہ کہا ہے کہ نسائی نے ابن معین سے احمد کے بارے میں جو روایت کیا ہے، اس میں ان سے وہم ہوا ہے، وہ یہ کہ ابن معین نے جس احمد کے بارے میں

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٢٤١) نیز دیکھیں: الكامل لابن عدي (١/ ١٨٠)

❷ هدي الساري (ص: ٣٨٦) تهذيب التهذيب (١/ ٣٤)

کلام کیا ہے، وہ اشمومی ہے، جومشہور وضاعِ حدیث اور یہ احمد ابن الطبری ہے، یہ ضبط واتقان (ثقاہت) میں ابن معین کے برابر ہے۔

غرض یہ بات ظاہر ہے کہ نسائی کا تنہا احمد بن صالح الطبری کی تضعیف کرنا غیر مقبول ہے۔

اگرچہ اس سے ان کی ثقاہت صاف ثابت ہوگئی، لیکن اب صریح لفظوں میں سنیے:

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: "ثقة حافظ من العاشرة"[1] یعنی یہ ثقہ اور حافظ ہیں۔

علامہ صفی الدین "خلاصہ" میں لکھتے ہیں: 34

"أحد كبار الحفاظ بمصر، وثقه أحمد و يحيىٰ وابن المديني وأبو حاتم وجماعة، قال أبو نعيم: ما قدم علينا أحد أعلم بحديث أهل الحجاز من هذا الفتى"[2]

(كذا في تهذيب التهذيب: ج ١)

یعنی احمد بن صالح مصر کے کبار حفاظ سے ہیں، ان کو احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابن المدینی اور ابوحاتم بلکہ ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے اور ابونعیم نے کہا کہ اہل حجاز کی احادیث کو ان (احمد بن صالح الطبری) سے زیادہ جاننے والا ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔

خود امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"الحافظ الثبت، أحد الأعلام، قال البخاري: أحمد بن صالح ثقة، ما رأيت أحدا يتكلم فيه بحجة. (كذا في تهذيب التهذيب ج١) وقال أبو حاتم والعجلي وجماعة: ثقة." ملخصاً[3]

"یعنی احمد بن صالح حافظ ثقہ ہیں، امام بخاری نے خود کہا ہے کہ احمد بن صالح ثقہ ہے، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان میں دلیل کے ساتھ کوئی کلام کرتا ہو اور ابوحاتم، عجلی اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"أحد أئمة الحديث الحفاظ المتقنين الجامعين بين الفقه والحديث، أكثر عنه البخاري و أبوداود، واعتمده الذهلي في كثير من أحاديث أهل الحجاز، ووثقه أحمد بن حنبل ويحيىٰ بن معين فيما نقله عنه البخاري وعلي بن المديني وابن نمير والعجلي وأبو حاتم الرازي (كذا في التهذيب) وآخرون، وأحمد بن صالح إمام ثقة، وقال ابن عدي: كان النسائي ينكر عليه أحاديث، وهو من الحفاظ المشهورين بمعرفة الحديث، (كذا في

---

[1] تقريب التهذيب (ص: ٩)

[2] الخلاصة للخزرجي (ص: ٧) نیز دیکھیں: تهذيب التهذيب (١/ ٣٤)

[3] ميزان الاعتدال (١/ ٢٤١)

التهذيب ج۱) وقال صالح جزرة: لم يكن بمصر أحد يحفظ الحديث غير أحمد بن صالح، وكان يذاكر بحديث الزهرى ويحفظه، (كذا في التهذيب ج۱) ويؤيد ما نقلناه أولا عن البخاري أن يحيىٰ بن معين وثق أحمد بن صالح بن الطبري" انتهى ملخصاً .[1]

خلاصہ یہ ہے کہ احمد بن صالح ائمہ حدیث، حفاظ متقنین اور فقہ و حدیث کے جامعین سے ہیں، امام بخاری اور ابو داود نے ان سے بہت سی روایات لی ہیں اور ذہلی نے ان کی بہت سی احادیث پر، جو اہل حجاز سے ہیں، اعتماد کیا ہے اور امام احمد بن حنبل، ابن معین، ابن مدینی، ابن نمیر، عجلی، ابو حاتم رازی اور بہت سے لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے، احمد ثقہ امام ہے، ابن عدی نے (تعجباً) کہا ہے کہ نسائی ان کی حدیثوں سے (کیوں) انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ حفاظ مشہورین بمعرفۃ الحدیث سے ہے اور صالح بن محمد نے کہا کہ مصر میں احمد بن صالح کے سوا اور کوئی حافظ حدیث نہیں تھا، یہ زہری کی حدیث کا مذاکرہ کرتے اور اس کو یاد کرتے۔ ہمارے ان لفظوں کی تائید امام بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے، جو ان سے مروی ہے کہ ابن معین نے احمد بن صالح ابن الطبری کو ثقہ کہا ہے۔

بلکہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تهذيب التهذيب میں احمد بن صالح اور احمد بن حنبل دونوں کو ایک درجہ کا ہونا نقل کر کے اتنا اور لکھا ہے:

" قال الخطيب: احتج بأحمد جميع الأئمة إلا النسائي"[2] (ج:۱) 35

یعنی خطیب نے کہا ہے کہ احمد بن صالح ابن الطبری سے تمام ائمہ نے حجت پکڑی ہے، سوا نسائی کے (اسی ضد کی وجہ سے)

حاصل کلام یہ کہ احمد بن صالح ابن الطبری امام الثقات سے ہے، بقیہ ان کے متعلق مفصل بحث میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ٥٠، ٥٤) میں ملاحظہ کریں۔ آگے چلیے:

قوله: (۸)" **أحمد بن عبد الله بن حكيم أبو عبد الرحمن الفرياني المروزي**: قال النسائي: ليس بثقة، وقال أبو نعيم الحافظ: مشهور بالوضع"

"نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہیں اور ابو نعیم حافظ نے کہا کہ حدیث وضع کرنے میں مشہور ہیں۔" ایضاً

أقول: سچ ہے کہ جب انسان کی آنکھ پر تعصب کی پٹی بندھ جاتی ہے، تو اسے کچھ نہیں سوجھتا، جی جناب! اس راوی کا تو جامع صحیح بخاری میں کہیں پتہ ہی نہیں ہے، اگر آپ نکال دیں، تو آج سے اس سوال کا جواب آپ سے کبھی نہیں مانگوں گا کہ "عقل بڑی ہے یا بھینس؟" لہٰذا یہ راوی وضاع ہوا کرے؟

---

[1] هدي الساري (ص: ٣٨٦)

[2] تهذيب التهذيب (١/ ٣٦)

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت ❶

نہ معلوم کہ آپ نے اسے بخاری کا راوی کیونکر سمجھ لیا؟ او ہو! اب معلوم ہوا کہ میزان الاعتدال کی اس عبارت سے آپ کو دھوکہ ہوا ہے:

"وقد رأيت البخاري يروي عنه في كتاب الضعفاء" انتهى ❷

افسوس ! آپ نے اس کا مطلب نہیں سمجھا، ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے اس راوی کو امام بخاری کی کتاب الضعفاء میں دیکھا ہے، بس یہ ضعفاء سے ہوں تو ہمیں کیا؟ کیونکہ امام بخاری نے ان سے اپنی صحیح میں کہیں روایت نہیں کی، چلئے جھگڑا تمام شد۔ ہاں آخر میں ہم آپ کو آپ کی غلطی پر متنبہ کرتے ہیں کہ یہ "فرياني" نہیں بلکہ "فريانانی" ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (۹)" **أسامة بن حفص**: ضعفه أبو الفتح الأزدي، وقال اللالكائي: مجهول "

''ان کو ابوالفتح ازدی نے ضعیف ٹھہرایا اور لالکائی نے کہا کہ یہ مجہول ہیں۔ ایضاً

أقول: واہ جناب! بس عبارت کا چرانا کوئی تم سے سیکھ جائے، آپ نے کیا ہی چالاکی کی ہے کہ میزان الاعتدال سے صرف اس قدر عبارت نقل کر دی، حالانکہ اسی میں وہ آگے اس کا جواب دیتا ہے، اس کو ایسا ہضم کر گئے کہ ڈکار تک نہیں لیا! حالانکہ میزان کی عبارت یوں ہے:

" صدوق، ضعفه أبو الفتح الأزدي بلا حجة "❸

یعنی اسامہ صدوق ہیں، ازدی نے ان کو بغیر دلیل ضعیف کر دیا ہے۔

سنا کہ نہیں جناب! اور ہم احمد بن شبیب (نمبر: ٦١) کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ ازدی خود ضعیف ہے، لہٰذا ثقات کے حق میں اس کی تضعیف قطعاً مقبول نہیں، نیز ہم عبدالحمید (نمبر: ٧٤) کے بیان میں **بالتفصیل** بتلا دیں گے کہ ثقات کی تضعیف کرنا ازدی کی عادت ہے۔ لہٰذا اس کی جرح کبھی مقبول نہیں ہو سکتی، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے تقریب اور علامہ صفي الدين نے خلاصہ میں صاف لکھ دیا ہے:

''صدوق ضعفه الأزدي بلا حجة "❹

36

اور تہذیب التہذیب میں ہے:" قال الذهبي: ضعفه الأزدی بلا حجة " ❺

❶ ہمیں اس بات سے کیا غرض کہ گائے آئی اور گدھا چلا گیا؟!

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٢٤٧)

❸ ميزان الاعتدال (١/ ٢٣٢)

❹ تقريب التهذيب ص: ٣٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢)

❺ تهذيب التهذيب (١/ ١٨١)

دونوں عبارات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسامہ بن حفص صدوق ہے، ازدی نے ان کو بغیر دلیل کے ضعیف کہہ دیا ہے۔

لہٰذا ازدی کا یہ قول پایہ اعتبار سے ساقط ہے، باقی رہی لالکائی کی جرح کہ اسامہ مجہول ہیں۔ تو یہ بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں فرماتے ہیں:

"وقرأت بخط الذهبي في ميزانه: ليس بمجهول."[1]

''یعنی میں نے خاص ذہبی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی میزان میں پڑھا کہ اسامہ مجہول نہیں ہے۔''

پس دونوں جرحیں ساقط ہوئیں اور اسامہ کا ثقہ ہونا واضح ہوا، علاوہ بریں اسامہ سے صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ابو خالد أحمر اور محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی کی متابعت کے ساتھ مروی ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔[2] آگے چلیے:

قوله: (۱۰) **أسباط أبو اليسع:** قال أبو حاتم: مجهول. ''ابوحاتم نے کہا کہ مجہول ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح خود مجہول ہے اس لیے کہ یہ مبہم ہے مفسر نہیں، لہٰذا قابل قبول نہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے، علاوہ ازیں امام بخاری أسباط کی روایت کو متابعت میں لائے ہیں، اصل میں وہ روایت ہشام دستوائی سے ہے، پس یہ روایت جو اسباط سے ہے، مقرون بغیرہ ہے، چنانچہ اس کے مقرون بغیرہ ہونے کو خود امام ذہبی نے میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر نے ہدی الساری اور تہذیب التہذیب جلد اول میں لکھا ہے۔[3]

پس آپ کا اعتراض تب صحیح ہوتا کہ امام بخاری صرف انہیں أسباط کے ساتھ تفرد کرتے، حالانکہ أسباط کی روایت متابعت میں ہے اور جو روایت متابعت میں ہو، اس کا درجہ اکثر اس روایت سے جو اصولاً ہوتی ہے، کم ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ ان کی روایت مقترن ہے، لہٰذا آپ کا اعتراض بھی غلط ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (۱۱) **إسحاق بن محمد بن إسماعيل بن عبد الله:** قال النسائي: ليس بثقة.

''نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔'' ایضاً

أقول: اگرچہ یہ جرح بھی مبہم ہے، لیکن ہم خود اس کی وجہ بیان کر کے جواب دیتے ہیں، نسائی نے ان کو جو غیر ثقہ کہا ہے، اس لیے کہ یہ اسحاق نابینا ہونے کے بعد تکلم اور تلفظ میں غلطی کرتے تھے، گویا یہ نابینا ہونے کے بعد مختلط ہوگئے تھے، اس لیے نسائی نے ان کو ثقہ نہیں کہا، لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ امام بخاری نے ان سے اندھے ہونے سے قبل

---

[1] هدي الساري (ص: ۳۸۹)

[2] هدي الساري (ص: ۳۸۹) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۹۵۲، ۵۱۸۸، ۶۹۷۳)

[3] ميزان الاعتدال (۱/ ۳۲۵) هدي الساري (ص: ۳۸۹) تهذيب المتهذيب (۱/ ۱۸۶) حافظ ابو الحجاج المزی ؒ نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے۔ تهذيب الكمال (۲/ ۳۶۰) نیز دیکھیں: صحيح البخاري (۱۹۶۳، ۲۳۷۳) حافظ ابن حجر ؒ امام ابوحاتم ؒ کے قول ''مجہول'' کے متعلق فرماتے ہیں: "قد عرفه البخاري" (هدي الساري: ۳۸۹)

روایت کی ہے اور اس وقت یہ ثقہ تھے، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"وكأنها مما أخذه عنه من كتابه قبل ذهاب بصره" انتهى. ❶

"یعنی امام بخاری نے اسحاق کی کتاب سے ان کی بینائی جانے کے قبل ہی روایت کی تھی۔"

لہٰذا جب امام بخاری نے ان کی کتاب ہی سے روایت کی ہے، تو نابینا ہونے کے بعد بھی اگر کتاب سے روایت لیتے تو کوئی حرج نہیں تھا، ان کی تمام کتب صحیح ہیں، چنانچہ اس کا ثبوت ذیل کی عبارات سے ہوگا، اب ان کی ثقاہت سنیے!

حافظ ابن حجر تقریب میں ان کو صدوق لکھتے ہیں اور علامہ صفي الدين "خلاصہ" ❷ (مصری) میں لکھتے ہیں: 37

"قال أبو حاتم: صدوق، وكتبه صحيحة."

"یعنی ابو حاتم نے اسحاق کو صدوق کہا ہے اور فرمایا کہ ان کی کتابیں صحیح ہیں۔"

خود علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"وهو صدوق في الجملة، صاحب حديث، قال أبو حاتم: صدوق وكتبه صحيحة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: لا يترك،" انتهى ملخصاً. ❸

"یعنی اسحاق صدوق اور صاحب حدیث ہیں، ابو حاتم نے ان کو صدوق اور ان کی کتابوں کو صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور دارقطنی نے غیر متروک کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"قال أبو حاتم: كان صدوقا، وكتبه صحيحة، والمعتمد فيه ما قاله أبوحاتم." ❹

"یعنی ان کو ابوحاتم نے صدوق اور ان کی کل کتب کو صحیح کہا ہے اور اسحاق کے بارے میں ابو حاتم ہی کا قول معتمد (قابل وثوق) ہے۔" علی ہذا القیاس تہذیب التہذیب جلد اول میں لکھتے ہیں:

"قال أبوحاتم: كان صدوقا، وذكره ابن حبان في كتاب الثقات." ❺

"یعنی ابوحاتم نے ان کو صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ یہ راوی بھی ثقات سے ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (١٢) "**إسرائيل بن موسىٰ**": قال الأزدي: فيه لين.

---

❶ هدي الساري (٣٨٩)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٣٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩)

❸ ميزان الاعتدال (١/ ٣٥١)

❹ هدي الساري (ص: ٣٨٩)

❺ تهذيب التهذيب (١/ ٢١٧)

''ازدی نے کہا کہ ان میں ضعف ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر اسی أزدی کی جرح ہے، جو غیر مقبول ہے، لطف یہ کہ یہاں پر آپ نے عبارت کو اڑا لیا، جس پر ہم پھر کہیں گے: ''ہاں عبارت کا اڑانا کوئی ان سے سیکھ جائے'' علامہ ذہبی کی میزان میں عبارت یوں ہے:

" وشذ الأزدي فقال: فيه لين "❶ یعنی ازدی ان کی تضعیف میں شاذ (منفرد) ہے۔

جس سے خود جرح کا جواب ہوتا ہے۔ کہیے! آپ کی حقیقت کیسی کیسی کھلتی جاتی ہے، پس أزدی کی یہ جرح کبھی مقبول نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"وقال أبو الفتح الأزدي: فيه لين، والأزدي لا يعتمد إذا انفرد، فكيف إذا خالف؟ روى له البخاري وأصحاب السنن إلا ابن ماجه" انتهى . ❷

''یعنی ازدی نے اسرائیل کی جو تضعیف کی ہے (اس کی بابت یاد رکھنا چاہیے) کہ ازدی جب کسی کی جرح میں منفرد ہو تو ہرگز اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، پس کیونکر اس راوی کی بابت اس پر اعتماد کیا جائے گا، جس سے امام بخاری اور ابن ماجہ کے سوا کل اصحاب سنن نے روایت کیا ہے؟''

دیکھئے! ازدی کی جرح نامقبول ہونے کی بابت ہم کس قدر عبارتیں لکھتے جاتے ہیں، ان کو یاد رکھیے گا، باقی کو ہم عبدالحمید (نمبر: ۴۷) کے بیان میں پیش کریں گے، ان شاء اللہ، اب اسرائیل کی ثقاہت سنئے:

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " ثقة من السادسة"

اور خلاصہ میں علامہ صفی الدین نے لکھا ہے: "وثقه أبو حاتم"

اور میزان میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے: "وثقه أبو حاتم وابن معين"

اور حافظ ابن حجر نے هدي الساري میں لکھا ہے: " وثقة ابن معين و أبو حاتم والنسائي وغيرهم"❸ 38

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل کو ابوحاتم، ابن معین، نسائی اور ان کے سوا بہتیروں نے ثقہ کہا ہے۔''

اور یہی حافظ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين وأبوحاتم: ثقة، زاد أبو حاتم: لا بأس به، وقال النسائي: ليس به بأس، قلت: ذكره ابن حبان في الثقات" ❹ (ج ۱)

---

❶ ميزان الاعتدال (۱/ ۳٦٥)

❷ هدي الساري (ص: ۳۹۰)

❸ ميزان الاعتدال (۱/ ۳٦٥) هدي الساري (ص: ۳۹۰) تقريب التهذيب (ص: ۱۰٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۱)

❹ تهذيب التهذيب (۱/ ۲۲۹)

ابن معین اور ابو حاتم نے اسرائیل کو ثقہ کہا ہے اور ابو حاتم اور نسائی نے لا بأس به (ثقہ) کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

حاصل یہ کہ اسرائیل بھی رواۃ ثقات سے ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (۱۳) "**إسماعيل بن أبان الأزدي الكوفي**: كان يتشيع، وروى الحاكم عن الدارقطني أنه قال: ليس عندي بالقوي."

''یہ تشیع کو دخل دیتے تھے اور حاکم نے دارقطنی سے روایت کی کہ دارقطنی نے کہا کہ یہ ہمارے نزدیک قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: ان کی نسبت آپ نے دو جرحیں نقل کی ہیں اور دونوں ساقط ہیں:

۱۔ پہلی جرح ان کے شیعہ ہونے کی ہے اور یہ غلط ہے، اس لیے کہ ''تشیع'' باب ''تفعّل'' سے آیا ہے، جس کی خاصیت تکلف ہے، پس معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ شیعہ نہ تھے، فافھم!

۲۔ دوسری جرح دارقطنی سے ان کے قوی نہ ہونے کی حاکم کی روایت ہے، یہ بھی غلط ہے، اس لیے کہ حاکم کو یہاں پر شبہہ ہوگیا ہے، کیونکہ اسماعیل ازدی کو خود دارقطنی نے ثقہ کہا ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اصل میں دارقطنی نے "إسماعيل بن أبان الغنوي" کو "ليس عندي بالقوي" کہا ہے، حاکم کو ان ازدی پر شبہہ ہوگیا، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں:

"ولهم شيخ يقال له: إسماعيل بن أبان الغنوي، أجمعوا على تركه، فلعله اشتبه به"[1] انتهى.

'' یعنی جس کے ترک پر اجماع ہے، وہ اسماعیل غنوی ہے، صرف ان کا شبہہ ان اسماعیل ازدی پر ہوگیا۔''

اسماعیل ازدی تو ائمہ ثقات سے ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں ''ثقہ'' اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں " وثقه أحمد والبخاري"[2] لکھتے ہیں، دونوں عبارات سے ان کی ثقاہت ثابت ہوتی ہے۔

امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"حدث عنه يحيىٰ وأحمد، وقال البخاري: صدوق".[3]

''یعنی ابن معین اور ابن حنبل نے ان سے حدیث لی ہے اور امام بخاری نے انہیں صدوق کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

---

[1] هدي الساري (ص: ۳۹۰)

[2] تقريب التهذيب (ص: ۱۰۵) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۲)

[3] ميزان الاعتدال (۱/ ۳۶۹)

"وثقه النسائي و مطين وابن معين والحاكم أبو أحمد وجعفر الصائغ والدار قطني" . ❶

یعنی نسائی، مطین، یحییٰ، حاکم، جعفر اور دارقطنی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

نیز تہذیب التہذیب میں بالتفصیل لکھتے ہیں:

"قال أحمد بن حنبل و أحمد بن منصور الرمادي وأبوداود و مطين: ثقة، وقال البخاري: صدوق، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن معين: إسماعيل بن أبان الوراق ثقة، و إسماعيل بن أبان الغنوي كذاب، وقال الدارقطني: ثقة مأمون، وقال ابن الشاهين في 39
الثقات: قال عثمان بن أبي شيبة: إسماعيل بن أبان الوراق ثقة صحيح الحديث، قيل له: فإن إسماعيل بن أبان عندنا غير محمود، فقال: كان هاهنا إسماعيل آخر، يقال له: ابن أبان غير الوراق وكان كذابا، وقال أبو أحمد الحاكم: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن المديني: لا بأس به، وقال جعفر بن محمد بن شاكر الصائغ: حدثنا إسماعيل بن أبان الوراق أبو إسحاق الكوفي وكان ثقة" انتهى ملخصاً. ❷

یعنی اسماعیل ازدی کو ابن حنبل ، ابن منصور ، ابو داود اور مطین نے ثقہ کہا ہے اور امام بخاری نے صدوق، نسائی نے "لا بأس به" اور ابن معین نے کہا ہے کہ اسماعیل وراق (ازدی) ثقہ ہے اور اسماعیل غنوی کذاب ہے اور دارقطنی نے ثقہ مامون اور ابن شاہین نے ثقہ اور عثمان نے ثقہ صحیح الحدیث کہا ہے، عثمان سے کہا گیا اسماعیل بن ابان ہمارے نزدیک ستودہ صفت نہیں ہے، تو عثمان نے کہا کہ وہ اس وراق کے علاوہ دوسرا اسماعیل بن ابان ہے، وہ تو کذاب ہے اور حاکم نے ثقہ اور ابن المدینی نے "لا بأس به" اور جعفر صائغ نے ثقہ کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ راوی بھی ثقات سے ہے۔ ❸ *آگے چلیے:*

قوله: (۱۴) "**إسماعيل بن مجالد بن سعيد:** قال النسائي: ليس بالقوي، وروى الحاكم عن الدار قطني قال: ليس فيه شك أنه ضعيف، وقال السعدي: غير محمود."

"نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور حاکم نے دارقطنی سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی

---

❶ هدي الساري (ص: ۳۹۰)

❷ تهذيب التهذيب (۱/ ۲۳۶)

❸ مذکورہ بالا راوی إسماعیل بن أبان الکوفي پر "تشیع" کی جرح کی گئی ہے، تو یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ متقدمین کے نزدیک "تشیع" کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا تھا، جو حضرت علی ♦ کو حضرت عثمان ♦ پر تفضیل و فوقیت دیتا تھا، دیکھیں: تهذيب التهذيب (۱/ ۹٤) اور یہ کسی راوی کی ثقاہت میں موجبِ جرح امر نہیں ہے، کیونکہ اگر اسے موجبِ جرح گردانا جائے، تو کبار محدثین سلیمان اعمش، شعبہ، عبدالرزاق وغیرہ بھی ایسی جروح سے سلامت نہیں رہیں گے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: میزان الاعتدال (۱/ ۱۱٦) تهذيب التهذيب (۹/ ۲۹)

شک نہیں ہے کہ یہ ضعیف ہیں اور سعدی نے کہا کہ یہ ستودہ صفات نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں بھی دارقطنی سے حاکم کی روایت ویسی ہی ہے، جیسی کہ سابق میں تھی، کیونکہ محتمل ہے، نیز دیگر جرحیں مفسر اور مبین نہیں لہٰذا نا مقبول ہیں، یہ اسماعیل بھی صدوق اور ثقہ ہے، تقریب میں ابن حجر ''صدوق'' لکھتے ہیں [1] اور خلاصہ (مصری) میں ہے:

" قال ابن معين: ثقة، وقال أحمد: ما أراه إلا صدوقاً ". [2]

یعنی ان کو یحییٰ نے ثقہ اور احمد نے صدوق کہا ہے۔

خود میزان ہی میں ہے:

"وثقه ابن معين، وقال البخاري: هو صدوق، وقال أبو زرعة: هو وسط،" انتهى . [3]

''یعنی ابن معین نے ان کو ثقہ اور بخاری نے صدوق اور ابو زرعہ نے متوسط رتبہ والا کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"قال أبو داود: هو أثبت من أبيه، وقال أبو زرعة: هو وسط، وقال أحمد: ما أراه إلا صدوقا، وقال البخاري: صدوق ." ملخصاً [4]

''یعنی ابو داود نے أثبت (ثقہ) ابو زرعہ نے متوسط اور احمد و بخاری نے صدوق کہا ہے۔''

لہٰذا جب یہ امام بخاری کے نزدیک قابل ثبت ہیں تو کسی دوسرے کی جرح سے کیا ہوتا ہے؟

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد اول میں بالتفصيل لکھتے ہیں:

40 "قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ما أراه إلا صدوقا، وعن يحيىٰ بن معين: ليس به بأس، وقال الدوري عنه: ثقة، وقال البخاري: صدوق، وقال أبو داود: هو أثبت من أبيه، ولما ذكره ابن شاهين في الثقات، حكى عن عثمان بن أبي شيبة أنه قال: كان ثقة وصدوقا، وليتني كنت كتبت عنه، كان يحدث عن أبي إسحاق وسماك وبيان، وليس به بأس، وقال ابن عدي: هو خير من أبيه، ويكتب حديثه، وقال ابن حبان في الثقات" انتهى. [5]

---

1. تقريب التهذيب (ص: ٤٥)
2. الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٦)
3. ميزان الاعتدال (١/ ٤٠٦)
4. هدي الساري (ص: ٣٩١)
5. تهذيب التهذيب (١/ ٢٨٥)

یعنی امام احمد نے صدوق اور ابن معین نے لیس به بأس اور ثقہ اور بخاری نے صدوق اور ابوداود نے اَثبت اور ابن شاہین نے ثقہ اور عثمان نے ثقہ وصدوق کہا ہے اور عثمان نے بیان کیا کہ کاش میں اسماعیل سے لکھ لیتا (کچھ حدیث، تو بہتر ہوتا) اور وہ ابو اسحاق، سماک اور بیان سے حدیث بیان کرتا ہے، وہ لیس به بأس ہے اور ابن عدی نے اسے اس کے باپ سے بہتر کہا ہے اور کہا کہ اس کی حدیث لکھی جائے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ [1] آگے چلیے:

قوله: (١٥) **أسيد بن زيد الجمال أبو محمد الكوفي:** كذبه ابن معين، وقال النسائي: متروك، وقال ابن حبان: يروي عن الثقات المناكير، ويسرق الحديث .

''ان کو ابن معین نے جھوٹا کہا اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک ہیں اور ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقہ لوگوں سے ناپسندیدہ اقوال روایت کرتے ہیں اور حدیثوں کا سرقہ کرتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: ابن معین کا ان کو جھوٹا کہنا حد اعتدال سے خارج ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب التهذیب میں لکھتے ہیں:" أفرط ابن معين فكذبه ''اور علامہ صفی الدین ''خلاصہ'' میں لکھتے ہیں:"وقال ابن معين: كذاب، فأفرط"[2]

یعنی ابن معین نے اسید کو جھوٹا کہنے میں افراط سے کام لیا ہے (درحقیقت یہ جھوٹے نہیں ہیں)

بفرض تسلیم اگر یہ ایسے ہی ہیں، جیسا کہ معترض نے لکھا ہے، تو ہم کو مضر نہیں، اس لیے کہ امام بخاری نے جس حدیث کو اسید بن زید سے روایت کیا ہے، وہ بطور متابعت کے ہے، اصل میں امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ عمران بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں اور اس طریق کے سب راوی ثقہ ہیں، اس کے بعد امام بخاری تحویلاً بتاتے ہیں کہ یہ حدیث بطریق اسید بن زید بھی آئی ہے، پس یہ روایت مقرون بغیرہ ہوئی (ملاحظہ ہو تقریب وخلاصہ ومیزان وہدی وتہذیب ج ۱) [3]

---

[1] یہاں بعض امور قابل ذکر ہیں:

۱۔ مذکورہ بالا راوی پر جرح غیر مفسر ہے۔

۲۔ معترض کے ذکر کردہ جارحین میں " السعدی" سے مراد ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی ہیں، دیکھیں: تاريخ بغداد (٦/ ٢٤٦) تهذيب التهذيب (١/ ٣٢٧) اور اہل کوفہ کے حق میں علماء جوزجانی کی جرح کو لائق اعتناء نہیں گردانتے، جیسا کہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:" لا عبرة بحطه على الكوفيين " (ميزان الاعتدال: ١/ ٤، تهذيب التهذيب ١/ ٩٣، ترجمه أبان بن تغلب)

۳۔ امام نسائی کا قول " ليس بالقوي " خفیف جرح ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ نیز دیکھیں: هدي الساري (ص: ٣٨٦) (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

[2] تقريب التهذيب (ص: ١١٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨)

[3] ميزان الاعتدال (١/ ٢٥٦) هدي الساري (ص: ٣٩١) تهذيب التهذيب (١/ ٣٠١) تقريب التهذيب (ص: ١١٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨)

آپ کا اعتراض تب صحیح ہوتا کہ امام بخاری صرف انہیں اسید کے ساتھ تفرد کرتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، پس آپ کا اعتراض محض لغو ہوا۔ مفصل متابعت کی بحث ثابت (نمبر:۲۲) کے بیان میں آئے گی، اسید کی بابت بقیہ بحث میرے رسالہ "العرجون القدیم"(ص: ۵۷) میں ملاحظہ ہو۔ آگے چلئے:

41 **قوله**: (۱۶) **أیوب بن عائذ الکوفي**: أما أبو زرعة فأورد اسمه في کتاب الضعفاء، وکان من المرجیة، قاله البخاری، وأورده في الضعفاء لإرجائه، والعجب من البخاري یغمزه وقد احتج به!.

''لیکن ابوزرعہ نے پس ان کے نام کو کتاب الضعفاء میں درج کیا ہے اور یہ مرجیہ تھے، اس کو بخاری نے کہا اور مرجیہ ہونے کے سبب بخاری ان کو ضعفاء میں لائے اور تعجب ہے بخاری سے کہ ان پر چشمک کرتے ہیں اور حالانکہ ان سے حجت پکڑی ہے۔'' ایضاً

أقول: کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ امام بخاری نے ان کو خود ''صدوق'' کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو: هدي الساري و تهذیب ج۱) [1] جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے جب ان سے روایت لی تھی، تو یہ مرجیہ نہ تھے بعد کو ہوگئے، جس کی وجہ سے ان کو امام بخاری ہی نے اپنی کتاب الضعفاء میں درج کر دیا، علاوہ بریں امام بخاری نے ایوب کی روایت کو شعبہ کی متابعت کے ساتھ ذکر کیا ہے، لہٰذا مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا۔ اب ایوب کی ثقاہت گوش گزار فرمایئے! حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبو حاتم" اور میزان الاعتدال میں خود ذہبی لکھتے ہیں: " وثقه أبو حاتم وغیره، وعند مسلم له حدیث " [2]

یعنی ایوب ثقہ ہیں، ابوحاتم وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، نیز امام مسلم نے بھی ان سے روایت لی ہے۔

هدي الساري میں ہے:

" وثقه ابن معین وأبو حاتم والنسائي والعجلي وأبوداود، وقال البخاري: صدوق" انتهی. [3]

یعنی ایوب کو ابن معین، ابوحاتم، نسائی، عجلی اور ابوداود نے ثقہ کہا ہے، امام بخاری نے صدوق کہا ہے۔

دیکھو جناب! اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حافظ تهذیب التهذیب میں لکھتے ہیں:

"وقال الدوري عن یحییٰ: ثقة، وقال أبو حاتم: ثقة صالح الحدیث صدوق، وقال النسائي: ثقة، وقال ابن حبان في الثقات، وقال أبو داود: لا بأس به، وفي روایة: ثقة،

---

1. هدي الساري (ص: ۳۹۲) تهذیب التهذیب (۱/ ۳۵۵)
2. میزان الاعتدال (۱/ ۱۲٤) تقریب التهذیب (ص: ٥٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۷)
3. هدي الساري (ص: ۳۹۲)

وقال ابن المديني: حدثنا سفيان حدثنا أيوب بن عائذ وكان ثقة، وقال العجلي: كوفي تابعي ثقة" انتهى ملخصاً . (ج ١) ❶

''یعنی ایوب کو یحییٰ نے بروایت دوری ثقہ اور ابو حاتم نے ثقہ صالح الحديث صدوق اور نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابو داود نے لا بأس به اور ثقہ اور ابن المدینی نے بروایت سفیان ایوب کو ثقہ اور عجلی نے کوفی و تابعی و ثقہ کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ایوب بن عائذ بھی ثقات سے ہے۔ ایوب کی بابت مفصل بحث میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ٥٥-٥٦) میں ملاحظہ ہو۔ ❷ آگے چلئے:

قوله: (١٧) **أحمد بن عيسىٰ المصري:** إن أبا داود روى عن يحيىٰ بن معين أنه حلف بالله أنه كذاب .

''تحقیق روایت کی ابو داود نے یحییٰ بن معین سے کہ تحقیق انہوں نے خدا کی قسم کھائی ہے کہ یہ بڑا جھوٹا ہے۔'' ایضاً 42

أقول: ممکن ہے کہ ابن معین نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا ہو، اس لیے کہ حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:"تكلم فيه بلا حجة" اور هدي الساري میں لکھتے ہیں:" قال الخطيب: لم أر لمن تكلم فيه حجة" اور تهذيب التهذيب (ج:١) میں فرماتے ہیں:" قال: ما رأيت لمن تكلم فيه حجة" اور علامہ صفی الدین ''خلاصہ'' میں لکھتے ہیں:" قال الخطيب: لم أر لمن تكلم فيه حجة " اور علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:" وقال الخطيب: ما رأيت لمن تكلم فيه حجة توجب ترك الاحتجاج بحديثه "❸

گویا سب یک زبان ہو کر خطیب سے نقل کرتے ہیں کہ احمد بن عیسیٰ کے بارے میں جس نے کلام کیا ہے، وہ بے دلیل ہے، علاوہ بریں اگر احمد ایسے ہی ہوں تو چنداں مضر نہیں، کیونکہ امام بخاری نے احمد بن عیسیٰ سے تین مقام پر روایت لی ہے، لیکن کہیں ان کے ساتھ تفرد نہیں کیا، پہلی روایت تو بمتابعت اصبغ لائے ہیں، دوسری جگہ مقرون بہ سفیان ہے، تیسرے مقام میں ابن المبارک کی متابعت ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر نے هدي الساري میں لکھا ہے: " فما أخرج له البخاري شيئا تفرد به "❹ یعنی امام بخاری نے ان سے ایسی کوئی روایت نہیں کی ہے، جس میں

---

❶ تهذيب التهذيب (١/٣٥٥)

❷ لہٰذا جب صحیح بخاری میں ایوب بن عائذ کی روایت شعبہ کی متابعت کے ساتھ مروی ہے، تو یہ قول " قد احتج به" (یعنی امام بخاری نے اس سے احتجاج کیا ہے) درست نہیں ہے۔ فافہم!

❸ تاريخ بغداد (٤/ ٢٧٢) ميزان الاعتدال (١/ ١٢٦) هدي الساري (ص: ٣٨٧) تهذيب التهذيب (ص: ١/ ٥٦) تقريب التهذيب (ص: ١٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١١)

❹ هدي الساري (ص: ٣٨٧)

ان کے ساتھ تفرد کیا ہو۔ پس کوئی اعتراض نہیں رہا، لیجئے لگے ہاتھ ہم ان کی ثقاہت بھی سنا دیں:

حافظ ابن حجر تقریب میں ''صدوق'' لکھتے ہیں اور خلاصہ میں ہے: " قال النسائي: ليس به بأس، قال الذهبي: ولم أجد له حديثا منكرا " یعنی نسائی نے ان کو لا بأس به کہا ہے اور ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا۔

چنانچہ میزان الاعتدال کی عبارت یہ ہے:

" هو موثق، قال النسائي: ليس به بأس، قلت: قد احتج به أرباب الصحاح، ولم أر له حديثاً منكرا" انتهى. ❶

''یعنی احمد ثقہ ہیں، نسائی نے لا بأس به کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ ان سے صحاح والوں نے حجت پکڑی ہے اور میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی۔''

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد اول میں لکھتے ہیں:

"قال النسائي: ليس به بأس، قلت: ليس في حديثه شيء من المناكير، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى. ❷

''یعنی نسائی نے ان کو ليس به بأس کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی حدیث میں مناکیر سے کچھ نہیں ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ بھی ثقات سے ہے، اس کا باقی جواب میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ٥٤) میں ملاحظہ کریں۔ آگے چلیے:

قوله: (١٨) **أيوب بن سليمان بن هلال**: قال أبو الفتح الأزدي: يحدث بأحاديث لا يتابع عليها.

'' ابوالفتح ازدی نے کہا کہ یہ نامقبول حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: پھر آپ نے ازدی کی جرح پیش کی! حالانکہ بار بار گزرا کہ اس کی جرح غیر مقبول ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " لينه الأزدي بلا دليل"❸ اور هدي الساري میں لکھتے ہیں: " والأزدي لا يعرج على قوله "❹ یعنی ازدی نے بلا دلیل ان پر جرح کی ہے، اس کے قول کا اعتبار نہیں۔ 43

❶ ميزان الاعتدال (١/ ١٢٦)

❷ تهذيب التهذيب (١/ ٥٦)

❸ تقريب التهذيب (ص: ١١٨)

❹ هدي الساري (ص: ٣٩٢)

سنا کہ نہیں جناب! کتنی دفعہ لکھوں؟ نمبر (۷۴) کے جواب کا انتظار کریں اور ان کا ثقہ ہونا ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں " ثقة " اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن حبان" اور هدي الساري میں ہے: "وثقة أبو داود والدارقطني و ابن حبان "❶

تینوں عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایوب ثقہ ہیں، ان کو ابن حبان، ابوداود اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:"ذكره ابن حبان في الثقات، وقال البخاري: لا بأس به ."❷

''یعنی ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد اول میں لکھتے ہیں:

" قال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال الحاكم عن الدارقطني: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى.❸

''یعنی ابو داود نے بروایت آجری ان کو ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے بروایت حاکم ان کو لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ یہ راوی بھی ائمہ ثقات سے ہے۔ ہاں آپ کو آپ کی غلطی بتا دیتا ہوں کہ آپ نے ''سليمان بن ہلال'' لکھا ہے، چاہیے: سليمان بن بلال بالباء الموحدة تھا۔ آگے چلیے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٣٩٢) تقريب التهذيب (ص: ١١٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٣)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ١٨٧)

❸ تهذيب التهذيب (١/ ٣٥٣)

حرف الباء

44

قوله: (١٩) **بدل بن المحير أبو المنير اليربوعي البصري**: روى الحاكم عن أبي الحسن الدارقطني: ضعيف .

''حاکم نے ابوالحسن دارقطنی سے روایت کی کہ یہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر بھی آپ حسب دستور میزان کے آگے کی عبارت ہضم کر گئے ہیں، جس میں آپ کا جواب تھا اور ایک غلطی بھی کی ہے، غلطی یہ ہے کہ آپ نے "محير" لکھا ہے، جو غلط ہے، صحیح "محبر ۔بالباء الموحدة" ہے۔ ہاں میزان میں آگے کی عبارت یہ ہے:

"قلت: هذا عجب، فقد قال أبو حاتم: هو أرجح من بهز وغيره "[1] یعنی دارقطنی کا ان کو ضعیف کہنا ایک تعجب کی بات ہے، کیونکہ ابوحاتم نے ان کو فلاں فلاں سے بھی اَرجح بتایا ہے۔

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ہدي الساري میں دارقطنی کی اس تضعیف کی نسبت لکھا ہے:

" قلت: هو تعنّت "[2] یعنی یہ عیب جوئی اور بدگوئی ہے۔

لہٰذا مجھے پھر کہنا پڑا کہ۔ ع۔

سچ عبارت کو چھپانا کوئی تم سے سیکھ جائے

اب ان کی ثقاہت صریح لفظوں میں سنو! حافظ ابن حجر تقریب میں: " ثقة ثبت " اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں: " قال أبو حاتم: صدوق " لکھتے ہیں،[3] یعنی یہ ثقہ اور ثبت ہیں اور ابوحاتم نے ان کو صدوق کہا ہے اور میزان الاعتدال میں ہے: " قال أبو حاتم: صدوق، و قال أبو زرعة: ثقة "اور ہدي الساري میں ہے: " وثقه أبو زرعة و أبو حاتم وغيرهما " خلاصہ یہ کہ ابوحاتم نے ان کو صدوق اور ثقہ اور ابوزرعہ وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے

تهذيب التهذيب میں ہے:

" قال أبو زرعة: ثقة، وقال أبو حاتم: صدوق، قال ابن عبد البر: هو عندهم ثقة حافظ،

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٣٠١)

❷ هدي الساري (ص: ٣٩٢)

❸ تقريب التهذيب (ص: ١٢٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٥٤)

وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. (ج ۱) ❶

''یعنی ابو زرعہ نے بدل کو ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن عبدالبر نے کہا کہ بدل محدثین کے نزدیک ثقہ حافظ ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ ❷ آگے چلیے:

قوله: (۲۰) **بريد بن عبد الله بن أبي بردة**: قال أحمد: يروي مناكير، وقال الفلاس: لم أسمع يحيىٰ و عبد الرحمن يحدثان عنه بشيء قط.

'' احمد نے کہا یہ نامقبول حدیثیں روایت کرتے ہیں اور فلاس نے کہا کہ ہم نے یحییٰ اور عبدالرحمٰن کو کبھی ان سے حدیث روایت کرتے نہیں سنا۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی بالکل مبہم اور اس کے اسباب غیر مبین ہیں، اس لیے مقبول نہیں ہوسکتی، بلکہ برید ثقہ روات سے ہے، حافظ ابن حجر نے تقریب میں ''ثقہ'' اور علامہ صفی الدین نے خلاصہ میں: " وثقه العجلي وابن عدي " لکھا ہے، ❸ یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو عجلی اور ابن عدی نے ثقہ کہا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے:

" وثقه ابن معين والعجلي، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، وقال النسائي: ليس به بأس" انتهى. ❹ 45

''یعنی اس کو ابن معین اور عجلی نے ثقہ کہا ہے، ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔''

---

❶ تهذيب التهذيب (۱/ ۳۷۱)

❷ بدل بن محبر پر امام دارقطنی کے علاوہ کسی نے جرح نہیں کی اور ان کی جرح مطلق نہیں بلکہ مقید ہے، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت: فبدل بن المحبر؟ قال: ضعيف، حدث عن زائدة بحديث لم يتابع عليه " (سؤالات الحاكم للدارقطني: ۱۹۰) معلوم ہوا کہ زائدہ سے ایک حدیث بیان کرنے میں غلطی پر امام دارقطنی نے مذکورہ بالا جرح کی ہے، جو صرف زائدہ سے حدیث بیان کرنے کے متعلق ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقة ثبت إلا في حديثه عن زائدة " (تقريب التهذيب: ۱۲۰) کیونکہ بدل بن محبر نے ایک حدیث بیان کرنے میں زائدہ کے اوثق شاگرد **حسين بن علي الجعفي** کی مخالفت کی ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا راوی کا ضعف صرف مذکورہ حدیث کی بنا پر ہے، جو اس نے زائدہ سے روایت کی ہے، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بدل بن محبر کی صرف شعبہ بن حجاج سے دو مقام پر روایت بیان کی ہے، انھوں نے بدل بن محبر کی زائدہ سے کوئی روایت بیان نہیں کی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ کو موردِ اعتراض ٹھہرانا سراسر جہالت کا کرشمہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ۳۹۲) تهذيب التهذيب (۱/ ۳۷۱)

❸ تقريب التهذيب (ص: ۱۲۱) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٧)

❹ ميزان الاعتدال (۱/ ۳۰۵)

حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" وثقه ابن معين والعجلي والترمذي و أبو داود، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، وقال ابن عدي: صدوق، وأحاديثه مستقيمة، قلت: احتج به الأئمة كلهم،" انتهى ملخصاً. ❶

یعنی برید کو ابن معین، عجلی، ترمذی اور ابوداود نے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے ليس به بأس کہا ہے اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور ابن عدی نے صدوق اور ان کی حدیثوں کو مستقیم کہا ہے اور ان سے کل ائمہ محدثین نے روایت کیا ہے۔

اس سے ذرا تفصیل سے حافظ تهذيب التهذيب میں لکھتے ہیں:

"قال ابن معين والعجلي: ثقة، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن عدي: روى عنه الأئمة، وأحاديثه عندي مستقيمة، وهو صدوق، وقال الترمذي في جامعه: وبريد كوفي ثقة في الحديث، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال ابن حبان في الثقات" انتهى ملخصاً. ❷

"یعنی ابن معین اور عجلی نے برید کو ثقہ اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور نسائی نے ليس به بأس اور ابن عدی نے ان کو صدوق اور مستقیم الحدیث اور ان سے کل ائمہ کے روایت کرنے کا ذکر کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں برید کوفی کو ثقہ فی الحدیث اور ابو داود نے بروایت آجری ان کو ثقہ اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❸

آگے چلیے: ایں! حرف التاء ندارد؟۔ ❹

---

❶ هدي الساري (ص: ٣٩٢)

❷ تهذيب التهذيب (١/ ٣٧٧)

❸ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام احمد کے ذکر کردہ الفاظ "يروي مناكير" کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "احتج به الأئمة كلهم، وأحمد وغيره يطلقون المناكير على الأفراد المطلقة" نیز فرماتے ہیں: " قلت: المنكر أطلقه أحمد بن حنبل وجماعة على الحديث الفرد الذي لا متابع له، فيحمل هذا على ذلك " (هدي الساري : ٣٩٢، ٤٣٧)

❹ حرف تاء میں سے کوئی راوی نہیں ملا؟!

حرف الثاء

46

قوله: (٢١) **ثابت بن عجلان:** ذكره العقيلي في كتاب الضعفاء، وقال: لا يتابع في حديثه.
''عقیلی نے ان کا کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور کہا کہ ان کی حدیث قابل پیروی نہیں ہے۔'' ایضاً

أقول: آپ نے اسی میزان میں ذرا سا آگے بڑھ کر ابوالحسن قطان کا تعاقب نہیں دیکھ لیا، جو انھوں نے عقیلی کے اس قول پر کیا ہے، سنیے! ذہبی لکھتے ہیں:

" قال أبو الحسن القطان: قول العقيلي أيضا فيه تحامل عليه "

یعنی ابوالحسن نے کہا کہ عقیلی کا قول ثابت کے بارے میں محض تحامل و تساہل ہے۔

اسی کو حافظ ابن حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں:

وقال العقيلي: لا يتابع في حديثه، وتعقب ذلك أبو الحسن القطان بأن ذلك لا يضره" انتهى.

''یعنی عقیلی نے جو کہا ہے کہ ثابت کی حدیث قابل متابعت نہیں ہے، اس پر ابوالحسن نے تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قول سے ثابت کا کچھ نقصان نہیں۔''

یعنی اس کی ثقاہت میں فرق نہیں آئے گا، بلکہ ثابت کی ثقاہت تمام کتب اسماء الرجال میں موجود ہے، تقریب میں ہے: "صدوق من الخامسة "❶ خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين"❷ اور میزان میں ہے:

" وثقه ابن معين، وقال أبو حاتم: صالح، قال دحيم: ليس به بأس، وقال النسائي: ثقة" ❸

اور ہدي الساري میں ہے: " وثقه ابن معين و دحيم، وقال أبو حاتم والنسائي: لا بأس به " ❹

اور تہذیب التہذیب جلد دوم میں ہے:

" قال ابن معين: ثقة، وقال دحيم والنسائي: ليس به بأس، وقال أبوحاتم: لا بأس به صالح الحديث" انتهى ملخصاً . ❺

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ١٣٢)
❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٥٦)
❸ ميزان الاعتدال (١/ ٣٦٤)
❹ هدي الساري (ص: ٣٩٤)
❺ تهذيب التهذيب (٢/ ٩)

''ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ثابت صدوق ہے۔ ان کو ابن معین نے ثقہ، ابو حاتم نے لا بأس به اور صالح الحدیث اور دحیم نے ثقہ اور لیس به بأس اور نسائی نے ثقہ اور لا بأس به کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ ثابت بن عجلان ثقات سے ہے۔[1] آگے چلئے۔

قوله: (٢٢) **ثابت بن محمد الكوفي**: قال الحاكم: ليس بضابط، ومع كون البخاري حدث عنه في صحيحه ذكره في الضعفاء.

''حاکم نے کہا کہ حدیثوں کو ہوشیاری سے نگاہ رکھنے والے نہیں ہیں اور باوجود اس کے کہ بخاری نے ان کی حدیث اپنے صحیح میں روایت کی ہے، لیکن پھر بھی ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ایضاً

أقول: چونکہ علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں: "واحتج به البخاري"[2] یعنی بخاری نے ان کو قابل حجت جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام بخاری نے ان سے روایت لی تھی، تو یہ قابل حجت تھے، بعد ازاں ان میں کسی قسم کی خرابی من جهة الاختلاط وغیرہ آنے کی وجہ سے ضعفا میں ذکر کر دیا۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ علاوہ بریں امام بخاری ثابت کی روایت متابعتاً لائے ہیں۔ اصل میں امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ قبیصہ سے روایت

47 کرتے ہیں اور اس اسناد میں سب راوی ثقہ ہیں،[3] اس کے بعد ثابت کی روایت متابعتاً ذکر کر دی ہے اور امام بخاری

---

1. امام عقیلی رحمہ اللہ نے ایک حدیث میں تفرد پر ثابت بن عجلان کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "لا يتابع عليه" (الضعفاء: ١/ ١٧٥) یہ عمومی جرح نہیں ہے، مزید برآں امام ابن القطان رحمہ اللہ مذکورہ بالا راوی پر تین مختلف جروح کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

١۔ امام ابن عبدالحق اشبیلی کے قول "لا يحتج به" کے متعلق رقم طراز ہیں: "قول لم يقله غيره فيما أعلم"

٢۔ امام عقیلی کے قول "لايتابع على حديثه" کے متعلق لکھتے ہیں: "وهذا من العقيلي تحامل عليه، فإنه يمس بهذا من لا يعرف بالثقة، فأما من عرف بها، فانفراده لا يضره إلا أن يكثر ذلك منه"

بعد ازاں انھوں نے مؤلف رحمہ اللہ کے ذکر کردہ ائمہ محدثین کے اقوالِ توثیق نقل کیے ہیں۔

٣۔ "وما روي عن أحمد بن حنبل أنه سئل...... أكان ثقة؟ فسكت۔ لا يقضي عليه منه، لأنه قد يسكت لأنه لا يعرف حاله، ومن علم حجة على من لم يعلم، وقد يسكت لأنه لم يستحق عنده أن يقال فيه: ثقة، وليس إذا لم ينحل اسم الثقة فهو ضعيف، بل قد يكون صدوقا وصالحا ولا بأس به، وألفاظ أخر من مصطلحاتهم، ولما ذكره ابن عدي لم يذكر له من الحديث إلا أحاديث يسيرة من روايته ولم يمسه بشيء ...... والحق أن من عرف بالطلب، وأخذ الناس عنه، ونقل ناقلون حسن سيرته بتفصيل أو بإجمال، بلفظ من الألفاظ المصطلح عليها، مقبول الرواية ۔" (بيان الوهم والإيهام لابن القطان: ٥/ ٣٦٤)

2. ميزان الاعتدال (١/ ٣٦٦)

3. دیکھیں: هدي الساري (ص: ٣٩٤) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٦) قبل الحديث (٢٤٦٠٣) رقم الحديث (١٢٣٢، ٣٣٣١) رقم الحديث (١٠٦٩، ٧٠٠٤) لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول "واحتج به البخاري" درست نہیں ہے۔

کا یہ اصول نہیں ہے کہ جس حدیث کو متابعتاً بیان کریں، وہ بھی ان کی شرط کے مطابق ہو، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو روایت متابعتاً ہوتی ہے، اس کا درجہ اس روایت سے، جو اصولاً ہوتی ہے، کم ہوتا ہے، اسی لیے تو علامہ عینی حنفی عمدۃ القاري میں لکھتے ہیں:

"ويدخل في المتابعة والاستشهاد رواية بعض الضعفاء" انتهى. ❶

''یعنی متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیفوں کی روایت بھی داخل ہوجاتی ہے۔''

پس ثابت کے ضعیف ہونے سے بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا، حالانکہ درحقیقت ثابت ضعیف نہیں ہیں، بلکہ کتب اسماء الرجال میں ان کو ثقہ لکھا ہے، تقریب میں ہے: " صدوق زاهد " خلاصہ میں ہے: " وثقه مطين" میزان میں ہے:" قال أبو حاتم: صدوق، ووثقه مطين " اور هدي الساري میں ہے:" وثقه مطين وصدقه أبو حاتم" ❷

تهذيب التهذيب جلد دوم میں ہے:

" قال أبو حاتم: صدوق... أزهد، وقال محمد بن عبد الله الحضرمي: كان ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، ملخصاً ❸

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ثابت صدوق زاہد ہیں، ان کو مطین نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق زاہد اور محمد حضرمی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ثابت بھی ثقات سے ہے، ان کا باقی بیان اور ان کے متعلق جرح کا جواب میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٥٨) میں ملاحظہ فرمائیں۔ ❹ آگے چلیے:

قوله: (٢٣) **ثور بن زيد الديلي**: اتهمه محمد بن البرقي بالقدر .

''ان کو محمد بن برقی نے قدریہ ہونے کے ساتھ متہم کیا ہے'' ایضاً

أقول: محمد بن برقی نے جو ان پر تہمت لگائی ہے، وہ ان پر ثور بن یزید کا شبہہ ہونے کی بنا پر ہے، ❺ ورنہ حقیقت میں ثور بن زید پر کسی نے بھی اتہام نہیں رکھا، افسوس آپ نے میزان کے آگے کی عبارت کو ملاحظہ نہ

❶ عمدة القاري (١/ ٨)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٣٦٦) هدي الساري (ص: ٣٩٤) تقريب التهذيب (ص: ١٣٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٥٧)

❸ تهذيب التهذيب (٢/ ١٣)

❹ معترض کی نقل کردہ اس بات " مع كون البخاري حدث عنه في صحيحه ذكره في الضعفاء " کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں:" وذكره البخاري في الضعفاء وأورد له حديثا وبيّن أن العلة فيه من غيره" (تهذيب التهذيب : ٢/ ١٣) نیز دیکھیں: التاريخ الكبير للبخاري (٢/ ١٧٠)

❺ کیونکہ ثور بن یزید شامی مشہور قدری تھا، اسی کے متعلق امام ذہبی ﷫ فرماتے ہیں: " كان من أوعية العلم لولا بدعته" نیز امام ذہبی ﷫ نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ثور بن یزید نے امام اوزاعی ﷫ کی طرف مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا، تو امام ←

فرمایا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:" وكأنه شبه عليه بثور بن يزيد "❶ یعنی محمد بن برقی کو ثور بن یزید کا ان ثور پر شبہہ ہوگیا ہے، جن کا بیان آگے آتا ہے، ان ثور بن زید کی بابت تو ابن عبدالبر نے کہا ہے:" لم يتهمه أحد " یعنی ان پر کسی نے کسی بات کی تہمت نہیں لگائی۔ ملاحظہ ہو: ہدي الساري❷ بلکہ ثور ثقہ ہے، تقریب میں ہے:" ثقة من السادسة" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين " اور میزان میں ہے:"شيخ ثقة وثقه ابن معين، وقال أحمد: صالح الحديث "❸

یعنی ثور بن زید ثقہ ہے، ان کو ابن معین نے ثقہ اور احمد نے صالح الحدیث کہا ہے۔

هدي الساري میں ہے:

"وثقه ابن معين وأبو زرعة والنسائي وغيرهم، وقال ابن عبد البر: صدوق، واحتج به الجماعة " ملخصاً ❹

"یعنی ان کو ابو زرعہ و ابن معین ونسائی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور عبدالبر نے صدوق کہا ہے اور ان سے کل جماعت محدثین نے حجت پکڑی ہے۔"

48

اور تہذیب التہذیب جلد دوم میں ہے:

"قال أحمد وأبو حاتم: صالح الحديث، وقال ابن معين وأبو زرعة والنسائي: ثقة، وقال ابن عبد البر: هو صدوق، ولم يتهمه أحد، وذكره ابن حبان في الثقات"❺ انتهى ملخصاً.

"یعنی احمد اور ابو حاتم نے صالح الحدیث اور ابن معین اور ابو زرعہ اور نسائی نے ثقہ کہا ہے اور ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں اور ان کو کسی نے تہمت نہیں دی اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا

← اوزاعی رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ آگے کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:" يا ثور ! لوكانت الدنيا لكانت المقاربة، ولكنه الدين! " یعنی اے ثور! اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا، تو ہم میں قربت پیدا ہوسکتی تھی، لیکن یہ تو دین ہے! (سير أعلام النبلاء: ٦/ ٣٤٥)

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٣٧٣)

❷ هدي الساري (ص: ٣٩٤) نیز دیکھیں: التمهيد لابن عبد البر (٢/ ١) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" قلت: لم يتهمه ابن البرقي ولم يشتبه عليه، وإنما حكى عن مالك أنه سئل كيف رويت عن داود بن الحصين وثور بن زيد وذكر غيرهما، وكانوا يرون القدر؟ فقال: كانوا لأن يخروا من السماء إلى الأرض أسهل عليهم من أن يكذبوا۔" (هدي الساري: ٣٩٤، تهذيب التهذيب: ٢/ ٢٩) نیز امام ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" أن مالكا روى أيضا عن ثور بن يزيد الشامي فلعله سئل عنه " (تهذيب التهذيب: ٢/ ٢٩)

❸ ميزان الاعتدال: (١/ ٢٧٢) تقريب التهذيب (ص: ١٣٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٥٨)

❹ هدي الساري (ص: ٣٩٤)

❺ تهذيب التهذيب (٢/ ٢٩)

ہے۔''[1] آگے چلئے:

قوله: (٢٤) **ثور بن يزيد الكلاعي:** قال أحمد بن حنبل: كان ثور يرى القدر، وكان أهل حمص نفوه وأخرجوه، وقال أبو مسهر عن عبد الله بن سالم قال: أدركت أهل حمص وقد أخرجوا ثورا وأحرقوا داره لكلامه في القدر.

''احمد بن حنبل نے کہا کہ ثور قدریہ تھے اور اہل حمص نے ان کو نکال دیا تھا اور ابومسہر نے عبداللہ بن سالم سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ نے کہا کہ ہم اہل حمص کے پاس پہنچے اور حال یہ تھا کہ ان لوگوں نے ثور کو نکال دیا تھا اور ان کے گھر کو بوجہ قدریہ ہونے کے جلا دیا تھا۔'' ایضاً

أقول: ان حکایات میں احتمال ہے کہ صحیح ہیں یا غلط، اس لیے کہ ثور بن یزید کے بارے میں علامہ ذہبی ابن معین کا قول میزان میں نقل کرتے ہیں: ''وقال ابن معين: ما رأيت أحدا يشك أنه قدري''[2]

اور حافظ ابن حجر ہدي الساري میں دحیم کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

''وقال دحيم: ما رأيت أحدا شك أنه قدري ''[3]

''یعنی ابن معین اور دحیم نے کہا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے ثور بن یزید کے بارے میں شک بھی کیا ہو کہ یہ قدری ہیں۔''

چہ جائیکہ ان کی نسبت بالیقین کہا جائے، لہٰذا وہ حکایات مرفوعہ فی الاعتراض محتاج سند صحیح ہیں، ورنہ بوجہ احتمال کے باطل! ہاں ثور بن یزید کو ثقہ سبھی نے لکھا ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: '' ثقة ثبت ''[4] یعنی یہ ثقہ اور ثبت ہیں، علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

''أحد الحفاظ الأ ثبات العلماء، قال ابن معين: مارأيت شاميا أوثق منه .''[5]

''یعنی ثور بن یزید حفاظ أثبات علماء سے ہے، ابن معین نے کہا کہ میں نے کسی شامی کو ان سے زیادہ ثقہ نہیں دیکھا۔''

---

[1] امام مالک ﷫، جن کی طرف تہمتِ قدر لگانے کی نسبت کی گئی تھی، کی بابت امام ابن معین ﷫ فرماتے ہیں: '' ثور بن زيد ثقة، يروي عنه مالك ويرضاه '' (تاريخ ابن معين، رواية الدوري۔ برقم: ٩١٩) نیز امام احمد بن حنبل ﷫ فرماتے ہیں: '' هو صالح الحديث، روى عنه مالك '' اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن عبدالبر ﷫ فرماتے ہیں: ''كأنه يقول حسبك برواية مالك عنه'' (التمهيد: ٢/ ١)

[2] ميزان الاعتدال (١/ ٣٧٤)

[3] هدي الساري (ص: ٣٩٤)

[4] تقريب التهذيب (ص: ١٣٥)

[5] الخلاصة للخزرجي (ص: ٥٨)

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

”أحد الحفاظ، وقال ابن معين: هو صحيح الحديث، وقال دحيم: ثور ثبت.“ ❶

”یعنی ثور بن یزید حفاظ سے ہیں، ابن معین نے ان کو صحیح الحدیث کہا ہے اور دحیم نے ثور کو ثبت (ثقہ) کہا ہے۔“

ہدي الساري میں ہے:

” اتفقوا على تثبته في الحديث، وقال يحيىٰ القطان: ما رأيت شاميا أثبت منه، احتج به الجماعة .“❷

”یعنی محدثین نے حدیث میں ان کے تثبت (ثقاہت) پر اتفاق کیا اور یحییٰ نے کہا ہے کہ میں نے کسی شامی کو ان سے زیادہ ثبت (ثقہ) نہیں دیکھا ہے اور ان سے ساری جماعت محدثین نے حجت پکڑی ہے۔“ 49

اگرچہ ان کی ثقاہت میں اسی قدر کلام کافی تھا، لیکن ہم آپ کو ذرا مزید تفصیل سے سنانا چاہتے ہیں، غور سے سنئے گا، حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

”قال ابن سعد: كان ثقة في الحديث، وقال أحمد: حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا إبراهيم ابن سعد عن محمد بن إسحاق قال: حدثني ثور بن يزيد الكلاعي، وكان ثقة، وعده دحيم في أثبات أهل الشام، وقال عثمان الدارمي عن دحيم: ثور بن يزيد ثقة، ما رأيت أحداً يشك أنه قدري، وهو صحيح الحديث حمصي، وقال يعقوب بن سفيان: سمعت أحمد بن صالح، وذكر رجال الشام فقال: وثور بن يزيد ثقة، وقال عمرو بن علي عن يحيىٰ بن سعيد: ما رأيت شاميا أوثق من ثور بن يزيد، وقال علي عن يحيىٰ أيضاً: كان ثور عندي ثقة، وقال وكيع: ثور كان صحيح الحديث، وقال عيسىٰ بن يونس: كان ثور من أثبتهم، وقال أيضا: جيد الحديث، وقال سفيان الثوري: خذوا عن ثور، وقال عبد اللّٰه بن أحمد عن أبيه: لم يكن به بأس، وقال عباس الدوري عن يحيىٰ بن معين : ثور بن يزيد ثقة، وقال محمد بن عوف والنسائي: ثقة، وقال أبو حاتم: صدوق حافظ، وقال ابن عدي بعد أن روى له أحاديث: وقد روى عنه الثوري ويحيىٰ القطان وغيرهما من الثقات ووثقوه، ولا أرى بحديثه بأسا، وهو مستقيم الحديث صالح، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: شامي ثقة، وقال الساجي: صدوق، و قال

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٣٧٤)

❷ هدي الساري (ص:٣٩٤)

فيه أحمد: ليس به بأس" انتهى ملخصاً. ❶

''خلاصہ یہ کہ ثور کو ابن سعد نے ثقہ اور احمد نے ثقہ اور دحیم نے ثبت (ثقہ) اور عثمان نے ثقہ اور دحیم نے صحیح الحدیث اور احمد بن صالح نے ثقہ اور یحییٰ بن سعید نے ثقہ اور یحییٰ نے بروایت علی ثقہ اور وکیع نے صحیح الحدیث اور عیسیٰ نے اُثبت (ثقہ) اور جید الحدیث اور امام احمد نے لم يكن به بأس اور یحییٰ نے بروایت عباس ثقہ اور محمد بن عوف اور نسائی نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق و حافظ اور ابن عدی نے بروایت یحییٰ و ثوری ثقہ اور لا بأس بحديثه اور مستقیم الحدیث اور صالح اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ اور ابن حبان نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور ساجی نے صدوق اور اُحمد نے ليس به بأس کو کہا ہے۔

کہیے جناب! ان کی ثقاہت اور بھی سنیے گا کہ بس کروں......؟ ❷ اچھا آ گئے چلئے:

---

❶ تهذيب التهذيب (٢/ ٣١)

❷ ائمہ محدثین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ثور بن یزید کی قدریت اور ضبط وثقاہت ایک مسلمہ امر ہے، البتہ ثور بن یزید کے متعلق یہ بھی مروی ہے:" قال أبو زرعة : أخبرنا منبه بن عثمان قال: قال رجل لثور بن يزيد: يا قدري ! قال ثور: لئن كنت كما قلت، إني لرجل سوء، ولئن كنت على خلاف ما قلت، إنك لفي حل ـ" (تاريخ أبي زرعة الدمشقي)

حرف الجيم

50

قوله: (٢٥) **جعيد بن عبد الرحمن:** شذ الأزدي، فقال: فيه نظر .

''صرف ازدی نے کہا ہے کہ ان میں نظر ہے۔'' ایضاً

أقول: آپ جرح نقل کرتے ہیں یا اپنا جواب آپ ہی دیتے ہیں؟ اے جناب! یہ جرح تو نہیں ہوئی، بلکہ خود آپ کا جواب ہوگیا کہ صرف اَزدی نے ایسا کہا ہے، اور اَزدی کی بابت بار ہا مختلف عبارت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ یہ خود ضعیف ہے۔ [1] لہٰذا اس کی جرح کسی کے حق میں مقبول نہیں، خصوصاً جب یہ متفرد ہو۔ (ملاحظہ ہو: نمبر ٦، ٩، ١٢، ١٨)اور (نمبر: ٢٧) کا انتظار کریں بلکہ یہ جعید (جس کو جعد بھی کہتے ہیں) ائمہ ثقات سے ہے، تقریب میں ہے:" ثقة من الخامسة" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين" اور میزان الاعتدال میں ہے:"صدوق، شذ الأزدي فقال: فيه نظر " اور ہدي الساري میں ہے:" وثقه ابن معين وغيره " [2]

خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جعید (یا جعد) ثقہ ہے اور صدوق ہے، ابن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ازدی نے جو کہا ہے کہ ان میں نظر ہے، اس میں ازدی متفرد ہے (لہٰذا غیر مقبول!)

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين والنسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى. [3]

''یعنی ابن معین اور نسائی نے جعید کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ بھی رواۃ ثقات سے ہے۔ چلئے ایک ہی میں جھگڑا تمام شد۔ ہاں! آگے چلئے:

---

[1] دیکھیں: هدي الساري (ص: ٣٨٦)

[2] ميزان الاعتدال (١/ ٤٢٠) هدي الساري (ص: ٣٩٥) تقريب التهذيب (ص: ١٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٦٢)

[3] تهذيب التهذيب (٢/ ٦٩)

حرف الحاء

51

قوله: (٢٦) **حاتم بن إسماعيل المدني:** قال النسائي: ليس بالقوي، وقال أحمد: زعموا أنه كان فيه غفلة.

''نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور احمد نے کہا کہ لوگوں نے زعم کیا ہے کہ ان میں غفلت ہے۔'' ایضاً

أقول: نسائی نے خود ان کو لا بأس به کہا ہے، جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا، پس معلوم ہوا کہ نسائی نے آخر میں اپنے سابق قول ''ليس بالقوي'' سے رجوع کیا ہے۔ [1] باقی رہا لوگوں کا زعم! اس کی بابت صرف یہ کافی ہے:

﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ [يونس: ٣٦]

حقیقت میں حاتم ثقہ ہے، تقریب میں ہے: ''صحيح الكتاب صدوق '' اور خلاصہ میں ہے: '' كان ثقة مأموناً كثير الحديث '' اور میزان الاعتدال میں ہے: '' ثقة مشهور صدوق، ووثقه جماعة '' [2]

خلاصہ سب کا یہ ہے کہ حاتم صحیح الکتاب، صدوق، ثقہ، مشہور، مامون اور کثیر الحدیث ہیں، ان کو ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے۔

هدي الساري میں ہے:

'' وثقه ابن معين والعجلي وابن سعد، قال النسائي: ليس به بأس، قلت: احتج به الجماعة '' [3]

اور تهذيب التهذيب جلد دوم میں ہے:

''قال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن سعد، كان ثقة مأمونا كثير الحديث، ذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: ثقة،'' ملخصاً. [4]

حاصل کلام یہ کہ ابن معین اور عجلی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ اور مامون اور کثیر الحدیث اور نسائی نے ليس به

---

[1] امام نسائی کے پہلے قول '' ليس بالقوي '' کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ راوی حفظ و ضبط کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہیں ہے، یہ لفظ راوی کے ضبط کی کلیتاً نفی نہیں کرتا، اس لیے یہ جرح مضر نہیں، امام نسائی کے دوسرے قول '' ليس به بأس '' کا مطلب یہ ہے کہ راوی حسن الحدیث ہے، اس لئے دونوں اقوال میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں۔

[2] ميزان الاعتدال (١/ ٤٢٨) تقريب التهذيب (ص: ١٤٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢)

[3] هدي الساري (ص: ٣٩٠)

[4] تهذيب التهذيب (٢/ ١١٠)

بأس اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان سے کل جماعت صحاح نے حجت پکڑی ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (۲۷) **حرب بن شداد اليشكري**: كان يحيىٰ القطان لا يحدث عنه، وقال بعضهم: فيه لين .

''یحییٰ قطان ان سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان میں ضعف ہے۔'' ایضاً

أقول: بعضوں کا ان کو ضعیف کہنا محض بے دلیل ہے، اگر آپ اس کی وجہ پیش کر سکتے ہیں تو لائیں، ورنہ تسلیم کریں، اور یحییٰ جو ان سے روایت نہیں لیتے، تو حرب پر اس میں کوئی جرح نہیں ہے، اس لیے کہ دیگر لوگ تو ان سے روایت لیتے ہیں، حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

"وقال عمر بن علي: كان يحيىٰ لا يحدث عنه، وكان عبد الرحمن يحدث عنه." [1]

مطلب یہ کہ اگر یحییٰ ان سے روایت نہیں لیتے تھے، تو عبدالرحمٰن تو روایت لیتے تھے۔

پس ان پر کوئی جرح نہیں رہی۔ ہاں آپ کو ان کی ثقاہت بھی سنا دوں، تقریب میں ہے: " ثقة من السابعة" اور خلاصہ میں ہے، " وثقه أحمد " اور میزان میں ہے: " وثقه أحمد، وقال ابن معين: صالح، احتج به أصحاب الصحاح كلهم " [2]

یعنی حرب ثقہ ہیں، ان کو احمد نے ثقہ اور ابن معین نے صالح الحدیث کہا ہے اور ان سے کل صحاح ستہ والوں نے روایت لی ہے۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

" قال عبد الصمد: حدثنا حرب بن شداد، وكان ثقة، وقال ابن معين وأبو حاتم: صالح، قلت: وذكره ابن حبان في الثقات" ملخصاً . [3] 52

''یعنی عبدالصمد نے حرب کو ثقہ اور ابن معین اور ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (۲۸) **حسان بن إبراهيم الكرماني**: قال النسائي: ليس بالقوي .

''نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: ممکن ہے کہ نسائی کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہو، تاہم یہ جرح خفی اور مبہم ہونے کی بدولت مقبول نہیں

---

[1] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۹۷)

[2] ميزان الاعتدال (۱/ ٤٧٠) تقريب التهذيب (ص: ١٥٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٧٤)

[3] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۹۷)

ہوسکتی، اگر ہم نسائی کی یہ جرح تسلیم بھی کر لیں، تو ان کا شذوذ بھی ماننا ہوگا، کیونکہ محدثین کی ایک جماعت ان کو ثقہ کہہ رہی ہے، لہٰذا اس کثرت کے مقابل میں تنہا امام نسائی کا قول احاطہ تسلیم میں ہرگز نہیں آئے گا۔ چنانچہ ہم حسان کی ثقاہت نقل کرتے ہیں، تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "وثقه أحمد وأبو زرعة" میزان میں ہے: وثقه أحمد وغيره، وقال أبو زرعة: لا بأس به. ❶

"یعنی حسان صدوق ہیں، ان کو احمد اور ان کے سوا دیگر نے ثقہ اور لا بأس به کہا ہے۔"

هدي الساري میں ہے:

"وثقه ابن معين وعلي بن المديني، وقال ابن عدي: وهو عندي من أهل الصدق." ❷

"یعنی ان کو ابن معین اور ابن المدینی نے ثقہ اور ابن عدی نے صدوق کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ثانی میں لکھتے ہیں:

" قال حرب الكرماني: سمعت أحمد يوثق حسان بن إبراهيم، ويقول: حديثه حديث أهل الصدق، وقال عثمان الدارمي وغيره عن ابن معين: ليس به بأس، وقال المفضل الغلابي عن ابن معين: ثقة، وقال أبو زرعة: لا بأس به، وقال ابن المديني: كان ثقة، وقال ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. ❸

یعنی امام احمد نے بروایت حرب کرمانی حسان کو ثقہ اور صدوق اور ابن معین نے بروایت عثمان وغیرہ ليس به بأس اور یحییٰ نے بروایت مفضل ثقہ اور ابوزرعہ نے لا بأس به اور ابن مدینی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔" ❹ آگے چلیے:

قوله: (٢٩) **الحسن بن بشر البجلي**: قال ابن خراش: منكر الحديث، وقال النسائي: ليس بالقوي .

"ابن خراش نے کہا کہ ان کی حدیثوں سے لوگوں نے انکار کیا ہے اور نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: ابن خراش کا بالعموم ان پر منکر الحدیث کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ انھوں نے مناکیر صرف زہیر ہی سے روایت کی ہیں، نہ کہ عموماً سب سے۔

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٤٧٧) تقريب التهذيب (ص: ١٥٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٧٥)

❷ هدي الساري (ص: ٣٩٦)

❸ تهذيب التهذيب (٢/ ٢١٤)

❹ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: "له في الصحيح أحاديث يسيرة توبع عليها" (هدي الساري: ٣٩٦) یعنی اس راوی کی صحیح بخاری میں چند احادیث ہیں جن کی متابعات بھی موجود ہیں۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حافظ ابن حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں: " روى عن زهير أشياء مناكير "[1]
یعنی حسن نے زہیر سے مناکیر چیزیں روایت کیں ہیں۔

اور صحیح بخاری میں جو حسن سے حدیث ہے، وہ بواسطہ زہیر نہیں ہے اور نہ امام بخاری ہی نے اس حسن کے ساتھ تفرد کیا ہے، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" فلم يخرج عنه من أفراده شيئاً، ولا من أحاديثه عن زهير التي استنكرها أحمد"

''یعنی امام بخاری نے نہ تو ان کے اُفراد سے کچھ اخراج کیا، نہ ان کی ان احادیث کو لائے ہیں، جو بواسطہ زہیر ہیں، جنہیں احمد نے منکر کہا ہے۔''

پس صحیح بخاری پر کوئی اعتراض نہیں رہا۔ علاوہ بریں ابن عدی نے صاف لفظوں میں ابن خراش کی تردید کر دی 53
ہے، حافظ ابن حجر اسی ہدي الساري میں لکھتے ہیں: " وقال ابن عدي: ليس هو بمنكر الحديث"[2] یعنی حسن منکر الحدیث نہیں ہے، چلئے قصہ تمام شد۔ اب ان کی ثقاہت سنئے، تقریب میں ہے: صدوق، اور خلاصہ میں ہے: "قال أبو حاتم: صدوق " اور میزان میں ہے: " قال أبو حاتم وغيره: صدوق، ووثقه ابن نمير" اور هدي الساري میں ہے: " قال أحمد: ما أرىٰ كان به بأس، وقال أبو حاتم: صدوق"[3] خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ حسن صدوق ہیں، ان کو ابو حاتم اور ان کے علاوہ دوسروں نے صدوق اور ابن نمیر نے ثقہ اور امام احمد نے لا بأس به کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

"قال أحمد: ما أرى كان به بأس في نفسه، وقال أبو حاتم: صدوق، وقال ابن عدي: ليس هو بمنكر الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، ووثقه مسلمة بن قاسم الأندلسي"[4] انتهى ملخصاً .

''یعنی احمد نے لا بأس به اور ابو حاتم نے صدوق اور ابن عدی نے غیر منکر الحدیث اور ابن حبان نے ثقہ اور مسلمہ اندلسی نے ثقہ کہا ہے۔[5] آگے چلئے:

---

1. هدي الساري (ص: ٣٩٧)
2. الكامل لابن عدي (٢/ ٣٢٠)
3. ميزان الاعتدال (١/ ٤٨١) هدي الساري (ص: ٣٩٦) تقريب التهذيب (ص: ١٥٨) الخلاصة للخزرجي (ص:٧٦)
4. تهذيب التهذيب (٢/ ٢٢٣)
5. معترض کے ذکر کردہ جارح ابن خراش کے متعلق مولانا امیر علی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " قلت: ابن خراش متفوه لا يلتفت إليه" (تعقيب التقريب: ١٠٣) نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ ابن خراش کے متعلق لکھتے ہیں: " جهلة الرافضة لم يدروا الحديث ولا السيرة ولا كيف ثم فأما أنت أيها الحافظ البارع الذي شربت بولك إن صدقت في الترحال فما عذرك عند الله مع خبرتك بالأمور، فأنت زنديق معاند للحق فلا رضي الله عنك، مات ابن خراش إلى غير رحمة الله سنة ثلاث وثمانين ومائتين " (تذكرة الحفاظ: ٢/ ٦٨٥) نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ابن خراش مذكور بالرفض والبدعة فلا يلتفت إليه " (هدي الساري: ٤٣١) نیز دیکھیں: لسان الميزان (١/ ١٦)

قوله: (٣٠) **الحسن بن ذكوان**: ضعفه ابن معين و أبو حاتم، وقال النسائي: ليس بالقوي، وقال ابن معين: قدري .

''ان کو ابو حاتم اور ابن معین نے ضعیف کہا اور نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں اور ابن معین نے کہا کہ یہ قدریہ ہیں۔'' ایضاً

أقول: ہم پہلے تمہید میں لکھ چکے ہیں کہ جرح حقیقت میں وہ ہوتی ہے جس کے کل اسباب بالتفسیر بیان کیے گئے ہوں اور یہاں یہ امر مفقود بلکہ عنقا ہے، لہٰذا ہم اسے جرح نہیں کہہ سکتے، نیز جو راوی امام بخاری کے نزدیک قابل حجت ہو، اس پر کسی دوسرے کی جرح غیر مسموع اور نا مقبول ہے، کچھ نہیں تو ہم آپ کو حسن بن ذکوان کی ثقاہت سنا دیں: تقریب میں ہے: '' صدوق '' اور خلاصہ میں ہے:'' قال ابن عدي: لا بأس به '' [1]

یعنی یہ صدوق ہیں اور ابن عدی نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

'' وهو صالح الحديث، وقال ابن عدي: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات،'' [2] انتهى.

''یہ حسن صالح الحدیث ہے، ابن عدی نے ان کو لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ثانی میں لکھتے ہیں:

'' وقال ابن عدي: وأرجو أنه لا بأس به (كذا في هدي الساري) وذكره ابن حبان في الثقات، '' [3] ملخصاً .

''یعنی ابن عدی نے ان کو لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

لعل فيه كفاية لمن له دراية۔ [4] آگے چلیے:

قوله: (٣١) **الحسن بن مدرك البصري**: كذبه أبو داود، وروىٰ أبوعبيد عن أبي داود قال: الحسن بن مدرك كذاب .

---

[1] تقريب التهذيب (ص: ١٦١) الخلاصة للخزرجي (ص: ٧٨)

[2] ميزان الاعتدال (١/ ٤٨٩)

[3] تهذيب التهذيب (٢/ ٢٤١) نیز دیکھیں: الكامل لابن عدي (٢/ ٣١٧) الثقات لابن حبان (٦/ ١٦٣)

[4] شاید عقلمند کے لیے اسی میں کفایت ہو! نیز مذکورہ بالا راوی کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' روىٰ له البخاري حديثا واحدا في كتاب الرقاق...... ولهذا الحديث شواهد كثيرة'' (هدي الساري: ٣٩٧) علاوہ ازیں حسن بن ذکوان سے یحییٰ القطان یہ حدیث بیان کرتے ہیں اور وہ صرف ثقہ راوی سے ہی حدیث لیا کرتے تھے۔ (تهذيب التهذيب: ١١/ ٢١٩)

''ترجمہ ان کو ابو داود نے جھوٹا کہا، اور روایت کی ابو داود سے ابو عبید نے کہ کہا ابو داود نے کہ حسن بن مدرک بڑے جھوٹے ہیں۔'' ایضاً

أقول: ابو داود نے جو حسن کو کذاب کہا ہے، اس کا تعاقب حافظ ابن حجر نے بڑے زوروں سے مقدمہ فتح الباری میں کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ابو داود سے تساہل ہوا ہے، حقیقت میں حسن کذاب نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو: هدي الساري) ❶

اگر ابو داود کی تکذیب تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لی جائے، تو اس کی بابت خود علامہ ذہبی نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جب ابو داود کے سوا تمام لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے، تو تنہا ابو داود کی تکذیب سے ان کا کیا ہوتا ہے؟ لأن ذلك لا يضره شيئا۔ ہاں میزان کی عبارت یہ ہے، '' وثقه غيره '' ❷ یعنی ابو داود کے سوا سب نے ان کی توثیق کی ہے۔ چلئے فیصلہ ہوا، کہیے تو ان کی بھی ثقاہت سنا دوں؟ تقریب میں ہے: '' لا بأس به'' اور خلاصہ میں ہے: ''وثقه أحمد، وقال النسائي: لا بأس به'' اور میزان الاعتدال میں ہے: '' فقال أحمد بن الحسين الصوفي الصغير: كان ثقة '' ❸ یعنی حسن کو احمد نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور احمد بن حسین صوفی نے ثقہ کہا ہے، هدي الساري میں ہے:

'' قال النسائي في أسماء شيوخه: لا بأس به، وقال ابن عدي: كان من حفاظ أهل البصرة.'' ❹

''یعنی نسائی نے لا بأس به اور ابن عدی نے ان کو اہل بصرہ کے حفاظ سے کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد دوم میں لکھتے ہیں:

''قال أحمد بن الحسين الصوفي: كان ثقة، وقال النسائي في أسماء شيوخه: بصري لا بأس به، وقال ابن عدي: كان من حفاظ أهل البصرة، وقال مسلمة بن قاسم الأندلسي:

---

❶ هدي الساري (ص: ٣٩٧) حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: '' قال أبو عبيد الآجري عن أبي داود: كان كذابا، يأخذ أحاديث فهد بن عوف فيقلبها على يحيىٰ بن حماد، قلت: إن كان مستند أبي داود في تكذيبه هذا الفعل، فهو لا يوجب كذبا، لأن يحيىٰ بن حماد وفهد بن عوف جميعا من أصحاب أبي عوانة، فإذا سأل الطالب شيخه عن حديث رفيقه ليعرف إن كان من جملة مسموعه فحدثه به أو لا فكيف يكون بذلك كذابا؟ وقد كتب عنه أبو زرعة وأبو حاتم ولم يذكرا فيه جرحا، وهما ما هما في النقد، وقد أخرج عنه البخاري أحاديث يسيرة من روايته عن يحيىٰ بن حماد مع أنه شاركه في الحمل عن يحيىٰ بن حماد وفي غيره من شيوخه ''

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٥٢٣)

❸ ميزان الاعتدال (١/ ٥٢٣) تقريب التهذيب (ص: ١٦٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٨١)

❹ هدي الساري (ص: ٣٩٧)

هو صالح في الرواية، " ملخصاً . ❶

یعنی احمد صوفی نے حسن کو ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن عدی نے بصرہ والوں کے حفاظ سے اور مسلمہ نے صالح الروایۃ کہا ہے۔❷ آگے چلیے:

قوله: (۳۲) **حميد بن نيرويه الطويل:** قال يحيىٰ بن يعلىٰ المحاربي: طرح زائدة حديث حميد الطويل، وقد أو رده العقيلي وابن عدي في الضعفاء.

"یحییٰ بن یعلی محاربی نے کہا کہ زائدہ نے حمید طویل کی حدیث کو پھینک دیا اور عقیلی اور ابن عدی نے ان کو ضعیفوں میں داخل کیا ہے۔" ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے ایک چالاکی کی ہے کہ حمید کے باپ کا دوسرا غیر معروف نام (بہ تقلید میزان) لکھ دیا ہے، حالانکہ اسماء الرجال کی تمام کتب میں (میزان کے سوا) حمید بن ابی حمید الطّویل کے ساتھ مرقوم ہے اور احادیث میں بھی اکثر یوں ہی آتا ہے، لیکن آپ کی چالاکی آپ کو سودمند نہ ہوئی، کیونکہ آپ نے دوسرے نام کے (جو کہ انھیں حمید کے باپ کے مختلف ناموں میں سے ہے) لکھنے میں غلطی کھائی ہے، جس سے آپ کی چالاکی کافور ہوگئی، وہ یہ کہ آپ 55
نے نیرویہ بالنون لکھا ہے اور اصل میں یعنی صحیح "تیرویہ۔ بالتاء" ہے۔❸ سچ قرآن میں ہے: ﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ [الفاطر: ٤٣] باقی رہی ان کے متعلق جرح کہ ابن عدی وغیرہ نے ان کو ضعفاء میں داخل کیا ہے، سو آپ ذرا تهذيب التهذيب جلد ثالث کو اٹھا کر دیکھیں کہ ابن عدی نے انھیں حمید کی حدیثوں کو کثیرہ اور مستقیمہ کہا ہے، جس سے ایک دوسری بات معلوم ہوئی کہ ابن عدی نے حمید کو ان کی تدلیس کی وجہ سے ضعفاء میں (تغلیباً) ذکر کر دیا ہے،❹ لہٰذا

---

❶ تهذيب التهذيب (٢/ ٢٧٧)

❷ علاوہ ازیں امام ابو داود رحمہ اللہ کے قول "کذاب" سے عرفی معنی میں کذاب مراد نہیں، بلکہ اس (لفظ کذب) سے غلطی اور خطا مراد ہے، جیسا کہ امام ابن الوزیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " إن لفظة كذاب قد يطلقها كثير...... في الجرح على من يهم ويخطئ في حديثه " (الروض الباسم: ١/ ٢٨) اور اہلِ حجاز میں یہ امر معروف تھا کہ وہ خطا پر کذب کا اطلاق کر دیا کرتے تھے، دیکھیں: الثقات لابن حبان (١١٤/٦) نیز امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا يغرنك قول المحدثين فلان كذاب، فقد يطلقون ذلك على من يكذب مخطئا لا متعمدا لأن الحقيقة اللغوية لمسمى الكذب تقتضي أنه كذاب...... الخ (توضيح الأفكار: ٢/ ٣٤٨)

❸ دیکھیں: سير أعلام النبلاء (٦/ ١٦٣) تهذيب التهذيب (٣/ ٣٤)

❹ دیکھیں: الكامل لابن عدي (٢/ ٢٦٨) امام ابن عدی رحمہ اللہ کا کسی راوی کو اپنی کتاب " الكامل في الضعفاء " میں صرف ذکر کر دینا موجب جرح نہیں ہے، کیونکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ بسا اوقات کسی راوی کے دفاع کے لیے بھی اسے اپنی کتاب میں درج کر دیتے ہیں، اور امام ابن عدی رحمہ اللہ کی شرط یہ ہے کہ وہ ہر اس راوی کو اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں، جس پر کسی نے بھی کلام کیا ہو، فرماتے ہیں: " ...... أني شرطت في كتابي هذا أن أذكر فيه كل من تكلم فيه متكلم ـ" (الكامل: ١/ ٨٣) ←

آپ اگر اس کے مدلس ہونے کی جرح لکھتے اور کرتے، تو آپ کا اعتراض ایک حد تک معقول ہوتا، اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل اصول کے نزدیک مدلسین کا صرف عنعنہ مقبول نہیں ہے، ہاں اگر سمعت یا حدثنا وغیرہ سے روایت کریں، تو مقبول ہے، لیکن صحیحین (بخاری ومسلم) میں ان کا عنعنہ بھی مقبول ہے، کیونکہ امام بخاری ومسلم نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ مدلسین کی وہ روایات جو وہ عن سے لائیں گے، سماع پر محمول ہوں گی۔ ❶

اس کے باوجود امام بخاری حمید سے جو روایت لائے ہیں، اس میں سماع کی تصریح موجود ہے اور حمید کی بھی وہی حدیث مقبول ہے، جس میں سماع کی تصریح ہو، حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

" أجمعوا على الاحتجاج بحميد إذا قال: سمعت ." ❷

"یعنی حمید جب سمعت کے ساتھ روایت کرے، تو اس کے ساتھ حجت پکڑنے پر محدثین کا اجماع ہے۔"

اب اس کا بھی ثبوت سنیں کہ امام بخاری نے حمید سے جو روایت بیان کی ہے، اس میں تصریحِ سماع موجود ہے۔ حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"قد اعتنى البخاري في تخريجه لأحاديث حميد بالطرق التي فيها تصريحه بالسماع." ❸

"یعنی امام بخاری حمید کی احادیث کو ان طرق سے لائے ہیں، جن میں سماع کی تصریح موجود ہے۔"

علاوہ بریں امام بخاری پھر بھی حمید کی روایت تفرداً نہیں لائے ہیں، بلکہ متابعتاً لائے ہیں، جیسا کہ اسی ہدي الساري میں عبارت مرقومہ کے بعد ہے: " فذكرها متابعة " اور متابعت میں اگر ضعیف راوی بھی ہو، تو مضائقہ نہیں ہوتا جیسا کہ گزرا۔ اب آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ صحیح بخاری ہر قسم کے الزام سے کیسی صاف اور بری ہے؟!

اب آپ حمید کی ثقاہت سنیں۔ تقریب میں ہے: " ثقة " میزان میں ہے: " ثقة جليل " ❹

یعنی بڑے ثقہ ہیں۔ ہدی الساری میں ہے:

← لہٰذا کسی راوی کا امام ابن عدی کی کتاب الکامل میں فقط مذکور ہونا، موجبِ جرح نہیں ہے، علاوہ ازیں حمید بن أبي حمید کے متعلق فرماتے ہیں: " وحميد له حديث كثير مستقيم فأغنى لكثرة حديثه أن أذكر له شيئا من حديثه وقد حدث عنه الأئمة۔" (الكامل: ٢/ ٢٦٨)

❶ دیکھیں: النكت للزركشي (٢/ ٩٣) تدريب الراوي (١/ ٢٣٠) علامہ عینی ؒ فرماتے ہیں: " لأن معنعنات الصحيحين كلها مقبولة محمولة على السماع" نیز لکھتے ہیں: " أن جميع معنعنات البخاري محمولة على السماع " (عمدة القاري: ٤/ ١٤٧، ١٠/ ١٢٠)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٦١٠)

❸ هدي الساري (ص: ٣٩٩)

❹ ميزان الاعتدال (١/ ٦١٠) تقريب التهذيب (ص: ١٨١)

"مشهور من الثقات المتفق على الاحتجاج بهم، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث،"❶ انتهى.

"یعنی حمید ان مشہور ثقات سے ہیں، جن سے حجت پکڑنے پر سب محدثین کا اتفاق ہے اور ابن سعد نے ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہا ہے۔"

اس سے زیادہ تفصیل سے حافظ تہذیب التہذیب جلد سوم میں لکھتے ہیں:

56 "قال إسحاق بن منصور عن يحيىٰ معين: ثقة، وقال العجلي: بصري ثقة، وقال أبو حاتم: ثقة لا بأس به، وقال ابن خراش: ثقة صدوق، وقال ابن عدي: له أحاديث كثيرة مستقيمة، وقد حدث عنه الأئمة، وقال النسائي: ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الحافظ أبو سعيد العلائي: هو ثقة صحيح،" انتهى ملخصاً.❷

"یعنی یحییٰ نے بروایت اسحاق حمید کو ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور ابو حاتم نے ثقہ لا بأس به اور ابن خراش نے ثقہ اور صدوق اور ابن عدی نے مستقیم الحدیث اور ابن حبان نے ثقہ اور حافظ ابو سعید نے ثقہ کہا ہے۔"

ملاحظہ فرمائیں! کتنی جماعت ان کو ثقہ کہہ رہی ہے؟ ارے! حرف الحاء تمام ہو گیا! اچھا آگے چلئے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٣٩٩)

❷ تهذيب التهذيب (٣/ ٣٤)

حرف الخاء

57

قوله: (۳۳) **خالد بن مخلد القطواني الكوفي:** قال أحمد: له مناكير، وقال ابن سعد: منكر الحديث مفرط في التشيع، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، ولا يحتج به .

''احمد نے کہا کہ ان کی حدیثیں نا مقبول ہیں اور ابن سعد نے کہا کہ ان کی حدیثوں سے لوگوں نے انکار کیا ہے اور یہ سخت شیعہ تھے اور ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیثوں کو لکھنا چاہیے، لیکن اس کو حجت نہیں پکڑنا چاہیے۔'' ایضاً

أقول: *نہ تو یہ سخت شیعہ تھے، نہ ان کی منکر حدیث بخاری میں ہے، حافظ ابن حجر* تهذيب التهذيب *جلد سوم میں لکھتے ہیں:*

وقال العجلي: فيه قليل تشيع. [1] *''یعنی عجلی نے کہا کہ ان میں شیعہ پن بہت کم تھا۔''*

اب ایسے شیعوں سے روایت لینے کے متعلق سنئے، حافظ ابن حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں:

"أما التشيع فقد قدمنا أنه إذا كان ثبت الأخذ والأداء لا يضره ." [2]

''یعنی ایسا شیعہ جو کہ ثابت الأخذ والأداء *ہو، تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہے۔''*

باقی رہا ان کا منکر الحدیث ہونا، تو اس کی بابت حافظ ابن حجر تہذیب میں لکھتے ہیں:

وقال الأزدي: في حديثه بعض المناكير." [3]

''یعنی ان کی حدیثوں میں بعض مناکیر ہیں، کل نہیں۔''

لیکن خیریت سے بخاری میں ان مناکیر سے ایک بھی نہیں ہے، حافظ ابن حجر هدي الساري *میں لکھتے ہیں:*

"وأما المناكير فقد تتبعها ابن عدي من حديثه، وأوردها في كامله، وليس فيها شيء مما أخرج له البخاري". (ملخصاً) [4]

---

[1] تهذيب التهذيب (۳/ ۱۰۱) *نیز دیکھیں:* الثقات للعجلي (۱/ ۳۳۱)

[2] هدي الساري (ص: ٤٠٠)

[3] تهذيب التهذيب (۳/۱۰۱)

[4] هدي الساري (ص: ٤٠٠) *نیز دیکھیں:* الكامل لابن عدي (۳/ ۳٤)

یعنی ابن عدی نے خالد کی کل منا کیر والی احادیث کو تلاش کر کے اپنی کتاب کامل میں جمع کر دیا ہے، اس میں اس روایت کا نام بھی نہیں، جس کو بخاری نے خالد سے اخراج کیا ہے۔
معلوم ہوا کہ صحیح بخاری اس سے مبرا ہے، لہٰذا اس پر کوئی جرح نہیں رہی ، لگے ہاتھ ان کی ثقاہت بھی سن لیں، تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے:

" قال ابن معين: ما به بأس، وقال ابن عدي: لا بأس به عندي "[1]

''یعنی خالد لا بأس به (ثقہ) ہیں۔''

میزان میں ہے:" قال أبو داود: صدوق، وقال يحيىٰ وغيره: لا بأس به" اور ہدي الساري میں ہے:
" قال العجلي: ثقة، وقال صالح جزرة: ثقة، وقال أبو داود: صدوق"[2] مطلب دونوں کا یہ ہے کہ یحییٰ وغیرہ نے لا بأس به (ثقہ) اور عجلی نے ثقہ اور صالح نے ثقہ اور ابوداود نے صدوق کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

"قال الآجري عن أبي داود: صدوق، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ما به بأس، وقال ابن عدي: وهو عندي إن شاء الله لا بأس به، وقال العجلي: ثقة، وكان كثير الحديث، وقال صالح بن محمد جزرة: ثقة في الحديث، وقال الأزدي: هو عندنا في عداد أهل الصدق، وقال ابن شاهين في الثقات قال: عثمان بن أبي شيبة: هو ثقة صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى ملخصاً. [3]

58

''یعنی خالد کو ابو داود نے بروایت آجری صدوق اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابن معین نے بروایت عثمان لا بأس به (ثقہ) اور ابن عدی نے لا بأس به اور عجلی نے ثقہ اور کثیر الحدیث اور صالح جزرہ نے ثقہ فی الحدیث اور أزدی نے صدوق اور ابن شاہین نے ثقہ اور عثمان نے ثقہ وصدوق اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٣٤) **خالد بن مهران الحذاء**: أما أبو حاتم، فقال: لا يحتج به.

''لیکن ابو حاتم نے کہا کہ ان کو دلیل نہیں پکڑنا چاہیے۔'' ایضاً

أقول: ابو حاتم نے تو یہ بھی لکھا ہے، جس کو حافظ ابن حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں:" وقال أبو حاتم: يكتب

---

1. تقريب التهذيب (ص: ١٩٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٠٣)
2. ميزان الاعتدال (١/ ٦٤٠) هدي الساري (ص: ٤٠٠)
3. تهذيب التهذيب (٣/ ١٠١)

حديثه " یعنی ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے، اور کسی سے کتابت کرنا خود حجت گردانا ہے، اس حالت میں ابو حاتم کے ہر دو قول آپس میں معارض ہوتے ہیں۔ [1] لہٰذا ہم باقاعدہ اصول : " إذا تعارضا تساقطا " دونوں متعارض اقوال کو ساقط کر کے دیگر ناقدین کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو بحمداللہ ہم کو خالد کی ثقاہت ملتی ہے، تقریب میں ہے:" وهو ثقة" اور خلاصہ میں ہے:" قال ابن سعد: ثقة، " اور میزان میں ہے:

" الحافظ، أحد الأئمة، قال ابن معين والنسائي: ثقة، وقال أحمد: ثبت"

اور هدي الساري میں ہے: أحد الأثبات، وثقه أحمد و ابن معين والنسائي وابن سعد." [2]

خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ خالد ثقہ، حافظ اور ثبت ہیں، ان کو ابن سعد، ابن معین اور نسائی نے ثقہ اور احمد نے ثقہ اور ثبت کہا ہے۔ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد سوم میں لکھتے ہیں:

"قال الأثرم عن أحمد: ثبت، وقال ابن سعد: قال فهد بن حيان: وكان خالد ثقة مهيبا كثير الحديث، قلت: وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: بصري ثقة،" انتهى ملخصاً. [3]

''یعنی احمد نے بروایت اثرم ثبت اور یحیٰی نے بروایت اسحاق ثقہ اور نسائی نے ثقہ اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور فہد نے بروایت ابن سعد خالد کو ثقہ کثیر الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (٣٥) **خيثم بن عراك:** قال الأزدي: منكر الحديث.

''اَزدی نے کہا کہ ان کی حدیثوں سے لوگوں نے انکار کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں آپ نے لڑکپن کی باتیں کی ہیں، ایک تو راوی کا نام غلط لکھا، دوسرا میزان کی عبارت درمیان سے ہڑپ کر گئے، تیسرا پھر اسی اَزدی کا قول پیش کیا، غلطی یہ کی ہے کہ آپ نے "خيثم" لکھا ہے اور صحیح "خثيم" ہے

---

[1] امام ابو حاتم رحمہ اللہ کے دونوں اقوال باہم متعارض نہیں ہیں، کیونکہ پہلا قول " يكتب حديثه" الفاظ تعدیل سے نہیں ہے اور دوسرا قول " لا يحتج به" خفیف جرح ہے، یہ راوی کی عدالت پر اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا معنی ہے کہ راوی حجت نہیں، اور ''حجت'' درجات توثیق میں اعلیٰ درجہ ہے، اگر کوئی راوی ''ثقہ، حجت'' نہ ہو، تو وہ " صدوق ، حسن الحديث، لا بأس به" وغیرہ ہوسکتا ہے، جس کی روایت مقبول ہوتی ہے، امام ابن معین رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ محمد بن اسحاق حجت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ ثقہ ہیں، حجت تو عبیداللہ بن عمر، مالک بن انس اور اوزاعی جیسے لوگ ہیں۔ (تاريخ بغداد: ١/ ٢٣٢، تهذيب التهذيب : ٤/ ٥٣)

معلوم ہوا کہ کسی راوی کا حجت نہ ہونا، اس کی توثیق وعدالت کے منافی نہیں، لہٰذا امام ابو حاتم کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

[2] ميزان الاعتدال (١/ ٦٣٢) هدي الساري (ص: ٤٠٠) تقريب التهذيب (ص: ١٩١) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٠٣)

[3] تهذيب التهذيب (٣/ ١٠٤)

59

اور میزان کی اصل عبارت یوں ہے:

وقال الأزدي وحده: منكر الحديث. ❶ ''یعنی صرف ازدی ہی نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔''

اور حقیقت میں یہی آپ کا جواب ہے، کیونکہ جب اَزدی اپنے اس قول میں متفرد ہے، تو اس کے قول کا محدثین کے نزدیک جتنا اعتبار ہے، وہ نمبر ۶، ۹، ۱۲، ۱۸، ۲۵ میں گزر چکا ہے اور نمبر (۷۴) میں مفصل آئے گا۔ یہاں بھی کچھ سن لیں، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

''وشذ الأزدي، فقال: منكر الحديث، وما درىٰ أن الأزدي ضعيف، فكيف يقبل منه تضعيف الثقات؟ ''. ❷

''یعنی صرف ازدی ہی نے خثیم کو منکر الحدیث کہا ہے، کیا انھیں (ابن حزم) معلوم نہیں کہ ازدی خود ضعیف ہے، پس اس کی تضعیف بحق ثقات کیونکر مقبول ہوگی؟''

لہٰذا میں پھر آپ کو کہہ دیتا ہوں کہ اَزدی کی جرح جہاں کہیں بھی ہو، اسے غلط سمجھا کریں، علاوہ بریں امام بخاری نے تو خثیم کی حدیث کو سلیمان بن یسار کی متابعت کے ساتھ بیان کیا ہے، ❸ پس اس وقت خثیم کے مجروح ہونے سے بھی کوئی حرج نہیں، حالانکہ وہ مجروح نہیں بلکہ ثقات سے ہیں، تقریب میں ہے:''لا بأس به '' اور خلاصہ میں ہے:'' وثقه النسائي وابن حبان والعقيلي ''❹ مطلب یہ ہوا کہ نسائی، ابن حبان اور عقیلی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ حافظ تهذيب التهذيب جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

''وقال النسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العقيلي: ليس به بأس'' انتهى. ❺

''یعنی عقیلی نے لا باس بہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٣٦) **خليفة بن خياط العصفري البصري:** غمزه ابن المديني بعض الغمز، فقال: لو لم يحدث لكان خيرا له، وقال أبو حاتم: لا أحدث عنه، هو غير قوي، كتبت عن مسنده ثلاثة أحاديث عن أبي الوليد، فسألته فأنكرها، وقال: ما هذه من حديثي.

''ابن مدینی نے ان پر بعض چشمک کی ہے پس کہا ہے اگر یہ حدیث روایت نہیں کرتے تو ان کے واسطے بہتر تھا اور ابو حاتم نے کہا کہ ہم ان سے حدیث روایت نہیں کرتے ہیں، کس واسطے کہ یہ قوی نہیں ہیں،

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٦٥٠)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠٠)

❸ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٠٠) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٩٤، ١٣٩٥)

❹ تقريب التهذيب (ص: ١٩٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٠٨)

❺ تهذيب التهذيب (٣/ ١١٨)

ہم نے ان کی مسند سے تین حدیثیں لکھیں کہ جس کو انھوں نے ابو ولید سے روایت کی تھی، پھر جب ہم نے ان سے پوچھا تو یہ انکار کر گئے اور کہا کہ یہ میری حدیثیں نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: اس کے آگے کا واقعہ تو آپ کو معلوم نہیں، ذرا ہدي الساري اور تہذیب جلد سوم اٹھا کر دیکھیں:

" فقلت: كتبتها من كتاب شبابة العصفري فعرفه وسكن غضبه." ❶

''یعنی جب ولید نے انکار کیا کہ یہ میری حدیثیں نہیں ہیں، تو ابو حاتم نے کہا کہ میں نے اس کو خلیفہ عصفری کی کتاب (مسند) سے نقل کیا ہے۔ تو ابو ولید ان حدیثوں کو پہچان گئے اور ان کا غصہ ختم ہو گیا۔

چلئے جناب! ایک جرح کی تو جڑ ہی کٹ گئی، باقی رہی دوسری ابن مدینی کی چشمک، تو اس کی بابت حافظ ابن 60
حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں:

" قال العقيلي: غمزه ابن المديني، وتعقب ذلك ابن عدي". ❷

''یعنی ابن مدینی نے ان پر جو چشمک کی ہے، اس کا ابن عدی نے تعاقب کیا ہے۔''

مطلب یہ کہ ان کا چشمک کرنا صحیح نہیں ہے، علاوہ بریں ابن حجر ہدي الساري میں ابو حاتم والی حکایت کی نسبت لکھتے ہیں:

"قلت: هذه الحكاية محتملة". ❸ یعنی اس حکایت میں احتمال ہے کہ صحیح یا غلط۔

لہٰذا جب تک اس کی صحیح سند منقول نہ ہو، بوجہ احتمال کے اس سے استدلال باطل ہے۔ ❹ علاوہ ازیں امام بخاری نے خلیفہ بن خیاط سے جس قدر روایت بیان کی ہے، وہ سب مقرون بغیرہ ہے، حافظ ہدي الساري میں لکھتے ہیں:

" وجميع ما أخرج له البخاري أن قرنه بغيره" ❺ كذا في التهذيب. (ج٣)

''یعنی امام بخاری نے اس عصفری سے جس قدر روایت کی ہے، وہ سب مقرون بغیرہ ہے۔''

---

❶ تهذيب التهذيب (٣/ ١٣٨) هدي الساري (ص: ٤٠١) نیز دیکھیں: الجرح والتعديل (٣/ ٣٧٨)

❷ امام ابن عدي رحمہ اللہ نے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ سے منقول جرح پر یہ تعاقب کیا تھا کہ علی بن مدینی سے یہ جرح نقل کرنے والا راوی محمد بن یونس کدیمی ضعیف ہے، تو اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی سے ایک دوسرا راوی حسن بن یحییٰ بھی ایسی ہی جرح نقل کرتا ہے۔ (هدي الساري: ٤٠١) لہٰذا یہ تعاقب درست نہیں، لیکن امام علی بن مدینی سے خلیفہ بن خیاط کی نسبت یہ قول بھی مروی ہے: " شجر يحمل الحديث " (الضعفاء للعقيلي: ٢/ ٢٢، تهذيب الكمال: ٨/ ٣١٧)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠١)

❹ اس کی سند بالکل صحیح ہے، کیونکہ ابن أبی حاتم نے یہ حکایت الجرح والتعديل (٣/ ٣٧٨) میں بیان کی ہے۔

❺ هدي الساري (ص: ٤٠١) تهذيب التهذيب (٣/ ١٣٨) نیز دیکھیں: التعديل والتجريح لأبي الوليد الباجي (٢/ ٥٥٧)

مطلب یہ کہ امام بخاری اس حدیث کو اپنے اس شیخ سے روایت کرتے ہیں، جس کی سند میں سب راوی ثقہ ہیں، پھر اس کے بعد خلیفہ کی روایت متابعتاً لے آئے ہیں، آپ کا اعتراض تب صحیح ہوتا کہ امام بخاری ان کے ساتھ تفرد کرتے، لہٰذا جب ایسا نہیں ہے، تو کوئی اعتراض نہیں، اب ان کی ثقاہت سنیے، تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن عدي: هو صدوق مستقيم الحديث من متيقظي رواة الحديث " اور میزان میں ہے: "الحافظ، قال ابن عدي: صدوق متيقظ " ❶ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ صدوق ہیں، ان کو ابن عدی نے صدوق مستقیم الحدیث اور رواۃ حدیث سے باخبر کہا ہے۔

هدي الساري میں ہے:

" أحد الحفاظ، قال ابن عدي: له حديث كثير وتصانيف، وهو مستقيم الحديث، صدوق من المتيقظين، وقال ابن حبان: كان متقنا عالماً." ❷

''یعنی یہ حفاظ سے ہیں، ابن عدی نے ان کو کثیر الحدیث، کثیر التصانیف، مستقیم الحدیث، صدوق، باخبر اور ابن حبان نے ثقہ عالم کہا ہے۔''

ایسا ہی حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد سوم میں لکھتے ہیں:

" وقال ابن عدي: له حديث كثير، وهو مستقيم الحديث، صدوق من متيقظي رواة الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال: كان متقنا عالما، وقال مسلمة الأندلسي: لا بأس به،" انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی ابن عدی نے ان کو کثیر الحدیث، مستقیم الحدیث، صدوق، رواۃ حدیث میں سے باخبر اور ابن حبان نے ثقات میں ان کو عالم ثقہ اور مسلمہ نے لا بأس به (ثقہ) کہا ہے۔''

خلیفہ عصفری کے متعلق بقیہ باتیں میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٦٠) میں ملاحظہ کریں۔

آگے چلیے:

---

❶ الكامل لابن عدي (٣/ ٦٦) ميزان الاعتدال (١/ ٦٦٥) تقريب التهذيب (ص: ١٩٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٠٦)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠١)

❸ تهذيب التهذيب (٣/ ١٣٨)

61

حرف الدال

قوله: (٣٧) **داود بن عبد الرحمن المكي العطار**: قال الحاكم: قال يحيىٰ بن معين: ضعيف الحديث، وقال الأزدي: يتكلمون فيه .

''حاکم نے کہا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہیں اور ازدی نے کہا کہ لوگوں کو ان میں کلام ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے دو جرحیں نقل کی ہیں، لیکن خیریت سے دونوں بے ثبوت ! اول تو ابن معین کی تضعیف ہے، اس کی بابت حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " لم يثبت أن ابن معين تكلم فيه" ❶ اور ہدي الساري میں لکھتے ہیں:" قلت: لم يصح عن ابن معين تضعيفه " ❷ دونوں کا مطلب یہ ہے کہ ابن معین کی داود کے حق میں تضعیف ثابت ہے اور نہ صحیح ہے، بخلاف اس کے اسی میزان وغیرہ میں ابن معین سے ان کی توثیق منقول ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، دوسری جرح ازدی کی ہے، اس کی بابت ابھی نمبر (٣٥) میں گزرا ہے کہ وہ کبھی بھی مقبول نہیں، یہاں پر بھی حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"والأزدي قد قررنا أنه لا يعتد به." ''یعنی ازدی کی بابت ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں ہے۔

پس دونوں جرحیں غلط! علاوہ بریں امام بخاری ان کی روایت متابعتاً لائے ہیں، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"لم يخرج له البخاري (إلا) متابعة ." ❸ ''یعنی بخاری اس کی روایت متابعتاً لائے ہیں۔''

لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، اب ان کی ثقاہت سنیے، تقریب میں ہے:" ثقة " اور خلاصہ میں ہے:"وثقه ابن معين " اور میزان میں ہے:" وثقه ابن معين، وقال أبو حاتم: لا بأس به صالح " اور هدي الساري میں ہے:"وثقه ابن معين وغيره " ❹ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ داود ثقہ ہیں، ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ اور ابو حاتم

❶ تقريب التهذيب (ص: ١٩٩) بلکہ ابن معین ؒ نے تو صریحاً داود بن عبدالرحمٰن عطار کو ثقہ قرار دیا ہے، دیکھیں: تاريخ ابن معين رواية الدارمي (ص:١٠٧، برقم: ٣١٣)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠٨)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٢)

❹ ميزان الاعتدال: (٢/ ١١) هدي الساري (ص: ٣٠٢) تقريب التهذيب (ص: ١٩٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١١٠)

نے لا بأس به اور صالح الحدیث کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

"قال إسحاق بن منصور عن ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: لا بأس به صالح، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الأجري عن أبي داود: ثقة، وقال العجلي: ثقة مكي، وثقه أيضا البزار، وقال ابن سعد: كان كثير الحديث،" انتهى ملخصاً. ❶

"یعنی ابن معین نے بروایت اسحاق داود کو ثقہ اور ابو حاتم نے لا بأس به اور صالح اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور بزار نے ثقہ اور ابن سعد نے کثیر الحدیث کہا ہے۔"

معلوم ہوا کہ داود ثقہ ہیں۔ ایں! حرف الذال وحرف الراء ندارد! اچھا آگے چلئے:

❶ تهذيب التهذيب (٣/ ١٦٦)

حرف الزاء

62

قوله: (۳۸) **زياد بن الربيع:** قال البخاري: في إسناد حديثه نظر.

''بخاری نے کہا کہ ان کی حدیث کی سند میں نظر ہے۔'' ایضاً

أقول: گویا آپ کا مطلب یہ ہے کہ باوجودیکہ امام بخاری یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کی حدیث کی اسناد میں نظر ہے، لیکن پھر بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کرتے ہیں، تو جناب من! سنئے، اصل یہ ہے کہ رواۃ کی تنقید میں ائمہ کا اجتہاد ہوتا ہے، جس طور پر مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں، ویسا ہی رواۃ کی تنقید میں بھی وہ اجتہاد کرتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ امام بخاری نے اپنے تلمیذ أبو بشر الدولابي کو بحق زیاد بن الربیع البصری یہ جملہ کہا ہوگا کہ ''في إسناد حديثه نظر''، اس بنیاد پر ابو بشر الدولابي نے امام بخاری کی طرف اس جملہ کی نسبت کی، [1] مگر چونکہ امام بخاری نے زیاد بن الربیع کو کتاب الضعفاء میں داخل نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے، اس لیے یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ راوی منجملہ رواۃ ثقات کے ہے اور بحسب اجتہاد امام بخاری اس کا ثقہ ہونا ثابت ہوا۔ اگرچہ امام بخاری سے ابو بشر الدولابي نے جملہ ''فيه نظر'' روایت کیا ہے، مگر وہ بہت سے احتمالات کو شامل ہے:

۱۔ اول یہ کہ اس وقت ان کے اجتہاد میں یہ بات آئی ہو، پھر ثقہ ہونا زیادہ ثابت ہوا ہو، اس لیے اپنی صحیح میں اس سے روایت کیا اور کتاب الضعفاء میں اس کو ذکر نہ کیا۔

۲۔ دوم یہ کہ کسی خاص اسناد کے بارے میں امام بخاری نے حدیثِ زیاد کے حق میں '' فيه نظر '' کہا ہو، جس کو ابو بشر الدولابی نے عموم پر سمجھا ہو۔

۳۔ سوم یہ کہ کوئی امام اپنی کتاب میں کسی حدیث کو روایت کرے اور اس کا کوئی تلمیذ اس کے خلاف بیان کرے، تو اس وقت ترجیح اس امام کی کتاب کو ہوگی۔

---

[1] امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بروایت دولابی امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:'' زياده بن الربيع اليحمدي أبو خداش، بصري سمع عبد الملك بن حبيب في إسناده نظر '' (الكامل لابن عدي: ۳/ ۱۹۵) جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب التاريخ الكبير (۳/ ۳۵۳) میں آخری الفاظ '' في إسناده نظر '' موجود نہیں، ابو بشر دولابی متكلم فيه ہے، دیکھیں: سير أعلام النبلاء (٤/ ۳۰۹) لسان الميزان (٥/ ٤١) لیکن امام عقیلی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے بروایت آدم بن موسیٰ یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ دیکھیں: الضعفاء للعقيلي (۲/ ۷٦) بہر حال یہ مطلق اور عمومی جرح نہیں ہے۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

پس اگر راوی ثقہ ہے، تو مختلف اوقات پر محمول ہوگا، یعنی ایک وقت اس امام کے اجتہاد میں یہ بات آئی، دوسرے وقت دوسری بات آئی، دیکھو امام الناقدین یحییٰ بن معین کی تنقید، جو رواۃ کے بارے میں ہوتی ہے، اس میں بسا اوقات مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، بعض راویوں کی تضعیف یحییٰ بن معین نے بیان کی، پس اس وقت ان کے جو تلامذہ حاضر تھے، انھوں نے تضعیف کی نسبت یحییٰ بن معین کی طرف کی، پھر یحییٰ بن معین کے اجتہاد میں اس کا ثقہ ہونا مرجح معلوم ہوا، تو اس راوی کی انھوں نے توثیق کی، پس اس وقت کے حاضرین نے توثیق کی نسبت یحییٰ بن معین کی طرف کی۔ [1] علیٰ هذا القیاس، وهذا لا یخفیٰ علی من یطالع کتب الرجال والأسانید [2]

اب زیاد بن ربیع کی توثیق ملاحظہ فرمایئے، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " ثقة من الثامنة " اور علامہ صفی

---

[1] جب کسی راوی کے بارے میں کسی ایک امام سے مختلف اقوال مروی ہو، تو ایسے راوی کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے کے لیے علماء نے کئی قواعد مقرر کیے ہیں، مثلاً: کسی امام نے پہلے تو راوی کو "ثقہ" یا "ضعیف" قرار دیا، لیکن صحیح صورت حال جاننے کے بعد اس کا فیصلہ بدل گیا ہو، اسے ہم ''ناسخ ومنسوخ'' بھی کہہ سکتے ہیں، اس صورت میں آخری قول کو قبول کیا جائے گا۔ مثلاً دیکھیں: تاریخ ابن معین۔ روایة الدوري: ٤/٢٧٢ (٤٣٣٣) لیکن اگر ہم کو اس امام کے تبدیلی حکم کا علم نہیں ہو سکا، تو ایسی صورت میں مندرجہ ذیل قواعد پر عمل کیا جائے گا:

دونوں اقوال پر غور کرنے کے بعد ان میں جمع وتطبیق دی جائے گی، مثلاً کسی محدث نے راوی کو ''ثقہ'' یا ''ضعیف'' قرار دیا ہے، لیکن وہ توثیق یا تضعیف نسبی ہوسکتی ہے۔ ایسا حکم مطلق نہیں ہوتا، بلکہ دو راویوں کے درمیان مقارنہ کے وقت اس امام نے یہ لفظ بولا ہوتا ہے، مثلاً دیکھیں: تاریخ ابن معین۔ روایة الدارمي: ١٧٣ (٦٢٣ ـ ٦٢٤) هدي الساري: (ص: ٤١٧)

دونوں اقوال میں اگر تطبیق کی صورت نظر نہ آئے، تو قرائن کی بنیاد پر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً ان اقوال کو اس امام سے نقل کرنے والے شاگردوں میں سے ایک شاگرد اپنے استاد کے ساتھ زیادہ عرصہ رہا ہو، اس استاد کے متعلق دوسرے شاگردوں کی نسبت زیادہ علم رکھتا ہو، یا پھر کسی ایک قول کے ناقلین کی تعداد زیادہ ہو، مثال کے طور پر اگر امام یحییٰ بن معین کے شاگردوں میں کسی راوی کے بارے میں یحییٰ بن معین کے حکم میں اختلاف ہو، تو طول ملازمت کی وجہ سے عباس الدوري کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

اگر ترجیح بھی ممکن نہ ہو، تو دیگر محدثین کے اقوال خصوصاً معتدل ائمہ کے اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے راجح قول اختیار کیا جائے گا۔

[2] مولف ﷫ نے امام بخاری ﷫ کے قول " في إسناده نظر " کی توجیہ میں تین اقوال ذکر کیے ہیں، دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ دیکھیں: میزان الاعتدال (١/ ٢٦٩) لسان المیزان (١/ ٤٧١) تهذیب التهذیب (١/ ٣٨٤) اس قول سے زیادہ کا فی نفسہ ضعیف ہونا اور اس کی تمام اسانید کا ضعف لازم نہیں آتا، بلکہ اس سے مقصود صرف وہ روایات ہیں، جو " عبدالملك بن حبيب عن عائشه " کے واسطہ سے ہیں، کیونکہ عبدالملک کا عائشہ ❐ سے سماع ثابت نہیں۔ دیکھیں: تهذیب التهذیب (٦/ ٣٨٩) اور جہاں تک بخاری میں زیاد کی روایت ہے، تو وہ عائشہ ❐ سے نہیں، بلکہ حضرت انس ♦ سے مروی ہے اور زیاد کا انس ♦ سے سماع ثابت ہے، اگر کوئی راوی کسی ایک روایت میں متہم ہوتا ہے، تو وہ تمام امور میں متہم نہیں ہوتا۔ دیکھیں: جزء القراءة (ص: ٤٩) (مولانا ارشاد الحق اثری ﷾)

الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں: " وثقه أبوداود "❶ یعنی زیادہ ثقہ ہیں، ان کو ابو داود نے ثقہ کہا ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: 63

"قال ابن عدي: أنا لا أرىٰ به بأساء، قال أحمد: ليس به بأس، وقال أبو داود: ثقة، قلت: قد احتج بزياد أبو عبد الله في جامعه الصحيح، " انتهى. ❷

"یعنی ابن عدی اور احمد نے لا بأس به اور ابو داود نے ثقہ کہا ہے، (نیز ان کی ثقاہت کی یہ بھی دلیل ہے کہ) امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان سے حجت پکڑی ہے۔"

حافظ هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"وثقه أحمد بن حنبل وأبو داود وابن حبان ." ❸

"یعنی ان کو احمد بن حنبل، ابوداود اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔"

اور یہی حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

"قال إسحاق بن إسرائيل: كان من ثقات البصريين، وقال أحمد: شيخ بصري، ليس به بأس، من الشيوخ الثقات، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً . ❹

"یعنی اسحاق نے کہا کہ زیاد ثقات سے ہے اور احمد نے لا بأس به اور شیوخ ثقات سے کہا ہے اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

اس تفصیل سے جواب دینے والا آپ کو کوئی نہیں ملے گا، میرا شکریہ ادا کیجئے۔ فافهم وكن من الشاكرين

باقی بحث میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٥٩) میں ملاحظہ فرمائیے۔

قوله: (٣٩) **زياد بن عبد الله بن الطفيل البكائي الكوفي:** قال ابن المديني: ضعيف، كتبت عنه وتركته، وقال أبو حاتم: لا يحتج به، وقال النسائي: ضعيف، وقال ابن سعد: كان عندهم ضعيفا، وقد رووا عنه .

"ابن مدینی نے کہا کہ ضعیف ہیں، ہم نے ان سے حدیث لکھی اور اس کو چھوڑ دیا اور ابو حاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑنی چاہیے اور نسائی نے کہا کہ یہ ضعیف ہیں اور ابن سعد نے کہا کہ باوجود اس کے کہ یہ

❶ تقريب التهذيب (ص: ٢١٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٢٤)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٨٨)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٣)

❹ تهذيب التهذيب (٣/ ٣١٥)

لوگوں کے نزدیک ضعیف تھے، لیکن پھر بھی لوگوں نے ان سے روایت کی۔ ایضاً

أقول: امام بخاری نے جو زیاد بن عبداللہ سے روایت کی ہے، وہ متابعتاً ہے، ملاحظہ ہو تقریب: "وله في البخاري موضع واحد متابعة" ❶ یعنی بخاری میں زیاد سے ایک ہی جگہ روایت ہے، وہ بھی متابعتاً۔

اور ہم نمبر (۲۲) میں بیان کر آئے ہیں کہ متابعت میں ضعیفوں کی بھی بعض روایات داخل ہوجاتی ہیں اور یہ جامع صحیح کو مضر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ حدیث مقترن ہے، یعنی عبدالأعلی کے ساتھ مقرون ہے، ملاحظہ ہو: هدي الساري، ❷ مطلب یہ کہ اصل میں امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور اس طریق میں اس کے سب راوی ثقہ ہیں، اس کے بعد امام بخاری صرف یہ بتلاتے ہیں کہ یہ حدیث زیاد بن عبداللہ کے طریق سے بھی آئی ہیں، پس یہ حدیث مقرون بغیرہ ہوئی، جیسا کہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

"وقد رویٰ له البخاري حديثا واحدا مقرونا بآخر" كذا في الخلاصة والهدي . ❸

یعنی بخاری نے زیاد سے ایک ہی حدیث وہ بھی مقترن روایت کی ہے۔

لہٰذا اگر امام بخاری صرف انھی زیاد کے ساتھ تفرد کرتے، تو ان کی جامع صحیح پر آپ کا اعتراض و جرح واقع 64
ہوتی، لیکن اب جرح کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب زیاد بن عبداللہ کی توثیق ملاحظہ کریں:

تقریب میں ہے: "صدوق ثبت" ❹

اور خلاصہ میں ہے: "قال أحمد: ليس به بأس، وقال ابن عدي: ما أریٰ برواياته بأسا." ❺

"یعنی زیاد صدوق اور ثبت ہیں، ان کو احمد اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔"

میزان الاعتدال میں ہے:

"قال أحمد: حديثه حديث أهل الصدق، وقال ابن معين: لا بأس به، وقال أبو زرعة: صدوق، وقال ابن عدي: ما أریٰ برواياته بأسا،" ملخصاً . ❻

"یعنی احمد نے ان کی حدیث کو اہل صدق کی حدیث اور ابن معین نے لا بأس به اور ابوزرعہ نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس برواياته کہا ہے۔"

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٢٢٠)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠٤)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٩١) هدي الساري (ص: ٤٠٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٢٥)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٢٢٠)

❺ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٢٥)

❻ ميزان الاعتدال (٢/ ٩١)

هدي الساري میں ہے:

" قال أحمد بن حنبل و أبو داود: وحديثه حديث أهل الصدق." ❶

''یعنی امام احمد اور ابو داود دونوں صاحبوں نے کہا ہے کہ زیاد کی حدیث صادقوں کی حدیث ہے۔''

اس سے زیادہ تفصیل سے حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ثالث میں لکھتے ہیں:

" قال أحمد: ليس به بأس، حديثه حديث أهل الصدق، وقال أيضا: كان ابن إدريس حسن الرأي فيه، وقال مرة: كان صدوقا، وقال الدوري عن ابن معين: لا بأس به، وقال أبو داود عن ابن معين: زياد البكائي في ابن اسحاق ثقة، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: لا بأس به، وقال أبو زرعة: صدوق، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، وقال ابن عدي: ما أرىٰ برواياته بأسا، وقال الآجري عن أبي داود: كان صدوقا، "❷ انتهى ملخصاً.

''یعنی امام احمد نے زیاد کو لا بأس به اور ان کی حدیث کو اہل صدق کی حدیث اور ابن ادریس نے صدوق اور یحییٰ بن معین نے بروایت دوری لا بأس به اور ابن معین نے بروایت ابو داود ثقہ بحق ابن اسحاق اور یحییٰ نے بروایت عثمان لا بأس به اور ابو زرعہ نے صدوق اور ابو حاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابن عدی نے لا بأس برواياته اور ابو داود نے بروایت آجری صدوق کہا ہے۔''

ہاں یہ بھی واضح رہے کہ یحییٰ بن معین کی اصطلاح میں لفظ "ثقة" اور لفظ لا بأس به ایک درجہ کا ہے، ملاحظہ ہو:

مقدمہ ابن صلاح:" قال: إذا قلت لك: ليس به بأس، فثقة " ❸

یعنی یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ جب میں ليس به بأس کہوں، تو اسے ثقہ سمجھنا۔

معلوم ہوا کہ یہ زیاد بھی ائمہ ثقات سے ہے، باقی ان دونوں زیاد یعنی زیاد بن ربیع اور زیاد بن عبداللہ بکائی کی نسبت جوابات میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص: ٥٩، ٦٠، ٦١) میں ملاحظہ کریں۔

آگے چلئے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٤)

❷ تهذيب التهذيب (٣/ ٣٢٣)

❸ مقدمه ابن الصلاح (ص: ٦١) لسان الميزان (١/ ١٣)

65

حرف السین

قوله: (٤٠) **سالم بن عجلان الأفطس:** قال الفسوي: مرجئ معاند.

''فسوی نے کہا کہ یہ مرجیہ اور منکر حق ہیں۔'' ایضاً

أقول: فسوی یا ابن حبان نے سالم کی نسبت جو کچھ کہا ہے، اس کا حافظ ابن حجر نے ہدي الساري میں بہت زوروں سے تعاقب کیا ہے اور آخر میں یہ فیصلہ کیا ہے:

" وأما ما وصفه به من قلب الأخبار وغير ذلك فمردود بتوثيق الأئمة له " ❶

''یعنی ان کی شان میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ تمام ائمہ کے نزدیک ان کی توثیق کی بدولت مردود اور نامقبول ہے۔''

لہذا آپ کی جرح کالعدم ہوگئی، البتہ ان کی توثیق ملاحظہ کریں:

تقریب میں ہے:" ثقة " ❷ اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أحمد، وقال أبو حاتم: صدوق " ❸

میزان میں ہے:

"وثقه بعضهم، وقال ابن معين: صالح الحديث، وقال أبو حاتم: صدوق. ❹

''یعنی سالم ثقہ ہیں، ان کو احمد نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق اور ابن معین نے صالح الحدیث اور بھی بعض نے ثقہ کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

"وثقه أحمد والعجلي وابن سعد والنسائي والدارقطني وغيرهم، وقال أبو حاتم: صدوق نقي الحديث."

''یعنی ان کو احمد، عجلی، ابن سعد، نسائی اور دارقطنی وغیرہ نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق عمدہ حدیث والا کہا ہے۔''

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٤)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٢٢٧)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٣٢)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ١١٢)

حافظ ابن حجر تهذیب التهذیب جلد سوم میں لکھتے ہیں:

"قال أحمد: ثقة وهو أثبت، وقال ابن معين: صالح، وقال أبو حاتم: صدوق نقي الحديث، وقال العجلي: جزري ثقة، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال الحاكم عن الدارقطني: ثقة يجمع حديثه، وقال العجلي: كان صالحا". ملخصاً ❶

یعنی احمد نے ان کو ثقہ اور اُثبت اور ابن معین نے صالح الحدیث اور ابوحاتم نے صدوق نقی الحدیث اور عجلی نے ثقہ اور صالح اور نسائی نے "لا بأس به" اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور دارقطنی نے بروایت حاکم ثقہ کہا ہے اور یہ کہ ان کی حدیث جمع کی جائے۔

لیجئے جناب! اب اور کیا چاہیے؟" ❷ آگے چلئے:

قوله: (٤١) **سعيد بن أشبوع:** قال: الجوزجاني: غال زائغ، يريد التشيع.

"جوزجانی نے کہا کہ یہ سخت شیعہ ہیں۔" ایضاً

أقول: آپ نے پھر یہاں پر چالاکی کی کہ صرف "سعيد بن أشبوع" لکھا، تاکہ تلاش کرنے والے کو میزان کے سوا دیگر کتب اسماء رجال میں نہ ملے، حالانکہ اصل میں یہ "سعيد بن عمرو بن أشوع" ہے، افسوس یہاں بھی آپ کی چالاکی کافور ہوگئی کہ آپ نام لکھنے میں غلطی کر گئے، آیئے ہم آپ کو بتا دیں "أشبوع" غلط ہے، صحیح "أشوع" ہے، بغیر باء کے، ہاں آپ کو ہم ایک بات اور بتا دیں کہ جیسے اُزدی کی جرح بحالت انفراد نا مقبول ہے، ایسا ہی جوز جانی کی بھی جب اس قسم کی جرح کریں، وجہ یہ ہے کہ جوز جانی سخت ناصبی تھے، حافظ ابن حجر "هدي الساري" میں لکھتے ہیں: 66

"قلت: والجوزجاني غال في النصب فتعارضا" ❸ یعنی جوز جانی سخت ناصبی ہیں، پس دونوں متعارض ہیں۔

حافظ ابن حجر نے خود اس کا مطلب اسماعیل بن اُبان وراق کے ترجمہ میں بیان کیا ہے:

"قلت: الجوزجاني كان ناصبيا منحرفا عن علي، فهو ضد الشيعي المنحرف عن عثمان، والصواب موالاتهما جميعا، ولا ينبغي أن يسمع قول مبتدع في مبتدع" (هدي الساري) ❹

---

❶ تهذيب التهذيب (٣/ ٣٨٢)

❷ مزید برآں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری میں موجود ان کی مرویات کے بارے میں فرماتے ہیں: "وليس له عند البخاري سوى حديثين...... ولكل منهما ما يشهد له" (هدي الساري: ٤٠٤)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٦)

❹ هدي الساري (ص: ٣٩٠)

''یعنی جوز جانی ناصبی حضرت علی سے انحراف کرنے والے تھے، پس وہ شیعوں کے ضد ہوئے، جو عثمان سے انحراف کرنے والے ہیں، صواب یہ ہے کہ دونوں ایک جیسے ہیں، لہٰذا ایک بدعتی کا قول دوسرے بدعتی کے بارے میں نہیں سنا جائے گا۔''

اور یہاں سعید کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے، لہٰذا یہاں بھی جوز جانی کا قول غیر مسموع ہوگا، لہٰذا اب کوئی جرح نہیں رہی۔ ❶ ہاں ان کی ثقاہت ملاحظہ ہو:

تقریب میں ہے: '' ثقة '' اور خلاصہ میں ہے: '' وثقه ابن حبان '' اور میزان میں ہے: ''صدوق مشهور، قال النسائي: ليس به بأس'' اور هدي الساري میں ہے: '' وثقه ابن معين والنسائي والعجلي وإسحاق بن راهويه'' ❷

سب کا مطلب یہ ہوا کہ سعید ثقہ ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقہ اور ذہبی نے صدوق مشہور اور نسائی نے لا بأس به اور ابن معین، عجلی، اسحاق اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد چہارم میں ہے:

'' قال ابن معين: مشهور، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: ثقة، وقال البخاري في التاريخ الأوسط: رأيت إسحاق بن راهويه يحتج بحديثه، وقال الحاكم: هو شيخ من ثقات الكوفيين يجمع حديثه، '' انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی سعید کو ابن معین نے مشہور اور نسائی نے لابأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ اُوسط میں کہا ہے کہ میں نے اسحاق کو دیکھا ان کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے اور حاکم نے کہا کہ یہ شیخ ثقات کوفیین سے ہیں، ان کی حدیث جمع کی جائے۔''

لیجئے صاحب! آگے چلئے:

---

❶ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' وممن ينبغي أن يتوقف في قبول قوله في الجرح من كان بينه وبين من جرحه عداوة سببها الاختلاف في الاعتقاد، فإن الحاذق إذا تأمل ثلب أبي إسحاق الجوزجانى لأهل الكوفة رأى العجب، وذلك لشدة انحرافه في النصب وشهرة أهلها بالتشيع، فتراه لا يتوقف في جرح من ذكره منهم بلسان ذلقة وعبارة طلقة حتى أنه أخذ يلين مثل الأعمش وأبي نعيم وعبيد الله بن موسىٰ وأساطين الحديث وأركان الرواية، فهذا إذا عارضه مثله أو أكبر منه فوثق رجلا ضعفه قبل التوثيق، ويلتحق به عبد الرحمن بن يوسف بن خراش المحدث الحافظ، فإنه من غلاه الشيعة بل نسب إلى الرفض، فيتأنىٰ في جرحه لأهل الشام للعداوة البينة في الاعتقاد. ''
(لسان الميزان: ١/ ١٦)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ١٢٦) هدي الساري (ص: ٤٠٦) تقريب التهذيب (ص: ٢٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤١)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٥٩)

قوله: (٤٢) **سعيد بن سليمان**: قال الدارقطني: تكلموا فيه .

''دارقطنی نے کہا کہ لوگوں نے ان میں کلام کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: *دارقطنی کا یہ قول محدثین کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق غیر مقبول ہے، حافظ ابن حجر* هدي الساري *میں لکھتے ہیں:*

" وقال الدارقطني (الى قوله) هذا تليين مبهم لا يقبل " *یعنی دارقطنی کا یہ قول تلیین (تضعیف) مبہم ہے۔لہٰذا غیر مقبول!*

چلئے جرح بھی عنقا ہوگئی، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے پانچ جگہ روایت کی ہے، لیکن کہیں بھی ان کے ساتھ تفرد نہیں کیا، اب ان کی توثیق سنیں:

تقریب میں ہے:" ثقة حافظ من كبار العاشرة" ❶ *خلاصہ میں ہے:*"قال أبو حاتم ثقة مأمون " ❷

میزان الاعتدال میں ہے:" ثقة مشهور صالح الحديث، قال أبو حاتم: ثقة مأمون " ❸

ہدی الساری میں ہے:" قال أبو حاتم: ثقة مامون" ❹

خلاصہ یہ کہ سعید ثقہ، حافظ، مشہور، صالح الحدیث ہیں، ان کو ابو حاتم نے ثقہ مامون کہا ہے۔ 67

تهذيب التهذيب *جلد رابع میں ہے:*

" قال أبو حاتم: ثقة مأمون، وقال العجلي: واسطي ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات" ❺ انتهى ملخصاً.

''یعنی ابو حاتم نے ان کو ثقہ مامون اور عجلی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❻ *آگے چلئے:*

قوله: (٤٣) **سعيد بن عبيد الله بن جبير بن حية الثقفي**: قال الدارقطني: ليس بالقوي.

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٢٣٧)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٣٩)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ١٤١)

❹ هدي الساري (ص: ٤٠٥)

❺ تهذيب التهذيب (٤/ ٣٨)

❻ *مندرجہ بالا راوی کے متعلق حافظ ابن حجر* ﷫ *لکھتے ہیں:*"جميع ما له في البخاري خمسة أحاديث ليس فيها شئ تفرد به " (هدي الساري: ٤٠٥)

''دارقطنی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں بھی دارقطنی کا قول اسی قبیل سے ہے، اس لیے کہ امام الناقدین امام بخاری نے ان کی صرف ایک ہی حدیث کو منکر کہا ہے، لہٰذا دارقطنی کا بالعموم ان کے قوی نہ ہونے کا حکم لگا دینا صحیح نہیں ہے، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"واستنكر البخاري في التاريخ حديثا من روايته"، كذا في التهذيب . ❶

''یعنی امام بخاری نے تاریخ میں ان کی روایت سے صرف ایک حدیث کو منکر کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ان کی باقی تمام حدیثیں قوی ہیں، چنانچہ کثیر ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے، تقریب میں ہے: "بصري صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أحمد وابن معين " اور میزان میں ہے: " وثقه أحمد و يحيىٰ " اور هدي الساري میں ہے، " وثقه أحمد و ابن معين وأبو زرعة والنسائي "❷

مطلب یہ کہ سعید بصری صدوق ہیں، ان کو احمد، یحییٰ بن معین، ابو زرعہ اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد چہارم میں ہے:

"قال أحمد وابن معين وأبو زرعة: ثقة، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات" ملخصاً . ❸

یعنی ان کو احمد، یحییٰ اور ابو زرعہ نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''❹ آگے چلیے:

قوله: (٤٤) **سعيد بن أبي عروبه:** قال أحمد بن حنبل: كان قتادة وهشام وسعيد يقولون بالقدر ويكتمون .

''احمد بن حنبل نے کہا کہ قتادہ اور ہشام اور سعید قدریہ تھے اور اس کو پوشیدہ رکھتے تھے۔'' ایضاً

أقول: " يقولون بالقدر " سے ان کا قدریہ ہونا نہیں سمجھا جاتا، خصوصاً اس حالت میں کہ ان سے اس کا اظہار نہ ہوا ہو، بلکہ اس پر کتمان کا حکم لگا رہا ہو، آپ کی یہ جرح بالکل باطل ہے، کیونکہ اس پر کسی نے زیادہ توجہ نہیں کی، اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے لکھی، ہاں اگر آپ ان پر اختلاط وغیرہ کی جرح پیش کرتے، تو ایک حد تک معقول

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٥) تهذيب التهذيب (٤/ ٥٤)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ١٥٠) هدي الساري (ص: ٤٠٥) تقريب التهذيب (ص: ٢٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤١)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٥٤)

❹ نیز حافظ ابن حجر ؒ صحیح بخاری میں موجود ان کی مرویات کے متعلق فرماتے ہیں: ←

اور قابل جواب ہوتا، سنیے! امام بخاری نے جب ان سے روایت لی، تو یہ مختلط نہیں تھے، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" وأما ما أخرجه البخاري من حديثه عن قتادة فأكثره من رواية من سمع منه قبل الاختلاط ." ❶

یعنی امام بخاری نے سعید بن ابی عروبہ سے جو حدیث بروایت قتادہ لی ہے، وہ قبل از اختلاط والی روایتوں سے ہے۔ 68

یہ الزام تو رفع ہوا، علاوہ بریں ان کی توثیق اس میں زیادہ معتبر مانی گئی ہے، جو بروایت قتادہ ہو۔

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " كان من أثبت الناس في قتادة" ❷

اور تہذیب میں لکھتے ہیں:

" وقال ابن أبي خيثمة: أثبت الناس في قتادة " ❸

"یعنی سعید بحق قتادہ لوگوں میں زیادہ اُثبت ہیں۔"

اب بخاری کو دیکھئے، اس میں ان سے حدیث بروایت قتادہ لی گئی ہے، ملاحظہ ہو ہدي الساري کی عبارت جو پہلے لکھی گئی، اب انکی ثقاہت سنیے، تقریب میں ہے: " ثقة حافظ" اور خلاصہ میں ہے: " الحافظ العالم، قال ابن معين: ثقة، وقال أبو حاتم: ثقة" اور میزان میں ہے: " قال ابن عدي: سعيد من الثقات" اور هدي الساري میں ہے: " وثقه الأئمة كلهم "❹ حاصل یہ کہ سعید ثقہ ہے، حافظ ہے، عالم ہے، اس کو ابن معین، ابوحاتم اور ابن عدی اور کل ائمہ نے ثقہ کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد رابع میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين والنسائي: ثقة، وقال أبو زرعة: ثقة مأمون، وقال ابن أبي حاتم عن أبي زرعة: سعيد أحفظ وأثبت، وقال أبو حاتم: ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: كان ثقة، وقال ابن عدي: وسعيد من ثقات

← " وروىٰ له في الصحيح حديثين: أحدهما من روايته عن بكر بن عبد الله المزني عن أنس في الأشربة، وله شواهد، والآخر من روايته عن عمه زياد بن جبير بن حية عن أبيه عن المغيرة بن شعبة...... وله شاهد من حديث معقل بن يسار، وأورده ابن أبي شيبة بسند قوي . " (هدي الساري: ٤٠٥)

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٦)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٢٣٩)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٥٦)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ١٥١) هدي الساري (ص: ٤٠٦) تقريب التهذيب (ص: ٢٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

المسلمين، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی سعید کو ابن معین اور نسائی نے ثقہ اور ابو زرعہ نے ثقہ مامون اور ابو زرعہ نے بروایت ابن ابی حاتم احفظ اور عجلی نے ثقہ اور ابن عدی نے ثقات مسلمین میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٤٥) **سعيد بن كثير بن عفير المصري**: قال الجوزجاني: كان مخلطا غير ثقة، فيه غير لون من البدع.

''جوزجانی نے کہا کہ وہ گڈ مڈ (واہ رے اردو!) کرنے والے اور غیر ثقہ تھے اور ان میں ایک رنگ بدعت سے جداگانہ تھا۔'' ایضاً

أقول: آپ نے یہاں پھر انھی حضرت جوزجانی کی جرح پیش کی ہے! دیکھئے یہاں بھی نامقبول ہے، افسوس آپ نے میزان سے جرح تو نقل کر دی لیکن اس کے آگے نہ دیکھا، امام ذہبی لکھتے ہیں:

" وقال ابن عدي: ما قاله الجوزجاني لا معنى له، ولم أسمع أحدا، ولا بلغني عن أحد كلام في سعيد بن عفير وهو عند الناس ثقة، " انتهى. ❷

''یعنی ابن عدی نے کہا کہ جوزجانی نے سعید بن عفیر کے بارے میں جو کہا ہے، بے معنی ہے، میں نے کسی کو ان کے بارے میں کلام کرتے نہیں سنا، یہ تمام لوگوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔''

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: "وقد رد ابن عدي على السعدي في تضعيفه". ❸

69

یعنی ابن عدی نے سعدی جوزجانی کا رد کیا ہے، جس میں انھوں نے سعید کی تضعیف کی ہے۔

اور هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" تعقب ذلك ابن عدي، فقال: هذا الذي قاله السعدي لا معنى له، ولا بلغني عن أحد في سعيد كلام، وهو عند الناس ثقة، ولم ينسب إلى بدع وكذب" كذا في التهذيب ج٤. ❹

---

❶ تهذيب التهذيب (٤/ ٥٧)

❷ الكامل لابن عدي (٣/ ٤١١) ميزان الاعتدال (٢/ ١٥٥)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٢٤٠)

❹ هدي الساري (ص: ٤٠٦) تهذيب التهذيب (٤/ ٦٦) مذکورہ بالا راوی سعید بن کثیر بن عفیر کے دفاع اور جوزجانی کے تعاقب میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کا مکمل کلام قابل دید ہے، فرماتے ہیں:

" وهذا الذي قال السعدي لا معنى له، ولم أسمع أحدا، ولا بلغني عن أحد من الناس كلام في سعيد بن كثير بن عفير، وهو عند الناس صدوق ثقة، وقد حدث عنه الأئمة من الناس، إلا أن يكون السعدي أراد به سعيد بن عفير آخر، وأنا لا أعرف سعيد بن عفير غير المصري، أو لعله يريد سعيد بن عفير ولا أعرف في الرواة سعيد بن عفير، وهذا الذي قال: " فيه غير لون من البدع "، فلم ينسب ابن عفير إلى بدع، قال: " غير ثقة " فلم ←

یعنی ابن عدی نے جوزجانی کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ سعدی (جوزجانی) نے جو کہا ہے، بالکل بے معنی ہے، مجھے کسی سے نہیں پہنچا کہ اس نے سعید کے بارے میں کلام کیا ہو، وہ تمام لوگوں کے نزدیک ثقہ ہے اور کسی قسم کی بدعت اور جھوٹ کی طرف منسوب نہیں ہے۔

سن لیا کہ نہیں جناب! چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ ❶ اب فرمائیے۔ ؎

ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کہ او سازند محفلہا ❷

اب اصل کیفیت سنیے! سعید بن کثیر ائمہ ثقات سے ہے، تقریب میں ہے: "صدوق عالم" اور خلاصہ میں ہے: "قال ابن عدي: صدوق ثقة" اور میزان میں ہے: "أحد الثقات والأئمة، قال أبوحاتم: وهو صدوق" ❸ یعنی سعید صدوق ہے، عالم ہے، ثقات اور ائمہ میں سے ہے، اس کو ابن عدی نے صدوق اور ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے۔

هدي الساري میں ہے:

قال ابن معين: ثقة، وقال أبو حاتم: صدوق، وقال النسائي: صالح." ❹

یعنی ان کو ابن معین نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق اور نسائی نے صالح الحدیث کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد چہارم میں ہے:

"قال أبو حاتم: صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال إبراهيم بن الجنيد عن ابن معين: ثقة لا بأس به، " ❺ انتهى.

یعنی ان کو ابو حاتم نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن معین نے بروایت ابن جنید ثقہ اور لا بأس به کہا ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (٤٦) **سعيد بن أبي هلال**: قال ابن حزم: ليس بالقوي.

''ابن حزم نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: افسوس آپ اپنی عادت قدیمانہ سے اب بھی باز نہیں آتے، یہاں سے بھی درمیان کی عبارت چرالے

← ينسبه أحد إلى الكذب...... لأني رأيت سعيد بن عفير عن كل من يروي عنهم، إذا روىٰ عن ثقة مستقيم صالح" (الكامل لابن عدي: ٣/ ٤١١)

❶ دانا آدمی کو ایسا کام کرنا چاہیے جس سے پچھتانا نہ پڑے۔

❷ میرے تمام کام خود غرضی کی بنا پر بدنامی کا سبب بنے، جو راز زبان زد محفل ہو جائے کس طرح چھپ سکتا ہے؟

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ١٥٥) تقريب التهذيب (ص: ٢٤٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤٢)

❹ هدي الساري (ص: ٤٠٦)

❺ تهذيب التهذيب (٤/ ٦٦)

گئے! کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ اس کو اگر نقل کرتے تو آپ کا اعتراض ہی رفع ہو جاتا۔ علامہ ذہبی تو یوں لکھتے ہیں:

قال ابن حزم وحده: ليس بالقوي. ❶ یعنی صرف ابن حزم ہی نے ایسا کہا ہے۔

اور یہ مسئلہ مسلّمہ ہے کہ " الشاذ كالمعدوم ! "اب آپ اس کو ملاحظہ کریں، جو ابن حزم کے اس قول پر محدثین کی جانب سے تعاقب ہوا ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

"لم أر لابن حزم في تضعيفه سلفاً." ❷

یعنی سلف میں کسی نے سعید کی تضعیف نہیں، جو ابن حزم نے کی ہے۔

اور هدي الساري میں لکھتے ہیں:

" وتبع أبو محمد بن حزم الساجي، فضعف سعيد بن أبي هلال مطلقا، ولم يصب في ذلك" انتهى. ❸

یعنی ابن حزم نے جو ساجی کی پیروی میں سعید کی تضعیف کر دی ہے، اس میں وہ صائب نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ سعید کی نسبت جرح مرقومہ باطل ہے، اب ان کی توثیق دیکھیے، تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "موثق" اور میزان میں ہے: "ثقه معروف " ❹ اور هدي الساري میں ہے:

70 " وثقه ابن سعد والعجلي وأبو حاتم وابن خزيمة والدارقطني وابن حبان وآخرون" ❺

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ سعید صدوق اور موثق اور معروف ثقہ ہیں، ان کو ابن سعد، عجلی، ابو حاتم، خزیمہ، دارقطنی، ابن حبان اور بہت سے دوسروں نے ثقہ کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد رابع میں ہے:

" قال أبو حاتم: لا بأس به، وقال ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال الساجي: صدوق، وقال العجلي: ثقة، ووثقه ابن خزيمة والدارقطني والبيهقي والخطيب وابن عبد البر وغيرهم" انتهى ملخصاً. ❻

یعنی سعید کو ابو حاتم نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ اور ساجی نے صدوق اور

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ١٦٢)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٢٤٢)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٦)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ١٦٢) تقريب التهذيب (ص: ٢٤٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤٣)

❺ هدي الساري (ص: ٤٠٦)

❻ تهذيب التهذيب (٤/ ٨٣)

عجلی نے ثقہ اور ابن خزیمہ اور دارقطنی اور بیہقی اور خطیب اور ابن عبدالبر وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔
آگے چلئے:

قوله: (٤٧) **سلم بن زربر**: قال ابن معين: ضعيف، وقال أبوداود والنسائي: ليس بالقوي.
''ابن معین نے کہا کہ ضعیف ہیں اور ابوداود اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں راوی کے نام میں پھر آپ نے غلطی کی ہے! اجی جناب! "زربر" نہیں ہے بلکہ "زریر" یا کے ساتھ ہے، باقی رہی جرح! تو اس کی بابت گزارش ہے کہ چونکہ یہ جرح بالکل مبہم ہے اور اس کے اسباب بیان نہیں کیے گئے ہیں، اس لیے نامقبول ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے جو سلم سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے، وہ بھی صرف تین مقام پر متابعات اور شواہد میں ہے، لہٰذا کوئی حرج نہیں ہے، اگر یہ ضعیف بھی ہوں، ❶ حالانکہ ناقدین نے ان کی توثیق کی ہے، ملاحظہ ہو تقریب، اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبوحاتم " اور میزان میں ہے: "ثقة مشهور، وثقه أبوحاتم " اور هدي الساري میں ہے:

"وثقه أبوحاتم وأبو زرعة والعجلي " ❷

مطلب یہ کہ سلم کو ابوحاتم اور ابوزرعہ اور عجلی نے ثقہ کہا ہے، یہ مشہور ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

" قال أبوحاتم: ثقة ما به بأس، وقال أبوزرعة: صدوق، وقال العجلي: في عداد الشيوخ ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات". ❸

''یعنی ابوحاتم نے ان کو ثقہ لا بأس به اور ابوزرعہ نے صدوق اور عجلی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٤٨) **سلمة بن رجاء الكوفي**: قال عباس عن يحيىٰ: ليس بشيء، وقال النسائي: ضعيف، وقال ابن عدي: حدث بأحاديث لا يتابع عليها.

---

❶ امام ذہبی فرماتے ہیں: " خرج له البخاري في الأصول، ومرة بالشواهد، وليس هو بالمكثر " (ميزان الاعتدال: ٢/ ١٨٤) نیز امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " أخرج له البخاري فى الأصول " حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس راوی کی صحیح بخاری میں صرف تین روایات ہیں، دو روایات متابعتاً مروی ہیں اور تیسری کے متعلق فرماتے ہیں: "والثالث: حديثه عن أبي رجاء عن ابن عباس...... ولم يخرج له في الأصول غير هذا الحديث الواحد، مع أن لهذا الحديث شواهد كثيرة. " (هدي الساري (٤٠٧)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ١٨٥) هدي الساري (ص:٤٠٧) تقريب التهذيب (ص: ٢٤٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤٦)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ١١٤)

’’عباس نے یحییٰ سے نقل کیا کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور نسائی نے کہا کہ ضعیف ہیں اور ابن عدی نے کہا کہ یہ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں، جو پیروی کے قابل نہیں ہیں۔‘‘ ایضاً

أقول: یہ جس قدر جرحیں ہیں، ساری کی ساری بے ثبوت ہیں، اس لیے کہ ان میں ان کے تمام اسباب مبین نہیں ہیں، حالانکہ جرح اس کو کہتے ہیں جس میں اس کے کل اسباب بالتفسیر بیان کر دیے جائیں، جیسا کہ تمہید میں
میں لکھ آیا ہوں اور یہ بھی میں نے بتلایا ہے کہ جس راوی سے امام بخاری تخریج کریں، وہ ان کے نزدیک قابل حجت 71
ہوتا ہے، چاہے دوسرے کے نزدیک مجروح ہو، امام بخاری دوسروں کی شرطوں کے پابند نہیں ہیں، بلکہ انھیں ان کا پابند سمجھنا محض تحکم ہے، نیز اسی طرح وہ اس کو قابل حجت سمجھنے میں بھی منفرد نہیں ہیں، بلکہ ائمہ محدثین کی ایک جماعت نے بھی انھیں قابل حجت جانا ہے، تقریب میں ہے: ’’صدوق‘‘ اور خلاصہ میں ہے: ’’قال أبوزرعة: صدوق‘‘ اور میزان میں بھی ایسا ہی ہے، ہدی الساری میں ہے:

’’قال أبوحاتم: ما به بأس، وقال أبوزرعة: صدوق.‘‘ ❶

یعنی سلمہ صدوق ہے، اس کو ابوزرعہ نے صدوق اور أبوحاتم نے لا بأس به کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد رابع میں لکھتے ہیں:

’’قال أبو زرعة: صدوق، وقال أبوحاتم: ما بحديثه بأس، وذكره ابن حبان في الثقات،‘‘ انتهى. ❷

’’یعنی ابوزرعہ نے ان کو صدوق اور ابوحاتم نے لا بأس بحديثه اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔‘‘ آگے چلیے:

قوله: (٤٩) **سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي:** قال الدارقطني: ثقة، عنده مناكير عن الضعفاء.

’’دارقطنی نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، ان کے نزدیک نامقبول حدیثیں ہیں کہ جو انھوں نے ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں۔ ایضاً

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ١٨٩) هدي الساري (ص: ٤٠٧) تقريب التهذيب (ص: ٢٤٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٤٨)

❷ تهذيب التهذيب (٤/ ١٢٧) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس راوی کی صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ہے، جس کی متابعت موجود ہے۔ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٠٧) صحيح البخاري، برقم (٣١١٦، ٣٦١٢) علاوہ ازیں معترض نے مذکورہ راوی پر جرح میں امام ابن معین کا قول ’’ليس بشيء‘‘ نقل کیا ہے، تو یہاں یہ اصول مدنظر رکھنا چاہیے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ بسا اوقات قلیل الحدیث راوی پر اس لفظ کا اطلاق کرتے ہیں، اس لفظ سے ہر جگہ ان کی مراد جرح نہیں ہوتی۔ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢١) اسی طرح امام ابو حاتم، أبو زرعہ اور ابن حبان رحمہم اللہ کی توثیق کے مقابلہ میں امام نسائی کی مبہم جرح مرجوح ہے اور امام ابن عدی رحمہ اللہ کی جرح بھی مذکورہ راوی کے حسن الحدیث ہونے کے منافی نہیں۔ واللہ أعلم!

أقول: تو اس سے کیا ہوا؟ ان کی ثقاہت میں تو فرق نہیں آیا، اصل میں تو ان کی ثقاہت چاہیے اور یہ تو ہے نہیں کہ امام بخاری نے ان کی انھی مناکیر کو روایت کیا ہو، بلکہ انھوں نے ان سے وہ حدیث لی ہے، جو صحاح سے تھی، مجھے بڑا تعجب ہے کہ آپ نے اس سے کیونکر ان پر جرح سمجھ لی؟ حالانکہ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے ذہبی نے میزان میں اس قدر اور کہا ہے:

"قلت: فإنه ثقة مطلقا." ❶ یعنی سلیمان مطلق ثقہ ہیں۔

آیئے ہم آپ کو انھیں دارقطنی سے اس سے بھی کھلے لفظوں میں سلیمان کی ثقاہت باوجود ان کی مناکیر کے سنا دیں، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں:

"وقال الحاكم: قلت للدارقطني: أليس عنده مناكير؟ قال بلىٰ، وأما هو فثقة ."❷

یعنی حاکم نے کہا کہ میں نے دارقطنی سے کہا کہ سلیمان کے پاس منکر حدیثیں نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں ہیں تو! لیکن سلیمان خود ثقہ ہیں۔

ایسا ہی تهذيب التهذيب جلد چہارم میں بھی ہے،❸ آیئے! اب آپ کو عام محدثین کا فیصلہ سنائیں۔

تقریب میں ہے: " صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "قال أحمد: حجة، وقال الدارقطني: ثقة، وقال أبو حاتم صدوق" اور میزان الاعتدال میں ہے:

"قال النسائي: صدوق، وقال ابن معين: ليس به بأس، وقال أبوحاتم: صدوق، " انتهى.❹

خلاصہ یہ کہ سلیمان صدوق ہیں، ان کو احمد نے حجت اور دارقطنی نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق اور نسائی نے صدوق اور ابن معین نے لا بأس به کہا ہے۔"

هدي الساري میں ہے:

72 " قال أبو حاتم: كان صدوقا مستقيم الحديث، وقال الآجري عن أبي داود: هو ثقة، قلت: فهو حجة، قاله الحجة أحمد بن حنبل، وقال يعقوب بن سفيان: كان صحيح الكتاب وهو ثقة" . ملخصاً ❺

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٢١٣)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠٨) نیز دیکھیں: سؤالات الحاكم للدارقطني (ص: ٢١٧) اس میں بایں الفاظ یہ قول مرقوم ہے: "قلت: فسليمان بن بنت شرحبيل [بن عبدالرحمن]؟ قال: ثقة، قلت: أليس عنده مناكير؟ قال: يحدث بها عن قوم ضعفاء، فأما هو فهو ثقة. "

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ١٨١)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٢١٣) تقريب التهذيب (ص: ٢٥٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٥٣)

❺ هدي الساري (ص: ٤٠٧)

یعنی ابو حاتم نے سلیمان کو صدوق مستقیم الحدیث اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ اور ابن حجر نے حجت بدلیل حجت کہنے احمد بن حنبل کے سلیمان کو اور یعقوب نے صحیح الکتاب اور ثقہ کہا ہے۔

اس سے کچھ تفصیل سے حافظ ابن حجر تہذیب التهذيب جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

"قال ابن الجنيد عن ابن معين: ليس به بأس، وكذا قال أبوحاتم عن ابن معين، وقال أبو حاتم: سليمان صدوق مستقيم الحديث، وقال الآجرى: سألت أباداود عنه، فقال: ثقة، قلت: هو حجة؟ قال الحجة أحمد بن حنبل، وقال ابن معين: ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: سليمان ثقة، وقال صالح بن محمد: لا بأس به، وقال النسائي: صدوق، وقال ابن حبان في الثقات، وقال الحاكم للدارقطني: سليمان بن عبد الرحمن؟ قال: ثقة،" انتهى ملخصاً. [1]

''یعنی ابن جنید اور ابوحاتم نے بروایت ابن معین سلیمان کو ''لا بأس به '' (ثقہ) اور ابوحاتم نے صدوق مستقیم الحدیث اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ اور ابن معین نے ثقہ اور یعقوب نے ثقہ اور صالح بن محمد نے لا بأس به اور نسائی نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے اور حاکم نے دارقطنی سے سلیمان کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ ثقہ ہیں۔'' کہیے! سن چکے یا نہیں؟ آگے چلیے:

قوله: (٥٠) **سليمان بن كثير العيدى البصري**: قال ابن معين: ضعيف، وقال العقيلي: مضطرب الحديث.

''ابن معین نے کہا کہ ضعیف ہیں اور عقیلی نے کہا کہ مضطرب الحدیث ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں آپ نے پھر ایک غلطی کی کہ "عبدی" کو "عیدی"، بالیاء لکھ دیا، یا وجہ یہ ہے کہ غلط چھپی ہوئی میزان آپ کو کہیں سے ہاتھ لگ گئی ہے، اسی سے جیسا پاتے ہیں نقل کر دیتے ہیں، خود بدولت کو تو فن حدیث و اسماء الرجال سے مس نہیں کہ اسماء یا القاب کے اغلاط کی تمیز کر سکیں، یہاں بتاتے بتاتے میں تھک گیا، اے خدا! کس سے پالا پڑا؟ خیر۔ ع۔

قہر درویش بجان درویش

ابن معین و عقیلی کی جرح بھی آپ کو مفید نہیں، اس لیے کہ ان کے مقابلے میں کثیر ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے اور خود امام بخاری نے ان سے حجت پکڑی ہے، جو ان کی ثقاہت کی دلیل ہے، ابن معین وغیرہ اگر اپنی جرح کے کوئی مفسر اسباب پیش کرتے، تو ایک حد تک مقبول ہوتی، یہ بھی ان کا اجتہاد ہی ہے، ممکن ہے کہ خطا پر ہو، بہر حال ہم جرح مبہم ہونے کی بدولت اس کو قبول نہیں کر سکتے، جیسا کہ ہم نے تمہید میں بیان کر دیا ہے۔ سلیمان عبدی کو حافظ تقریب

[1] تهذيب التهذيب (٤/ ١٨١)

میں: "لا بأس به" **کہتے ہیں اور خلاصہ میں ہے:** "قال النسائي: ليس به بأس" **اور میزان میں ہے:** "قال النسائي: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه" **اور ہدی الساری میں ہے:** قال النسائي: لا بأس به، وقال ابن عدي: لا بأس به. ❶ 73

خلاصہ مرام یہ کہ سلیمان ثقہ ہیں، ان کو نسائی نے لا بأس به **اور ابن عدی نے** لا بأس به **کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے۔**

علی ہذا القیاس تهذيب التهذيب **جلد رابع میں ہے:**

"قال النسائي: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، قلت: وقال العجلي: جائز الحديث، لا بأس به، وقال ابن عدي: لا بأس به،" انتهى ملخصاً. ❷

"یعنی نسائی نے لا بأس به **اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت اور عجلی نے جائز الحدیث اور** لا بأس به **اور ابن عدی نے** لا بأس به **(ثقہ) کہا ہے۔"** ❸ **آگے چلیے:**

قوله: (٥١) **سيدان بن مضارب:** قال الأزدي: يتكلمون فيه.

"ازدی نے کہا کہ لوگوں کو ان میں کلام ہے۔" ایضاً

أقول: **یہ جرح تو ہم کبھی تا قیامت نہیں مانیں گے، اس لیے کہ یہ وہی اَزدی ہیں، جن کی بابت تھوڑا تھوڑا کر کے بہت کچھ نمبر (٦، ٩، ١٢، ١٨، ٢٥، ٣٥) میں لکھا گیا ہے کہ اَزدی جب خود ضعیف ہے، تو اس کا ثقات کو ضعیف کہہ**

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٢٢٠) هدي الساري (ص: ٤٠٨) تقريب التهذيب (ص: ٢٥٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٥٤)

❷ تهذيب التهذيب (٤/ ١٨٩)

❸ **معترض نے امام ابن معین** رحمہ اللہ **کی جرح "ضعیف" نقل کی ہے، تو یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ امام ابن معین** رحمہ اللہ **کا شمار جرح میں ائمہ متشددین سے کیا گیا ہے، جب ان کی جرح مبہم ہو تو محل نظر ہوتی ہے، خصوصاً جس مجروح راوی کی دیگر ائمہ نے توثیق کی ہو، حافظ ذہبی** رحمہ اللہ **فرماتے ہیں:** "اعلم! هداك الله! أن الذين قبل الناس قولهم في الجرح والتعديل، على ثلاثة أقسام...... قسم منهم متعنت في الجرح، متثبت في التعديل، يغمز الراوي بالغلطتين والثلاث، ويلين بذلك حديثه، فهذا إذا وثق شخصا، فعض على قوله بناجذيك، وتمسك بتوثيقه، وإذا ضعف رجلا، فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه؟ فإن وافقه، ولم يوثق ذاك أحد من الحذاق، فهو ضعيف، وإن وثقه أحد، فهذا الذي قالوا فيه لا يقبل تجريحه إلا مفسرا، يعني لا يكفي أن يقول فيه ابن معين مثلاً: هو ضعيف،يوضح سبب ضعفه، وغيره قد وثقه، فمثل هذا يتوقف في تصحيح حديثه وهو إلى الحسن أقرب." (ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل: ١٧١، ١٧٢) **اسی طرح امام عقیلی** رحمہ اللہ **سے منقول جرح مطلقاً نہیں، بلکہ صرف زہری سے روایت کے متعلق ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر** رحمہ اللہ **نقل کرتے ہیں:** "قال العقيلي: مضطرب الحديث عن ابن شهاب وهو في غيره أثبت" (تهذيب التهذيب: ٤/ ١٨٩) **اور صحیح بخاری میں موجود ان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:** "روى له البخاري من حديثه عن حصين، وعلق له عن الزهري متابعة." (هدي الساري :٤٠٨)

دینا اور ان کے متعلق کچھ جرح کر دینا، ہرگز نہیں مانا جائے گا، اس کا کچھ بیان نمبر (۷۴) میں انشاء اللہ آئے گا، جو قریب آن پہنچا ہے۔

ہاں سیدان ایک ثقہ شخص ہے، تقریب میں ہے: "صدوق من العاشرة" اور خلاصہ میں ہے: "قال أبو حاتم: صدوق" اور میزان میں ہے: "صدوق، حدث عنه البخاري، وقال أبوحاتم: شيخ صدوق" ❶

''یعنی سیدان صدوق ہے، اس کو ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اور ان سے امام بخاری نے حدیث لی ہے۔''

دیکھئے یہاں ذہبی ان کی ثقاہت میں یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ بخاری نے ان سے حدیث لی ہے، ایسا ہی ان سے پہلے والے راوی سلیمان عبدی کی بابت سمجھیں۔ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

" قال أبو حاتم: شيخ صدوق، وقال الدارقطني: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات." ملخصاً ❷

''یعنی ان کو ابوحاتم نے صدوق اور دارقطنی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

چلو یہ بھی ثقات سے ہیں، چھٹی ہوئی۔ آگے چلئے:

قوله: (٥٢) **سيف بن سليمان المكي**: قال يحيىٰ بن معين: قدري.

''یحییٰ بن معین نے کہا کہ قدریہ ہیں۔'' ایضاً

أقول: اس جرح کا جواب حافظ ابن حجر نے تہذیب جلد چہارم میں یوں دیا ہے:

" قال الآجري: قلت لأبي داود: رمي بالقدر؟ قال: ما أعلمه."

یعنی آجری کہتے ہیں کہ میں نے ابوداود سے پوچھا کہ سیف کو قدریہ کہا گیا ہے؟ فرمایا: مجھے علم نہیں۔ ❸

چلو اس جرح کا ہی خاتمہ ہوگیا، علاوہ بریں اگر یہ قدریہ ہوں بھی تو چنداں ضرر نہیں، اس لیے کہ صحیح بخاری میں ان سے چار جگہ روایتیں ہیں، ساری متابعتاً ہیں، ایک بھی متفرد نہیں، پہلی تو حکم کی متابعت میں ہے، دوسری ابن نجیح، تیسری حمید اور چوتھی نافع کی متابعت کے ساتھ ہے۔ ❹ امام بخاری پر اعتراض اس وقت ہوتا کہ وہ ان کے ساتھ تفرد کرتے، لہٰذا جب ایسا نہیں، تو کوئی اعتراض نہیں۔ علاوہ ازیں سیف ائمہ ثقات سے ہے، تقریب میں ہے: "ثقة ثبت" اور خلاصہ میں ہے: "وثقة القطان والنسائي" ❺ 74

❶ ميزان الاعتدال: (٢/ ٢٥٤) تقريب التهذيب (ص: ٢٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٦٢)

❷ تهذيب التهذيب (٤/ ٢٥٦)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٢٥٨)

❹ هدي الساري (ص: ٤٠٩)

❺ تقريب التهذيب (ص: ٢٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٦١)

یعنی سیف ثقہ ہے، اس کو قطان ونسائی نے ثقہ کہا ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

" أحد الثقات، قال ابن عدي: أرجو أنه لا بأس به، وقال أحمد: ثقة، وقال علي عن يحيىٰ بن سعيد: كان عندنا ثبتا ممن يصدق ويحفظ، وقال النسائي :ثقة ثبت، " انتهىٰ. ❶

"یعنی سیف ثقات سے ہے، ابن عدی نے لا بأس به اور احمد اور یحییٰ قطان نے بروایت علی ثبت صدوق حافظ اورنسائی نے ثقہ اور ثبت کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" أحد الأثبات، قال ابن المديني عن يحيىٰ القطان: كان عندنا ثبتا، وقال أبو داود: ثقة، وقال النسائي: ثقة وثبت، وقال زكريا الساجي: أجمعوا على أنه صدوق ثقة، " انتهى، ملخصاً. ❷

"یعنی سیف اَثبات (ثقات) سے ہے، یحییٰ قطان نے بروایت ابن المدینی ثبت اورابوداود نے ثقہ اور ثبت کہا ہے، اور زکریا ساجی نے کہا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیف صدوق اور ثقہ ہیں۔"

محدثین کے اس اجماع کو یاد رکھنا! اس سے کچھ تفصیل سے حافظ تهذيب التهذيب جلد رابع میں لکھتے ہیں:

" قال أحمد: ثقة، وقال علي بن المديني عن يحيىٰ بن سعيد: كان عندنا ثبتا ممن يصدق ويحفظ، وقال أبو زرعة الدمشقي: ثبت، وقال أبو حاتم: لا بأس به، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال النسائي: ثقة ثبت، وقال ابن عدي: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: وكان ثقة كثير الحديث، وقال الساجي: أجمعوا على أنه صدوق ثقة، وقال العجلي وأبوبكر البزار: ثقة،" انتهى ملخصاً. ❸

"یعنی سیف کو احمد نے ثقہ اور یحییٰ نے بروایت ابن مدینی ثبت از صدوق وحفاظ اور ابوزرعہ نے ثبت اور ابوحاتم نے لا بأس به اور ابوداود نے بروایت آجری ثقہ اورنسائی نے ثقہ اور ثبت اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ اور کثیر الحدیث اور زکریا نے ان کے صدوق وثقہ ہونے کا اجماع نقل کیا اور عجلی اورابوبکر البز ار نے ثقہ کہا ہے۔"

آگے چلیے:

قوله: (٥٣) **سريج بن النعمان الجوهري:** قال أبوداود: ثقة، وغلط في أحاديث .

"ابوداود نے کہا کہ ثقہ ہیں اور حدیثوں میں غلطی کرنے والے ہیں۔" ایضاً

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٢٥٥)

❷ هدي الساري (ص: ٤٠٨)

❸ تهذيب التهذيب (٤/ ٢٥٨)

أقول: میزان کے متن میں تو "خلط" کا لفظ "بالخاء" مرقوم ہے، جب آپ خاص اس سے جرح، جو متن میں ہوتی ہے، نقل کرتے ہیں، تو حاشیہ میں نسخے کی طرف کیوں دوڑ گئے اور "غلط" بالغین لکھ دیا؟ خیر ہم نے تو آپ کی کرتوتیں دکھلانا تھیں، جرح مرقومہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ ابو داود ان کو ثقہ کہہ رہے ہیں، جس کو آپ نے بھی لکھا ہے، گویا ان کا ثقہ ہونا مسلّم ہے، باقی رہا ان کا غلطی کرنا، وہ چند حدیثوں میں ہے نہ کہ کل میں، اور امام بخاری نے جو روایت ان سے لی ہے، وہ ایسی روایت ہے جس میں انھوں نے غلطی نہیں کی ہے، کیونکہ امام بخاری عارف و 75
ناقد حدیث تھے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت بلاواسطہ لی ہے، وہ ابو عامر عقدی کی متابعت کے ساتھ ہے، لہٰذا ان پر کوئی جرح نہیں۔ [1] اور یہ سریج بھی ثقات سے ہے، تقریب میں ہے: " ثقة من كبار العاشرة " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين " یعنی سریج ثقہ ہے، ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے اور میزان میں ہے:

" روى عنه البخاري وخلق، ثقة عندهم، وقال أبوداود: ثقة ." [2]

"یعنی ان سے امام بخاری اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ (دیکھئے یہاں سے یہ بات پھر ثابت ہوئی کہ جو راوی امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہو، اس پر دوسرے کی جرح مضر نہیں ہے، فتذکر!) اور ابوداوٗد نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے: " وثقه ابن معين والعجلي وابن سعد والنسائي والدارقطني ". [3]

"یعنی یحییٰ اور عجلی اور ابن سعد اور نسائی اور دارقطنی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد سوم میں لکھتے ہیں:

" قال المفضل الغلابي عن ابن معين: ثقة، وقال العجلي: ثقة، وقال أبو داود: ثقة، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال الحاكم عن الدارقطني: ثقة مأمون، وقال ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً . [4]

"یعنی یحییٰ نے بروایت مفضل ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور ابو داود نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن سعد نے ثقہ اور دارقطنی نے بروایت حاکم ثقہ مأمون اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ سریج بھی ثقات سے ہے۔ آگے چلئے:

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٠٤)

[2] ميزان الاعتدال (٢/ ١١٦) تقريب التهذيب (ص: ٢٢٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٣٣)

[3] هدي الساري (ص: ٤٠٥)

[4] تهذيب التهذيب (٣/ ٣٩٧)

حرف الشین

76

قوله: (٥٤) **شبابه بن سوار المدائني**: روى أحمد بن أبي يحيىٰ عن أحمد بن حنبل، قال: تركت شبابة للإرجاء.

''روایت کی احمد بن ابو یحییٰ نے احمد بن حنبل سے کہ احمد نے کہا کہ ہم نے شبابہ کو بوجہ مرجیہ ہونے کے چھوڑ دیا۔'' ایضاً

أقول: اسی میزان میں ذرا سا آگے نہیں دیکھ لیا:''وقال أبو زرعة: رجع شبابة عن الإرجاء''[1]

یعنی ابوزرعہ نے کہا کہ شبابہ نے ارجاء سے رجوع کیا تھا،یعنی تائب ہوگئے تھے۔

علی ہذا القیاس حافظ ابن حجر نے هدي الساري میں اس رجوع کو بحکایت سعید بن عمرو بن برذعی بیان کیا ہے، جو چاہے اس کی طرف مراجعت کرسکتا ہے۔[2] لہٰذا آپ کی نقل کردہ جرح کافور ہوگئی، اب شبابہ کی توثیق سنئے!

تقریب میں ہے:''ثقة حافظ'' خلاصہ میں ہے:''وثقه ابن معين وغيره، قال ابن عدي: لا بأس به''[3]

''یعنی یہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔''

میزان الاعتدال میں ہے:

'' صدوق، وقال ابن المديني: صدوق، وقال أبوحاتم: صدوق، وقال عبد الله بن روح المدائني: صدوق، وشبابة محتج به في كتب الإسلام ثقة''.[4]

''یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو علی نے صدوق اور ابوحاتم نے صدوق اور عبداللہ نے صدوق کہا ہے اور شبابہ سے تمام اسلامی کتب (احادیث) میں حجت پکڑی گئی ہے اور یہ ثقہ ہے۔''

اور هدي الساري میں ہے:

'' وثقه ابن معين وابن المديني وابن سعد وأبوزرعة وعثمان بن أبي شيبة وغيرهم، وقال ابن خراش: وهو صدوق، وقال الساجي نحو ذلك، وقال أبو حاتم: صدوق يكتب حديثه،

---

[1] ميزان الاعتدال (٢/ ٢٦١)

[2] هدي الساري (ص: ٤٠٩) نیز دیکھیں: الضعفاء وأجوبة أبي زرعة الرازي على سؤالات البرذعي (٢/ ٤٠٧)

[3] تقريب التهذيب (ص: ٢٦٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٦٨)

[4] ميزان الاعتدال (٢/ ٢٦١)

وقد احتج به الجماعة" ❶

''یعنی شبابہ کو یحییٰ وعلی وابن سعد وابوزرعہ وعثمان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن خراش اور زکریا ساجی اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت بتلایا ہے اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے۔''

اس سے زیادہ تفصیل سے حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

" قال جعفر الطيالسي عن ابن معين: ثقة، وقال عثمان الدارمي: قلت ليحيىٰ: فشبابة في شعبة؟ قال: ثقة، قال ابن سعد: كان ثقة صالح الأمر في الحديث، وقال زكريا الساجي: صدوق، وقال ابن خراش: هو صدوق في الحديث، وقال يعقوب بن شيبة: سمعت علي بن عبد الله ...... فقال: شبابة كان شيخا صدوقا، وقال أبوحاتم: صدوق يكتب حديثه، وقال ابن عدي: لا بأس به، كما قال ابن المديني، وقلت: وذكره ابن حبان في الثقات، وقال عثمان بن أبي شيبة: صدوق حسن العقل ثقة، " انتهى ملخصاً . ❷

''یعنی شبابہ کو ابن معین نے بروایت جعفر ثقہ اور یحییٰ نے بروایت عثمان ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ صالح
الحدیث اور ساجی نے صدوق اور ابن خراش نے صدوق اور علی نے بروایت یعقوب شبابہ کو شیخ صدوق اور 77
ابو حاتم نے صدوق اور ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابن عدی و ابن المدینی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور عثمان نے صدوق وعقل والا ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٥٥) **شبيب بن سعيد الحيطى البصري**: حدث عنه ابن وهب بمناكير.

''ابن وہب نے ان سے نامقبول حدیثوں کی روایت کی ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے پھر غلطی کی ہے کہ "حبطی" کو" حیطی" یاء کے ساتھ لکھ دیا ہے، افسوس!

ہاں ابن وہب نے ان سے جو نامقبول حدیثوں کی روایت کی ہے، اس سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں آسکتا، علاوہ بریں یہ بات سب ناقدین نے مان لی ہے کہ ان کی حدیث بروایت ابن وہب قبول نہیں کی جائے گی، چنانچہ تقریب میں ہے:

" لا بأس بحديثه من رواية ابن أحمد عنه لا من رواية ابن وهب." ❸

یعنی ان کی حدیث بروایت ابن وہب نامقبول ہے۔

آیئے! اب صحیح بخاری کو دیکھیں، اس میں ان سے بروایت ابن وہب حدیث مروی ہے یا نہیں؟

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٩)

❷ تهذيب التهذيب (٤/ ٢٦٥)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٢٦٣)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حافظ ابن حجر ہدي الساري میں لکھتے ہیں:

" لم يخرج البخاري من رواية ابن وهب عنه شيئا." ❶

یعنی امام بخاری شبیب سے بروایت ابن وہب کوئی بھی حدیث نہیں لائے ہیں۔

چلئے جھگڑا تمام شد! اب ان کی توثیق ملاحظہ کریں، تقریب میں ہے: "لا بأس بحديثه" اور خلاصہ میں ہے:

"قال ابن المديني: كتابه صحيح" اور میزان میں ہے: "صدوق، قال ابن المديني: ثقة، وكتابه صحيح" ❷

مطلب یہ کہ شبیب کی حدیث میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے، ابن المدینی نے ان کو ثقہ اور ان کی کتاب کو صحیح بتلایا ہے اور یہ صدوق ہیں۔

ہدی الساری میں ہے: "وثقه ابن المديني وأبوزرعة وأبوحاتم والنسائي والدارقطني والذهلي." ❸

"یعنی ان کو علی و ابوزرعہ وابو حاتم ونسائی ودارقطنی و ذہلی نے ثقہ کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد رابع میں ہے:

" قال ابن المديني: ثقة، وكتابه كتاب صحيح، وقال أبوزرعة: لا بأس به، وقال أبوحاتم: هو صالح الحديث لا بأس به، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: ثقة، ونقل ابن خلفون توثيقه عن الذهلي، وقال الطبراني في الأوسط: ثقة، " انتهى ملخصاً . ❹

"یعنی ان کو علی نے ثقہ اور ان کی کتاب کو صحیح اور ابوزرعہ نے لا بأس به اور ابوحاتم نے صالح الحدیث لا بأس به اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے ثقہ اور ذہلی نے بروایت ابن خلفون ثقہ اور طبرانی نے اوسط میں ثقہ کہا ہے۔" آگے چلئے:

قوله: (٥٦) **شريك بن عبد الله بن أبي نمر المدني**: قال النسائي: ليس بالقوي، وهاه ابن حزم لأجل حديثه في الإسراء.

"نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور ان کو ابن حزم نے بسبب ان کی حدیث کے جو اسراء میں ہے، وہی 78
کہا۔" ایضاً

أقول: ممکن ہے کہ پہلے نسائی کے اجتہاد میں ان کی بابت وہی بات آئی ہو کہ یہ قوی نہیں ہیں، پھر اس کے

❶ هدي الساري (ص: ٤٠٩)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٢٦٢) تقريب التهذيب (ص: ٢٦٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٦٣)

❸ هدي الساري (ص: ٤٠٩)

❹ تهذيب التهذيب (٢/٢٦٩)

بعد نسائی نے دوسرا اجتہاد کیا ہو کہ لا بأس بہ یعنی یہ ثقہ ہیں، جیسا کہ ہدی الساری اور تہذیب جلد چہارم میں ان کی بابت نسائی کا قول لا بأس بہ منقول ہے۔[1] علاوہ بریں نسائی کے علاوہ دیگر ائمہ کثیر نے ان کی توثیق کی ہے، لہٰذا نسائی اس جرح میں شاذ ہوں گے۔ والشاذ کالمعدوم!

چنانچہ تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "قال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث" اور میزان میں ہے:

" تابعي صدوق، قال يحيىٰ بن معين: لا بأس به، وقال أبوداد: ثقة" .[2]

"یعنی شریک صدوق ہیں، تابعی ہیں، ان کو ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور یحییٰ نے لا بأس به (ثقہ) اور ابوداود نے ثقہ کہا ہے۔"

هدي الساري میں ہے:

" وثقه ابن سعد وأبو داود ، وقال ابن معين والنسائي: لا بأس به".[3]

یعنی ان کو ابن سعد اور ابوداود نے ثقہ اور ابن معین اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين والنسائي: ليس به بأس، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً.[4]

"یعنی یحییٰ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور ابوداود نے بروایت آجری ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔" آگے چلئے:

---

[1] هدي الساري (ص: ٤١٠) تهذيب التهذيب (٤/ ٢٩٦) امام نسائی کے الفاظ " ليس بالقوي " ایسی شدید جرح نہیں ہے، جو راوی کو درجہ عدالت سے گرا دے، اس لیے یہ ان کے دوسرے قول " لا بأس به" کے منافی نہیں، اسی لیے امام ابن الجارود نے شریک کے بارے میں یہی دونوں الفاظ اکٹھے بولیں ہیں: "ليس بالقوي ولا بأس به " (مولانا إرشاد الحق اثری ﷾)

نیز امام ذہبی فرماتے ہیں: " قال ابن معين: لا بأس به، وقال هو والنسائي: ليس بالقوي " (ميزان الاعتدال: ٢/ ٢٦٩)

[2] ميزان الاعتدال (٢/ ١٦٩) تقريب التهذيب (ص: ٢٦٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٦٦)

[3] هدي الساري (ص: ٤١٠)

[4] تهذيب التهذيب (٤/ ٢٩٦)

79

حرف الصاد

قوله: (٥٧) **صالح بن صالح بن حي**: قال العجلي: ليس بالقوي.

''عجلی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: آپ کو دھوکہ ہوا، عجلی نے اس صالح کی نسبت "ليس بالقوي" کا لفظ نہیں کہا ہے، بلکہ اس کو تو ثقہ کہا ہے اور وہ دوسرا صالح ہے، اس کو "صالح بن حيان القرشي" کہا جاتا ہے، (1) **تقریب** میں ہے:

"وثقه العجلي، وضعف صالح بن حيان القرشي". (2)

یعنی اس صالح بن حی کو عجلی نے ثقہ کہا ہے اور صالح بن حیان قرشی کو ضعیف کہا ہے۔

حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" وأما كلام العجلي فقاله في صالح بن حيان القرشي". (3)

یعنی عجلی نے جس صالح کے بارے میں کلام کیا ہے، وہ ابن حیان قرشی ہے۔

اور صالح بن حی کو تو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔

خلاصہ میں ہے: "وثقه أحمد وابن معين والنسائي والعجلي" (4)

اور میزان میں ہے: "صدوق، وثقه أحمد وابن معين وآخرون " (5)

اور ہدی الساری میں ہے: "وثقة أحمد وابن معين والنسائي والعجلي." (6)

''یعنی صالح صدوق ہے، اس کو امام احمد و یحییٰ بن معین اور نسائی اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ تهذيب التهذيب جلد رابع میں لکھتے ہیں:

" قال حرب عن أحمد: ثقة ثقة، وقال ابن معين والنسائي: ثقة، وقال العجلي: كان ثقة،

---

(1) دیکھیں: الثقات للعجلي (١/ ٤٦٣، ٤٦٤) برقم (٧٤٦، ٧٤٩)

(2) تقريب التهذيب (ص: ٢٧٢)

(3) هدي الساري (ص: ٤١٠)

(4) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٧١)

(5) ميزان الاعتدال (٢/ ٢٩٥)

(6) هدي الساري (ص: ٤١٠)

وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن خلفون في الثقات...... وهو ثقة قاله ابن نمير وغيره، "انتهى ملخصاً . ❶

یعنی احمد نے بروایت حرب صالح کو ثقہ ثقہ (دو مرتبہ) اور ابن معین اور نسائی نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن خلفون نے ثقات میں اور ابن نمیر وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (٥٨) **صخر بن جويرية:** وتكلم فيه .

''ترجمہ: ابو داود نے کہا کہ ان میں کلام کیا گیا ہے۔'' ایضاً

أقول: "تکلم" مجہول کا صیغہ ہے، جو عدم جزم کے لیے آتا ہے، اس لیے اس کا اعتبار ہی نہیں، آیئے ہم آپ کو بتا دیں کہ ان میں کیوں کلام کیا گیا اور وہ کلام کیسا ہے؟ یقینی اور قابل التفات ہے یا نہیں؟ ایک تو راوی پر اس وجہ سے کلام ہوتا ہے کہ وہ ضعیف ہو یا تدلیس کرتا ہے یا مناکیر روایت کرتا ہو وغیرہ وغیرہ، یہ سب اقسام مردود سے ہیں، بفضلہ ان میں سے صخر میں کوئی بھی وصف نہیں، پھر کیوں کلام کیا گیا؟ محدثین کا قاعدہ تھا کہ اپنی کتاب حدیث کو بہت حفاظت سے مقفل رکھتے کہ مبادا کسی کے ہاتھ میں پڑ جائے، ورنہ ممکن ہے کہ اس میں غلط ملط ایجاز واطناب کر دے، بے چارے صخر کی کتاب کسی طرح سے ایک مرتبہ گم ہوگئی، لیکن پھر بہت جلد مل گئی اور خدا کے فضل سے وہ صحیح سالم تھی، بس یہ وجہ ہے کلام کی! اس سے نہ تو صخر کی ثقاہت میں فرق آیا، نہ محققین کے نزدیک یہ کلام کوئی ایسا کلام ہے، جس پر التفات کیا جائے، اب سنئے کتنے لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

تقریب میں ہے: "قال أحمد: ثقة" اور خلاصہ میں ہے: "قال أحمد: ثقة ثقة" ❷ اور میزان میں ہے: 80

"وثقه أحمد و جماعة، وقال ابن معين: صالح".

یعنی ان کو احمد نے ثقہ اور ایک جماعت نے ثقہ اور ابن معین نے صالح الحدیث کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

"وثقه أحمد بن حنبل والذهلي وابن سعد، وقال أبو زرعة وأبو حاتم والنسائي: لا بأس به". ❸

''یعنی صخر کو احمد اور ذہلی اور ابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور ابو زرعہ اور ابو حاتم اور نسائی نے لا بأس بہ۔''

اور تہذیب التہذیب جلد چہارم میں ہے:

"قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: شيخ ثقة ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة ثبتاً، وقال أبو زرعة

---

❶ تهذيب التهذيب (٤/ ٣٤٤)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٠٨) تقريب التهذيب (ص: ٢٧٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٧٢) کسی راوی کو دو مرتبہ "ثقة ثقة" کہنا تعدیل وتوثیق کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ (ميزان الاعتدال : ١/ ٤)

❸ هدي الساري (٤١٠)

وأبوحاتم: لا بأس به، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن أبي خيثمة عن ابن معين: صالح، وقال الذهلي: ثقة، حكاه الحاكم،" انتهى ملخصاً . [1]

"یعنی امام احمد نے صخر کو شیخ ثقہ ثقہ (دو مرتبہ) اور ابن سعد نے ثقہ اور ثبت اور ابوزرعہ اور ابوحاتم نے لا بأس به اور نسائی نے لیس به بأس اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن معین نے بروایت ابن ابی خیثمہ صالح الحدیث اور ذہلی نے ثقہ کہا ہے۔"

دیکھا جناب! اتنے لوگوں نے صخر کی توثیق کی ہے؟ آگے چلئے! اخاہ! حرف الضاء ندارد؟

---

[1] تهذيب التهذيب (٤/ ٣٦٠)

حرف الطاء

81

قوله: (٥٩) **طلحة بن نافع:** قال أحمد بن زهير: سئل عنه ابن معين: فقال لا شيء، وقال ابن المديني: كانوا يضعفونه في حديثه .

''احمد بن زہیر نے کہا کہ ابن معین سے بہ نسبت ان کے سوال کیا گیا، پس ابن معین نے کہا کہ کچھ نہیں ہیں اور ابن المدینی نے کہا کہ لوگ ان کو حدیث میں ضعیف جانتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: اگر یہ طلحہ ایسے ہی ہوں، تو کوئی جرح نہیں، اس لیے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں چار جگہ ان سے روایت کی ہے، لیکن کہیں بھی طلحہ کے ساتھ تفرد نہیں کیا، بلکہ ہر جگہ مقرون بغیرہ ہے، ملاحظہ ہو: ھدی الساری و تھذیب جلد پنجم ❶

خود ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

قلت: أخرج له البخاري مقرونا بغيره ". ❷ ''یعنی امام بخاری نے ان سے مقترن روایت کیا ہے۔''

صحیح بخاری پر اصل اعتراض جب ہوتا کہ امام بخاری ان کے ساتھ تفرد کرتے، لہٰذا جب تفرد نہیں، تو کوئی اعتراض نہیں، حالانکہ طلحہ کو ائمہ کثیر نے قابل حجت لکھا ہے، چنانچہ تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "قال أحمد والنسائي: ليس به بأس " ❸ سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ طلحہ صدوق ہے، اس کو احمد نے ليس به بأس کہا ہے۔ حافظ ابن حجر تھذیب التھذیب جلد خامس میں لکھتے ہیں:

" قال أحمد: ليس به بأس، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن عدي: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال أبوبكر البزار: هو في نفسه ثقة". ❹

''یعنی طلحہ کو احمد نے لا بأس به اور نسائی نے لا بأس به اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابوبکر البزار نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (٦٠) **طلحة بن يحيىٰ الزرقي:** قال أبو حاتم: ليس بقوي، وقال يعقوب بن

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١١) تهذيب التهذيب (٥/ ٢٤)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٤٢)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٢٨٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٠)

❹ تهذيب التهذيب (٥/ ٢٤)

شيبة: شيخ ضعيف جداً، ومنهم من قال: لا يكتب حديثه.

''ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ یہ شیخ ضعیف ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کی حدیثیں نہیں لکھی جائیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی بوجہ اس کے کہ بالکل مبہم غیر مبین ہے، اس لیے نامقبول ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ سلیمان بن بلال کی متابعت کے ساتھ ہے۔ ❶ لہٰذا کوئی حرج نہیں، علاوہ ازیں یہ طلحہ خود صدوق وثقہ ہے، تقریب میں ہے، " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين وغيره" ❷

''یعنی طلحہ صدوق ہے، اس کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔''

ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

" وثقه يحيىٰ بن معين وغيره، وقال أحمد: مقارب الحديث". ❸

''یعنی ان کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور احمد نے ان کو مقارب الحدیث کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ان کی حدیثیں لکھنے کے قابل ہیں۔ حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" وثقه يحيىٰ بن معين وعثمان بن أبي شيبة وأبوداود، وقال أحمد: مقارب الحديث". ❹ 82

''یعنی ان کو یحییٰ بن معین وعثمان بن ابی شیبہ وابوداود نے ثقہ کہا ہے اور احمد نے مقارب الحدیث کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذيب التهذيب میں لکھتے ہیں:

" وقال أبوداود عن أحمد: مقارب الحديث، وقال ابن معين: ثقة، وكذا قال حنبل بن إسحاق عن عثمان بن أبي شيبة، وقال الآجري عن أبي داود: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات". ملخصاً ❺

''یعنی احمد نے بروایت ابو داود طلحہ کو مقارب الحدیث اور ابن معین نے ثقہ اور عثمان بن ابی شیبہ نے بروایت حنبل بن اسحاق ثقہ اور ابو داود نے بروایت آجری لا بأس به (ثقہ) اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے۔ ایں! حرف الظاء ندارد؟

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١١) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (١٦٦٤، ١٦٦٥)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٢٨٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٠)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٤٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤١١)

❺ تهذيب التهذيب (٥/ ٢٦)

حرف العین

83

قوله: (٦١) **عاصم بن سليمان الأحول**: قال ابن معين: كان القطان لا يحدث عن عاصم الأحول، وقال عبد الرحمن بن المبارك: قال ابن علية: كل من اسمه عاصم في حفظه شيء.

''ابن معین نے کہا کہ قطان عاصم احول سے روایت نہیں کرتے تھے اور عبدالرحمٰن بن مبارک نے کہا کہ ابن علیہ نے کہا کہ ہر وہ شخص کہ نام اس کا عاصم ہے، اس کے حافظہ میں خرابی ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں آپ نے دو جرحیں نقل کی ہیں، لیکن خیریت سے خود دونوں مجروح ہیں، پہلی جرح قطان والی ہے، اس پر دیگر ناقدین نے سخت تعجب کیا ہے اور ان کی جرح کو صحیح نہیں سمجھا، ہدی الساری میں ہے:

وقيل له (أي لأحمد): إن يحيى القطان يتكلم فيه، فعجب" كذا في التهذيب (ج:٥) وفيه: "قال: ثقة، " انتهى. ❶

یعنی مروزی نے امام احمد سے کہا کہ یحییٰ قطان نے عاصم احول پر کلام کیا ہے، امام احمد کو سخت تعجب ہوا اور فرمایا کہ وہ تو ثقہ ہے۔''

باقی رہی ابن علیہ کی جرح کہ جس کا نام عاصم ہو، اس کے حافظہ میں خرابی ہے، یہ صحیح نہیں بلکہ یہ قاعدہ کلیہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے، ہدی الساری میں ہے:

"وقال أبو الشيخ: سمعت عبدان يقول: ليس في العواصم أثبت منه" (أي من عاصم الأحول) كذا في التهذيب ج٥.

''یعنی جن کا نام عاصم ہے، ان سب میں عاصم اُحول زیادہ ثقہ ہے۔''

چلئے! اس عبارت سے آپ کا قاعدہ کلیہ نہ رہا۔ اگر آپ اس قاعدہ کلیہ کو صحیح سمجھتے ہیں، تو " عاصم بن عمر بن الخطاب العدوي " کے حافظے میں کسی قسم کی خرابی کتب اسماء رجال سے پیش کریں، ورنہ درست نہیں، اب عاصم احول کی صریح الفاظ میں توثیق سنئے:

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: "ثقة، من الرابعة" اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں فرماتے ہیں: "وثقه ابن

❶ هدي الساري (ص: ٤١١) تهذيب التهذيب (٥/ ٣٨)

معين وأبو زرعة، وقال أحمد: ثقة من الحفاظ "❶

یعنی ان کو ابن معین اور ابوزرعہ اور امام احمد نے ثقہ کہا ہے، یہ ثقہ ہیں، حفاظ سے ہیں۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

" الحافظ الثقة، وثقه علي بن المديني وغيره، وقال سفيان: حفاظ الناس أربعة، فذكر منهم عاصم بن سليمان، وروى الميموني عن أحمد قال: ثقة من الحفاظ، " انتهى. ❷

"یعنی عاصم احول ثقہ ہے، ان کو علی بن مدینی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور سفیان نے کہا کہ حفاظ لوگوں میں چار ہی ہیں، ان میں سے عاصم اُحول کو بھی ذکر کیا ہے۔ (لیجئے اس سے بھی ابن علیہ کا قاعدہ کلیہ ٹوٹ گیا) اور میمونی نے احمد سے روایت کیا ہے کہ عاصم ثقہ ہے، حفاظ سے ہے۔"

ہدی الساری میں ہے:

"عده سفيان الثوري رابع أربعة من الحفاظ، وصفه بالثقة والحفظ أحمد بن حنبل، ووثقه ابن معين والعجلي وابن المديني وابن عمار و البزار،" انتهى. ❸

"یعنی عاصم کو سفیان نے دنیا کے چار حفاظ سے چوتھا شمار کیا ہے اور احمد بن حنبل نے ان کو ثقہ اور حافظ ہونے کے ساتھ موصوف کیا ہے اور ان کو یحییٰ اور عجلی اور ابن المدینی اور ابن عمار اور بزار نے ثقہ کہا ہے۔" 84

اور یہی علامہ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد خامس میں لکھتے ہیں:

" قال عبد الرحمن بن مهدي: كان من حفاظ أصحابه، وقال أحمد: شيخ ثقة، وقال أيضاً: من الحفاظ للحديث ثقة، وقال المروزي لأحمد: إن يحيىٰ تكلم فيه، فعجب وقال: ثقة، وقال إسحاق بن منصور و عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وكذا قال ابن المديني وأبوزرعة والعجلي وابن عمار، وذكره ابن عمار في موازين أصحاب الحديث، وقال ابن المديني مرة: ثبت، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال البزار: ثقة، وقال أبو الشيخ: سمعت عبدان يقول: ليس في العواصم أثبت من عاصم الأحول،" انتهى ملخصاً. ❹

"یعنی عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا ہے کہ عاصم احول اس کے حفاظ اصحاب سے ہے اور ان کو امام احمد نے شیخ ثقہ اور حافظ للحديث اور ثقہ کہا ہے اور مروزی نے کہا کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ یحییٰ قطان نے

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٢٨٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٢)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٠)

❸ هدي الساري (ص: ٤١١)

❹ تهذيب التهذيب (٥/ ٣٨)

ان پر کلام کیا ہے، تو انھوں نے کہا تعجب ہے اور عاصم کو ثقہ کہا اور ابن معین نے بروایت اسحاق بن منصور اور عثمان دارمی عاصم کو ثقہ کہا ہے، ایسا ہی ان کو ابن مدینی اور ابو زرعہ اور عجلی اور ابن عمار نے ثقہ کہا ہے، بلکہ ابن عمار نے ان کو موازین اصحاب حدیث میں ذکر کیا ہے اور ابن مدینی نے ان کو ثبت بھی کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور ان کو بزار نے ثقہ کہا ہے اور ابو الشیخ نے کہا کہ میں نے عبدان سے سنا کہتے تھے کہ عاصموں میں عاصم احول سے زیادہ کوئی ثقہ نہیں ہے۔''

معلوم ہوا کہ عاصم احول ائمہ ثقات سے ہے، ان کی بابت میرے رسالہ ''الريح العقيم'' (ص: ٥٧) میں بھی ملاحظہ کریں۔ آگے چلیے:

قوله: (٦٢) **عاصم بن علي بن عاصم الواسطي:** روى معاوية بن صالح وغيره عن ابن معين: ليس بشيء.

''معاویہ بن صالح وغیرہ نے ابن معین سے روایت کی کہ کچھ نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: ابن معین سے اس روایت کی کوئی صحیح سند منقول نہیں، [1] نیز خود ابن معین نے ان کی بابت یوں کہا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے: ''قال ابن معين: عاصم سيد المسلمين'' كذا في التهذيب جلد: ٥ [2]

لہٰذا ہم یہ سمجھیں گے کہ ابن معین کی وہ جرح بے ثبوت ہے اور اگر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو ہم یہ جواب دیں گے جس کو حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

'' وقال المروزي: قلت لأحمد: إن يحيىٰ بن معين يقول: كل عاصم في الدنيا ضعيف، قال: ما أعلم في عاصم بن علي إلا خيرا، كان حديثه صحيحا، '' كذا في التهذيب ج: ٥ . [3]

''یعنی مروزی نے کہا کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں، دنیا میں جس قدر عاصم ہیں سب ضعیف ہیں، امام احمد نے کہا کہ عاصم بن علی واسطی میں میں سوائے بھلائی کے اور کسی قسم کی جرح نہیں دیکھتا، ان کی حدیثیں صحیح ہیں۔''

---

1. امام ابن معین سے یہ قول حسن سند کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیں: الضعفاء للعقيلي (٣/٣٣٧) نیز دیکھیں: الكامل في الضعفاء (٥/ ٢٣٤) تاريخ بغداد (١٢/ ٢٤٨) لیکن امام ابن معین ؒ ''ليس بشيء '' کا اطلاق قلیل الحدیث راوی پر کر دیتے ہیں، لہٰذا اگر ابن معین ؒ سے کسی راوی کے متعلق '' ليس بشيء'' کے الفاظ مروی ہوں اور دیگر ائمہ سے ایسے راوی کی توثیق و تعدیل مروی ہو، تو ابن معین ؒ سے مروی مذکورہ بالا الفاظ کو راوی کی قلت حدیث پر محمول کیا جائے گا۔ دیکھیں: ضوابط الجرح والتعديل (ص: ١٤٩)
2. الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٣) نیز دیکھیں: تاريخ بغداد (١٢/ ٢٤٨)
3. هدي الساري (ص: ٤١٢)

لیجئے جناب ! اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک تو عاصم بن علی پر جو جرح ہے، اس کا دفعیہ ہوا، دوسرا اس قاعدہ کلیہ کا غلط ہونا جس کو آپ نے نمبر (٦١) میں ذکر کیا تھا اور آگے نمبر (٦٣) میں آپ نے ذکر کیا ہے، پس اس 85
کو خوب یاد رکھئے! اب ان کی توثیق سنیے: تقریب میں ہے:" صدوق" اور خلاصہ میں ہے:

" قال أبو حاتم: صدوق، وقال ابن عدي: لم أر بحديثه بأسا، ولا أعلم له منكرا، وقال العجلي: كان من ثقات الشيوخ وأعيانهم."[1]

"یعنی عاصم بن علی صدوق ہیں، ان کو ابو حاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے میں ان کی حدیث میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں دیکھتا ہوں اور نہ ان کی کوئی روایت منکر جانتا ہوں اور عجلی نے ان کو ثقات شیوخ میں کہا ہے۔"

میزان الاعتدال میں ہے:

"كان عالما صاحب الحديث، وقال أحمد: صدوق، وقال ابن عدي: لم أر به بأسا، وهو كما قال فيه المتعنت أبو حاتم: صدوق، قلت: وكان من أئمة السنة قوالاً بالحق، احتج به البخاري، " انتهى ملخصاً.[2]

"یعنی عاصم بن علی عالم صاحب حدیث ہے، ان کو احمد نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے، (اب امام ذہبی اصلی فیصلہ کرتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ عاصم ائمہ حدیث سے ہے، حق کہنے والا ہے، امام بخاری نے اس سے حجت پکڑی ہے،" بس امام بخاری کے نزدیک یہ قابل حجت ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

" وقال العجلي: كان ثقة، ووثقه ابن سعد، وقال ابن عدي: لم أر بحديثه بأسا".[3]

"یعنی ان کو عجلی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔"

اس سے مفصل حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد پنجم میں لکھتے ہیں:

" قال الميموني عن أحمد: صحيح الحديث، وكان إن شاء الله صدوقا، وقال أبو داود عن أحمد: حديثه حديث مقارب حديث أهل الصدق، وقال المروزي: قلت لأحمد إن ابن معين قال: كل عاصم في الدنيا ضعيف، قال: ما أعلم من عاصم بن علي إلا خيرا، كان حديثه صحيحا، وقال أبو عبد الله الجعفي الكوفي: سمعت يحيىٰ بن معين يقول:

---

[1] تقريب التهذيب (ص: ٢٨٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٣)

[2] ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٥)

[3] هدي الساري (ص: ٤١٢)

عاصم بن علي سيد من سادات المسلمين، وقال أبوحاتم: صدوق، وقال ابن عدي: لم أربحديثه بأساً، قلت: ووثقه ابن سعد وابن قانع، وقال العجلي: وكان ثقة في الحديث" انتهى ملخصاً . ❶

''یعنی عاصم بن علی کو احمد نے بروایت میمونی صحیح الحدیث اور صدوق کہا ہے اور احمد نے بروایت ابوداود ان کی حدیث کو اہل صدق کی حدیث کے مقارب کہا ہے اور مروزی نے کہا کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ یحییٰ نے کہا ہے دنیا میں جتنے عاصم ہیں، سب ضعیف ہیں، تو امام احمد نے کہا میں نہیں جانتا ہوں عاصم بن علی میں مگر بھلائی کو اور ان کی حدیث صحیح ہے اور عبداللہ جعفی نے کہا میں نے ابن معین کو سنا کہتے تھے، عاصم بن علی سادات مسلمین سے سید ہے، اور ان کو ابو حاتم نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن قانع نے ثقہ اور عجلی نے ان کو ثقہ فی الحدیث کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ عاصم بھی ثقہ ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (٦٣) **عاصم بن أبي النجود**: قال يحيىٰ القطان: ما وجدت رجلا اسمه عاصم إلا وجدته رديء الحفظ، وقال الدارقطني: في حفظ عاصم شيء، وقال ابن خراش: في حديثه نكرة، وقال ابن سعد: ثقة إلا أنه كثير الخطأ في حديثه، وقال أبوحاتم: ليس محله أن يقال: ثقة ". 86

''یحییٰ قطان نے کہا کہ نہیں پایا ہم نے کسی کو کہ اس کا نام عاصم ہو مگر یہ کہ پایا ہم نے اس کو خراب حافظہ والا اور دارقطنی نے کہا کہ عاصم کے حافظہ میں کچھ نقصان ہے اور ابن خراش نے کہا کہ ان کی حدیث میں نقصان ہے اور ابن سعد نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، لیکن اپنی حدیثوں میں بہت غلطی کرتے ہیں اور ابو حاتم نے کہا کہ ان کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ ان کو ثقہ کہا جائے۔'' ایضاً

أقول: کیا خوب! جب یہ اس قابل نہیں کہ ان کو ثقہ کہا جائے، تو ابن سعد نے ان کو کیوں ثقہ کہہ دیا؟ جس کو خود آپ نے نقل کیا ہے، ہاں معلوم ہوا کہ ان تمام جرحوں میں اصل وہی ہے، جو یحییٰ قطان نے کہا ہے، جس کا نام عاصم ہے، وہ خراب حافظہ والا ہے، لیکن اس قاعدہ کلیہ کا غلط ہونا، سابق کے دو نمبروں میں ظاہر ہو چکا ہے، پس ساری جرحیں خود مجروح ہوگئیں اور اگر نہ بھی ہوں تو چنداں حرج نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ مقرون بغیرہ ہے، ملاحظہ ہو: تقريب وهدى الساري ❷

---

❶ تهذيب التهذيب (٥/ ٤٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤١١) تقريب التهذيب (ص: ٢٨٥)

اگر یہ میسر نہ آئیں تو میزان الاعتدال ہی میں دیکھ لیں:

" قلت: خرج له الشيخان لكن مقرونا بغيره، لا أصلا وانفراداً". ❶

"یعنی امام بخاری و امام مسلم دونوں نے اپنی صحیح میں ان سے تخریج کی ہے، لیکن مقرون بغیرہ نہ بطور اصل وانفراد کے۔"

معلوم ہوا کہ امام بخاری نے ان کے ساتھ تفرد نہیں کیا ہے، ایسا ہی تہذیب جلد پنجم میں ہے:

" أخرج له الشيخان مقرونا بغيره "❷ یعنی صحیحین میں ان کی روایت مقرون بغیرہ ہے۔

آپ کا اعتراض اس وقت وارد ہوتا، جب شیخین کا ان کے ساتھ منفرد ہونا پایا جاتا، اس لئے جب منفرد نہیں، تو کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

ہاں! اب اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ یہ اس قابل ہیں کہ ان کو ثقہ کہا جائے یا نہیں؟ علاوہ اس کے کہ تقریب میں ان کی بابت "صدوق حجة" لکھا ہے، خلاصہ میں ہے:

وثقه أحمد وأحمد العجلي ويعقوب بن سفيان وأبو زرعة ." ❸

"یعنی ان کو امام احمد اور احمد عجلی اور یعقوب بن سفیان اور ابوزرعہ اتنے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔"

میزان الاعتدال میں ہے:

" صدوق، قال أبوحاتم: محله الصدق، قلت: هو حسن الحديث، وقال أحمد وأبو زرعة: ثقة، وقال أحمد بن حنبل: وكان ثقة، وقال ابن سعد: ثقة ". ❹

"یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو ابوحاتم نے صدوق اور ذہبی نے حسن الحدیث اور احمد نے ثقہ اور ابوزرعہ نے ثقہ اور امام احمد نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

"قال أحمد بن حنبل: كان رجلا صالحاً، وقال يعقوب بن سفيان: هو ثقة، وقال أبو حاتم: محله الصدق ". ❺

"یعنی امام احمد نے ان کو صالح اور ابوحاتم نے صدوق اور یعقوب نے ثقہ کہا ہے۔"

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٧)

❷ تهذيب التهذيب (٥/ ٣٥)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٢)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٧)

❺ هدي الساري (ص: ٤١١)

تہذیب التہذیب **جلد خامس میں ہے:**

87 " قال ابن سعد: كان ثقة، وقال عبدالله بن أحمد عن أبيه: كان رجلاً صالحاً، وكان خيرا ثقة، وقال ابن معين: لا بأس به، وقال العجلي: كان صاحب سنة وقراءة، وكان ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: وهو ثقة، وقال ابن أبي حاتم عن أبيه: صالح، قال: وسألت أبا زرعة عنه فقال: ثقة، قال: وذكره أبي فقال: محله عندي محل الصدق، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن شاهين في الثقات، وقال ابن معين: ثقة لا بأس به" انتهى ملخصاً. ❶

"یعنی ان کو ابن سعد نے ثقہ اور عبداللہ نے بروایت اپنے باپ احمد ان کو رجل صالح اور نیک ثقہ اور ابن معین نے لا بأس به *(ثقہ) اور عجلی نے ان کو صاحب حدیث اور قراءت اور ثقہ اور یعقوب بن سفیان نے ان کو ثقہ اور ابو حاتم کے بیٹے نے بروایت اپنے باپ کے ان کو صالح اور ان کا محل صدق پر ہونا اور بروایت ابوزرعہ ان کو ثقہ اور نسائی نے* لا بأس به *اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن شاہین نے ثقات میں اور یحییٰ نے ثقہ* لا بأس به *کہا ہے۔"*

لیجئے جناب! دیکھئے کس قدر لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے اور ان کو ثقہ کہا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ اس قابل ہیں کہ ان کو ثقہ کہا جائے۔ ❷ *آگے چلئے:*

قوله: (٦٤) **عباد بن راشد:** قال النسائي: ليس بالقوي .

"نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: *منصفین کے نزدیک جماعت کثیرہ کی توثیق کے مقابلہ میں تنہا نسائی کی یہ جرح غیر مسموع ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت لی ہے، وہ یونس کی متابعت کے ساتھ ہے۔* ❸ *لہٰذا یہ روایت مقرون بغیرہ ہوئی، خود علامہ ذہبی نے میزان میں لکھ دیا ہے:*"أخرج له البخاري مقرونا بغيره " ❹ *اور تہذیب جلد پنجم میں ہے:*

"روى له البخاري مقرونا بغيره ". ❺ *"یعنی امام بخاری نے ان سے مقرون روایت کی ہے۔"*

---

❶ تهذيب التهذيب (٥/ ٣٥)

❷ عاصم بن أبي النجود *کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ وہ حدیث میں صدوق حسن الحدیث اور قرأت میں حجت اور ثقہ ہیں۔ دیکھیں:* تقريب التهذيب (ص: ٢٨٥)

❸ هدي الساري (ص: ٤١٢) *نیز دیکھیں:* صحيح البخاري، برقم (٤٢٥٥، ٤٨٣٧)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٦٥)

❺ تهذيب التهذيب (٥/ ٨٠)

File or ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اس حالت میں راوی کے مجروح ہونے سے چنداں حرج نہیں ہوتا، جس کی بحث بارہا گزر چکی، لہٰذا اب ان کے متعلق زیادہ تحریر فضول ہے، ہاں لگے ہاتھ ان کی توثیق آپ کو بتا دوں، سنئے! تقریب میں ہے: "صدوق من السابعة" اور خلاصہ میں ہے: "قال أحمد: ثقة صدوق، وقال ابن معین: صالح "❶

میزان الاعتدال میں ہے: "صدوق، وقال أبو حاتم: صالح الحدیث، وقال أحمد: ثقة صالح." ❷

''یعنی عباد صدوق ہیں، ان کو احمد نے ثقہ صدوق صالح اور یحییٰ نے صالح اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے: "وثقه العجلي وأحمد بن حنبل، وقال أبوحاتم: صالح". ❸

''یعنی ان کو عجلی اور احمد نے ثقہ اور ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تهذیب التهذیب جلد خامس میں لکھتے ہیں:

" قال الجوزجاني عن أحمد: شيخ ثقة صدوق صالح، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: عباد بن راشد أثبت حديثا، وقال الدوري عن ابن معين: حديثه يكتب، وقال أبوحاتم: صالح الحديث، قلت: وقال العجلي وأبوبكر البزار: ثقة، وقال الساجي: صدوق، وقال 88
فيه أحمد: ثقة، وقال الأزدي: وكان صدوقا. ❹

''یعنی احمد نے عباد کو بروایت جوزجانی شیخ ثقہ صدوق صالح اور عبداللہ نے بروایت اپنے باپ احمد کے ان کو اثبت فی الحدیث اور دوری نے بروایت یحییٰ ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابو حاتم نے صالح الحدیث اور عجلی اور بزار نے ثقہ اور ساجی نے صدوق اور احمد نے ثقہ اور ازدی نے ان کو صدوق کہا ہے۔''

غرض ان کی ثقاہت بھی ثابت ہے۔❺ آگے چلئے:

قوله: (٦٥) **عباد بن يعقوب الأسدي الرواجني الكوفي:** من غلاة الشيعة ورؤوس البدع، وروى عبدان الأهوازي عن الثقة: أن عباد بن يعقوب كان يشتم السلف، وقال

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٢٩٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٦)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٦٥)

❸ هدي الساري (ص: ٤١٢)

❹ تهذيب التهذيب (٥/ ٨٠)

❺ اس بات کی تصریح کئی بار گزر چکی ہے کہ "ليس بالقوي" شدید جرح نہیں ہے، بلکہ اس سے راوی کے ثقاہت میں درجہ علیا کی نفی ہوتی ہے، اصلاً درجہ عدالت اور ضبط کی نفی نہیں ہوتی، لہٰذا ان الفاظ کے بعد بھی راوی صدوق حسن الحدیث رہتا ہے، اسی لئے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، ایک راوی پر امام نسائی "ليس بالقوي" کا لفظ بول کر اس پر "لا بأس به" کا لفظ بھی بول دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا راوی پر بھی امام ابن معین رحمہ اللہ سے دونوں الفاظ "صالح وليس بالقوي" مروی ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ٥/ ٨٠)

صالح جزرة: كان عباد بن يعقوب يشتم عثمان، وسمعته يقول: الله أعدل من أن يدخل طلحة والزبير الجنة، قاتلا عليا بعد أن بايعاه .

''یہ سخت شیعہ اور بدعتوں کے سردار تھے اور عبدان اہوازی نے ثقہ سے روایت کی ہے کہ تحقیق عباد بن یعقوب متقدمین کو گالی دیتے تھے اور کہا صالح جزرہ نے کہ عباد بن یعقوب حضرت عثمان ♦ کو گالی دیتے تھے اور سنا میں نے ان کو کہتے تھے کہ اللہ زیادہ انصاف ور ہے، اس سے کہ طلحہ اور زبیر کو جنت میں داخل کرے، ان دونوں نے علی کو قتل کیا اس کے بعد کہ ان دونوں نے ان سے بیعت کی۔'' ایضاً

أقول: آپ نے میزان الاعتدال سے اتنی ساری عبارت تو نقل کر دی، لیکن ذہبی نے آگے جو فیصلہ کیا ہے، اس کو ہضم کر گئے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:" لكنه صادق في الحديث "[1] یعنی عباد چاہے جو ہوں لیکن حدیث میں یہ صادق ہیں، لہٰذا ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ مقرون ہے، یعنی ان کے ساتھ انفراد نہیں کیا ہے، چنانچہ خود اسی میزان میں ہے:"وعنه البخاري مقرونا بغيره"[2] اور ہدی الساری میں ہے: "روى عنه البخاري مقرونا "[3] اور تہذیب جلد پنجم میں ہے:"وعنه البخاري حديثا واحدا مقرونا"[4]

ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ان سے ایک ہی روایت ہے، وہ بھی مقرون نہ کہ منفرد، اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جو روایتیں مقترن ہوتی ہیں، ان کے راویوں میں اگر کسی قسم کی جرح ہو تو حرج نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ بطور متابعت کے ہوتی ہیں اور متابعت کی بابت عینی حنفی کا قول نمبر (۲۲) ثابت کے بیان میں گزر چکا ہے، اور چونکہ حدیث میں یہ صادق ہیں، اسی بناء پر مندرجہ ذیل اصحاب نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔

چنانچہ تقریب میں ہے:" صدوق "اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أبو حاتم وابن خزيمة "[5]

میزان میں ہے:" قال أبوحاتم: شيخ ثقة، وقال الدارقطني: صدوق، وقال ابن خزيمة: حدثنا الثقة، " (أي عباد) [6]

'' خلاصہ ان کا یہ ہوا کہ عباد صدوق ہے، ان کو دارقطنی نے صدوق اور ابو حاتم نے شیخ ثقہ اور ابن خزیمہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:"إنه كان صدوقا، وثقه أبو حاتم، وقال الحاكم: كان ابن خزيمة إذا حدث عنه 89

[1] ميزان الاعتدال (٢/ ٣٧٩)
[2] مصدر سابق
[3] هدي الساري (ص: ٤١٢) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٥٠٤، ٧٠٩٦)
[4] تهذيب التهذيب (٥/ ٩٥)
[5] تقريب التهذيب (ص: ٢٩١) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٧)
[6] ميزان الاعتدال (٢/ ٣٧٩)

يقول: حدثنا الثقة"❶

تہذیب التہذیب جلد خامس میں ہے:

" قال أبو حاتم: شيخ ثقة، وقال الحاكم: كان ابن خزيمة يقول: حدثنا الثقة، وقال الدارقطني: صدوق" ❷

''یعنی یہ عباد صدوق ہیں، ان کو دارقطنی نے صدوق اور ابو حاتم نے شیخ ثقہ کہا ہے اور حاکم نے کہا کہ ابن خزیمہ جب ان سے حدیث بیان کرتے تو کہتے کہ حدیث بیان کی ہم کو ثقہ نے (یعنی عباد نے)۔''

پس اس بناء پر ان سے امام بخاری نے بھی روایت کی، وہ بھی صرف ایک اور صرف مقترن!❸

آگے چلئے:

قوله: (٦٦) **عبد الله بن دينار**: ذكره العقيلي في الضعفاء.

''ذکر کیا ان کا عقیلی نے ضعفاء میں۔'' ایضاً

أقول: اس کا جواب تو علامہ ذہبی نے خود آگے دے دیا ہے:

فلا يلتفت إلى فعل العقيلي. (ميزان) ❹ یعنی عقیلی کا یہ فعل قابل التفات نہیں ہے۔

پس عبداللہ بن دینار پر سے جرح بھی ساقط ہے، تعجب ہے کہ ثقہ روات پر شاذ جرحوں سے عوام اس کو مجروح سمجھنے لگتے ہیں، میرے خیال میں یہ ان کی قلت علمی کی بیّن دلیل ہے، عبداللہ بن دینار روات ثقات سے ہے، تقریب میں ہے:" ثقة من الرابعة "اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أبوحاتم " اور میزان میں ہے:

"أحد الأئمة الأثبات، وثقه أحمد ويحيىٰ وأبوحاتم."❺

''یعنی یہ ائمہ اثبات و ثقات سے ہے، اس کو احمد اور یحییٰ اور ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد پنجم میں لکھتے ہیں:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١٢)

❷ تهذيب التهذيب (٥/ ٩٥)

❸ عباد بن یعقوب ایک غالی شیعہ راوی تھا، لیکن روایت حدیث میں صدوق حسن الحدیث تھا، اسی لئے ائمہ محدثین نے اس کے غلو اور تشیع کے باوجود اس سے روایت لی ہے، بلکہ امام ابن خزیمہ ﷫ جب ان سے روایت بیان کرتے، کہا کرتے تھے: " حدثنا الثقة في روايته، المتهم في دينه عباد بن يعقوب " لیکن اس کی تصریح کئی بار گزر چکی ہے کہ اگر بدعتی راوی اپنی بدعت کی تائید میں کوئی منکر روایت بیان نہ کرے، تو اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٤١٧)

❺ ميزان الاعتدال (٢/ ٤١٧) تقريب التهذيب (ص: ٣٠٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٩٦)

" قال صالح بن أحمد عن أبيه: ثقة مستقيم الحديث، وقال ابن معين وأبوزرعة وأبو حاتم ومحمد بن سعد والنسائي: ثقة، زاد ابن سعد: كثير الحديث، وقال العجلي: ثقة، وقال الليث عن ربيعة: حدثنى عبد اللّٰه بن دينار وكان من صالحي التابعين صدوقا، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❶

"یعنی احمد نے بروایت صالح عبداللہ بن دینار کو ثقہ مستقیم الحدیث اور ابن معین اور ابوزرعہ اور ابو حاتم اور محمد بن سعد اور نسائی نے ثقہ اور ابن سعد نے کثیر الحدیث اور عجلی نے ثقہ اور ربیعہ نے بروایت لیث عبداللہ کو صالح اور صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔"

معلوم ہوا کہ عبداللہ بن دینار ثقہ ہے۔ ❷ آگے چلیے:

قوله: (٦٧) **عبد الله بن ذكوان أبو الزناد**: قال ربيعة: ليس بثقة ولامرضي.

"ربیعہ نے کہا کہ یہ ثقہ اور مقبول نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: ربیعہ کی یہ جرح بھی غیر مسموع اور نامقبول ہے، افسوس کہ آپ کو صحیح بخاری سے اس قدر عداوت ہے کہ اس کے وہ روات جن پر شاذ و نادر کسی ایک نے کسی وجہ کے بغیر جرح کر دی اور ناقدین نے اس کا دفعیہ کر دیا، آپ اس جرح کو فقط نقل کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ جرح حقیقت میں مدفوع ہوتی ہے اور اس کے آگے اسی کا جواب ہوتا ہے، آپ اس کو پوشیدہ رہنے دیتے ہیں، ربیعہ کی اس جرح کے متعلق علامہ ذہبی نے آگے صاف لکھ دیا ہے: 90

" قلت: لا يسمع قول ربيعة فيه، فإنه كان بينهما عداوة ظاهرة ". ❸

"یعنی چونکہ ربیعہ، عبداللہ بن ذکوان سے عداوت رکھتے تھے، اس لیے انھوں نے ایسا کہہ دیا ہے، لہٰذا ربیعہ کا یہ قول عبداللہ بن ذکوان کے بارے میں نہیں سنا جائے گا۔"

ایسا ہی حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"قلت: لم يلتفت إلى ربيعة في ذلك، للعداوة التي كانت بينهما، بل وثقوه ". ❹

---

❶ تهذيب التهذيب (٥/ ١٧٧)

❷ حافظ ذہبی ﷫ مذکورہ بالا راوی پر امام عقیلی کا اعتراض اور اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " انفرد بحديث الولاء، فذكره لذلك العقيلي في الضعفاء، وقال: في رواية المشايخ اضطراب، ثم ساق له حديثين مضطربي الإسناد، وإنما الاضطراب من غيره، فلا يلتفت إلى فعل العقيلي، فإن عبد اللّٰه حجة بالإجماع، وثقه أحمد ويحيىٰ وأبو حاتم " (ميزان الاعتدال: ٢/ ٤١٧)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٤١٨)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٣)

File Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی ربیعہ کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ربیعہ کو ان سے عداوت تھی۔ بلکہ عبداللہ بن ذکوان کو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔''

چنانچہ میں ان تمام لوگوں کے اقوال نقل کرتا ہوں، تقریب میں ہے: ''ثقة فقيه من الخامسة'' اور خلاصہ میں ہے:

'' كان أحد الأئمة، قال أحمد: ثقة أمير المؤمنين، وقال أبو حاتم: ثقة فقيه صاحب سنة ''. ❶

''یعنی یہ ثقہ ہیں، فقیہ ہیں، ان کو احمد نے ثقہ امیر المومنین فی الحدیث اور ابوحاتم نے ثقہ فقیہ صاحب حدیث کہا ہے۔''

میزان الاعتدال میں ہے:

'' قال ابن معين وغيره: ثقة حجة، وروى حرب عن أحمد بن حنبل قال: كان سفيان يسمي أبا الزناد أمير المؤمنين في الحديث، وقال أبو حاتم: ثقة فقيه حجة صاحب سنة'' انتهى. ❷

''یعنی ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ اور احمد نے بروایت حرب کہا کہ سفیان نے ابوالزناد کو امیر المومنین فی الحدیث اور ابوحاتم نے ثقہ فقیہ حجت صاحب حدیث کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

'' أحد الأئمة الأثبات الفقهاء، وثقه الناس، وكان سفيان الثوري يسميه أمير المومنين، واحتج به الجماعة، '' انتهى. ❸

''یعنی یہ ابوالزناد ائمہ اثبات فقہا سے ہیں، ان کو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے اور سفیان ثوری نے ان کا نام امیر المومنین فی الحدیث رکھا تھا اور ان سے کل جماعت نے حجت پکڑی ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد خامس میں ہے:

'' قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة، وقال حرب عن أحمد: كان سفيان يسميه أمير المؤمنين، وقال ابن أبي مريم عن ابن معين: ثقة حجة، وقال العجلي: مدني تابعي ثقة، وقال أبو حاتم: ثقة فقيه صالح الحديث صاحب سنة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث فصيحا بصيرا بالعربية عالماً عاقلا، قلت: وقال النسائي والعجلي والساجي وأبوجعفر الطبري: كان ثقة، وقال ابن حبان في الثقات،'' انتهى ملخصاً. ❹

❶ تقريب التهذيب (ص: ٣٠٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٩٦)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٤١٨)

❸ هدي الساري (ص: ٤١٣)

❹ تهذيب التهذيب (٥/ ١٧٩)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ ابو الزناد کو ثقہ اور احمد نے بروایت حرب سفیان کا ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہنا اور ابن معین نے بروایت ابن ابی مریم ان کو ثقہ حجت اور عجلی نے ثقہ اور ابو حاتم نے ثقہ فقیہہ صالح الحدیث صاحب سنت اور ابن سعد نے ثقہ، کثیر الحدیث، فصیح بالعربیۃ، عالم، عاقل اور نسائی اور عجلی اور ساجی اور ابو جعفری الطبری نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔''

دیکھئے! کتنے لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے۔ ❶ آگے چلئے:

قوله: (٦٨) **عبد الله بن سعيد بن أبي هند أبوبكر المدني**: قال أبوحاتم: ضعيف الحديث.

''ابو حاتم نے کہا کہ ضعیف الحدیث ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی اسی قبیل سے ہے، کیونکہ صرف ابوحاتم اس جرح میں تنہا ہیں، لہٰذا یہ از قسم شاذ ہے، جو جماعت کثیرہ کی توثیق کے مقابل میں نامسموع ہے، عبداللہ بن سعید ایسے شخص ہیں کہ ان کو امام احمد ''ثقة ثقة'' کہا کرتے 91
تھے۔ ❷ اور بھی بہت سے لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے۔ علاوہ بریں تقریب میں ہے: ''صدوق'' خلاصہ میں ہے: ''وثقه أحمد وابن معين وأبوداود'' اور میزان میں ہے: ''وثقه أحمد و يحيىٰ، وقال القطان: صالح'' ❸ مطلب یہ کہ عبداللہ بن سعید صدوق ہیں، ان کو امام احمد و ابن معین وابوداود نے ثقہ اور یحییٰ قطان نے صالح الحدیث کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

'' وثقه أحمد وابن معين وأبوداود والعجلي ويعقوب بن سفيان وعلي بن المديني وآخرون، وقال أبو بكر بن خلاد: سألت يحيىٰ القطان عنه، فقال: كان صالحاً، واحتج به الجماعة ''. ❹

''یعنی ان کو امام احمد اور ابن معین اور ابوداود اور عجلی اور یعقوب بن سفیان و ابن المدینی اور دیگر نے ثقہ کہا ہے اور ابوبکر بن خلاد نے کہا کہ میں نے ان کی بابت یحییٰ قطان سے پوچھا، تو انھوں نے ان کو صالح الحدیث کہا اور کل جماعت نے ان سے حجت پکڑی ہے۔''

---

❶ عبداللہ بن ذکوان پر ربیعہ کی طرف سے جرح کا سبب معاصرانہ چشمک اور باہمی عداوت تھا، اسی لیے ائمہ محدثین نے اسے قابل التفات نہیں گردانا، کیونکہ جس جرح کا سبب عداوت و اختلاف ہو، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''كثير من كلام الأقران بعضهم في بعض ينبغي أن يطوىٰ ولا يروىٰ، ويطرح ولا يجعل طعنا، ويعامل الرجل بالعدل والقسط '' (ذكر أسماء من تكلم فيه وهو موثق: ٤٦) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الموقظة للذهبي (ص: ٨٤) لسان الميزان (١/ ١٦) ضوابط الجرح والتعديل (ص: ٥١)

❷ تهذيب التهذيب (٢/ ٢٥٩)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٤٢٩) تقريب التهذيب (ص: ٣٠٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٩٩)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٣)

تہذیب التہذیب جلد پنجم میں ہے:

" قال أبو طالب عن أحمد: ثقة ثقة، وقال الدوري عن ابن معين: ثقة، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال العجلي ويعقوب وسفيان: مدني ثقة، وقال ابن خلفون: وثقه ابن المديني وابن البرقي " انتهى ملخصاً. ❶

"یعنی احمد نے بروایت ابو طالب ان کو ثقہ ثقہ (دو بار) اور یحییٰ نے بروایت دوری ثقہ اور ابو داود نے بروایت آجری ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور عجلی اور یعقوب اور سفیان نے ثقہ اور ابن مدینی و ابن البرقی نے بروایت ابن خلفون ثقہ کہا ہے۔" غرض یہ بہت ثقہ ہیں۔ ❷ آگے چلئے:

قوله: (٦٩) **عبد الله بن صالح بن محمد بن مسلم الجهني**: قال صالح جزرة: كان ابن معين يوثقه، وهو عندي يكذب في الحديث، وقال النسائي: ليس بثقة.

"صالح جزرہ نے کہا کہ ابن معین ان پر وثوق کرتے تھے اور حالانکہ وہ میرے نزدیک حدیث میں جھوٹ بولتے ہیں اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: یحییٰ بن معین ناقدین کے امام ہیں، پس جس راوی کی یہ توثیق کریں، وہ ثقہ ہی سمجھا جائے گا اور اس پر جس قدر جرحیں ہوں گی، وہ مجروح خیال کی جائیں گی، بحمداللہ اس کا آپ کو بھی اقرار ہے کہ ابن معین عبداللہ بن صالح کی توثیق کرتے تھے، اب سنیے اس کی وجہ کہ صالح جزرہ اور نسائی نے ان پر کیوں جرح کی ہے؟ عبداللہ بن صالح اپنے اواخر عمر میں مختلط ہوگئے تھے، ان کی پہلے کی سب حدیثیں مستقیم اور قابل قبول ہیں، پس امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ اختلاط کے قبل ہیں، ان سب امور کو حافظ ابن حجر نے کس خوبی سے ہدی الساری میں لکھا ہے، جہاں ان کی بابت تمام ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں: 92

" قلت: ظاهر كلام هؤلاء الأئمة أن حديثه في الأول كان مستقيما، ثم طرأ عليه فيه تخليط، فمقتضىٰ ذلك أن ما يجيء من روايته عن أهل الحذق كيحيىٰ بن معين والبخاري

❶ تہذیب التہذیب (٥/ ٢١٠)

❷ مذکورہ بالا راوی پر جرح کرنے میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ منفرد ہے، درآں حالیکہ دیگر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، امام ابو حاتم کا شمار ائمہ محدثین کے متشدد طبقہ میں ہوتا ہے، جو کسی راوی کی بعض اخطاء پر اس کی تضعیف کر دیتے ہیں، اس لئے ایسے امام کی تضعیف کے مقابلہ میں دیگر معتدل ائمہ محدثین سفیان ثوری، احمد، بخاری، ابن عدی وغیرہ کے اقوال کو ترجیح دی جائے گی، دیکھیں: ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل (ص: ١٧٢) مذکورہ بالا راوی پر بھی امام ابو حاتم کی جرح از قسم تشدد ہے، جو دیگر ائمہ محدثین کے اقوال کی روشنی میں مرجوح ہے۔

وأبي زرعة وأبي حاتم فهو من صحيح حديثه، " انتهى . ❶

"یعنی ان کی بابت تمام ائمہ کا ظاہر کلام یہ ہوا کہ عبداللہ جہنی کی حدیث ان کے اوائل عمر میں مستقیم تھی، پھر اواخر عمر میں ان پر تخلیط طاری ہوئی، پس جو روایت ان کی حاذق (دانا) لوگوں سے آئے گی، جیسے یحییٰ بن معین وامام بخاری وابو زرعہ وابو حاتم وہ ان کی صحیح حدیث سے ہوگی۔"

دیکھئے جناب! یحییٰ بن معین کی توثیق تو آپ ہی نے نقل کر دی اور امام بخاری کا ان سے روایت کرنا آپ کو معلوم ہی ہے، پس ثابت ہوگیا کہ امام بخاری نے ان سے جو روایت لی ہے، وہ قبل از اختلاط ہے اور وہ حدیث صحیح ہے، لہٰذا اب کوئی جرح نہیں رہی۔ ہاں ابھی آپ اور بھی ان کی صداقت اور ثقاہت قبل از اختلاط سننا چاہتے ہیں، تو سنئے! تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے:

" قال ابن عدي: هو عندي مستقيم الحديث، وقال أبو زرعة: حسن الحديث". ❷

"یعنی یہ صدوق ہیں، ابن عدی نے ان کو مستقیم الحدیث اور ابوزرعہ نے حسن الحدیث کہا ہے۔"

اور میزان میں ہے:

" قال عبد الملك بن شعيب بن الليث: ثقة مأمون، سمع من جدي حديثه، وقال أبو حاتم: هو صدوق أمين، وقال أبوزرعة: وكان حسن الحديث، وقال ابن حبان: كان في نفسه صدوقا، وقال ابن عدي: هو عندي مستقيم الحديث ". ❸

"یعنی عبدالملک نے ان کو ثقہ مامون کہا ہے اور کہا ہے کہ انھوں نے میرے دادا لیث سے حدیث سنی ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ صدوق امین ہیں اور ابوزرعہ نے کہا کہ وہ حسن الحدیث ہیں اور ابن حبان نے کہا کہ وہ فی نفسہ صدوق ہیں اور ابن عدی نے کہا کہ وہ مستقیم الحدیث ہیں۔"

ہدی الساری میں ہے:

" وقد وثقه عبد الملك بن شعيب بن الليث فيما حكاه أبوحاتم، قال: سمعته يقول: أبو صالح ثقة مأمون، وقال سعيد بن عمرو البرذعي: قلت لأبي زرعة: أبو صالح كاتب الليث؟ فقال: حسن الحديث، وقال ابن حبان: كان صدوقا في نفسه، وقال ابن عدي: كان مستقيم الحديث ، "انتهى ملخصاً. ❹

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١٤)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٣٠٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٠١)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٤٤٠)

❹ هدي الساري (٤١٣)

''یعنی ان کو عبدالملک نے ثقہ کہا ہے، جیسا کہ ابو حاتم نے بیان کیا ہے کہ میں نے ان کو سنا کہتے تھے کہ ابو صالح (عبداللہ بن صالح) ثقہ مامون ہے اور برذعی نے کہا کہ میں نے ابو زرعہ سے ابو صالح کی بابت دریافت کیا، تو انھوں نے حسن الحدیث کہا اور ابن حبان نے ان کو صدوق اور ابن عدی نے مستقیم الحدیث کہا ہے۔''

اور تہذیب التہذیب جلد پنجم میں ہے:

93 " قال أبو حاتم أيضاً: سمعت عبد الملك بن شعيب بن الليث يقول: أبو صالح ثقة مأمون قد سمع من جدي حديثه، وقال سعيد البرذعي: قلت لأبي زرعة: أبو صالح كاتب الليث؟ فقال: ذلك رجل حسن الحديث، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبا زرعة عنه، فقال: كان حسن الحديث، وقال ابن عدي: هو عندي مستقيم الحديث، وقال أبو هارون الخريبي: ما رأيت أثبت من أبي صالح، وقال ابن القطان: هو صدوق، وقال مسلمة بن قاسم: كان لا بأس به، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی ابو حاتم نے کہا کہ میں نے عبدالملک سے سنا، کہتے تھے ابو صالح ثقہ مامون ہے، میرے دادا لیث سے اس نے حدیث سنی ہے اور بردعی نے کہا کہ میں نے ابو زرعہ کو پوچھا، تو انھوں نے حسن الحدیث کہا اور ابن عدی نے ان کو مستقیم الحدیث کہا ہے اور ابو ہارون نے کہا میں نے ابو صالح سے زیادہ اَثبت کسی کو نہیں دیکھا اور ابن القطان نے ان کو صدوق کہا ہے اور مسلمہ نے لا بأس به (ثقہ) کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (٧٠) **عبد الله بن العلاء بن زبير الدمشقي:** قال ابن حزم: ضعفه يحيىٰ وغيره .

''ابن حزم نے کہا کہ یحییٰ وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں آپ نے غلطی کی ہے کہ ''زبر'' کو ''زبیر'' لکھ دیا ہے اور زبیر بھی آپ نے شائد اجتہاداً لکھا تھا، کیونکہ میزان الاعتدال میں "زير، بالياء" لکھا ہے، اس کو آپ نے اپنے اجتہاد سے ''زبیر'' لکھ دیا۔ جو صحیح نہیں، بلکہ ''زبر'' صحیح ہے، باقی رہی ابن حزم کی جرح! یہ شاذ ہے، کیونکہ ان کے علاوہ یہ جرح کسی دوسرے سے منقول نہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ہدی الساری میں لکھا ہے:

" وشذ أبو محمد بن حزم، فقال: ضعيف". ❷ یعنی ابن حزم ان کی تضعیف میں شاذ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان میں اس جرح کی تردید کر دی ہے اور صاف فیصلہ کر دیا ہے:

---

❶ تهذيب التهذيب (٥/ ٢٢٨)

❷ هدي الساري (ص: ٤١٥)

" ما علمت به بأساً " ❶ یعنی میں نے ابن علاء میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں دیکھا۔

لہٰذا ان پر کوئی جرح نہیں رہی، علاوہ بریں امام بخاری نے بالانفراد ان سے روایت نہیں کی ہے، بلکہ ان سے زید بن واقد کی متابعت کے ساتھ روایت کی ہے۔ ❷ لہٰذا ان پر جرح ثابت بھی ہوجائے تب بھی کوئی حرج نہیں، لیکن عبداللہ بن علاء ایسا شخص ہے کہ جمہور ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے، علاوہ اس کے کہ میزان میں ہے " صدوق " تقریب میں ہے:" ثقة من السابعة " اور خلاصہ میں ہے:

" وثقه دحيم وأبوداود " ❸ یعنی یہ صدوق ہیں، ثقہ ہیں، ان کو دحیم اور ابوداود نے ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

"وثقه ابن معين و دحيم وأبوداود وابن سعد ويعقوب بن شيبة والفلاس والدارقطني وجمهور الأئمة، وقال أحمد بن حنبل: مقارب الحديث، " انتهى. ❹

"یعنی ان کو یحییٰ و دحیم و ابوداود و محمد بن سعد ویعقوب وفلاس و دارقطنی اور جمہور ائمہ نے ثقہ کہا ہے اور امام احمد نے مقارب الحدیث کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد خامس میں ہے:

94 قال حنبل عن أحمد: مقارب الحديث، وقال الدوري وابن أبي خيثمة وغير واحد عن ابن معين: ثقة، وكذا قال دحيم وأبوداود ومعاوية بن صالح و هشام بن عمار، وقال النسائي: ليس به بأس، وكذا قال محمد بن عوف عن ابن معين، وقال ابن سعد: كان ثقة إن شاء الله، وقال عثمان الدارمي: سألت عبد الرحمن يعنى دحيما عنه، فوثقه جدا، وقال يعقوب بن سفيان: سألته يعنى دحيما عنه، فقال: كان ثقة، قال يعقوب: و عبد الله بن العلاء ثقة، وقال الدارقطني: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: شامي ثقة،" انتهى ملخصاً. ❺

"یعنی احمد نے بروایت حنبل ابن علاء کو مقارب الحدیث اور ابن معین نے بروایت دوری وابن ابی خیثمہ وغیرہ ثقہ اور دحیم و ابوداود ومعاویہ بن صالح اور ہشام بن عمار نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور یحییٰ

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٤٦٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤١٥) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت: له في البخاري حديثان، أحدهما في تفسير سورة الأعراف بمتابعة زيد بن واقد كلاهما عن بسر بن عبيد الله، والآخر في الجزية" نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٣٤٦١، ٤٣٦٤، ٣٠٠٥)

❸ ميزان الاعتدال(٢/ ٤٦٤) تقريب التهذيب (ص: ٣١٧) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٠٩)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٥)

❺ تهذيب التهذيب (٥/٣٠٦)

نے بروایت محمد بن عوف لا بأس به اور ابن سعد نے ثقہ اور دحیم نے بروایت عثمان دارمی ثقہ اور یعقوب نے خود ان کو ثقہ اور دارقطنی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔''

دیکھئے! کس قدر لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ ❶ آگے چلئے:

قوله: (٧١) **عبد الله بن أبي لبيد المدني:** قدري، وجاء أن صفوان بن سليم لم يصل عليه لأجل القدر.

''قدریہ ہیں اور صفوان بن سلیم نے بوجہ ان کے قدریہ ہونے ان پر نماز نہیں پڑھی۔'' ایضاً

أقول: اولاً تو یہ قدریہ نہیں ہیں، جیسا کہ ان کی بابت نمبر (٧٣) میں بیان کیا جائے گا اور اگر یہ قدریہ ہوں تو چنداں حرج نہیں، کیونکہ امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ بمتابعت محمد بن عمرو اور سلیمان الاحول ہے اور صرف ان کی ایک حدیث ہے۔ ❷ ہاں جرح اس وقت قابل تسلیم ہوتی، جب امام بخاری ان کے ساتھ انفراد کرتے، علاوہ بریں یہ شخص رواۃ ثقات سے ہے، تقریب میں ہے: '' ثقة'' اور خلاصہ میں ہے: ''وثقه ابن معين'' اور میزان الاعتدال میں ہے: '' ثقة، وثقه ابن معين، وقال ابن عدي: لا بأس به '' اور هدي الساري میں ہے: ''وثقه أحمد و ابن معين وأبوحاتم والنسائي والعجلي '' ❸

خلاصہ ان کا یہ ہوا کہ یہ شخص ثقہ ہے، ان کو ابن معین اور امام احمد اور ابو حاتم اور نسائی اور عجلی نے ثقہ اور ابن عدی نے ''لا بأس به'' کہا ہے

تهذيب التهذيب جلد پنجم میں ہے:

'' قال عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وقال أبو حاتم: صدوق في الحديث، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ما أعلم بحديثه بأسا، وقال الساجي: وكان صدوقا، وقال العجلي: ثقة، وقال ابن عدي: لا بأس به، وذكره ابن حبان

---

❶ معترض نے میزان الاعتدال سے نقل کیا ہے: '' قال ابن حزم: ضعفه يحييٰ وغيره '' اس میں ابن حزم رحمہ اللہ نے تضعیف کی نسبت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرف کی ہے، حالانکہ یحییٰ بن معین سے صراحتاً ان کی توثیق مروی ہے، دیکھیں: تاريخ ابن معين، رواية الدارمي (ص: ١٥٣) تهذيب التهذيب (٥/ ٣٠٦) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن معین کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: '' نقل الذهبي في الميزان أن ابن حزم نقل عن ابن معين أنه ضعفه، قال شيخنا في شرح الترمذي: لم أجد ذلك عن ابن معين بعد البحث '' (تهذيب التهذيب: ٥/ ٣٠٦) اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تضعیف کا یہ قول ابن حزم رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا اور اسے شاذ قرار دیا ہے: '' وشذ أبو محمد بن حزم، فقال: ضعيف'' (هدي الساري: ٤١٥)

❷ هدي الساري (ص:٤١٦) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (١٩٣٥)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٤٧٥) هدي الساري (ص: ٤١٦) تقريب التهذيب (ص: ٣١٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢١١)

في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی یحیٰ نے بروایت عثمان ان کو ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق فی الحدیث اور نسائی نے لا بأس به اور احمد نے بروایت عبداللہ لا بأس بحدیثه اور ساجی نے صدوق اور عجلی نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔'' 95

معلوم ہوا کہ حدیث میں یہ صدوق اور ثقہ ہیں۔ ❷ آگے چلئے:

قوله: (٧٢) **عبد الله المثنىٰ الأنصاري:** قال أبوداود: لا أخرج حديثه، وقال زكريا الساجي: فيه ضعف لم يكن صاحب حديث، وقال الأزدي: روى مناكير، وقد ذكره العقيلي في الضعفاء، وقال: لا يتابع على أكثر حديثه، وروى أحمد بن زهير عن ابن معين: ليس بشيء، وقال النسائي: ليس بالقوي.

'' ابوداد نے کہا کہ ہم ان کی حدیثوں کی روایت نہیں کرتے اور زکریا ساجی نے کہا کہ ان میں ضعف ہے اور یہ صاحب حدیث نہیں تھے اور ازدی نے کہا کہ یہ نامقبول حدیثوں کی روایت کرتے ہیں اور عقیلی نے اس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی اکثر حدیثیں قابل پیروی نہیں ہیں اور احمد بن زبیر نے روایت کی کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں بھی آپ نے فحش غلطی کی ہے کہ "عبد الله بن المثنىٰ" کو "عبد الله المثنىٰ" لکھ دیا، کہاں تک میں اصلاح کرتا چلوں؟! ہاں ان جرحوں میں جو اُزدی کی جرح ہے، اس کی بابت تو بہت سے مقامات میں گزرا ہے ملاحظہ ہو: نمبر ۶، ۹، ۱۲، ۱۸، ۲۵، ۳۵، ۳۷، ۵۱ اور ۴۷ آگے آتا ہے، باقی دیگر جروح کے متعلق یہ عرض ہے کہ امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ متابعتاً ہے، ملاحظہ ہو: هدي الساري، ❸ اور متابعت کے متعلق نمبر (٢٢) میں بالتفصیل گزرا کہ اس میں بعض ضعفاء کی روایت بھی داخل ہوجاتی ہے، اس سے ان کی صحیح پر کوئی دھبہ نہیں آ سکتا اور امام بخاری نے جو ان سے متابعتاً روایت کی ہے، وہ اس بنا پر کہ ان کی بعض سے صداقت و توثیق بھی ثابت ہے، چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال أبوحاتم: صالح شيخ" ❹

❶ تهذيب التهذيب (٥/ ٣٢٦)

❷ اسی لیے امام ابن عدی رحمہ اللہ صفوان بن سلیم کے طرزِ عمل اور روایتِ حدیث میں عبد الله بن أبي لبيد کے مرتبہ کی بابت لکھتے ہیں:
"وأما صفوان بن سليم حيث لم يصل عليه، إنما لم يصل عليه لأجل ما كان يرمى بالقدر، وأما في باب الروايات فلا بأس به " (الكامل لابن عدي: ٤/ ٢٤١)

❸ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٣٢٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢١٢)

میزان میں ہے:

" قال أبوحاتم: شيخ، وقال أبو زرعة: صالح الحديث، وقال ابن معين: صالح الحديث". ❶

"یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو ابو حاتم نے شیخ صالح اور ابوزرعہ اور ابن معین نے صالح الحدیث کہا ہے۔"

اور هدي الساري میں ہے:

" وثقه العجلي والترمذي، وقال ابن معين وأبو زرعة و أبوحاتم: صالح ". ❷

"یعنی ان کو عجلی اور ترمذی نے ثقہ کہا ہے اور یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ اور ابو حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد خامس میں ہے:

" قال ابن معين و أبو زرعة وأبو حاتم: صالح، وقال العجلي: ثقة، وقال الترمذي: محمد بن عبد الله الأنصاري ثقة، وأبوه ثقة، وقال الدارقطني: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. ❸

یعنی ان کو ابن معین اور ابوزرعہ وابو حاتم نے صالح الحدیث اور عجلی نے ثقہ اور ترمذی نے ان کو اور ان کے بیٹے محمد دونوں کو ثقہ اور دارقطنی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ 96

کہیے! اب تو سمجھے؟ آگے چلئے:

قوله: (۷۳) **عبد الله بن أبي نجيح المكي:** قال العقيلي: ثنا آدم بن موسیٰ: سمعت البخاري، قال: عبد الله بن أبي نجيح كان يتهم بالاعتزال والقدر، وقال ابن المديني: كان يرىٰ الاعتزال، وقد ذكره الجوزجاني فيمن رمي بالقدر .

"عقیلی نے کہا کہ مجھ سے روم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی کہ میں نے بخاری کو سنا کہا انھوں نے کہ عبداللہ بن ابی نجیح معتزلہ اور قدریہ ہونے کے ساتھ متہم تھے اور ابن مدینی نے کہا کہ یہ معتزلہ تھے اور تحقیق جوزجانی نے ذکر کیا ان کا ان لوگوں (میں ندارد) کہ جو قدریہ تھے۔" ایضاً

أقول: یہاں بھی آپ نے غلطی کی ہے، وہ یہ کہ میزان کے متن میں "آدم بن موسیٰ" ہے، اس کا ترجمہ آپ نے "روم بن موسیٰ" کیا ہے، یہ سراسر تحریف نہیں تو کیا ہے؟ ہاں جوزجانی کی جو جرح ہے، اس کے متعلق نمبر (۴۱) میں بالتفصیل گزرا کہ قابل تسلیم نہیں ہے، باقی رہی ان کے قدریہ ہونے کی بابت دیگر لوگوں کی جرح، تو اس کا جواب خود علامہ ذہبی نے میزان میں دے دیا ہے، آپ ذرا سا آگے ملاحظہ کریں:

❶ میزان الاعتدال (۲/ ٤٩٩)

❷ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❸ تهذيب التهذيب (٥/ ٣٣٨)

"قلت: في هؤلاء ثقات، وما ثبت عنهم القدر أو لعلهم تابوا". ❶

یعنی میں ان لوگوں (یعنی عبداللہ بن ابی لبید، نمبر ۷۱ والے، وعبداللہ بن ابی نجیح المکی اس نمبر۷۳ والے) کی بابت کہتا ہوں کہ یہ سب ثقات سے ہیں اور ان کا قدریہ ہونا ثابت نہیں ہوا، یا شائد ان لوگوں نے توبہ کر لی ہو۔

بہر حال یہ قدریہ نہیں بلکہ ائمہ ثقات سے ہیں، عبداللہ بن ابی لبید کی توثیق تو نمبر (۷۱) ہی میں گزری، اب عبداللہ بن ابی نجیح کی ثقاہت سنئے، تقریب میں ہے، " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: "وثقه أحمد" ❷ اور میزان میں ہے:

"هو من الأئمة الثقات، قال ابن المديني أيضاً: أما الحديث فهو فيه ثقة". ❸

"یعنی وہ ائمہ ثقات سے ہے، ابن المدینی نے کہا ہے کہ حدیث میں یہ ثقہ ہیں۔"

دیکھئے جناب! ابن مدینی کے اس قول کو بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے گا، کیونکہ آپ نے ابن مدینی سے ان پر جرح نقل کی ہے۔ ہدی الساری میں ہے:

"وثقه أحمد وابن معين والنسائي وأبو زرعة، وقال أبو حاتم: هو صالح الحديث، وقال العجلي: ثقة، واحتج الجماعة به". ❹

یعنی ان کو امام احمد و یحییٰ ونسائی و ابوزرعہ نے ثقہ اور ابو حاتم نے صالح الحدیث اور عجلی نے ثقہ کہا ہے اور کل جماعت نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

تهذيب التهذيب جلد ششم میں ہے:

" قال أحمد: ابن أبي نجيح ثقة، وقال ابن معين و أبو زرعة والنسائي: ثقة، وقال أبو حاتم: هو صالح الحديث، وقال ابن سعد: قال محمد بن عمر: كان ثقة كثير الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: مكي ثقة، " انتهى ملخصاً. ❺

یعنی ابن ابی نجیح کو امام احمد اور یحییٰ اور ابو زرعہ اور نسائی نے ثقہ اور ابو حاتم نے صالح الحدیث اور محمد بن عمر نے بروایت ابن سعد ثقہ کثیر الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

آگے چلئے:

97 **قوله**: (٧٤) **عبد الحميد بن أبي أويس عبد الله أبوبكر المدني**: قال الأزدي: كان

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٥١٥)

❷ تقريب التهذيب(ص: ٣٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢١٧)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥١٥)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❺ تهذيب التهذيب (٤٩/٦)

يضع الحديث . ''ازدی نے کہا کہ یہ حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔'' ایضاً

أقول: یہ وہی نمبر ہے، جس کی بابت میں نے نمبر ۶، ۹، ۱۲، ۱۸، ۲۵، ۳۷، ۵۱، ۲۷، میں وعدہ کیا تھا، یہاں پر میں أزدی کی بابت کچھ مختصر طور پر لکھوں گا:

أولاً: تو میں اس جرح کے متعلق کچھ عرض کروں گا، أزدی نے عبدالحمید بن ابی أویس کو جو واضع الحدیث کہا ہے، اس میں أزدی نے سخت غلطی کی ہے، خود علامہ ذہبی نے اس عبارت کے بعد میزان میں کہہ دیا ہے، (جس سے آپ نے عمداً چشم پوشی کی ہے!):

" قلت: هذا منه زلة قبيحة " [1] یعنی أزدی سے یہ سخت لغزش ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے:

" ووقع عند الأزدي أبوبكر الأعشى في إسناد حديث، فنسبه إلى الوضع، فلم يصب،" انتهى. [2]

''یعنی أزدی نے جو ابوبکر أعشی (عبدالحمید) کو وضع کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں وہ غیر صائب ہیں۔''

اسی وجہ سے حافظ المغرب أبوعمرو ابن عبدالبر مالکی نے بڑے زوروں کے ساتھ ان کا رد کیا ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے ہدی الساري میں نقل کیا ہے:

"وقد بالغ أبو عمرو ابن عبد البر في الرد على الأزدي، فقال: هذا رجم بالظن الفاسد وكذب محض، " انتهى. [3]

''یعنی ابن عبدالبر نے أزدی کی یوں تردید کی ہے کہ یہ تہمت بظن فاسد اور نرا جھوٹ ہے۔''

غرض اسی طرح تمام ناقدین نے ازدی پر سخت تعاقب کیا ہے، وللتفصيل مقام آخر، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ازدی نے جس عبدالحمید کو واضع الحدیث کہا ہے، وہ دوسرے ہوں، جیسا کہ حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" وقال الأزدي في ضعفائه: أبوبكر الأعشى يضع الحديث، فكانه ظن أنه آخر غير هذا،" انتهى. [4]

''یعنی ازدی نے جس عبدالحمید کو واضع الحدیث کہا ہے، شاید انھوں یہ گمان کیا کہ وہ ابن أبی أویس کے علاوہ کوئی دوسرے عبدالحمید ہیں۔''

بہر حال عبدالحمید بن ابی اویس حفاظ ثقات سے ہیں، تقریب میں ہے: " ثقة من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے:

---

[1] ميزان الاعتدال (۲/ ۵۳۸)

[2] تقريب التهذيب (ص: ۳۳۳)

[3] هدي الساري (ص: ٤١٦)

[4] هدي الساري (ص: ٤١٦) تهذيب التهذيب (٦/ ١٠٧)

" وثقه ابن معين و جماعة " اور میزان میں ہے:

"وثقه يحيىٰ بن معين وغيره، وقال الدار قطني: حجة". ❶

''یعنی عبدالحمید ثقہ ہے، ان کو یحییٰ بن معین وغیرہ ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے حجت کہا ہے۔''

حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

"وثقه ابن معين وأبوداود وابن حبان والدارقطني ". ❷

''یعنی ان کو یحییٰ بن معین اور ابو داود اور ابن حبان اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

اور تہذیب التهذيب میں ہے:

" قال عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وقال آخر عن يحيىٰ: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الحاكم عن الدارقطني: حجة، " انتهى. ❸

''یعنی عبدالحمید کو یحییٰ نے بروایت عثمان ثقہ اور لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے حجت کہا ہے۔'' معلوم ہوا کہ عبدالحمید بن ابی اویس ثقات متقنین سے ہے۔ 98

ثانیاً: یہ تو ہوا جرح کا جواب، اب سنئے ازدی کی حقیقت! علاوہ اس کے کہ یہ ازدی میاں خود ضعیف ہیں، جیسا کہ آگے آئے گا، بڑے متشددین سے ہیں اور کسی کو ضعیف، کسی کو وضاع کہہ دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں اَبان بن اسحاق المدنی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

" قال أبوالفتح الأزدي: متروك، قلت: لا يترك، فقد وثقه أحمد، وأبو الفتح يسرف في الجرح، وله مصنف كبير إلى الغاية في المجروحين، جمع فأوعىٰ، وجرح خلقاً بنفسه لم يسبقه أحد إلى التكلم، وهو المتكلم فيه، " انتهىٰ. ❹

''یعنی ازدی نے ابان کو متروک کہہ دیا ہے، میں کہتا ہوں وہ غیر متروک ہے، احمد عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اَزدی جرح میں بہت زیادتی کرتا ہے، اس کی ایک بڑی ضخیم کتاب ہے، انتہا درجہ تک اس میں مجروح روات ہیں، خود بخود حضرت ازدی نے بہتوں کو مجروح کیا ہے، جن کی بابت سلف سے کچھ بھی جرح کے متعلق کلام ثابت نہیں اور حال یہ ہے کہ خود ازدی متکلم فیہ ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ازدی نے عبدالحمید کو جو مجروح قرار دیا ہے، یہ اپنی عادت شریفہ کی وجہ سے ہے، ورنہ یہ تو

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٣٨) تقريب التهذيب (ص: ٣٣٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢٢)

❷ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❸ تهذيب التهذيب (٦/ ١٠٧)

❹ ميزان الاعتدال (١/ ٥)

سخت ضعیف ہیں، حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں انھیں ابو الفتح ازدی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"محمد بن الحسين أبوالفتح بن يزيد الأزدي الموصلي الحافظ، وله كتاب كبير في الجرح والضعفاء، عليه فيه مؤخذات، ضعفه البرقاني، وقال أبو النجيب عبد الغفار: رأيت أهل الموصل يوهنون أبا الفتح، ولا يعدونه شيئاً، وقال الخطيب: في حديثه مناكير" انتهىٰ. ❶

یعنی ابو الفتح ازدی جن کی جرح وضعفاء میں بڑی سی کتاب ہے، ان کو برقانی نے ضعیف کہا ہے اور ابو النجیب نے کہا کہ ان کے شہر والے اہل موصل ان کی توہین کرتے اور ان کو کچھ نہیں شمار کرتے اور خطیب نے کہا کہ ان کی حدیثوں میں بہت سی منکر ہیں۔"

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب میں بذیل ترجمہ علی بن الحکم "زائغ عن القصد" ❷ اور بذیل ترجمہ أحمد بن شبیب بصری کہا ہے: " الأزدي غير مرضي، " انتهى ❸ اور انھی کے ترجمے میں هدی الساري میں لکھا ہے:

" ولا عبرة بقول الأزدي، لأنه هو ضعيف، فكيف يعتمد في تضعيف الثقات؟ " انتهىٰ. ❹

"یعنی ازدی غیر مرضی ہے، اس کے قول کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ وہ خود ضعیف ہے، پس ثقات کی تضعیف میں کیونکر اس کے قول پر اعتماد کیا جائے گا؟!"

اور حافظ نے ہدی الساری میں بذیل ترجمہ اسرائیل بن موسیٰ لکھا ہے:

" والأزدي لا يعتمد إذا انفرد، " انتهى. ❺ "یعنی ازدی کے قول پر بحالت انفراد اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

اور حافظ اسی ہدی الساری میں بذیل ترجمہ ایوب بن سلیمان لکھتے ہیں:

" والأزدي لا يعرج على قوله، " انتهى. ❻ "یعنی ازدی کے قول کا اعتبار نہیں۔"

اور حافظ اسی ہدی الساری میں بذیل ترجمہ خثیم بن عراک لکھتے ہیں:

"وما درى أن الأزدي ضعيف، فكيف يقبل منه تضعيف الثقات؟ " انتهى. ❼

---

❶ ميزان الاعتدال (٣/ ٥٢٣) سير أعلام النبلاء (١٦/ ٣٤٩)

❷ تهذيب التهذيب (٧/ ٢٧٣) اس مقام پر حافظ ابن حجر ؒ نے أزدي پر جرح نہیں کی، بلکہ علی بن حکم بنانی کے متعلق ابو الفتح ازدی کا اپنا قول" زائغ عن القصد "نقل کیا ہے۔ (مولانا إرشاد الحق اثری ﷾)

❸ تهذيب التهذيب (١/ ٣١)

❹ هدي الساري (ص: ٣٨٦)

❺ هدي الساري (ص: ٣٩٠)

❻ هدي الساري (ص: ٣٩٢)

❼ هدي الساري (ص: ٤٠٠)

99
یعنی کیا اسے معلوم نہیں کہ ازدی خود ضعیف ہیں، پس اس کی تضعیف بحق ثقات کیونکر مقبول ہوگی؟

اور حافظ ہدی الساری میں بذیل ترجمہ داود بن عبدالرحمٰن المکی لکھتے ہیں:

" والأزدي قد قررنا أنه لا يعتد به"، انتهى. [1] یعنی ازدی کی بابت ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اس کے قول کا اعتبار نہیں۔

اور حافظ اسی ہدی الساري میں بذیل ترجمہ علی بن ابی ہاشم بن طیراخ لکھتے ہیں:

"قلت: قدمت غير مرة أن الأزدي لا يعتبر تجريحه لضعفه هو، " انتهى. [2]

''یعنی پیشتر بھی کئی بار لکھ آیا ہوں کہ ازدی کی جرح بوجہ اس کے خود ضعیف ہونے کے معتبر نہیں ہے۔''

افسوس کہ ہمیں رسالہ کا صفحہ اجازت نہیں دیتا، کیونکہ خوف ضخامت ہے، ورنہ ہم ازدی کی بابت مزید بھی کچھ لکھتے۔ حاصل کلام و خلاصہ مرام یہ ہے کہ ازدی خود ضعیف ہے اور جرح کے متعلق اس کے قول کا اعتبار نہیں، پس آپ اس کو خوب اچھی طرح یاد رکھیے، اس کی مفصل بحث میرے رسالہ "العرجون القديم" (ص:٥٦) میں ملاحظہ فرمایئے۔ آگے چلیے:

قوله: (٧٥) **عبد الحميد بن الرحمن أبو يحيىٰ الحماني الكوفي:** قال النسائي: ليس بالقوي، وضعفه أحمد، وقال أبو داود: كان داعية في الإرجاء، وقال ابن أسعد: ضعيف.

'' نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور احمد نے ان کو ضعیف کہا اور ابوداود نے کہا کہ مرجیہ تھے۔'' ایضاً

أقول: اور ابن سعد نے کہا کہ ضعیف ہیں۔ یہ ترجمہ آپ بھول ہی گئے! لیجئے ہم ہی نے ترجمہ کر دیا۔

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ ہی
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

علاوہ اس کے کہ آپ نے ایک جملہ کا ترجمہ باوجود التزام ترجمہ کے نہیں کیا، دو غلطیاں اور بھی کی ہیں:

۱۔ ایک تو عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو آپ نے "عبد الحميد بن الرحمن" بغیر لفظ "عبد" کے لکھا ہے۔
۲۔ دوسرے ابن سعد کو آپ نے "ابن أسعد" بزیادۃ الالف لکھا ہے۔

اب سنئے جرح کے متعلق جواب! آپ نے ابو داود کی جرح کے سوا جس قدر جروح نقل کی ہیں، وہ کل کی کل غیر مبین ہیں، ان کا کوئی سبب ظاہر نہیں، لہٰذا بقاعدہ مرقومہ بہ ہیڈنگ ''تمہید'' (در رسالہ ہذا) غیر مقبول ہیں، ہاں ابوداود سے جو بہ نسبت ارجاء کے آپ نے نقل کیا ہے، اس میں احتمال ہے کہ عبدالحمید نے توبہ کر لی ہو، جیسا کہ عبداللہ بن ابی نجیح

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٠٢)

[2] هدي الساري (ص: ٤٣٠)

کی بابت علامہ ذہبی نے یہی جواب دیا تھا: " لعلهم تابوا" جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ❶ پس بقاعدہ مسلمہ " إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال " ❷ یہ جرح بھی ناممسوع ہے، دیکھئے ان جرحوں کے غیر مقبول ہونے کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ نسائی سے آپ نے عبدالحمید کے قوی نہ ہونے کی جرح نقل کی ہے، حالانکہ خود نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے،
100 جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوگا، پس ان امور کی وجہ سے یہ جرح نامسلّم ہے، اب ہم سے اصل کیفیت سنئے، عبدالحمید حمانی صدوق اور ثقات سے ہے، تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معین" اور میزان میں ہے: "وثقه ابن معین" اور ہدی الساری میں ہے: "قال ابن معين: كان ثقة، وقال النسائي: ثقة ". ❸

''یعنی یہ صدوق ہے، اس کو یحییٰ بن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التهذيب میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين: ثقة، وقال النسائي في موضع: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن عدي: هو وابنه ممن يكتب حديثه، قلت:...... وهو ثقة، وقال البرقي: قال ابن معين: كان ثقة، " انتهى ملخصاً.

''یعنی یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ اور نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ وہ (عبدالحمید) اور ان کے بیٹے ان لوگوں سے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے، (حافظ ابن حجر کہتے ہیں) ❹ میں کہتا ہوں کہ وہ ثقہ ہیں، یحییٰ بن معین نے بروایت برقی ان کو ثقہ کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ شخص ثقات سے ہے۔ ❺ آگے چلئے:

قوله: (٧٦) **عبد ربه بن نافع أبوشهاب الخياط:** في حفظه شيء، وقال النسائي: ليس بالقوي .

''ان کے حافظہ میں کچھ نقصان تھا اور نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٥١٥)

❷ جب احتمال پیدا ہوجائے، تو استدلال ختم ہوجاتا ہے۔

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٤٢) هدي الساري (ص: ٤١٦) تقريب التهذيب (ص: ٣٣٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢٢)

❹ تهذيب التهذيب (١٠٩/٦) اس عبارت میں مذکور " قلت... وهو ثقة " میں توثیق کے قائل حافظ ابن حجر نہیں، بلکہ ابن قانع ہیں، کیونکہ مکمل الفاظ یوں ہیں: " قلت... (أي: ابن حجر): وفيها أرخه ابن قانع وزاد: في جمادىٰ الأولىٰ وهو ثقة " حافظ ابن حجر ؒ نے تو ان کو " صدوق يخطىء ورمي بالإرجاء " کہا ہے۔ (تقريب التهذيب: ٣٣٤)

❺ حافظ ابن حجر ؒ صحیح بخاری میں مروی ان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں: " قلت: إنما روى له البخاري حديثا واحدا في فضائل القرآن...... وهذا الحديث قد رواه مسلم من طريق أخرى...... فلم يخرج له إلا ما له أصل " (هدي الساري: ٤١٦)

أقول: اس جرح کے متعلق بھی وہی جواب ہے، جو اس سے اوپر عرض کیا گیا، علاوہ بریں ان کو ایک کثیر جماعت خصوصاً یحییٰ بن معین جیسے نقادفن نے ثقہ کہا ہے، پس نسائی کا قول ازقسم شاذ ہوگا، جو مقبول نہیں، آپ ذرا کتب اسماء الرجال کو اٹھا کر دیکھیں، ان کی بابت تقریب میں ہے: "صدوق "اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين "

اور میزان میں ہے:

"صدوق، وقال ابن معين: ثقة، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة، وقال ابن خراش وغيره: صدوق". ❶

''یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور ابن خراش وغیرہ نے صدوق کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

" قال عبدالله بن أحمد عن أبيه: ما بحديثه بأس، وقال ابن معين والعجلي وابن سعد والبزار وابن نمير وغيرهم: ثقة، وقال الساجي: صدوق، " انتهى. ❷

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ ان کو لا بأس بحديثه اور یحییٰ اور عجلی اور ابن سعد اور بزار اور ابن نمیر وغیرہ نے ثقہ اور زکریا ساجی نے صدوق کہا ہے۔''

تهذیب التهذیب میں ہے:

" قال ابن معين: ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ما بحديثه بأس، وقال يعقوب بن شيبة: كان ثقة، وكان كثير الحديث، وكان رجلا صالحاً، وقال العجلي: لا بأس به، وقال مرة: ثقة، وقال ابن خراش: صدوق، وقال الساجي: صدوق، وقال ابن نمير: ثقة صدوق، وقال البزار: ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، انتهى ملخصاً. ❸ 101

''یعنی ان کو یحییٰ نے ثقہ اور احمد نے بروایت عبداللہ لا بأس بحديثه اور یعقوب نے ثقہ کثیر الحدیث اور مرد صالح اور عجلی نے لا بأس به اور ثقہ اور ابن خراش نے صدوق اور ساجی نے صدوق اور ابن نمیر نے ثقہ اور صدوق اور بزار نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث کہا ہے۔''

دیکھئے حضرت! کس قدر جماعت ان کی توثیق کر رہی ہے؟ ہاں آپ نے غلطی کی ہے کہ "حناط"کو "خیاط"لکھ دیا ہے۔❹ آگے چلئے:

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٤٤) تقريب التهذيب (ص: ٣٣٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢٣)

❷ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❸ تهذيب التهذيب (٦/ ١١٧)

❹ معترض کی دیانت و امانت ملاحظہ کریں کہ میزان الاعتدال سے منقول کلام " في حفظه شيء " کے شروع میں لفظ "صدوق" کو ←

قوله: (٧٧) **عبد الرحمن بن ثروان:** عن أحمد قال: لا يحتج به، وقال أبو حاتم: لين.

''احمد نے کہا کہ حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہیں اور ابو حاتم نے کہا ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی انھی وجوہات مرقومہ بالا کے سبب ہم تسلیم نہیں کر سکتے، علاوہ بریں خود امام احمد سے ان کی نسبت لا بأس به منقول ہے، ملاحظہ ہو تہذیب، جس کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ ❶

آیئے ہم آپ کو اصل کیفیت بتلا دیں، عبدالرحمٰن بن ثروان کی جو حدیث بروایت ہزیل ہوگی، وہ متکلم فیہ نہیں، بلکہ صحیح ہے، جب ہم صحیح بخاری میں تلاش کرتے ہیں، تو ان کی حدیث بروایت ہزیل ہی ملتی ہے، کسی دوسرے سے نہیں، پس اگر یہ مجروح بھی ہوں، تو کوئی جرح نہیں، علی ہذا القیاس ترمذی نے بھی اپنی جامع میں ان کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، جو بروایت ہزیل ہے۔ ❷ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"قلت: خرج له البخاري حديثه عن هزيل، وصحح له الترمذي حديثه عن هزيل." انتهى. ❸

''یعنی امام بخاری ان کی حدیث بروایت ہزیل لائے ہیں اور ترمذی نے ان کی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، جو بروایت ہزیل ہے۔''

علاوہ بریں ان کی بابت ائمہ فن کی جو صحیح رائے ہے، اس کو بھی دیکھیں:

تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين والعجلي" اور میزان میں ہے: وثقه ابن معين وغيره. ❹ ''یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین اور عجلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔''

اور ہدی الساري میں ہے:

"وثقه ابن معين والعجلي والدارقطني، وقال النسائي: ليس به بأس". ❺

← قلم زد کر دیا، میزان کی اصل عبارت یوں ہے: "صدوق في حفظه شيء" علاوہ ازیں حافظ ذہبی رحمہ اللہ میزان الاعتدال میں رواۃ پر جرح و تعدیل نقل کرنے سے پہلے جس راوی کی توثیق و تصدیق معتمد ہو، اس کے نام سے پہلے "صح" کا لفظ لکھتے ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ اس راوی پر کلام کیا گیا ہے، لیکن راجح قول کے مطابق یہ ثقہ یا صدوق ہے، یعنی کم از کم حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی توثیق راجح ہے، اس اشارے کو بھی معترض نے اپنی عادت کے مطابق نظر انداز کر دیا۔ مزید برآں امام نسائی کی جرح "ليس بالقوي" از قسم شاذ نہیں، کیونکہ یہ الفاظ کسی راوی کے "صدوق حسن الحديث" ہونے کے منافی نہیں اور راجح قول کے مطابق یہ راوی صدوق ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان پر بولے گئے الفاظ جرح کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والظاهر أن تضعيف من ضعفه إنما هو بالنسبة إلى غيره من أقرانه كأبي عوانة وأنظاره" (هدي الساري: ٤١٧)

❶ تهذيب التهذيب (١٣٨/٦)

❷ سنن الترمذي، برقم (١١٢٠)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٥٣)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٥٣) تقريب التهذيب (ص:٣٣٧) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٢٥)

❺ هدي الساري (ص: ٤١٧)

''یعنی ان کو یحییٰ اور عجلی اور دارقطنی نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب میں ہے:

" قال عباس الدوري عن ابن معين: ثقة، وقال العجلي: ثقة ثبت، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: وقال الحاكم عن الدارقطني: ثقة، وقال أحمد في رواية عنه: لا بأس به، ونقل ابن خلفون عن ابن نمير توثيقه، " انتهى. ❶

''یعنی دوری نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ ثبت اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور میں کہتا ہوں کہ دارقطنی نے بروایت حاکم ثقہ اور احمد نے لا بأس به اور ابن نمیر نے بروایت ابن خلفون ان کو ثقہ کہا ہے۔'' ❷ آگے چلئے:

102 **قوله**: (٧٨) **عبد الرحمن بن حماد الشعبي**: قال أبو حاتم: ليس بالقوي.

''ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے غلطی کی ہے، ''شعبی'' غلط ہے، "شعيثي" صحیح ہے، اور ابوحاتم اپنی اس جرح میں شاذ ہیں، نیز جرح غیر مبین ہے، اس لیے نامسموع ہے، بلکہ ان کی بابت ہم آپ کو سناتے ہیں، تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال أبو زرعة: لا بأس به " اور میزان میں ہے: " قال أبوزرعة وغيره: لا بأس به " اور ہدی الساری میں ہے: "قال أبو زرعة: لا بأس به، وثقه الدارقطني". ❸

'' خلاصہ ان کا یہ ہے کہ یہ صدوق ہیں، ان کو ابوزرعہ وغیرہ نے لا بأس به اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب میں لکھتے ہیں:

---

❶ تهذيب التهذيب (١٣٨/٦)

❷ مذکورہ بالا راوی کی بابت جرح کے دو اقوال نقل کئے گئے ہیں:

ا۔ "لا يحتج به "کسی راوی کا حجت ہونا، توثیق کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، یہ لفظ "لا يحتج به" کسی راوی کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں، جیسے کہ امام ابن معین فرماتے ہیں: "ثقة وليس بحجة " نیز فرماتے ہیں : " صدوق وليس بحجة " (تاريخ ابن معين: ٣/ ٢٢٥) اسی طرح کے اقوال کئی دیگر ائمہ محدثین سے بھی مروی ہیں۔ دیکھیں: فتح المغيث (١/ ٣٦٤) ضوابط الجرح والتعديل (ص: ١٣٩) بلکہ امام ابوحاتم سے بعض رواۃ کے بارے میں منقول ہے: محلهم عندنا محل الصدق، يكتب حديثهم، ولا يحتج بحديثهم " (الجرح والتعديل: ٢/ ١٣٣)

٢۔ " لين الحديث " یہ خفیف جرح ہے، یہ بھی کسی راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں، اس لئے حافظ ابن حجر ؒ تمام اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: " صدوق ربما خالف " (تقريب التهذيب: ٣٣٧)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٥٧) هدي الساري (ص: ٤١٧، تقريب التهذيب (ص: ٣٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٢٦)

" قال أبو زرعة: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني في الجرح والتعديل: ثقة، " انتهى. ❶

''یعنی ان کو ابو زرعہ نے لا بأس به (ثقہ) اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ شخص ثقہ راوی ہے۔ ❷ آگے چلئے:

قوله: (۷۹) **عبد الرحمن بن سليمان بن الغسيل المدني:** قال النسائي: ليس بالقوي.

''نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی غیر مسلّم ہے، اس لئے کہ خود نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ملاحظہ ہو: خلاصه و تهذيب و هدي ❸ جیسا کہ عنقریب آئے گا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص ضرور ثقات سے ہے، چنانچہ اسی بنا پر حافظ تقریب میں لکھتے ہیں "صدوق" اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں: "وثقه النسائي والدارقطني". ❹

''یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو نسائی اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

"وثقه أبو زرعة والدارقطني، وروىٰ عباس عن يحييٰ: ثقة، وقال مرة: ليس به بأس،" انتهى. ❺

''یعنی ان کو ابو زرعہ اور دارقطنی اور یحیٰی نے بروایت عباس ثقہ اور لا بأس به کہا ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

"وثقه ابن معين والنسائي وأبو زرعة والدارقطني، وقال ابن عدي: هو ممن يعتبر حديثه ويكتب، " انتهى. ❻

''یعنی ان کو ابن معین اور نسائی اور ابو زرعہ اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ ان

---

❶ تهذيب التهذيب (٦/ ١٤٩)

❷ حافظ ابن حجر ؒ صحیح بخاری میں مروی ان کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں: "قلت: روى عنه البخاري حديثا واحدا في الجنائز عن ابن عون عن ابن سيرين... وقد تابعه عليه يزيد بن هارون عند النسائي، وهو مشهور عن محمد بن سيرين من طرق أخرىٰ عند البخاري أيضا وغيره . " (هدي الساري: ٤١٧)

❸ هدي الساري (ص: ٤١٧) تهذيب التهذيب (٦/ ١٧٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢٨) مذکورہ کتب میں امام نسائی ؒ سے ان کے متعلق تین الفاظ مروی ہیں: " ثقة، ليس به بأس ، ليس بالقوي " جو اس بات کی دلیل ہے کہ "ليس بالقوي" شدید جرح نہیں اور ایسے الفاظ کے بعد راوی صدوق بلکہ ثقہ کے درجہ سے ساقط نہیں ہوجاتا۔

❹ تقريب التهذيب (ص: ٣٤٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٢٨)

❺ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٦٨)

❻ هدي الساري (ص: ٤١٧)

لوگوں میں سے ہیں، جن کی حدیث معتبر اور قابل کتابت ہے۔''

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب میں لکھتے ہیں:

"قال الدوري عن ابن معين: ثقة ليس به بأس، وقال الدارمي عن ابن معين: صويلح، وقال أبو زرعة والنسائي والدارقطني: ثقة، وقال ابن عدي: هو ممن يعتبر حديثه ويكتب،" انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی یحییٰ نے بروایت عباس دوری ثقہ لا بأس به اور یحییٰ نے بروایت دارمی صالح الحدیث اور ابوزرعہ اور نسائی اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی حدیث معتبر اور قابل کتابت ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ شخص بھی ثقہ ہے۔ ❷ آگے چلیے:

قوله: (۸۰) **عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار المدني**: روى عباس عن يحيىٰ قال: في حديثه عندي ضعف، وقال أبوحاتم: لا يحتج به . 103

''عباس نے یحییٰ سے روایت کی کہ یحییٰ نے کہا کہ میرے نزدیک ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ دلیل پکڑنے کے قابل نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: خود ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابلِ کتابت کہا ہے، ملاحظہ ہو: تهذيب و هدي ❸ جیسا کہ عنقریب آئے گا، علی ہذا القیاس ابن عدی نے بھی کہا ہے، ❹ بلکہ یحییٰ قطان نے ان سے روایت کیا ہے اور حافظ نے صاف هدي الساري میں لکھ دیا ہے کہ ان کی توثیق کے لیے صرف یحییٰ قطان جیسے نقاد کا ان سے روایت کرنا کافی ہے۔ ❺ غرض آپ کی دونوں جرحیں غیر مقبول ہیں، بلکہ میں اپنے اقوال مرقومہ کا ثبوت پیش کرتا ہوں:

تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن عدي: هو فی جملة ممن يكتب حديثه" ❻ یعنی یہ صدوق ہیں، ابن عدی نے کہا یہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی حدیث لکھنے کے لائق ہے۔

میزان میں ہے: "صالح الحديث، وقد وثق، وحدث عنه يحيىٰ بن سعيد مع تعنته في الرجال". ❼

---

❶ تهذيب التهذيب (٦/ ١٧٢)

❷ حافظ ابن حجر ان پر بعض ائمہ کے الفاظِ جرح کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " تضعيفهم له بالنسبة إلى غيره ممن هو أثبت منه من أقرانه، وقد احتج به الجماعة سوى النسائي " (هدي الساري: ٤١٧)

❸ تهذيب التهذيب (٦/ ١٨٧) هدي الساري (ص: ٤١٧)

❹ الكامل لابن عدي (٤/ ٢٩٩) تهذيب التهذيب (١٨٧/٦)

❺ هدي الساري (ص: ٤١٧)

❻ تقريب التهذيب (ص: ٣٤٤) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٢٩)

❼ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٧٢)

''یعنی یہ صالح الحدیث ہیں، ان سے یحییٰ بن سعید القطان نے رجال میں تشدد کے باوجود حدیث لی ہے۔''
اور ہدی الساري میں ہے:
" وقد حدث عنه يحيىٰ القطان، ويكفيه رواية يحيىٰ عنه، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وقال ابن المديني: صدوق، " انتهى. [1]
''یعنی یحییٰ قطان نے ان سے حدیث بیان کی ہے اور (ان کے ثقہ ہونے کے لیے) ان سے یحییٰ کا روایت کرنا کافی ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے اور ابن مدینی نے صدوق کہا ہے۔''
حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب میں لکھتے ہیں:
" قال أبو القاسم البغوي: هو صالح الحديث، وقال الحربي: غيره أوثق منه، وقال ابن خلفون: سئل عنه علي بن المديني، فقال: صدوق، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وقد حدث عنه يحيىٰ القطان، " انتهى. ملخصاً
''یعنی ابو القاسم بغوی نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے اور حربی نے کہا کہ ان کے غیر ان سے زیادہ ثقہ ہیں، (معلوم ہوا کہ یہ بھی ثقہ ہیں) اور ابن خلفون نے کہا، ابن المدینی ان کی بابت پوچھے گئے، تو انھوں نے صدوق کہا، اور ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھنے کے لائق ہے اور یحییٰ قطان نے ان سے روایت کی ہے، آگے چلیے:

قوله: (٨١) **عبد الرحمن بن عبد الملك بن شيبة**: "قال أبوبكر بن أبي داود: ضعيف، قال أبو أحمد الحاكم: ليس بالمتين عندهم ."
''ابوبکر بن ابی داود نے کہا کہ ضعیف ہیں، ابو احمد حاکم نے کہا کہ لوگوں کے نزدیک متین نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بھی انھی وجوہات کی بدولت غیر مقبول ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ متابعتاً ہے، [2] چنانچہ خلاصہ میں ہے: " ومنه البخاري متابعةً " [3] یعنی امام بخاری نے ان سے متابعتاً روایت کیا ہے، پس ان کے مجروح ہونے سے بھی چنداں حرج نہیں ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، حالانکہ ابن حبان وغیرہ نے ان کو 104
ثقہ کہا ہے، [4] تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن حبان في الثقات: ربما خالف" اور

[1] هدي الساري (ص: ٤١٧)
[2] هدي الساري (ص: ٤١٨) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متابعت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: " فتبين أنه ما احتج به "
[3] الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣١)
[4] الثقات لابن حبان (٨/ ٣٧٥)

میزان میں ہے: "صدوق، وقال ابن حبان في الثقات" اور ہدی الساري میں ہے: "قواه أبوحاتم، وقال ابن حبان في الثقات" اور تهذيب التهذيب میں ہے: "ذكره ابن حبان في الثقات" ❶ ان سب عبارات کا خلاصہ یہ ہوا کہ صدوق ہیں، ان کو ابوحاتم نے قوی کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بس اتنا ہی کافی ہے۔ آگے چلئے۔

قوله: (٨٢) **عبد الرحمن بن محمد المحاربي**: قال ابن معين: ويروي المناكير عن المجهولين، وقال حاكم: صدوق يروي عن مجهولين أحاديث منكرة، فيفسد❷ حديثه بذلك."

''ابن معین نے کہا کہ یہ مجہول لوگوں سے نامقبول احادیث روایت کرتے ہیں، اور حاتم (یا حاکم) نے کہا کہ یہ سچے ہیں اور چونکہ روایت کرتے ہیں مجہول لوگوں سے نامقبول احادیث، پس اس وجہ سے ان کی حدیث فاسد ہوجاتی ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے تحریف کی ہے، میزان میں ہے: "وقال أبوحاتم" آپ نے اس کو لکھا ہے: "وقال حاكم" اور ترجمہ میں بھی ابو کا لفظ ندارد، بعینہ یہی حال جرح مرقومہ کا بھی ہے، کیونکہ خود یحییٰ بن معین نے (جن سے آپ نے جرح نقل کی ہے) ان کو ثقہ کہا ہے، ملاحظہ ہو: میزان وغیرہ۔ ❸

پس معلوم ہوا کہ یہ محاربی فی نفسہٖ ثقہ ہیں، چنانچہ ان کا صدوق ہونا آپ کو بھی مسلّم ہے، باقی رہا ان کا مجہول سے روایت کرنا، تو اس سے ان کی ثقاہت میں فرق نہیں آتا، علاوہ بریں حافظ نے ہدی میں بتلایا ہے کہ امام بخاری کا ان سے روایت کرنا متابعتاً ہے، ❹ لہٰذا کوئی حرج نہیں۔ ہاں آپ ان کی توثیق سننا چاہتے ہیں تو سنیں، تقریب میں ہے:

"لا بأس به" (أي: ثقة) اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين والنسائي" ❺ یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو یحییٰ بن معین اور نسائی نے ثقہ کہا ہے، میزان میں ہے:

ثقة، صاحب حديث، وقال ابن معين أيضاً: ثقة،" انتهى ❻

یعنی یہ ثقہ اور عمدہ حدیث والے ہیں، ابن معین نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن معين والنسائي والبزار والدارقطني، وقال أبوحاتم: صدوق، وقال الباجي:

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٧٨) هدي الساري (ص: ٤١٨) تهذيب التهذيب (٦/ ٢٠١) تقريب التهذيب (ص: ٣٤٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣١)

❷ میزان میں "ففسد حديثه" کے الفاظ ہیں۔

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٨٥)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٩)

❺ تقريب التهذيب (ص: ٣٤٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣٤)

❻ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٨٥)

صدوق، " انتهى. ❶

''یعنی ان کو باجی اور ابوحاتم نے صدوق اور یحییٰ اور نسائی اور بزار اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب میں ہے:

" قال ابن معين والنسائي: ثقة، وقال النسائي أيضا: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان ثقة، وذكره ابن شاهين في الثقات، وقال عثمان بن أبي شيبة: هو صدوق، وقال البزار والدارقطني: ثقة، وقال عثمان الدارمي: سألت ابن معين عنه، فقال: ليس به بأس، وقال العجلي: لا بأس به، وقال الساجي: صدوق، " انتهى ملخصاً❷

105 ''یعنی ان کو یحییٰ اور نسائی نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابوحاتم نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن شاہین نے ثقات میں اور عثمان نے صدوق اور بزار اور دارقطنی نے ثقہ اور عثمان دارمی نے بروایت یحییٰ لا بأس به (ثقہ) اور عجلی نے لا بأس به اور ساجی نے صدوق کہا ہے۔''

آگے چلیے:

قوله: (٨٣) **عبد الرحمن بن أبي نعم البجلي:** قال أحمد بن أبي خيثمة عن ابن معين قال: ابن أبي نعم ضعيف.

''احمد بن ابوخیثمہ نے ابن معین سے نقل کیا کہ ابن معین نے کہا: ابن ابونعم ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ کیوں ضعیف ہیں؟ اس کی کوئی بھی وجہ معلوم نہیں، لہٰذا اصول کے مطابق یہ جرح نامقبول ہوئی، علاوہ بریں ابن معین اس جرح میں شاذ ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی نے آگے صاف فیصلہ کر دیا ہے۔" وهذا لم يتابعه عليه أحد" (ميزان) ❸ یعنی اس قول کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، پس اسی سے آپ کی جرح کا جواب ہوگیا۔ اے جناب! ابن ابونعم ثقہ اور صدوق ہیں، تقریب میں ہے:" صدوق عابد، من الثالثه،" اور خلاصہ میں ہے:"ذكره ابن حبان في

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١٩)

❷ تهذيب التهذيب (٦/ ٢٣٨)

❸ ميزان الاعتدال (٢/ ٥٩٥) نیز حافظ ذہبی ﷫ کے حوالے سے اس بات کی تصریح گزر چکی ہے کہ امام ابن معین جرح میں متشدد ہیں، اگر وہ کسی کو ضعیف کہیں، تو دوسرے ائمہ محدثین کے کلام کے ساتھ مقارنہ اور مقابلہ کرنے کے بعد ان کا کلام قبول کیا جائے گا، یعنی اگر وہ تضعیف میں موافقت کریں، تو ان کی جرح مقبول ہوگی اور اگر یہ تضعیف میں منفرد ہو اور دیگر ائمہ کرام اس راوی کی توثیق کریں، تو معتدل ائمہ محدثین کی تعدیل و توثیق کو ترجیح دی جائے گی۔ دیکھیں: ذكر من يعتمد قوله في الجرح و التعديل (ص: ١٧٢)

الثقات“ اور میزان میں ہے:” كان من الأولياء الثقات“ اور ہدی الساري میں ہے:” وثقه ابن سعد والنسائي “ [1]

” ان سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ ابن ابونعم صدوق ہیں، عابد ہیں، اولیاء میں سے ہیں، ثقات میں سے ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور محمد بن سعد اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔“

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ششم میں لکھتے ہیں:

” قال ابن سعد: وكان ثقة، وقال النسائي في التمييز: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، “ انتهى ملخصاً. [2]

”یعنی محمد بن سعد نے ان کو ثقہ اور نسائی نے تمییز میں ان کو ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔“ آگے چلئے:

قوله: (٨٤) **عبد الرحمن بن نمر**: ضعفه يحيىٰ، وقال أبوحاتم وغيره: ليس بالقوي.

”ان کو یحییٰ نے ضعیف ٹھہرایا اور ابوحاتم وغیرہ نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔“ ایضاً

أقول: امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے وہ متابعتاً ہے، ملاحظہ ہو: هدي و تهذيب [3] اور جو روایت متابعتاً ہوتی ہے، اس کی بابت کئی گزشتہ نمبروں میں بیان ہو چکا، خصوصاً نمبر ۲۲ میں کہ اگر وہ راوی ضعیف ہو تو بھی چنداں حرج نہیں ہوتا، چہ جائیکہ جب ثقہ ہو، یہ ابن نمیر اسی قبیل سے ہے، یعنی اس کو ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے، چنانچہ تقریب میں ہے:” ثقة“ اور خلاصہ میں ہے:” وثقوه، وقال أبوداود: ليس به بأس “ اور میزان میں ہے: ”قال ابن عدي: أحاديثه مستقيمة “ اور ہدی الساري میں ہے:” وثقه الذهلي وابن البرقي وأبو داود“ [4]

خلاصہ ان کا یہ ہوا کہ عبدالرحمٰن بن نمر ثقہ ہیں، ان کو ایک جماعت نے ثقہ اور ابوداود نے لا بأس به کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ ان کی کل حدیثیں مستقیم ہیں اور ذہلی اور ابن البرقی اور ابوداود نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ 106

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد سادس میں لکھتے ہیں:

” قال دحيم: صحيح الحديث، وقال الآجري عن أبي داود: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال: من ثقات أهل الشام ومتقنيهم، وقال أبو أحمد الحاكم: مستقيم الحديث، وقال ابن البرقي: ثقة، وقال الذهلي: عبد الرحمن بن نمر و عبد الرحمن بن

---

[1] ميزان الاعتدال: (٢/ ٥٩٥) هدي الساري (ص: ٤١٩) تقريب التهذيب (ص: ٣٥٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣٦) نیز دیکھیں: الثقات لابن حبان (٦/ ٢٥٦)

[2] تهذيب التهذيب (٦/ ٢٥٦)

[3] هدي الساري (ص: ٤١٩) تهذيب التهذيب (٢٥٧/٦)

[4] ميزان الاعتدال (٢/ ٥٩٥) هدي الساري (ص: ٤١٩) تقريب التهذيب (ص: ٣٥٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣٦)

خالد ثقتان، " ملخصاً. ❶

''یعنی ان کو دحیم نے صحیح الحدیث اور ابو داود نے بروایت آجری لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ ثقات اہل شام اور متقنین (ثقہ) سے ہیں اور حاکم نے ان کو مستقیم الحدیث اور ابن البرقی نے ثقہ اور ذہلی نے عبدالرحمٰن بن نمر اور عبدالرحمٰن بن خالد دونوں کو ثقہ کہا ہے۔''

دیکھا جناب ......؟ اچھا آگے چلئے:

قوله: (٨٥) **عبد السلام بن حرب الملائي**: قال ابن سعد: فيه ضعف.

''ابن سعد نے کہا کہ ان میں ضعف ہے۔'' ایضاً

أقول: ابن سعد نے جو ان میں ضعف بتلایا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ شخص تو حفاظ ثقات سے ہے، تمام کتب اسماء الرجال میں ایسا ہی ملتا ہے، خود آپ میزان میں ملاحظہ کر لیں، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ❷ علاوہ بریں ہدی الساری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے ان سے متابعتاً روایت کیا ہے۔ ❸ پس اس کا بھی وہی جواب ہوگا، جو اوپر مرقوم ہے، اب ہم آپ کو یہ بتلا دیں کہ محدثین ناقدین نے ان کی بابت کیا لکھا ہے:

تقریب میں ہے: " ثقة حافظ " اور خلاصہ میں ہے: " الحافظ ثقة، وثقه أبوحاتم والترمذي" ❹

یعنی یہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، ان کو ابو حاتم اور ترمذی نے ثقہ کہا ہے۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

" من كبار مشيخة الكوفة وثقاتهم ومسنديهم، قال الترمذي: ثقة حافظ، وقال الدارقطني: ثقة حجة، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة، وقال ابن معين: ثقة، والكوفيون يوثقونه، " انتهى.

''یعنی یہ کوفہ کے کبار مشائخ اور ثقات اور مستندین لوگوں میں سے ہیں، ترمذی نے ان کو ثقہ حافظ اور دارقطنی نے ثقہ حجت اور یعقوب نے ثقہ اور یحییٰ نے ثقہ کہا ہے اور کل کوفی ان کو ثقہ کہتے تھے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه أبوحاتم والترمذي ويعقوب بن شيبة والدارقطني والعجلي، وقال يحيىٰ بن معين:

❶ تهذيب التهذيب (٦/٢٥٧)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٦١٥)

❸ هدي الساري (ص: ٤٢٠) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متابعت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: " فتبين أنه لم يحتج به "

❹ تقريب التهذيب (ص: ٣٥٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٣٨)

ليس به بأس، " انتهى. [1]

''یعنی ان کو ابوحاتم اور ترمذی اور یعقوب اور دارقطنی اور عجلی اور یحییٰ نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر اس سے زیادہ تفصیل سے تهذيب التهذيب جلد ششم میں لکھتے ہیں:

" قال عثمان الدارمي عن ابن معين: صدوق، وقال غيره عن يحيىٰ: ليس به بأس يكتب حديثه، وقال أبوحاتم: ثقة صدوق، وقال الترمذي: ثقة حافظ، وقال النسائي في التمييز: ليس به بأس، وقال الدارقطني: ثقة حجة، وقال العجلي: هو عند الكوفيين ثقة ثبت، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة،" انتهى ملخصاً. [2] 107

''یعنی یحییٰ نے بروایت عثمان دارمی صدوق اور ابن معین نے دوسری روایت میں ان کو لا بأس به (ثقہ) اور ان کی حدیث کو قابل کتابت اور ابوحاتم نے ثقہ صدوق اور ترمذی نے ثقہ حافظ اور نسائی نے تمییز میں لا بأس به اور دارقطنی نے ثقہ حجت کہا ہے اور عجلی نے کہا ہے وہ کوفیوں کے نزدیک ثقہ ثبت ہیں اور یعقوب نے بھی ثقہ کہا ہے۔''[3] آگے چلئے:

قوله: (٨٦) **عبد العزيز بن عبد الله الأولسي المدني:** قال أبوداود: ضعيف.

''ابوداود نے کہا کہ یہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: "أولسي " باللام غلط ہے، صحیح "أويسي" بالياء ہے، ہاں ابوداود کی یہ جرح جو آپ نے نقل کی ہے، یہ بالکل مردود ہے، اس لیے کہ خود ابوداود نے ان کو ثقہ کہا ہے، کیا اس میزان میں آپ کو ذرا سا آگے دکھائی نہیں دیا؟ علی ہذا القیاس ابوداود سے ان کی توثیق خلاصہ و ہدی الساری وتہذیب میں موجود ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، [4] هدي الساري میں لکھا ہے:

" ففيه نظر لأنه قد وثقه في موضع آخر ... إلى قوله: في الجملة فهو جرح مردود" انتهى. [5]

''یعنی ابوداود کی اس جرح میں نظر ہے، کیونکہ خود انھی ابوداود نے دوسری جگہ میں ان کو ثقہ کہا ہے۔''

حاصل کلام یہ کہ یہ جرح مردود و نامقبول ہے، چلیے فیصلہ ہوگیا، اب ان کی ثقاہت سنئے:

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٢٠)

[2] تهذيب التهذيب (٦/ ٢٨٢)

[3] حافظ ابن حجر ؒ ایک راوی پر امام ابن سعد ؒ کی ایسی ہی ایک شاذ جرح کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "لم يلتفت أحد إلى ابن سعد في هذا، فإن مادته من الواقدي في الغالب، والواقدي ليس بمعتمد " (هدي الساري: ٤١٧)

[4] هدي الساري (ص: ٤٢٠) تهذيب التهذيب (٦/ ٣٠٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٠)

[5] هدي الساري (ص: ٤٢٠) امام ابوداود ؒ سے یہ جرح ابوعبید آجری نے نقل کی ہے اور ابوعبید آجری کی توثیق وتعدیل ثابت نہیں، اس لئے ان کی نقل کردہ جرح محل نظر ہے، خصوصاً جب وہ شاذ اور دیگر ائمہ محدثین ؒ کے اقوال سے متعارض ہو۔

تقریب میں ہے: " ثقة من كبار العاشرة " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبوداود"❶ یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو ابوداود نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے: "شيخ البخاري، ثقة جليل، وثقه أبوداود"❷

یعنی یہ امام بخاری کے شیخ ہیں، بڑے جلیل القدر اور ثقہ ہیں، ابو داود نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساري میں ہے:

" من كبار شيوخ البخاري، وقال أبوحاتم: هو صدوق، ووثقه يعقوب بن شيبة، وقال الدارقطني: حجة، وقال الخليلي: اتفقوا على توثيقه، انتهى.❸

یعنی امام بخاری کے کبار شیوخ سے ہیں، ان کو ابوحاتم نے صدوق اور یعقوب نے ثقہ اور دارقطنی نے حجت کہا ہے اور خلیلی نے کہا ہے کہ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تهذيب التهذيب جلد سادس میں ہے:

" قال يعقوب بن شيبة: ثقة، وكذا قال أبوداود، وقال ابن أبي حاتم: سئل أبي عنه، فقال: صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: حجة، وقال الخليلي: ثقة متفق عليه، " انتهى ملخصاً.❹

"یعنی ان کو یعقوب نے ثقہ اور ابوداود نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے حجت اور خلیل نے ثقہ کہا ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (٨٧) **عبد العزيز بن مسلم القسملي**: قال العقيلي: فى حديثه بعض الوهم.❺

"عقیلی نے کہا کہ ان کی حدیث میں بعض وہمی باتیں ہیں۔" ایضاً

108

أقول: تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ ان کی ساری حدیثیں تو ایسی نہیں ہیں اور اس سے ان کی ثقاہت میں کوئی فرق

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٣٥٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٠)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٦٣٠)

❸ هدي الساري (ص: ٤٢٠)

❹ تهذيب التهذيب (٣٠٨/٦)

❺ کسی راوی سے وہم سرزد ہوجانا کوئی جرح نہیں، کیونکہ یہ بشری تقاضا ہے، جس سے کبار ائمہ محدثین بھی محفوظ نہیں ہیں، امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " من ذا سلم من الوهم ؟ " اسے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " وهذا أيضا مما ينبغي أن يتوقف فيه، فإذا جرح الرجل بكونه أخطأ في حديث أو وهم أو تفرد، لا يكون ذلك جرحا مستقرا ولا يرد به حديثه" (لسان الميزان) ١/ ١٧) نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ معترض کی نقل کردہ امام عقیلی رحمہ اللہ کی جرح کو ذکر کرنے کے ←

نہیں آئے گا، آپ نے عقیلی کا جو یہ قول نقل کیا ہے، یہ درحقیقت کوئی جرح نہیں ہے، بلکہ ہم آپ کو سناتے ہیں کہ عبدالعزیز قسملی کے ثقہ ہونے میں کلام نہیں ہے۔

تقریب میں ہے: " ثقة عابد " اور خلاصہ میں ہے: "كان من العابدين، وثقه ابن معين "❶

یعنی یہ ثقہ اور عابد ہیں، یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

"بصري ثقة، قال يحيىٰ بن معين: عبد العزيز القسملي لا بأس به، وقال أبو حاتم: صالح الحديث ثقة، " انتهى . ❷

"یعنی یہ ثقہ ہیں، یحییٰ نے ان کو لا بأس به اور ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ثقہ کہا ہے۔"

حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ششم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: صالح الحديث ثقة، وقال أبو عامر: وكان من العابدين، وقال النسائي في التمييز: ليس به بأس، وقال ابن نمير والعجلي: ثقة، وقال ابن خراش: صدوق، ذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❸

"یعنی ان کو یحییٰ نے ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ثقہ اور ابو عامر نے عابد (زاہد) اور نسائی نے تمییز میں لا بأس به اور ابن نمیر اور عجلی نے ثقہ اور ابن خراش نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (۸۸) **عبد الملك بن عين:** قال ابن معين: ليس بشيء، قال ابن عيينة: ثنا عبد الملك، وكان رافضيا، وقال أبوحاتم: من عتق الشيعة.

" ابن معین نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور ابن عیینہ نے کہا کہ مجھ سے عبدالملک نے حدیث بیان کی اور حال یہ کہ وہ یعنی عبدالملک رافضی تھا اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ فرقہ شیعہ میں سے تھے۔" ایضاً

أقول: یہاں بھی آپ نے غلطی کی ہے، "ابن عين" نہیں بلکہ "ابن أعين" بزيادة الألف ہے، باقی رہا ان کا شیعہ ہونا، تو اس کی بابت بارہا لکھا جا چکا ہے کہ راوی اگر صادق فی الحدیث ہو، تو چنداں حرج نہیں ہوتا، چنانچہ

← بعد فرماتے ہیں: " قلت: هذه الكلمة صادقة الوقوع على مثل مالك و شعبة، ثم ساق العقيلي له حديثا واحدا محفوظا، قد خالفه فيه من هو دونه في الحفظ " (ميزان الاعتدال: ۲/ ۶۳۵)

❶ تقريب التهذيب (ص: ۳۵۹) الخلاصة للخزرجي (ص: ۲۴۱)

❷ ميزان الاعتدال (۲/ ۶۳۵)

❸ تهذيب التهذيب (۶/ ۳۱۷)

عبدالملک کا صدوق ہونا ذیل میں درج کیا جائے گا۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ابن اعین سے جو روایت کی ہے، وہ مقرون بغیرہ ہے، یعنی امام بخاری نے ان سے متابعتاً روایت کیا ہے، چنانچہ تمام کتب اسماء الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے۔

تقریب میں ہے: " له في الصحيحين حديث واحد متابعة " اور خلاصہ میں ہے: " له في خ م فرد حديث متابعة " اور میزان میں ہے: " وأخرجا له مقرونا بغيره في حديث" اور تہذیب جلد سادس میں ہے: "له عند الشيخين حديث واحد قرن فيه بجامع بن أبي راشد" ❶

109 خلاصہ ان سب کا یہ ہوا کہ امام بخاری نے ان سے مقترن بمتابعت جامع بن ابی راشد روایت کیا ہے۔ پس جب حدیث مقرون بغیرہ اور متابعتاً ہوئی، تو اس کی بابت نمبر (۲۲) میں بالتفصیل بحوالہ قول علامہ عینی لکھا جا چکا ہے کہ چنداں مضائقہ نہیں اور لطف یہ کہ امام بخاری نے جو ان سے بالمتابعت روایت کی ہے، وہ بھی اس بنیاد پر کہ یہ بعض کے نزدیک صدوق بلکہ ثقہ ہیں۔ چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "قال أبو حاتم: محله الصدق" اور میزان میں ہے: "قال أبوحاتم: صالح الحديث، وقال ابن معين: هو صدوق" اور ہدی الساری میں ہے: " وثقه العجلي وقال أبوحاتم: محله الصدق" ❷

ماحصل یہ کہ یہ صدوق ہیں، خود یحیٰی بن معین اور ابوحاتم نے ان کو صدوق بلکہ ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد سادس میں لکھتے ہیں:

" قال أبوحاتم: محله الصدق، صالح الحديث، يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: كوفي تابعي ثقة، " انتهى. ❸

''یعنی ابوحاتم نے ان کو صدوق، صالح الحدیث، ان کی حدیث کو قابلِ کتابت کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

پس جب یہ صالح الحدیث ہوئے اور ان کی حدیث قابل کتابت ہوئی تو کوئی حرج نہیں۔ آگے چلیے:

قوله: (۸۹) **عبد الملك بن الصباح الصنعاني:** متّهم لسرقة الحديث.

''سرقہ حدیث میں متہم ہیں۔'' ایضاً

---

❶ ميزان الاعتدال (۲/ ٦٥٢) تهذيب التهذيب (٦/ ٣٤٢) تقريب التهذيب (ص: ٣٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٣)

❷ ميزان الاعتدال (۲/ ٦٥٢) هدي الساري (ص: ٤٢١) تقريب التهذيب (ص: ٣٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٣)

❸ تهذيب التهذيب (٦/ ٣٤٢)

أقول: اگر تہمت غلط ہوتو پھر ایسی مبہم جرح ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی، حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" وذكره صاحب الميزان، فنقل عن الخليلي أنه قال فيه: كان متهما بسرقة الحديث، وهذا جرح مبهم، " انتهى. ❶

''یعنی علامہ ذہبی نے خلیلی سے نقل کیا ہے کہ یہ سرقہ حدیث کے ساتھ متہم تھے، یہ جرح مبہم ہے۔''

پس غیر مقبول ہوئی، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ مقترن ہے، حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

ولم أر له في البخاري سوى حديث واحد مقرونا بمعاذ بن معاذ، " انتهى. ❷

''یعنی امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ معاذ کے ساتھ مقترن ہے، وہ بھی ایک ہی حدیث ہے۔''

پس اس کا وہی حکم ہے، جو اوپر مرقوم ہوا، تاہم ایسا نہیں ہے کہ ان کی ثقاہت وصداقت ثابت نہ ہو، تقریب میں ہے: " صدوق من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن حبان في الثقات " اور ہدی الساري میں ہے: " قال أبوحاتم: صالح" اور تہذیب التہذیب جلد ششم میں ہے:" قال أبوحاتم: صالح، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن نافع: وكان ثقة، " انتهى. ❸

عبارات مسطورہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ عبدالملک صدوق ہیں، ان کو ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن قانع نے ثقہ کہا ہے۔''❹ سمجھے کہ نہیں جناب! آگے چلئے:

قوله: (٩٠) **عبد الواحد بن واصل:** قال أحمد بن حنبل، أخشى أن يكون ضعيفا، وقال أحمد أيضاً: لم يكن صاحب حفظ . 110

''احمد نے کہا کہ مجھ کو ان کے ضعیف ہونے کا خوف ہے اور احمد نے یہ بھی کہا کہ یہ صاحب حفظ نہ تھے۔'' ایضاً

أقول: یہ تو آپ نے امام احمد سے جرح نقل کر دی، لیکن ان کی کتاب کی بابت جس سے امام بخاری نے حدیث لی ہے، ان کا فیصلہ نہ دیکھا، علامہ ذہبی اسی میزان میں لکھتے ہیں:

❶ هدي الساري (ص: ٤٢١)

❷ هدي الساري (ص: ٤٢١)

❸ تهذيب التهذيب(٦/ ٣٥٤) هدي الساري (ص: ٤٢١) تقريب التهذيب (ص: ٣٦٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٣)

❹ حافظ ابن حجر ؒ امام خلیلی کی جرح کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: " قال الخليلي: عبد الملك بن الصباح عن مالك، متهم بسرقة الحديث، كذا قال، ولم أر في الرواة عن مالك للخطيب ولا للدارقطني أحدا يقال له: عبد الملك بن الصباح، فإن كان محفوظا، فهو غير المسمعي " (تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٥٤) اس لیے حافظ ابن حجر ؒ نے تقریب میں "عبد الملك بن الصباح المسمعي " اور " عبد الملك بن الصباح عن مالك "کو دو راوی شمار کر کے الگ الگ ذکر کیا ہے۔ (تقريب التهذيب: ٣٦٣)

" قال أحمد: وكتابه صحيح". ❶ ''یعنی امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی کتاب، جو حدیث کی ہے، وہ صحیح ہے۔''

چلئے فیصلہ ہوگیا، علاوہ بریں امام ذہبی اسی میزان میں یہ بھی لکھتے ہیں:

" وخرج له البخاري فقرنه بآخر ". ❷ ''یعنی امام بخاری نے ان سے مقترن روایت کی ہے۔''

بس وہ روایت مقرون بغیرہ ہوئی، جس کی بابت ابھی اوپر دو نمبروں میں مذکور ہوا، آیئے ہم آپ کو ان کی ثقاہت بھی سنا دیں، تقریب میں ہے: " ثقة من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے: " قال أحمد: كتابه صحيح" ❸ یعنی یہ ثقہ ہیں، امام احمد نے ان کی کتاب کو صحیح کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

" وثقه ابن معين وغيره، وقال ابن معين أيضاً: وكان من المتثبتين، ما أعلم أنا أخذنا عليه خطأ ألبتة ". ❹

''یعنی ان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ثقہ لوگوں سے تھے، ہم نے ان سے لیا ہے، لیکن ہم یقیناً ان پر کوئی خطا نہیں جانتے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" قال ابن معين: كان من المتثبتين، ما أعلم أنا أخذنا عليه خطأ ألبتة، وقال أحمد: وكان كتابه صحيحاً، وثقه العجلي ويعقوب بن شيبة ويعقوب بن سفيان و أبوداود وغيرهم" انتهى. ❺

''یعنی یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ ثقہ لوگوں میں سے تھے، میں یقیناً ان پر کسی قسم کی خطا نہیں جانتا، حالانکہ میں نے ان سے لیا ہے اور امام احمد نے کہا کہ ان کی کتاب صحیح ہے اور عجلی اور یعقوب بن شیبہ اور یعقوب بن سفیان اور ابوداود وغیرہم نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد سادس میں لکھتے ہیں:

" قال عبد الخالق بن منصور عن ابن معين: ثقة، وقال غيره عن ابن معين: كان من المتثبتين، ما أعلم أنا أخذنا عليه خطأ البتة، وقال أحمد: وكان كتابه صحيحا، وقال

---

❶ ميزان الاعتدال (٢/ ٦٧٧)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٦٧٧) نیز دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢٢)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٦٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٤٧)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٦٧٧)

❺ هدي الساري (ص: ٤٢٢)

العجلي ويعقوب بن شيبة ويعقوب بن سفيان وأبوداود: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: ووثقه الدارقطني، " انتهى ملخصاً. ❶

"یعنی ان کو یحییٰ نے بروایت عبدالخالق ثقہ کہا ہے اور دوسری روایت میں ابن معین نے کہا ہے کہ متثبت ہیں، میں نے ان سے روایت کیا ہے، میں ان میں کسی قسم کی خطا یقیناً نہیں دیکھتا ہوں اور احمد نے کہا کہ ان کی کتاب صحیح ہے اور عجلی اور یعقوب بن شیبہ اور یعقوب بن سفیان اور ابوداود اور دارقطنی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (۹۱) **عبد الله بن عبد المجيد**: روى عثمان بن سعيد عن يحيىٰ: ليس بشيء. 111

"عثمان بن سعید نے یحییٰ سے روایت کی کہ یہ کچھ نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: میزان میں عبداللہ بن عبدالمجید کی نسبت یہ جرح ہی نہیں ہے، بلکہ سرے سے عبداللہ بن عبدالمجید ہی نہیں ہے، اے جناب! یہاں پر آپ نے غلطی کی ہے، جس کی نسبت آپ لکھ رہے ہیں، وہ عبیداللہ بن عبدالمجید ہے، باقی رہی ان کے متعلق یحییٰ کی جرح، تو اس کی نسبت حافظ ابن حجر نے تقریب میں صریح لفظوں میں لکھا ہے کہ:

" لم يثبت أن يحيىٰ بن معين ضعفه " ❷ یعنی یحییٰ سے اس پر جرح ثابت نہیں ہوئی ہے۔ ❸

پس معلوم ہوا کہ اس جرح کا انتساب یحییٰ کی طرف غلط ہے اور یہ عبیداللہ ثقہ صدوق ہے، چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال أبوحاتم: ليس به بأس، " یعنی یہ صدوق ہیں، ابوحاتم نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔ میزان میں ہے:

" قال أبو حاتم وغيره: ليس به بأس، وقال شيخنا في التهذيب: قال عثمان الدارمي عن يحيىٰ وأبي حاتم: ليس به بأس " ❹

یعنی ان کو ابوحاتم وغیرہ نے لا بأس به کہا ہے۔ (ذہبی کہتے ہیں) اور ہمارے شیخ (جمال الدین مزی) تہذیب (الکمال) میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ نے بروایت عثمان دارمی اور ابوحاتم نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔

اور یحییٰ کی اصطلاح میں لفظ لا بأس به اور لفظ ثقہ ایک درجہ کا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

---

❶ تهذيب التهذيب (٦/ ٣٩٠) امام ابن معین رحمہ اللہ مذکورہ بالا کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں: " جيدة القراءة للكتابه " نیز حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " وكان ثقة " (تاريخ بغداد: ١١/ ٣)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٣٧٣)

❸ بلکہ امام ابن معین رحمہ اللہ سے ان کی توثیق بایں الفاظ "ليس به بأس " ثابت ہے۔ دیکھیں: تاريخ ابن معين ـ رواية الدارمي. (ص: ١٧٨) تهذيب التهذيب (٧/ ٣١)

❹ ميزان الاعتدال (٣/ ١٣) تقريب التهذيب (ص: ٣٧٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٥٢)

لیجئے جناب! یحییٰ سے ان کی ثقاہت ثابت ہے، جس سے آپ نے جرح نقل کی ہے۔ ❶

ہدی الساری میں ہے:

" هو من نبلاء المحدثين، قال ابن معين وأبوحاتم: لا بأس به، ووثقه العجلي والدارقطني وغير واحد، واحتج به الجماعة، " انتهى. ❷

''یعنی یہ بزرگ محدثین سے ہیں، ان کو ابن معین اور ابو حاتم نے لا بأس به کہا ہے اور عجلی اور دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ کہا اور ایک جماعت نے ان سے حجت پکڑی ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (۹۲) **عبيدة بن حميد الضبي الكوفي**: قال زكريا الساجي: ليس بالقوي في الحديث.

''زکریا ساجی نے کہا کہ یہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح ہرگز قبول نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ ابن المدینی ان کی حدیثوں کو صحیح کہا کرتے تھے، امام احمد کہتے تھے اس کی حدیث کیسی اچھی ہے، اور ایک جماعت کثیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ہے، پھر بلا دلیل ساجی کا قول کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ چونکہ یہ جرح مبہم ہونے کے علاوہ شاذ بھی ہے، اس لیے نامقبول ہے، ہاں ان کے متعلق اصل کیفیت سنیے۔ 112

تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن سعد: ثقة " ❸

یعنی صدوق ہیں، ان کو محمد بن سعد نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" وثقه أحمد وابن معين والناس، قال ابن المديني: أحاديثه صحاح، وقال ابن معين: ما به بأس، وقال أيضاً: ثقة، وقال أحمد: ما أحسن حديثه! وقال ابن نمير: ثقة". ❹

''یعنی ان کو احمد و یحییٰ اور سب لوگوں نے ثقہ کہا ہے، ابن المدینی نے کہا کہ ان کی کل حدیثیں صحیح ہیں اور ابن معین نے لا بأس به اور ثقہ کہا ہے اور احمد نے کہا ان کی حدیث کیا ہی اچھی ہے! اور ابن نمیر نے ثقہ کہا ہے۔''

---

❶ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ ابن معین کا کسی راوی کے بارے میں کہنا: "ليس بشيء" اس پر جرح نہیں بلکہ اس لفظ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ راوی قلیل الحدیث ہے، جیسا کہ اہل اصول نے اس کی صراحت کی ہے، لہٰذا یہ کوئی جرح نہیں۔ (مولانا إرشاد الحق اثری ﷾) دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢١)

❷ هدي الساري (ص: ٤٢٣)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٧٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٥٦)

❹ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٥)

ہدی الساري میں ہے:

"وثقه أحمد، وقال: ما أصح حديثه! وقال ابن معين: ما به بأس، وقال ابن المديني: ما أصح حديثه! ووثقه آخرون،" انتهى. ❶

"یعنی ان کو امام احمد نے ثقہ کہا ہے اور کہا ہے کہ ان کی حدیث کیا ہی اچھی ہے! اور ابن معین نے لا بأس به کہا ہے اور ابن المدینی نے کہا ان کی حدیث کیا اچھی ہے اور دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

ان دوسروں کا بیان اگر آپ بالتفصیل سننا چاہتے ہیں، تو بگوش ہوش متوجہ ہوکر کے سنئے:

حافظ ابن حجر عليه الرحمة من الله الأكبر تهذيب التهذيب جلد سابع میں لکھتے ہیں:

"قال عبد الله بن أحمد: سئل أبي عن عبيدة بن حميد والبكائي، فقال: عبيدة أحب إلي وأصلح حديثاً منه، وقال الفضل بن زياد عن أحمد: ما أحسن حديثه! وقال الأثرم: أحسن أحمد الثناء عليه جدا، ورفع أمره، وقال: ما أدري ما للناس وله؟ ثم ذكر صحة حديثه، وقال أبوداود عن أحمد: ليس به بأس، وقال ابن أبي مريم عن ابن معين: ثقة، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ما به بأس، وقال جعفر الطيالسي عن ابن معين: لم يكن به بأس، وقال عبد الله بن علي بن المديني عن أبيه: أحاديثه صحاح، وقال ابن عمار: ثقة، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن سعد: كان ثقة صالح الحديث، صاحب نحو وعربية وقراءة للقرآن، قلت: وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: لا بأس به، وقال الدارقطني: ثقة، وذكره ابن شاهين في الثقات، وقال عثمان بن أبي شيبة: عبيدة بن حميد ثقة صدوق،" انتهى ملخصاً ❷

"خلاصہ یہ کہ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے باپ احمد سے کسی نے عبیدہ اور بکائی دونوں کی بابت پوچھا، تو انھوں نے فرمایا: عبیدہ مجھے اس سے زیادہ پیارا اور اس سے زیادہ صالح الحدیث ہے اور احمد نے بروایت فضل کہا ہے کہ کیا ہی اچھی ان کی حدیث ہے اور اثرم نے کہا احمد نے اس کی بہت اچھی ثنا بیان کی اور اس کی شان کو بلند کہا اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ لوگوں کو اس سے کیا ضد ہے کہ خواہ مخواہ اس پر جرح کرتے ہیں، (جیسے ساجی وغیرہ) پھر اس کی حدیث کی صحت کو ذکر کیا اور احمد نے بروایت ابو داود لا بأس به اور یحییٰ نے بروایت ابن ابی مریم لا بأس به کہا ہے اور عبداللہ نے بروایت اپنے باپ ابن المدینی اس کی حدیثوں کو صحیح کہا ہے اور ابن عمار نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به اور ابن سعد نے ثقہ صالح الحدیث

113

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٢٣)

❷ تهذيب التهذيب (٧/٧٥)

نحوی عربی داں قاری کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات اور عجلی نے لا بأس به اور دارقطنی نے ثقہ اور ابن شاہین نے ثقات میں اور عثمان نے ثقہ اور صدوق کہا ہے۔''[1]

قوله: (۹۳) **عثمان بن فرقد البصري:** قال الأزدي: يتكلمون فيه .

'' اُزدی نے کہا کہ لوگوں کو ان میں کلام ہے۔'' ایضاً

أقول: کیا اُزدی سے آپ کی دوستی ہے؟ یہاں پر آپ نے پھر اسی اُزدی کا قول جرح میں پیش کیا، جس کی نسبت ابھی نمبر (۷۴) میں بڑی تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، یہ خود ضعیف ہے، اس لیے تضعیفِ ثقات میں اس کا قول معتبر نہیں، لائق تو مجھے یہ تھا کہ ازدی کی اس جرح کے جواب میں اسی قدر تحریر پر اکتفا کروں، لیکن کچھ اور لکھ دیتا ہوں، امام بخاری نے جو عثمان بن فرقد سے روایت کیا ہے، وہ مقترن ہے، میزان میں ہے: '' قلت: روى له البخاري مقرونا بآخر'' اور ہدی الساري میں ہے: '' مقرونا بعبد الله بن نمير''[2] یعنی امام بخاری نے ان کی روایت کو ابن نمیر کی متابعت کے ساتھ روایت کیا ہے، پس یہ مقرون بغیرہ ہوئی جس کی بابت مختلف مقامات میں لکھا جا چکا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، علاوہ بریں عثمان کی حدیثیں مستقیم ہیں، تقریب میں ہے: '' صدوق'' اور خلاصہ میں ہے: '' قال ابن حبان: مستقيم الحديث'' اور میزان میں ہے: '' ما علمت به بأساً '' اور ہدی الساري میں ہے: ''وثقه ابن حبان، وقال: مستقيم الحديث'' اور تهذيب التهذيب جلد ہفتم میں ہے:

''ذكره ابن حبان في الثقات، وقال: مستقيم الحديث،'' انتهى [3]

خلاصہ سب کا یہ ہوا کہ عثمان صدوق ہیں، ذہبی نے ان کو لا بأس به اور ابن حبان نے ثقہ اور مستقیم الحدیث کہا ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (۹٤) **عطاء بن السائب زيد بن الثقفي:** قال أحمد: لا يحتج به .

'' یحییٰ نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے۔'' ایضاً

أقول: یہاں پر آپ نے اپنی کم علمی کی وجہ سے چار اغلاط کی ہیں:

۱۔ ایک تو آپ نے لکھا ہے: ''عطاء بن السائب زيد'' حالانکہ یہ عطاء بن السائب بن زید ہے۔

۲۔ دوسرے آپ نے لکھا ہے: ''زيد بن الثقفي'' حالانکہ صحیح صرف ''زيد الثقفي'' ہے۔

---

[1] نیز صحیح بخاری میں ان کی مرویات کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢٣)

[2] ميزان الاعتدال (٥٢/٣) هدي الساري (ص: ٤٢٤)

[3] الثقات لابن حبان (١٩٥/٧) ميزان الاعتدال (٣/ ٥٢) هدي الساري (ص: ٤٢٣) تهذيب التهذيب (٧/ ١٣٤) تقريب التهذيب (ص: ٣٨٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٦٢)

۳۔ تیسرے آپ نے لکھا ہے: " قال أحمد: لا يحتج به " حالانکہ میزان میں ہے:

" قال يحيىٰ: لا يحتج به "

۴۔ چوتھے یہ کہ جب آپ نے اپنی تحریف سے متن میں " قال أحمد " لکھا، ترجمہ میں بھی "احمد نے کہا" لکھنا چاہیے تھا، حالانکہ ترجمہ میں آپ نے "یحییٰ نے کہا" لکھا ہے، جس سے ناظرین نے آپ کے مبلغ علم کو معلوم کر لیا!

آہ! کیا سچ ہے؟ خود غلط، مضمون غلط، اِملا غلط، اِنشا غلط! اب سنیے جواب! یحییٰ نے جو ان کو غیر محتج بہ قرار دیا ہے، وہ اس وجہ سے کہ آخر میں یہ مختلط ہوگئے تھے، ورنہ قبل از اختلاط یہ ثقہ تھے، چنانچہ سب نے ان کی توثیق کی ہے، 114 پس امام بخاری نے ان سے جو روایت لی ہے، وہ قبل از اختلاط کی ہے، باوجود اس کے امام بخاری نے ان سے جو روایت کی ہے، وہ بالانفراد نہیں، بلکہ متابعت میں ہے، چنانچہ خلاصہ میں ہے: " قرنه بآخر " اور هدى الساري میں ہے: " له في البخاري مقرون بأبي بشر "[1] یعنی امام بخاری نے ان سے مقترن روایت کیا ہے،، خلاصہ یہ کہ وہ روایت ابو بشر کی متابعت کے ساتھ ہے۔

حافظ تہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

" روى له البخاري حديثا واحدا متابعة ".

"یعنی امام بخاری نے ان سے ایک ہی حدیث وہ بھی بالمتابعت روایت کی ہے۔"

اور متابعت میں جیسی روایتیں ہوتی ہیں، اس کا بیان نمبر (۲۲) میں گزرا ہے، لیجئے ہم آپ کو اس کے علاوہ ان کی ثقاہت بھی سنا دیں۔

تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أحمد والنسائي والعجلي (بها مشه) "[2]
یعنی ان کو نسائی و امام احمد و عجلی نے ثقہ کہا ہے۔"

میزان میں ہے:

" قال أحمد بن حنبل: عطا بن السائب ثقة ثقة رجل صالح، وقال أبوحاتم: محله الصدق، وقال النسائي: ثقة، ووثقه ابن معين وأبوداود، " انتهى.[3]

"یعنی امام احمد نے کہا کہ عطاء ثقہ ہے، (دو مرتبہ) نیک مرد ہے اور ابو حاتم نے صدوق اور نسائی نے ثقہ اور یحییٰ نے ثقہ اور ابوداود نے ثقہ کہا ہے۔"

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٢٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٦٦)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٣٩١) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٦٦)

[3] ميزان الاعتدال (٣/ ٧١)

ہدی الساری میں ہے: مشاهير الرواة الثقات. ''یعنی مشہور ثقہ راویوں سے ہے۔''
حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد سابع میں لکھتے ہیں:
" قال أيوب: هو ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة ثقة رجل صالح، وقال العجلي: كان شيخا ثقة، وقال أبوحاتم: كان محله الصدق، صالح، مستقيم الحديث، وقال النسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: صدوق ثقة، وقال الطبراني: ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: هو ثقة حجة، " انتهى ملخصاً.
''یعنی ان کو ایوب نے ثقہ اور عبداللہ نے بروایت اپنے والد امام احمد ثقہ ثقہ رجل صالح اور عجلی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور زکریا نے صدوق وثقہ اور طبرانی نے ثقہ اور یعقوب نے ثقہ حجت کہا ہے۔''[1]
آگے چلئے:
قوله: (٩٥) **عطاء بن ميمونة البصري:** قال ابن معين: هو وابنه قدريان، وقال أبوحاتم: لا يحتج به، وقال أبو إسحاق الجوزجاني: كان رأسا في القدر.
''ابن معین نے کہا کہ یہ اور ان کے بیٹے قدریہ ہیں اور ابوحاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے، اور ابواسحاق جوزجانی نے کہا کہ یہ قدریوں کے سردار ہیں۔'' ایضاً
أقول: یہ جوزجانی کا قول بالکل غلط ہے، علامہ ذہبی میزان میں خود آگے تردید کر رہے ہیں:
" قلت: بل قدري صغير "[2] یعنی یہ چھوٹے قدریہ سے ہیں۔
پھر سردار کہاں ہوئے؟ یہی وجہ ہے کہ جوزجانی کے قول کا جرح میں اعتبار نہیں، کیونکہ یہ بڑے سخت ناصبی تھے،
115 جیسا کہ نمبر ۴۱، ۴۵ میں بیان ہوا، جوزجانی کے اس قول کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:
" وأنكر الذهبي قول الجوزجاني أنه كان رأسا في القدر، فقال: بل هو قدري صغير، " انتهى.[3]

---

1. تهذيب التهذيب (٧/ ١٨٤) عطاء بن سائب کا حافظہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوگیا تھا، صحیح بخاری میں ان سے ایک مقام پر مقرون بغیرہ روایت ہے، لہٰذا ان کے اختلاط کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مزید برآں مختلط راوی کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ قبل از اختلاط اس کی روایت صحیح اور قابل حجت ہوتی ہے اور بعد از اختلاط ایسے راوی کی بیان کردہ روایت ضعیف ہوتی ہے، اس کی تمیز اس کے ان شاگردوں سے کی جاتی ہے، جنھوں نے بتصریح ائمہ محدثین اس راوی سے قبل از اختلاط سماع کیا ہے، مثلاً عطاء بن سائب سے شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ہشام دستوائی، أیوب، زہیر، زائدہ نے قبل از اختلاط سماع کیا، لہٰذا ان کی روایت عطاء بن سائب سے مقبول اور قابل حجت ہے۔ دیکھیں: تهذيب التهذيب (٧/ ١٨٥) الكواكب النيرات (ص: ٦١)
2. ميزان الاعتدال (٣/ ٧٦)
3. تهذيب التهذيب (١٩٢/٧)

''یعنی علامہ ذہبی نے جوزجانی کے اس قول کا کہ عطاء قدریوں کے سردار ہیں، انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ تو ایک چھوٹے قدری تھے۔''

لیکن اس سے ان کی توثیق میں فرق نہیں آیا، دیکھئے آپ نے ابن معین سے ان کا قدری ہونا نقل کیا ہے، یہی ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ❶

خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين " اور میزان میں ہے:" وثقه ابن معين "اور ہدی الساري میں ہے: "وثقه ابن معين والنسائي وأبوزرعة"❷

یعنی ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے اور نسائی اور ابوزرعہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔

اس کے علاوہ حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:"ثقة" ❸

تهذيب التهذيب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين و أبوزرعة والنسائي: ثقة، وقال أبو حاتم: صالح، قلت: وذكره ابن حبان في الثقات، ووثقه يعقوب بن سفيان،" انتهى ملخصاً. ❹

''یعنی یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ اور نسائی نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور یعقوب نے ثقہ کہا ہے۔''

سن لیا جناب! لیجئے لگے ہاتھ یہاں بھی آپ کو غلطی بتا دیتا ہوں، آپ نے لکھا ہے:"عطاء بن ميمونة" صحیح "عطاء بن أبي ميمونة" ہے۔''❺ آگے چلیئے:

قوله: (٩٦) **عكرمة مولىٰ ابن عباس:** تكلم فيه لرأيه لا لحفظه فاتهم برأي الخوارج، قال يحيىٰ: كذاب.

''ان میں بوجہ رائے کے کلام کیا گیا ہے، نہ بوجہ حافظہ کے، پس ساتھ رائے خوارج کے متہم کیے گئے ہیں، یحییٰ نے کہا کہ یہ بڑے جھوٹے ہیں۔'' ایضاً

---

❶ دیکھیں: تاريخ ابن معين، رواية الدوري (٤/ ١٥٨) اور انھیں ابن معین نے "ليس به بأس "بھی کہا ہے۔ دیکھیں: تاريخ ابن معين ۔رواية الدوري (٤/ ١٥١)۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام ابن معین ﷫ ثقہ راوی پر "ليس به بأس "کا اطلاق کرتے تھے۔ نیز دیکھیں: مقدمة ابن الصلاح (ص: ٢٣٨) لسان الميزان (١/ ١٣) ضوابط الجرح والتعديل (ص: ١٤٢)

❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٧٦) هدي الساري (ص: ٤٢٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٦٧)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٩٢)

❹ تهذيب التهذيب (٧/ ١٩٢)

❺ جیسا کہ مذکورہ بالا تمام مصادر میں اس کی تصریح موجود ہے۔

أقول: اللہ اکبر! جب عکرمہ جیسے جلیل القدر تابعی بھی مجروح ہوں، تو انتہا ہوگئی! اب شیعوں کی طرح اصحاب کرام پر بھی ہاتھ چھوڑیئے، **العیاذ باللہ!** سنیے اور غور سے سنیے، یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ خلف سے جو عکرمہ پر جرح کرے وہ مسلمان نہیں ہے [1] جیسا کہ عنقریب آئے گا، ہاں ان کے ہم عصر سے بعض نے ان پر کچھ کلام کیا تھا، (جن کا حق بھی تھا) اور وہ کلام بھی صرف دو امور کی بنا پر ہے:

۱۔ یہ کہ جھوٹ کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خارجی ہیں۔

اور یہی دو جرحیں آپ نے بھی نقل کی ہیں لیکن ان کے مفصل جواب پہلے ہی دیے جا چکے ہیں، خود ابن عباس نے ان کی صداقت بیان کی ہے، [2] اجی عکرمہ خود لوگوں سے اظہار تاسف کرتے کہ لوگ مجھے میری غیبت میں کیوں جھٹلاتے ہیں؟ میرے سامنے کیوں نہیں کہتے؟ (اگر سچے ہیں!) عکرمہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں، جس کو ایوب نقل کرتے ہیں:

”قال عكرمة: أرأيت هولاء الذين يكذبوني من خلفي، أفلا يكذبونى في وجهي؟“

”یعنی عکرمہ کہتے کہ یہ لوگ جو میری پیٹھ پیچھے مجھے جھٹلاتے ہیں، میرے منہ پر مجھے کیوں نہیں جھٹلاتے؟۔“

حافظ ابن حجر اس کا مطلب لکھتے ہیں: ”إنهم إذا واجهوه بذلك، أمكنه الجواب عنه“ انتهى. [3]

”یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ (مکذبین) اگر منہ پر (عکرمہ کے) اس کو جھٹلا دیں، تو اس (عکرمہ) 116
سے ان کا جواب بھی ممکن ہو۔“

خلاصہ یہ کہ منہ پر کہتے تو عکرمہ ان کو جواب دیتے اور بتلاتے کہ میرا مطلب یہ ہے، ورنہ پس غیبت ہر شخص جو جی میں آتا ہے، بکا کرتا ہے، اگرچہ اتنے ہی سے آپ کی ایک جرح کذاب والی کا جواب ہوگیا، لیکن ابھی ہم اس کے علاوہ اور بھی جواب دیں گے، اس کے بعد ان کے خارجی ہونے والی جرح کا جواب عرض کریں گے۔ عبارت مرقومہ سے یہ معلوم ہوا کہ عکرمہ خود جھوٹ ہرگز نہیں کہتے، بلکہ عوام ان کا عندیہ (اصل وجہ یا حقیقی مطلب) نہ جاننے سے کذب پر محمول کرتے، درانحالیکہ اس میں وہ عوام صواب پر نہیں ہوتے، ورنہ خود عکرمہ کے منہ پر کہہ کر حقیقت حال معلوم کر لیتے، پس جب عکرمہ کا خود اقرار ہے کہ میں جھوٹ نہیں کہتا اور وہ اپنے ہمعصروں کا جواب دینے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے، تو ان کے غیر عصر کے لوگ، جیسے یحییٰ کا ان کو کذاب کہنا، جس کو آپ نے نقل کیا ہے، ان کی جرح

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٢٩)

[2] دیکھیں: تاریخ ابن معین للدوري (٣/ ٢٥٩) هدي الساري (ص: ٤٢٨) اسے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”هذا إسناد صحيح“

[3] هدي الساري (ص: ٤٢٨)

کب مانی جا سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان میں جہاں یحییٰ کا قول ''کذاب'' نقل کیا ہے، آگے ایوب کا یہ قول بھی نقل کر دیا ہے: " قال أيوب: لم يكن بكذاب"[1] یعنی عکرمہ کذاب نہیں ہیں، جو صاف یحییٰ کے قول کا جواب ہے، اسی وجہ سے سلیمان بن حرب نے جہاں عکرمہ کا مرقومہ بالا قول نقل کیا ہے آگے یہ بھی کہا ہے، جس کو حافظ ہدی الساري میں نقل کرتے ہیں:

" وقال سليمان بن حرب: وجه هذا أنهم إذا رموه بالكذب، لم يجد عليه حجة،" انتهى.[2]

''یعنی جتنے لوگوں نے عکرمہ پر جھوٹ کی تہمت عائد کی ہے، سب بغیر دلیل ہے، گویا جھوٹ کی تہمت خود جھوٹی ہے۔'' جو بمصداق " الكذب في نسبة الكذب إلى الرجل الصادق يكون دليل صدقه".[3] عکرمہ کے صادق ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

اسی وجہ سے حافظ تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

" لم يثبت تكذيبه، ولم يثبت عنه بدعة ".[4]

''یعنی عکرمہ کی نہ تو کسی قسم کی تکذیب ثابت ہے نہ کسی قسم کی بدعت۔''

حاصل کلام و خلاصہ مرام یہ کہ یحییٰ نے جو ان کو کذاب کہا ہے، محض غلط ہے [5] اور درحقیقت یہ عکرمہ صِدّیق (نہایت سچے) ہیں، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، یہ تو ہوا آپ کی ایک جرح کا جواب!

باقی رہی دوسری جرح ان کے خارجی ہونے کی تو یہ بھی محض جھوٹ اور تہمت ہے، ہم اس کے جواب کو بہت طول نہ دیں گے، بلکہ مختصر عرض کرتے ہیں، حافظ ابن حجر ہدی الساري میں رقم فرماتے ہیں:

" وقد برأه أحمد والعجلي من ذلك، فقال في كتاب الثقات له: عكرمة مولىٰ ابن عباس مكي تابعي ثقة بريئ ما يرميه الناس به من الحرورية، " انتهى.[6]

''یعنی اس خارجی ہونے کی تہمت سے ان کو امام احمد اور عجلی نے بری کہا ہے، بلکہ عجلی نے اپنی کتاب الثقات میں کہا ہے کہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس مکی تابعی ہیں، ثقہ ہیں، اس تہمت سے جو لوگ ان کو خارجی

---

[1] یحییٰ بن سعید انصاری اور ایوب ایک ہی مجلس میں بیٹھے تھے کہ عکرمہ کا ذکر شروع ہوگیا، تو یحییٰ نے کہا: "كذاب " اس کے بعد ایوب نے کہا: " لم يكن بكذاب " (ميزان الاعتدال: ۳/ ۹٤)

[2] هدي الساري (ص: ٤٢٨)

[3] سچے آدمی کی طرف جھوٹ کی نسبت بھی اس کے سچے ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

[4] تقريب التهذيب (ص: ۳۹۷)

[5] دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٢٧)

[6] هدي الساري (ص: ٤٢٨) نیز دیکھیں: الثقات للعجلي (۲/ ١٤٥)

ہونے کی دیتے ہیں بری ہیں،" انتهى محصله

معلوم ہوا کہ یہ خارجی نہیں ہیں، بلکہ یہ ان پر جھوٹا اتہام ہے، اسی وجہ سے علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں: 117

"رموه بغير نوع من البدعة...... برئ مما يرميه الناس به". ❶

"یعنی لوگ ان کو جھوٹے اور خارجی ہونے کی جو تہمت دیتے ہیں، وہ ان سب تہمتوں سے بری ہیں۔"

بتلایئے! اب کسی کا کیا حق ہے کہ ان پر کسی طرح کا کلام کرے؟ یہی وجہ ہے کہ ابن معین نے ان پر جرح وکلام کرنے والے کو اسلام سے خارج کر دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" وقال جعفر الطيالسي عن ابن معين: إذا رأيت إنسانا يقع في عكرمة، فاتهمه على الإسلام". ❷

"یعنی جو عکرمہ پر کلام کرے وہ مسلمان نہیں۔"

عاقبة الأمر ومآل الكل یہ کہ عکرمہ ہر قسم کی جرح سے بری ہیں اور ان کی ثقاہت، صداقت، مدح اور ثنا کے سب قائل ہیں۔

چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے نقل کیا جاتا ہے، تقریب التہذیب میں ہے: "ثقة ثبت عالم بالتفسير" ❸

"یعنی یہ ثقہ ہیں، ثبت ہیں، تفسیر داں ہیں۔"

علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

" أحد الأئمة الأعلام، قال الشعبي: ما بقي أحد أعلم بكتاب الله من عكرمة، قال العجلي: ثقة، ووثقه أحمد وابن معين وأبو حاتم والنسائي، ومن القدماء أيوب السختياني" انتهى. ❹

"یعنی عکرمہ ائمہ اعلام سے ایک ہیں، شعبی نے کہا کہ عکرمہ سے زیادہ قرآن کا جاننے والا کوئی نہیں ہے اور عجلی اور احمد اور یحییٰ اور ابوحاتم اور نسائی اور ایوب سختیانی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

" قد وثقه جماعة، واعتمده البخاري، وقال محمد بن سعد: كان عكرمة كثير العلم والحديث، بحرا من البحور، والشعبي يقول: ما بقي أحد أعلم بكتاب الله من عكرمة، وقال قتادة: عكرمة أعلم الناس بالتفسير، " انتهى. ❺

---

❶ الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٧٠)

❷ هدي الساري (ص: ٤٢٩)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٩٧)

❹ الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٧٠)

❺ ميزان الاعتدال (٣/ ٩٤)

''یعنی عکرمہ کو ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے اور بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ابن سعد نے کہا عکرمہ بہت علم اور حدیث والے تھے، دریاؤں سے دریا تھے، اور شعبی کہتے تھے عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا کوئی نہیں اور قتادہ نے کہا تفسیر (قرآن) کو عکرمہ لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہے۔''

حافظ ابن حجر ہدی الساري میں بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:

" قال ابن سعد: كان عكرمة بحرا من البحور، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عن
عكرمة، فقال: ثقة، قلت: يحتج بحديثه؟ قال: نعم، إذا روى عنه الثقات، وقال محمد بن
فضيل عن عثمان بن حكيم: كنت جالساً مع أبي أمامة بن سهل بن حنيف، إذ جاء
عكرمة، فقال: يا أبا أمامة! أذكرك الله! هل سمعت ابن عباس يقول: ما حدثكم عني
عكرمة، فصد قوه، فإنه لم يكذب عليّ؟ فقال أبوأمامة: نعم، وهذا إسناد صحيح، وقال
الشعبي: ما بقي أحد أعلم بكتاب الله من عكرمة، قال عثمان الدارمي: قلت لابن معين
...... إلى قوله: فقلت: فعكرمة؟ قال: ثقة، وقال النسائي في التمييز وغيره: ثقة، وتقدم
118 توثيق أبي حاتم والعجلي، وقال المروزي: قلت لأحمد بن حنبل: يحتج بحديثه؟ قال:
نعم، وقال أبوعبد الله بن نصر المروزي: أجمع عامة أهل العلم على الاحتجاج بحديث
عكرمة، واتفق على ذلك رؤساء أهل العلم بالحديث من أهل عصرنا...... (ثم عدهم)
وقال البزار: روى عن عكرمة مائة وثلاثون رجلا من وجوه البلدان، كلهم رضوا به "❶
إلىٰ آخره لا يتحملها المقام لذكره في الجزء السابع من تهذيب التهذيب، بل على
تفصيل منه تركته لغرابة المقام و ضيقه، من شاء فليرجع إليه.

''خلاصہ ترجمہ یہ کہ ابن سعد نے کہا کہ عکرمہ دریاؤں سے دریا تھے، ابو حاتم کے بیٹے نے کہا: میں نے اپنے باپ سے عکرمہ کی بابت سوال کیا، تو انھوں نے ثقہ کہا، میں نے کہا: اس کی حدیث قابل حجت ہے؟ جواب دیا: ہاں! جب ان سے ثقہ لوگ روایت کریں۔ محمد بن فضیل نے بروایت عثمان بن حکیم کہا: میں ابو امامہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اچانک عکرمہ آ پڑے اور کہا اے ابو امامہ! میں تم کو اللہ یاد دلا کر پوچھتا ہوں، کیا تم نے ابن عباس سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث عکرمہ میری طرف سے تم کو بیان کرے، اسے تم لوگ سچی سمجھو، اس لیے کہ اس نے مجھے پر کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولا، ابو امامہ نے جواباً کہا: ہاں، یہ سند صحیح سے ثابت ہے اور شعبی نے کہا نہیں باقی ہے کوئی زیادہ جاننے والا کتاب اللہ کو عکرمہ سے، عثمان دارمی کہتے ہیں: میں نے ابن معین سے عکرمہ کی بابت پوچھا، انھوں نے ثقہ کہا اور نسائی نے تمییز میں ثقہ کہا

❶ هدي الساري (ص: ٤٢٨، ٤٢٩)

ہے، ایسا ہی ابوحاتم اور عجلی نے ثقہ کہا ہے اور مروزی نے کہا: میں نے امام احمد سے پوچھا کہ عکرمہ کی حدیث قابل حجت ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں اور محمد مروزی نے کہا کہ تمام اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ عکرمہ کی حدیث قابل حجت ہے اور ہمارے زمانے والوں سے سرداران اہل علم بالحدیث نے اس پر اتفاق کیا ہے، (جن کے نام حافظ نے بالتفصیل اس مقام کے بعد لکھے ہیں) اور بزار نے کہا کہ عکرمہ سے ایک سوتیں شخصوں نے مختلف شہر کے روایت کیا ہے، کل کے کل ان سے خوش تھے۔''

علی ہذا القیاس ابن حجر نے ہدی الساری میں ان کی بہت سی تعریفیں نقل کی ہیں، چونکہ اس مقام میں گنجائش نہیں ہے، اس لیے میں ان کے نقل سے معذور ہوں اور یہ کل مضمون بلکہ اس سے کہیں زیادہ تفصیل سے حافظ نے اپنی کتاب تهذيب التهذيب کی ساتویں جلد میں ان کی ثقاہت وصداقت و مدح وثناء نقل کی ہے، میں تنگی مقام سے اس کو چھوڑتا ہوں، جس کو شوق ہو وہ کتاب مذکور میں (۲۶۳) سے (۲۷۳) تک ملاحظہ کر لے۔ ❶

غرض عکرمہ کی ثقاہت مسلّمہ ہے، ان پر جارحین کی جہالت مبینہ ہے اور حماقت ان کی معینہ ہے۔ آگے چلئے:

119 **قوله:** (۹۷) **علي بن الجود:** قال مسلم: ثقة لكنه جهمي.

''مسلم نے کہا کہ ثقہ ہیں، لیکن جہمیہ ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں آپ سے غلطی ہوئی ہے، "علي بن الجود" اسماء الرجال میں کہیں نہیں ہے، بلکہ "علي بن الجعد" بالعين ہے، ان کے متعلق جرح بھی کچھ نہیں ہے، کیونکہ اصل جرح ثقاہت و عدم ثقاہت میں ہوتی ہے، ان کا ثقہ ہونا آپ کو مسلّم ہے، باقی رہا ان کا جہمیہ ہونا، یہ امام مسلم کی ذاتی رائے ہے اور یہ شبہہ ان کی حد درجہ ثقاہت سے دور ہوسکتا ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ اس قدر ثقہ اور اس قدر حافظہ والے ہیں کہ جس روایت کو یہ سنتے، اس کو انھی لفظوں کے ساتھ بغیر کسی قسم کی تغییر کے بیان کرتے اور یہ وصف اکثر میں نہیں ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، غرض یہ ثقہ معتمد بہ ہیں، تقریب میں ہے: " ثقة ثبت "اور خلاصہ میں ہے:

أما ابن معين فوثقه ، وقال أبوحاتم: متقن، وقال النسائي: صدوق". ❷

یعنی یہ ثقہ ہیں، ثبت ہیں، یحییٰ نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے متقن اور نسائی نے صدوق کہا ہے۔''

اور میزان الاعتدال میں ہے:

" قال ابن عدي: لم أر في رواياته حديثاً منكراً، وروي عن يحيىٰ بن معين أنه قال: هو أثبت، " انتهى. ❸

---

❶ تهذيب التهذيب (۲۳۵/۷)

❷ تقريب التهذيب (ص: ۳۹۸) الخلاصة للخزرجي (ص: ۲۷۲)

❸ ميزان الاعتدال (۱۱۷/۳)

''یعنی ابن عدی نے کہا: میں نے ان کی روایت میں کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی اور یحییٰ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ علی زیادہ ثابت ثقہ ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

''أحد الحفاظ، قال يحيىٰ بن معين، ما روى عن شعبة من البغداديين أثبت منه، وقال أبوحاتم: لم أر من المحدثين من يحدث بالحديث على لفظ واحد لا يغيره سوى علي بن الجعد، وذكره غيره ووثقه آخرون، '' انتهى . ❶

''یعنی یہ حفاظ سے ہیں، ابن معین نے کہا کہ بغدادیوں میں شعبہ سے کسی نے نہیں روایت کیا، جو ان سے زیادہ ثابت ہو۔ (یعنی یہ سب میں أثبت ہیں) اور ابوحاتم نے کہا میں نے کسی محدث کو نہیں دیکھا، جو کسی حدیث کو بیان کرے اسی ایک لفظ پر اور اس میں کسی قسم کی تغییر نہ کرے سوائے علی بن الجعد کے اور دیگر نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور بہتوں نے ان کو (بالتصریح) ثقہ کہا ہے۔''

اس سے زیادہ تفصیل سے حافظ تہذیب التہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

'' قال ابن معين: ثقة صدوق، وقال جعفر الطيالسي عن ابن معين: علي بن الجعد أثبت البغداديين في شعبة، وقال أبوزرعة: كان صدوقا في الحديث، وقال أبوحاتم: كان متقنا صدوقاً، ولم أر من المحدثين من يحفظ ويأتي بالحديث على لفظ واحد لا يغيره سوى علي بن الجعد، وقال صالح بن محمد: ثقة، وقال النسائي: صدوق، وقال الدارقطني: ثقة مأمون، وقال ابن قانع: ثقة ثبت، وقال مطين: ثقة، وقال ابن عدي: ما أرى بحديثه بأسًا،'' انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی ابن معین نے علی کو ثقہ صدوق اور یحییٰ نے بروایت جعفر علی بن جعد کو أثبت البغداديين بحق شعبہ اور ابوزرعہ نے صدوق فی الحدیث اور ابوحاتم نے معتمد بہ صدوق کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ نہیں دیکھا میں نے کسی محدث کو جو حدیث یاد کرے اور بیان کرے لفظ واحد پر نہ تغییر کرے سوا علی بن الجعد کے اور ان کو صالح بن محمد نے ثقہ اور نسائی نے صدوق اور دارقطنی نے ثقہ مامون اور ابن قانع نے ثقہ ثبت اور مطین نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس بحديثه کہا ہے۔ آگے چلئے: 120

قوله: (٩٨) **علي بن الحكم البناني البصري**: قال الأزدي: فيه لين .

''ازدی نے کہا کہ ان میں ضعف ہے۔'' ایضاً

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٠)

❷ تهذيب التهذيب (٧/ ٢٥٦)

أقول: لا حول ولا قوة! پھر آپ نے اسی اُزدی کی جرح پیش کی ہے! جس کی بابت بار بار گزرا کہ یہ خود ضعیف ہے، پھر تضعیف ثقات میں اس کا کیونکر اعتبار ہوگا؟ ابھی ابھی نمبر (۹۳) میں اس کا کچھ بیان گزرا ہے، مفصل دیکھنا ہو تو پھر ورق الٹ کر نمبر (۴۷) کو ملاحظہ کر لیں، جس میں اُزدی کی خوب خبر لی گئی ہے، آیئے یہاں بھی آپ کو نیا حوالہ سنا دوں، حافظ ابن حجر تہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

”وقال أبوالفتح الأزدي: زائغ عن القصد فيه لين“.

یعنی ازدی جو میانہ روی سے کجی کیا کرتا تھا، اس نے کہہ دیا ہے کہ ان میں ضعف ہے، لیکن یہ مقبول نہیں۔ [1]

کیونکہ حافظ نے تقریب میں صاف لکھ دیا ہے: ”ضعفه الأزدي بلا حجة“. [2]

”یعنی ازدی نے بغیر دلیل ان کو ضعیف کہہ دیا ہے۔“

معلوم ہوا کہ جب ان کو بھی ازدی نے حسب عادت قدیمانہ بلا دلیل ضعیف کہا ہے، تو یہ ضرور ثقہ ہوں گے، چنانچہ ملاحظہ ہو: تقریب میں ہے: ”ثقة“ خلاصہ میں ہے: ” وثقه أبوداود “ اور میزان میں ہے: ” قال أحمد: ليس به بأس، وقال غيره: صالح الحديث“ [3] خلاصہ سب کا یہ کہ علی بن حکم ثقہ ہیں، ان کو ابو داود نے ثقہ اور امام احمد نے لا بأس به اور دوسروں نے صالح الحدیث کہا ہے۔

ہدی الساري میں ہے:

وثقه أبوداود والنسائي والعجلي وغيرهم. [4]

”یعنی ابوداود اور عجلی اور نسائی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔“

حافظ تهذيب التهذيب جلد سابع میں لکھتے ہیں:

---

[1] مذکورہ بالا الفاظ ” زائغ عن القصد، فيه لين“ اُزدی کا قول ہے، جو اس نے مذکورہ راوی پر جرح کرتے ہوئے کہا ہے، یہ اُزدی پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف سے جرح نہیں، جیسا کہ مولف رحمہ اللہ نے لکھا ہے، البتہ ابو الفتح ازدی بذات خود مجروح ہے، جیسا کہ مولف رحمہ اللہ نے گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، بنا بریں دیگر محدثین کی مخالفت اور ثقہ رواۃ کی تضعیف میں اس کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ بذات خود مجروح ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ومن المحال أن يجرح العدل بكلام المجروح“ (هدي الساري: ٤٢٧) لیکن جب راوی توثیق سے عاری اور مجہول ہو، تو ابو الفتح ازدی کے قول پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اعتماد کیا ہے۔ دیکھیں: تقريب التهذيب (٨٧، ٨٣) تهذيب التهذيب (١/ ١٠٥) ضوابط الجرح والتعديل (ص: ٥٥)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤٠٠)

[3] ميزان الاعتدال (٣/ ١٢٥) تقريب التهذيب (ص: ٤٠٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٧٣)

[4] هدي الساري (٤٣٠)

" قال أبو طالب عن أحمد: ليس به بأس، وقال أبوحاتم: لا بأس به، صالح الحديث، وقال أبوداود والنسائي: ثقة، وقال ابن سعد: وكان ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، ووثقه العجلي وأبوبكر البزار وابن نمير وغيرهم، وقال الدارقطني: ثقة يجمع حديثه" انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی احمد نے بروایت ابو طالب علی بن حکم کو لا بأس به اور ابوحاتم نے لا بأس به صالح الحدیث اور ابوداود اور نسائی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی اور ابوبکر بزار اور ابن نمیر وغیرہ نے ثقہ اور دارقطنی نے ثقہ اور ان کی حدیث کو جمع کرنے کے قابل کہا ہے۔''❷ آگے چلئے:

قوله: (۹۹) **علي بن عبد الله بن جعفر (ابن المديني)**: ذكره العقيلي في كتاب الضعفاء.

''ان کا عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔'' ایضاً 121

أقول: اللہ اکبر! یہ علی بن المدینی جو امام الناقدین فی الحدیث ہیں، یہی جب ضعیف ہوجائیں تو علم حدیث کا خاتمہ سمجھنا چاہیے، بلکہ لائق ہے کہ ساری کتب اسماء الرجال دریا برد کر دی جائیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ علی بن مدینی کون اور کیسے تھے؟ تفصیل تو اس کی نیچے آتی ہے، مختصر یہ کہ امام بخاری کہتے ہیں:

اگر علی بن المدینی کی حدیث ترک کی جائے، (جیسا کہ آپ کی ضعف والی نقل سے لازم آئے گا) تو ہم حدیث کا دروازہ بند کر دیں، کیونکہ پھر کوئی ایسا نہ ملے گا، جس سے حدیث کا علم لیا جائے۔ ❸

افسوس بلکہ صد افسوس کہ اسی میزان میں اس کے بعد خود علامہ ذہبی نے عقیلی کا جو رد کر دیا ہے، اس کو آپ نظر انداز کر گئے! امام ذہبی لکھتے ہیں: "ذكره العقيلي في كتاب الضعفاء، فبئس ما صنع". ❹

''یعنی عقیلی نے جو ابن مدینی کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے، بہت برا کیا ہے۔''

نیز اسی میزان میں جو ذہبی نے امام بخاری کا قول نقل کیا ہے، اس کو آپ نے نہیں دیکھا کہ کس قدر عقیلی پر خفا ہوکر [ذہبی] کہتے ہیں:

" أ فمالك عقل يا عقيلي! أتدري فيمن تكلم...... إلى آخره". ❺

---

❶ تهذيب التهذيب (۷/ ۲۷۳)

❷ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری میں موجود ان کی مرویات کے بارے میں فرماتے ہیں: "قلت: ليس له عند البخاري سوى حديثه عن نافع عن ابن عمر في النهي عن عسب الفحل، وقد وافقه غيره" (هدي الساري: ٤٣٠)

❸ ميزان الاعتدال (۳/ ۱٤۰) یہ امام ذہبی کا قول ہے، جو انھوں نے امام بخاری کے قول "ما استصغرت نفسي بين يدي أحد إلا بين يدي علي بن المديني" کے بعد لکھا ہے۔

❹ ميزان الاعتدال (۳/۱۳۸)

❺ ميزان الاعتدال (۳/ ۱٤۰)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی اے عقیلی کیا تجھے عقل نہیں ہے؟ تجھے نہیں معلوم کس شخص پر تو کلام کر رہا ہے؟''

حالانکہ ابن المدینی وہ شخص ہیں، جن کی ثقاہت مسلمہ ہے، بلکہ ان کے قول پر دوسروں کی ثقاہت و عدم ثقاہت موقوف ہے، آہ! ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ❶

آیئے ہم آپ کو نہایت توضیح و تفصیل سے علی بن المدینی کی بابت محدثین کے اقوال سنائیں۔

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:

" ثقة ثبت إمام، أعلم أهل عصره بالحديث وعلله، حتى قال البخاري: ما استصغرت نفسي إلا عنده، وقال فيه شيخه ابن عيينة: كنت أتعلم منه أكثر مما يتعلمه مني، وقال النسائي: كأن الله خلقه للحديث، " انتهى. ❷

''یعنی علی بن المدینی ثقہ ہیں، ثبت ہیں، امام ہیں، اپنے زمانہ والوں سے زیادہ جاننے والے ہیں حدیث اور اس کے علل کو، یہاں تک کہ بخاری نے کہا میں نے اپنے کو حقیر کیا نہیں، مگر اسی کے نزدیک اور ان کی بابت ان کے شیخ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ علی بن المدینی جس قدر مجھ سے سیکھتے اس سے زائد میں ان سے سیکھتا اور نسائی نے کہا خدا نے ان کو حدیث ہی کے لیے پیدا کیا تھا۔''

اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

" الحافظ إمام أهل الحديث، قال القطان: كنا نستفيد منه أكثر مما يستفيد منا، وقال النسائي كأن الله خلق عليا لهذا الشأن، " انتهى. ❸

''یعنی علی بن المدینی حافظ امام اہل حدیث ہیں، قطان نے کہا کہ وہ جس قدر ہم سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، ہم اس سے زیادہ ان سے حاصل کرتے اور نسائی نے کہا خدا نے علی بن مدینی کو اسی حدیث ہی کے لیے پیدا کیا تھا۔''

اس سے کچھ تفصیل سے علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

" الحافظ أحد الأعلام الأثبات، وحافظ العصر، قال أبوحاتم: كان ابن المديني علما في الناس في معرفة الحديث والعلل، وقال روح بن عبد المؤمن: سمعت ابن مهدي يقول: ابن المديني أعلم الناس بالحديث، وأما علي بن المديني فإليه المنتهىٰ في معرفة علل

122

❶ جب کعبہ ہی سے کفر نکلے، تو مسلمانی کہاں باقی رہے گی؟!

❷ تقريب التهذيب (ص: ٤٠٣)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٧٥)

الحديث النبوي مع كمال المعرفة بنقد الرجال وسعة الحفظ والتبحر في هذا الشأن، بل لعله فرد زمانه في معناه قال (البخاري): ما استصغرت نفسي بين يدي أحد إلا بين يدي علي بن المديني، ولو ترك حديث علي ...... إلى قوله: لغلقنا الأبواب وانقطع الخطاب، ولماتت الآ ثار، واستولت الزنادقة، و يخرج الدجال، " انتهى. [1]

''یعنی علی بن المدینی حافظ ہیں، أعلام أثبات سے ایک ہیں، حافظ العصر ہیں، ابو حاتم نے کہا کہ ابن مدینی لوگوں میں حدیث اور اس کے علل پہچاننے میں علم تھے اور روح بن عبدالمومن نے کہا کہ میں نے ابن مہدی سے سنا، وہ کہتے تھے ابن مدینی لوگوں سے حدیث کا زیادہ جاننے والا ہے، لیکن علی بن مدینی (درحقیقت) اسٹیشن ہیں حدیث نبوی کی علتوں کے پہچاننے کے، باوجود اس کے وہ کمال طور سے راویوں کی پرکھ کو پہچاننے والے ہیں، بڑا فراخ حافظہ والے ہیں اور ان کو تبحر ہے اس کام میں بلکہ اپنے زمانے میں فرد ہیں، امام بخاری نے کہا میں نے سوا علی بن مدینی کے اور کسی کے آگے اپنے کو حقیر نہیں کیا اور ان کی حدیث اگر چھوڑ دی جائے تو ہم (علم حدیث) کے دروازے بند کر دیں اور خطاب منقطع ہو جائے اور آ ثار (نبوی) فنا ہو جائیں اور زندیق لوگ والی ہو جائیں اور (جھوٹے) دجال نکلنے لگیں۔''

اور تفصیل سے سننا چاہتے ہیں تو سنئے، حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ہفتم میں رقم فرماتے ہیں:

" قال أبو حاتم الزاري: كان علي علما في الناس في معرفة الحديث والعلل، وقال ابن عيينة: لقد كنت أتعلم منه أكثر مما يتعلم مني، وقال عبد الرحمن بن مهدي: علي بن المديني أعلم الناس بحديث رسول الله ﷺ، وقال أبو قدامة السرخسي: بلغ في الحديث مبلغا لم يبلغه أحد، وقال أبو عبد الرحمن النسائي: كأن الله عزوجل خلق علي بن المديني لهذا الشأن، وقال ابن عدي: سمعت الحسن بن الحسين البخاري يقول: سمعت إبراهيم بن معقل يقول: سمعت محمد بن إسماعيل البخاري يقول: ما استصغرت نفسي عند أحد إلا عند علي بن المديني وقال الفرهياني: أما علي فأعلمهم بالحديث والعلل، قال ابن حبان في الثقات: وكان من أعلم أهل زمانه بعلل حديث رسول الله ﷺ، وقال النسائي: ثقة مأمون أحد الأئمة في الحديث وخلق للحديث، " انتهى ملخصاً. [2]

''یعنی ابو حاتم نے کہا علی بن المدینی حدیث اور اس کے علل پہنچاننے میں لوگوں میں علم تھے، (اور ان کے شیخ) ابن عیینہ نے کہا میں علی بن مدینی سے سیکھتا زیادہ اس قدر سے جتنا کہ وہ مجھ سے سیکھتے،

---

[1] ميزان الاعتدال (٣/ ١٤٠)

[2] تهذيب التهذيب(٧/ ٣٠٦)

عبدالرحمٰن نے کہا: ابن مدینی آنحضرت ﷺ کی حدیث کے زیادہ جاننے والے تھے، ابوقدامہ نے کہا:
123 ابن مدینی حدیث میں اس مرتبہ کو پہنچے تھے کہ اس کو کوئی نہیں پہنچا، نسائی کہتے: اللہ نے علی کو اسی حدیث ہی کے لیے پیدا کیا تھا اور امام بخاری کہتے ہیں: نہیں حقیر کیا میں نے اپنے نفس کو نزدیک کسی کے سوائے ابن المدینی کے اور فریابانی نے کہا: لیکن علی پس وہ زیادہ جاننے والے ہیں حدیث اور اس کے علل کو، اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے کہ علی بن المدینی اپنے زمانہ والوں سے حدیث اور اس کی علل کو زیادہ جاننے والے تھے، اور نسائی نے کہا: ابن مدینی ثقہ مامون ہیں، حدیث میں امام ہیں، اور واسطے اس حدیث کے پیدا کیے گئے ہیں۔'' ❶

سمجھ گئے یا نہیں جناب؟ شرم !!! آگے چلیے:

قوله: (١٠٠) **عمر بن ذر الهمداني**: صدوق ثقة، لكنه رأس في الإرجاء .

''سچے اور ثقہ ہیں، لیکن مرجیوں کے سردار ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ بات غلط ہے کہ مرجیوں کے سردار ہیں، بلکہ اس کا دفعیہ تو خود علامہ ذہبی نے اسی میزان میں آگے کر دیا ہے:

" بل كان ليّن الكلام فيه " بلکہ نرم زبان سے ارجاء میں کچھ کلام کرتے تھے۔

یہ ارجاء میں سردار ہونے کے سراسر مناقض اور اس کے صریح مخالف ہے، پس جب یہ سردار نہ ہوئے، تو پھر کوئی حرج بھی نہیں ہے، بلکہ ان کا ثقہ اور صدوق ہونا خود آپ کو بھی مسلّم ہے، آیئے ہم اور وضاحت سے آپ کو بتلا دیں:

تقریب میں ہے: " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: " قال العجلي: كان ثقة بليغا " اور میزان میں ہے: "صدوق ثقة، وكان واعظا بليغا " ❷

خلاصہ یہ کہ عمر بن ذر ثقہ ہیں، عجلی نے ان کو ثقہ بلیغ کہا ہے اور ذہبی نے صدوق ثقہ اور بلیغ واعظ کہا ہے۔

اب اس سے کچھ تفصیل سے سنیے، ہدی الساري میں ہے:

" أحد الزهاد الكبار، قال يحيىٰ القطان: كان ثقة في الحديث، وقال العجلي: كان ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة، وقال ابن خراش: كان صدوقا من خيار الناس، وقال أبوحاتم: كان صدوقا، ووثقه ابن معين والنسائي وآخرون، " ملخصاً. ❸

---

❶ امام عقیلی ؒ علی بن مدینی ؒ کو کتاب الضعفاء میں ذکر کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: " حديثه مستقيم إن شاء الله " (الضعفاء للعقيلى: ٣/ ٢٥٣)

❷ ميزان الاعتدال (١٩٣/٣) تقريب التهذيب (ص: ٤١٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٨٢)

❸ هدي الساري (ص: ٤٣٠)

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی یہ بڑے زاہدوں سے ہیں، یحیٰی نے ان کو ثقہ فی الحدیث اور عجلی نے ثقہ اور یعقوب نے ثقہ اور ابن خراش نے صدوق اور ابوحاتم نے صدوق اور ابن معین نے ثقہ اور نسائی اور دوسروں نے بھی ثقہ کہا ہے۔''

اس سے اور تفصیل سے سنئے، تهذيب التهذيب *جلد سابع میں ہے:*

" قال أحمد بن محمد بن يحيىٰ بن سعيد القطان: قال جدي: عمر بن ذر ثقة في الحديث، ليس ينبغي أن يترك حديثه لرأي أخطأ فيه، وقال الدوري وغيره عن ابن معين: ثقة، وكذا قال النسائي والدارقطني، وقال العجلي: كان ثقة بليغا، وقال أبو حاتم: كان صدوقا، وقال في موضع آخر: كان رجلا صالحا، محله الصدق، وقال يعقوب بن
124 سفيان: ثنا أبوعاصم: أبوذر كوفي ثقة، وقال ابن خراش: صدوق من خيار الناس، وقال محمد بن عبد الله الأسدي: كان ثقة إن شاء الله كثير الحديث، وقال ابن حبان في الثقات: وهو ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة، " انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی احمد نے کہا میرے دادا یحیٰی قطان نے عمر بن ذر کو ثقہ فی الحدیث کہا ہے اور دوری وغیرہ نے بروایت ابن معین ان کو ثقہ اور نسائی و دارقطنی نے ثقہ اور عجلی نے ثقہ بلیغ اور ابوحاتم نے صدوق اور نیک مرد اور ابو عاصم نے بروایت یعقوب ثقہ اور ابن خراش نے صدوق اور محمد اسدی نے ثقہ کثیر الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں ثقہ اور یعقوب بن سفیان نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٠١) **عمر بن أبي زائدة**: قال يحيىٰ القطان: كان يرى القدر.

''یحیٰی قطان نے کہا کہ یہ قدریہ تھے۔'' ایضاً

أقول: *اس کا جواب خود امام احمد نے دے دیا ہے کہ حدیث میں یہ مستقیم ہیں، چنانچہ امام ذہبی اسی میزان میں آگے لکھتے ہیں:*

"قال أحمد: هو في الحديث مستقيم."❷ *''یعنی امام احمد نے کہا کہ یہ حدیث میں مستقیم ہیں۔''*

علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بالانفراد روایت نہیں کیا، بلکہ ابوعمیس اور سفیان کی متابعت کے ساتھ روایت کیا ہے، ❸ *لہٰذا مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا۔ اور امام بخاری کی ان سے متابعت میں روایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ صدوق اور ثقہ ہیں، چنانچہ تقریب میں ہے:*" صدوق " *اور خلاصہ میں ہے:*"وثقه النسائي" *اور میزان*

---

❶ تهذيب التهذيب (٧/٣٩٠)

❷ ميزان الاعتدال (٣/١٩٧)

❸ هدي الساري (ص: ٤٣١)

میں ہے: " ثقة معروف" اور ہدی الساری میں ہے: " وثقه ابن معين وغيره، وهو في الحديث مستقيم"[1]
مطلب سب کا یہ کہ یہ صدوق ہیں، ان کو نسائی نے ثقہ اور ذہبی نے ثقہ معروف اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور یہ حدیث میں مستقیم ہیں۔

حافظ تہذیب التہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن أبي خيثمة عن ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم والنسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: وقال العجلي: كوفي ثقة، وقال العقيلي: وهو في الحديث مستقيم، وقال يعقوب بن سفيان: عمر لا بأس به، وزكريا وثقه،" انتهى ملخصاً.[2]

''یعنی یحییٰ بن معین نے بروایت ابن ابی خیثمہ عمر کو ثقہ اور ابوحاتم اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ اور عقیلی نے مستقیم الحدیث اور یعقوب بن سفیان نے لا بأس به اور زکریا ساجی نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٠٢) **عمر بن علي بن عطاء بن مقدم البصري المقدمي:** قال أبوحاتم: لا يحتج به.

''ابوحاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے۔'' ایضاً

أقول: اگر یہ ایسے ہی ہیں تو چنداں جرح نہیں، کیونکہ امام بخاری نے ان سے بالانفراد تو روایت نہیں کیا ہے، بلکہ بالمتابعت روایت کیا ہے، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"ولم أر له في الصحيح إلا ما توبع عليه ".[3] یعنی بخاری میں ان سے متابعتاً روایت ہے۔ 125

حالانکہ خود ابوحاتم نے عمر مقدمی کو صدوق کہا ہے۔جن سے آپ جرح نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہو: تہذیب جلد ہفتم[4] جیسا کہ عنقریب آئے گا، علاوہ بریں محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

تقریب میں ہے: " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن سعد: ثقة "[5]
یعنی یہ ثقہ ہیں، محمد بن سعد نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

---

1. ميزان الاعتدال (١٩٧/٣)، هدي الساري (ص: ٤٣٠) تقريب التهذيب (ص: ٤١٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٨٢)
2. تهذيب التهذيب (٧/ ٣٩٠)
3. هدي الساري (ص: ٤٣١)
4. تهذيب التهذيب (٤٢٧/٧)
5. تقريب التهذيب (ص: ٤١٦) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٨٥)

میزان میں ہے:

" ثقة شهير، قال ابن سعد: ثقة، وقال ابن عدي: وأرجو أنه لا بأس به". ❶

''یعنی یہ مشہور ثقہ ہیں، محمد بن سعد نے ان کو ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔''

اور ہدی الساري میں ہے:

أثنیٰ علیه أحمد وابن معین وغیرهما. ❷ ''یعنی امام احمد و یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کی عمدہ تعریف کی ہے۔''

مفصل سنئے: تہذیب التہذیب جلد سابع میں ہے:

" قال عبد الله بن أحمد: سمعت أبي ذكره، فأثنیٰ علیه خیرا، وقال ابن معین: ما كان به بأس، وقال ابن سعد: وكان ثقة، وقال أبوحاتم: محله الصدق، وقال ابن عدي: أرجو أنه لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: صدوق ثقة، ونقل ابن خلفون توثيقه عن العجلي، " انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی احمد کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ احمد کو سنا وہ عمر کی نیک تعریف کرتے تھے اور انھیں ابن معین نے لا بأس به (ثقہ) اور ابن سعد نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور زکریا نے صدوق ثقہ اور عجلی نے بروایت ابن خلفون ثقہ کہا ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (۱۰۳) **عمر بن محمد بن زيد بن عبد الله:** قيل: لينه يحيیٰ بن معين.

''کہا گیا ہے کہ ان کو یحییٰ بن معین نے ضعیف ٹھہرایا۔'' ایضاً

أقول: یہ بالکل غلط ہے، باوجود لفظ "قیل" کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو نقل کرتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ ''قیل'' مجہول کا صیغہ ہے، جس کا عدم جزم متیقن ہے، پھر محققین کے نزدیک کیونکر حیز قبول میں آئے گا؟ آیئے ہم آپ کو اپنے قول کی تصدیق یعنی اس جرح کا غلط ہونا اور یحییٰ بن معین کی طرف تضعیف کی غلط نسبت کرنا، اس کا بیّن ثبوت پیش کریں، اسی میزان میں بالتصریح موجود ہے کہ یحییٰ بن معین نے عمر بن محمد کو ثقہ کہا ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔ ❹ پس اس تضعیف والے قول کا غلط ہونا، جو اپنے غلط ہونے کے ثبوت میں اپنے ساتھ فعل مجہول رکھتا ہے،

---

❶ ميزان الاعتدال (۳/ ۲۱۳)

❷ هدي الساري (ص: ٤٣٠)

❸ تهذيب التهذيب (٧/٤٢٧) نیز دیکھیں: الثقات للعجلي (۲/ ۱۷۰)

❹ ميزان الاعتدال (۳/ ۲۲۰) نیز امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " كان صالح الحديث " (تاريخ ابن معين للدوري (۳/ ۲٤۱)

آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے، لیجئے اب ہم آپ کو ان کی توثیق اور بھی تصریح سے سناتے ہیں:

تقریب میں ہے:"ثقة من السادسة" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أحمد وأبوحاتم "❶

یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو احمد اور ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے۔

ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:

" أحد الثقات، وثقه ابن سعد وابن معين وأحمد وأبوداود". ❷

''یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو محمد بن سعد و یحییٰ بن معین و احمد و ابوداود نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

" قال ابن سعد: كان ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: شيخ ثقة ليس به بأس، روى عنه الثوري وأثنىٰ عليه، وقال حنبل عن أحمد: ثقة، وكذا قال ابن معين والعجلي وأبوداود، وقال الدوري عن ابن معين: صالح الحديث، وقال أبوحاتم: هو ثقة صدوق، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال ابن عيينة: حدثني الصدوق البر عمر بن محمد بن زيد، وذكره ابن حبان في الثقات، ووثقه أيضاً العجلي وابن البرقي والبزار، " انتهى ملخصاً. ❸ 126

''یعنی محمد بن سعد نے ان کو ثقہ اور احمد نے بروایت عبداللہ ان کو شیخ ثقہ لا بأس به کہا ہے اور ثوری نے ان سے روایت کیا ہے اور ان کی عمدہ تعریف کی ہے اور احمد نے بروایت حنبل ثقہ اور یحییٰ بن معین اور عجلی اور ابوداود نے ان کو ثقہ اور یحییٰ نے بروایت دوری صالح الحدیث اور ابوحاتم نے ثقہ صدوق اور نسائی نے لا بأس به اور ابن عیینہ نے صدوق نیکوکار اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی اور ابن البرقی اور بزار نے ان کو ثقہ کہا ہے۔'' دیکھا؟! آگے چلئے:

قوله: (١٠٤) **عمر بن نافع مولى ابن عمر**: قال ابن سعد: لا يحتجون به.

''ابن سعد نے کہا کہ لوگ ان سے حجت نہیں پکڑتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: لیکن خود ابن سعد کے نزدیک یہ قابل حجت ہیں، جیسا کہ آگے عبارات میں آئے گا، باقی رہا یہ کہ لوگ ان سے حجت نہیں پکڑتے! یہ بالکل غلط ہے، حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" وهو كلام متهافت، كيف لا يحتجون به وهو ثبت؟ ". ❹

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٤١٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٨٦)

❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٢٠)

❸ تهذيب التهذيب (٧/ ٥٠١-٥٠٢)

❹ هدي الساري (ص: ٤٣١)

''یعنی ابن سعد کا یہ قول کہ لوگ ان سے حجت نہیں پکڑتے ،غلط ہے حالانکہ یہ ثقہ ہیں۔''

یعنی یہ قابل حجت ہیں، لوگ ان سے حجت پکڑتے ہیں، چلئے قصہ ختم ہوا، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بالانفراد روایت نہیں کیا ہے، بلکہ بمتابعت مالک روایت کیا ہے، [1] لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا۔ لگے ہاتھ ان کی توثیق بھی ملاحظہ کرلیں:

تقریب میں ہے:'' ثقة من السادسة '' اور خلاصہ میں ہے:'' قال أحمد: هو أوثق ولد نافع '' [2]

یعنی یہ ثقہ ہیں، امام احمد نے کہا: نافع کی اولاد میں سب سے زیادہ ثقہ یہی ہیں۔

میزان الاعتدال میں ہے:

'' ثقة صدوق، قال ابن عدي: ثنا ابن أبي بكر، ثنا عباس: سمعت يحيىٰ، يقول: عمر بن نافع ليس به بأس، قلت: وثقه النسائي، وقال ابن سعد أيضا: وكان ثبتا، وقال أحمد: هو أوثق إخوته ، '' انتهى. [3]

''یعنی یہ ثقہ صدوق ہیں، یحییٰ نے بروایت عباس ان کو لا بأس به (ثقہ) اور نسائی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثبت (ثقہ) کہا ہے اور احمد نے کہا کہ یہ اپنے سب بھائیوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔''

ہدی الساري میں ہے:

'' قال أبوحاتم: ليس به بأس، وكذا قال عباس الدوري عن ابن معين، وقال أحمد: هو من أوثق ولد نافع، ووثقه النسائي أيضا وغيره، قال ابن سعد: كان ثبتا، '' انتهى. [4]

127 ''یعنی ابو حاتم نے لا بأس به اور یحییٰ نے بروایت عباس دوری لا بأس به ثقہ کہا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ یہ نافع کی اولاد میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور ان کو نسائی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثبت (ثقہ) کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد سابع میں ہے:

'' قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: هو من أوثق ولد نافع، وقال ابن معين وأبوحاتم: ليس به بأس، وقال ابن سعد: وكان ثبتا، وقال النسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن عدي: لا بأس به، '' انتهى ملخصاً. [5]

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٣١)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤١٧) الخلاصة للخزرجي (ص:٢٨٦)

[3] ميزان الاعتدال (٢٢٧/٣)

[4] هدي الساري (ص: ٤٣١)

[5] تهذيب التهذيب (٤٣٩/٧)

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ کہا ہے کہ یہ نافع کے لڑکوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور یحییٰ و ابو حاتم نے لا بأس به اور ابن سعد نے ثبت اور نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٠٥) **عمران بن الحطان السدوسي البصري الخارجي:** لا يتابع على حديثه، قاله العقيلي، قال: وكان خارجيا.

''عقیلی نے کہا کہ ان کی حدیثیں پیروی کے قابل نہیں ہیں اور کہا کہ یہ خارجی تھے۔'' ایضاً

أقول: عمران کو خارجی کہنا درست نہیں، کیونکہ اواخر عمر میں انھوں نے رجوع کر لیا تھا، حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: " رجع عن ذلك "❶ اور ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" إن أبا زكريا الموصلي حكى فى تاريخ الموصل عن غيره أن عمران هذا رجع في آخر عمره عن رأي الخوارج، " انتهى. ❷

اور تہذیب جلد ہفتم میں لکھتے ہیں:

" قلت: ذكر أبو زكريا الموصلي في تاريخ الموصل عن محمد بن بشر العبدي الموصلي قال: لم يمت عمران بن حطان حتى رجع عن رأي الخوارج ، " انتهى. ❸

خلاصہ یہ کہ ابوزکریا موصلی نے اپنی تاریخ موصل میں بروایت محمد بن بشر العبدی بیان کیا ہے کہ عمران بن حطان نے اپنے آخر عمر میں موت سے قبل اس رائے خوارج سے رجوع کر لیا تھا۔

یہ تو ہوا جواب ان کے خارجی ہونے کے متعلق، اب اگر کوئی کہے کہ امام بخاری کا ان سے روایت کرنا اس حالت میں ہو کہ یہ اس وقت خارجی ہوں، تو جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام بخاری نے ان سے ان کے خارجی ہونے کے پہلے روایت کیا ہو، حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" بعض الأئمة يزعم أن البخاري إنما أخرج له ما حمل عنه قبل أن يرىٰ رأي الخوارج،" انتهى. ❹

''یعنی امام بخاری نے ان سے قبل ان کے خارجی ہونے کے روایت کیا ہو۔''

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر امام بخاری نے ان سے ان کے خارجی ہونے کی حالت ہی میں روایت کیا ہو یا عقیلی کی جرح (جو بمقابلہ توثیق امت کثیرہ من قبیل الشاذ ہے) صحیح بھی ہو، تو بھی چنداں حرج نہیں، کیونکہ امام بخاری نے ان

❶ تقريب التهذيب (ص: ٤٢٩)
❷ هدي الساري (ص:٤٣٣)
❸ تهذيب التهذيب (١١٤/٨)
❹ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

سے متابعت میں روایت کیا ہے، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" إنما أخرجه البخاري في المتابعات". ❶

چلئے جھگڑا ہی ختم ہوگیا اور مذکورہ اعتراض بھی ختم ہوگیا، لیجئے اب ہم ان کی ثقاہت وصداقت سناتے ہیں:

تقریب میں ہے:" صدوق " اور خلاصہ میں ہے:"وثقه العجلي" ❷

یعنی یہ صدوق ہیں، عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" قلت: إن عمران صدوق في نفسه، قال العجلي: تابعي ثقة، وقال قتادة: كان لا يتهم في الحديث". ❸

''یعنی عمران فی نفسہ صدوق ہیں، عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور قتادہ نے کہا کہ حدیث میں یہ متہم نہیں ہیں۔'' 128

ہدی الساری میں ہے:

" قد وثقه العجلي، وقال قتادة: كان لايتهم في الحديث، وقال أبوداود: أصح حديثا ". ❹

''یعنی عجلی نے عمران کو ثقہ کہا ہے اور قتادہ نے کہا کہ یہ حدیث میں متہم نہیں ہیں اور ابو داود نے ان کو اصح حدیث والا کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد ثامن میں ہے:

" قال العجلي: بصري تابعي ثقة، وقال أبوداود: أصح حديثا، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال أبو سلمة عن أبان بن يزيد، سألت قتادة، فقال: كان عمران بن حطان لايتهم في الحديث، " انتهى ملخصاً. ❺

''یعنی عجلی نے عمران کو بصری تابعی ثقہ اور ابوداود نے اصح حدیث والا اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابوسلمہ نے بروایت ابان وہ بروایت قتادہ کہتے ہیں کہ عمران غیر متہم فی الحدیث ہے۔

آگے چلئے:

قوله: (١٠٦) **عمران بن مسلم القصير**: قال يحيىٰ: وكان عمران يرى القدر.

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٤٢٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٥)

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٣٥)

❹ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

❺ تهذيب التهذيب (١١٣/٨)

''یحییٰ نے کہا کہ عمران قدریہ تھے۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح ایسی نہیں ہے کہ ان سے روایت نہ لی جا سکے، بلکہ خود انھی یحییٰ نے (جن سے آپ نے جرح نقل کی ہے) عمران کی بابت مستقیم الحدیث کہا ہے، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"وحكى عن يحيىٰ القطان أنه قال: هو مستقيم الحديث". ❶

''یعنی یحییٰ قطان نے ان کو مستقیم الحدیث کہا ہے۔''

علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بالانفراد نہیں روایت کیا بلکہ بمتابعت ابن جریج روایت بیان کی ہے، پس متابعت والی حدیث کا حکم بارہا لکھا گیا ہے، لہٰذا کوئی جرح نہیں رہی۔ ہاں ذرا ان کی بابت محدثین کے فیصلے بھی سن لیں۔ تقریب میں ہے: "صدوق" خلاصہ میں ہے: " وثقه أحمد وابن معين وغيرهما " ❷

یعنی امام احمد اور یحییٰ ابن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

تهذيب التهذيب جلد ہشتم میں ہے:

" قال القطان: كان مستقيم الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عن عمران القصير، فقال: لا بأس به، " انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی یحییٰ قطان نے ان کو مستقیم الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابو حاتم نے لا بأس به کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٠٧) **عمرو بن أبي عمرو**: روى عباس عن يحيىٰ: لا يحتج به، وروى عثمان بن سعيد عن يحيىٰ: ليس بالقوي، وقال الجوزجاني: مضطرب الحديث، وقال النسائي: ليس بالقوي.

''عباس نے یحییٰ سے روایت کی کہ ان سے حجت نہیں پکڑی جاتی ہے، عثمان بن سعید نے یحییٰ سے روایت کی کہ قوی نہیں ہیں اور جوزجانی نے کہا کہ یہ مضطرب الحدیث ہیں اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔ ایضاً

أقول: یہاں آپ نے تحریف کی ہے، وہ یہ کہ میزان میں جو "بحديثه" کا لفظ ہے، اسے آپ نے بدل کر "به" لکھا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

❶ هدي الساري (ص:٤٣٣) نیز دیکھیں: الضعفاء للعقيلي (٣٠٥/٣)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٤٣٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٦) خلاصہ میں صرف اس قدر الفاظ ہیں: "وثقه أبو دواد"

❸ تهذيب التهذيب (١٢٢/٨)

یہ جو آپ نے ایک درجن کے قریب جرح نقل کی ہے، وہ ایک خاص امر کی نسبت ہے، جس کو آپ نے نہیں سمجھا، ہاں جو اسماء رجال میں مہارت رکھتا ہے، وہ بے شک حقیقت حال معلوم کر سکتا ہے، سنیے اور غور سے سنیے، عمرو بن ابی عمرو نے حدیث بہیمہ ❶ جو عکرمہ سے روایت کی ہے، اس کے متعلق یہ سب جرحیں ہیں، مطلب یہ کہ ان کی روایت بسند عکرمہ مقبول نہیں، ❷ علاوہ اس کے ان کی کل سندیں مقبول ہیں اور محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں، آیئے اب یہ دیکھیں کہ صحیح بخاری میں انھوں نے کن سے روایت کیا ہے؟ چار جگہوں میں تو ان کی حدیث بروایت انس ہے اور ایک جگہ میں بروایت سعید بن جبیر اور ایک مقام میں بروایت سعید مقبری ہے۔ ❸ لہٰذا مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا، یہ تو ہوا جرح کا جواب، اب سنئے ان کی توثیق!

تقریب میں ہے: "ثقة من الخامسة" خلاصہ میں ہے: "وثقه أبوزرعة، وقال أبوحاتم: لابأس به" ❹
مطلب یہ کہ یہ ثقہ ہیں، ابوزرعہ نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے لا بأس به کہا ہے۔

میزان میں ہے:

"صدوق، حديثه مخرج في الصحيحين، قال أبوحاتم: لا بأس به، وقال أحمد وغيره: ما به بأس، وروى أحمد بن أبي مريم عن ابن معين، قال: عمرو بن أبى عمرو ثقة، قلت: عمرو بن أبي عمرو حديثه صالح حسن،" انتهى. ❺

"یعنی یہ صدوق ہیں، ان کی حدیث صحیح بخاری و مسلم میں تخریج کی گئی ہے، ان کو ابوحاتم اور امام احمد وغیرہ نے لا بأس به اور ابن معین نے ثقہ اور ذہبی نے صالح الحدیث حسن الحدیث کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه أحمد و أبوزرعة وأبو حاتم والعجلي، وقال الساجي: صدوق، وقال الذهبي: حديثه حسن،" انتهى ملخصاً. ❻

---

❶ یعنی مندرجہ ذیل حدیث: "من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة" دیکھیں: سنن أبي داود، برقم (٤٤٦٤) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: التلخيص الحبير (٤/٥٥)

❷ ان کی روایت کا درجہ بیان کرتے ہوئے حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حديثه صالح منحط عن الدرجة العليا من الصحيح " نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " ثقة ربما وهم " (ميزان الاعتدال: ٣/ ٢٨٢، تقريب التهذيب: ٤٢٥)

❸ هدي الساري (ص: ٤٣٢)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٤٣٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٢)

❺ ميزان الاعتدال (٢٨٢/٣)

❻ هدي الساري (ص: ٤٣٢)

''یعنی امام احمد نے بروایت عبداللہ ان کو لا بأس به اور ابوزرعہ نے ثقہ اور ابوحاتم نے لا بأس به اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔''

اس لیے کہ مالک نے ان سے روایت کیا ہے اور مالک سوائے صدوق اور ثقہ کے کسی سے روایت نہیں کرتے اور یہ کثیر الحدیث تھے، ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے کہ جب ثقہ لوگ ان سے روایت کریں، ان کی حدیث معتبر ہے، اوران کو عجلی نے ثقہ اور زکریا ساجی نے صدوق اور ذہبی نے حسن الحدیث کہا ہے۔ [1]

کہیے! سن لیا یا نہیں؟ اچھا اب آگے چلئے:

قوله: (۱۰۸) **عمرو بن محمد الناقد:** قال أبوداود: غير ثقة .

''ابوداود نے کہا کہ ثقہ نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بالکل غلط ہے اور کیا عجب کہ میزان الاعتدال (جو کہ نول کشوری ہے، جس مطبع کی چھپی ہوئی کتابوں میں عموماً بہت غلطی ہوتی ہے) میں غلط چھپ گیا ہو، جہاں تک میرا خیال ہے، اصل نسخہ میزان الاعتدال میں یا صحیح نسخہ میں عبارت یوں ہوگی: 130

قال أبوداود وغيره: ثقة " [2] ''یعنی ابوداود وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

''غیر'' کے پہلے سے ''واؤ'' اور پیچھے سے ''ہائے ہوّز'' رہ گئی ہے، دلیل اس پر یہ ہے کہ ہدی الساري اور تہذیب جلد ہشتم میں آجری کی روایت سے ابوداود کا ان کو ثقہ کہنا منقول ہے، [3] جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا، پھر عقل سلیم والا شخص اس بات کو کیونکر حیز قبول میں لاسکتا ہے کہ ابوداود نے ان کو غیر ثقہ کہا ہے، نیز لفظ ''وغیرہ'' اس لیے صحیح ہے کہ ابوداود کے علاوہ بہت سے لوگوں سے ان کی توثیق منقول ہے۔ علاوہ بریں ہدی الساري وتہذیب جلد ہشتم میں ہے کہ یحیٰ بن معین سے کہا گیا کہ لوگ عمر ناقد کی بابت کلام کرتے ہیں، کیا وہ ایسے ہی ہیں؟ یحیٰ نے کہا، وہ ایسے یعنی متکلم فیہ نہیں ہیں۔ [4] لیجئے ہم آپ کو یہ بھی بتلا دیتے ہیں کہ ان کی کونسی روایت مقبول ہے؟ ہدی الساری میں ہے کہ ابن مدینی نے کہا ہے کہ عمرو نے جو ابن عیینہ سے روایت کیا ہے، اس میں خطا کیا ہے۔ [5] (پس یہ مقبول نہیں ہوگی)

---

1. دیکھیں: تهذيب التهذيب (۷۲/۸)
2. ميزان الاعتدال (۳/ ۳۸۷) درحقیقت میزان کی عبارت اسی طرح ہے، جیسے مولف ﷬ نے ذکر کیا ہے:" وقال أبو داود وغيره: ثقة " ولله دره ما قال! رحمه الله رحمة واسعة تملأ بها السماوات والأرض ونورمرقده وجعل جنة الفردوس مأواه !
3. هدي الساري (ص: ٤٣٢) تهذيب التهذيب (۸۵/۸)
4. مصادر مذکورہ
5. هدي الساري (ص: ٤٣٢) یہ قول بھی ابن عیینہ سے مروی اسی ایک حدیث کی حد تک خاص ہے۔

اب بخاری میں دیکھتے ہیں تو عمرو ناقد کی ابن عیینہ سے روایت نہیں ملتی، بلکہ ہشیم اور یعقوب بن ابراہیم کی روایت سے ہے۔ ❶ لہٰذا اس میں کوئی جرح والی بات نہیں، لگے ہاتھ ان کی توثیق بھی سن لیں، تقریب میں ہے: " ثقة حافظ " اور خلاصہ میں ہے: "الحافظ، قال أبوحاتم: ثقة مأمون " اور میزان میں ہے: "من أئمة الحديث، قال أحمد: يتحرى الصدق " ❷ خلاصہ یہ کہ عمرو ناقد ثقہ ہیں، حافظ ہیں، ائمہ حدیث سے ہیں، ان کو احمد نے صدوق اور ابوحاتم نے ثقہ مامون کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

" وثقه أحمد وأبوحاتم وأبوداود والحسين بن فهم وجماعة، وقال عبد الخالق بن منصور عن يحيیٰ بن معين وسألته عنه، فقال: صدوق " . ❸

''یعنی ان کو امام احمد وابوحاتم و ابوداود وحسین بن فہم اور ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے اور عبدالخالق نے بروایت یحییٰ صدوق کہا ہے۔''

حافظ تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: عمرو يتحرى الصدق، وقال أبوحاتم: ثقة أمين صدوق، وقال ابن معين: هو صدوق، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال الحسين بن فهم: ثقة ثبت صاحب حديث، وكان من الحفاظ المعدودين، وكان فقيها منهم، (وذكره) ابن حبان في الثقات، ومنهم ابن قانع، وقال: ثقة، " انتهى ملخصاً. ❹

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ عمرو کو صدوق اور ابو حاتم نے ثقہ امین صدوق اور یحییٰ بن معین نے صدوق اور ابو داود نے بروایت آجری اور حسین بن فہم نے ثقہ ثبت صاحب حدیث حافظ فقیہہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن قانع نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٠٩) **عمرو بن مرزوق الباهلي:** قال القواريري: كان يحيیٰ القطان لا يرضاه في الحديث، وقال ابن المديني: اتركوا حديث العمرين. يعنى عمرو بن حكام وعمر بن مرزوق.

131

''قواریری نے کہا کہ یحییٰ قطان ان سے حدیث میں راضی نہ تھے اور ابن مدینی نے کہا کہ دو عمروں عمرو بن حکام اور عمرو بن مرزوق کی حدیثوں کو چھوڑ دو۔'' ایضاً

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٢)

❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٨٧) تقريب التهذيب (ص: ٤٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٣)

❸ هدي الساري (ص: ٤٣٢)

❹ تهذيب التهذيب (٨٥/٨)

أقول: جی حضرت! آپ نے تو ابن مدینی کو نمبر (۹۹) میں ضعفاء میں داخل کر دیا ہے، پھر یہاں پر آپ ان سے جرح کیوں نقل کر رہے ہیں؟ کیونکہ بقاعدہ اصول کہ ضعفاء بحق ثقات جو جرح کریں، وہ مقبول نہیں ہے، اس لحاظ سے آپ کو ان کی جرح نقل کرنا مناسب نہیں تھا۔ (چیرز!) سنئے! ابن المدینی نے جو عمرو بن مرزوق کی بابت جرح کی ہے، اس کا امام احمد نے دفعیہ کر دیا ہے، حافظ ابن حجر تہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" قال أبوزرعة: سمعت أحمد بن حنبل، وقلت له: إن علي بن المديني يتكلم في عمرو بن مرزوق، فقال: عمرو رجل صالح، لا أدرى ما يقول علي، فتّشنا على ما قيل فيه، فلم نجد له أصلاً ،" انتهى. ❶

''یعنی ابوزرعہ کہتے ہیں: میں نے امام احمد سے کہا کہ ابن المدینی عمرو بن مرزوق کی بابت کلام کرتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ عمرو نیک مرد ہے، میں نہیں جانتا (علی ابن المدینی) ان کی بابت کیا (اور کیوں) کہتے ہیں جو اعتراض ان پر کیا گیا ہے، میں نے اس کی تفتیش کی تو بے اصل پایا۔''

یہ تو ابن المدینی کی جرح کا جواب ہوا، اب یحییٰ قطان والی جرح کا جواب سنئے کہ وہ ان سے حدیث میں کیوں راضی نہیں تھے؟ حافظ تہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" قال أبوزرعة: وسمعت سليمان بن حرب، وذكر عمرو بن مرزوق، فقال: جاء بما ليس عندهم فحسدوه، " انتهى. ❷

''یعنی ابوزرعہ نے کہا میں نے سلیمان بن حرب کو سنا انھوں نے عمرو کو ذکر کیا، پس کہا کہ وہ ایسی چیزیں (حدیثیں) لایا، جو ان کے پاس نہ تھیں۔ اس وجہ سے لوگوں نے ان پر حسد کیا (اور جرح کر دی)۔''

یہ تو ہوا دونوں جرحوں کا جواب! آیئے آپ کو یہ بتاؤں کہ امام بخاری نے ان سے بالانفراد روایت کیا ہے یا مقترن؟ خلاصہ میں ہے: "وعنه (خ) مقرونا بغيره " اور میزان میں ہے: " عنه البخاري مقرونا بآخر " اور تہذیب جلد ہشتم میں ہے: " روى عنه البخاري مقرونا بغيره" ❸ خلاصہ سب کا یہ کہ امام بخاری نے ان سے مقرون بغیرہ روایت کیا ہے، نہ کہ منفرداً، یعنی امام بخاری نے ایک جگہ بمتابعت آدم بن ایاس اور دوسری جگہ بمتابعت عبدالصمد روایت کیا ہے، پس معلوم ہوا کہ امام بخاری عمرو بن مرزوق کو احتجاجاً نہیں لائے ہیں، جیسا کہ حافظ نے ہدی الساري میں صاف لکھ دیا: "فوضح أنه لم يخرج له احتجاجاً " ❹ یعنی واضح ہوگیا کہ امام بخاری نے عمرو کو احتجاجاً نہیں ذکر کیا

❶ تهذيب التهذيب (٨/٨٨)

❷ مصدر سابق

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٨٧) تهذيب التهذيب (٨/٨٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤٣٢)

ہے۔ چلئے جھگڑا تمام ہوا، اب ان کی ثقاہت گوش گزار فرمائیے، تقریب میں ہے: " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبوحاتم، وقال أحمد ويحيىٰ: ثقة مأمون " ❶ یعنی یہ ثقہ ہیں، ابوحاتم نے ان کو ثقہ اور امام احمد و یحییٰ نے ثقہ مامون کہا ہے۔

132

میزان میں ہے:

" قال أبو حاتم: كان ثقة من العباد، لم نلق أحدا من أصحاب شعبة كان أحسن حديثا منه". ❷

یعنی ابو حاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے اصحاب شعبہ سے کسی کو ان سے زیادہ عمدہ حدیث والا نہیں پایا۔"

ہدی الساري میں ہے:

" أثنىٰ عليه سليمان بن حرب وأحمد بن حنبل، وقال يحيىٰ بن معين: ثقة مأمون ووثقه ابن سعد " ❸

"یعنی سلیمان بن حرب نے ابن عمرو پر تعریف کی ہے، نیز احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ مامون اور محمد بن سعد نے بھی ثقہ کہا ہے۔"

اور تهذيب التهذيب جلد ثامن میں ہے:

" قال الفضل بن زياد: سأل عنه أبو عبيد الله الحراني عن أحمد بن حنبل، فقال: ثقة مأمون، وقال ابن أبي قماش عن ابن معين: ثقة مأمون صاحب غزو وقرآن وفضل، وحمده جدا، وقال أبوحاتم: كان ثقة من العباد، ولم نكتب عن أحد من أصحاب شعبة كان أحسن حديثا منه، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال الساجي: صدوق من أهل القرآن والجهاد، وقال الحاكم عن الدارقطني: صدوق، وذكره ابن حبان فى الثقات، " انتهى ملخصاً. ❹

"یعنی فضل نے کہا: ابوعبیداللہ حرانی نے امام احمد سے عمرو بن مرزوق کی بابت پوچھا، تو امام احمد نے کہا وہ ثقہ اور مامون ہے اور ابن ابی قماش نے کہا کہ ابن معین نے عمرو کو ثقہ مامون صاحب غزوہ وقرآن وفضل اور بڑی اس کی تعریف کی ہے اور ابوحاتم نے کہا وہ ثقہ ہے، اصحاب شعبہ میں اس سے زیادہ اچھی حدیث

❶ تقريب التهذيب (ص: ٤٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٣)

❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٨٨)

❸ هدي الساري (ص:-٤٣٢)

❹ تهذيب التهذيب (٨٨/٨)

والا کوئی نہ تھا اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور زکریا ساجی نے صدوق صاحب قرآن و جہاد اور دارقطنی نے بروایت حاکم صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

علاوہ بریں عمرو بن مرزوق وہ شخص ہیں کہ ان کی درس گاہ میں دس ہزار تلامذہ ہوتے اور یہ ان کو درس دیتے۔ [1]

آگے چلئے:

قوله: (۱۱۰) **عمرو بن مرة الجملي:** قال أبوحاتم: ثقة يرى الإرجاء.

''ابوحاتم نے کہا کہ مرجیہ اور ثقہ تھے۔'' ایضاً

أقول: "یری الإرجاء" کے معنی مرجیہ ہونے کے نہیں ہوتے آپ نے بہت جگہ یہ غلطی کی ہے کہ اس طرح کے الفاظ کے معنی بے سمجھی سے بگاڑے ہیں، (مثلاً "یری القدر" وغیرہ میں) بلکہ اس ''یریٰ'' کے لفظ کی قید میں یہ نکتہ ہے کہ درحقیقت یہ مرجیہ نہ تھے، بلکہ کچھ کچھ خیال ارجاء کا تھا اور یہ ان کی توثیق کے معارض نہیں بلکہ ان کے ثقہ ہونے پر تو محدثین کا اتفاق ہے، جس کی تفصیل عنقریب آئے گی، پس اس وجہ سے ان کی حدیث ترک نہیں کی جا سکتی ہے، بلکہ قابل اخذ ہے، جو غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہیں، چنانچہ میں ان کی توثیق نقل کر کے آپ کو دکھاتا ہوں، اگرچہ دبی زبان سے آپ بھی ان کے ثقہ ہونے کے قائل ہیں۔

تقریب میں ہے: "ثقة عابد" اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين، وقال أبو حاتم: ثقة" [2]

یعنی یہ ثقہ عابد ہیں، یحییٰ نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے۔

133

میزان میں ہے:

" الإمام الحجة، وثقه ابن معين وغيره، وقال أبوحاتم: ثقة، وقال مسعر: لم يكن بالكوفة أفضل من عمرو بن مرة ". [3]

''یعنی یہ امام ہیں، حجت ہیں، ابن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے اور مسعر نے کہا کہ کوفہ میں عمرو بن مرہ سے کوئی افضل نہ تھا۔

ہدی الساری میں ہے:

" أحد الأثبات، متفق على توثيقه، وقد احتج به الجماعة ". [4]

---

[1] دیکھیں: تهذيب التهذيب (۸/۸۸)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤٢٦، الخلاصة للخزرجي (ص: ۲۹۳)

[3] ميزان الاعتدال (۳/ ۲۸۸)

[4] هدي الساري (ص: ٤٣٢)

''یعنی یہ أثبات ثقہ لوگوں سے ہیں، ان کی توثیق پر اتفاق ہے اور ایک جماعت نے ان سے حجت پکڑی ہے۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں:

" قال سعيد الأراطي: زكاه أحمد بن حنبل، وقال ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: صدوق ثقة، وقال حفص بن غياث: ما سمعت الأعمش يثني على أحد إلا علىٰ عمرو بن مرة، وقال بقية عن شعبة: كان أكثرهم علما، وقال مسعر: لم يكن بالكوفة أفضل منه، وقال عبد الرحمن بن مهدي: أربعة بالكوفة لا يختلف في حديثهم، منهم عمرو بن مرة، ووثقه ابن نمير، و يعقوب بن سفيان وابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. [1]

یعنی سعید أراطی نے کہا کہ امام احمد عمرو بن مرہ کا تزکیہ کرتے تھے اور ان کو ابن معین نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق ثقہ کہا ہے اور حفص نے کہا کہ میں نے اعمش کو سوا عمرو بن مرہ کے اور کسی کی تعریف کرتے نہیں سنا اور شعبہ نے بروایت بقیہ کہا کہ یہ زیادہ علم والے تھے اور مسعر نے کہا کہ ان سے افضل کوفہ میں کوئی بھی نہیں تھا اور ابن مہدی نے کہا کہ کوفہ کے چار اشخاص کی حدیث میں اختلاف نہیں کیا جاتا، جن سے ایک عمرو بن مرہ ہیں اور ان کو ابن نمیر اور یعقوب نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔''

لیجئے! چلتے وقت آپ کو آپ کی ایک غلطی پر بھی متنبہ کر دیتا ہوں کہ آپ نے "حملی" حاء حطی سے لکھا ہے، صحیح "جملی" بالجیم ہے، آگے چلئے:

قوله: (١١١) **عتبة بن خالد الأيلي:** كان يعلق النساء بثديهن، قال ابن القطان: كفىٰ بهذا في تجريحه، وقال الفسوي: سمعت يحيىٰ بن بكير يقول: إنما يحدث عن عنبة مجنون أحمق، لم يكن موضعاً لكتابة عنه .

''یہ عورتوں کی چھاتی کو گھورا کرتے تھے، ابن قطان نے کہا کہ یہی ایک امر ان کے جرح کے واسطے کافی ہے اور فسوی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن بکیر کو سنا کہ کہتے تھے کہ عتبہ سے سوائے مجنون اور احمق کے اور کون حدیث کی روایت کر سکتا ہے؟ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے حدیث لکھی جائے۔'' ایضاً

أقول: اجی حضرت! "عتبة بن خالد الأيلي" تو بخاری میں کیا اسماء الرجال کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے، لہٰذا آپ کی ساری جرح غتربود، سنئے یہاں پر آپ نے چار جگہ غلطیاں کی ہیں، تین جگہ تو نام ہی میں ہے، اس غلطی سے آپ کا مبلغ علم پورا ہوگیا: پہلے تو آپ نے "عتبہ" بالتاء لکھا ہے۔

اور دوسری "عنبہ" بالنون،

---

[1] تہذیب التہذیب (٨٩/٨)

تیسری جگہ اس کے ترجمہ میں "عتبہ" پھر بالتاء لکھا ہے، حالانکہ کل کا کل غلط ہے، صحیح "عنبسه" ہے۔ 134
آپ نے لکھا ہے، "لكتابة عنه" اور صحیح "الكتابة" ہے۔

یہ تو نقل میں آپ سے اس قدر غلطیاں ہوئی ہیں، کہیں ایک سطر اردو کی عربی بنانا پڑے، تو فی لفظ شاید سیکڑہ کی نوبت آئے۔ شرم!

اب سنئے جرح کا جواب! عنبسہ حقیقت میں اگر ایسے ہی ہیں، جیسا کہ آپ نے نقل کیا ہے، تو ہمارا کوئی حرج نہیں، کیونکہ امام بخاری نے ان سے احتجاجاً و انفراداً روایت ہی نہیں کیا، بلکہ متابعت میں روایت کیا ہے، چنانچہ خلاصہ میں ہے: " قرنه خ بآخر "اور تہذیب جلد ہشتم میں ہے: " أخرج له خ مقرونا بغيره" ❶ یعنی امام بخاری نے ان سے مقرون بغیرہ روایت کیا ہے۔

ہدی الساري میں ہے کہ امام بخاری نے ان سے عبداللہ بن وہب کے ساتھ مقرون روایت کیا ہے۔ ❷

پس جب ان کی روایت مقرون بغیرہ اور بالمتابعت ہوئی، تو پھر کوئی اعتراض نہیں رہا، جیسا کہ نمبر (۲۲) میں بالتفصیل لکھا گیا، بایں ہمہ ان کے اوصاف جو محدثین سے مروی ہیں، وہ بھی آپ کو سنائے دیتا ہوں۔

تقریب میں ہے: "صدوق من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے: " قال أحمد بن صالح: صدوق، قال أبوداود: هو أحب إلينا" ❸

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو احمد بن صالح نے صدوق کہا ہے اور ابوداود نے کہا میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہیں۔

میزان میں امام ذہبی ان جرحوں (جس کو آپ نے نقل کیا ہے) کے جواب میں فیصلہ کرتے ہیں:

" قلت: بل روى عنه جماعة، وأثنىٰ عليه أبوداود " ❹

یعنی یہ مجروح نہیں ہیں، بلکہ ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور ابوداود نے ان کی تعریف کی ہے۔

ہدی الساري میں ہے:

" عظمه أبوداود وأحمد بن صالح المصري و محمد بن مسلم بن وارة" . ❺

"یعنی ابوداود اور احمد بن صالح اور محمد بن مسلم نے ان کی تعظیم کی ہے۔"

---

❶ تهذيب التهذيب (١٣٧/٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٧)

❷ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٤٣٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٧)

❹ ميزان الاعتدال (٣/ ٢٩٨)

❺ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

تهذیب التهذیب **جلد ثامن میں ہے:**

” قال الآجري عن أبي داود: عنبسة أحب إلينا، سمعت أحمد بن صالح يقول: عنبسة صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، “ انتهى ملخصاً. ❶

”یعنی ابو داود نے بروایت آجری کہا ہے کہ عنبسہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، میں نے احمد بن صالح کو سنا، وہ عنبسہ کو صدوق کہتے تھے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔“ آگے چلئے:

قوله: (١١٢) **عوف الأعرابي أبوسهل البصري:** قيل: كان يتشيع، وقال عمرو بن علي المقدمي: رأيت ابن المبارك يقول لجعفر بن سليمان: رأيت ابن عون وأيوب و يونس فكيف لم تجالسهم، وجالست عوفا! والله ما رضي عوف ببدعة حتى كانت فيه بدعتان: كان قدريا، وكان شيعياً، وقال محمد بن عبدالله الأنصاري: رأيت داود بن أبي هند يضرب عوف الأعرابي، ويقول: ويلك يا قدري! يا قدري! وقال بندار، وهو يقرأ لهم حديث عوف: والله لقد كان عوف قدرياً رافضيا شيطاناً.

”کہا گیا ہے کہ تشیع کو دخل دیتے تھے اور عمرو بن علی المقدمی کا قول ہے کہ میں نے ابن المبارک کو دیکھا 135
کہ جعفر بن سلیمان سے کہتے تھے کہ تم نے ابن عون اور ایوب اور یونس کو دیکھا، پھر ان لوگوں کے ساتھ مجالست کیوں نہیں اختیار کی درحالیکہ میں نے عوف کی مجلس اختیار کی، واللہ عوف ایک بدعت پر راضی نہ تھا، یہاں تک کہ دو بدعت کی حد تک نہ پہنچ جائے، قدریہ بھی تھا اور شیعہ بھی تھا اور محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ میں نے داود بن ابو ہند کو دیکھا کہ عوف اعرابی کو مارتے تھے اور کہتے تھے کہ خرابی ہو تجھ کو اے قدریہ! اے قدریہ! اور بندار نے کہا دراں حالیکہ وہ عوف کی حدیث پڑھ رہے تھے کہ قسم ہے اللہ کی عوف قدریہ رافضی شیطان تھا۔“ ایضاً

أقول: ***یہ جس قدر جرحیں آپ نے عوف کی بابت لکھی ہیں، یعنی عمرو مقدمی اور داود بن ابی ہند اور بندار وغیرہ کی یہ کوئی مقبول نہیں، اس لیے کہ یہ حضرات جارحین نقد حدیث کے امام نہیں ہیں، بلکہ امام الناقدین امام بخاری و امام الناقدین امام مسلم و امام الناقدین یحییٰ بن معین یہ لوگ جو ائمہ فن ہیں، انھوں نے عوف کی توثیق کی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم کے مقدمہ میں صاف طور پر عوف کی صداقت و امانت کا اقرار کیا ہے، ابن معین نے صریح لفظوں میں ثقہ کہا ہے، جس کی تفصیل عنقریب آئے گی، امام بخاری نے ان سے روایت ہی لی ہے اور امام بخاری کا***

---

❶ تهذيب التهذيب (١٣٧/٨)

❷ هدي الساري (ص: ٣٨٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کسی سے روایت لینا، یہ خود اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے، حافظ ابن حجر ہدی الساري فصل تاسع میں لکھتے ہیں:

" إذا وجدنا لغيره في أحد منهم طعنا، فذلك الطعن مقابل لتعديل هذا الإمام فلا يقبل " انتهى. ❷

''یعنی جب ہم ان (رواۃ) میں سے کسی کی نسبت ان کے غیر کا طعن پائیں گے، تو وہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلہ میں ہوگا اور قبول نہیں کیا جائے گا۔''

چلئے صاحب! یہ آپ کی کل جرحیں غیر مقبول ہوئیں، اس لیے کہ حافظ اسی ہدی الساري میں ذرا اوپر لکھتے ہیں:

" من خرج عنه في الصحيح فهو بمثابة إطباق الجمهور على تعديل من ذكر فيهما،" انتهى. ❶

''یعنی جو راوی صحیحین میں ذکر کیے گئے ہیں، ان کی تعدیل پر جمہور کا اتفاق ہے۔''

پس آپ کی یہ کل بے رنگ جرحیں آپ کو واپس دی جاتی ہیں، اب سنئے، کثرت رائے یعنی جماعت محدثین کی آراء!

تقریب میں ہے:" ثقة من السادسة " اور خلاصہ میں ہے:" وثقه النسائي وجماعة " ❷

یعنی عوف ثقہ ہیں، ان کو نسائی اور ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" كان يقال له: عوف الصدوق، قد وثقه جماعة، وقال النسائي: ثقه ثبت ". ❸

''یعنی (یہ اس قدر سچے ہیں کہ) ان کو عوف صدوق کہا جاتا تھا، ان کو ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے ثقہ ثبت کہا ہے۔''

اس جماعت کی طرف خیال کر کے پارلیمنٹ کی طرح کثرت رائے کا لحاظ کریں!

ہدی الساري میں ہے:

136 " وثقه أحمد وابن معين، وقال النسائي: ثقة ثبت، وقال محمد بن عبد الله الأنصاري: كان من أثبتهم جميعاً ". ❹

''یعنی ان کو امام احمد و یحییٰ بن معین و نسائی نے ثقہ کہا ہے اور محمد بن عبداللہ انصاری (یہ وہی ہیں جن کو آپ نے جرح میں ذکر کیا ہے) نے کہا ہے کہ عوف سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔''

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة صالح الحديث، وقال إسحاق بن منصور عن ابن

---

❶ هدي الساري (ص: ٣٨٤)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٤٣٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٢٩٨)

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٣٠٥)

❹ هدي الساري (ص: ٤٣٣)

معين: ثقة، وقال أبوحاتم: صدوق صالح، وقال النسائي: ثقة ثبت، وقال الوليد بن عتبة عن مروان بن معاوية: كان يسمىٰ الصدوق، وقال محمد بن عبدالله الأنصاري: كان يقال عوف الصدوق، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال ابن سعد عن محمد بن عبد الله الأنصاري: كان من أثبتهم جميعاً، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ عوف کو ثقہ صالح الحدیث اور ابن معین نے بروایت اسحاق ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق صالح الحدیث اور نسائی نے ثقہ ثبت کہا ہے اور مروان نے بروایت ولید کہا ہے اس کا نام ہی صدوق ہے اور محمد بن عبداللہ انصاری (وہی) نے کہا کہ عوف کو عوف صدوق کہتے تھے اور محمد بن سعد نے عوف کو ثقہ کثیر الحدیث کہا ہے اور انھی ابن سعد نے محمد بن عبداللہ انصاری (وہی) کی روایت سے کہا کہ عوف سب سے زیادہ ثبت تھے اور ابن حبان نے عوف کو ثقات میں کہا ہے۔'' سمجھے ہوں تو آگے چلیے:

قوله: (١١٣) **عيسىٰ بن طهمان:** ذكره ابن حبان في الضعفاء، فقال: لا يجوز الاحتجاج بما يرويه.

''ان کو ابن حبان نے ضعفاء میں ذکر کیا، پس کہا کہ ان کی حدیثوں کی دلیل پکڑنا جائز نہیں ہے۔'' ایضاً

أقول: ابن حبان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، بلکہ ابن حبان نے عیسیٰ کے بارے میں افراط (زیادتی) سے کام لیا ہے، عیسیٰ، ابن حبان کی اس تہمت کے مصداق نہیں ہیں، تقریب میں ہے: "أفرط فيه ابن حبان" اور خلاصہ میں ہے: "أفرط ابن حبان" حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں: " وأما ابن حبان فأفحش فيه في كتاب الضعفاء،" انتہی ❷ مطلب سب کا یہ کہ ابن حبان نے افراط سے کام لیا ہے، عیسیٰ کی بابت انھوں نے کتاب الضعفاء میں بیہودہ باتیں کہیں ہیں، جو لائق نہیں۔ چلیے آپ کی جرح ہی سرے سے باطل ہوگئی، بلکہ عیسیٰ بن طہمان رواۃ ثقات سے ہے۔

تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أحمد وابن معين" ❸

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو احمد و یحییٰ ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" وثقه أبوداود وغيره، وقال النسائي وابن معين وأبوحاتم: لا بأس به ". ❹

---

❶ تهذيب التهذيب (١٤٨/٨)

❷ هدي الساري (ص: ٤٣٤) تقريب التهذيب (ص: ٤٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٠٢)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٤٣٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٠٢)

❹ ميزان الاعتدال (٣١٤/٣)

137

''یعنی ان کو ابوداود وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور نسائی اور یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے لا بأس به (ثقہ) کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

''وثقه أحمد وابن معين والنسائي وأبوحاتم ويعقوب بن سفيان والدارقطني وغيرهم'' . ❶

''یعنی عیسیٰ کو امام احمد وابن معین ونسائی وابوحاتم ویعقوب بن سفیان ودارقطنی وغیرہ نے ثقہ کہا۔''

تهذيب التهذيب جلد ثامن میں ہے:

'' قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: شيخ ثقة، وقال حنبل بن إسحاق عن أحمد بن حنبل: ليس به بأس، وكذا قال ابن معين والنسائي، وقال المفضل الغلابي عن ابن معين: بصري ثقة، وقال أبوحاتم: ثقة لا بأس به، حديثه حديث أهل الصدق، ما بحديثه بأس، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة، وقال أبوداود: لا بأس به، أحاديثه مستقيمة، وقال مرة: ثقة، قلت: وقال الحاكم عن الدارقطني: ثقة، وقال الحاكم: صدوق، وقال ابن معين في رواية جعفر الطيالسي عنه: لا بأس به،'' انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی احمد نے بروایت عبداللہ عیسیٰ کو شیخ ثقہ اور احمد نے بروایت حنبل بن اسحاق لا بأس به اور ابن معین اور نسائی نے لا بأس به (ثقہ) اور ابن معین نے بروایت مفضل ثقہ اور ابوحاتم نے ثقہ لا بأس به اور ان کی حدیث کو صادقوں کی حدیث اور لا بأس بحديثه اور یعقوب نے ثقہ اور ابوداود نے لا بأس به مستقیم الحدیث اور ثقہ اور دارقطنی نے بروایت حاکم ثقہ اور حاکم نے خود صدوق اور ابن معین نے بروایت جعفر طیالسی لا بأس به کہا ہے۔''❸

معلوم ہوا کہ عیسیٰ ثقہ ہیں، آگے چلئے۔ ایں! حرف الغین ندارد؟ چلو چھٹی ہوئی۔

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٤)

❷ تهذيب التهذيب (١٩٣/٨)

❸ نیز حافظ ذہبی ﷫ نے بھی تصریح کی ہے کہ ابن حبان جرح میں متعنت اور متشدد ہیں، حافظ ذہبی ﷫ فرماتے ہیں:

۱۔ ''ابن حبان ربما قصّب الثقة، حتى كأنه لا يدري ما يخرج من رأسه ''

۲۔ ''وأما ابن حبان فإنه خسّاف قصاب ''

۳۔ '' وأما ابن حبان فأسرف واجترأ '' (ميزان الاعتدال: ١/ ٢٧٤، ١٤٨/٢، ٢٥٣) نیز دیکھیں: ضوابط الجرح والتعديل (ص: ٥٠)

138

حرف الفاء

قوله: (١١٤) **فضيل بن سليمان**: قال أبوحاتم: ليس بالقوي، وقال ابن معين: ليس بثقة، وقال أبوزرعة: لين .

''ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور ابن معین نے کہا کہ ثقہ نہیں ہیں اور ابوزرعہ نے کہا کہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: درحقیقت اگر یہ فضیل ایسے ہی ہوں، جیسا کہ آپ نے ان کی بابت لکھا ہے، تو چنداں مضائقہ نہیں، اس لیے کہ امام بخاری نے ان سے بالانفراد روایت نہیں کی ہے، بلکہ بالمتابعت روایت لی ہے، تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ امام بخاری نے ان سے چھ جگہ روایت کیا ہے، دو جگہ تو بمتابعت عبدالعزیز بن ابی حازم اور ایک جگہ بمتابعت ابن عیینہ و وہب اور ایک جگہ بمتابعت سلیمان بن یسار اور ایک جگہ بمتابعت عبدالعزیز بن مختار اور ایک جگہ بمتابعت ابن جریج روایت کیا ہے، اسی وجہ سے ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

"ليس له في البخاري سوى أحاديث توبع عليها". ❶

''یعنی بخاری میں ان سے وہی حدیثیں ہیں، جو بالمتابعت ہیں۔''

پس جب ان کی احادیث متابعتاً ہیں، تو انفراداً نہیں رہیں، لہٰذا آپ کا اعتراض بھی باطل ہوا، اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ امام بخاری نے ان سے متابعتاً کیوں روایت کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ فضیل کی بابت محدثین کے حسب ذیل خیال بھی ہیں، چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن حبان"❷ یعنی یہ صدوق ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ امام ذہبی ان کے معتمد بہ ہونے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

"حديثه في الكتب الستة، وهو صدوق" (ميزان) . ❸

''یعنی ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں موجود ہیں، پس یہ صدوق ہیں۔''

ہدي الساري میں ہے:

" قال الساجي: كان صدوقا، وروى عنه علي بن المديني، وكان من المتشددين، وقال

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٥)

❷ تقريب التهذيب (ص:٤٤٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣١٠)

❸ ميزان الاعتدال (٣٦١/٣)

أبوحاتم: يكتب حديثه". ❶

''یعنی زکریا ساجی نے فضیل کو صدوق کہا ہے اور ابن المدینی نے ان سے روایت کیا ہے، حالانکہ ابن مدینی بڑے متشددین سے ہیں (یعنی جلدی کسی سے روایت نہیں لیتے، جب تک اس کا معتمد بہ ہونا ثابت نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ یہ معتمد بہ ہیں،) اور ابو حاتم (وہی جن سے آپ نے جرح نقل کی ہے) انھوں نے کہا کہ فضیل کی حدیث قابل کتابت ہے۔ ❷

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" روى عنه ابن المديني، وكان من المتشددين، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: وكان صدوقا" انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی فضیل سے ابن مدینی نے روایت کیا ہے، حالانکہ وہ بڑے تشدد کرنے والوں سے ہیں اور ابو حاتم نے کہا ان کی حدیث لائق کتابت ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور زکریا ساجی نے ان کو صدوق کہا ہے۔'' سمجھ گئے؟ آگے چلیے:

قوله: (١١٥) **فليح بن سليمان المدني:** قال ابن معين وأبوحاتم والنسائي: ليس 139
بالقوي، وقال أبوحاتم: سمعت معاوية بن صالح: سمعت يحيىٰ بن معين يقول: فليح بن سليمان ليس بثقة ولا ابنه، وروى عباس عن يحيىٰ: لا يحتج به، وقال عبد الله بن أحمد: سمعت ابن معين يقول: ثلاثة يتقى حديثهم: محمد بن طلحة بن مصرف، وأيوب بن عتبة، وفليح بن سليمان، قلت له: ممن سمعت هذا؟ قال: من مظفر بن مدرك، وكنت آخذ عنه هذ الشأن، وقال أبوداود: لا يحتج بفليح.

''ابن معین اور ابو حاتم اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور ابو حاتم نے کہا میں نے معاویہ بن صالح کو سنا کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معین کو سنا کہ کہتے تھے کہ فلیح بن سلیمان اور ان کا بیٹا ثقہ نہیں ہے اور عباس نے یحییٰ سے روایت کی کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے اور عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے ابن معین کو سنا کہتے تھے کہ تین شخصوں کی حدیثوں سے بچنا چاہیے، محمد بن طلحہ بن مصرف اور ایوب بن عتبہ اور فلیح بن سلیمان، پس میں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کس سے سنا؟ انھوں نے کہا کہ مظفر بن مدرک

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٥)

❷ قبل ازیں یہ بات گزر چکی ہے کہ "ليس بالقوي" اور "لين" جرح میں اولین درجہ کے الفاظ ہیں، کئی علماء نے تصریح کی ہے کہ ایسے راوی کی حدیث اعتبار کی خاطر لکھی اور دیکھی جاتی ہے۔ (مقدمه ابن الصلاح: ١١٢) یا متابعت میں لے لی جاتی ہے، لہٰذا امام بخاری پر اعتراض مردود ہے۔ (مولانا ارشاد الحق اثری ﷾)

❸ تهذيب التهذيب (٨/٢٦٢)

سے اور میں ان میں اس امر کا برتاؤ پاتا تھا اور ابوداود نے کہا کہ فلیح سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے۔'' ایضاً

أقول: آپ نے جو یہ جرح نقل کی ہے، کل بے سود ہیں، [1] اس لیے کہ فلیح وہ شخص ہے جس سے امام بخاری و امام مسلم دونوں نے روایت کی ہے اور ابھی نمبر (۱۱۲) کے جواب میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے کہ جس راوی کا ذکر صحیحین میں ہو، ان کی تعدیل پر جمہور کا اتفاق ہے، جس راوی پر غیروں نے طعن کیا اور امام بخاری اس سے تخریج کریں، تو یہ اس کی تعدیل کی دلیل ہے، اس صورت میں دوسروں کی جرح نامقبول ہے، فلیح کے متعلق جس قدر جرحیں ہیں (جو آپ نے نقل کی ہیں) اس کا ایک ہی جملہ میں حاکم نے کیا خوب جواب دیا ہے، جس کو حافظ ابن حجر تہذیب جلد ہشتم میں لکھتے ہیں:

" قال الحاكم أبوعبدالله: اتفاق الشيخين عليه يقوي أمره" انتهى. [2]

''یعنی ابوعبداللہ حاکم نے کہا ہے فلیح (کے قابل حجت ہونے) پر شیخین (امام بخاری و مسلم) کا اتفاق کر لینا ہی اس کے امر کو تقویت دیتا ہے۔''

یعنی اس کی تعدیل کے لیے کافی ہے، یہی ہماری اوپر کی تحریر کا مآل ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیخ ابوالحسن مقدسی اس راوی کے بارے میں، جس سے بخاری میں تخریج کی جائے، کہا کرتے تھے، جس کو حافظ ابن حجر ہدی الساري کی فصل تاسع میں نقل کرتے ہیں:

" وقد كان الشيخ أبوالحسن المقدسي يقول في الرجل الذي يخرج عنه في الصحيح: هذا جاز القنطرة، يعني بذلك أنه لا يلتفت الى ما قيل فيه، " انتهى. [3]

''یعنی شیخ ابوالحسن مقدسی اس شخص کے بارے میں جس سے صحیح بخاری میں تخریج کی جائے، کہا کرتے تھے کہ یہ پل عبور کر چکا ہے، یعنی اس کے بارے میں کسی کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے۔''

پس آپ کی ساری نقل کردہ جرح باطل اور تطویل لا طائل ہوئی۔

اب فلیح کی صداقت اور ثقاہت وغیرہ سنئے۔

---

[1] کیونکہ یہ "ليس بالقوي" یا" لا يحتج به" یا"ليس بثقة" جرح کے ایسے الفاظ نہیں، جن سے راوی درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے، دیکھیں: التنكيل على الكوثري للمعلمي (۱/۶۹) اور دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے، لہٰذا قابل قبول نہیں، جیسا کہ پہلے بھی کئی بار اس کی وضاحت گزر چکی ہے، اسی لیے امام بخاری ؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے اور کسی کے قول کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ (مولانا ارشاد الحق اثری ﷾)

[2] تهذيب التهذيب (۸/۲۷۳)

[3] هدي الساري (ص: ۳۸٤)

تقریب التهذیب میں ہے: " صدوق من السابعة" [1] یعنی یہ صدوق ہیں۔

خلاصہ میں ہے:

" أحد أئمة العلم، قال ابن عدي: اعتمده البخاري، وهو عندي لا بأس به، " انتهى. [2]

"یعنی یہ ائمہ علم سے ہیں، ابن عدی نے کہا کہ امام بخاری نے ان پر اعتماد (بھروسہ) کیا ہے اور وہ میرے نزدیک لا بأس به ہیں۔"

میزان میں ہے:

" أحد العلماء الكبار، احتجا به في الصحيحين، قال الساجي: كان من أهل الصدق، قلت: قد اعتمد أبو عبدالله البخاري فليحا، وقال الدارقطني: لا بأس به، " انتهى. [3]

"یعنی فلیح علماء کبار سے ہے، امام بخاری و مسلم دونوں نے اپنی صحیح میں اس سے حجت پکڑی ہے اور زکریا ساجی نے انھیں اہل صدق سے کہا ہے (اب ذہبی ان کے معتمد بہ ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں امام بخاری نے اس فلیح پر اعتماد کیا ہے اور دارقطنی نے لا بأس به کہا ہے۔"

ہدي الساري میں ہے:

" احتج به البخاري وأصحاب السنن، وروى له مسلم، وقال الساجي: هو من أهل الصدق، وقال الدارقطني: لابأس به، وقال ابن عدي: له أحاديث صالحة مستقيمة، وهو عندي لا بأس به، " انتهى. [4]

"یعنی امام بخاری اور اصحاب سنن نے اس فلیح سے حجت پکڑی ہے اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے اور ساجی نے ان کو صدوق اور دارقطنی نے لا بأس به کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ ان کی حدیثیں صالح مستقیم ہیں اور وہ میرے نزدیک لا بأس به ہیں۔"

تہذیب التہذیب جلد ثامن میں ہے:

" قال ابن عدي: لفليح أحاديث صالحة، يروي عن الشيوخ من أهل المدينة أحاديث مستقيمة، وقد اعتمده البخاري في صحيحه، وروى عنه الكثير، وهو عندي لا بأس به، وقال الدارقطني: ليس به بأس، وقال البرقي: هم يكتبون حديثه ويشتهونه، وقال الساجي:

---

[1] تقريب التهذيب (ص: ٤٤٨)

[2] الخلاصة للخزرجي (ص:٣١١)

[3] ميزان الاعتدال (٣/٣٦٥)

[4] هدي الساري (ص: ٤٣٥)

هو من أهل الصدق، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. ❶

''ابن عدی نے کہا ہے کہ فلیح کی حدیثیں صالح ہیں، وہ مدینہ کے شیوخ سے مستقیم حدیثیں روایت کرتا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے اور بہتوں نے ان سے روایت کیا ہے اور وہ میرے نزدیک لا بأس به ہیں اور دارقطنی نے ان کو لا بأس به کہا ہے اور برقی نے کہا کہ لوگ ان کی حدیثوں کو لکھتے تھے اور ان کی خواہش کرتے تھے اور ساجی نے ان کو اہل صدق سے کہا اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' فافهم وكن من الشاكرين! آگے چلئے:

❶ تهذيب التهذيب (٢٧٣/٨)

حرف القاف

141

قوله: (١١٦) **قتادة بن دعامة السدوسي:** رمي بالقدر، قاله يحيىٰ بن معين، ومع هذا فاحتج به أصحاب الصحاح.

''یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ قدر کے ساتھ منسوب تھے اور اس کے باوجود اصحاب صحاح نے ان سے دلیل پکڑی ہے۔'' ایضاً

أقول: اس کی تردید ابو داود نے نہایت معقول طریقہ سے کر دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ یہ قدریہ نہ تھے، حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" أما أبوداود فقال: لم يثبت عندنا عن قتادة القول بالقدر، " انتهى. ❶

''یعنی ابوداود نے کہا ہے کہ ہم سب کے نزدیک قتادہ سے کوئی ایسا قول ثابت نہیں ہوا، جس سے ان کا قدریہ ہونا معلوم ہو۔''

پس معلوم ہوا کہ یہ قدریہ نہ تھے، لہٰذا اس بنا پر جو آپ کا اعتراض ہے، وہ بھی غلط اور باطل ہوگیا، کیونکہ "اللازم باطل فالملزوم مثله" اب اصل حقیقت سنیے، قتادہ محدثین کے نزدیک ایسے ثقہ اور حافظ ہیں کہ ان کا دوسرا ثانی نہیں ہے، پس جب یہی قابل حجت نہ رہیں، تو سارا معاملہ غتر بود ہو جائے گا، کیونکہ ۔ ع۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تقریب میں ہے: " ثقة ثبت " اور میزان میں ہے: " حافظ ثقة ثبت " ❷ یعنی یہ حافظ ہیں، ثقہ ہیں، ثبت ہیں۔

علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

" أحد الأئمة الأعلام حافظ، قال ابن المسيب: ما أتانا عراقي أحفظ من قتادة، وقال ابن سيرين: قتادة أحفظ الناس، وقال ابن مهدي: قتادة أحفظ من خمسين مثل حميد، وقد احتج به أرباب الصحاح، " انتهى. ❸

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٦)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٤٥٣) ميزان الاعتدال (٣٨٥/٣)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣١٥)

''یعنی قتادہ ائمہ اعلام سے ہیں، حافظ ہیں، ابن المسیب نے کہا کہ ہمارے پاس ایسا کوئی عراقی نہیں آیا کہ جس کا حافظہ قتادہ سے زیادہ ہو اور ابن سیرین نے کہا کہ قتادہ سب لوگوں سے زیادہ حافظ ہے اور ابن مہدی نے کہا قتادہ حمید جیسے پچاس شخصوں سے زیادہ حافظ ہے اور صحاح ستہ والوں نے ان سے حجت پکڑی ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

" أحد الأثبات المشهورين، كان يضرب به المثل في الحفظ ". ❶

''یعنی یہ مشہور اثبات سے ہیں، حافظہ میں ان کی مثال بیان کی جاتی تھی۔''

اگر آپ تفصیل سے سننا چاہتے ہیں، تو بگوش ہوش متوجہ ہو کر سنیں۔ حافظ ابن حجر (خاتمہ الحفاظ) تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں رقم فرماتے ہیں:

142 " قال سعيد: ما كنت أظن أن الله خلق مثلك، وعن سعيد بن المسيب قال: ما أتاني عراقي أحسن من قتادة، وقال بكير بن عبد الله المزني: ما رأيت الذي هو أحفظ منه ولا أجدر أن يؤدي الحديث كما سمعه، وقال ابن سيرين: قتادة هو أحفظ الناس، وقال مطر الوراق: كان قتادة إذا سمع الحديث يحفظه، وقال عبد الرزاق عن معمر عن قتادة: ما قلت لمحدث قط: أعد علي، وما سمعت أذناي شيئاً قط إلا وعاه قلبي، وقال أبوحاتم: سمعت أحمد بن حنبل: وذكر قتادة، فأطنب في ذكره، فجعل ينشر من علمه وفقهه ومعرفته بالاختلاف والتفسير ووصفه بالحفظ والفقه، وقال: قلما تجد من يتقدمه، أما المثل فلعل، وقال الأثرم: سمعت أحمد يقول: كان قتادة أحفظ من أهل البصرة، لم يسمع شيئاً إلاحفظه، وقرئ عليه صحيفة جابر مرة واحدة فحفظها، وكان سليمان التيمي وأيوب يحتاجون إلى حفظه، ويسألونه، وقال إسحاق بن منصور عن يحيىٰ بن معين: ثقة، وقال أبو زرعة: قتادة أعلم أصحاب الحسن، وقال أبوحاتم: أثبت أصحاب الحسن الزهري، ثم قتادة، وقال ابن سعد: كان ثقة مأمونا حجة في الحديث، وذكر ابن حبان في الثقات: كان من علماء الناس بالقرآن والفقه، ومن حفاظ أهل زمانه، " انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی سعید قتادہ کو مخاطب کر کے کہتے میرا خیال نہیں تھا کہ خدا نے تیرے جیسا کسی کو پیدا کیا ہوگا اور سعید بن مسیّب نے کہا کہ میرے پاس کوئی عراقی قتادہ سے زیادہ حافظ نہیں آیا اور بکیر مزنی نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو قتادہ سے زیادہ حافظ ہو اور حدیث کو جیسا کہ سنا ویسا ہی بیان کر دے، اور ابن سیرین

❶ هدي الساري (ص:٤٣٦)

❷ تهذيب التهذيب (٣١٧/٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

نے کہا کہ قتادہ سب لوگوں سے زیادہ حافظ تھے اور مطر وراق نے کہا کہ قتادہ جب کسی حدیث کو سنتے فوراً اس کو یاد کر لیتے اور عبدالرزاق بروایت معمر وہ بروایت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ قتادہ نے کہا کہ میں نے کسی محدث سے یہ نہیں کہا کہ پھر فرمائیے، بلکہ جو کچھ میرے کان نے سنا فوراً میرے دل نے یاد کرلیا اور ابوحاتم نے کہا کہ میں نے امام احمد کو قتادہ کا ذکر کرتے سنا، وہ قتادہ کے علم اور فقہ اور معرفتِ اختلاف و تفسیر اور حافظہ وغیرہ کی بڑی تعریف کرتے اور فرمایا کہ بہت کم ہیں ایسے جو قتادہ سے بڑھ جائیں اور برابر کے شائد ہوں اور أثرم نے کہا کہ میں نے امام احمد کو سنا، وہ فرماتے تھے، قتادہ سب بصریوں سے زیادہ حافظ ہے اور جو سنتا ہے فوراً یاد کر لیتا ہے، ان پر حضرت جابر کا بڑا سارا صحیفہ ایک مرتبہ پڑھا گیا، قتادہ نے سارا یاد کرلیا اور سلیمان اور ایوب قتادہ کے حافظہ کے محتاج تھے اور ان سے پوچھا کرتے تھے اور قتادہ کو ابن معین نے بروایت اسحاق بن منصور ثقہ کہا ہے اور ابو زرعہ نے کہا کہ قتادہ اصحاب حسن میں سب سے زیادہ عالم تھے اور ابوحاتم نے کہا کہ حسن کے زیادہ اثبت اصحاب زہری اور قتادہ دو ہی ہیں اور محمد بن سعد نے کہا کہ قتادہ ثقہ مامون حجت فی الحدیث تھے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے کہ قتادہ سب لوگوں سے زیادہ قرآن اور فقہ کا جاننے والا حفاظ زمان سے تھا۔''

اس کو پوری طرح پڑھو اور آگے چلو:

قوله: (١١٧) **قيس بن أبي حازم**: قال علي بن عبد الله عن يحيىٰ بن سعيد: منكر الحديث، وقال يعقوب السدوسي: تكلم فيه أصحابنا.

''علی بن عبداللہ نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا کہ ان کی حدیث سے لوگوں نے انکار کیا ہے اور یعقوب سدوسی نے کہا کہ میرے ساتھیوں نے ان میں کلام کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: قیس ہرگز متکلم فیہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں جن لوگوں نے کلام کیا ہے، اس کا جواب یا رد بڑے زوروں 143
سے امام ذہبی نے اسی میزان میں آنجناب کی عبارت مرقومہ کے بعد کیا ہے، جس کو آپ نے عمداً پوشیدہ رکھا ہے، ذہبی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

" من تكلم فيه آذى نفسه، نسأل الله العافية وترك الهوىٰ ". [1]

یعنی جس نے قیس کی بابت کلام کیا، اس نے اپنے نفس کو ایذا دیا، ہم خدا سے عافیت (دلیل کے بغیر کسی ثقہ راوی پر جرح کرنے سے) اور نفسانی خواہشات سے اجتناب کا سوال کرتے ہیں۔

یعنی قیس ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی کلام کرے، اس میں جتنے کلام ثابت ہوں گے، وہ غلط اور باطل ہوں گے،

---

[1] ميزان الاعتدال (٣/٣٩٣)

معلوم ہوا کہ جو قیس پر کلام کرے وہ متبع ہوی ہے، نہ کہ متبع سبیل المومنین، بلکہ قیس ثقات رواۃ سے ہے۔

تقریب میں ہے: " ثقة من الثانية " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين ويعقوب بن شيبة" ❶

یعنی قیس ثقہ ہیں، ان کو یحییٰ بن معین اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ کہا ہے۔

حافظ ذہبی میزان میں قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

" ثقة حجة، كاد أن يكون صحابيا، وثقه ابن معين والناس، قال إسماعيل بن أبي خالد: كان ثبتا، قلت: أجمعوا على الاحتجاج به، قال معاوية بن صالح عن ابن معين: كان قيس أوثق من الزهري. " انتهى.

"یعنی قیس ثقہ ہے، حجت ہے، قریب تھا کہ وہ صحابی ہوں، (بلکہ حافظ ابن حجر نے الإصابة في تمييز الصحابة میں لکھا ہے کہ قیس نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ پڑھتے دیکھا تھا، حالانکہ یہ قیس آٹھ برس کے تھے، اس لحاظ سے یہ صحابی ہوئے، پس آپ کی جرح بحق صحابی ہوئی، ❷ حالانکہ صحابہ کرام کی نسبت اہل اصول کا اجماع ہے: " الصحابة كلهم عدول" فافهم!) قیس کو یحییٰ بن معین اور تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے اور اسماعیل نے کہا یہ ثبت تھے۔ (امام ذہبی لکھتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ محدثین نے قیس کے ساتھ حجت پکڑنے پر اجماع کیا ہے اور یحییٰ نے بروایت معاویہ کہا کہ قیس زہری سے بھی زیادہ ثقہ تھے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" احتج به الجماعة، وقد بالغ ابن معين فقال: هو أوثق من الزهري، وقال يعقوب بن شيبة: فمن أصحابنا من رفع قدره وعظمه، وجعل الحديث عنه من أصح الأسانيد،" انتهى. ❸

"یعنی قیس کے ساتھ ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے اور ابن معین نے کہا کہ یہ زہری سے زیادہ ثقہ تھے اور یعقوب نے کہا کہ ہمارے اصحاب ان کی قدر کو بلند سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے اور ان کی حدیث کو اصح سندوں والی جانتے ہیں۔"

اور تہذیب التہذیب جلد ثامن میں ہے:

" قال الآجري عن أبي داود: أجود التابعين إسناداً قيس بن أبي حازم، قال ابن معين: هو

---

❶ تقريب التهذيب (ص:٤٥٦) الخلاصة للخزرجي (ص:٣١٧)

❷ ان کا صحابی ہونا محل نظر ہے، دیکھیں: الإصابة (٢٧٢/٥) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں بھی ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے، لیکن ان کے ثقہ اور حجت ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے ان پر ہر قسم کی جرح مردود ہے۔ (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

❸ هدي الساري (ص: ٤٣٦)

أوثق من الزهري، وقال مرة: ثقة، وحكى ابن حبان في الثقات" انتهى ملخصاً. [1]

''یعنی ابو داود نے بروایت آجری کہا ہے کہ قیس کی سند سب تابعین میں زیادہ عمدہ تھی اور ابن معین نے خود ثقہ کہا ہے اور کہا کہ قیس زہری سے زیادہ ثقہ تھے اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

آگے چلئے۔ ع۔

زمانہ قیس کا گزرا تو اب نوبت ہماری ہے

[1] تهذيب التهذيب (٣٤٦/٨)

144

حرف الکاف

قوله: (۱۱۸) **كثير بن شنطير:** قال ابن معين: ليس بشيء، وقال الفلاس: كان يحيىٰ لا يحدث عنه، وروى عباس: ليس بشيء، وقال النسائي: ليس بالقوي.

''ابن معین نے کہا کہ کچھ نہیں ہیں اور فلاس نے کہا کہ یحییٰ ان سے روایت نہیں کرتے تھے اور عباس نے روایت کی کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: "شنطیر" غلط ہے، صحیح ''شنظیر'' ہے، یہ کثیر اگر ایسے ہی ہوں، جیسا کہ آپ نے نقل کیا ہے، تو ہمارا کوئی حرج نہیں، حالانکہ ان کی توثیق ثابت ہے، جس کی تفصیل عنقریب آئے گی، جرح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے ان سے بالانفراد روایت نہیں کی ہے، بلکہ جو کچھ بھی روایت کیا ہے، وہ بالمتابعت ہے، چنانچہ بخاری میں ان سے دو جگہ روایت ہے، ایک تو بمتابعت لیث اور دوسری بمتابعت ابن جریج ہے [1] اور متابعت کے متعلق علامہ عینی کا قول نمبر (۲۲) میں گزر چکا ہے، لہٰذا اعتراض ختم ہوا اور کوئی اشکال نہ رہا، لیکن ذرا امام بخاری کی احتیاط ملاحظہ فرمائیے کہ متابعت میں بھی ایسے راوی کو لائے ہیں، جس کی بابت محدثین کے اقوالِ تعدیل بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق من السادسة " [2]

اور میزان میں ہے: " قال أحمد: صالح الحديث، و روى عثمان بن سعيد عن يحيىٰ: ثقة، قال ابن عدي: أحاديثه أرجو أن تكون مستقيمة" [3]

یعنی امام احمد نے کثیر کو صالح الحدیث اور یحییٰ نے بروایت عثمان ثقہ اور ابن عدی نے مستقیم الحدیث کہا ہے۔

ہدی الساري میں ہے:

"وثقه ابن سعد، وقال الساجي: صدوق، احتج به الجماعة سوى النسائي ". [4]

''یعنی کثیر کو محمد بن سعد نے ثقہ اور ساجی نے صدوق کہا ہے اور ان سے نسائی کے سوا تمام لوگوں نے

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٣٦)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤٥٩)

[3] ميزان الاعتدال (٣/٤٠٦)

[4] هدي الساري (٤٣٦)

حجت پکڑی ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں ہے:

" قال عبد الله بن أحمد: سألت أبي عنه، فقال: صالح، وقال مرة: صالح الحديث، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين: صالح، وكان ابن مهدي يحدث عنه، وقال ابن عدي: أرجو أن تكون أحاديثه مستقيمة، قلت: وقد قال ابن سعد: وكان ثقة إن شاء الله، وقال ابن عدي: ليس في حديثه شيء من المنكر، قال الأثرم: سئل أبو عبد الله عن كثير بن شنظير، قال: يكتب حديثه، وقال الساجي: صدوق، وقال البزار: ليس به بأس، " انتهى ملخصاً. [1]

''عبداللہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد امام احمد سے کثیر کی بابت سوال کیا، تو انھوں نے صالح الحدیث کہا اور ابن معین نے بروایت اسحاق صالح الحدیث کہا اور ابن مہدی ان سے حدیث لیتے تھے اور ابن عدی نے مستقیم الحدیث کہا ہے اور ابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں نے کثیر کی حدیث میں کچھ بھی منکر نہیں پایا اور اثرم نے کہا کہ ابوعبداللہ سے کسی نے کثیر کی بابت سوال کیا، انھوں نے کہا ان کی حدیث قابل کتابت ہے اور ساجی نے صدوق اور بزار نے لا بأس به کہا ہے۔''[2] آگے چلیے:

قوله: (۱۱۹) **كليب بن وائل:** ضعفه أبوحاتم. ''ان کو ابوحاتم نے ضعیف ٹھہرایا۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح حیز تسلیم میں نہیں آ سکتی، اس لیے کہ ابوحاتم اس تضعیف میں شاذ ہیں، ان کے مقابل میں 145
جماعت کثیرہ کلیب کو ثقہ کہہ رہی ہے اور اس لیے کہ یہ جرح بالکل مبہم ہے، اس کے اسباب غیر مبین ہیں، اور سابقہ تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایسی جرح محدثین کے نزدیک غیر مقبول ہے، پس ابوحاتم کی تضعیف بھی غیر مقبول ہوگی، بلکہ ان کا ثقہ ہونا ثابت ہوگا، جیسا کہ تقریب میں ہے:" صدوق من الرابعة "اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين" اور میزان میں ہے:" وثقه يحيىٰ بن معين وغيره"[3]

سب کا خلاصہ یہ کہ کلیب صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔

---

[1] تهذيب التهذب (٨/٣٧٤)

[2] ہر انصاف پسند کے لیے، بشرطیکہ جانبدار نہ ہو، اسی قدر کافی ہے، اس سے قبل بھی ہم بتا چکے ہیں کہ ایسے الفاظ کسی راوی کو درجہ عدالت سے نہیں گراتے اور جہاں تک فلاس کا قول: "كان يحيىٰ بن سعيد لا يحدث عنه" ہے، تو یہ کوئی جرح نہیں، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ (ميزان الاعتدال: ٢/ ٢٢٧) اور صاحب " الرفع والتكميل" لکھتے ہیں کہ مجرد ان کا روایت ترک کر دینا کسی کو دائرہ احتجاج سے باہر نہیں کر دیتا۔ (ص: ۱۱۳) (مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ)

[3] ميزان الاعتدال (٣/ ٤١٤) تقريب التهذيب (ص: ٤٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص:٣٢٢)

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن معين والدارقطني ويعقوب بن سفيان، وقال أبوداود: ليس به بأس". ❶

یعنی کلیب کو یحیٰ بن معین اور دارقطنی اور یعقوب نے ثقہ اور ابوداود نے لا بأس به کہا ہے۔

حافظ ابن حجر تهذیب التهذیب جلد ثامن میں لکھتے ہیں:

" قال ابن أبي خيثمة عن ابن معين: ثقة، وقال الآجري عن أبي داود: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: قال الدوري عن ابن معين: لا بأس به، وكذا قال يعقوب بن سفيان، وقال الدارقطني: ثقة، وقال العجلي: يكتب حديثه، " انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی ابن معین نے بروایت ابن ابی خیثمہ کلیب کو ثقہ اور ابو داود نے بروایت آجری لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے اور ابن معین نے بروایت دوری لا بأس به (ثقہ) اور یعقوب بن سفیان نے لا بأس به اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور عجلی نے کہا کہ ان کی حدیث لکھنے کے لائق ہے۔'' ❸ آگے چلئے:

قوله: (١٢٠) **كهمس بن المنهال**: اتهم بالقدر، وله حديث منكر، وأدخله من أجله البخاري في كتاب الضعفاء.

''ان پر قدریہ ہونے کی تہمت ہے اور ان کے پاس نامقبول حدیث ہے اور اسی وجہ سے بخاری نے ان کو کتاب الضعفاء میں داخل کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: امام بخاری نے ان کو صحیح میں متابعتاً ذکر کیا ہے، نہ کہ اصالتاً، آپ کا اعتراض جب درست ہوتا کہ امام بخاری ان کے ساتھ انفراد کرتے، لہٰذا جب ایسا معاملہ نہیں تو کوئی اعتراض نہ رہا، چنانچہ خلاصہ میں ہے: " روى له خ فرد حديث مقرونا "اور تہذیب جلد ہشتم میں ہے: " روى له البخاري حديثا واحدا مقرونا بغيره" اور ہدی الساری میں ہے: " أخرج له البخاري حديثا واحدا مقرونا بمحمد بن سواء" ❹ یعنی امام بخاری نے کہمس سے مقترن روایت کیا ہے، یعنی بمتابعت محمد بن سواء، پس متابعت کا حکم بھی اس سے تین نمبر اوپر گزرا ہے، لہٰذا کوئی اعتراض باقی نہ

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٧)

❷ تهذيب التهذيب (٨/١-٤)

❸ علاوہ ازیں ان پر جرح کرنے والے ابو حاتم نہیں، بلکہ ابو زرعہ ہیں، دیکھیں: الخلاصة، التهذيب، هدي الساري، نیز دیکھیں: الجرح والتعديل (١٦٧/٣) (مولانا ارشاد الحق اثری ﷾) مزید برآں حافظ ابن حجر ﷫ صحیح بخاری میں ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: " روى له البخاري حديثه عن ربيبة النبي صلى الله عليه وسلم في النهى عن الدباء والحنتم فقط، وله شواهد من حديث أنس وغيره." (هدي الساري: ٤٣٧)

❹ هدي الساري (ص: ٤٣٧) تهذيب التهذيب (٨/ ٤٠٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٢٢)

146

رہا، لیکن امام بخاری کی کھمس سے روایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بابت یہ بھی ثابت ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے: "صدوق من التاسعة" اور خلاصہ میں ہے: " ذكره ابن حبان فى الثقات " اور میزان میں ہے: " قال أبوحاتم: محله الصدق " ❶ خلاصہ یہ کہ کھمس صدوق ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

" قال أبوحاتم: محله الصدق، يكتب حديثه، " ❷

اور تہذیب التہذیب جلد ہشتم میں ہے:

" قال ابن أبي حاتم: سألت أبي عنه فقال: محله الصدق يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى. ❸

"یعنی ابوحاتم نے کھمس کو صدوق کہا ہے اور کہا کہ ان کی حدیث لکھنے کے قابل ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❹

آگے چلیے: ارے! حرف اللام ندارد؟ اوہو! آخر میں لام الف بڑھایا ہے؟ اچھا!

---

❶ ميزان الاعتدال (٣/ ٤١٦) تقريب التهذيب (ص: ٤٦٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٢٢)

❷ هدي الساري (ص: ٤٣٧)

❸ تهذيب التهذيب (٨/ ٤٠٤)

❹ امام بخاری نے جو ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے، تو اس کے بارے میں امام ابوحاتم فرماتے ہیں: "محله الصدق، أدخله البخاري في الضعفاء، فيحول عنه " (الجرح والتعديل: ٧/ ١٧١، تهذيب التهذيب: ٨/ ٤٠٤) یعنی ان کو کتاب الضعفاء سے نکال کر ثقات میں رکھنا چاہیے۔

حرف المیم

147

قوله: (١٢١) **مسور بن مخرمة بن نوفل بن أهيب:** ولد بمكة بعد الهجرة لسنتين، وتوفي النبی ﷺ وهو ابن ثمان سنين .

''یہ مکہ میں ۲ھ میں پیدا ہوئے اور رسول اللہ کے وقت انتقال ان کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ از أسد الغابه و از کتاب شرح أسماء الرجال الصحيحين البخاري والمسلم تاليف محمد بن طاهر المقدسی۔''

أقول: صاحب اسد الغابہ کے اس قول میں نظر ہے، کیونکہ انھوں نے مسور کا سنہ ولادت بصیغہ تمریض لکھا ہے، جس کا عدم جزم مسلّم ہے، تاریخ داں کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ محض ایک ضعیف قول پر اعتماد کرے، بلکہ اسے چاہیے کہ اس میدان میں اور بھی اپنا گھوڑا دوڑائے، آیئے ہم آپ کو مختلف معتبر ذرائع سے ثابت کر دیتے ہیں کہ مسور بن مخرمہ ہرگز ۲ھ میں پیدا نہیں ہوئے تھے، ابن الحذاء کی رجال الموطأ میں ہے:

'' إنه قيل إن المسور عاش مائة وخمس عشرة سنة.'' (تهذيب التهذيب، جلد: ١٠) ❶

یعنی مسور بن مخرمہ کی عمر ایک سو پندرہ برس کی تھی۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ ان کا انتقال کس سن میں ہوا ہے؟

تہذیب جلد دہم میں ہے:

''قيل : سنة ثلاث وسبعين'' انتهى. ❷ یعنی ۷۳ہجری میں یہ فوت ہوئے ہیں۔

اس حساب سے ان کا سن ہجری کے ۴۲ برس پہلے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہے، ایک سو پندرہ کو ۷۳ سے تفریق کر کے دیکھ لیں، ❸ لیکن یہ سن وفات بھی بصیغہ تمریض بیان کیا گیا ہے، آیئے اب ہم آپ کو ان کا صحیح سن وفات بتلا دیں۔

---

❶ تهذيب التهذيب (١٠/ ١٣٧) لیکن حافظ ابن حجر ؒ نے خود اس قول کو شاذ قرار دیا ہے (جیسا کہ مولف ؒ نے آگے ذکر کیا ہے) اور صراحت کی ہے کہ یہ ان کے والد کی عمر تھی، واللہ أعلم! بہرحال اگر ان کی عمر نبی اکرم ﷺ کے بوقت انتقال آٹھ سال کی بھی ہو، تو روایت حدیث کے لیے چنداں مضر نہیں، جس کی تفصیل مولف ؒ نے اگلے صفحات میں بیان کر دی ہے۔

❷ تهذيب التهذيب (١٠/ ١٣٧) حافظ ابن حجر ؒ نے اسے بصیغہ تمریض بیان کر کے ان کا سنہ وفات چونسٹھ (۶۴) راجح قرار دیا ہے، جیسا کہ مؤلف ؒ نے آگے بیان کیا ہے۔

❸ لیکن یہ قول کہ ان کی عمر ایک سو پندرہ سال تھی، درست نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر ؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ ان کے والد کی عمر تھی۔ تهذيب التهذيب (١٠/ ١٣٧)

تقریب التهذیب اور إسعاف المبطا اور تهذیب التهذیب جلد دہم میں ہے:

"مات سنة أربع وستين،" انتهى. ❶ یعنی یہ ۶۴ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

اب جو ہم ایک سو پندرہ کو ۶۴ سے تفریق کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سن ہجری کے ۵۱ برس پہلے پیدا ہوئے تھے، کہیے حضرات! کیسے لینے کے دینے پڑ گئے؟ حافظ نے چونکہ ابن حذاء کے اس قول کو خود بصیغہ تمریض بیان کیا اور پھر اس پر تعاقب بھی کیا ہے، اس لئے ہم اس کو چھوڑتے ہیں اور مسور بن مخرمہ کی سن ولادت کی تحقیق اب دوسرے ذریعہ سے کرتے ہیں اور وہ بھی خود مسور کے بیان سے، جس سے معتبر اور کوئی دلیل نہیں ہوسکتی، بقول۔ ع۔

مصنف تصنیف خود را نیکو کند بیان ❷

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد دہم میں لکھتے ہیں:

"ووقع في صحيح مسلم من حديثه في خطبة علي لابنة أبي جهل، قال المسور: سمعت النبيﷺ وأنا محتلم، يخطب الناس...... فذكر الحديث،" انتهى. ❸

"یعنی صحیح مسلم میں ان کی حدیث جو حضرت علی کے ابوجہل کی بیٹی سے پیغام نکاح دینے کے واقعہ میں ہے، اس حدیث میں مسور کہتے ہیں: میں نے آں حضرت ﷺ کو خطبہ پڑھتے سنا، حالانکہ میں اس وقت محتلم اور بالغ تھا۔ (دیکھو: مسلم، جلد ثانی: ۲۹۰)

148

اور خطبہ کا یہ واقعہ آخر ۸ھ یا اول ۹ھ کا ہے، غرض فتح مکہ کے بعد ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ہے:

"وكانت هذه الواقعة بعد فتح مكة". ❹ (۴/ ۲۹۳)

اور محدثین کے نزدیک مدت بلوغت ۱۵ برس ہے، جیسا کہ صحیحین کی ابن عمر والی حدیث سے سمجھا جاتا ہے:

"قال عرضت على رسول اللهﷺ عام أحد، وأنا أربع عشرة سنة، فردني، ثم عرضت عليه عام الخندق، وأنا ابن خمس عشرة سنة، فأجازني." ❺

"یعنی ابن عمر کہتے ہیں: میں احد کی لڑائی کے لیے آنحضرت ﷺ پر چودہ برس کی عمر میں پیش کیا گیا،

---

❶ تهذيب التهذيب (۱۰/ ۱۳۷) تقريب التهذيب (ص:۵۳۲) إسعاف المبطا للسيوطي (ص: ۱۰۰)

❷ مصنف نے اپنی تصنیف کا مدعا خود بیان کر دیا۔

❸ تهذيب التهذيب (۱۰/ ۱۳۷) الإصابة في تمييز الصحابة (۶/۱۱۹) نیز دیکھیں: صحيح مسلم، برقم (۲۴۴۹)

❹ فتح الباري (۷/۸۶)

❺ صحيح البخاري: كتاب الشهادات، باب بلوغ الصبيان و شهادتهم، رقم الحديث (۲۵۲۱) صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب بيان سن البلوغ، رقم الحديث (۱۸۶۸) اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد نافع ؒ فرماتے ہیں: "فقدمت على عمر بن عبدالعزيز وهو يومئذ خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، فكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن كان ابن خمس عشره سنة، ومن كان دون ذلك فاجعلوه في العيال."

آپ نے مجھے لوٹا دیا، پھر خندق کی لڑائی کے لیے پندرہ برس کی عمر میں پیش کیا گیا، تو مجھے اجازت ملی۔“

معلوم ہوا کہ بلوغ کی عمر ۱۵ برس ہے، چنانچہ ”شرح السنة“ میں ہے:

” قالوا: إذا استكمل الغلام خمس عشرة سنة، كان بالغا، وبه قال الشافعي وأحمد وغيرهما“. (مرقاة، ج: ۳) ❶

”یعنی لڑکا پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوتا ہے۔

اور مسور بن مخرمہ ۸ھ والے واقعہ خطبہ کے وقت اپنا بالغ ہونا بیان کرتے ہیں، اس وقت اگر ان کی عمر پندرہ برس مانی جائے، تو بھی سن ہجری سے ان کا سات برس پہلے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اگر مدت بلوغ اٹھارہ برس قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق لی جائے جیسا کہ قدوری اور ہدایہ میں ہے:

” وبلوغ الغلام حتى يتم له ثماني عشرة سنة عند أبي حنيفة رحمه الله “. ❷

”یعنی لڑکا اٹھارہ برس کی عمر میں بالغ ہوتا ہے، تو مسور کی عمر اس وقت میں اٹھارہ برس ماننا ہوگی، جس سے سن ہجری کے دس برس پہلے ان کا پیدا ہونا ثابت ہوگا۔ غرض بہر حال ان کا سن ہجری کے پہلے پیدا ہونا أظهر من الشمس وأبين من الأمس ہے، اسی واسطے حافظ ابن حجر ”الإصابة في تمييز الصحابة (ص: ۳۰۶) میں لکھتے ہیں:

” ووقع في بعض طرقه عند مسلم: سمعت النبي ﷺ وأنا محتلم، وهذا يدل على أنه ولد قبل الهجرة “. (۳/ ۸۵۷) ❸

”یعنی صحیح مسلم کے بعض طرق میں وارد ہے، مسور کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا اور اس وقت میں بالغ تھا۔

یہ صاف بتلاتا ہے کہ مسور ہجرت کے قبل پیدا ہوئے تھے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مسور بن مخرمہ ۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، جیسے کہ علامہ ابن طاہر وصاحب اسد الغابہ وغیرہ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کا ان لفظوں میں رد کرتے ہیں:

” قال ابن طاهر: ولد المسور بن مخرمة بعد الهجرة بسنتين... إلى قوله: وهو مردود والخلاف ثابت“. (إصابه : ۳/ ۹۸۱) ❹

---

❶ مرقاه المفاتيح (۱۰/ ۳۷۲)

❷ الهداية شرح البداية (۲۸٤/۳)

❸ الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر (۱۱۹/٦)

❹ الإصابة في تمييز الصحابة (۲۵۷/٦) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات مروان بن الحکم کی بابت لکھی ہے، مسور بن مخرمہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”أطبقوا على أنه ولد بعد الهجرة، وقد تأول بعضهم أن قوله: ”محتلم“ من الحِلم بالكسر لا من الحلم بالضم، يريد أنه كان عاقلاً ضابطا لما يتحمله “ نیز صحیح مسلم والی حدیث کی توجیہ اور مسور کی پیدائش کے متعلق ←

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی ابن طاہر نے جو کہا ہے کہ مسور بن مخرمہ ۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، یہ بات بالکل مردود (غلط) اور اس کا خلاف ثابت ہے۔''

اور وہ خلاف وہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی ولادت سن ہجری کے قبل ہے وهو المطلوب، اور یہ مسور بن مخرمہ چونکہ مکہ میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے کوئی یہ گمان نہ کر لے کہ ان کو رسول اللہ سے لقا نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے معترض صاحب نے مروان کے بارے میں گمان کیا ہے، جیسا کہ بعد میں آ رہا ہے، بلکہ مسلم والی روایت مذکورہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے صحبت تھی، تقریب التہذیب میں ہے: "له ولأبيه صحبة" اور
تہذیب التہذیب جلد دہم میں ہے: "روى عن النبي ﷺ" اور إسعاف المبطا للسيوطي میں ہے: 149
"له ولأبيه صحبة" ❶ خلاصہ یہ کہ مسور اور مخرمہ دونوں کو رسول اللہ ﷺ سے صحبت حاصل ہے، فالحمدللہ کہ میرا مطلب بہر طور ثابت ہے اور آپ کا غلط بدیہی البطلان!

پس آپ کا اگلا قول کیسا بے تحقیق ہے؟ جس کو یوں آپ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ ہر گاہ کے انتقال رسول اللہ کے وقت ان کی عمر آٹھ برس کی تھی، تو کیونکر اس امر پر وثوق کامل ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ کے حالات اور اقوال ان کو ٹھیک ٹھیک خیال تھے؟ کس واسطے کہ یہ عمر بالکل طفولیت کا زمانہ ہے اور اس عمر میں کسی کے حالات اور اقوال وغیرہ کا ٹھیک ٹھیک خیال رکھنا مشکل ہے اور اگرچہ بخاری میں جابجا ان کے ساتھ ایک اور راوی بھی روایت کرتے ہیں، یعنی مروان بن حکم، لیکن اس کی عمر بھی انتقال رسول اللہ کے وقت آٹھ برس کی تھی، جیسا کہ نیچے لکھا جاتا ہے، پس ان کا ساتھ ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔''

میری گزارش اس پر یہ ہے کہ اوپر بالتفصیل ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت علی کے خِطبہ والے واقعہ میں، جو ۸ھ ہجری میں ہوا ہے، اس وقت مسور کی عمر بقاعدہ بلوغ عند المحدثین اٹھارہ برس کی ہوگی اور تمھارے امام صاحب کے قاعدہ مقررہ کے مطابق ان کی عمر بوقت انتقال رسول اللہ ﷺ ۲۱ برس کی ہوگی، تو کونسا ایسا عقلمند ہوگا جس کو اس امر پر وثوق کامل نہ ہوگا کہ اتنا بڑا جوان شخص بھی رسول اللہ ﷺ کے عمر کے اقوال و افعال کو ٹھیک طور پر یاد نہیں رکھ سکتا؟ چہ جائیکہ محدثین کے نزدیک چار پانچ برس کی عمر کے بچہ کی روایت مقبول ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں

← فرماتے ہیں: "الحديث...... مشكل المأخذ، لأن المؤرخين لم يختلفوا أن مولده كان بعد الهجرة، وقصة خِطبة علي كانت بعد مولد المسور بنحو من ست سنين أو سبع سنين، فكيف يسمىٰ محتلما؟ فيحتمل أنه أراد الاحتلام اللغوي وهو العقل، والله تعالىٰ أعلم" (الإصابة: ۱۱۹/۶، تهذيب التهذيب ۱۰/ ۱۳۷)

❶ تهذيب التهذيب (۱۰/ ۱۳۷) تقريب التهذيب (ص: ۵۳۲) إسعاف المبطا للسيوطي (ص: ۱۰۰)

باب منعقد کیا ہے: " باب متى يصح سماع الصغير" یعنی چھوٹے بچے کا سماع کب صحیح ہوسکتا ہے؟ اور معرض استدلال میں محمود بن الربیع کی حدیث لائے ہیں:

" قال: عقلت من النبي ﷺ مجة، مجها في وجهي، وأنا ابن خمس سنين من دلو"[1]

یعنی محمود کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی کلی، جو آپ نے میرے منہ میں میرے پانچ برس کی عمر میں کی تھی، یاد ہے۔

معلوم ہوا کہ پانچ برس کے لڑکے کی روایت صحیح ہے، بلکہ بعض روایت میں ہے کہ محمود بن الربیع اس وقت چار ہی برس کے تھے، چنانچہ حافظ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

" في بعض الروايات: أنه كان ابن أربع ".[2] ''یعنی وہ چار ہی برس کے تھے۔''

پس بغرض تسلیم اگر اس بات کے ہم قائل ہوجائیں کہ مسور اور مروان کی عمر رسول اللہ ﷺ کے بوقت انتقال آٹھ ہی برس کی تھی، تو بھی ہمارے لئے مضر نہیں، کیونکہ جب چار یا پانچ برس کا لڑکا رسول اللہ ﷺ کا صحیح واقعہ یاد رکھتا ہے، تو آٹھ برس والا تو بدرجہ اولیٰ یاد رکھے گا، یہ ہیں وجوہات امام بخاری کے ان سے روایت لینے کی۔

کہیے! اب سمجھے یا نہیں؟ ورنہ اس کی بحث میرے رسالہ الريح العقيم (ص: ٤٨، ٥٠) میں ملاحظہ فرمائیے، آگے چلئے، ہاں ذرا ''ماء حمیم'' کا بھی (ص: ۱۱، ۱۲) دیکھ لیجئے گا۔[3]

150 **قوله:** (١٢٢) **مروان بن حكم بن أبي العاص بن أمية:** اول تو ان کی عمر وقت انتقال رسول اللہ ﷺ کے آٹھ برس کی تھی اور اس عمر میں کسی کے حالات اور اقوال کا خیال رکھنا مشکل ہے اور اس پر انھوں نے رسول اللہ کو دیکھا نہیں تھا، کس واسطے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے حکم کو نکال دیا تھا، اس وجہ سے یہ بہت ہی بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ طائف چلے گئے تھے اور برابر وہیں رہے، جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے، تو ان دونوں کو مدینہ بلوا لیا، جیسا کہ کتاب "أسد الغابه" اور کتاب "شرح أسماء رجال الصحيحين" مذکور میں لکھا ہے:

---

[1] صحيح البخاري: كتاب العلم، باب متى يصح سماع الصغير، رقم الحديث (٧٧)

[2] فتح الباري (١/ ٧٣) لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پہلے قول ہی کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "والأول أولىٰ بالاعتماد لصحة إسناده"

[3] ائمہ محدثین کے نزدیک سماع حدیث کے لیے کوئی متعین عمر نہیں، بلکہ فہم و تمییز اور استفادہ کی اہلیت معتبر ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إذا عقل ما يسمع" بعد ازاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " وهذا هو المعتمد " (فتح الباری: ١/ ١٧١) اس لیے مسور بن مخرمہ کی عمر بوقت وفات نبوی جو بھی ہو، جب وہ خود صراحت کرتے ہیں کہ میں بالغ تھا، تو ان کی روایت پر کسی قسم کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

" ولد سنة اثنتين من الهجرة، ولم ير النبيﷺ، لأنه خرج إلى الطائف طفلا لا يعقل لما نفى النبيﷺ أباه الحكم، وكان مع أبيه بالطائف، حتى استخلف عثمان، فردهما، توفي النبيﷺ وهو ابن ثماني سنين."

''یہ دو ہجری میں پیدا ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ کو نہیں دیکھا تھا، کس واسطے کہ یہ بہت ہی بچپن میں طائف چلے گئے تھے، بوجہ اس کے کہ رسول اللہ نے ان کے باپ حکم کو نکال دیا تھا اور یہ اپنے باپ کے ساتھ طائف میں رہے، یہاں تک کہ جب حضرت عثمان ♦ خلیفہ ہوئے تو ان دونوں کو بلوا لیا۔''

أقول: اس ساری تحریر کا خلاصہ تین نقطوں میں ہے:

۱۔ ایک یہ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

۲۔ دوسرے ان کی پیدائش ۲ھ کی ہے۔

۳۔ تیسرے بوقت انتقال رسول اللہ ﷺ یہ آٹھ برس کے تھے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کے کل اقوال و افعال کا ان کو یاد رکھنا مشکل ہے۔

اب اسی ترتیب سے جواب سنیے:

۱۔ مروان صحابی ہے، اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے، اس کی رؤیت ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

"له رؤية "[1] یعنی اس کا آنحضرت ﷺ کو دیکھنا متحقق ہے۔

اس لیے اور بھی تفصیل سے سنیں، تاریخ خمیس میں ہے:

" وفي دول الإسلام: وكان مروان قد لحق النبيﷺ وهو صبي".[2] (۲/ ۳۰۷)

یعنی مروان نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہے، جس وقت وہ صبی تھا۔

اب آپ کو بتلا دیں کہ ''صبي'' کس کو کہتے ہیں؟ کلام عرب میں بولتے ہیں:

''ظل الصبي بالغاً'' (شرح مائة)[4] یعنی لڑکا جب تک بالغ نہ ہو، صبی رہتا ہے۔

جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات بلوغت کے قریب ہوئی تھی، جیسا کہ آگے ان کی پیدائش و عمر کی تحقیق میں متحقق ہوگا۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

۲۔ مروان کی پیدائش ۲ھ میں ہرگز نہیں ہوئی، بلکہ جس نے ان کی پیدائش ۲ھ میں لکھا ہے، اس نے بصیغہ

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٤٣)

[2] حياة الحيوان (١/ ٥٩)

[3] شرح مائة عامل (ص:٤١)

مجہول لکھا ہے، حافظ ابن حجر نے اِصابہ (۲۰۲۸) میں بھی یوں ہی لکھا ہے:

"یقال: بعد الهجرة بسنتين". ❶ ''یعنی کہا جاتا ہے کہ مروان ۲ھ میں پیدا ہوا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اسی لیے تو حافظ ابن حجر نے بصیغہ تمریض "یقال" (فعل مجہول) کے ساتھ اس کو لکھا ہے، جس کا ضعیف ہونا مسلّم ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر خود اس کا آگے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

151 " قال ابن طاهر: ولد مر وان بعد الهجرة بسنتين... إلى قوله: وهو مردود، والخلاف ثابت" انتهى. (اصابه : ۳/ ۹۸) ❷

''یعنی ابن طاہر نے جو یہ کہا ہے کہ مروان کی پیدائش ۲ھ میں ہوئی تھی، یہ بالکل غلط ہے اور اس کا خلاف ثابت ہے۔''

لیجئے صاحب! سن لیا؟ آیئے اب ہم آپ کو بتلا دیں کہ اس کے خلاف کیا ثابت ہے؟ تاریخ خمیس میں ہے:

"مات بدمشق سنة خمس وستين، وهو ابن ثلاث وسبعين سنة، كذا في المختصر".

(خمیس: ۲/ ۳۰۸)

''یعنی مروان نے دمشق میں ۶۵ھ میں وفات پائی ہے اور ان کی عمر تہتر (۷۳) برس کی تھی۔''

اب تہتر سے پچیس (۲۵) کو تفریق کیجئے، تو سن ہجری سے آٹھ برس پہلے ان کا پیدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کہیے! کس کا قول عدم تحقیق پر مبنی تھا؟ اب اس سے بھی بڑھ کر سنئے اور اپنے دل سے غفلت کا پردہ اٹھایئے:

حیاۃ الحیوان میں ہے:

" توفي مروان في سنة خمس وستين، وكان عمره ثلاثا وثمانين، " انتهى . ❸

''یعنی مروان ۶۵ ہجری میں فوت ہوا ہے اور اس کی عمر ۸۳ سال کی تھی۔

جس سے ثابت ہوا کہ مروان سنہ ہجری سے اٹھارہ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔

آیئے ہم آپ کو اس سے زیادہ معتبر قول سنا دیں، امام بخاری علیہ الرحمۃ (جو اپنی صحیح میں مروان کی روایت لائے ہیں، جس پر آپ کو اعتراض ہے) اپنی تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں:

" مات مروان سنة ثلاث وستين، وهو ابن إحدى وثمانين". (تاريخ صغير بخاری: ٦٣) ❹

''یعنی مروان نے ۶۳ ہجری میں رحلت کی ہے اور ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی۔''

---

❶ الإصابة في تمييز الصحابة (٦/ ٢٥٧)

❷ الإصابة في تمييز الصحابة (٦/ ٢٥٧)

❸ حياة الحيوان للدميرى (١/ ٥٩) خلافة مروان بن الحكم.

❹ التاريخ الصغير للبخاري (١/ ١٥٠)

جس سے یہی ثابت ہوا کہ مروان سنہ ہجری سے اٹھارہ برس پہلے پیدا ہوئے تھے اور جب مروان کی پیدائش کے متعلق خود امام بخاری کی یہ تحقیق ہے کہ ان کی پیدائش سنہ ہجری سے اٹھارہ سال قبل ہے، تو پھر وہ ان کی حدیث لانے سے کیوں رکیں گے؟ خصوصاً اس وقت کہ امام بخاری کی اس تحقیق پر صاحب "حياة الحيوان " کا بھی صاد ہے۔ نیز اس سے ثابت ہوا کہ مروان رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت (جو سنہ ۱۱ ہجری میں ہوا تھا) انتیس (۲۹) برس کے تھے، اٹھارہ کو گیارہ سے جمع کر کے دیکھ لیں، پھر کونسا ایسا ذی عقل ہے، جو اتنی عمر کے جوان شخص کی نسبت یہ شک کرے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کا یاد رکھنا مشکل ہے؟ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ!!

بالفرض والتقدیر اگر ہم یہ مان لیں کہ مروان ۲ ہجری میں پیدا ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت وہ آٹھ ہی برس کا تھا، تو بھی ہمارے لئے مضر نہیں، اس لیے کہ اوپر ہم بالتفصیل لکھ آئے ہیں کہ محدثین خصوصاً امام بخاری کے نزدیک چار پانچ برس کے لڑکے کی روایت اور سماع مقبول ہے، لہٰذا اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مروان کی رسول اللہ ﷺ سے لقاء نہیں ہے اور کسی دلیل سے ثابت کر دے، (حالانکہ اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ ان کو آنحضرت ﷺ سے رؤیت ہے) تو ہم یہ جواب دیں گے کہ مروان کی روایت آنحضرت ﷺ سے بالإرسال ہے، یعنی یہ روایت من قبیل مراسیل الصحابہ ہوگی، چنانچہ بعض طرق میں ان کا ارسال ثابت ہے، حافظ ابن حجر اِصابہ میں مروان اور مسور دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وفي بعض طرقه عنده: أنهما رويا ذلك عن بعض الصحابة، وفي أكثرها أرسلا الحديث" انتهى. (۳/ ۹۸۱) ❶ 152

"یعنی بخاری کے بعض طرق میں ہے کہ مروان اور مسور نے اس حدیث کو بواسطہ بعض صحابہ روایت کیا ہے اور اکثر میں ان دونوں نے ارسال کیا ہے۔"

اور مراسیل صحابہ بالاتفاق حجت ہے۔ بين المحدثين والمالكية والأحناف والشوافع والحنابلة، جیسا کہ تدريب الراوي اور فتح المغيث وغیرہ کتب اصول حدیث میں مصرح ہے۔ ❷

لہٰذا بہر صورت ہمارے ہی مفید ہے، اس امر کی باقی بحث میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ٤٦۔٤٨) اور "ماء حميم" (ص: ١١، ١٢) میں ملاحظہ فرمائیے۔

باقی آپ نے ان کے متعلق جو دوسری بحث رقم فرمائی ہے، اب ہم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

"دوئم: یہ کہ کتب تواریخ و احادیث اور اقوال محدثین سے بھی ان کے جو حالات ظاہر ہوتے ہیں، اس سے یہ امر

---

❶ الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر (٦/ ٢٥٨)

❷ تدريب الراوي (١/ ١٩٧) فتح المغيث (١/ ١٥٤)

ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس قابل نہ تھے کہ ان سے حدیثوں کی روایت کی جاتی، جیسا کہ ماہرین فن تاریخ اور حدیث پر ظاہر ہے، ہم بخوف طوالت ان کے پورے حالات یہاں نہیں لکھ سکتے، صرف ان کا ایک واقعہ جو اسی بخاری کی ایک حدیث میں مذکور ہے اور ایک قول شاہ عبدالعزیز دہلوی کا یہاں پر نقل کرتے ہیں کہ جس سے ناظرین کو ان کی وقعت کا کسی قدر اندازہ ہو سکے، بخاری کی حدیث یہ ہے:

" كان مروان على الحجاز، استعمله معاوية، فخطب، وجعل يذكر يزيد بن معاوية، لكي يبايع له بعد أبيه، فقال له عبد الرحمن بن أبي بكر شيئاً، فقال: خذوه، فدخل في بيت عائشة، فلم يقدروا ".

''مروان حجاز میں امیر معاویہ کی طرف سے عامل تھے، پس انھوں نے خطبہ پڑھا اور یزید بن معاویہ کا یہ ذکر شروع کیا کہ لوگ امیر معاویہ کے بعد یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں، پس عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے ان کو کچھ کہا، پس مروان نے کہا کہ ان کو پکڑو، پس عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کے مکان میں گھس گئے اور اس وجہ سے لوگ ان کو پکڑ نہ سکے۔''

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا قول جو رسالہ مسمی بہ "جواب سوالات عشره شاه بخارا" (ص: ١٩٥) میں مذکور ہے، یہ ہے:

''مروان علیہ اللعنۃ رائد گفتن وبدل از د بیزار بودن، خصوصاً در سلوکے کہ حضرت امام حسین واہل بیت می نمود و عداوت مستقرہ ازاں بزرگواراں دردل داشت از لوازم سنت ومحبت اہل بیت است کہ از جملہ فرائض ایمان است''[1]

اس پر میری گزارش یہ ہے کہ آپ کی اتنی بڑی لمبی ساری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ مروان اخذ روایت کے قابل نہیں ہے، اس پر آپ کی دونوں دلیلیں خیریت سے آپ کے موافق نہیں، صحیح بخاری والی حدیث امور سیاسی اور انتظام سلطنت کے متعلق ہے، یا یوں کہیے کہ اس میں پولیٹیکل معاملات کا بیان ہے، جس کو اس امر سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ مروان اس قابل تھا کہ اس سے روایت لی جائے یا نہیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ '' زمین گول ہے، اس لیے کہ چاول سفید ہے'' باقی رہا جناب شاہ صاحب کا قول، تو یہ ان کی ذاتی رائے اور اپنا خیال ہے، ممکن ہے کہ غلط ہو یا کسی اور اعتبار سے صحیح ہو، ورنہ مروان میں اس بات کی صلاحیت ہے کہ اس سے روایت لیجائے کیونکہ وہ بڑا فقیہہ اور علم والا تھا، تاریخ خمیس میں ہے: 153

[1] مروان دل میں خصوصاً حضرت امام حسین اور اہل بیت کے رویے پر بے زاری اور عداوت رکھتا تھا کہ جن کی محبت جملہ فرائض ایمان سے ہے۔

" وكان مروان فقيها عالما أديبا" یعنی مروان فقیہ اور عالم اور ادیب تھا۔ ❶

اب ہمارے قول کہ مروان قابل اخذ ہے، کا ثبوت اس سے بھی صاف لفظوں میں گوش گزار فرمایئے۔

حافظ ابن حجر ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" قال عروة بن الزبير: كان مروان لا يتهم في الحديث، وقد روى عنه سهل بن سعد الساعدي الصحابي اعتمادا علىٰ صدقه، وقد اعتمد مالك علىٰ حديثه ورأيه، والباقون سوى مسلم، " انتهى. ❷

''عروہ بن زبیر نے کہا ہے کہ مروان حدیث میں غیر متہم ہیں اور مروان سے سہل بن سعد ساعدی ♦ صحابی نے ان کے صدق پر اعتماد و بھروسہ کر کے ان سے روایت کیا ہے اور امام مالک نے ان کی حدیث اور رائے پر اعتماد کیا ہے اور سوا مسلم کے سب محدثین نے ان پر اعتماد کر کے ان سے روایت لی ہے۔''

کہیے! سمجھ گئے یا کچھ کسر ہے؟ معلوم ہوا کہ مروان اس قابل ضرور ہیں کہ ان سے روایت لی جائے، وهوالمطلوب۔ آگے چلئے:

قوله: (۱۲۳) **مجاهد بن جبر المقرئ:** قال النباتي: ذكر مجاهد في كتاب الضعفاء لابن حبان البستي .

''نباتی نے کہا کہ ابن حبان بستی کی کتاب الضعفاء میں مجاہد کا ذکر کیا گیا ہے۔'' از میزان الاعتدال۔

أقول: مجاہد امام المفسرین پر یہ آپ کی افترا ہے، مجاہد کے قابل حجت ہونے میں محدثین کا اجماع ہے، افسوس کہ آپ نے یہاں کھلا سرقہ کیا ہے اور میزان کی پوری عبارت ہضم کر گئے، اے جناب! علامہ ذہبی نے تو اس قول کو نقل کر کے خود جواب دیا ہے، چنانچہ جواب کی عبارت تو آپ نے چھپا لی اور صرف اعتراض کو نقل کر دیا، إلی الله المشتکی! ہم میزان کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، جس سے آپ کے اعتراض کا جواب اور آپ کے سرقہ کا حال ظاہر ہوگا، علامہ ذہبی میزان میں یوں رقم طراز ہیں:

" قال النباتي: ذكر مجاهد في كتاب الضعفاء لابن حبان البستي، ولم يذكره أحد ممن ألف في الضعفاء، ومجاهد ثقة بلا مدافعة، " انتهى. ❸

''یعنی نباتی نے یہ کہا ہے کہ مجاہد کا ذکر جو ابن حبان کے کتاب الضعفاء میں ہے، (یہ درست نہیں کیونکہ)

---

❶ حافظ ذہبی ؒ نقل کرتے ہیں:"قال معاوية: وأما القارئ الفقيه الشديد في حدود الله: مروان " نیز امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں:"كان مروان يتتبع قضاء عمر " (سير أعلام النبلاء: ٥/ ٤٧٦)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٣)

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٤٣٩)

جن لوگوں نے ضعفاء کے بیان میں کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں کہیں مجاہد کا پتہ نہیں (بلکہ) مجاہد بلا اختلاف ثقہ ہے۔"

اب کہئے!

خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

اب ان کی مزید توثیق بھی گوش گزار فرمائیے: تقریب التھذیب میں ہے:

" ثقة إمام في التفسير وفي العلم "❶ یعنی مجاہد ثقہ ہیں، علم اور تفسیر میں امام ہیں۔

علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

" وثقه ابن معين وأبو زرعة، قال ابن حبان: مات وهو ساجد، " انتهى. ❷

"یعنی ان کو یحیٰ بن معین اور ابوزرعہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے کہا (یہ ایسے پرہیز گار تھے) کہ سجدہ کی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔" (إنا للہ...!)

اور میزان الاعتدال میں ہے:

" وأجمعت الأمة على إمامة مجاهد والاحتجاج به، " انتهى. ❸

"یعنی تمام امت نے مجاہد کے امام فن اور قابل احتجاج ہونے پر اجماع کیا ہے۔"

حافظ ابن حجر تھذیب التھذیب جلد عاشر میں لکھتے ہیں:

" قال ابن معين وأبوزرعة: ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة فقيها عالما كثير الحديث، وقال العجلي: مكي تابعي ثقة، وقال الذهبي فى آخر ترجمته: أجمعت الأمة على إمامة مجاهد والاحتجاج به، " انتهى. ❹ 154

"یعنی مجاہد کو ابن معین اور ابوزرعہ نے ثقہ کہا ہے اور محمد بن سعد نے کہا کہا مجاہد ثقہ فقیہہ عالم بہت حدیث والے تھے اور عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ذہبی نے کہا کہ مجاہد کے امام و قابل حجت ہونے پر امت کا اجماع ہے۔" فافهم! آگے چلئے:

قوله: (١٢٤) **محارب بن دثار:** قال ابن سعد: لا يحتجون به، كان ممن يرجع عليا وعثمان ولا يشهد عليها بإيمان ولا كفر.

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٥٢٠)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٦٩)

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٤٤٠)

❹ تهذيب التهذيب (١٠/ ٣٩)

''ابن سعد نے کہا کہ لوگ ان سے حجت نہیں پکڑتے ہیں اور یہ ان لوگوں میں تھے کہ جو علی ♦ اور عثمان ♦ کو مرجیہ جانتے تھے اور نہ ان دونوں کے ایمان پر گواہی دیتے تھے اور نہ ان کو کافر کہتے تھے۔'' ایضاً

أقول: درحقیقت محارب بن دثار کا یہ عقیدہ نہ تھا، بلکہ ابن سعد کے اس قول کی اصل وجہ میں آپ کو بتاتا ہوں، (خفا نہ ہو جائیے گا!) محارب بن دثار کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور مدینہ والے عراق والوں کو (جن میں سے کوفہ بھی ہے) سخت دشمن اور ان کو بہت برا سمجھتے تھے اور چونکہ عراق والوں میں اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی ♦ وحضرت عثمان ♦ مرجیہ ہیں، نہ مومن نہ کافر، اس لیے مدینہ والے کل عراق والوں کو (بہ لحاظ للأكثر حكم الكل) ایسا ہی سمجھتے تھے، بلکہ کسی دوسرے ملک کا جو شخص عراق میں جا بستا، اس پر بھی یہی فتویٰ لگ جاتا، پس حقیقت میں محارب بن دثار کی طرف اس عقیدہ بد کے انتساب کی یہ وجہ ہے، اس کو خوب یاد رکھیں، حافظ ابن حجر ہدی الساري میں ان ساری باتوں کا مختصر فوٹو یوں دیتے ہیں:

" ولكن ابن سعد يقلد الواقدي، والواقدي على طريقة أهل المدينة في الانحراف على أهل العراق، فاعلم ذلك ترشد إن شاء الله تعالى، " انتهى. [1]

''یعنی محمد بن سعد نے (محارب کی طرف اس عقیدہ کے انتساب میں) واقدی کی تقلید کی ہے اور واقدی مدینہ والوں کے طریق پر ہیں، جو عراقیوں سے بہت بیزار رہتے ہیں، اس سے آگاہ رہنا تم کو فائدہ ہوگا، إن شاء اللہ۔''

کہیے جناب! جرح کی مختصر وجہ سمجھ گئے! یوں سنئے: الكوفي لا يوفي!

آئیے اب ہم آپ کو کھلے لفظوں میں ان کی ثقاہت سنادیں، تقریب میں ہے: " ثقة إمام زاهد" اور خلاصہ میں ہے: " قال أبوزرعة: ثقة مأمون" [2] یعنی محارب ثقہ امام زاہد ہیں، ابوزرعہ نے ان کو ثقہ مامون کہا ہے۔

اور میزان الاعتدال میں ہے:

" من ثقات التابعين وأخيارهم، ولي قضاء الكوفة، وثقه غير واحد، " انتهى. [3]

''یعنی یہ ثقات تابعین میں سے ہیں اور چیدہ لوگوں میں سے ہیں، کوفہ کے قاضی ہوئے تھے، ان کو بہت لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔''

---

1. هدي الساري (ص: ٤٤٣)
2. تقريب التهذيب (ص: ٥٢١) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٩٥)
3. ميزان الاعتدال (٣/ ٤٤١) نیز حافظ ذہبی ﷫ فرماتے ہیں: " وهو حجة مطلقا "

اور ہدی الساري میں ہے:

155 " أحد الأئمة الأثبات، تابعي جليل، وثقه أحمد وابن معين وأبوحاتم والنسائي والعجلي وآخرون، قلت: احتج به الأئمة كلهم، وقال أبوزرعة: مأمون، " انتهى. ❶

''یعنی یہ ائمہ ثقات سے جلیل القدر تابعی ہیں، ان کو احمد و یحییٰ و ابوحاتم ونسائی وعجلی اور بہتوں نے ثقہ کہا ہے، میں کہتا ہوں ان سے کل ائمہ نے حجت پکڑی ہے اور ابوزرعہ نے مامون کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

" قال أحمد وابن معين وأبوزرعة وأبوحاتم و يعقوب بن سفيان والنسائى: ثقة، زاد أبوحاتم: صدوق، وزاد أبوزرعة: مأمون، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: كوفي تابعي ثقة، وقال يعقوب بن سفيان والدارقطني: ثقة، " انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی محارب بن دثار کو احمد و یحییٰ وابوزرعہ و ابوحاتم ویعقوب ونسائی نے ثقہ کہا ہے، بلکہ ابوحاتم نے ثقہ کے ساتھ صدوق اور ابوزرعہ نے ثقہ کے ساتھ مامون بھی کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور عجلی اور یعقوب بن سفیان اور دارقطنی نے بھی ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٢٥) **محبوب الحسن القرشي**: قال أبوحاتم: ليس بالقوي، وقال النسائي: ضعيف.

'' ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہے اور نسائی نے کہا کہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: ''محبوب الحسن'' لکھنا صریح غلط ہے، صحیح ''محبوب بن الحسن'' ہے اور آپ کو یہ بھی بتادوں کہ محبوب ان کا نام نہیں ہے، بلکہ ان کا نام محمد بن حسن ہے اور محبوب ان کا لقب ہے اور امام بخاری نے ان سے صرف ایک روایت اپنی صحیح میں مقترن ذکر کی ہے اور وہ روایت جو مقرون بالغیر ہو، اس پر کوئی اعتراض نہیں، جس کی تحقیق بارہا گزری۔ ہاں امام بخاری اگر ان کے ساتھ تفرد کرتے، تو اعتراض قابل جواب ہوتا، یہی وجہ ہے کہ تمام ناقدین نے متفق الرائے ہو کر لکھا ہے کہ بخاری میں ان سے روایت مقترن ہے۔

علامہ صفی الدین نے خلاصہ میں لکھا ہے: "وروى له خ فروى حديثاً مقرونا " ❸

اور ذہبی نے خود میزان میں لکھ دیا: " خرج له البخاري مقرونا بآخر " ❹

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٣)

❷ تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٥)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٣٣)

❹ ميزان الاعتدال (٣/ ٤٤٢)

اور حافظ نے ہدی الساري میں فرمایا: " له في البخاري حديث واحد مقرونا بغيره" ❶

اور تہذیب التہذیب جلد نہم میں فرمایا: " روى له البخاري مقرونا بغيره، " انتهى ❷

اصل سب کا یہ ہے کہ امام بخاری نے ان سے تفرد نہیں کیا ہے، جس پر اعتراض وارد ہو بلکہ ان سے مقترن روایت کیا ہے۔

اور مقترن بھی ان سے اس وجہ سے روایت لیا کہ ایک جم غفیر نے ان کی توثیق کی ہے۔

تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين وابن حبان" اور میزان میں ہے: "وثق، وقواه ابن معين " اور ہدی الساري میں ہے: " قال ابن معين: ليس به بأس" ❸

خلاصہ یہ کہ محبوب صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ اور لا بأس به اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

اور تہذیب التہذیب جلد تاسع میں ہے:

" قال عبد الله بن أحمد عن يحيىٰ بن معين: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى. ❹

156 " یعنی محبوب کو ابن معین نے بروایت عبداللہ بن احمد لا بأس به (ثقہ) کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، فتفکر! آگے چلیے:

قوله: (١٢٦) **محمد بن حمير سيلجى الحمصي**: قال أبوحاتم: لا يحتج به، وقال الفسوي: ليس بالقوي.

" ابوحاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے، اور فسوی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: "سيلجي" بالجیم غلط ہے، اصل میں "سليحي" بالحاء ہے، آپ نے ان کے متعلق جو جرح نقل کی ہے، وہ غیر مقبول ہے، اس لیے کہ جرح کے کوئی اسباب مبین اور مفسر نہیں ہیں، بلکہ اس میں بالکل ابہام ہے اور ایسی جرح مقبول نہیں، جس کی تفصیل تمہید میں گزر چکی ہے۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ان کی متابعت بھی ذکر کی ہے، جیسا کہ حافظ کے قول " وذكر له متابعا" (هدى الساري) ❺ سے مفہوم ہوتا ہے، جس سے مذکورہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں رہا، بلکہ واقع میں محمد بن حمیر بڑے ثقہ شخص ہیں۔

تقریب میں ہے: ' صدوق من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے: " قال دحيم: ثقة " ❻

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٣)

❷ تهذيب التهذيب (١٠٤/٩)

❸ ان تمام مصادر کی ترقیم گزر چکی ہے۔

❹ تهذيب التهذيب (٩/ ١٠٤)

❺ هدي الساري (ص: ٤٣٨)

❻ تقريب التهذيب (ص:٤٧٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٣٤)

یعنی یہ صدوق ہیں، دحیم نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" وثقه ابن معين ودحيم، وقال النسائي: ليس به بأس ". ❶

"یعنی ان کو یحییٰ اور دحیم نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن معين ودحيم، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، " انتهى. ❷

"یعنی ان کو ابن معین اور دحیم نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به کہا اور ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد نہم میں ہے:

" قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ما علمت إلا خيراً، وقال ابن معين ودحيم: ثقة، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: لا بأس به، وقال ابن قانع: صالح، " انتهى ملخصاً. ❸

"یعنی عبداللہ نے اپنے باپ احمد سے روایت کیا کہ میں نے محمد بن حمیر کی بابت سوا بھلائی کے اور کچھ نہیں جانا اور یحییٰ اور دحیم نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی حدیث لائق کتابت ہے اور ان کو نسائی نے لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور دارقطنی نے ان کو لا بأس به اور ابن قانع نے صالح الحدیث کہا ہے، فقط آگے چلئے:

قوله: (١٢٧) **محمد بن زياد بن عبد الله الزيادي**: ضعفه ابن منده.

"ان کو ابن مندہ نے ضعیف ٹھہرایا۔" ایضاً

أقول: "عبدالله الزيادي" غلط ہے، صحیح "عبيدالله الزيادي" ہے، یہ تو آپ کی نقل میں غلطیوں کا حال ہے اور جرح بھی ماشاء اللہ ایسی ہے کہ نخبہ پڑھنے والے لڑکے منہ پر رومال ڈال کر ہنستے ہیں، ایک ابن مندہ کی جرح نقل کرتے وقت آپ نے یہ نہیں سوچا کہ دیکھنے والے شاذ کہہ دیں گے تو پھر باقی ہی کیا رہے گا؟ اچھا لیجئے! میں یہ مان کر جواب دیتا ہوں کہ یہ جرح بھی بوجہ مبہم غیر مبین ہونے کے نامقبول ہے، چلئے

---

❶ ميزان الاعتدال (٣/ ٥٣٢)

❷ هدي الساري (ص: ٤٣٨)

❸ تهذيب التهذيب (٩/ ١١٧)

157 بات طے ہوگئی اور ان کا ضعف تسلیم کرنے کے باوجود بھی چنداں حرج نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے ان سے مقترن روایت کیا ہے:

خلاصہ میں ہے: "وعنه خ فروى حديثاً مقرونا" ❶

اور میزان میں ہے: "وعنه البخاري حديثاً واحدا كالمقرون بغيره" ❷

اور تہذیب جلد نہم میں ہے: "روى عنه البخاري كالمقرون" انتھی ❸

خلاصہ سب کا یہ کہ امام بخاری نے ابن زیاد سے مقترن روایت کیا ہے، یعنی بمتابعت مکی بن ابراہیم۔ ❹

لہذا آپ کا اعتراض باطل ہوگیا اور وجہ روایت یہ ہے کہ اکثر کا مذہب ان کے ثقہ ہونے کا بھی ہے، تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن حبان" اور میزان میں ہے: "قال ابن حبان في الثقات" اور ہدی الساری میں ہے: "روى عنه ابن خزيمة في الصحيح، وذكره ابن حبان في ثقاته" اور تہذیب التہذیب جلد سابع میں ہے: "ذكره ابن حبان في الثقات،" انتھی

ماحصل وملخص یہ کہ ابن زیاد صدوق ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ثقہ کہا ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے، پس امام بخاری کی بھی ان سے روایت لینے کی یہی دلیل ہے۔

زیادہ کیا چاہیے ان سے؟! آگے چلیے:

قوله: (١٢٨) **محمد بن سابق**: قال أبوحاتم: لايحتج به، روي عن ابن معين أنه ضعفه.

''ابوحاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے اور ابن معین سے یہ روایت کی گئی کہ ان کو ابن معین نے ضعیف ٹھہرایا۔'' ایضاً

أقول: آپ نے میزان سے یہ عبارت نقل کر دی، لیکن خود علامہ ذہبی کا جو فیصلہ آگے مرقوم ہے، اس کو چھپا گئے، امام ذہبی آگے ان دونوں اقوال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو ثقة عندي" ❺ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے نزدیک وہ قابل جرح نہیں بلکہ وہ ثقہ ہیں۔

جس سے آپ کی ہر دو جرح کا جواب ہوگیا، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت عبیداللہ روایت کیا ہے ❻

❶ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٣٦)
❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٥٥٨)
❸ تهذيب التهذيب (١٤٨/٩)
❹ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٣٩)
❺ ميزان الاعتدال (٥٥٥/٣)
❻ هدي الساري (ص: ٤٣٩)

اور متابعت کے متعلق تحقیق بارہا گزر چکی، لہٰذا ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، علاوہ بریں ان کو دیگر بھی بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔

تقریب میں ہے: "صدوق من كبار العاشرة "اور خلاصہ میں ہے: " وثقه العجلي ويعقوب بن شيبة "[1]

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو عجلی اور ابن شیبہ نے ثقہ کہا ہے۔

اور میزان میں ہے:

" قال يعقوب السدوسي: صدوق، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال يعقوب بن شيبة: هو ثقة، " انتهى.[2]

"یعنی یعقوب نے ان کو صدوق اور نسائی نے لا بأس به اور ابن شیبہ نے ثقہ کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه العجلي، وقواه أحمد بن حنبل، وقال يعقوب بن شيبة: كان ثقة، وقال النسائي: لا بأس به، " انتهى.[3]

"یعنی ان کو عجلی نے ثقہ اور احمد بن حنبل نے قوی اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد نہم میں ہے:

158 " قال العجلي: كوفي ثقة، وقال يعقوب بن شيبة: كان شيخا صدوقا، وقال ابن عقدة: سمعت محمد بن صالح قال: كان خيارا لا بأس به، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال أبو حاتم: يكتب حديثه، " انتهى ملتقطا.[4]

" یعنی محمد بن سابق کو عجلی نے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے شیخ صدوق اور ابن عقدہ نے بروایت محمد بن صالح برگزیدہ لا بأس به اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (١٢٩) **محمد بن سواء السدوسي**: قال الأزدي: غال في القدر.

"ازدی نے کہا کہ یہ سخت قدریہ تھے۔" ایضاً

أقول: یہاں آپ نے انھیں ازدی میاں کی جرح پیش کی ہے، جو خیریت سے خود ضعیف ہیں، چنانچہ ان کے

[1] تقريب التهذيب (ص: ٤٧٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٣٧)

[2] ميزان الاعتدال (٣/ ٥٥٥)

[3] هدي الساري (ص: ٤٣٩)

[4] تهذيب التهذيب (٩/ ١٥٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

متعلق بالتفصیل نمبر (۷۴) میں بیان ہوا، جو چاہے وہاں دیکھ سکتا ہے، بالفعل میں آپ کی توجہ اسی نمبر (۷۴) کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ملاحظہ فرمائیں کہ جب ازدی خود ضعیف ہے، تو کسی کے حق میں اس کی جرح کب حیز قبول میں آ سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کی اس جرح کو آپ کو واپس دیتا ہوں۔ علاوہ بریں امام بخاری نے جو روایت محمد بن سواء سے لی ہے، وہ مقرون بیزید بن زریع ہے ❶ اور مقترن روایت کا حکم بارہا اوپر گزرا، علاوہ بریں امام بخاری کے ان سے روایت لینے کی وجہ یہ ہے کہ بعض کے نزدیک یہ ثقہ ہیں، ملاحظہ ہو:

تقریب میں ہے: " صدوق من التاسعة "اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن حبان "اور میزان میں ہے: "أحد الثقات المعروفين " اور ہدی الساری میں ہے: " قواه يزيد بن زريع وغيره" ❷

خلاصہ سب کا یہ کہ محمد بن سواء صدوق ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ذہبی نے مشہور ثقات سے کہا ہے اور یزید بن زریع وغیرہ نے ان کو قوی کہا ہے۔

حافظ تہذیب التہذیب جلد تاسع میں لکھتے ہیں:

" ذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن شاهين في الثقات، وكان يزيد بن زريع يقول: عليكم به وهو صدوق، " انتهى. ❸

''یعنی ابن سواء کو ابن حبان نے ثقات میں اور ابن شاہین نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور یزید بن زریع کہتے ہیں کہ محمد بن سواء کو لازم پکڑو، وہ بہت سچے ہیں۔'' آگے چلیے:

قوله: (۱۳۰) **محمد بن الصلت (أسدي)**: قال بعضهم: فيه لين .

''بعضوں نے کہا ہے کہ ان میں ضعف ہے۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بچند وجوہ مقبول نہیں:

اول: یہ کہ یہ جرح مجہول مطلق ہے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ بعض جارحین کون لوگ ہیں؟ جن پر عقل صحیح فیصلہ کر سکے اور ایسی جرح مقبول نہیں، ملاحظہ ہو: تمہید (کتاب کے آغاز میں)

دوم: محمد بن صلت میں جو جرح " فيه لين" کی گئی ہے، وہ ایسی جرح ہے جس کو محدثین ہی جانتے ہیں، کیونکہ یہ جرح غیر مفسر ہے، جو غیر مقبول ہے، جس کی تفصیل تمہید کتاب میں گزر چکی ہے۔

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٩) اس کی روایات اور متابعات کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، جسے محولہ صفحہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

❷ ميزان الاعتدال (٥٧٦/٣) هدي الساري (ص:٤٣٩) تقريب التهذيب (ص: ٤٨٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٠)

❸ تهذيب التهذيب (١٨٥/٩) مزید برآں أزدی نے بذات خود بھی ان کو صدوق ہی کہا ہے: "قال الأزدي في الضعفاء: كان يغلو في القدر وهو صدوق "

سوم: اس کو سرے سے جرح ہی نہیں کہہ سکتے۔ کما لا یخفی علی ماهر الأصول ❶

پس آپ بگوش ہوش متوجہ ہو کر ان کی توثیق سنیں:

تقریب میں ہے: "ثقة من كبار العاشرة "اور خلاصہ میں ہے: " أبوزرعة وأبوحاتم وثقاه " ❷

یعنی محمد بن صلت ثقہ ہیں، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

اور میزان الاعتدال میں ہے:

159 "وثقه أبوحاتم، وقال محمد بن عبد الله بن نمير: هو ثقة". ❸

''یعنی ان کو ابوحاتم وابن نمیر نے ثقہ کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

"وثقه أبوزرعة وأبوحاتم وابن نمير." ''یعنی ابوزرعہ اور ابوحاتم اور ابن نمیر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

اور تہذیب التہذیب جلد نہم میں ہے:

" قال محمد بن عبد الله بن نمير: ثقة، وقال أبو زرعة وأبوحاتم: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى. ❹

''یعنی محمد بن صلت کو ابن نمیر و ابوزرعہ وابوحاتم نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

آگے چلیے:

قوله: (١٣١) **محمد بن طلحة بن مصرف:** قال النسائي: ليس بالقوي، وقال عبد الله بن أحمد: سمعت يحيىٰ بن معين يقول: ثلاثة يتقى حديثهم: محمد بن طلحة بن مصرف وأيوب بن عتبة وفليح بن سليمان، فقلت ليحيىٰ: ممن سمعت هذا؟ قال: من أبي كامل مظفر بن مدرك .

''نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہیں، عبداللہ بن احمد نے کہا کہ سنا میں نے یحیٰ بن معین کو کہ کہتے ہیں کہ تین

---

❶ کیونکہ "لين الحديث" یا "فيه لين" جرح کا سب سے ہلکا اور اولین درجہ ہے، مراتبِ جرح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان الفاظ کی بابت امام ابن أبی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وإذا أجابوا في الرجل بليّن الحديث، فهو ممن يكتب حديثه وينظر فيه اعتبارا " اسی طرح امام ذہبی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی رحمہم اللہ نے اسے جرح کا ہلکا اور اولین درجہ قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الجرح والتعديل (٣٧/٢) ميزان الاعتدال (١/ ٤) شرح التبصرة والتذكرة (٢/ ١١) تقريب التهذيب (ص: ٧٤) ضوابط الجرح والتعديل (١٦١)

❷ تقريب التهذيب (ص:٤٨٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٢)

❸ ميزان الاعتدال (٣/ ٥٨٥)

❹ تهذيب التهذيب (٩/ ٢٠٦)

شخصوں کی حدیث سے بچنا چاہیے، محمد بن طلحہ بن مصرف اور ایوب بن عتبہ اور فلیح بن سلیمان، پس کہا میں نے یحییٰ کو کہ یہ تم نے کس سے سنا؟ انھوں نے کہا کہ ابوکامل مظفر بن مدرک سے۔'' ایضاً

أقول: میں نے آپ کی اس ساری جرح کا جواب نمبر (۱۱۵) میں بذیل ترجمہ فلیح بن سلیمان دیا ہے، مختصر یہ کہ آپ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں کہ جس راوی سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں یا امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہو، بس یہی اس کے امر کو مقوی کر دیتا ہے اور اس کی توثیق کے لیے اسی قدر کافی ہے، چنانچہ اس اصول پر آپ کی ساری (۱۷۵) جرحوں کا جواب ایک حرف میں ہوجاتا ہے، اگرچہ میں نے تمہید مرقومہ سابقہ میں بالتفصیل یہ لکھا ہے کہ محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس شخص سے جامع صحیح بخاری میں روایت لی گئی ہے، وہ پل کے پار ہوگیا، لیکن یہاں آپ کی جرح کے جواب میں بھی ہم ابوعبداللہ حاکم کا ایک قول پیش کرتے ہیں، حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب جلد ہشتم میں ارقام فرماتے ہیں:

" قال الحاكم أبوعبد الله: اتفاق الشيخين عليه يقوي أمره، " انتهى.[1]

''یعنی شیخین کا اس مذکورہ بالا راوی پر (اس سے تخریج پر) اتفاق کر لینا، اس کے امر کو قوی کر دیتا ہے۔''

لیجئے! اسی سے آپ کی جرح (جو آپ نے محمد بن طلحہ پر کی ہے) کا جواب ہوگیا، علاوہ بریں امام بخاری رحمہ اللہ نے محمد بن طلحہ سے بمتابعت عبدالاعلیٰ وشعبہ روایت کیا ہے، لہٰذا کوئی حرج نہیں، اب آیئے آپ کو صریح لفظوں میں محمد بن طلحہ کا ثقہ ہونا سناؤں:

تقریب میں ہے: " كوفي صدوق "[2] یعنی یہ صدوق ہیں۔

خلاصہ میں ہے: قال أحمد: لا بأس به، وقال ابن حبان: ثقة ".[3]

''یعنی امام احمد نے ان کو لا بأس به (ثقہ) اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔''

میزان الاعتدال میں ہے:

160 " صدوق مشهور، محتج به في الصحيحين، قال أبوزرعة: صدوق، وقال أحمد: لا بأس به" انتهى.[4]

''یعنی محمد بن طلحہ صدوق مشہور ہیں، بخاری ومسلم میں ان سے حجت پکڑی گئی ہے، ابوزرعہ نے ان کو

---

[1] تهذيب التهذيب (۲۷۳/۸) نیز امام حاکم رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں: "هذا حديث صحيح ثابت لاتفاق الشيخين على الاحتجاج بسعيد بن سليمان و عباد بن العوام والجريري " (المستدرك: ۱/ ۱٦٤)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤٨٥)

[3] الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٣)

[4] ميزان الاعتدال (٥٨٧/٣)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

صدوق اور احمد نے لا بأس به کہا ہے۔"

اور ہدی الساری میں ہے:

"قال العجلي: ثقة، وثقه أحمد بن حنبل." ❶ "یعنی امام احمد اور عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

اور حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد تاسع میں فرماتے ہیں:

" قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: لا بأس به، وقال أبوزرعة: صالح، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العقيلي: قال أحمد: ثقة، وقال العجلي: ثقة،" انتهى. ❷

"یعنی امام احمد نے بروایت عبداللہ محمد بن طلحہ کو لا بأس به اور ابوزرعہ نے صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اور احمد نے بروایت عقیلی ثقہ اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔" آگے چلئے:

قوله: (١٣٢) **محمد بن عبد الله بن مسلم الزهري:** قال ابن معين وأبوحاتم: ليس بالقوي، وفي رواية الدارمي عن ابن معين: ضعيف.

"ابن معین اور ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور دارمی نے ابن معین سے روایت کی کہ ضعیف ہیں۔" ایضاً

أقول: اصل میں آپ تضعیف کے سبب سے نا آشنا ہیں، حقیقت میں محمد بن عبداللہ ضعیف نہیں ہیں، وجہ یہ ہے کہ انھوں نے تین حدیثیں ایسی بیان کی ہیں، جن کا کوئی پتہ نہ تھا، اس لیے ان پر حکم تضعیف انھیں ہر سہ احادیث کی جہت سے خاص انھی تین حدیثوں میں لگا ہے، نہ یہ کہ خود محمد بن عبداللہ زہری ضعیف ہیں، حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" قال الذهلي: إنه وجد له ثلاثة أحاديث لا أصل لها، قلت: الذهلي قد بين ما أنكر عليه، فالظاهر أن تضعيف من ضعفه بسبب تلك الأحديث التي أخطأ فيها، " انتهى. ❸

"یعنی ذہلی نے کہا کہ ان کی تین حدیثیں بے اصل پائی گئی تھیں، جس کو ذہلی نے بیان کر دیا ہے، تو ظاہر میں ان کی تضعیف انھی حدیثوں کی وجہ سے (خاص انھی احادیث پر) ہے۔

ورنہ یہ ثقہ ہیں، اسی لیے حافظ تہذیب التہذیب جلد نہم میں لکھتے ہیں کہ ابوداود سے کسی نے ان کی بابت سوال کیا، تو فرمایا:

" لم أسمع أحدا يقول فيه بشيء " ❹ یعنی میں نے کسی کا ان پر کلام نہیں سنا۔

بلکہ ان کی حدیثوں کی بابت ابن عدی کہتے ہیں:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٣٩)

❷ تهذيب التهذيب (٩/ ٢١١)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٠)

❹ تهذيب التهذيب (٩/ ٢٨٤)

" لم أر بحديثه بأسا، ولا رأيت له حديثا منكرا". (تهذيب، ج: ٩) ❶

"یعنی مجھے ان کی حدیثوں میں کسی قسم کا مضائقہ معلوم نہیں ہوتا اور نہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر پائی۔"

چلئے ان کی روایت کا مقبول ہونا ثابت ہوگیا، اس کے باوجود امام بخاری نے ان سے اپنی صحیح میں جو تین جگہ روایت کیا ہے، وہ بالمتابعت ہے، ایک جگہ بمتابعت معمر، دوسری جگہ بمتابعت شعیب، تیسری جگہ بمتابعت سفیان بن عیینہ وغیرہ، ❷ پس آگے کوئی اعتراض نہیں رہا، لیجئے آپ کی خاطر میں ان کی توثیق سنا دوں۔

تقریب التہذیب میں ہے: " صدوق من السادسة "اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبوداود" ❸

یعنی یہ صدوق ہیں، ابو داود نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

اور ہدی الساري میں ہے:

" هو صدوق صالح الحديث، وثقه أبوداود، وقال ابن عدي: لم أر به بأساً، وقال أبوداود: 161
ثقة، سمعت أحمد يثني عليه، وأخبرني عباس عن يحيىٰ بالثناء عليه، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، " انتهى. ❹

"یعنی محمد بن عبداللہ بن مسلم زہری سچے صالح الحدیث ہیں، ابوداود نے ان کو ثقہ کہا اور ابن عدی نے کہا کہ ان کی حدیث میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، ان کو ابوداود نے ثقہ کہا ہے، امام احمد ان کی تعریف کرتے تھے، عباس نے بروایت یحییٰ ان پر ثنا نقل کی ہے، ابوحاتم (وہی ابوحاتم!) نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے۔"

اب اس سے زیادہ تفصیل سے سنیے، حافظ تهذيب التهذيب جلد نہم میں لکھتے ہیں:

" قال أبوطالب عن أحمد: لا بأس به، وقال مرة: صالح الحديث، وقال ابن أبي خيثمة عن ابن معين مرة: صالح، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وقال الآجري سئل أبوداود عن ابن أخي الزهري، فقال: لم أسمع أحدا يقول فيه بشيء، وقال مرة أخرىٰ: سألت أبا داود عنه، فقال: ثقة، سمعت أحمد يثني عليه، وأخبرني عباس عن يحيىٰ بالثناء عليه، وقال ابن عدي: لم أر بحديثه بأسا فأذكره، إذا روى عنه ثقة، وكان كثير الحديث صالحاً،

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٢٨٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٠)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٤٩٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٦)

❹ هدي الساري (ص: ٤٤٠)

وقال الساجي: صدوق، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی احمد نے بروایت ابو طالب لا بأس به (ثقہ) اور صالح الحدیث کہا ہے اور ابن معین نے بروایت ابن أبي خیثمہ (یہ وہی ابن معین ہیں جن سے آپ نے جرح نقل کی ہے) صالح الحدیث کہا ہے اور ابوحاتم (یہ بھی وہی جارح ہیں) نے کہا کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے اور آجری نے کہا کہ ابوداود سے کسی نے ان کی بابت پوچھا، تو کہا کہ ثقہ ہے اور میں نے احمد سے ان پر تعریف کے کلمات سنے اور عباس نے یحییٰ (بن معین) سے روایت کیا کہ وہ ان کی تعریف کرتے، ابن عدی نے کہا کہ میں ان کی حدیثوں میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتا، جسے میں ذکر کروں، جب ان سے کوئی ثقہ روایت کرتا ہے اور یہ بہت حدیث والے تھے اور نیک تھے، زکریا ساجی نے ان کو سچا کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٣٣) **محمد بن عبد الرحمن الطفاوي:** قال أبوحاتم: منكر الحديث، وكذا جاء عن أبي زرعة .

''ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث سے لوگوں نے انکار کیا ہے اور ابوزرعہ سے بھی ایسے ہی روایت ہے۔'' ایضاً

أقول: آپ نے ''لوگوں کا انکار'' کس کا ترجمہ کیا ہے؟ اے جناب! ابوحاتم نے ان کی بعض حدیث کا انکار کیا ہے، جیسا کہ ''الحدیث'' پر الف لام اس کا مصرح ہے، ورنہ ابوحاتم نے تو خود طفاوی کو صدوق کہا ہے، چنانچہ حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:" وقال أبوحاتم: صدوق" ❷ اور تهذيب التهذيب جلد نہم میں لکھتے ہیں: " قال أبو حاتم: ليس به بأس، و زاد: صدوق صالح" ❸ یعنی ابوحاتم نے محمد طفاوی کو لا بأس به اور صدوق اور صالح الحدیث کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ ابوحاتم نے ان کی کسی خاص حدیث کو منکر کہا ہے، ورنہ دراصل یہ معتبر شخص ہیں، اسی لیے ابن عدی کہا کرتے:

" لم أر للمتقدمين فيه كلا ما" .(تهذيب، ج: ٩) ❹ ''یعنی میں نے متقدمین کی ان پر کوئی جرح نہیں دیکھی۔'' 162

علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت ابوخالد الاحمر واسامہ بن حفص وغیرہ روایت کیا ہے، لہٰذا مذکورہ اعتراض ختم ہوگیا، اب ذرا ان کی صداقت اور توثیق بھی سن لیں۔

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/ ٢٤٨)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٠)

❸ تهذيب التهذيب (٩/٢٧٤)

❹ الكامل لابن عدي (٦/١٩٥) تهذيب التهذيب (٩/٢٧٤)

تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن المديني" ❶
یعنی طفاوی صدوق ہے، علی بن مدینی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" شيخ مشهور ثقة، روى عنه أحمد بن حنبل والناس، قال ابن معين: ما به بأس، وقد وثقه ابن المديني، " انتهى. ❷

"یعنی طفاوی مشہور ثقہ شیخ ہیں، امام احمد اور کئی لوگوں نے ان سے روایت لی ہے اور ابن معین نے ان کو لا بأس به (ثقہ) اور ابن مدینی نے ثقہ کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن المديني، وقال ابن معين: لا بأس به، وقال ابن عدي: لا بأس به، " انتهى. ❸

"یعنی علی بن مدینی نے طفاوی کو ثقہ اور یحییٰ بن معین وابن عدی نے لا بأس به (ثقہ) کہا ہے۔"

حافظ تهذيب التهذيب جلد تاسع میں لکھتے ہیں:

" قال الدوري عن ابن معين: ليس به بأس، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين: صالح، وقال ابن حبان عن ابن معين: لم يكن به بأس، وقال علي بن المديني: كان ثقة، وقال أبوداود: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وفي العلل لابن أبي حاتم: قال أبو زرعة: الطفاوي صدوق، وقال ابن عدي: يكتب حديثه ولا بأس به، " انتهى ملخصاً. ❹

"یعنی ابن معین نے بروایت دوری لا بأس به (ثقہ) اور یحییٰ (بن معین) نے بروایت اسحاق صالح الحدیث اور ابن معین نے بروایت ابن حبان لا بأس به کہا ہے اور علی بن مدینی ثقہ اور ابوداود نے لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں ہے کہ طفاوی سچا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی، وہ لا بأس به ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (١٣٤) **محمد بن عبد العزيز العمري الرملي:** قال أبوزرعة: ليس بالقوي، وقال أبوحاتم: لم يكن عندهم بالمحمود.

"ابوزرعہ نے کہا کہ قوی نہیں ہیں اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ لوگوں کے نزدیک ستودہ صفات نہیں ہیں۔" ایضاً

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٤٩٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٩)

❷ ميزان الاعتدال (٣/ ٦١٨)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٠)

❹ تهذيب التهذيب (٩/ ٢٧٤)

أقول: اس میں ابوزرعہ کی جرح ایسی ہی مبہم اور بلا دلیل نا قابل قبول ہے، جیسا کہ اس کے پہلے نمبر میں تھی اور ابوحاتم کی عبارت سے محمد بن عبدالعزیز میں بذات خود کوئی جرح نہیں ثابت ہوئی، صرف لوگوں کی ان پر بدظنی منقول ہے، وہ بھی بغیر وجہ وبے دلیل، پس ہر دو جرحیں حیز قبول میں آنے کے لائق نہیں، جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں ''تمہید ضروری'' میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ طعن غیر مفسر تعدیل پر مقدم نہیں ہوتا، ملاحظہ ہونخبہ کی شرح الشرح (ص: ٣٥) [1]

پس جب رملی پر جرح ثابت نہیں ہوئی تو ان کی ثقاہت ثابت ہے۔

163 اسی لیے تقریب میں ہے: "صدوق، كانت له معرفة " [2] یعنی یہ سچے ہیں، ان کو حدیث میں دخل تھا۔

اور خلاصہ اور میزان الاعتدال میں ہے: " قال الفسوي: حافظ " [3] یعنی یہ حدیث کے حافظ تھے۔

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه العجلي، وقال يعقوب بن سفيان: كان حافظا، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى. [4]

اور تهذيب التهذيب جلد نہم میں ہے:

" قال يعقوب بن سفيان: كان حافظا، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: ثقة،" انتهى ملخصاً. [5]

''دونوں کا مطلب یہ ہوا کہ عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور یعقوب نے ان کو حافظ الحدیث کہا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔'' [6] آگے چلیے:

قوله: (١٣٥) **محمد بن عبيد الطنافسي**: قال أحمد بن حنبل: يخطئ ويصيب.

''احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ خطا بھی کرتے ہیں اور صواب کو بھی پہنچتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ تو کوئی جرح نہیں، اس لیے کہ کل بنی آدم کی بابت مشہور ہے: " الإنسان مركب من الخطأ والنسيان "انسان ہی سے تو خطا ہوتی ہے، بلکہ کتب اصول وعقائد میں یہ مسئلہ مانا ہوا ہے کہ "المجتهد يخطئ ويصيب" یعنی مجتہد سے خطا وصواب دونوں ہوتا ہے، اگر آپ کے نزدیک یہ جرح ہے، تو کل ائمہ مجتہدین اس جرح

---

[1] نیز دیکھیں: مقدمة ابن الصلاح (ص: ٢٢٠) فتح المغيث (١/ ٢٩٩)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٤٩٣)

[3] ميزان الاعتدال (٣/ ٦٢٨) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٤٩)

[4] هدي الساري (ص: ٤٤١)

[5] تهذيب التهذيب (٩/٢٧٨)

[6] نیز صحیح بخاری میں ان کی متابعات بھی موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٤١)

سے خالی نہیں ہوسکتے، بلکہ سب مجروح ہوں گے اور ایسی بات کوئی کم عقل ہی کہہ سکتا ہے۔ اے جناب! محمد بن عبید بڑا ثقہ شخص ہے۔

تقریب التہذیب میں ہے: "ثقة يحفظ" یعنی ثقہ اور حافظ ہے۔ ❶

خلاصہ میں ہے: "أحمد و ابن معين وثقاه، وقال العجلي: كان يحفظ أربعة الآف،" انتهى ❷

یعنی امام احمد و یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے اور عجلی نے کہا کہ یہ چار ہزار حدیث یاد رکھتے تھے۔

دیکھئے! یہاں امام احمد سے ان کا ثقہ ہونا منقول ہے اور آپ نے امام احمد سے جو ان کی بابت نقل کیا تھا، وہ خاص ایک حدیث کی بابت تھا، حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

"ولعل ما أشار إليه أحمد كان في حديث واحد،" انتهى. ❸

"یعنی ان پر امام احمد کا اشارہ خاص ایک حدیث کی بابت تھا۔"

افسوس! آپ نے میزان الاعتدال سے صرف اسی قدر اپنے مطلب کی عبارت نقل کر کے آگے کی عبارت کو چھوڑ دیا، جس سے ان کی توثیق ثابت تھی، سنیے، میزان میں ہے:

"صدوق مشهور، قال أحمد بن حنبل: وهو ثقة، ووثقه ابن معين،" انتهى. ❹

یعنی یہ مشہور سچے ہیں، امام احمد اور یحییٰ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

"قال أحمد بن حنبل: إنه كان صدوقا، ووثقه في رواية الأثرم، وكذا وثقه ابن معين والعجلي والنسائي وابن سعد وابن عمار، وزاد: كان أبصر بالحديث، قلت: احتج به الأئمة كلهم،" انتهى. ❺

"یعنی امام احمد نے ان کو صدوق اور بروایت اثرم ثقہ اور یحییٰ اور عجلی ونسائی وابن سعد وابن عمار نے ثقہ کہا ہے اور ابن عمار نے کہا کہ حدیث میں ان کی بڑی نظر تھی، میں کہتا ہوں ان سے کل ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔"

اور سنئے! تہذیب التہذیب جلد تاسع میں لکھتے ہیں:

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٤٩٥)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٠)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤١)

❹ ميزان الاعتدال (٦٣٩/٣)

❺ هدي الساري (ص:٤٤١)

164 " قال محمد بن عثمان بن أبي شيبة: سمعت يحيىٰ بن معين، وسئل عن ولد عبيد محمد وعمر ويعلىٰ فقال: كانوا ثقات، وقال المفضل الغلابي عن يحيىٰ: بنو عبيد ثقات، وقال الأثرم: وسألته يعنى أحمد بن حنبل عنهم، فوثقهم، وقال ابن عمار: كلهم ثبت، ومحمد أبصرهم بالحديث، وقال العجلي: كوفي ثقة، وقال النسائي: ثقة، وقال الدارقطني: بنو عبيد كلهم ثقات، وأبوهم ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وقال يعقوب: سمعت ابن المديني يقول: كان كيسا، وقال حرب عن أحمد: كان محمد رجلا صدوقا، " انتهى ملخصاً. [1]

''یعنی محمد بن عثمان نے کہا کہ میں نے ابن معین سے سنا، ان سے کسی نے عبید کے تین بیٹوں محمد اور عمر اور یعلی کی بابت پوچھا تو ابن معین نے کہا کے کل ثقہ ہیں اور یحیٰ نے بروایت مفضل کہا کہ عبید کے کل بیٹے ثقہ ہیں اور اثرم نے کہا کہ میں نے امام احمد سے ان سب کی بابت پوچھا، تو فرمایا تینوں ثقہ ہیں، اور ابن عمار نے کہا تینوں ثقہ ہیں، ان میں محمد بن عبید حدیث پر بڑی نظر والا ہے اور عجلی نے کہا کہ محمد بن عبید کوفی ثقہ ہے اور نسائی نے کہا کہ ثقہ ہے اور دارقطنی نے کہا کہ عبید کے کل بیٹے ثقہ ہیں اور عبید بھی ثقہ ہے اور محمد بن سعد نے کہا کہ محمد بن عبید ثقہ کثیر الحدیث ہے اور یعقوب نے کہا کہ میں نے ابن مدینی سے سنا، کہتے تھے محمد بڑا دانا ہے اور امام احمد نے بروایت حرب ان کو صدوق کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٣٦) **محمد بن عمرو بن علقمة بن وقاص الليثي المدني**: قال يحيىٰ بن معين: كانوا يتقون حديثه.

''یحیٰ بن معین نے کہا کہ ان کی حدیثوں سے لوگ پرہیز کرتے تھے۔'' ایضاً

أقول: ابن معین کا یہ قول جملہ خبریہ ہے، یعنی چند لوگوں کے ایسے فعل (اتقاء) کا ذکر ہے، نہ محمد لیثی پر یہ جرح ہے، نہ ابن معین کا اس سے جرح کرنا مقصود ہے، کیونکہ ابن معین نے محمد لیثی کو ثقہ کہا ہے، جس کو علامہ ذہبی نے میزان میں نقل کیا ہے اور حافظ نے تہذیب میں، جیسا کہ آگے آتا ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت لی ہے، وہ مقرون بغیرہ ہے، خلاصہ میں ہے: " روى له خ مقرونا فرد حديث" اور میزان الاعتدال میں ہے: " قد أخرج له الشيخان متابعة " اور ہدی الساري میں ہے: " أخرج له البخاري مقرونا بغيره "اور تہذیب جلد نہم میں ہے: " روى له البخاري مقرونا بغيره" [2] ان سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام بخاری نے ان سے ایک حدیث اور مسلم نے متابعتاً ومقرون بغیرہ روایت کیا ہے، اور متابعت کا بیان نمبر (٢٢) اور مقرون بغیرہ کا ذکر کئی نمبروں میں بالتفصیل

---

[1] تهذيب التهذيب (٢٩١/٩)

[2] ميزان الاعتدال (٦٧٣/٣) تهذيب التهذيب (٣٣٣/٩) هدي الساري (ص: ٤٤١) الخلاصة للخزرجي (ص:٣٥٤)

ہو چکا ہے، پس اس وقت کوئی جرح نہیں رہی، فافهم! اور امام بخاری کے ان سے روایت کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ائمہ نقادین کے نزدیک محمد لیثی ثقہ ہے، تقریب میں ہے: " صدوق من السادسة " یعنی یہ سچے ہیں۔ ہدی الساری میں ہے: مشہور سچے ہیں۔

میزان میں ہے:

165 " شيخ مشهور حسن الحديث، روى أحمد بن أبي مريم عن ابن معين: ثقة، وقال ابن عدي: أرجو أنه لا بأس به، وقال أبوحاتم: صالح الحديث، وقال النسائي: ليس به بأس، " انتهى. [1]

" یعنی محمد لیثی مشہور شیخ عمدہ حدیث والا ہے، احمد نے ابن معین سے روایت کیا کہ وہ ثقہ ہے، ابن عدی نے لا بأس به اور ابوحاتم نے صالح الحدیث اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔"

خلاصہ میں ہے، علامہ صفی الدین فرماتے ہیں:

" أحد أئمة الحديث، وثقه النسائي، قال ابن عدي: لابأس به، " انتهى. [2]

" یعنی محمد لیثی حدیث کے اماموں میں سے ایک امام ہیں، نسائی نے ان کو ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد نہم میں ہے:

" قال أبوحاتم: صالح الحديث يكتب حديثه، وهو شيخ، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال مرة: ثقة، وقال ابن عدي: له حديث صالح، وأرجو أنه لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال أحمد بن أبي مريم عن ابن معين: ثقة، وقال الحاكم: قال ابن المبارك: لم يكن به بأس، وقال ابن سعد: كان كثير الحديث، " انتهى ملخصاً [3]

" یعنی محمد لیثی کو ابوحاتم نے شیخ صالح الحدیث قابل کتابت کہا ہے اور نسائی نے لا بأس به اور ثقہ کہا اور ابن عدی نے صالح الحدیث لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور احمد نے بروایت یحیٰ بن معین ثقہ اور ابن مبارک نے بروایت حاکم لا بأس به اور محمد بن سعد نے کثیر الحدیث کہا ہے۔" معلوم ہوا کہ حقیقت میں یہ ثقہ ہیں، وهو المطلوب! آگے چلئے:

قوله: (١٣٧) **محمد بن فضيل بن عزوان**: قال أبوداود: كان شيعياً محترقا، وقال ابن سعد: بعضهم لا يحتج به .

---

[1] ميزان الاعتدال (٦٧٣/٣)

[2] الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٤)

[3] تهذيب التهذيب (٣٣٣/٩)

''ابوداود نے کہا کہ یہ سخت شیعہ ہیں اور ابن سعد نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے۔'' ایضاً

أقول: سبحان اللہ! ایک تو نام غلط، دوسرے ترجمہ بھی غلط ! اے جناب!"عزوان" بالعين المهمله نہیں ہے، بلکہ "غزوان" بالغين المعجمه ہے اور ترجمہ آپ نے بالکل عام کیا ہے کہ ان سے دلیل پکڑی جاتی ہی نہیں، حالانکہ ابن سعد یہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ ان سے دلیل نہیں پکڑتے اور وہ بھی اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ شیعہ تھے، ورنہ حقیقت میں یہ شیعہ نہ تھے، بلکہ اہل السنّت والجماعت سے تھے، حضرت عثمان کے حق میں ہمیشہ دعائے خیر کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو ہدی الساري، بلکہ اسی ہدی الساری میں احمد کا قول یوں منقول ہے:"قال أحمد بن علي الأبار: رأيت عليه آثار أهل السنة والجماعة "[1]

''یعنی یہ سنی تھے، شیعہ نہ تھے۔''

یہ تو ہوا ابوداود کی جرح کا جواب، اب محمد بن سعد کی بابت سنئے کہ خود انھوں نے محمد بن فضیل کو ثقہ کہا ہے، جیسا کہ آگے ہدی وتہذیب کی عبارت میں آئے گا، اب سنئے ان کی توثیق!

تقریب میں ہے:" صدوق عارف" اور خلاصہ میں ہے:" قال النسائي: ليس به بأس"[2]

یعنی یہ سچے عارف بالحدیث ہیں، نسائی نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

" كوفي صدوق مشهور، وكان صاحب حديث و معرفة، وثقه ابن معين، وقال أحمد: حسن الحديث، وقال النسائي: ليس به بأس، " انتهى.[3]

''یعنی محمد کوفی مشہور سچے ہیں اور صاحب معرفت و حدیث ہیں، ان کو ابن معین نے ثقہ اور احمد نے حسن الحدیث اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے۔'' 166

اور ہدی الساری میں ہے:

" وثقه العجلي وابن معين، وقال أحمد: حسن الحديث، وقال أبوزرعة: صدوق من أهل العلم، وقال النسائي: لا بأس به، وقال ابن سعد: كان ثقة صدوقا كثير الحديث، واحتج به الجماعة، " انتهى.[4]

''یعنی عجلی اور ابن معین نے ابن فضیل کو ثقہ اور احمد نے حسن الحدیث اور ابوزرعہ نے صدوق اور اہل علم

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٤١)
[2] تقريب التهذيب (ص: ٥٠٢)، الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٦)
[3] ميزان الاعتدال (٩/٤)
[4] هدي الساري (ص: ٤٤١)

اور نسائی نے لا بأس به اور محمد بن سعد نے ثقہ صدوق کثیر الحدیث کہا ہے اور ان سے ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے۔''

کہیے جناب! آپ نے تو لکھا تھا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی؟ اس کا ذرا غور سے مطالعہ فرمائیے!

حافظ تہذیب التهذيب جلد تاسع میں لکھتے ہیں:

" قال حرب عن أحمد: كان حسن الحديث، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: شيخ، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان ثقة صدوقا كثير الحديث، وقال العجلي: كوفي ثقة، وكان أبوه ثقة، وذكره ابن شاهين في الثقات، وقال علي بن المديني: كان ثقة ثبتا في الحديث، وقال الدارقطني: كان ثبتا في الحديث، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی امام احمد نے بروایت حرب محمد بن فضیل کے حسن الحدیث اور ابن معین نے بروایت عثمان ثقہ اور ابوزرعہ نے صدوق اہل علم سے اور ابوحاتم نے شیخ (بزرگ) اور نسائی نے لا بأس به کہا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور ابن سعد نے ان کو ثقہ صدوق کثیر الحدیث اور عجلی نے محمد اور ان کے باپ فضیل دونوں کو ثقہ کہا ہے اور ابن شاہین نے ثقات میں ان کو ذکر کیا ہے اور ابن مدینی نے ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث اور دارقطنی نے ثقہ فی الحدیث اور یعقوب نے ثقہ کہا ہے۔'' کہیے! سن لیا؟ اچھا آگے چلیے:

قوله: (١٣٨) **محمد بن فليح بن سليمان المدني:** قال معاوية بن صالح عن ابن معين: ليس بثقة .

''معاویہ نے ابن معین سے نقل کیا کہ یہ ثقہ نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ بھی جرح غیر مفسر ہے، لہٰذا تعدیل پر مقدم نہیں ہوسکتی، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بالمتابعت روایت کیا ہے اور متابعت کے لیے توثیقِ رواۃ شرط نہیں ہے، جیسا کہ نمبر (٢٢) اور دیگر نمبروں میں مفصل لکھا جا چکا ہے اور امام بخاری کی ان سے روایت کرنے کی یہ ہے کہ ابن فلیح کی صداقت وثقاہت کے قائلین بھی موجود ہیں۔

چنانچہ تقریب میں ہے: "صدوق " اور ھامش الخلاصه میں ہے: " قال أبوحاتم: ما به بأس " ❷
یعنی یہ صدوق ہیں، ابوحاتم نے ان کو لا بأس به (ثقہ) کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

---

❶ تهذيب التهذيب (٩/٣٥٩)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٠٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٦)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

" قال أبوحاتم: ما به بأس، ووثقه بعضهم، وهو أوثق من أبيه، " انتهى. ❶

''یعنی ابوحاتم نے ان کو لا بأس به کہا اور بعض محدثین نے ان کو ثقہ کہا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اپنے باپ سے زیادہ ثقہ ہیں۔'' 167

ہدی الساري میں ہے:

" قال ابن أبي حاتم عن أبيه، قلت: فما قولك فيه؟ قال: ما به بأس، وقال الدارقطني: ثقة،" انتهى. ❷

''یعنی ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے محمد بن فلیح کی بابت سوال کیا، تو انھوں نے اس کو لا بأس به کہا اور ان کو دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

حافظ تہذیب التہذیب جلد نہم میں لکھتے ہیں ہے:

" قال ابن أبي حاتم عن أبيه، قلت: فما قولك فيه؟ قال: ما به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: ثقة، " انتهى. ❸

''اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ ان کو ابوحاتم نے لا بأس به اور دارقطنی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لعل فيه كفاية! آگے چلیے:

قوله: (۱۳۹) **محمد بن محبوب البناتي**: قيل لأبی داود: كان قدريا؟ قال: كان ضعيف القول فيه.

''ابوداود سے کہا گیا کہ یہ قدریہ تھے؟ انھوں نے کہا کہ ان کا قدریہ ہونا ضعف کے ساتھ پایا جاتا ہے۔'' ایضاً۔

أقول: جب ان کا قدریہ ہونا ضعف کے ساتھ پایا جاتا ہے، تو پھر کوئی جرح نہیں رہی، افسوس کہ آپ کو جرح کی بھی تعریف نہیں آتی، ورق الٹ کر ذرا اس کتاب کی تمہید ضروری کا مطالعہ کیجیے، آپ نے یہاں اپنے زعم میں ابوداود سے جرح نقل کی ہے اور ابوداود خود اس کو اگر جرح سمجھتے تو بروایت ابن معین محمد بن محبوب کی تعریف نہ نقل کرتے، حالانکہ تہذیب التہذیب جلد تاسع میں ہے:

" قال أبوداود: سمعت ابن معين يثني عليه، ويقول: هو كيس صادق كثير الحديث، قال يحيىٰ: وكان أكيس في الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات." انتهى. ❹

''یعنی ابوداود نے کہا: میں نے ابن معین سے سنا، وہ محمد بن محبوب کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ

❶ ميزان الاعتدال (٤/ ١٠)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤١)

❸ تهذيب التهذيب (٩/ ٣٦٠)

❹ تهذيب التهذيب (٩/ ٣٨٠)

File ... not found. Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

بڑا عقلمند سچا بہت حدیثوں والا ہے اور یحییٰ نے کہ وہ حدیث میں بہت بڑا دانا ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔"

تقریب میں ہے: " ثقة من العاشرة " ❶ یعنی یہ ثقہ ہیں۔

خلاصہ میں ہے: "قال ابن معين: ليس به بأس". ❷ "یعنی ابن معین نے کہا لا بأس به (ثقہ) ہیں۔

میزان الاعتدال میں ہے: " قال ابن معين: هو أكيس في الحديث،" انتهى. ❸

"یعنی یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ "أكيس" (بصیغہ اسم تفضیل) حدیث میں بہت ہی بڑا عقلمند ہے۔"

کہیے! سن لیا ہے؟ آخر میں آپ کی ایک غلطی بھی بتادوں، "بناتی" بالتاء نہیں بلکہ "بنانی" بالنون ہے۔ آگے چلئے:

قوله: (١٤٠) **محمد بن ميمون**: قال أبوحاتم: لا يحتج به.

" ابوحاتم نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی۔" ایضاً

أقول: ابوحاتم کا یہ قول یا جرح کسی طرح حیز قبول میں نہیں آ سکتا، اس لئے کہ یہ جرح علاوہ غیر مفسر غیر مبین و مبہم ہونے کے دعوی بلا دلیل ہے اور۔ ع۔ **168**

دعوے بلا دلیل قبول خرد نہیں

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ محمد بن میمون کیوں قابل حجت نہیں ہے؟ تو بتلائیے آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ سنیے محمد بن میمون نہایت ثقہ شخص ہے۔

تقریب میں ہے: " ثقة فاضل من السابعة" ❹ یعنی یہ بڑا فاضل شخص اور ثقہ ہے۔

اور خلاصہ میں ہے: "وثقه أحمد وابن معين والنسائي " ❺ یعنی ان کو امام احمد و یحییٰ بن معین ونسائی نے ثقہ کہا ہے۔

اور میزان میں ہے:

"صدوق إمام مشهور، وثقه يحيىٰ بن معين" انتهى. ❻

"یعنی یہ مشہور سچے امام ہیں، ان کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔"

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٥٠٥)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٧)

❸ ميزان الاعتدال (٢٥/٤)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥١٠)

❺ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٦١)

❻ ميزان الاعتدال (٥٣/٤)

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه يحيىٰ بن معين وأحمد بن حنبل والنسائي وآخرون، وقال النسائي في سننه: لا بأس به، واحتج به الأئمة كلهم، والمعتمد فيه ما قال النسائي، " انتهى.❶

''یعنی ان کو ابن معین اور امام احمد اور نسائی اور بھی بہتوں نے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے اپنی سنن میں لا بأس به کہا ہے اور ان سے کل ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔'' (دیکھئے! آپ کہتے تھے کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی! آخرش جو میں نے کہا تھا وہی سچ نکلا) اور نسائی نے ان کی بابت جو کہا ہے، وہی ان کے بارے میں معتمد ہے۔

اور تہذیب التہذیب جلد نہم میں ہے:

" قال الأثرم عن أحمد: ما بحديثه عندي بأس، وقال الدوري: كان من ثقات الناس، وقال النسائي: ثقة، " انتهى.❷

یعنی امام احمد نے بروایت اثرم کہا ہے کہ امام احمد فرماتے: میرے نزدیک ان کی حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور دوری نے کہا کہ یہ ان لوگوں سے ہیں، جو ثقہ ہیں اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٤١) **مروان بن شجاع الجزري:** قال أبوحاتم: ليس بحجة.

''ابوحاتم نے کہا کہ یہ حجت نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: ابوحاتم کا یہ قول ان کی بابت جرح نہیں ہے، بلکہ انھوں نے مروان کی چند منکر حدیثوں پر ان کے حجت نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، حافظ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

" قال أبوحاتم: ليس بذلك القوي، في بعض ما يرويه مناكير، " انتهى.❸

''یعنی مروان اپنی بعض منکر حدیثوں میں قوی نہیں ہے۔''

رہا دیگر احادیث کی نسبت تو ان کو خود ابوحاتم نے صالح الاحتجاج بتایا ہے، جیسا ابھی آتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ان کی توثیق کی ہے، تقریب میں ہے:" صدوق "خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين، قال أبوحاتم: صالح، وقال ابن سعد: ثقة، " انتهى❹ یعنی مروان صدوق ہیں، ابن معین اور ابن سعد نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٢)

❷ تهذيب التهذيب (٤٢٩/٩)

❸ تهذيب التهذيب (٨٥/١٠)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٧٣)

میزان میں ہے:" قال أحمد: لا بأس به "[1] یعنی امام احمد نے ان کو لا بأس به (ثقه) کہا ہے۔

تہذیب التہذیب جلد عاشر میں ہے:

" قال الميموني عن أحمد: شيخ صدوق، وقال حرب عن أحمد: لا بأس به، وكذا قال أبوداود، وقال ابن معين ويعقوب بن سفيان والدارقطني: ثقة، وقال أبوحاتم: صالح يكتب حديثه، وقال ابن سعد: كان ثقة صدوقا، وذكره ابن حبان في الثقات، ووثقه الدارقطني" انتهى ملخصاً.[2] 169

"یعنی احمد نے بروایت میمونی لا بأس به اور ایسا ہی ابوداود نے کہا ہے اور ابن معین و یعقوب و دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔"[3] آگے چلئے:

قوله: (١٤٢) **مروان بن محمد الدمشقي الطاطري:** ضعفه ابن حزم.

"ان کو ابن حزم نے ضعیف ٹھہرایا۔" ایضاً

أقول: ابن حزم نے ان کی تضعیف میں زیادتی سے کام لیا ہے، نہ تو ان کے پاس اس کی کوئی وجہ ہے، نہ ان میں کوئی ان کا مؤید ہی ہے، بلکہ وہ نقدِ رجال میں ذرا عجلت کر جاتے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے اس پر تعاقب کیا ہے، چنانچہ تہذیب التہذیب میں ارقام فرماتے ہیں:

" وضعفه أبومحمد بن حزم فأخطأ، لأنا لا نعلم له سلفاً في تضعيفه، " انتهى.[4] (ج:١٠)

یعنی ابن حزم نے ان کی تضعیف میں خطا کی ہے، کیونکہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہیں ہوا۔

بلکہ مروان دمشقی باتفاق محدثین ثقہ ہیں۔ تقریب میں ہے:" ثقة من التاسعة"اور خلاصہ میں ہے:"وثقه

---

[1] ميزان الاعتدال (٤/٩١)

[2] تهذيب التهذيب (١٠/٨٥)

[3] معترض کے جرح میں نقل کردہ الفاظ "ليس بحجة" کی بابت یہ تصریح گزر چکی ہے کہ حجت مراتب تعدیل میں سب سے اونچا اور پہلا درجہ ہے، جو راوی حجت نہ ہو تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ ضعیف ہے، بلکہ وہ ثقہ و صدوق حسن الحدیث ہوسکتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل أدلہ و أمثلہ سے ظاہر ہوتا ہے:

۱۔ امام ابو داود نے سلیمان بن بنت شرحبیل کو "ثقه" کہا، تو ان سے پوچھا گیا: کیا وہ "حجت" ہے؟ فرمایا: "الحجة أحمد بن حنبل!" یعنی ثقہ کہنے کے باوجود لفظِ حجت کے اطلاق سے گریز کیا۔

۲۔ عثمان بن أبی شیبة نے أحمد بن عبداللہ بن یونس کے بارے میں کہا: "ثقة وليس بحجة"

۳۔ ابن معین ؒ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا: "ثقه و ليس بحجة" دیکھیں: فتح المغیث (۱/۱۶۴، ۱۶۵)

[4] تهذيب التهذيب (١٠/ ٨٦)

أبوحاتم وجزرة" ❶ یعنی مروان ثقہ ہے، اس کو ابوحاتم و جزرہ نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" فثقة إمام، وثقه أبوحاتم، وكان أحمد يثني عليه وينعته بالعلم، " انتهى. ❷

''یعنی مروان ثقہ ہے، امام ہے، ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے اور امام احمد اس کی مدح و ثنا اور اس کے علم کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔''

تهذيب التهذيب **جلد دہم میں ہے:**

" قال أبوحاتم وصالح بن محمد: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدوري عن ابن معين: لا بأس به، وقال الدارقطني: ثقة، " انتهى. ❸

''یعنی مروان کو ابو حاتم و صالح نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن معین نے بروایت دوری لا بأس به (ثقہ) اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔'' ❹ آگے چلیے:

قوله: (١٤٣) **مسكين بن بكير الحراني**: قال أبو أحمد الحاكم: له مناكير كثيرة.

''ابواحمد حاکم نے کہا کہ ان کے پاس نامقبول حدیثیں بہت ہیں۔'' ایضاً

أقول: اس سے ان پر کوئی جرح نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ جس جگہ کسی چیز کا ڈھیر ہوتا ہے، وہاں ہر قسم کی اعلیٰ و ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں، مسکین حرانی بذات خود ثقہ شخص ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے، وہ بھی روح بن عبادہ کی متابعت کے ساتھ ہے۔ ❺ اب سنئے ان کی ثقاہت!

تقریب میں ہے:"صدوق كان صاحب حديث من التاسعة "اور خلاصہ میں ہے:"قال ابن حبان في الثقات" ❻ 170

یعنی مسکین صدوق صاحب حدیث ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

میزان میں ہے:

---

❶ تقريب التهذيب (ص: ٥٢٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٧٣)

❷ ميزان الاعتدال (٤/ ٩٣)

❸ تهذيب التهذيب (١٠/ ٨٦)

❹ اسی طرح ایک راوی کو جب ابن حزم وغیرہ نے ضعیف قرار دیا، حالانکہ ائمہ متقدمین سے اس کی توثیق و تعدیل ثابت تھی، تو اس پر نقد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں:"هذا غفلة منهما، وخطأ تواردا عليه، فلم يضعف أبان هذا أحد قبلهما، ويكفي فيه قول ابن معين ومن تقدم معه " (تهذيب التهذيب: ١/ ٩٥)

❺ هدي الساري (ص: ٤٤٣)

❻ تقريب التهذيب (ص: ٥٢٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٩٦)

" صدوق مشهور صاحب حديث، قال أبوحاتم: لا بأس به صالح الحديث، " انتهى. ❶

''یعنی یہ مشہور صدوق صاحب حدیث ہیں، ابوحاتم نے ان کو لا بأس به صالح الحدیث کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن عمار، وقال أحمد وابن معين وأبوحاتم: لا بأس به، كان يحفظ الحديث، " انتهى. ❷

''یعنی ان کو ابن عمار نے ثقہ اور امام احمد وابن معین وابوحاتم نے لا بأس به کہا ہے اور یہ حافظ حدیث تھے۔''

تهذيب التهذيب جلد عاشر میں ہے:

" قال أبوداود: سمعت أحمد يقول: لا بأس به، وقال ابن معين: لا بأس به، وكذا قال أبوحاتم، وزاد: كان صالح الحديث يحفظ الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن شاهين في الثقات: قال ابن عمار: يقولون: إنه ثقة، " انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی امام احمد نے بروایت ابو داود لا بأس به اور ابن معین نے لا بأس به (ثقہ) اور ابوحاتم نے لا بأس به وصالح الحدیث و حافظ الحدیث کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ان کو ذکر کیا ہے اور ابن شاہین نے ثقات میں کہا ہے کہ ابن عمار نے کہا کہ ان کو تمام لوگ ثقہ کہتے ہیں۔''

آگے چلئے:

قوله: (١٤٤) **مطرف بن عبد الله بن مطرف**: قال ابن عدي: يأتي بمناكير .

''ابن عدی نے کہا کہ یہ نامقبول حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ بھی کوئی جرح نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اس سے ان کا استمرار نہیں پایا جاتا، بلکہ ابن عدی ایسا کہنے میں بھی بالکل متفرد ہیں اور یہ تضعیف ان کی من قبیل الشاذ اور غیر مسلّم ہے، اسی وجہ سے حافظ نے اس کا تعاقب کیا اور تقریب میں فرمایا: " لم يصب ابن عدي في تضعيفه" ❹ یعنی ابن عدی کا ان کی تضعیف کرنا درست نہیں، بلکہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے دو جگہ بمتابعت قتیبہ وغیرہ روایت کیا ہے، تقریب میں ہے: "ثقة من كبار العاشره" یعنی یہ ثقہ ہیں۔

خلاصہ میں ہے: " قال أبوحاتم: صدوق، قلت: وثقه الدارقطني وغيره ". ❺

---

❶ ميزان الاعتدال (٤/ ١٠١)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٣)

❸ تهذيب التهذيب (١٠/ ١٠٩)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥٣٤) نیز ابن عدی ﷫ نے ان کی جو منکر احادیث بیان کی تھیں، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: "والذنب فيها من الراوي عنه أحمد بن داود الحراني " (هدي الساري (٤٤٤)

❺ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٧٩)

''یعنی مطرف کو ابوحاتم نے صدوق کہا ہے، اور دارقطنی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" قال ابن أبي حاتم عن أبيه: صدوق، وقال ابن سعد والدارقطني: ثقة، " انتهى. ❶

''یعنی ابن ابی حاتم نے بروایت اپنے باپ کے مطرف کو صدوق اور محمد بن سعد اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذیب جلد دہم میں ہے:

" قال ابن أبي حاتم: سئل أبي عنه، فقال: صدوق، وقال ابن سعد: كان ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: ثقة،" انتهى ملخصاً. ❷ 171

''یعنی ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ میرے باپ ابوحاتم سے مطرف کی بابت سوال کیا گیا، تو فرمایا کہ وہ صدوق ہے اور محمد بن سعد نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٤٥) **معاوية بن إسحاق بن طلحة** : قال أبو زرعة: شيخ واه.

''ابوزرعہ نے کہا کہ یہ شیخ واہی ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ جرح بوجہ ابہام ناقدین کے نزدیک مفید نہیں بلکہ اس کو جرح کہنا ہی غلط ہے، جرح کے لیے مفصل ہونا ضروری ہے، جس کا بار بار بیان ہوا۔ علاوہ بریں امام بخاری نے معاویہ سے بمتابعت حبیب بن ابی عمرہ روایت کیا ہے۔ ❸ لہٰذا ممکنہ اعتراض رفع ہوگیا، بلکہ معاویہ کی بابت تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أحمد والنسائي وابن حبان، " انتهى ❹ یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو امام احمد و نسائی و ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

" قال أبوحاتم: لا بأس به، وقال أحمد والنسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ❺

''یعنی ان کو ابوحاتم نے لا بأس به اور احمد و نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه أحمد والنسائي، وقال أبوحاتم: لا بأس به، " انتهى. ❻

---

❶ هدي الساري (ص:٤٤٤)

❷ تهذيب التهذيب (١٥٨/١٠)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٤)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥٣٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨١)

❺ ميزان الاعتدال (٤/ ١٣٤)

❻ هدي الساري (ص: ٤٤٤)

''یعنی امام احمد ونسائی نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے لا بأس به کہا ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد عاشر میں ہے:

" قال أحمد والنسائي: ثقة، وقال أبوحاتم: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: وثقه ابن سعد والعجلي، وقال يعقوب بن سفيان: لا بأس به،" انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی معاویہ کو امام احمد ونسائی نے ثقہ اور ابوحاتم نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ ان کو محمد بن سعد وعجلی نے ثقہ اور یعقوب نے لا بأس به کہا ہے۔''

آگے چلیے:

قوله: (١٤٦) **معروف بن خربوذ**: ضعفه يحيىٰ بن معين.

''ان کو یحییٰ بن معین نے ضعیف ٹھہرایا۔'' ایضاً

أقول: ابن معین نے ان کو کیوں ضعیف ٹھہرایا؟ اس کی کوئی وجہ آپ نے نہیں لکھی اور نہ تا قیامت لکھ سکتے ہیں، پس یہ جرح بھی بوجہ مبہم غیر مبین ہونے کے داخل دفتر! (یعنی غیر مقبول ہوگی) میں کہتا ہوں کہ ابن معین نے بلا وجہ ان کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اسی لیے وہ اپنے اس قول میں متفرد اور شاذ ہیں، بلکہ ان کے مقابل میں ایک جماعت کثیرہ نے معروف کی توثیق کی ہے۔

تقریب میں ہے:"صدوق "اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن حبان"❷ یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ میزان میں ہے:" صدوق، قال أبوحاتم: يكتب حديثه، " انتهى ❸

''یعنی یہ صدوق ہیں، ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے۔''

172

ہدی الساری میں ہے:" قال الساجي: صدوق، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه،" انتهى ❹

یعنی زکریا ساجی نے معروف کو صدوق اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو لائقِ کتابت کہا ہے۔

تہذیب التہذیب جلد دہم میں ہے:

" قال أبوحاتم: يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: صدوق."❺

''یعنی ابوحاتم نے معروف کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور ان کا ذکر ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے

---

❶ تهذيب التهذيب (١٠/١٨٢)

❷ تقريب التهذيب (ص:٥٤٠) الخلاصة للخزرجي (ص:٣٨٣)

❸ ميزان الاعتدال (٤/١٤٤)

❹ هدي الساري (ص:٤٤٤)

❺ تهذيب التهذيب (١٠/٢٠٧)

اور ان کو زکریا ساجی نے صدوق کہا ہے۔ ❶ آگے چلئے:

قوله: (١٤٧) **محمد بن مطرف**: مجهول. ''مجہول ہیں۔'' أيضاً

أقول: واہ واہ سبحان اللہ! کیا ہی معقول جرح ہے؟ اور پھر لطف یہ کہ محمد کا بیان آپ نے یہاں پر کیا ہے، حالانکہ آپ کو اس کا ذکر دیگر محمدون کے ساتھ نمبر (۱۳۹) کے تحت میں کرنا تھا، یہ چالاکی آپ نے جس غرض سے کی ہے وہ ہم بھی تاڑ گئے اور افسوس کہ یہاں بھی آپ کی چالاکی کافور ہوگئی، اب سنئے اپنا جواب!

اے جناب! محمد بن مطرف بالاتفاق ثقہ ہے، اس کو مجہول کہنا بلا دلیل اور خود جہالت کی علامت ہے، اسی لئے تو علامہ ذہبی نے آگے ''قلت'' کہہ کر جواب دیا تھا، لیکن افسوس کہ اس کو چھپا گئے، اب سنئے ہم آگے اس کو کھولتے ہیں، پہلے ملاحظہ فرمایئے: تقریب التهذيب، اس میں مرقوم ہے، " ثقة من السابعة " اور خلاصہ میں ہے: " أحد العلماء الأثبات، وثقة ابن معين، " انتهى. ❷

یعنی ابن مطرف ثقہ اور علماء ثقات سے ہے، یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

اب سنئے علامہ ذہبی کا فیصلہ! میزان میں فرماتے ہیں:

" قلت: فهذا هو المحدث المشهور، قال محمد بن إبراهيم الكتاني: سألت أباحاتم عن أبي غسان محمد بن مطرف، فقال: صالح الحديث، وقال أحمد بن حنبل وأبوحاتم أيضاً والجوزجاني ويعقوب السدوسي وابن معين: ثقة، وقال ابن المديني: كان شيخا وسطا صالحا، " انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ محمد بن مطرف مشہور محدث ہیں، ان کو ابو حاتم نے بروایت محمد بن ابراہیم صالح الحدیث اور احمد و ابوحاتم و جوزجانی و یعقوب و یحییٰ نے ثقہ اور ابن مدینی نے شیخ صالح کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" قال ابن المدينى: كان شيخا وسطا، ووثقه أحمد وأبوحاتم والجوزجاني ويعقوب بن شيبة وآخرون، واحتج به الأئمة، " انتهى. ❹

''یعنی علی بن المدینی نے ان کو شیخ وسط اور امام احمد و ابوحاتم و جوزجانی و یعقوب وغیرہ بہتوں نے ان کو

---

❶ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح بخاری میں ان کی صرف ایک موقوف روایت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ما له في البخاري سوى موضع في العلم، وهو حديثه عن أبي الطفيل عن علي: حدثو الناس بما يعرفون...... الحديث،" (هدي الساري: ٤٤٤)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٠٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٩)

❸ ميزان الاعتدال (٤/٤٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤٤٢)

ثقہ کہا ہے اور ان سے تمام ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔''

حافظ تہذیب التہذیب جلد نہم میں بالتفصیل لکھتے ہیں:

" أحد علماء الأثبات، قال مجاهد بن موسىٰ: ثنا يزيد بن هارون: ثنا أبوغسان محمد بن مطرف الليثي، وكان ثقة، وقال أحمد و أبوحاتم والجوزجاني ويعقوب بن شيبة: ثقة، وقال أبوحاتم أيضا: لا بأس به، وقال أبوحاتم: ذكره أحمد، فجعل يثني عليه، وقال ابن الغلابي عن ابن معين: شيخ ثقة ثبت، وقال ابن أبي مريم عن ابن معين: ثقة، وقال
173 إسحاق بن منصور عن ابن معين: أرجو أن يكون ثقة، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ليس به بأس، وكذا قال أبوداود والنسائي، وقال ابن المديني: كان شيخا صالحا، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❶

" یعنی ابن مطرف علماء ثقات سے ہے، ان کو مجاہد نے بروایت یزید ثقہ اور امام احمد و ابوحاتم و جوزجانی ویعقوب نے ثقہ اور ابوحاتم نے لا بأس به کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ امام احمد ان کی تعریف کرتے اور ابن معین نے بروایت ابن غلابی ان کو شیخ ثقہ ثبت اور یحییٰ بن معین نے بروایت ابن ابی مریم ثقہ اور یحییٰ نے بروایت اسحاق ثقہ اور یحییٰ نے بروایت عثمان لا بأس به (ثقہ) اور ایسا ہی ابوداود ونسائی نے (ثقہ) کہا ہے اور ابن مدینی نے ان کو شیخ صالح الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٤٨) **معلىٰ بن منصور الرازی:** حكى ابن أبي حاتم عن أبيه أنه قال: قيل لأحمد: كيف لم تكتب عن معلىٰ؟ فقال: كان يكذب، وقال أبوداود في سنة: كان أحمد لا يروي عن معلىٰ، لأنه كان ينظر في الرأي.

''ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے حکایت کی کہ انھوں نے کہا کہ احمد سے کہا گیا کہ تم معلیٰ کی حدیثوں کو کیوں نہیں لکھتے ہو؟ پس احمد نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے اور ابوداود نے اپنی سنت ❷ میں کہا کہ احمد معلیٰ سے حدیثوں کی روایت نہیں کرتے تھے، کس واسطے کے معلیٰ اہل الرائے تھے۔'' ایضاً

أقول: چونکہ امام احمد سے ان کے کذب کی کوئی صریح سند متصل نہیں، اس لیے ایسا کہنا امام احمد کی طرف محض بے دلیل منسوب کرنا ہے، امام احمد نے ہرگز ان کو کاذب نہیں کہا ہے، حاشا وکلا! اسی واسطے حافظ تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: " أخطأ من زعم أن أحمد رماه بالكذب" ❸ یعنی جس نے یہ گمان کیا کہ معلیٰ کو امام احمد نے کذب

---

❶ تہذیب التہذیب (٩/ ٤٠٧)

❷ ان صاحب کا علم وفہم ملاحظہ ہو کہ "سننه" کی جگہ "سنة" لکھا اور ترجمہ بھی "سنن" کی بجائے "سنت" کیا ہے! (مؤلف)

❸ تقریب التہذیب (ص: ٥٤١) نیز دیکھیں: بیان الوهم والإیهام لابن القطان (٥/ ٣٤٢) میزان الاعتدال (٤/ ١٥١)

کی طرف منسوب کیا، وہ خطا پر ہے۔

چلئے آپ کی جرح کا جواب اتنے ہی سے ہوگیا، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت سلیمان بن حرب و مسدد روایت کیا ہے۔ ❶ لہٰذا ایسی صورت میں ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، اب ملاحظہ فرمایئے ان کی توثیق!

تقريب التهذيب میں ہے: "ثقة سني فقيه" ❷ یعنی یہ ثقہ ہیں اہل سنت سے ہیں، فقیہ ہیں۔

خلاصہ میں ہے:

"قال يعقوب بن شيبة: ثقة متقن فقيه مأمون،" انتهى. ❸

"یعنی یعقوب نے کہا کہ معلیٰ ثقہ اور اتقان والا فقیہہ مامون ہے۔"

میزان الاعتدال میں ہے:

"قال ابن معين: ثقة، وقال أحمد العجلي: ثقة صاحب سنة، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة متقن فقيه، قلت: هو صدوق في نفسه،" انتهى. ❹

174

"یعنی معلیٰ کو ابن معین نے ثقہ اور احمد عجلی نے ثقہ صاحب حدیث اور یعقوب نے ثقہ ذی اتقان فقیہہ کہا ہے، ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ بذاتہ صدوق ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

"وثقه يحيىٰ بن معين والعجلي ويعقوب بن شيبة وابن سعد، وقال ابن عدي: أرجو أنه لا بأس به،" انتهى. ❺

"یعنی ان کو یحییٰ وعجلی ویعقوب بن شیبہ وابن سعد نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

"المعلى صدوق، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وقال العجلي: ثقة صاحب سنة، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة متقن صدوق فقيه مأمون، وقال ابن سعد: كان صدوقا صاحب حديث ورأي وفقهٍ، قال أبوحاتم الرازي: كان صدوقا في الحديث، وقال ابن عدي: أرجو أنه لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات" انتهى ملخصاً. ❻

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٤)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٤١)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٥٩)

❹ ميزان الاعتدال (١٥١/٤)

❺ هدي الساري (ص: ٤٤٤)

❻ تهذيب التهذيب (١٠/ ٢١٥)

''یعنی معلٰی صدوق ہے، ان کو ابن معین نے بروایت عثمان ثقہ اور عجلی نے صاحب حدیث اور یعقوب نے ثقہ متقن صدوق فقیہہ مامون اور ابن سعد نے صدوق صاحب حدیث و صاحب رائے وفقہ اور ابوحاتم نے صدوق فی الحدیث اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٤٩) **مغيرة بن عبد الرحمن بن عبد الله الأسدي:** قال ابن معين: ليس بشيء.

''ابن معین نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: کچھ نہیں ہیں کیا؟ یعنی آدمی بھی نہیں ہیں؟ یا شیئیت سے ایک دم خارج ہیں؟ ارے جناب! انصاف تو کیجئے کہ کیا ایسی مبہم جرح ہوسکتی ہے؟ میں پھر آپ کی توجہ اس رسالہ کے مقدمہ کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ جرح مبہم غیر مبین غیر مفسر سرے سے جرح ہی نہیں ہے، پس اس قاعدہ کلیہ سے مغیرہ پر کوئی جرح نہیں ثابت ہوسکتی، یحییٰ کا قول محل شذوذ میں ہے، لہٰذا منصفین کے نزدیک غیر مسلّم ہے، بلکہ مغیرہ ائمہ ثقات سے ہے، ملاحظہ ہو:

تقریب میں ہے: '' ثقة '' اور میزان میں ہے: '' وثقوه، وقد وثقه ابن عدي'' [1]

یعنی مغیرہ ثقہ ہے، ان کو ابن عدی اور بھی بہتوں نے ثقہ کہا ہے۔

خلاصہ میں ہے:

'' قال أبوداود: رجل صالح، وقال أحمد: ما بحديثه بأس ''. [2]

''یعنی ابوداود نے ان کو صالح اور امام احمد نے لا بأس به کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

'' قال أحمد و أبوداود: لا بأس به، وقد اعتمده الجماعة'' . [3]

''یعنی ان کو احمد و ابوداود نے لاباس بہ کہا ہے اور ایک جماعت نے ان پر اعتماد کیا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد عاشر میں ہے:

'' قال الجوزجاني عن أحمد: ما بحديثه بأس، وقال الآجري عن أبي داود: رجل صالح، وقال في موضع آخر: لا بأس به، وذكره ابن حبان في الثقات، '' انتهى.

''یعنی جوزجانی نے احمد سے ما بحديثه بأس اور آجری نے بروایت ابی داود صالح الحدیث اور لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' [4] آگے چلئے:

---

1. ميزان الاعتدال (١٦٤/٤) تقريب التهذيب (ص: ٥٤٣)
2. الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٥)
3. هدي الساري (ص: ٤٤٥)
4. قبل ازیں اس بات کی تصریح گزر چکی ہے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ ''ليس بشيء'' کا اطلاق قلیل الروایۃ شخص پر کر دیتے ہیں نہ ←

قوله: (١٥٠) **مغيرة بن مقسم**: لين أحمد بن حنبل عن إبراهيم النخعي فقط مع أنها في الصحيحين .

''احمد بن حنبل نے ان کو ضعیف ٹھہرایا اس کی روایت کو جو ابراہیم نخعی سے ہے، باوجود اس کے کہ وہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔'' ایضاً

أقول: میں نے اس کا جواب گو ''العرجون القدیم'' (ص: ٦١-٦٢) میں دیا ہے، لیکن یہاں بھی آپ کی خاطر عرض کئے دیتا ہوں۔ مغیرہ کی بابت امام احمد کی یہ تلیین بوجہ تدلیس مغیرہ ہے، چنانچہ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے: '' إلا أنه كان يدلس ولا سيما عن إبراهيم'' [1] یعنی مغیرہ بہت تدلیس کرتا ہے اور خصوصاً ابراہیم نخعی سے، جس کو ذہبی نے خود میزان میں کھول دیا ہے:

'' لأن مغيرة إنما سمعه من حماد عن إبراهيم،'' انتهى. [2]

''یعنی اس لیے کہ مغیرہ نے حماد سے سنا اور حماد نے ابراہیم نخعی سے۔''

اور مغیرہ حماد کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ ان کے اوپر ان کے شیخ ابراہیم نخعی کا نام لئے دیتا ہے، چنانچہ تدلیس یہی ہوتی ہے، پس ثابت ہوا کہ امام احمد کی تضعیف مغیرہ کی بابت خاص اسی روایت میں ہے، جو اس نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے، چنانچہ ہدی الساري میں ہے:

'' ضعف أحمد بن حنبل روايته عن إبراهيم النخعي خاصة، قال: كان يدلسها، وإنما سمعها من حماد، '' انتهى. [3]

''یعنی امام احمد نے مغیرہ کی اس روایت کو خاص کر کے ضعیف کہا ہے، جس کو انھوں نے تدلیس کر کے ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ اس کو حماد سے سنا تھا۔''

اب رہا یہ اعتراض کہ پھر ایسی روایت صحیح بخاری و مسلم میں کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کتب اصول میں یہ مرحلہ طے ہو چکا ہے کہ مدلس جو ثقہ اور حافظ ہو، وہ جب بصیغہ اخبار (یعنی أخبرنا) وتحدیث (یعنی حدثنا) روایت کرے، تو اس کی حدیث مقبول اور واجب العمل ہے اور جب مدلس ثقہ حافظ بصیغہ عن روایت کرے، تو وہ روایت البتہ متکلم فیہا ہوتی ہے، مگر جب دوسرا غیر مدلس راوی اس کی متابعت کرے تو وہ محمول علی السماع ہو جاتی ہے، چونکہ

← کہ ضعیف و مجروح پر، لہٰذا جب دیگر محدثین سے ان کی توثیق مروی ہے، تو ابن معین کا قول قلت روایت پر محمول ہوگا۔

[1] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٣)

[2] ميزان الاعتدال (١٦٦/٤)

[3] هدي الساري (٤٤٥)

امام بخاری و امام مسلم نے جو حدیثیں مغیرہ عن ابراہیم سے روایت کی ہیں، ان کی متابعت بھی دوسرے راویوں سے ساتھ ہی مذکور ہے، لہٰذا مغیرہ کا عنعنہ سماع پر محمول ہوگا، لہٰذا روایات مغیرہ بداہتاً قابل حجت ہونگی، اسی وجہ سے حافظ نے ہدی الساري میں لکھا ہے:

" قلت: ما أخرج له البخاري عن إبراهيم إلا ما توبع عليه، " انتهى. [1]

"یعنی امام بخاری نے ابراہیم نخعی سے مغیرہ کی وہ روایت ذکر کی ہے، جس پر متابعت بھی ثابت ہے۔"

پس آپ کا اعتراض هباءً منثورا ہوگیا، فالحمدللہ! اب مغیرہ کی توثیق سنئے، تقریب میں ہے: " ثقة متقن" یعنی یہ بڑے پختہ ثقہ ہیں۔ خلاصہ میں ہے: " وثقه عبد الملك بن أبي سليمان والعجلي انتهى" [2]

یعنی مغیرہ کو عبدالملک و احمد عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے: " إمام ثقة، وقال ابن معين: ثقة مأمون، " [3]

176 یعنی یہ امام ثقہ ہیں، ان کو یحییٰ نے ثقہ مامون کہا ہے۔

ہدی الساري میں ہے:

" أحد الأئمة متفق على توثيقه، واحتج به الأئمة " انتهى. [4]

"یعنی یہ امام ہیں، ان کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے اور ان سے کل ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔"

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

" قال ابن أبي مريم عن ابن معين : ثقة مأمون، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي: مغيرة أحب إليك أو ابن شبرمة في الشعبي؟ فقال: جميعا ثقتان، وقال العجلي: مغيرة ثقة فقيه الحديث، وقال النسائي: مغيرة ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة كثير الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. [5]

"یعنی ابن معین نے بروایت ابن ابی مریم مغیرہ کو ثقہ مامون کہا ہے اور ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک مغیرہ اچھا ہے یا ابن شبرمہ؟ فرمایا کہ دونوں ثقہ ہیں اور

[1] هدي الساري (ص: ٤٤٥) علاوہ ازیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مدلسین کے عنعنات کا خاص حکم ہے کہ وہ سماع پر محمول ہوں گے، جیسا کہ حافظ سخاوی نقل کرتے ہیں: أكثر العلماء أن المعنعنات التي في الصحيحين منزله منزلة السماع ... الخ (فتح المغيث: ١/ ١٨٧)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٣) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٥)

[3] ميزان الاعتدال (١٦٦/٤)

[4] هدي الساري (ص: ٤٤٥)

[5] تهذيب التهذيب (١٠/ ٢٤١)

عجلی نے کہا کہ مغیرہ ثقہ حدیث کا سمجھنے والا ہے اور نسائی نے مغیرہ کو ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، آگے چلئے:

قوله: (١٥١) **مفضل بن فضالة:** قال محمد بن سعد في ترجمة المفضل بن فضالة المصري القاضي: منكر الحديث.

''محمد بن سعد نے مفضل بن فضالہ کے بیان میں کہا کہ ان کی حدیث سے لوگوں نے انکار کیا ہے۔'' ایضاً۔

أقول: اس کا جواب حافظ ابن حجر نے خود تقریب میں دے کر ہم کو سبکدوش کر دیا ہے، رحمه الله حيث قال: "وأخطأ ابن سعد في تضعيفه" [1] یعنی محمد بن سعد ان کی تضعیف میں خطا پر ہیں، پس ثابت ہوا کہ مفضل پر کسی قسم کی جرح نہیں ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے دو مقام پر بمتابعت لیث روایت کی ہے۔ [2]

اب صریح لفظوں میں ان کی توثیق سنئے!

تقریب میں ہے: " ثقة فاضل عابد " اور خلاصہ میں ہے: " قال ابن يونس: ثقة " [3]

یعنی مفضل ثقہ فاضل و عابد ہے، ابن یونس نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

" وثقه ابن معين وغيره، وقال ابن يونس: وكان من أهل الدين والورع والفضل، وقال أبوداود: وكان مجاب الدعوة، " انتهى. [4]

''یعنی ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن یونس نے کہا ہے کہ مفضل صاحب دین و ورع و فضل تھا اور ابوداود نے کہا ان کی دعا جلد قبول ہوجاتی ہے۔''

ہدی الساری میں ہے:

" وثقه يحيىٰ بن معين وأبو زرعة والنسائي وآخرون، وقال أبوحاتم وابن خراش: صدوق، قلت: اتفق الأئمة على الاحتجاج به" انتهى. [5]

''یعنی مفضل کو یحییٰ اور ابوزرعہ اور نسائی وغیرہ نے ثقہ اور ابوحاتم و ابن خراش نے صدوق کہا ہے اور سارے ائمہ نے ان کے ساتھ حجت پکڑنے پر اتفاق کیا ہے۔''

---

1. تقريب التهذيب (ص: ٥٤٤)
2. هدي الساري (ص: ٤٤٥)
3. الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٦)
4. ميزان الاعتدال (١٦٩/٤)
5. هدي الساري (ص: ٤٤٥)

تہذیب التہذیب جلد عاشر میں ہے:

" قال إسحاق بن منصور عن ابن معين: ثقة، وقال الدوري عن ابن معين: رجل صدوق، وقال أبوزرعة: لا بأس به، وقال أبوحاتم وابن خراش: صدوق في الحديث، وقال ابن يونس: كان من أهل الفضل والدين ثقة في الحديث من أهل الورع، ذكره أحمد بن شعيب ووثقه، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. [1] 177

''یعنی مفضل کو یحییٰ نے بروایت اسحاق ثقہ اور یحییٰ نے بروایت دوری صدوق اور ابوزرعہ نے لا بأس به اور ابوحاتم وابن خراش نے صدوق درحدیث کہا ہے اور ابن یونس نے کہا کہ وہ صاحب فضل و دین اور حدیث میں ثقہ اور پرہیز گاروں سے تھا، احمد بن شعیب نے ان کا ذکر کر کے ان کو ثقہ کہا ہے اور ان کا ذکر ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (۱۵۲) **مقسم**: ضعفه ابن حزم، والعجب أن البخاري أخرج له في صحيحه، وذكره في كتاب الضعفاء.

''ان کو ابن حزم نے ضعیف ٹھہرایا اور بخاری سے تعجب ہے کہ اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے اور حالانکہ ان کا ذکر بخاری نے کتاب الضعفاء میں کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: آپ نے یہاں دو جرحیں نقل کی ہیں، ایک ابن حزم کی، دوسرے امام بخاری کی، اور لطف یہ کہ وجہ تضعیف کسی کی بھی بیان نہیں کی، اچھا ہم کو آپ بتلادیں گے، انشاء اللہ، دوسری جرح کا جواب تو میں نے "العرجون القدیم" (ص: ۵۷-۵۸) میں دیا ہے، جس کی کچھ تفصیل آگے بیان کروں گا، انشاء اللہ، باقی رہی جرح اول، یعنی ابن حزم کی تضعیف سو واضح ہو کہ ابھی نمبر (۱۴۲) میں ابن حزم کی جرح کی بابت گزرا کہ یہ جرح میں عجلت کر جاتے ہیں اور زیادتی سے کام لیتے ہیں، اسی لیے محدثین کے یہاں ان کی جرح بحالت متفرد ہونے کے محل نظر رہتی ہے، بلکہ اکثر غیر قابل قبول ہوتی ہے، باقی رہا امام بخاری کا ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کرنا وہ تغلیباً ہے، امام بخاری کا ان کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مقسم سے حکم نے حدیث حجامت روایت کی ہے، حالانکہ مقسم سے حکم نے اس کو سنا نہیں ہے، جس کی تفصیل علامہ ذہبی نے میزان میں کی ہے، جس کو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

" فساق له حديث شعبة عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس...إلى قوله: ثم روى عن شعبة أن الحكم لم يسمع من مقسم... الخ. [2]

---

[1] تهذيب التهذيب (٢٤٤/١٠)

[2] ميزان الاعتدال (١٧٦/٤)

''یعنی شعبہ حکم سے روایت کرتے ہیں، وہ حکم مقسم سے وہ ابن عباس سے پھر شعبہ نے خود کہا کہ حکم نے مقسم سے سنا ہی نہیں ہے۔''

پس ثابت ہوا کہ امام بخاری نے مقسم کی ایسی حدیث کو ضعفاء میں شمار کیا ہے، جس کی سند میں حکم راوی آئے، اس لئے کہ حکم نے مقسم سے سنا ہی نہیں اور امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں جو مقسم کی روایت لائے ہیں، وہ صرف دو ہیں، ان دونوں کی سند میں ابن جریج ہیں، نہ کہ حکم، لہٰذا ان میں ضعف کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ❶

کہئے! اب آپ کو اصل وجہ معلوم ہوگئی؟ اب مقسم کی ثقاہت بھی سنتے جایئے:

تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " قال أبوحاتم: لا بأس به " ❷

یعنی یہ صدوق ہیں، ابوحاتم نے ان کو لا بأس به کہا ہے۔ میزان میں ہے:

178

" صدوق، وقد وثقه غير واحد، وقال أبوحاتم: صالح الحديث، " انتهى. ❸

''یعنی مقسم صدوق ہیں، ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه العجلي ويعقوب بن سفيان والدارقطني وأحمد بن صالح المصري، " انتهى. ❹

''یعنی ان کو عجلی اور یعقوب اور دارقطنی اور احمد بن صالح نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

" قال أبوحاتم: صالح الحديث لا بأس به، وذكره ابن سعد في موضع من الطبقات فقال: كان كثير الحديث، وقال ابن شاهين في الثقات: قال أحمد بن صالح المصري: ثقة ثبت لا شك فيه، وقال العجلي: مكي تابعي ثقة، وقال يعقوب بن سفيان والدارقطني: ثقة، " انتهى ملخصاً. ❺

''یعنی مقسم کو ابوحاتم نے صالح الحدیث لا بأس به اور ابن سعد نے اپنے طبقات کے ایک مقام پر کثیر الحدیث اور ابن شاہین نے ثقات میں اور احمد بن صالح نے ثقہ ثبت بلاشک اور عجلی نے تابعی ثقہ اور

---

❶ صحیح بخاری میں مقسم کی صرف ابن عباس ◆ سے ایک موقوف روایت مروی ہے، حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: " لم يخرج له البخاري في صحيحه إلا حديثا واحدا، ذكره في المغازي ... الخ (هدي الساري: ٤٤٥) نیز امام ابو الولید الباجی ﷫ فرماتے ہیں: "لم أر لمقسم في الكتاب غيره " (التعديل والتجريح لأبي الوليد الباجي: ٢/٧٥٠)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٥٤٥) نیز فرماتے ہیں: "ماله في البخاري سوى حديث واحد "

❸ ميزان الاعتدال (٤/ ١٧٦)

❹ هدي الساري (ص: ٤٤٥)

❺ تهذيب التهذيه (١٠/ ٢٥٦)

یعقوب اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔'' [1] آگے چلئے:

قوله: (١٥٣) **منصور بن عبد الرحمن (بن طلحة بن حارث)**: قال ابن حزم: ليس بالقوي أو نحو ذا .

''ابن حزم نے کہا کہ یہ قوی نہیں یا ازیں قبیل کچھ اور کہا۔'' ایضاً

أقول: یہ وہی ابن حزم ہیں، جن کی بابت ابھی اوپر کے نمبر میں بیان ہوا کہ ان کی تضعیف یا دوسری کوئی جرح بحالت تفرد و شذوذ مقبول نہیں، بلکہ یہ بوجہ اپنی عجلت خطا کر جاتے ہیں، اب اس کا ثبوت سنئے، حافظ ابن حجر تقریب میں اس مقام پر لکھتے ہیں: '' أخطأ ابن حزم في تضعيفه '' [2] اور ہدی الساري میں فرماتے ہیں: '' وشذ ابن حزم فقال: ليس بالقوي'' [3] اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں: '' وشذ ابن حزم فلينه'' [4]

ان ہرسہ عبارات کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حزم منصور کی تضعیف میں شاذ اور خطا پر ہیں، لہٰذا قابل قبول نہیں۔ اب منصور کی کھلے لفظوں میں توثیق سنئے:

تقریب میں ہے: '' ثقة من الخامسة '' اور خلاصہ میں ہے: '' وثقه النسائي والناس'' [5]

یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو نسائی اور تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

'' أحسن أحمد الثناء عليه، وقال أبوحاتم: صالح الحديث، وقال النسائي: ثقة، '' انتهى. [6]

''یعنی امام احمد نے منصور کی عمدہ تعریف کی ہے اور ابوحاتم نے صالح الحدیث اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

'' قال الأثرم: أحسن أحمد الثناء عليه، وقال النسائي وابن سعد: ثقة، وقال ابن حبان:

---

[1] قال الحافظ: ذكره البخاري في الضعفاء، ولم يذكر فيه قدحا، بل ساق له حديث شعبة عن الحكم عن مقسم في الحجامة، وقال: إن الحكم لم يسمع عنه شيئا، انتهى، وفي الصغير ذكره البخاري وقال: لا يعرف لمقسم سماع من أم سلمة ولا ميمونة ولا عائشة، انتهى، فعلم منه أن ذكره في الضعفاء إنما هو بسبب حديث الحجامة فقط، لا غير! (مولانا إرشاد الحق اثری ﷾)

[2] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٧)

[3] هدي الساري (ص: ٤٤٥)

[4] الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٨)

[5] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٨)

[6] ميزان الاعتدال (١٨٦/٤)

كان ثبتا تقيا، قلت: بل احتج به الجماعة كلهم، " انتهى. [1]

''یعنی اثرم نے کہا کہ امام احمد نے منصور کی اچھی تعریف کی اور ان کو نسائی اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن حبان نے ثبت و پرہیز گار کہا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ ان سے کل جماعت نے دلیل پکڑی ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد عاشر میں ہے:

" قال الأثرم: سئل عنه أحمد، فأحسن الثناء عليه، كان ابن عيينة يثني عليه، وقال أبوحاتم: صالح الحديث، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال النسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن حبان: كان ثبتا ثقة، " انتهى ملخصاً. [2] 179

''یعنی اثرم نے کہا کہ امام احمد منصور کی بابت پوچھے گئے، تو انھوں نے عمدہ تعریف سے جواب دیا اور ابن عیینہ ان کی تعریف کرتے تھے اور ان کو ابوحاتم نے صالح الحدیث اور ابن سعد نے ثقہ اور نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کر کے ثبت و ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٥٤) **منهال بن عمرو الكوفي**: وعنه شعبة والمسعودي والحجاج بن أرطاة، ثم في الآخر ترك الرواية عنه شعبة فيما قيل، لأنه سمع من بيته صوت غناء ، وقال الحاكم: غمزه يحيىٰ بن سعيد، وقال الجوزجاني في الضعفاء له: سيء المذهب، وكذا تكلم فيه ابن حزم .

''ان سے شعبہ اور مسعودی اور حجاج بن ارطاۃ نے روایت کی، پھر کہا گیا ہے کہ شعبہ نے ان سے آخر میں روایت ترک کر دی تھی، کس واسطے کہ انھوں نے ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی تھی اور کہا حاتم (حاکم یا حاتم) نے کہ ان پر یحییٰ بن معین نے چشمک کی ہے اور جوزجانی نے ضعفاء میں کہا کہ ان کا مذہب خراب تھا اور ایسا ان میں ابن حزم نے بھی کلام کیا۔'' ایضاً

أقول: آپ نے یہاں پر اپنے زعم باطل میں چار جرحیں نقل کی ہیں:

ا۔ شعبہ کے گانے سننے کی۔

۲۔ حاکم کی ۔

۳۔ جوزجانی کی۔

۴۔ ابن حزم کی۔

اب ہر ایک کا نمبروار جواب سنئے، انشاء اللہ آپ کی کل جرحیں جڑ سے اکھڑ کر رہیں گی:

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٤٥)

[2] تهذيب التهذيب (١٠/ ٢٧٥)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

۱۔ شعبہ کے گانا سننے کا ذکر خود آپ نے فعل مجہول "قیل" سے کیا ہے، جس کا عدم جزم مسلّم ہے، لہٰذا آپ کی جرح اول کا جواب تو اسی سے ہوگیا کہ یہ قول قابل قبول نہیں، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ درحقیقت ان کے گھر سے گانے کی آواز آئی، تو ان پر کیا جرح ہوسکتی ہے؟ حالانکہ یہ گانا کسی ایسے شیخ کی جرح کا باعث نہیں ہوسکتا، اسی لیے تو علامہ ذہبی نے میزان میں آگے خود فیصلہ کر دیا تھا، جس سے آپ عمداً چشم پوشی کر گئے، سنئے! وہ فرماتے ہیں:

" وهذا (الغناء) لا يوجب غمز الشيخ، " انتهى [1] یعنی یہ گانا موجب جرح نہیں ہے اور نہ اس سے ایک ثقہ شخص مجروح ہوسکتا ہے۔

۲۔ دوسرے حاکم کی جرح یحییٰ کے غمز کی وہ محض بے دلیل ہے، نیز مبہم اور غیر مفسر ہے، جو بداہتاً قابل قبول نہیں ہے، اس لئے کہ یحییٰ کی غمز کی اصل وجہ اگر وہی غنا ہے، تو اس کا جواب گزرا اور اگر کچھ اور ہے تو اس کو پیش کر کے جواب لیجئے، ورنہ غیر مسلّم! اس لیے اس جرح کے متعلق حافظ ابن حجر نے ہدی الساري میں فرما دیا: " وحكاية الحاكم غير مفسرة " [2] یعنی حاکم کی جرح بوجہ غیر مفسر ہونے کے نامقبول ہے۔

۳۔ تیسری جرح جوز جانی کی ہے، یہ وہی حضرت ہیں جن کی بابت نمبر ۴۱ و ۴۷ وغیرہ نمبروں میں بالتفصیل گزرا ہے کہ جوز جانی چونکہ سخت ناصبی اور حضرت علی سے منحرف رہتے، لہٰذا ان کی جرح معتبر نہیں، تھوڑا اس نمبر میں بھی 180
سن لیجئے، حافظ ابن حجر خاص اس مقام میں ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

" وأما الجوزجاني فقد قلنا غير مرة أن جرحه لايقبل في أهل الكوفة لشدة انحرافه ونصبه". [3]

"یعنی جوزجانی کی جرح کی بابت میں نے کئی مرتبہ بتلایا ہے کہ بوجہ ان کے ناصبی وخارجی ہونے کے اہل کوفہ کے حق میں مقبول نہیں۔"

۴۔ باقی رہی ابن حزم کی جرح، خیریت سے یہ بھی قریب قریب اسی قبیل سے ہے، جیسا کہ اوپر نمبر ۱۴۲، ۱۵۲، ۱۵۳، وغیرہ نمبروں میں بالتفصیل بیان ہوا کہ یہ جرح میں خطا کر جاتے ہیں، لہٰذا ان کی جرح بھی مردود!

چلئے آپ کی ہر چہار جرحیں جڑ سے اکھاڑ کر ﴿قَاعًا صَفْصَفًا﴾ [طٰه: ١٠٦] کر دی گئیں اور ثابت ہوگیا کہ منہال پر کسی قسم کی جرح نہیں ہے، بلکہ وہ ائمہ ثقات سے ہے۔

چنانچہ تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے: "وثقه ابن معين والنسائي" [4]

[1] ميزان الاعتدال (١٩٢/٤) هدي الساري (ص: ٤٤٦) نیز وھب بن جریر نے جب شعبہ کی بات سنی کہ ایسی آواز سننے کی وجہ سے میں لوٹ آیا، تو انھوں نے شعبہ کو کہا: "فهلا سألته عسى كان لا يعلم؟! " (الضعفاء للعقيلي: ٢٣٦/٤، تهذيب التهذيب: ٢٧٣/١٠)

[2] هدي الساري (ص: ٤٤٦)

[3] مصدر سابق

[4] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٨٨)

یعنی منہال صدوق ہے، اس کو یحییٰ ونسائی نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے: " قال ابن معين: المنهال ثقة، وقال أحمد العجلي: كوفي ثقة، " انتهى. ❶

"یعنی یحییٰ نے منہال کو ثقہ اور احمد عجلی نے ثقہ کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" قال ابن معين والنسائي والعجلي وغيرهم: ثقة... إلى قوله: أن أباحاتم حكى عن ابن معين: أنه وثقه، " انتهى. ❷

یعنی منہال کو یحییٰ ونسائی واحمد وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن معین نے بروایت ابو حاتم ثقہ کہا ہے۔

تهذیب التهذیب **جلد دہم میں ہے:**

" قال ابن معين والنسائي: ثقة، وقال العجلي: كوفي ثقة، وقال الدارقطني: صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، "انتهى ملخصاً. ❸

"یعنی یحییٰ بن معین ونسائی نے منہال کو ثقہ اور احمد عجلی نے ثقہ اور دارقطنی نے صدوق اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔" آگے چلئے:

قوله: (١٥٥) **موسىٰ بن عقبة:** قد قال ابن معين مرة: فيه بعض الضعف.

"ابن معین نے ایک دفعہ کہا کہ ان میں کچھ ضعف ہے۔" ایضاً

أقول: ابن معین کا ایک مرتبہ ان کی بابت ایسا کہنا، یہ ایک خاص روایت کی بابت ہے، جس کو حافظ ہدی الساری میں فرماتے ہیں:

" إن تليين ابن معين له إنما هو بالنسبة إلى رواية مالك، " انتهى. ❹

"یعنی ابن معین کی تضعیف موسیٰ کی بابت صرف اس روایت میں ہے، جو مالک کے طرف سے آئے۔"

یہ نہیں کہ موسیٰ بن عقبہ عام طور سے ضعیف ہیں اور ابن معین نے یہی کہا ہے، اسی لیے حافظ نے تقریب میں فرمایا ہے: "لم يصح أن ابن معين لينه " ❺ یعنی ابن معین کی تضعیف ان کی بابت عام طور سے صحیح ثابت نہیں۔ پس

---

❶ ميزان الاعتدال (١٩٢/٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٦)

❸ تهذيب التهذيب (١٠/ ٢٨٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤٤٦) امام ابن معین رحمہ اللہ سے موسی بن عقبہ کی مطلق توثیق مروی ہے۔ دیکھیں: تاريخ ابن معين للدوري (١٨٢/٣) تاريخ ابن معين للدارمي (ص: ٢٠٣) اور ان سے موسیٰ بن عقبہ کی نسبت یہ قول بھی مروی ہے: "قال ابن الجنيد: وسئل ابن معين عنه، فقال: ثقة، وليس في نافع مثل مالك و عبيدالله بن عمر" یعنی نافع سے روایت کرنے میں موسیٰ بن عقبہ، مالک اور عبیداللہ بن عمر کی طرح نہیں ہے، بلکہ مالک اور عبیداللہ جب نافع سے روایت کریں، تو ان کی روایت کو موسیٰ بن عقبہ عن نافع کی روایت پر ترجیح ہوگی۔

❺ تقريب التهذيب (ص: ٥٥٢)

آپ کی جرح رفع ہوگئی، اب سنئے ان کی توثیق! تقریب میں ہے: "ثقة فقيه إمام" اور میزان میں ہے: "ثقة حجة من صغار التابعين" ❶ یعنی یہ فقیہہ اور امام اور ثقہ اور حجت اور تابعین سے ہیں، خلاصہ میں ہے:

"قال مالك: ثقة، وقال ابن معين: ثقة، ووثقه أحمد وأبو حاتم، " انتهى. ❷ 181

"یعنی ان کو مالک اور یحییٰ اور احمد اور ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے: "وثقه الجمهور، وقد اعتمده الأئمة كلهم". ❸

"یعنی ان کو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے اور کل ائمہ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔"

تہذیب التہذیب جلد عاشر میں ہے:

" قال ابن سعد: كان ثقة ثبتا كثير الحديث، وقال إبراهيم بن المنذر عن معن بن عيسىٰ كان مالك يقول: إنه ثقة، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة، وكذا قال الدوري وغير واحد عن ابن معين، وكذا قال العجلي والنسائي، وقال المفضل الغلابي عن ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: ثقة صالح، وقال إبراهيم بن طهمان: ثنا موسىٰ بن عقبة، وكان من الثقات، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❹

"یعنی موسیٰ بن عقبہ کو محمد بن سعد نے ثقہ ثبت کثیر الحدیث کہا ہے اور معن نے بروایت ابراہیم کہا کہ مالک ان کو ثقہ کہتے اور عبداللہ نے اپنے باپ امام احمد سے ثقہ اور دوری اور بہتوں نے یحییٰ بن معین سے ثقہ اور احمد عجلی و نسائی نے ثقہ اور ابن معین نے بروایت مفضل ثقہ اور ابوحاتم نے ثقہ صالح الحدیث کہا ہے اور ابراہیم نے موسیٰ کو ثقات سے اور ابن حبان نے ثقات سے کہا ہے۔"

آگے چلئے:

قوله: (١٥٦) **موسىٰ بن مسعود**: ضعفه الترمذي، وقال ابن خزيمة: لا يحتج به، وقال عمرو ابن علي: لا يحدث عنه من ينصر الحديث، وقال أبو أحمد الحاكم: ليس بالقوي عندي.

"ان کو ترمذی نے ضعیف ٹھہرایا اور ابن خزیمہ نے کہا کہ ان سے دلیل نہیں پکڑی جاتی ہے، اور عمرو بن علی نے کہا کہ جس کو حدیث کی مددگاری منظور ہو۔ ❺ وہ ان سے حدیث نہیں روایت کرے گا اور ابو احمد

---

❶ ميزان الاعتدال (٤/٢١٤)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٩٢)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٦)

❹ تهذيب التهذيب (١٠/ ٣٢٢)

❺ معترض نے میزان سے "ينصر الحديث" کے الفاظ نقل کئے ہیں اور ترجمہ میں بھی اسی لفظ کا ترجمہ کیا ہے، جب کہ میزان اور دیگر مصادر میں "يبصر الحديث" کے الفاظ ہیں اور سیاق کے لحاظ سے بھی یہی الفاظ موزوں ہیں۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حاکم نے کہا کہ یہ لوگوں کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔ ایضاً

أقول: ان تمام جرحوں کا ایک ہی جواب یحییٰ بن معین جیسے ناقد نے دیا ہے اور کیا ہی مختصر دیا ہے، جس کو حافظ ہدی الساري میں نقل کرتے ہیں:

"وقال ابن معين: لم يكن من أهل الكذب". ❶ ''یعنی وہ سب کچھ تھا، لیکن جھوٹا تو نہیں تھا۔''

اس لیے کہ کاذب ہونا ثقاہت کے منافی ہے اور یہ بذات خود مفسر جرح ہے، بخلاف ان تمام جروح کے جس کو آپ نے نقل کیا ہے، وہ سب بوجہ مبہم وغیر مفسر ہونے کے بجائے خود مجروح اور غیر قابل تسلیم ہیں۔ فافهم!

باقی رہا امام بخاری کا ان سے روایت لینا، تو وہ متابعتاً ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے، حافظ فرماتے ہیں: "وحديثه عند البخاري في المتابعات" ❷ یعنی موسیٰ کی حدیث بخاری میں متابعت ہے، چنانچہ وہ روایت تین مقام پر ہے، پہلی جگہ بمتابعت ربیع وعثام بن علی ہے، دوسری جگہ یہ بمتابعت وکیع وغیرہ ہے، تیسری جگہ بمتابعت ابو معاویہ و وکیع ہے اور ایک جگہ معلق ہے۔ ❸ بس فرمایئے! اب کونسا حرج ہوسکتا ہے؟ اور امام بخاری کا ان سے متابعت میں روایت لینا بھی اس وجہ سے ہے کہ یہ اکثر کے نزدیک ثقہ معتبر ہیں۔

چنانچہ تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے: "قال العجلي: صدوق" ❹

182 یعنی موسیٰ ثقہ ہیں، ان کو احمد عجلی نے ثقہ وصدوق کہا ہے۔

میزان میں ہے:

"صدوق، وقال أبوحاتم: صدوق معروف، وقال أحمد أيضاً: هو من أهل الصدق" انتهى. ❺

''یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو ابو حاتم نے مشہور صدوق اور احمد نے بھی صدوق کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

"صدوق، قال العجلي: ثقة، وقال أبوحاتم: صدوق، " انتهى. ❻

''یعنی موسیٰ صدوق ہیں، ان کو احمد عجلی نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

---

❶ هدي الساري (ص:٤٤٦)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٥٤)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٦)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥٥٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٩٢)

❺ ميزان الاعتدال (٢٢٢/٤)

❻ هدي الساري (ص: ٤٤٦)

" قال الأثرم: قلت لأحمد: أ ليس هو من أهل الصدق؟ قال: أما من أهل الصدق فنعم، وقال العجلي: ثقة صدوق، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عنه، فقال: صدوق معروف، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان كثير الحديث ثقة إن شاء اللّٰه تعالیٰ، " انتهی ملخصاً. ❶

''یعنی اثرم نے کہا کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ کیا موسیٰ صدوق نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں اور احمد عجلی نے اس کو ثقہ وصدوق کہا ہے اور ابو حاتم کے بیٹے نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے اس کی بابت سوال کیا تو فرمایا کہ وہ مشہور صدوق ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور محمد بن سعد نے اس کو کثیر الحدیث ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (۱۵۷) **موسیٰ بن نافع:** قال أحمد بن حنبل: منكر الحديث.

''احمد بن حنبل نے کہا کہ ان کی حدیث سے لوگوں نے انکار کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: ان کی کل حدیثیں منکر نہیں ہیں، بلکہ بعض ہیں، اس لیے کہ "الحدیث" پر الف لام عہد کا ہے اور اس سے ان کے حق میں جرح نہیں ہوسکتی ❷ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ ڈھیر میں ہر قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت ابن جریج روایت کیا ہے، ❸ بلکہ موسیٰ بن نافع بالاتفاق ائمہ ثقات سے ہے، تقریب میں ہے:" صدوق من السادسة" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن معين " اور میزان میں ہے:" وثقه يحيىٰ بن معين" ❹ یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے، ہدی الساری میں ہے:

" قال إسحاق بن منصور عن ابن معين: ثقة "❺ ''یعنی یحییٰ نے بروایت اسحاق ان کو ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد عاشر میں ہے:

" قال أبوحاتم: قال عثمان بن أبي شيبة: أثنیٰ أبو نعيم على موسیٰ بن نافع خيرا، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين: ثقة، وقال ابن أبي حاتم عن أبيه: يكتب حديثه، قال:

---

❶ تهذيب التهذيب (۱۰/ ۳۳۰)

❷ قبل ازیں اس بات کی تصریح گزر چکی ہے کہ امام احمد کسی راوی کے تفرد پر نکارت کا اطلاق کر دیتے ہیں، جو کوئی جرح نہیں ہے، حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں:"هذه اللفظة [أي: منكر الحديث] يطلقها أحمد على من يغرب على أقرانه بالحديث، عرف ذلك بالاستقراء من حاله" نیز فرماتے ہیں:"أحمد وغيره يطلقون المناكير على الأفراد المطلقة" (هدي الساري: ۳۹۲، ٤٥۳) اسی طرح حافظ عراقی ؒ فرماتے ہیں:"كثيرا ما يطلقون المنكر على الراوي، لكونه روى حديثا واحدا" مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الرفع والتكميل (ص: ۲۰۰)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٧)

❹ ميزان الاعتدال (٤/۲۲٤) تقريب التهذيب (ص: ٥٥٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ۹۹۳)

❺ هدي الساري (ص: ٤٤٧)

وغيري يحكي عن أبي أنه قال: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: وكان ثقة، وقال ابن شاهين في الثقات: قال ابن عمار: هو ثقة،" انتهی.❶

''یعنی عثمان نے بروایت ابو حاتم کہا کہ ابونعیم نے موسیٰ کی اچھی تعریف کی اور یحییٰ نے بروایت اسحاق ان کو ثقہ کہا ہے اور ابوحاتم کے بیٹے نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ ان کی حدیث قابل کتابت ہے اور ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ میرے علاوہ کسی دوسرے نے میرے باپ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ ثقہ ہے اور اس کو ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ اور ابن شاہین نے ثقات میں اور ابن عمار نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے: 183

قوله: (۱۵۸) **ميمون بن سياه**: ضعفه يحيىٰ بن معين .

''ان کو یحییٰ بن معین نے ضعیف ٹھہرایا۔'' ایضاً

أقول: ہم نے سابقہ تمہید میں بیان کیا ہے کہ جس راوی سے امام بخاری روایت کریں، وہ پل کے پار ہوگیا، اب اس کے اوپر کسی کی بھی جرح مقبول نہیں ہوسکتی اور خصوصاً اس وقت جب ابن معین اپنی اس تضعیف میں شاذ ہیں۔ سنیے! ذہبی نے اسی میزان میں خود امام بخاری سے ان کی توثیق نقل کی ہے،❷ جس سے ان کا اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ امام بخاری کی توثیق کے مقابل میں ابن معین کی تضعیف کوئی چیز نہیں ہے۔ علاوہ بریں امام بخاری نے تو ان سے بمتابعت حمید الطّویل روایت کیا ہے❸ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، اب ان کی توثیق سنئے!

تقریب میں ہے: " صدوق عابد " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه أبوحاتم وابن حبان" اور میزان میں ہے: "وثقه أبوحاتم والبخاري "اور ہدی الساري میں ہے: " قال أبوحاتم: ثقة "❹

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ میمون صدوق ہے، عابد ہے، اس کو ابوحاتم وابن حبان اور امام بخاری نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد دہم میں ہے:

" قال أبوحاتم: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال حمزة عن الدارقطني: يحتج به" انتهی.❺

''یعنی میمون کو ابوحاتم نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے، اور دارقطنی نے بروایت حمزہ کہا کہ میمون قابل حجت ہیں۔ آگے چلئے۔ ایں! حرف النون ندارد؟ اچھا!!

---

❶ تهذيب التهذيب (١٠/٣٣٤)

❷ ميزان الاعتدال (٤/٢٣٣)

❸ هدي الساري (ص: ٤٤٧)

❹ ميزان الاعتدال (٤/٢٣٣) هدي الساري (ص: ٤٤٧) تقريب التهذيب (ص: ٥٥٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٩٤)

❺ تهذيب التهذيب (١٠/ ٣٥٧)

184

حرف الہاء

قوله: (١٥٩) **هدبة بن خالد الصيسى البصري**: أما النسائي فقال: ضعيف.

''لیکن نسائی نے پس کہا کہ یہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: آپ نے حسب معمول یہاں بھی غلطی کی ہے کہ ''القيسى'' کو ''الصيسى'' بالصاد لکھا ہے، خیر اس میں تو آپ کسی حد تک مجبور ہیں، ہاں آپ کی جو جرح ہے، اس کی بابت عرض ہے کہ نسائی نے ان کو کسی خاص امر کی بابت ضعیف کہا ہے، جیسا کہ حافظ ہدی الساري میں لکھتے ہیں:

'' قلت: لعله ضعفه في شيء خاص'' ❶ یعنی نسائی نے ان کی کسی خاص حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام نسائی نے ہدبہ کو قوی بھی کہا ہے، جیسا کہ اسی میزان میں ہے: ''وأما النسائي فقواه مرة أخرى'' ❷ یعنی نسائی نے ان کو قوی بھی کہا ہے، پس نسائی کا قولِ تضعیف اس وقت غیر قابل تسلیم ہے، اس لیے حافظ نے تقریب میں لکھ دیا: '' تفرد النسائي بتليينه'' ❸ یعنی نسائی نے ان کی تضعیف میں تفرد کیا ہے، پس یہ شاذ قول ایک جماعت کثیرہ کی توثیق کے مقابلہ میں کالعدم وغیر قابل قبول ہے، چنانچہ سنئے، تقریب میں ہے: '' ثقة عابد '' یعنی یہ ثقہ اور عابد ہیں، خلاصہ میں ہے:

'' وثقه ابن معين وابن حبان، وقال ابن عدي: لا أعرف له حديثا منكرا، وهو كثير الحديث، وثقه الناس، صدوق لا بأس به'' انتهى. ❹

''یعنی ہدبہ کو ابن معین وابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں اس کی کوئی حدیث منکر نہیں جانتا، وہ بہت حدیث والا ہے، اس کو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے، وہ صدوق لا بأس به ہے۔''

میزان میں ہے:

'' ثقة عالم صاحب حديث ومعرفة وعلو إسناد، وثقه ابن معين وغيره، وقال أبوحاتم: صدوق، وقال ابن عدي: لا أعرف له حديثاً منكرا، '' انتهى. ❶

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٧)

❷ ميزان الاعتدال (٤/٢٩٤)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٥٧١)

❹ الخلاصة للخزرجي (٤١٣)

''یعنی ہدبہ ثقہ عالم صاحب حدیث ومعرفت و بلند سند والا ہے، اس کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن عدی نے کہا میں اس کی کوئی حدیث منکر نہیں جانتا۔''

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن الجنيد، قال ابن عدي: لم أر له حديثاً منكرا، وهو كثير الحديث، وقد وثقه الناس، " انتهى. ❷

''یعنی ان کو ابن الجنید نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پہچانتا، یہ کثیر الحدیث اور صدوق ہیں، ان کو تمام لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد یازدہم میں ہے:

" قال علي بن الجنيد عن ابن معين: ثقة، وقال أبو حاتم: صدوق، قال ابن عدي: سمعت أبا يعلى، وسئل عن هدبة وشيبان، فقال: هدبة أفضلهما وأوثقهما وأكثرهما حديثا، وقال ابن عدي: لم أر له حديثا منكراً، وهو كثير الحديث صدوق لا بأس به، وقد وثقه الناس، وقال ابن حبان في الثقات، وقال مسلمة بن قاسم: بصري ثقة، " انتهى ملخصاً. ❸ 185

''یعنی ہدبہ کو ابن معین نے بروایت علی بن جنید ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں نے ابویعلی سے سنا، وہ ہدبہ اور شیبان کی بابت سوال کیے گئے، تو فرمایا: ہدبہ شیبان سے زیادہ فضیلت والا، زیادہ ثقہ اور زیادہ حدیث والا ہے، ابن عدی نے خود کہا میں نے اس کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی، وہ بہت حدیث والا اور سچا لا بأس به ہے، اس کو لوگوں نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور مسلمہ نے ثقہ کہا ہے۔ آگے چلیے:

قوله: (١٦٠) **هشام بن حجير المكي:** ضعفه ابن معين، وقد سئل عنه يحيىٰ القطان، فلم يرضه، وضرب عليه.

''ان کو ابن معین نے ضعیف ٹھہرایا ہے اور یحییٰ القطان سے ان کی بہ نسبت پوچھا گیا، تو انھوں نے ان کی نسبت رضا مندی ظاہر نہیں کی اور ان سے ناپسندیدگی ظاہر کی۔'' ایضاً

أقول: یحییٰ القطان کی عدم رضا ان کے حق میں جرح نہیں ہوسکتی، ہاں ابن معین کی تضعیف البتہ محل نظر ہے، لیکن یہ بھی آسانی سے اٹھ جاتی ہے، اس لئے کہ انھیں ابن معین نے ہشام کو صالح الحدیث کہا ہے، جیسا کہ آگے

❶ ميزان الاعتدال (٢٩٤/٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٧)

❸ تهذيب التهذيب (ص: ١١/ ٢٤)

تہذیب التہذیب کی عبارت میں آئے گا۔ [1] اس سے ثابت ہوا کہ پہلے ابن معین کے اجتہاد میں ان کا ضعیف ہونا ثابت ہوا تھا، لیکن پھر دوسرے اجتہاد میں ان کا صالح الحدیث ہونا ثابت ہوا، لہٰذا پہلی جرح اٹھ گئی۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت عبداللہ بن طاوس روایت کیا ہے [2] اور متابعت کی بابت بارہا لکھا جا چکا ہے۔ اس جرح کا اصل جواب تو وہی ہے کہ امام بخاری کا ان سے روایت کرنا خود ان کی توثیق کی دلیل ہے، چنانچہ ذہبی نے میزان میں ان کی توثیق کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ ان سے شیخان نے حجت پکڑی ہے۔ [3]

تقریب میں ہے: "صدوق "اور خلاصہ میں ہے: " وثقه العجلي" [4]

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو احمد عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساري میں ہے: "وثقه العجلي وابن سعد، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه،" انتهى. [5]

''یعنی ان کو عجلی وابن سعد نے ثقہ اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو لکھنے کے لائق کہا ہے۔''

میزان میں ہے:

" قال العجلي: ثقة صاحب سنة، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وقواه آخرون، و احتج به الشيخان، قال ابن شبرمة: ما بمكة مثله، " انتهى. [6]

''یعنی ہشام کو عجلی نے ثقہ صاحب حدیث اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو لائق کتابت کہا ہے اور بہتوں نے ان کو قوی کہا ہے اور امام بخاری و مسلم نے ان سے حجت پکڑی ہے اور ابن شبرمہ نے کہا کہ مکہ میں ان کی مثل کوئی نہیں ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں ہے:

" قال ابن شبرمة: ليس بمكة مثله، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين: صالح، وقال العجلي: ثقة صاحب سنة، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، قلت: وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال الساجي: صدوق، " انتهى. [1]

---

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ٣٢)

[2] هدي الساري (ص: ٤٤٨)

[3] ميزان الاعتدال (٤/٢٩٥)

[4] تقريب التهذيب (ص: ٥٧٢) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٠٩)

[5] هدي الساري (ص: ٤٤٨)

[6] ميزان الاعتدال (٤/٢٩٥)

''یعنی ابن شبرمہ نے کہا کہ مکہ میں ان کی مثل کوئی نہیں تھا اور ابن معین نے بروایت اسحاق صالح الحدیث اور عجلی نے ثقہ وصاحب حدیث اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ ان کو محمد بن سعد نے ثقہ اور زکریا ساجی نے صدوق کہا ہے، آگے چلئے:

قوله: (١٦١) **هشام بن أبي عبد الله الدستوائي**: رمي بالقدر فيما قيل.

''منجملہ ان امور کے جو بیان کیے گئے ہیں، ان کا قدر کی جانب منسوب ہونا ہے۔'' ایضاً

أقول: یہ بھی کوئی جرح ہے؟ جس کو خود آپ فعل مجہول ''قیل'' کے ساتھ نقل کر رہے ہیں، جس کی بابت بارہا آپ کو لکھا گیا کہ فعل مجہول عدم الجزم والیقین کے لیے آتا ہے، اسی لیے اس کو تمریض کا صیغہ کہتے ہیں، لیکن افسوس آپ کو اسی میزان میں آگے ''رجع عنه'' کی عبارت نہیں سوجھی، ❷ جس میں آپ کے ظن فاسد کا شافی جواب تھا کہ ان کا رجوع بھی ثابت ہے، چلئے آپ کی جرح کا جواب ہوگیا، لیکن لگے ہاتھ صاف لفظوں میں ان کی توثیق آپ کو سنا دوں۔

تقریب میں ہے: '' ثقة ثابت '' ❸ یعنی یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔

اور خلاصہ میں ہے:

'' قال أبو داود الطيالسي: كان أمير المؤمنين في الحديث، قال العجلي: ثقة ثبت، قال ابن سعد: حجة، '' انتهى. ❹

''یعنی ابوداود طیالسی نے ان کو امیر المومنین فی الحدیث اور عجلی نے ثقہ وثبت اور محمد بن سعد نے حجت کہا ہے۔''

میزان میں ہے:

'' قال أبوداود الطيالسي: هشام الدستوائي أمير المؤمنين في الحديث، '' انتهى. ❺

''یعنی طیالسی نے کہا کہ ہشام حدیث میں بادشاہ ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

'' أحد الأثبات، مجمع على ثقته وإتقانه، قال محمد بن سعد: كان ثقة حجة، قلت: احتج به الأئمة، '' انتهى . ❶

---

❶ تهذيب التهذيب (١١/ ٣٢)

❷ ميزان الاعتدال (٤/ ٣٠٠)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٥٧٣)

❹ الخلاصة للخزرجي (ص: ٤١٠)

❺ ميزان الاعتدال (٤/ ٣٠٠)

''یعنی ہشام ثقات سے ہیں، ان کے ثقہ و پختہ ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، ان کو ابن سعد نے ثقہ حجت کہا ہے، ان کے ساتھ تمام اماموں نے دلیل پکڑی ہے۔''

تهذیب التهذیب **جلد یازدہم میں ہے:**

" قال أبوهشام الرفاعي عن وكيع: ثنا هشام، وكان ثبتا، وذكره ابن علية في حفاظ البصرة، وقال أبوداود الطيالسي: هشام الدستوائي أمير المؤمنين في الحديث، وقال أبوحاتم: ثنا أبونعيم: ثنا هشام الدستوائي، وأثنىٰ عليه خيراً، وقال ابن البراء عن ابن المديني: الدستوائي ثبت، وقال العجلي: بصري ثقة ثبت في الحديث حجة، وذكره ابن حبان في الثقات، " انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی وکیع نے بروایت ابو ہشام رفاعی ہشام کو ثبت کہا ہے اور ان کو ابن علیہ نے بصرہ کے حافظوں میں شمار کیا ہے اور ابوداود طیالسی نے ہشام کو امیر المومنین درحدیث کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ ابونعیم نے ہشام کی اچھی تعریف کی اور ابن مدینی نے بروایت ابن براء ہشام کو ثبت اور احمد عجلی نے ثقہ ثبت در حدیث اور حجت اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٦٢) **همام بن يحيىٰ العودي البصري:** قال عمرو بن علي: كان يحيىٰ لا يرضىٰ حفظه ولا كتابه، ولا يحدث عنه، وقال أبوحاتم: **ثقة،** في حفظه شيء، وكان يحيىٰ القطان لا يرضىٰ حفظه . 187

''عمرو بن علی نے کہا کہ یحییٰ ان کے حافظہ اور ان کی کتاب سے راضی نہ تھے اور ان سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے، ابوحاتم نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں اور ان کے حافظہ میں کچھ نقصان ہے اور یحییٰ القطان ان کے حافظہ سے راضی نہ تھے۔ ایضاً

أقول: آپ نے "عودي" غلط لکھا ہے، صحیح "عوذي" بالذال المعجمه ہے، یہاں آپ اپنی جرح میں ہمام کو ثقہ مانتے ہیں، جس کی بابت آپ نے ابوحاتم کا قول پیش کیا ہے، جس کو میں نے بخط جلی نقل کیا ہے، پس اصل غرض تو ثقہ ہونے سے ہے، جو آپ کو مسلّم ہے، باقی رہا ان کے حافظہ کے متعلق! تو اس کی بابت آگے تہذیب کی عبارت میں ان کے حافظ ہونے کا ثبوت آئے گا، پس آپ کی جرح مبہم وغیر مفسر پر ہماری تعدیل مقدم ہوگی، جس کی بابت میں کئی بار لکھ آیا ہوں، چنانچہ آپ اپنی شاذ جرح کے مقابلے میں ثقاہت کے اقوال کثیرہ ملاحظہ فرمائیں،

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٨)

❷ تهذيب التهذيب (٤٠/١١)

یعنی امام احمد جیسے امام نے فرمایا کہ یہ کل مشائخ میں ثبت (ثقہ) ہیں اور ابوحاتم نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ میزان میں ہے:

" أحد علماء البصرة وثقاتها، قال أبوحاتم: ثقة، وقال أحمد بن حنبل: همام ثبت في كل مشائخه، وقال أبو زرعة: لا بأس به، " انتهى. ❶

اور ہدی الساري میں ہے:

" أحد الأثبات، قال أحمد بن حنبل: هو أثبت، وقال أيضاً: همام ثبت في كل المشائخ، وكان ابن مهدي حسن الرأي فيه، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال أبوحاتم: ثقة صدوق، قال ابن عدي: أحاديثه مستقيمة، وقد اعتمده الأئمة الستة، " انتهى. ❷

''یعنی ہمام ثقات سے ہے، ان کو احمد نے بمقابل تمام مشائخ اُثبت کہا ہے اور ابن مہدی کی ان کی بابت اچھی رائے تھی اور محمد بن سعد نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے ثقہ وصدوق اور ابن عدی نے ان کی حدیثوں کو درست کہا ہے اور ان سے ساری صحاح ستہ میں روایت لی گئی ہے۔''

اور تهذيب التهذيب جلد حادی عشر (۱۱) میں اس سے کہیں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، جو آپ کی خاطر نقل کیا جاتا ہے، پس غور سے ملاحظہ فرمائیے:

" قال أحمد بن سنان عن يزيد بن هارون: كان همام قويا في الحديث، وقال صالح بن أحمد عن أبيه: همام ثبت، وقال ابن محرز عن أحمد: همام ثقة، وهو أثبت، وقال الحسين بن الحسن الرازي عن ابن معين: ثقة صالح، وقال عثمان الدارمي عن ابن معين مثله، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال ابن أبي حاتم: سئل أبوزرعة عنه، فقال: لا بأس به، وقال: سألت أبي عن همام، فقال: ثقة صدوق، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال أبوبكر ويحييٰ: همام صدوق يكتب حديثه، وقال العجلي: بصري ثقة، وقال الحاكم: ثقة حافظ، وقال الساجي: صدوق صالح، " انتهى ملخصاً. ❸

188 ''یعنی یزید نے بروایت احمد ہمام کو قوی در حدیث اور صالح نے اپنے باپ امام احمد سے ہمام کو ثبت اور ابن محرز نے امام احمد سے ہمام کو ثقہ اور اُثبت اور حسین رازی نے ابن معین سے ہمام کو ثقہ صالح الحدیث اور عثمان نے ابن معین سے ثقہ اور محمد بن سعد نے ہمام کو ثقہ کہا ہے اور ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ ابوزرعہ ہمام کی بابت سوال کیے گئے، تو لا بأس به فرمایا اور انھیں ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ میں نے اپنے باپ

---

❶ ميزان الاعتدال (٤/ ٣٠٩)

❷ هدي الساري (ص: ٤٤٩)

❸ تهذيب التهذيب (١١/ ٦٠)

ابوحاتم سے ہمام کی بابت سوال کیا تو آپ نے ثقہ وصدوق فرمایا اور ہمام کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابوبکر اور یحییٰ نے ہمام کو صدوق اور ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے اور احمد عجلی نے ہمام کو ثقہ اور حاکم نے ثقہ وحافظ اور زکریا ساجی نے ہمام کو صدوق وصالح الحدیث کہا ہے۔'' آگے چلئے:

189

حرف الواو

قوله: (١٦٣) **ورقاء بن عمر**: قال أبوداود: ورقاء صاحب سنة إلا أنه فيه إرجاء.

''ابوداود نے کہا کہ ورقا صاحب سنت ہیں لیکن ان میں ارجاء ہے۔'' ایضاً

أقول: پہلے کئی بار بیان ہوچکا ہے کہ ارجاء توثیق کے منافی نہیں ہے اور یہاں تو ارجاء ثابت بھی نہیں ہے، کیونکہ کبار محدثین سے اس کا انکار ثابت ہے، ہدی الساری میں ہے،" قيل له: كان يرى الإرجاء؟ قال: لا أدري" [1] اور تہذیب جلد یازدہم میں ہے:" قيل له: كان مرجئاً؟ قال: لا أدري " [2] دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد سے پوچھا گیا کہ ورقاء مرجیہ تھے؟ اس میں ارجاء تھا؟ تو انھوں نے جواب کہ میں نہیں جانتا، چلیے آپ کی ارجاء والی جرح کافور ہوگئی اور صاحب سنت (حدیث) ہونا ان کا آپ کو بھی مسلّم ہے، لیجئے توثیق بھی ثابت ہوگئی، لیکن میں اپنی عادت کے مطابق آپ کو صریح لفظوں میں ان کی توثیق سناتا ہوں:

تقریب میں ہے:"صدوق" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أحمد وابن معين" [3]

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو امام احمد و یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

" صدوق عالم من الثقات الكوفيين، قال أحمد: ثقة صاحب سنة، قال ابن معين: ورقاء ثقة، وقال ابن عدي: لا بأس به، " انتهى. [4]

''یعنی ورقاء صدوق عالم کوفیوں کے ثقہ لوگوں سے ہے، ان کو احمد نے ثقہ صاحب حدیث اور ابن معین نے ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔''

اور ہدی الساری میں ہے:

" قال ابن عدي: لا بأس به، ووثقه يحيىٰ بن معين وغير واحد مطلقا، وقال أحمد: ثقة

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٤٩)

[2] تهذيب التهذيب (١١/ ١٠١)

[3] تقريب التهذيب (ص: ٥٨٠)

[4] ميزان الاعتدال (٣٣٢/٤)

صاحب سنة، " انتهى. ❶

''یعنی ان کو ابن عدی نے لا بأس به اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ مطلق اور امام احمد نے ثقہ صاحب حدیث کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد یازدہم میں ہے:

" قال حرب: قال أحمد: ثقة، وقال أحمد بن أبي مريم عن ابن معين: ورقاء ثقة، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين: صالح، وقال الغلابى عن ابن معين: ورقاء و شيبان ثقتان، وقال أبوحاتم: كان شعبة يثني عليه، وكان صالح الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، قال ابن عدي: لا بأس به، وقال ابن شاهين في الثقات: قال وكيع: ورقاء ثقة، وقال أبوداود عن أحمد: ثقة صاحب سنة، " انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی ورقاء کو حرب نے امام احمد سے ثقہ اور ابن معین نے بروایت احمد بن ابی مریم ثقہ اور ابن معین نے بروایت اسحاق صالح الحدیث اور ابن معین نے بروایت غلابی ثقہ کہا ہے اور ابوحاتم نے ان کو صالح الحدیث کہا ہے اور کہا کہ شعبہ ان کی عمدہ تعریف کرتے تھے اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں اور ابن عدی نے لا بأس به اور ابن شاہین نے ثقات میں اور وکیع نے ثقہ اور ابوداود نے بروایت احمد ان کو ثقہ اور صاحب حدیث کہا ہے۔'' آگے چلیے:

190

قوله: (١٦٤) **وهب بن جرير بن حازم**: كان عفان يتكلم فيه.

''عفان کو ان میں کلام تھا۔'' ایضاً

أقول: آپ نے عفان کے کلام کی کوئی وجہ نہیں بیان کی، جس کی وجہ سے آپ کی جرح یوں ہی مردود ہوگئی، لیکن ہمارا بھی حوصلہ دیکھئے کہ ہم آپ کو وجہ بتلاتے ہیں اور آپ کی جرح کو پایۂ ثبوت پر پہنچا کر جواب دیتے ہیں، پس سنیے! عفان کے کلام کی وجہ یہ ہے کہ وہب نے شعبہ سے سماع کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ ان کو شعبہ سے سماع نہیں ہے، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" قال عفان: إنه لم يسمع من شعبة ". ❸ ''یعنی عفان نے کہا کہ وہب کو شعبہ سے سماع حاصل نہیں ہے۔''

یہ ہے اصل جرح! لیکن اب اس کا جواب سنیے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٤٩)

❷ تهذيب التهذيب (١٠١/١١)

❸ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

۱۔ اولاً امام بخاری نے وہب کی حدیث بروایت شعبہ بالانفراد روایت ہی نہیں کی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جو روایت صحیح بخاری میں ہے، وہ بھی بالمتابعت ہے، چنانچہ ہدی الساری میں ہے:

"له من حديثه عن شعبة ما توبع عليه" ❶ یعنی امام بخاری نے وہب کی روایت شعبہ سے بالمتابعت لی ہے اور متابعت وغیرہ کا مفصل بیان نمبر (۲۲) ثابت کے ترجمہ اور دیگر بھی کئی نمبروں میں ہو چکا ہے، لہٰذا جرح ختم ہوگئی، اب وہب کے متعلق یہ ملاحظہ فرمایئے کہ یہ بذات خود ثقہ ہیں، تقریب میں ہے: " ثقة من التاسعة " اور خلاصہ میں ہے: "ابن معين وثقه، واحتج به الباقون" ❷ یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور باقیوں نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

میزان میں ہے:

" وثقه ابن معين، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال العجلي: ثقة، " انتهى. ❸

''یعنی ان کو ابن معین نے اور نسائی نے لا بأس به اور عجلی نے ثقہ کہا ہے۔''

اور ہدی الساری میں ہے:

" أحد الثقات، قال أحمد: و كان وهب صاحب سنة، ووثقه ابن معين والعجلي وابن سعد، واحتج به الأئمة، " انتهى. ❹

''یعنی وہب ثقات سے ہیں، ان کو احمد نے صاحب حدیث اور ابن معین اور عجلی وابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور ان سے کل ائمہ نے حجت پکڑی ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد یازدہم میں ہے:

" قال عثمان: وهب صالح الحديث، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال العجلي: بصري ثقة، وقال ابن سعد: وكان ثقة، قال أحمد: كان وهب صاحب سنة، " انتهى. ❺

''یعنی وہب کو عثمان نے صالح الحدیث اور نسائی نے لا بأس به اور ابن حبان نے ثقات میں اور عجلی نے ثقہ اور ابن سعد نے ثقہ اور امام احمد نے صاحب حدیث فرمایا ہے۔'' آگے چلئے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٨٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤١٨)

❸ ميزان الاعتدال (٣٥١/٤)

❹ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

❺ تهذيب التهذيب (١١/ ١٤٢)

حرف اللام الف

191

قوله: (١٦٥) **لاحق بن حميد:** روى الحسين بن حبان عن ابن معين قال: مضطرب الحديث.

''روایت کی حسین بن حبان نے ابن معین سے کہا ابن معین نے کہ یہ مضطرب الحدیث ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہ ان کے ثقہ ہونے کے مخالف نہیں، اس لئے کہ احتمال ہے کہ اضطراب ان کے اواخر عمر میں ہوا ہو، جیسا کہ مسلّم ہے کہ سن اختلاط وہی شیخوخت ہے اور امام بخاری نے قبل از اختلاط روایت لینے کا التزام کیا ہے، لہٰذا ان کے لیے بھی مضر نہیں، بہرحال ان کے ثقہ ہونے کے منافی نہیں، بلکہ ان کا ثقہ ہونا ثابت ہے۔

تقریب میں ہے:" ثقة من كبار الثالثة "یعنی یہ ثقہ ہیں۔ اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أبوزرعة " [1] یعنی ان کو ابوزرعہ نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:"من ثقات التابعين، قال أبوزرعة وجماعة: ثقة، " انتهى. [2]

''یعنی لاحق ثقہ تابعین سے ہے، اس کو ابوزرعہ اور ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے۔''

تهذیب التهذیب جلد یازدہم میں ہے:

" قال ابن سعد: كان ثقة، وقال العجلي: بصري تابعي ثقة، وقال أبوزرعة وابن خراش: ثقة، وقال ابن عبد البر: هو ثقة عند جميعهم،" انتهى ملخصاً. [3]

''یعنی لاحق کو محمد بن سعد نے ثقہ اور احمد عجلی نے ثقہ اور ابوزرعہ و ابن خراش نے ثقہ کہا ہے اور ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔'' آگے چلیے:

---

[1] تقريب التهذيب (ص: ٥٨٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٠)

[2] ميزان الاعتدال (٣٥٦/٤)

[3] تهذيب التهذيب (١١/ ١٥١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

حرف الیاء

192

قوله: (١٦٦) **يحيىٰ بن أبي إسحاق (الحضرمي النحوي)**: روى عبدالله بن أحمد عن أبيه قال: في حديثه نكارة .

''عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ان کی حدیث میں نامعقول امور ہیں۔'' ایضاً

أقول: آپ نے نکارت کا ترجمہ غلط کیا ہے، افسوس کہ میزان میں آگے اس کی تصریح موجود تھی، لیکن آپ نے اس کا مطالعہ نہیں کیا، اصل میں امام احمد کے پاس دو شخصوں کی بابت استفسار آیا تھا:

١۔ ایک عبدالعزیز بن صہیب۔

٢۔ دوسرا یحییٰ حضرمی۔

تو آپ نے عبدالعزیز کی بابت فرمایا: " أوثق حديثاً " یعنی وہ بہت ثقہ تھا اور یحییٰ کی بابت فرمایا: " في حديثه نكارة " یعنی اس درجہ کی ثقاہت اس میں نہیں ہے، یہ مطلب نہیں کہ سرے سے یہ ثقہ ہی نہیں ہے۔❶ بلکہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل کھلے لفظوں میں آگے آتی ہے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے متابعتاً روایت لی ہے، جیسا کہ حافظ کا قول ہدی الساري میں: " وقد توبع عليها " ❷ اس پر دال ہے، لہٰذا ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

اب سنئے دلیل توثیق بالتصریح!

تقریب میں ہے: " صدوق " میزان میں ہے: " ثقة " خلاصہ میں ہے: " وثقه النسائي " ❸

یعنی یحییٰ صدوق وثقہ ہے، اس کو نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن معين والنسائي وابن سعد، واحتج به الباقون ". ❹

''یعنی ان کو یحییٰ ونسائی اور ابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور باقیوں نے ان سے حجت پکڑی ہے۔''

---

❶ قبل ازیں یہ بات گزر چکی ہے کہ کسی کے تفرد اور غرابت پر امام احمد نکارت اور منکر کا اطلاق کر دیتے ہیں، علاوہ ازیں یہاں پر یہ نکارت اور تضعیف نسبی ہے، جس سے مطلق تضعیف لازم نہیں آتی، اسی لیے مذکورہ بالا راوی کو دیگر ائمہ محدثین نے صریح لفظوں میں ثقہ کہا ہے، جس کی تفصیل مؤلف ؒ نے بیان کر دی ہے۔

❷ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

❸ ميزان الاعتدال (٤/٤٦١) تقريب التهذيب (ص: ٥٨٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢١)

❹ هدي الساري (ص: ٤٥٠)

تهذیب التہذیب جلد حادی عشر میں ہے:

" قال عبد الله بن أحمد: سألت ابن معين عن عبد العزيز ويحيىٰ، فقال: كلاهما ثقة، وقال ابن سعد: كان ثقة، وقال النسائي: ثقة، ذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عنه، فقال: لا بأس به، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی عبداللہ نے کہا: میں نے ابن معین سے عبدالعزیز و یحییٰ کی بابت پوچھا، تو انھوں نے دونوں کو ثقہ بتلایا اور یحییٰ کو محمد بن سعد نے ثقہ اور نسائی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابوحاتم کے بیٹے نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے یحییٰ کی بابت سوال کیا، تو انھوں نے لا بأس به فرمایا۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٦٧) **يحيىٰ بن حمزة الحضرمي البتلهي:** قال عباس عن يحيىٰ: كان يرمىٰ بالقدر.

''عباس نے یحییٰ سے نقل کیا کہ یہ قدر کی جانب منسوب کیے گئے ہیں۔'' ایضاً

أقول: حافظ نے اس کی بابت ہدی الساري میں فرمایا ہے:

" مع ذلك فكأنه لم يكن داعية " ❷ یعنی یہ داعی الی القدر تو نہ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اولاً ان کا قدریہ ہونا ہی غیر مسلّم ہے، اس لیے کہ آپ نے تمریض کا صیغہ نقل کیا ہے، یعنی "یرمی" جو مجہول ہے، جس کا عدم یقین مسلّم ہے، چلیے آپ کی جرح کافور ہوگئی، اب سنئے ان کا ثقہ ہونا۔

193

تقریب میں ہے: " ثقة " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين و دحيم " ❸

یعنی یہ ثقہ ہیں، ان کو یحییٰ اور دحیم نے ثقہ کہا ہے۔

میزان میں ہے:

صدوق عالم، وقال أبوحاتم: صدوق، وقال ابن سعد: صالح الحديث، قال دحيم: هو ثقة عالم عالم، " انتهى. ❹

''یعنی یحییٰ صدوق اور عالم ہے، ان کو ابوحاتم نے صدوق اور ابن سعد نے صالح الحدیث اور دحیم نے ثقہ عالم عالم (دوبار کہا) ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

---

❶ تهذيب التهذيب (١١/ ١٥٦)

❷ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٥٨٩) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٢)

❹ ميزان الاعتدال (٣٦٩/٤)

" وثقه أحمد وابن معين وأبوداود، واحتج به الجماعة ".❶

''یعنی یحییٰ کو احمد و یحییٰ و ابوداود نے ثقہ کہا ہے اور ان سے ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے۔''

اور تهذيب التهذيب جلد یازدہم میں ہے:

" قال صالح بن أحمد عن أبيه: ليس به بأس، وقال الغلابي وغيره عن ابن معين: ثقة، وقال النسائي: ثقة، وقال عثمان الدارمي عن دحيم: ثقة عالم، وقال الآجري عن أبي داود: ثقة، وقال النسائي: ثقة، وقال يعقوب بن سفيان: ثقة، وقال عبد الله بن محمد بن سيار: لا بأس به، وقال ابن سعد: كان كثير الحديث، وقال العجلي: ثقة، وقال يعقوب بن شيبة: ثقة مشهور، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی یحییٰ کو صالح نے اپنے باپ امام احمد سے لا بأس به اور مفضل غلابی وغیرہ نے بروایت یحییٰ ثقہ اور غلابی نے خود بھی ثقہ کہا ہے اور عثمان نے دحیم سے ثقہ عالم اور آجری نے ابوداود سے ثقہ اور نسائی نے ثقہ اور یعقوب بن سفیان نے ثقہ اور عبداللہ نے لاباس بہ اور محمد بن سعد نے کثیر الحدیث اور عجلی نے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٦٨) **يحييٰ بن سعيد الأموي الكوفي (بن أبان)**: ذكره العقيلي في الضعفاء.

''ذکر کیا ان کا عقیلی نے ضعفاء میں۔'' ایضاً

أقول: عقیلی کی کتاب الضعفاء میں ضمناً ان کا ذکر آ گیا ہے، نہ یہ کہ عقیلی نے بوجہ ان کے ضعیف ہونے کے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، من يدعي فعليه البرهان، ❸ بلکہ یحییٰ بن سعید ائمہ ثقات سے ہے۔ علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے چار جگہ بالمتابعت ذکر کیا ہے، پہلی جگہ بمتابعت ابو اسامہ ہے، دوسری جگہ بمتابعت زائدہ و شعبہ ہے، تیسری جگہ بمتابعت عثمان بن ھشیم ہے، چوتھی جگہ بمتابعۃ وکیع ہے۔ ❹ لہٰذا ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، تقریب میں ہے: "صدوق " اور خلاصہ میں ہے: " وثقه ابن معين " اور میزان میں ہے: "وثقه ابن معين وغيره " ❺

یعنی یہ صدوق ہیں، ان کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❷ تهذيب التهذيب (١١/ ١٧٦)

❸ امام عقیلی ﷫ نے کتاب الضعفاء میں ان کا مستقل ترجمہ ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق یہ قول بھی نقل کیا ہے: ''لم يثبت أمر يحيیٰ في الحديث، كان يصدق، وليس بصاحب حديث۔" (الضعفاء: ٤/٤٠٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❺ ميزان الاعتدال (٤/٣٨٠) تقريب التهذيب (ص: ٥٩٠) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٣)

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه ابن سعد وأبوداود وابن معين وابن عمار وغيرهم، وقال أحمد: ليس به بأس، واحتج به الباقون،" انتهى. ❶

''یعنی یحییٰ کو محمد بن سعد وابوداود وابن معین وابن عمار وغیرہ نے ثقہ اور احمد نے لا بأس به کہا اور باقیوں نے حجت پکڑی ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد حادی عشر (۱۱) میں ہے:

194 " قال أبوداود عن أحمد: ليس به بأس، وقال أبوداود: ليس به بأس ثقة، وقال يزيد بن الهيثم عن ابن معين: هو من أهل الصدق، ليس به بأس، وقال الدوري وغيره عن ابن معين: ثقة، وكذا قال محمد بن عبد الله بن عمار الموصلي والدارقطني، وقال النسائي: ليس به بأس، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن سعد: كان ثقة،" انتهى ملخصاً. ❷

''یعنی یحییٰ کو احمد نے بروایت ابوداود لا بأس به اور ابوداود نے خود بھی لا بأس به ثقہ اور یزید نے ابن معین سے صدوق لاباس بہ اور دوری وغیرہ نے ابن معین سے ثقہ اور محمد موصلی اور دارقطنی نے ثقہ اور نسائی نے لاباس بہ اور ابن حبان نے ثقات میں اور ابن سعد نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٦٩) **يحيىٰ بن سليمان الجعفي الكوفي**: قال النسائي: ليس بثقة.

''نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہیں۔'' ایضاً

أقول: امام نسائی نے ان کو بوجہ ضد و عداوت کے ایسا کہہ دیا ہے، ورنہ حقیقت میں یحییٰ ایسے نہ تھے، حافظ ہدی الساري میں فرماتے ہیں:" وكان النسائي سيء الرأي فيه" ❸ یعنی امام نسائی (بوجہ ضد کے) یحییٰ کی بابت بری رائے رکھتے تھے، ان کے ثقہ نہ ہونے کی یہی وجہ ہے، ورنہ یحییٰ بن سلیمان اصل میں ثقہ ہے، تقریب میں ہے: "صدوق" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن حبان " اور میزان میں ہے:" وثقه بعض الحفاظ" ❹ یعنی یحییٰ صدوق ہیں، ان کو ابن حبان اور بعض حفاظ نے ثقہ کہا ہے، چنانچہ ان بعض کا نام بھی سنئے! ہدی الساری میں ہے:

" أما الدارقطني والعقيلي فوثقاه، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى. ❺

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❷ تهذيب التهذيب (١١/ ١٨٧)

❸ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❹ ميزان الاعتدال (٤/ ٣٨٢) تقريب التهذيب (ص: ٥٩١) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٤)

❺ هدي الساري (ص: ٤٥١)

''یعنی یحییٰ کو دارقطنی و عقیلی نے ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں ہے:

" قال أبوحاتم: شيخ، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الدارقطني: ثقة، وقال مسلمة بن قاسم: لا بأس به، وكان عند العقيلي ثقة، " انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی یحییٰ کو ابوحاتم نے شیخ الحدیث ❷ اور ابن حبان نے ثقات میں اور دارقطنی نے ثقہ اور مسلمہ نے لا بأس به اور عقیلی نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (۱۷۰) **يحيىٰ بن صالح ابوحاظي الحمصى:** قال العقيلي: حمصي جهمية.

''عقیلی نے کہا کہ حمصی جہمیہ ہیں۔'' ایضاً

أقول: یہاں بھی آپ نے غلطی کی ہے، لیکن چونکہ یہ آپ کی آخری غلطی ہے، اس لیے میں بتا ہی دیتا ہوں "ابوحاظی" نہیں ہے، بلکہ "الوحاظی" ہے، باقی رہا عقیلی کا ان کو جہمیہ کہنا، یہ بلا دلیل اور من قبیل الشذ وذ ہے، کیونکہ ان سے کوئی عقائد جہمیہ ظہور میں نہیں آئے، اگر ہوں تو پیش کریں، لیکن یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں لا سکتے، پس ثابت ہوا کہ ان کا جہمیہ ہونا غلط اور عقیلی سے خطا ہوئی ہے، بلکہ یہ بالاتفاق ثقہ ہیں، تقریب میں ہے: "صدوق" ❸ یعنی یہ بہت سچے ہیں۔ خلاصہ میں ہے: 195

" أحد كبار المحدثين، قال أبوزرعة الدمشقي عن ابن معين: ثقة، وقال أبوحاتم: صالح،" انتهى. ❹

''یعنی یحییٰ بزرگ محدثین سے ہیں، ان کو ابوزرعہ نے بروایت یحییٰ ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔''

میزان میں ہے: "وثقه ابن معين، وقال أبو حاتم: صدوق ". ❺

---

❶ تهذيب التهذيب (۱۱/۱۹۹)

❷ امام ابوحاتم راوی پر بسا اوقات کلام کرتے ہوئے "شیخ" کا لفظ بول دیتے ہیں، جس کا معنی یہ ہے:

۱۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: " إذا قيل: شيخ، فهو بالمنزلة الثالثة، يكتب حديثه وينظر فيه. (الجرح والتعديل: ۲/ ۳۷)

۲۔ قال ابن القطان: قول أبي حاتم: شيخ، هذا ليس بتضعيف ، وإنما هو إخبار بأنه ليس من أعلام أهل العلم، وإنما هو شيخ وقعت له روايات أخذت عنه" (بيان الوهم والإيهام: ۵/ ۳۳۹)

۳۔ قال الحافظ الذهبي: قوله: شيخ، ليس هو عبارة جرح، ... ولكنها أيضا ما هي عبارة توثيق، وبالاستقراء يلوح لك أنه ليس بحجة." (ميزان الاعتدال: ۲/ ۳۸۵)

❸ تقريب التهذيب (ص: ۵۹۱)

❹ الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٤)

❺ ميزان الاعتدال (٤/ ۳۸٦)

”یعنی ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق کہا ہے۔“

ہدی الساري میں ہے:

” وثقه يحيىٰ بن معين وأبواليمان وابن عدي، وقال الساجي: هو من أهل الصدق والأمانة، وقال أبوحاتم: صدوق، “ انتهى. ❶

”یعنی ان کو یحییٰ وابوالیمان وابن عدی نے ثقہ اور ساجی نے صدوق وامانت دار وابوحاتم نے صدوق کہا ہے۔“

تهذيب التهذيب جلد حادی عشر (۱۱) میں ہے:

” قال أبوزرعة: سألت يحيىٰ بن معين عنه، فقال: ثقة، وقال أبوحاتم: صدوق، وذكره ابن عدي في جماعة من ثقات أهل الشام، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: هو عندهم من أهل الصدق والأمانة، وقال الخليلي: ثقة، “ انتهى ملخصاً. ❷

”یعنی یحییٰ کو ابن معین نے بروایت ابو زرعہ ثقہ اور ابوحاتم نے صدوق اور ابن عدی نے اہل شام کی ثقہ جماعت میں اور ابن حبان نے ثقات میں اور زکریا ساجی نے صدوق اور امانت دار اور خلیلی نے ثقہ کہا ہے۔“ آگے چلیے:

قوله: (۱۷۱) **يحيىٰ بن عباد الضبعي**: ضعفه زكريا الساجي .

”ان کو زکریا ساجی نے ضعیف ٹھہرایا۔“ ایضاً

أقول: یہ جرح بالکل مبہم اور حد درجہ اہمال میں ہے، اس لیے کہ ضعف کے مدارج اور انواع اور اقسام واصناف بہت ہیں۔ جس کی تصریح کتب اصولِ حدیث میں موجود ہے اور یہاں کوئی بھی وجہ مذکور نہیں۔ پس زکریا ساجی کی تضعیف بالکل مجروح اور بلا دلیل ہوئی، لہٰذا اس کا حیز تسلیم میں آنا ناممکن بلکہ محال ہے۔ بڑی وجہ ان کے ضعیف ہونے کی یہ ہے کہ ان کی روایت میں ان کی کوئی حدیث منکر پائی نہیں گئی، جیسا کہ خطیب کا قول آگے آتا ہے، ان کی بابت تقریب میں ہے: ”صدوق من التاسعة“ ❸ یعنی بڑے سچے ہیں۔ خلاصہ میں ہے:

” قال أبوحاتم: ليس به بأس، وقال الخطيب: لا نعلم روى حديثاً منكرا، “ انتهى. ❹

”یعنی یحییٰ ضبعی کو ابوحاتم نے لاباس بہ کہا ہے اور خطیب نے کہا کہ میں ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں جانتا۔“

میزان الاعتدال میں ہے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥١)

❷ تهذيب التهذيب (١١/ ٢٠١)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٥٩٢)

❹ الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٥) نیز دیکھیں: تاريخ بغداد (١٤/ ١٤٤)

" ثقة صدوق، وقال ابن معين : صدوق، وقال الدارقطني: حجة، " انتهى. ❶

یعنی یحیٰ ثقہ صدوق ہے، ان کو ابن معین نے صدوق اور دارقطنی نے حجت کہا ہے۔"

ہدی الساري میں ہے:

" قال أبوحاتم وغيره: ليس به بأس، وقال ابن معين: كان صدوقا، وقال الخطيب: لا نعلم في روايته شيئا منكراً، " انتهى. ❷

"یعنی یحیٰ کو ابوحاتم وغیرہ نے لا بأس به اور ابن معین نے صدوق کہا ہے اور خطیب نے کہا کہ میں ان کی کسی روایت کو منکر نہیں جانتا۔

تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں ہے:

" قال الحسين بن حبان عن ابن معين: كان صدوقا، وقال أبوحاتم: ليس به بأس، وقال الدارقطني: يحتج به، وذكره ابن حبان في الثقات،" انتهى ملخصاً. ❸ 196

"یعنی یحیٰ ضبعی کو ابن معین نے بروایت حسین صدوق اور ابوحاتم نے لا بأس به اور دارقطنی نے حجت اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔" آگے چلیے:

قوله: (۱۷۲) **يحيىٰ بن عبد الله بن بكير المصري**: قال النسائي: ضعيف، وقال مرة: ليس بثقة .

"نسائی نے کہا کہ ضعیف ہیں اور ایک مرتبہ کہا ثقہ نہیں ہیں۔" ایضاً

أقول: ان میں جو کلام کیا گیا ہے، وہ ان کے مالک سے سماع کی بابت ہے، یعنی انھوں نے مالک سے روایت کی ہے اور ان سے سماع ثابت نہیں ہے، اس لیے محض انھیں روایات کی بابت ان میں کلام کیا گیا ہے، چنانچہ تقریب میں ہے:" تكلموا في سماعه من مالك" ❹ چنانچہ امام نسائی کا کلام (تضعیف) اسی قبیل سے ہے، لیکن ان کی جو روایات لیث سے ہیں، ان میں کوئی کلام نہیں ہے، بلکہ یہ ثقہ ہیں، جیسا کہ ان کی توثیق آگے آتی ہے اور بحمداللہ کہ صحیح بخاری میں ان کی روایت لیث سے ہے، نہ کہ مالک سے، لہٰذا جرح ختم ہوئی۔ تقریب میں ہے:" ثقة" اور خلاصہ میں ہے:" وثقه ابن حبان، فأصاب" ❺ یعنی ابن حبان نے جو ان کو ثقہ کہا ہے یہی ٹھیک ہے، نہ تضعیف نسائی۔ میزان الاعتدال میں ہے:

---

❶ ميزان الاعتدال (٣٨٧/٤)

❷ هدي الساري (ص: ٤٥٢)

❸ تهذيب التهذيب (٢٠٦/١١)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٥٩٢)

❺ الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٢٥)

" ثقة صاحب حديث ومعرفة، محتج به في الصحيحين، قال أبوحاتم: يكتب حديثه، ووثقه غير واحد، " انتهى. ❶

''یعنی یحییٰ بن بکیر ثقہ اور صاحب حدیث ومعرفت ہے، اس سے صحیح بخاری ومسلم میں حجت پکڑی گئی ہے، ابوحاتم نے ان کی حدیث کو لکھنے کے لائق کہا ہے اور بہتوں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

ہدی الساری میں ہے:

" قال ابن عدي: هو أثبت الناس، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه، " انتهى. ❷

''یعنی یحییٰ لوگوں میں اثبت اور ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل کتابت کہا ہے۔''

تهذيب التهذيب جلد گیارہ میں ہے:

" قال أبوحاتم: يكتب حديثه، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال الساجي: هو صدوق، وقال ابن عدي: هو أثبت الناس، وقال الخليلي: كان ثقة، وقال ابن قانع: مصري ثقة،" انتهى ملخصاً. ❸

''یعنی ابوحاتم نے ان کی حدیث کو قابل تحریر اور ابن حبان نے ثقات میں اور ساجی نے صدوق اور ابن عدی نے لوگوں میں اثبت اور خلیلی نے ثقہ اور ابن قانع نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلئے:

قوله: (١٧٣) **يعقوب بن حميد بن كاسب المدني**: روى عباس عن يحيىٰ: ليس بثقةٍ، وقال يحيىٰ والنسائي: ليس بشيء، وقال أبوحاتم: ضعيف.

''عباس نے یحییٰ سے روایت کی کہ یہ ثقہ نہیں ہیں اور یحییٰ اور نسائی نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور ابوحاتم نے کہا کہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

197 **أقول**: یہ تین شخصوں کی جرحیں، جو آپ نے نقل کی ہیں، ان کی بابت آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کس بنا پر یہ جرحیں ہیں؟ سنیے کتب اسماء الرجال میں بتلایا گیا ہے کہ یعقوب کو کسی وجہ سے حد ماری گئی تھی، پس ان کے محدود ہونے کی وجہ سے یحییٰ اور نسائی اور ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہہ دیا، حالانکہ محدود ہونا کبھی ضعف کی وجہ نہیں ہوسکتا، ورنہ کتب اصول سے حوالہ دیجئے، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ہدی الساري میں صاف لکھ دیا:

" قلت: فمن هذه الجهة ليس الجرح فيه بقادح". ❹

---

❶ ميزان الاعتدال (٤/٣٩١)

❷ هدي الساري (ص: ٤٥٢)

❸ تهذيب التهذيب (١١/ ٢٠٨)

❹ هدي الساري (ص: ٤٥٤)

''یعنی محدود ہونا یعقوب کے حق میں کوئی جرح ڈالنے والی جرح نہیں ہوسکتی۔''

پس ثابت ہوا کہ ان تین ناقدوں نے بلا دلیل یعقوب پر جرح کی ہے، اسی لیے تو حاکم نے فرمایا ہے، جس کو حافظ تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں نقل فرماتے ہیں:

" قال الحاكم أبو عبد الله: لم يتكلم فيه أحد بحجة، " انتهى. ❶

''یعنی حاکم نے فرمایا کہ یعقوب کی بابت کسی نے دلیل کے ساتھ کلام نہیں کیا، بلکہ ان پر جو کلام کیا گیا ہے، محض بلا دلیل ہے۔''

علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے بمتابعت محمد بن الصباح روایت لی ہے۔ ❷ لہٰذا متابعت میں ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ جوابات نہ دیے جائیں جو عاجز نے ابھی لکھے ہیں، تو صرف اتنا کہہ دینا ان کی توثیق کو کافی ہے کہ جب امام بخاری نے ان سے روایت کیا، تو ان سے جرح ساقط ہوگئی، جیسا کہ سابقہ تمہید میں اس کا بیان ہوا، اسی لئے تو خلاصہ ومیزان وہدی الساری وتہذیب میں خود امام بخاری سے ان کا صدوق ہونا منقول ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو تقریب میں ہے: " صدوق " اور خلاصہ میں ہے:

" قال البخاري: هو في الأصل صدوق، وقال ابن حبان في الثقات، وقال ابن عدي: لا بأس به كثير الحديث، " انتهى. ❸

''یعنی یعقوب کو امام بخاری نے کہا کہ اصل میں یہ صدوق ہیں اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں اور ابن عدی نے لا بأس به کثیر الحدیث کہا ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے:

" قال البخاري: هو في الأصل صدوق، وشذ مضر بن محمد الأسدي عن يحيىٰ بن معين: ثقة، قال ابن عدي: يعقوب لا بأس به، هو كثير الحديث، " انتهى. ❹

''یعنی یعقوب کو امام بخاری نے صدوق اور یحییٰ نے بروایت مضر ثقہ اور ابن عدی نے لا بأس به اور کثیر الحدیث کہا ہے۔''

ہدی الساري میں ہے:

" قال البخاري: هو في الأصل صدوق، وقال ابن عدي: لا بأس به، " انتهى. ❺

❶ تهذيب التهذيب (٣٣٦/١١)

❷ هدي الساري (ص: ٤٥٤)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٦٠٧) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٣٦)

❹ ميزان الاعتدال (٤٥٠/٤)

❺ هدي الساري (ص: ٤٥٢)

''یعنی یعقوب کو امام بخاری نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس به کہا ہے۔''

تہذیب التہذیب جلد یازدہم میں ہے:

" وقال البخاري: هو في الأصل صدوق، وقال ابن عدي: لا بأس به، وهو كثير الحديث، وقال ابن أبي خيثمة: قال مصعب الزبيري: ابن كاسب ثقة مأمون صاحب حديث، وقال مسلمة: ثقة،" انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی یعقوب کو امام بخاری نے صدوق اور ابن عدی نے لا بأس به کثیر الحدیث اور مصعب نے بروایت ابن ابی خیثمہ ثقہ مامون صاحب حدیث اور مسلمہ نے ثقہ کہا ہے۔'' آگے چلیے:

قوله: (١٧٤) **يونس بن أبي الفرات الاسكاف**: قال ابن حبان: لا يجوز أن يحتج به لغلبة المناكير في حديثه. 198

''ابن حبان نے کہا کہ ان سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، بوجہ اس کے کہ ان کی حدیثوں میں نامقبول روایتیں بہت سی ہیں۔'' ایضاً

أقول: آپ نے اسی کے آگے کی عبارت کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟ جس میں خود علامہ ذہبی ہی اس جرح کا جواب دے رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

" قلت: بل الا حتجاج به واجب لثقته" ❷ یعنی یونس کے ساتھ دلیل پکڑنا واجب ہے، کیونکہ یہ ثقہ ہیں۔

معلوم ہوا کہ ابن حبان نے بالکل غلط کہا کہ یہ حجت نہیں ہیں، اسی واسطے حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

" وشذ ابن حبان فقال: لا يجوز أن يحتج به لغلبة المناكير في روايته ". ❸

یعنی ابن حبان نے جو یونس کو ناقابل حجت کہا ہے، اس میں وہ شاذ ہیں، ان کا قول ٹھیک نہیں ہے۔

چنانچہ انھیں حافظ نے تقریب میں فرمایا: " لم يصب ابن حبان في تليينه " ❹ یعنی ابن حبان ان کے ناقابل حجت کہنے میں صواب پر نہیں ہیں، بلکہ ان سے خطا ہوئی۔ حقیقت میں یونس قابل حجت وثقہ ہیں۔

تقریب میں ہے:" ثقة من السادسة " اور خلاصہ میں ہے:" وثقه أبوداود" اور میزان میں ہے:

"وثقه أحمد وغيره " ❺ یعنی یونس ثقہ ہے، ان کو ابوداود اور احمد وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔

---

❶ تهذيب التهذيب (١١/ ٣٣٦)

❷ ميزان الاعتدال (٤/٤٨٣)

❸ هدي الساري (ص: ٤٥٥)

❹ تقريب التهذيب (ص: ٦١٤)

❺ ميزان الاعتدال (٤/٤٨٣) تقريب التهذيب (ص: ٦١٤) الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٤١)

ہدی الساري میں ہے:

" وثقه أبوداود والنسائي، وقال ابن الجنيد عن ابن معين: ليس به بأس، وهذا توثيق من ابن معين، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: أرجو أن يكون ثقة، " انتهى. ❶

"یعنی یونس کو ابوداود و نسائی نے ثقہ اور یحییٰ نے بروایت ابن جنید لا بأس به **ثقہ اور عبداللہ نے اپنے باپ احمد سے ثقہ کہا ہے۔"**

تهذيب التهذيب **گیارہویں جلد میں ہے:**

" قال عبد الله بن أحمد عن أبيه: أرجو أن يكون صالح الحديث، وقال إبراهيم بن الجنيد عن ابن معين: ليس به بأس، وقال أبوداود والنسائي: ثقة ، " انتهى. ❷

"یعنی یونس کو عبداللہ نے بروایت اپنے باپ احمد صالح الحدیث اور یحییٰ نے بروایت ابراہیم لا بأس به **(ثقہ) اور ابوداود و نسائی نے ثقہ کہا ہے۔"** آگے چلیے:

---

❶ هدي الساري (ص: ٤٥٥)

❷ تهذيب التهذيب (١١/ ٣٩٢)

199

باب الکنیٰ

حرف الباء

قوله: (١٧٥) **أبوبكر بن عياش الكوفي المقرئ:** صدوق ثبت في القراء ة، لكنه في الحديث يغلط ويهم، وقال أبونعيم: لم يكن في شيوخنا أحد أكثر غلطا منه .

''قراءت میں سچے اور معتمد ہیں لیکن حدیث میں غلطی کرتے اور وہم کو دخل دیتے ہیں، نعیم نے کہا کہ ہمارے شیوخ میں ان سے زیادہ کوئی غلطی کرنے والا نہیں تھا۔'' ایضاً

أقول: ان کا وہم و خطا ان کے بوڑھے ہو جانے کے بعد تھا، نہ کہولت کے قبل، حافظ ہدی الساری میں لکھتے ہیں: " لما كبر ساء حفظة فكان يهم" [1] یعنی جب یہ بوڑھے ہوگئے، تو ان کا حافظہ خراب ہوگیا اور وہم کرنے لگے، پس سن شیخوخت کا یہی تو مقتضا ہے، اس کو محدثین اختلاط وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور امام بخاری نے روایت قبل از اختلاط و کبرسنی کے لینے کا التزام کیا تھا، پس ثابت ہوا کہ امام بخاری نے ان سے جس وقت روایت لی تھی، اس وقت یہ صاحب وہم نہ تھے، علاوہ بریں امام بخاری نے ان سے جو روایت لی ہے، وہ تین جگہ ہے اور بالمتابعت ہے:

١۔ ایک تو بمتابعت ثوری۔

٢۔ دوسرے بمتابعت ابن عیینہ۔

٣۔ تیسرے بمتابعت جریر۔ [2]

پس جب امام بخاری نے ان سے بلا متابعت روایت ہی نہیں لی، تو ان کی غلطی اور وہم سے کیا حرج ہوسکتا ہے؟ فافہم! باقی رہا وہم و خطا کا ہونا، یہ تو انسان کی جبلت میں داخل ہے، کیونکہ: " الإنسان مركب من الخطأ والنسيان "حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی بارہویں جلد میں انھیں ابوبکر کے ترجمہ میں کیا خوب لکھا ہے:

" الخطأ والوهم شيئان لاينفك عنهما البشر، فمن كان لا يكثر ذلك منه، فلا يستحق ترك حديثه بعد تقدم عدالته، " انتهى. [3]

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٥٥)

[2] هدي الساري (ص: ٤٥٥)

[3] تهذيب التهذيب (٣٩/١٢)

’’یعنی خطا اور وہم یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے کوئی بشر علیحدہ نہیں، پس جس سے خطا اور وہم زیادہ صدور نہ ہو، اس کی حدیث کو نہ چھوڑنا چاہیے اور خصوصاً اس وقت جب پہلے اس کی عدالت ثابت ہوچکی ہو۔‘‘

چنانچہ ابوبکر کی عدالت ملاحظہ فرمایئے!

تقریب التہذیب میں ہے:

” ثقة عابد و کتابه صحیح “ ❶ یعنی ابوبکر ثقہ اور عابد ہیں، ان کی کتاب صحیح ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ غلطی بھی کرتے ہوں، تو ان کی کتاب تو صحیح ہے، جس سے کہ حدیث لی جاتی ہے۔

اور سنیے! علامہ صفی الدین خلاصہ میں فرماتے ہیں:

” قال أحمد: ثقة، قال ابن عدي: لم أجد له حديثاً منكراً “. ❷

’’یعنی ان کو احمد نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی۔‘‘

منکر تو اس وقت ہوتی جب ان کی کتاب غلط ہوتی۔ وإذ ليس فليس!

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

200 ” صدوق ثبت صالح الحديث، وقال أحمد: ثقة، وقال ابن معين: ثقة، وكتبه ليس فيها خطأ. “ انتهى ❸

’’یعنی ابوبکر سچے، معتمد اور اچھی حدیث والے ہیں، ان کو امام احمد نے ثقہ اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اور ان کی کتابوں میں خطا نہیں ہے۔‘‘

حافظ ہدی الساري (مقدمہ فتح الباری) میں فرماتے ہیں:

” قال أحمد: ثقة، وقال ابن عدى: لم أجد له حديثاً منكرا، وقال ابن سعد: كان ثقة صدوقا عالما بالحديث، وقال العجلي: ثقة صاحب سنة، “ انتهى. ❹

’’یعنی ابوبکر کو احمد نے ثقہ کہا ہے اور ابن عدی نے کہا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی اور ان کو محمد بن سعد نے ثقہ صدوق عالم حدیث اور عجلی نے ثقہ صاحب حدیث کہا ہے۔

وہی حافظ ابن حجر اپنی ضخیم کتاب تهذيب التهذيب جلد دوازدہم میں مفصل ارقام فرماتے ہیں:

” قال الحسن بن عيسىٰ: ذكر ابن المبارك أبابكر بن عياش فأثنىٰ عليه، وقال صالح بن

❶ تقريب التهذيب (ص: ٦٢٤)

❷ الخلاصة للخزرجي (ص: ٤٤٥)

❸ ميزان الاعتدال (٤/٤٩٩)

❹ هدي الساري (ص: ٤٥٥)

أحمد عن أبيه: صدوق صالح، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال ابن عدي: لا بأس به، وأني لم أجد له حديثاً منكرا، وقال العجلي: كان ثقة قديماً صاحب سنة وعبادة، وقال ابن سعد: وكان ثقة صدوقا عارفا بالحديث والعلم، وقال الساجي: صدوق،" انتهى ملخصاً. ❶

''یعنی حسن نے کہا کہ عبداللہ بن مبارک نے ابوبکر کا ذکر کر کے ان کی اچھی تعریف بیان کی اور احمد نے بروایت صالح ان کو صدوق صالح الحدیث اور عبداللہ نے بروایت اپنے والد احمد ان کو ثقہ اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کو ابن عدی نے لا بأس به کہا اور کہا میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں پائی اور ان کو احمد عجلی نے پرانا ثقہ صاحب حدیث وعبادت اور محمد بن سعد نے ثقہ صدوق اور علم حدیث کا عارف اور زکریا ساجی نے صدوق کہا ہے۔

کہیے! سمجھ گئے؟

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

دیکھا جناب! یہ ہے امام بخاری کی جامع صحیح بخاری کا کمال اور اس کے رواۃ کا جروح وقدوح سے پاک ومبرا ہونا اور زیور توثیق سے مزین ومحلی ہونا۔ کیا اب بھی آپ اپنی آنکھ نہ کھولیں گے اور جامع صحیح بخاری کے بے مثل ہونے پر ایمان نہ لائیں گے؟ لیکن جو شخص ﴿وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا﴾ [الأعراف: ١٧٩] کا مصداق ہو اس کو مجبوری ہے۔ سچ کہا متنبّی نے (جس کو صحیح بخاری زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے)

وإذا خفيت على الغبي فعاذر
أن لا تراني مقلة عمياء ❷

الحمدللہ کہ اس جریدہ فریدہ نے باوجود قلتِ فرصت وکثرتِ غصص وہجومِ افکار وکثرتِ اسفار وعدم فراغِ بال از مہمات وانواعِ اشغال بعون الٰہی وبرکت رسالت پناہی کیفما اتفق کسوتِ انجام ولباسِ اختتام پہنا اور پریشانی نے اس رسالہ علالہ کی جس نوع سے کہ مامول تھی، شیرازہ جمعیت کا پایا۔

201 وليكن هذا آخر ما ظهر لي في هذا الكتاب، وبدا لي من توفيق الملك العزيز الوهاب، في إبطال ما فاه في الكلام المحكم بالاشتهار إلى الدرجة القصوى، ودفع ما هذى به وهو قليل الجدوىٰ بعض من وقع بادعاء الحنفية في ورطة التقليد، وترك السنة بالتمرد والتعقيد، وجند لجنود

---

❶ تهذيب التهذيب (٢/٣٨)

❷ اگر میں کم عقل پر مخفی رہوں تو معذور سمجھنا کہ مجھ کو اندھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

الآراء الفاسدة والأفكار الكاسدة ، ليدفع ويطفئ نور البخاري بأفواهه ورسالته واللّٰه متم نوره ولو كره الكارهون، وهو مع هذه الصناعة والجهالة والحماقة لا يكف بل يخوض في ما لا يعلم ، ويكتب بما لا يفهم، ويغالط المسلمين، ويهدم أساس الدين ، فإلیٰ اللّٰه المشتکی، الذي يعلم السر وأخفی۔ فأحمد اللّٰه على ما أنعم علي باختتام هذه الرسالة المباركة مني وإن كنت لست بذاك، بل خائف من أعمالي وغدراتي وفجراتي وعجري وبجري وحبري وسبري۔ فاغفرلي ولوالدي وارحمني وإياهما واختم لي بالحسنیٰ، أنت غفار لمن تاب، وتسمع لمن أناب، وآخر دعواي أن الحمد للّٰه رب العالمين، وصلى اللّٰه على خاتم النبيين وسيد المرسلين وشفيع المذنبين وسلم إلى يوم الدين، آمين برحمتك يا أرحم الراحمين!

يلوح الخط في القرطاس دهراً
وكاتبه رميم في التراب

تقریظ

۱۔ از مولانا مولوی سید محمد نذیر الدین احمد صاحب جعفری ہاشمی (ملا فاضل) مدرس اول مدرسہ اسلامیہ اہل حدیث بنارس

حامدا ومصلیاً ومسلما! واقع میں جن کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، ان کو صحیح بخاری کے ساتھ بھی ضرور ہی محبت ہے، اس لیے کہ یہ مطابق خواب بعض بزرگ آنحضرت ﷺ کی خاص کتاب ہے، چونکہ اس کی نصرت میں مولوی محمد ابوالقاسم صاحب نے رسالہ "الأمر المبرم" تالیف کیا ہے، لہٰذا میں مؤلف کے لیے اس دعا پر خاتمہ کرتا ہوں: اللهم انصر من نصر دين محمد واخذل من خذل دين محمد ﷺ ! (نذير الدين أحمد عفي عنه)

۲۔ از مولوی حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مدرس مدرسہ مذکور بنارسی: 202

کتاب لو تأمله ضرير لعاد كريمتاه بلا ارتياب

الحمد لله وكفىٰ، وسلام على عباده الذين اصطفىٰ، أما بعد!

بعض قاصرین ناعاقبت اندیش نے بمقتضائے۔ ع۔

نمی روید از تخم بد بار نیک

صحیح بخاری (جس کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا فقہاء ومحدثین کے نزدیک ایک امر مبرم ومسلّم ہے) کے بعض رواۃ پر جرح وقدح کیا تھا اور اس کا نام۔ ع۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

"الكلام المحكم" رکھا تھا، اس کا ایسا صحیح اور واقعی جواب مولوی محمد ابوالقاسم صاحب نے لکھا، جس سے مردود کا غیر محکم اور رد کا مبرم ہونا: كالشمس في نصف النهار بين الأبصار ظاہر ہوگیا، خدا اس سعادت مند مجیب کو اِحقاق حق و اِبطال باطل میں ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین ثم آمین! (حکیم عبدالمجید عفی عنہ)

۳۔ از مولوی سید محمد عبدالکبیر صاحب بہاری مدرس مدرسہ مذکور بنارس:

الحمد لله الذي له ملك السموات والأرض، وهو على كل شيء قدير، والصلوة والسلام

علیٰ رسول محمد الذي أرسل إلی کل صغیر و کبیر، أما بعد!

اس عاجز نے کتاب "الأمر المبرم" کو من أوله إلی آخرہٖ دیکھا، ما شاء اللہ خوب کتاب ہے، اپنے باب میں فی زماننا بے مثل دیکھتا ہے، مؤلف نے اس کی تالیف میں بڑی محنت و جانفشانی کی ہے۔ اے اللہ! اس کتاب کو مقبول أنام فرما اور مؤلف کو یوماً فیوماً علم دینی و دنیوی میں ترقی دے اور اس کو اپنے اعداء پر غالب کر اور اس کے اعداء کو مغلوب! آمین (راقم الحروف عبد الكبير عفی عنه)

۴۔ از مولانا محمد منیر الدین خان صاحب (ملا) مدرس مدرسہ مصباح الہدی بنارس:

ماشاء اللہ بنارس کے شہرہ آفاق جوان صالح جناب مولوی محمد ابوالقاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ اپنی خدا داد طاقت سے پوربی دہوتی پرشاد کو ایسی پچھاڑ پچھاڑی کہ کساری کی دال اور بھونجیا چاول آنتوں سے باہر نکل پڑا اور زمین کو دانتوں سے پکڑ کر سسکتا اور اپنے کیئے کا وبال بھگت رہا ہے۔ ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ جزاه الله عني وعن سائر المسلمين خير الجزاء۔ (خاکسار محمد منیر خاں عفا اللہ عنہ)

۵۔ از مولوی ابوالحسنین محمد عبدالمجید صاحب (ملا) مدرس مدرسہ مذکور بنارس:

203 یہ رسالہ مولوی عمر کریم ایسے منہ پھٹ معترض کا منہ توڑ جواب ہے، جس نے مذہبی دنیا میں بخاری ایسی کتاب پر، جس کے رواۃ کی ثقاہت پر قرنوں سے اتفاق امت ہے، جرح کر کے فرقہ ناجیہ "ما أنا عليه وأصحابي" کا دل دکھایا۔ خداوند تعالیٰ ہمارے دوست مولوی ابوالقاسم صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے کل توہمات کو هباءً منثورا کر دیا۔ (خاکسار محمد عبدالمجید)

۶۔ از حاجی حافظ ممتاز احمد صاحب دہلوی مقیم شہر بنارس:

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفیٰ، وسلام علی عباده الذين اصطفیٰ، أما بعد!

یہ رسالہ "الأمر المبرم" مصنفہ جناب مولوی محمد ابوالقاسم صاحب زاد الله علمه وعمله وفضله جو "الكلام المحكم" مولفہ مولوی عمر کریم پٹنوی هداه الله تعالیٰ کے جواب میں لکھا گیا، فی الواقع بے مثل و بے نظیر ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس میں امر حق کا اظہار ہے اور "الحق يعلو ولا يعلیٰ" ایک سچی گفتار ہے، خدا مولانا کو ہمیشہ اظہار حق کی توفیق دے۔ آمین! (خاکسار ابوحمید ممتاز احمد)

۷۔ از مولوی محمد حیات اللہ صاحب واعظ شہر بنارس:

عمر کریم (عليه ما يستحقه) کے جواب میں آپ نے جس قدر رسائل لکھے ہیں، سب کا میں نے مطالعہ کیا اور

ہر ایک کو اپنے باب میں بے نظیر پایا، خصوصاً اس کتاب سے زیادہ اور کوئی امر مبرم نہیں ہوسکتا، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین (محمد حیات اللہ بنارسی)

۸۔ از مولوی ابو اسرائیل محمد اسماعیل خان صاحب ساکن پر یوا ضلع پرتاب گڈھ:

مولانا! آپ کی "الأمر المبرم" واقعی امر مبرم ہے، جو مصنوعی "الكلام المحكم" کے لیے سیف صارم ہے، آپ کی یہ کم سنی اور بلا کی ذکاوت! بے شک یہ اسی امام کا اثر ہے، جو اپنی کم سنی میں امام باکمال ہو چکا تھا، أعني به الإمام الهمام البخاري عليه الرحمة من الله الباري! خدا آپ کو اس سے اور زیادہ توفیق دے، ہم بھی دعا کرتے ہیں۔

جزاه إله الناس عنا جميعاً بخير جزاء ذي نماء مخلد

اور آپ کا احسان ملک کے ہر قوم کے سر پر ہے، لہٰذا سب کو ضرور ہے کہ آپ کے حق میں دست بہ دعا ہوں:

دعاءك يا فخر الأ فاضل واجب على كل ذي فضل بدهر مظل 204

(عاجز أبو اسرائيل محمد إسماعيل عفي عنه)

۹۔ از مولوی کفایت حسین صاحب مدرس اول مدرسہ اصلاح المسلمین بانکی پور پٹنہ:

حداثۃ السن میں جو کارنمایاں آپ سے ہو رہے ہیں، تعجب خیز و حیرت انگیز ہیں، مولوی عمر کریم کے جوابات کا التزام جو آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے، عام اہلحدیث خصوصاً ہم لوگ اہل پٹنہ غایت مشکور ہیں، اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرما کر اپنے جناب میں نہایت قبولیت عطا فرمائے اور آپ کو بجمیع الوجوہ بدرجہ اعلیٰ سعادت دارین سے مشرف و ممتاز فرما دے۔ (کفایت حسین عفی عنہ)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

قصائد

در مدح امام بخاری رحمہ اللہ وتوصیف جامع صحیح ایشان

از سخنور فصیح اللسان نکتہ سنج بلیغ البیان مولوی اقبال احمد بڈھر پوری!

محسودِ ملک رتبۂ والائے بخاری — مقبول سلف صحت یکتائے بخاری
قرآن کے سوا آج زمانے میں نہیں ہے — صحت میں صحیفہ کوئی ہمتائے بخاری
تحقیق روایت ہو کہ توثیق درایت — عنقا ہے ہر ایک وصف میں مانائے[1] بخاری
ہے اور کتابوں کو بھی گو دعوائے صحت! — پر سب سے مرجح ہے یہ دعوائے بخاری
مجموعۂ اخبار رسول عربی ہے — کیونکر نہو ہر دل میں تمنائے بخاری
یہ قول نبی ہے اسے کس طرح نہ مانیں ! — ہم وہ نہیں جو مانتے ہوں رائے بخاری
جن آنکھوں میں ہے روشنی نیّر اسلام — ملحد ہے جسے عشق نہیں قول نبی سے
سرمہ ہے انہیں خاک کفِ پائے بخاری — ایماں کی علامت ہے تو لائے بخاری
ہر اہلِ بصیرت ہے دل و جان سے مفتوں — اللہ رے جمالِ رخِ زیبائے بخاری
سیراب کریں گے انہیں کل ساقی کوثر — ہے آج جنھیں نشہ صہبائے بخاری 205
سروچمن خلد ہو سو بار تصدیق — گر دیکھ لے نخل قدر عنائے بخاری
تالیف ہو بے مثل تو پھر کیوں نہ ہو یکتا — وہ فخر ائمہ چمن آرائے بخاری
رضواں کو بہارِ چمن خلد نہ بھائے — دیکھے جو کبھی روضۂ خضرائے بخاری
اوراق ہیں اس کے ثمر باغ رسالت — کیوں روکش سدرہ نہو طوبائے بخاری
ان چشموں میں جو بحر رسالت سے رواں ہے — ہے پاک تریں عین مصفائے بخاری
یک جا کیا اخبار صحیحہ کو پرکھ کر — ہر سر پہ ہے احسان کرم ہائے بخاری
جو لوگ کہ ہیں رائے کے پھندے میں گرفتار — وہ کس لئے کرنے لگے پروائے بخاری

---

[1] مثیل۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

پر بادۂ عشق نبوی سے جو ہیں سرشار　　ہیں وہ تو دل و جان سے شیدائے بخاری
اک دم میں شفا ہوتی بدعت کے مرض سے　　واللہ ہے کیا فیض مسیحائے بخاری
اخبار نبی سے یہ عداوت ہو اور اس پر　　اسلام کا دعویٰ کریں اعدائے بخاری
برسوں رہ تحقیق میں سرگرم سفر تھے　　سر سے فضلا کے نہیں کم پائے بخاری
اس میں نظر آتے ہیں خط و خال رسالت　　اللہ رے مرآۃ مجلّائے بخاری
کافور ہوئی جاتی ہے تاریکی بدعت　　دیکھو تو ذرا فیض تجلائے بخاری
کیا ہوتا ہے گرشپرہ چشم اس کو نہ دیکھیں　　چشم اولی الابصار میں ہے جائے بخاری
ہے سطروں میں اس کے کشش گیسوئے محبوب　　کیوں اہل نظر کو نہو سودائے بخاری
جو نقطہ ہے وہ مردمک چشم خرد ہے　　کیوں دیدہ حق بیں میں نہ کھب جائے بخاری
ہر حرف سویدائے دل اہل صفا ہے　　دل کش ہے غرض جملہ سراپائے بخاری
کیوں حل مسائل کریں ہم زید و بکر سے　　کافی ہے ہمارے لیے فتوائے ❶ بخاری
ہے اس سے عیاں جلوۂ خورشید صداقت　　کیوں آنکھیں نہوں محو تماشائے بخاری
حافظ تو تھے اقوال رسول عربی کے　　مانا ہے عجم مولد و منشائے بخاری
ہر چند کہ پرخار ہے یہ مرحلہ لیکن　　تھا عشق نبی ولولہ افزائے بخاری
راہ طلب حق میں صعوبات زمانہ　　کچھ بھی نہ ہوئی حوصلہ فرسائے بخاری **206**
قرآن بھی اسی حرف سے آغاز ہوا ہے　　کیوں قابل توقیر نہ ہوجائے بخاری
یہ پرتو تھا جلوۂ انوار نبی ﷺ کا　　پتلی سے روشن تھا سویدائے بخاری
چھپ سکتی نہ تھی ظلمت کذب اس کے مقابل　　وہ آئینہ تھا قلب مُزکائے بخاری
خالص کو علیحدہ کیا ہر اک غش و غل سے　　معیار تھا گویا دل دانائے بخاری
ہوتا ہے مُشام صُلحا جس سے معطر　　ہے رائحہ عنبر سارائے بخاری
جو لکھی روایت وہ دُر قلزم تحقیق　　اللہ رے کلکِ گُہر آمائے بخاری
ملتا ہے شہبہ دیں سے شرف ہم سخنی کا　　پھر مومن کامل کو نہ کیوں بھائے بخاری
گردوں پہ ہوا طائر سدرہ بھی گرفتار　　اللہ رے خم زلف چلیپائے بخاری
سو بار کریں برگ گل خلد نچھاور　　ہاتھ آئیں اگر حوروں کو اجزائے بخاری

---

❶ یعنی جامع صحیح۔

حاجب ہے بصیرت کی پے معرفتِ حق — کب ہونے لگے کور شناسائے بخاری
ممکن نہیں چھ لاکھ حدیثوں کا پرکھنا — ہر ایک سے جز دیدۂ بینائے بخاری
تائید الٰہی تھی ضرور ان کی معاون — اس عہدۂ مشکل سے جو برآئے بخاری
تنقید روایات میں اس وقت سے اب تک — تسلیم ہے سب کو ید طولائے بخاری ♋
عالم میں کوئی ایسا محدث نہیں گزرا — برتر ہے بہت شان معلائے بخاری ♋
اس نور الٰہی کی ضیا یوں ہی رہے گی — افواہ سے ممکن نہیں اِطفائے بخاری ♋
آساں نہیں تالیف احادیث صحیحہ — یہ کام ہے الحق یدِ بیضائے بخاری ♋
اقبال دل افگار بس اب ختم سخن کر — آساں نہیں حصر صفت ہائے بخاری ♋

از شاعر شیریں سخن منشی عبدالرؤف صاحب موحد، متوطن ایلچ پور دکن

تعصب اور حسد دل سے مٹائے جس کا جی چاہے — بخاری کا محبّ یاں اب کہائے جس کا جی چاہے
جہاں میں ان دنوں مجھ پر زبس انعام باری ہے — بخاری کا محبّ ہوں آزمائے جس کا جی چاہے
امام باصفا کی مدح سے رطب اللساں ہوں میں — سنے اوصاف ان کے مجھ سے آئے جس کا جی چاہے
خلیل اللہ آسا کعبہ دیں کو کیا معمور — محبت ان سے رکھ عظمت بڑھائے جس کا جی چاہے 207
ہوئے ان کی سعی سے سنت و توحید یاں روشن — بس ایسی روشنی سے فیض پائے جس کا جی چاہے
محمد ❶ نے محمد ♏ کا کیا دیں منور یاں — کرے تصدیق اور صادق کہائے جس کا جی چاہے
ہوئے سولہ برس کی عمر میں اکمل حدیثوں میں — شک اس میں لائے اور منکر کہائے جس کا جی چاہے
حدیثوں کی ہوئی شہرت ہے ان سے خوب عالم میں — میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے
بخار آتا ہے بدعی کو تو بس نام بخاری سے — بخاری کے حسد سے خار کھائے جس کا جی چاہے
بخاری کا ہے جو دشمن وہی دشمن ہے احمد کا — پس ایسی دشمنی سے دیں گنوائے جس کا جی چاہے
ہوئی مقبول عالم میں یہ جامع مستجاب ان کی — پڑھے اس کو پڑھائے اور سنائے جس کا جی چاہے
ہے درجہ دوسرا اس کا کتاب اللہ باری سے — تو باری باری اس سے فیض اٹھائے جس کا جی چاہے
رسول حق نے فرمایا ہے ہاں اس کو کتاب اپنی — حقیقت اس کی ہم سے سن کے جائے جس کا جی چاہے

❶ یعنی امام بخاری۔

محاسن اس کے ہوں اللہ اکبر کیا بیاں مجھ سے — فضائل سے فضیلت پائے آئے جس کا جی چاہے
مولف کو ملی ہے حضرت نبوی سے خوشخبری — تو منکر بن کے یاں ایماں گنوائے جس کا جی چاہے
لکھی ہے نزد منبر بیٹھ کر مسجد میں حضرت کے — فضائل اور ہم سے سننے آئے جس کا جی چاہے
حیات ان کی میں یاں ستر ہزار اشخاص نے یارو — صداقت اس کی کی ہے دیکھ جائے جس کا جی چاہے
جہاں میں بس ہے شہرت اس کی یارو مہر انور ساں — کرے انکار اور شپرّ کہائے جس کا جی چاہے
ملی نعمت کتاب حق کے بعد از ہم کو یہ عظمیٰ — تو دونوں نعمتوں سے فیض پائے جس کا جی چاہے
احادیث نبی کی کیا ہوئی تدوین ہے واللہ — احادیث نبی کا درس پائے جس کا جی چاہے
ہوئے ہیں جابجا اب درس اس کے ہند میں جاری — بس اس کے درس سے یاں حظ اٹھائے جس کا جی چاہے
ہیں اس سے رافضی اور بدعتی یارو بہت جلتے — سنا کر اس کو دل ان کا جلائے جس کا جی چاہے
ہیں سنی منبسط اس سے تو بدعی منقبض اس سے — تو سنی بن کے اس سے لو لگائے جس کا جی چاہے
موحد ہی کیا کرتے ہیں اکرام اس کا دل سے یاں — مخالف اس کا بن ناری کہائے جس کا جی چاہے
گروہ اہل سنت میں ہے اس کی قدر روز افزوں — پس اس کی قدر سے عزت بڑھائے جس کا جی چاہے
مطیعان جناب احمدی ہیں اس کے شیدائی — رکھ اس سے انس اور فردوس پائے جس کا جی چاہے
موحد کی غزل سن کر کہا یہ اہل سنت نے — بیاں ایسا کوئی ہم کو سنائے جس کا جی چاہے 208

وله أيضاً

پس از حمد ایزد و نعت نبی   بخاری کی توصیف لکھوں ابھی
جسے انس یارو بخاری سے ہے   اسے ربط اللہ باری سے ہے
او وصّافِ احمد امامِ زمن   مفخر شدہ زیرِ چرخِ کہن!
مزین نمود است دینِ نبی   پذیری نہ قولم تو باشی غوئے
عدوے مجازی ست خصم رسول   تو گفتار من کن سراسر قبول
جو دشمن بخاری کا ہے درجہان   مخالف نبی کا ہے وہ بے گماں
نبی کا ہے دشمن خدا کا عدو   سنو گوش دل سے میری گفتگو
ہوئے شاد ان سے جناب رسول   نہ مانے جو اس کو وہ ہے بس جھول
مشرف ہوئے ہیں وہ عالی مقام   نبی کی زیارت سے اندر منام
ہوئے ہم کلام ان سے حضرت نبی   وشاباشی حضرت سے ان کو ملی
محمد نے دین محمد کو یاں   منور کیا مثل مہر جہاں
ہوئے شانزدہ سال میں وہ امام   بس اکمل حدیثوں میں ہے نیک نام
حدیثیں تھیں چھ لاکھ بس ان کو یاد   ملی نعمت ان کو زِ رَب العباد
احادیث نبوی کی تدوین کی!   زبس دین احمد کی تزئین کی
احادیث نبوی فراہم کیا   مرتب کیا نسخہ کیمیا
محبّ ہوں بخاری کا میں خیر سے   جسے شک ہو وہ آزمائے مجھے
بخاری کا یاں سن کے نام نکو   بخار آتا ہے بدعی زشت کو
حسد سے بخاری کے جو خوار ہے   پس اللہ کی اس پر پھٹکار ہے
ہے جامع بخاری بڑی شان کی   ہے رہبر یہی ہر مسلمان کی
یہ جامع ہے بس جامع فضل و خیر   نہو چین مومن کو اس کے بے غیر 209
کتاب الٰہی کے بعد از یہاں   ہے درجہ بڑا اس کا اے موموناں
وہ مسجد میں احمد کے منبر کے پاس   ہے اس کو لکھا باوضو باسپاس

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ہیں رفاض و بدعی بس اس کے حسود
ہوئے درس جاری ہیں اس کے یہاں
کرو فیض حاصل تم اس سے مدام
سنو اس کو تم اور سناؤ دوام
رکھو درس اس کا تم اے مومنیں
یہ ہے نہرِ فیضان اے مسلمیں
موحد کریں قدر اس کی یہاں
صداقت میں اس کے ہو بس شک جسے
تشفی کریں گے ہم اس کو ضرور
ہے شہرت میں یہ مثل مہر منیر
دِکھے ہے نہ شپر کو دن میں ذرا
رہو درس میں اس کے شاغل بدل!
یہاں تم پہ بس فضل باری یہ ہے
حیات مؤلف میں اے دوستدار
جو منکر ہوا اس کا ایمان گیا
تو کر عزت بس اس کی اے نیک نام
جو پٹنہ کا بدعی ہے اک مولوی
ہے سنت کا دشمن از بس پر غرور
مٹانے میں سنت کے شاغل وہ ہے
یہاں حال محشر سے غافل وہ ہے
ہے بیجا یہ سب اس کا شور و شغف
ہے ناحق یہ سب کا شور و شغب
کرے عاقبت اپنی ہے یاں خراب
ہے رفاض سے اس کو از بس وفاق
نفاق و شقاق اس کا شیوہ ہے یاں
دعا تجھ سے میری ہے اے کردگار
موحد کا تو خاتمہ کر بہ خیر

مسلمان نہیں ان کو سمجھو یہود
بہ روم بہ مصر و بہ ہندوستان
پڑھو اور پڑھاؤ اسے صبح و شام
عوض اس کے جنت میں پاؤ مقام
ہوں خرسند تم سے رسول امیں
کرو تازہ تم اس سے بستانِ دیں
یہ ہے اہل بدعت کے حق میں سناں
پئے رفع شک ہم سے آکر ملے
کریں ہم نہ اس کام میں کچھ قصور
کرے قدر اس کی جو ہووے بصیر
تو خورشید کی اس میں کیا ہے خطا
جلاؤ تم اعداء کے بس خوب دل
تمھارے لیے فیض جاری یہ ہے
مصدِق ہوئے اس کے نوے ہزار
ہو محشور در زمرہ اشقیاء
نہ مانے تو ہووے سزائے ملام
مخالف بنا ہے وہ اس کا غوی
حذر مومنوں کو ہے اس سے ضرور
اشاعت میں بدعت کے مائل وہ ہے
حکایات باطل کا ناقل وہ ہے
کرے عمر اپنی ہے اس میں تلف 210
گیا بھول محشر کا رنج و تعب
وہ محشر میں کیا دے گا حق کو جواب
عدو اہل سنت کا ہے پر نفاق
رہو دور اس سے تم اے مومناں
گنہ بخش دے میرے آمرزگار
نہ فریاد رس ہے کوئی تجھ بغیر

از چکیدہ قلم، جادو رقم، شاعر بے مثل مولوی محمد یوسف صاحب شمس محمدی فیض آبادی

حدیثوں میں بخاری کی عجب شان معظم ہے
کتاب حق مقدم اس سے یہ سب سے مقدم ہے

فضائل اور گو اس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں
کتاب مصطفیٰ ہونے کا رتبہ صرف کیا کم ہے

رواۃ اس کے ثقاۃ اور عادل وثبت اور حجت ہیں
فقاہت اور ضبط و اتقان ان کا مسلم ہے

محدث جتنے دنیا میں ہیں گزرے راسخ و کامل
سر تسلیم سب کا اس کی صحت کے لیے خم ہے

تواتر کی طرح حجت ہیں اخبار آحاد اس کے
جہاں ہے مستفیض اس سے کہ یہ مشہور عالم ہے

خطاؤں سے مبرا ہے بھری ہے رشد وحکمت سے
جو دانائی میں لقماں ہے تو عصمت میں یہ مریم ہے

کلام اللہ کے مانند اس کے تیس پارے ہیں
کہ وحی غیر متلو ہونے کا رتبہ ہی کیا کم ہے

مسرت ہر زماں ہوتی ہے دیدِ حسنِ جاناں سے
بخاری کے جو شیدا ہیں انہیں کس بات کا غم ہے

احادیث نبی کی ساری دنیا دیکھ لو اس میں
یہ آئینہ سکندر کا ہے یا یہ ساغر جم ہے

بسی ہے جان و دل میں اس قدر الفت بخاری کی
نچھوڑیں گے اسے عشاق دم میں جب تلک دم ہے

حیات طیبہ پاتے ہیں ہر یک مردہ دل اس سے
عجب معجز نما ہے یہ عجب عیسائے مریم ہے

نہیں جامع صحیح ایسا سنن ایسا کوئی ہرگز
نہ ایسا کوئی مسند ہے نہ ایسا کوئی معجم ہے

فیوض رشد اور خیر کثیر ان دو سے جاری ہے
کتاب اللہ کوثر ہے بخاری چاہ زمزم ہے

کلام مصطفیٰ کے ہجر میں مجروح جو دل ہیں
مبارک ہو بخاری کی تلاوت ان کو مرہم ہے

محبان نبی آب بقا اس کو سمجھتے ہیں
مگر جو منحرف ہیں دیں سے ان کے لیے سّم ہے 211

نہیں ہے اہل سنت سے کبھی طاعن بخاری کا
وہ جاہل ہے غبی بے دال کا بے شبہہ بودم ہے

فان تحمله يلهث اور ان تتركه يلهث کا
وہی کلب الکلب مصداق ہے جو رشک بلعم ہے

نہیں حد اس کی گمراہی کی جو منکر ہوا اس سے
وہ اطغیٰ ہے وہ اکفر ہے وہ اجہل ہے وہ اظلم ہے

ابوالقاسم محمد بھی عجب ہے حامئی سنت
کلام اس کا ہے یا شمشیر ہے یا امر مبرم ہے

جہاں پٹنہ کے بدعی نے اٹھایا سر جہالت سے
وہاں اس کے مقابل اس کی شمشیر بیان خم ہے

لکھی وہ امر مبرم کٹ گیا جس سے سر بدعی
عجب تیغ ودپیکر ہے عجب یہ سیف صارم ہے

مچا ہے شور واویلا کہ اجڑا خانۂ بدعت — بخاری کے جو منکر ہیں بپا اک ان میں ماتم ہے
سخن سنجی میں تو اے شمس اور اعلیٰ فصاحت میں — نہیں ہرگز ظہوری اور فردوسی سے کچھ کم ہے!

از مولوی برکت علی صاحب برکت پنپشنر لودھانوی

فقیہ کشتی سنت تمھارا ناخدا کیسا؟ — امام فن احادیثی تمھارا پیشوا کیسا؟
امام ابوحنیفہ سا تمھارا رہنما کیسا؟ — ہمارا بوحنیفہ ہے تمھارا دلربا کیسا؟
یہ دونوں طبقہ اولیٰ کے تھے اعلیٰ اماموںسے — کسی ناچیز کا منہ ان کے حق میں ہے کھلا کیسا؟
بتائے مولوی عمر کریم اب راست بازی سے — وہ یوں بغض امام مجتہد پر ہے تلا کیسا؟
یہ بے خبری ہے سنت سے زبان پر ہے ترے شکوہ — امام مجتہد کامل بخاری کا بھلا کیسا؟
بصارت عقل سے دیکھو تڑپ جاؤ ندامت سے — تیرے ناقص دلائل کا ہوا قلع قمعا کیسا؟
امام اعظم سنت سے کیا نسبت ہے بدعی کو — ہے کرتا بدعتی سنت کا دعویٰ برملا کیسا؟
عجب ناداں ہے حنفی مقابل اہل سنت کے — ہتھیلی پر دیا لے کر ایری میں بڑھا کیسا؟
تعارف ہوتا برکت سے تو ہوتا فیض بھی حاصل — گریباں میں نظر ڈالے تو دیکھے گل کھلا کیسا

تـــــــمـــــــت

تمام شد

212

افسوس

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

مولانا ابو الطیب مولوی شمس الحق صاحب عظیم آبادی سے کون واقف نہیں؟ آپ خاکسار کے شیوخ حدیث سے تھے اور عاجز پر بہت مہربان رہتے، خصوصاً فدوی کے رسائل سے بے انتہا خوش ہوتے اور ان کو بالالتزام من اولہ الیٰ آخرہ ملاحظہ فرما کر تقریظ لکھ دیتے اور اس کے لیے ہر قسم کی اعانت فرماتے، یہ کتاب "الأمر المبرم" بھی فقیر نے آپ ہی کے ایماء سے لکھنی شروع کی، آپ نے فرمایا تھا کہ "الكلام المحكم" کا جواب لکھو، میں تم کو دو عمدہ کتابیں بطور انعام کے دوں گا:

۱۔ ایک نہایہ ابن اثیر، کامل ہر چہار جلد

۲۔ دوسری تهذيب التهذيب کامل بارہ جلدیں۔

چنانچہ نہایہ تو آپ نے پہلے ہی مرحمت فرمائی اور تهذیب التهذیب کے لیے اتمام کتاب ہذا کے بعد وعدہ تھا، صرف لکھنے کے لیے اپنا نسخہ مرحمت فرمایا تھا اور طبع کے لیے نقدی امداد کا وعدہ تھا اور کچھ مرحمت بھی فرمایا تھا، افسوس کہ قبل اشاعت کتاب ہذا آپ بتاریخ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ یوم سہ شنبہ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء بوقت ۶ بجے صبح بعارضہ طاعون انتقال فرما گئے اور جس وقت کہ دنیا کا آفتاب طلوع ہوا تھا، اسی وقت دین کا آفتاب (شمس حق یعنی حق کا آفتاب) غروب ہوا۔ إنا لله وإنا اليه راجعون، اللهم اغفرله وارحمه!

جی کے جی ہی میں رہے ارمان سارے چل بسے!

اب آپ کے خلف الصدق مولوی حکیم محمد ادریس صاحب (جو ذی علم وذی لیاقت شخص ہیں) سے امید ہے کہ مولانا مرحوم کی سچی جانشینی فرمائیں گے اور حضرت ابوبکر صدیق ◆ کی طرح اعلان کر دیں گے:

"من كان له عند النبیﷺ عدة أو دين فليأتنا" (بخاری پ: ۹) [1]

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا، فليس له أن يرجع، رقم الحديث (٢١٧٤) صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب ما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا قط، فقال: لا، رقم الحديث (٢٣١٤)

اشعار وتواریخ انتقال مولانا مرحوم

ما لقلب آسفٍ من حيث يفرغ باكيا — كيف أسلوه بصبر جاء نعي الأكمل
يعني مولانا الكريم الفاضل المتورع — اسمه شمس و نور رسمه في الأمثل 213
مات فى الطاعون قلقا صابراً فى داره — كان بشاشا بلقيا الله كالمتوكل
خاض فكرى هائما وناح برأس الأجل — راح شمس الحق حقا في الربيع الأول
سنہ ۱۳۲۹ھ

دیگر عربی

غاب عن عينا ي شمس في السحاب قد اختفى — أظلم الدنيا لفقده كان من أهل الثرىٰ
خضت في تاريخه أي الدعاء مبارك — نور الله بنور تام قبره أتى
۲۹ ۱۳

دیگر فارسی

آمده فصلِ خزاں درگلستانِ باغِ علم — از چمن بستند محمل بلبلان باغ علم
رنگ دیگر گل گرفتہ از خزاں آخر کجا — آن بہار لالہ زار بے خزاں باغ علم
خونِ دلِ من گشت از پیکان اندوه فراق — خوں چکد از ہر دو چشم دوستانِ باغ علم
حیف در دست غم بسپرد واز عالم برفت — فاضل علامہ شمس الحق جوانِ باغِ علم
رحلتِ او داغ اندوہ و ملال و غم نہاد — ہر دلِ رنج آشنائے مردمانِ باغ علم
نو بہار گلستانِ خلق و فضل و کرم وجود — حیف رخصت شد ز بزمِ عالمانِ باغ علم

سینہائے دوستانِ علم چوں صد برگ شد ‎ چاک چاک از رحلت ایں باغبانِ باغ علم
آتشِ دردِ وفاتِ آں امیرالمومنین ‎ سوختہ رخت قرار ساکنانِ باغ علم
خاتمہ العلما از حق، فاضل برحق برحق ‎ گفتہ شد درگوش من اے دوستانِ باغ علم
۲۹ھ ۱۳ ۲۹ ۱۳

دیگر اردو

ہر طرف چھا گئی نکبت کی سیاہی کیسی ‎ گر پڑا کوہ الم ہائے یہ کیسے یکدم
روتے روتے ہوئیں بے نور ہماری آنکھیں ‎ صدمہ سے چور ہے ہر شخص کوئی زیادہ کوئی کم 214
علم دنیا سے اٹھا ڈوب گیا سورج حق ‎ کیوں نہ کہرام مچے، کیوں نہ ہو گھر گھر ماتم
سر اعداء کو اوڑا کر ہوئے وہ آج شہید ‎ اغنی شارح ابی داود مفتی عالم
۲۹ھ ۱۳

ایضاً۔اردو

کیا تم سے کہوں کہ غم ہیں کیا کیا ‎ چکر میں ہے دماغ ہے ہے
ہوں ایک دو تو بھلا کہوں بھی ‎ ویراں ہوا سارا باغ ہے ہے
ورود سمن کی امید ہو کر ‎ لالہ سا ہوا یہ مراغ ہے ہے
بلبل بھی اڑی یہ نوحہ رو کر ‎ کیسے مٹے گا یہ داغ ہے ہے
ہر شاخ چمن پر تھا بسیرا ‎ اب ہر طرف بوم و زاغ ہے ہے
وہ باغبان لاپتہ ہے جب سے ‎ کچھ بھی نہ ملا سراغ ہے ہے
مت پوچھو بہت یہی سمجھ لو ‎ گل ہو گیا اب چراغ ہے ہے

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

مختلف مادہ تاریخ

وهو خير كم من ينفع الناس. غاب بأنوار الله. راح شمس لحق كان تقيا.

۲۹ھ ۱۳ ۲۹ھ ۱۳ ۲۹ھ ۱۳

انخسف شمس لحق.

۲۹ھ ۱۳

نہاں وہ ہوا ہائے خورشید دیں. اہل جنت خرم. فخر دولت جاہ. المغفور.

۲۹ھ ۱۳ ۲۹ھ ۱۳ ۲۹ھ ۱۳

محمد ابوالقاسم سیف بنارسی

تمت

219

بخدمت شریف علماء اہل حدیث زید مجدکم

السلام علیکم:

اس کتاب کا مطلب اور موضوع تو آپ لوگوں کو ملاحظہ سے بخوبی معلوم ہوا ہوگا، ایسے منہ پھٹ معترض کے جوابات میں جس قدر دقت ہوتی ہے، وہ بھی ظاہر ہے، کیونکہ معترض باوجود دعویٔ حنفیت کے کسی اصول کا پابند ہی نہیں، ایسی صورت میں مجیب کو جو جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کا تو ذکر نہیں، البتہ یہ عرض ہے کہ خاکسار نے جو کچھ لکھا ہے، محض دینی ہمدردی سے لکھا ہے، پس اگر یہ جوابات کافی نہ ہوں تو آپ صاحبوں کی ہمت اور حمیت سے بعید نہیں کہ اپنی طرف سے دوسرا جواب چھاپ کر شائع کریں، یا عاجز کو مطلع فرما کر ممنون کریں۔ ع۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

نیازمند

مصنف

220 اعیان اہلحدیث کی خدمت میں امر مبرم کی اپیل

بھائیو! میرا کام آپ نے دیکھ لیا، میرا حملہ آزما لیا، میری ڈیفنس (مدافعت) کو جانچ لیا، میرے اوصاف بزرگان قوم سے سن لئے، پھر ابھی کچھ کسر ہے؟ نہیں! تو کیوں میری طرف خیال نہیں کرتے، کیا آپ نے نہیں سنا؟ کہ میرے بھگیلے رسالہ الکلام المحکم کی آؤ بھگت بدعتی حنفیوں نے کتنی کی ہے اور کن کن کوششوں سے اس کی اشاعت کی، پس آپ حضرات بھی میرے قوت بازو بنئے اور مجھ کو اس کے پیچھے پیچھے بھیج دیجئے، پھر دیکھئے گا کہ میں کس زور سے جا کر اسے دباتا ہوں، ایسا کہ باز اور چڑیا کا نظارہ آپ بھول جائیں، مگر میں اس کے پیچھے پیچھے کیسے جا سکتا ہوں، جب کہ اعیان قوم مجھے نہ اڑائیں، یعنی میرے متعدد نسخے خرید کر مفت تقسیم کرائیں، تو پھر دیکھیں کہ امر مبرم کی سیف صارم کیسی چمک کر اپنے بھگیل کی قطع و برید کرتی ہے۔

پس اب اور کونسا وقت ہوگا کہ آپ صاحبان اس قومی جوان اور نامی پہلوان کی قدر افزائی کریں گے؟

والسلام

خاکسار

امر مبرم بنارسی

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾

للہ الحمد والمنۃ کہ رسالہ عجالہ نافعہ مسماۃ بہ

ماء حمیم

للمولوی

عمر کریم

۱۳۲۹ھ

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے بارہ سوالوں (مندرجہ اشتہار نمبر (۱) مشتہر ۱۳۲۲ ھجریہ) کے بالتفصیل اصولی جوابات دیے گئے ہیں۔ قابل ملاحظہ ہر خاص و عام۔ (۱۹۱۱ء)

از تازہ تالیفات

مولانا محمد ابو القاسم صاحب بن مولانا مولوی محمد سعید صاحب مرحوم مغفور پنجابی

باہتمام مصنف

در مطبع سعید المطابع واقع بنارس مطبوع گردید

2

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر می شوم جامع بخاری در بغل ❶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیه، والصلوۃ علی نبیه، والسلام علیٰ أهله. أما بعد!

خاکسار محمد ابو القاسم عفی عنہ بخدمات عالیہ محبان فی اللہ.عرض پرداز ہے کہ مولوی عمر کریم کا جب اشتہار نمبر (۱) شائع ہوا تھا، عاجز کا وہ بچپن کا زمانہ اور تحصیل علم کا وقت تھا، اس لئے خاکسار کی طرف سے اس کا جواب نہیں ہوا، گو ہمارے دوست مولوی رفعت اللہ خان نے شاہ جہان پور سے بہتے سیلاب کو روکنے کے لیے اس کے جواب میں ایک اشتہار،جس میں ان کے سوالوں کو الٹ کر امام ابوحنیفہ ؒ پر کیا تھا، شائع کیا،جس سے بڑا فائدہ ہوا کہ خصم کو تابِ جواب نہیں ہوئی،لیکن امام بخاری پر سے اصل دھبہ دور نہیں ہوا، اس لئے خاکسار کا بعد فراغت از تحصیلِ علوم خیال ہوا کہ اس کا بھی تحقیقی جواب ضرور ہونا چاہیے، جیسا کہ الزامی ہوگیا،لیکن اس خیال سے رک گیا کہ اس کو شائع ہوئے مدت دراز ہوگئی۔ یہاں تک کہ احباب مخلصین کا سخت تقاضا ہوا کہ جس طور سے ان کے اشتہار نمبر (۲) کے تین جواب ایک بذریعہ اشتہار، دوسرا صراط مستقیم، تیسرا الریح العقیم اور نمبر (۳) کا جواب ''العرجون القدیم'' اور نمبر (۴) کا جواب ''الخزی العظیم'' خاکسار کی طرف سے شائع ہوئے، جو مقبول و مفید خلائق ہوئے، نمبر (۱) کا بھی جواب ضرور ہونا چاہیے، پھر کئی احباب نے اس کی تائید کی، جس سے مجبور ہو کر اس کے جواب میں یہ رسالہ ''ماء حمیم'' تجویز ہوا، فدوی کی طرف سے مولوی عمر کریم کا پورہ تعاقب کما حقہ کیا گیا ہے،لیکن افسوس کہ وہ بار بار انھی باتوں کو دھراتے ہیں، جن کے جواب کئی مرتبہ ہو چکے،لیکن ۔ ع

ہم بھی ہیں سینہ سپر قاتل لگا جو ہو سو ہو

خدا سے امید ہے کہ اس رسالہ کو بھی اسی طرح مقبول عام کرے، جیسے کہ اس کے اخوات کو کیا، اللھم آمین!

میرے رسالوں کے مقبول عام ہونے کے میرے پاس بہت سے سرٹیفکٹ (سندیں) آئے ہیں، منجملہ ان کے ایک بزرگ کا خط درج کیا جاتا ہے، جس سے ناظرین کو میرے قول کی تصدیق ہو جائے گی۔ مولوی عبدالحمید صاحب

---

❶ روز قیامت جب ہر کوئی ہاتھ میں نامہ اعمال پکڑے ہوئے ہوگا، میں بھی بغل میں صحیح بخاری لیے حاضر ہوں گا۔

مترجم سرکار نظام حیدر آباد دکن سے اپنے ملفوف مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں لکھتے ہیں: 3

’’ جناب مولانا مولوی محمد ابو القاسم صاحب سلمہ، السلام علیکم، مزاج گرامی؟ آپ کی تصنیف "العرجون القديم " من أوله إلى آخره نظر سے گزری، ماشاء اللہ کیا دندان شکن جواب دیئے گئے ہیں کہ باید وشاید! کل "الخزي العظيم" و"الريح العقيم" بھی دیکھا، چشم بد دور! آپ خوب لکھتے ہیں اور ماشاء اللہ ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے؟ مگر۔ع

گرچہ طفلی و ہنوزت شکر آلودۂ شیر
دل صد پیر و جواں ہست بعشق تو اسیر ❶

آپ سے گو شرف ملاقات نہیں ہے لیکن آپ کی تیزی کے باعث مجھ کو آپ سے محبت ہوگئی ہے۔

نہ تنہا عشق از دید از خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد ❷

والسلام۔

علی ہذا القیاس اور بھی کثرت سے خطوط ہیں، چونکہ ایک کا وہی حکم جو کل کا، اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اب میں اصل جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، بعون الله وصونه، اللهم أيدني بروح القدس.

واضح ہو کہ مولوی عمر کریم کے سوالات لفظ ’’سوال‘‘ سے اور ان سوالوں کے جوابات لفظ ’’جواب‘‘ سے تعبیر کئے گئے ہیں، تا کہ سمجھنے میں ناظرین کو سہل ہو۔ والآن أشرع بتوفيق الله:

مولوی عمر کریم نے سوالات سے قبل ایک مختصر سی تمہید دیباچہ کے طور پر لکھی ہے، جس میں یہ دوشقیں نکالی ہیں کہ ’’بخاری پر عمل کے ضروری ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آیا مثل قرآن مجید کے اس کو صحیح سمجھ کر بلا تحقیق عمل کرتے ہیں یا اس کی صحت وسقم کو جانچ لیا ہے؟‘‘

پہلے میں اس کا مختصر جواب عرض کر دوں کہ صحیح بخاری جب اس قدر التزام سے جمع کی گئی کہ اس کا اتمام سولہ برسوں میں ہوا، ❸ تو بے شک وہ اس قابل ہے کہ اس پر بلا تحقیق عمل کیا جائے، جیسا کہ " الأمر المبرم" (ص: ١٤) میں لکھا گیا ہے۔

---

❶ اگر چہ بچپن ہے اور دودھ چینی والا ہے، دل ہزار بوڑھا ہو کہ جوان تیرے عشق میں قید ہے۔

❷ عشق دید ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ کبھی دولت گفتگو سے بھی اٹھتی ہے۔

❸ دیکھیں: تهذيب الأسماء واللغات (١/ ٧٤) تهذيب الكمال (٢٤/ ٢٤٢)

دوئم: یہ کہ علمائے محدثین نے اس کی جانچ پڑتال کر کے حکم لگا دیا ہے کہ اس میں سوائے صحیح لذاتہ کے صحیح لغیرہ بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ اس میں احادیث حسان یا ضعاف سے ہوں! چنانچہ سلف میں اس جانچ و پڑتال کی آخری لیکن مکمل کتاب " هدي الساري مقدمة فتح الباري" مرتبہ حافظ ابن حجر عسقلانی ہے، اور ان دنوں صحیح بخاری کی رواۃ کے جانچ و پڑتال میں خاکسار کی کتاب "الأمر المبرم" ہے۔ (جس میں آپ کے رسالہ "الكلام المحكم" کا جواب اور ایک سو پچھتر راویوں کی جانچ پڑتال کی گئی ہے) پس ہمارا عمل صحیح بخاری پر اس لئے بھی ہے کہ ہم نے اس کو جانچ لیا ہے۔ اس بناء پر اب سنئے اپنے سوالوں کے جوابات!

☜:(۱) یہ کہ اس (بخاری) میں کوئی آحاد نہیں ہے؟ کس واسطے کہ جو احادیث آحاد ہیں، وہ ظنی ہیں اور ظنی مفید حق نہیں، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ﴾ [يونس: ٣٦] "یعنی ظن مفید حق نہیں ہوتا ہے۔"

پس ایسی حدیثیں کب واجب العمل ہوسکتی ہیں؟

4

☛: صحیح بخاری میں زیادہ تر حدیث آحاد ہیں، بلکہ "للأكثر حكم الكل" کے اعتبار سے ہم بڑے زوروں سے دعویٰ کرتے ہیں کہ صحیح بخاری کی کل حدیثیں آحاد ہیں، اب اس بناء پر آپ کے سوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ آحاد ظنّی ہوتی ہیں اور ظنّی حق کو مفید نہیں، لہٰذا واجب العمل نہیں، پس نتیجہ یہ ہوا کہ آحاد واجب العمل نہیں، لیکن افسوس کہ اس شکل میں تقریب تام نہیں، کیونکہ قیاس کے دونوں مقدمے نامسلّم اور شرائط اِنتاج مفقود ہیں، صغریٰ آپ کا (یعنی آحاد ظنّی ہوتی ہیں) اصول حدیث والوں کے یہاں غیر مسلّم ہے، اس لئے کہ محدثین نے آحاد کی دو قسمیں کیں ہے: مقبول و مردود، اور مقبول محدثین کے یہاں مفید یقین ہے، ملاحظہ ہو کتب اصول حدیث۔ ❶

آحاد کا مفید ظن ہونا حنفیہ کا مذہب ہے، جیسا کہ نور الأنوار میں ہے: دون علم اليقين . (ص: ١٤٩) پس فقہ کے اصول مخترعہ سے حدیث کے اصول مقررہ پر کیونکر اعتراض ہوگا؟ ولا يقول بذلك إلا من سفه نفسه!

علاوہ بریں حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خبر آحاد بوقت وجود قرینہ یقین کا فائدہ دیتی ہے، مولوی عبدالحلیم حنفی لکھنوی مرحوم قمر الأقمار میں لکھتے ہیں:

"نعم، إن خبر الواحد مع انضمام القرينة القطعية يفيد اليقين ." انتهى ❷

لہٰذا آنجناب کی کلیت صغریٰ رفو چکر ہوئی، باقی رہا کبریٰ، یعنی ظنی مفید حق (یقین) نہیں بدلیل آیت قرآن، تو یہ بھی صحیح نہیں، جیسا کہ قمر الأقمار کی عبارت سے ابھی ظاہر ہوا کہ آحاد (جو بقول آپ کے ظنی ہے) قرینہ سے

❶ دیکھیں: نزهة النظر (ص: ٢٠١) إرشاد الفحول (١/ ١٣٣)

❷ نور الأنوار مع قمر الأقمار (ص: ١٨١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یقین کا فائدہ دیتی ہے، اور منطقیوں کے یہاں ظن نام ہے جانب راجح کا، اور جانب راجح ایک شاخ ہے یقین کی، اس سے بھی آپ کا کبریٰ صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں کبریٰ کی دلیل میں آپ کا آیت قرآن پیش کرنا کہ: ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ﴾ [يونس: ٣٦] آپ کے لئے سخت مضر ہے، اس لئے کہ آیت میں ظن سے مراد جانب مرجوح یعنی وہم ہے، نہ جانب راجح، اس لیے کہ کفار کا یہ خیال وہم تھا کہ بت خدا کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، جو بالکل جانب مرجوح ہے، اس کو راجح کہنے والا مشرک ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ ظن یہاں اصلی معنی (جانب راجح) پر نہیں ہے، دلیل اس کی ماقبل کی آیت ہے، خدا فرماتا ہے: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا﴾ اس آیت میں ﴿ظَنًّا﴾ پر تنوین تحقیر کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: تفسیر فتح البیان وغیرہ) [1] جو خود معنی مجازی وہم پر دال ہے۔

چنانچہ اسی آیت سے ظن کے وہم کے معنی میں بھی آنے کی دلیل پکڑی جاتی ہے، عبیداللہ بن مسعود شرح وقایہ میں تحت قول "ظنه" فرماتے ہیں:

"وليس المراد بالظن رجحان أحد الطرفين بل المراد الوهم ." انتهى

"اسی پر مولوی عبدالحئ حنفی "عمدة الرعاية" میں لکھتے ہیں:

"إن الظن قد يطلق على الوهم أيضاً، وهو المراد ههنا ." الخ

لہٰذا آپ کا کبریٰ بھی باطل ہوا، پس نتیجہ بھی ضرور غلط اور باطل ہوگا۔ علاوہ اس کے یہ دعویٰ کرنا کہ خبر آحاد واجب العمل نہیں، یہ بذات خود غلط ہے، اس لیے کہ حنفیہ جو خبر آحاد کو ظنی کہتے ہیں، وہ بھی مانتے ہیں کہ خبر آحاد واجب العمل ہے، گو ظنّی ہے، خبر آحاد کے واجب العمل ہونے پر محدثین اور حنفیہ کا اتفاق ہے، یہ آپ نے کیسے کہا کہ 5
ایسی حدیثیں کب واجب العمل ہوسکتی ہیں؟ اس لیے کہ خبر آحاد کے واجب العمل نہ ہونے کا مذہب معتزلہ اور روافض کا ہے۔ مولوی عبداللہ حنفی ٹونکی شرح نزھہ میں لکھتے ہیں:

"احتراز عن المعتزلة، فإنهما أنكروا وجوب العمل بالآحاد، وكذا القاساني والروافضة وابن داود وقولهم مردود لإجماع الصحابة والتابعين على وجوب العمل بالآحاد ." انتهى

آپ نے جو کہا کہ خبر آحاد واجب العمل نہیں، تو معلوم ہوا کہ آپ رافضی ہیں۔ (الحمدللہ کہ آپ کے شیعہ ہونے کی تصدیق ہوتی جاتی ہے) بلکہ حسامی (اصول فقہ حنفی) میں ہے:

---

[1] تفسير فتح البيان (٦/ ٦١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"وخبر الواحد... يوجب العمل" (ص: ٧٠) [1] اور منار (اصول فقہ حنفی) میں ہے:

"وأنه يوجب العمل بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول." انتہی

"یعنی خبر واحد چار دلیلوں سے واجب العمل ہے: قرآن، حدیث، اجماع، قیاس۔"

اب ہر ایک کی تفصیل نور الانوار سے سنئے!

۱۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ [التوبہ: ۱۲۲]

"یعنی پس بڑی جماعت سے تھوڑی لوگ کیوں نہ نکلے تا کہ علم حاصل کریں دین کا اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرا دیں، تا کہ وہ لوگ ڈرتے رہیں۔"

ملا جیون اس پر لکھتے ہیں:

"فالله تعالىٰ أوجب الإ نذار علىٰ الطائفة، وهي اسم للواحد والاثنين فصاعدا، وأوجب على الفرقة قبول قولهم، والعمل به، فبثت أن خبر الواحد موجب للعمل." (نور الأنوار: ١٤٩)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے طائفہ پر ڈرانا واجب کیا ہے اور طائفہ کا اطلاق ایک دو تین پر ہوتا ہے، اور بڑی جماعت پر ان کی بات ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب کیا ہے، تو ثابت ہوا کہ خبر واحد موجب عمل ہے۔"

۲۔ اب سنئے حدیث سے! ملا جیون نے تین حدیثیں پیش کی ہیں:

۱۔ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے بریرہ کی خبر صدقہ میں قبول کی، جس کے جواب میں فرمایا: "لكِ صدقة ولنا هدية" [2]

۲۔ حضرت سلمان فارسی نے جب ایک طبق کھجور پیش کر کے کہا کہ یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے، آپ نے اس اکیلے کی خبر قبول کر کے خود بھی کھایا اور صحابہ کو کھانے کا حکم دیا۔ [3]

۳۔ آپ نے حضرت علی اور معاذ کو یمن میں حاکم بنا کر [4] اور دحیہ کلبی کو قیصر روم کی طرف برائے دعوت اسلام

---

[1] الحسامي مع النامي (ص: ١٤٢)

[2] صحيح البخاري: كتاب الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث (١٤٢٢)
صحيح مسلم: كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبي صلى الله عليه وسلم...، رقم الحديث (١٠٧٥)

[3] مسند أحمد (٥/ ٤٤١) صحيح ابن حبان (١٦/ ٦٤) نیز دیکھیں: السلسلة الصحيحة (٨٩٤)

[4] حافظ ابن حجر ﷫ نے عہد نبوی میں تمام مفتوحہ علاقوں کے امراء کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیں: فتح الباري (١٣/ ٢٤١)

بھیجا [1] کہ لوگ ان سب اکیلے اکیلے کا حکم مانیں۔آگے فرماتے ہیں:

”فلو لم يكن أخبار الآحاد موجبة للعمل لما فعل ذلك“. انتهى (نور الأنوار: ١٤٩)

”یعنی خبر آحاد اگر واجب العمل نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ ایسا نہ کرتے۔“

۳۔ اب سنئے اجماع! ملا صاحب کہتے ہیں کہ صحابہ آپس میں اخبار آحاد سے دلیل پکڑتے تھے، پانی کی طہارت اور نجاست کے متعلق خبر واحد کے قبول کرنے پر صحابہ کا اجماع ہوا تھا، حضرت ابوبکر ♦ نے انصار پر جب یہ حدیث پیش کی ” قال صلى الله عليه و سلم: الأئمة من قريش“ [2] تو سب نے اس خبر واحد کو بغیر انکار قبول کر لیا۔

(ملاحظہ ہو: نورالانوار: ١٥٠)

6

۴۔ اب سنئے دلیل عقلی! (قیاس) نورالانوار میں ہے:

”هو أن المتواتر والمشهور لا يوجدان في كل حادثة، فلو رد خبر الواحد فيها لتعطلت الأحكام.“ انتهى (١٥٠)

”یعنی متواتر و مشہور حدیثیں ہر وقت نہیں ملتیں، اگر خبر واحد واجب العمل نہ ہو تو سارے احکام بیکار ہو جائیں۔“

پس ان چار دلائل سے حنفیہ کے نزدیک خبر واحد واجب العمل ہے۔ یہ میں نے اس لیے پیش کیا کہ آپ چونکہ اپنے کو حنفی کہتے ہیں، ورنہ بحث چونکہ حدیث پر ہے، اس لیے اصول حدیث کا مسئلہ پیش کرنا تھا۔

لہٰذا اب سنئے، ہم نے اس مسئلہ پر اپنے رسالہ ” الريح العقيم“ (ص: ١١) میں گو کافی روشنی ڈالی ہے، لیکن یہاں اس کا اقتباس درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پس سنئے: حافظ ابن حجر شرح نخبہ (اصول حدیث) میں لکھتے ہیں کہ آحاد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مقبول ۲۔ مردود

مقبول کی تعریف یہ بتلاتے ہیں:

”وهو ما يجب العمل به عند الجمهور.“ [3] (نزهه: ١١)

”یعنی جمہور کے نزدیک واجب العمل کو مقبول کہتے ہیں۔“

اور مقبول کی قسموں میں اول صحیح ہے اور بخاری کی حدیثیں چونکہ کل صحیح ہیں، اس لئے سب واجب العمل ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، برقم (٧)

[2] مسند أحمد (٣/ ١٢٩)

[3] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٢٠١)

دیکھئے حنفیہ کے نزدیک تو خبر آحاد کل واجب العمل ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک کل خبر واحد واجب العمل نہیں مگر جو مقبول ہو، یہ تو ہر خبر واحد صحیح کے متعلق تھا، اب یہ بتلاتا ہوں کہ بخاری کی حدیثوں کے واجب العمل ہونے پر خاص طور سے اجماع بھی ہو چکا ہے۔ اسی شرح نخبہ میں ہے:

”وإنما اتفقوا علیٰ وجوبِ العمل به .“ ❶ انتھی

”یعنی صحیح بخاری کی حدیثوں کے واجب العمل ہونے پر اجماع ہے۔“

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کی کل حدیثیں واجب العمل ہیں، گو وہ آحاد ہی ہوں۔

☜: (۲) یہ کہ اس (بخاری) کی سب حدیثیں بلفظہ روایت کی گئی ہیں، یعنی جو الفاظ آنحضرت یا صحابہ کی زبان سے نکلتے تھے، اس کو ہر راوی نے اس زمانہ سے اس وقت تک پورے طور سے یاد رکھا کہ جب تک وہ امام بخاری کو پہنچیں؟ کس واسطے کہ اگر روایت بالمعنی کی گئی ہے اور ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق حدیث کی عبارت بنائی ہے، تو اس سے اصل مدعا میں خلل عظیم پڑنے کا احتمال ہے، کیونکہ جب کسی واقعہ کو مختلف لوگ مختلف زمانہ میں اپنے اپنے طور سے بیان کرتے ہیں، تو وہ بات کہیں سے کہیں جا پڑتی ہے، جیسا کہ ہر شخص اس سے بدیہی طور سے واقف ہے۔

☜: پہلے میں آپ کے سامنے روایت بالمعنی کے متعلق عرض کروں، روایت بالمعنی اس کا نام نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عبارت آرائی کرے، جس سے آپ کو خلل عظیم کا احتمال ہوا بلکہ روایت بالمعنی کہتے ہیں راوی کے ایسے الفاظ بیان کرنے کو جس سے اصل الفاظ سے تناقض نہ ہو، مثلاً عربی میں بہت سے الفاظ مشترک المعنی
ہوتے ہیں، کسی نے شیر کے لیے بجائے اسد کے لیث کہہ دیا، کسی نے ضرغام کہہ دیا، کسی نے سونے کے لئے بجائے 7
ذہب کے طلایا عقیان یا عسجد کہہ دیا، کسی نے چاندی کے لیے بجائے فضہ کے ورق یا لُجین کہہ دیا، تو اس سے کوئی خرابی یا خلل واقع نہیں ہوسکتا، ہاں بشرطیکہ راوی الفاظ اور ان کے مقاصد کا جاننے والا اور مقدارِ تفاوت سے واقف ہو، جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح (ص: ۱۰۵) میں ہے کہ اگر وہ نہ جانتا ہو تو ابن صلاح فرماتے ہیں:

”فلا خلاف أنه لا يجوز له ذلك، وعليه أن لا يروي ما سمعه إلا علیٰ اللفظ الذي سمعه من غير تغير.“ ❷ انتھی

یعنی عدم علم کی حالت میں راوی کو بغیر تصریح اصل لفظ کے روایت جائز نہیں ہے، ہاں ”فأما إذا كان عالماً عارفاً بذلك فالأصح جواز ذلك، “ انتھیٰ (صفحہ مذکورہ)

---

❶ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۲۰۲)

❷ مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۲۰)

’’یعنی راوی جب الفاظ اور ان کے مقاصد و مقدار تفاوت وغیرہ سے واقف ہو تو روایت بالمعنی اس کو جائز ہے۔‘‘

اب حافظ فقیہ تقی الدین ابوعمرو عثمان بن الصلاح عبدالرحمٰن الشہرزوری نزیل دمشق اپنی اسی کتاب مقدمہ میں دلیل دیتے ہیں:

’’لأن ذلك هو الذى تشهد به أحوال الصحابة والسلف الأولين، وكثيرا ما كانوا ينقلون معنى واحدا في أمر واحد بألفاظ مختلفة، وما ذاك إلا لأن معولهم كان على المعنى دون اللفظ، ‘‘ انتهى. [1] (ابن صلاح : ١٠٥)

یعنی روایت بالمعنی کی شہادت تو خود صحابہ اور سلف متقدمین سے ملتی ہے، وہ لوگ اکثر ایک معنی کو مختلف الفاظ سے نقل کرتے ، اس لئے کہ ان کا مدار معنی پر ہی تھا نہ لفظ پر، ہاں روایت کی شرط بالمعنی میں یہ ضرور ہے کہ راوی آخر میں ’’أو كما قال‘‘ کا لفظ ضرور کہے یا اس کے مشابہ۔ (ابن صلاح: ١٠٥)

اس ساری تقریر سے ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک جیسے روایت باللفظ معتبر ہے اسی طرح بالمعنی بھی، اور خود صحابہ سے یہ ثابت ہے، جس کا ثبوت واقعات سے بہت ملتا ہے۔ پس بخاری میں روایت بالمعنی کے ہونے سے محدثین کے یہاں کوئی اعتراض و جرح نہیں ہے، گو آپ کے نزدیک عقلاً جرح ہو، لیکن شرعی امور میں تو عقل کو شریعت اور قواعد کے تابع کرنا ہے، نہ شریعت کو عقل کے تابع ، ورنہ ایسوں کے لیے ﴿ أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ﴾[جاثیہ: ٢٥] کا قلادہ گردن میں ڈالنے کو موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ادائے مقصود میں روایت باللفظ و بالمعنی دونوں یکساں ہیں۔ [2]

---

[1] مصدر سابق

[2] روایت بالمعنی کے متعلق بحث کرتے ہوئے یہ امر مدنظر رکھنا چاہیے کہ روایت بالمعنی کا دائرہ کار جمیع انواعِ حدیث تک وسیع نہیں ہے، بلکہ وہ صرف بعض اقسام کے متعلق ہے، مثلاً:

۱۔ الفاظ متعبد بہا کی روایت میں کوئی بھی روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتا، جیسے اذان وغیرہ۔

۲۔ ادعیہ و اذکار کو نقل کرنے میں بھی روایت بالمعنی جائز نہیں ہے، جیسا کہ براء بن عازب ♦ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے، دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٢٤٤)

۳۔ رسول اکرم ﷺ کے افعال سے متعلقہ احادیث کی روایت میں بھی روایت بالمعنی سے کسی دشواری کا امکان نہیں، بایں طور کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی عمل کرتے دیکھا اور اس کو بآسانی آگے بیان کر دیا اور وہ عملاً بھی تواتر کی حیثیت کر گیا، کیونکہ جس طرح صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو عمل کرتے دیکھا، اس پر خود بھی عمل کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی اس پر عمل کی تلقین کی، جس سے کسی سنت کو محفوظ رکھنا چنداں دشوار نہ رہا، اور جب کوئی عمل اس قدر عملی تواتر اختیار کر جائے، تو روایت بالمعنی کے وہمی خدشات اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

۴۔ باقی رہے اقوالِ رسول اللہ ﷺ تو اس کے متعلق روایت بالمعنی سے بعض خدشات جنم لے سکتے تھے، لیکن محدثین کرام نے اس کے لیے ایسی کڑی شرائط عائد کر دیں کہ اس میں کسی غلطی کا گزر ناپید ہو گیا۔ ←

گو صحیح بخاری کی اکثر احادیث کی موافقت دیگر کتب حدیث مثلاً صحیح مسلم وغیرہ سے بخوبی ہوتی ہے، جو صاف شاہد ہے کہ یہ روایات بالفاظہ ہیں۔ فتفکر! آپ کو جہاں تضاد معلوم ہو تو پیش کریں!

☜: (۳) یہ کہ سب راوی اس (بخاری) کے عادل ہیں؟ اور حدیث کے راویوں کے عدل کی تعریف جو ائمہ دین نے کی ہے وہ یہ ہے:

"العدالة هو الاستقامة، والمعتبر هاهنا كماله، وهو رجحان جهة الدين والعقل على طريق الهوىٰ والشهرة حتى إذا ارتكب كبيرة أو أصر علىٰ صغيرة سقطت عدالته" كذا في نور الأنوار.

''یعنی عدالت جو حدیث کے راویوں کے واسطے مشروط ہے، وہ ان کی استقامت ہے اور معتبر یہاں
استقامت کامل ہے اور استقامت کامل اس کو کہتے ہیں کہ اس کا دین اور عقل غالب ہو طریقہ ہویٰ اور 8
خواہش پر۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کبیرہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرے تو عدالت اس کی ساقط ہو جاتی ہے، ایسا ہی نور الانوار میں ہے۔''

اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی راوی ایسا ہو کہ اس کی خواہشات نفسانی عقل اور دین پر غالب ہے تو اس کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ کس واسطے کہ ایسے راوی میں ہر وقت یہ احتمال باقی ہے کہ اس نے کسی خواہش نفسانی کی وجہ سے یہ حدیث بنا لی ہو۔

☜: صحیح بخاری میں کوئی ایسا متبع ہویٰ اور خواہش پرست راوی نہیں ہے، والبرهان علىٰ المدعي۔ بلکہ صحیح بخاری کے سب راوی عادل ہیں، اس لئے کہ صحیح بخاری میں کل حدیثیں باتفاق امت صحیح لذاتہ ہیں اور عدالت صحیح لذاتہ کی تعریف میں داخل ہے، نخبہ میں صحیح لذاتہ کی تعریف یوں منقول ہے:

"بنقل عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ."[1] انتهى (ص:١٦)

دیکھئے اس سے ثابت ہوا کہ ناقل (راوی) کو عادل ہونا چاہیے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ صحیح بخاری کے کل راوی عادل ہیں۔

افسوس تو مجھے یہ ہے کہ آپ سوال حدیث پر پیش کرتے ہیں اور اس کے اجزاء حدود و شرائط وغیرہ اصول فقہ (نور الانوار) سے نقل کرتے ہیں، آیئے ہم آپ کو عدالت کی تعریف اصول حدیث سے سنائیں:

"المراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوىٰ والمروءة، والمراد بالتقوىٰ اجتناب

← مزید برآں ان تمام معروضات سے قطع نظر ائمہ محدثین اور رواتِ حدیث کے درمیان ایک ایسا گروہ بھی تھا، جو روایت بالمعنی کو جائز نہیں سمجھتا تھا، بنا بریں کتب احادیث میں ان سے کثیر تعداد میں مروی احادیث روایت باللفظ کے تحت ہی موجود ہیں۔

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٠٥)

الأعمال السيئة من شرك أو فسق أو بدعة ."[1] انتهى (نزهه: ١٧)

"یعنی محدثین کے نزدیک رواۃِ عدالت سے مراد یہ ہے کہ راوی میں ایسا ملکہ پیدا ہوجائے، جو اس کو پرہیز گاری اور مروءت کے لزوم پر برانگیختہ کرے، اور تقویٰ سے مراد بد اعمال شرکیہ فسقیہ بدعیہ سے پرہیز کرنا ہے۔"

اور الحمد للہ کہ صحیح بخاری کے سب راوی اس تعریفِ عدالت کے پورے مصداق ہیں۔

☜: (۴) یہ کہ ہر راوی نے اپنے مروی عنہ کے قول کو اس طرح سنا کہ جو حق سننے کا ہے، حق یعنی اول سے آخر تک اس کے قول کو غور اور توجہ سے سنا ہے، کس واسطے کہ کسی نے اگر کسی کے قول کو سرسری طور سے سنا ہے تو پھر ایسے شخص کی نسبت یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اس نے اپنے مروی عنہ سے سنا ہے، اسی کو روایت کیا ہے؟

☜: علمائے سلف اور خصوصاً محدثین کرام آج کل کے جیسے کند ذہن نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان کا ایک دفعہ کا سننا ان کے حق میں ظہر قلب کا مصداق تھا، علاوہ بریں خود اصول حدیث میں یہ شرائط موجود ہیں، حافظ شرح نخبہ میں "معرفة آداب الشيخ والطالب" کے بیان میں راوی کے متعلق فرماتے ہیں:

"ويعتني بالتقييد والضبط، ويذاكر محفوظه ليرسخ في ذهنه."[2] انتهى (ص:٩٠)

"یعنی راوی تقیید وضبط کا قصد و اہتمام کرے اور اپنی یادداشت کا مذاکرہ کرے، تاکہ اس کے ذہن میں پوری طور سے جم جائے۔"

9 علی ہذا القیاس اس کو ابن صلاح نے اپنے مقدمہ کے نوع رابع وعشرون (۲۴) میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔[3]

اور اس فن میں ابوبکر خطیب بغدادی کی ایک مستقل کتاب ہے، جس کا نام ہے: " الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع "من شاء فليرجع إليهما!

بحمد اللہ کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جس نے اپنے مروی عنہ کے قول کو بے توجگی سے سنا ہو، ورنہ اس کو طلب حدیث و روایت کی کیا ضرور ہوتی؟ من يدعي خلاف ذلك فعليه البيان بالبرهان!

☜: (۵) یہ کہ ہر راوی حدیث نے جس سے حدیث سنی ہے، وہ پوری پوری سنی ہے، کس واسطے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کے وعظ میں اس وقت شریک ہوا کہ جب وہ واعظ آدھی حدیث روایت کر چکا تھا اور آدھی حدیث جو باقی رہی تھی وہ اس کے سامنے روایت کی گئی، پس اس نے آدھی حدیث

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٩)

[2] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٢٦٣)

[3] مقدمة ابن الصلاح (ص: ٧٣)

سنی اور اسی کو روایت کیا تو ایسی حدیث کب واجب العمل ہوسکتی ہے......؟

☜: ایسی حدیثوں کے واجب العمل نہ ہونے کا خیال محض غلط ہے، اس لئے کہ کتب اصول حدیث کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں کہ احادیث کے اکثر ٹکڑے اپنے مقصود کے بیان کرنے میں ماقبل وما بعد کے محتاج نہیں ہیں، اسی وجہ سے محدثین اپنی کتابوں میں بڑی لمبی لمبی حدیثوں سے ایک ٹکڑہ مقصود کے مطابق بیان کر کے ''الحدیث'' کہتے ہوئے آگے چلتے ہیں، اور خود اس کا رواج صحابہ کرام کے عہد مبارک میں جاری ہو گیا تھا، اگر یہ واجب العمل نہ ہوگا، تو قرآن مجید کے ٹکڑے کو مقصود کے مطابق بیان کرنا ناجائز ہوگا۔ حالانکہ فقہاء نہیں محدثین بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے مقصود کے بتلانے کو آیت کا ٹکڑہ پڑھا ہے، كما لا يخفىٰ علىٰ من يطالع كتب الحديث. علاوہ بریں خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

"بلغوا عني ولو آية ". [1] ''یعنی میری حدیث پہنچا دو، اگر چہ ایک ٹکڑہ ہی تم کو معلوم ہو۔''

جس سے اس کا واجب العمل ہونا آفتاب نیم روز کی طرح درخشاں ہے، اب آیئے آپ کو یہ بتلائیں کہ ایسی حدیث کی روایت کرنے کا کیا طریق ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ جس قدر حدیث کا ٹکڑہ شیخ سے سنا، اس کو شیخ کے واسطہ سے روایت کرے، باقی ٹکڑوں کو تلامذہ سے سن کر بالواسطہ روایت کرے۔ بعض کا یہ مذہب ہے کہ بقیہ ٹکڑوں کو حاضرین سابقین ثقات سے دریافت کر کے کل حدیث کو اپنے شیخ ہی سے روایت کرے، یہ بھی جائز ہے۔ [2] بہر حال ہر دو صورت میں وہ واجب العمل ضرور ہے، علاوہ ازیں صحیح بخاری کی کل حدیثوں کے واجب العمل ہونے پر اجماع ثابت ہے۔ كما مر من قبل.

پس اگر اس میں سب ٹکڑے والی احادیث ہوں، تو بھی وہ سب بوجہ اجماعِ سلف واجب العمل ہیں۔ فتذکر!

☜: (٦) ہر راوی کا قوت حافظہ درست تھا، کس واسطے کہ جس کسی کا حافظہ خراب ہوتا ہے تو باتوں کا کچھ حصہ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے، پس ایسے حافظہ والوں کی روایت کیونکر معتبر ہوسکتی ہے؟ 10

☜: معتبر ہوسکتی ہے لیکن تھرڈ کلاس کے رتبہ میں ہوگی، بحمد اللہ کہ صحیح بخاری کے رواۃ ایسے نہیں ہیں، اس لئے کہ صحیح کی تعریف میں " تام الضبط "کی بھی قید لگی ہے۔ كما مر انفا، اور ضبط کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ضبطِ صدر۔ ۲۔ ضبطِ کتاب۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم الحديث (٣٢٧٤)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: الكفاية (ص: ١٩٣) مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٢٠) النكت للزركشي (٣/ ٦١٧) فتح المغيث (٢/ ٢٥٦) تدريب الراوي (٢/ ١٠٥)

ضبطِ صدر کے متعلق حافظ شرح نخبہ میں ارقام فرماتے ہیں:

”وهو أن يثبت ما سمعه بحيث يتمكن من استحضاره متىٰ شاء،“ [1] انتهى. (ص: ١٧)

”یعنی (راوی کا قوت حافظہ ایسا درست ہو کہ) یاد رکھے جو (اپنے شیخ سے) سنا ہے، اس طرح پر کہ اس کے حاضر کرنے پر قدرت رکھے جب چاہے۔“

ہاں بہت سے راوی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آواخر عمر میں ان کا حافظہ درست نہیں رہتا، اس کو اختلاط کہتے ہیں، امام بخاری نے ایسے راویوں سے قبل از اختلاط روایت لی تھی، یعنی جس وقت کہ ان کا حافظہ خوب پکا تھا، جس کی تفصیل آپ کو میرے رسالہ ”الأمر المبرم“ میں ملے گی۔

☜: (۷) ہر راوی نے ان حدیثوں کو جس کو وہ روایت کر رہے ہیں، اس وقت تک خوب اچھی طرح سے یاد بھی رکھا کہ جب تک انہوں نے دوسرے کے سامنے بیان کیا اور یہی سلسلہ امام بخاری تک قائم رکھا؟ کس واسطے کہ اگر ایسا نہیں ہے اور احتمال اس کا ہے کہ راویوں کو وقتِ روایت تک پوری روایت یاد ہو یا نہ ہو تو پھر ایسی حدیثوں پر کیونکر عمل ہوسکتا ہے؟

☜: آپ کو خواہ مخواہ نمبر بڑھانے کا شوق ہے، اس سوال کا جواب اوپر نمبر چھ کے جواب میں دیا گیا، مختصر یہ کہ راویوں کے یاد رکھنے کے دو طریقے ہے، ایک تو ان کو بر زباں یا دوسرے یہ کہ ان کی کتاب میں روایتیں لکھی ہوں اور وہ کتاب محفوظ ہو، اول کو ”ضبطِ صدر“ کہتے ہیں، جس کی تعریف اوپر گزری، دوسرے کو ”ضبطِ کتاب“ کہتے ہیں، اس کی تعریف ابھی بیان ہوئی۔ پس یاد رکھیں کہ صحیح کے لیے ایسے ہی رواۃ کی شرط ہے، ورنہ اس کو صحیح نہیں کہہ سکتے اور صحیح بخاری کی کل حدیثیں چونکہ باتفاق امت صحیح بلکہ اصح ہیں، اس لیے اس میں ایسے راویوں کا وجود کیا نام تک نہیں ہے، بلکہ امام بخاری تک یہ سلسلہ قائم رہا کہ راوی نے دوسرے کے سامنے بیان کرنے تک روایت کو خوب اچھی طرح یاد رکھا، جس پر اسنادِ صحیح بخاری خود دال ہے، بلکہ محدثین اگر اپنے شیخ کو ضعیف حافظہ والا دیکھتے، تو خود روایت نہیں لیتے تھے۔ فتدبر!

☜: (۸) ہر حدیث کے راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک تھا اور دونوں میں ملاقات بھی ہوئی تھی، کس واسطے کہ اگر ان دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے یا اگر زمانہ ایک ہے مگر ملاقات ہونا ثابت نہیں ہے تو ایسے راوی کی حدیث پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

11 ☜: بحمداللہ کہ صحیح بخاری میں ایسی غیر معتمد کوئی روایت نہیں ہے، اس لئے کہ امام بخاری کے نزدیک رواۃ کی

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٩)

معاصرت مع اللقاء شرط ہے، جیسا کہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ پس جس کے نزدیک جب لقاء شرط ہو تو اس پر یہ سوال ہی بے سود ہے۔ یہاں وہی مسئلہ ہے کہ جس پر آپ نے اپنے اشتہار نمبر (۲) میں اعتراض کیا تھا کہ امام مسلم نے امام بخاری پر جرح کی ہے، وہ جرح کیا تھی؟ یہی کہ امام مسلم کے نزدیک صرف معاصرت شرط ہے، لہٰذا وہ لقاء کے شرط ہونے پر معترض ہوئے تھے اور سارے جمہور کا خلاف کیا تھا، جس پر شارحین نے ان کے خیال کی تضعیف و تغلیط کر دی۔

(ملاحظہ ہو: مقدمہ ابن صلاح و تدریب الراوی و فتح المغیث و مقدمہ بخاری مولوی احمد علی حنفی وغیرہ) ❶

اور اسی طرف علمائے محققین مثلاً علی بن المدینی اور ابوبکر الصیرفی و نووی وغیرہ گئے ہیں، اس کی مفصل بحث میرے رسالہ "الریح العقیم" (ص: ۱۳، ۱۴) میں ملاحظہ فرمائیے۔ ❷ پس صحیح بخاری کے راوی اور مروی عنہ کی معاصرت اور لقاء دونوں ثابت ہیں۔

☜: (۹) یہ کہ راوی کی عمر حدیثوں کے سننے کے وقت اتنی ہو چکی تھی کہ ان میں شعور اور عقل موجود تھی، کس واسطے کہ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر نا سمجھ لڑکے کا قول نقل حدیث میں کیونکر معتبر ہو سکتا ہے؟

☛: راوی کی عمر سنِ شعور کے متعلق آپ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ محدثین کے نزدیک کتنی عمر کے بچوں کی روایت معتبر ہے؟ کیونکہ اعتراض جب فنِ حدیث پر ہے تو اس کے متعلق مذاہب محدثین کو دیکھنا ہے، نہ اپنی عقل سے آج کل کے لونڈوں پر قیاس کرنا۔ پس آپ کا اعتراض اگر فقط صحیح بخاری پر ہے، تو سنیے امام بخاری نے خود اپنی صحیح میں باب منعقد کیا ہے: "باب متیٰ یصح سماع الصغیر" یعنی چھوٹے بچہ کا سماع کب معتبر ہے؟ اور معرض استدلال میں محمود بن الربیع کی حدیث لائے ہیں کہ انہوں نے یاد رکھا تھا (اور روایت کرتے تھے) کلی کو رسول اللہ ﷺ کی جو آپ نے ایک ڈول کے پانی سے ان کے منہ میں کی تھی۔ اس وقت ان کی عمر (باختلاف الروایتین) ۴ یا ۵ برس کی تھی۔ ❸ اس سے ثابت ہوا کہ چار یا پانچ سال کے بچہ کی روایت امام بخاری کے نزدیک معتبر ہے۔ جس کو میں نے بالتفصیل اپنے رسالہ "الریح العقیم" (ص: ۴۹) میں اور "الأمر المبرم" باب المیم میں لکھا ہے اور اگر عام محدثین کا مذہب معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو مقدمہ ابن صلاح کی "النوع الرابع والعشرون" کا مطالعہ فرمائیں۔ ❹ جس کا اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں:

موسیٰ بن ہارون حمال (جو حفاظ ناقدین سے ہیں) سے پوچھا گیا کہ بچے کا سماعِ حدیث کب معتبر ہے؟ فرمایا جب وہ گائے اور گدھے میں تمیز کر سکے۔ ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں کہ مامون رشید کے پاس ایک چار برس

---

❶ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٣٦) تدريب الراوي (١/ ٢١٥) فتح المغيث (١/ ١٦٤)

❷ نیز اس مبحث کے لیے دیکھیں: إجماع المحدثين للدكتور حاتم العوني.

❸ صحيح البخاري، برقم (٧٧)

❹ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٧٣)

کے لڑکے کو گود میں لائے، جو قرآن پڑھ چکا تھا اور اس میں رائے دیتا تھا، ہاں اس کو جب بھوک لگتی تو رونے لگتا۔

قاضی ابومحمد عبداللہ بن محمد اصبہانی کہتے ہیں کہ میں ابوبکر بن المقری (محدث) کے پاس حدیث سننے کو چار برس کی عمر 12
میں بٹھایا گیا اور پانچ برس میں میں حافظ قرآن ہوگیا، بعض لوگوں نے ابن مقری سے کہا کہ اس کو حدیث مت سنایئے، یہ ابھی بچہ ہے، تو ان کے سامنے مجھ سے ابن مقریؒ نے سورہ کافرون اور سورہ کوثر اور سورۂ مرسلات پڑھائیں، میں نے کہیں غلطی نہیں کی تو ابن مقری نے فرمایا کہ اس کو حدیث سناؤ، میرا ذمہ ہے۔ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ بچہ کا سماع کب جائز ہے؟ فرمایا جب سمجھنے لگے، سائلوں نے کہا کہ فلاں کہتے ہیں کہ پندرہ برس سے کم میں ان کو حدیث نہیں سنانی چاہئے، آپ نے فرمایا: " بئس القول " یعنی اتنی زیادہ عمر کی قید صحیح نہیں، بلکہ محمود بن الربیع کے واقعہ کلی کو دیکھو، جس وقت وہ پانچ یا چار برس کے تھے، جس کا اوپر بیان ہوا۔ شیخ ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبداللہ الاسدی روایت کرتے ہیں ابومحمد عبداللہ محمد الاشیری سے، وہ روایت کرتے ہیں قاضی حافظ عیاض بن موسیٰ السبتي اليحصبي سے کہ محدثین نے سماع حدیث کی حد محمود بن الربیع کی عمر مقرر کی ہے، یعنی پانچ سال۔ سب اقوال ابن صلاح (ص: ۵۸، ۵۹) میں ملاحظہ ہوں، اب حافظ تقی الدین ابوعمر وعثمان بن الصلاح فیصلہ فرماتے ہیں:

"قلت: التحديد بخمس، هو الذي استقر عليه عمل أهل الحديث المتأخرين، فيكتبون لابن خمس فصاعدا: سمع، ولمن لم يبلغ خمسا: حضر أو أحضر." انتهیٰ(ابن صلاح: ۵۹)

"یعنی محدثین کے نزدیک سماع حدیث کی حد پانچ سال مستقر ہوئی ہے، پس وہ لکھتے ہیں پانچ سال یا کم و بیش کی حدیث کو چاہے وہ خود آئے یا کوئی دوسرا اس کو مجلس درس میں لاکر حاضر کرے۔"[1]

اب غالباً آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی کہ محدثین کے نزدیک پانچ برس کے بچے کا سماع صحیح اور معتبر ہے، ودونه خرط القتاد! لیکن کیا ہی سچ ہے کہ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں، آپ کے اس سوال کی وجہ ہم تاڑ گئے، وہ یہ کہ صحیح بخاری کے رواۃ صحابہ سے آپ کو مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی کم سنی پر اعتراض ہے (جس کو آپ اشتہار نمبر (۲) اور الکلام المحکم میں پیش کر چکے ہیں، جس کے معقول جوابات بھی میں نے " الریح العقیم " اور " الأمر المبرم " میں دیئے ہیں) لیکن افسوس آپ نے حسن بن علی وعبداللہ بن عباس ونعمان بن بشیر وغیرہ کم عمر صحابہ پر اعتراض نہیں کیا، جن سے بے شمار احادیث مروی ہیں اور سب معتبر ہیں۔ ایسا ہی مسور بن مخرمہ ومروان بن حکم صحابی (کم عمر) کی روایتیں بھی مقبول ہیں۔ فافهم!

---

[1] یعنی مجلسِ حدیث میں اگر پانچ سال کا لڑکا آئے، تو اس کے لیے لکھتے ہیں: "سمع " (یعنی اس نے سماعِ حدیث کیا) اور جو پانچ سال سے کم مجلس میں آئے، اس کے لیے لکھتے ہیں: "حضر أو أحضر" (حاضر ہوا یا اسے حاضر کیا گیا)

☜: (۱۰) جس قدر حدیثیں ہیں، وہ سب زمانہ صحابہ ♦ میں بالاتفاق معمول بہ تھیں اور کسی حدیث میں اختلاف واقع نہیں ہوا تھا، ورنہ جس حدیث میں صحابیوں ⊠ نے باخود ہا اختلاف کیا ہو تو وہ اس وقت کیونکر واجب العمل ہوسکتی ہے؟

☛: حدیث کے واجب العمل ہونے کے لئے کسی محدث کے یہاں تعامل صحابہ ⊠ شرط نہیں، خصوصاً اس 13
وقت جب ان میں باخود ہا اختلاف عظیم ہو، حتی کہ ان میں سے کوئی صحابی دادا کو بھائیوں کی موجودگی میں وارث کرتے کوئی نہیں بلکہ محروم کرتے۔ کوئی کہتا کہ حرام قسم ہے، کوئی کہتا طلاق ہے۔ کوئی ایک عورت کو نکاح میں اور ایک کو خریداری میں لے کر دونوں کو بغرض جماع جمع کرنا حرام کہتا ہے اور کوئی حلال جانتا ہے۔ کوئی روزہ دار کو برف کا کھانا جائز کہتا ہے اور کوئی منع کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ بیوہ عورت وضع حمل اور چار ماہ دس روزہ میں بڑی مدت عدت گزارے اور کوئی کہتا ہے کہ وضعِ حمل سے عدت ختم ہوگئی۔ کوئی کہتا ہے کہ محرم کو احرام سے پہلے خوشبو لگا کر احرام کے بعد رکھنا حرام ہے اور کوئی اس کو جائز کہتا ہے۔ کوئی ذوی الارحام کو وارث کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ کوئی بالغ کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت کو مانتا ہے، کوئی نہیں مانتا۔ کوئی جنبی کو تیمّم سے روکتا ہے اور کوئی واجب کہتا ہے۔ کوئی طلاق ثلاثہ کو ایک جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ کوئی حج کو عمرہ تک فسخ کرنا ناجائز کہتا ہے اور کوئی جائز جانتا ہے۔ کوئی شہری گدھوں کا گوشت حلال جانتا ہے اور کوئی حرام کہتا ہے۔ کوئی ذکر کے چھونے سے وضو کے ٹوٹنے کا قائل ہے اور کوئی قائل نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ لونڈی کی بیع سے طلاق ہوجاتی ہے اور کوئی نہیں مانتا۔ کوئی ایلاء کرنے والے کو اختتام مدت پر کھڑا کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ [1] وقس علیٰ هذا البواقي. (إعلام: ۱/۲۳۶)

تو پھر صحابہ کا عمل میں اتفاق ممکن ہی نہیں ہے، جو کہا جائے کہ ان میں اختلاف واقع نہ ہوا ہو، اور خصوصاً اس وقت جب فرمان نبوی موجود ہو: "اختلاف أمتي رحمة،" [2] اس لیے تو محدثین کا اصول مقررہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں۔

۱۔ مقدمہ سید شریف جرجانی میں ہے:

"ما روي عن الصحابي من قول أو فعل، وهو ليس بحجة علىٰ الأصح ." انتهى (ملحق بہ ترمذی)

۲۔ ظفر الأمانی میں ہے: "وهو أي الموقوف ليس بحجة في أحكام الشرع على الأصح ." انتهى (ص: ۷٦)

---

[1] إعلام الموقعين (۲/ ۲٤۲)

[2] یہ روایت موضوع اور بے اصل ہے۔ دیکھیں: السلسلة الضعيفة (۵۷)

۳۔ نیل الاوطار میں ہے: "وقد تقرر عند أئمة الأصول وغيرهم ...إلى قوله: عدم حجية أقوال الصحابة ." [1] انتهى (۱ / ۳۸۲)

۴۔ إعلام الموقعین میں ہے: "فإن قوله (أي الصحابي) لم يكن بمجرده حجة ." (۲ / ۲۳۲)

۵۔ دراسات اللبیب میں ہے: "لا يكون فهمه (أي الصحابي) فيه حجة علىٰ غيره ." (۳۱۲)

اور اسی کتاب میں امام ابوحنیفہ کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ " وليس قول الصحابة حجة عند أبي حنيفة رحمه الله مطلقا ." (۳۱۷)

۶۔ تنویر العینین میں ہے: " إن فهم الصحابي ليس بحجة ." (۲، ۱۳۲)

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ صحابہ کا قول وفعل وفہم دوسروں کے لئے حجت نہیں، پس ان کا تعامل بھی حدیث کے واجب العمل ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ آگے چلئے:

☜: (۱۱) جو حدیث جس نے روایت کی ہے، اس پر وہ راوی خود بھی عمل کرتا تھا، ورنہ اس راوی کا اس حدیث پر عمل نہ کرنا یا اس کے خلاف عمل کرنا وقعتِ حدیث کو بالکل ضائع کرتا ہے۔ 14

☛: ہرگز نہیں، اس لئے کہ جب صحابہ کا تعامل حدیث کے واجب العمل ہونے کے لیے ضروری نہیں تو ان کے رواۃ کا بدرجہ اولیٰ ضروری نہ ہوگا، اس لیے کہ راوی کے عمل یا خلافِ عمل سے نفسِ حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، مقدمہ ابن صلاح میں ہے:

" مخالفته للحديث ليست قدحاً منه في صحته ." [2] انتهى (۵۰)

''یعنی حدیث کے مخالف عمل کرنے سے اس کی صحت میں کوئی جرح واقع نہیں ہوسکتی۔''

حالانکہ صحیح بخاری میں کوئی ایسی حدیث نہیں کہ راوی کا عمل اس حدیث کے خلاف متصل سند سے ثابت ہو، آپ کی نظر میں کوئی ہو تو پیش کیجئے اور جواب لیجئے!

☜: (۱۲) یہ کہ راویوں کے شرائط جو اوپر لکھے گئے ہیں، یہ سب خود امام بخاری میں بھی موجود تھے، کس واسطے کہ اگر اوپر کے راویوں میں یہ سب شرائط پائے گئے اور امام بخاری خود اس سے خالی ہیں، تو پھر اوپر کے راویوں سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟ بلکہ ان میں تو یہ سب شرائط بدرجہ کمال ہونے چاہئیں۔

---

[1] نيل الأوطار (۲/ ۷۷)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص:۶۱)

☜: بے شک امام بخاری ؒ کل کمالات کے جامع تھے، یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ اس کے ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

ساری کتب اسماء الرجال وتواریخ اس سے بھری پڑی ہیں، کچھ نہیں تو امام نووی کی " تهذيب الأسماء" ہی کو دیکھئے کہ محمد بن حمدویہ وامام احمد بن حنبل اور حافظ ابوعلی صالح بن محمد جزرة ومحمد بن بشار شیخ البخاری وعلی بن المدینی ومحمد بن عبداللہ بن نمیر وابوبکر بن ابی شیبہ وعمرو بن علی الفلاس وامام دارمی وابوسہل وعلی بن حجر واسحاق بن راہویہ وابوعمرو الخفاف وامام ترمذی وامام مسلم وحاکم وابن خزیمہ وامام نووی وغیرہ میں سے کسی نے امام بخاری کو جبل الحفظ، کسی نے حافظ الحديث، کسی نے بے مثل فی حفظ الحديث و معرفة الأسانيد، اور کسی نے منتهیٰ حفظ من حفاظ الدنيا، کسی نے سيد الفقهاء و أجمع في علم الحديث وذي الفضل و أعلم وأبصر وأفهم في الحديث ولا ثاني له فى الدين، اور کسی نے ناصر أحاديث النبويه و ناشر مواريث المحمديه، اور امام مسلم نے أستاذ الأستاذين و سيد المحدثين و طبيب الحديث في علله کہا ہے۔ [1] جس کی تفصیل میرے رسالہ " العرجون القديم" (ص: ۳۷، ۳۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

اب آیئے میں امام بخاری کے جامع کمالات ہونے کے متعلق ایک مشہور حنفی کے قول کا ترجمہ سناؤں، تاکہ آپ
15 بوجہ اپنی حنفیت کے اس کے آگے سر تسلیم کریں، بشرطیکہ آپ سچے حنفی ہوں!

علامہ شامی حنفی جن کا نام ابن عابدین ہے اور جو رد المحتار شرح در مختار کے مصنف ہیں، وہ اپنی کتاب "عقود اللآلی" (ص: ۱۰۲) میں فرماتے ہیں:

"الجامع المسند الصحيح لأمير المومنين..."

خلاصہ ترجمہ: "یعنی جامع مسند مؤلفہ امیر المومنین سلطان المحدثین، حافظ مشہور، پرکھنے والے تجربہ کار، جن کا وجود دنیا میں بہت بڑی نعمتوں میں سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے واضح کرنے والے محمد بن اسماعیل بخاری ؒ کہ تمام ثقہ لوگوں نے ان کے حفظ و اتقان اور بزرگی شان اور ان کے زمانہ والوں پر ممتاز ہونے پر اجماع کیا ہے اور ان کی کتاب (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کے بعد سب سے نہایت صحیح کتاب ہے، حتی کہ مسلم سے بھی صحیح ہے اور ان کی تعریفیں بے حد ہیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں اور وہ حفظ و درایت اور اجتہاد و تحصیل اور روایت اور عبادت اور فائدہ پہنچانا اور پرہیز گاری اور زہد اور تحقیق و اتقان اور تمسک (قدرت) اور عرفان (شناخت)

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات للنووي (١/ ٧٤)

اور احوال اور کرامات پر منقسم ہیں، اور یہ عبارتیں گو بہت نہیں لیکن معانی ان کے بہت ہیں اور بہت سے علماء نے ان کے حالات و ترجمہ علیحدہ تالیف کئے ہیں اور اس کو قالب بیان میں لائے ہیں اور ان کی کرامتوں اور منقبتوں اور حالتوں کو ابتداء سے انتہاء تک ذکر کیا ہے اور ان کی صحیح (بخاری) کے اندر جو بہت سی خصوصیات ہیں، ان کو بھی بیان کیا ہے کہ جس سے سننے والا معلوم کر لے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیے دے، اور یقین کر لے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ کی امت میں ایسے ایسے نادر نایاب بے مثل لوگ پائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کی خواب گاہ وقبر کو منور کرے اور ہم لوگوں کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے سید المرسلین ﷺ کے جھنڈے کے نیچے محشور ومجتمع کرے۔'' آمین

اس کو آنکھ کھول کر دیکھئے کہ امام بخاری کیسے جامع کمالات ومنبع اوصاف حمیدہ تھے،اس کی عربی عبارت اگر دیکھنا چاہیں،تو میرے رسالہ "الريح العقيم" (ص: ٦) کا مطالعہ فرمائیں۔

والحمد لله الذي بنعمته تمت الرسالة في بعض من يوم واحد وقت العصر، اللهم تقبلها مني، وانفع بها سائر المسلمين إلى يوم الدين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام علىٰ نبيه وعترته وأصحابه أجمعين. آمين

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

تقریظ از سخنور فصیح اللسان نکتہ سنج بلیغ البیان مولوی محمد یوسف صاحب شمس محمدی، فیض آبادی: 16

جب کبھی ظلمات بدعت کی گھٹا چھانے لگی
برق سنت مہر بن کر نور برسانے لگی

بدعی بے دیں کے سر پر جب سے یہ آنے لگی
تیغ تحریر ابوالقاسم بھی اترانے لگی

اے زہے صلِ علیٰ تیغ بیاں کی شوخیاں
برق بن کر کوندنے دشمن کے سرجانے لگی

ہے عجب فرحت فزا گلزار جنت کی نسیم
میں یہ سمجھا باغ جنت کی ہوا آنے لگی

جس ہوا سے گلشن سنت میں شادابی ہوئی
برگ خارستان بدعت کو وہ مرجھانے لگی

کوئی کب اترا کھرا کس نے میں جز اہل حدیث
محک سنت جب پرکھنے جانچنے تانے لگی

اللہ اللہ برق سنت خانہ بدعات پر
شوخیاں دکھلا کے کیا کیا آفتیں ڈھانے لگی

تھی پیاسی خون کی بدعت کی ازل ہی سے یہ تیغ
رزق اب آسودگی سے خوب ہی پانے لگی

سامنے اس کے جو آتا ہے وہ ذوق شوق سے
بدعی بے علم و دین کو بھی یہ کچھ بھانے لگی

وہ اگر ایسا ہی تشنہ ہے تو یہ ابر کرم
گھاٹ سے اپنے بھلا کاہے کو ترسانے لگی

آبرو بدعت کے لینے کو بنی **ماء حمیم**
آنچ اس کی لطف دوزخ اس کو دکھلانے لگی

گرم ہے **کالمھل** ہے جس کی صفت **یشوی الوجوہ**
بہر اہل بدع دوزخ سے شراب آنے لگی

شمس اشعار ہیں اس پر مقامع من حدید
روح بدعت جس کی چوٹیں کھا کے گھبرانے لگی

سن کے قوالی کو جیسے ناچتے ہوں پیر جی
ویسے ہی اس نظم سے بدعت ہے بل کھانے لگی

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾

أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري

صراط مستقیم

لهداية

عمر کریم

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے اشتہار نمبر (۲) کا مختصر جواب ہے، یہ رسالہ گویا رسالہ "الریح العقیم" کا مقدمہ ہے، جس میں اسی اشتہار نمبر (۲) کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور صحیح بخاری پر جو اعتراضات ہوتے ہیں، ان کا شافی جواب دیا گیا ہے۔

از تازہ تالیف لطیف

مولوی محمد ابو القاسم صاحب بن مولانا مولوی محمد سعید صاحب مرحوم محدث بنارسی

طبع في مطبع سعيد المطابع الكائن فی بلدة بنارس ١٣٢٩ھ

2

جواب اشتہار نمبر (۲) مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی

(مورخہ پانزدہم ذی حجہ ۱۳۲۲ھ)

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا ❶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد لله الذي هدانا إلى أحكامه بالقرآن العظيم، وأرشدنا بالصحيح البخاري إلى سنن النبي الكريم، صلى الله عليه صلوة مع التسليم، الذي قال لأبي زيد المروزي في منامه: لم لا تدرس الجامع البخاري الذي هو كتابي وهو نائم بين الركن ومقام إبراهيم، وعلىٰ أصحابه و محدثي أمته خصوصاً على الإمام البخاري الذي دون جامعه لنهتدي به إلى سبيل مقيم۔ أما بعد:

قبل ازیں مولوی عمر کریم کا پہلا اشتہار ماہ رمضان ۱۳۲۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ (جس کا معقول جواب میں نے اپنے رسالہ ''ماءحمیم'' میں دیا ہے۔) آج اشتہار نمبر (۲) کے ملاحظہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مشتہر نے اپنے زعم میں جو تحقیق کی تصویر کھینچی ہے، تو مبالغہ کا رنگ بھر کر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں، حالانکہ وہ اشتہار تحقیق سے محض خالی اور ابتدا سے انتہاء تک مہملات سے مملو و جہالت سے لبریز ہے۔ میں ان دنوں چونکہ بہت عدیم الفرصت تھا، اس لئے حسبتاً للہ اس کا ایک مختصر جواب باصرار بعض احباب لکھ کر اہل تحقیق کے سامنے یہ مختصر ہدیہ پیش کرتا ہو۔ ع

گر قبول افتد زہے عزو شرف

ان شاء اللہ بوقت فرصت اس کا مفصل جواب لکھوں گا، جس کا نام ہوگا:

" الريح العقيم لحسم بناء عمر كريم "

فی الحال اس رسالہ کو " صراط مستقيم لهداية عمر كريم " کے اسم کے ساتھ مسمی کرتا ہوں۔

وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، أللهم أيدني بروح القدس.

---

❶ برا کہہ کر خوش ہو رہے ہو! اللہ تمہیں معاف کرے، اچھا کہہ تلخ جواب نے لب لعل کو کڑوا کر دیا ہے۔

نہ کچھ مضمون طرازی ہے نہ آشفتہ بیانی ہے
حقیقت حال سچا واقعی سچی کہانی ہے

آپ فرماتے ہیں: کل علماء و اولیاء اہل سنت ہزار برس سے امام بخاری رحمہ اللہ کو امام الائمہ اور صحیح بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ سمجھتے آئے، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔''

میں کہتا ہوں: یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ با دلیل ہے، کتب اصول حدیث ملاحظہ فرمائیے، ورنہ آپ کو اگر اس کے خلاف کوئی دلیل ملی ہو تو پیش کیجئے اور جواب لیجئے! (اس کے بعد تاج الدین سبکی کا جواب ''الريح العقيم'' (ص: ۲، ٤) میں ملاحظہ فرمائیے)

آپ فرماتے ہیں: اور بخاری کے اصح الکتب (سب کتابوں سے زیادہ صحیح ہونے) میں بھی اختلاف 3
ہے، نزہۃ النظر میں ابوعلی نیشا پوری کا قول منقول ہے کہ " ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم" آسمان کے نیچے کتاب مسلم سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: آپ نے یہاں چالاکی بلکہ خیانت کی کہ ما بعد کی عبارت، جس میں آپ کا جواب تھا، اس کو پوشیدہ چھوڑ گئے، اسی نزہہ میں اس کے بعد یہ عبارت غور سے ملاحظہ فرمائیے:

''فلم يصرح بكونه أصح من صحيح البخاري ''❶

ابوعلی نے اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ صحیح بخاری سے بھی کتاب مسلم زیادہ صحیح ہے۔

لیجئے جناب! اب تو تردید ہوگئی اور آپ کا دعویٰ بلا دلیل ہوگیا۔ ابھی کیا ہوا؟ ابھی ذرا اور سنئے! اگر آپ اصول حدیث غور سے دیکھے ہوتے تو ہرگز ایسا نہ فرماتے۔ مقدمہ ابن صلاح (ص: ۸) میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ ہے:

''إن كان المراد به أن كتاب مسلم رحمه الله أصح صحيحا، فهذا مردود علىٰ من يقوله.''❷

''اگر اس عبارت سے یہ مراد ہے کہ مسلم کی کتاب کتابِ بخاری سے بھی زیادہ صحیح ہے، تو یہ قول اس کے قائل پر مردود ہے۔''

فرمائیے! اب تو چالاکی کافور ہوگئی اور حقیقت کھل گئی؟

آپ فرماتے ہیں: امام شافعی کا قول ہے:

---

❶ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٤)

❷ مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠)

”ما علیٰ ظهر الأرض كتاب بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك “

”روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔“

میں کہتا ہوں: ذرا مقدمہ ابن صلاح (ص: ۷) کو بھی دیکھ لیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں لکھا ہے:

”فإنما قال ذلك قبل وجود كتابي البخاری و مسلم.“ [1]

”سوا اس کے نہیں کہ امام شافعی نے اس مقولہ کو صحیح بخاری و مسلم کے وجود سے قبل کہا تھا۔“

لیجئے! یہ دوسری دلیل آپ کی جو کہ مکڑی کے جالے کی طرح تھی، وہ بھی توڑی گئی، اب افسوس کیجئے اور اپنے اشتہار کی مابعد عبارتوں کا جواب ” الريح العقيم“ (ص: ۵ سے ۲۱) میں ملاحظہ فرمائیے:

آپ فرماتے ہیں: چہارم: ابن حجر عسقلانی نزهة النظر شرح نخبة الفكر میں یوں لکھتے ہیں:

قول اول: أما رجحانه من حيث العدالة والضبط، فلأن الرجال الذين تكلم فيه من رجال مسلم أكثر عددا من الرجال الذين تكلم فيه من رجال البخاري.“

”مسلم کے راوی باعتبار بخاری کے راویوں کے زیادہ مجروح ہیں۔“

میں کہتا ہوں: خوب! آپ نے اپنے مطلب کا مختصر ترجمہ کر لیا اور مصنف اس عبارت کو جس غرض سے لایا ہے اس سے کچھ مطلب ہی نہیں، اسی کو کہتے ہیں: ” تفسير القول بما لا يرضىٰ به قائله! “

اے جناب! حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تو اس سے صحیح بخاری کا ترجیح پانا ثابت کرتے ہیں۔ (جس کو کنایتاً آپ نے بھی
آگے تسلیم کیا ہے) لیکن یہاں آپ اس سے جرح نکالتے ہیں، سنئے! حافظ صاحب نے اس میں ذکر واقع کیا ہے نہ 4
تسلیم واقع یا یوں سمجھئے کہ یہ بیان واقع ہے نہ تصحیح واقع، حافظ رحمہ اللہ معترض متکلم کو بصورت تسلیم جواب دے رہے ہیں کہ بخاری کے رواۃ اگر متکلم فیہ ہیں، تو مسلم سے کم ہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی بخاری کو فضیلت رہی۔ [2] حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، وہ یہ کہ بخاری کے کوئی راوی مجروح نہیں ہیں، جس نے ان کی بابت کچھ کلام کیا ہے، وہ محض غلط اور غیر قابل تسلیم ہے، جس کی تفصیل آپ کو ان شاء اللہ ” الريح العقيم “ میں جرحِ رواۃ کے جواب میں ملے گی، اور آپ کے ”الكلام المحكم“ کے جواب میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے آپ دیکھیں گے، ان شاء اللہ۔ فانتظر!

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

آپ فرماتے ہیں: قول دوم: ” وأما رجحانه من حيث عدم الشذوذ والإعلال، فلأن

---

1. مصدر سابق
2. دیکھیں: نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۷۵)

مما من انتقد علیٰ البخاري من الأحاديث أقل عددا ممن من انتقد علیٰ مسلم."

'' بخاری کی حدیثیں باعتبار مسلم کے حدیثوں کے کم مجروح وکھوٹی ہیں، پس اگرچہ اس کلام سے ترجیح بخاری کی اوپر مسلم کے ثابت ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے بخاری کے راوی اور حدیثوں کا بھی مجروح ہونا ظاہر ہو رہا ہے، اگرچہ وہ باعتبار مسلم کے کم ہی کیوں نہ ہوں۔''

میں کہتا ہوں: أولاً: یہ کہ آپ نے صریحاً غلطی کی ہے: " ممن من انتقد" نہیں ہے، بلکہ " مما انتقد" ہے۔ دیکھئے: نزهة النظر شرح نخبة الفکر [1] مطبوعہ مطبع مجتبائی، واقع دہلی۔ (ص: ۱۰، س: ۳)

ثانیاً: اس سے بھی مجروح ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ کما لا یخفیٰ ۔ اس لئے کہ حافظ رحمہ اللہ کا یہ جواب بھی شذوذ و اعلال کے بصورت تسلیم ہے، جیسا کہ ابھی اوپر گزرا، ورنہ صحیح بخاری کے رواۃ شذوذ و اعلال وغیرہ سے بالکل پاک ہیں، کیونکہ صحیح بخاری کی سب حدیثیں صحیح ہیں، اور صحیح کی تعریف سے شاذ و معلل بہ ہونا خارج ہے، ملاحظہ فرمائیے شرح نخبہ وغیرہ کتب اصول حدیث۔ [2]

ثالثاً: اس کے بعد کی عبارت کا مطالعہ کیجئے، جو آپ کے اوہام کی قلعی کھولتی ہے، حافظ فرماتے ہیں:

"هذا مع اتفاق العلماء على أن البخاري رحمه الله كان أجل من مسلم رحمه الله في العلوم، وأعرف منه بصناعة الحديث، وأن مسلماً تلميذه وخريجه، ولم يزل يستفيد منه ويتبع آثاره حتى قال الدار قطني رحمه الله: لولا البخاري لما راح مسلم ولا جاء. [3]

''اس فضیلت بخاری اور اس بات میں کہ بخاری رحمہ اللہ مسلم رحمہ اللہ سے علم میں زیادہ ماہر تھے اور صناعتِ حدیث کو زیادہ پہچاننے والے تھے، تمام علماء متفق ہیں اور بے شک مسلم، بخاری کے شاگرد ہیں اور ہمیشہ مسلم، بخاری سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور بخاری رحمہ اللہ کی تحریر وتقریر میں ہمیشہ مسلم رحمہ اللہ ان کے 5 نقش قدم کی پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر بخاری رحمہ اللہ نہ ہوتے تو مسلم کا ظہور بھی نہ ہوتا اور نہ یہ آتے۔''

لیجئے جناب! جو کہ آپ کی دلیل تھی اس سے بخاری رحمہ اللہ کی فضیلت و ترجیح مسلم پر تین طرح سے ثابت کر دکھلائی گئی۔ ابھی چوتھی دلیل اور لیجئے! اسی نزهة النظر شرح نخبة الفکر میں ہے:

"وقد صرح الجمهور بتقديم صحيح البخاري في الصحة." [4]

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٥)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص: ٩) نزهة النظر (ص: ٦٧)

[3] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٥)

[4] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (٧٣)

''جمہور نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ بخاری سب کتابوں سے صحت میں مقدم ہے۔

اب آپ کا دعویٰ بلا دلیل ہوگیا!

لطیفہ: ابن صلاح نے تو اپنے مقدمہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ بخاری میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے، اگر صحیح ہو تو میری بی بی پر طلاق ہے، تو یقیناً اور بلا شک وشبہہ اس کی بی بی پر طلاق ہوگی! [1]

مابعد کی بقیہ عبارت کے جوابات " الريح العقيم" (ص: ۲۱ سے ۲۸) میں ملاحظہ فرمایئے۔

آپ فرماتے ہیں: ملا علی قاری نزهة النظر شرح نخبة الفكر میں لکھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ملا علی قاری کی کوئی کتاب " نزهة النظر شرح نخبه" نہیں ہے بلکہ ابن حجر عسقلانی کی ہے، آپ کا حوالہ غلط ہے، محض عوام کو دھوکا دینا ہے، ہاں اس عبارت کا جواب " الريح العقيم" (ص: ۲۹، ۳۰) میں دیکھیں اور مابعد کی عبارتوں کا جواب (ص: ۳۴) تک میں ملاحظہ کریں۔

آپ فرماتے ہیں: یہاں ایک امر اور قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ حنفی مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پوری پیروی کرنے کا نام ہے۔

میں کہتا ہوں: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے قول کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور صحیح حدیث ملے تو میرے قول کو چھوڑ دو۔ [2] اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرے بعد کوئی محدث امام آئے گا اور اس کے پاس جو صحیح حدیث ہوگی، اس کے رہتے ہوئے میرے قول کو چھوڑ دینا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ آئے اور ان کی صحیح حدیث کے رہتے ہوئے امام ابوحنیفہ صاحب کا قول نہ لیا جائے گا۔ اگر آپ کو امام صاحب کی پوری پیروی منظور ہے تو ان کے قول پر عمل کیجیے کہ صحیح حدیث ملتے ہوئے میرا قول معتبر نہ سمجھو۔ اس کے علاوہ دیکھیے تفسیر مظہری (چھاپہ حصار) میں امام صاحب کا قول منقول ہے:

"اتركوا قولي بخبر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقول الصحابة."

''میرے قول کو بمقابلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول صحابہ کے چھوڑ دو۔''

اور دوسرا اور سنئے! امام صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

---

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص: ۱۰) ولفظه: "وكذلك مطلق قول الحافظ أبي نصر الوائلي السجزي: أجمع أهل العلم الفقهاء وغيرهم على أن رجلا لو حلف بالطلاق: أن جميع ما في كتاب البخاري مما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم قد صح عنه ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاله، لا شك أنه لا يحنث، والمرأة بحالها في حبالته"

[2] القول المفيد (ص: ٥٤) عقد الجيد (ص: ٩٤)

File C:\Books\Books\Books\Bundle Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

" إذا صح الحديث فهو مذهبي" [1] جب حدیث صحیح ثابت ہوجائے، تو وہی میرا مذہب ہے۔

اب اس قول کی پوری پیروی کیجئے، اور بعد کی عبارت کا جواب ''الریح''(ص: ۳۵) میں دیکھئے۔ 6

آپ فرماتے ہیں: بعد والا اپنے سے پہلے والے کا البتہ پابند ہوسکتا ہے، اور جو پہلے ہوا ہو اس کو مابعد کا زبردستی پابند کرنا ایک عجیب وغریب امر ہے، جو کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح آپ کا یہ زبردستی کا الزام بھی عجیب ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، اے جناب! ذرا شرح اصول بزدوی کا مطالعہ کریں کہ امام بخاری کے جو شرائط ہیں، امام ابوحنیفہ کو یقیناً ان شرائط سے اختلاف نہ تھا، اور نہ کسی اہل علم کو اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن پہلے امام صاحب کا اشتغال تو طلب احادیث کی طرف کرلو، مابعد کی بقیہ عبارت کا جواب "الريح العقيم" (ص: ۳۵، ۵۹) میں دیکھو۔

آپ فرماتے ہیں: بخاری کی چند حدیثیں جو ایک دوسرے خلاف ہیں۔

میں کہتا ہوں: مطابقت دینے کا شعور نہیں اور کہتے ہیں خلاف! ع

ناچنے نہ آئے تو انگنا ٹیڑھا

ابھی بخاری میں اختلاف ہوا ہے، آئندہ قرآن شریف میں اختلاف بتلاؤ گے کہ خدا ایک جگہ فرماتا ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ [2] اور ایک جگہ فرماتا ہے: ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [3] لا حول ولا قوة إلا بالله، اللهم احفظنا! ؎

کوئی سیدھی بات صائب کی نظر آتی نہیں
آپ کی پوشاک کو کپڑا بھی آڑا چاہیے

آپ فرماتے ہیں: چند حدیث بخاری کی جو قرآن شریف کے خلاف ہیں (منجملہ ان کے) حدیث سوم: " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " یہ حدیث اس آیت قرآنی کے خلاف ہے:

﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ جس وقت پڑھا جائے قرآن نماز میں، پس سنا کرو تم اس کو اور خاموش رہا کرو، امام کے ساتھ تلاوت نہ کیا کرو۔ فقط

میں کہتا ہوں: أولاً: یہ کہ آپ نے نماز کس کے معنی تاویل کیا ہے؟ آپ نے جو اپنی طبیعت سے گڑھ کر یہ کہا ہے کہ ''امام کے ساتھ تلاوت نہ کیا کرو۔'' جانتے ہیں کہ اس کا کیا عاقبتِ امر ہے، حدیث میں آیا ہے:

---

[1] رد المحتار (۱/ ۵۰)

[2] یعنی یہ آیت مراد ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء: ۴۳]

[3] النساء: ۷۷

"من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار." ❶

"جس نے قرآن میں اپنے قیاس ورائے سے تاویل کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے۔"

ثانیاً: یہ کہ یہ آیت اُس حدیث کی مطابقت کے واسطے تو نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ آیت مشرکین کفار کے اس مقولہ پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ (پارہ ۲۴ سورہ حم السجدہ ع ۴) فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ [فصلت: ٢٦]

"کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو، اور خوب شور مچاؤ (جب محمد تم کو سنانے آئیں) تا کہ تم غالب آجاؤ (اور محمد بھاگ کر چلے جائیں)۔"

وہ آیت تو بعینہ اس کے مقابلہ میں ہے، دیکھئے کافروں نے کہا تھا کہ: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اللہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا﴾ [الأعراف: ٢٠٤] کافروں نے کہا تھا کہ ﴿وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اللہ نے جواب میں فرمایا: ﴿وَ اَنْصِتُوْا﴾ کافروں نے کہا تھا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ کہاں وہ آیت اس کے جواب میں اور کہاں آپ اسے اس حدیث کے مقابلہ میں لیتے ہیں؟ دیکھئے بخاری شریف (پارہ ۲۸) میں ہے:

"كان ابن عمر يراهم شرار خلق الله، وقال: إنهم انطلقوا إلى آية نزلت في الكفار فجعلوها علىٰ المؤمنين." ❷

جناب حضرت ابن عمران کو اللہ کی تمام مخلوقات سے بدتر خلق شمار کرتے تھے جو کہ ایسی آیت کو جو کافروں کے جواب میں نازل ہوئی ہیں، اس کو اپنی دلیل کر لیتے ہیں، وہ آیت مذکورہ بالا جو کہ کافروں کے مقولہ مذکورہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، جو ایمان والا اسے اپنی دلیل میں لائے گا، وہ اللہ کے نزدیک سب سے بدتر خلق ہے اور بدتر 7
خلقوں کا نتیجہ کیا ہے؟ جہنم ہے!

ایسا عمل آدمی کیوں کرے جس کے سبب سے جہنم میں جائے؟ اللهم إنا نعوذ بك من سيء الأعمال!

اب بتلائیے کہ اس حدیث کا اس آیت سے کیا علاقہ؟ کہاں کی وہ اور کہاں کی یہ؟ کجا آسمان کجا زمین؟ بقیہ

---

❶ سنن الترمذي: كتاب تفسير القرآن، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه، رقم الحديث (٢٩٥١) سنن النسائی الکبریٰ (٣١/٥) اس کی سند میں عبد الأعلیٰ بن عامر الثعلبي متکلم فیہ ہے۔ دیکھیں: فيض القدير (١/ ١٣٢) السلسلة الضعيفة (١٧٨٣)

❷ صحيح البخاري: كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم قبل الحديث (٦٥٣١) یہ اثر تعلیقاً مروی ہے، حافظ ابن حجر اس کو موصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سنده صحيح" (فتح الباري: ١٢/ ٢٨٦)

مفصل جواب ’’ الریح العقیم‘‘ (ص: ٤٣، ٤٤) میں دیکھیں۔

آپ فرماتے ہیں: ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ کیسے کیسے مسائل اجماعی تو مثلاً مولود شریف اور نذر و نیاز اور ذکر شہادت امام حسین ◆ اور بزرگان دین کے مزارات پر واسطے سعی حصول مرادات کے جانا وغیرہ جن پر تمام دنیا کے فقہاء و محدثین اور اولیاء اللہ و دیگر بزرگان دین کا اجماع و اتفاق تھا اور ہے، اب شرک ٹھہرایا گیا،ا ور آج کتاب بخاری کے ثبوت میں پھر وہی اجماع، جو درحقیقت ثابت بھی نہیں ہے، پیش کیا جاتا ہے!

میں کہتا ہوں: صرف افتراء وتہمت بازی ہی آتی ہے یا کچھ دلیل بھی ہے؟! ؎

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

رسول مقبول ♏ و چاروں خلفاء وغیرہ کے وقت میں یہ مولود ایجادی کہاں تھا؟ آپ تو پورے حنفی ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ ’’حنفی مذہب نام امام ابوحنیفہ ♋ کی پوری پیروی کرنے کا ہے،‘‘ آپ یہی ثابت کیجئے کہ یہ امام صاحب کے وقت میں کہاں تھا اور انہوں نے اس کا حکم کہاں دیا ہے؟ یہ تو صریحاً بدعت ہے، حدیث مسلم میں آیا ہے:

’’من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد.‘‘ ❶

جس نے ہمارے حکم کے سوائی بدعت نکالی، وہ فاعل اور فعل دونوں مردود ہے اور مردود کا نتیجہ وہی جہنم ہے!!

شیخ عمر بن محمد نے ٦٠٤ھ میں اس بدعت سیئہ کو شہر موصل میں اولاً ایجاد کیا اور اس عمل منکر کی ابتدا اس سے ہوئی، پھر چند جاہل طالب الدنیا اور چند بدعت دوست امیروں نے اس شخص مذکور کی اس امر میں اقتدا کی اور بدعت کو بڑا رواج دیا اور سب میں بڑا ان امیروں و مبتدعین میں سے شہر اربل کا بادشاہ ملک مظفر ابوسعید کوکری تھا، جیسا کہ امام احمد بن محمد بن بصری مالک نے کتاب قول معتمد میں کہا:

’’ومع هٰذا قد اتفق علماء المذاهب الأربعة علىٰ ذم العمل به، فمن يذمه العلامة معز الدين حسن الخوارزمي، قال في تاريخه: أن صاحب أربل الملك المظفر أبو سعيد الكوكري كان ملكا مسرفا يأمر علماء زمانه أن يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وأن لا يتبعوا المذهب غيرهم، حتى مالت إليه جماعة من العلماء، وطائفة من الفضلاء، وتحفيل مولد النبي ﷺ في الربيع الأول، وهو أول من أحدث من الملوك هذا العمل، وقال أبوالحسن علي بن الفضل المقدسي المالكي في كتابه جامع المسائل: أن عمل المولد لم ينقل من السلف الصالح، وإنما أحدث بعد القرون الثلاثة في الزمان الطالح، ونحن لا نتبع الخلف فيما

❶ صحيح مسلم كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، رقم الحديث (١٧١٨)

أهمل السلف، لأنه يكفي بهم الاتباع، فأي حاجة لنا إلى الابتداع؟"

"اور باوجود اس کے چاروں مذہب کے عالموں نے اتفاق اس بات پر کیا ہے کہ مولود کا یہ عمل بالکل مذموم و مردود ہے، منجملہ ان علماء کے ایک بہت بڑے عالم علامہ زمان معزالدین حسن خوارزمی ہیں، وہ اپنی کتاب تاریخ میں فرماتے ہیں کہ اربل کا بادشاہ ملک مظفر ابوسعید کوکری ایک مسرف بادشاہ تھا، اپنے وقت کے علماء کو حکم دیتا تھا کہ تم لوگ اپنے قیاس اور اجتہاد پر عمل کرو اور کسی دوسرے مذہب کی پیروی نہ کرو۔ پس یہاں تک اس کا اثر ہوا کہ عالموں کا ایک گروہ اور فاضلوں کی ایک جماعت اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور یہ بادشاہ مجلس مولود ربیع الاول کے مہینہ میں کیا کرتا تھا اور اول اسی بادشاہ نے بادشاہوں میں سے اس عمل مولود کو نکالا اور رواج دیا، اور امام ابوالحسن علی بن فضل مقدسی مالکی نے اپنی کتاب جامع المسائل میں کہا کہ عمل مولود کا سلف صالح میں سے منقول نہیں ہے، بلکہ بعد قرون ثلاثہ کے برے لوگوں کے زمانہ میں یہ امر ایجاد کیا گیا ہے اور جس کام کو پہلے لوگوں نے نہیں کیا ہے، اس میں ہم پچھلے لوگوں کی تابعداری نہیں کریں گے، کیونکہ ہم کو اگلے لوگوں کا اتباع کافی و وافی ہے، ہم کو نئے کام بدعت نکالنے کی یا اس پر عمل کرنے کی کیا حاجت ہے؟"

لیجئے جناب! اس سے صاف مولود کا رد ہوگیا، اور کہاں سب فقہاء و علماء و اولیاء و محدثین و بزرگان دین کا اجماع 8
و اتفاق تھا؟ ہاں بخاری ؒ کے اوپر سب کا اجماع ثابت کر دکھلایا گیا۔ فافهم و کن من الشاکرین!

آپ فرماتے ہیں: "بزرگان دین کے مزارات پر واسطے سعی وحصول مرادات کے جانا وغیرہ (الی قولہ) اب شرک ٹھہرایا گیا۔"

میں کہتا ہوں: نعوذ باللہ و أستغفر اللہ!

خدا فرما چکا قرآں کے اندر ۔۔۔ میرے محتاج ہیں پیر و پیغمبر
جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا ۔۔۔ بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا
خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا ۔۔۔ یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

آپ کا مقولہ خود ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا مذہب حنفی نہیں ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے یہ کہاں فرمایا ہے؟ اول مقدم تو حدیث و قرآن ہے، ان دونوں میں کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ تو اس کے خلاف ارشاد فرماتا ہے:

﴿ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴾ [فاطر: ١٤]

"اگر پکارو تم ان کو نہ سنیں گے پکارنا تمہارا اور اگر سنیں گے تو نہیں جواب دیں گے تم کو اور دن قیامت کے

انکار کر دیں گے تمہارے شرک کرنے کا اور نہ خبر دے گا تم کو مثل اللہ تعالیٰ خبردار کے۔''

دوسری جگہ (سورۂ احقاف رکوع ۱) میں ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الأحقاف: ٥]

''اور کون شخص زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے کہ پکارتا ہے اللہ کے سوا ان شخصوں کو کہ تا قیامت انہیں وہ جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔''

لیجئے جناب! کہاں تک لکھا جائے؟ اسی کو بر سرِ وچشم رکھئے اور اپنے قول سے بنیت خالص توبہ کیجئے اور میں نے جو آخر میں بذریعہ شعر نصیحت کی ہے، اس پر عمل کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑا گمراہ فرماتا ہے کہ جو اللہ کو چھوڑ کر بزرگان دین کے مزارات پر واسطے سعی حصول مرادات کے جا کر پکارے، اور گمراہ کا ٹھکانا بموجب حدیث ذیل کے جہنم ہے اور یہ سب نئی ایجاد فعل بدعت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.''[1]

''سب نئے کام بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے (تو نتیجہ کیا ہوا؟) ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی!''

دیکھئے! ایسا قول کر کے آدمی گمراہ ہو کر سیدھے جہنم میں چلا جائے گا!

فاعتبروا يا أولى الأبصار وما علينا إلا البلاغ!

اپنے اشتہار کے بقیہ جوابات ''الريح العقيم'' میں ملاحظہ فرمائیے، جو ۶۸ صفحات میں تمام ہوا ہے۔

والحمدللّٰه أولاً وآخراً، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين۔

---

[1] سنن النسائي: كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، رقم الحديث (١٥٧٨) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''إسنادها صحيح، كما قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمہ اللہ'' (خطبة الحاجة: ٢٥)

از چکیدہ قلم جادو رقم شاعر بے مثل مولوی محمد یوسف صاحب شمس محمدی فیض آبادی

کیا بیاں ہوا اے ابوالقاسم تیری تحریر کا ہے لب ہر حرف پر اک زمزمہ تقریر کا

روح بدعت چھد کے مطعون خلائق ہوگئی خامۂ سنت میں جوہر ہے سنان و تیر کا

پیر نا بالغ کا مرشد ہے ابوالقاسم جوان واہ اچھا پیر ہے یہ بدعی بے پیر کا

راہ سیدھی[1] منکر سنت کو دکھلائی ہے خوب اب جو بھکے کام اس گمراہ پر تقصیر کا

ہے یقین اس بد یقین کا دل بھی ویسا ہی سیاہ جیسا قدرت نے ملا چہرے پر غازہ قیر کا

دیکھنے والے ہنومان اس کو سمجھیں گے ضرور یا کہیں گے یہ پچاری ہے گرور گھبیر کا

شمس کے اشعار اس بدعی کو گر ہوں ناپسند آپ بے بہرہ ہے جو قائل نہیں ہے میر کا

---

[1] صراط مستقیم

مَالِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا

الریح المقیم

لحسم بناء

عمرکریم

اس رسالہ ہدایت کے مقالہ میں بفرمائش احباب مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے اشتہار نمبر (۲) کا بقیہ جواب مفصل طور پر دیا گیا ہے، جو حقیقت میں ''صراط مستقیم'' کا دوسرا حصہ ہے۔ نیز ان کے اعتراضات واہیہ کا خوب خوب قلع قمع کیا گیا ہے اور صحیح بخاری کا ڈیفنس (مدافعت) کما حقہ کیا گیا ہے، جس کا لطف بغیر دیکھے نہیں حاصل ہوسکتا۔ پس انصاف کی نظر سے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔

۱۳۲۸ھ

از تالیف لطیف
مولوی محمد ابوالقاسم صاحب بن مولانا محمد سعید صاحب مرحوم محدث بنارسی

مطبع سعید المطابع واقع بنارس باھتمام مؤلف زیور طبع پوشید.

1 اب تو دل کھول کے روؤگے کہ آئی سر پر
وہ مصیبت کہ بہت تھا تمہیں جس کا کھٹکا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم .

الحمد للّٰہ الذي ألبس الإنسان حلة الوجود وهو عديم، خلقه ثم سواه ثم يميته ثم يحييه وعظامه كالرميم، ثم يحاسبه ففريق في الجنة مقيم، الذين يدافعون عن أوليائه خصوصاً عن البخاري ـ رحمه اللّٰه ـ وصحيحه الذي هو أصح الكتب بعد القرآن هم يأكلون فيها من نخل طلعها هضيم، يتنازعون فيها كأساً لا لغو فيها ولا تأثيم، وفريق إلى النار في العذاب الأليم، الذين يهونون أحاديث النبي ﷺ بإهانة صحيح البخاري وجامعه ويكفرون به هم يشربون فيها من الحميم، فشاربون شرب الهيم، هذا نزلهم يوم لا يغني صديق عن حميم، ولا ينفع مال ولا بنون إلا من أتى اللّٰه بقلب سليم، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له الذي يشفي السقيم، ويرزق الأثيم، ويملي المضيم، وأشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله الوالي لليتيم، والكفيل للغريم، وللكل زعيم، نبي شُقّ بطنه وهو في الحطيم، والذي أعاذه اللّٰه من الشيطان الرجيم، والذي رفع اللّٰه درجته على الخليل والكليم، اللهم فصل علىٰ شفيعنا محمد وعلىٰ اٰله وأصحابه وسائر أتباعه صلٰوة مع التسليم. أما بعد:

خاکسار بندہ آثم محمد ابو القاسم عفا اللہ عنہ پنجابی الاصل بنارسی الوطن بخدمت حضرات ناظرین عرض پرداز ہے کہ جب رسالہ " العرجون القديم في إفشاء هفوات عمر كريم"حلیہ تحریر سے آراستہ وزیور طبع سے پیراستہ ہوکر شائع ہوا، خدا نے ہمارے اخلاص کا ایسا ثمرہ دکھایا کہ عوام وخواص کی نظروں میں بڑا مقبول اور قابل قدر ہوا۔ چنانچہ اس کے شکریہ میں بہت سی تحریریں میرے پاس آئیں اور متعدد تقریظیں جو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں درج کی جائیں گی، بالفعل شہادتاً اس کی دو ایک تقریظیں اس رسالہ کے ٹائیٹل کے صفحہ ب و ج پر درج ہیں۔ اس کے ساتھ ہی
2 لوگوں کا یہ بھی تقاضا ہوا کہ جس تفصیل سے اشتہار نمبر (۳) کا جواب دیا گیا ہے، اسی تفصیل سے اشتہار نمبر (۲) کا بھی جواب ہونا چاہیے اور بے شک یہ ٹھیک ہے کہ اشتہار نمبر (۲) کا مفصل ومکمل جواب کسی نے نہیں لکھا، گرچہ خاکسار نے اس کے جواب میں " صراط مستقيم لهداية عمر كريم "لکھی، لیکن درحقیقت وہ بہت ہی مختصر لکھی گئی اور اس میں بہت سے ضروری اور قابل جواب امور کا جواب نہیں دیا گیا، اس لئے عاجز کا مصمم ارادہ ہوا کہ اس اشتہار نمبر (۲) کے جواب میں ایک اور مفصل رسالہ لکھا جائے، چنانچہ وہ رسالہ یہ ہے، جو حیز تحریر میں لاکر ہدیہ

ناظرین کیا جاتا ہے، اس میں ان امور کے جواب نہیں دیئے گئے جن کو "صراط مستقیم" میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ پس ناظرین رسالہ "صراط مستقیم" اور اس رسالہ دونوں کو ملا کر اشتہار نمبر (۲) کا مکمل جواب تصور فرمائیں اور بلا ضرورت طوالت سے مجھے معذور سمجھیں، اب اس رسالہ کی بابت بھی خدا تعالیٰ سے وہی دعا ہے:

واللّٰه أسأل أن يجعله لي ولسائر المسلمين نافعا، ولأوهام المنكرين رافعا، ولإيرادات المبطلين دافعا، وفي مصاعد القبول ساطعاً، ولعرق محاجات الجامدين قاطعا، اللهم أيدني بروح القدس!

واضح ہو کہ ہم نے ناظرین کی سہولت کے لیے عمر کریم کے اقوال کو "مریب" اور اس کے جواب کو "مجیب" سے تعبیر کیا ہے، تاکہ عوام الناس کو طرفین کی تحریروں میں امتیاز کا موقع رہے۔ وها أنا أشرع في المقصود متوكلاً علىٰ ولي الخير والجود.

مریب: امام بخاری خود شافعی المذہب تھے، جیسا کہ قسطلانی شرح بخاری میں ہے:

" قال التاج السبكي: ذكره يعني البخاري في طبقات أصحابنا الشافعية (الى قوله)

پس جو شخص خود امام شافعی کا مقلد ہے، وہ امام الائمہ کیونکر ہو سکتا ہے؟'

مجیب: ۔ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است [1]

چونکہ آپ خود مقلد ہیں، اس لیے اس دعویٰ کے ثبوت میں بھی تقلید ہی سے کام لیتے ہیں، ایک شخص کے کہنے سے آپ نے امام بخاری کو مقلد سمجھ لیا، نہ آپ نے ابو عاصم کے قول کا مطلب سمجھا، نہ محدثین کی اصطلاحات کو دیکھا، نہ صحیح بخاری کو دیکھا، پہلے صحیح بخاری ہی کو اٹھا کر دیکھیے کہ امام بخاری نے ترجمہ باب میں کتنے مقام پر بالصراحت امام شافعی کا خلاف کیا ہے اور بالاشارۃ ان پر اعتراض کیا ہے، اور یہ مقلد کی شان سے بعید ہے۔ [2]

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ امام شافعی کے مقلد نہ تھے، اور بعض محدثین کی اصطلاح ہے کہ جس مجتہد کا اجتہاد کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد کی موافقت کرتا ہو، متاخرین اس کو اس سابق کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، چنانچہ حضرت شیخ ولی اللہ "حجة الله البالغة" میں فرماتے ہیں: 3

"وكان أصحاب الحديث أيضا قد ينسب إلى أحد المذاهب، لكثرة موافقته له، كالنسائي والبيهقي ينسبان إلي الشافعي". [3]

---

[1] اے محبوب! غلطی تو یہ ہے کہ تو سخن شناس نہیں۔

[2] دیکھیں: مقالات حدیث از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (ص: ۱۰۰)

[3] حجة الله البالغة (۱۵۲) مطبوعه مصر (مؤلف)

’’یعنی اہل حدیث بھی بعض اوقات کسی مذہب کی طرف نسبت کئے جاتے تھے، بوجہ اس کے کہ اکثر مسائل ان کے اس مذہب سے موافق ہوتے، جیسا کہ امام نسائی وبیہقی کوشافعی کہتے ہیں۔‘‘

نہ یہ کہ وہ شافعی کے مقلد ہیں۔عیاذا باللہ!

معلوم ہوا کہ امام بخاری مجتہد مستقل تھے، نہ کہ مقلد، پس اس توافق فی الاصول کے لحاظ سے جوامام بخاری و دیگر محدثین کوامام شافعی سے ہے، ابوعاصم نے اپنے زعم میں امام بخاری کوشافعیوں میں شمار کیا ہے، اگرچہ اس میں بھی وہ صواب پر نہیں ہے۔ کہئے! اب تو سمجھ گئے؟ اس کی مفصل بحث میرے رسالہ ” العرجون القديم“ میں ملاحظہ فرمایئے، جو آپ کے رسالہ نما اشتہار نمبر (۳) کے جواب میں ہے۔ اگرتم کو یہی دعویٰ ہے تو ائمہ سلف کی جماعت کے اقوال پیش کرو کہ انہوں نے بالصراحت لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ شافعی المذہب تھے!

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ [٢٤]

اچھا ایک بڑی عمدہ بحث سنو! جس کو صاحب سیرۃ البخاری نے نقل کیا ہے، چونکہ وہ بحث بہت ہی نفیس ہے، اس لیے ہم اس کو بتغیر یسیر نقل کرتے ہیں، مؤلف سیرۃ البخاری لکھتا ہے:

جہاں بلند خیال اہل تقلید نے اپنی وسعت دماغی اور بلند پروازی سے امام مہدی جیسے امام سے اپنے ائمہ کی تقلید کرا چھوڑی، حنفیوں نے کہا کہ امام آخر الزماں حنفی ہونگے،[1] شافعیوں نے کہا کہ شافعی ہوں گے، جس سے صوفی وقت شیخ محی الدین ابن عربی[2] کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ ان سے بھی نہ رہا گیا اور فتوحات مکیہ میں صفحے کے صفحے لکھ ڈالے۔ اس لئے ایسے عالی دماغوں سے ضرور خلاف عقل تھا کہ یہ حضرات امام بخاری سے چوک جائیں! امام مہدی کی طرح ان پر بھی تقلیدی تمغہ لگا دیا، علامہ اسماعیل العجلونی الشامی جو علامہ شامی حنفی مؤلف رد المحتار کے استاذ الاستاذ ہیں وہ اپنی کتاب ” الفوائد الدراري في ترجمة البخاري “ میں لکھتے ہیں:

’’امام بخاری کے مذہب میں اہل تقلید نے اختلاف کیا ہے، بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ امام بخاری شافعی تھے، ابو عاصم نے امام صاحب کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا اور خیریت سے وجہ یہ لکھی ہے:

”إنه سمع من الكرابيسي وأبي ثور والزعفراني، وتفقه على الحميدي، و كلهم من أصحاب

---

1. رد المحتار (١/ ٥٦)
2. اس کا نام ابوبکر محمد بن علی بن محمد حاتمی ہے، وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی، تصوف کے پیشواؤں اور وحدت الوجود جیسے کفریہ عقیدے کی دعوت دینے والوں میں سے تھا۔ اس کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: الفصوص اس کی گھٹیا ترین کتب میں سے ہے، اس میں لکھی ہوئی باتیں اگر کفر نہیں ہے، تو پھر دنیا میں کوئی کفر نہیں ہے!! (سير أعلام النبلاء ٢٣/ ٤٨) نیز دیکھیں: سيرة البخاري (ص: ٢٧١، حاشيه: ١)

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

الشافعي،"❶ انتهى.

"یعنی امام بخاری ﷫ اس جرم میں شافعی ہیں کہ انہوں نے کرابیسی اور ابوثور اور زعفرانی سے حدیثیں سنیں اور حمیدی سے تفقہ حاصل کیا اور یہ سب امام شافعی کے تلامیذ ہیں۔"

اچھا صاحب! یہ تو شافعی ہونے کی وجہ ہوئی، اب سنئے کہ ابو عاصم کے برخلاف ابوالحسن ابن العراقی یہ فرماتے ہیں کہ نہیں! بلکہ امام بخاری حنبلی المذہب تھے! 4

اس لئے کہ امام بخاری امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں سے ہیں، امام بخاری کا خود بیان ہے کہ میں آٹھ بار بغداد گیا ہوں اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھتا رہا، تو اگر یہی وجہ امام بخاری کے حنبلی ہونے کی یا پہلی وجہ شافعی ہونے کی ہے، تو افسوس بلکہ صد افسوس یہ ہے کہ امام بخاری ﷫ کو کسی نے حنفی المذہب نہیں کہا، نہ لکھا، حالانکہ جب تفقہ کے خیال سے امام بخاری کو حنبلی یا شافعی کہا جاتا ہے، تو امام بخاری کو حنفی بھی ضرور کہنا چاہیے، کیونکہ ابتدائے تحصیل میں امام بخاری نے قبل از سفر فقہ حنفی اور اس کے اصول تخریج کو خوب حفظ کر لیا تھا، خود امام بخاری کا بیان ہے:

"عرفت كلام هؤلاء"❷

افسوس! کسی صاحب نے اس طرف توجہ نہ کی، اوہو! شائد صحیح بخاری کے "بعض الناس" نے اس طرف سے خیالات پھیر دیئے؟ ہمیں بہت افسوس ہے ان لوگوں سے جن کو طبقات شافعیہ کے مطالعہ کی بھی نوبت آئی ہے اور پھر امام بخاری ﷫ کو شافعی المذہب قرار دیتے ہیں، حالانکہ ابو عاصم اور سبکی اور ابن الملقن وغیرہم کی ایک خاص اصطلاح ہے، وہ یہ ہے کہ جن کو امام شافعی ﷫ یا امام احمد ﷫ سے تلمذ کا علاقہ ہوتا ہے، ان کو طبقات شوافع وطبقات حنابلہ میں شمار کرتے ہیں، اگرچہ اس نے امام شافعی اور امام احمد سے مذہب میں مخالفت کی ہو اور اگرچہ وہ خود مذہب مستقل رکھتا ہو اور صاحب اجتہاد ہو، اسی بناء پر ابو عاصم اور سبکی نے امام احمد بن حنبل اور امام داود ظاہری وغیرہ کو بھی طبقات شوافع میں شمار کیا ہے،❸ حالانکہ امام احمد و داود ظاہری خود صاحب اجتہاد اور صاحب مذہب مستقل ہیں، بھلا کوئی شخص امام احمد بن حنبل کو شافعی المذہب کہے گا؟ پس اسی عنوان سے بعض لوگوں نے امام بخاری کو طبقات شوافع میں شمار کیا ہے، اس سے کیا امام بخاری شافعی المذہب ہو جائیں گے؟❹ ؎

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

---

❶ دیکھیں: طبقات الشافعية للسبكي (٢/ ٢١٤)

❷ دیکھیں: هدي الساري (ص: ٤٧٨)

❸ طبقات الشافعية (٢/ ٢٧، ٢٨٤)

❹ دیکھیں: سیرۃ البخاری از مولانا عبدالسلام مبارکپوری ﷫ (ص: ١٧٠)

علامہ عجلونی ان دونوں اقوال کے بعد ایک تیسرا یہ قول بطور فیصلہ کے لکھتے ہیں:

"كان مجتهداً مطلقاً، واختاره السخاوي، قال: والميل بكونه مجتهداً مطلقاً صرح به تقي الدين بن تيمية، فقال: إنه إمام في الفقه من أهل الاجتهاد، "انتهى.

"یعنی امام بخاری مجتہد مطلق تھے، اسی کو علامہ سخاوی نے مختار کیا ہے اور کہا کہ اسی جانب کو ترجیح ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق ہے، آپ کے مجتہد مطلق ہونے کی تصریح علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ آپ امام فی الفقہ اور اہل اجتہاد سے تھے۔"

بس یہ ہے اصل حقیقت ابوعاصم کے لکھنے کی جس کو آپ لے کر بغیر سمجھے بوجھے " هل من مبارز؟" کا نعرہ مارتے ہیں۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

مریب: اور سنن ابی داود کی بہ نسبت تہذیب نووی میں یہ لکھا ہے کہ: 5

"لما صنف كتاب السنن، صار لأصحاب الحديث كالمصحف يتبعونه".

"یعنی جب کتاب ابوداود تصنیف ہوئی تو اہلحدیثوں کے واسطے وہ مثل قرآن کے تھی، اس پر چلتے تھے۔"

مجیب: "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" گویا آپ نے اپنے زعم فاسد میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بخاری کو لوگ اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہیں، اور یہ ابوداود " ككتاب الله " ہے، لہٰذا بخاری سب کتابوں سے زیادہ صحیح نہیں ہے (جیسا کہ آپ نے عبارت مرقومہ کے بعد لکھا بھی ہے) اور یہ دماغی نتیجہ آپ کی قواعد سے کم علمی اور عدم واقفیت پر دال ہے، کیونکہ "كالمصحف" میں کاف اسمیہ نہیں ہے، بلکہ تشبیہ ہے، اور مشبہ و مشبہ بہ میں من کل الوجوہ مطابقت نہیں ہے کہ زید کو شیر جیسی دم اور پنجہ وغیرہ ہو بلکہ صرف ایک امر میں مشابہت ہوتی ہے یعنی دلیری مثل شیر، پس ایسا ہی "كالمصحف" میں تشبیہ صرف سہولت اخذ و استیعاب مسائل و احکام میں ہے اور یہ ظاہر ہے۔ علم ہو تو سمجھو! آؤ ہم تم کو اس قول (ابوعبداللہ محمد بن مخلد) کا مطلب سمجھا دیں، جس کو تم نے تہذیب نووی سے لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب سنن ابو داود تصنیف ہوئی، تو محمد بن مخلد نے کہا کہ اگر کسی شخص کو کچھ علم نہ ہو اور اس کے پاس کوئی کتاب نہ ہو مگر قرآن مجید اور ابوداود ہو، تو اس کو دیگر مسائل کی کتابوں کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ قرآن مجید اور ابوداود اس کو کافی ہونگے، یہی مطلب "كالمصحف" کا ہے، اگر شک ہو تو خطابی کا قول سن لو:

"قال الخطابي: سمعت أبا سعيد بن الأعرابى يقول: لو أن رجلا لم يكن عنده من العلم إلا

المصحف، ثم هذا الكتاب، لم يحتج معهما إلى شيء من العلم ألبتة .[1] انتهى

پس تہذیب نووی کی عبارت مرقومہ بالا صحیح بخاری کی اصحیت کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے خیال کیا ہے، بلکہ بخاری کا اصح الکتب ہونا اظہر من الشّمس وأبین من الأ مس ہے۔ ع

ہاتھ لا او یار ! کیوں کیسی کہی؟

ہاں آپ کی نقل کردہ عبارت سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ اہل حدیث قدیم سے چلے آتے ہیں، جس کا آپ کو اور آپ کے حواری ''اہل فقہ'' وغیرہ کو سخت انکار تھا۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

مریب: پس ایسے اقوال میں یہ دعوے کرنا کہ کل علماء اور اولیاء کتاب بخاری ہی کو سب کتابوں سے زیادہ صحیح سمجھتے آئے، صرف عوام کو دھوکہ دینا ہے۔ 6

مجیب: یہی آپ کی سمجھ کا قصور ہے، کیونکہ دھوکہ دینا اس وقت لازم آتا ہے، جب دعویٰ بلا دلیل ہوتا، اور جب دلیل سے کل علماء اور اولیاء بلکہ ہر مذہب کے فقہاء تک سے بخاری کو اصح الکتب کہنا ثابت ہے، تو اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ ہر ایک کے مفصل اقوال بخاری کے اصح الکتب ہونے کی بابت میرے رسالہ " العرجون القدیم" میں دیکھو، جو خاص تمہارے لیے ہدیہ ہے۔

اچھا لو! ہم ایک اور معتبر نقل ایک بڑے حنفی عالم کی پیش کرتے ہیں، جن کا نام علامہ ابن عابدین الشامی ہے، جو رد المحتار حاشیہ درمختار کے مؤلف ہیں، جن کے اقوال کو تم لوگ "کالوحي من السماء " سمجھتے ہو، وہ اپنی کتاب " عقود اللآلي (ص: ١٠٢) میں صحیح بخاری اور امام بخاری رحمہ اللہ کی شان میں فرماتے ہیں:

"الجامع المسند الصحيح لأمير المؤمنين، وسلطان المحدثين، الحافظ الشهير، والناقد البصير، من كان وجوده من النعم الكبرىٰ علىٰ العالم، الحافظ لسنة رسول الله ﷺ الثبت الحجة، الواضح المحجة محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله، وقد أجمع الثقات علىٰ حفظه وإتقانه وجلالة قدره، وتميزه على من عداه من أهل عصره، وكتابه أصح الكتب بعد كتاب الله تعالىٰ، وأصح من صحيح مسلم، ومناقبه لا تستقصىٰ لخروجها عن أن تحصىٰ، وهي منقسمة إلى حفظ ودراية واجتهاد في التحصيل، ورواية ونسك وإفادة وورع وزهادة وتحقيق وإتقان وتمكن وعرفان وأحوال و كرامات، وهذه عبارات ليست بكثيرة، ولكن

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات للنووي (٢/ ٩٣)

معانيها غزيرة، وقد أفرد كثير من العلماء ترجمته بالتاليف، وأودعها في قالب الترصيف، وذكروا من كراماته ومناقبه وأحواله من ابتداء أمره إلىٰ آخر مآله، وما اختص به صحيحه من الخصوصيات المتكاثرة، ويعلم به السامع أن ذلك فضل الله تعالىٰ يؤتيه من يشاء من عباده، ويتيقن أنه معجزة للرسول ﷺ حيث وجد في أمته مثل هذا الفريد العديم النظير، رحم الله روحه ونور مرقده وضريحه، وحشرنا في زمرته تحت لواء سيد المرسلين .“ انتهى

”جامع مسند صحیح مولفہ امیر المومنین سلطان المحدثین، حافظ مشہور، پرکھنے والے تجربہ کار، جن کا وجود دنیا میں بہت بڑی نعمتوں میں سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے حافظ، نہایت معتبر راہ کے واضح کرنے والے محمد بن اسماعیل بخاری ؒ کہ تمام ثقہ لوگوں نے ان کے حفظ اور اتقان اور بزرگی شان اور ان کے زمانہ والوں پر ممتاز ہونے پر اجماع کیا ہے، اور ان کی کتاب (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے بعد سے نہایت صحیح کتاب ہے، حتی کہ مسلم سے بھی صحیح ہے اور ان کی تعریفیں بے حد ہیں کہ شمار نہیں کی
7 جاسکتیں، اور وہ حفظ اور درایت اور تحصیل میں اجتہاد اور روایت اور عبادت اور فائدہ پہنچانا اور پرہیز گاری اور زہد اور تحقیق اور اتقان اور تمکن یعنی قدرت اور عرفان یعنی شناخت اور احوال اور کرامات پر منقسم ہیں، اور یہ عبارتیں بہت نہیں ہیں لیکن معانی ان کے بہت ہیں، اور بہت سے علماء نے ان کا ترجمہ اور حالات علیحدہ تالیف کئے ہیں اور اس کو قالب بیان میں لائے ہیں، اور ان کی کرامتوں اور منقبتوں اور حالتوں کو ابتداء سے انتہا تک ذکر کیا ہے، اور ان کی صحیح کے اندر جو بہت سی خصوصیات ہیں، ان کو بھی بیان کیا ہے کہ جس سے سننے والا معلوم کرلے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے دے اور یقین کرلے گا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ کی امت میں ایسے ایسے نادر نایاب بے مثل لوگ پائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کی خواب گاہ وقبر کو منور کرے، اور ہم لوگوں کو ان کے زمرہ میں داخل کر کے سید المرسلین ﷺ کے جھنڈے کے نیچے محشور ومجتمع کرے۔“ آمین۔

کہاں گئے مشتہر حنفی میاں! ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ اتنے بڑے علامہ شامی حنفی نے امام بخاری ؒ اور ان کی جامع صحیح کی شان میں کیا کہا اور کیسی کیسی تعریفیں اور توصیفیں لکھی ہیں، جو کل حنفیوں کو آب زر سے لکھ کر اپنے اپنے مکانوں میں نظروں کے سامنے لٹکا دینا چاہیے، اس سے تمہاری حنفیت معلوم ہوجائے گی۔ اب اس پر بھی اگر تم کو ایمان نہ ہوتو ہم کو مجبوری ہے، کیونکہ

لن يصلح العطار ما أفسده الدهر

باقی رہا یہ کہ دھوکہ دینا کس کا کام ہے؟ یہ تو ''بعض الناس'' کی ''کتاب الحیل'' سے ظاہر ہے، بفضلہٖ ہمارا مذہب ایسانہیں۔

ما اہلحدیثیم دغا را نشاناسیم
صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست ❶

مریب: تمام محدثین اور مفسرین اور علماء اور اولیاء اور فقہاء بارہ سو برس سے تقلید شخصی کو ضروری سمجھتے آئے، مگر اب وہ نہایت دلیری سے شرک قرار دیا گیا۔

مجیب: آپ لکھتے تو سب کچھ جاتے ہیں، لیکن ثبوت ایک کا بھی نہیں، سب زبانی جمع خرچ ہے۔

اے جناب! پہلے آپ ان کے اقوال تو کہیں سے دکھلائیں، لیکن یاد رکھیئے کہ کہیں سے آپ پیش نہیں کر سکتے۔
ولو كان بعضكم لبعض ظهيرا !!

پس یہ تمام سلف صالحین پر صریح اتہام اور افترا ہے، جو آپ جیسے احناف کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، بلکہ انھی محدثین اور مفسرین اور علماء اور اولیاء اور فقہاء نے الٹے تقلید کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا ہے، چنانچہ تردید تقلید میں ہر ایک کے مفصل اقوال رسالہ " العرجون القديم" (ص:۸ تا ۱۲) میں ملاحظہ فرمائیں اور اپنی کذب بیانی سے 8
باز آئیں، نہیں تو ذرا فتوحات مکیہ شیخ الصوفیہ محی الدین ابن عربی ہی کو دیکھیں کہ انہوں نے تقلید کی کیسی تردید کی ہے؟ اور بتلائیں کہ اب آپ فتوحات مکیہ کو چھوڑ کر کس کتاب پر ایمان لائیں گے؟

واهرب عن التقليد فهو ضلالة
إن المقلد في سبيل الهالك ❷

مریب: اور سواد اعظم سے علیحدگی اختیار کی گئی۔

مجیب: آپ کو ابھی خیریت سے یہ بھی نہیں معلوم کہ سواد اعظم کون لوگ ہیں؟ اجی حضرت! سواد اعظم جماعت حقہ اہل سنت والجماعت ہیں اور مبتدعین مشرکین قبر پرست لوگ سواد اعظم سے خارج ہیں۔ پس اب تم خود سوچ لو کہ جماعت حقہ اہل حدیث (كثر الله سوادهم) سواد اعظم میں داخل ہوئی یا غیر؟ اچھا ذرا "مجالس الأبرار و مسالك الاخيار" (ص: ١٤٠) کی عبارت پڑھو:

"إن الاتباع أفضل عمل، يعمله المرء في هذا الزمان، لشيوع العمل على خلاف السنة منذ

---

❶ ہم اہل حدیث ہیں، دھوکا نہیں جانتے، صد شکر ہے کہ ہمارے مذہب میں حیلہ سازی اور فنکاری نہیں۔

❷ تقلید سے بھاگ کہ یہ گمراہی ہے، مقلد تباہی کے راستے پر ہے۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

زمان طويل، فلا بد لك أن تكون شديد التوقي من محدثات الأمور، وإن اتفق عليه الجمهور، فلا يغرنك اتفاقهم على ما أحدث بعد الصحابة، بل ينبغي لك أن تكون حريصاً علىٰ التفتيش عن أحوالهم وأعمالهم، فإن أعلم الناس وأقربهم إلى الله تعالىٰ أشبههم بهم، وأعرفهم بطريقهم، إذ منهم أخذ الدين، وهم أصول في نقل الشريعة من صاحب الشرع، وقد جاء في الحديث: إذا اختلف الناس فعليكم بالسواد الأعظم، والمراد به لزوم الحق واتباعه، فإن كان المتمسك به قليلا، والمخالف له كثير، الآن الحق ما كان عليه الجماعة الأولىٰ، وهم الصحابة، ولا عبرة إلى كثرة الباطل بعدهم، وقد قال فضيل بن عياض: الزم طريق الهدى، ولا يغرك قلة السالكين، إياك وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين ."

''بے شک اتباع سنت آدمی کے واسطے اس زمانہ میں تمام اعمال سے بہتر ہے، اس واسطے کہ مدت دراز سے عمل بدعت برخلاف سنت پھیل رہا ہے، سو تجھ کو ضرور ہے کہ بدعات اور محدثات امور سے بہت ہی بچا رہے، اگرچہ ان محدثات امور پر بہت خلقت نے اتفاق کیا ہو، سو ان کے اتفاق سے محدثات امور پر، جو صحابہ کے بعد نکلے ہیں، فریب نہ کھانا، بلکہ تجھ کو یہی لائق ہے کہ صحابہ کے حالات اور اعمال کی تلاش میں رہ، کیونکہ سب سے بڑا عالم اور مقرب الٰہی وہی ہے، جو کہ صحابہ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور ان کے
طریقہ سے زیادہ واقف ہو، اس واسطے کہ دین انھی صحابہ سے حاصل ہوا ہے اور وہی اصل ہیں شریعت کی 9
نقل میں صاحب شرع سے، اور حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمیوں میں اختلاف پڑے تو لازم پکڑ وسواد اعظم (انبوہ کثیرہ) کو اور اس سے مراد لازم کر لینا حق کا اور اتباع حق کا ہے، اگرچہ حق پر چلنے والے کم ہوں اور غیر حق پر چلنے والے بہت ہوں، اس واسطے کہ حق وہ ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کرام ہوں اور صحابہ کے بعد انبوہ باطل کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ اختیار کر طریقہ ہدایت کا اور تجھ کو نقصان نہیں ہے اگر حق پر چلنے والوں کی تعداد کم ہو، اور بچتا رہ گمراہی کے راستہ سے، اور فریب میں نہ آنا بسبب کثرت تعداد گمراہوں کے۔''

پس اب بتاؤ کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھنے والی جماعت حقہ اہل حدیث ہیں یا اہل بدعت وقبر پرست لوگ؟ اگر تم کو قرآن وحدیث پر ایمان نہیں ہے، تو صوفیوں کے قول پر تو ایمان لاؤ اور فضیل بن عیاض امام الصوفیہ کے کلام مرقومہ بالا پر غور کرو کہ انہوں نے کیسا کلام حق کہا ہے؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ قول وجوبِ تقلید کون کون سے صحابہ سے مروی ہے؟ اور اگر سواد اعظم کے متعلق زیادہ بسط چاہتے ہو تو میرے رسالہ " التنقيد في رد التقليد" (ص: ۲۳ تا ۲۵) کا مطالعہ کرو۔

علاوہ بریں انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ میں بہ تحت حدیث: "اتبعوا السواد الأعظم"[1] مرقوم ہے:

"فهذا الحديث معيار عظيم لأهل السنة والجماعة، شكر الله سعيهم، فإنهم هم السواد الأعظم، وذلك لا يحتاج إلى برهان."

یعنی یہ حدیث اہلحدیث شکر اللہ سعیھم کے لیے معیار عظیم ہے، کیونکہ سواد اعظم وہی ہیں اور یہ بدیہی بات ہے، جس میں برہان کی ضرورت نہیں۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

مریب: ''پس جب بارہ سو برس کا مقبول اجماع شرک ٹھہرا، تو ہزار برس کے اجماع فاسد کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟''

مجیب: یہ کہنا آپ کا خود بناء فاسد علی الفاسد ہے، کیونکہ یہاں آپ کے تین دعوے ہیں:

۱۔ تقلید شخصی کی بابت اجماع۔

۲۔ اس اجماع کا مقبول ہونا۔

۳۔ صحیح بخاری کی صحت کی بابت اجماع کا فاسد ہونا۔

لیکن خیریت سے دلیل ایک کی بھی ندارد! پس بحکم ؂

من ادعیٰ شیئاً بلا شاهد

لا بد أن تبطل دعواه

لہٰذا آپ کا دعویٰ باطل و مردود ہوا، اب آپ کو لائق ہے کہ اپنے تینوں دعوؤں پر دلیل پیش کریں، لیکن یہ یاد رہے کہ ہرگز دلیل نہیں لا سکتے۔ ولو كان بعضكم لبعض ظهيراً !!

کیونکہ اولا جب سے تقلیدی عمل شائع ہوا ہے، ہر صدی میں جماعت کثیرہ اس کے مخالف رہی ہیں، تم کتب تواریخ وطبقات کا مطالعہ کرو، اگر بڑی بڑی کتب تواریخ میسر نہ آئیں، تو تاریخ ابن خلکان ہی کو دیکھو، پھر فرضی اجماع 10
اور وہ بھی اجماع فاسد اس کو ہم کیونکر قابل اعتبار سمجھیں؟ ہاں اجماع صحیح کو ہم واجب التسلیم جانتے ہیں۔ پس سنئے اور غور سے سنئے، میں آپ کو چیلنج دیتا ہو کہ اگر آپ صحیح بخاری کی صحت پر جو اجماع ہے، اس کا فاسد ہونا کتب معتبرہ و اقوال معتمد علیہا سے دکھا دیں گے، تو مبلغ پچاس روپیہ انعام آپ کو دیئے جائیں گے۔ آ ؤ غیرت ہو تو پیش کرو!! ؂

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

[1] سنن ابن ماجه، برقم (٣٩٥٠) اس حدیث کے متعلق امام بوصیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: في إسناده أبو خلف الأعمىٰ، واسمه: حازم بن عطاء، وهو ضعيف، وقد جاء الحديث بطرق، في كلها نظر، قاله شيخنا العراقي في تخريج أحاديث البيضاوي"

مریب: اور آج کتاب بخاری کے ثبوت میں پھر وہی اجماع، جو درحقیقت ثابت بھی نہیں ہے، پیش کیا جاتا ہے۔

مجیب: ہم حیران ہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اوپر کی تحریر میں تو صحیح بخاری کی صحت پر جو اجماع ہوا ہے، اس کا تم نے انکار کیا ہے، یہاں بخاری شریف کے ثبوت پر اجماع کے منکر ہو، کیسی بہکی بہکی باتیں ہیں!!

اے جناب! بخاری شریف کے ثبوت میں اجماع کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ اس کا وجود باسعود خود اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

دوئم: علماء کرام کا اس کو ہاتھوں ہاتھ لینا اس کی مقبولیت کی اعلیٰ دلیل ہے، دیکھو حافظ ابن حجر نزہہ میں فرماتے ہیں:

"جلالتهما في هذا الشأن وتقدمهما في تمييز الصحيح علىٰ غيرهما، وتلقي العلماء لكتابيهما بالقبول" [1] الخ.

''یعنی امام بخاری ومسلم کی فن حدیث میں بڑی شان ہے اور یہ لوگ صحیح کی تمیز کرنے میں دیگر محدثین سے مقدم ہیں اور علماء کرام نے ان دونوں کی کتابوں (صحیح بخاری ومسلم) کو دست قبول میں لے لیا ہے۔''

دیکھو اس سے صحیح بخاری کا کیسا ثبوت ہو رہا ہے؟ لیکن تم کو جو یہ دقتیں پیش آ رہی ہیں، اس وجہ سے کہ تم اجماع کی تعریف کو مطلقاً نہیں جانتے، اصول سے بالکل کورے ہو، اگر تمہارا یہ منشا ہے کہ صحیح بخاری کی صحت پر اجماع ثابت نہیں ہے، تو سنو حافظ ابن حجر۔عليه الرحمة من الله الأكبر۔شرح نخبہ میں فرماتے ہیں:

"فالإجماع حاصل على تسليم صحته." [2]

کہو تو ترجمہ بھی کردوں کہ بخاری کی صحت پر اجماع حاصل ہے۔؟! سنا یا نہیں؟ ؎

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہوگیا
روبرو ان کے جو آئینہ مقابل ہوگیا

عبارت مرقومہ کو غور سے دیکھو، پتھر کا چشمہ لگا لو اور اپنی فاسد رائے کو واپس لو، تم اوپر سے بہت اجماع اجماع لکھتے آئے ہو، سچ سچ بتاؤ کہ اجماع صحیح کے تم منکر ہو یا ہم؟ ؎

بند تہمت سے ہوا منہ مغوی مکار کا
پڑ گیا حلقہ گلے میں دستہ زنار کا

مریب: ''اگر اجماع حجت ہے تو سب چیز کے واسطے نہ صرف کتاب بخاری کے واسطے!''

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٦٠)

[2] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص:٦١)

11 **مجیب**: ہاں جناب! اجماع سب چیز کے واسطے حجت ہے مگر ان چیزوں کے لیے اجماع ثابت بھی تو ہو، آپ نے جن امور کی بابت اجماع کا دعویٰ کیا ہے، کسی معروف الاسم والرسم کا معتبر قول پیش کرو، جیسا کہ میں نے صحیح بخاری کی بابت اجماع کا ہونا پیش کر دیا، ورنہ اگر تم نے اجماع کو ایسا سمجھا ہے، جیسا کہ کسی حقہ پینے والے نے کہا کہ حقہ پینے پر بھی اجماع ہے، اس لیے کہ تمام شہروں میں لوگ اسے پیتے ہیں، تو ایسے اجماع کو ہم نہیں مانتے۔ ہاں جن جن مسائل شرعیہ میں نصوص صریحہ موجود نہیں ہیں، مگر وہ مسائل اجماع صحیح سے باسناد ائمہ ثقات ثابت ہیں، ان کو ہم ضرور قبول کریں گے، ورنہ ایسے اجماع کو تو دور سے سلام! ؂

اجماع مت سمجھ اسے ہے ابتلائے عام
صادق ہے اس پر حضرت مومن کا یہ کلام
اجماع وہ نہیں جو تمھاری مراد ہے
اور ہو تو حق پر لشکر ابن زیاد ہے

مریب: علاوہ اس کے اصح ہونا اور شے ہے اور واجب العمل ہونا دوسری شے، تم دونوں کو ایک کیے دیتے ہو، ہر اصح کا واجب العمل ہونا تو درکنار صحیح العمل ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

مجیب: واہ جناب! آپ کی علمیت بھی معلوم ہوگئی! سچ ہے ؂

زمانہ میں اگر ہوتا حصول علم بے محنت
تو بس ساری کتابیں ایک جاہل دھو کے پی جاتا

جس میں آپ کی ساری عمر کٹی ہے، وہی باتیں آپ کو سوجھ رہی ہیں، رفتہ رفتہ اسی طرح آپ قرآن پاک پر بھی ہاتھ صاف کریں گے۔ اجی حضرت! سنئے، حافظ ابن حجر شرح نخبہ میں لکھتے ہیں کہ آحاد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مقبول۔ ۲۔ مردود۔

مقبول کی تعریف یہ کرتے ہیں:

"وهو ما يجب العمل به عند الجمهور." [1] یعنی جمہور کے نزدیک واجب العمل کو مقبول کہتے ہیں۔

اور صحیح یہ بھی از قسم مقبول ہے، پس جب صحیح کا واجب العمل ہونا ثابت ہوا تو اصح کا واجب العمل ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا۔ کہئے! آپ کی تحریر کیسی غلط و باطل ثابت ہوئی؟ یہ تو ہر صحیح حدیث کے متعلق تھا، اب بخاری شریف کی حدیثوں کے متعلق خاص طور سے سنیے، علامہ حافظ ابن حجر نزهة النظر میں لکھتے ہیں:

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۲۰۱)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"إنما اتفقوا علیٰ وجوب العمل به." [1] انتھی.

"یعنی بخاری شریف کی حدیثوں کے واجب العمل ہونے پر اتفاق ہے۔"

اور چونکہ صحیح بخاری کی احادیث کے متعلق تمام علماء کا قول یہ ہے کہ ان کی حدیثیں اصح ہیں، لہٰذا ان کا واجب العمل ہونا آفتاب نصف النہار کی طرح درخشاں ہے۔ ع

اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

مولانا احمد علی صاحب حنفی سہارنپوری مقدمہ صحیح بخاری میں لکھتے ہیں: 12

"وأجمعت الأمة علیٰ صحة هذين الكتابين، ووجوب العمل بأحاديثهما." [2] انتھی

"یعنی بخاری ومسلم کی صحت پر امت کا اجماع ثابت ہے، نیز ان دونوں کی حدیثیں واجب العمل ہیں۔"

کہاں گئے حضرت! دیکھئے اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں، جن دونوں سے آپ کو انکار ہے، ایک تو بخاری کی صحت پر اجماع، دوسرے اس کی حدیث کا واجب العمل ہونا۔ اگر آپ بھی حنفی ہیں تو پھر اس حنفی کے قول کو تسلیم کریں، ورنہ ان القاب کو، جو آپ کو کسی حق گو نے دیئے ہیں، بخوشی تسلیم کریں۔ آہ! ؎

نہ تم صدمہ ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

مریب: اول چند نام محدثین کے جنھوں نے کتاب بخاری پر جرح کی ہے، معہ مختصر کیفیت جرح۔

مجیب: ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا

مریب: (۱) اول: امام مسلم نے، جو امام بخاری کے شاگرد ہیں، صحیح مسلم میں بخاری کی جرح میں ورق کا ورق تحریر کیا ہے۔

مجیب: محض غلط اور امام مسلم پر افترا ہے، کیا امام مسلم نے کہیں بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا نام لیا ہے؟ کیا امام مسلم نے حدیث معنعن کی جو بحث کی ہے، اس کے قائل صرف امام بخاری ہی ہیں؟ اگر تم مرد میدان ہو تو دونوں امور کو ثابت کرو، ورنہ ائمہ دین پر افتراء پردازی سے باز آؤ، اور اگر تم تحقیق کامل چاہتے ہو تو اس بحث کو کتاب:

"النجم الوهاج شرح مقدمة الصحيح لمسلم بن الحجاج للعلامة الشهير المحدث أبي الطيب العظيم

---

[1] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۲۰۲)

[2] مقدمه حاشيه صحيح بخاري (۴/۱)

آبادي." اور دوسری کتاب:"البحر المواج شرح مقدمة الصحيح لمسلم بن الحجاج للحافظ العلامة عبدالله الغازيفوري" میں مطالعہ کرو۔

مریب: جس کا ایک ٹکرا یہ ہے:

"قد تكلم بعض منتحلي الحديث من أهل عصرنا في تصحيح الأسانيد... إلى اخره."

"منجملہ منتحلین حدیث کے ہمارے زمانہ کے ایک آدھ شخص (امام بخاری) نے حدیثوں کے سند کے کھرے کھوٹے ہونے کی بابت منہ سے کچھ ایسی بات نکالی ہے کہ اگر ہم اس کا تذکرہ اور ایسے مضمون کی ابتری کے بیان سے ایک دم کنارہ کرتے تو پکا خیال اور ٹھیک چال ہوتی، اس لئے کہ پس انداز مضمون سے منہ پھیر لینا اس بات کے مٹا دینے اور کہنے والے کے نام گنوا دینے کے واسطے بہتر ہے اور یہ امر بہت ہی مناسب ہے کہ جاہلوں کو ایسی بات کے سرے سے اطلاع ہی نہ ہو مگر چونکہ انجام کار کی برائی سے اور نیز جاہلوں کے ساختہ پرداختہ بات پر دھوکہ کھا جانے اور خطا کاروں کی خطا اور نیز ان باتوں پر جو عالموں کی نظر سے گری ہوئی ہے دوڑ کر اعتقاد کر لینے سے ہم ڈرے، اس واسطے بقدرضرورت ایسی
کلام کی ابتری کھول دینا اور ایسی تقریر کا رد کرنا خلائق کے لیے رفاہ ہے اور نتیجہ بھی لائق سراہنے کے ہو 13
گا۔ ان شاءاللہ!

مجیب: **أولاً**: ترجمہ میں آپ نے اپنی جانب سے" امام بخاری" کا لفظ بڑھا دیا ہے، عبارت مسلم مرقومہ بالا میں کہیں امام بخاری کا ذکر کیا نام تک بھی نہیں ہے، اس لئے امام بخاری ہی کو متعین کرنا افتراء محض نہیں تو کیا ہے؟ و دونه خرط التقاد!

ثانیاً: امام مسلم جس امر پر جرح کر رہے ہیں، وہ مسئلہ یوں ہے کہ امام مسلم کے نزدیک عنعنہ میں معنعن کی صرف معاصرت شرط ہے، اور دوسرے محققین کے نزدیک محض معاصرت ہی نہیں بلکہ لقاء بھی شرط ہے، اور یہی مذہب صحیح ہے، جیسا کہ تمام اصولیین حتی کہ مولوی احمد علی حنفی نے بھی مقدمہ بخاری میں لکھ دیا ہے:"وهو الصحيح"[1] اگر تم کو کچھ بھی لیاقت ہو تو کتب اصول حدیث کو دیکھو اور پڑھو، مثلاً: " مقدمه ابن الصلاح و تدريب الراوى شرح تقريب النواوى اور فتح المغيث شرح ألفية الحديث "[2] وغیرہ کہ ان لوگوں نے کیسی صراحت کے ساتھ اس کو "هو الصحيح" لکھا ہے، اور یہ مذہب علی بن مدینی اور ابوبکر الصیرفی وغیرہ محققین کا بھی ہے، اور یہی

---

[1] مقدمه صحيح بخارى (٤/١)

[2] مقدمة ابن الصلاح (ص: ٣٦) تدريب الراوي (١/ ٢١٥) فتح المغيث (١٠/ ١٦٤)

مذہب جو سب محققین کا ہے امام بخاری کا بھی ہے۔

پس اس عبارت سے امام بخاری پر جرح کیونکر سمجھی گئی؟ بلکہ امام مسلم کے عصر میں کوئی ایسا شخص ہوگا کہ اس کا بھی یہی مذہب ہو جو کہ علی بن المدینی اور امام بخاری ؒ کا مذہب ہے اور وہ شخص امام مسلم کے نزدیک قابل جرح ہوگا، اس لیے اس پر اس قدر تشنیع کیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ امام مسلم ہر وقت امام بخاری کے مداح و ثنا خواں رہتے تھے اور ان کے فضل و کمال کے ہمیشہ مقر تھے، پھر ایسی سخت جرح امام مسلم کیونکر امام ہمام بخاری ؒ پر کر سکتے ہیں؟ مقدمہ فتح الباری کی فصل عاشر میں ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کو کہا: ''أشهد أنه ليس في الدنيا مثلك'' [1] یعنی امام مسلم نے امام بخاری کو کہا کہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ تمام دنیا میں علم و فضل میں تمہارا کوئی مثل نہیں ہے۔

''وروى البيهقي من طريق أبي حامد الأعمش يقول: سمعت مسلم بن الحجاج، وجاء إلى محمد بن إسماعيل، فقبل بين عينيه وقال: دعني حتى أقبل رجليك يا أستاذ الأستاذين، وسيد المحدثين، وطبيب الحديث في علله، '' انتهى. [2]

''یعنی امام مسلم امام بخاری کے پاس آئے اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ ہم کو اپنے پاؤں کا بھی بوسہ لینے دیجیے، اے استادوں کے استاد، اے محدثین کے سردار، حدیث کی بیماریوں کے طبیب،'' یعنی کھرے کو کھوٹے سے پہچاننے والے۔

اور شرح نخبہ میں ہے:

''اتفق العلماء على أن البخاري كان أجل من مسلم في العلوم، وأعرف منه بصناعة الحديث، وإن مسلما تلميذه وخريجه، ولم يزل يستفيد منه، ويتبع آثاره، حتى قال 14
الدارقطني: لولا البخاري لما راح مسلم ولا جاء. '' [3] انتهى

''یعنی تمام علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام بخاری امام مسلم سے علوم میں بڑھ کر تھے اور مسلم سے زیادہ کاریگری حدیث کو پہچاننے والے تھے اور اس بات پر اجماع کیا ہے کہ امام مسلم تلمیذ اور شاگرد تھے امام بخاری کے اور ہمیشہ مسلم امام بخاری سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ دارقطنی نے یہ کہا کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم کا پتہ بھی نہ ہوتا۔''

---

[1] هدي الساري (ص: ٤٨٥)

[2] هدي الساري (ص: ٤٨٨)

[3] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٢٠٨)

یعنی حدیث کی صنعتیں امام مسلم کو مطلق معلوم نہ ہوتیں، یہ سب امام بخاری کا امام مسلم پر فضل تھا، پھر کیونکر امام مسلم اپنے ماں باپ سے پیارے استاد پر ایسی سخت جرح کر سکتے ہیں؟ ع

این خیال است و محال است و جنوں

ثالثاً: معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سنی سنائی عبارت لکھ دی ہے، اگر آپ صحیح مسلم کو دیکھتے تو ساتھ اس کے اس کی شرح نووی کو بھی ضرور دیکھ لیتے، امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"وهذا الذي صار إليه مسلم، قد أنكره المحققون، وقالوا: هذا الذي صار إليه ضعيف، والذي رده هو المختار الصحيح، الذي عليه أئمة هذا الفن: علي بن المديني، والبخاري رحمهما الله وغيرهما." [1] انتهى

''یعنی امام مسلم جس مسئلہ کی طرف گئے ہیں، محققین نے اس کا انکار کیا ہے اور یوں کہا کہ امام مسلم جس امر کی طرف گئے ہیں، بالکل ضعیف ہے اور جس امر کا امام مسلم رد کر رہے ہیں، وہی پسندیدہ اور صحیح ہے اور اسی پر فن حدیث کے بڑے بڑے امام لوگ مثلاً علی بن المدینی اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔''

کہیے جناب! امام بخاری پر جرح ثابت ہوئی یا ان کی فضیلت نکلی؟ افسوس! ع

خود غلط بود انچہ تو پنداشتی [2]

پس آپ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جس قول کو پیش کیا تھا، وہ پایہ اعتبار سے خود ساقط ہے۔ اس لئے آپ کا دعویٰ بھی ساقط ہوا اور ہماری ڈگری بحال رہی کہ امام بخاری رحمہ اللہ وصحیح بخاری کی فضیلت مزید ثابت ہوگئی۔

کہیئے! کیسے لینے کے دینے پڑ گئے؟ ؎

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مریب: اور اسی وجہ سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں امام بخاری سے باوجود استاد ہونے کے کوئی روایت نہیں کی ہے۔

مجیب: ع۔

حقیقت شناس نئی دلبرا خطا اینجا است [3]

---

[1] شرح النووي على صحيح مسلم (١/ ١٢٨)

[2] خود غلط تھا جسے تو خیال کر رہا تھا۔

[3] محبوبا! تو حقیقت شناس نہیں یہی غلطی ہے۔

اے جناب! یہ وجہ نہیں ہے جس کو آپ نے اپنے زعم فاسد میں گمان کیا ہے، آپ کو اس قدر دقتیں جو پیش آ رہی ہیں، اس وجہ سے کہ آپ جامۂ جہالت سے آراستہ ولباس عداوت سے پیراستہ ہیں۔ اگر آپ کتب اسماء الرجال وطبقات کا مطالعہ کیے ہوتے اور اصول حدیث سے کچھ بھی خبر رکھتے، تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ امام بخاری و امام مسلم دونوں اکثر 15
مشارک فی الشیوخ ہیں، یعنی دونوں اماموں کے شیوخ واحد ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین ومحمد بن بشار وعثمان بن ابی شیبہ وغیرہم سے امام بخاری ومسلم دونوں ائمہ نے روایت کی ہے، اور محدثین کا مقصود اعظم و باعث افتخار امر یہ ہے کہ ان کے اسانید وطرق عالی مع صحۃ الاسانید ہوں اور امام مسلم کی اعلیٰ اسانید رباعیات ہیں، پس اگر امام مسلم انھی احادیث کو بواسطہ امام بخاری عن احمد بن حنبل روایت کرتے تو وہ اسناد اگرچہ صحیح تو ہوتی مگر نازل ہو جاتی یعنی خماسی ہوتی، پھر باوجود اسناد عالی کے اسناد نازل کو کیوں قبول کرتے؟ اور بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ کوئی سند امام بخاری کی نازل ہے، یعنی واسطہ اس میں زیادہ ہے اور مسلم کی سند عالی ہے جیسے روایت عباد بن موسیٰ الختلی کی کہ یہ مسلم کے بلا واسطہ شیخ ہیں اور بخاری کے بواسطہ شیخ ہیں اور اس کے سوا اور بھی وجوہ کثیر ہیں۔ للتفصيل مقام آخر، ہاں صحیح مسلم کے سوا دیگر کتب میں امام مسلم نے امام بخاری سے بکثرت روایت کیا ہے۔ كما صرح به النووي في تهذيب الأسماء، والحافظ في تهذيب التهذيب وفي الخلاصة۔ [1]

حاصل کلام یہ ہوا کہ محدثین کا عام قاعدہ ہے کہ جہاں تک ان کو سند عالی اور کم واسطہ کے طرق ملیں گے، اسی قدر وہ سند سافل اور زیادہ واسطہ والے طرق سے گریز کریں گے، دیکھئے امام مسلم نے اپنی صحیح میں جس قدر رباعیات کو بیان کیا ہے، اس میں انہوں نے اپنے ان شیوخ کو چھوڑ دیا ہے، جن سے وہ حدیثیں زیادہ واسطہ سے مروی ہیں، کیونکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے، واسطے کم ہوں، چونکہ امام مسلم کا امام بخاری سے روایت کرنے میں واسطہ بڑھ جاتا، اس لیے انہوں نے ان سے عدم روایت پر اکتفا کیا اور یہ عدم روایت اس امر کو مستلزم نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کو مسلم نے کمزور سمجھا، بلکہ انہی امام مسلم نے امام بخاری سے کہا تھا: "دعني أقبل رجليك يا أستاذ الأستاذين" دیکھو: تاریخ نیساپور للحاکم اور تهذيب الأسماء للنووي [2] جیسا کہ ابھی گزرا ہے، علاوہ بریں اگر کسی امام نے اپنے کسی شیخ سے کسی کتاب میں روایت کیا ہو اور کسی میں نہ کیا ہو، تو عدم روایت فی بعض الکتب اس امام و شیخ کا باعث ضعف نہیں ہے، جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ شاگرد ہیں امام مالک رحمہ اللہ کے، اگر امام صاحب امام مالک سے روایت نہ کریں، تو کیا امام مالک کی شان میں کچھ فرق آ جائے گا یا ان پر کسی قسم کی جرح ہو جائے گی؟

---

1. تهذيب الأسماء واللغات (١/ ١٠٠) تهذيب التهذيب (٩/ ٤١) الخلاصة للخزرجي (ص: ٣٢٧)
2. تهذيب الأسماء واللغات (١/ ١٠٠)

حالانکہ امام ابوحنیفہ نے اکثر مقام پر امام مالک سے روایت بھی کی ہے۔ دیکھو کتاب: تزيين الممالك بمناقب الإمام مالك رحمه الله للعلامة جلال السيوطي (ص: ١٨و ٣٣) لو ہم بھی اس کی کچھ 16
عبارت (ص: ٥٩) نقل کر دیتے ہیں:

”رواية أبي حنيفة عن مالك، ذكرها الدارقطني في كتاب الذبائح، وابن خسرو البلخي في مسند أبي حنيفة، والخطيب البغدادي في كتاب الرواة عن مالك، وذكرها من المتأخرين الحافظ مغلطائي في نكته على علوم الحديث لابن الصلاح، والشيخ سراج الدين البلقيني في محاسن الاصطلاح، وقال الشيخ بدر الدين الزركشي في نكته على ابن الصلاح: صنف الدارقطني جزءا من الأحاديث التي رواها أبوحنيفة، قال: وقال الحنفية: أجل من روى عن مالك أبو حنيفة، انتهى، قلت: وهذه العبارة تدل علىٰ أنه روى عن مالك عدة أحاديث... ثم وقفت علىٰ مسند أبي حنيفة لأبي الضياء الذي جمعه من خمسة عشر مسنداً، فرأيته أورد فيه من رواية أبي حنيفة عن مالك عن نافع عن ابن عمر... الخ [1] انتهى كلام السيوطي

”امام ابوحنیفہ کی روایت امام مالک سے ذکر کیا اس کو دارقطنی نے کتاب الذبائح میں اور ابن خسرو بلخی نے مسند ابوحنیفہ میں (جو مسند انھی حضرات کی بنائی ہوئی ہے) اور خطیب بغدادی نے ان راویوں کی کتاب میں جنھوں نے امام مالک سے روایت کی ہے اور ذکر کیا اس روایت کو متاخرین سے حافظ مغلطائی نے ابن صلاح کی علوم الحدیث کے نکت پر (جو انہوں نے لکھی ہے) اور شیخ سراج الدین بلقینی نے محاسن الاصطلاح میں، اور شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنی نکت بر ابن صلاح میں کہا کہ دارقطنی نے ایک حصہ چند حدیثوں کا تصنیف کیا ہے جس کو امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں زیادہ بزرگ ان لوگوں میں، جنھوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے، امام ابوحنیفہ ہی ہیں، میں کہتا ہوں یہ عبارت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ امام ابوحنیفہ نے امام مالک سے چند حدیثوں کو روایت کیا ہے، پھر میں ابو حنیفہ کی مسند پر واقف ہوا، جس کو ابوالضیاء نے پندرہ مسندوں سے جمع کیا ہے (اور امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کر دی ہے) پس میں نے دیکھا کہ اس میں امام ابوحنیفہ کی وہ روایت موجود ہے، جو امام صاحب امام مالک سے روایت کرتے ہیں اور امام مالک نافع سے اور نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں... إلى آخره“

پس جب امام مالک امام ابوحنیفہ کے شیخ ٹھہرے، تو اگر روایت ابوحنیفہ میں امام مالک کا طریق امام صاحب کی

[1] دیکھیں: تزيين الممالك (ص: ١١٩) النكت على ابن الصلاح للزركشي (١/ ١٤٨)

File C:\Books\Books\Books\Zubair Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

طرف بعض منسوب مسانید میں نہ ہو، تو کیا اس سے امام مالک پر جرح لازم آئے گی؟ اسی طور سے امام مسلم کا اپنی صحیح میں امام بخاری سے روایت نہ لانے کو بھی قیاس کر لیں۔ ع

17 ہاتھ لا! اے دوست! کیوں کیسی کہی؟

علاوہ ازیں آپ تو خود امام بخاری کو امام مسلم کا استاذ تسلیم کر رہے ہیں، پس کوئی جھگڑا نہیں۔ فالحمدللہ

مریب: اور کچھ امام مسلم پر ہی موقوف نہیں بلکہ صحاح ستہ والوں میں سے سوائے ترمذی کے اور کسی نے بھی بخاری سے روایت نہیں کی۔

مجیب: اجی حضرت! صحاح ستہ میں تو خود بخاری بھی داخل ہے، پھر صحاح ستہ والوں کا بخاری سے روایت کرنا چہ معنی؟! سنئے جناب! اس کی بھی وجہ وہی ہے جو امام مسلم کے نہ روایت کرنے میں بیان کی گئی اور ترمذی نے امام بخاری سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں ان کو اس سے بھی عالی سند نہیں ملی، سمجھ گئے یا نہیں؟ اور صحاح والوں کے عدم روایت سے امام بخاری کا امام الدنیا نہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آگے آپ نے بڑھ ہانکی ہے، بلکہ خود ان صحاح والوں کے اقوال امام بخاری کے امام الدنیا وسید المحدثین ہونے میں موجود ہیں، دیکھو: تهذيب الأسماء للنووی، [1] اور روایت کے متعلق مولوی احمد علی مرحوم کی عبارت آگے آتی ہے، فانتظر!

آپ ہم کو کیا سمجھتے ہیں؟ ہم وہ ہیں کہ ؎

غنچۂ گل کی طرح بند وہاں رکھتے ہیں
ہم بخاری کی خبر ورد زبان رکھتے ہیں

مریب: اور یہیں سے اس دعوے کا بے بنیاد ہونا بھی ظاہر ہوا کہ امام بخاری اپنے فن میں سارے جہان کے امام ہیں، کس واسطے کہ یہ لوگ اگر ان کو امام مانتے تو ان سے ضرور حدیث روایت کرتے اور ان کے شرائطِ روایت کے پابند ہوتے۔

مجیب: اس کا جواب اوپر ہو چکا ہے کہ کسی شخص کے امام الدنیا ہونے کے لیے دنیا کے ہر فرد کا اس سے روایت کرنا ضروری نہیں، اور اسی قدر کیا ہے جو ان سے نوے ہزار لوگوں نے الجامع الصحیح کو سنا، جیسا کہ مولوی احمد علی حنفی مقدمہ بخاری میں لکھتے ہیں:

"وقد روينا عن الفربري قال: سمع الصحيح من البخاري تسعون ألف رجل،" انتهى. [2]

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات (١/ ٩٣)

[2] مقدمہ حاشیہ صحیح بخاری (۴/۱)

File C:\Books\Books\Books\Bukhari Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی فربری (شاگرد بخاری ؒ) کہتے ہیں کہ اس صحیح کو امام بخاری سے نوے ہزار لوگوں نے سنا ہے۔''

اور آپ نے روایت کی بابت جو لکھا ہے کہ '' ان سے ضرور روایت کرتے'' اگر انہوں نے روایت نہیں کیا تو اور بہت سے لوگوں نے تو روایت کیا ہے؟ وہی آپ کے مولوی احمد علی صاحب حنفی مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"وقد روى عنه خلائق غير ذلك." [1] ''یعنی امام بخاری سے بہت سی مخلوق نے روایت کیا ہے۔''

" خلائق " جمع کثرت ہے، اور دیکھئے ائمہ صحاح میں اکثر کی روایت کی خود مولودی احمد علی صاحب حنفی نے تصریح کی ہے، لکھتے ہیں:

"ومن روى عنه من الأئمة الأعلام أبوالحسين مسلم بن الحجاج صاحب الصحيح، وأبوعيسىٰ الترمذي، و أبو عبد الرحمن النسائي... [2] الخ. 18

''یعنی امام مسلم وترمذی ونسائی نے بھی امام بخاری سے روایت کی ہے۔''

اب لیجئے آپ کا دعویٰ جس بناء پر تھا، وہ بناء خود ٹوٹ گئی، لہٰذا آپ کا دعویٰ باطل ہوگیا اور امام بخاری کا سارے جہان کا امام ہونا ثابت ہوگیا۔ باقی رہا یہ امر کہ امام مسلم نے جب امام بخاری سے روایت کی تو ان کے شرائط کے پابند کیوں نہیں ہوئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین شیخ کے مقلد نہیں ہوتے، بلکہ خود مجتہد ہوتے ہیں، ان کے اجتہاد میں جو بات آتی ہے، اس کے پابند ہوتے ہیں، لیکن آپ چونکہ مقلد ہیں، اس لئے تقلید کا پردہ آپ کے دل پر پڑ گیا ہے، اسی وجہ سے روشن بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی! ؎

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا ندے

مریب: دوم: ابن جوزی ؒ اتنے بڑے محدث نے موضوع (جعلی) حدیثیں بخاری میں چنی ہیں، دیکھو موضوعات ابن جوزی ؒ۔

مجیب: واہ جناب خوب! یہ وہی ابن جوزی ہیں نا جنہوں نے آپ کی اس حدیث کو بھی موضوع لکھ دیا ہے۔ (جو درحقیقت موضوع اور جعلی ہے)

"وعنه عليه السلام: أن آدم افتخر بي وأنا أفتخر برجل من أمتي اسمه نعمان، وكنيته أبوحنيفة، هو سراج أمتي." [3]

---

1. مصدر سابق
2. مصدر سابق
3. الموضوعات لابن الجوزي (٢/ ٤٧)

’’یعنی آنخضرت ﷺ نے (نعوذ باللہ) فرمایا کہ آدم نے میرے ساتھ فخر کیا اور میں اپنی امت کے ایک شخص کے ساتھ فخر کرتا ہوں، جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔ (عیاذاً باللہ)

ابن جوزی کے اس حدیث کو موضوع کہنے پر آپ لوگوں کو بڑا برا لگا کہ آپ کے فقہاء مصنف ضیاء معنوی اور درمختار والے نے لکھ دیا:

”وقول ابن الجوزي: إنه موضوع، تعصب.“ [1] انتهى

’’یعنی علامہ جوزی کا اس حدیث کو موضوع کہنا تعصب ہے۔‘‘

بڑے شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ جو حدیث فی نفسہ موضوع و مکذوب و مخترع وجعلی ہو، اس کو علامہ ابن الجوزی نے جو موضوع لکھا، وہ تو تعصب پر محمول ہوا اور جس صحیح حدیث کی تقلید میں علامہ ابن جوزی سے خطا واقع ہوئی، وہ محمول علی الصواب ہوگیا۔ تم کو اس کی خبر نہیں ہے کہ محققین علماء محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس کو علامہ ابن الجوزی نے موضوع کہا ہے، اگر اس پر دیگر علماء کی بھی موافقت ہے، تب وہ حدیث موضوع بالاتفاق ہے اور اگر ابن الجوزی اس کے موضوع کہنے میں متفرد ہیں، تب اس میں وجوہ وضع پر غور کرنا چاہیے اور اگر ابن الجوزی نے کسی صحیح حدیث کو موضوع کہا اور علماء نے ان کا تعاقب کیا، تو وہ ان کی خطائی الاجتہاد پر محمول ہوگا، کیونکہ ابن الجوزی کی تنقید 19
مثل تنقید محققین کے نہیں ہے، اس سے بہت مسامحت ہوئی ہے، اسی واسطے حافظ ابن حجر ؒ نے کہا ہے:

”إن تساهل ابن الجوزي وتساهل الحاكم أعدم النفع بكتابيهما،“ [2] انتهى.

اب یہ دیکھو کہ حدیث ” سراج أمتي “ کے موضوع ہونے پر اتفاقِ محدثین ہے یا نہیں؟

پس معلوم کرو کہ سارے محدثین نے مثل خطیب بغدادی و ابن حبان و ابن الجوزی و ذہبی و سیوطی وغیرہم نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال واللآلي المصنوعه میں مذکور ہے۔ [3] نیز مولوی عبدالحئی حنفی لکھنوی نے مقدمہ ہدایہ میں اس کے موضوع ہونے کو تسلیم کیا ہے، اور وہ صرف ایک حدیث صحیح بخاری کی، جس کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں داخل کیا ہے، اس پر ائمہ نقادین کی ایک جماعت کثیرہ نے تعاقب کیا ہے

---

[1] رد المحتار مع الدر المختار (١/ ٤٩)

[2] التعقبات للسيوطي (ص: ١)

[3] دیکھیں: تاريخ بغداد (٥/٣٠٨، ١٣/ ٣٣٥) الموضوعات لابن الجوزي (٢/ ٤٧) المجروحين لابن حبان (٣/ ٤٦) الضعفاء للأصبهاني (ص: ١٥٠) سؤالات حمزة (ص: ٢٦٨) تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي (ص: ١٥٩) الفوائد المجموعة (ص: ٤٢٠) السلسلة الضعيفة (٥٧٠)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اور ابن الجوزی کے کلام کو غلط و باطل ٹھہرایا ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ کہ ابن الجوزی نے موضوع حدیثیں (جمع کے ساتھ) بخاری میں چنی ہیں، یہ محض جھوٹ اور غلط اور باطل ہے، ابن الجوزی نے تو صرف ایک حدیث صحیح بخاری پر کلام کیا ہے اور اس کو بھی سب محققین ناقدین نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ ابن الجوزی کے کلام کو رد کر دیا ہے۔ تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابن الجوزی نے موضوع حدیثیں (یعنی بہت سی) بخاری میں چنی ہیں؟ تم اگر مرد میدان ہو، اپنے دعویٰ میں سچے ہو، شرم و غیرت والے ہو، تو تم کو لازم ہے کہ تین چار کو اصل کتاب میں ابن الجوزی سے پیش کرو، ورنہ ! ع

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن ❶

تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ابن الجوزی کون ہیں؟ وہی ہیں جو تمہارے چھوٹے خدا (یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ) سے ہر دم بحث و مناظرہ اور چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے، اگر ابن الجوزی کے اس قول (یعنی بخاری میں موضوع حدیث چننے) پر آنکھ بند کیے ہوئے "امنّا و صدقنا" کہتے ہو، تو یہ بتلاؤ کہ ان کی کتاب " تلبیس إبلیس" کو بھی مانتے ہو؟ تف ہے تمہاری اس عقل پر کہ ابن الجوزی پر تم نے ایسا افتراءِ عظیم باندھا ہے!!

سنو! امام سیوطی نے "التعقبات علی موضوعات ابن الجوزي" میں لکھا ہے:

"وبعد! فإن كتاب الموضوعات جمع الإمام الحافظ أبي الفرج عبد الرحمٰن بن علي بن الجوزي البكري رحمه الله، قد نبه الحفاظ قديما وحديثاً على أن فيه تساهلا كثيراً، وأحاديث ليست بموضوعة، بل هي من وادي الضعيف، وفيه أحاديث حسان، وأخرىٰ صحاح، بل وفيه حديث من صحيح مسلم، نبه عليه الحافظ أبو الفضل بن حجر، ووجدت فيه حديثا من صحيح البخاري من رواية حماد بن شاكر ❷ ... الخ

20 "یعنی حمد و نعت کے بعد ابن الجوزی نے جو کتاب موضوعات جمع کی ہے، اس کی بابت سلف و خلف کے حفاظ نے آگہی کر دی ہے کہ ابن الجوزی سے بہت تساہل ہوا ہے ، کیونکہ بعض ضعیف حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے بلکہ حسن حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا ہے، حتی کہ صحیح حدیثوں تک کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اس پر طرفہ یہ کہ اس میں ایک حدیث صحیح مسلم کی بھی ہے، بلکہ میں نے ایک حدیث صحیح بخاری کی بھی بروایت حماد بن شاکر اس میں پائی ہے۔"

اور دیکھئے علامہ سیوطی " كتاب التعقبات " کے آخر میں لکھتے ہیں:

"هذا اٰخر ما أو ردته في هذا الكتاب من الأحاديث المتعقبة التي لا سبيل إلى إدارجها في

---

❶ جب بے حیا ہو جائے، تو جو چاہے کر!

❷ التعقبات للسيوطي (ص: ١)

سلك الموضوعات، وعدتها نحو ثلاثمائة حديث، منها في صحيح مسلم حديث، وفي صحيح البخاري من رواية حماد بن شاكر حديث... [1] الخ.

''یعنی اس کتاب میں ان حدیثوں کو بیان کر دیا، جن کو موضوعات میں داخل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ حدیثیں شمار میں تین سو ہیں، جن سے ایک صحیح مسلم کی اور ایک حدیث صحیح بخاری کی بروایت حماد بن شاکر ہے۔''

جس سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی روایت ہرگز موضوع نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کے نہ سوچنے کا ثمرہ ہے!

ندامت ہوگی پیچھے سے نہ سوچو گے اگر پہلے
یہ دن کب دیکھتے صاحب ! اگر رکھتے خبر پہلے

مریب: (۳) سوم امام قسطلانی شرح بخاری کے جلد (۱) فصل (۴) میں جہاں کتاب بخاری کے وجوہات ترجیح اوپر مسلم کے بیان کرتے ہیں۔

مجیب: جزاک اللہ ! یہاں آپ نے سچ بات کو ظاہر کر دیا ہے اور اس بات کے قائل ہوگئے کہ کتاب بخاری کو مسلم کے اوپر ترجیح ضرور حاصل ہے، لہٰذا جرح کچھ بھی نہ ہوئی، کیا خوب

راہ پر ان کو تو لے آئے ہیں ہم باتوں میں
دو چار اور کھل جائیں گے ملاقاتوں میں

بے شک ہم نے بھی جب قسطلانی اٹھا کر جلد اول کی فصل چہارم دیکھی، تو ہم کو بھی اس میں یہی عبارت ملی:

"وقد اتفق الأمة علىٰ تلقي الصحيحين بالقبول، واختلف في أيهما أرجح، وصرح الجمهور بتقديم صحيح البخاري، ولم يوجد عن أحد التصريح بنقيضه." (قسطلانی: ۱/ ۴/ ۱۹)

''یعنی تمام امت نے بخاری ومسلم کو اتفاق کر کے دست قبول میں لے لیا ہے، ہاں بعض کا یہ اختلاف ہے کہ ان دونوں میں ترجیح کس کو ہے؟ جمہور نے صحیح بخاری کی ترجیح کو مقدم بالتصریح کیا ہے اور اس کے خلاف (یعنی مسلم کا بخاری پر ترجیح پانا) کسی سے صراحتاً ثابت نہیں ہے۔''

پس بحمد اللہ جو ہمارا مدعا تھا، اس کو آپ نے تسلیم کر لیا۔ ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ [كهف: ٦٤]

21 **مریب:** چہارم: قول اول، قول دوم۔

مجیب: اس کا جواب رسالہ " صراط مستقیم" (ص: ۵، ٦) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریب: پنجم: امام دارقطنی رحمہ اللہ، ششم: امام نسائی، ہفتم: ابن حزم ، ان سبھوں نے بھی اپنی اپنی

---

[1] التعقبات على الموضوعات للسيوطي (ص: ٦٠)

تصنیفات میں کتاب بخاری پر جرح وقدح کی ہے اور اسی طرح اکثر محدثین نے کتاب بخاری پر جرح و قدح کی ہے۔

مجیب: اولاً تو آپ نے ان کی جرح کی عبارتیں نقل نہیں کیں، نہ معلوم کس وجہ سے؟ یا تو آپ نے ان کو سمجھا نہیں، یا دیکھا ہی نہیں، رجماً بالغیب سنی سنائی کہہ دی ہے، پس آپ جب ان کی عبارتیں نقل کریں گے، تو ہم ان کا جواب بھی بالتفصیل دیں گے۔ اب ہم سے سنو کہ تم نے تین ائمہ کا نام لیا ہے: اول: دارقطنی، دوم: نسائی، سوم: ابن حزم، پس بے شک دارقطنی نے بعض احادیث صحیح بخاری پر استدراک کیا ہے، مگر ائمہ فن نے ہر ایک استدراک کا جواب کافی وشافی دیا ہے، چنانچہ کتاب "التعليق المغني على سنن الدارقطني" میں ہے:

"وصنف (الدارقطني) التصانيف، منها الاستدراك على الصحيحين، لكن هذا الاستدراك مبني على قواعد بعض المحدثين ضعيفة جدا مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم، فلا تغتر بذلك، قاله النووي ." [1] انتهى

''یعنی دارقطنی کی منجملہ بہت سی تصانیف کے ایک الاستدراك على الصحيحين ہے، لیکن یہ استدراک بعض محدثین کے قواعد پر مبنی ہے، جو بہت کمزور اور جمہور اہل اصول کے خلاف ہے۔ پس تم لوگ اس دھوکہ میں نہ آنا۔''

بلکہ دارقطنی کے کل استدراک کا جواب لفظ بہ لفظ فتح الباری شرح بخاری اور شرح مسلم للنووی میں موجود ہے۔ فی الحال علامہ زمان فاضل نوجوان ابو الطیب محدث عظیم آبادی، دارقطنی کی کتاب "التتبع والاستدراك" کا ایک مطولہ حاشیہ لکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اتمام کو پہنچائے، آمین۔

علاوہ بریں دراسات اللبیب میں ہے:

"وأجابوا عن ذلك، لما جعلوه هباء منثوراً، " انتهى. [ص: ٢٧٦]

''یعنی جن لوگوں نے بخاری پر جرح کی ہے، محدثین نے ان کے ایسے ایسے جوابات دیئے ہیں کہ ان کو اڑتا ہوا پراگندہ غبار کے مانند کر دیا ہے۔

باقی رہی نسائی کی جرح، تو یہ تمہارا افترا اور بہتان ہے، نسائی نے کہیں بھی جرح نہیں کی ہے، بلکہ وہ تو صحیح بخاری کے یوں مداح ہیں، جس کو مولانا احمد علی حنفی سہارنپوری مقدمہ بخاری میں نقل کرتے ہیں:

"وقال النسائي: أجود هذه الكتب كتاب البخاري ." [2] انتهى

---

[1] التعليق المغني على سنن الدارقطني (١/٧)

[2] مقدمہ حاشیہ صحیح بخاری (۱/۴)

''یعنی حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔''
اورنووی شرح مسلم (ص: ۵) میں ہے:
"وروينا عن الإمام أبي عبد الرحمن النسائي قال: ما في هذه الكتب كلها أجود من صحيح البخاري." انتهى۔ ترجمہ اس کا وہی ہے۔
باقی رہے ابن حزم، سو یہ وہی ہیں، جنھوں نے محلی شرح مجلی میں پچاسوں جگہ لکھا ہے:
"هذا أبو حنيفة قد خالف الله ورسوله."
اور وہی ابن حزم ہیں، جنھوں نے تقلید کے بارے میں لکھا ہے: " التقليد حرام "[1] پس بتلاؤ کہ ابن حزم کے ان اقوال کو بھی مانتے ہو یا نہیں؟ یہ تمہارا الزامی جواب تھا، اب تحقیقی جواب سنو! ابن حزم نے صحیح بخاری کی کسی 22
حدیث پر بھی جرح نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے صرف ایک حدیث کو جو فی الحقیقت متصل ہے، مگر بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہے، اس پر انقطاع کا حکم لگا دیا، حالانکہ فی الحقیقت منقطع نہیں ہے، امام نووی نے (ص: ٦) اس کی پوری بحث کی ہے:
وقال في آخر البحث: "ولم يصب أبو محمد بن حزم الظاهري حيث جعل مثل ذلك انقطاعا قادحا في الصحة، وهذا خطأ من ابن حزم من وجوه."[2] انتهىٰ مختصراً
''یعنی ابن حزم نے ایسی حدیث کو منقطع کہنے میں غلطی کھائی ہے، جو جرح ڈالنے والا ہے صحت میں، یہ ابن حزم کی کئی وجھوں سے خطا ہے۔''
پس آپ کی تحریر بالا کسی طرح حیز قبول میں نہیں آ سکتی۔ ہاں البتہ امام بخاری کی شان اعلیٰ ثابت ہوگئی اور یہ کچھ ہمارے دل کی بات نہیں۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم[3]

مریب: دوم: حنفیوں کے علماء کے چند نام جنھوں نے کتاب بخاری پر جرح کی ہے، مع مختصر کیفیت جرح۔
مجیب: واہ جناب! چمگادڑوں کا آفتاب سے مقابلہ؟ حنفی ہو کر محدثین پر جرح؟ پھر بھلا ان کی جرح کہاں

---
1. الإحكام في أصول الأحكام (٦/٢٩٦)
2. شرح النووي على صحيح مسلم (١/ ١٨)
3. آئینے کے پیچھے میں طوطے کی صفت رکھتا ہوں، جو استاد ازل نے کہا میں بھی وہی کہتا ہوں۔

تک حیز قبول میں آسکتی ہے؟ بلکہ ان کی جرح وقدح ہی سے بخاری کی شان کا اعلیٰ ہونا ثابت ہوگا، کیونکہ جو چیز جس قدر مقبول ہوگی، اسی پر انگلیاں زیادہ اٹھیں گی، اور جب خدا اور رسول اور قرآن پر تک جرح وقدح نہیں چھوٹی، تو صحیح بخاری پر جرح کیونکر نہ ہو؟ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

قيل إن الإله ذو ولد قيل إن الرسول قد كهنا
ما نجى الله والرسول معاً من لسان الورى فكيف أنا [1]

مریب: اول: علامہ عینی نے شرح بخاری میں کتاب بخاری پر جابجا جرح وقدح کی ہے۔

مجیب: اجی جناب! شارحین کا یہ عام قاعدہ ہوتا ہے کہ جس کتاب کی شرح کریں گے، اس کے مصنف پر اپنی لیاقت جتلانے کو ضرور اعتراض کر دیتے ہیں، پس یہ کسی قسم کی جرح وقدح نہیں ہوسکتی بلکہ اس کو جرح سمجھنا آپ ہی ایسے عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والے کا کام ہے، بلکہ علامہ عینی نے اپنی شرح بخاری (۱/ ۵) میں اس قدر امام بخاری کی تعریف کی ہے کہ ان کی عبارت قابل قدر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"الحافظ الحفيظ، الشهير المميز، الناقد البصير، الذي شهدت بحفظه العلماء الثقات، واعترفت بضبطه المشائخ الأثبات، ولم ينكر فضله علماء هذ الشأن، ولا تنازع في صحة 23
تنقيده اثنان، الإمام الهمام حجة الإسلام أبوعبد الله محمد بن إسماعيل البخاري ... الخ .
"یعنی حافظ نگہبان، مشہور تمیز کرنے والے، پرکھنے والے بینا، جن کے حافظہ کی معتبر علماء نے شہادت دی ہے، اور ان کے ضبط کا معتبر مشائخ نے اقرار کیا ہے اور نہیں انکار کیا ان کے فضل کا اس شان کے (یعنی معتبر) علماء نے، اور نہیں نزاع کیا ان کی جانچ و پڑتال کے صحیح ہونے میں دو شخصوں نے بھی، وہ امام ہیں، بزرگ ہیں، حجت ہیں اسلام کے، کنیت ابوعبداللہ نام محمد بن اسماعیل البخاری ؒ۔"

کہاں گئے حضرت مشتہر صاحب! اب بتلایئے کہ علامہ عینی نے امام بخاری کی تعریف کی ہے یا ان پر جرح کی ہے؟ کیا خوب! ۔ع

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

مریب: چنانچہ کتاب مذکور کے مقدمہ میں ایک قول یہ ہے:

"وقد طعن الدار قطني... إلىٰ آخره ." "اور تحقیق کہ طعن کیا دارقطنی نے اپنی کتاب میں جس کا نام الاستدراکات والتتبع علی البخاری ومسلم ہے، سو حدیث پر جو بخاری اور مسلم کی ہے، دوسرا قول یہ ہے:

"ولأبي مسعود الدمشقي... إلىٰ اٰخره."

---

[1] کہا گیا اللہ صاحب اولاد ہے اور رسول کاہن، مخلوق کی زبان سے اللہ اور رسول بچ نہیں پائے تو میں کہاں؟

’’یعنی ابومسعود دمشقی کے واسطے بخاری اور مسلم پر استدراک ہے۔‘‘

اور ایسا ہی ابوعلی غسانی کے واسطے ان کی کتاب تقييد المهمل في جزء العلل میں کتاب بخاری اور مسلم پر استدراک ہے۔

مجیب: تم نے جو یہ عبارت ’’ وقد طعن الدارقطني الخ ‘‘ والی علامہ عینی کی شرح بخاری عمدة القاری (ص:۱۱) سے نقل کی ہے، اس کی بابت اولاً تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ علامہ عینی نے کس محل پر اس کو لکھا ہے۔

اجی جناب! عینی نے تو گویا اعتراض کے دفع کے لئے اس بحث کو لکھا ہے، چنانچہ عینی کی اصل عبارت یہ ہے:

’’السابعة: في الصحيح جماعة، جرحهم بعض المتقدمين، وهو محمول على أنه لم يثبت جرحهم بشرطه، فإن الجرح لا يثبت إلا مفسرا مبين السبب عند الجمهور.‘‘[1]

’’یعنی بعض متقدمین نے صحیح بخاری کی ایک جماعت (رواة) پر جرح کی ہے، وہ جرح امام کی شرط کے خلاف ہے، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک ثبوت جرح تب ہوتا ہے جب وہ مفسر ہو، اس کے کل اسباب بیان کر دیئے گئے ہوں۔‘‘

پھر اس کے بعد وہ عبارت ہے: ’’ وقد طعن الدارقطني... الخ ‘‘ اب سمجھو کہ اس سے عینی کا مقصود کیا ہے؟

دوم: یہ کہ علامہ عینی نے نہ تو کتاب الاستدراک للدارقطنی کی طرف مراجعت کی ہے اور نہ ابومسعود دمشقی کی کتاب کی طرف اور نہ ابوعلی غسانی کی تقييد المهمل کی طرف، بلکہ عینی نے یہ عبارت نووی شرح مسلم سے نقل کی ہے، اصل عبارت نووی کی مع جواب کے (ص:۸) یوں مرقوم ہے:

’’فصل: قد استدرك جماعة على البخاري ومسلم أحاديث أخلّا بشر طهما فيها، ونزلت عن درجة ما التزماه، وقد ألف الإمام الدارقطني في بيان ذلك كتابه المسمى 24
بالاستدراكات والتتبع، وذلك في مائتي حديث مما في الكتابين، ولأبي مسعود الدمشقي أيضاً عليهما استدراك، ولأبي علي الغساني الجياني في كتابه تقييد المهمل في جزء العلل منه استدراك، أكثره علىٰ الرواة عنهما، وفيه ما يلزمهما، وقد أجيب عن كل ذلك أو أكثره وستراه في مواضعه،‘‘[2] انتهى كلام النووي .

’’یعنی ایک جماعت نے بخاری و مسلم کی حدیثوں پر استدراک کیا ہے، جن کو وہ دونوں امام اپنی صحیح میں اپنی شرط کے ساتھ لانے میں منفرد ہوئے ہیں، اور وہ حدیثیں گر گئی ہیں اس درجہ سے جس کا انہوں نے

---

[1] عمدة القاري (۱/ ۸)

[2] شرح مسلم للنووي (۱/ ۲۷)

التزام کیا ہے، اس کے بیان میں امام دارقطنی نے اپنی کتاب استدراکات اور تتبع تالیف کی ہے، وہ استدراک دوسو حدیثوں پر ہے، جو بخاری اور مسلم میں ہے، اور ابومسعود دمشقی نے بھی ان دونوں صحیحین پر استدراک کیا ہے، ایسا ہی ابوعلی غسانی نے بھی اپنی کتاب تقييد المهمل میں استدراک کیا ہے، زیادہ تر ان دونوں کے رواۃ پر ہے اور اس میں بتایا ہے جو ان دونوں کو لازم تھا اور تحقیق کہ ان ہر باتوں کا جواب دیا گیا ہے، جیسا کہ تو اسکی جگہ پر دیکھے گا۔'' ان شاء اللہ تعالی

پس نووی نے ہر ہر اعتراض کا جواب دیا ہے اور علامہ عینی نے بھی اس استدراک کو جرح نہیں سمجھا ہے، یہ تو آپ کی سمجھ کا قصور ہے، اور چونکہ وہ کل جروح مدفوع ہیں، اس لئے علامہ عینی نے (ص:۸) لکھا ہے:

''اتفق علماء الشرق والغرب علىٰ أنه ليس بعد كتاب الله أصح من صحيحي البخاري و مسلم ...إلى قوله: والجمهور على ترجيح البخاري و مسلم ...إلى أن قال: وهذا مذهب المحققين من الحنفية .'' انتهى

''یعنی مشرق سے مغرب تک علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد بخاری ومسلم سے کوئی زیادہ صحیح کتاب نہیں ہے اور جمہور نے بخاری کو مسلم پر ترجیح دی ہے، اور یہی محققین حنفیہ کا مذہب ہے۔''

پس علامہ عینی کا ایسا لکھنا اور اوپر دارقطنی والی عبارت کو نقل کرنا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود جرح کرنا نہیں ہے، بلکہ جرح کو دفع کرنا ہے۔ اگر تم بھی سچے حنفی ہو تو محققین حنفیہ کے اس مذہب قبول کرو، ورنہ اپنے خطاب پر خوش رہو!

من انچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال [1]

مریب: دوم: شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

'' قول اول: بہ تحقیق اخراج کردہ است مسلم در کتاب خود از بسیاری از رواۃ کہ سالم نیستند از غوائل جرح وہم چنیں در کتاب بخاری جماعت اند کہ تکلم کردہ شدہ است درایشاں الخ ،قول دوم: دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف ہمہ موجود است وتسمیہ آنھا بصحاح ستہ بطریق تغلیب است [2] (تا آخر ترجمہ)

مجیب: آپ نے شیخ صاحب کی عبارت کو خاک نہیں سمجھا۔ اجی حضرت! شیخ صاحب نے تو فتح القدیر کی

---

[1] میں شرط بلاغ کے مطابق تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں، تو میری بات سے نصیحت پکڑ یا ملال!

[2] شرح سفر السعادۃ (ص:۱۴،۱۶) مسلم نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں کو ذکر کیا ہے، جو کلماتِ جرح سے محفوظ نہیں اور اسی طرح بخاری میں متکلم فیہ رواۃ کی ایک جماعت ہے، ان چھ کتب میں احادیث از قسم صحیح، حسن اور ضعیف موجود ہیں اور ان کا نام صحاح تغلیباً ہے۔

عبارت کا صرف ترجمہ کیا ہے، شیخ صاحب کی کچھ اپنی تحقیق نہیں ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نقل امر اس بات کو مستلزم نہیں کہ ناقل کا اعتقاد بھی وہی ہو؟ بہر حال صاحب فتح القدیر اور شیخ عبدالحق کی عبارت کا پورا جواب باصواب صاحب دراسات اللبیب نے خوب دیا ہے، اس کا مطالعہ کرو۔ تب تمہارے جہل کا شافی علاج ہوجائے گا، کیونکہ صاحب دراسات نے سارے اعتراضات کو ھباءً منثوراً کر دیا ہے اور تم نے شیخ صاحب کے دوسرے قول کا بھی مطلب نہیں سمجھا، صرف شیخین کی کتاب کو تغلیباً صحاح نہیں کہتے بلکہ مجموعہ ستہ کو تغلیباً صحاح کہتے ہیں۔

پس یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحیحین میں صحاح و حسان و ضعاف کے ہمہ انواع ہیں، بلکہ سنن اربعہ میں یہ موجود ہیں اور ان سب مجموعہ ستہ کو صحاح تغلیباً کہتے ہیں، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ حکم الکل مستلزم حکم الجزء کو نہیں ہے، اگر آپ کو شک ہو تو انہیں شیخ صاحب کا قول صحیح بخاری کی بابت گوش گزار فرمائیے، شیخ عبدالحق صاحب دہلوی " أشعة اللمعات" (ص: ۱/ ۱۱) میں لکھتے ہیں:

''جمہور علماء برآنند کہ کتاب او در صحت مقدم است برجمیع کتب مصنفہ در حدیث تا آنکہ گفتہ اند کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔'' ❶

اب بتلائیے کہ آپکی سمجھ ہی کا پھیر تھا یا اور کچھ؟ ۔ع۔

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ تم سمجھو تو کیا سمجھو

مریب: سوم: ابن ہمام جن کا ایک قول فتح القدیر میں یہ ہے:

"وقول من قال: أصح الأحاديث ما في الصحيحين ثم ما انفرد به البخاري... (الی آخرہ)."

''یعنی جس کسی نے یہ کہا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جو مسلم و بخاری میں ہے، اس کے بعد صحیح وہ ہے جو بخاری میں ہے، اس کے بعد وہ حدیث جو مسلم میں ہے اور اس کے بعد جو حدیث بخاری و مسلم کے شرط پر ہو وہ حدیث دوسری حدیث سے صحیح ہے، اس کے بعد جو بخاری اور مسلم میں سے کسی ایک کے شرط پر ہو، پس ایسا کہنا اس شخص کی محض زبردستی ہے، اس قول کی پیروی ❷ جائز نہیں کس واسطے ❸ کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں کا صحیح ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں کتابوں کے راویوں میں وہ شرائط پائی جاتی ہے، جو امام بخاری و مسلم نے مقرر کیں ہیں۔

26

پس اگر وہی شرائط بخاری و مسلم کے علاوہ دوسری کتابِ حدیث کے راویوں میں بھی پائی جائیں تو اس

❶ جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ ان کی کتاب حدیث میں لکھی گئی تمام کتب پر مقدم ہے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ اَصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔

❷ متن میں تقلید کا لفظ ہے، جس سے تقلید کے عدم جواز کا ثبوت ہوتا تھا، آپ نے ترجمہ میں لفظ تقلید ہی اڑا دیا، پھر تقلید پر اتنا زور کیوں؟ (مؤلف)

❸ یہ کہاں کی اردو ہے؟ کس زبان میں یوں بولتے ہیں: ''کسواسطے کہ'' ؟! (مؤلف)

کے بعد پھر یہ بھی حکم کرنا کہ جو حدیث بخاری ومسلم میں ہے وہی صحیح ہے، بالکل زبردستی ہے (ختم ہوا ترجمہ فتح القدیر کا)۔

مجیب: افسوس صد افسوس کہ آپ فتح القدیر سے اتنی بڑی عبارت نقل کر کے لکھ گئے اور ابن ہمام کے مطلب کو خاک نہیں سمجھا، یہی آپ کی علیت کی بین دلیل ہے۔ کیا علامہ ابن الہمام صحیح بخاری یا امام بخاری پر جرح کر رہے ہیں؟ حاشا وکلا!

سنیئے اور غور سے سنیئے! علامہ ابن الہمام کا اعتراض محدثین کے درمیان مقررہ ترتیب پر ہے، نہ شرط وصحت بخاری پر، اگر نہیں سمجھے تو بالتفصیل سنئے، جن لوگوں نے حدیثوں کے صحیح تسلیم کرنے کی یہ ترتیب مقرر کی ہے، اس پر ابن الہمام اعتراض کر رہے ہیں کہ اسی شرط پر علاوہ بخاری ومسلم کے اور جگہ اگر حدیثیں پائی جائیں گی، تو ہم اس کو بھی ویسی ہی صحیح سمجھیں گے، نہ یہ کہ بخاری کی حدیثوں پر کسی قسم کی جرح ہے، گو یہ اعتراض بھی شیخ ابن الہمام کا غلط ہے، اور اس اعتراض باطل کے اجوبہ صحیحہ اصول حدیث میں موجود ہیں۔ [1] بہر حال اس اعتراض کو جرح علی رواۃ البخاری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ افسوس آپ کو مادہ تو ہے نہیں اور مرد مناظر بن کر میدان میں آنے کا حوصلہ ہے!ے

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہو اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مریب: اور اسی امر کے قائل بڑے بڑے علماء ہیں، جیسے محبّ اللہ بہاری و بحرالعلوم وغیرہ اور دوسرا قول جس کو مولوی حیدر علی فیض آبادی نے کتاب منتہی الکلام مطبوع نول کشور کے صفحہ پانچ میں لکھا ہے۔

مجیب: مجھے تمہاری حالت زار پر رحم کے بجائے افسوس آتا ہے کہ ائمہ دین ومحدثین پر جرح کرنے کے لیے غیر محدثین کے اقوال باطلہ پیش کرتے ہو اور وہ اقوال بھی کس کے! شیخ محبّ اللہ بہاری کے جن کو سوائے علوم آلات کے علم حدیث میں کچھ بھی دخل نہیں، ہاں ان کو شیخ الفلسفہ وشیخ اصول الفقہ کہو تو بہت صحیح و درست ہے اور حدیث کی کتاب تو انہوں نے غالباً سوائے مشکوۃ کے اور کچھ بھی نہیں پڑھا ہوگا، ورنہ تم تاریخ غلام علی آزاد بلگرامی کو

---

[1] صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو بوقت مقارنہ اس لیے ترجیح وفوقیت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ ان کی شرائط دیگر جامعین حدیث کی شرائط سے برتر اور اعلیٰ ہیں اور جو تلقی بالقبول اور ان کی صحت پر اجماعِ امت ان دونوں کتابوں کو حاصل ہے، وہ تیسری کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔ ثانی الذکر ہی وہ مزیت ہے جس سے شیخ ابن الہمام کے قول محدث کا فساد واضح ہوتا ہے، بایں طور کہ اگر صحیحین کے سوا کسی دوسری کتاب کے رواۃ یا احادیث میں ویسی ہی شروط صفات مجتمع ہو جائیں، جو صفات وشروط صحیحین کے رواۃ اور احادیث میں پائی جاتی ہیں، تو اس وقت دونوں کتب کی روایات کو یکساں حیثیت اور مقام حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ صحیحین کو جو تلقی بالقبول اور اجماع امت حاصل ہے، وہ تیسری کسی کتاب میں ناپید ہے، لہٰذا اس اجماع اور تلقی بالقبول کی بنا پر صحیحین کی احادیث کو ترجیح اور فوقیت حاصل رہے گی۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

دیکھ کر کے بتاؤ کہ شیخ محبّ اللہ بہاری کو علم حدیث میں کس سے سند ہے؟ پس جو شخص جس علم سے محض ناواقف و ناآشنا ہو، اس علم میں اس کے قول کو پیش کرنا جنون نہیں تو کیا ہے؟ علی ہذا القیاس بحر العلوم یعنی ملا عبدالعلی لکھنوی کہ علوم فلسفہ و منطق و اصول فقہ میں تو البتہ بحر ہیں، باقی علوم دینیات میں وہ بالکل لاشیءِ محض ہیں، ان کو علم حدیث سے کیا تعلق اور کیا سروکار ہے؟ ان کی کتاب ''ارکان اربعہ'' کو اٹھا کر دیکھو کہ ان کا مبلغ و انتہائے معلومات صرف سفر السعادۃ اور شرح مشکوۃ شیخ عبدالحق و فتح القدیر تک محصور ہے۔ ان کی نقل مشہور ہے کہ غزوۂ تبوک کو غزوہ بتوک 27
(بتقدیم الباء الموحدہ) کہا کرتے تھے۔

پس جس شخص کی علم حدیث میں یہ حالت ہو، اس کے قول کو پیش کرنا عبث اور فضول اور حماقت ہے۔ باقی رہے مولوی حیدر علی فیض آبادی وہ تو ''کے آمدی و کے پیر شدی'' کے مصداق ہیں، علاوہ ازیں شیخ محبّ اللہ بہاری و ملا عبدالعلی لکھنوی بحر العلوم اور مولوی حیدر علی فیض آبادی کا وہ مطلب نہیں ہے، جس کو تم نے سمجھا ہے، اور اگر تمہارا اور ان لوگوں کا ایک ہی مطلب ہے تو وہ قابل توجہ نہیں ہے، بسبب اس کے کہ ان لوگوں کو علم حدیث میں بالکل ناواقفی ہے۔ ہاں ائمہ دین معتبرین محدثین کی جرح و تنقید البتہ معتبر اور قابل توجہ و خطاب ہے، مجھے خطرہ ہے کہ تم اب دوسری تحریر میں یہ لکھو گے کہ میرے والد مولوی علی کریم نے بھی جرح کی ہے، تو کیا وہ قابل اعتبار ہو جائے گا؟ کلا واللہ ثم کلا واللہ !!

خیال کرنے کی بات ہے کہ مؤلف ہدایہ جو '' أعلم الناس في الفقه في عصره '' ہے، اس کی تنقید کا اعتبار حدیث میں نہیں کیا گیا، تو پھر فلاں فلاں مذکورین کیا شی ہیں؟!

شیخ عبدالحق دہلوی (جن کے کلام سے تم برابر استدلال لاتے ہو) شرح سفر السعادۃ، مطبوعہ کلکتہ (ص: ۲۹) میں فرماتے ہیں:

''مصنف ہدایہ رحمہ اللہ در اکثر بنائے کار بر دلیل معقول نہادہ اگر حدیثے آورد نزد محدثین خالی از ضعفے نہ، غالباً اشتغال وقت آں استاد در علم حدیث کمتر بودہ است انتہی۔''❶

اور مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے اپنی کتاب آثار مرفوعہ اور دیگر متعدد توالیف میں لکھا ہے کہ فقہاء جب کسی حدیث کو روایت کریں، تو وہ قابل اعتبار نہیں، جب تک محدثین اس کی موافقت نہ کریں۔ ❷

پھر جب ان کی روایتِ حدیث کا اعتبار نہیں تو محدثین پر ان کی جرح کا بدرجہ اولیٰ اعتبار نہ ہوگا۔ فافہم!

اور پھر تم نے ملا محبّ اللہ بہاری اور ملا عبدالعلی کی کتاب کا حوالہ بقید صفحہ کیوں نہیں دیا؟ خاک تم حوالہ کیا دیتے؟ تم نے تو یہ عبارت مولوی عبداللہ ٹونکی کے حاشیہ شرح نخبہ سے سرقہ کی ہے، انہوں نے (ص: ۲۱) ابن الہمام کے قول کو

❶ مصنف ہدایہ اکثر اوقات عقلی دلیل پر بنیاد رکھتے ہیں اور اگر کوئی حدیث لاتے ہیں تو وہ محدثین کے ہاں ضعف سے خالی نہیں ہوتی، غالباً اس وقت علم حدیث میں اشتغال کم تھا۔

❷ دیکھیں: الآثار المرفوعة (ص: ۸)

نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”وقد رضي به كثير من الفحول كالفاضل البهاري وبحر العلوم وغيرهما.“

پھر آگے جوٹونکی صاحب نے ابن الہمام کے کلام کی تردید کر دی ہے، اس کو ہضم کر گئے۔ دیکھو کہیں بدہضمی نہ ہوجائے؟ (چیرز!)

مریب: اور وہ یہ ہے:

بلکہ ملخص کلام قدوۃ المحدثین والفقہاء المتجرین کمال الدین ابن ہمام بایں عبارت میرسد کہ ضرور نیست کہ ہمہ روایت بخاری ومسلم و مانند ایشاں واجب القبول باشد زیرا کہ در جرح وتعدیل بعض از رواۃ اختلاف ممکن است، ممکن است کہ نزد امام ابوحنیفہ راوی مجروح باشد ونزد شیخین موثق“

”یعنی ابن ہمام کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں جس قدر حدیثیں ہیں، سب کا قبول
کرلینا ضرور نہیں کسواسطے [1] کہ بعض راویوں کے معتمد اور غیر معتمد ہونے میں اختلاف ممکن ہے، ممکن ہے 28
کہ نزدیک امام ابوحنیفہ کے راوی غیر معتمد ہو اور امام بخاری اور مسلم کے نزدیک معتمد۔

مجیب: شیخ ابن الہمام کا یہ قول، جو آپ نے نقل کیا ہے، لائق سماعت نہیں، کیونکہ یہ محدثین سے نہیں ہیں، چنانچہ ابن الہمام کے غلط قول رضاعت من الشاۃ والے کی بابت شیخ عبدالحق و ملاعلی قاری حنفی نے صاف یہ لکھا تھا: ”لا عبرة بقولهم لأنهم ليسوا من المحدثين“ [2] جیسا کہ ” العرجون القديم “میں لکھا گیا، اور محدثین پر فقہاء کی جرح غیر مقبول ہونے کی بابت ابھی اوپر بالتفصیل لکھا گیا۔ پس آپ غور سے سنیں کہ شیخ ابن الہمام نے اپنی تحریر و مسلک میں خرق اجماع کیا ہے، لہٰذا وہ قابل قبول نہیں ہے، بلکہ منظور فیہ ومتکلم فیہ ہے اور ان کے قول کی تردید کے واسطے ان کے شیخ واستاذ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحریر وتحقیق کافی ہے۔ چنانچہ ابن الہمام کے تمام توہمات وخیالات کا مفصل اور معقول جواب ان کے استاد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مثل شرح نخبۃ الفکر وہدی الساری وفتح الباری میں دیا ہے۔

اگر تم کو ابن الہمام کے شاگرد ابن حجر ہونے میں شک ہو تو تم فتح القدیر ”باب فضل ماء زمزم “میں دیکھو کہ ابن الہمام نے کس ادب سے اپنے استاد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا نام لیا ہے۔ [3] پس بمقابلہ کلام حافظ بن حجر کے ابن الہمام کے کلام کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ اس کے علاوہ صاحب کتاب دراسات اللبیب نے ابن الہمام کے ہر ہر

---

[1] پھر وہی جناتی اردو! (مؤلف)

[2] دیکھیں: الموضوعات الكبرى للقاري (ص: ٣٥٦)

[3] فتح القدير (٢/ ٥٠٧)

اعتراض کا کافی وشافی ووافی جواب دیا ہے۔ ❶ وللہ الحمد، افسوس! تم کو سمجھائیں کیونکر؟ آہ! ؎

علم ہے کچھ اور شے عقل ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

مریب: "انفرد البخاري بهم أربع مائة وخمسة وثلاثون رجلا، والمتكلم فيه منهم بالضعف نحو من ثمانين رجلا." (نزهة النظر)

''یعنی جو سب راوی بخاری کے ساتھ مخصوص ہیں (۴۳۵) ہیں، جن میں سے اسّی راوی ضعیف ہیں، فقط یہ ۸۰ کی تعداد بخاری کے ان راویوں کی ہے جو ضعیف ہیں، اور دوسرے راوی جو اور حیثیتوں سے مجروح ہیں، اس کے علاوہ ہیں۔''

مجیب: سبحانك هذا بهتان عظيم! ألله أكبر! اس کذب کی کوئی انتہا بھی ہے؟ تم نے جو نزهة النظر کا حوالہ دیا ہے، اس کو اس نزہہ میں کہیں نکال سکتے ہو؟ حالانکہ حافظ ابن حجر کی نزهة النظر میں کہیں پر من أوله إلىٰ آخره اس عبارت مذکورہ کا پتہ نہیں، بلکہ یہ عبارت مولوی عبداللہ ٹونکی کی ہے، جس کو انہوں نے حاشیہ شرح نخبہ (ص: ۸) میں شرح ألفيه سے نقل کیا ہے، اور پھر انہیں مولوی ٹونکی نے اسی حاشیہ شرح نخبہ (ص: ۶) میں اس کلام کا جواب بھی دراسات اللبیب سے نقل کیا ہے، اسے آپ اندرون شکم کر گئے؟ بہر حال اب اس انتقاد کا جواب 29
ہم سے سنئے، علامہ ابوالحسن حنفی سندی ثم المدنی نے "شرح نخبة الفكر" (ص: ۳۵) میں لکھا ہے:

"قلت: أجيب عنه بوجوه: الأول: ما جزم به الخطيب بأن ما احتج به البخاري و مسلم من جماعة علم الطعن فيهم من غيرهما محمول على أنه لم يثبت الطعن المفسر عندهما وغير المفسر ليس بمقدم على التعديل، الثاني: أن يكون الضعف طرأ على الراوي بعد أخذهما، كما جزموا في أحمد بن عبد الرحمن بن أخي عبد الله بن وهب أنه اختلط بعد الخمسين ومائتين بعد خروج مسلم من مصر، وإنما أخذ عنه مسلم قبل ذلك، الثالث: أن يكون ذلك الحديث عندهما ثابت بسند أصح إلا أنه نازل فلأجل العلو يرويان بسند فيه من فيه كلام، وأئمة الفن كان يظهر لهم من القرائن ما يدل على صدق الراوي مع كونه مطعونا." انتهىٰ

''یعنی میں کہتا ہوں اس انتقاد کا جواب یہ چند وجوہ ہے:

وہ جو خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ امام بخاری ومسلم نے ایسے جن راویوں سے حجت پکڑا ہے، جس میں دوسروں نے طعن کیا ہے، تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ شیخین کے نزدیک ان پر طعن مفسر ثابت نہیں ہوا اور طعن غیر مفسر تعدیل پر مقدم نہیں ہے۔

---

❷ دراسات اللبیب (ص: ۲۷۶)

یہ کہ راوی پر ضعف طاری ہوا ہو شیخین کے ان سے روایت لینے کے بعد، جیسا کہ لوگوں نے احمد بن عبدالرحمٰن جو بھتیجے ہیں عبداللہ بن وہب کے ان کی بابت کہا ہے کہ وہ مختلط ہوئے تھے ۲۵۰ھ میں چلے جانے کے بعد امام مسلم کے مصر سے اور سوا اس کے نہیں کہ امام مسلم نے ان سے قبل از اختلاط روایت لی تھا۔

یہ کہ وہ روایت (مطعون علیھا) شیخین کے نزدیک گو اس سے بھی زیادہ سند صحیح سے ثابت ہو لیکن وہ (بوجہ کثرت واسطہ کے اس کی سند) نازل ہو، پس شیخین نے بہ خیال سند عالی ایسے شخص سے روایت کیا ہو، جس میں کچھ کلام ہے (اور اس میں کوئی جرح نہیں ہے، اس لیے کہ اصل تقدیم از روئے مرتبہ کے سند عالی کو ہے، اب وجہ بیان کرتے ہیں،) اس لئے کہ ائمہ فن کو وہ قرینے معلوم رہتے ہیں، جو راوی کی صداقت پر باوجود متکلم فیہ ہونے کے دلالت کرتے ہوں۔''

دیکھو علامہ ابوالحسن حنفی نے کیسا فیصلہ کر دیا اور تم کو حنفی عالم سے جواب مل گیا۔ اب بتلاؤ تسکین ہوئی یا نہیں؟

اور بھی سنو! کتاب '' دراسات اللبیب'' (ص: ۲۷۶) میں ہے:

''أجابوا عن ذلك مما جعلوه هباء منثوراً، حتى حكم المتقنون حكما كلياً على ما نقل السيوطي عن النووي في شرح البخاري أن كل ما ضعف عن أحاديثهما، فهو مبني على علل ليست بقادحة، وحكموا كليا أن كل ما فيهما من الانقطاع والتدليس في الظاهر فليس ذلك به في الحقيقة، وقد صنف في تفصيل الرد والجواب عن حديث حديث أجزاء، 30

قال السيوطي: وقد ألف الرشيد العطار كتابا في الرد والجواب حديثا حديثا، وقال العراقي: قد أفردت كتابا لما تكلم فيه من أحاديث الصحيحين أو أحدهما مع الجواب عنه، وقد سود شيخ الإسلام ما في البخاري من الأحاديث المتكلم فيها في مقدمة شرحه، وأجاب عنها حديثا حديثا .'' انتهى

''یعنی جنھوں نے صحیحین پر جرح کی ہے، محدثین نے ان کے ایسے جوابات دیئے ہیں کہ ان اعتراضات کو پراگندہ غبار کر دیا ہے، یہاں تک کہ معتبر لوگوں نے بالکلیہ یہ حکم لگا دیا ہے، جس کو سیوطی نے نووی سے شرح بخاری میں نقل کیا ہے کہ صحیحین کی جتنی حدیثیں ضعیف کی گئی ہیں، وہ ایسی علتوں پر مبنی ہیں جس سے کوئی جرح واقع نہیں ہوتی، اور ان معتبروں نے یہ حکم بھی بالکلیہ لگایا ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثوں میں انقطاع اور تدلیس ظاہر میں معلوم ہوتا ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور تحقیق کہ تصنیف کئے گئے بہت سے رسالے رد اور جواب جرح میں ہر ہر حدیث کی طرف سے، اور سیوطی نے کہا کہ رشید عطار نے ہر ہر حدیث پر جو جرح ہے، اس کے رد اور جواب میں ایک کتاب تصنیف کر ڈالی ہے، اور عراقی نے کہا

کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے صحیحین یا صرف بخاری کی ان حدیثوں کی بابت جن پر جرح کی گئی ہے، اور ہم نے اس کا خوب خوب جواب دیا ہے، اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے اپنی شرح کے مقدمہ (ہدی الساری) میں بخاری کی ایک ایک حدیث کی طرف سے، جواب دیا ہے، جن پر کلام کیا گیا ہے۔''

اب بتلاؤ میاں مشتہر صاحب! تمہاری قلت علمی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل ہوسکتی ہے؟ اگر اس کا کوئی جواب تمہارے پاس ہے تو لاؤ پیش کرو، ورنہ ہماری وجدانی پیشین گوئی سن لو!۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مریب: پس اے ہمارے حنفی بھائیو!

مجیب: یہاں پر آپ نے تمام حنفیوں کو دھوکہ دیا ہے، کیا آپ حنفی ہیں؟ نہیں نہیں! ارے بھائی کیوں؟ اس وجہ سے کہ کسی حنفی محقق نے بخاری کے اصح الکتب ہونے پر اعتراض نہیں کیا، آخر ہیں کیا؟ شیعہ! کس وجہ سے؟ بابو حسن علی خان صاحب شیعہ کے لنگوٹیا یار ہونے کی وجہ سے ! آخر مضمون کس کی مدد سے تیار ہوتا ہے؟ انہیں خان صاحب کی وجہ سے جو کسی زمانہ میں زمیندار اور محلّہ سلطان گنج کے رئیس شمار کئے جاتے تھے، اب زمانہ کی گردش سے فضول خرچی میں مفلوک الحال ہوکر بزرگان دین اور ان کی کتابوں پر طعن و تشنیع کرنے کا شیوہ اختیار کیا ہے۔ 31

ارے مولوی عمر کریم کیونکر پھنسے؟ بھولے جاتے تھے، اس نے اپنے دام میں لاکر ان کو آڑ میں کھڑا کر کے بے شغلی کا شغل نکالا ہے! اوہو! ٹھیک ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی محبوب ہے اس پردۂ زنگاری میں

مریب: دیکھئے کہ بخاری میں نماز میں زور سے آمین کہنی اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنی حدیث میں موجود ہے۔

مجیب: شاباش! تم نے اتنا تو تسلیم کر لیا کہ بخاری میں زور سے آمین کہنے کی اور قرأۃ خلف الامام کی حدیث موجود ہے، ورنہ تمہارے حواری تو اس قدر بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حنفیت کے مدعیو! ذرا غور سے اس عبارت کو دیکھنا!!

مریب: مگر حنفی مذہب میں چونکہ وہ حدیث قرآن کے خلاف ہے، اس واسطے قبول نہیں کی گئی۔

مجیب: تو شائد حنفی مذہب کا قرآن اور ہوگا، جو امام قشیری کی صندوق میں بند ہوگا سمندر کے نیچے!! (شرم!) ارے میاں! اللہ سے ڈرو۔ ایسی جرأت و بیباکی و دریدہ دہنی پر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تم نے

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

آمین بالجہر کو حکمِ قرآن کے خلاف ٹھہرایا ہے، تو تمہارے نزدیک سارے ائمہ مالک و شافعی و احمد بن حنبل اور تمام محدثین جو آمین بالجہر کے قائل تھے، قرآن شریف کے مخالف ہوئے؟ نعوذ باللہ من ذلک!

اگر تمہارا حنفی مذہب قرآن کے مطابق ہے، تو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا﴾ [الجمعہ: ۹]

جس سے شہر اور دیہات سب جگہ میں نماز جمعہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، اب دیہات میں جمعہ نہ پڑھنا خلافِ قرآن شریف ہے یا نہیں؟ ع

اسی برتے پر تتا پانی؟

مریب: کس واسطے کہ حنفی مذہب میں بخاری کا درجہ قرآن سے زیادہ نہیں سمجھا جاتا ہے۔

مجیب: کیسی بہکی بہکی باتیں ہیں؟ اے جناب! آپ نے کس مذہب کی کتاب میں دیکھا ہے کہ بخاری کا درجہ قرآن سے زیادہ ہے؟ یہ سفید جھوٹ نہیں تو کیا ہے؟ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ تمام مذاہب والے بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔ پس جب بعدیت کی قید ہے تو مثلیت بھی نہیں ہوسکتی، چہ جائے کہ تزاید ہو؟! ع

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے

مریب: پس اگر مذہب حنفی میں بخاری کی سب حدیثیں واجب العمل ہوتیں، تو نماز میں زور سے آمین کہنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا بھی جائز ہوتا۔

مجیب: جائز کیا بلکہ سنت ہے، ابھی تک آپ کو حدیث کی تعریف بھی معلوم نہیں ہے؟ بخاری کی حدیثیں کیا معنی؟ اجی! حدیث تو رسول ☐ کی ہوتی ہے نہ بخاری کی، اگر آپ کو بخاری سے ضد ہے تو دیگر حدیث کی کتابوں 32
سے تو ضد نہیں، پس دوسری کتابوں میں جو آمین بالجہر وغیرہ کی حدیثیں صحیح اور واجب العمل موجود ہیں، ان پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ اصل تو یہ ہے کہ سرے سے آپ کو حدیث ہی سے انکار ہے، باقی یہ سب بہانے ہیں۔ ع

خوئے بد را بہانہ بسیار [1]

مریب: اور حالانکہ حنفی فقہ میں یہ دونوں باتیں منع ہیں۔

مجیب: بالکل غلط کہتے ہو اور فقہاء پر بھی اتہام دھرتے ہو، اگر ہم عدم منع کو فقہ سے ثابت کر دیں تو تمہاری کیا ناک رہے گی؟ سنو اور غور سے سنو!

ا۔ آمین بالجہر کے متعلق امام ابن الہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ جو فقہ کی معتبر کتاب ہے، اس میں لکھتے ہیں:

”ولو كان إلي في هذا شيء، لوفقت بأن رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف، ورواية

---

[1] بدخو کے لیے بہت سارے بہانے ہوتے ہیں۔

الجهر بمعنى قولها في زير الصوت وذيله" . ❶

''آہ! یعنی اگر اس کا فیصلہ میرے سپرد کر دیا جائے، تو میں یوں مطابقت دوں گا کہ آہستہ کہنے کی روایت سے مراد یہ ہے کہ کڑک سخت نہ ہو اور روایت جہر کی بمعنی کہنے آمین کے بیچ نرم آواز و ذیل اس کے۔''

کیوں جناب! آپ تو کہتے تھے کہ منع ہے؟ اس سے بھی تصریح سے سننا چاہیں تو سنیں!

۲۔ طحطاوی حاشیہ درمختار (جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے) اس میں ہے:

"فعلى هذا سنة الإتيان بها تحصل، ولو مع الجهر." ❷

''آہ! یعنی پس سنت اس بنا پر آمین کہنے کی حاصل ہوتی ہے، اگرچہ بلند آواز کے ساتھ ہو۔''

اور اس سے بھی صاف لفظوں میں سنئے!

۳۔ مولانا عبدالحیٔ حنفی مرحوم التعليق الممجد حاشيه موطا إمام محمد (یہ بھی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے) اس میں لکھتے ہیں:

"والإنصاف أن الجهر قوي من حيث الدليل ." ❸

''آہ! یعنی انصاف یہ ہے کہ آمین بآواز بلند کہنا باعتبار دلیل قوی ہے۔''

۴۔ اور وہی مولانا ممدوح سعایہ میں لکھتے ہیں:

"فوجدنا بعد التأمل والإمعان أن القول بالجهر بامين هو الأصح."❹

''یعنی ہم نے بعد تامل اور غور وفکر کے آمین کو زور سے کہنے کو صحیح پایا۔''

کہاں گئے مشتہر صاحب! فقہ کی ان عبارتوں کو غور سے دیکھو اور اگر حدیث پر عمل کرنے سے ضد ہے تو اس فقہ کی عبارت پر چلو۔ ورنہ معلوم ہوجائے گا کہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ ایسا ہی قرأت فاتحہ خلف الامام کی بابت بھی فقہاء کی رائے گوش گزار کرو!

۵۔ ہدایہ (۱/۱۰۱) (جس سے معتبر فقہ میں کوئی کتاب ہی نہیں!) میں ہے:

"ويستحسن علىٰ سبيل الاحتياط، فيما يروى عن محمد رحمه الله. ❺ انتهى

''یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی بہتر ہے احتیاطاً، جیسا کہ امام محمد سے مروی ہے''

---

❶ فتح القدير (١/ ٢٩٥)

❷ دیکھیں: حاشية الطحطاوى (١/ ٢٢٠)

❸ التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد (١/ ٢١٦)

❹ سعايه شرح وقايه (٢/ ١٧٦)

❺ الهداية (ص: ٥٤)

٦۔ اورسنو!" مجتبیٰ شرح قدوری " (جو فقہ حنفی کی کتاب ہے) اس میں ہے:

"في شرح الكافي للبزدوي: أن القرأة خلف الإمام حسن عند محمد رحمه الله".

''یعنی بزدوی کی شرح کافی میں ہے کہ امام محمد کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا بہتر ہے۔'' 33

٧۔ ایسا ہی مولانا عبدالحیٔ حنفی مرحوم " عمدة الرعاية حاشيه شرح وقايه " (جو فقہ کی معتبر کتاب ہے) اس میں لکھتے ہیں:

"وعلىٰ هذا فلا يستنكر استحسانها في الجهرية أيضاً." ❶

''یعنی بنا بریں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کے بہتر ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔''

٨۔ اور ملاجیون حنفی نے " تفسیر أحمدی " میں لکھا ہے:

"فإن رأيت الطائفة الصوفية، والمشائخين الحنفية، تراهم يستحسنون قراءة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد أيضاً." ❷ الخ

''یعنی پس اگر دیکھے تو گروہ صوفیہ اور مشائخین حنفیہ کو، تو دیکھے گا ان کو کہ اچھا جانتے ہیں پڑھنا سورہ فاتحہ کا واسطے مقتدی کے، جیسا کہ بہتر جانا سورہ فاتحہ پڑھنے کو امام محمد نے بھی۔''

٩۔ اور حضرت مخدوم شرف الدین بہاری جن کو تم پیغمبر کے درجہ میں سمجھتے ہو، ان کے ملفوظات مسمّی بہ ''خوان پر نعمت'' میں ہے:

''ازیں جا بعض بیچارہ عرضداشت کہ قرأت فاتحہ خلف الامام مقتدی را وعید است آنجا چہ کند فرمود قرأة فاتحہ بکند ومشائخ می خوانند الخ۔'' ❸

١٠۔ ایسا ہی مرزا مظہر جانجاناں ﷫ بھی قرأة فاتحہ خلف الامام کو قوی کہتے تھے، دیکھو: أبجد العلوم۔ ❹

الغرض اہل حدیث کے جس قدر مسائل ہیں، سب حدیث صحیح صریح کے علاوہ فقہ سے بھی ثابت ہیں، ❺ لیکن تم احناف کا کسی پر بھی عمل نہیں۔ اب کس منہ سے کہہ سکتے ہو کہ حنفی فقہ میں یہ دونوں باتیں منع ہیں؟ کیا جانتے نہیں مقابلہ کس سے ہے؟

مدعی مجھ کو کیا سمجھتے ہیں پھونک دوں گا آہ سوزاں سے

---

❶ دیکھیں: امام الکلام (ص: ٤١)

❷ تفسير أحمدى (ص: ٤٢٧) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: توضيح الكلام (ص: ٦٠)

❸ یہاں بعض بے چاروں نے کہا کہ مقتدی کے لیے قراءت فاتحہ خلف الامام وعید ہے، وہاں فرمان قراءت فاتحہ کا کیا جائے اور مشائخ بھی اسے پڑھتے رہے ہیں۔

❹ أبجد العلوم للنواب صديق حسن خان رحمه الله (٣/ ٢٢٧)

❺ مولانا عبدالجلیل سامرودی ﷫ نے "زهرة رياض الأبرار" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے اہلحدیث کے تمام امتیازی مسائل کو فقہ حنفی کی معتبر کتب سے ثابت کیا ہے۔ يسر الله لنا طبعه، نیز دیکھیں: حقيقة الفقه (ص: ٣٢٤)

مریب: اور اس امر کا بھی یقین کیجئے گا کہ کتاب بخاری صحیح مجرد ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس میں ضعیف اور منسوخ اور موضوع سب ہی قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔

مجیب: یہاں تو آپ نے اپنی سپیشل ڈیوٹی ''اغواء'' کو کما حقہ انجام دیا، اللہ اکبر صحیح بخاری اور اس میں ضعیف وموضوع حدیثیں؟!

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ [مریم: ۹۰]

جب تم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو خدا قرار دیا، بزرگان دین اولیاء کاملین کا درجہ مثل پیغمبروں کے مانا، قبر پرستی کو اپنا دین بنایا، تعزیہ پرستی کو اپنا شعار گردانا، رفض کو اپنا مذہب سمجھا، تو تم کو امام بخاری و صحیح بخاری کی اہانت کرنے میں کیا پرواہ ہے؟ ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں تمہاری یہ آزادی (اوپر سے دعویٰ مقلدیت کا!!) ترقی کرتی ہوئی دہریت تک نہ پہنچا دے اور خطرہ ہے کہ جس طرح صحیح بخاری کی شان میں کلمات بیہودہ لکھ کر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے ہو، اسی طرح کہیں آیات قرآنیہ کی شان میں بھی دریدہ دہنی کر کے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ نہ کرو۔ افسوس 34
کہ ان مبتدعین کا سنت مطہرہ و احادیث نبویہ پر اس قدر بیجا حملہ ہے اور آپ کی امت میں ہونے کا دعویٰ؟ گھبراؤ مت! تھوڑا صبر کرو، یوم الدین قریب ہے اور خدائے دیّان دیکھ رہا ہے، اسی روز حقیقت کھلے گی، جب کہ۔ ع

کھلیں گے دفتر شکایت کے واں پر ادھر ہمارے اور ادھر تمہارے

اب آپ کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ۔

پھرے زمانہ پھرے آسمان ہوا پھر جائے
تم نہ پھرو ان باتوں سے تم سے گو خدا پھر جائے [1]

مریب: امام بخاری رحمہ اللہ بھی آدمی تھے، یہ عقیدہ رکھنا کہ ان سے تمام کتابِ بخاری میں کہیں بھول چوک ہوئی ہی نہیں، اسی کا نام شرک فی الرسالۃ ہے۔

مجیب: بے شک امام الائمہ محمد بن اسماعیل البخاری افراد بشر میں ہیں، اور خطا ونسیان سے معصوم نہیں بلکہ ان سے خطا ونسیان ممکن ہے، اور ایک شخص بھی اہل حدیث میں سے ان کو معصوم نہیں جانتا، مگر یہ تو خیال کرو کہ جب امام بخاری نے سولہ سال کی جانفشانی میں محنت ومشقت سے چار ہزار حدیثوں کو علاوہ تعلیقات وشواہد ومتابعات و مکررات کے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کیا اور تمام عمر اس کی تحقیق وتنقید وتہذیب میں مصروف رہے اور پھر

[1] معترض کا کا کہا کہ ''کتاب بخاری صحیح مجرد ہرگز نہیں ہے'' صریحاً غلط اور حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے، کیونکہ صحیح بخاری کا تو امتیاز ہی یہ ہے کہ اس میں فقط صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں، جس کا قدیماً وحدیثاً تمام علماء اقرار کرتے آئے ہیں۔ دیکھیں: عمدة القاري (١/ ٥) المقنع لابن الملقن (ص: ٥٧) النكت للزركشي (١/ ١٦١) تدريب الراوي (١/ ٨٨) توضيح الأفكار (١/ ٣٨) توجيه النظر (١/ ٢١٤)

سارے ائمہ عصر نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور ان کی تحقیق وتنقید کو تسلیم کیا، تو بے شک عقل سلیم وفہم مستقیم بھی فتویٰ دیتی ہے کہ اب یہ کتاب مبارک " أصح الکتب بعد القرآن " عیوب سے پاک ہے اور اس میں بھول چوک نہیں ہے۔ وللّٰہ الحمد

ہاں شرک فی الرسالۃ کی ایک ہی کہی، اپنی بلا دوسرے کی گردن پر!! اے جناب! شرک فی الرسالۃ تو تقلید ہے، کیا آپ نے عرب کے اس مشہور جملے کو بھی نہیں سنا: " التقلید شَرَكَ الشِرك " یعنی تقلید شرک کا تسمہ ہے۔ کچھ نہیں تو آپ مسلم کے ان اشعار ہی کو سن لیں۔

جہاں خود سید کونین کی موجود سنت ہے
وہاں غیروں کے قول و رائے پر چلنا ضلالت ہے
رسول اللہ کے ساتھ اس مقلد کو بغاوت ہے
نہیں وہ اہل سنت! بلکہ مشرک فی الرسالۃ ہے
اگرچہ صورت اپنی اہل سنت کی بنائی ہے

مریب: پس جو حدیثیں دوسو برس کے بعد انتقال رسول اللہ ﷺ سے اور ڈیڑھ سو برس کے بعد امام ابوحنیفہ سے شرائط بخاری پر جمع کی گئی ہوں، اس کی پابندی امام ابوحنیفہ کو کیونکر ہوسکتی ہے؟

مجیب: امام بخاری کے شرائط تو یہی ہیں کہ راوی حافظ، ثقہ، متقن، ورع ہو اور وہ سند اعلال وشذوذ وانقطاع وغیرہا سے خالی ہو، پس یقیناً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی ان شرائط سے اختلاف نہیں ہے، اگر تم کو لیاقت ہے اور تم کو مل 35
سکے تو شرح اصول بزدوی کو دیکھو، بلکہ ہم کو تو یقین ہے کہ کسی اہل علم کو ایسے شرائط سے اختلاف نہ ہوگا۔ پس ایسے شرائط کی پابندی تو اہل علم پر بطور لزوم کے ہے، مگر تم بسبب اپنے جہل کے جو چاہو بکو، وہ لائق التفات نہیں ہے، اور چونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اشتغال تدوین احادیث کی طرف کمتر بلکہ اقل قلیل رہا اور نوبت رحلت وسفر کی نہیں آئی،[1] تو پھر ان کو احادیث صحیحہ کوفہ میں کتنی ملتی؟ اس سبب سے امام محمد نے مدینہ منورہ جا کر امام مالک سے حدیث روایت اور اخذ کی۔ چونکہ تم خود امام ابوحنیفہ کے ذکر کو چھیڑتے ہو اس لئے ہم کو مجبوراً کچھ لکھنا پڑتا ہے، پھر تمہارے بھائی اڈیٹر اہل فقہ کو برا لگتا ہے کہ ہمارے امام صاحب کی کسر شان ہوئی!! باقی اپنے ماقبل و مابعد کے مزخرفات کا جواب ''صراط مستقیم'' میں دیکھیں۔

مریب: چند احادیث بخاری کی جو کلام حق یعنی قرآن شریف کے خلاف ہیں:

حدیث اول: "المیت یعذب ببکاء الحي " یعنی مردہ پر زندہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔
(بخاری ۱/ ۷۲، مطبوعه أحمدی، باب ما یکره من النیاحة)

[1] دیکھیں: طحطاوی (۱/ ۳۵) حقیقة الفقه (ص: ۱۵۳)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

یہ حدیث ان چار آیت قرآنی کے، جو کلام حق ہے، خلاف ہے:

آیت اُول: ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔''

آیت دوم: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾

''جس کسی نے کیا برابر ننھی چیونٹی کے برا کام دیکھئے گا بدلہ اس کا اس کے برابر تول کے۔''

آیت سوم: ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾

''اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کیواسطے مگر اتنا جتنا اس نے کوشش کی۔''

آیت چہارم: ﴿ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴾

''یعنی قیامت آنے والی ہے چاہتا ہوں چھپا رکھوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص اپنی محنت کا۔''

مجیب: ؎

وكم من عائب قولا صحيحا

وآفته من الفهم السقيم

یہاں تم نے ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ والی مثل کو سچ کر دکھایا، کاش تم ایک ورق الٹ کر (ص:۱۷۱) دیکھ لیتے تو ہرگز یہ نہ لکھتے یا عمداً تم نے حق پوشی کی ہے؟!

سنو اور غور سے سنو! امام بخاری نے خود اس اعتراض کو ذکر کر کے جواب دے دیا ہے، چنانچہ ان کا باب مع ترجمہ عبارت کو سنئے، لکھتے ہیں:

"باب قول النبي ﷺ: يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه، إذا كان النوح من سنته، لقول الله تعالىٰ: ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ وقال النبي ﷺ: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، فإذا لم يكن من سنته، فهو كما قالت عائشة: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ وهو كقوله: ﴿وان
تدع مثقلة إلى حملها لا يحمل منه شيء﴾ إلى قوله: وقال النبي ﷺ: لا تقتل نفس ظلما إلا 36
كان علىٰ ابن آدم الأول كفل من دمها، وذلك لأنه أول من سن القتل، "[1] انتهى.

''یعنی یہ باب ہے فرمان میں آنحضرت ﷺ کے کہ مردہ عذاب کیا جاتا ہے بوجہ بعض رونے والوں اہل اس مردہ کے اس میت پر، (اب امام بخاری فرماتے ہیں) جب کہ نوحہ مردہ کے طریقہ سے ہو (یعنی اس میت کی زندگی میں یہ عادت جاری رہی ہو اور مرتے وقت اس نے اس سے منع نہیں کیا، تو گویا یہ اس کا

[1] صحيح البخاري كتاب الجنائز، قبل الحديث (١٢٢٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

مقرر کردہ طریقہ ہو، اور اس نے اپنی اور اہل وعیال کی دوزخ کی آگ سے نگہداشت نہیں کی، حالانکہ خدا کا حکم یہ ہے (جس کو دلیل میں ذکر کرتے ہیں) بوجہ فرمانے اللہ تعالیٰ کے اے لوگو! بچاؤ تم اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے (ورنہ قیامت کے روز تم سے ہر بات سے سوال ہوگا اور اس سے بھی پوچھے جاؤ گے کہ تم نے ان کو نوحہ سے کیوں نہیں روکا) فرمایا آنحضرت ﷺ نے کُل تمہارا نگہبان ہے اور (قیامت کے روز) اپنے رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا (اسی وجہ سے اس کو قبر میں عذاب ہوگا) پس جب نوحہ اس کے طریقہ سے نہ ہو (تو اس کو عذاب نہ ہوگا) جیسا کہ فرمایا حضرت عائشہ نے (اللہ تعالی کا قول) کہ نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا (اور جیسا حضرت عائشہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، ویسا ہی استدلال اس آیت سے بھی ہوتا ہے) کہ اگر پکارے کوئی بوجھوں سے دبا ہوا کسی کو اپنے گناہ کا بوجھ اٹھانے کو، نہیں اٹھایا جائے گا اس سے کچھ (اب امام بخاری تمثیلاً حضرت کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ) اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے نہیں قتل کی جاتی کوئی جان ظلم سے مگر آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ایک حصہ اس کے خون سے ہوتا ہے، کیونکہ پہلے پہل قتل کا طریقہ (رواج) اسی نے نکالا (اسی طرح سے جس شخص کے رواج سے میت پر نوحہ کرنا ہے، اس کو ضرور عذاب ہوگا، والا فلا۔ پس مراد امام بخاری کی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر (زندہ) کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں کیا جائے گا، جب تک اس شخص کے لیے اس فعل میں کچھ سبب نہ ہو)

کہاں گئے حضرت مشتہر صاحب! دیکھئے امام بخاری نے خود آپ کے اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب دے دیا ہے اور خود بتلا دیا کہ حدیث کا یہ مطلب ہے، اس وجہ سے قرآن شریف کے خلاف نہیں۔ [1]

اللہ رے اجتہاد! اور اس کو یہ کور باطن نہیں دیکھتے۔ اجی حضرت! ؎

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

37 **مریب:** افسوس کہ ایسی ایسی بے بنیاد اور بے سروپا حدیثوں نے اسلام کے نورانی چہرہ پر ایک بدنما داغ پیدا کر دیا ہے۔

مجیب: ان دنوں جس طرح آریوں اور عیسائیوں کا قرآن شریف پر حملہ ہو رہا ہے، ویسا ہی تمہارا حملہ

---

[1] یہاں بداہتاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث اور ایسے ہی دیگر اعتراض کردہ احادیث امام بخاری ؒ سے پہلے اور بعد میں اکثر محدثین اپنی کتب میں ذکر کرتے آئے ہیں، کسی نے کبھی ان پر اس طرح کا اعتراض نہیں کیا، پھر اکیلے امام بخاری ؒ ہی محل اعتراض اور ہدفِ تنقید کیوں؟؟ وما تخفي صدوهم أكبر !!

احادیث صحیحہ ثابتہ پر ہے، تم کو یہ نہیں معلوم کہ ایمان کے دو جزو ہیں، ایک تو خدائے وحدہ لا شریک لہ پر ایمان لانا، دوسرا محمد رسول اللہ ﷺ پر، خدا کے ایمان کے مقابلہ میں تم نے قبر پرستی کو سنت قرار دیا، جس سے توحید کے منکر ہوئے، اور احادیث صحیحہ ثابتہ کی شان میں یہ گستاخی و دریدہ دہنی کی کہ اس کو اسلام کا داغ دینے والا قرار دیا، جس سے اقوال رسول اللہ کا انکار ہوا، اب بتلاؤ کہ تمہارے پاس کون سا اسلام ہے؟ اور جب صحاح ستہ رخصت ہوئی، تب تم صحیح حدیث کہاں سے لاؤ گے؟ جس کا یہی نتیجہ ہوگا کہ احادیث کا وجود ہی غائب ہو اور آنحضرت ﷺ کے احکام درہم و برہم ہو جائیں، پھر تو ایمان کا کوئی جزو بھی باقی نہیں رہا۔ اب یہ بتلاؤ کہ تمہارے پاس تمہاری نجات کے لیے کیا رہا؟

﴿ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ أَفۡوَٰهِهِمۡۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبٗا ﴾ [الكهف: ٥]

تف ہے تمہاری ایسی سمجھ پر کہ حدیث شریف، جو آنحضرت ﷺ کا قول ہے، اسی نے اسلام کے چہرے پر داغ پیدا کر دیا، تو گویا (نعوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ نے اسلام کے چہرہ کو بدنما کر دیا! حالانکہ آپ نے اسلام کے مطلع حقیقت سے گرد و غبار کو دور کر کے اس کے چہرہ کا نکھرا رنگ دکھلایا۔ افسوس کہ ایسی الٹی سمجھ والوں نے اسلام کے پرفضا اور خوش منظر باغوں میں خزاں بن کر ستیاناس کر ڈالا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!!

مریب: حدیث دوم، باب جهر الإمام بالتأمين، وقال عطاء: أمن ابن الزبير ومن وراءه حتى إن للمسجد للجة ."

"یہ باب امام کے زور سے آمین کہنے کا ہے اور عطاء نے کہا کہ حضرت ابن زبیر نے آمین کہا اور ان لوگوں نے جو ان کے پیچھے تھے، یہاں تک کہ مسجد میں آواز بلند ہوگئی۔" (بخاری مطبوعه أحمدی: ١/ ١٠٧)

یہ حدیث[1] قرآن شریف کے، جو کلام حق ہے، خلاف ہے، یعنی قرآن شریف میں آمین[2] آہستہ کہنے کا حکم ہے، اور یہ حکم دو آیتوں کے ملانے سے نکلتا ہے:

آیت اول: ﴿ قَدۡ أُجِيبَت دَّعۡوَتُكُمَا ﴾ "تحقیق کہ تم دونوں کی دعاء قبول کی گئی۔" (سورہ یونس رکوع ۸)

یہ خطاب اللہ تعالیٰ کا طرف حضرت موسیٰ اور ہارون کے ہے، جس وقت وہ دونوں دعا کرتے تھے، مفسرین نے اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ ◆ دعا کرتے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے آمین کہنے کو بھی دعا قرار دیا اور یہ فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ پس اس آیت سے آمین کا دعا ہونا ثابت ہوا۔

مجیب: امام بخاری نے جس اثر کو نقل کیا ہے، وہ اور آمین بالجہر کی جس قدر احادیث ہیں کوئی بھی قرآن

---

1. ابھی تک آپ حدیث کی تعریف بھی نہیں جانتے، کیا اس کو حدیث کہہ سکتے ہیں؟ (مؤلف)
2. یہ قرآن شریف پر بھی اتہام ہے، کیا قرآن سے آپ کوئی آیت اس مضمون کی دکھا سکتے ہیں کہ آمین آہستہ کہو؟ (مؤلف)

کے خلاف نہیں، اس لئے کہ جس آیت کو آپ نے نقل کیا ہے، اس کا وہ شان نزول، جس کو آپ نے لکھا ہے، اس 38
میں آمین پر دعا کا اطلاق تغلیباً ہے اور اس کے علاوہ آپ کو اس کا شان نزول کتب حنفیہ سے لانا چاہیے، آپ کو کتب محدثین سے کیا سروکار؟ خیر قطع نظر اس کے جو روایت ابن مردویہ کی آپ نے نقل کی ہے، وہ صحیح سند سے ثابت نہیں، حافظ ابن حجر علیه الرحمة من الله الأكبر اپنی شرح فتح الباری (۲/ ۲۱۸ مصری) میں لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ: ﴿قد أجيبت دعوتكما﴾ كان موسىٰ داعيا و هارون مؤمنا كما رواه ابن مردويه من حديث أنس ...إلى قوله: إن الحديث في الأصل لم يصح،" انتهى.[1]

''یعنی ابن مردویہ نے انس کی روایت سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿قد أجيبت دعوتكما﴾ کے شان نزول میں جو یہ روایت کیا ہے کہ موسیٰ دعا کرتے تھے اور ہارون آمین کہتے تھے، درحقیقت یہ حدیث بسند صحیح ثابت نہیں ہوئی۔''

اور جب اس کا ثبوت صحیح نہیں تو پائے اعتبار سے ساقط ہوئی۔ پس جب آپ کے دعوے کی دلیل ساقط ٹھہری تو اس سے آپ کا استدلال کہ ''آمین دعا ہے''، ساقط ہوا، علاوہ بریں آمین کو دعا کہنا نحو و لغت و شرع سب کے خلاف ہے، اس لیے کہ اہل لغت کے نزدیک آمین اسم فعل معنی میں امر حاضر "استجب" کے ہے، یعنی قبول کر، اور جب یہ معلوم ہوا کہ آمین امر حاضر ہے، تو ثابت ہوا کہ آمین دعا نہیں بلکہ دعا اس کا لازم معنی ہے۔ فأنىٰ هذا من ذلك؟ اور شرع میں آمین کو ختم دعا یعنی مہر دعا قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ابوداود میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ باہر تشریف لیجاتے تھے، راستے میں ایک شخص کو دیکھا کہ بالحاح دعا مانگ رہا ہے، آپ نے فرمایا:

"إن ختم بآمين، فقد أو جب."[2] ''یعنی اگر اس شخص نے یہ دعا آمین پر ختم کی تو واجب ہی کر لی۔''

جس سے معلوم ہوا کہ آمین خود دعا نہیں بلکہ مہر دعا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شئے پر مہر کی جاتی ہے، وہ اور ہوتی ہے اور مہر دوسری شئے، ورنہ مہر اور مہر شدہ چیز کا اتحاد لازم آئے گا، جو مستحیل ہے۔ بہر حال تحقیق کی نظر سے دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ آمین کو دعا کہنا غلط و باطل ہے۔ ع

اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

مریب: اور حدیث مذکورہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی آمین کو دعا ہی قرار دیا ہے، جیسا کہ کہا ہے:

"قال عطاء: آمين دعاء." ''یعنی کہا عطا نے کہ آمین دعا ہے۔''

---

[1] فتح الباري (۲/ ۲٦٤)

[2] سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، رقم الحديث (۹۳۸) اس کی سند میں صبیح بن محرز ضعیف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مقبول" (تقريب التهذيب: ۲۷٤) نیز دیکھیں: فتح القدير للمناوي (۱/ ٥۹، ۳٤۳)

مجیب: امام بخاری نے صرف عطا کا قول نقل کر دیا ہے، اس سے امام بخاری کا مسلک نہیں معلوم ہوا کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے کہ آمین دعا ہے۔ اچھا اگر ثابت بھی ہوجائے کہ آمین دعا ہے اور امام بخاری کا بھی یہ مسلک ہو، تو دعا کے آہستہ کہنے کی کوئی دلیل قرآن سے ہونی چاہیے، نیز حدیث سے، کیونکہ حدیث نبوی سے بڑھ کر معتبر قرآن کی تفسیر کوئی نہیں ہے۔ پس اگر آہستہ ہی کہنا بسند صحیح ثابت ہوجائے، تو اسی کو اپنا عمل درآمد بنانا چاہیے، ورنہ جہاں جہاں دعا واذکار میں جہر ثابت ہے، اس کو جہر سے ادا کرنا ہوگا اور جس جس جگہ آہستہ ثابت ہو، اس کو آہستہ کہنا ہوگا۔ خود حنفیہ ہی اکثر دعا کو بالجہر پڑتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس میں جو ان کا 39
جواب ہوگا وہی ہمارا بھی! ۔ ع

پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی ❶

مریب: آیت دوم: ﴿ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ ﴾ (سورہ اعراف، رکوع: ٦)

''دعا مانگو اپنے پروردگار سے روکر پوشیدہ۔'' اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ دعا آہستہ مانگنی چاہیے۔

مجیب: کاش آپ اگر آیت کا صحیح ترجمہ کرتے تو خود اسی آیت سے آمین کے زور سے کہنے کا ثبوت ہوجاتا (بشرطیکہ آمین کو دعا مان لیا جائے) سنئے: تفسیر درمنثور (٣/ ٩٢) میں ہے:

"أخرج أبو الشيخ عن قتادة قال: التضرع علانية، والخفية سراً ."

اور تفسیر جلالین (١/ ٣، ٧ مطبوع مصر) جو درسی کتاب ہے، میں تحت قول اللہ تعالیٰ ﴿ تدعونه تضرعا وخفية ﴾ [الأنعام: ٦٣] کے لکھا ہے: " **تضرعاً علانية وخفية سرّاً** "

خلاصہ ہر دو تفسیر کا یہ ہوا کہ آیت میں ﴿ تضرعاً ﴾ کے معنی زور سے اور ﴿ خفية ﴾ کے معنی آہستہ ہیں، مطلب یہ ہوا کہ پکارو اپنے رب کو زور سے بھی اور آہستہ بھی، پس دعا کا زور سے مانگنا اور آہستہ مانگنا دونوں ثابت ہوا، اگر آپ قول قتادہ و تفسیر منقولہ از جلالین کو نہ مانیں، تو سنئے میں آپ کو ایسا قول اور ایسے شخص کا سناتا ہوں کہ اگر نہ مانیں......تو ہوجائیں!

ان سے مراد ہمارے حضرت ابن عباس ♦ ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے چچیرے بھائی اور مفسر قرآن ہیں، اور یہ وہ شخص ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی ہے:

" اللهم فقهه في القرآن " ❷ یعنی اے خدا تو اس (ابن عباس) کو قرآن میں سمجھ دے۔''

---

❶ یہ دفتر اختتام کو پہنچا، بات ابھی باقی ہے۔

❷ مسند أحمد (١/ ٢٦٦) المستدرك (٣/ ٢١٥) صحيح ابن حبان (١٥/ ٥٣١) بلفظ: "وضع يده على كتفي أو ←

اب ابن عباس جو قرآن مجید کی تفسیر کریں گے، وہ بوجہ دعاءِ آنحضرت ﷺ خدا کی طرف سے دی ہوئی تفسیر ہوگی، وہ تفسیر عباسی میں لکھتے ہیں:

﴿ تضرعاً ﴾ علانية ﴿ وخفية ﴾ سراً" یعنی اپنے رب کو پکارو زور سے اور آہستہ۔

(دیکھو تفسیر عباسی بر حاشیہ تفسیر در منثور: ۲/ ۱۰۰ و بر حاشیہ قرآن مجید مطبوعہ احمدی: ۲۲۳ ہند) ❶

پس جب قرآن کی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دعا زور سے اور آہستہ دونوں طریق سے کہہ سکتے ہیں، تو امام بخاری کا زور سے آمین کہنے کا باب باندھنا اور اسی کے مطابق آثار و حدیث لانا کسی طرح بھی قرآن شریف کے خلاف نہ ہوا، بلکہ اس آیت کریمہ کے موافق ہوا اور اس آیت کا مطلب حضرت ابن عباس و قتادہ کی تفسیر کے مطابق جو لکھا گیا وہی صحیح ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ تضرع کے معنی گڑگڑانے کے ہیں اور اکثر گڑگڑانا آواز بلند ہوا کرتا ہے، اس کی موید وہ آیت ہے جو کہ سورہ انعام میں ہے:

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ [الأنعام: ۶۳]

40 اور ظاہر ہے کہ حالت موج دریا میں آدمی بے اختیار ہو کر اللہ تعالیٰ کو آواز بلند پکارتا ہے اور آہستہ بھی پکارتا ہے، اسی کی حکایت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور چونکہ ذکر ﴿ تضرعاً وخفية ﴾ کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے، پس تقابل اسی کو چاہتا ہے کہ مراد ﴿ تضرعاً ﴾ سے گڑگڑاہٹ بآواز بلند اور ﴿خفية﴾ سے آہستہ ہو اور دعا کی یہ حالت بوقتِ گرداب کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں بھی انھی ابن عباس ♦ سے تفسیر عباسی میں منقول ہوا کہ: " تدعونه تضرعاً وخفيةسراً وعلانية" انتهى

اور لسان العرب میں ہے:

"وقوله عزوجل: ﴿تدعونه تضرعا وخفية﴾ المعنى تدعونه مظهرين الضراعة، وهي شدة الفقر والحاجة إلى الله عزوجل، " ❷ انتهىٰ.

اور یہ بھی اسی میں ہے:

"التضرع: التلوّي والاستغاثة، " ❸ انتهىٰ.

➜ على منكبي ... ثم قال: اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل. " اس حدیث کو امام حاکم، ابن حبان اور ذہبی ♦ نے صحیح قرار دیا ہے، نیز دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (۷۵)

❶ اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ♦ کی طرف کذباً وزوراً منسوب ہے، لہٰذا یہ حضرت عبداللہ بن عباس کی تحریر کردہ یا بیان کردہ تفسیر نہیں ہے۔

❷ لسان العرب (۸/ ۲۲۱) مطبوعہ دار صادر بیروت۔

❸ مصدر سابق

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ تضرع میں فریاد کا اظہار اور اکثر آ واز بلند ہوتا ہے، چنانچہ ان تحریروں کا ثبوت خود قرآن کی دوسری آیتوں سے ہوتا ہے، سورۂ مومنوں میں ہے:

﴿فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾ [المؤمنون: ٧٦]

اس آیت میں ﴿ ما يتضرعون﴾ سے مراد گڑگڑانا اور آ واز بلند زاری کرنا ہے اور وہ ایمان باللہ ورسولہ ہے۔ پس جب تک اقرار بالایمان نہ کرے گا اور تلفظ کلمہ شہادتیں زبان سے آ واز بلند نہ نکالے گا، اس وقت تک پیغمبر ﷺ یا دوسروں کو اس کے ایمان لانے کی خبر کیونکر ہوگی؟ ایسا ہی سورہ انعام میں ہے:

﴿ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

[الأنعام: ٤٢، ٤٣]

یہاں بھی مراد ﴿ يتضرعون﴾ اور ﴿ تضرعوا﴾ سے ایمان لانا ہے جیسا کہ اوپر گزرا، بلکہ اگر منصف مزاج بنظر غور وتعمق کے دیکھے تو آیت کریمہ:

﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [الأعراف: ٢٠٥]

سے اس بات کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ذکر و دعا کرنے کے لیے دونوں طرح سے اجازت دی ہے آہستہ بھی اور ہلکی آواز سے بھی (جو باعتبار آہستہ کے اونچی ہوگی) پس جہاں سنت نبویہ میں سّر ثابت ہے، وہاں دعا و ذکر آہستہ چاہیے اور جہاں جہر ثابت ہے وہاں جہر کرے، چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ (جن پر یہ آیت ﴿ ادعوا ربكم تضرعا و خفية﴾ نازل ہوئی ہے) انہوں نے فرمایا ہے کہ یہود لوگ آمین سے بہت چڑتے ہیں، پس تم لوگ امام کے پیچھے زور سے آمین کہا کرو، تاکہ وہ سنیں اور زیادہ چڑیں، چنانچہ "کتاب الترغیب" (ص: ١٠٢) میں ہے:

"عن عائشة عن النبيﷺ قال ما حسدتكم اليهود على شيء ماحسدتكم على السلام والتأمين، رواه ابن ماجه بإسناد صحيح، وابن خزيمة في صحيحه وأحمد، ولفظه: أن رسول اللهﷺ ذكرت عنده اليهود، فقال: إنهم لم يحسدونا على شيء كما حسدونا على الجمعة وعلى القبلة، وعلىٰ قولنا خلف الإمام آمين، ورواه الطبراني في الأوسط بإسناد حسن، وفيه: وقولهم خلف إمامهم في المكتوبة: آمين." [1] انتهى

41

خلاصہ یہ کہ یہود تمہارے سلام اور تمہارے قبلہ اور تمہارے جمعہ اور تمہاری آمین خلف الامام سے بہت چڑتے ہیں۔ پس جب تک آمین بالجہر نہ ہوگی یہود کے حسد کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اور یہ ظاہر ہے کہ ان دنوں بالجہر سے

[1] صحيح الترغيب والترهيب (١/ ١٢٤) نیز دیکھیں: سنن ابن ماجه برقم (٨٥٦) مسند أحمد (٦/ ١٣٤) صحيح ابن خزيمة، برقم (١٥٥) المعجم الأوسط (٤٩١٠)

کون چڑ تا ہے؟ جمعہ دیہات میں ہونے پر کون خفا ہوتا اور حسد کرتا ہے؟ وہ یہی حضرات حنفیہ مقلدین ہیں!!

چنانچہ مقلدین کا تشبہ اس امر میں ان یہودیوں سے صراحۃً پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الفوز الکبیر (ص: ٣٧) میں لکھتے ہیں:

"فإن شئت أن ترى أنموذج اليهود، فانظر إلى علماء السوء من الذين قد اعتادوا تقليد السلف، وأعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة." الخ

''یعنی اگر یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو آج کل کے مقلدین کو دیکھ لو۔'

پس اسی وجہ سے آمین بالجہر کہنا لازم ہے، تاکہ سنت پر عمل ہو اور چڑھنے والے چڑھیں! ع

چہ خوش بود کہ بیاید بیک کرشمہ دو کار ❶

اسی مضمون کو مسلم شاعر نے کیا خوب ادا کیا ہے۔

جناب عائشہ سے ابن ماجہ میں روایت ہے
کہ کہنا جہر سے آمین پیغمبر کی سنت ہے
بجا لانا اسے ایمان والوں کی علامت ہے
مگر چڑنا برا کہنا یہودیوں کی خصلت ہے
مسلمانو! تمھیں یہ خوئے بد کس نے سکھائی ہے؟

اور بفرض محال اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ قرآن کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ دعاء آہستہ ہی کیا کرو، تو بہت سی دعائیں خود حنفیہ بھی نماز میں زور سے پڑھتے ہیں، نصف آخر سورۂ فاتحہ یعنی ﴿ اهدنا الصراط المستقيم﴾ [الفاتحہ: ٦] سے آخر تک محض دعا ہے، اس کو خود حنفی، جو امام ہوتے ہیں، زور سے جہری نمازوں میں پڑھتے ہیں، پس جس پیغمبر نے اس دعا کو زور سے پڑھنے کی ہدایت کی ہے، اسی نے آمین کو بھی زور سے کہنے کی ہدایت کی ہے، اسی طرح قرآن شریف میں اور صدہا دعائیں ہیں، سب کو حنفیہ زور سے پڑھتے ہیں، جس قاعدہ سے آپ ان دعاؤں کو خاص کریں گے، اسی قاعدہ سے ہم بھی آمین کو خاص کر لیں گے۔ اب بولیے؟

بتاؤ تو نیچی نظر آج کیوں ہے
یہ کیوں وار پڑتا ہے اوچھا تمھارا

مریب: پس اب اس جگہ دو مقدمہ بنے، ایک یہ کہ آمین دعا ہے اور دوسرے یہ کہ دعا آہستہ کرنی چاہیے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے۔

❶ کتنا اچھا تھا ایک کرشمے سے دو کام ہوئے۔

مجیب: اخّاہ! گویا یہاں آپ نے اپنی منطق دانی کا ثبوت دیا ہے، لیکن واللہ اس سے آپ کی نادانی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اس شکل میں تقریب تام نہیں بلکہ قیاس کے دونوں مقدمے غیر مسلّم و شرائط انتاج مفقود ہیں، اس لئے کہ صغریٰ میں جو دعا کا لفظ ہے، وہ اصغر پر محمول ہے اور کبریٰ میں اکبر کا موضوع مکرر نہیں، صغریٰ میں آمین کو دعا مجازاً کہا گیا ہے، اور کبریٰ میں دعا کے حقیقی معنی مراد ہیں، پس حد اوسط میں تکرار کہاں ہوئی؟ جس کو ساقط کر کے نتیجہ نکالا جائے، صغریٰ آپ کا بدیہی البطلان ہے، جس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اور اس وقت ہم نے جو یہ کہا کہ صغریٰ میں آمین کو مجازاً دعا کہا گیا ہے، اس لیے کہ آمین اگر حقیقتاً دعا ہوتی اور صرف اسی لفظ سے جناب باری اردو میں عرض مطلب کرنا کافی ہوتا تو استقلالاً علی الانفراد اس لفظ کا دعا کے مقام میں تلفظ مثل دیگر ادعیہ کے ثابت ہوتا، لیکن ہرگز ایسا نہیں، صرف آمین مقام دعا میں بجائے الفاظ دعا کے کہنا بالکل مہمل اور بے معنی ہے بلکہ سبقتِ دعا اس کو لازم ہے، گویا اس کا حال بعینہ مؤکدات لفظی و معنوی کا حال ہے، جیسے " نفسه، عينه، كلها، كلهم، أجمعون " وغیرہ وغیرہ، اب صاف ظاہر ہوگیا کہ آمین پر دعا کا اطلاق مجازاً ہے، جس سے صغریٰ کا بخوبی ابطال ہوا۔ علی ہذا القیاس کلیت کبریٰ بھی باطل ہے، کیونکہ اس کی کلیت کے نواقض تو اس قدر ہیں، جو حد حصر سے باہر ہیں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ ﴿ اهدنا الصراط المستقيم﴾ جو آخر تک دعا ہے، اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا، ربنا لك الحمد جہراً ثابت ہے، خطبات میں ادعیہ کا جہر کسی پر مخفی نہیں، استسقاء میں جہر دعا سب جانتے ہیں، اب بھی اگر کلیت باقی ہے تو یہ وہ کلیہ نہیں جو کتب متداولہ منطق میں مذکور ہوتا ہے۔

دوئم یہ کہ حجت کو اوضح واَجلی ہونا چاہیے، آپ کے مقدمہ ''دعاء آہستہ کرنا چاہیے'' میں کس قدر ابہام اور خفا ہے؟ حکم شرعی کا اطلاق مندوب، مباح، واجب وغیرہ پر ہوتا ہے، حالانکہ الفاظ مشترکہ سے تعریفات میں سخت احتراز لازم ہے، اب اگر آپ امر کا لحاظ کر کے وجوب کا التزام کریں گے، تو بھی استدلال مشکل ہے، کیونکہ ہر امر کا وجوب کے لیے ہونا اس کلیہ کا بھی وہی حال ہے جو آپ کے مقدمہ کے کبریٰ '' دعا آہستہ کرنی چاہیے'' کا ہے، عمومی حالات میں تو اس کے لئے کوئی اصولی بھی قائل نہیں ہے۔ بہر حال آپ کے دونوں مقدمات کا غلط ہونا آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر ہے اور امام بخاری کا مسئلہ قرآن کے مطابق ہے۔ فتدبر و تدرب !! ؎

ناصحا! اتنا تو دل میں تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکہ نادان ہیں، کیا تجھ سے بھی نادان ہوں گے

43 **مریب**: حدیث سوم، ''لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ." یعنی جس نے نماز میں الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔ (بخاری مطبوعہ احمدی: ۱/۱۰۴، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم.)

یہ حدیث اس آیت قرآنی کے خلاف ہے:

﴿ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾(سورہ اعراف، رکوع آخر)

''جس وقت پڑھا جائے قرآن نماز میں، پس سنا کرو تم اس کو اور خاموش رہا کرو، تم امام کے ساتھ تلاوت نہ کیا کرو تم۔ فقط

مجیب: أولاً: یہ آیت نماز کے احکام میں تو نازل نہیں ہوئی، اس لئے اس کے ترجمہ میں نماز اور خلف امام کی قید لگانا ممنوع اور بالکل غلط اور باطل ہے، اس لئے کہ اس آیت کو نماز سے اتنا بھی تعلق نہیں جتنا کہ کسی پنڈت مہاتما کو گاؤ کے گوشت سے، بلکہ اس آیت کے شان نزول میں علامہ حافظ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں:

"قال كثير من المفسرين في قوله: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ أنها نزلت في الخطبة،"[1] انتهى.

"یعنی اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ آیت ﴿ وإذا قرئ القرآن... ﴾ خطبہ کی بابت نازل ہوئی ہے۔"

پس جب اس آیت کا شان نزول استماع خطبہ کے متعلق ہے، تو معلوم ہوا کہ نماز سے اس کو علاقہ نہیں۔ لہٰذا وہ حدیث، جس کو امام بخاری لائے ہیں، قرآنی آیت کے ہرگز خلاف نہیں۔

ثانیاً: دوسری دلیل اس آیت کے قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نہ ہونے کی اور بخاری کی حدیث قرآن کے مخالف نہ ہونے کی یہ ہے کہ آیت ﴿ وإذا قرئ القرآن... ﴾ مکی ہے جو قبل ہجرت کے نازل ہوئی۔ (دیکھو: تفسیر اتقان وغیرہ) اور حدیث " لا صلوة ...الخ "[2] اس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت ♦ ہیں، جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ حدیث قراءت فاتحہ خلف الامام کو حضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ آیت ﴿ وإذا قرئ القرآن... ﴾ ہرگز قراءت خلف الامام کی ممانعت میں نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا شان نزول کوئی دوسرا ہے، ورنہ آنحضرت کا باوجود قرآن کے منع کر دینے کے ایسا حکم فرمانا لغو اور باطل ہے۔ (عیاذاً باللہ) بہر حال بخاری کی حدیث آیت قرآنی کے ہرگز مخالف نہیں۔

ثالثاً: اگر یہ مان لیا جائے کہ آیت مذکورہ قرأۃ خلف الامام ہی کی بابت نازل ہوئی ہے، تو بھی کچھ قباحت نہیں، اس لئے کہ اس آیت سے قرأۃ خلف الامام کی ممانعت ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے قرأۃ خلف امام کا حکم نکلتا

---

[1] التلخيص الحبير (٢/ ٥٧) نیز فرماتے ہیں: "وقد روى الدارقطني من حديث أبي هريرة أنه قال: نزلت في رفع الصوت، وهم خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الصلوة، وفي إسناده: عبد الله بن عامر الأسلمي، وهو ضعيف "

[2] دیکھیں: صحيح البخاري، برقم (٧١١) صحيح مسلم، برقم (٥٩٨)

ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وأنصتوا﴾ اور انصات کے معنی علامہ طاہر حنفی مجمع البحار میں سکوت کے لکھتے ہیں اور سکوت کے معنیٰ عدم الجہر کے کرتے ہیں بدلیل حدیث "ما تقول بين إسكاتك... الخ" دیکھو: مجمع البحار (١/ ١٢٥ و ٢/ ٣٦١)

پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان بھی لگائے رہو اور آہستہ پڑھتے بھی جاؤ، اور یہی ہمارا مدعا ہے، پس بخاری کی حدیث قرآن مجید کی آیت کے عین موافق ہے۔ 44

رابعاً: اگر انصات کے معنی عدم الجہر کے بھی نہ کئے جائیں اور اس آیت کو نماز ہی کے لیے مخصوص مانیں تو بھی اس کے بعد والی آیت کو ملانے سے پورا مطلب حل ہوجاتا ہے اور مدعا بر آتا ہے، اصل پوری آیت یہ ہے:

﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾

[الأعراف: ٢٠٤، ٢٠٥]

اب اس کا ترجمہ مع مطلب غور سے سنو! خود یہ آیت قرأت فاتحہ خلف الامام کے ثبوت پر کافی دلیل بن جاتی ہے: خدا فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنتے رہو اور خاموش ہوجاؤ شائد تم رحم کئے جاؤ۔ (اب یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ کہیں اس آیت کے دیکھتے ہی سورہ فاتحہ خلف الامام کو چھوڑ دو؟ نہیں نہیں) بلکہ اپنے پروردگار کا ذکر (یعنی قرآن! بدلیل ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ [يٰسين: ٦٩] یعنی ذکر سے مراد قرآن ہے، اس قرآن کو) اپنے نفس میں کر (یعنی پڑھ اس جگہ ابوہریرہ کی مسلم والی حدیث "اقرأ بها في نفسك"[1] بالکل آیت کے موافق ہوتی ہے، اب یہاں سے اس امر کی تشریح خدا کرتا ہے کہ ہم نے ﴿فاستمعوا له وأنصتوا﴾ سے کیا مراد لیا ہے یعنی ﴿دون الجهر من القول﴾ پکار کر کے (سورہ فاتحہ کو) نہ پڑھیں (بلکہ آہستہ اپنے نفس میں پڑھیں، اس کی ممانعت نہیں کی جاتی، ابھی اور بھی تشریح ہوتی ہے کہ ﴿بالغدو والأصال﴾ یعنی) صبح کے وقت (فجر کی نماز میں) اور شام کے وقت (مغرب وعشاء کی نماز میں مطلب یہ کہ انھی تین وقتوں میں امام جہر سے پڑھتا ہے، تو تم ﴿فاستمعوا...﴾ کو دیکھ کر سورہ فاتحہ نہ چھوڑ دینا بلکہ تم جہری نمازوں "**غدو**" اور "**أصال**" میں بھی برابر نفس میں ذکر کرتے جاؤ، (یعنی دوسرے الفاظ میں سورۂ فاتحہ پڑھو، اب اس سے بھی زیادہ تشریح ہوتی ہے) ﴿ولا تكن من الغافلين﴾ یعنی کہیں ﴿لا تقربوا الصلوة﴾ کی طرح صرف ﴿إذا قرئ القرآن﴾ (تا) ﴿ترحمون﴾ کو دیکھ کر سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے) غافل نہ ہوجانا (خبردار!)

---

[1] صحيح مسلم: كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، رقم الحديث (٣٩٥)

جناب من اس پر بار بار نظر ڈالئے اور اچھی طرح ذہن نشین کیجئے کہ اس آیت سے بھی سورہ فاتحہ کا خلف الامام جہری نمازوں میں پڑھنا ثابت ہوگیا اور بخاری کی حدیث کا قرآنی آیت کے مطابق ہونا نکل آیا، اور یہ تشریح آیت مرقومہ کی جو ہم نے لکھی ہے، کچھ ہمارے دل کی بنائی ہوئی بات نہیں ہے، بلکہ امام المفسرین امام فخر الدین رازی ﷫ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔[1] ع

انچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم [2]

خامساً: اور یہ آیت کافروں کے اس مقولہ کے جواب میں نازل ہوئی ہے، جس کو خدا نے حم السجدہ میں فرمایا ہے۔[فصلت: ٢٦] جیسا کہ ''صراط مستقیم'' میں بالتشریح لکھا گیا، وہاں ملاحظہ ہو۔ غرض کسی طرح سے بخاری کی حدیث قرآنی آیت کے خلاف ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ آپ کی یہ کم فہمی ہے، آیندہ ذرا سوچ سمجھ کر لکھیے گا، کسی ایسے ویسے سے مقابلہ نہیں ہے۔ 45

سنبھل کے پاؤں رکھنا میکدہ میں مولوی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

مریب: ابن ہمام نے فتح القدیر وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی نماز میں مقتدی الحمد نہ پڑھے، عام اس سے کہ امام زور سے پڑھتا ہو یا آہستہ (تا آخر)

مجیب: أولاً دعویٰ ممنوع ہے، اس لئے کہ آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ کا مفہوم جہر ہے، یعنی بقول احناف اس آیت سے صرف نماز جہری میں قرأۃ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہونی چاہیے (اگر اس آیت کو ہم ممانعت پر محموم کریں، والحال لیس کذلك) اور سری میں ہرگز ممانعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ مقتضیٰ عقل یہی ہے کہ سننے والا جب ہی سنے گا کہ جب پڑھنے والا پکار کر پڑھے گا۔

ثانیاً: آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ سے کسی قسم کا استدلال کرنا ہی غلط اور اصول سے بے خبری کی علامت ہے۔ نور الأنوار (ص: ١٦٤) (جو اصول فقہ کی معتبر کتاب ہے) اس کی بحث تعارض میں ہے:

قوله تعالیٰ: ﴿فاقرؤا ما تيسر من القرآن﴾ مع قوله تعالیٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ فإن الأول بعمومه يوجب القراءة على المقتدي، والثاني بخصوصه ينفيه، وقد وردا في الصلوة جميعا فتساقطا فيصار إلىٰ حديث بعده."[3] انتھی

---

[1] دیکھیں: التفسیر الکبیر (١٥/ ٤٣٩)

[2] جو استاذ ازل نے کہا میں بھی وہی کہتا ہوں۔

[3] نور الأنوار (ص: ١٩٧، ١٩٨)

یعنی آیت ﴿ **فاقرؤا ما تیسر من القرآن** ﴾ اور ﴿ **وإذا قرئ القرآن** ﴾ دونوں آپس میں معارض ہیں، کیونکہ پہلی آیت سے مقتدی پر قرأت واجب معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے ممانعت، اب کوئی تیسری آیت نہیں جو کسی کو ترجیح دے، تو بحکم ''إذا تعارضا تساقطا'' دونوں آیتیں معرض استدلال سے ساقط کر دی جائیں گی اور اب حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

پس اب دیکھئے کہ صحیح حدیث کونسی ہے؟ وہی جس کو بخاری سے آپ نے نقل کیا، اب وہی واجب العمل ہوئی اور قرآنی آیت ﴿ **وإذا قرئ القرآن** ﴾ اس حدیثِ بخاری کی مخالف نہ ہوئی بلکہ بقول صاحب نور الانوار خود دوسری آیت کے مخالف ہوئی، اس سے بھی ابن ہمام کے استدلال کا غلط ہونا اور تمام حنفیہ کے استدلال کا باطل ہونا اور بخاری کی حدیث کا قرآن کے مخالف نہ ہونا بخوبی ظاہر ہوا۔ افسوس کہ تم میں اس قدر مادہ نہیں جو ان نکات پر اطلاع پاؤ! ؎

عشق بازی تو نہ جانے اور ہم نادان ہوں
نا سمجھ کہتا ہے ناصح! تو نے کیا سمجھا ہمیں؟

مریب: بخاری کے چند مجروح راویوں کے نام مع کیفیت جرح: 46

اول: مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ، یہ اور مسور بن مخرمہ جن کا بیان آگے ہوگا کتاب بخاری (ص: ۳۷۸) میں ایک طولانی حدیث رسول اللہ ﷺ کی نسبت واقع حدیبیہ کی روایت کرتے ہیں اور حالانکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تک نہیں ہے، جیسا کہ أسد الغابیہ[1] میں ہے:

''ولد سنة اثنين من الهجرة، ولم ير النبي ﷺ .''

''یعنی مروان (۲ھ) میں پیدا ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں ہے۔''

مجیب: آپ کا ایسا لکھنا صحابہ کرام کی ہسٹری سے عدم واقفیت اور کتب تواریخ سے بے بہرہ ہونے اور اسمائے رجال کی کتابوں پر مطلع نہ ہونے کی بیّن دلیل ہے، آپ کی ساری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مروان نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں کی، چنانچہ اسی بناء پر آپ نے آگے اعتراض کیا ہے کہ

''اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے برخلاف دیگر محدثین کے ہر راوی اور مروی عنہ کے ملاقات کا ثابت ہونا شرط کیا ہے۔ مگر یہاں یہ شرط مفقود ہے۔''

اے جناب! سنئے مروان صحابی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس نے دیکھا ہے، دیکھئے علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہدی الساری میں لکھتے ہیں: ''له رؤية''[2] یعنی مروان نے حضرت ﷺ کو دیکھا ہے، اس کی رؤیت ثابت ہے، اگر اس

[1] صحت نام کی بھی خبر نہیں!! (مؤلف)

[2] هدي الساري (ص: ٤٤٣)

سے بھی تفصیل سے سننا چاہیں تو سنئے، تاریخ خمیس میں ہے:

”وفي دول الإسلام: وكان مروان قد لحق النبي ﷺ وهو صبيّ .“ (۲/ ۳۰۷)

”یعنی مروان نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہے، جس وقت وہ صبی تھا۔“

آپ جانتے ہیں کہ ”صبي“ کس کو کہتے ہیں؟ نحو کی ایک چھوٹی کتاب ” شرح مائة “ کو ملاحظہ کیجئے، جہاں لکھا ہے: ”ظل الصبيّ بالغاً، “ یعنی لڑکا جب تک بالغ نہ ہو، صبيّ رہتا ہے۔ [1] پس اس کو خوب یاد رکھیے گا، اسی سے ان کی عمر کا بھی اندازہ ہوگا، جس سے معلوم ہوگا کہ ان کی ملاقات بلوغت کے قریب ہے، پس کیونکر یہ طولانی واقعہ کو نہیں یاد رکھ سکتے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ مروان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے بخوبی ثابت ہے اور اس بنا پر جو آپ کا اعتراض شرط ملاقات کی بابت تھا، وہ بھی فاسد اور رفو چکر ہوگیا۔ ہاں صاحب اسد الغابہ نے جو ایسا لکھا ہے، وہ بصیغہ مجہول ہے، جس سے عدم جزم ثابت ہوتا ہے جس کا ثبوت ذیل میں بضمن سنۂ پیدائش آتا ہے، کہئے آپ کو اس کی خبر تھی؟ اسی کو بے بہرہ ہونا کہتے ہیں۔ فافهم!!

افسوس کہ آپ حال وقال والے بخاری کی قدر کیا جانیں؟ ولنعم ما قیل ؎

کس طرح وہ مست ہوں سن کر بخاری کی حدیث
راگ سے ان کو بخار حال آنا چاہیے

47 **مریب**: اور اگر یہ فرض کیا جائے [2] کہ مروان نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا تو ایسی حالت میں بھی حدیث مذکور پایہ اعتبار سے ساقط ہے، کس واسطے کہ تاریخ ابن اثیر وغیرہ کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ حدیبیہ ۶ھ میں ہوا، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ پس اس حساب سے اس واقعہ کے وقت مروان کی عمر ۴ سال کی تھی، پس ۴ سال کا لڑکا ایک طولانی واقعہ کو کیوں کر یاد رکھ سکتا ہے اور اس کی روایت کر سکتا ہے؟

مجیب: یہ تو ٹھیک ہے کہ واقعہ حدیبیہ ۶ھ میں ہوا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ مروان کی پیدائش ۲ھ میں ہوئی ہے، اس لئے کہ علامہ حافظ ابن حجر کتاب ” الإصابه فی تمییز الصحابه“ کے نمبر (۶۰۲۸) میں مروان کی بابت لکھتے ہیں: ” يقال: ولد بعد الهجرة بسنتين “ یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ مروان ۲ھ میں پیدا ہوا ہے، اور ” يقال “صیغہ مجہول کا ہے، جو عدم جزم کے لیے آیا کرتا ہے، جس سے خود اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہے، جس کا اشارہ ہم نے اوپر کیا تھا، لیکن علامہ حافظ آگے اس کے پھر اسی کو نقل کر کے رد کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

---

[1] شرح مائة عامل (ص: ٤٣)

[2] چور کی داڑھی میں تنکا فرض کیا جائے! درحقیقت مروان نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے۔ کما مر۔ (مؤلف)

"وقال ابن طاهر: ولد هو والمسور بن مخرمة بعد الهجرة بسنتين (إلى قوله) وهو مردود، والخلاف ثابت ." انتهى (إصابه: ۳/ ۹۸۱)

''یعنی ابن طاہر نے کہا ہے کہ مروان اور مسور ۲ھ میں پیدا ہوئے (جیسا کہ آپ بھی کہتے ہیں) لیکن یہ مردود (غلط) ہے اور اس کا خلاف ثابت ہے۔''

لیجئے! جناب مروان او رمسور دونوں کی بابت ایک عبارت میں فیصلہ ہوگیا کہ یہ کہنا کہ یہ لوگ ۲ھ میں پیدا ہوئے تھے بالکل غلط ہے، بلکہ اس کا الٹ ثابت ہے، وہ کیا؟ جس کو ہم بیان کرتے ہیں،مسور کی بابت تو ہم آگے ان کے بیان خاص میں بیان کریں گے لیکن یہاں پر ہم مروان کی بابت لکھتے ہیں، تاریخ خمیس میں ہے:

"ومات بد مشق سنة خمس وستين، وهو ابن ثلاثٍ وسبعين سنة، كذا في المختصر".
(خمیس ۲/ ۳۸۸)

''مروان نے دمشق میں ۶۵ھ میں وفات پائی ہے اور ان کی عمر ۷۳ برس کی تھی۔''

جس سے ان کا سن ہجری کے آٹھ برس قبل پیدا ہونا ثابت ہوا اور معلوم ہوا کہ واقعہ حدیبیہ جو ۶ھ میں ہوا تھا، اس وقت ان کی عمر ۱۴ برس کی تھی، پھر جناب اتنی عمر کا شخص کیا اس طولانی واقعہ کو یاد نہیں رکھ سکتا؟ اسی کی طرف ہم نے اوپر صبی کے بیان میں اشارہ کیا تھا۔

کہئے! اب سمجھے؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو دہائی کا دھوکہ ہوگیا کہ ۱۴ کی جگہ صرف ۴ سمجھ لیا، اب اس سے بھی بڑھ کر سنئے، خود امام بخاری ؒ اپنی تاریخ صغیر میں مروان کی بابت لکھتے ہیں:

48 "مات مروان سنة ثلاث وستين، وهو ابن إحدى وثمانين ." (ص: ۶۳)

''یعنی مروان کا انتقال ۶۳ھ میں ہوا ہے اور ان کی عمر ۸۱ سال کی تھی۔''

جس سے ان کا سن ہجری کے ۱۸ سال پہلے پیدا ہونا ثابت ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ واقعہ حدیبیہ میں یہ ۲۴ برس کے تھے، پھر کیا اتنا بڑا جوان شخص بھی ایک طولانی واقعہ کو نہیں یاد رکھ سکتا؟ آپ سے بھی یہ شخص گیا گزرا ہوگا؟ اب دیکھئے کہ آپ کو دو دہائیوں کا دھوکہ ہوا تھا یا نہیں کہ ۲۴ کی جگہ آپ نے صرف ۴ سمجھا اور ۲ کے ہندسہ کو دربطن کر دیا؟! جناب من خفا نہ ہوئیے گا، میدان مناظرہ ہے۔ ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اور اگر بفرض تسلیم ہم مان لیں کہ مروان کی ولادت ۲ھ ہی میں ہوئی تھی، تو یہ روایت من قبیل مراسیل الصحابہ ہوگی، اور مراسیل صحابہ باتفاق حجت ہے، جیسا کہ اصول حدیث میں مصرح ہے۔ وکما سیجی!

لیکن تحقیق صحیح وثابت وہی ہے کہ مروان سنۂ ہجری کے ۱۸ سال قبل پیدا ہوا تھا، چنانچہ " حياة الحيوان (۱/ ۵۵)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

میں ہے کہ مروان نے ۶۵ھ میں وفات پائی ہے اور ان کی عمر ۸۳ سال کی تھی، جس سے بھی سن ہجری کے ۱۸ سال پہلے ان کا پیدا ہونا ثابت ہوا۔ فللّٰہ الحمد، اب کہئے؟ ؎

سر پہ آرہ چل گیا تجدید باطل ہوگئی
جمع غائب ہوگیا تحویل فاضل ہوگئی

مریب: دوم، مسور بن مخرمۃ بن نوفل روایت مذکور میں مروان کے ساتھ یہ بھی ہیں، اور حالانکہ یہ بھی ۲ھ میں پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ " أسدالغابیه "[1] میں ہے:

ولد بمکة بعد الهجرة بسنتین. ''یعنی یہ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔''

پس اس حساب سے واقعہ حدیبیہ کے وقت، جو ۶ھ میں ہوا، ان کی بھی عمر ۴ سال کی ہوتی ہے پس ایک طولانی واقعہ کو دو لڑکے جن کی عمر ۴ سال کی ہو، روایت کرتے ہیں۔

مجیب: اے جناب! ان کا بھی ۲ھ میں پیدا ہونا بالکل غلط ہے جیسا کہ ایک حوالہ اوپر گزرا کہ علامہ خاتمۃ الحفاظ نے فرمایا کہ جو کہے کہ مروان اور مسور ۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، ان کا کہنا بالکل غلط اور اس کا خلاف ثابت ہے، جس کو ہم آگے بیان کرتے ہیں۔ پہلے ہم یہ بتلا دیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے صحبت تھی یا نہیں؟ کیونکہ ان کی پیدائش مکہ میں ہونے کی وجہ سے کوئی یہ گمان نہ کر لے کہ ان کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، علامہ حافظ عسقلانی تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

"له ولأبیه صحبة"[2] یعنی مسور اور ان کے باپ مخرمہ دونوں کو آنحضرت ﷺ سے صحبت حاصل ہے۔

49 اب ان کی پیدائش کا حال سنئے! حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ من اللہ الأکبر "الإصابة فی تمییز الصحابه" کے نمبر (۸۰۰۶) میں مسور کے بیان میں لکھتے ہیں:

"ووقع في بعض طرقه عند مسلم: سمعت النبي ﷺ وأنا محتلم، وهذا يدل على أنه ولد قبل الهجرة ." (اصابہ: ۳/ ۸۵۷)

''یعنی صحیح مسلم میں مسور کے بعض طرق سے آیا ہے کہ (مسور کہتے ہیں) میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا اور میں بالغ تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسور قبل ہجرت کے پیدا ہوئے تھے۔''

پس جب مسور بھی قبل ہجرت کے پیدا ہوئے تھے، تو واقعہ حدیبیہ کے دن انکا ۴ برس کا نہ ہونا بلکہ بالغ ہونا صاف ظاہر ہے، پھر کیا ایک بالغ (جوان) لڑکا کسی طولانی واقعہ کو یاد نہیں رکھ سکتا؟

---

[1] یہاں بھی نام نہ ٹھیک ہوا!! (مؤلف)

[2] تقریب التهذیب (ص: ۵۳۲)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کہاں گئے جناب مشتہر صاحب! ذرا اس کو غور سے دیکھیں اور بتلا دیں کہ اس سے ثابت ہوگیا یا نہیں کہ مروان اور مسور واقعہ حدیبیہ میں ۴ سال کے نہ تھے؟ ہائے بے سمجھے تیرا آسرا! ؎

جسے چاہے خواری سے در در پھرائے

جسے چاہے دَر دَر سے دُر دُر کرائے

آگے یہ درافشانی کرتے ہیں کہ۔

مریب: اب ناظرین ہی خیال کریں کہ ایسی روایت کہاں تک معتبر ہوسکتی ہے؟

مجیب: یہ بھی کوئی جرح ہے؟ اگر ایسی روایت نہ معتبر ہوگی تو پھر کونسی ہوسکتی ہے؟ جس کو ایک بالغ عاقل جوان روایت کرے. فتدبر و تدرب !!

اگر کسی صورت سے پہلی شق یعنی یہ ثابت ہوجائے کہ ان دونوں کی عمر صرف ۴ ہی سال کی تھی اور بفرض محال اس کو ہم تسلیم کرلیں تو بھی ہمارے لیے مضر نہیں، اس لئے کہ دونوں کا ایک طولانی واقعہ کو یاد رکھنا ممکن ہے اور اتنے عمر والے کی روایت کا مقبول ہونا جائز اور امام بخاری کی شرط کے موافق ہے، اس لئے کہ امام بخاری نے خود باب معتقد کیا ہے: "باب متیٰ یصح سماع الصغیر." یعنی صغیر کا سماع کب صحیح ہے اور معرض استدلال میں محمود بن الربیع کی حدیث لائے ہیں کہ انہوں نے یاد رکھا تھا (اور روایت کرتے تھے) کلی کو رسول اللہ ﷺ کی جو آپ نے ایک ڈول کے پانی سے ان کے منہ میں کی تھی [1] اور یہ محمود اس وقت میں ۴ برس کے تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"في بعض الروايات: أنه كان ابن أربع، " [2] انتهى.

تو جب محمود کی روایت معتبر ہوئی، جو ۴ برس کے تھے، تو ان دونوں ۴ برس کے عمر والوں کی روایت بھی ضرور معتبر ہوگی۔ وھو المطلوب!

50 اور اگر کسی صورت سے دوسری شق یعنی یہ ثابت ہوجائے کہ یہ دونوں صحابی نہ تھے اور آنحضرت ﷺ سے ان کی روایت ثابت نہیں اور بفرض محال ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تو بھی کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا، اس لیے کہ خود اسی بخاری شریف کے بعض طرق میں ان دونوں مروان اور مسور کی روایت بعض صحابہ سے موجود ہے اور اکثر میں انہوں نے ارسال کیا ہے، یعنی صحابی کو چھوڑ کر "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " کہہ دیا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ مراسیل صحابہ بالاتفاق بین المحدثین والاحناف والشوافع والمالکیۃ والحنابلۃ حجت ہیں جیسا کہ تدریب الراوی شرح تقریب النواوی و فتح المغيث شرح ألفيه وغیرہ میں ہے، اور ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، برقم (٧٧)

[2] فتح الباري (١/ ١٧٣) بعد ازاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔

"والمرسل حجة عند الجمهور." (٤/ ٤٩١)

اس شق ثانی کے مضمون جواب کو (جس کو ہم نے ابھی اوپر لکھا) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اصابہ میں لکھتے ہیں:

"وفي بعض طرقه عنده: أنهما رويا ذلك عن بعض الصحابة، وفي أكثرها أرسلا، " الحديث . (٣/ ٩٨١)

''یعنی ان دونوں کی روایت بعض طرق میں صحابہ سے موجود ہے، بعض میں مرسلاً ہے۔''

پس بہرصورت معترض کا کوئی اعتراض چسپاں نہیں ہوتا۔ للہ الحمد کہ معترض نے جس کو قوی جرح و اعتراض سمجھا تھا، سب ھباء منثورا ہوگیا۔ لیکن ؎

وہ کب خاطر میں لاتا ہے میرے آزردہ ہونے کو
سمجھ رکھا ہے ظالم نے پھنسا دل کب نکلتا ہے

مریب: سوم، أحمد بن صالح أبو جعفر المصري . قال النسائي: ليس بثقة، ولا مأمون، وقال نسائي [1] أيضاً: تركه محمد بن يحيىٰ، ورماه يحيىٰ بن معين بالكذب وقال معووية [2] بن صالح: أحمد بن صالح كذاب." (میزان الاعتدال)

''نسائی نے کہا کہ احمد بن صالح ثقہ اور محفوظ نہیں ہیں اور یہ بھی نسائی نے کہا کہ محمد بن یحییٰ نے ان کو بوجہ جھوٹے ہونے کے چھوڑ دیا اور کہا معویہ بن صالح نے کہ احمد بن صالح بڑے جھوٹے ہیں۔

مجیب: ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا ست

جناب من احمد بن صالح کے بارے میں نسائی نے جو یہ کہا ہے، حقیقت میں ان سے وہم ہوا ہے، احمد بن صالح حفاظ متقنین سے ہے، جیسا کہ آگے ہم اس کی ثقاہت میں بیان کریں گے، اب سنئے وہمِ نسائی کی وجہ! یحییٰ بن معین نے جس احمد بن صالح کے بارے میں کلام کیا ہے، وہ اشمومی ہے، نسائی نے غلط فہمی سے اس احمد بن صالح کو سمجھ لیا جو ابن الطبری ہے، (جس کو آپ نے لکھا ہے) حافظ ابن حجر تقریب التهذیب میں لکھتے ہیں:

"جزم ابن حبان بأنه إنما تكلم في أحمد بن صالح الأشمومى فظن النسائي أنه عنىٰ ابن الطبري." [3] انتہی

---

1. الف لام سے ہے! (مؤلف)
2. یہ نیا نام تو ہم نے آج ہی دیکھا!! (مؤلف)
3. تقریب التهذیب (ص: ٨٠)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی ابن حبان نے یہ یقینی کہا ہے کہ اصل میں احمد بن صالح اشموی کی بابت کلام کیا گیا تھا، نسائی نے ابن طبری کو سمجھ لیا۔''

اور علامہ ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

51 ”وقال ابن حبان: ما رواه النسائي عن يحيىٰ بن معين في حق أحمد بن صالح فهو وهم، وذلك أن أحمد بن صالح الذي تكلم فيه ابن معين هو رجل آخر غير ابن الطبري، يقال له الأشمومي، وكان مشهورا بوضع الحديث، وأما ابن الطبري فكان يقارب ابن معين في الضبط والإتقان.“ ❶ انتهى

''یعنی ابن حبان نے کہا ہے کہ جو نسائی نے احمد بن صالح کے بارے میں یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے، اس میں ان کو وہم ہوا ہے، اس طور پر کہ ابن معین نے جس احمد بن صالح کے بارے میں کلام کیا ہے، وہ دوسرا شخص علاوہ ابن الطبر ی کے ہے، اس کو اشموی کہا جاتا ہے، وہ موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا، لیکن ابن طبری (جس پر آپ کا اعتراض ہے) وہ ضبط وثقاہت میں ابن معین (جو جارح ہیں) کے برابر ہے۔''

لیجئے جناب! سن لیا؟ اور سنئے! اسی وجہ سے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابن عدی کے قول سے اور حافظ نے ہدی الساری میں ایک زبان ہو کہ کہہ دیا:

” كان النسائي سيء الراي فيه “. ❷

''یعنی نسائی (بوجہ ضد کے) ان کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے۔''

بلکہ علامہ ذہبی نے اس سے بھی زیادہ کہا کہ:

”آذى النسائي نفسه بكلامه فيه .“ (میزان)

''یعنی نسائی نے احمد بن صالح کی بابت کلام کر کے خود اپنے کو ایذا دیا ہے۔ (مطلب یہ کہ پچھتاوے کا کام کیا)۔''

اب امام نسائی کے ان پر کلام کرنے کی بنا سنئے کہ کس بنا پر اور کونسی ضد سے نسائی نے ان کو سمجھ کر ان پر کلام کر دیا؟ وہ یہ ہے کہ امام نسائی ان کے پاس ایک دفعہ پڑھنے کو گئے۔ (محدثین طلبہ کو بڑی مدت کے بعد ان کے اطوار کو پسند کر کے پڑھاتے ورلا فلا۔ یہ ان کا عام قاعدہ تھا) احمد بن صالح کو ان کے کچھ طور ناپسند ہوئے، نہیں پڑھایا، امام نسائی نے خفا ہو کر ان پر طعن کرنا شروع کیا، حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

❶ هدي الساري (ص: ٣٨٦) نیز دیکھیں: الثقات لابن حبان (٨/٢٥)

❷ ميزان الاعتدال (١ / ١٠٤) هدي الساري (ص: ٣٨٦)

"فاستند النسائي في تضعيفه إلى ما حكاه عن يحيىٰ بن معين، وهو وهم منه، حمله على اعتقاده سوء رأيه في أحمد بن صالح ."

''یعنی نسائی نے جو احمد بن صالح کو یحییٰ بن معین کی حکایت کی وجہ سے ضعیف وغیرہ کہہ دیا (یہ دو وجہ سے ہے، ایک تو یہ کہ) ان کو وہم ہوا ہے اور (دوسرے یہ کہ) ان کو اس پر بد اعتقادی نے برانگیختہ کیا (جو احمد بن صالح کی طرف سے تھی)۔''

وہم کی وجہ تو اوپر ہم لکھ چکے ہیں، اب بد اعتقادی کی وجہ خود انھی علامہ حافظ کے لفظوں میں سنئے۔ (اگرچہ ہم نے اس کو بھی اوپر لکھ دیا) علامہ عسقلانی ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"قال أبو جعفر العقيلي: كان أحمد بن صالح لا يحدث أحد احتى يسأل عنه، فلما أن قدم النسائي مصر، جاء إليه، وقد صحب قوما من أهل الحديث لا يرضاهم أحمد، فأبىٰ أن يحدثه، فذهب النسائي فجمع الأحاديث التي وهم فيها أحمد، و شرع يشنع عليه، وما ضره ذلك شيئاً، " انتهى . 52

''یعنی ابوجعفر عقیلی نے کہا کہ احمد بن صالح کسی کو حدیث نہیں بیان کرتے تھے، جب تک کہ اس سے (اس کے حالات و اطوار وغیرہ کو) پوچھ نہ لیتے، پس جب امام نسائی مصر میں آئے، ان کے پاس بھی آئے اور امام نسائی ایسے لوگوں کی صحبت سے ہو کر آئے تھے، جن سے احمد بن صالح ناخوش تھے، اس لئے احمد بن صالح نے نسائی کو حدیث سنانے سے انکار کیا، پس نسائی نے جا کر (ضد سے) ان کی اُن (قلیل) روایتوں کو جن میں احمد سے (حسب عادت بشریہ) وہم ہو گیا تھا، جمع کر کے ان پر کلمات شنیعہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ (اب حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ) احمد بن صالح کو اس سے کچھ نقصان نہیں۔ (مطابق مثل پنجابی کے'' کی پدی ہور کی پدّی دا شوربا'')

اور نسائی کے سوا ان پر کسی سے جرح ثابت بھی نہیں۔ پس نسائی کی یہ جرح بھی چونکہ باقاعدہ نہیں بلکہ محض غلط فہمی پر ہے، لہٰذا مقبول نہیں، جیسا کہ وہی حافظ ابن حجر ہدی الساری میں بطور نتیجہ کے لکھتے ہیں:

"فتبين أن النسائي انفرد بتضعيف أحمد بن صالح بما لا يقبل." اه

''یعنی پس ظاہر ہو گیا کہ صرف نسائی کا احمد بن صالح کی تضعیف میں منفرد ہونا غیر مقبول اور ناقابل پذیرائی ہے۔''

سن چکے جناب! اب صریح لفظوں میں ان کی ثقاہت سنئے! (اگرچہ ان کی ثقاہت اوپر ہی ثابت ہو چکی ہے)

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں:

"ثقة حافظ من العاشرة"[1] یعنی احمد بن صالح ثقہ اور حافظ ہیں۔

علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

"أحد كبار الحفاظ بمصر، وثقه أحمد ويحيىٰ وابن المديني وأبو حاتم وجماعة."[2]

"یعنی احمد بن صالح کبار حفاظ مصر میں سے ہے، اس کو احمد اور یحییٰ (یہ وہی یحییٰ ہیں!) اور ابن مدینی اور ابو حاتم اور ایک بڑی جماعت نے ثقہ کہا ہے۔"

اور انہیں علامہ صفی الدین نے خلاصہ میں اور علامہ ذہبی نے میزان میں اس عبارت کو ایک زبان ہو کر کہا ہے:

"قال أبو نعيم: ما قدم علينا أحد أعلم بحديث أهل الحجاز من هذا الفتىٰ ."[3] انتهى

یعنی ابو نعیم نے کہا کہ حجاز والوں کی حدیثوں کو خوب جاننے والا احمد بن صالح کے سوا اور کوئی ہم پر نہیں آیا۔"

اور سنئے! علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"الحافظ الثبت أحد الأعلام، قال البخاري: أحمد بن صالح ثقة، ما رأيت أحدا يتكلم فيه بحجة، قال أبو حاتم والعجلي وجماعة: ثقة."[4] انتهى

"یعنی احمد بن صالح حافظ ثبت احد الأعلام ہیں، امام بخاری نے کہا ہے کہ احمد بن صالح ثقہ ہیں، ان پر
کلام کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ابو حاتم اور عجلی اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے۔" 53

لیجئے جناب! آپ نے میزان سے جرح کی عبارت تو نقل کر دی اور آگے پیچھے جو اسی کا رد تھا، اس سے چشم پوشی کر گئے!! اسی کو کہتے ہیں کہ: " لا تقربوا الصلوة " والی مثل کو آپ نے سچ کر دکھایا۔

جب کہا مرتا ہوں وہ بولے میرا سر کاٹ کر
جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

اور سنئے! علامہ حافظ عسقلانی هدى السارى میں لکھتے ہیں:

"أحمد بن صالح المصري أبو جعفر ابن الطبري، أحد أئمة الحديث الحفاظ المتقنين الجامعين بين الفقه والحديث، أكثر عنه البخاري وأبوداود، اعتمده الذهلي في كثير من أحاديث أهل الحجاز، و وثقه أحمد بن حنبل ويحيىٰ بن معين وعلي بن المديني وابن نمير

[1] تقريب التهذيب (ص: ٨٠)
[2] الخلاصة للخزرجي (ص: ٧)
[3] ميزان الاعتدال (١/ ٢٤١)
[4] مصدر سابق

والعجلي وأبوحاتم الرازي وآخرون، أحمد بن صالح إمام ثقة، وقال ابن عدي: كان النسائی ينكر عليه أحاديث، وهو من الحفاظ المشهورين بمعرفة الحديث، وقال صالح جزرة: لم يكن بمصر أحد يحفظ الحديث غير أحمد بن صالح، وكان يذاكر بحديث الزهري ويحفظه ، ويؤيد ما نقلناه أولا عن البخاري أن يحییٰ بن معین وثق أحمد بن صالح ابن الطبري .''[1] انتهى

''احمد بن صالح ائمہ حدیث حفاظ متقنین جامعین بین الفقہ والحدیث سے ہیں، بخاری اور ابوداود نے اس سے اکثر روایت کی ہے اور ذہلی نے حجاز والوں کی اکثر حدیث میں ان پر اعتماد کیا ہے، اور احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابن نمیر اور عجلی اور ابوحاتم رازی اور بہت سے لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے (اب حافظ خود کہتے ہیں کہ) احمد بن صالح ثقہ ہے اور ابن عدی نے (تعجب سے) کہا ہے کہ نسائی نے ان کی چند حدیثوں سے انکار کیا ہے، حالانکہ یہ ان حفاظ سے ہیں، جو معرفت حدیث میں مشہور ہیں اور صالح نے کہا کہ مصر میں سوائے احمد بن صالح کے کوئی حافظ حدیث نہیں، یہ زہری کی حدیث سے مذاکرہ کرتے اور حفظ کرتے (پھر حافظ فرماتے ہیں) اور اس کی تائید امام بخاری کے اس قول سے ہوتی ہے، جس کو ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ یحییٰ بن معین نے خود احمد بن صالح ابن طبری کو ثقہ کہا ہے۔''

کہاں گئے جناب مشتہر صاحب! یہ وہی یحییٰ بن معین ہیں، جن سے امام نسائی نے احمد بن صالح پر جرح نقل کی ہے، حالانکہ یحییٰ بن معین احمد بن صالح کی توثیق کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ اور تھے اور یہ اور ہیں! ع

شیر قالیں دگر ست و شیر بنستاں دگر [2]

ع

حسن ذاتی اور ہے سونے کا زیور اور ہے 54

کہیے! اب تو سمجھ گئے؟ آگے چلیے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

مریب: چہارم، **أحمد بن عیسیٰ أبو عبد الله**: رواه أبوداود عن یحییٰ بن معین: أنه حلف بالله أنه كذاب.

''ابو داود نے روایت کی ہے کہ یحییٰ بن معین نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ یہ شخص بڑا جھوٹا ہے۔''

(میزان الاعتدال)

---

[1] هدي الساري (ص: ٣٨٦)

[2] مخملیں فرش کا شیر اور ہوتا ہے اور جنگل کا شیر اور!

مجیب: احمد بن عیسیٰ کذاب نہیں بلکہ سچا اور ثقہ ہے، یحییٰ بن معین کا ان کو کذاب کہنا مؤول بتاویل حسن ہے، یہاں پر کذب اپنے اصلی معنی پر نہیں ہے، اسی واسطے یحییٰ بن معین کی اس تنقید پر کسی کا بھی اتفاق نہیں ہے، بلکہ ائمہ حدیث نے تعاقب کیا ہے اور یحییٰ بن معین کے کلام کو تسلیم نہیں کیا ہے، ہاں احمد بن عیسیٰ نے بعض روایات کے سماع کا اظہار کیا تھا اور ممکن ہے کہ اس میں ان سے خطا ہوئی ہو اور ان کا سماع ثبوت کو نہ پہنچا ہو، اسی بنا پر یحییٰ بن معین نے کذاب کہہ دیا، حالانکہ کذب و وضع سے یہ بمراحل بعید ہیں، حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد اول میں لکھتے ہیں:

"إنما أنكروا عليه ادعاء السماع، ولم يتهم بالوضع، وليس في حديثه شيء من المناكير، وقال الخطيب: ما رأيت لمن تكلم فيه حجة، توجب ترك الاحتجاج بحديثه ." [1] انتهى

"یعنی لوگوں نے ان کے دعویٰ سماع پر صرف انکار کیا ہے اور یہ وضع (کذب) کے ساتھ متہم نہیں ہیں اور نہ ان کی حدیث میں کچھ مناکیر ہے، خطیب نے کہا کہ میں نے ان پر کلام کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں پائی، جس سے ثابت ہو کہ یہ قابل حجت نہیں ہیں۔"

اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں اور حافظ ابن حجر ہدی الساری میں ایک زبان ہو کر لکھتے ہیں:

"قال الخطيب: لم أر لمن تكلم فيه حجة." [2] انتهى

"یعنی خطیب بغدادی نے کہا کہ جس نے احمد بن عیسیٰ کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے، محض بے دلیل ہے۔"

خود علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں بتغیر یسیر لکھتے ہیں:

"وقال الخطيب: ما رأيت لمن تكلم فيه حجة. " [3] انتهى

"یعنی خطیب نے صاف کہہ دیا ہے کہ جس نے احمد بن عیسیٰ پر کچھ کلام کیا ہے، محض بے دلیل ہے۔"

پس جب ابن معین کے قول پر محققین نے تعاقب کیا، تو معلوم ہوا کہ ان کا احمد بن عیسیٰ کو کذاب کہنا مؤول بتاویل حسن ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ نے ان سے روایت کی ہے، منجملہ ان کے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اب ان کی ثقاہت صاف لفظوں میں گوش گزار فرمائیے، حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: " صدوق " [4] یعنی احمد بن عیسیٰ سچے ہیں، کذاب نہیں، علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

---

[1] تهذيب التهذيب (١/ ٥٦)

[2] هدي الساري (ص: ٣٨٧)

[3] ميزان الاعتدال (١/ ١٢٦)

[4] تقريب التهذيب (ص: ١٣)

"قال النسائي: ليس به بأس، قال الذهبي: لم أجد له حديثا منكرا."[1] انتهى

"یعنی نسائی نے کہا کہ احمد بن عیسیٰ ثقہ ہیں (کیونکہ لفظ" ليس به بأس، ولا بأس به "منجملہ الفاظ تعدیل کے ہے)۔ اور علامہ ذہبی (صاحب میزان الاعتدال) نے کہا کہ میں نے اس کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا (جو ان کی ثقاہت کی کھلی دلیل ہے)۔" 55

اور علامہ ذہبی خود میزان میں فرماتے ہیں:

"هو موثق، وقال النسائي: ليس به بأس، قلت: قد احتج به، ولم أر له حديثا منكرا."[2] انتهى ملخصاً

"یعنی احمد بن عیسیٰ ثقہ ہیں، امام نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، میرے نزدیک بھی یہ قابل حجت ہیں، کیونکہ میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی۔"

علامہ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد اول میں فرماتے ہیں:

"قلت: وليس في حديثه شيء من المناكير، وذكره ابن حبان في الثقات."[3] انتهى

"یعنی احمد بن عیسیٰ کی حدیث میں ایک شئے بھی منا کیر سے نہیں ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے۔"

اب جب نسائی نے باوجود اس کے کہ وہ منجملہ ائمہ جارحین متشددین کے ہیں، احمد بن عیسیٰ کی توثیق کی اور شیخین نے ان سے روایت کی اور پھر ائمہ متاخرین مثل خطیب بغدادی وابن حبان وذہبی وابن حجر نے باوجود تحقیق وتلاش کے ایک روایت بھی ان کی منکر نہیں پائی، تو یہ احمد بن عیسیٰ کے غایت درجہ کی ثقاہت و اتقان و صدق کی دلیل ہے۔ حاصل کلام یہ کہ احمد بن عیسیٰ ثقہ ہیں اور ان کی ثقاہت آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے۔ آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

مریب: پنجم، **أيوب بن عابد الكوفي**. وكان من المرجئة' قاله البخاري، وأورده في الضعفاء لإرجائه، والعجب من البخاري يغمزه وقد احتج به".

"یہ مرجیہ تھے کہا اس کو بخاری ﷫ نے اور شمار کیا ان کو بخاری نے ضعیفوں میں بوجہ مرجیہ ہونے کے اور تعجب ہے بخاری سے کہ ان پر چشمک کرتے ہیں اور حالانکہ دلیل پکڑی ہے ان سے۔" (میزان الاعتدال)

---

1. الخلاصة للخزرجي (ص: ١١)
2. ميزان الاعتدال (١/ ١٢٦)
3. تهذيب التهذيب (١/ ٥٦)

مجیب: ع

دروغ گویم بر روئ تو

ایوب بن عابد صحیح بخاری میں کیا جہاں تک میرا خیال ہے اسماء رجال میں بھی اس نام کا کوئی راوی نہیں ہے، یہ تو آپ کے افتراء کی حالت ہے...... !!اصل یہ ہے کہ۔ ع

دروغ گو را حافظہ نباشد

افسوس کہ آپ کو مذہبی تعصب کی ایسی پٹی بندھی ہوئی ہے کہ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں، حقیقت میں تو آپ کا جواب اتنے ہی میں ہوگیا کہ آپ کی جرح ایوب بن عابد پر ہے اور اس نام کا کوئی راوی بخاری میں نہیں، پس جرح بھی مقبول نہیں، کیونکہ جس بنا پر اعتراض ہے وہ بنا ہی فاسد ہے، پس اعتراض بھی فاسد بلکہ اَفسد !!

اب سنئے راوی کا حقیقی نام! اصل میں وہ ایوب بن عائذ ہے، اس غلطی کو ہم آپ کے سر کیوں لگائیں؟ خیر ہم اس قدر رحم کرتے ہیں کہ کہہ دیں شاید یہ کاتب کی غلطی ہو، اب اس کا جواب سنئے، ہم نے العرجون القدیم
(ص: ۵۹) میں بتلایا تھا کہ رواۃ کی تنقید میں ائمہ کا اجتہاد ہوتا ہے، جس طور پر ائمہ مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں، 56
ویسا ہی رواۃ کی تنقید میں بھی اجتہاد کرتے ہیں، پس ممکن ہے کہ امام بخاری کے اجتہاد میں اس وقت یہی بات آئی ہو، پھر ثقہ ہونا ایوب کا ثابت ہوا ہو، اس لئے اپنی صحیح میں اس سے روایت کیا اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام بخاری نے خود ان کی توثیق کی ہے، حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

''وقال البخاري: إنه صدوق. ❶ یعنی امام بخاری نے خود ان کو صدوق کہا ہے۔

اب ان کی ثقاہت میں دیگر محدثین کے اقوال سنئے!

حافظ ابن حجر تقریب التهذیب میں ان کو '' ثقة ''اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں: '' وثقه أبو حاتم''❷ لکھتے ہیں، یعنی ایوب بن عائذ ثقہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

''وثقه أبو حاتم وغيره، وعند مسلم له حديث .''❸ انتهى

''یعنی ابوحاتم اور ان کے سوا دوسروں نے بھی ایوب کو ثقہ کہا ہے اور مسلم میں ان سے ایک حدیث بھی ہے۔''

حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

---

❶ هدي الساري (ص: ۳۹۲)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٥٦) الخلاصة للخزرجي (ص: ۳۷)

❸ ميزان الاعتدال (۱/ ۱۲٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

”وثقه ابن معين وأبو حاتم والنسائي والعجلي و أبوداود.“ [1] انتهی

”یعنی ابن معین، اور ابو حاتم اور نسائی اور عجلی اور ابو داود اتنے لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔“

اور یہی علامہ حافظ تہذیب التہذیب جلد اول میں لکھتے ہیں:

”وقال الدوري عن يحيىٰ: ثقة، وقال أبوحاتم: ثقة صالح الحديث صدوق، و قال النسائي: ثقة، وقال ابن حبان في الثقات، وقال أبوداود: لا بأس به، وفي رواية: ثقة، وقال ابن المديني: ثنا سفيان حدثنا أيوب بن عائذ، وكان ثقة، وقال العجلي: كوفي تابعي ثقة. [2] انتهی

”یعنی دوری نے یحیٰ سے روایت کی ہے کہ ایوب بن عائذ ثقہ ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ ایوب ثقہ صالح الحدیث صدوق ہے اور نسائی نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور ابوداود نے لا بأس به اور ثقہ کہا ہے اور ابن مدینی نے کہا کہ ایوب بن عائذ ثقہ تھے اور عجلی نے کہا کہ ایوب کوفی تابعی اور ثقہ تھے۔“

غرض ان کی ثقاہت پر سارے ائمہ متفق اللسان ہیں۔ آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

مریب: ششم، **عاصم بن سليمان الأحول البصري** .قال عبد الرحمن بن المبارك: قال ابن علية: كل من اسمه عاصم في حفظه ثمی [3]

”عبدالرحمٰن بن مبارک نے کہا کہ ابن علیہ نے کہا کہ کل وہ شخص کہ جس کا نام عاصم ہے، حافظہ اس کا خراب ہے۔ (ميزان الاعتدال)

مجیب: **أولاً** یہ تو قاعدہ کلیہ ہی صحیح نہیں کہ جس کا نام عاصم ہو اس کا حافظہ خراب ہو، آیئے ہم آپ کو بتلاتے ہیں: ”عاصم بن عمر بن الخطاب العدوي“ کی نسبت اسماء الرجال کی کسی کتاب سے جرح ثابت تو کریں اور ان کے حافظہ کے متعلق نقص نکالیں تو؟ لیکن یہ یاد رکھیے کہ ” لن تفعلوا، ولو كان بعضكم لبعض 57
ظهيراً “، یعنی ہرگز نہیں ثابت کر سکتے، پس یہ قاعدہ کلیہ ہی ٹوٹ گیا، لہٰذا عاصم بن سلیمان پر بھی کوئی جرح باقی نہ رہی، کیونکہ ان کی ثقاہت ثابت ہے۔

ثانیاً: اگر یہ قاعدہ کلیہ صحیح بھی ہو، تو یہ عاصم بن سلیمان اس سے خارج ہیں، اسی طرح جیسا کہ عاصم بن عمر، حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد پنجم میں لکھتے ہیں:

---

1. هدي الساري (ص: ٣٩٢)
2. تهذيب التهذيب (١/ ٣٥٥)
3. ”ثمیٰ“ نہیں ہے بلکہ ”شيء“ ہے۔

"وقال أبو الشيخ: سمعت عبدان يقول: ليس في العواصم أثبت من عاصم الأحول." ❶

''یعنی ابوشیخ نے کہا کہ میں نے عبدان سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جس قدر عاصم ہیں، ان میں عاصم بن سلیمان الاحول أثبت (بصیغہ اسم تفضیل یعنی نہایت ثقہ) ہے۔''

ان دو وجوہ سے معلوم ہوا کہ یہ عاصم احول اس قاعدہ کلیہ سے خارج ہے۔ اب ان کی ثقاہت صراحتاً سنئے!

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: "ثقة من الرابعة" ❷ یعنی یہ عاصم احول ثقہ ہے۔

علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:

"وثقه ابن معين وأبو زرعة، قال أحمد: ثقة من الحفاظ." ❸ انتهى

''یعنی عاصم احول کو ابن معین اور ابو زرعۃ نے ثقہ کہا ہے اور امام احمد نے کہا ہے کہ یہ عاصم ثقہ ہے حفاظ میں سے ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال (وہی میزان!) میں لکھتے ہیں:

"الحافظ الثقة، وثقه علي بن المديني وغيره، قال سفيان: حفاظ الناس أربعة، فذكر منهم عاصم بن سليمان، وروى الميموني عن أحمد قال: ثقة من الحفاظ." ❹ انتهى

''عاصم احول حافظ ہے، ثقہ ہے، علی بن مدینی اور ان کے سوا دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے، سفیان نے کہا کہ لوگوں میں حفاظ چار ہی ہیں، جن میں سے ایک عاصم احول کو بھی ذکر کیا ہے اور میمونی نے احمد سے روایت کیا ہے کہ عاصم ثقہ ہے، حفاظ سے ہے۔''

علامہ حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

"وثقه ابن معين والعجلي وابن المديني وابن عمار والبزار، وصفه بالثقة والحفظ أحمد بن حنبل." ❺ انتهى

''یعنی عاصم کو ابن معین اور عجلی اور ابن مدینی اور ابن عمار اور بزار نے ثقہ کہا ہے اور امام احمد نے عاصم کا وصف ثقہ اور حفظ کے ساتھ کیا ہے۔''

اور یہی حافظ عسقلانی تہذیب التہذیب جلد پنجم میں کس زور سے لکھتے ہیں:

---

❶ تهذيب التهذيب (٥/٣٨)

❷ تقريب التهذيب (ص: ٢٨٥)

❸ الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٢)

❹ ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٠)

❺ هدي الساري (ص: ٤١١)

58 ”قال عبد الرحمن بن مهدي: كان من حفاظ أصحابه، وقال أحمد: شيخ ثقة، وقال أيضا: من الحفاظ للحديث، ثقة، وقال المروزي: ثقة، وقال إسحاق بن منصور و عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، وكذا قال ابن المديني وأبوزرعة وابن عمار، وذكره ابن عمار في موازين أصحاب الحديث، وذكره ابن حبان في الثقات، وقال البزار: ثقة.“ [1] انتهى

”یعنی عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ عاصم احول حفاظ میں سے تھا اور احمد نے کہا کہ وہ شیخ ثقہ ہے اور انہیں امام احمد نے کہا کہ عاصم حفاظ حدیث میں سے ہے اور ثقہ ہے اور مروزی نے بھی کہا کہ ثقہ ہے اور اسحاق بن منصور اور عثمان دارمی نے ابن معین سے روایت کیا کہ عاصم ثقہ ہے اور ایسا ہی ابن مدینی اور ابوزرعہ اور عجلی اور ابن عمار نے کہا، اور ابن عمار نے عاصم کو اصحاب حدیث کے ہم وزنوں میں ذکر کیا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا اور بزار نے بھی ثقہ کہا ہے۔“

دیکھئے جناب مشتہر صاحب! کتنے لوگ ان کی ثقاہت کر رہے ہیں؟ اب بھی آپ کو چوں و چرا کی جا ہے؟ آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

مریب: ہفتم، **الحسن بن مدرك البصري**. روى أبوعبيد عن أبي داود قال: الحسن بن مدرك كذاب. (ميزان الاعتدال)

”روایت کی ابوعبید نے ابوداود سے کہ ابوداود نے کہا کہ حسن بن مدرک بڑا جھوٹا ہے۔“

مجیب: حسن بن مدرک کی بابت ابوداود اس قول میں شاذ ہیں، کیونکہ نقادین کی ایک جماعت ان کی ثقاہت بیان کرتی ہے اور کسی نے ان پر جرح نہیں کی ہے، ہاں ابوداود نے جو حسن بن مدرک کو کذاب کہا ہے، اس سے مراد ان کی کذب و وضع فی الاحادیث نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ خود ابوداود نے بیان کر دی ہے کہ:

”يأخذ أحاديث فهد بن عوف فيقلبها على يحيىٰ بن حماد.“ [2] انتهى

”یعنی حسن بن مدرک فہد بن عوف کی حدیثوں کو لے کر یحییٰ بن حماد پر پلٹ دیتا ہے۔“

اس کا جواب حافظ نے مقدمۃ الفتح میں دیا ہے:

”قلت: إن كان مستند أبي داود في تكذيبه هذا الفعل، فهو لا يوجب كذبا، لأن يحيىٰ بن حماد وفهد بن عوف جميعاً من أصحاب أبي عوانة، فإذا سأل الطالب شيخه عن حديث

---

[1] تهذيب التهذيب (٥/٣٨)

[2] هدي الساري (ص: ٤١١)

رفيقه ليعرف، إن كان من جملة مسموعه فحدثه به أو لا، فكيف يكون بذلك كذابا؟ وقد كتب عنه أبوزرعة وأبوحاتم ولم يذكرا جرحاً، وهما إمامان في النقد.“ [1] انتهى

اس کا ترجمہ ہم نہیں کریں گے، تم خود کرلو! خلاصہ یہ سن لو کہ حسن کا یہ فعل ان کے کذاب ہونے کا موجب نہیں ہے، بلکہ ابوزرعہ اور ابوحاتم نے، جو امام فی النقد ہیں، حسن سے لکھا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی۔“

اب یہ دیکھو کہ محققین محدثین کی جماعت ان کی بابت کیا کہتی ہے؟ حافظ ابن حجر تقریب التهذیب میں حسن کو ”لا بأس به “ لکھتے ہیں اور علامہ صفی الدین خلاصہ میں لکھتے ہیں:” وثقه أحمد، وقال النسائي: لا بأس به“ [2]

یعنی احمد نے حسن کو ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا ہے: لا بأس به یعنی یہ ثقہ ہیں، علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: 59

”وثقه غيره، فقال أحمد بن الحسين الصوفي الصغير: كان ثقة.“ [3] انتهى

”یعنی بہت سے لوگوں نے حسن بن مدرک کو ثقہ کہا ہے اور احمد بن حسین صوفی نے کہا کہ حسن ثقہ تھے۔“

اور بعینہ اسی طرح حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب جلد اول میں بھی لکھا ہے اور یہی حافظ عسقلانی ہدی الساری میں لکھتے ہیں:

”وقال النسائي في أسماء شيوخه: لا بأس به، وقال ابن عدي: كان من حفاظ أهل البصرة.“ [4] انتهى

”یعنی نسائی نے کہا ہے لا بأس به (یعنی ثقہ ہے) اور ابن عدی نے کہا کہ حسن اہل بصرہ کے حفاظ (ذرا اس جمع کو ملحوظ رکھنا!) میں سے تھے۔“

اور بعینہ اس عبارت سے انہیں علامہ ابن حجر نے تهذيب التهذيب جلد اول میں بھی لکھا ہے۔

پس ثابت ہوگیا کہ حقیقت میں حسن بن مدرک حفاظ اور ثقہ لوگوں میں سے ہے اور ابوداود کا کلام اوپر محمل حسن کے محمول ہوگا۔ فافهم!

الحمد لله ثم الحمد لله کہ آپ کے زعم فاسد و خیال باطل میں صحیح بخاری شریف کے راویوں کے مجروح ہونے کی بابت جو شکوک فاسدہ اور اوہام کاسدہ تھے، سب کے سب هباء منثوراً اور قاعاً صفصفاً اور ” كأن لم يكن “ ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ صحیح بخاری کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس کی سب حدیثیں صحیح بلکہ اصح اور واجب العمل ہیں، اور کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ۔ ع

---

1. هدي الساري (ص: ٤١١)
2. تقريب التهذيب (ص: ٢٨٥) الخلاصة للخزرجي (ص: ١٨٢)
3. ميزان الاعتدال (٢/ ٣٥٠)
4. هدي الساري (ص: ٤١١)

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

مریب: بخاری کی چند حدیثیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں، ایسی حدیثیں بہت ہیں، نمونہ کے طور پر یہاں صرف دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

١ـ عن عبد اللّٰہ بن عمر أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: "صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ."

''عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز جماعت کی اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔'' (بخاری مطبوعہ أحمدی: ١/ ٨٩، باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

پس اس حدیث سے نماز جماعت کی فضیلت نماز پر ٢٧ درجہ ثابت ہوتی ہے اور اس کے خلاف میں ایک دوسری حدیث ہے جو حدیث مذکور کے نیچے ہے، اور وہ یہ ہے:

"عن أبي سعید أنہ سمع رسول اللّٰہ ﷺ یقول: صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بخمس وعشرین درجۃ ."

''ابوسعید سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ نماز باجماعت اکیلے کی نماز پر ٢٥ درجہ فضیلت رکھتی ہے۔''

اس حدیث سے نماز جماعت کی فضیلت نماز فرادیٰ پر ٢٥ درجہ ثابت ہوتی ہے، پس اب دیکھئے کہ یہ دونوں حدیثیں کیونکر واجب الایمان ہوسکتی ہیں، کسواسطے[1] کہ ٢٥ اور ٢٧ ایک نہیں ہے، اگر ٢٥ درجہ صحیح ہے تو ٢٧ نہیں اور اگر ٢٧ درجہ صحیح تو ٢٥ نہیں۔'' 60

مجیب: کاش حدیث آپ نے کسی استاد سے پڑھی ہوتی تو ہرگز ایسا نہ لکھتے۔ اے جناب! ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ ٢٧ اور ٢٥ یہ دونوں اعداد ہیں اور اعداد میں تعارض نہیں ہوتا (جانے آپ کی بلا! کیا منطق کی کتابیں بھی نہیں دیکھیں؟) اس لئے کہ عدد زائد کم کو شامل ہے اور کم زیادہ کے منافی نہیں، حدیث میں حصر کا کوئی کلمہ عدد کے ساتھ وارد نہیں، جس کی بنا پر آپ کہہ سکیں کہ '' اگر ٢٥ درجہ صحیح ہے تو ٢٧ نہیں، اگر ٢٧ ہے تو ٢٥ نہیں،'' یہ تو خلوص عمل کے موافق ہے، جیسا اخلاص ہوگا ویسا درجہ ملے گا، اگرچہ ہم کو تو اب ضرورت نہیں تھی کہ اور کچھ لکھیں کیونکہ اتنے ہی سے آپ کا جواب ہوگیا، لیکن مزید توضیح کے لیے کچھ تفصیل سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اچھی طرح سمجھ جائیں، سنئے اور غور سے سنئے، ان دونوں حدیثوں میں مطابقت بچند وجوہ ہے:

أولاً: ذکر قلیل منافی نہیں ہے ذکر کثیر کے، پس دونوں احادیث کا مطلب صاف ہوگیا۔

---

[1] وہی جناتی لفظ! (مؤلف)

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ کو خدا نے پہلے ۲۵ درجہ بتلایا تھا، جب خدا نے لوگوں کی دلی رغبت جماعت کی طرف دیکھی تو ان کے دل کو بڑھانے کے لیے اپنے حبیب رسول ﷺ کو زیادتی فضل کی خبر دی کہ اب ۲۷ درجہ بڑھ کے ہوگی۔

ثالثاً: ایک روایت میں خمس وعشرین کا ممیّز بجائے "درجةً" کے "جزءا" آیا ہے، لہٰذا اختلاف دونوں عددوں کا باعتبار اختلاف ممیّز ان دونوں کے ہے، پس بلحاظ "جزءاً" اجر فی الدنیا اور بلحاظ "درجةً" اجر فی الآخرۃ مراد ہے۔

رابعاً: فرق بلحاظ قرب وبعد مسجد کے ہے، اگر مسجد قریب ہے تو ۲۵ درجہ اور اگر دور ہے تو ۲۷ درجہ۔

خامساً: فرق بحال نمازی ہے، اگر خشوع واخلاص اس میں زیادہ تو ۲۷ درجہ اور اگر کم ہے تو ۲۵ درجہ۔

سادساً: فرق ساتھ نماز مسجد اور غیر مسجد کے ہے اگر مسجد میں جماعت سے پڑھا تو ۲۷ درجہ اور اگر غیر مسجد میں باجماعت پڑھا تو ۲۵ درجہ۔

سابعاً: فرق ساتھ منتظر نماز اور غیر منتظر کے ہے، اگر نمازی نے ایک جماعت کے بعد دوسرے وقت کی نماز کا انتظار کیا حتیٰ کہ باجماعت پڑھا، تو ۲۷ درجہ ورنہ ۲۵ درجہ۔

ثامناً: فرق ساتھ پانے کل نماز یا بعض کے ہے، اگر باجماعت تکبیر اولیٰ کو پاکر پوری پڑھی ہے، تو ۲۷ درجہ اور اگر تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی یا نماز پوری نہیں پائی، لیکن پھر بھی باقی کو باجماعت پڑھا تو ۲۵ درجہ۔

تاسعاً: فرق ساتھ کثرت جماعت وقلت کے ہے، اگر بہت بڑی جماعت تھی تو ۲۷ درجہ ثواب ہوگا، ورنہ ۲۵ درجہ (اور یہی کیا کم ہے؟)

عاشراً: ۲۷ درجہ خاص ہے جہری نماز یعنی فجر وعشاء ومغرب میں، اس لئے کہ عموماً ان تین وقت نمازیو ں کی کثرت ہوتی ہے اور ۲۵ خاص ہے سری نماز یعنی ظہر وعصر کے لئے، اور یہی وجہ مناسب بلکہ انسب اور قریب صواب 61
ہے، اس لئے کہ ۲۵ درجہ جن وجوہات سے مقرر کئے گئے (جس کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں) وہ سرّی اور جہری دونوں نمازوں میں پائے جاتے ہیں۔

لیکن جہری میں دو زیادہ ہیں، اس لئے ۲۵ پر ۲ بڑھنے سے ۲۷ ہوں گے، وہ وجوہات جن پر یہ ثواب متفرع ہے، یہ ہیں:

۱۔ اجابتِ موذن بہ نیت صلوۃ فی الجماعۃ۔

۲۔ اول وقت میں چل کے جانا۔

۳۔ سکینت اور وقار سے چلنا۔

۴۔ مسجد میں دعا پڑھتے ہوئے داخل ہونا۔

۵۔ مسجد میں داخل ہو کے صلاۃ التحیۃ پڑھنا۔

۶۔ پھر جماعت کا انتظار کرنا۔

۷۔ پھر فرشتوں کا ان کے لیے دعا و استغفار کرنا۔
۸۔ شہادت فرشتوں کی مصلّی کے لیے۔
۹۔ اجابت موذن کی اقامت۔
۱۰۔ سلامتی شیطان سے وقت بھاگنے اس کے نزدیک اقامت کے۔
۱۱۔ کھڑے رہنا انتظار میں تکبیرہ احرام امام کے۔
۱۲۔ تکبیر اولیٰ (تحریمہ) کا پانا۔
۱۳۔ برابر کرنا صف کا اور بند کرنا کشادگی کا۔
۱۴۔ جواب دینا امام کا وقت کہنے اس کے سمع اللہ لمن حمدہ کے۔
۱۵۔ امن میں رہنا سہو سے اور امام کو اس کے سہو پر ساتھ تسبیح کے متنبہ کرنا۔
۱۶۔ حاصل ہونا خشوع و سلامت و خضوع و اخلاص کا۔
۱۷۔ عمدہ کرنا ہیئت کا غالباً۔
۱۸۔ گھیر لینا فرشتہ رحمت کا۔
۱۹۔ حریص ہونا اوپر سننے مخارج قرأت اور سیکھنے ارکان کے۔
۲۰۔ ظاہر کرنا شعار اسلام کا۔
۲۱۔ ارغام شیطان۔
۲۲۔ تعاون اوپر اطاعت کے۔
۲۳۔ نشاط متکامل کا حاصل ہونا۔
۲۴۔ سلامتی صفت نفاق سے۔
۲۵۔ جواب دینا سلام کا اوپر امام کے اور نفع اٹھانا ذکر و دعا سے۔

یہ ۲۵ امر ہر سرّی و جہری نماز میں پائے جاتے ہیں لیکن جہری میں یہ دو امر زائد ہیں:

۲۶۔ انصات مقتدی وقت قرأت امام سورۂ فاتحہ کے بعد۔
۲۷۔ آمین کہنا مقتدین کا وقت آمین کہنے امام کے تاکہ موافق ہو آمین سے فرشتوں کے۔

اسی وجہ سے ۲۷ مختص ہے ساتھ نماز جہری کے اور ۲۵ مختص ہے ساتھ نماز سرّی کے۔[1] فتلك عشرة كاملة

سمجھا جناب حنفی صاحب! ان دس وجوہات سے ہر دو حدیثوں کے درمیان مطابقت پائی جاتی ہے اور ان دونوں میں اس قدر نکات بھرے تھے، اس کو آپ حنفی کیا سمجھیں؟ جن کی سمجھ ہمیشہ حدیث میں قاصر رہتی ہے اور اس برتے پر

[1] دیکھیں: فتح الباري (٢/ ١٣٢)

تتا پانی! اس فہم پر حدیث پر اعتراض؟ اور خصوصاً احادیث بخاری پر؟ آئندہ سے اپنے اس ارادہ سے باز آیئے، ورنہ یاد رکھئے۔

رنگ لائے گا یہ اک دن آپ کا رنگ حنا
او ستمگر پاؤں میں مہندی لگانا چھوڑ دے

62 **مریب**: ۲۔ "عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلث إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أوتمن خان."

"حضرت ابوہریرہ ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین علامت ہے، ایک جب بات کرے جھوٹ بولے، دوسری جب وعدہ کرے خلاف وعدہ کرے، تیسری جب امانت دار بنایا جائے خیانت کرے۔" (بخاری مطبوعه أحمدی: ۱/ ۱۰، باب علامة المنافق)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منافق کی علامت تین ہے اور اس کے خلاف میں حدیث مذکور کے نیچے ایک دوسری حدیث ہے:

"عن عبد الله بن عمر أن النبي ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقا خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كان فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر."

"حضرت عبداللہ بن عمر ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار خصلتیں ہیں کہ جن میں سب خصلت ہوں، وہ منافق خالص ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہے، تو اس میں ایک خصلت نفاق کی پائی جاتی ہے جب تک کہ اس کو ترک کرے:

۱۔ جب امانت دار بنایا جائے خیانت کرے۔
۲۔ جب بات کرے جھوٹ بولے۔
۳۔ جب وعدہ کرے خلاف وعدگی کرے۔
۴۔ جب خصومت کرے حق سے جدا ہوجائے۔

پس اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علامت منافق کی چار ہیں، تین وہی جو پہلی حدیث میں ہے اور علاوہ اس کے ایک اور یعنی جب خصومت کرے حق سے جدا ہوجائے، پس یہ دونوں حدیث کیونکر ٹھیک ہوسکتی ہے؟

مجیب: بہت ٹھیک ہے! اس لئے کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ذکر قلیل منافی نہیں ہے ذکر کثیر کے، آپ کا اعتراض جب صحیح ہوتا کہ پہلی حدیث میں حصر ہوتا اور عبارت یوں ہوتی: "ثلث آية المنافق" یعنی منافق کی علامت تین

ہی ہے، کیونکہ ایسے لفظ کو مقدم کرنا جس کا مقتضیٰ تاخر ہو، اسی کا نام حصر ہے، حالانکہ حدیث میں ایسا نہیں، چنانچہ آپ نے بھی یہ ترجمہ نہیں کیا کہ منافق کی علامت تین ہی ہے، لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔ پس پہلی میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ تین بھی منافق کی علامت ہے اور چوتھی حدیث میں یہ ہے کہ ایک علامت یہ بھی ہے، چنانچہ اس مطلب کو دوسری حدیث واضح کرتی ہے، جس کو ہم تفصیل سے آپ کی اگلی عبارت کے جواب میں بتلاتے ہیں، آپ نے ہم کو سمجھا کیا ہے؟ ؎

نازک کلامیاں میری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں

63 **مریب**: اور اس میں ایک دقت سخت یہ واقع ہوگی کہ مثلاً اگر کسی شخص میں چوتھی علامت پائی جاتی ہے، یعنی یہ کہ خصومت کے وقت حق سے جدا ہو جاتا ہے، تو وہ مطابق پہلی حدیث کے منافق نہ ہوگا اور دوسری حدیث کے مطابق منافق ہوگا، پس مطابق کتاب بخاری کے ایک ہی شخص منافق ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا ہے۔

مجیب: واہ رے عقل! کتاب بخاری کے مطابق کیا؟ حدیث رسول کے مطابق یا کتاب بخاری کے مطابق؟ ۔ع

بریں عقل و دانش ہزار آفریں

اب سنئے جواب: اے جناب! دقت کیوں واقع ہوگی؟ اگر کسی شخص میں چوتھی علامت ہو تو کیا پہلی حدیث اس کی نفی کرتی ہے؟ جو اس کے مطابق منافق نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا، دوسری حدیث کے اس جملہ پر غور فرمائیے، سرور کائنات فرماتے ہیں کہ جس شخص میں چاروں خصلتیں بالاجتماع ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا، اور جس میں ایک ایک خصلت ان میں سے ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، پس جس شخص میں صرف چوتھی علامت ہوگی، وہ منافق خالص نہ ہوگا، بلکہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، لہٰذا کوئی دقت نہیں، کہئے اب بھی سمجھے یا نہیں، اگر اب بھی نہیں سمجھا تو ہم علانیہ کہیں گے کہ ؎

ضیا کو تیرگی اور تیرگی کو جو ضیا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے

مریب: اب آخر میں ہم اپنے فریق مخاطب سے چند التماس کرتے ہیں:

ا۔ ''یہ کہ اگر واقعی ان کو مناظرہ کرنا ہے تو اس کو صاف طور سے ظاہر کر کے چند لوگوں کو پنچ مقرر کریں (تا آخر)''

مجیب: اجی جناب! پنچ وپنچ کا بکھیڑا ابھی رہنے دیں، پہلے آپ اپنی تحصیل علوم کی سند تو پیش کریں کہ آپ نے کن علوم کو کس مدرسہ میں تحصیل کیا ہے اور اس سند کو مشتہر کریں کہ پبلک بھی دیکھے اور اگر آپ ہماری سند کی بابت کہیں تو ہم نے عرصہ ہوا اپنے رسالہ ''حکم الحاکم'' میں چند موقعوں پر اپنی سند کا مع مختصر عبارات اسانید ذکر کیا

ہے اور آپ کی فرمائش پر ہم بالتفصیل مشتہر کر سکتے ہیں، حوصلہ ہو اور مرد میدان بننے کا شوق ہے تو آیئے، بسم اللہ! ورنہ رشیدیہ (جو مناظرہ کی کتاب ہے) اس کو اٹھا کر دیکھئے کہ منجملہ شروط مناظرہ ایک شرط مساوات ہے۔

پس پہلے اس کو ثابت کیجئے ؎

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

مریب: دوم، یہ کہ جو تحریر شائع کریں، وہ مہذب پیرایہ میں ہونا چاہیے، کسواسطے کہ بخاری شریف میں کوئی ایسی حدیث نہیں پائی جاتی ہے، جو نامہذب طریقہ پر گفتگو کرنے کی تعلیم کرتی ہو۔ فقط 64

مجیب: اگر بخاری شریف میں نہیں تو قرآن شریف میں تو ہے: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ [الشوریٰ: ٤٠] جس کا مطلب یوں سمجھئے:

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

مریب: ۱۳۲۲ھ قدسی

مجیب: واہ اے عربی دانی! اور اس پر شوق مناظرہ!! سنۃ کے آخر میں تاء تانیث ہے، جس کی صفت بھی مونث آنی چاہیے، تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت باقی رہے، یوں لکھئے: ''ہجریہ قدسیہ'' کہو! اب بھی حق استادیت نہیں ادا کرو گے؟!

الحمدللہ کہ اس کے فضل و مدد و تائید روح القدس سے عمر کریم فی ھن [1] کے اشتہار نمبر (۲) کا مکمل و مفصل جواب باوجود اشغال مختلفہ و افکار شتی کے آج نو (۹) دن میں تمام ہوا۔

جناب من! اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی نہ آپ کا منہ دکھائے!! ؎

مانگا کریں گے دعا اب سے ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ختم اللّٰه لنا بالحسنیٰ، والحمد للّٰه الذي بنعمته تتم الصالحات الباقيات، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوة والسلام على خير البرية محمد واله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وسائر أتباعه أجمعين، إلىٰ يوم الدين . ۱۳۲۷ھ

---

[1] حنفی کا مقلوب ہائے ہوز سے! (مؤلف)

اشعار مدح امام بخاری رحمہ اللہ و جامع صحیح بخاری شریف

۱۔ قول حافظ عبد الرحمن بن علي الربيع يمني رحمه اللّٰه

تنازع قوم في البخاري ومسلم　　لديّ وقالوا أي ذين تقدم
فقلت لقد فاق البخاري صحة　　كما فاق في حسن الصناعة مسلم

۲۔ قول شیخ تاج الدين سبكي رحمه اللّٰه

علا عن المدح حتى ما يزان به　　كأنما المدح من مقداره يضع
له الكتاب الذي يتلو الكتاب هدى　　لدي إسناده طود ليس يضدع
الجامع المالح الدين القويم وسنته　　الشريعة ان تغتالها البدع
قاضي المراتب داني الفضل تحسبه　　كالشمس يبدو سناها حين ترتفع 65
ذلت رقاب جماهير الأنام له　　فكلهم وهو عالم فيهم خضعوا
لا تستمعن حديث الحاسدين له　　فإن ذلك موضوع وينقطع
وقل لمن لام يحكيه اصطبارك　　لا تعجل فإن الذي تبغيه ممتنع
وهبك تأتي كما يحكي شكايته　　النفس يحكي محيا الجامع البيع

۳۔ وأنشد الشيخ شمس الدين الدجوي رحمه اللّٰه (ملخصاً)

بحمداللّٰه نبدأ مادحينا　　حديث المصطفیٰ والشار حينا
فإن المصطفیٰ صلوا عليه　　بطيب حديثه يتمسكونا
ويكفي مسلما علم البخاري　　يرد به اعتقاد الكافرينا
إذا ما جئته تلقاه بحراً　　جواهره تفوق الحاصرينا
وفيه من العوالم فاتحات　　على طلّابه نورا مبينا
فكم فرض علمت به ونفل　　وكم حكم أعز الحاكمينا
وذرة فقهه يرقون فيها　　على حسب الأدلة ينظرونا
مصابيح الهدیٰ انبثت عليه　　فأصبح وهو كهف المهتدينا

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

فحصل ما قدرت عليه منه ... يكون ذخيرة دنيا ودينا
وكيف لا و خادمه إمام ... شهاب الدين قاضي المسلمينا
بفتح الباري اتضحت وبانت ... مناهل علمه للواردينا
صحيح سد باب الطعن فيه ... وفتح من مسائله العيونا
جلا صور المسائل فاستبانت ... بألفاظ عرائس يمهرونا
وفيه الواضحات وغامضات ... فلا يبعد به متفقهونا
وأحكام ليسعدك قد أضاءت ... شوارعها طريق السالكينا
ومن يدري الحديث ومسنديه ... ويمليه الكرام الكاتبينا
سما بسماعه سطح الثريا ... إليه بوصله يتوصلونا
وحسبك والمحابر حين تملى ... ترى أقلامها في الساجدينا
ونختم بالصلوة على نبي ... ختام الأنبياء والمرسلينا
وعترته الكرام وصاحبيه ... وأرضاهم وأرضى التابعينا 66

۴۔قصیده قاضی طلا محمد خان فشاوري رئيس الأدباء رحمه اللّٰه (ملخصاً)

إن رمت فوزا فخذوا قرء حديث نبي ... من معدل الرشد لاتترك ولاتذر
أعني صحيح البخاري ذا بغير مرا ... أصح في كتب الأخبار والأثر
أكرم به من كتاب جل رتبته ... كالغيث منسجم والبحر مبتحر
روايح الرفد والمسك الفتيت زكت ... من ذا الكتاب الشذي المعجب الندر
هذا الكتاب الذي فيه اتباع نبيّ ... نور لكل دجيّ القلب منكدر
هذا الكتاب الذي بحر الهدى فيه ... طهر فؤادك عما فيه من قذر
هذا الكتاب الذي فيه هدى وشفا ... فخل سمعك عن بلوى أخي هذر
هذا الكتاب الذي لو جئت ساحته ... فحط رحلك قد نجبت عن خطر
هذا الكتاب الذي فيه منًى وتقًى ... لكل ساعٍ إلى الخيرات مبتدر
هذا الكتاب الذي نور النبي به ... طوبىٰ لمقتبس فيه ومدخر
هذا الكتاب الذي راقت فضائله ... طوبىٰ لملتمس منه ومجتبر

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

هذا الكتاب الذي فاقت لوامعه	أدناه أبهى وأسنى من سنا القمر
هذا الكتاب الذي لو كنت عامله	تالله رب العلىٰ تنج من السقر
هذا الكتاب الذي يهدي إلى رشد	طوبىٰ لمحتفظ فيه ومزدهر
هذا الكتاب تراه جنة بنعت	طوبىٰ لمنتزه منها ومبتكر
هذا الكتاب أحاديث مكرمة	مسلسلات إلى المختار من مضر
هذا الكتاب الذي طاب النفوس به	وفي سناه جلاء القلب والبصر
هذا الكتاب الذي أضواءه ارتطمت	ليجلو بأنواره كالنجم في الخدر
هذا الكتاب الذي نرجوا الفلاح به	فيه شفاء لقلب غير مصطبر
هذا الكتاب الذي فيه درايتنا	لابد منه لأهل العلم والخبر
هذا الكتاب الذي قد جاء عن ثقة	عن مثله ثقة في الصدق مشتهر
هذا الكتاب الذي تسموا جواهره	في لمعة وسنىً أبهى من الدرر
هذا الكتاب الذي أضحت تراجمه	متينة لأولي الأخبار والأثر
هذا الكتاب الذي ظلت مقاصده	يغنيك عن كل سفر خط في الخبر 67
هذا الكتاب الذي جمّت عوائده	تشف لكل مريض القلب ذي ضجر
هذا الكتاب الذي تشفي دراسته	لكل ذي عاهة للموت منتظر
هذا الكتاب الذي زاهت مآر به	لو حررت ليسواد العين كان جرى
هذا الكتاب الذي لا ريب مستند	إلى جناب رسول الله ذي الفخر
هذا الكتاب الذي قد جل سلوته	عند البيب حليف الوجد والسهر
هذا الكتاب الذي يأتي الشفاء به	لكل عاني براه السقم بالذعر
هذا الكتاب الذي فيه درايتنا	كم في قراءته من جيد الأثر
هذا الكتاب الذي يحلو مكرره	حلاوةً زائدا أجلىٰ من السكر
هذا الكتاب الذي يأتى بعافية	لكل ذى عاهة في الموت محتضر
هذا الكتاب الذي تزانت عبارته	كأنها غادة في سندس خضر
هذا الكتاب الذي جاءت فضائله	مثل النجوم تراها غير منحصر
هذا الكتاب الذي بانت جلالته	كالبدر في غسق والنجم في سرر
هذا الكتاب الذي فاحت نسائمه	وروحت روحنا من طيب الذفر

هذا الكتاب الذي طابت شمائمه وعطر الكون من طيابه العطر
هذا الكتاب الذي فاغت شمائله أهلا به من نسيم منه مستحر
بوح الهدى في الضحىٰ بدر الدجىٰ في العلى بوح النهي والدهىٰ ذي المنظر النظر

اللهم انصر من نصر البخاري رحمه الله الذي نصر دين محمد ﷺ واجعلنا منهم، واخذل من خذل البخاري ـرحمه الله، ورضي عنهـ ولا تجعلنا منهم ، آمين ثم آمين برحمتك يا أرحم الراحمين.

تقریظ رسالہ ہذا: 68

ا۔ ازحبر علام بحر قمقام عالم یلمعی لوذعی علامہ بے بدل فہامۂ اجل فخر المتقد مین سند المتاخرین محدث زماں مجتہد آواں قامع البدعت والتقلید رافع السنۃ والتوحید مولانا ابوالطیب مولوی محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی رحمه الله

بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله وكفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ أما بعد.

اس فقیر نے رسالہ "الريح العقيم" **مؤلفہ شاب فاضل صالح مولوی محمد ابو القاسم صاحب بنارسی** بارك الله له وآتاه الله تعالىٰ حسن الدنيا والآخرة كومن أوله إلىٰ آخره دیکھا، **ماشاء اللہ بہت عمدہ وصحیح تحریر ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ملحد کذاب مفتری کا خوب ہی جواب دیا ہے اور سنت نبویہ** على صاحبها السلام والتحية **کی پوری طور سے حمایت کی ہے، پس منکرین سنت نبویہ اور عدوّ محمد رسول اللہ** ﷺ **خیر البریہ کے لیے تازیانہ ہے اور حاسد علی صحیح البخاری کے لیے یہ کتاب** سوط الله الجبار على متن الملحدين الأشرار ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ۔

حرره أبو الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادی عفی عنه

۲۔ تقریظ از سخنور فصیح اللسان نکتہ سنج بلیغ البیان مولوی محمد یوسف صاحب شمس، محمدی، فیض آبادی

انوار علم سے جو منور جہاں رہے
تقلید رو سیاہ کی ظلمت نہاں رہے
تحقیق دیں کی روشنی پھیلے زمانہ میں
تقلید کفر زا کا نہ نام و نشان رہے
تقلید کا جہان سے اندھیر دور ہو
مٹ جائے کذب و زور صداقت عیاں رہے
باطل کے دھوم دھام میں بے رونقی پڑے
بازار حق کی دھوم سدا بیگماں رہے
بے علم بدعتی نہ کبھی سر اٹھائیں پھر
احبار دین کھینچے جو سیف بیاں رہے
جب وہ اٹھائیں سر یہ اٹھاتے ہیں حسام
ان نیچوں کے خوف سے وہ نیم جاں رہے
دکھلائے جہل جب وہ بخاری پہ کر کے جرح
دکھلاتا خوب اپنی ہی کم ظرفیاں رہے

تو اس کے سفلہ پن کا ادھر سے ہو یہ علاج — تیار ایک غازی دیں پہلواں رہے
فاضل ہیں وہ محمد ابو القاسم جری — ہر ایک معرکے میں جو باعز و شاں رہے
ان کا قلم ہے سیف پئے قتل مشرکین — تقلیدیوں کا جس سے نہ نام و نشاں رہے
دجّال پٹنوی پہ کیئے ایسے ایسے وار — گر بے حیا نہ ہوتو نہ قالب میں جاں رہے
ریح عقیم اس کے لیے ایک عذاب ہے — ایسا رمیم ہو کہ نہ باقی نشاں رہے
بیہودگی سے سامنے آیا اگر تو پھر — خزی [1] عظیم اس پر تہِ آسماں رہے
اے شمس واسطے ابوالقاسم کے کر دعا — یا رب یہ نوجوان ہمیشہ جواں رہے

---

[1] یہ اصل میں نام ہے، اس رسالہ کا جو پٹنوی کے اشتہار نمبر (۴) کے جواب میں شائع ہوا ہے۔ (مؤلف)

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾

العرجون القدیم

فی إفشاء

هفوات عمر کریم

۱۳۲۶ھ

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی کے اشتہار نمبر (۳) کا معقول و دندان شکن جواب دیا گیا ہے اور امام بخاری ؒ کا ڈیفنس کیا گیا ہے۔ نیز ان کے حالات (مختصر لائف) بھی درج ہیں، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اس کو من أوله إلى آخره بنظر انصاف ملاحظہ فرمایئے۔

از تازہ تصانیف واہتمام

مولوی محمد ابوالقاسم صاحب بن مولانا محمد سعید صاحب مرحوم محدث بنارسی

اعتذار

ناظرین حیران ہونگے کہ مولوی عمر کریم نے اپنا اشتہار نمبر (۳) ۱۳۲۴ھ میں شائع کیا تھا، اس کا جواب آج ۱۳۲۶ھ میں کیوں نکلا ہے؟ کیا مجیب اتنے دنوں تک جواب ہی میں غلطان تھا؟

نہیں بلکہ اصل واقعہ یوں ہے کہ میرے پاس بماہ شعبان ۱۳۲۴ھ کو اشتہار نمبر (۳) پہنچ چکا تھا، جس کا جواب میں نے بعونہ وصونہ ۲۴ھ ماہ رمضان ہی میں کامل ایک ماہ میں لکھ دیا تھا، لیکن ان دنوں بوجہ سرمایہ مہیا نہ ہونے پریس میں طبع کرانے سے معذور ہوا اور دوسرے پریس میں بہ خیال صرف کثیر کے نہ چھپوا سکا، چنانچہ اس دوطرفہ خیال میں دوسرا رمضان ۱۳۲۵ھ آ پہنچا اور درمیان میں بوجہ شغل کاموں کے اس کی طرف خیال بھی نہ گیا، غرض دوسرے رمضان یعنی ۱۳۲۵ھ میں میں نے ملازمین پریس مہیا کئے اور اس کے طبع کرانے کا مصمم ارادہ کر لیا، چنانچہ اس سال اپنے اشتہار میں بھی اس کو بہ لفظ ''زیر طبع'' شائع کیا، لیکن قریب نصف کے طبع ہوا ہوگا کہ پریس میں نقصان آ گیا، جس کی وجہ سے بند کر دیا گیا اور قریب ایک سال تک پریس وغیرہ کی مرمت ہوئی۔ اس سال پھر بقیہ طبع کرانے کا ارادہ ہوا، اتفاق سے خوشنویس بیمار ہوگیا، جس کی وجہ سے مزید حرج ہوا، لیکن ساتھ ہی اس کے یہ خیال ہوا کہ زیادہ دیر کرنا باعث بدنامی ہے، اس لئے کسی نہ کسی طور پر سے اس کو ازسر نو لکھایا اور طبع کرا کے ہدیہ ناظرین کیا۔ امید ہے کہ میرے احباب اس تاخیر کو معاف فرما دیں گے، والعذر عند کرام الناس مقبول!

عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

عاجز

محمد ابوالقاسم عفی عنہ

مدرس مدرسہ اسلامیہ و مہتمم مطبع محلّہ دارانگر بنارس ۱۳۲۶ ہجری

1 تہیدستان قسمت را چہ سوداز رہبر کامل
کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را ❶

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

الحمد لله الواحد الواجد الماجد العظيم، الدائم الحاكم العالم القديم، القوي الغني العلي الحكيم، المانع الواسع النافع العليم، الحميد المجيد الرشيد الكريم، الجبار القهار الغفار الحليم، الذي قدر القمر منازل حتى عاد كالعرجون القديم، والذي أعد للمتقين دارالنعيم، وجعل مآل اللئيم إلى دار الجحيم، أحمده سبحانه على ما أولاه من الإحسان والفضل العميم، وأشكره على ما أسداه من الإنعام والتكريم، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الملك الأعلىٰ العظيم، وأشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده ورسوله الرؤف بأمته الرحيم، المخصوص بالتفضيل والتشريف والتقديم، اللهم فصل وسلم على عبدك ورسولك محمد وعلىٰ اله وأصحابه ذوي الاستقامة والتقويم، أما بعد:

محمد ابو القاسم کنجاہی الاصل بنارسی الوطن حضرات و ناظرین والاتمکین کی خدمت با برکت میں التماس کرتا ہے کہ پھر عمر کریم کا ایک رسالہ نما اشتہار میری نظر سے گزرا، حقیقت امر یہ ہے کہ اول سے آخر تک صرف جہالت و بطالت و ضلالت سے مملو اور افتراءات سے پر پایا، اوپر سے طرہ یہ کہ وہ اشتہار اُقطع اور اُجذم اور اُبتر بھی تھا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ عمر کریم نے اس اشتہار کو نہ تو بسم اللہ سے شروع کیا، نہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی حمد و سپاس ہے، نہ سرور کائنات، فخر موجودات احمد مجتبیٰ و مصطفیٰ ﷺ پر درود بھیجا۔ حالانکہ یہ تینوں امر ایسے ضروری ہیں کہ ذہنی قصد سے بھی نہیں ادا ہوتے، جب تک کہ ''اینچہ کلکم می نگارد...الخ '' کی صورت میں نہ ظاہر ہوں، ورنہ وہی لازم آئے گا۔ ع

2 گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أبتر“ . ❷

''یعنی جو ذی شان کام کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ شروع کیا جائے، وہ ذاہب البرکت ہوتا ہے۔''

اور حمد کے بارہ میں سنن ابن ماجہ میں بروایت ابی ہریرہ یوں مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

❶ بدقسمت کو رہبر کامل کا کیا فائدہ؟ کہ خضر نے سکندر کو آب حیات سے پیاسا رکھا۔

❷ یہ روایت بایں الفاظ صحیح ابن حبان میں نہیں ہے، اور منقولہ بالا الفاظ کی سند میں احمد بن محمد بن عمران ضعیف اور متروک ہے۔ دیکھیں: تاريخ بغداد (٥/ ٧٧) إرواء الغليل (١/ ٢٩)

File D:\books\books\books\Sandali Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"كل أمر ذي بال لم يبدأ فيه بالحمد لله فهو أقطع." [1]

"یعنی جو شاندار کام کہ الحمدللہ سے نہ شروع کیا جائے، وہ مقطوع البرکت ہوتا ہے۔"

بسم اللہ والی روایت میں ابتدا حقیقی ہے، پس اس کو ما سوا سے مقدم ہونا چاہیے، اور الحمدللہ والی روایت میں ابتدا اضافی ہے، پس اس کو بہ نسبت بعض کے (یعنی صلوۃ علی النبی کے) مقدم ہونا چاہیے اور بنسبت بعض (یعنی بسم اللہ) کے موخر ہونا چاہیے، اور درود کے بارے میں كتاب الأذكار للنووي اور القول البديع للسخاوي میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بالصلوة علي فهو أجذم." [2]

"یعنی جس شان والے کام میں مجھ پر درود نہ بھیجا جائے، وہ ٹنڈا ہوتا ہے۔"

اس میں ابتداء عرفی ہے۔ پس اس کو مقصود (یعنی مضمون کتاب سے) مقدم ہونا چاہیے، كما لا يخفىٰ على من له أدنىٰ مهارة في المنطق!

اسی لحاظ سے کہ عمر کریم میاں نے اپنے اشتہار میں ان امور کا خیال تک بھی نہ کیا (اور شاید آپ کو معلوم بھی نہ ہو کیونکہ اتنا مادہ کہاں؟) وہ اشتہار اقطع و اجذم و ابتر ہوا۔ باقی رہا اس کا جہالت و ضلالت وغیرہ سے پر ہونا اس کی وجہ انصاف کی نظر سے دیکھنے والوں کو آگے معلوم ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، انھی وجوہ سے اس اشتہار کا جواب لکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ عوام کالأنعام کے دلوں میں ان لغویات کی وجہ سے شبہہ پیدا ہو جانے کا خوف تھا، اس لیے میں نے اس کے دفع کا ارادہ کر کے اس کا جواب لکھنے کی طرف قصد کیا، پس۔ ع

اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی ہے

واضح ہو کہ عمر کریم کا قول "**قوله**" سے اور اس کا جواب "**أقول**" سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ ناظرین کو طرفین کی تحریروں میں امتیاز کا موقع ملے۔

والله أسأل أن يجعله لي ولسائر المسلمين دافعا، ولأوهام المنكرين رافعا، ولإيرادات المبطلين دافعا، وفي مصاعد القبول ساطعا، ولعرق محاجات الجاحدين قاطعا، رب اشرح لي صدري، ويسر لي أمري، اللهم أيدني بروح القدس.

---

[1] سنن ابن ماجه، برقم (١٨٩٤) نیز دیکھیں: سنن أبي داود (٤٨٤٠) سنن الدارقطني (ص: ٨٥) صحيح ابن حبان (١/ ٢) اس کی سند میں قرۃ بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وجملة القول أن الحديث ضعيف لاضطراب الرواة فيه على الزهري، وكل من رواه عنه موصولا ضعيف، أو السند إليه ضعيف، والصحيح عنه مرسلا كما تقدم عن الدارقطني وغيره" (إرواء الغليل: ١/ ٣٢) نیز دیکھیں: سنن الدارقطني (١/ ٢٢٩) سنن البيهقي (٢٠٨/٣) التلخيص الحبير (٣/ ١٥١)

[2] القول البديع (ص: ٢٤٦) بعد ازاں حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قوله: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے منہ اور ہاتھ وغیرہ ٹھہرایا گیا ہے۔

أقول: اخاہ! کیا آپ کو اس کی بھی خبر نہیں ہے کہ یہ سب صفات مثل سمع و بصر و ید وغیرہ اللہ تعالیٰ کے لیے باتفاق ائمہ حنفیہ ومحدثین ثابت ہیں؟ اگر قدماء کی کتب کا مطالعہ نصیب نہیں ہوا تو شرح عقائد نسفی و شرح فقہ اکبر ملا علی قاری حنفی و شرح بدء الأمالی ہی دیکھ لیا ہوتا، اگر یہ سب بھی میسر نہ ہوتی تو صرف مالا بدمنہ ہی کو دیکھ لیا ہوتا، اگر استادیت کا حق ادا کرو تو ہم ہی تم کو ائمہ محدثین و ائمہ احناف کے کلام کو نقل کر کے بتلا دیں، اچھا لو ذرا جامع الترمذي (١٢٠/١) باب ما جاء في فضل الصدقة کے ذیل میں ملاحظہ کرو: 3

”وقد ذكر الله تبارك و تعالیٰ فی غير موضع من كتابه اليد والسمع والبصر، فتأولت الجهمية هذه الآيات، وفسروها على غير ما فسر أهل العلم، وقالو: إن الله لم يخلق آدم بيده، وقالوا: إنما معنى اليد ههنا۔ القوة، وقال إسحاق بن إبراهيم: إنما يكون التشبيه إذا قال: يد كيد، أو مثل يد، أوسمع كسمع، أو مثل سمع، فإذا قال: سمع كسمع، أو مثل سمع، فهذا تشبيه، وأما إذا قال كما قال الله تعالیٰ: يد وسمع وبصر، ولا يقول: كيف، ولا يقول: مثل سمع، ولا كسمع، فهذا لا يكون تشبيها، وهو كما قال الله تبارك وتعالیٰ فی كتابه: ﴿ليس كمثله شيء وهو السميع البصير﴾[1] انتهى.

”حاصل ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے اپنی بابت قرآن میں کئی جگہ ”يد و سمع وبصر“ کا لفظ ذکر فرمایا ہے، جہمیہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ اس سے مراد قوت وقدرت ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر قرآن میں ”يد كيد یا ”مثل يد“ یا ”سمع كسمع“ یا ”مثل سمع“ وارد ہوتا یا کوئی یوں کہے تو البتہ تشبیہ ہوگی، ورنہ فقط ” يد وسمع وبصر“ کو مجہول الکیف کے اعتبار سے کہنے میں کسی قسم کی تشبیہ نہیں، قرآن کی آیت ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الشوریٰ: ١١] اس پر شاہد ہے۔“

اور امام ابوالحسن اشعری، جس کے عقیدہ پر سارے احناف ہیں، ” كتاب الإبانة عن أصول الديانة “ میں فرماتے ہیں:

”باب الكلام في الوجه والعينين والبصر واليدين، قال الله تعالیٰ: ﴿كل شيء هالك إلا وجهه﴾ وقال عزوجل: ﴿و يبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام﴾ فأخبر أن له وجها لا يفنى، ولا يلحقه الهلاك، وقال لموسیٰ وهارون: ﴿إنني أسمع وأرىٰ﴾ فأخبر تعالیٰ عن

---

[1] سنن الترمذي، تحت حديث (٦٦٢)

سمعه وبصره ورؤيته، ونفت الجهمية أن يكون لله وجه كما قال، وأبطلوا أن يكون له سمع وبصر وعين، ووافقوا النصارىٰ لأن النصارىٰ لم تثبت الله سميعا بصيرا، وكذلك قالت الجهمية، فمن سألنا فقال: أتقولون إن لله يدين؟ قيل: نقول ذلك بلا كيف، وقد دل عليه قوله تعالى: ﴿يد الله فوق أيديهم﴾ وقوله: ﴿لما خلقت بيدي﴾ فثبتت اليد،" انتهى. مختصراً [1]

''یعنی قرآن سے تو صاف خدا کے لیے وجہ و ید و سمع و بصر و رؤیت ثابت ہے، لیکن جہمیہ اس کا انکار و ابطال کرتے ہیں، اس عقیدہ میں وہ نصاریٰ کے موافق ہیں، اس لئے کہ نصاری بھی خدا کو ایسا نہیں مانتے، اگر وہ ہم سے سوال کریں، تو ہم قرآن سے اس کو ثابت کر دیں گے۔''

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"فما ذكره الله تعالىٰ في القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس، فهو له صفات بلا كيف، ولا يقال: إن يده قدرته أو نعمته، لأن فيه إبطال الصفة، وهو قول أهل القدر والاعتزال، ولكن يده صفته بلا كيف،" [2] انتهى.

''قرآن میں جو خدا نے اپنے لیے '' وجه و يد و نفس ''کا ذکر کیا ہے، یہ اس کی صفات بلا کیف ہیں، پس اس سے قدرت و نعمت مراد لینا اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ معتزلہ وغیرہ کا مذہب ہے۔''

اور شیخ الاسلام بزدوی نے اُصول فقہ میں کہا ہے: 4

"وكذلك إثبات اليد والوجه حق عندنا معلوم بأصله، متشابه بوصفه، ولن يجوز إبطال الأصل بالعجز عن درك الوصف، وإنما ضلت المعتزلة من هذا الوجه،" انتهى. [3]

''یعنی '' وجه و يد '' باری کا ثابت ہونا ہم کو باَصلہ معلوم ہے اور بوصفہ متشابہ ہے، لیکن بوجہ عاجز ہونے وصف کے پتہ لگانے سے اصل کا باطل کرنا یہ ہرگز لائق نہیں، یہی تو وجہ ہے کہ معتزلہ گمراہ ہوگئے۔''

پس تمام اہلحدیث (کثرهم الله) واحناف کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بے شک "يد وساق ووجه وسمع وبصر وإصبع " ہے، لیکن کیسا ہے؟ یہ اللہ کو معلوم ہے۔

اب کہاں ہیں مشتہر صاحب! امام صاحب کی کتاب فقہ اکبر کو دیکھیں اور اِبانہ وبزدوی کی عبارت کو پڑھیں، اور بتلا دیں کہ اگر آپ کا یہ عقیدہ نہیں تو آپ کا بعینہ مذہب نصاریٰ وجہمیہ ومعتزلہ کا مذہب ہے یا نہیں؟

---

[1] الإبانة للأشعري (ص: ١٢٠) الباب السادس.

[2] الشرح الميسر على الفقهين الأبسط والأكبر المنسوبين لأبي حنيفة (ص: ٢٧)

[3] أصول البزدوي (ص: ١٠)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کہئے! کیسے الٹے پڑ گئے؟ۓ

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہوگا
رو برو ان کے جو آئینہ مقابل ہوگیا

قوله: اور یہ کہا گیا اللہ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔

أقول: کیسا سفید جھوٹ اور کیسی بے جا تہمت ہے؟ اجی حضرت! ذرا " مسلّم الثبوت " جو احناف کے نزدیک اصول فقہ میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے، اس کے منہیہ کو ملاحظہ کرو کہ:

''ہم نہیں تسلیم کرتے اللہ تعالیٰ کے اوپر کذب کے ممتنع ہونے کو۔''

اور ایسا ہی دوسری کتب حنفیہ میں مرقوم ہے، مگر مسئلہ صدور کذب و امکان کذب میں کس قدر فرق ہے؟ تم کم علم وکم مایہ اس کو کیا سمجھو گے؟ بہر حال علماء حنفیہ سے اس مسئلہ کو دریافت کر کے پھر ان کے حق میں جو کچھ چاہو استعمال کرو اور ہم سے سننا چاہو تو سنو، احناف نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا اپنے وعید کا خلاف بھی کر سکتا ہے، مثلاً اللہ نے فرمایا ہے کہ جہنم کی آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا خلاف کر سکتا ہے، چنانچہ شرح عقائد نسفی، مطبوعہ علوی (ص: ٨٦) میں ہے:

"زعم بعضهم: أن الخلف في الوعيد كرم ."

''یعنی بعض (حنفیہ) نے کہا ہے کہ اللہ کا کرم ہے وعید کا خلاف کرنا۔''

حاشیہ پر حنفی محشی یہ گوہر افشانی کرتے ہیں: " والحق أن الخلف جائز عقلا " یعنی حق یہی ہے کہ عقلا خلاف وعدہ کرنا جائز ہے۔ (باری کے لئے) اور اثبات خلف وعید میں ملا علی قاری حنفی کا ایک مستقل رسالہ ہے۔ ذرا ان کتابوں کو مطالعہ کیجئے، تاکہ حقیقت امر منکشف ہو۔ پس اس عقیدہ کا انتساب اہلحدیث کی طرف کرنا سبحانك هذا بهتان عظيم ۔آہ!ۓ

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو
کس روز ہمارے سر پہ نہ آری چلا کئے

قوله: رسول اللہ ﷺ کی تشبیہ چمار سے دی گئی۔

أقول: یہ بھی صریح بہتان ہے، جو مولوی تمنا نے مولانا اسماعیل شہید پر لگایا تھا، جس کا جواب مولوی شہود الحق صاحب نے " صيانة الإيمان " میں بہ تفصیل مدلل دیا ہے، چنانچہ " صيانة الإيمان" (صفحہ: ۵) کی عبارت 5
مندرج صفحہ ہذا ہے:

''باقی مولوی محمد اسماعیل ؒ کی طرف خدا کو جھوٹا اور حضرت کو چمار سے زیادہ ذلیل کہنے کی نسبت

بالکل غلط ہے، مولوی محمد اسماعیل رحمہ اللہ نے کہیں نہ خدا کو جھوٹا کہا ہے اور نہ حضرت کو چمار سے زیادہ ذلیل، یہ سب افترا ہے۔''

مگر ہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے مقابلہ میں کسی مخلوق کی ویسی عظمت نہیں، کیا تم نے وہ حدیث قدسی جو صحیح مسلم و جامع الترمذی وغیرہما میں ہے، دیکھی نہیں ہے، دیکھو عبارت اس کی یہ ہے:

"عن أبي ذر عن رسول اللهﷺ فيما روىٰ عن الله تبارك وتعالىٰ أنه قال: يا عبادي! إني حرمت الظلم على نفسي، وجعلته بينكم محرما، فلا تظالموا، يا عبادي! لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا علىٰ أفجر قلب رجل منكم، لم ينقص ذلك من ملكي شيئا، يا عبادي! لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا على أتقىٰ قلب رجل منكم لم يزد ذلك في ملكي شيئا". ❶

''یعنی اگر تم سب بدکار ہو جاؤ، تو خدا کا کچھ نقصان نہیں اور سب نیکوکار ہو جاؤ، تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔''

پس دیکھو! اس حدیث میں کس درجہ عظمت کا بیان ہے؟ مگر تم خبث طینت کے باعث یہ کہہ دوگے کہ یہ تو حدیث ہے، اس کو ہم نہیں مانتے، خیر جن کو تم پیغمبر کے درجہ میں سمجھتے ہو، یعنی جناب مخدوم شرف الدین بہاری ان کے قول کو دیکھو، وہ مکتوبات صدی (۱/ ۱۱۵) مکتوب سی و پنجم در ذکر حج فرماتے ہیں:

''چوں در عظمت و عزت او نظر کنی ہمہ موجودات عدم بینی و چوں بہ سلطان عزت و قدرت او نگری ہمہ معدومات را موجود یابی، اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چوں محمد ﷺ بیافریند و بہر نفسی از انفاس ایشاں مقام قاب قوسین دہد در جلال او وذہ زیادت نگردد و اگر خواہد در ہر نفسی صد ہزار چوں فرعون بیافریند تا دعویٰ انا ربکم الأعلیٰ کنند در جمال و کمال او ذرہ کم نہ گردد۔'' ❷ انتھی

اب تم جو چاہو مخدوم صاحب کو کہو، اگر اور مکتوبات کو اٹھا کر دیکھو تو ان میں بھی اسی قسم کا مضمون ملتا ہے۔ چنانچہ مخدوم یحییٰ منیری اپنے مکتوبات صدی کے مختلف مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

''اگر خواہد در لحظہ ہزار ہزار آدم بیافریند و ہزار ہزار چوں حبیب و خلیل برگزیند در قدرت عرش رفیع با ذرہ حقیر برابر است'' ❸

---

❶ صحيح مسلم، برقم (۲۵۷۷)

❷ جب تو اس کی بے نیازی کی عظمت و عزت دیکھے تو تمام موجودات معدوم نظر آئیں گیں، اور جب تو اس کی قدرت دیکھے، تو تمام معدومات موجود نظر آئیں گیں، اگر چاہے تو ہر لمحے محمد ﷺ جیسے ہزاروں پیدا کر کے ان میں سے ہر ایک کو مقام قاب قوسین کا نظارہ کروا دے، یہ اس کے جلال میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے، اور اگر چاہے تو ہر سانس میں ہزاروں فرعون جیسے پیدا کر دے، جو دعوائے کبریائی کریں، تو یہ اس کے جلال و جمال میں ذرہ برابر کمی نہیں لا سکتے۔

❸ اگر چاہے کہ ہزار لمحے میں ہزار آدم اور حبیب و خلیل جیسے ہزاروں پیدا کر دے، اس کی قدرت بلند شان کے لیے سب ممکن ہے۔

نیز دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اے برادر کسے را کار باجبارے وقہارے افتادہ است (الی قولہ) محمد را کہ خاتم رسالت بود ﷺ وعیسیٰ را کہ برجریدہ طہارت بود ویحییٰ را کہ ہرگز گناہ نہ کردہ ونہ اندیشیدہ دریک سلسلہ بند واز برسر ایشان راند وخالدً مخلداً در دوزخ بدارد از کسے نہ اندیشد واز کسے باک ندارد ویک ذرہ ظلم بر دامن عدلش نہ نشیند الخ۔'' اسی طرح دیگر مکتوبوں کو دیکھو۔

6 اجی جناب! اتنا ہی نہیں بلکہ بعض صوفیہ حنفیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات جانوروں کی مینگنی سے بھی بدتر ہے اور اسی پر ایمان کا دارومدار قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب ''فوائد الفوائد'' مطبوعہ حسینی دہلی (ص: ٦٧) میں فرماتے ہیں:

''ایمان کسے تمام نمیشود تاہمہ خلق نزدیک اوھم چنیں نہ نماید کہ پشک شتر''

ہر مخلوق پر اٹکنے والے لوگ لفظ تمام مخلوق پر غور کریں اور لفظ چمار پر بگڑنے والے اونٹ کی مینگنی پر غور کریں اور مولانا روم نے تو اور غضب کیا کہ احمد رحمۃ للعالمین کو اور ابوجہل لعین کو ایک ہی ساتھ وزن کیا ہے، چنانچہ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

گر بصورت آدمی انسان بدے
احمد و ابوجہل ہم یکساں بدلے [1]

پس دیکھو کہ ان حضرات نے آنحضرت ﷺ کی تعظیم کا کہاں تک پاس کیا ہے۔

قوم خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

قولہ: اور ان کا درجہ مثل ایک بھائی کے سمجھا گیا۔

أقول: غلط کہتے ہو، اتنا ہی درجہ کسی نے نہیں سمجھا ہے شک ہو تو سنو۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر [2]

ا۔ لیکن تم کو جو یہ شبہہ پیدا ہوا ہے، تو شاید مسند احمد والی روایت ہے، جو مشکوۃ ''باب عشرة النساء'' کے فصل ثالث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اعبدوا ربکم وأکرموا أخاکم''[3] یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔

---

[1] اگر آدمی کی صورت میں انسان بد ہے، تو احمد و ابوجہل ایک جیسے ہیں!! (نعوذ باللہ من ذلک)

[2] خدا کے بعد تو ہی بزرگ ہے، قصہ مختصر!

[3] مسند أحمد (٧٦/٦) اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

اگر چہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے کو مومنوں کا بھائی فرمایا تو ہم اس الزام سے بالکل بری ہیں، کیونکہ اس مقولہ کے قائل ہم نہیں، اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ خدا نے قرآن میں دیگر انبیاء کرام کی بابت فرمایا ہے:

۱۔ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ [الأعراف: ٦٥]

۲۔ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ [الأعراف: ٧٣]

۳۔ ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ [الأعراف: ٨٥]

۴۔ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [الشعراء: ١٠٦]

۵۔ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [الشعراء: ١٦١]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بڑی سرکش اور منکر قوموں کا ان نبیوں کو بھائی فرمایا ہے، لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ اس حدیث میں تمھارے شبہہ کا بین رد موجود ہے کیونکہ "أكرموا" کا لفظ خود آنحضرت ﷺ کے ازدیاد درجہ کا ثبوت دیتا ہے اور درجہ میں ایک بھائی کے مثل سمجھنے کی ممانعت کرتا ہے، اگر علم حدیث ہو تو اس نکتہ کو سمجھو، لیکن تم کو یہ کہاں نصیب؟ ورنہ تم صحیح بخاری پر اعتراض کرنے بیٹھتے؟ سچ ہے:

"چمگادڑ کی آنکھ اور آفتاب سے مقابلہ"

۲۔ اور اگر ابھی تمھاری تشفی نہیں ہوئی تو دوسرا جواب سنو، اخوت کی دو قسمیں ہیں: دینی و قومی، آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ اخوت دینی کے اعتبار سے ہے (جیسے حضرت ابراہیم ◆ نے اپنی بی بی سارہ کو اپنی بہن کہہ دیا تھا[1]) اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بابت قرآن میں جو فرمایا ہے، وہ اخوت قومی کے اعتبار سے ہے۔

۳۔ تیسرا جواب ملا علی قاری حنفی کا سنو، مرقاۃ میں حدیث مذکور کے تحت لکھتے ہیں:

"قاله تواضعا، يعني أكرموا من هو بشر مثلكم"[2].

"یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو تواضعاً فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی تعظیم کرو جو تمھارے مثل بشر ہے۔"

چنانچہ اس کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [الكهف: ١١٠] 7

جس کا ترجمہ کسی حنفی نے یوں کیا ہے۔

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم

[1] صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾ صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام، رقم الحديث (٢٣٧١)

[2] مرقاة المفاتيح (١٠/ ٢٠٣)

که بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

بس جب علامہ علی قاری حنفی ایسا فرماتے ہیں، تو پھر آپ اعتراض کیوں کرنے لگے؟ اصل یہ ہے کہ اہلحدیث کی ضد میں آپ کو ایسی دقتیں اٹھانی پڑی ہیں، ورنہ اہلحدیث تو یوں کہتے ہیں (عربی جانتے ہو تو سمجھو!)

محمد خير البشر لكنه لا كالبشر قل فيه وامدح أنه ياقوتة بين الحجر
بل ما سمعنا مثله أبدا ولا بصر البصر هو مصطفىٰ لإلٰهنا خير ما ولدت مضر ❶

قوله: صوفیہ کرام جو اولیا اللہ اور خدا کے مقبول بندے ہیں (الی قولہ) ان کی شان میں صوفیہ ملاحدہ بے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔

أقول: تمہیں بھی افترا باندھنے کی عادت ہوگئی ہے اور اس میں تم نے بڑی مشاقی پیدا کر لی ہے، لیکن افسوس کہ اس کا کوئی قدردان نہیں۔ ارے مفتری! یہ بھی صریح بہتان ہے کیونکہ صدر اول کے صوفیہ کرام نہایت پابند شریعت و عابد و زاہد تھے اور ان لوگوں کا پورا پورا عمل کتاب الزہد والرقاق پر تھا، وہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں میں داخل ہیں۔

فلقد نرىٰ الصلحاء من أتباعه أهل البصر
فازوا بأعلىٰ رتبة ولهم كرامات كبر ❷

اور ایسے صوفیہ کرام کی بابت ہم لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔

أحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحا ❸

باقی رہے ایسے صوفی جو اصل میں متصوف (یعنی تکلف سے صوفی بنتے) ہیں اور صریح خلاف شرع کام کرتے ہیں اور ان سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں، جن کی اصل شریعت سے نہیں ملتی، تو ایسوں کو ضرور ملاحدہ کہا جائے گا!۔

---

❶ محمد خیر البشر ہیں، لیکن عام بشر کی طرح نہیں بلکہ کہہ (اور مدح کر) کہ وہ ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت بلکہ ہم نے نہ ان جیسے کے متعلق سنا نہ کسی آنکھ نے ان جیسا دیکھا ہے، وہ ہمارے معبود کا چنا ہوا اور قریش کا یکتا جنا ہے۔

❷ ہم صالحین کو دیکھتے ہیں جو اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں اور صاحب کرامات ہیں۔

❸ صالحین کو پسند کرتا ہوں، اگر ان میں سے نہیں ہوں، شائد اللہ مجھے بھی صالح بنا دے۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اے بسا ابلیس کا دم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

کیونکہ ان لوگوں کے ہاں افعال شرعیہ کی پابندی نہیں ہے اور رات دن قبر پرستی میں مصروف رہتے ہیں (لیکن تمھارے نزدیک تو یہ سنت اور من شعائر اللہ ہے، ہے نا؟ شرم!) دیکھو جناب مخدوم شرف الدین بہاری ﷬، جن کو تم پیغمبر کے برابر جانتے ہو، مکتوب بیست وہشتم (ص:۹۳) مکتوبات صدی میں فرماتے ہیں:

8 ''وبر وے واجب است کہ راہ طریقت بموافقت شریعت برود وہر کرا بینی در طریقت موافقت شریعت نہ بود اورا از طریقت ہیچ فائدہ نہ بود افتادہ باشد وآں مذہب ملحدان است کہ قیام یکے بے دیگرے روادارند و گویند چوں حقیقت کشف شد شریعت برخیزد براں اعتقاد لعنت باد ظاہر بے باطن نفاق است و باطن بے ظاہر زندقہ است،'' انتہی۔ ❶

دیکھو تمھارے مخدوم صاحب نے خود ایسے صوفیہ کو ملاحدہ وملعون ومنافق وزندیق کہا ہے، اب تم جو چاہو مخدوم صاحب کو کہو۔ میں تم کو ایک خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہوں کہ دیکھو ایک دن تمہیں مرنا بھی ہے اور خدا کے آگے منہ بھی دکھانا ہے، ایسے صریح جھوٹ افترا پردازیوں سے باز آؤ، دیکھو ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن یہ فیصلہ کرتا ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ [النحل: ١٠٥]

یعنی وہ جھوٹے جنکی سزا یہ فرمائی گئی ہے:

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ [البقرة: ١٠]

یعنی جھوٹوں کو سخت عذاب ہوگا۔ اللھم احفظنا.

قولہ: تقلید شخصی جو اسلام کے ہر فرقہ کا مدار ایمان ہے اور جو تمام اولیاء اور فقہاء اور مفسرین ومحدثین حتی کہ امام بخاری ﷬ کا یہی مذہب رہا ہے (الی قولہ) شرک ٹھہرائی گئی۔

أقول: یہاں پر آپ نے افترا کا فوارہ اہل اسلام کے ہر فرقہ پر چھوڑا ہے، اگر ہم انھی فرق مذکورہ کے اقوال سے تمھارے خلاف ثابت کر دیں، تو تمھاری کیا ناک رہی؟ الزامی جواب تو اسی قدر ہے کہ چونکہ آپ نے کسی کے اقوال سے اپنے مدعیٰ کا ثبوت نہیں دیا، لہٰذا دعویٰ بے دلیل باطل! ؎

من ادعیٰ شیئا بلا شاهد
لا بد أن تبطل دعواه

❶ راہ طریقت شریعت کے موافق ہونی چاہیے، جسے تو طریقت میں شریعت کے مطابق نہ دیکھے، اس کی طریقت کا کوئی فائدہ نہیں، یہ ملحدوں کا مذہب ہے کہ ایک کو دوسرے کی جگہ رکھ کر کہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوتی ہے، تو شریعت جاتی رہتی ہے، ایسے عقیدے پر لعنت ہے، باطن کے بغیر ظاہر منافقت ہے تو باطن بے ظاہر زندیقی!

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اب تحقیقی جواب! بترتیب اقوال فرق مذکورین سنو اور پہلے کتاب وسنت سے اس کو پرکھو اور ہر ایک نمبر پر غور کرو!

۱۔ اہل اسلام کے ایمان کا مدار جو قرآن مجید ہے، اس کا اتارنے والا فرماتا ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ﴾ [الأعراف: ۳]

''منزل من اللہ کے سوا اوروں کا کہا مت مانو (خواہ امام ہوں یا ولی)۔''

دیکھئے! اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ " منزّل " اور " منزَّل علیہ " کے حکم کے سوا دوسروں کے حکم کو واجب العمل نہیں گردانا چاہیے، جو صریح ابطالِ تقلید ہے، اور بھی بہت آیتیں ہیں، جو بالمعنی ابطال تقلید میں صریح ہیں، لیکن بہ خوف طوالت اس ایک ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کیسے صاف طور پر ائمہ اربعہ کی تقلید سے منع کیا ہے، چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت جابر سے مروی ہے:

"قال: کنا عند النبيﷺ، فخط خطا، وخط خطین عن یمینه، وخط خطین عن یساره، ثم
وضع یده فی الخط الأوسط، فقال: ھذا سبیل اللّٰه، ثم تلاھذه الآیة: ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ 9
مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ﴾ [الأنعام: ۱۵۳] ❶

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور دو خط دائیں اور دو خط بائیں، پھر بیچ والے خط پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یہ خدا کا سیدھا راستہ ہے (یعنی اہل حدیث) اور ان چار خطوں کے بارے میں قرآن کی آیت پڑھی کہ اگر ان کی پیروی کرو گے تو تم سیدھی راہ سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔''

دیکھئے! ان چار خطوں سے ان چار مذاہب کی طرف اشارہ ہے، یعنی شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی، اسی لئے تو آپ نے چار سے نہ زائد خط کھینچا نہ کم، اب بتاؤ صاف ان کی تقلید کی ممانعت آپ ﷺ خود فرما رہے ہیں، اور اگر عام تقلید کی ممانعت حدیث سے سننا چاہو تو یہ بھی سنو، صحیح مسلم میں انھی حضرت جابر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فإن خیر الحدیث کتاب اللّٰه، وخیر الھدي ھدي محمدﷺ، وشر الأمور محدثاتھا". ❷

''یعنی سب سے بہتر کتاب اللہ لائق اطاعت ہے اور پھر محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ قابل اتباع ہے، اور نئے کام یا طریقہ (مثلاً تقلید وغیرہ) یہ بہت برے ہیں۔''

---

❶ سنن ابن ماجه: المقدمة، باب اتباع سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث (۱۱) مسند أحمد (۳/ ۳۹۷) اس کی سند میں مجالد بن سعید ضعیف ہے، لیکن اس معنی میں بروایت ابن مسعود یہ حدیث ثابت ہے۔ دیکھیں: مسند أحمد (۱/ ۴۶۵) سنن الدارمي (۱/ ۷۸) المستدرك (۲/ ۲۶۱) صحیح ابن حبان (۱/ ۱۸۱)

❷ صحیح مسلم: کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاه والخطبة، رقم الحدیث (۸۶۷)

جن کا نتیجہ دوسری روایت میں فی النار کے ساتھ وارد ہے۔ (1) اب بتلاؤ کہ حدیث بھی تقلید سے منع کرتی ہے۔ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، لیکن " للأکثر حکم الکل " کے لحاظ سے اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۳۔ تمام اولیاء وصوفیائے کرام نے تقلید کی تردید کی ہے، شیخ محی الدین (جو بڑے ولی اور صوفیاء کرام سے تھے (2)) فتوحات مکیہ میں اپنی سند کو امام ابوحنیفہ تک پہنچا کر فرماتے ہیں:

"إنه كان يقول: إياكم والقول في دين الله تعالىٰ بالرأي، وعليكم باتباع السنة، فمن خرج منها ضل" . (3)

''امام صاحب ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! اللہ کے دین میں کسی بات کو اپنی رائے سے کہنے سے بچو اور اپنے اوپر حدیث کی پیروی کو لازم کرو، جو اس سے نکل گیا وہ گمراہ ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صوفیا کرام کے نزدیک مقلد گمراہ ہے۔ اور سنئے!

مولانا روم (جو صوفیہ میں سے تھے) تقلید کا کیسا عمدہ خاکہ اڑاتے ہیں:

۱۔ بشنو ایں قصہ پے تہدید را تابدانی آفت تقلید را

[تہدید کے لیے اس قصہ کو سن، تاکہ تجھے تقلید کی آفت معلوم ہوجائے۔]

۲۔ نوحہ گر باشد مقلد را حدیث جز طمع نہ بود مراد آن خبیث

[رونے والا ہوتا ہے مقلد حدیث میں، سوا طمع کے اس خبیث کی کوئی مراد نہیں ہوتی۔]

۳۔ صد دلیل آرد مقلد در بیان از قیاسے گوید اورا نیز عیان

[اگرچہ مقلد سو دلیل کرے، مگر جو گمان ہے اس کو قیاسی بات جانتے ہیں۔]

۴۔ پس خطر باشد مقلد را عظیم از رہ رہزن زشیطان رجیم

[مقلد کے لیے بڑے خطرات ہیں، راستے سے، لٹیرے سے اور شیطان مردود سے۔]

۵۔ زانکہ تقلید آفت ہر نیکویست کاہ بود تقلید اگر کوہ قویست

[تمام نیکوکاری کے لیے تقلید بمنزلہ آفت کے ہے، گھاس کے برابر ہے، تقلید اگرچہ قوی پہاڑ کیوں نہ ہو۔]

۶۔ گرچہ تقلید است استون جہان ہست رسوا ہر مقلد ز امتحان

[اگرچہ تقلید تمام عالم کے لیے ایک بڑی آڑ ہے، مگر امتحان کے وقت ہر مقلد کو رسوا ہی دیکھا۔]

---

(1) دیکھیں: سنن النسائي، برقم (١٥٧٨) صحيح ابن خزيمة (١٤٣/٣)

(2) محی الدین ابن عربی کی بابت گزر چکا ہے کہ یہ بدعتی تصوف اور وحدت الوجود جیسے شرکیہ عقائد کا حامل تھا، حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے بقول اس کی کتب میں صریح کفر ہے۔ نیز دیکھیں: توفيق الهداية از سلطان باهو (ص: ٢٠)

(3) اللہ کے دین میں کچھ کہنے سے بچو، سنت کی پیروی لازم پکڑو، جو اس سے نکلا گمراہ ہوا۔

۷۔ از محقق تا مقلد فرقہا است کیں   چو داو داست وآن دیگر صداست

[محقق مقلد تک کی فرقے ہیں، دونوں کی مختلف صدائیں ہیں۔]

۸۔ آن مقلد صد دلیل وصد بیان   برزبان آرندار دہیچ جان

[مقلد سوسو دلائل اور سوسو بیان ظاہر کرتا رہے مگر سچ یہ ہے کہ اس میں جان نہیں ہوتی۔]

۹۔ بلکہ تقلید است آن ایمان او   روی ایمان را ندیدہ جان او

[تقلید جس کا ایمان ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس کی جان نے بھی ایمان کا منہ نہیں دیکھا]

۱۰۔ منکر آن باشد کہ تقلیدی بود   دین احمد را نہ تحقیقی بود

[منکر وہ ہے جو تقلید پرست ہو نہ کہ تحقیق پرست۔]

۱۱۔ گرچہ عقلت سوئ بالامی پرد   مرغ تقلیدت بہ پستی می چرد

[اگر تمھاری عقل بلندی کی جانب پرواز کرے، تقلید کا پرندہ پستی میں لے جائے گا۔]

۱۲۔ خلق را تقلید شان برباد او   ہفت صد لعنت برایں تقلید او

[مخلوق کو تقلید نے برباد کر دیا، ایسی تقلید پر سات سو لعنتیں۔]

لو صاحب! مقلدین پہ ہفت صد لعنت (شرم) اور سنئے شیخ سعدی شیرازی نے (جو صوفی تھے) ایک ہی مصرع میں 10
اس عمدگی کے ساتھ تمام بحثوں کو ختم کر دیا کہ تقلید کا خاکہ ہی اڑا دیا، بوستان کے آٹھویں باب میں فرماتے ہیں: ع

عبادت بہ تقلید گمراہی است[1]

کہاں گئے جناب مشتہر صاحب! دیکھئے کہ تمام اولیاء وصوفیاء کا مذہب یہی تقلید ہی رہا ہے؟ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے یا کچھ اور! افسوس کہ مجھے یہ مختصر رسالہ طول کی اجازت نہیں دیتا۔

۴۔ فقہاء نے بھی تقلید سے منع کیا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ، جور أس فقهاء الحنفیه ہیں، آپ سے سوال کیا گیا، جیسا کہ روضة العلماء میں ہے:

"إن أبا حنيفة سئل: إذا قلت قولا، وكتاب الله يخالفه؟ قال: اتركوا قولي بكتاب الله، فقيل: إذا كان خبر الرسول ﷺ يخالفه؟ قال: اتركوا قولي بخبر رسول الله ﷺ، فقيل: إذا كان قول الصحابة يخالفه؟ قال: اتركوا قولي بقول الصحابة."[2]

"یعنی امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کا قول قرآن کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ فرمایا: چھوڑ دینا، پھر پوچھا گیا کہ اگر حدیث کے خلاف ہو؟ فرمایا: تب بھی چھوڑ دینا، پھر پوچھا گیا کہ صحابہ کے قول

[1] تقلید کے ساتھ عبادت کرنا گمراہی ہے۔ (بوستان: ۲۸۸)

[2] عقد الجید (ص: ٩٤)

کے خلاف ہو؟ فرمایا: تب بھی ترک کر دینا۔"

لوحضرت ! اب کون سے فقہاء کو امام صاحب سے بھی زیادہ معتبر مانو گے؟ اگر تم کو دیگر فقہاء کا قول بھی دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ "التنقید" دیکھو۔

امام ابوحنیفہ رہنمائے دین نے یارو کتاب روضۃ العلماء میں فرمایا ہے جا دیکھو
کہ قول احمدی سے قول جو میرا مخالف ہو تو ایسے قول باطل کو وہیں دیوار پر مارو
یہاں تقلید ان کی کس لئے تم نے اٹھائی ہے

۵۔ مفسرین کا بھی یہ مذہب نہ تھا، دیکھو: "تفسیر فتح العزیز" (ص: ۷۷۰ مطبوعہ بمبئی) میں ہے:

"دریں آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق! اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہر کرا تقلید میکنی نزد تو محق است یا نہ اگر محق بودن او را نمی شناسی پس باوجود احتمال مبطل بودن او چرا او را تقلید میکنی۔ واگر محق بودن او را می شناسی پس بکدام دلیل می شناسی، اگر بہ تقلید دیگری شناسی سخن در آں خواہد رفت وتسلسل لازم خواہد آمد واگر بعقل می شناسی پس آنرا چرا در معرفت حق صرف نمیکنی وعار تقلید برخود گوارا می دادی، طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید میکنی، اگر ایں مسئلہ او را او ہم بتقلید دانستہ است پس تو واو برابر شدید، او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او میکنی، واگر بدلیل دانستہ است، پس تقلید وقتی تمام میشود کہ تم ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل بدانی والا مخالف او باشی نہ مقلد او، وچون تو ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضایع شد۔"❶

اور مذہب حنفیہ کی "تفسیر أحمدی" (مطبوعہ کلکتہ، ص:۴۲۴) میں ہے:

ویجوز له أن یعمل في مسئلة علی مذهب، وفي أخریٰ علیٰ اٰخر، کما هو مذهب الصوفیة ."

"یعنی ایک مسئلہ میں کسی کے مذہب پر اور دوسرے مسئلے میں دوسرے کے مذہب پر عمل کرے (کسی 11
خاص کی تقلید نہ کرے) صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔"

دیکھو مفسرین وصوفیہ دونوں کا مذہب تمھارے لکھے ہوئے کے خلاف معلوم ہوا۔

۶۔ محدثین پر بھی تم نے یہاں افترا کیا ہے، دیکھو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

"در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن، آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن، والا کالائے بدبرش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع

---

❶ اس آیت میں ابطال تقلید پر دو طرح سے اشارہ ہے۔ (۱) مقلد سے پوچھنا چاہیے کہ تو جس کی تقلید کر رہا ہے، وہ تمھارے نزدیک حق پر ہے کہ نہیں؟ اگر حق پر ہے اور تو اسے پہچانتا نہیں تو اس کے اس میں باطل پر ہونے کے احتمال کے باوجود تم اس کی تقلید کیوں کرتے ہو؟ اور اگر وہ حق پر ہے اور تو اسے جانتا ہے، تو کس دلیل کی بنا پر؟ اگر کسی دوسرے کی تقلید میں اسے پہچانتے ہو تو بات اس میں چلی جائے گی اور لازمی تسلسل آئے گا اور اگر عقل سے پہچانتے ہو، تو اسے معرفت حق میں کیوں استعمال نہیں کرتے کہ عار تقلید گوارا کرتے ہو؟

(۲) جس کی تم تقلید کرتے ہو اگر اس مسئلے میں وہ بھی کسی کی تقلید کرتا ہے، تو تم دونوں برابر ہو لہٰذا کس بنا پر اس کی تقلید کرتے ہو؟ اور اگر دلیل کا ←

سنت را ترک کردہ اندشنیدن وبدیشاں التفات نہ کردن وقربت خدا جستن بدوری ایشان۔" ❶

اور "حجة الله البالغه" (مصری، ص:۱۵۲) میں فرماتے ہیں:

"اعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد." ❷

"یعنی چوتھی صدی کے پیشتر کوئی بھی کسی خاص مذہب کی تقلید نہیں کرتا تھا۔"

اور شیخ عبدالحق حنفی، جن کو تمام "محدث دہلوی" کہتے ہو، شرح سفر السعادۃ مطبوعہ مطبع نولکشور (ص: ۲۱) میں فرماتے ہیں:

گویند کہ طریقہ پیشنیان برخلاف ایں بود ایشان تعیین مذہب واتباع مجتہد واحد را از واجبات نمی داشتند مجتہدان راعمل باجتہادخود بود وسبیل عوام رجوع بایشان بی آ نکہ التزام متابعت احدے کنند وانکار بردیگرے نمایند۔" ❸

دیکھو محدثین نے تقلید کی چھاڑ کر ڈالی ہے!!

۷۔ امام بخاری کا بھی یہ مذہب ہرگز نہ تھا بلکہ وہ خود مستقل مجتہد تھے نہ کہ مقلد، جیسا کہ آگے "قوله" کے جواب میں بالتفصیل آپ کو بتلایا جائے گا۔ فانتظر!

۸۔ ہم تمھاری خاطر علمائے احناف کے بھی دو قول لکھ دیتے ہیں، ملا عبدالعلی لکھنوی حنفی " شرح مسلّم الثبوت" (ص: ٦٢٨) میں فرماتے ہیں:

"إذ لا واجب إلا ما أوجب الله تعالىٰ، والحكم له، ولم يوجب على أحد أن يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة فإيجابه تشريع شرع جديد." ❹ انتهى

"یعنی اصل واجب تو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا ہوتا ہے اور اس نے کسی شخص پر اماموں سے کسی خاص کے مذہب کو اختیار کرنا نہیں واجب کیا ہے، پس اس کا التزام کرنا ایک نئی شرع نکالنا ہے۔"

معلوم ہوا کہ کسی امام کی تقلید کرنا ایک نئی شرع نکالنا ہے، پس یہ صریح "وشر الأمور محدثاتها" میں داخل ہے۔ فافهم!

⬅ علم ہے تو تقلید ختم ہوگئی کہ تم بھی اس مسئلے کو اس دلیل کے ساتھ جانتے ہو، وگرنہ تم اس کے مخالف ہوگے مقلد نہیں اور جب تم اس مسئلے کو دلیل سے جانتے ہو تو تقلید ختم!

❶ وصیت نامہ مع ترجمہ راہ نجات (ص:۴) فروع میں علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ وہ فقہ وحدیث کے جامع ہیں، اور ہمیشہ فقہی فروعی مسائل کتاب وسنت پر پیش کرنے چاہئیں، جو موافق ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو نہ ہو اسے نہیں۔ امت کو کسی بھی وقت معروضات فقہیہ کتاب وسنت پر پیش کرنے سے استغنا حاصل نہیں، اور وہ فقہا جو کسی عالم کی تقلید کرتے ہیں اور سنت کو ترک کرتے ہیں، ان کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے اور ان سے علیحدہ ہو کر خدا کی قربت تلاش کرنی چاہیے۔

❷ حجة الله البالغة (١/ ١٥٧)

❸ کہا جاتا ہے کہ پہلے علماء کا طریقہ ان کے خلاف تھا، وہ تعیین مذہب اور ایک ہی مجتہد کی پیروی واجب نہیں سمجھتے تھے، مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا اور عوام ان کی طرف اس طرح رجوع کرتے کہ کسی ایک کی متابعت کرتے اور دیگر کا انکار نہ کرتے۔

❹ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت (٢/ ٤٣٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کیوں جناب! آپ نے تو یہ گوہر افشانی کی تھی کہ تمام اولیاء وفقہاء ومفسرین ومحدثین کا مذہب اور اہل اسلام
12 کے ہر فرقہ کا مدارِ ایمان یہ تقلید ہے، حالانکہ سب ہی تقلید کا رد کر رہے ہیں، اور کون اس کی تائید کر سکتا ہے؟ اس لئے کہ مجتہد معین کی تقلید کو واجب و لازم جاننا شرک فی الرسالۃ ہے، بقول ع

نہیں وہ اہل سنت بلکہ مشرک فی الرسالۃ ہے

پس آپ کا سفید جھوٹ ہوا یا نہیں؟ اصل یہ ہے کہ چونکہ حیلہ گری و مغالطہ دہی تمھاری ہے، اس لئے تم نے ایسا لکھ کر عوام کو دھوکہ دیا ہے تقلید کی مفصل بحث رسالہ " التنقيد في رد التقليد "میں ملاحظہ کرو، جو چار اجزاء میں ہے۔ اس رسالہ میں ہم نے بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے ، اس رسالہ کے دیکھنے سے تم کو معلوم ہوگا کہ تمھارے علماء احناف نے تقلید کو جڑ سے اکھیڑ کر " قاعاً صفصفاً "کر دیا ہے۔ فتذكر وتب إلىٰ اللّٰه! ؎

تقلید کے پرزے اڑے توحید کے سکے جمے　　　شخصی مقلد جو کہ تھے پکے موحد ہوگئے

قوله: ترجمہ: تاج الدین سبکی نے کہا کہ ابو عاصم نے بخاری رحمہ اللہ کو ہم لوگ شافعیوں کے زمرہ (کلاس) میں ذکر کیا ہے۔

أقول: ع۔　　چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد ❶

کیوں نہ ہو؟ شاباش! یوں ہی چاہئے، اگر امام بخاری بالمعنى المتعارف امام شافعی کے مقلد تھے اور مجتہد مستقل نہیں تھے تو پھر سلف سے خلف تک ایک مجتہد کا بھی وجود نہیں پایا جائے گا، حق یہ ہے کہ امام بخاری و امام مسلم و ابو داود و ترمذی وغیرہم من المجتهدين المحدثين کے مقلد ہونے کا دعویٰ ایسا غلط و مردود اور بدیہی البطلان ہے کہ اس کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملے گی۔ اس کی اصل حقیقت سن! اور غور سے سنو!

علماء اصول کا بعض استدلالات میں اختلاف ہے، یعنی ایک مجتہد ایک طریق سے استدلال کرنا صحیح جانتا ہے، تو دوسرا ان کو صحیح نہیں جانتا ، چنانچہ اصول فقہ کی ساری کتابوں میں یہ مسئلہ بصراحت موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ بعض وجوہ سے احکام شرعیہ پر استدلال کرتے ہیں، حنفیہ ان وجوہ کو غلط کہتے ہیں، مثلاً قرآن شریف میں حکم ہے: ﴿مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء: ٢٥] یعنی اگر تم کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو تم ایماندار لونڈیوں سے نکاح کر لیا کرو۔ اس آیت میں عام لونڈیوں سے نکاح کا حکم نہیں دیا بلکہ ایماندار لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر لونڈیوں سے سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ اجازت کی صورت میں ایماندار کی قید لگائی گئی ہے، حنفی اس کو نہیں مانتے۔ ❷

اسی طرح اور بھی کئی اصول ہیں، حنفی ان اصولوں کو تسلیم نہیں کرتے، امام بخاری کی علمی تحقیق بھی یہی ہے کہ یہ دیگر اس قسم کے اور اصول حق ہیں، چنانچہ زمانہ حال کے اہل حدیثوں کا بھی یہی خیال ہے کہ امام شافعی اس نزاع میں حق

---

❶ چور کتنا دلیر ہے کہ ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے ہے؟!

❷ دیکھیں: المبسوط (٤/٧٧) بدائع الصنائع (٢/ ٥٤٦) الأم للشافعي (٥/٧) المهذب (٢/ ٤٣٨) مغني المحتاج (٣/ ١٨٣)

بجانب ہیں اور ان کا دعویٰ قرآن وحدیث اور عقل سے مدلل ہے۔ پس اس توافق فی الاصول کے لحاظ سے، جو امام بخاری و دیگر محدثین کو امام شافعی سے ہے، بعض علماء نے حسب زعم امام بخاری کو شافعیوں میں معدود کیا ہے، اگرچہ ان کا معدود 13
کرنا غلط و باطل ہے۔ ولا عبرة بقول ذلك البعض!

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث اپنے رسالہ ''الإنصاف'' (ص: ٦٧) میں اکابر محدثین مثل ابن جریر وغیرہ کے شافعی ہونے کی تشریح کرتے ہیں:

''ومعنىٰ انتسابه إلى الشافعي أنه جرىٰ على طريقته في الاجتهاد واستقراء الأدلة، وترتيب بعضها على بعض، ووافق اجتهاده اجتهاده، وإذا خالف أحيانا لم يبال بالمخالفة، ولم يخرج عن طريقته إلا في مسائل، ومن هذا القبيل محمد بن إسماعيل البخاري، فإنه معدود في طبقات الشافعية، وممن ذكره في طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكي، وقال: إنه تفقه بالحميدي، والحميدي تفقه بالشافعي،'' انتهى.[1]

''خلاصہ مطلب اس شہادت کا یہ ہے کہ ابن جریر اور امام بخاری کو امام شافعی کا مقلد ہونا لکھا جانا علی رائے تاج الدین سبکی ان معنی سے نہیں ہے جو آج کل متنازع فیہ ہیں، بلکہ یہ ایک الگ اصطلاح ہے کہ جس مجتہد کا توافق کسی مجتہد سے ہوا، پس متاخرین اس کو اس سابق کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب '' حجة الله البالغه ''(مصری، ص: ١٥٢) میں اس سے زیادہ واضح طور سے لکھتے ہیں:

''كان أصحاب الحديث أيضاً قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي والبيهقي ينسبان إلى الشافعي،''[2] انتهى.

''یعنی اہلحدیث بھی بعض اوقات کسی مذہب کی طرف نسبت کئے جاتے تھے، بوجہ اس کے کہ ان کے اکثر مسائل اس مذہب سے موافق ہوتے، جیسے امام نسائی وبیہقی کو شافعی کہتے ہیں۔''

نہ یہ کہ وہ شافعی کے مقلد تھے، معاذ الله! فالبخاري من هذا القبيل.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث ہمیشہ سے غیر مقلد رہے ہیں لیکن یہ اصطلاح بھی اسی وقت سے جاری ہوئی ہے جس سے تقلید (شتت الله شمله) کا زمانہ آیا، اس سے پہلے تو کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ حنفی کون ہوتے ہیں اور شافعی کون؟ ؎

وہاں یہ حال تھا ہرگز نہ اتباع پیمبر ﷺ کا
کہ مذہب ہو جدا ہر کا مقرر یا لقب ہر کا
کہ فاروقی فلانا ہے فلانا مرتضائی ہے

---

[1] الإنصاف لشاه ولي الله الدهلوي (ص: ٧٦)

[2] حجة الله البالغة (٣٢٢/١)

بلکہ یہی عام دستور تھا کہ خلف اہل علم سلف کے اقوال کو مع دلائل کے دیکھتے، پھر جس بات کو مدلل و مبرہن جانتے، اس کو قبول کر لیتے۔ ان کو یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ ہمارا مذہب کیا ہے، بلکہ ان کا یہ خیال ہوتا تھا کہ ہمارا مذہب قرآن و حدیث ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مسئلہ میں اگر وہ امام ابوحنیفہ سے موافق ہوتے تھے، تو دوسرے میں امام شافعی سے، الحاصل امام محمد بن اسماعیل البخاری مجتہد مستقل تھے۔ وہ امام شافعی سے کس بات میں کم تھے کہ ان کو تقلید شافعی کی 14
ضرورت پڑتی؟ دیکھو صحیح بخاری کے ترجمۃ الابواب میں انھوں نے کتنے مسائل میں امام شافعی کا خلاف کیا ہے اور کتنی جگہ بالاشارہ ان پر اعتراض کیا ہے، صرف ایک شخص کا قول جس کو تاج الدین سبکی نے طبقات میں لکھا ہے، قابل التفات نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو ائمہ متقدمین کی جماعت کا قول دکھاؤ، جس میں بتصریح موجود ہو کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے، یا کہیں امام بخاری ہی کا قول دکھلا دو کہ وہ اپنی شافعیت کے مدعی ہوں، یاد رکھو تم قیامت تک ان شاء اللہ نہیں ثابت کر سکو گے، ولو كان بعضكم لبعض ظهيرا !!

بلکہ دیکھو شیخ ابوالحسن سندھی مدنی حنفی نے حاشیہ صحیح بخاری مصری میں لکھا ہے:

"وقد تنازع في البخاري المذاهب الأربعة، والصحيح أنه مجتهد."

"یعنی ہر چہار مذہب والوں نے امام بخاری کی بابت تنازع کیا ہے۔ (یعنی شافعیوں نے ان کو اپنے طبقات میں شمار کیا ہے اور حنفیوں نے اپنے میں اور مالکیوں نے اپنے میں اور حنبلیوں نے اپنے میں) اور صحیح یہ ہے کہ امام بخاری (کسی مذہب کے پابند نہ تھے بلکہ مستقل) مجتہد تھے۔"

اور جب امام بخاری مجتہد تھے تو بقول شیخ عبدالحق دہلوی حنفی "مجتہد را عمل باجتہاد خود بود" ❶ امام بخاری مقلد نہ ٹھہرے، پس آپ کا دعویٰ باطل ہوا۔ فالحمدللہ

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

قولہ: امام بخاری ﷫ (الی قولہ) امام شافعی ﷫ کے پورے مقلد ٹھہرتے ہیں۔

أقول: یہ محض کذب اور باطل اور مردود ہے جیسا کہ تقریر بالا سے واضح ہے لیکن تم چونکہ خود بھی مقلد ہو، اس لئے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ "امام بخاری مقلد تھے" بھی تقلید ہی سے کام لیتے ہو کہ ابوعاصم (جو محض ایک مصنف ہے) نے امام بخاری کو شافعیوں کے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے جو کسی نے کہا کہ "تیرے منہ پر ناک نہیں تو لگے رونے مگر اتنا نہ کیا کہ منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھ تو لیتے کہ ناک ہے یا نہیں؟" ابو عاصم کے ذکر کرنے سے امام بخاری کو مقلد سمجھ لیا۔ مگر امام بخاری کی تصنیفات کو نہ دیکھا کہ کیا کہہ رہی ہیں، جس کسی کو ہمارے کلام میں شک ہو، وہ ایک طرف صحیح بخاری کو اور دوسری طرف مؤطا امام محمد کو رکھ کر دیکھے اور اپنے نفس سے فتویٰ پوچھے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ مؤطا امام محمد میں تو ہر جگہ یہ ملتا ہے:

---

❶ شرح سفر السعادة (ص: ۲۱) مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا تھا۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

"هذا قول أبي حنيفة، وبه نأخذ." "یعنی ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔"

مگر امام بخاری ﷫ نے تمام صحیح بخاری میں شافعی کا نام بھی نہیں لیا، صرف دو جگہ امام شافعی کا ذکر ملتا ہے:

۱۔ زکوۃ میں۔ ❶

۲۔ تفسیر عرایا میں، وہ بھی ان الفاظ میں:

"قال مالك: العرية أن يعري الرجل الرجل النخلة ... الخ، وقال ابن إدريس: العرية لا تكون إلا بالكيل". ❷

یعنی امام مالک نے یوں کہا ہے اور ابن ادریس نے یوں، ابن ادریس امام شافعی ﷫ کو کہتے ہیں، بھلا اگر امام 15
بخاری ﷫ امام شافعی ﷫ کے مقلد ہوتے تو یہی ان کی روش ہوتی کہ تمام کتاب میں دیگر علماء حسن بصری، عطاء، مکحول، سفیان، مالک، زہری وغیرہ کے اقوال تو نقل کرتے، مگر امام شافعی کا بجز دو جگہوں کے نام بھی نہ ہوتا۔ پس اگر علم اصول کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری جیسے عظیم الشان آدمی کو مقلد کہنا سخت کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ علماء اصول کے نزدیک مقلد اور جاہل ایک ہی معنی میں ہے، حالانکہ امام بخاری ﷫ وہ شخص ہیں کہ آية من آيات الله ہیں۔ پس جس کے علم وفضل اور اجتہاد کی تمام اکابر دین سلف سے خلف تک تعریف کریں، ایسے شخص کو مقلد کہنا آفتاب پر تھوکنا نہیں تو کیا ہے؟ پس اس کو یاد رکھو اور آئندہ کو "چھوٹا منہ بڑی بات" کا مقولہ ثابت نہ کرواؤ، بزرگان دین کی توہین کرنا چھوڑ دو، ورنہ یاد رکھو۔

رنگ لائے گا یہ ایک دن آپ کا رنگ حنا
او ستمگر پاؤں کو مہندی لگانا چھوڑ دے

قوله: ابن حجر عسقلانی جنہوں نے بخاری کی شرح فتح الباری تصنیف کی ہے اور امام بخاری کی پالائش کا بیڑا اٹھا کر ان کی طرف داری میں مستقل مقدمہ فتح الباری کا مسمی بہ ہدی الساری لکھا ہے اور اپنی پونجی حدیث دانی کی اس کام میں نہایت ناکامیابی کے ساتھ صرف کی ہے۔

أقول:۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر ❸

چونکہ تم کم علم وکم مایہ ہو لہٰذا تم فتح الباری کی قدر ومنزلت سے نا آشنا ہو، یہی وجہ ہے کہ تم نے اپنی پوری پونجی

---

❶ دیکھیں: صحيح البخاري، قبل الحديث (١٤٢٨)

❷ مصدر سابق، قبل الحديث (٢٠٨٠)

❸ نیک لوگوں کے کام اپنے اوپر قیاس نہ کر، اگرچہ لکھنے میں شیر (شیر) اور شیر (دودھ) ایک جیسے ہی ہیں!

اس تحریر میں بڑی ناکامیابی کے ساتھ خرچ کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری مع مقدمہ ایسی بے نظیر شرح لکھی ہے کہ باید وشاید!!

کیا تم کو نہیں معلوم کہ تمھارے ہم مذہب عینی نے " عمدة القاری " اسی " فتح الباری " سے مستفیض ہو کر لکھی ہے؟ کیا تم نے حافظ سخاوی کے قول کو نہیں دیکھا:

"صحیح بخاری کی شرح امت محمدیہ پر ایک دَین ثقیل تھا، کسی سے یہ دین ادا نہیں ہوا، صرف اس دین ثقیل کو حافظ ابن حجر ؒ نے ادا کیا۔" ❶

کیا تم نے نہیں سنا کہ جب علامہ شوکانی سے بخاری کی ایک اور شرح کی درخواست کی گئی، تو انھوں نے فرمایا: "لا هجرة بعد الفتح " ❷ جس سے اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ فتح الباری کے بعد اور سب شرحیں بیکار ہیں، اور فتح الباری مع مقدمہ کی قدر اس کے مطالعہ کرنے والوں پر خود ظاہر ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

لیکن ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ❸

پس اگر تمھارے ایسے سینکڑوں قلیل البضاعت حافظ ابن حجر علیه الرحمة من الله الأكبر کی تنقیص کریں، تو حافظ ؒ کے درجہ و منزلت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی، بلکہ یہی ان کے ازدیاد شان کا باعث ہوگا، بقول متنبیؔ ؎ 16

"وإذا أتتك مذمتي من ناقص
فهي الشهادة لي بأني كامل ❹

قوله: قبر رسول اللہ ﷺ اور دیگر بزرگان دین کی جو مثل صفا و مروہ اور حجر اسود کے من شعائر اللہ یعنی اللہ کی بعض نشانیوں سے ہیں اور جس کی زیارت ذریعہ نجات کا ہر مسلمان کے ہے، بت اور اس کی تعظیم جو بفحوائے اس آیت کے کی جاتی ہے: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ قوله: بت پرستی قرار دی گئی۔

---

❶ التبر المسبوك (ص: ٢٣١) سيرة البخاري (ص: ٢٦٠)

❷ فهرس الفهارس (١/ ٢٣٨) سيرة البخاري (ص: ٢٥٩)

❸ اگر دن کو چمگادڑ کی آنکھ والا (جو دن میں دیکھ نہ سکے) نہ دیکھ سکے تو اس میں سورج کا کیا قصور؟!

❹ ديوان المتنبي (ص: ١٢٢) اگر کسی ناقص آدمی کی طرف سے تم کو میری مذمت پہنچے تو یہ میرے کمال کی شہادت ہے۔

أقول: سبحان اللہ! نازم بریں فہم!! امت محمدیہ پر افترا باندھتے باندھتے شریعت محمدیہ پر افترا باندھنے لگے؟ عیاذا باللہ! یہ تمھاری بڑی جرأت ہے، گویا دین نبوی میں کمی بیشی کرنا تمھارے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہو شعائر اللہ میں داخل کر دو اور جس کا درجہ چاہو حجر اسود وغیرہ کے برابر کر دو، آج تمھارا مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم! ایسے ہی عقیدہ والوں کو فقہا نے ملحد و مرتد لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو تجدید اسلام ضروری ہے، آج تم نے تمام حنفیوں پر دھبہ لگا دیا، واللہ تم نے شیطان کے بھی کان کتر لئے، کیا تم کسی حنفی کی تفسیر میں بھی دکھا سکتے ہو جو کہ تم نے لکھا ہے؟ کیا تم "من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار"[1] کے مستحق نہیں ہوئے؟ ضرور ہوئے: اسی کو خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ﴾ [يونس: ١٨]

یعنی کیا تم اللہ کو بھی ایسی باتیں بتلانا چاہتے ہو جو اس کے علم میں نہیں؟

حالانکہ اس قرآن کا اتارنے والا ایسا خدا ہے، جس نے فرمایا:

﴿ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ [الفرقان: ٦]

''اے نبی! تو ان کو کہہ اس قرآن کو اس اللہ پاک نے اتارا ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کے مخفی بھید جانتا ہے۔''

پھر بتلایئے! ایسے مخفی بھید جاننے والے علام الغیوب کے کلام میں کسی کا کیا حق ہے کہ من شعائر اللہ میں ان باتوں کو داخل کر دے، جو نازل کرنے والے کے منشا کے خلاف ہو؟ اور جب ایسے شخص نے، جن پر قرآن اترا ہے، خود قبر پرستی کو بت پرستی فرمایا ہے، تو تم من شعائر اللہ کہنے والے حضرت ﷺ سے بھی بڑھ گئے؟ اور پھر یہ اعتراض کہ ''آنحضرت ﷺ کا درجہ مثل ایک بھائی کے سمجھا گیا'' چہ معنی دارد؟ اس لئے کہ تم نے اپنا درجہ قرآن کی شرح کرنے میں آنحضرت ﷺ سے بھی بڑھا لیا، کہو! کیسے لینے کے دینے پڑے؟ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

سنو اور غور سے سنو! انصاف کا خون نہ کرو، جو معاملہ قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کے بت پرستی ہونے میں 17
کسی مومن کو شک نہیں ہے، پس جس طرح سے بت پوجا جاتا ہے، اسی طرح اولیاء کی قبور پوجی جاتی ہیں، کیا تم کو

---

[1] سنن الترمذي، برقم (٢٩٥١) سنن النسائي الكبرىٰ (٣١/٥) اس کی سند میں عبدالأعلیٰ بن عامر الثعلبی ضعیف ہے، امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يحدث عن سعيد بن جبير ... بأشياء لا يتابع عليها " (الكامل: ٣١٦/٥) اور مذکورہ روایت سعید بن جبیر ہی سے مروی ہے۔

اجمیر و بغداد وغیرہ کی قبر پرستی کا حال نہیں معلوم کہ جو معاملہ اللہ پاک کے ساتھ کرنا چاہیے، اس سے زیادہ ہی خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ وشیخ عبدالقادر جیلانی وغیرھما کے ساتھ کیا جاتا ہے؟ پھر اس کے شرک ہونے میں کسی مومن باللہ کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟ بلکہ اس شرک کا عدم بدیہی البطلان ہے، حضرت ﷺ نے خود قبر پرستی کو بت پرستی سے تعبیر فرمایا ہے اور خدا سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مت کر میری قبر کو بت جو پوجی جائے![1]

پس اسی قبر پرستی سے رسول اللہ ﷺ نے خوف کیا تھا، جس کو تم شعائر اللہ کہتے ہو، اگر حقیقت میں آپ کی قبر من شعائر اللہ ہوتی تو آپ نے ایسا کیوں فرمایا، جیسا کہ مشکوۃ (ص:۶۴) میں ہے:

”قال رسول اللهﷺ: اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشتد غضب الله علىٰ قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد.“[2] (رواه مالك)

جس کا ترجمہ شیخ عبدالحق دہلوی حنفی شرح مشکوۃ (۱/۲۷۰) میں یوں کرتے ہیں:

”گفت آنحضرت ﷺ خداوندا مگردان قبر مرا مانند بتے کہ پرستیدہ میشود سخت شد یا سخت باد خشم خدا برگروہی کہ گرفتند قبر ہائے پیغمبران خود را مسجد ہا۔“[3]

اور مشکوۃ (ص:۶۱) میں ہے:

”عن عائشة رضي الله عنها أن رسول اللهﷺ قال في مرضه الذى لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد.“[4] (متفق عليه)

جس کے ترجمہ اور شرح میں وہی شیخ عبدالحق حنفی شرح مشکوۃ (ص: ۲۵۹) میں لکھتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ گفت در بیماری خود کہ برنخاست ازاں لعنت کند خدا تعالیٰ یہود و نصاری را کہ ساختند گور ہائے پیغمبران خود را مسجد ہا، چوں دانست آنحضرت قرب اجل را وبترسید از امت کہ مبادا بقبر شریف وے آں کنند کہ یہود و نصاریٰ بقبور انبیاء خود کردند، بیا گاہانید ایشاں را بر نہی ازاں بلعن بر یہود و نصاریٰ کہ قبور انبیاء را مساجد گرفتند، وایں

---

❶ التمهيد (٥/ ٤١) اس حدیث کو حافظ ابن عبدالبر اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

❷ الموطأ للإمام مالك (١/ ١٧٢) برقم (٤١٤) مشكاة المصابيح (١/ ١٦٥) مؤطا امام مالک میں یہ حدیث مرسل مروی ہے کیونکہ اسے عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں اور وہ تابعی ہیں، اسی لیے صاحب مشکاۃ فرماتے ہیں: ”رواه مالك مرسلاً“ لیکن حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسے مسند اور موصول بیان کرنے کے بعد اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: التمهيد (٥/ ٤١)

❸ أشعة اللمعات (١/ ٧٣٧) رسول اللہ ﷺ نے کہا: اے اللہ! میری قبر بت کی مانند نہ کر دینا جس کی پوجا کی جائے، ایک قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا، جس نے اپنے انبیاء کی قبریں سجدہ گاہ بنالیں۔

❹ صحيح البخاري: كتاب الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر و عمر رضي الله عنهما، رقم الحديث (١٣٢٤) صحيح مسلم: كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور ...، رقم الحديث (٥٢٩) نیز دیکھیں: مشكاة المصابيح (١/ ١٥٧)

بردو طریق متصور است، یکے آنکہ سجدہ بقبور برند ومقصود عبادت آں دارند چنانکہ بت پرستان بت می پرستند، دوم آنکہ مقصود ومنظور عبادت مولیٰ تعالیٰ دارند ولیکن اعتقاد برندکہ توجہ بقبور ایشاں در نماز وعبادت حق موجب قرب و رضای وے تعالیٰ است وموقع وے عظیم تر است نزدحق از جہت اشتمال وے بر عبادت ومبالغہ در تعظیم انبیائے او، وایں ہر دوطریق نا مرضی ونا مشروع است، اول خود شرک جلی وکفر است وثانی نیز حرام است، از جہت آنکہ در وے نیز اشراک بخدا است، اگرچہ خفی است، وبہر دوطریق لعن متوجہ است، ونماز گذاردن بجانب قبر نبی یا مرد صالح بقصد تبرک و تعظیم حرام است وہیچکس را در آں خلاف نیست۔" ❶

اس ساری عبارت کو غور سے پڑھو، نیز اسی مشکوۃ (ص:۶۳) میں دیکھو:

"عن ابن عباس رضي الله قال: لعن رسول اللهﷺ زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج." ❷ (رواه أبوداود)

شیخ عبدالحق حنفی شرح مشکوۃ میں یوں لکھتے ہیں:

"گفت ابن عباس لعنت کردہ است پیغمبر خدا ﷺ زنان را کہ زیارت کنند قبرہا را، ولعنت کردہ است رسول خدا ﷺ کسانی را کہ میگیرند بر قبور مسجد ہارا یعنی سجدہ برندگان بجانب قبور بقصد تعظیم وکسانی را کہ میگیرند چراغہا را بر قبور 18
بقصد تعظیم ونزد بعض حرام است، اگرچہ نہ بقصد تعظیم باشد از جہت اسراف وتضیع مال۔" ❸

نیز مشکوۃ ہی میں بروایت مسلم جندب ♦ سے مروی ہے:

---

❶ أشعة اللمعات (١/ ٣٥٤) نبی ﷺ نے اپنی اس بیماری میں کہا، جس سے اٹھ نہ سکے، کہ اللہ تعالیٰ یہود ونصاری پر لعنت کرے، جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں سجدہ گاہیں بنالیں، جب آپ ﷺ کو اپنی موت کے قریب ہونے کا علم ہوا تو آپ نے اپنی امت کو ڈرایا کہ مبادا آپ کی قبر بھی ایسے ہی مقدس بنالی جائے جیسے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا، تو یہود ونصاری پر لعنت کر کے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا، اور یہ دو طرح سے ممکن ہے، ایک قبر کو سجدہ کرنا اور اسے مقصود عبادت رکھنا، جس طرح بت پرست کرتے ہیں۔ دوسرے مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو، لیکن یہ اعتقاد رکھنا کہ ان کی قبر پر نماز پڑھنا قرب الٰہی اور رضائے خداوندی کا موجب ہے اور یہ جگہ اللہ کے ہاں زیادہ عظیم ہے، کیونکہ وہاں عبادت بھی ہوگی اور انبیاء کی تعظیم بھی، یہ دونوں طریقے ہی ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں، پہلا جلی شرک ہے، جو کفر ہے اور دوسرا حرام ہے، کیونکہ وہاں بھی شرک ہے، چاہے خفی ہی ہے اور دونوں طریقوں میں لعنت ہے اور تبرک یا تعظیم کی نیت سے قبر نبی یا کسی مرد صالح کی قبر رخ ہو کر نماز پڑھنا حرام ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

❷ سنن أبي داود (٣٢٣٦) سنن الترمذي (٣٢٠) سنن النسائي (٢٠٤٣) اس حدیث کی سند میں ابو صالح مولیٰ اُم ھانیؒ ضعیف ہے، امام مسلم ♋ فرماتے ہیں: هذا الحديث ليس بثابت، وأبو صالح باذام قد اتقىٰ الناس حديثه، ولا يثبت له سماع من ابن عباس" (تحذير الساجد للألباني: ٥٢) البتہ بایں الفاظ "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زوارات القبور" حدیث ثابت ہے۔ دیکھیں: سنن الترمذي (١٥٧٤) نیز دیکھیں: إرواء الغليل (٣/ ٢٣٢)

❸ أشعة اللمعات (١/ ٣٦٢) ابن عباس کہتے ہیں: اللہ کے رسول نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور انھیں سجدہ گاہ بنانے اور چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجی ہے، یعنی تعظیم کے قصد سے قبروں کی جانب سجدہ کرنا اور اسی غرض سے وہاں چراغ جلانا بعض کے نزدیک حرام ہے، اگرچہ تعظیم کا قصد نہ ہو، لیکن اسراف اور مال ضائع کرنے کی بنا پر بھی حرام ہے۔

"قال: سمعت النبيﷺ يقول: ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد، إني أنهاكم عن ذلك." ❶

ترجمہ شرح مشکوۃ [۱/۳۵۴] میں یوں ہے:

"شنیدم آنحضرت را کہ میگفت آگاہ باشید و بدانید کہ میگویم کسانیکہ می بودند پیش از شما بودند کہ میگیر فتند قبر ہائے پیغمبران خود را وصالحان خود را مسجد ہا، آگاہ باشید پس نگیرید قبرہا را مسجد ہا بدرستیکہ من شمارا نہی کردم ازاں۔"

اور مشکوۃ (ص: ۱۴۰) میں ہے:

"عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول اللهﷺ؟ أن لا تدع تمثالا إلا طمسته، ولا قبرا مشرفا إلاسويته." ❷ (رواه مسلم)

ترجمہ شرح مشکوۃ میں یوں ہے:

"گفت ابو الہیاج گفت مرا امیر المومنین علی آیا برنہ انگیزم وبفرستم ترا بر کارے کہ برانگیخت و بفرستاد مرا پیغمبر خدا ﷺ وآں کار ایں است کہ نگذاری ہیچ صورت را مگر آن کہ محو ونا پدید کنی آں را و نگذاری گور بلند را مگر آں کہ بر زمین برابر و ہموار کنی یعنی پست کنی، چنانکہ نزدیک بزمین باشد آں قدر کہ پیدا و نمایاں بود مقدار یک شبر چنانکہ سنت است۔" ❸

اور یہ بھی اسی مشکوۃ میں ہے:

"عن جابر قال: نهىٰ رسول اللهﷺ أن يجصص القبر، وأن يبنىٰ عليه." ❹ (رواه مسلم)

ترجمہ شرح مشکوۃ میں یہ ہے:

"نہی کرد آنحضرت ﷺ از گچ کردن گور و نہی کرد ازاں کہ بنا کردہ شود بر گور، بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است بہ سنگ و مانند آں وبعض گفتہ اند مراد بہ بنا خیمہ زدن و مانند آں است کہ آں نیز مکرو و منہی عنہ است۔" ❺

---

❶ مسلم: كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور...، رقم الحديث (٥٣٢) مشكاة المصابيح (١/ ١٥٧)

❷ صحيح مسلم: كتاب الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، رقم الحديث (٨٦٩) مشكاة المصابيح (١/ ٣٨٢)

❸ أشعة اللمعات (١/ ٧٣٧) ابو الہیاج نے کہا: مجھے حضرت علی ♦ نے کہا: میں تمھیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول خدا نے بھیجا تھا؟ وہ یہ کہ جو کوئی بھی تصویر دیکھنا اسے مٹا دینا اور جو کوئی بلند قبر دیکھنا اسے برابر کر دینا، یعنی پست کر دینا اور زمین کے اس قدر قریب کر دینا کہ ایک بالشت رہ جائے جو سنت ہے۔

❹ صحيح مسلم: كتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، رقم الحديث (٩٧٠) مشكاة المصابيح (١/٣٨٢)

❺ أشعة اللمعات (١/ ٧٣٧) نبی ﷺ نے قبر پر چونہ گچ کرنے اور اس پر عمارت کھڑی کرنے سے منع کیا ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ پتھر وغیرہ کی عمارت بنانا، بعض کہتے ہیں خیمہ وغیرہ لگانا، نیز یہ بھی ناپسندیدہ اور منع ہے۔

اور امام شمس الدین نے كتاب الهدي النبوي (١/ ٤٨٥) **میں وفد ثقیف کے قدوم کے ذکر میں فرمایا ہے:**

”هدم مواضع الشرك التي تتخذ بيوتا للطواغيت، وهدمها أحب إلى الله ورسوله، وأنفع للإسلام والمسلمين من هدم الخانات والمواخير، وهذا حال المشاهد المبنية علىٰ القبور التي تعبد من دون الله، ويشرك بأربابها مع الله، لا يحل إبقاؤها في الإسلام، ويجب هدمها، ولا يصح وقفها ولا الوقف عليها، وللإمام أن يقطعها وأوقافها لجنوذ الإسلام، ويستعين بها على مصالح المسلمين، وكذلك ما فيها من الآلات والمتاع والنذور التي تساق إليها يضاهىٰ بها الهدايا التي تساق إلىٰ البيت الحرام، للإمام أخذها كلها، وصرفها
في مصالح المسلمين، كما أخذ النبي ﷺ أموال بيوت هذه الطواغيت، وصرفها في 19
مصالح الإسلام، وكان يفعل عندها ما يفعل عند هذه المشاهد سواء من النذور لها، والتبرك بها، والتمسح بها، وتقبيلها، واستلامها، هذا كان شرك القوم بها، ولم يكونوا يعتقدون أنها خلقت السموات والأرض، بل كان شركهم بها كشرك أهل الشرك من أرباب المشاهد بعينه، فالواجب في مثل هذه المشاهد أن تهدم وتجعل مساجد إن احتاج إليها المسلمون وإلا أقطعها الإمام هي وأوقاقها للمقاتلة وغيرهم“ (1) انتهى.

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ وہ مکان جو طواغیت کی پرستش کے لیے بنائے جائیں، ان کا ڈھا دینا اللہ و رسول کو بہت محبوب ہے اور مسلمانوں کو بڑا نفع بخش ہے، ایسا ہی جو قبروں پر بنا کر اس کی پرستش ہوتی ہے، اس کا بھی ڈھا دینا واجب ہے اور اس کا باقی رہنے دینا اسلام میں حلال نہیں اور اس میں جس قدر سامان جھاڑ، فانوس وغیرہ ہوں ان کو وہاں سے نکال کر مسلمانوں کی ضروری مصلحتوں میں صرف کر دیا جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے طواغیت کے مالوں کو نکال کر مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کیا تھا اور اس کا بوسہ و نذر وغیرہ سب شرک ہے۔ فقط

اور حجة الله البالغه **میں ہے:**

”كان أهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها، ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفىٰ، فسد النبي ﷺ الفساد، لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر، ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله، والحق عندي أن القبر ومحل عبادة ولي من أولياء الله والطور كل ذلك سواء في النهي.“ (2) انتهى

حاصل یہ کہ جاہلیت والے چند جگہوں کی زیارت کرنے جاتے تھے، جس کو انھوں نے اپنے فاسد گمان

---

(1) زاد المعاد للإمام شمس الدين ابن القيم رحمه الله (٥٢٥/٣)

(2) حجة الله البالغة (١/ ٤٠٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

میں معظم ومتبرک متصور کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بند کر دیا، تاکہ شعائر غیر شعائر سے نہ مل جائے اور عبادت غیر اللہ کا ذریعہ نہ بن جائے، پس قبر وغیرہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

اب کہاں گئے عمر کریم میاں!! ذرا چشم بصیرت سے ان روایات وعبارات کو دیکھیں کہ جس کو وہ شعائر اللہ میں داخل کرتے تھے، اس کا حرام وفسق ہونا ثابت ہوا۔ اب زیادہ میں کہاں تک لکھتا چلا جاؤں ؟ لعل فيه كفاية لمن له دراية ! پس جب خود آنحضرت ﷺ نے اسے بت پرستی قرار دیا ہے تو ہم پر کوئی الزام نہیں رہا۔ کما قیل۔

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم

قوله: بزرگان دین کی قبر پر واسطے حصول حاجات کے جانا، جو ایک سنت اور حدیثوں اور بزرگان دین کے قول وفعل سے ثابت ہے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے، شرک ٹھہرایا گیا۔

أقول: بزرگان دین کی قبر پر حصول حاجات کے واسطے جانا، کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور اس کو سنت کہنا افتراء عظیم ہے اور اس کا قائل یقیناً حدیث " من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار "[1] میں داخل 20
ہے، اور یہ بزرگان دین کے قول وفعل سے بھی ثابت نہیں ہے۔ من يدعى فعليه البيان! بلکہ اس کے خلاف بہتیرے واقعات پایہ ثبوت کو پہنچے ہیں، دیکھو زمانہ خلافت حضرت عمر میں قحط سالی ہوئی، تو حضرت عمر صلاۃ استسقاء کے لیے حضرت عباس کے ہمراہ باہر نکلے اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں موجود تھے، تب ہم لوگ آپ کو وسیلہ گردانتے تھے، اب وفات کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ گردانتے ہیں، یا اللہ پانی برساؤ![2]

پس خیال کرو کہ حضرت عمر ◆ نے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جاکر آپ سے حاجت طلب نہیں کی، بلکہ خلفاء راشدین و دیگر اجلہ صحابہ کو کتنی بار غزوات میں کیسے کیسے سخت واقعات پیش آئے، مگر کہیں ثابت نہیں ہے کہ ان لوگوں نے رفع مشکلات رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس جاکر چاہا، چونکہ تم نہ سنت کی تعریف جانو، نہ اصول اہلحدیث سے باخبر ہو، اسلئے تم کو اس وقت مزامل رہا ہے کہ جو چاہتے ہو کہہ دیتے ہو، ایک تو تم مقلد ہونے کی وجہ سے مشرک فی الرسالت تھے ہی، مشرک فی عبادت اللہ والاستعانۃ بھی ہوگئے، وہی مثل ہوئی: ''ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا''، یعنی دوہری تلخی! أعاذنا الله من هذه العقيدة الفاسدة.

افسوس کہ شیطان نے اپنا کام کر لیا اور ان مبتدعین نے اس کو کچھ نہیں سمجھا، بلکہ شیطان نے مبتدعین کے دل میں افعال شرکیہ کو بہ صورت ثواب ڈال دیا اور ان کے ناپاک دلوں نے اس کو قبول کر لیا۔

---

[1] صحيح البخاري، برقم (١١٠) صحيح مسلم، برقم (٣٠٤)

[2] صحيح البخاري، برقم (٩٦٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ہے شیطان دشمن اولاد آدم
سکھاتا ہے وہی راہ جہنم
کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا
کسی کو ہے وہ قبروں پر جھکاتا
غرض اللہ سے دونوں کو روکا
بھلا کر راہ جا خندق میں جھونکا

قوله: شیخ سدّو کا بکرا اور میاں جلال کا مرغ جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور موافق اس آیت کریمہ کے ﴿**فكلوا مما ذكر اسم الله عليه**﴾ إلى قوله: قطعی حرام قرار دیا گیا۔

أقول: تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ قطعی حرام قرار دینے والے کون ہیں؟ ہم سے سنو وہ حضرات فقہاء حنفیہ ہیں! وجہ یہ ہے کہ جس جانور پر تقرب غیر خدا کیا جائے اور اسی تقرب غیر خدا کی نیت پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وہ ذبح کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کا وہ تسمیہ ذبح کے وقت مفید نہیں ہے، بلکہ وہ ذبیحہ بالاتفاق حرام ہے، اگرچہ بسم اللہ واللہ أکبر کر کے ذبح کیا جائے، کیونکہ اس جانور سے تقرب غیر اللہ مقصود تھا، اسی غیر اللہ کے نام پر اس کی شہرت تھی اور اسی نیت پر وہ ذبح ہوا۔

تمام علمائے حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے، دیکھو تفسیر نیشاپوری میں ہے:

"قال العلماء: لو أن مسلما ذبح ذبيحة، وقصد بذبحها التقرب إلىٰ غير الله، صار مرتدا، وذبيحته ذبيحة مرتد۔"[1] انتهى.

اور درمختار میں ہے:

" ذبح لقدوم الأمير ونحوه، كواحد من العظماء، يحرم، لأنه أهل به لغير الله، ولو ذكر اسم 21
الله تعالىٰ، "[2] انتهى.

اور الأشباه والنظائر میں ہے:

"لو ذبح لقدوم الأمير، أو واحد من العظماء، يحرم، وإن ذكر اسم الله تعالىٰ عليه، لأنه مما أهل به لغير الله، "[3] انتهى.

---

1. تفسير النيسابوري، زير آيت: البقرة (١٧٣)
2. الدر المختار (٣٠٩/٦)
3. الأشباه والنظائر (ص: ٣١٩)

اور جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے:

"الذبح عند مرأى الضيف تعظيما له لا يحل أكلها، و كذا عند قدوم الأمير أو غيره تعظيما له، لأنه أهل به لغير الله،" ❶ انتهىٰ.

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی مسلمان بسم اللہ کہہ کر ان جانوروں کو ذبح کرے، جس سے تقرب غیر اللہ مقصود ہے، تو وہ بوجہ " ما أهل به لغير الله "کے حرام ہے۔

اب بتاؤ کہ کتب فقہ پر بھی تمھارا ایمان ہے یا نہیں؟ اس حرام خوری پر کیوں آمادہ ہوگئے ہو؟! ؎

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہوگیا
روبرو ان کے جو آئینہ مقابل ہوگیا

قوله: کتاب بخاری مثل قرآن شریف کے کتاب محفوظ سمجھی گئی، یہاں تک کہ مانند قرآن شریف کے اسکے تیس پارے بھی بنا دیے گئے اور یہ شرک نہ ہوا۔

أقول: ؎

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ تم سمجھو تو کیا سمجھو

اجی جناب! بخاری شریف کی بابت اجماع کی بدولت "أصح الكتب بعد كتاب الله " کہا جاتا ہے، پس جب وہ بعدیت کے ساتھ مقید ہوئی، تو مثلیت کہاں رہی؟ یہ بھی تمھارا افترا ہے کہ مثل قرآن کے بخاری محفوظ سمجھی گئی، تم کو ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ قرآن شریف کے تیس پارے خدا کے یہاں سے منقسم ہو کر اترے تھے یا لوگوں نے بنائے تھے؟ جی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والے سنو! صحابہ کرام نے روز مرہ کی تلاوت کی آسانی کے لیے تیس حصہ بنایا کہ ایک ماہ میں قرآن مجید ختم کرنے کا ایک اندازہ ہوجائے۔ پس صحیح بخاری کے جو تیس حصہ کئے گئے، تو بغرض تفاول وتسہیلِ درس تدریس، تو یہ شرک کیونکر ہوا؟ اگر شرک کا معنی آپ نے یہی سمجھا ہے اور اس کو اس قدر وسعت دے دی ہے، تو آپ کو ایک کا دو بننا پڑے گا کیونکہ خدا ایک ہے! ؎

ضیا کو تیرگی اور تیرگی کو جو ضیا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے

قوله: اب صرف سورہ اور آیت بنانا باقی ہے، کیا عجب کہ ہ کام بھی پورا ہوجائے۔

أقول: کیوں اس قدر خبط الحواس ہو رہے ہو؟ کیا بخاری شریف میں سورہ اور فرقان حمید کی آیات نہیں ہیں؟ پھر حدیثوں کا سورہ یا آیت بنا چہ معنی دارد؟ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ آج تو تم مولوی عمر کریم پٹنوی کہلاتے ہو، کیا عجب

❶ الجوهرة النيرة (٢/ ٢٣٥)

کہ کل سے کچھ اور بن جاؤ!؎

22 نازنین تو بڑھتے بڑھتے کیا سے کیا ہوجائے گا
ہے ابھی بت ہی مگر ایک دن خدا کہلائے گا

قوله: اور امام بخاری ؒ مثل انبیاؤں کے معصوم مانے گئے۔

أقول: استغفراللہ! سفید جھوٹ اسی کا نام ہے۔؎

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اچھا اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرو! ورنہ ؎

دعویٰ بے دلیل قبول خرد نہیں

ناظرین! کیا اب بھی آپ یقین نہیں کریں گے کہ اس مشتہر کا اشتہار جہالت، ضلالت اور کذب و افترا سے مملو ہے یا نہیں؟ لوگو! انصاف کا خون نہ کرنا!!

قوله: امام بخاری محدث ہونے کے علاوہ مجتہد مطلق بھی بنادیے گئے، حالانکہ یہ تو خود امام شافعی کے مقلد تھے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

أقول: وہ کوا کی ناک والی مثال بھول گئے؟ ذرا تم خود ہی اوپر کے بیان کو پتھر نہیں لوہے کی عینک لگا کے پڑھو کہ امام بخاری کو مقلد کہنے والا اور گوہ کھانے والا دونوں برابر ہیں۔

اجی جناب! امام بخاری محدث اور مجتہد مستقل بھی تھے، ہم اس کو بالتفصیل آگے بیان کریں گے! ان شاء اللہ تعالی۔ فانتظر!

قوله: اور اس وقت تک کسی نے ان کو مجتہد مطلق لکھا بھی نہیں ہے۔

أقول: یہ تمھاری قلت نظر و لاعلمی اور جہالت کی دلیل ہے، تمام اکابر دین نے امام بخاری کو مجتہد وفقیہ امت تسلیم کیا ہے، شیخ سندھی حنفی لکھتے ہیں:

"والصحيح أنه مجتهد "یعنی امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ [1] كما مر آنفا.

اور امام نووی تهذيب الأسماء (ص: ۹۰) میں فرماتے ہیں:

"قال محمد بن بشار حين دخل البخاري البصرة: دخل اليوم سيد الفقهاء، وروينا عن عبد الله بن محمد المسندی قال: محمد بن إسماعيل إمام، فمن لم يجعله إماماً فاتهمه، وروينا عن إمام الأئمة محمد بن إسحاق بن خزيمة قال: ما رأيت تحت أديم السماء أعلم بحديث

رسول الله ﷺ من محمد بن إسماعيل البخاري، قال الحافظ أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسي: حسبك بإمام الأئمة ابن خزيمة يقول فيه هذا القول مع لقيه الأئمة والمشائخ شرقا وغربا،" انتهى [1].

''یعنی محمد بن بشار نے امام بخاری کو سید الفقہاء کہا ہے، اور عبداللہ مسندی نے یہ کہا کہ بخاری امام ہیں، اور جو ان کو امام نہ جانے وہ بے دین ہے اور امام ابن خزیمہ نے کہا کہ آسمان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو جاننے والا ان (امام بخاری) کے مثل کوئی نہیں ہے۔''

اور خلاصہ فی اسماء الرجال میں ہے:

"قال أبو بكر بن أبي شيبة ومحمد بن نمير: ما رأينا مثل محمد بن إسماعيل، وقال أحمد: ما أخرجت خراسان مثل محمد بن إسماعيل فقيه هذه الأمة. [2] انتهى

23 ''یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن نمیر نے کہا کہ ہم لوگوں نے امام بخاری کے مثل کسی کو نہیں دیکھا اور امام احمد نے امام بخاری کو فقیه هذه الأمة کہا ہے۔''

اب ان کے محدث و امام و مجتہد مطلق وفقیہہ کیا بلکہ امام الفقہاء ہونے میں کیا شک رہا؟ بھلا تم ایسے کلمات مدحیہ بحق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ائمہ ثقات کے کلام سے ثابت کر سکتے ہو؟ ؎

بس تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

قوله: ہاں کتابوں سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مجتہد بننے کا ارادہ کیا تھا، مگر اس میں ناکامیاب رہے۔

أقول: اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ " لعنة الله علىٰ الكاذبين "۔جی جناب! ذرا ان کتابوں کو پیش تو کیجئے کہ کن کتابوں سے ثابت ہوتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ﴿مِثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ [الذاریات: ۲۳] کے یقین جانو کہ جو عالم شخص صحیح بخاری کے تراجم الابواب کو دیکھے گا، وہ بالیقین جان لے گا کہ ایسے ایسے استنباط و اجتہاد کی باتیں سوائے مجتہد مستقل کے کوئی شخص نہیں کر سکتا، پھر مجتہد بننے کا ارادہ چہ معنی دارد؟!

بہت افسوس تو یہ ہے کہ امام بخاری، جن کو سلف نے مجتہد مستقل تسلیم کیا ہے، تمھارے نزدیک مجتہد مطلق نہ ہوں اور امام ابوحنیفہ مجتہد مستقل ہوں، مہربان! انصاف کا خون نہ کرو، ہم آگے اجتہاد کی فصل میں بالتصریح اس کو ان شاء اللہ لکھیں گے۔

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات للنووي (۱/ ۷۹)

[2] خلاصه تذهيب تهذيب الكمال للخزرجي (ص: ۳۲۷)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

قولہ: امام ابوحنیفہ ♋ کا اگر کوئی قول بخاری کے خلاف ہو فوراً اس پر " خالف سنة رسول الله"... إلى قوله: کا حکم لگایا گیا۔

أقول: یہ محض غلط ہے، اس لئے کہ جب امام بخاری کے قول کے خلاف ہوگا، تو اس وقت "خالف سنة رسول الله" کوئی نہیں کہہ سکتا، بلکہ " ھذا مخالف لقول البخاري "کہا جا سکتا ہے، لیکن ایسا کسی نے بھی نہیں کہا، جیسا کہ تمھاری تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ "خالف سنة رسول الله"کا حکم لگایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ قول رسول اللہ کی حدیث کے خلاف تھا، نہ امام بخاری کے قول کے، پس ایسا قول حدیث رسول اللہ ♏ کے مخالف ہونے کی وجہ سے کیونکر قابل تسلیم ہوسکتا ہے؟ بلکہ ایسا حکم لگانے کا خود امام صاحب نے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے:

"إذا صح الحديث فهو مذهبي "[1] (تفسیر مظهری، طبع حصار: ۱/ ۳۹۳)

یعنی جب حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور چونکہ صحیح بخاری کی حدیثوں کا صحیح ہونا آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہے، اس لئے ان کی صحیح حدیثوں کے رہتے ہوئے اس کے مخالف جو قول ہونگے، سب ترک کیے جائیں گے نہ بوجہ مخالف ہونے کے قول بخاری سے ۔ع

ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا [2]

الحاصل امام ابوحنیفہ کا قول اگر صحیح بخاری کی مرفوع حدیثوں کے مخالف ہوگا، بے شک اس پر "خالف سنة رسول الله" کا حکم لگایا جائے گا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ♏ کے فرمان کے مخالف ہوا، نہ امام بخاری کے قول کے۔ فافهم وكن من الشاكرين! 24

قولہ: ایسا لفظ اس وقت کہا جا سکتا تھا کہ کتاب بخاری رسول اللہ کی مقبولہ ہوئی۔

أقول: ہاں جناب بے شک کتاب صحیح بخاری رسول اللہ ♏ کی گویا مقبولہ ہی ہے اور ایسا درجہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے، سنئے! مولانا نور الحق حنفی بن شیخ عبدالحق دہلوی حنفی تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

"ابو زید مروزی گوید کہ درمیان رکن و مقام ابراہیم درخواب بودم کہ پیغمبر ♏ رادیدم کہ گفت اے ابو زید چرا

---

[1] حاشیه ابن عابدين (۱/ ٦٣) صفة الصلاة للألباني (ص: ٤٦)

[2] دیکھ کس قدر تفاوت ہے!

درین کتاب مرادرس نمیگوی گفتم یا رسول اللہ کتاب تو کدام است گفت کتاب محمد بن اسماعیل بخاری“ ❶

اور آگے دیکھئے:

”خطیب ابوبکر بغدادی بسند خویش از عبدالواحد طرابلسی نقل میکند کہ گفت پیغمبر ﷺ را در خواب دیدم کہ با جمعے از اصحاب ایستادہ بودند و انتظاری کشیدند، سلام کردم بر آں حضرت ﷺ جواب سلام بمن باز داد گفتم یا رسول ﷺ سبب توقف شما درین موضع چیست فرمود ”أنتظر محمد بن إسماعیل“ بعد از چند روز خبر فوت بخاری رسید، چون تفحص نمودم از وقت وفاتش ہماں ساعت بود کہ من در واقعہ دیدہ بودم پیغمبر ﷺ۔“ ❷

پس اس سے صحیح بخاری و امام بخاری ؒ کی کیسی مقبولیت ثابت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح بخاری کو اپنی کتاب کہہ کر تعبیر فرمایا اور امام بخاری کے انتظار میں وقوف و قیام کی تکلیف برداشت فرمائی، اگرچہ رؤیا و منام ہی سہی، ایسی فضیلت تم کسی کتابِ فقہ کی دکھلا سکتے ہو؟ ؎

أولئك آبائي فجئني بمثلهم إذا جمعتنا يا جرير المجامع ❸

قوله: کتاب مذکور ایک محدث کی کہی ہوئی ...إلی قوله: جس میں انھوں نے حدیثوں کو ...إلی أن قال: اپنے رنگ یعنی شافعی طریقہ کی ...إلی قوله: بیسوں راویوں کے سلسلہ سے جس میں جھوٹی، ضعیف، حدیثوں کے جعلی بنانے والے بد مذہب ہر قسم کے لوگ موجود ہیں، جمع کی ہیں ...الی آخر القول: تو پھر ”خالف سنة رسول الله“ ﷺ کے کیا معنی؟

أقول: کتاب صحیح بخاری، امام بخاری ؒ کی اس عنوان سے کہی ہوئی ہے کہ اس میں انھوں نے محض اقوال و افعال و احوال رسول اللہ ﷺ کو جمع کر دیا ہے اور آثار صحابہ وغیرہ کو ضمناً ذکر کیا ہے، پس یہ روایات خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کے موافق پڑے، اس سے ان کو بحث نہیں، مقصود ان کا صرف احادیث صحیحہ کو جمع کرنا ہے، اس واسطے بعض بعض تبویب میں امام شافعی کے قول پر رد ہے اور بعض میں امام مالک کے قول پر رد ہے

❶ ابو زید مروزی کہتے ہیں: میں مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں رسول کریم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے کہا: اے ابو زید! میری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کی کتاب کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا: محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب!

❷ ابوبکر خطیب بغدادی اپنی سند سے عبدالواحد طرابلسی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا: میں نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ جمعے کے دن اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے تھے اور کسی کے انتظار میں تھے، میں نے سلام عرض کی، آپ ﷺ نے جواب دیا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے اس جگہ کھڑا ہونے کا کیا سبب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہا ہوں، چند روز بعد بخاری کے فوت ہونے کی خبر ملی، جب میں نے ان کی وفات کے وقت کے متعلق تفتیش کی تو وہی وقت تھا، جس میں میں نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا۔

❸ یہ ہیں میرے آباء و اجداد اے جریر! کسی مجلس میں ان جیسے لے کر تو آؤ!

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

25 اور حنفیوں پر تو بہت زیادہ رد ہے، کیونکہ حنفیوں کا مذہب أضعف المذاہب ہے اور نصوص صحیحہ صریحہ کے بہت مخالف ہے، جیسا کہ ماہرین پر مخفی نہیں ہے، پس عمر کریم کا یہ قول کہ ''اپنے رنگ یعنی شافعی طریقہ'' الخ جہل مرکب نہیں تو کیا ہے؟!

جناب عمر کریم صاحب! آپ صحیح بخاری کی اہانت سے باز آئیں، ورنہ آپ کے رفض کے لئے اس قدر کافی ہے کہ جس نے صحیح بخاری کی اہانت کی وہ سبیل مومنین سے علیحدہ ہوا، جیسا کہ حجة الله البالغه (ص: ١٣٩) باب طبقات کتب الحديث میں ہے:

''أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون علىٰ أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلىٰ مصنفيهما، وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين، ''[1] انتهىٰ.

''یعنی تمام محدثین نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی تمام متصل مرفوع حدیثیں یقیناً صحیح ہیں، جو شخص ان دونوں کی اہانت کرے، وہ بدعتی اور متبع غیر سبیل المومنین سے ہے۔''

پس جب سارے محدثین کا اس کی صحت پر اتفاق ہوا، تو پھر اس میں جھوٹے راوی کیسے؟ اس عقیدہ رفض سے توبہ کرو۔ افسوس کہ تم صحیح بخاری کے راویوں پر کلام کرنے کو بیٹھے ہو اور امام ابوحنیفہ ؒ کے جو استاذ حماد بن ابی سلیمان تھے، جن پر مدار فقہ ہے اور امام اعظم کے استاذ الاستاذ ابراہیم نخعی اور خود امام صاحب کا ترجمہ کتب رجال میں نہیں دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ضعیف تھے یا نہیں؟ [2] فی الجملہ صحیح بخاری کی متصل مرفوع حدیثوں کے خلاف اگر امام صاحب کے اقوال ہوں گے، تو ضرور ان پر حسب الحکم اصول ''خالف سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم'' کا حکم لگایا جائے گا۔ بقول ؎

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

---

[1] حجة الله البالغة (١/ ٢٨٢)

[2] ابراہیم بن یزید نخعی ؒ ثقہ امام ہیں، حافظ ذہبی ؒ فرماتے ہیں: الفقيه، كان عجبا في الورع والخير، متوقيا للشهرة، رأسا في العلم، '' نیز حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: ثقة إلا أنه يرسل كثيرا '' (الكاشف: ١/ ٢٢٧، تقريب التهذيب: ٩٥) دیگر ائمہ محدثین سے بھی ان کی توثیق اور ثناء مروی ہے، علاوہ ازیں یہ ائمہ اہل سنت سے تھے اور ہر قسم کی بدعت سے مبرّا تھے۔ ان کے تلمیذ حماد بن ابی سلیمان بدعت ارجاء کے رؤسا سے اور متکلم فیہ تھے، اسی طرح امام ابوحنیفہ بھی ضعیف اور اہل ارجاء سے تھے، جس کی تفصیل تاريخ بغداد، الضعفاء للعقيلي اور المجروحين لابن حبان وغیرہ کتب رجال میں بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔

بحمداللہ کہ آپ نے اپنی تحریر میں امام بخاری کو محدث تسلیم کیا ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ محدث مقلد نہیں ہوسکتا، کیونکہ جن کو کچھ بھی منطق میں دخل ہے، وہ جانتے ہیں کہ محدث اور مقلد میں تباین کی نسبت ہے۔ پس گویا آپ نے خود اپنی اس بات کا بطلان کر دیا کہ امام بخاری شافعی کے مقلد تھے! فالحمدللہ۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

قولہ: امام ابوحنیفہ کا درجہ حدیث دانی میں اس قدر گھٹایا گیا کہ وہ کل سترہ (۱۷) حدیثیں جانتے تھے، اور امام بخاری کا درجہ اس قدر بڑھایا گیا کہ ان کو چھ لاکھ حدیثیں ملی تھیں۔

أقول: جھوٹ کیا ہے؟ ۔

حقیقت حال سچا واقعی سچی کہانی ہے

اس امر پر تواریخ شاہد ہیں، دیکھو تاریخ ابن خلدون (۱/ ۳۷۱) ❶ کیا آپ کو یہ مثل نہیں معلوم کہ:

''جوینده یابنده'' جو شخص جس چیز کو تلاش کرے گا، ضرور پائے گا۔

امام ابوحنیفہ ؒ نے سوائے حج کے اپنا قدم مبارک کوفہ سے نکالا تک نہیں، اسی مقام پر کسی طرح جیسی حدیثیں پہنچیں، ان کو ملیں، کوفہ میں محدثین کاملین سے آپ کو صحبت حاصل نہیں ہوئی، اگر شاذ و نادر کسی سے 26
ملاقات بھی ہوئی تو ان کو کوئی حدیث نہیں بتلاتا۔ (دیکھو: إعلام الموقعین علامہ ابن قیم) بلکہ وہ محدثین امام صاحب کو نصیحت کرنے لگتے:

''اتق اللّٰه، ولا تقس الدين برأيك، فإن أول من قاس إبليس'' ❷

جس کا ترجمہ مولانا روم یوں کرتے ہیں: ۔

اول آنکس کاین قیاس کہا نمود
پیش انوار خدا ابلیس بود ❸

اور امام بخاری ؒ کا حدیث کی تلاش کی غرض سے ہمیشہ کجاوہ کسا رہتا تھا، بقول کسی استاد کے۔ ع

---

❶ تاریخ ابن خلدون (۱/ ٤٤٤) اسی طرح امام عبداللہ بن مبارک ؒ سے امام ابوحنیفہ کی بابت ''مسكينا في الحديث '' اور ''يتيما في الحديث '' جیسے الفاظ ثابت ہیں۔ (الجرح والتعديل: ۸/ ٤٤٩، تاريخ بغداد: ۱۳/ ٤٤٣) نیز مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: وأما رواياته للأحاديث فهي وإن كان قليلة بالنسبة إلى غيره من المحدثين إلا أن قلتها لا تحط مرتبته'' (مقدمة عمدة الرعاية: ۳٤) نیز دیکھیں: ظفر الأماني (ص: ۲٤)

❷ إعلام الموقعين (۱/ ۲۰٦)

❸ سب سے پہلے جس نے انوار خدا کے سامنے قیاس ظاہر کیا وہ ابلیس تھا۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

پس بے شک چھ لاکھ حدیثیں ان کو ملیں اور سب ازبر تھیں کیونکہ امام بخاری ؒ کا حافظہ بڑھا ہوا تھا، بخلاف حافظہ امام ابوحنیفہ کے کہ آپ ایام حج میں پانچ (۵) احکام مناسک حج ہی کے بھول گئے تھے، جس کو ایک ادنیٰ شخص یعنی ایک حجام نے آپ کو بتلایا تھا۔ ❶ (دیکھو: تاریخ ابن خلکان: ۱/ ۳۱۸)

پس عقل مند خود سمجھ سکتا ہے کہ جس کا حافظہ اس قدر بڑھا ہوا ہو، کیا اس کو چھ لاکھ حدیثوں کا یاد رکھنا کوئی مشکل امر ہے؟ اور جس نے اس قدر بحروبر کو طے کیا، اس کو چھ لاکھ حدیثیں پہنچنا غیر ممکن ہے؟ بخلاف اس کے جس کو احکام حج بھی نہ یاد رہیں، جس سے بچہ بچہ واقف ہے، اس کو سترہ ہی حدیثیں پہنچنا اور ان کو یاد رکھنا کھیل مشکل ہے۔ ولله در القائل حيث قال في مدح البخاري خصوصا وللمحدثين عموما:

اسی دھن میں آسان کیا ہر سفر کو — اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم دین جس بشر کو — لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر — دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا — نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

اس کے متعلق بھی ہم فصل اجتہاد میں کچھ تفصیل سے عرض کریں گے، ان شاء اللہ۔

اب مشتہر صاحب کی ان گوہر افشانیوں کا مفصل خاکہ اڑایا جاتا ہے، جس کو انھوں نے اپنے زعم فاسد میں ناقص دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ مزاروں پر جا کر مرادیں مانگنا سنت ہے اور امام بخاری ؒ مجتہد نہ تھے وغیرہ وغیرہ،

پس بگوش ہوش سنئے!

27 رسول اللہ ﷺ اور دیگر بزرگان دین کی قبر پر بغرض حصول حاجات کے جانا شرک ہے:

اولاً یہ معلوم کرنا چاہیے کہ شرک کس کو کہتے ہیں اور شرک کی کتنی قسمیں ہے؟ پس واضح ہو کہ شرک کہتے ہیں ساجھا کرنے کو اور اصول حنفیہ میں شرک کی پانچ قسمیں لکھی ہیں:

۱۔ شرک فی الذات۔

۲۔ شرک فی الصفات۔

❶ وفيات الأعيان لابن خلكان (٣/ ٢٦١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

۳۔ شرک فی العلم۔

۴۔ شرک فی التصرفات۔

۵۔ شرک فی العادات۔

تفصیل ہر ایک کی یوں ہے کہ شرک فی الذات یعنی خدا کے مانند کسی دوسرے کو خدا ماننا، قرآن نے اس کی نفی یوں کی ہے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرہ: ۱۶۳]

اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔

اور شرک فی الصفات یعنی خدا کی صفتیں غیر میں ثابت کرنا، جیسے خالقیت، رارقیت، حاجت برآری وغیرہ وغیرہ، ان کو بندوں وغیرہ اہل قبور میں سمجھنا، حالانکہ خالقیت کی بابت خدا فرماتا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ [الزمر: ٦٢]

''یعنی خدا تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔''

یہاں خدا تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، یہاں خدا نے موجبہ کلیہ کے طور سے بیان فرمایا، یعنی اس کے سوا اور کسی میں صفت خلق نہیں ہے اور رازقیت کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾ [العنكبوت: ١٧]

اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ [الذاريات: ٥٨]

''یعنی خدا کے سوا کسی کو روزی دینے کا اختیار نہیں ہے اللہ ہی سے روزی طلب کرو، وہی رازق ہے۔''

اور حاجت برآری کے متعلق قرآن نے بتایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [المؤمن: ٦٠]

''یعنی تمھارا پروردگار فرماتا ہے مجھ سے مرادیں مانگو، میں تم کو دوں گا۔''

اور شرک فی العلم یعنی خدا کے سوا دوسرے کسی کو عالم الغیب جاننا، جیسے بعض جہلاء آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب کہتے ہیں، حالانکہ قرآن پہلے حکم عام سناتا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]

''یعنی زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا۔''

پھر قرآن مجید نے خاص حکم سنایا، یعنی رسول اللہ ﷺ سے خود عالم الغیب ہونے کی نفی کرائی کہ آپ فرما دیجئے:

﴿ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ﴾ [الأعراف:١٨٨]

''یعنی اگر میں غیب جانتا تو بہت سا مال جمع کر لیتا اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچتی۔''

اور شرک فی التصرفات یعنی خدا کے سوا دوسرے میں بھی تصرف کا اختیار سمجھنا، حالانکہ قرآن مجید میں ہے: 28

﴿ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾

[المؤمنون:٨٨]

''یعنی اے محمد ﷺ! آپ ذرا پوچھئے کہ کس کے اختیار میں ہر چیز کا تصرف وحکومت ہے اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، سب کہہ دیں گے کہ خدا کے اختیار میں ہے۔''

اور خاص رسول اللہ ﷺ کی بابت ارشاد ہے:

﴿ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ﴾ [الأعراف : ١٨٨]

''یعنی اے محمد ﷺ! آپ ان مشرکوں سے فرما دیجئے کہ مجھے اپنی جان کے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں ہے۔''

پس جب آپ اپنی زندگی میں خود اپنی نفس کے نفع ونقصان کے مالک نہ تھے تو انتقال کے بعد قبر میں غیروں کی حاجت برآری کے کیسے مختار ہو سکتے ہیں۔ یا للعجب فیا للعجب!

اور شرک فی العادات یعنی بعض لوگوں کو کسی کام کے کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور حقیقت میں وہ شرک ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"من حلف بغير الله فقد أشرك" [1] (ترمذی) یعنی جس نے خدا کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھائی، وہ بھی مشرک ہے۔

بعض نے شرک فی العادات کی جگہ شرک فی العبادت کہا ہے، یعنی خدا کے سوا غیروں کی بندگی کرنا، حالانکہ قرآن مجید نے فرمایا:

﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ [بني إسرائيل: ٢٣]

''یعنی خدا کا حکم ہے اس کے سوا دوسرے کی بندگی و پوجا نہ کرو۔'' یہاں حصر کے ساتھ ارشاد ہے۔ اب یہ جاننا چاہئے کہ قبر پر بغرض حصول حاجات کے جانا یہ شرک کی کونسی قسم ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ شرک فی الصفات وشرک

[1] سنن أبي داود، برقم (٣٢٥١) سنن الترمذي، برقم (١٥٣٥) وقال الترمذي: "هذا حديث حسن" وصححه ابن حبان والحاكم والذهبي والألباني رحمهم الله.

فی التصرفات دونوں میں داخل ہے اور اس کو داخل کرنے والے خود علماء حنفیہ ہی ہیں، پھر بھلا یہ کیونکر سنت ہوسکتا ہے؟ مزید افسوس یہ ہے کہ یہ قبر و پیر پرست اتنا نہیں خیال کرتے کہ ہم کو تو خدا نے پیدا کیا ہے، پھر دوسروں کے در پر ہم کیوں بھٹکے پھر رہے ہیں؟ اور یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ ایسا کر کے ان لوگوں کو بھی قیامت کی باز پرس میں داخل کرتے ہیں، جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں حضرت عیسیٰ ◆ سے پوچھا جائے گا کہ تم ہی نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بنا لو؟ [1] اگر عیسائی تثلیث کے قائل نہ ہوتے تو حضرت عیسیٰ ◆ قیامت کی باز پرس سے بھی محفوظ رہتے۔ ایسے ہی یہ قبر پرست بھی ان اولیاء کو جن کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی پرہیزگاری ان کو قیامت کے باز پرس سے محفوظ رکھے گی، ان قبر پرستوں کی بدولت ان کو بھی اس بلا میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ پھر بتلاؤ کہ یہ کتنے بڑے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، حالانکہ خداوند تعالیٰ وعدہ کرتا ہوا فرماتا ہے:

﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ [البقرہ: ۱۸۶]

29 ''یعنی میں بندہ سے بہت قریب ہوں، پکارنے والی کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے مانگتا ہے۔''

پس جب خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ہم سے حاجت طلب کرو، ہم پوری کریں گے، تو ان کی عقل کو کیا کہنا چاہیے، جو قبروں وغیرہ پر جا کر مردوں سے حاجت برآری کرتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے وعدہ کے بارہ میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ [آل عمران: ۹]

اور ﴿فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ﴾ [البقرة: ۸۰]

اور ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ﴾ [إبراهيم: ٤٧]

اور ﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا﴾ [النساء: ۱۲۲]

اور ﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾ [النساء: ۸۷] وغیرہ وغیرہ

یعنی خدا سے کوئی بھی باتوں میں سچا نہیں ہے، وہ ہرگز اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا، اس کا گمان بھی نہ کرو۔

اور جب ایسی بات ہے تو ضرور اس سے مرادیں مانگنے والا فائز و کامیاب ہوگا۔ یہ کونسی دانشمندی ہے کہ اہل قبور سے حاجات طلب کی جائیں، جو اپنی زندگی میں ویسے ہی محتاج تھے، جیسے تم ہو، گویا ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ [الحج: ۷۳] اسی جگہ چسپاں ہے، پھر وہ مرنے کے بعد کیا کر سکتے ہیں؟ خدا فرماتا ہے:

---

[1] دیکھیں: المائدہ: ۱۱٦

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

یعنی جن کو اللہ کے سوا (اپنی حاجت برآری کے لیے) پکارتے ہو، وہ تمھاری ہی جیسے بندے ہیں، اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ وہ تمھاری حاجتیں سن لیتے ہیں، تو تم ان کو پکارو اور ان کو لائق ہے کہ وہ تم کو جواب دیں۔

کہئے جناب! آپ نے تو شفاء القلوب لکھ مارا ہے، کسی قبر سے آپ کو جواب بھی ملا ہے کہ اچھا جاؤ تمھاری حاجت برآئے گی، اگر ہو تو ثابت کیجئے، ورنہ عدم ثبوت میں آپ کے قول کا بطلان ہو جائے گا، اور ارشاد ہوا:

﴿ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ﴾ [فاطر: ١٤]

''یعنی اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سن سکتے اور بالفرض اگر سن بھی لیں تو تم کو جواب نہیں دیں گے۔''

معلوم ہوا کہ ان کو پکارنا فضول ہے اور بڑی خرابی تو یہ ہے کہ ایسا کرنے والا اپنے دل میں اللہ کی عظمت کو کچھ نہیں سمجھتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سخت تاکید فرمائی ہے:

﴿ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴾ [نوح: ١٣، ١٤]

''یعنی تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، حالانکہ خدا نے تم کو طرح طرح کا بنایا ہے۔''

اے منکرو! کچھ تو ہوش کرو! اللہ تعالیٰ خاص اپنے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴾ [فاطر: ٢٢] اور ﴿ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى ﴾ [النمل: ٨٠]

یعنی اے محمد ﷺ! آپ نہ مردوں اور جو قبروں میں ہیں کسی کو نہیں سنا سکتے۔

اور جب آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہے، تو دوسرے ایرے غیرے کس شمار میں ہیں؟! ولنعم ما قیل ؎

لقد أسمعت لا ناديت حياً ولكن لا حياة لمن تنادي

30 ولو نار انفخت لها أضاءت ولكن أنت تنفخ في رماد [1]

یہی تو وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی امت کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ﴾ [يونس: ١٠٦، ١٠٧]

---

[1] تم نے سنایا ہے، زندہ کو آواز نہیں دی، لیکن جسے تم پکار رہے ہو اس میں زندگی ہی نہیں، اگر تو آگ میں پھونک مارتا تو وہ روشن ہو جاتی، لیکن تو راکھ میں پھونک مار رہا ہے۔

''اور مت پکار تو سوائے اللہ کے اس چیز کو جو نہ تجھ کو نفع دے سکتی ہے نہ نقصان، پس اگر تو ایسا کرے گا تو اس وقت ظالموں سے ہوجائے گا، اگر خدا تجھ کو کسی تکلیف میں مبتلا کرے، تو اس کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔''

دیکھو کہ خدا ایسا کرنے والوں کو ظالم اور کونسا ظالم یعنی مشرک فرماتا ہے، کیونکہ اس نے قرآن میں بتلایا ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان:١٣] ''یعنی اصل ظلم شرک ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کی بابت فرماتا ہے کہ تجھ کو اگر مصیبت پہنچے تو خدا کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا اور یہاں درود تاج میں آنحضرت ﷺ کی بابت یہ کلمات کہے جاتے ہیں:

''يا دافع الوباء والبلاء والقحط'' نعوذ بالله من ذلك

میں کہاں تک آیتیں لکھتا چلا جاؤں، افسوس کہ اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے، اب بھی قبر پرست خیال کریں کہ ان کی نجات کی کوئی صورت ہوسکتی ہے، تو ہرگز نہیں: ﴿حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ [الأعراف: ٤٣]

ایسا ہی حدیثیں بھی اس کی ممانعت میں مالا مال ہیں، جیسا کہ پیشتر من شعائر اللہ کے بیان میں لکھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ بلحاظ اس کے کہ مبادا کوئی آپ کی قبر سے حاجات کی برآری چاہے، آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

''اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشتد غضب الله علىٰ قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد.''[1] (مشكوة)

''یعنی اے اللہ! تو میری قبر کو بت کی طرح نہ کرنا کہ لوگ پوجیں (اور مرادیں مانگیں) اللہ کا غصہ ایسی قوموں پر سخت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبر کو جائے سجدہ بنا لیا۔''

دوسری حدیث میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

'' لا تجعلوا قبري عيدا''[2] (نسائی) یعنی میری قبر پر عید کی طرح ہجوم نہ کرنا۔

خواہ کسی غرض سے ہو بہ قصد لہو ولعب و زینت و سرور یا بقصد حصول حاجات وغیرہ، تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ كما مر في بيان شعائر الله اور چوتھی میں ہے:

---

[1] الموطأ (١/ ١٧٢) التمهيد (٥/ ٤٣) مشكاة المصابيح (١/ ١٦٥)

[2] سنن أبي داود: كتاب المناسك، باب زيارة القبور، رقم الحديث (٢٠٤٢) مسند أحمد (٢/ ٣٦٧) اس حدیث کو ضیاء مقدسی اور البانی ؒ نے صحیح قرار دیا ہے، امام نووی ؒ فرماتے ہیں: رواه أبو داود بإسناد صحيح. (رياض الصالحين: ٢/ ١٢٤) اور امام ابن تیمیہ، ابن عبدالھادی اور حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث جامع الأصول اور مشكاة المصابيح میں سنن نسائی کی طرف منسوب کی گئی ہے، لیکن یہ روایت سنن نسائی صغریٰ اور سنن کبریٰ میں نہیں مل سکی، بلکہ مولانا عبیداللہ مبارکپوری ؒ شارح مشکاۃ فرماتے ہیں: "هذا من أوهام المصنف، فإن ←

"إني أنهاكم عن ذلك"❶ یعنی میں تم کو ایسے افعال قبیحہ سے منع کرتا ہوں، (مفصل دیکھو: صفحہ: ۱۶ تا ۱۹، رسالہ ہذا) ۔

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کسی سے بھی قبروں پر جا کر مرادیں مانگنا ثابت نہیں ہے، بلکہ سخت 31
ممانعت ہے اور قرآن مجید ایسوں کو مشرک کہتا ہے۔ ہاں مثل تمھارے جن کا شعار قبر پرستی ہے اور تقلید جن کا مدار ایمان ہے، وہ کب قرآن وحدیث کو مانیں گے اور اس کی اتباع کریں گے، جب وہ کہتے ہی پھرتے ہیں:

"باحادیث چہ کارم قولے ز امام آر" ❷

پس وہ اپنے امام اعظم کوفی رحمہ اللہ ہی کے فرمان کو ملاحظہ فرمائیں غرائب في تحقيق المذاهب میں ہے کہ:

"رأى الإمام أبو حنيفة من يأتي القبور لأهل الصلاح فيسلم، ويخاطب، ويتكلم، ويقول: يا أهل القبور! هل لكم من خير؟ وهل عندكم من شر؟ أنا أتيتكم، واتيكم من شهور، وليس سؤالي منكم إلا الدعاء، فهل دريتم أم غفلتم؟ فسمع أبو حنيفة بقول يخاطب بهم، فقال: هل أجابوا لك؟ قال: لا، فقال: سحقا لك وتربت يداك، كيف تكلم أجسادا لا يستطيعون جوابا، ولا يملكون شيئا، ولا يسمعون صوتا،" وقرأ ﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِى ٱلْقُبُورِ﴾ انتهى

"یعنی امام ابوحنیفہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بعض بزرگوں کی قبر پر آکر ان بزرگوں پر سلام کہہ کر ان کو مخاطب کر کے اس طرح سوال کرتا تھا کہ اے قبرستان والو! تمھارے پاس کچھ بھلائی برائی بھی ہے؟ میں تمھارے پاس کئی ماہ سے آتا ہوں، تم کو پکارتا ہوں اور میرا سوال تم سے صرف دعا ہی کا ہے، سو تم کو میرے سوال کی کچھ خبر بھی ہوئی ہے یا بے خبر ہی رہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ کلام سن کر اس کو فرمایا کہ "تجھ کو کچھ جواب بھی ملا؟ اس نے کہا کچھ نہیں، امام صاحب نے اس کو بد دعا دی کہ تو خدا کی رحمت سے دور ہوئے، تیرے دونوں ہاتھ خاک میں ملیں، تو کیونکر کلام کرتا ہے، ایسے بدنوں سے جس میں نہ جواب کی طاقت ہے نہ کسی چیز کے مالک ہیں، نہ کوئی آواز سن سکتے ہیں؟ اور امام صاحب نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِى ٱلْقُبُورِ﴾ [فاطر: ۲۲]

جس کے پاس غرائب نہ ہو وہ نواب قطب الدین خان حنفی کی جامع التفاسیر میں اس کو ملاحظہ کر لے، باوجودیکہ

← حديث أبي هريرة هذا لم يروه النسائي، اللهم إلا أن يكون المراد روايته في السنن الكبرىٰ" (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۳/ ۲۷٤)

❶ صحيح مسلم، برقم (۵۳۲)

❷ حدیث سے مجھے کیا کام؟ امام سے کوئی قول لا!!

امام صاحب نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے، پھر کہاں سے مقلدین کہتے ہیں کہ بزرگان دین کی قبروں پر جانا بغرض حصول حاجات کے سنت ہے؟ معلوم ہوا کہ وہ سب ملعون ہیں اور قرآن و حدیث کے کیا امام صاحب کے قول کے بھی صریح منکر اور مخالف ہیں اور پھر حنفی کے حنفی اور مسلمانیت کا دعوی! یہ منہ اور مسور کی دال!! بقول حالی۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اب یہاں سے عمر کریم صاحب کی لغویات و مہملات کا ابطال کیا جاتا ہے۔

قولہ: رسول اللہ ﷺ اور دیگر بزرگان دین کی قبر شریف پر حاجات برآنے کے واسطے جانا سنت ہے۔ 32

أقول: ع

سخن شناس نئ دلبرا خطا اینجا است

تم کو یہ بھی خبر ہے کہ سنت کس کو کہتے ہیں؟ ذرا اپنے پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین (صفحہ: ۱۹۶) کا مطالعہ کرو:

" فالسنة ما سنه رسول الله ﷺ " یعنی سنت وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔

پس بتلاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کس نبی کی قبر پر جا کر اپنی حاجات برآری چاہتے تھے؟ آؤ! اسی پر ہمارا تمھارا فیصلہ ہو جائے، یا اگر تم نے خلفاء راشدین کی سنت مراد لی ہے، تو اسی کو ثابت کر دو، یا عام صحابہ کا فعل پیش کرو کہ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے کب آپ کی قبر مبارک کے پاس آ کر حاجت چاہی؟ حالانکہ کیسے کیسے مشکلات پیش نہ آئے، ورنہ تم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹی افتراء باندھنے والوں اور " من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار "[1] کے مصداق بالیقین ہو۔ جلد توبہ کرو، کیونکہ یہ صریح شرک ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چہ جائیکہ سنت ہو، جیسا کہ بالتفصیل لکھا گیا۔

قولہ: حدیث مشکوۃ باب الکرامۃ (ص:۵۴۵) (الی قولہ) ترجمہ: ابو جوزاء سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ قحط زدہ ہوئے اہل مدینہ قحط سخت میں، پس شکایت کی لوگوں نے پاس حضرت عائشہ □ کے، پس حضرت عائشہ □ نے فرمایا کہ دیکھو قبر پیغمبر کو اور کرو قبر شریف سے چند سوراخ طرف آسمان کے تاکہ نہ حائل رہے درمیان قبر اور آسمان کے چھت، پس لوگوں نے ایسا ہی کیا، پس برسا پانی بہت یہاں تک کہ پیدا ہوگئی گھاس اور فربہ ہوئے اونٹ یہاں تک کہ پھٹ گئے چربی سے یعنی تیار ہوگئے۔

---

[1] صحيح البخاري، برقم (١١) صحيح مسلم، برقم (٣٠٠٤)

أقول: یہ اثرِ حضرت عائشہ □ جس کو تم نے مشکوۃ سے نقل کیا ہے، سنن دارمی (ص:۲۵) میں موجود ہے۔[1] لیکن اے قبر پرستو! اس سے تمھارا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ ♏ کی قبر مبارک کے پاس جا کر آپ سے اپنی حاجت چاہو، بلکہ ایک عمل ان کو بتایا کہ تم لوگ قبر مبارک سے سوراخ کر دو، پس اس کا سبب یہ ہے جس کو ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ میں لکھا ہے:

”وقد قيل في سبب كشف قبر النبي ﷺ أن السماء لما رأت قبره، بكت وسال الوادي من بكائها، قال تعالىٰ: ﴿فما بكت عليهم السماء والأرض﴾ حكاية عن حال الكفار، فيكون أمرها علىٰ خلاف ذلك بالنسبة إلىٰ الأبرار.“[2] انتهى

”یعنی آنحضرت ♏ کی قبر مبارک کے ظاہر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان نے جب آپ کی قبر مبارک کو دیکھا، رویا اور اس کے آنسوؤں سے وادی بہہ پڑی (اور آسمان کا رونا کوئی محل تعجب نہیں ہے بلکہ) خدائے تعالیٰ کفار کی بابت فرماتا ہے کہ ان پر آسمان و زمین نہیں روتا، پس اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ ابرار پر رو دیتا ہے۔“

33 پس بہر حال اس میں حاجت طلبی اللہ سے ہوئی نہ رسول اللہ ♏ سے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی دعا میں بغیر قبر کے پاس گئے ہوئے یوں کہے کہ اے خدا بوسیلہ محمد سلام علیہ کے پانی برساؤ، تو کوئی مضائقہ نہیں،[3] اور یہی مطلب ہے شیخ عبدالحق دہلوی کی اس عبارت کا جس کو تم نے شرح مشکاۃ سے نقل کیا ہے، نہ جیسا کہ تم نے سمجھا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ □ کا یہ قول موقوف ہے اور اس حدیث کی سند قابل احتجاج نہیں ہے، اور اس کے معارض حضرت عمر ◆ کا وہ قصہ ہے جو بسند صحیح معروف و مشہور ہے کہ حضرت عمر ◆ کے زمانہ میں قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے پانی مانگا تھا،[4] رسول اللہ ♏ کی قبر کے پاس تک نہ گئے، چہ جائیکہ آپ سے حاجت طلب کراتے (اس سے تمھاری اگلی تحریر اور اس زمانہ میں بوقت قحط اولیاء کی قبروں سے ایسا نہ کرنے کے افسوس وغیرہ کا بخوبی بطلان ہوگیا)

---

[1] سنن الدارمي (١/ ٥٦) برقم (٩٢)

[2] مرقاة المفاتيح (١١/ ٢٣١)

[3] یہ طریقہ دعا بھی درست نہیں، کیونکہ قرآن و سنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، جیسا کہ اگلے حاشیہ میں اس کی توضیح آ رہی ہے، نیز مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: توحید خالص از محدث سندھ علامہ بدیع الدین شاہ راشدی ♋ (ص:۵۶۰)

[4] صحيح البخاري، برقم (٩٦٤) علامہ ناصر الدین البانی ♋ اس حدیث کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
ومعنى قول عمر: ”إنا كنا نتوسل إليك بنبينا صلى الله عليه وسلم وإنا نتوسل إليك بعم نبينا“ أننا كنا نقصد نبينا صلى الله عليه وسلم ونطلب منه أن يدعولنا، ونتقرب إلى الله بدعائه، والآن وقد انتقل صلى الله عليه وسلم إلى الرفيق الأعلىٰ، ولم يعد من الممكن أن يدعو لنا، فإننا نتوجه إلى عم نبينا العباس، ونطلب منه أن يدعو لنا، ←

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

اور حضرت عمر ◆ کی حدیث کی سند نہایت قوی ہے بخلاف حدیث حضرت عائشہ کی سند کے کہ اس میں عمرو بن مالک النکری قوی نہیں ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے اس کے حق میں " له أوهام "کہا ہے [1] اور جس سند میں ابو جوزاء آئیں، (جیسا کہ اس حدیث کی سند میں یہی ہیں) وہ سند قابل قبول نہیں ہوتی جیسا کہ میزان الاعتدال میں ابو جوزاء کی نسبت لکھا ہے: "في إسناده نظر" [2]

پس حضرت عمر ◆ کی حدیث کو حضرت عائشہ □ کی حدیث پر ترجیح لازم و متعین ہوئی اور یہ حدیث پایہ حجت سے ساقط ہوئی۔ [3] ع

اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

➔ وليس معناه أنهم كانوا يقولون في دعائهم: اللهم بجاه نبيك اسقنا، ثم أصبحو يقولون بعد وفاته صلى الله عليه وسلم: اللهم بجاه العباس اسقنا، لأن مثل هذا دعاء مبتدع، ليس له أصل في الكتاب ولا في السنة، ولم يفعله أحد من السلف الصالح رضوان الله تعالیٰ عليهم. (التوسل: ٣٩)

❶ **حافظ ابن حجر ♋ نے ان کی بابت** "صدوق له أوهام" **کہا ہے۔ امام ابن عدي ♋ فرماتے ہیں:** عمرو بن مالك النكري بصري منكر الحديث عن الثقات ويسرق الحديث سمعت أبا يعلى يقول: عمرو بن مالك النكري كان ضعيفا ... ولعمرو غير ما ذكرت أحاديث مناكير، بعضها سرقها من قوم ثقات" (الكامل: ٥/ ١٥٠) **نیز امام ابن حبان ♋ فرماتے ہیں:** "يغرب ويخطئ ...، وقعت المناكير في حديثه من رواية ابنه عنه، وهو في نفسه صدوق اللهجة" (الثقات: ٤٨٧/٨، مشاهير علماء الأمصار: ١٥٥)

❷ ميزان الاعتدال (١/ ٢٧٨) **یہ دراصل امام بخاری ♋ کا قول ہے۔ دیکھیں:** التاريخ الكبير (٢/ ١٦) انهوں **نے ایک سند کی بابت یہ الفاظ ذکر کیے ہیں، اس سے ابو جوزاء والی ہر سند کو ضعیف سمجھ لینا درست نہیں، کیونکہ أوس بن عبداللہ أبو الجوزاء بذات خود ثقہ راوی ہیں، حافظ ابن حجر ♋ فرماتے ہیں:** "ثقة يرسل كثيرا " **امام ابن عدی ♋ ان کی بابت فرماتے ہیں:** حدث عنه عمرو بن مالك قدر عشرة أحاديث غير محفوظة، وأبو الجوزاء رویٰ عن الصحابة، وأرجو أنه لا بأس به، ولا يصح روايته عنهم أنه سمع منهم، وقول البخاري: في إسناده نظر، يريد أنه لم يسمع من مثل ابن مسعود و عائشة وغيرهما إلا أنه ضعيف عنده، وأحاديثه مستقيمة، **حافظ ابن حجر ♋ یہ کلام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:** "قلت: حديثه عن عائشة في الافتتاح بالتكبير عند مسلم، وذكر ابن عبد البر في التمهيد أيضا أنه لم يسمع منها، وقال جعفر الفريابي في كتاب الصلاة: ثنا مزاحم بن سعيد ثنا ابن المبارك ثنا إبراهيم بن طهمان ثنا بديل العقيلي عن أبي الجوزاء قال: أرسلت رسولا إلى عائشة يسألها ... فذكر الحديث، فهذا ظاهره أنه لم يشافهها، لكن لا مانع من جواز كونه توجه إليها بعد ذلك فشافهها على مذهب مسلم في إمكان اللقاء، والله أعلم. " (تهذيب التهذيب: ١/ ٣٣٥)

❸ **نیز اس حدیث کی بابت علامہ ناصر الدین البانی ♋ رقم طراز ہیں:** "قلت: وهذا سند ضعيف، لا تقوم به حجة لأمور ثلاثة: أولها: أن سعيد بن زيد، وهو أخو حماد بن زيد، فيه ضعف، قال فيه الحافظ في التقريب: صدوق له أوهام، وقال الذهبي في الميزان: قال يحيىٰ بن سعيد: ضعيف، وقال السعدي: ليس بحجة، يضعفون حديثه، وقال النسائي وغيره: ليس بالقوي، وقال أحمد: ليس به بأس، كان يحيىٰ بن سعيد لا يستمرئه، وثانيها: أنه موقوف على عائشة، وليس بمرفوع إلى النبي صلى الله عليه وسلم، ولو صح لم تكن فيه حجة، لأنه يحتمل أن يكون من قبيل الآراء الاجتهادية لبعض الصحابة مما يخطئون فيه ويصيبون، ولسنا ملزمين بالعمل بها. وثالثها: أن أبا النعمان هذا هو محمد بن الفضل يعرف ➔

قوله: حضرت عائشہ ☐ وغیرہ کے قول وفعل واعتقاد کا نام سنت ہے۔

أقول: خوب! ماشاء اللہ کیا کہنے ہیں؟ یہ سنت کی تعریف تو ہم نے آج ہی سنی۔ بھائی ذرا ہم کو بھی بتا دو کہ کس کتاب میں تم نے دیکھا ہے؟ اوہو! کہیں ایٹ البحر میں تو نہیں دیکھ لیا؟ بس جی بس ''معلوم شد بافندگی بافندگی'' ایسے ایسے نادان لوگ رسالہ لکھنے کو تیار ہوئے ہیں، تف!! باقی رہے وہ دو قول جو آپ نے امام شافعی کے نقل کئے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ کی قبر پر جا کر اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں، تو پوری ہو جاتی ہے اور امام موسیٰ کاظم ♦ کی قبر واسطے اجابت دعاء کے تریاق ہے۔ یہ من قبیل اضغاث احلام اور بے سند اور امام شافعی پر بہتان ہے، سچے ہو تو صحیح سند سے اس کو نقل کرو۔ وإلا مردود علیٰ وجهك ! [دیکھیں: توحید خالص: ۲۵۸]

قوله: اب اگر مقلدان بخاری اپنے امام الامام کے قول کو بھی نہ تسلیم کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

أقول: اجی حضرت! مقلدان اسم فاعل تثنیہ کا صیغہ ہے، بھلا بتلائے ہوتے کہ امام بخاری ؒ کے وہ دو مقلد کون سے ہیں؟ افسوس جس کو اتنا بھی عربی کا علم نہ ہو، وہ اتنے بڑے محدث اور فقیہہ ہذہ الامۃ کی شان میں 34
ناشائستہ الفاظ استعمال کرے اور مرد میدان بن کر رسالہ لکھنے کو تیار ہو! ہم کہتے ہیں جیسے تم خود مقلد ہو ویسے ہی اپنے پر قیاس کر کے دوسروں کو بھی مقلد سمجھتے ہو، حالانکہ امام بخاری کا کوئی بھی مقلد نہیں، بلکہ اہل حدیثوں کا تو اصول یہ ہے کہ صحیح حدیث جہاں ملے اس پر عمل کریں گے۔ چونکہ شرق سے غرب تک تمام لوگوں نے بالاتفاق صحیح بخاری کو أصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کر لیا ہے، لہٰذا اس کی متصل و مرفوع حدیثوں پر بے خطرہ عمل درآمد کیا جاتا ہے، اور امام بخاری نہ امام شافعی کے مقلد تھے، جس کو تم بار بار لکھتے ہو، اور نہ امام شافعی امام بخاری کے امام تھے بلکہ جیسے امام شافعی تھے ان سے بڑھ کر امام بخاری ؒ تھے۔ آگے چلئے ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

➡ بعارم، وهو وإن كان ثقة، فقد اختلط في آخر عمره، وقد أو رده الحافظ برهان الدين الحلبي في الاغتباط بمن رمي بالاختلاط تبعا لابن الصلاح، حيث أو رده في المختلطين من كتابه المقدمة، وقال: والحكم فيهم أنه يقبل حديث من أخذ عنهم قبل الاختلاط، ولا يقبل من أخذ عنهم بعد الاختلاط، أو أشكل أمره فلم يدرهل أخذ عنه قبل الاختلاط أو بعده، قلت: وهذا الأثر لا يدرى هل سمعه الدارمي منه قبل الاختلاط أو بعده؟ فهو إذن غير مقبول فلا يحتج به. "

بعد ازاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد قال شيخ الإسلام ابن تيمية في الرد على البكري: وما روي عن عائشة رضي الله عنها من فتح الكوة من قبره إلى السماء لينزل المطر، فليس بصحيح، ولا يثبت إسناده، ومما يبين كذب هذا أنه في مدة حياة عائشة لم يكن للبيت كوة..."

بعد ازاں انھوں نے اس اثر کی نکارت اور درست معنی بیان کیا ہے، جو قابل دید ہے۔ دیکھیں: التوسل للألباني (ص: ۱۲۸)

امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد کامل تھے۔

پہلے یہ جاننا چاہیے کہ شروط اجتہاد کون کون سی ہیں؟ لہٰذا پہلے میں اس کو بیان کر کے بتلاؤں گا کہ امام بخاری میں کل شروط پائے جاتے تھے یا نہیں؟ اور امام ابوحنیفہ جن کو مجتہد مستقل کہا جاتا ہے، ان میں کتنے شروط پائے جاتے تھے؟ ملل ونحل میں لکھا ہے کہ شرائطِ اجتہاد پانچ ہیں:

۱۔ لغت سے قدر صالح کا جاننا، جس سے لغتِ عرب کو سمجھ لے۔

۲۔ تفسیر قرآن کا پہچاننا، خصوصاً ان آیات کا جن کا تعلق احکام سے ہو اور ان احادیث کا جن کو معنی آیات میں دخل ہو اور آثار صحابہ کا۔

۳۔ معلوم کرنا متون اسانید واحادیث کا اور احاطہ کرنا ساتھ احوال ناقلین ورواۃ کے اور وقائع خاصہ کا محیط ہونا۔

۴۔ مواقع اجماع صحابہ وتابعین سلف صالحین کا دریافت کرنا، تاکہ اس کا اجتہاد ان کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

۵۔ مواقع قیاسات کا جاننا کہ بعد نظر وتردد کے کس طرح اصل اس کی طلب کی جائے۔

"فهذه خمسة شرائط لابد من اعتبارها حتى يكون المجتهد مجتهدا." [1] انتہیٰ

اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ پانسو آیات اور تین ہزار حدیثوں کا جاننا مجتہد کو کافی ہے۔ [2] سو جس میں یہ شرائط پائی جائیں گی، وہ مجتہد سمجھا جائے گا۔ چار چھ دس بیس شخص کی کچھ خصوصیت نہیں ہے، اجتہاد کا چار شخصوں میں حصر کرنا بے دلیل ہے۔ صدہا صحابہ وتابعین وتبع تابعین و ہزارہا علماء دین مجتہد تھے، اگر ان کے باب میں شارع کی طرف سے کوئی نص مفید حصر آئی ہے، تو وہ کس دن کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہے؟ ؎

35 دو چیز طیرہ عقل است دم فروبستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی [3]

اس پر طرہ یہ کہ حنفیہ نے جو شرائط اجتہاد کے واسطے ذکر کی ہیں، وہ ان کے امام میں ہرگز موجود نہ تھیں:

۱۔ اول درجہ لغتِ عرب جاننے کا ہے، امام صاحب کی عربیت میں جو کچھ قصور وفتور تھا، وہ کتب تاریخ وطبقات سے

[1] الملل والنحل للشهرستاني (١/ ١٩٧)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: إرشاد الفحول (٢/ ٢٠٦) حجة الله البالغة (ص: ٣١٧)

[3] دو چیزیں عقل کے لیے باعث سبکی ہیں، بولنے کے وقت منہ بند کر لینا اور خاموشی کے وقت بولنا۔

بخوبی ثابت ہے۔

ابن خلکان نے تاریخ خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے کہ قلت عربیت کے سوا اور بات کے ساتھ وہ معاب نہ تھے۔❶ نامہ دانشوران ناصری میں لکھا ہے:

''ابن خلکان ویافعی آوردہ اندکہ ابوحنیفہ بجمیع کمالات آراستہ بود جز آنکہ درعلوم عربیہ رتبہ بلند نداشتہ است گاہے سخنانش بہ لحن وغلط آمیختہ میشد،'' انتھیٰ .❷

۲۔ دوسری شرط علم قرآن ہے، سوان سے آیات احکام وغیرہ کی کوئی تفسیر منقول نہیں ہے۔

۳۔ تیسری شرط علم حدیث ہے، سوامام صاحب نے سولہ سترہ حدیث سے زیادہ روایت نہیں کی۔❸

محدثین نے کہا ہے کہ ان کی بضاعت حدیث میں مزجاۃ ہے:

۱۔ نسائی نے " كتاب الضعفاء " میں لکھا ہے:"أبو حنيفة ليس بالقوي في الحديث "❹

۲۔ امام بخاری نے "كتاب الضعفاء" میں کہا ہے: "سكتوا عن رأيه وعن حديثه"❺

۳۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں لکھا ہے:"أبو حنيفة سيء الحفظ عند أهل الحديث "❻

۴۔ اور محمد بن نصر مروزی نے بھی " قليل الحديث "لکھا ہے۔

بہر حال حدیث میں ان کو کچھ دخل نہ تھا، اس لئے کہ جب امام صاحب سے بوقت طالب العلمی کے حدیث پڑھنے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا: " لا حاجة لي في هذا " دیکھو طحاوی (۱/ ۳۵) مطبوعہ کلکتہ۔

اس لئے خود انھوں نے کہا ہے:" علمنا هذا رأي "❼ یہ نہیں کہا:" علمنا هذا رواية "

۴۔ چوتھی شرط مواقع اجماعِ صحابہ کا معلوم ہونا ہے۔ سواس کا جاننا غالباً موقوف ہے صحبت صحابہ پر اور امام صاحب کی نہایت کم سنی میں گرچہ بعض بعض صحابہ موجود تھے مگر امام صاحب کو کسی صحابہ سے ملاقات تک نہیں ہے، چہ جائیکہ ان سے روایت کی ہو، اور جو بعض حنفیوں نے اس میں غلو کیا ہے اور لقاء وسماع کا دعویٰ کیا ہے، اس کی تکذیب تصریحات محدثین نے کر دی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

❶ تاريخ بغداد (۱۳/ ۳۳۲) وفيات الأعيان لابن خلكان (۴۱۳/۵)

❷ ابن خلکان اور یافعی نے ذکر کیا ہے کہ ابوحنیفہ تمام کمالات سے آراستہ تھے، صرف عربی علوم میں بلند رتبہ نہیں رکھتے تھے، کبھی ان کا کلام غلطی اور لحن کا آمیزہ ہوتا۔

❸ دیکھیں: تاريخ ابن خلدون (۱/ ۴۴۴)

❹ الضعفاء والمتروكين للنسائي (ص: ۱۰۰)

❺ كتاب الضعفاء للبخاري، برقم (۳۸۲) التاريخ الكبير (۸۱/۸)

❻ التمهيد لابن عبدالبر (۱۱/ ۴۸)

❼ تاريخ بغداد (۱۳/ ۳۵۲) تاريخ الإسلام للذهبي (۳۰۷/۹)

۵۔ پانچویں شرط مواقع قیاسات کو جاننا ہے، اس میں امام صاحب کو البتہ دستگاہ تھی، کیونکہ اس کو تو امام صاحب نے زمانہ طالب علمی میں پسند کیا تھا۔ دیکھو: طحطاوی (۱/ ۳۵) [1]

یہ بیان اس جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ حنفیہ نے خود جو شرائط اجتہاد مقرر کئے ہیں، ان کا وجود کامل طور پر امام صاحب میں نہیں پایا جاتا، کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ہمارا مطلب اس جگہ بیان کرنے سے امام اعظم رحمہ اللہ کی منقصت ہے، نعوذ باللّٰه منه ! بلکہ اس امر واقعی کا بیان کرنا ہے، جس کا تعلق مرتبہ اجتہاد سے ہے، ورنہ مناقب وفضائل اس امام عالی مقام کے ہمارے بیان سے زیادہ ہیں اور امام صاحب کے زہد وتقویٰ وورع میں ہم کو کسی طرح کا شک و 36
شبہہ نہیں ہے، البتہ وہ بڑے درجہ کے تھے، مگر کہاں درجہ امام بخاری کا اور کہاں درجہ امام ابوحنیفہ کا؟ کیونکہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ اور کیا نا انصافی ہوگی کہ جس کے مذہب کی بنیاد رائے پر ہو، اس کے پاس علم حدیث ولغت کم ہو اور اس کو خود اقرار ہو کہ ہمارا علم رائے ہے نہ روایت، اس کو باوجود فقدان آلات ونقصان شرائط اجتہاد کے مجتہد کامل کہا جائے اور جن کا بلوغ بمرتبہ اجتہاد مسلّم ہو، ان کی روایت بھی مقبول نہ ہو؟ بلکہ سچ پوچھو تو امام بخاری ان ائمہ اربعہ سے علم قرآن وحدیث میں زیادہ تھے، آثار صحابہ کا علم بھی علی وجہ الکمال ان کو حاصل تھا۔ لغت عرب کو بھی بسبب مزاولت کتاب وسنت وعلم لسان خوب جانتے تھے، کتاب التفسیر خود صحیح بخاری میں موجود ہے، تو ان کے مجتہد مستقل ہونے میں کیا شک رہا؟

اور اگر بفرض محال مانا جائے کہ امام صاحب کو تین ہزار یا زیادہ حدیثیں یاد تھیں، تو بھی انصاف یہ کہتا ہے کہ جس کو چھ لاکھ حدیث یاد ہوں، وہ بے شک امام صاحب سے زیادہ علم رکھتا ہے، اگر امام صاحب کو پانسو آیت احکام معلوم تھیں، تو امام بخاری کو علاوہ پانسو آیت احکام کے ہزاروں احکام کی احادیث یاد تھیں اور سارا قرآن بھی، پس امام صاحب کی قلت روایت کا یہ عذر کہ شرائط رواۃ ان کے نزدیک بہت سخت ودرشت تھے، ہرگز لائق قبول نہیں، سچ تو ہے کہ۔ ع

پیران نمی پرند و مریداں می پرانند [2]

---

[1] انھی شرائط اجتہاد سے متعلقہ ایک مناظرہ بھی ہے، جو امام شافعی اور امام محمد بن حسن کے درمیان ہوا، امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن حسن کہنے لگے کہ بتاؤ ہمارے استاد (ابوحنیفہ) بڑے عالم تھے یا تمھارے استاد (مالک) زیادہ علم رکھتے تھے؟ میں نے کہا: انصافاً ؟! انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بتاؤ قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا؟ ہمارے استاد یا تمھارے استاد؟ انھوں نے کہا: اللہ گواہ ہے، بے شک تمھارے استاد قرآن کا زیادہ علم رکھتے تھے، پھر میں نے حدیث کی نسبت پوچھا، اس میں بھی امام محمد نے یہی کہا، پھر میں نے اقوال صحابہ کی بابت پوچھا، تو انھوں نے کہا کہ تمھارے استاد زیادہ جاننے والے تھے، میں نے کہا: اب رہ گیا قیاس اور قیاس تو انھی چیزوں پر ہوتا ہے، تو اب کس بات میں دونوں کا مقابلہ کرو گے؟!'' (وفیات الأعیان: ٤/ ١٣٦)

[2] پیر نہیں اڑے مریدوں نے اڑا دیا!

حنفیہ نے ورق کے ورق امام صاحب کے مناقب میں لکھ کر بیچارے عوام کالانعام کے دلوں میں ان کی بہت ہیبت بٹھا دی، نقطہ کو ایک دائرہ بنا کر دکھایا، بلکہ اسی طرح دوسرے مقلدوں نے بھی اپنے ائمہ کی نسبت کیا، بوجہ بعدِ زمان وطولِ مسافت کے ان جاہلوں نے سمجھ لیا کہ یہ امام صاحب کوئی ایسے شخص تھے، جن سے ہم کو کسی امر میں کسی طرح کی مناسبت یا شرکت حاصل نہیں ہے، یا نوع بشر سے علیحدہ تھے، فرشتے تھے، یا نبی امت تھے!! نعوذ باللہ بقول حالی۔

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

آمدم برسر مطلب۔ توضیح میں لکھا ہے کہ شرائط اجتہاد تین ہیں، علی ہذا القیاس تلویح، نور الانوار اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت وغیرہ میں بھی اجتہاد کے شرائط لکھے ہیں۔ [1] جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ میں وہ شرائط بدرجہ اولیٰ پائے جاتے تھے اور امام ابوحنیفہ میں کامل طور سے نہیں، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں سب
37 کو نقل کر کے دکھلا دیتا کہ امام بخاری کا اجتہاد میں ایسا رتبہ بلند تھا۔ خیر جس قدر لکھا گیا اتنا ہی منصف ناظرین کے لیے کافی ہے، باقی۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

الغرض خیال کرنا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک پانسو آیت احکام اور بارہ سو احادیث کے جاننے سے مثلاً مرتبہ اجتہاد ملتا ہے، پھر جس کو سارا قرآن حفظ ہو، چھ لاکھ حدیث نوک زبان پر یاد رکھتا ہو، جس کا تقویٰ و تقدس بھی متفق علیہ امت ہو، وہ مجتہد کامل ہوسکتا ہے یا جو ان علوم میں قاصر یا ناقص ہو؟ خفا ہونے کی جگہ نہیں انصاف کرنے کا محل ہے!۔

تمھیں تقصیر اس بت کی جو ہو میری خطا لگتی
ارے لوگو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

اب رہا یہ امر کہ ائمہ اربعہ ہی مجتہد تھے اور انھیں پر اجتہاد ختم ہے۔ یہ محض غلط و باطل ہے اور حق سے سینکڑوں کوس دور اور جہالت سے بالکل قریب ہے، میں کہتا ہوں کہ کون کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ مجتہد نہ تھے، مگر کہنا یہ ہے کہ تمھارا انھیں ائمہ اربعہ میں اجتہاد کا حصر کرنا حماقت اور نادانی اور امام بخاری ؒ کو مجتہد نہ سمجھنا قیامت کبریٰ اور ان کے اجتہاد سے انکار کرنا اپنی جہالت کا اقرار کرنا ہے۔ امام بخاری سے بڑھ کر کون مجتہد ہوگا؟ جس نے ایک ایک آیت کریمہ اور ایک ایک حدیث سے کتنے مسائل استخراج کیے، کیسی کیسی باریکیاں استنباط کی، اس لئے تو امام احمد ان کو بلفظ

---

[1] شرح التلویح علی التوضیح (٢/ ٢٤٥) نور الأنوار (ص: ٢٥٠) فواتح الرحموت (٢/ ٤٠٥)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

" فقيه هذه الأمة " یادفرماتے اورمحمد بن بشار بلفظ " سيد الفقهاء " کہتے ،جیسا کہ اس کا بیان گزرا، اوربھی سن لو!

امام نووی نے كتاب تهذيب الأسماء میں فرمایا ہے، ذرا غور سے پڑھنا:

"وعن محمد بن حمدوية قال: سمعت محمد بن إسماعيل البخاري يقول: أحفظ مائة ألف حديث صحيح، ومائتي ألف حديث غير صحيح، وروينا عن الإمام أحمد بن حنبل قال: ما أخرجت خراسان مثل محمد بن إسماعيل، وعنه قال: انتهى الحفظ إلى أربعة من 38
أهل خراسان: أبو زرعة الرازي، ومحمد بن إسماعيل البخاري، وعبد الله بن عبد الرحمن السمرقندي يعنى الدارمي، والحسن بن شجاع البلخي، وعن الحافظ أبي علي صالح بن محمد جزرة قال: ما رأيت خراسانياً أفهم من البخاري، وعن محمد بن بشار شيخ البخاري ومسلم قال: حفاظ الدنيا أربعة: أبوزرعة بالري، ومسلم بن الحجاج بنيسابور، و عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، و محمد بن إسماعيل ببخارىٰ، وعنه قال: ما قدم علينا يعني البصرة مثل البخاري، وعنه أنه قال حين دخل البخاري البصرة: دخل اليوم سيد الفقهاء، وعنه أنه حين قدم البخاري البصرة، قام إليه، فأخذ بيده وعانقه، وقال: مرحبا بمن أفتخر به منذ سنين، وقال علي بن المديني: هو أي: البخاري، ما رأى مثل نفسه، وروينا عن محمد بن عبد الله بن نمير وأبي بكر بن أبي شيبة قالا: ما رأينا مثل محمد بن إسماعيل، وروينا عن عمرو بن علي الفلاس قال: حديث لا يعرفه البخاري، ليس بحديث، وروينا عن الإمام الدارمي قال: رأيت العلماء بالحرمين والحجاز والشام والعراق فما رأيت فيهم أجمع من أبي عبد الله البخاري، وروينا عن أبي سهل قال: دخلت البصرة والشام والحجاز والكوفة ورأيت علماءها فكلما جرى ذكر البخاري، فضلوه على أنفسهم، وروينا عن علي بن حجر قال: أخرجت خراسان ثلاثة: أبا زرعة بالري، ومحمد بن إسماعيل ببخارىٰ والدارمي بسمرقند، قال: والبخاري عندي أعلمهم وأبصرهم وأفهمهم، وقال إسحاق بن راهويه: لوكان البخاري في زمن الحسن البصري لاحتاج الناس إليه لمعرفته بالحديث وفهمه، وقال أبو عمرو الخفاف: لم أر مثل البخاري، وقال الترمذي: لم أر بالعراق ولا بخراسان في معنى العلل والتاريخ ومعرفة الأسانيد أعلم من محمد بن إسماعيل، وقال مسلم بن الحجاج للبخاري: لا يبغضك إلا حاسد، وأشهد أنه ليس في الدنيا مثلك، وروى الحاكم في تاريخ نيسابور بإسناده عن أحمد بن حمدون قال: جاء مسلم إلى البخاري، فقبل بين عينيه، وقال: دعني أقبل رجليك يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدثين ويا طبيب

الحديث في علله، وقال محمد بن إسحاق بن خزيمة: ما رأيت تحت أديم السماء أعلم بحديث رسول الله ﷺ من محمد بن إسماعيل البخاري، وذكر الحاكم أبا عبد الله البخاري فقال: هو إمام أهل الحديث بلا خلاف بين أهل النقل، ثم قال النووي: إن وصف البخاري بارتفاع المحل والتقدم فى هذا العلم علىٰ الأماثل والأقران متفق عليه فيما تأخر وتقدم من الأزمان، ويكفي في فضله أن معظم من أثنىٰ عليه ونشر مناقبه شيوخه الأعلام المبرزون والحذاق المتقنون،" انتهى كلام النووى مختصراً[1]

اس ساری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن حمدویہ و امام احمد بن حنبل و حافظ ابوعلی صالح و محمد بن بشار شیخ البخاری وعلی بن مدینی و محمد بن عبداللہ بن نمیر و ابوبکر بن ابی شیبہ وعمرو بن علی الفلاس و امام دارمی وابوسہل وعلی بن حجر واسحاق بن راہویہ وابوعمرو الخفاف وامام ترمذی و امام مسلم، و حاکم وابن خزیمہ و امام نووی، ان اٹھارہ شخصوں میں کسی نے امام بخاری کو حافظ الحدیث اور کسی نے بے مثل فی حفظ الحدیث ومعرفۃ الاسانید اور کسی نے منتہی الحفظ من حفاظ الدنیا اور کسی نے سید الفقہاء و اُجمع فی علم الحدیث وذی الفضل واَعلم واَبصر واَفہم فی الحدیث ولاثانی لہ فی الدنیا اور امام مسلم نے استاذ الاستاذین وسید المحد ثین وطبیب الحدیث کہا ہے اور ان کے تمام شیوخ ان کے ساتھ فخر کرتے اور عمرو بن فلاس نے تو یہاں تک کہا کہ جس حدیث کو بخاری نہ پہچانیں، وہ حدیث ہی نہیں ہے۔" 39

اب بتاؤ عمر کریم صاحب کہ تم نے کتنے ائمہ متقدمین کے اسامی گرامی سن لیے، جنھوں نے امام بخاری کے اجتہاد وتفقہ فی الدین وفضل وکمال کو تسلیم کیا ہے، اگر اس پر بھی تمہاری ہٹ دھرمی رہی تو ہم ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم کو عقل سلیم عطا فرمائے اور مذہب اہل سنت کا عامل بنائے۔

آمد برسر مطلب۔ اب رہا یہ امر کہ اجتہاد ائمہ اربعہ پر ختم ہے، اس کو کتنے ائمہ دین نے باطل لکھا ہے؟ تم کو ہم ایک بڑے حنفی عالم کا قول دکھلاتے ہیں دیکھو ملا عبدالعلی حنفی شرح مسلّم الثبوت میں فرماتے ہیں:

"ثم إن من الناس من حكم بوجوب الخلو من بعد العلامة النسفي و اختتم الاجتهاد به، وعنوا الاجتهاد في المذهب، وأما الاجتهاد المطلق فقالوا: اختتم بالأئمة الأربعة حتى أوجبوا تقليد واحد من هؤلاء علىٰ الأمة، وهذا كله هوس من هوساتهم، لم يأتوا بدليل، ولا يعبأ بكلامهم، وإنما هم من الذين حكم الحديث أنهم أفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا، ولم يفهموا أن هذا إخبار بالغيب في خمس لا يعلمهن إلا الله تعالىٰ."[2] انتهى

---

[1] تهذيب الأسماء واللغات للنووي (١/ ٧٩)

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت (٢/ ٤٣١)

''پھر بعض لوگ وہ ہیں کہ انھوں نے یہ حکم لگایا ہے کہ علامہ نسفی کے بعد زمانہ مجتہد سے خالی ہے اور اجتہاد کو علامہ نسفی پر ختم بتاتے ہیں اور اس سے اجتہاد فی المذہب مراد لیتے ہیں اور اجتہاد مطلق کو کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ان چار اماموں میں سے ایک کی تقلید امت پر واجب کر دی ہے۔ یہ سب ان کی بوالہوسی ہے، نہ تو اس پر وہ کوئی دلیل لا سکتے ہیں نہ ان کے کلام کا کوئی اعتبار ہے، کیونکہ یہ لوگ ان میں سے ہیں جن کے حق میں حدیث آئی ہے کہ انھوں نے بغیر جانے بوجھے فتویٰ دیا، سو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، حالانکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی باتیں غیب کی ان پانچ باتوں میں سے ہیں، جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔''

منصفین نکتہ شناسو! اس کلام بلاغت نظام سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک تو تقلید کا ابطال خاص ایک علامہ حنفی نے کر دیا، (اگر عمر کریم حنفی سچے ہوں گے، تو ضرور اس کو تسلیم کریں گے ورنہ بوالہوس کہے جائیں گے بقول علامہ)

دوم: یہ کہ ائمہ اربعہ میں انحصارِ اجتہاد کا قول غلط و باطل ہے۔ پس بقول ائمہ محدثین و بقول احناف امام بخاری کا مجتہد کامل ہونا ثابت ہوا۔

وللہ الحمد! پس ایک عمر کریم کا نہ ماننا یہ اس کی جہالت وضد وتعدی اور مذہب حنفی کے پابند نہ ہونے پر بین دلیل
ہے، اور اسی مرقومہ بالاتحریر سے ''امام ابوحنیفہ ؒ کو سترہ حدیثیں اور امام بخاری ؒ کو چھ لاکھ حدیثوں کے ملنے کی 40
تحقیق بھی ہوگئی'' جس کا میاں عمر کریم نے اپنے زعم باطل میں دفعیہ کیا تھا، فتدبر وتدرب!!

اب یہاں سے عمر کریم نے جو امام بخاری ؒ کے مجتہد نہ ہونے میں ہرزہ درائی کی تھی، اس کا رد کیا جاتا ہے۔

قوله: امام بخاری مجتہد نہ تھے، البتہ انھوں نے مجتہد بننے کا قصد کیا تھا مگر اس میں وہ ناکامیاب رہے۔

أقول: محض جھوٹ ہے، اگر بجائے امام بخاری کے امام ابوحنیفہ کا لفظ رکھ دیا جائے، تو ایک حد تک صحیح ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہر دو کا ثبوت مرقومہ بالاتحریر میں معلوم ہوا۔

قوله: اس کے ثبوت میں ہم صرف ایک واقعہ امام بخاری ؒ کا، جو ہدایہ کے شروح نہایہ اور کفایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہوا ہے، لکھتے ہیں، اس سے ناظرین کو امام بخاری ؒ کے اجتہاد کا پایہ خود ہی معلوم ہو جائے گا اور وہ یہ ہے... إلى آخره.

أقول: یہ آپ کا بیان مضحک الصبیان ہے۔ اجی! گھر میں اپنی بی بی کو ہر کوئی بیگم کہتا ہے، بھلا یہ بھی امام بخاری کے مجتہد نہ ہونے پر کوئی دلیل ہوسکتی ہے کہ دعویٰ کریں کچھ اور دلیل لائیں کہیں سے؟ کچھ وہی مثل ہوئی کہ ''زمین گول ہے اس لئے کہ چاول سفید ہے'' ہاں اس بات کو آپ تواریخ و اسماء الرجال کی کتب معتبرہ سے ثابت

کیجیے، تو حیز قبول میں آئے، ورنہ کفایہ وغیرہ کی حکایات واہیہ محدثین پر کب حجت ہوسکتی ہیں؟ کچھ نہیں تو ملا علی قاری حنفی و شیخ عبدالحق حنفی ؒ کے ہی قول کا مطالعہ فرمائیں:

"ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية، ولا بقية شراح الهداية، فإنهم ليسوا من المحدثين." ❶

"یعنی نہایہ کے مصنف کی نقل کا اعتبار نہیں، نہ دیگر شارحین ہدایہ کی نقل کا اعتبار ہے، کیونکہ یہ لوگ محدث نہیں ہیں۔"

لیجئے جناب! اصل واقعہ ہی غیر معتبر اور جھوٹ ہے۔ پس امام بخاری کے اجتہاد کا پایہ بلند ثابت ہوا کیونکہ "اللازم باطل فالملزوم مثله" اب آپ ہم سے یہ سنئے کہ امام محمد جب درس کے وقت امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے اس وقت دو چار آدمیوں کے سوا کوئی حاضر نہ ہوتا تھا، اور جب امام محمد امام مالک کی احادیث کو بوقت درس روایت کرتے، تو سارا درسگاہ بالکل بھر جاتا اور جگہ نہیں ملتی تھی، اس پر امام محمد حاضرین جلسہ پر بہت غصہ ہوتے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جب ہم امام ابوحنیفہ کی روایت بیان کرتے ہیں، تو کسی کا بھی پتہ نہیں رہتا اور جب امام مالک کی روایت بیان کرتے ہیں تو لوگوں کا ہجوم ہوجاتا ہے؟ جیسا کہ کتاب تهذيب الأسماء للنووي میں ہے:

"قال محمد بن الحسن: أقمت علىٰ باب مالك ثلاث سنين و كسرا، و كان إذا حدثهم عن مالك امتلأ منزله، و كثر الناس حتى يضيق عليه الموضع، وإذا حدث عن غير مالك لم يجئه إلا اليسير من الناس، فقال: ما أعلم أحدا أسوأ ثناء علىٰ أصحابه منكم، إذا حدثتكم عن مالك ملأتم علي الموضع، وإذا حدثتكم عن أصحابكم إنما تأتون متكارهين." ❷ انتهى 41

ترجمہ اس کا وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اور حافظ ابن حجر نے تعجيل المنفعه میں لکھا ہے:

"قال محمد بن عبد الله بن عبد الحكم: سمعت الشافعي يقول: قال لي محمد بن الحسن: أقمت علىٰ باب مالك رحمه الله ثلاث سنين، وسمعت من لفظه سبع مائة حديث، انتهىٰ، و كان مالك لا يحدث من لفظه إلا قليلا، فلولا طول إقامة محمد عنده وتمكنه منه ما حصل له عنه هذا." ❸ انتهى

"امام شافعی نے فرمایا: میں نے امام محمد سے سنا، کہتے تھے کہ میں نے امام مالک کے پاس تین برس تک جا کر سات سو حدیثیں من لفظہ سنیں (امام شافعی کہتے ہیں کہ) اگر امام محمد امام مالک کے پاس اتنا نہ ٹھہرتے تو ان کو ان سے اتنا بھی حاصل نہ ہوتا۔"

---

❶ الموضوعات الكبرىٰ (ص: ٣٥٦)

❷ تهذيب الأسماء واللغات للنووي (١/ ١١)

❸ تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة (١٧٥/٢)

پس اگر امام ابوحنیفہ کو احادیث صحیحہ کا علم ہوتا تو پھر امام محمد نے جس طرح امام ابوحنیفہ سے فقہ پڑھی تھی، حدیث کو بھی کیوں نہ پڑھا اور کیوں تین سال تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے؟ اور اگر امام صاحب کی روایات لوگوں کے نزدیک قابل وقعت تھی، تو پھر امام محمد نے یہ کیوں کہا کہ جب ہم اپنے مذہب والوں سے روایت کرتے ہیں، تو تم لوگ جبراً وقہراً آتے ہو؟ جناب مشتہر صاحب! تم کتب تواریخ سے محض کورے اور بے خبر ہو! ذرا سوچو اور ہٹ دھرمی سے باز آؤ۔

ہٹ چھوڑیے بس اب سر انصاف آئے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

قولہ: جب لوگوں نے ان کا یہ اجتہاد سنا تو ہجوم کر کے آپ کو بخارا سے نکال دیا۔

أقول: ہم نے کہا نا کہ تم تواریخ سے کورے ہو، کیا امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کی یہی وجہ ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ محض جھوٹ اور غلط ہے۔ آیئے ہم آپ کو بتلا دیں، شیخ نورالحق حنفی تیسیر القاری میں لکھتے ہیں:

”بعضے از اصحاب حسد وغرض حاکم بخارا را برآں داشتند کہ بخاری را استدعا نمود (الی قولہ) والی بخارا استدعا نمود از بخاری کہ مجلس خاص با اولاد معین سازد کہ دراں مجلس غیر ایشان را استماع صحیح خویش نہ نماید، بخاری در جواب گفتہ فرستاد کہ من نمی توانم کہ قومی را بہ سماع حدیث مخصوص سازم، پس ایں امر سبب وحشت شد میان بخاری ﷫ و حاکم، حاکم بخارا امر کرد کہ محمد بن اسماعیل از بخارا بیرون آید۔“ [1]

دیکھا جناب! امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کی یہ وجہ تھی۔ اب کہیے! ع

خود غلط بود انچہ تو پنداشتی [2]

اور لوگوں نے آپ کو نہیں نکالا بلکہ بخارا کے ظالم حاکم نے نکالا، جو کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد معزول و تباہ ہوگیا۔ [3] (تیسیر)

قولہ: جن کو اللہ نے مجتہد مطلق بنایا تھا، ان کا اجتہاد باوجود حسد حاسدوں کے بارہ سو برس سے اس وقت تک تمام عالم میں شائع ہو رہے اور قیامت تک جاری رہے گا اور ان کے اجتہاد کی روشنی بمصداق ”واللہ متم نورہ“ کے کسی حاسد کے بجھائے نہ بجھے گی۔

---

[1] بعض حاسدین نے حاکم بخارا کو اس بات پر ابھارا کہ بخاری کو طلب کیا جائے، والی بخارا نے امام بخاری کو طلب کیا کہ وہ ان کی اولاد کے لیے خاص مجلس قائم کریں اور وہاں ان کے علاوہ صحیح کے سماع میں کوئی شامل نہ ہو، بخاری نے جواب میں کہا میں کسی ایک قوم کو سماع حدیث کے لیے خاص نہیں کر سکتا۔ یہ واقعہ والی بخارا اور بخاری کے درمیان دوری کا سبب بنا، لہٰذا حاکم نے انھیں بخارا سے نکل جانے کا حکم کیا۔

[3] هدي الساري (ص: ٤٩٣)

أقول: سچ ہے: " الکذوب قد یصدق " اسی مقام کے لیے کہا گیا ہے، بے شک امام بخاری چونکہ 42
مجتہد مطلق تھے (جیسا کہ اوپر اجتہاد کے بیان میں لکھا گیا) لہٰذا ان کا اجتہاد باوجود تمھارے ایسے حاسدوں کے حسد کے تمام عالم میں شرق سے غرب تک شمال سے جنوب تک شائع ہے اور تا قیامت جاری رہے گا اور آپ کے اجتہاد کی روشنی بمصداق ﴿وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ﴾ [التوبۃ: ٣٢] تمھارے ایسے کسی حاسد اور باغض کے بجھائے نہ بجھے گی۔ ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس تف زندریشش بسوزد ❶

قولہ: بخاری میں کثرت سے ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کے مضمون کو ترجمۃ الابواب سے کچھ بھی تعلق نہیں، شارحین نے بہت کچھ کوشش کی اور چاہا کہ حدیث کو ترجمۃ الابواب سے مطابق کریں مگر اکثر جگہ وہ بیچارے بھی مجبور رہ گئے اور آخر ان کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ ان احادیث کو ترجمۃ الابواب سے کچھ علاقہ نہیں (الی قولہ) پھر کسی وقت اس بحث کو ہدیہ ناظرین کریں گے۔

أقول: جب آپ اس بحث کو چھیڑینگے تو ہم بھی ترکی بہ ترکی جواب دیں گے اور بتلا دیں گے کہ اس حدیث کو ترجمہ باب سے یوں مطابقت ہے۔ آپ نے چونکہ حدیث کسی کامل استاد سے نہیں پڑھی، اس لئے آپ کو مطابقت کا شعور نہیں، کچھ نہیں تو ایک سال محنت کر کے ہمارے مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لا کر محض بخاری ہی کو پڑھ جائیں اور جس قدر شکوک ہوں پیش کر کے ان کا جواب شافی لیجئے، پھر خود آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ہر حدیث کو ترجمہ باب سے کیسا بین تعلق ہے اور اگر یہ تکلیف گوارا نہ ہو تو بذریعہ اشتہار کے آپ ان حدیثوں کو پیش کیجئے، میں آپ کو مطابقت بتلا دوں گا بشرطیکہ حق استادیت ادا کیجئے، اور وہ شارحین جو بخاری کی شرح کرنے بیٹھے تھے، انھوں نے ہر حدیث کو جو ترجمہ باب سے تعلق و علاقہ بتا دیا ہے، جیسے حافظ بن حجر رحمہ اللہ ، ہاں جنھوں نے اپنے کو شارحین بخاری میں مردم شماری کے لیے شرح لکھی ہے، وہ اگر ایسا کریں یا کیا ہو، تو تعجب نہیں، لیکن ان کے اس اقرار سے حدیثوں کا ترجمہ باب سے عدم تعلق ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ ذلك مبلغهم من العلم !!

قولہ: اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حفاظ حدیث میں ہونے کے ثبوت میں بڑے بڑے لوگوں کے کثرت سے اقوال موجود ہیں۔

أقول: بندہ خدا ذرا خیال تو کرو کہ جس کی پونجی صرف سترہ حدیثوں کی ہو، وہ حفاظ حدیث میں کیونکہ شمار ہوسکتا

---

❶ جس چراغ کو اللہ روشن کرے ہر کوئی جو اس پر تھوک پھینکے گا اس کی اپنی داڑھی ہی جلے گی۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ہے؟ تم ہی بتلاؤ کہ اگر امام صاحب حافظ حدیث ہوتے، تو ان کے شاگرد امام محمد امام مالک سے کیوں حدیث پڑھتے؟ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست [1]

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ امام صاحب کو کسی نے بھی حافظ حدیث نہیں لکھا ہے، اس لئے کہ امام صاحب اپنے حافظہ کی طرف سے بالکل قوی نہ تھے، اس کا کچھ ذکر پہلے ہو چکا ہے، آپ اپنی اس کتاب میزان الاعتدال کو ملاحظہ 43
کرو، جس کا آپ نے اپنے اشتہار میں حوالہ پیش کیا ہے:

"النعمان بن ثابت بن زوطي أبو حنيفة الكوفي، إمام أهل الرأي، ضعفه النسائي من جهة حفظه وابن عدي وآخرون." [2]

''یعنی امام ابوحنیفہ کو امام نسائی اور ابن عدی اور دوسروں نے (ذرا اس جمع کو خیال کرنا) حافظہ کی طرف سے کمزور کہا ہے۔''

لیجئے جناب! حافظ کہنا کیا معنی حفظ ہی میں ضعف ثابت ہوا، اور دیکھئے حافظ ذہبی (یہ وہی ہیں جن کو آپ نے آگے اپنے ثبوت میں پیش کیا ہے) انھوں نے امام صاحب کو حافظ کہنا کیا امام الحدیث بھی نہیں بلکہ امام اہل الرائے کہا، فافهم! اور حافظ ابن عبدالبر نے تمہید شرح موطا میں لکھا ہے: "أبو حنيفة سيء الحفظ عند أهل الحديث" [3]

پھر بتلایئے! " سيء الحفظ" بھی حفاظ میں شمار ہوسکتا ہے؟ انصاف! انصاف! ہاں آپ نے امام بخاری کی نسبت جو اپنے اشتہار کے سترہویں صفحہ میں گوہر افشانی کی ہے کہ'' امام بخاری کی نسبت جو سیلان حفظ کا اعتقاد ہے، وہ بالکل فاسد ہے۔'' یہ خود بے بنیاد اور بناء فاسد علی الفاسد ہے، ذرا تقریب ہی کا مطالعہ کرو:

"محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي أبو عبد الله البخاري جبل الحفظ، وإمام الدنيا في فقه الحديث." [4]

''یعنی امام بخاری جبل الحفظ اور امام الدنیا فی الحدیث تھے۔''

ذرا اس عبارت اور میزان کی اس عبارت کو، جو امام صاحب کی شان میں پیشتر نقل کی گئی، موازنہ کرو اور کہو۔ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اور اپنی میزان ہی کے مصنف علامہ ذہبی کی طبقات کو دیکھو: "البخاري شيخ الإسلام وإمام الحفاظ"

---

1. ایسی عقل و دانش پر رونا چاہیے۔
2. ميزان الاعتدال (٤/ ٢٦٥)
3. التمهيد لابن عبد البر (١١/ ٤٨)
4. تقريب التهذيب (ص: ٤٦٨)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

لواب کہو! ذرا اور آگے دیکھو: ” وكان رأساً في الذكاء، رأساً في العلم، رأسا في الورع والعبادة“ یعنی امام بخاری اعلیٰ درجہ کے ذہین، علم والے، پرہیزگار و صاحب عبادت تھے۔

بھلا ایسا ذکاء اپنے امام صاحب کا تو دکھاؤ! علاوہ ازیں تمام اکابرین احناف نے امام بخاری کو امام الحفاظ کہا ہے، منجملہ ان کے بعض کے اسامی گرامی بھی سن لو، شیخ نور الحق حنفی دہلوی ، مولوی عبدالحئ حنفی لکھنوی، شیخ عبدالحق حنفی دہلوی، ملا علی قاری حنفی، علامہ عینی حنفی، امام قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور بن مسیر حلبی حنفی، امام علاء الدین مغلطائی بن فلیج ترکی مصری حنفی، شیخ احمد کورانی حنفی، مولوی احمد علی سہارنپوری حنفی وغیرہ، پس کیا تم وہی تو نہیں کہ۔ ع

سارا زمانہ ایک طرف ایں شوخ تنہا ایک طرف

شرم!

قوله: جیسے کہ علامہ ابن خلدون نے ” فصل علوم الحديث “ میں لکھا ہے...الخ

أقول: **انھوں** نے پھر بھی سوائے اہل الرائے کے امام صاحب کو حفاظ حدیث کہیں نہیں لکھا اور اس کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ ” وكان الحديث قليلا في أهل العراق“ [1] یعنی عراقیوں کو کم حدیثیں ملیں اور صفحہ (۳۶۹) میں علامہ ابن خلدون لکھ آئے ہیں کہ ” والكوفة من العراق “یعنی کوفہ بھی عراق میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ امام 44
ابوحنیفہ کوفہ کے تھے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کم حدیثیں ملیں اور جب حدیثیں کم ملیں تو ”فاستكثروا من القياس “(دیکھو: ابن خلدون) یعنی پس قیاس ہی زیادہ کرنے لگے اور جب قیاسات زیادہ کئے تو ” فلذلك قيل أهل الرأي “ (دیکھو بھی ابن خلدون) یعنی اسی وجہ سے اہل رائے کہے جاتے ہیں۔ [2]

کہیے جناب! ابن خلدون تو کچھ کہہ رہا ہے اور آپ اس سے کچھ اور نقل کر رہے ہیں اور اسی ابن خلدون نے امام بخاری کو ”إمام المحدثين“ لکھا ہے۔ دیکھو (صفحہ: ۳۶۹) [3]

افسوس کہ تمھارے ادلہ خود تم پر حجت ہوئے جاتے ہیں لیکن اب بھی تم باز نہیں آتے تو خدا تم کو سمجھ دے!

قوله: اور جیسے علامہ ذہبی نے جو حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے، اس میں انھوں نے امام ابوحنیفہ ﷬ کا بھی نام لکھا ہے اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون (۱/ ٤٤٦)

[2] تاریخ ابن خلدون (۱/ ٤٤٦) نیز لکھتے ہیں: فلذلك قيل: أهل الرأي، ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي أصحابه أبو حنيفة “

[3] تاریخ ابن خلدون (۱/ ٤٤٢)

أقول: علامہ ذہبی نے محض حفاظ ہی کے حالات بتلانے کو وہ کتاب نہیں لکھی ہے اور اس کا نام انھوں نے جو تذکرہ الحفاظ رکھا ہے، یہ تغلیباً ہے، اس وجہ سے کہ اس میں حفاظ کثیرہ کا ترجمہ مرقوم ہے، جیسا کہ خدا نے ابلیس کو ﴿فسجد الملائكة﴾ میں تغلیباً داخل کر کے پھر استثناء کیا ہے۔ پس علامہ ذہبی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کتاب میں مذکور تمام لوگ حفاظ حدیث ہیں، اگر یہ مقصود ہوتا تو پھر امام صاحب کے ترجمہ میں " الإمام الحافظ "کیوں نہیں لکھا؟ صرف فقیہ لکھنے پر اکتفا کیا۔ ذرا دیکھو:

" أبو حنيفة الإمام الأعظم فقيه العراق" (تذكرة: ١/ ١٥١)

یہ کتاب کی سرخی ہے، آگے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

" قال ضرار بن صرد: سئل يزيد بن هارون: أيما أفقه الثوري أو أبو حنيفة؟ فقال: أبو حنيفة أفقه، و سفيان أحفظ للحديث "

یعنی ضرار بن صرد بیان کرتے ہیں کہ یزید بن ہارون سے کسی نے سوال کیا کہ سفیان ثوری بڑے فقیہ تھے یا (امام) ابوحنیفہ؟ انھوں نے کہا: ابوحنیفہ أفقه تھے اور سفیان أحفظ للحديث.

بتلایئے جناب! اس سے تو امام صاحب کے حافظ الحدیث نہ ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

"قال ابن المبارك: أبو حنيفة أفقه الناس " یعنی عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ امام صاحب أفقه الناس تھے۔ (حافظ الحدیث نہ تھے)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"وقال الشافعي: الناس في الفقه عيال علىٰ أبي حنيفة "[1]

یعنی امام شافعی نے بھی امام ابوحنیفہ کو فقیہ شمار کیا ہے، میں کہاں تک لکھتا چلا جاؤں۔ بتلایئے حضرت! کوئی بھی تو امام صاحب کو حافظ الحدیث نہیں کہتا، آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ بلکہ امام بخاری کی نسبت یہی امام ذہبی اپنے طبقات میں "إمام الحفاظ "اور اسی تذکرہ (صفحہ: ۱۳۷) میں حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔[2] اب یہی کہئے کہ ؎

45

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کمبخت تیرا چاہنے والا نکلا

---

[1] تذكرة الحفاظ (١/ ١٦٨)

[2] تذكرة الحفاظ (٢/ ٥٥٥) حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں: البخاري شيخ الإسلام وإمام الحفاظ اور انھوں نے امام بخاری کے حالات میں ایک مستقل ضخیم تالیف کی تھی، فرماتے ہیں: "قد أفردت مناقب هذا الإمام في جزء ضخم فيها العجب" (تذكرة الحفاظ: ٢/ ٥٥٦، تاريخ الاسلام، حوادث: ٢٥١۔ ٢٦٠ھ)

اب اس قدر کثرتِ اقوال وکثیر رائے کے مقابلہ میں ابو المحاسن دمشقی شافعی مصنف عقود الجمان (مجہول الاسم والرسم) کا قول کب حیز قبول اور پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے؟ کما لا یخفیٰ علیٰ من له أدنیٰ بصیرة فی المناظرة۔ فافهم!

آگے آپ کا امام ابوحنیفہ و امام بخاری کا مختصر حالات لکھنا اور اس میں بوجہ پیدائش امام صاحب کے بزمانہ خیرالقرون امام بخاری سے افضل ہونا، یہ سب دل بہلاؤ اور مضحک الصبیان ہے، اس لئے کہ امام مالک بھی تو خیرالقرون کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور چونکہ یہ حافظ الحدیث تھے، اس لیے یہ امام صاحب سے بدرجہا افضل ہوئے اور ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ امام بخاری ائمہ اربعہ سے بھی افضل ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں (جو آپ نے نمبر(۱) میں لکھی ہے) امام بخاری کا امام ابوحنیفہ سے افضل ہونا ثابت ہوا۔ فالحمدللہ

باقی دیگر نمبروں کے بھی جوابات سنو اور اپنے پر آٹھ آٹھ آنسو بہاؤ!!

امام ابوحنیفہ ﷫ تابعی ہونے کا درجہ نہیں رکھتے تھے۔

قولہ: یہ (امام ابوحنیفہ) تابعی ہونے کا درجہ رکھتے تھے (اور) ان (یعنی امام بخاری) کو یہ درجہ حاصل نہ تھا۔

أقول: آپ نے تو جالِ خداع وفریب کا بیڑہ ہی اٹھالیا ہے، لیکن اس میں کوئی ہمائے ہوشیار تجربہ کار نہیں پھنستا۔

ہاتھ آتا ہے مقدر سے ہمائے دولت
جال کس کس نے بچھایا نہیں دانائی کا

دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ امام صاحب تابعی ہیں اور ثبوت ندارد! اب جب تک امام صاحب کا تابعی ہونا ثقات علماء سے باسناد صحیح متصل نہ پایا جائے، ان کا تابعی ہونا کیونکر مقبول ہوگا؟ آپ چونکہ اس کے مدعی ہیں، لہٰذا امام صاحب کا بسند صحیح تابعی ہونا ثابت کریں، لیکن آپ سے تا قیامت ثابت نہ ہوگا، بخلاف اس کے شیخ عبدالحق دہلوی حنفی نے، جو امام صاحب کے بڑے مداح تھے، کتاب " إكمال في أسماء الرجال " میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے روایت نہیں کی اور ان کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔

۱۔ حيث قال: بعد ذكر الصحابة الذين أدرك أبو حنيفة زمانهم ما نصه:
"ولم يلق (أبو حنيفة) أحدا منهم ولا أخذ عنهم،"[1] انتهى.

۲۔ اور یہی قول جمہور اہل حدیث وغیرہم کا ہے، ملا علی قاری حنفی شرح مسند ابوحنیفہ میں لکھتے ہیں:
"قال الكردري: جماعة من المحدثين أنكروا ملاقاته مع الصحابة، و أصحابه أثبتوه،" انتهى[2] 46
یعنی امام ابوحنیفہ کی صحابہ سے ملاقات کو محدثین کی جماعت انکار کرتی ہے اور ان کے اصحاب اس کو ثابت کرتے ہیں، (لیکن بے سند)

۳۔ اور نامہ دانشوراں میں لکھا ہے:
" پیروان دعویٰ کنند چنانکہ درک صحبت تابعین نمودہ انداز خدمت اصحاب نیز کامیاب شدہ است ولی راء اصواب

---

[1] إكمال في أسماء رجال المشكوة ملحق به مشكوة (ص: ٦٢٨)

[2] شرح مسند أبي حنيفه للملا على القارى (ص: ٥٨١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

وقول صحیح آنست کہ باایشان معاصر وہمعہد بودہ لکن بہ سعادت استفادت وتوفیق ملاقات ایشان موفق نگشت۔❶

۴۔ اور خطیب " أسماء رجال المشكوة " میں فرماتے ہیں:

"وكان في أيامه أربعة من الصحابة: أنس بن مالك بالبصرة، وعبد الله بن أبي أوفىٰ بالكوفة، وسهل بن سعد الساعدي بالمدينة، وأبو الطفيل عامر بن واثلة بمكة، ولم يلق أحدا منهم ولا أخذ عنهم،"❷ انتهى.

"یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں صحابہ سے چار شخص زندہ تھے:

۱۔ انس بن مالک بصرہ میں۔ ۲۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں۔

۳۔ سہل بن سعد مدینہ میں۔ ۴۔ عامر بن واثلہ مکہ میں۔

لیکن ابوحنیفہ نے ان میں کسی ایک سے ملاقات نہیں کی اور نہ ان سے روایت کی۔

۵۔ اور تقریب التهذيب میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

" النعمان بن ثابت الكوفي أبو حنيفة الإمام، يقال: أصله من فارس، ويقال: مولىٰ بني تميم، فقيه مشهور من السادسة،"❸ انتهى یعنی امام ابوحنیفہ طبقہ سادسہ میں ہیں۔

اور مقدمہ تقریب میں فرماتے ہیں:

" والطبقة السادسة عاصروا الخامسة لكن لم يثبت لهم لقاء أحد من الصحابة كابن جريج ،"❹

چھٹا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کی کسی صحابی سے ملاقات نہ ہوئی۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی۔

۶۔ اور علامہ محمد طاہر حنفی تذکرہ موضوعات میں فرماتے ہیں:

"وكان في أيام أبي حنيفة أربعة من الصحابة (ثم عدهم وقال) ولم يلق واحدا منهم، ولا أخذ عنهم، وأصحابه يقولون: إنه لقي جماعة من الصحابة، وروى عنهم، ولم يثبت ذلك عند أهل النقل."❺ انتهى ترجمہ اس کا اوپر بیان ہوا ہے

---

❶ پیروکاروں نے دعوی کیا ہے کہ جس طرح انھیں تابعین کی صحبت حاصل تھی، اسی طرح صحابہ کی بھی تھی، لیکن درست رائے اور صحیح قول یہ ہے کہ انھیں ان کا زمانہ تو ملا تھا، لیکن شرف استفادہ اور توفیق ملاقات نہ ہوئی۔

❷ إكمال في أسماء رجال المشكوة ملحق به مشكوة (ص: ٦٢٨)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٥٨)

❹ تقريب التهذيب (ص: ١٠)

❺ تذكرة الموضوعات (ص: ١١١)

۹،۸،۷۔ اور ایسا ہی علامہ ممدوح فخر الحنفیہ نے مجمع البحار میں تصریح کی ہے اور بجنسہ یوں ہی ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں فرمایا ہے، اور بعینہ یوں ہی جامع الاصول میں ہے۔ ❶

۱۰۔ امام دارقطنی محدث جلیل فرماتے ہیں:

”ولا يصح لأبي حنيفة سماع من أنس، ولا رؤيته، ولم يلق أحدا من الصحابة،“ كذا نقله العلامة ابن الجوزي في العلل المتناهية . ❷

”یعنی نہیں صحیح ہوا سننا ابو حنیفہ کا انس سے اور نہ دیکھنا ان کا اور نہ ملاقات کی ابو حنیفہ نے کسی صحابہ سے ایسا ہی علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے۔“

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے تھا، منصفین بغور ملاحظہ فرمائیں کہ عمر کریم کیسا بے باک ہے کہ علماء احناف و جمہور محدثین اور اتنے اکابر علماء کے اقوال کا، جو امام ابو حنیفہ کے تابعی ہونے کے منکر ہیں، بلا حجت و برہان انکار کر رہا ہے، عمر کریم بسند صحیح مسلسل تا امام ممدوح ان کے قول یا ان کے معاصرین کے قول سے امام صاحب کی رؤیت یا 47
روایت ثابت کر دے تو ضرور ان اکابر امت کے قول کو ترک کر دیا جائے گا، ورنہ خبر معلق و مجہول سے جس کی سند کا کوئی اتہ پتہ نہیں اور نہ ان کے اصحاب کا پتہ ہے کہ اصحاب سے کون اصحاب ابو حنیفہ مراد ہیں؟ ایک امر کا دعویٰ کرنا جس کے جمہور محدثین منکر ہیں، کس قدر جرأت اور بے شرمی ہے۔ پس اب عدم تابعیت کے درجہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ برابر ہوئے اور حفظ اور اجتہاد اور تقویٰ اور علمیت میں امام بخاری کا درجہ بلند رہا۔ كما لا يخفى!

اور اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ امام ابو حنیفہ تابعی تھے، تو میں کہوں گا کہ امام بخاری صحابی تھے، اس لیے کہ امام بخاری نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، چنانچہ شیخ نور الحق حنفی دہلوی تیسير القاري میں لکھتے ہیں:

”واز وے مرویست کہ گفت در خواب دیدم کہ پیغمبر ﷺ را حاضر شدم و مقابل آنحضرت ایستادم و مروحہ در دست من است و آن سرور را بادمیکنم و مگس را از روئے مبارک وے میرانم۔“ ❸

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”من رآني في المنام، فقد رآني حقا، فإن الشيطان لا يتمثل في صورتي.“ ❹ (متفق عليه)

---

❶ وفيات الأعيان لابن خلكان (١/ ١٦٣) مجمع البحار (٥/٣٠١) نیز دیکھیں: تهذيب الأسماء واللغات للنووي (٢/ ٢١٦) فتح المغيث (٣/ ١١) شرح شرح نخبة الفكر للملا علي قاري (٦٢٠)

❷ العلل المتناهية في الأحاديث الواهية لابن الجوزي (١/ ٧٤)

❸ ان سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ہاتھ میں پنکھا لیے آپ کے مقابل کھڑا ہو کر آپ کے چہرے سے مکھیاں دور کر رہا ہوں۔

❹ صحيح البخاري: كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث (١١٠) صحيح مسلم: كتاب الرؤيا، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من رآني في المنام...، رقم الحديث (٢٢٦٦)

اور دوسری روایت میں ہے: ''من رآني فقد رأى الحق.'' (متفق عليه) [1]

''یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا، اس نے فی الحقیقت مجھ کو دیکھ لیا، پس تحقیق کہ شیطان میری صورت میں خواب میں دکھلائی نہیں دیتا۔''

پس اس لحاظ سے امام بخاری صحابی ہوئے (اگرچہ صحابیت میں اس قسم کی لقاء عند المحدثین معتبر نہیں) پھر بھی امام ابوحنیفہ سے درجہ میں بڑھے رہے۔ فتأمل!

قوله: یہ (امام ابوحنیفہ ﷫) شہر کوفہ کے رہنے والے تھے، جس شہر کو حضرت عمر ♦ ''رمح اللہ'' [2] (وغیرہ وغیرہ) فرمایا کرتے تھے... إلیٰ أخرہ.

أقول: آپ کی یہ بات از قسم أضغاث أحلام ہے، ہم نے مانا کہ حضرت عمر ایسا ایسا فرمایا کرتے تھے، لیکن جس وقت حضرت عمر نے اس کی تعریف کی تھی، اس وقت ایسا ہی تھا، بعد میں اسی کوفہ سے ایسا فتنہ اٹھا کہ کوفیوں نے دھوکہ دے کر اہل بیت کا سر مبارک تن مبارک سے جدا کیا۔ اسی واسطے تو عربی میں مثل مشہور ہے: "الکوفي لا یوفي" پس۔ ع

اگر اب بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

قوله: یہ (بخاری) شہر بخارا کے رہنے والے تھے، جو ایک معمولی شہر تھا اور مذہبی حیثیت سے بالکل ممتاز نہ تھا۔ (الخ)

أقول: آپ پہلے اپنے اس دعویٰ کا ثبوت عنایت کیجئے، پھر میں بھی اپنے ادلہ و براہین سے بخارا کی فضیلت ثابت کر دوں گا، اور بتلا دوں گا کہ یہ شہر معمولی نہ تھا، بلکہ بہت ممتاز تھا، اگر تمہیں کتاب "معجم البلدان للإمام یاقوت الحموي" [3] میسر آئے تو اسی کو دیکھ لو، تب تم کو شہر بخارا کی حقیقت پورے طور سے معلوم ہوگی۔

48 **قوله:** اور جو صحابی آپ کے آغاز جوانی تک زندہ تھے، وہ تین ہیں۔

أقول: تین نہیں بلکہ چار ہیں، جن کی تفصیل اوپر مذکور ہے لیکن ان لوگوں کے زندہ رہنے ہی سے کیا فائدہ ہوا؟ جب امام صاحب ان کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے۔ [4] (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا)۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم الحديث (٦٥٩٥) صحيح مسلم: كتاب الرؤيا، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: من رآني في المنام...، رقم الحديث (٢٢٦٧)

[2] یہ قول حضرت عمر بن خطاب ♦ سے منقطع سند کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیں: الطبقات الكبرىٰ لابن سعد (٦/٥) تاريخ الطبري (٢/ ٤٨٧)

[3] معجم البلدان (١/ ٣٥٣) یاقوت حموی مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ اس لازوال شہرت کے حامل شہر کا تعارف شروع کرتے ہیں: "بخارىٰ بالضم من أعظم مدن ما وراء النهر، وأجلّها"

[4] تفصیل کے لیے دیکھیں: مرآة الجنان (١/ ١٥٠) مجمع البحار (٥/ ٣٠١)

قوله: یعنی امام ابوحنیفہ کو امام جعفر صادق ابن امام باقر) نے اپنی گود میں پالا تھا اور تعلیم دی تھی (الی قولہ) اور ان کے فیض صحبت سے انھوں نے علم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا۔

أقول: وہی امام جعفر صادق رحمہ اللہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی صورت سے بیزار رہا کرتے تھے، جس وقت سے کہ امام ابوحنیفہ نے (بوجہ قلت حدیث) قیاس کرنا شروع کیا، جیسا کہ ابن شبرمہ فرماتے ہیں:

"قال: دخلتُ أنا وأبو حنيفة علىٰ جعفر، فسلمت عليه، وكنت له صديقا، ثم أقبلت على جعفر، وقلت: متع الله بك! هذا رجل من أهل العراق، وله فقه وعقل، فقال لي جعفر: لعله الذي يقيس الدين برأيه، ثم أقبل علي فقال: أهو النعمان؟ فقال له أبو حنيفة: نعم، أصلحك الله! فقال له جعفر: اتق الله، ولا تقس الدين برأيك، فإن أول من قاس برأيه إبليس." [1] (حيوة الحيوان)

''ترجمہ: ابن شبرمہ نے فرمایا کہ میں اور ابوحنیفہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے یہاں گئے اور ان پر سلام کیا اور میں ان کا دوست بھی تھا، پھر میں نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ پر متوجہ ہو کر کہا کہ اللہ آپ کی ذات سے لوگوں کو فائدہ دے، یہ ایک شخص اہل عراق سے میرے ساتھ ہیں، بڑے فقیہہ اور عاقل ہیں، پس مجھ سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ شخص شائد وہی ہے، جو اپنی رائے سے دین میں قیاس کرتا ہے؟ پھر میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ کیا وہ شخص نعمان ہے؟ تو ابوحنیفہ بول اٹھے کہ ہاں (نعمان ہے) آپ کو اللہ تندرست رکھے۔ پس امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ سے فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کیا کرو، اس لے کہ پہلے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا'' (جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا)

پھر امام جعفر نے چند باتیں امتحاناً امام ابوحنیفہ سے پوچھیں، جس میں وہ قیاس کر سکے نہ کسی صورت سے بتا سکے۔

خود امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے بعد میں بتلایا اور تنبیہاً پھر فرمایا:

"اتق الله يا عبد الله، ولا تقس، فإنا نقف غدا نحن ومن خالفنا بين يدي الله، فنقول: قال الله عزوجل وقال رسول الله ﷺ وتقول أنت وأصحابك: قسنا ورأينا." [2] (إعلام الموقعين: ٩٣)

''اے اللہ کے بندے ڈر تو اللہ سے اور قیاس مت کیا کر، پس تحقیق کہ ہم سب اور تم بھی کھڑے ہوں گے اللہ کے سامنے، پس ہم لوگ کہیں گے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اور تم کہو گے ہم نے قیاس کیا، ہم نے ایسا دیکھا (پس اس وقت کیفیت معلوم ہوگی!)۔''

دیکھیے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ ہمیشہ امام ابوحنیفہ کو اس طور سے سمجھایا کرتے تھے اور امام صاحب قیاس کرنے

[1] حياة الحيوان الكبرى للدميري، باب الظاء المعجمة۔

[2] إعلام الموقعين (١/ ٢٥٥)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

سے باز نہیں آتے تھے۔ کیوں جناب! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تعلیم کا یہی اثر ہوا اور امام ابوحنیفہ نے یہی بہت بڑا ذخیرہ علم کا جمع کیا تھا؟ سمجھنے اور سوچنے کا مقام ہے، خفا ہونے کی جا نہیں!

قوله: باوجودیکہ ان (بخاری) کے وقت میں خاندان نبوت سے یہ چار امام موجود تھے (الی قولہ) مگر افسوس امام بخاری نے نہ تو ان لوگوں کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور نہ اپنی بخاری میں ان سے کوئی روایت کی۔

أقول: امام ابوحنیفہ نے صحبت کا شرف ہی حاصل کر کے کیا کیا؟ جب کہ انھوں نے ان سے کوئی حدیث نہ سنی، اگر سنی تو روایت نہ کی۔ فافهم!

قوله: ایسے شخص کو گھر میں بیٹھے بیٹھے چھ لاکھ حدیثیں مل جائیں، اس کو کوئی عقل سلیم والا شخص (تا) قبول نہیں کر سکتا ہے۔

أقول: ارے بودم بے دال! گھر میں بیٹھے بیٹھے امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں نہیں ملی تھیں، بلکہ ابتغاء وطلب حدیث کے لیے امام بخاری کا کجاوہ ہمیشہ کسا رہتا تھا، بقول کسی قائل کے۔ ع

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

(جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا) ذرا علماء احناف کی کتابیں کھول کر دیکھ لو۔ شیخ نور الحق حنفی دہلوی تیسیر القاري میں لکھتے ہیں:

''پس برائے سماع وقرات حدیث رحلات متعددہ ببلاد اسلام نمود ومنقول است از وے کہ گفت دو بار بمصر و شام بہ جہت استفادہ حدیث رحلت کردم و چہار بار ببصرہ در آمدم ودر حجاز شش سال اقامت نمودم و احصا نمی توانم کرد کہ چند نوبت با محدثان ببغداد در آمدم۔''[1]

پس اگر تم کو عقل سلیم ہے تو تسلیم کرو، ورنہ اگر بے بہرہ ہو تو کیا علاج؟! اب یہاں سے بخاری کی ان حدیثوں میں مطابقت دکھلائی جاتی ہے، جن کو عمر کریم نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔

قوله: "یروی عن الحسن عن غیر واحد: أفطر الحاجم والمحجوم" روایت کی جاتی ہے حسن سے، روایت کی انھوں نے ایک سے زیادہ سے کہ روزہ افطار کیا خون نکالنے والے اور خون نکلوانے والے نے، (بخاری مطبوعہ احمدی "كتاب الصوم، باب الحجامة والقيئ: ١/ ٢٦٠) اور اسی حدیث کے پیچھے ایک

---

[1] سماع اور قراءتِ حدیث کے لیے انھوں نے متعدد اسلامی ممالک کا سفر کیا، ان سے منقول ہے کہ انھوں نے دو مرتبہ مصر و شام استفادہ حدیث کے لیے سفر کیا، چار مرتبہ بصرہ آئے، حجاز میں چھ سال تک قیام کیا اور بے شمار مرتبہ محدثینِ بغداد کے پاس آئے۔

دوسری حدیث ہے، جو اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ " عن ابن عباس أن النبيﷺ احتجم وهو صائم" حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خون نکلوایا درانحالیکہ آپ روزہ دار تھے۔
پس یہ دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پہلی حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خون نکالے اور نکلوائے دونوں کا روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور دوسری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت روزہ میں خون نکلوایا۔

أقول: أولاً: پہلی روایت میں " عن غیر واحد " کے بعد سے آپ نے "مرفوعاً" کا لفظ اڑا دیا، جو کہ
بخاری کے تمام نسخوں میں ہے، یہ تو آپ کے سرقہ کا حال ہے، آپ نے نمبر (۲) اشتہار میں بھی شرح نخبہ کی عبارت 50
میں ایسا ہی کیا تھا، خیر یہ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے!

ثانیاً: جس طور سے کہ آپ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس ظاہر عبارت ہی سے آپ کا صاف جواب ہوسکتا ہے، اس طور سے کہ پہلی روایت جو ہے وہ حسن کا مذہب ہے اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اور حسن والی وہ روایت ترجمۃ الباب میں ہے اور امام بخاری ترجمۃ الابواب میں ان روایتوں کو لاتے ہیں، جو کہ ان کے شرط کے موافق نہیں ہوتی، اور بسا اوقات تنبیہاً بیان و ذکر مذاہب کے لئے لاتے ہیں، اور ابن عباس والی روایت کو امام بخاری نے اصولاً "حدثنا" کر کے ترجمۃ الابواب کے بعد بیان کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بخاری کی حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث تو وہی ہے، جو ابن عباس سے مروی ہے اور اس پہلی روایت میں آپ نے حسن کا مذہب بیان کیا ہے۔ پس آپ کا یہ لکھنا کہ '' بخاری کی احادیث جو ایک دوسرے کے خلاف ہے۔'' محض غلط اور جھوٹ ہوا۔ كما لا يخفىٰ على الماهر العاقل الفهيم!

ثالثاً: اصل عبارت کے لحاظ سے جس میں کہ "مرفوعاً " کا لفظ ہے، یعنی حسن اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: " أفطر الحاجم والمحجوم " گزارش یہ ہے کہ یہ حکم آپ کا پہلے تھا، پھر منسوخ ہوگیا، چنانچہ ابن عباس کی حدیث سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، عینی حنفی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

"قد ذكرنا عن قريب أن أحاديث أفطر الحاجم والمحجوم منسوخة، قال المنذري: حديث ابن عباس ناسخ، لأن في حديث شداد بن أوس: أن النبي ﷺ قال في عام الفتح في رمضان لرجل كان يحتجم: أفطر الحاجم والمحجوم، والفتح كان في سنة ثمان، وحديث ابن عباس كان في حجة الوداع في سنة عشر، فهو متأخر ينسخ المتقدم ."❶

" ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ "أفطر الحاجم والمحجوم" کی جتنی حدیثیں ہیں، سب منسوخ ہیں،

---

❶ عمدة القاري (۱۱/ ٤٠)

منذری نے کہا ہے کہ ابن عباس کی حدیث اس کی ناسخ ہے، اس لئے کہ شداد بن اوس کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال رمضان میں ایک آدمی کو خون نکلواتے دیکھا، تو اس وقت فرمایا تھا (اور اس وقت سے یہ حکم جاری ہوا کہ) "أفطر الحاجم والمحجوم" اور فتح مکہ ۸ھ میں ہوا ہے اور ابن عباس والی حدیث کا واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، جو ۱۰ھ میں ہوا، پس یہ واقعہ پیچھے ہے، لہٰذا پہلے کو منسوخ کر دے گا۔"

اس سے معلوم ہوگیا کہ حسن والی حدیث منسوخ ہے، پھر بھی دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں پایا جاتا، اس لئے کہ تعارض جب ہوتا کہ امام بخاری اس حدیث کو ترجمۃ الابواب میں نہ بیان کرتے، بلکہ ابن عباس والی حدیث کے پہلے بیان کرتے یا پیچھے، اور امام بخاری کا قاعدہ ہے کہ ترجمۃ الابواب میں علماء کے مذاہب و اقوال بصیرت کے لیے بیان کر دیتے ہیں۔

وکم من عائب قولا صحیحا　　افتہ من الفہم السقیم 51

رابعاً: تعارض تو جب ہوتا کہ جیسے حسن والی حدیث میں آپ کا قول ہے، ویسا ہی ابن عباس والی میں بھی آپ کا قول اس کے خلاف ہوتا، حالانکہ ابن عباس والی حدیث میں آپ کا فعل مذکور ہے، اور بہت سے افعال آنحضرت ﷺ ہی کے لیے خاص تھے، ممکن ہے کہ یہ بھی ان میں سے ہو، اس لئے کہ آپ کا فرمانا "أفطر الحاجم والمحجوم" امت پر بنظر خیر خواہی ہے، کیونکہ جب کوئی فرد بشر اپنا خون نکلوائے گا، لامحالہ اس کو کمزوری معلوم ہوگی، پس ضرور وہ روزہ توڑ دے گا اور خون نکالنے والے کے لیے آپ نے اس خوف سے فرمایا کہ مبادا اس کے حلق میں خون پہنچ جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کون سا تمھارا میری طرح ہے، مجھ کو اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ [1] تو جب آپ کو اللہ خود کھلاتا اور پلاتا تھا، پس آپ کو خون نکلوانے سے ہرگز کمزوری نہ آتی، اس لئے کہ آپ میں کھانے پینے سے طاقت موجود رہتی، پس آپ کا روزہ خون نکلوانے سے ہرگز نہیں ٹوٹتا۔ باقی رہا حاجم کا روزہ کیوں نہیں ٹوٹتا؟ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، بس اللہ خود آپ کے خون مبارک کو حاجم کے منہ میں جانے سے روکتا تھا۔ [2] فتذکر!

الحمدللہ کہ بخاری کی حدیثوں کی بابت جو خصم کو شک تھا وہ رفع ہوا اور ثابت ہو گیا کہ بخاری کی کسی حدیث میں

---

[1] صحيح البخاري، برقم (١٨٦٤) صحيح مسلم، برقم (١١٠٣)

[2] راجح قول یہی ہے کہ افرادِ امت کے لیے بھی روزے میں سنگی لگانا اور لگوانا جائز ہے، اس لیے کہ اس میں اختصاص کی کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لیے بعض صحابہ کرام سے مروی ہے: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن الحجامة والمواصلة، ولم يحرمهما إبقاء على أصحابه" نیز حضرت انس ◆ فرماتے ہیں: ما كنا ندع الحجامة للصائم إلا كراهية الجهد " (أبوداود، برقم: ٢٣٧٤، ٢٣٧٥) تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري (٣/ ١٧٤)

بھی تعارض نہیں ہے، مگر محروم الخیر الألد الخصم کوفہم کہاں؟ پس عمر کریم ھداہ اللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ اپنے فہم پر روئے!

قوله: عن عبد اللّٰه بن عمر أن رسول اللّٰه ﷺ قال: الشؤم في المرأة والدار والفرس."

"عبداللہ بن عمر ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ♏ نے فرمایا کہ نحوست عورت اور مکان اور گھوڑا میں ہے۔" (بخاری مطبوعه أحمدی كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة : ۲/ ۷۶۳)

اور اسی کے بعد برخلاف اس کے دوسری حدیث تھی اور وہ یہ ہے:

"عن ابن عمر قال النبي ﷺ: إن كان الشؤم في شيء، ففي الدار والمرأة والفرس."

"ابن عمر ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ♏ نے فرمایا کہ نحوست نہیں ہوتی ہے کسی چیز میں اور اگر کسی شئے میں ہوتی ہے، تو مکان اور عورت اور گھوڑا میں ہوتی ہے۔"

پس پہلی حدیث سے عورت اور مکان اور گھوڑا میں نحوست کا ہونا اور دوسری حدیث سے ان تینوں میں نحوست کا نہیں ہونا ثابت ہے اور تکلف یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر ♦ ہی ہیں۔

أقول: دوسری حدیث سے نحوست کا نہیں ہونا کہاں ثابت ہے؟ ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

دونوں حدیثوں کا تو ایک ہی مطلب ہے، خلاف کہاں ہے؟ البتہ پہلی حدیث باعتبار دوسری حدیث کے مختصر ہے، اس کی تفصیل دوسری حدیث میں موجود ہے، خود تم اپنے ترجمہ ہی میں دیکھ لو، جو تم نے دونوں حدیثوں کا ترجمہ کیا 52
ہے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا لو، اگر تم سے نہ ہو سکے تو لو میں دکھلاتا ہوں، تم نے پہلی حدیث کا ترجمہ کیا ہے: "نحوست عورت اور مکان اور گھوڑا میں ہے۔" اور دوسری حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے: "نحوست نہیں ہوتی ہے کسی چیز میں اور اگر کسی شئے میں ہوتی ہے، تو مکان اور عورت اور گھوڑا میں ہوتی ہے۔" ظاہراً و باطناً دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، پس تعارض اور دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے خلاف کہاں ہوئیں؟ جو تم آگے لکھتے ہو: "اور یہ بالکل عقل کے خلاف ہے" اگر تمہاری عقل خود الٹی ہے، تو ضرور خلاف ہے، ورنہ ہرگز خلاف نہیں۔ [1] فافهم وكن من الشاكرين!

قوله: عن البراء أنه صلىٰ قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا أو سبعة عشر شهرا و كان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وأنه صلىٰ أول صلاة صلاها صلوة العصر.

"براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ♏ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ نماز پڑھی اور آپ کو خوش آتا تھا یہ کہ آپ کا قبلہ طرف کعبہ کے ہوتا اور پہلی نماز جو آپ نے خانہ کعبہ کی طرف پڑھی وہ نماز

[1] دیکھیں: فتح الباري (٦/ ٦١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

عصر تھی۔'' (بخاری مطبوعه أيضاً، كتاب الإيمان، باب الصلوة من الإيمان : ١/ ١٠)

اور دوسری حدیث جو اس کے خلاف ہے وہ یہ ہے:

"عن ابن عمر: بينما الناس في الصبح بقباء، جاء هم رجل فقال: إن رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن، وأمر أن يستقبل الكعبة ألا فاستقبلوها." الخ

''حضرت ابن عمر ♦ سے روایت ہے کہ سب لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ آج کی رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ منہ کرو طرف کعبہ کے، خبردار! پس تم لوگ منہ کرو طرف کعبہ کے۔'' الخ

(بخاری مطبوعه أيضاً، التفسير، باب قوله تعالیٰ: ﴿قد نرىٰ تقلب وجهك في السماء﴾، ٢/٦٤٥)

یہ امر مسلم ہے کہ آیت تحویل قبلہ ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی اور نماز میں نازل ہوئی، پس ان دونوں حدیثوں میں تنازع ہے، پہلی میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف پڑھی وہ نماز عصر تھی، یعنی یہ آیت نماز عصر میں نازل ہوئی اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ یہ آیت رات کو نازل ہوئی، پس دونوں حدیث کیونکر ٹھیک ہوسکتی ہے؟

أقول: کیوں جی! اتنے عقل کے کورے ہو کہ ابھی تک تم حدیث کی تعریف بھی نہیں جانتے اور اوپر سے کہتے ہو کہ '' دونوں حدیث کیونکر ٹھیک ہوسکتی ہے؟'' ان میں کیا تعارض ہے؟ تعارض حکم میں ہوتا ہے یا لفظ میں، بہر کیف دونوں حدیثوں سے کعبہ کی طرف رخ کرنا ثابت ہو رہا ہے، پس تعارض کہاں رہا؟ تعارض تو جب ہوتا کہ پہلی حدیث میں حکم ہوتا کہ منہ قبلہ رخ کرو اور دوسری حدیث میں حکم ہوتا کہ قبلہ رخ نہ کرو۔ أو بعكسه

53 حالانکہ دونوں حدیثوں سے اصل مقصود ثابت ہو رہا ہے، باقی رہا تحول کی آیت کا نزول کس وقت ہوا؟ صاف ظاہر ہے کہ عصر کے وقت اور '' الليلة ''کا لفظ جو ہے وہ مخبر کا ظن ہے، یعنی جو قباء والوں کو خبر دینے گیا تھا، وہ ان کے پاس اس حالت میں پہنچا کہ وہ لوگ صبح کی نماز ادا کر رہے تھے، اس شخص کو رات کے وقت یہ خبر پہنچی تھی کہ رسول اللہ ﷺ پر ابھی وحی نازل ہوئی ہے کہ بیت اللہ کی طرف رخ کرو، پس اس نے سمجھ لیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات ہی کو آیت نازل ہوئی ہے، یہ تو فہم صحابی ہے، اصل حدیث میں تعارض یا نزاع یا خلاف کیا ہے؟ اس کو بتلایئے! ظاہر ہے کہ کچھ نہیں، فالحمدللہ کہ اصل مقصود حاصل ہوا۔ ع

اگر اب بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

قوله: عن ميمونة زوج النبي ﷺ قالت: توضأ رسول الله وضوءه للصلوة غير رجليه، وغسل فرجه، وما أصابه من الأذى، ثم أفاض عليه الماء، ثم نحىٰ رجليه، فغسلهما، هذه غسله من الجنابة ."

''میمونہ زوج نبی ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا وہ وضو جو واسطے نماز کے تھا سوائے دونوں پاؤں کے (یعنی دونوں پاؤں کو نہیں دھویا) اور دھویا شرمگاہ کو اور جو گندگی اس میں لگی تھی، پھر پانی ڈالا اپنے اوپر پھر کنارہ کیا دونوں پاؤں کو، پس دھویا ان دونوں کو یہ ہے غسل آپ کا ناپاکی سے۔'' (بخاری مطبوعه أيضاً، كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل : ١/ ٣٩)

اور ایک دوسری حدیث، جو اس کے خلاف ہے، وہ یہ ہے:

"عن ميمونة قالت: سترتُ النبيﷺ وهو يغتسل من الجنابة، فغسل يديه، ثم صب بيمينه على شماله فغسل فرجه، وما أصابه، ثم مسح بيده على الحائط أو الأرض، ثم توضأ وضوءه للصلوة غير رجليه، ثم أفاض علىٰ جسده الماء، ثم تنحىٰ فغسل قدميه."

''میمونہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو پردہ کیا اور وہ غسل کرتے تھے ناپاکی سے، پس دھویا آپ نے دونوں ہاتھ کو، پھر پانی ڈالا دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر، دھویا شرمگاہ کو اور جو اس میں لگا تھا، پھر ہاتھ ملا دیوار یا زمین پر، پھر وضو کیا، وہ وضو جو واسطے نماز کے تھا سوائے دونوں پاؤں کے (یعنی دونوں پاؤں کو نہیں دھویا) پھر اپنے جسم پر پانی ڈالا، پھر کنارہ ہوئے اور دھویا دونوں پاؤں کو۔'' (بخاری مطبوعه أيضاً، باب التستر في الغسل عند الناس: ٤٢)

پس دیکھئے کہ غسل کی ترکیب دونوں حدیثوں میں بالکل مختلف ہے، پہلی حدیث میں ہے کہ پہلے آپ نے وضو کیا اور اس کے بعد شرمگاہ کو دھویا اور دوسری حدیث میں ہے کہ پہلے شرمگاہ کو دھویا اور اس کے بعد وضو کیا، پہلی حدیث میں دیوار پر مسح کرنے کا مطلق ذکر نہیں ہے، مگر دوسروی حدیث میں ہے کہ دیوار پر مسح کیا اور لطف یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کی راوی حضرت میمونہ صاحبہ □ ہی ہیں۔

أقول: معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دماغ میں فتور آ گیا ہے، مالیخولیا کی بیماری ہوگئی ہے، پس جلد اپنا علاج 54
کراؤ، ورنہ معلوم آگے کیا کیا بکو گے اور لکھو گے؟ ابھی سے تو تمہاری عقل کی یہ خوبی ہے!

جناب من! آپ نے دونوں حدیثوں میں ترکیب اور ترتیب کہاں سے نکال لی؟ ﴿ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ ﴾ [المائدة: ٦] میں تو ترتیب مانتے ہی نہیں، وضو میں آپ لوگوں کے ہاں ترتیب نہیں، پس ان حدیثوں میں ترتیب کہاں سے لگا دی؟ حالانکہ ان میں بھی تو اسی وضو کا بیان ہے!

جناب! حضرت میمونہ □ یہاں یہ نہیں بتلاتیں کہ رسول اللہ ﷺ پہلے فلاں کام کرتے اس کے بعد فلاں، بعدہ فلاں بلکہ وہ تو یہ بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کے غسل سے پہلے یہ یہ کام کرتے تھے، تقدیم و تاخیر تو بتاتی نہیں، پھر آپ نے ترتیب کہاں سے نکال لی کہ پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے وضو کیا پھر شرمگاہ دھوئی؟ میں کہتا ہوں

ہرگز نہیں، پہلے آپ نے شرمگاہ دھوئی اسکے بعد وضو کیا، جس کی تفصیل دوسری حدیث بیان کر رہی ہے۔ فتفکر!

باقی رہا یہ امر کہ پہلی حدیث میں دیوار پر مسح کرنے کا ذکر نہیں ہے اور دوسری حدیث میں ہے، ممکن ہے کہ یہ واقعہ دوسری دفعہ کا ہو، بہر حال دونوں حدیثوں میں ذرہ برابر تعارض بھی نہیں ہے، بلکہ پہلی حدیث مجمل ہے، جس کی تفصیل دوسری حدیث کر رہی ہے، پس آپ کا یہ لکھنا ''بخاری کی حدیث جو ایک دوسرے کے خلاف ہے۔'' محض جھوٹ ہوا، اور آپ کا دعویٰ بے دلیل ٹھہرا، پس۔ ع

دعویٰ بے دلیل قبول خرد نہیں

مشکل تو یہ ہے کہ مولوی عمر کریم صاحب کو علم تو کسی فن کا نہیں، اس پر دعویٰ یہ! آہ! ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
درجہل مرکب ابد الدہر بماند [1]

قولہ: بس اب بخاری پرستوں کو چاہئے کہ ان سب حدیثوں کے تنازع کو اپنے اللہ اور رسول کے سامنے پیش کریں اور جو جواب نازل ہو اس کے مطابق کتاب بخاری کی اصلاح کر دیں۔ الخ

اقول: بالکل ہی نابلد ہو! ابھی تک تمہیں اتنی تمیز نہیں کہ بخاری لائق پرستش ہے یا ان کی کوئی پرستش کرتا ہے؟ جیسے کہ تم قبر پرست ہو، ایسا ہی دوسرے کو بھی سمجھتے ہو۔ المرء يقيس على نفسه، اور جب تم نے حدیثوں میں تعارض ثابت کیا تو تم نے بخاری پر کیوں الزام لگایا؟ یہ الزام تو رسول اکرم ﷺ پر لگا! کیونکہ حدیث تو آپ ﷺ کی ہے، بخاری کی کیا معنی؟ پس جب تم کو تعارض معلوم ہوا تو تم نے خود کیوں نہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا؟ ہم لوگوں کے سامنے کیوں پیش کیا؟ جو جواب تمھارے لئے نازل ہوتا، اس کے مطابق دونوں حدیثوں سے تعارض کو رفع کرتے، لاکھ سر رگڑتے مرجاؤ، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے درجہ کو تم کیا کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا، وہ تو اللہ کی آیتوں سے ایک آیت تھے، وہ اپنی صحیح بخاری میں کوئی ایسی حدیث نہیں لائے، جس میں باہم دیگر تعارض ہو، پس تم ہزار چاہو کہ ہم تعارض ثابت کریں، لیکن تا قیامت نہیں ثابت کر سکتے۔ اچھا میں تم کو اب ایک نصیحت کر کے رخصت شوم: ؎

55 کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر [2]

قولہ: بخاری کی حدیث جو قرآن شریف کے خلاف ہے:

"عن أبي سعيد عن النبي ﷺ: لا تخيروا بين الأنبياء."

---

[1] ہر وہ کہ جو نہ جانتا ہو کہ وہ کیا جانتا ہے، ہمیشہ جہل مرکب میں رہتا ہے۔

[2] نیک لوگوں کے کام اپنے اوپر مت قیاس کر، اگرچہ لکھنے میں شیر (شیر) اور شیر (دودھ) ایک جیسے ہی ہیں۔

''ابو سعید نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعض پیغمبر کو بعض سے بہتر مت کہو، یعنی ایک کو دوسرے پر فضیلت مت دو۔''

(بخاری مطبوعہ أحمدی، کتاب الدیات، باب إذا لطم المسلم یھودیا عند الغضب:۲/ ۱۰۲۱)

یہ حدیث ان دو آیت قرآن شریف کے خلاف ہے:

۱۔ ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾[البقرۃ: ۲۵۳]

''یہ سب پیغمبر فضیلت دی ہم نے بعض کو اوپر بعض کے۔''

۲۔ ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾[بنی اسرائیل:۵۵]

''اور تحقیق بزرگی دی ہم نے بعض پیغمبروں کو اوپر بعض کے اور دیا ہم نے داؤد کو زبور۔''

یعنی ان دونوں آیتوں کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور بخاری کی حدیث کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کے خلاف حکم دیا ہوگا۔

أقول: گویا امام بخاری نے اپنی طرف سے حدیث گھڑ لی؟ عیاذا باللہ! یہ تمھارے فہم کا قصور ہے، غالباً اس میں تم اپنا نظیر نہیں رکھتے ہو، آؤ ہم تم کو اس کا مطلب سمجھا دیں۔ دوسرے علماء کے قول کو جانے دو، صرف علامہ عینی حنفی کا کلام سنو! وہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"معناه: ولا تخيروا بحيث يلزم نقص على الآخر أو حيث يؤدي إلىٰ الخصومة، " انتهى مختصراً .[1]

''یعنی بعض انبیاء کی تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرو کہ اس سے دوسرے پیغمبر کی مذمت و تنقیص لازم آئے۔''

اور یہی معنی نہایت قوی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے آنحضرت ﷺ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے ؎

کرے ٹھوکر سے جب احیاء موتے
قدم کو چوم لے اعجاز عیسیٰ

وعلیٰ ہذا القیاس، پس اس حدیث میں نفی مبالغہ فی المدح ہے، نہ نفی تفضیل اور آیت کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے اور بعض امور میں ان کو مختص کیا ہے، فلا منافاة ولا تعارض! پس آیت کریمہ و حدیث ابی سعید ♦ کے درمیان کچھ مخالفت نہیں، صرف تمہاری الٹی سمجھ کی وجہ سے تم کو ایسا معلوم ہوتا تھا، کہیں سے عقل خرید لو! ؎

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

[1] عمدة القاري (٢٤/٧٤)

مجھے خطرہ ہے کہ آج تم احادیث بخاری کو قرآن کی آیتوں کے خلاف کہتے ہو، کل کو کہیں قرآن کی آیتوں کو ایک دوسرے کے مخالف نہ کہنے لگو، خدا تم کو صراط مستقیم کی توفیق دے۔ کہو زور سے آمین! 56

قوله: بخاری کے چند مجروح راویوں کے نام مع کیفیت جرح، نمبر (۸) عبدالحمید بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ ابوبکر المدنی: " أما الأزدي فقال: يضع الحديث " ازدی نے کہا کہ یہ حدیث بنایا کرتے تھے، میزان الاعتدال، پس دیکھئے کہ یہ بخاری کے ایسے راوی ہیں کہ جو جعلی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

أقول: آہ! ﴿كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا﴾ [الكهف: ٥] بھلا جب صحیح بخاری میں راوی کاذب اور واضع الحدیث ہو تو دین اسلام رخصت شد! اب صحیح حدیث کہاں سے لاؤ گے؟ کوفہ سے!!

سنو! عبدالحمید بن ابی اویس حفاظ ثقات سے ہے:

قال الحافظ في هدي الساري: "وثقه ابن معين وأبو داود وابن حبان والدارقطني،"❶ انتهىٰ.

''یعنی ابن معین، ابوداود، ابن حبان اور دارقطنی نے عبدالحمید کو ثقہ لکھا ہے۔''

اور علامہ ذہبی اسی میزان میں فرماتے ہیں:

"وثقه يحيىٰ بن معين، وقال الدار قطني: حجة،"❷ انتهى.

''یعنی ابن معین اور دارقطنی نے عبدالحمید کی توثیق کی ہے۔''

اور حافظ اپنی تقریب میں لکھتے ہیں: ''ثقه من التاسعة.''❸

باقی رہا عبدالحمید پر ابو الفتح ازدی کا جرح کرنا اور اس کو واضع الحدیث کہنا، یہ ازدی کی بڑی سخت غلطی ہے، اسی واسطے حافظ المغرب ابوعمر ابن عبدالبر مالکی نے کہا ہے:

"إن هذا القول من الأزدي رجم بالظن الفاسد وكذب محض،" انتهىٰ.❹

''یعنی ازدی کا ایسا کہنا تہمت اور نرا جھوٹ ہے۔''

اور آپ نے اسی میزان میں ذرا سا آگے نہیں دیکھ لیا حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

" وهذا من الأزدي زلة قبيحة،" انتهى یعنی یہ ازدی سے بڑی لغزش ہوئی ہے۔

---

❶ هدي الساري (ص: ٤١٦)

❷ ميزان الاعتدال (٥٣٨/٢)

❸ تقريب التهذيب (ص: ٣٣٣)

❹ هدي الساري (ص: ٤١٦)

اور ابوالفتح ازدی بڑے مشددین میں سے ہیں، حافظ ذہبی نے میزان میں بذیل ترجمہ ابان بن اسحاق المدنی لکھا ہے:

" قال أبو الفتح الأزدي: متروك" اس کے بعد لکھا ہے: قلت لا يترك، فقد وثقه أحمد العجلي، وأبو الفتح يسرف في الجرح، وله مصنف كبير إلى الغاية في المجروحين، جمع فأوعىٰ، وجرح خلقا بنفسه، لم يسبقه أحد إلىٰ التكلم فيهم وهو المتكلم فيه،" [1] انتهى.

یعنی ابان بن اسحاق کو ازدی نے متروک کہہ دیا، حالانکہ وہ متروک نہیں ہے، بلکہ عجلی نے اس کو ثقہ لکھا ہے (پس) ازدی جرح میں بہت زیادتی کرتا ہے، اس کی ایک بڑی ضخیم کتاب ہے، اس میں جھوٹ موٹ ثقہ راویوں کو مجروح کرتا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ازدی کی عادت کی وجہ سے ہے کہ اس نے عبدالحمید کو واضع الحدیث کہہ دیا، حالانکہ یہ ازدی خود سخت ضعیف ہے۔ حافظ ذہبی میزان میں ابوالفتح ازدی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"محمد بن الحسين أبوالفتح بن يزيد الأزدي الموصلي الحافظ، وله كتاب كبير في الجرح والضعفاء، فيه مؤاخذات، ضعفه البرقاني، وقال أبو النجيب عبد الغفار: رأيت أهل الموصل يوهنون أبا الفتح، ولا يعدونه شيئا، وقال الخطيب: في حديثه مناكير، " [2] انتهى.

"یعنی ابوالفتح ازدی کو برقانی نے ضعیف کہا ہے، اور کل ان کے شہر والے اہل موصل ان کو کچھ نہیں شمار کرتے تھے اور خطیب بغدادی نے ان کی حدیثوں کو منکر کہا ہے۔" 57

اور حافظ ابن حجر نے تهذيب التهذيب میں بذیل ترجمہ احمد بن شبیب البصری کہا ہے کہ " الأزدي غير مرضي،" [3] اب لیجئے! ازدی خود ضعیف ٹھہرے اور جرح میں ان کا مشدد ہونا ثابت ہوا۔ پس ازدی کا عبدالحمید بن ابی اویس پر کلام کرنا غلط و باطل ثابت ہوا۔ حافظ نے تقریب میں بھی لکھا ہے:

"عبد الحميد ثقة، ووقع عند الأزدي أبوبكر الأعشى في إسناد حديث، فنسبه إلى الوضع فلم يصب،" [4] انتهى.

"یعنی عبدالحمید ثقہ ہے اور ازدی نے ان کو جو واضع الحدیث کہا ہے، یہ غلط ہے۔"

اور حافظ نے هدى الساری میں کہا ہے:

"وقال الأزدي في ضعفائه: أبوبكر الأعشى يضع الحديث، وكأنه يظن أنه آخر غير عبد الحميد بن أبي أويس،" [5] انتهى.

---

[1] ميزان الاعتدال (١/ ٥)
[2] ميزان الاعتدال (٥٢٣/٣)
[3] تهذيب التهذيب (١/ ٣١)
[4] تقريب التهذيب (ص: ٣٣٣)
[5] هدي الساري (ص: ٤١٦)

''یعنی ازدی نے جس عبدالحمید کو واضع الحدیث کہا ہے، گویا انھوں نے خیال کیا کہ یہ دوسرے عبدالحمید ہیں۔''

حاصل کلام و خلاصہ مرام یہ کہ ہر طور سے عبدالحمید بن ابی اویس کی ثقاہت ثابت ہوئی اور معترض کا خیال واہی نکلا، کیونکر نہ ہو۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

آگے چلیے:

قوله: **أسيد بن زيد الجمال أبو محمد الكوفي**: "كذبه ابن معين، وقال النسائي: متروك" ان کو ابن معین نے جھوٹا کہا اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک ہیں۔ ایضاً

أقول: امام بخاری نے جس حدیث کو اسید بن زید سے روایت کیا ہے، وہ بطور متابعت کے ہے۔ [1] اصل میں تو امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ عمران بن میسرہ سے روایت کرتے ہیں اور اس طریق میں سب راوی ثقہ بلکہ اوثق ہیں، اس کے بعد امام بخاری بطور تحویل کے بتلاتے ہیں کہ یہ حدیث اسید بن زید کے طریق سے بھی آئی ہے، پس یہ روایت مقرون بغیرہا ہوئی۔ آپ کا اعتراض جب وارد ہوتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ صرف انھیں اسید کے ساتھ تفرد کرتے۔ وإذ ليس فليس! حالانکہ ایسا نہیں ہے، پس آپ کا اعتراض محض غلط ہوا۔ متابعت کی مفصل بحث آگے ثابت رحمہ اللہ کے بیان میں آتی ہے، آگے چلیے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: **مقسم**، والعجب أن البخاري أخرج له في صحيحه، وذكره في كتاب الضعفاء.

'' تعجب ہے کہ بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، حالانکہ انکا ذکر کتاب الضعفاء میں کیا ہے۔'' ایضاً

أقول: ذرا سا آگے بھی دیکھ لیا ہوتا کہ مقسم کی کونسی روایت ضعیف ہوتی ہے؟ اسی میزان میں ہے:

" فساق له حديث شعبة عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس (الى قوله) ثم روى عن شعبة أن الحكم لم يسمع من مقسم " [2]

''پس بیان کیا امام بخاری نے شعبہ کی حدیث کو وہ روایت کرتے ہیں حکم سے وہ روایت کرتے ہیں مقسم سے وہ روایت کرتے ہیں ابن عباس سے (الی قولہ) پھر روایت کیا گیا ہے شعبہ سے کہ حکم نے مقسم سے سنا ہی نہیں۔''

---

[1] ميزان الاعتدال (١/ ٢٥٦) هدي الساري (ص: ٣٩١) تهذيب التهذيب (١/ ٣٠١)

[2] ميزان الاعتدال (١٧٦/٤)

معلوم ہوا کہ امام بخاری نے مقسم کی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، جس کے طرق میں حکم راوی آئے، اس لئے کہ حکم نے مقسم سے سنا ہی نہیں ہے اور امام بخاری جو مقسم سے روایت کرتے ہیں، اس طریق میں ابن جریج ہیں، 58
بخاری میں مقسم سے ایک حدیث ہے دو مقام پر، لیکن وہ دونوں ابن جریج سے ہیں، نہ حکم سے۔ [1] پس ان میں ضعف کا شائبہ بھی نہیں آ سکتا، آپ کا اعتراض جب واقع ہوتا کہ بخاری کی مقسم والی روایت حکم کے طرق سے ہوتی۔ وإذ ليس فليس، فافهم!

اب آیئے ہم آپ کو مقسم کی ثقاہت بتائیں، اسی میزان میں لکھا ہے: " صدوق، وقد، وثقه غير واحد"[2] یعنی یہ مقسم بہت سچے ہیں اور ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ ذرا اس بہت پر خیال کرنا اور حافظ نے تقریب میں ''صدوق'' لکھا ہے اور ان کو عجلی اور یعقوب بن سفیان اور دار قطنی اور احمد بن صالح مصری نے ثقہ لکھا ہے۔ دیکھو: هدي الساري للحافظ، [3] آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: **ثابت بن محمد الكوفي العابد أبو إسماعيل الشيباني**: " مع كون البخاري حدث عنه في صحيحه ذكره في الضعفاء " باوجودیکہ بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے حدیث روایت کی ہے، ان کا ضعیفوں میں ذکر کیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

أقول: مانا ہم نے کہ بخاری نے ان کو ضعیفوں میں ذکر کیا ہے، لیکن پھر بھی آپ کے مدعا کو موید نہیں ہے، اس لئے کہ آپ کے اعتراض کا وقوع اس وقت صحیح ہوتا، جب امام بخاری صرف انھیں کے ساتھ تفرد کرتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اصل میں امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ قبیصہ سے روایت کرتے ہیں، اور اس اسناد میں سب راوی ثقہ ہیں، اس کے بعد ثابت والی روایت کو متابعتاً لائے ہیں [4] اور یہ امام بخاری کی غرض نہیں ہے کہ جس روایت کو متابعتاً بیان کریں، وہ بھی ان کی شرط کے مطابق ہو، کیونکہ جو روایت متابعتاً ہوتی ہے، اکثر اس کا درجہ اس روایت سے، جو اصولاً ہوتی ہے، کم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی عمدة القاري میں لکھتے ہیں:

"ويدخل في المتابعة والاستشهاد رواية بعض الضعفاء ."[5]

---

[1] هدي الساري (ص:٤٤٥)

[2] ميزان الاعتدال (١٧٦/٤)

[3] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٥) هدي الساري (٤٤٥)

[4] هدي الساري (ص:٣٩٤)

[5] عمدة القاري (٨/١)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

''یعنی متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیفوں کی روایت بھی داخل ہو جاتی ہے۔''

پس ثابت کے ضعیف ہونے سے بھی کوئی جرح واقع نہیں ہوتی۔ (حالانکہ حقیقت میں ثابت ضعیف نہیں ہیں)

الغرض آپ بخاری کی صحیح حدیثوں کا مجروح ہونا ہرگز نہیں ثابت کر سکتے۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ [الأعراف: ٤٠] یعنی جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے، وھو محال!

اب ثابت کی ثقاہت سنئے! اسی میزان میں ہے: " قال أبو حاتم: صدوق، ووثقه مطین " اور تقریب میں ہے: " صدوق زاهد "❶ معلوم ہوا کہ ثابت ثقہ ہیں۔ بس جھگڑا تمام شد! آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: **زیاد بن الربیع**: قال البخاري: في إسناد حديثه نظر، بخاری نے کہا ان کی اسناد حدیث میں نظر ہے، میزان الاعتدال میں ہے: پس دیکھئے کہ باوجودیکہ خود بخاری یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کی حدیث کی اسناد میں نظر ہے، لیکن پھر اپنی صحیح میں ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

59 **أقول**: اصل یہ ہے کہ رواۃ کی تنقید میں ائمہ کا اجتہاد ہوتا ہے، جس طور پر ائمہ مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں، ویسا ہی تنقید رواۃ میں بھی اجتہاد کرتے ہیں، پس ممکن ہے کہ امام بخاری نے اپنے تلمیذ ابو بشر الدولابی کو بحق زیاد بن الربیع البصری یہ جملہ کہا ہوگا کہ " في إسناده نظر " اس بناء پر ابو بشر الدولابی نے اس جملہ کی نسبت امام بخاری کی طرف کی،❷ مگر چونکہ امام بخاری نے زیادہ بن الربیع کو کتاب الضعفاء میں داخل نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی صحیح میں اس سے روایت کی ہے، اس لئے یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے یہ کہ یہ راوی منجملہ رواۃ ثقات کے ہے اور حسب اجتہاد امام بخاری کے ثقہ ہونا اس کا ثابت ہوا۔ اگرچہ امام بخاری سے ابو بشر الدولابی نے جملہ " فيه نظر " روایت کیا ہے، مگر وہ بہت سے احتمالات کو شامل ہے:

یہ کہ اس وقت ان کے اجتہاد میں یہی بات آئی، پھر زیاد کا ثقہ ہونا ثابت ہوا ہو، اس لئے اپنی صحیح میں اس سے روایت کی اور کتاب الضعفاء میں اس کو ذکر نہ کیا۔

یہ کہ کسی خاص اسناد کے بارے میں امام بخاری نے حدیث زیاد کے حق میں "فيه نظر" کہا ہو، جس کو ابو بشر الدولابی نے عموم پر سمجھا ہو۔

یہ کہ کوئی امام اپنی کتاب میں کسی حدیث کو روایت کرے اور اس کا کوئی تلمیذ اس کے خلاف بیان کرے، تو اس وقت ترجیح اس امام کی کتاب کو ہوگی، پس اگر راوی ثقہ ہے تو محمول ہوگا اوپر اوقات مختلفہ کے یعنی ایک وقت اس

---

❶ میزان الاعتدال (١/ ٣٦٦) تقریب التهذيب (ص: ١٣٣)

❷ تفصیل کے لیے دیکھیں: الأمر المبرم، ترجمہ زیاد، برقم (٣٨)

امام کے اجتہاد میں یہ بات آئی، دوسرے وقت دوسری بات آئی، دیکھو امام الناقدین یحییٰ بن معین کی تنقید جو رواۃ کے بارے میں ہوتی ہے، اس میں بسا اوقات اقوال مختلفہ پائے جاتے ہیں، بعض راویوں کی تضعیف یحییٰ بن معین نے بیان کی، پس اس وقت ان کے جو تلامذہ حاضر تھے، انھوں نے تضعیف کی نسبت یحییٰ بن معین کی طرف کی، پھر یحییٰ بن معین کے اجتہاد میں اس کا ثقہ ہونا مرجح معلوم ہوا، تو اس راوی کی انھوں نے توثیق کر دی پس اس وقت کے حاضرین نے توثیق کی نسبت یحییٰ بن معین کی طرف کی۔ وعلیٰ هذا القياس، وهذا لا يخفىٰ على من يطالع كتب الرجال والأسانيد۔

اب زیاد بن الربیع کی توثیق ملاحظہ فرمائیں، حافظ ابن حجر هدي الساري میں لکھتے ہیں کہ امام احمد و ابو داود وابن حبان نے زیاد کو ثقہ کہا ہے۔ [1] اور خود علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"قال ابن عدي: أنا لا أرىٰ به بأسا، قال أحمد: ليس به بأس، قال أبوداود: ثقه." [2]

"یعنی علامہ ابن عدی نے کہا: میں زیاد بن الربیع میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں دیکھتا، امام احمد نے کہا زیاد میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے اور ابو داود نے زیاد کو ثقہ کہا ہے۔"

اور وہی علامہ ذہبی زیاد کو بایں الفاظ قابل حجت لکھتے ہیں:

"قلت: قد احتج بزياد أبوعبدالله في جامعه الصحيح." [3]

"یعنی امام بخاری نے اپنی جامع صحیح بخاری میں زیاد کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔"

معلوم ہوا کہ زیادہ ثقہ اور قابل حجت ہیں۔ پس آپ کا اعتراض هباء منثوراً ہوگیا اور علامہ حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: "ثقة من الثامنة" [4] یعنی زیاد ثقہ ہیں۔ آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: خليفه بن خياط العصفري: قال أبوحاتم: لا أحدث عنه، هو غير قوي، كتبت من مسنده ثلاثة أحاديث عن أبي الوليد، فسألته فأنكرها، وقال: ما هذه من حديثي."

60 "ابو حاتم نے کہا کہ ہم ان سے حدیث روایت نہیں کرتے ہیں، یہ قوی نہیں ہے، ہم نے ان کی مسند سے تین حدیثیں روایت کیں، جس کو انھوں نے ابو ولید سے روایت کیا تھا، پس پوچھا ہم نے ابو ولید سے تو

[1] هدي الساري (ص:٤٠٣)
[2] ميزان الاعتدال (٢/ ٨٨)
[3] مصدر سابق
[4] تقريب التهذيب (ص: ٢١٩)

انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ یہ میری حدیث نہیں ہے۔'' ایضاً

أقول: اس حکایت میں احتمال ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرما دیا کہ " هذه الحكاية محتملة "[1] کیوں کہ اس کی صحیح سند تو ابو حاتم تک پہنچتی نہیں ہے، اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو نقل کریں، لہٰذا بوجہ احتمال کے آپ کا اس سے استدلال کرنا باطل ہوا اور اگر بفرض محال ہم تسلیم کر لیں کہ یہ خلیفہ بن خیاط ایسے ہی تھے تو بھی بخاری کی صحت پر دھبہ نہیں لگ سکتا، اس لئے کہ امام بخاری نے جس حدیث کو خلیفہ بن خیاط سے روایت کیا ہے، وہ مقترن ہے۔[2] یعنی امام بخاری پہلے اس حدیث کو اپنے اس شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ اس طریق کے سب راوی ثقہ ہیں، اس کے بعد متابعت میں اسے بھی لے آئے ہیں پہلی حدیث کو مزید تقویت دینے کے لیے۔ آپ کا اعتراض جب صحیح ہوتا کہ امام بخاری ؒ صرف انھیں کے ساتھ تفرد کرتے اور ان کو متفرد لاتے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے لہٰذا آپ کا اعتراض باطل ہوا اور معلوم ہوا کہ بخاری کے راوی مجروح نہیں ہے۔ نیز دیکھئے کہ ان پر حفاظ نے کیا حکم لگایا ہے۔

حافظ ابن حجر نے ان کو " أحد الحفاظ " کہا ہے اور تقریب میں لکھ دیا: " صدوق "[3] اور ابن عدی نے کہا ہے:

"له حديث كثير، وتصانيف، وهو مستقيم الحديث، صدوق من المتيقظين ."[4]

'' یعنی ان کو بہت حدیث یاد تھیں اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں اور ان کی حدیثیں ٹھیک ہوتی ہیں (غلط وغیرہ نہیں رہتیں) اور یہ بڑے سچے ہیں اور بیدار خبردار رہنے والوں سے ہیں۔''

اور ابن حبان نے کہا ہے: "كان متقنا عالما "[5] یعنی بڑے ثقہ اور عالم تھے، آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: زياد بن عبدالله بن الطفيل البكائي: قال النسائي: ضعيف.

''نسائی نے کہا کہ یہ ضعیف ہیں۔'' ایضاً

أقول: امام بخاری نے جو زیاد بن عبداللہ سے روایت کی ہے، بطور متابعت ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر ؒ تقریب التهذيب میں لکھتے ہیں: " وله في البخاري موضع واحد متابعة "[6] زیاد بن عبداللہ کی بخاری میں

---

1. هدي الساري (ص:٤٠١)
2. مصدر سابق، امام ابو حاتم کی یہ حکایت بالکل صحیح ہے۔ دیکھیں: الجرح والتعديل (٣٧٨/٣)
3. تقريب التهذيب (ص: ١٩٥)
4. الكامل (٣/ ٦٦)
5. هدي الساري (ص: ٤٠١)
6. تقريب التهذيب (ص: ٢٢٠)

ایک جگہ متابعت میں روایت ہے، اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ متابعت میں بعض ضعیفوں کی روایت بھی داخل ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث مقترن ہے، ❶ کیونکہ اصل میں امام بخاری اس حدیث کو اپنے شیخ عبدالاعلی سے روایت کرتے ہیں، اور اس طرق میں سب راوی ثقہ ہیں، اس کے بعد امام بخاری بتلاتے ہیں کہ یہ حدیث زیاد بن عبداللہ کے طرق سے بھی آئی ہے، پس یہ حدیث مقرون بغیرہ ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی خود اسی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"وقد روى له (خ) حديثا واحدا مقرونا بآخر." ❷

''یعنی بخاری نے زیاد سے ایک ہی حدیث کو مقترن روایت کیا ہے۔''

61 پس آپ کا اعتراض جب چسپاں ہوتا کہ امام بخاری صرف انھیں زیاد کے ساتھ تفرد کرتے ، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس آپ کا اعتراض محض بے ثبوت ہوا، اور ان کو صرف نسائی نے ایسا کہا ہے، باقی اور محدثین نے جو کہا ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، خود علامہ ذہبی اسی میزان میں لکھتے ہیں:

"قال أحمد: حديثه حديث أهل الصدق، قال ابن معين: لا بأس به، قال أبوزرعة: صدوق، (قال ابن عدي) ما أرىٰ برواياته بأساً ،" انتهى ملخصاً . ❸

''یعنی امام احمد نے کہا ہے کہ زیاد بن عبداللہ کی حدیث سچوں کی حدیث ہے (ایسا ہی ابوداود نے بھی کہا ہے) ابن معین نے کہا ہے کہ زیاد کے ساتھ کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے، ابو زرعہ نے کہا ہے زیاد بڑے سچے ہیں۔ (ابن عدی نے کہا ہے) میں زیاد کی روایتوں میں کسی قسم کا حرج نہیں دیکھتا ہوں۔''

یعنی ثقہ ہیں، کیونکہ یحیٰی بن معین کی اصطلاح میں لفظ " ثقة " اور لفظ " لا بأس به " دونوں ایک درجہ کا ہے۔ چنانچہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

"قال ابن أبي خيثمة: قلت ليحيىٰ بن معين: إنك تقول: فلان ليس به بأس، وفلان ضعيف، قال: إذا قلت لك: ليس به بأس فثقة، وإذا قلت لك: ضعيف، فهو ليس بثقة، " ❹ انتهى.

''یعنی ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ " فلان ليس به بأس " اور " فلان ضعيف" سے کیا مراد لیتے ہیں؟ ابن معین نے کہا کہ جب میں " ليس به بأس "کہوں تو اس کو ثقہ سمجھنا اور جب "ضعيف " کہوں تو غیر ثقہ۔''

معلوم ہوا کہ زیاد بن عبداللہ اکثر محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ پس اس کثرت کے مقابلہ میں تنہا نسائی کا قول

---

❶ هدي الساري (ص:٤٠٤)

❷ ميزان الاعتدال (٢/ ٩١)

❸ مصدر سابق

❹ مقدمة ابن الصلاح (ص: ٦١)

پایہ ثبوت کو نہیں پہنچے گا، آگے چلئے۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

قوله: مغيره بن مقسم: لين أحمد بن حنبل روايته عن إبراهيم النخعي مع أنها في الصحيحين ."

''امام احمد بن حنبل نے ان کی روایت کو ابراہیم نخعی سے ضعیف کہا باوجود یکہ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔'' (میزان الاعتدال)

أقول: مغیرہ بن مقسم ائمہ ثقات اور حفاظ متقنین سے ہے، چنانچہ اسی میزان میں ہے:" إمام ثقة، وقال ابن معين: ثقة مامون "[1] یعنی بہت بڑے ثقہ ہیں اور حافظ ابن حجر تقریب التھذیب میں لکھتے ہیں:''ثقة متقن."[2]

''یعنی بڑے پختہ ثقہ ہیں، اور یہی حافظ هدي السارى میں مغیرہ کو لکھتے ہیں:

"أحد الأئمة متفق علىٰ توثيقه ".[3] ''یعنی امام مغیرہ کی ثقاہت متفق علیہ ہے۔''

صرف امام احمد نے روایت " مغيره عن إبراهيم النخعي" کو خاصتاً ضعیف قرار دیا ہے، بہ سبب اس کے کہ مغیرہ نے روایتِ ابراہیم میں تدلیس کی ہے، میزان میں ہے:

"لكن لين أحمد بن حنبل رحمه الله روايته عن إبراهيم النخعي فقط، لأن مغيرة إنما سمعه من حماد عن إبراهيم،"[4] انتهى .

''یعنی امام احمد نے مغیرہ کی ابراہیم نخعی سے روایت کو اس وجہ سے ضعیف کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو حماد سے سنا، جو ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں، وہ ان کا نام نہیں لیتا بلکہ ابراہیم کو ذکر کر دیتا ہے۔

اور ہدی الساری میں ہے:

"قال أحمد: وكان مغيرة يدلسها، وإنما سمعها من حماد، "[5] انتهى .

''یعنی مغیرہ نے اس حدیث کو حماد سے سنا ہے، ان کو چھوڑ دیتا ہے۔''

پس فی نفسہ مغیرہ بن مقسم میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے، بلکہ وہ حافظ امام متقن کے درجہ میں ہے، ہاں ''رمي بالتدليس'' ہے مگر مدلس ثقہ حافظ جب بصیغہ اخبار (یعنی: أخبرنا) وتحدیث (یعنی: حدثنا) روایت کرتا

[1] ميزان الاعتدال (١٦٦/٤)
[2] تقريب التهذيب (ص: ٥٤٣)
[3] هدي الساري (ص:٤٤٥)
[4] ميزان الاعتدال (١٦٦/٤)
[5] هدي الساري (ص:٤٤٥)

ہے، تو اس کی حدیث مقبول اور واجب العمل ہے اور جب مدلس ثقہ حافظ بصیغہ عن روایت کرے تو وہ روایت البتہ متکلم فیہا ہوتی ہے۔

62 مگر جب دوسرا راوی غیر مدلس اس کی متابعت کرے تو وہ محمول علی السماع ہو جائے گی۔ اسی طرح شیخین نے جتنی روایت مغیرہ بن مقسم عن ابراہیم سے ذکر کی ہے، وہ کل روایتیں ایسی ہیں کہ دوسرے راویوں نے انکی متابعت کی ہے۔ تو اب مغیرہ کا عنعنہ محمول علی السماع ہوگا اور مغیرہ کی روایات قابل احتجاج ہوں گی، اس لئے حافظ ابن حجر نے هدي السارى میں لکھا ہے:

”قلت: ما أخرج له البخاري عن إبراهيم إلا ما توبع عليه،“ [1] انتهى .

”یعنی بخاری نے مغیرہ عن ابراہیم سے متابعت میں روایت کی ہے۔“

پس آپ کا اعتراض اس وقت چسپاں ہوتا جب امام بخاری کا مغیرہ سے تفرد ثابت ہوتا۔ وإذ ليس فليس!

اس طریق متابعت کی مفصل بحث ثابت ؓ کے بیان میں گزری۔

الحمدللہ کہ آپ کے زعم فاسد میں بخاری کے راویوں کے مجروح ہونے کے بابت جو جو اعتراض تھے، سب ”هباء منثورا“ اور ”كأن لم يكن“ ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ بخاری کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں، کیوں نہ ہو، اس لئے کہ۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا تھا فیصلہ دل کا

باقی اس کے آگے جو عمر کریم نے ڈیڑھ صفحہ تک امام احمد کی کتاب بخاری پر تحسین و عدم تحسین کی بابت خامہ فرسائی کی ہے، اس کا جواب میں صرف ایک شعر کے ذریعہ سے دے کر رخصت ہوتا ہوں، پھر یار زندہ صحبت باقی!

اور وہ یہ ہے: ؎

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را
تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس [2]

اب میں عمر کریم کی عربی قابلیت پر روشنی ڈالتا ہوا ناظرین کو اس کی ایک بیّن غلطی دکھاتا ہوں کہ لکھتا ہے:

قوله: ماہ جمادی الثانی (۱۳۲۴ھ)

أقول: اجی حضرت! ابھی تک آپ کو قمری مہینوں کے نام لکھنے کی بھی تمیز نہیں؟ جمادی الثانی کہنا بالکل غلط اور غیر معتبر ہے، کئی وجهوں سے:

---

1. هدي الساري (ص: ٤٤٥)
2. صائب! دو چیزوں سے شعر کی ناقدری ہوتی ہے، ناشناس کی تحسین اور سخن شناس کی خاموشی!

یہ کہ استعمال عرب میں جمادی الثانی نہیں ہے۔ من یدعي فعلیه البیان!

یہ کہ ثانی اس مقام پر آتا ہے جہاں اس کے بعد ثالث بھی ہو۔ وإذ لیس فلیس!

جمادی کے آخر میں الف مقصورہ بصورت یائی تحتانی ہے جو کتابت میں رہتا ہے اور تلفظ میں بسبب اجتماع ساکنین کے گرجاتا ہے، پس جب الف مقصورہ کے سبب سے اس کی صورت مونث کی ہوگئی تو اس کی صفت بھی اولیٰ اور اخریٰ یا آخرہ کے ساتھ آنی چاہئے، تاکہ صفت موصوف میں مطابقت باقی رہے، آپ کو یوں کہنا تھا: ''ماہ جمادی الاخریٰ'' کہئے! اب بھی حق استادیت ادا کرو گے یا نہیں؟ ورنہ ہم کہیں گے۔

چپ رہو سن لیں نہ کہیں ادیب و علماء
نادان ہو عربی میں یہ جملہ نہیں آیا

بفضل اللہ وعونہ عمر کریم کے اشتہار نمبر (۳) کا مکمل جواب باوجود اشغال شتیٰ کے آج ایک ماہ یعنی ۲۹ دنوں میں تمام ہوا۔ اے جناب عمر کریم صاحب! اب میں رخصت ہوتا ہوں، اگر تم کو کچھ شک وشبہہ ہو تو اس کو بھی دریافت کر لینا، ان شاء اللہ اس کے جواب میں بھی اسی محبت اور دلی جذبہ کے ساتھ تم سے ملوں گا۔ کیونکہ۔

مجھ سا مشتاق جہاں میں کہیں پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

ختم الله لنا بالحسنیٰ، وأذاقنا حلاوة رضوانه الأسنی۔

بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا ہر مذہب سے ثبوت۔ 63

۱۔ علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی عمدۃ القاری (۱ / ۸) میں لکھتے ہیں:

"اتفق علماء الشرق والغرب علىٰ أنه ليس بعد كتاب الله أصح من صحيح البخاري و مسلم (إلى قوله) والجمهور على ترجيح البخاري على مسلم ."

''مشرق اور مغرب کے تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے اور جمہور نے بخاری کی صحت کو مسلم پر ترجیح دی ہے۔''

یعنی بخاری شریف مسلم سے بھی زیادہ صحیح ہے، آگے چل کر لکھتے ہیں:

"وهذا مذهب المحققين من الحنفية ." ''یعنی محقق حنفیوں کا یہی مذہب ہے۔''

۲۔ اور ملا علی قاری حنفی مرقاة المفاتيح (۱ / ۱٦) میں امام بخاری اور ان کی جامع صحیح کے احوال میں لکھتے ہیں:

"فهو أصح الكتب بعد كتاب الله العزيز."

۳۔ اور مولوی احمد علی صاحب حنفی سہارنپوری مقدمہ بخاری میں لکھتے ہیں:

"واتفق العلماء على أن أصح الكتب المصنفة صحيحا البخاري و مسلم، واتفق الجمهور على أن صحيح البخاري أصحهما صحيحا."[1]

''تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ تمام کتب مصنفہ میں سب سے زیادہ صحیح بخاری و مسلم ہے اور جمہور نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کتاب بخاری شریف مسلم سے بھی زیادہ صحیح ہے۔''

۴۔ اور مولانا شیخ عبدالحق صاحب حنفی دہلوی أشعة اللمعات (۱ / ۱۱) میں امام بخاری کے احوال میں لکھتے ہیں:

'' جمہور علماء برآنند کہ کتاب او درصحت مقدم است برجمیع کتب مصنفہ در حدیث تا آنکہ گفتہ اند کہ أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري۔''

۵۔ اور مولانا نورالحق صاحب حنفی بن شیخ عبدالحق صاحب حنفی دہلوی تیسیر القاري (۱/ ۵۱) میں امام بخاری ؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:

'' وجمہور علماء برآنند کہ کتاب او درصحت مقدم ست برجمیع کتب مصنفہ در حدیث تا آنکہ گفتہ اند کہ ''أصح

---

[1] مقدمه حاشیه بخاری (۱/ ٤)

الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري"

٦۔ اور مولوی عبدالحیٔ حنفی لکھنوی نے جو تیسیر القاری پر تقریظ لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں:

وإن أصح الكتب بعد كتاب الله هو الجامع الصحيح للإمام البخاري، وهو عمدة لكل سامع وقارئ وخير جاري، من اعتنىٰ بتحصيله وتنقيد أسراره فاز بفتح الباري، وعلا قدره كعلو الكوكب الدراري، ومن حرم عن درسه وتدريسه حرم عن الخير كله، ولم ينل بضياء ساري" الخ.

''اور تحقیق کہ زیادہ صحیح کتابوں میں بعد قرآن مجید کے وہ امام بخای کی جمع کی ہوئی صحیح ہے اور بخاری بہتر ہے واسطے ہر سننے والے اور پڑھنے والے کے اور خیر جاری ہے جو شخص کہ مشغول ہو اس کے حاصل کرنے میں اور اس کے نکتوں کی تنقید و پرکھ میں وہ مراد کو پہنچا اللہ باری کی مدد سے، اور اس کی قدر بلند ہوگی مثل بلندی روشن ستارہ کے۔ اور جو شخص کہ محروم ہوا اس کی درس و تدریس سے وہ محروم ہوا تمام بھلائیوں سے اور نہیں پہنچا روشنی پھیلنے والی میں ...آخر تک۔''

٧۔ اور علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک قسطلانی قاہری شافعی إرشاد الساری (١ / ١٩) میں لکھتے ہیں: 64

"صرح الجمهور بتقديم صحيح البخاري."

''یعنی جمہور نے تصریح کر دی ہے کہ قرآن شریف کے بعد صحیح بخاری دیگر کتابوں سے صحت میں مقدم ہے۔''

چنانچہ (ص: ٢٧) میں لکھتے ہیں:

"وأما فضيلة الجامع الصحيح فهو كما سبق أصح الكتب..." الخ.

٨۔ اور تاریخ ابن خلدون (١ / ٣٧١) میں طحاوی کی روایت کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"إلا أنه لا يعدل الصحيحين، لأن الشروط التي اعتمدها البخاري و مسلم في كتابيهما مجمع عليها بين الأمة ."

''یعنی وہ (روایت طحاوی) صحیحین کے برابر نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ وہ شرطیں جن پر بخاری و مسلم نے اپنی کتاب میں اعتماد کیا ہے۔ اس (کی صحت) پر امت نے اجماع کر لیا ہے۔''

آگے لکھتے ہیں: " لهذا قدم الصحيحان " یعنی اسی وجہ سے صحیح بخاری و مسلم مقدم سمجھی گئی ہیں تمام کتابوں سے صحیح ہونے پر کتاب اللہ العزیز کے بعد۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں:

"من أجل هذا قيل في الصحيحين بالإجماع علىٰ قبولها من جهة الإجماع على صحة ما فيها من الشروط المتفق عليها، فلا تأخذك ريبة في ذلك."[1]

---

[1] تاریخ ابن خلدون (١ / ٥٥٦)

''یعنی اسی سبب سے بالا جماع صحیح بخاری ومسلم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ شروط جو ان دونوں میں ہیں، ان کا صحیح ہونا من جہت اجماع قبول ہے اور اس کی صحت پر اتفاق بھی کیا گیا ہے۔ پس تم کو اس بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے۔''

معلوم ہوا کہ بخاری أصح الکتب بعد کتاب اللہ ضرور ہے اور جو اس میں شک کرے وہ بودم بے دال ہے !!

۹۔ اور علامہ ذہبی تذکرة الحفاظ (۲/ ۱۳۵) میں لکھتے ہیں:

"وقال ابن خزيمة: ما تحت أديم السماء أعلم بالحديث من البخاري."[1]

''یعنی ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ آسمان کی ادھوڑی تلے امام بخاری سے زیادہ کوئی حدیث کا جاننے والا نہیں ہے۔''

پھر ایسے شخص کی کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ نہ ہو تو پھر کس کی ہوگی؟ اس کے بعد خود علامہ ذہبی کہتے ہیں:

"قلت: قد أفردت مناقب هذا الإمام في جزء ضخم، فيها العجب."

''یعنی میں کہتا ہوں کہ میں نے امام بخاری کی تعریف کو ایک نہایت موٹے حصہ میں بیان کیا ہے، اس میں (امام بخاری کی حالتوں اور ان کی کراماتوں کو دیکھ کر) تعجب ہوتا ہے۔''

اسی کتاب میں انھوں نے بھی مانا ہے کہ ان کی جامع صحیح اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، چنانچہ یہی حافظ ذہبی تاریخ الإسلام میں کہتے ہیں:

"أما جامعه الصحيح فأجل كتب الإسلام، وأفضلها بعد كتاب الله ."[2]

۱۰۔ اور الامام الاجل ابو عمرو ابن صلاح نے اپنی کتاب معرفة أنواع علوم الحديث میں لکھا ہے:

ثم إن كتاب البخاري أصح الكتابين صحيحا، وأكثرهما فوائد."[3]

''یعنی (بعد کتاب اللہ) کتاب بخاری زیادہ صحیح ہے دونوں کتابوں میں از روئے صحیح ہونے کے اور زیادہ فائدہ مند ہے۔''

۱۱۔ اور حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں لکھا ہے:

"وقد صرح الجمهور بتقديم صحيح البخاري ."[4]

''یعنی جمہور نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد دیگر تمام کتابوں سے

---

[1] تذكرة الحفاظ (٢/٥٥٦)

[2] تاريخ الإسلام للذهبي (١٩/ ٢٤٢)

[3] مقدمة ابن الصلاح (ص: ١٠)

[4] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ٧٣)

صحت میں مقدم ہے۔''

۱۲۔ اور امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''اتفق العلماء رحمهم الله تعالىٰ على أن أصح الكتب بعد القرآن العزيز الصحيحان البخاری و مسلم (إلى قوله) كتاب البخاري أصحهما صحيحا، وأكثرهما فوائد'' [1] الخ. 65

''یعنی تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ قرآن مجید کے بعد اور کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری و مسلم ہے، لیکن کتاب بخاری دونوں میں زیادہ صحیح اور فائدہ مند ہے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''وقد صح أن مسلما كان ممن يستفيد من البخاري، ويعترف بأنه ليس له نظير في علم الحديث.''

''یعنی یہ بات صحیح ثابت ہوئی ہے کہ مسلم بخاری سے فائدہ اٹھاتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ بخاری علم حدیث میں بے نظیر ہیں۔''

۱۳۔ اور شیخ نورالحق حنفی دہلوی نے تیسیر القاری میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

'' ومسلم صاحب الصحیح چون نزد او میدر آمد میگفت بگذار مرا تا بوسہ زنم دو پائے ترا یا طبیب الحدیث ویا استاذ الاستاذین یا سید المحدثین۔'' [2]

پھر مسلم کو بخاری پر ترجیح دینا محض جہالت ہے، جب کہ امام مسلم خود بخاری کو ترجیح دے رہے ہیں، معلوم ہوا کہ بخاری کے برابر صحیح کتاب بعد کتاب اللہ کوئی نہیں ہے۔

۱۴۔ آگے چل کر امام نووی لکھتے ہیں:

''وهذا الذي ذكرنا من ترجيح كتاب البخاري هو المذهب المختار الذي قاله الجماهير وأهل الإتقان والحذق والغوص علىٰ أسرار الحديث.''

''یعنی یہ جو ہم نے بخاری کو ترجیح دیا ہے، یہی مذہب ہے جمہور علماء کا اور صاحبان مضبوطی اور مہارت کا اور غوطہ مارنے والوں کا دریائے اسرار حدیث میں۔

معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کا یہی مذہب رہا ہے کہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، پھر جو کوئی اس کا انکار کرے وہ علم سے کورا اور جاہل ہے یا عمداً حق پوشی کرتا ہے۔ فحسابه علىٰ الله تعالىٰ!

۱۵۔ اور سید جمال الدین جو ''روضة الأحباب'' کے مصنف ہیں، اپنے رسالہ ''أصول حديث'' میں فرماتے ہیں:

---

[1] شرح مسلم للنووي (١/ ١٤)

[2] جب امام مسلم ان کے پاس آئے کہا: اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور طبیب حدیث! تو مجھے اپنے قدموں کا بوسہ لینے کی اجازت دیجئے۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

”أول من صنف في الصحيح المجرد الإمام البخاري ثم مسلم، وكتاباهما أصح الكتب بعد كتاب الله العزيز .“

۱۶۔ اور علامہ محمد جن کا لقب معین سندھی ہے کتاب دراسات میں فرماتے ہیں:

”وكونهما أصح كتاب في الصحيح المجرد تحت أديم السماء، وأنهما أصح الكتب بعد القرآن العزيز بإجماع.“

۱۷۔ اور قاضی عبدالوہاب مالکی اور ابو یعلی اور ابو الخطاب اور ابن زاغونی، جو کہ حنبلیوں سے ہیں، سبھوں نے ایسا ہی کہا ہے، جو بخوف طوالت نقل نہیں کیا جاتا۔

غرضیکہ ہر مذہب کے لوگوں نے بخاری کو ” أصح الكتب بعد كتاب الله “ مانا ہے، خصوصاً احناف نے تو زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا ہے کہ بخاری شریف قرآن مجید کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہے۔ پھر اگر کوئی بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ نہ جانے اور انکار کرے تو اس کا انکار کرنا دال ہوگا اس امر پر کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہیں ہے، بلکہ دہریہ اور فیل بے خرطوم ہے۔ اور کیوں نہ ہو! ؎

66 شقی ازلی ہی رکھتا ہے بخاری سے عداوت بس
احادیث نبی سے فیض پائے جس کا جی چاہے
کتاب اللہ کے بعد از بخاری اپنی رہبر ہے
بچے خواری سے وہ رہبر بنائے جس کا جی چاہے
بخار آتا ہے منکر کو تو بس نام بخاری سے
بخاری کی حسد سے خوار کھائے جس کا جی چاہے

امام بخاری ﵀ کے مختصر حالات وسوانح عمری یا سوشل لائف

کنیت ابوعبداللہ نام محمد بیٹے اسماعیل کے اور اسماعیل بیٹے ابراہیم کے اور وہ بیٹے مغیرہ کے اور وہ بیٹے بردزبہ کے۔ بردزبہ لفظ فارسی ہے، معنی اس کے کھیتی ہارا، اور بردزبہ مجوسی تھا، اور اسی پر مر بھی گیا، اور امام بخاری کو بخاری بھی کہتے ہیں اور جعفی بھی، بخاری اس لئے کے بخارا میں ان کی پیدائش ہوئی اور جعفی اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے پردادا مجوسی تھے اور یمان جعفی جو اس وقت بخارا کا حاکم تھا اس کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ یوم جمعہ بعد نماز جمعہ کے پیدا ہوئے، آپ کی پیدائش کا سنہ لفظ ''صدق'' سے نکلتا ہے اور خدا کے فضل سے آپ ایسے ہی سچے اور صادق بھی تھے۔ آپ نہ دراز قامت تھے، نہ پست بلکہ میانہ قد تھے اور آپ کے والد ماجد نہایت برگزیدہ اور نیکوکار تھے اور آپ کے والد اور نیز والدہ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی دونوں آنکھیں صغرسنی و حالت طفولیت میں جاتی رہی تھی اور نابینا ہوگئے تھے، اور ہر دو چشم نور بصارت سے عاری ہوگئی تھیں اور تمام حکماء و اطباء علاج کرتے کرتے عاجز آگئے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ کو اس سبب سے بڑا سخت قلق دامن گیر حال رہتا تھا اور ہمیشہ حق سبحانہ کی درگاہ میں دعا کرتی رہتی تھیں۔ ایک روز حضرت ابراہیم خلیل اللہ ◆ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ خوش ہو جا خدا نے تیری کثرت دعا اور بہت گریہ وزاری کی وجہ سے تیرے لڑکے کو بصارت عنایت فرمایا ہے، صبح کو جب اٹھیں تو اپنے لڑکے (یعنی امام بخاری) کو بینا پایا۔

دسویں برس میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے حفظ حدیث کا مادہ آپ کو دیا گیا، اس وقت سے آپ حدیث کے یاد کرنے میں مشغول ہوئے اور جس مکتب کو سنتے کہ وہاں حدیث کا درس ہوتا ہے، فوراً وہاں پہنچتے اور حدیثوں کو یاد کرتے، جب مکتب سے فارغ ہو کر آئے، سنا کہ بخارا میں ایک شخص علماء حدیث سے، جو داخلی کے ساتھ مشہور تھا، آیا ہے، اس کے پاس آنا جانا شروع کیا، ایک روز کا واقعہ یہ ہے کہ داخلی محدث اپنے نسخہ سے رجالِ احادیث پڑھ رہے تھے کہ اسی اثناء قرأت میں ان کی زبان سے نکل پڑا: " سفيان عن أبي الزبير عن إبراهيم " امام بخاری نے 67
جلدی سے کہا کہ اے جناب! ابو الزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتا، داخلی محدث نے امام بخاری کو ڈانٹا، بخاری ﵀ نے پھر کہا کہ آپ اپنے اصل نسخہ سے مراجعت کیجئے۔ داخلی گھر میں گئے اور اصل نسخہ کو دیکھا، پھر باہر آئے اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکے (یعنی بخاری ﵀) کو یہاں لاؤ، جب امام بخاری ﵀ حاضر ہوئے، داخلی نے کہا کہ جو میں نے

پڑھا تھا وہ بے شک غلط تھا، اچھا تم بتاؤ کہ ٹھیک کیا ہے؟ امام بخاری ؒ نے کہا کہ اصل میں یوں ہے: " سفيان عن الزبير بن عدي عن إبراهيم " داخلی حیران ہوگئے اور کہا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ پس داخلی نے قلم اٹھایا اور اپنے نسخہ قراءت کی تصحیح کی۔

یہ واقعہ تو آپ کے گیارہویں سال کے درس کا ہے، جب پندرہ سال کے ہوئے، آپ نے شیخ کی حدیث کی تمام کتابوں کو یاد کر ڈالا، جب سولہ سال کے ہوئے تو ابن مبارک کی کتابوں کو حفظ کر ڈالا اور وکیع کے نسخوں کو از بر کیا اور اصحاب رائے کی کتابوں پر اطلاع پائی، بعدہ اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد کے ہمراہ مکہ معظّمہ کو بہ ارادہ حج روانہ ہوئے، جب کہ سب لوگ حج سے فارغ ہوئے، تو ان کی والدہ اور برادر وطن کو لوٹ آئے اور امام بخاری حجاز میں حدیث کی تلاش کے لیے ٹھہر گئے۔ حامد بن اسماعیل، جو امام بخاری کے زمانہ کے ایک محدث تھے، بیان فرماتے تھے کہ بخاری ہم لوگوں کے ساتھ حدیث کے طلب کرنے میں شیوخ وقت کے آگے آیا کرتے تھے، لیکن اپنے ساتھ دوات و قلم کاغذ وغیرہ کچھ نہیں لاتے تھے اور نہ کچھ لکھتے تھے، ایک روز ہم لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہیں اس آنے جانے سے کیا فائدہ کہ نہ تم کچھ لکھتے ہو نہ کچھ کرتے ہو، جو سنتے ہو سب یاد سے جاتا رہے گا اور مثل ہوا کے ہوگا کہ ایک کان میں گھسی ہے، دوسرے کان سے نکل جاتی ہے، تو سولہ روز کے بعد کہا کہ تم لوگوں نے ہم کو بہت تنگ کر رکھا ہے، اچھا تم اپنا لکھا ہوا لاؤ اور میری یاد کا مقابلہ کرو، شیخ حامد کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم لوگوں نے پندرہ ہزار حدیث کو لکھا تھا اور بخاری نے سب کو حفظ کیا تھا، بخاری نے اس قدر صحت کے ساتھ پڑھا کہ ہم لوگ اپنے لکھے ہوئے کو ان کے پڑھنے سے تصحیح کرتے جاتے تھے۔ بعد ازاں بخاری نے کہا کہ کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں بیکار سرگردانی کرتا ہوں؟ شیخ حامد محدث کہتے ہیں کہ اس روز سے میں نے یقین کیا کہ بے شک یہ شخص قابل اور ہم جنسوں میں نیا ہے اور کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

حافظ احمد بن عدی کہتے ہیں کہ میں نے چند شیخوں سے سنا، بیان کرتے تھے کہ امام بخاری ؒ جب بغداد میں تشریف فرما ہوئے، تو اس شہر کے اصحاب حدیث جمع ہوئے اور سو حدیثوں کو لے کر ان کی اسانید اور متون کو الٹ پلٹ دیا، یعنی اس سند کے متن کو دوسری سند میں کر دیا اور اس کے متن کو اس سند میں کر دیا اور ہر ایک کو دس دس
احادیث دے دیں، تاکہ جلسہ میں امتحاناً بخاری کے سامنے پیش کریں۔ پس تمام جگہ کے لوگ جمع ہوئے خراسان والے 68
اور بغداد کے تمام لوگ یہاں تک کہ جب جلسہ خوب اچھی طرح جم گیا، پس ان دس شخصوں میں سے ایک نے ان دس حدیثوں کو سنایا، امام بخاری نے کہا کہ میں ان کو نہیں پہچانتا، پھر دوسرا اٹھا اور اس نے پیش کیا، تو امام بخاری نے اس کو بھی وہی جواب دیا، یہاں تک کہ دسوں شخص اپنی اپنی مقلوب حدیثیں پیش کرتے گئے اور امام سب کو ہر حدیث کے

جواب میں کہتے گئے: لا أعرفه !

امام بخاری کے اس مقولہ سے سمجھدار لوگ تو سمجھ گئے کہ یہ شخص بے شک سمجھدار ہے اور جاہلوں نے سمجھا کہ یہ شخص عاجز ہے، یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہوگئے، امام بخاری پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ تیری پہلی حدیث جو تو نے یوں پڑھی تھی، وہ اصل میں ٹھیک یوں ہے اور دوسری یوں اور تیسری یوں، علی ہذا القیاس دس حدیثوں کو ترتیب وار بتا گئے اور ہر متن کو اس کی اسناد کی طرف لوٹا دیا اور ملا دیا۔ اسی طرح دس شخصوں کو بتا دیا، پس سب لوگوں نے ان کے حافظہ کا اقرار کر لیا اور ان کے فضل کا یقین کر لیا۔

حاصل کلام یہ کہ امام بخاری ♋ کا حافظہ اس قدر قوی تھا۔ امام بخاری نے برائے سماع و قرأت حدیث بلاد اسلام میں بہت سے سفر کئے، چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے، دوبار مصر اور شام گئے، اور چار بار بصرہ گئے اور بے حد مرتبہ بغداد آئے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں ایک ہزار اسّی (۱۰۸۰) شخص سے حدیث کی روایت رکھتا ہوں اور میں نے ان سے حدیث کی کتابت کی ہے۔ فربری کہتے ہیں کہ نوے ہزار آدمیوں نے اس صحیح کو امام بخاری سے سنا ہے، ان میں سے میرے سوا اور کوئی روایت کرنے والا باقی نہیں رہا۔

الغرض ایک لاکھ کے قریب امام بخاری کے شاگرد تھے، امام بخاری جب اٹھارہ برس کے ہوئے، اس وقت سے تصنیفات شروع کیں، پہلے ایک کتاب صحابہ و تابعین کے احوال و اقوال و قضایا کے بارے میں تصنیف کی، اس کے بعد مدینہ منورہ میں پیغمبر خدا ♏ کی قبر شریف کے نزدیک چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر تالیف کی۔ امام بخاری ♋ کی بہت سی تصنیفات و تالیفات ہیں، جن کے نام یہ ہیں، صحیح بخاری، الأدب المفرد، رفع الیدین فی الصلوۃ، قرأت فاتحہ خلف الامام، برّ الوالدین، تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، خلق افعال العباد، کتاب الضعفا، جامع کبیر، مسند کبیر، تفسیر کبیر، کتاب الاشربہ، کتاب الھبہ، اسامی صحابہ، کتاب الوحدان، کتاب العلل، کتاب الکنی، کتاب المبسوط۔

جب امام بخاری ♋ کے والد کا انتقال ہوا، تو وراثت میں ان کو بہت مال پہنچا اور بہت امیر ہوگئے اور بڑے سخی اور جواں مرد اور پرہیز گار اور تمام کاموں میں احتیاط کرنے والے اور فقیروں پر صدقہ کرنے والے اور طالبان علم 69
حدیث کے ساتھ بہت رعایت کرنے والے اور کم خوراک تھے، چنانچہ ان کا ایک روز دو بادام یا تین بادام میں گزر جاتا اور امام بخاری نے چالیس برس تک روٹی نہیں کھائی، بعد ازاں سوکھی روٹی کھانا شروع کی، جب بیمار ہوئے تو طبیبوں نے کہا کہ یہ مرض سوکھی روٹی کھانے کے سبب ہے، پس اس روز سے روٹی کو شربت کے ساتھ ملا کر کھانے لگے، ایک دفعہ کا واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری ♋ نماز پڑھ رہے تھے، اس حالت میں بھڑ (جو ایک مکھی مثل ہڈے کے مشہور ہے) اس نے سترہ دفعہ آپ کو ڈنک مارا، لیکن آپ ایسے اللہ کے خیال میں مشغول تھے کہ اپنی نماز کو قطع نہ کیا۔

رحمة اللہ علیہ واسعة کاملة۔

سب سے پہلے مجرد صحیح میں امام بخاری نے تصنیف کیا، ان کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ ایک روز مجلس میں اسحٰق بن راہویہ حاضر تھے، یاروں نے ان سے کہا کہ اگر کوئی توفیق پاتا اور سنن میں ایک مختصر کتاب ایسی صحیح حدیثوں پر جمع کرتا کہ وہ حدیثیں اعلیٰ صحت کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہوتیں، تو بہت اچھا ہوتا کہ لوگ بے دغدغہ اور بے مراجعت بہ مجتہدین اس پر عمل کرتے، اس بات نے بخاری کے دل میں جگہ کیا اور اسی وقت سے آپ کے دل میں اس جامع صحیح کی تصنیف کا خیال ہوا۔ پس چھ لاکھ حدیثوں سے جو آپ کے دل میں موجود تھیں، انتخاب کرنا شروع کیا اور جس کو بہت اور اعلیٰ درجہ کی صحیح پایا، اس کو اپنی جامع میں جمع کیا اور اپنی اس جامع کو مسجد حرام میں تصنیف کیا اور سولہ برس میں اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے، نہیں داخل کیا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں، مگر بعد اس کے کہ غسل کرتے آب زمزم سے، پھر نماز پڑھتے دو رکعت مقام ابراہیم پر، پھر استخارہ کرتے خدا سے، یہاں تک کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا۔

پھر امام بخاری نے چاہا کہ حدیث کو اس کے مضامین پر تطبیق دیں، اس کو محدثین کی اصطلاح میں ترجمہ باب کہتے ہیں، تو مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور درمیان قبر مبارک ومنبر اطہر آں سرور علیہ صلوۃ اللہ الاکبر کے اس مہم کام کو سرانجام دیا اور اس میں بھی بوقت لکھنے ہر ترجمہ کے نیت خاص کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، اس کا اثر یہ ہوا کہ صحیح بخاری ایسی مقبول ہوئی کہ آپ کی زندگی ہی میں اور خود آپ ہی سے بلا واسطہ لاکھ شخصوں کے قریب نے سنا۔

کل حدیثیں صحیح بخاری میں علاوہ تعلیقات وشواہد ومتابعات کے سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور مکرر نکال دینے کے بعد چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں اور اسی جامع صحیح بخاری میں ایک سو سات کتب اور تین ہزار چار سو پچاس باب ہیں، اور ان تمام شیوخ کی تعداد جن سے صحیح بخاری میں حدیثیں لی گئی ہیں، دو سو نواسی ہے۔

اور تصنیف کا دوسرا سبب یہ ہے جو امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں پیغمبر خدا ﷺ کو دیکھا کہ **70**
میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور آنحضرت ﷺ کے مقابل کھڑا ہو گیا اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا تھا، میں اس پنکھے سے آں سرور □ کو ہوا کرتا تھا اور آپ کے رخسار مبارک سے مکھی کو ہنکاتا تھا، بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو میں نے بعض تعبیر کرنے والوں پر پیش کیا تو ان لوگوں نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ تو ایسا ہوگا کہ آپ سے جھوٹ کو دور کرے گا، امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اور تعبیر مجھ کو جامع صحیح کی تالیف وتحریر پر باعث اور مؤکد ہوئی۔

جب امام بخاری طلب علوم اور سفر بلاد اور مشائخ کی ملازمت سے فارغ ہو کر بخارا میں، کہ آپ کا وطن اور مولد تھا، واپس آئے، تمام بخارا والوں نے آپ کی تعظیم واکرام واحترام کیا اور آپ کے استقبال کے لئے ایک فرسخ یعنی

تین میل پر خیمہ وغیرہ گاڑ کر جا بیٹھے اور بہت سے دراہم و دنانیر آپ پر نثار کیے، پس بہت مدت تک امام بخاری بخارا میں قیام پذیر تھے اور حدیث کے پھیلانے میں اور افادۂ علوم میں آپ کا اشتغال تھا، بعض اصحاب غرض حاسدوں مفسدوں نے حاکم بخارا کے پاس آپ کی شکایت کی، امیر بخارا یعنی خالد بن احمد ذہلی نے امام بخاری کو تکلیف دی کہ میرے گھر آؤ اور مجھے اپنی جامع صحیح و تاریخ کبیر سناؤ یا میرے لڑکوں کو پڑھاؤ، امام بخاری نے جواباً عرض کیا کہ یہ علم علم حدیث ہے، میں اس کو ذلیل نہیں کروں گا، تجھے غرض ہو تو میرے پاس مسجد میں حاضر ہو اور سنو یا اپنے لڑکوں کو میری مجلس میں بھیج دو تاکہ بدستور دیگر طلباء کے ساتھ تحصیل کریں۔ حاکم نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو جس وقت میرے لڑکے حاضر ہوں، اس وقت دوسرے طلبہ کو مجلس میں نہ رکھا جائے اور میں اس کے واسطے اپنا چوکیدار بھیج دوں گا، اس لیے کہ میری نخوت اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ جس مجلس میں میرے لڑکے موجود ہوں، ان کے پہلو نشین جولا ہے اور موچی ہوں، امام بخاری نے اس کو بھی قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ علم پیغمبر کی میراث ہے اور اس میں تمام لوگ شریک ہیں، خاص ایک شخص نہیں ہوسکتا۔

پہلے سے حاسدوں نے شکایت تو کی ہی تھی، اس گفت وشنید نے امیر بخارا کے دل کو بخاری کی طرف سے اور گراں کیا اور یہی امر وحشت کا سبب ہوا والی بخارا اور امام بخاری کے درمیان، حاکم کے دل میں روز بروز کدورت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ امیر بخارا نے حریث بن ابی ورقا اور دوسرے علماء ظواہر (جو اس وقت موجود تھے) ان سب کو جمع کیا اور اپنا رفیق بنا کر امام بخاری کے مذہب اور اجتہاد میں طعن کرنے اور غلطی نکالنے کو ایک مجلس درست کی اور حکم دیا کہ بخاری (رحمہ اللہ) کو بخارا سے نکال دو، جب امام بخاری بخارا سے باہر آئے، جناب الٰہی کی درگاہ میں والی بخارا اور ان تمام جماعت و اعیان پر بد دعا کی، جن لوگوں نے اس مشورہ کی موافقت کی تھی اور کہا:

71 ”اللهم أرهم ما قصدوني في أنفسهم وأولادهم وأهاليهم .“

”یعنی اے خداوند دکھلا ان کو بدلہ اس چیز کا کہ قصد کیا ان لوگوں نے میرے لیے ساتھ نکالنے کے، دے بدلہ ان کو ان کی جانوں میں اور ان کی اولادوں میں اور ان کے اہل و عیال میں۔“

امام بخاری بڑے مستجاب الدعوات تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو اس جماعت کی شان میں قبول کیا، ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ دار الخلافہ سے والی بخارا کو معزول کر دینے کا حکم آ گیا اور اسی فرمان میں یہ بھی حکم تھا کہ اس کے منہ کو کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں گھماؤ اور پکارو کہ بدی کرنے والوں کی سزا یوں ہی ہے اور اس کے بعد تمام عمر کے لیے قید ہوگیا، یہاں تک کہ قید خانہ میں ہی مر گیا۔ علی ہذا القیاس حریث بن ابی ورقا، علماء ظواہر اور جو جو لوگ اس مجلس میں شریک تھے اور موافقت کی تھی وہ سب کے سب خلائق میں رسوا و خوار اور ذلیل ہوئے، آخر

انجام یہ کہ سب لوگ ہلاک ہوگئے، (یہاں ان حضرات کو بھی ہوشیار اور بیدار ہونا چاہیے جو امام بخاری پر جرح وقدح کرتے ہیں اور آپ کی شان میں ناشائستہ کلمات استعمال کرتے ہیں، وہ بھی اسی " ھم " کی ضمیر میں داخل ہیں اگر ان کا بھی ایسا حال نہ ہوا تو!!)

جب امام بخاری بخارا سے نکلے تو یہ خبر سمرقند والوں کو پہنچی، ان لوگوں نے آپ کے پاس ایک خط لکھا کہ آپ سمرقند میں تشریف لے آئیں، امام بخاری نے سمرقند کی جانب توجہ کی، جب خرتنگ میں پہنچے، جو سمرقند کے نزدیک ایک بستی ہے اور وہ سمرقند سے دوفرسخ یعنی ٦ میل ہے، تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس شہر والوں نے میرے یہاں رہنے اور نہ رہنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، وہاں ٹھہر گئے کہ دیکھیں کیا امر قرار پاتا ہے؟ جب امام بخاری نے دیکھا کہ اس شہر کا اختلاف بڑھ گیا ہے اور ان میں فتنہ واقع ہونے کا خوف ہے، رات کو بڑے ملول اور تنگ دل ہوکر بعد نماز تہجد اپنے ہاتھ کو اٹھایا اور جناب باری میں دعا کی اور کہا:

"اللهم ضاقت علي الأرض بما رحبت فاقبضني إليك ."

''یعنی اے خداوندا! تنگ ہوگئی مجھ پر زمین باوجود اتنی فراخی کے کہ رکھتی ہے، پس تو مجھ کو اپنی طرف بلا لے۔''

ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ نے وفات پائی، إنا لله وإنا إليه راجعون! آپ کی وفات شب شنبہ کو عید الفطر کی رات بوقت نماز عشا ٢٥٦ھ میں ہوئی اور عید کے روز بعد نماز ظہر اسی مقام خرتنگ میں دفن ہوئے اور عمر آپ کی باسٹھ برس کی ہوئی۔ آپ کی وفات کی تاریخ " في نور " کے لفظ سے نکلتی ہے اور مدت عمر کی تاریخ "حميد" کے لفظ سے نکلتی ہے اور پیدائش کی تاریخ " صدق " کے لفظ سے نکلتی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، چنانچہ آپ کی تعریف میں کہا جاتا ہے:" ولد في صدق، وعاش حميدا، و مات في نور"

72 سبحان اللہ! کیا شان تھی؟ خطیب ابوبکر بغدادی اپنی سند سے عبدالواحد طرابلسی سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے خواب میں پیغمبر خدا ﷺ کو دیکھا کہ آپ اصحاب کرام کی جماعت کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں، گویا کسی کا انتظار کر رہے ہیں، میں نے آنحضرت پر سلام کیا، آپ نے جواب دیا، میں نے کہا اے رسول خدا! اس جگہ آپ کے توقف کرنے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں محمد بن اسماعیل (بخاری) کا انتظار کر رہا ہوں۔ پس تھوڑے ہی عرصہ میں امام بخاری کے فوت ہونے کی خبر پہنچی۔ کہتے ہیں کہ جب میں نے تفحص اور تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ جس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، اسی وقت امام بخاری کا انتقال ہوا۔ منقول ہے کہ جب لوگوں نے امام بخاری کو دفن کیا تو آپ کی قبر سے مشک سے زیادہ خوشبو اڑتی تھی، یہاں تک کہ اس مقام کی اگر خاک

کو اٹھا کر سونگھا جاتا تو مشک سے زیادہ خوشبو آتی، چنانچہ لوگ روم سے آتے اور بجائے مشک خریدنے کے آپ کی تربت کی مٹی کو لے جاتے اور بجائے مشک کی خوشبو حاصل کرنے کے اس مٹی سے کام لیتے۔ اور کیوں نہ ہو۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم ❶

امام بخاری کی جامع صحیح کی بہت سی تعریفیں ہیں، ابوزید مروزی بیان فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں پیغمبر ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے ابوزید! شافعی کی کتاب کا کب تک درس دے گا؟ میری کتاب کا کیوں نہیں درس دیتا؟ ابوزید! نے سر نیچے کر کے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں قربان ہوں آپ پر آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا آپ نے محمد بن اسماعیل بخاری کی جامع، اور بہت سے مشائخ اور علماء ثقات نے اس صحیح کو مانند تریاق کے مجرب جانا اور پایا ہے، کہتے ہیں کہ اس صحیح کو جس نیت سے پڑھے مقصود حاصل ہوگا، خواہ مرادات کے حصول کی غرض سے یا کفایت مہمات وقضاء حاجات و دفع بلیات و کشف و کرامات اور برائے صحت و شفاء بیماران اور تنگی و سختی اور خوف دشمن اور غلو قحط میں ہو سب میں اپنی مراد و مقصود کو پائے گا۔ میر جمال الدین محدث اپنے استاد سید اصیل الدین سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے اس صحیح کو اپنے اور دوسروں کے وقائع و مہمات کے واسطے ایک سو بیس بار پڑھا، جس نیت سے پڑھا وہ مقصود حاصل ہوا اور مہمات کفایت سے انجام کو پہنچا اور تمام علماء محدثین کے درمیان میں بے حد مشہور ہو چکا ہے کہ اس صحیح کو جس سختی میں پڑھے گا، اس سے نجات پائے گا، حتی کہ اگر جس گھر یا جس کشتی میں یہ کتاب ہوگی، وہ گھر جلنے اور کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ اسی طور سے امام بخاری کی بہت سی مدحیں ہیں، مشتے نمونہ از خروارے بیان ہوئیں اور کچھ تھوڑی سی اور بیان کر دی جاتی ہیں۔

امام بخاری کے محدثین نے یہ القاب رکھے تھے: امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث 73
المحمدیہ وغیرہ۔ امام مسلم (صاحب الصحیح) جب امام بخاری کے پاس آئے کہا کہ اپنے دونوں پاؤں پھیلائیں کہ میں اس کو بوسہ دوں، اے طبیب الحدیث! اے استاذ الاستاذین! اے سید المحدثین! امام ترمذی امام بخاری کو اس امت (محدثین) کی زینت کہتے تھے اور قتیبہ بن سعید کہتے ہیں کہ امام بخاری کا درجہ اور محدثوں کے باعتبار ایسا ہے، جیسا کہ حضرت عمر کا درجہ تھا تمام صحابہ میں، اور عبداللہ بن حماد الآملی کہتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ اگر میں محمد بن اسماعیل بخاری کے بدن میں بال پیدا کیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا، اور محدثین لکھتے ہیں کہ جس شخص کو شیطان نے مس کر کے خبط کر دیا

---

❶ ہم نشین کے جمال نے مجھ پر اثر کیا، وگرنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو ہوں!

ہو وہی تو امام بخاری کے فضل کا اقرار نہ کرے گا، ورنہ سب کریں گے اور شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم حجۃ اللّٰہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

''جو شخص بخاری ومسلم کی احادیث کی اہانت کرے گا، وہ مبتدع اور متبع غیر سبیل المومنین ہے۔'' ❶

اور جب وہ متبع غیر سبیل المومنین ہوا، تو اب بحکم قرآن مجید وہ جہنمی ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جو شخص پیروی کرے گا سوائے راہ مومنوں کے والی کریں گے ہم اس کو جس کا کہ وہ والی ہوا اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور بری ہے جگہ پھر جانے کی۔'' [النساء:۱۷]

---

❶ حجة اللّٰہ البالغة (ص: ۲۸۲)

نظم

محمد بن اسماعیل جعفی   تو گوئی شد علم او را بخاری
امیر المومنین شد در احادیث   چو فضل ذو الجلالش کرد باری
صحیح جامعش از ہر کتابے   اصح آمد پس فرقان باری
ترا بس طالب تحدیث باید   کہ بر تحصیل آن ہمت گماری
بخاری کردہ است از حسن نیت   دعائے مغفرت در شان قاری
دعا ہائے بخاری مستجاب است   گمان را تو دریں دعوت چہ داری
حدیثش جملہ تعلیقات دمند   چو باتکرار و شاہد بر شماری
عدادش ہشت صد و ہشتاد ودو گیر   کہ بعد از نہ ہزار آن را بیاری
بزرگی در سہ لفظ آوردہ در نظم   وفات و عمر و میلاد بخاری
ولادت صدق و عمر او حمید است   بگیر از نور سال جان سپاری 74
دمیدے بوئی خوش از خاک قبرش   چناں کز نافہ مشک تتاری
الہٰی تربتش را رحمت تو   کند سیراب چون ابر بہاری
بذکر صالحان داریم حسرت   ز رحمت ہائے حق امیدواری

دیگر

كان البخاري حافظا و محدثا   جمع الصحيح مكملة التحرير
ميلاده صدق ومدة عمره   فيها حميد وانقضىٰ في نور

دیگر

لا غرو أن أمسى البخاري للورىٰ   مثل البحار لمنشأ الأمطار
خضعت له الأقران فيه إذا بدا   خرّوا على الأذقان والأكوار

دیگر

وإن البخاري الإمام بجامع   بجامعه منها اليواقيت والدرا
على مفرق الإسلام تاج مرصع   أصحابه شمسا ونار به بدرا

وبحر علوم تلفظ الدر لا الحصیٰ ... فانفس به درا أو أعظم به بحرا

تصانيفه نور ونور لناظر ... فقد أشرقت زهرا وقد أينعت زهرا

بجامع سنة المختار ينظم بينها ... يلحمها جمعا ويخلصها تبرا

وكم بذل النفس المصونة جاهدا ... فجار لها بحرا وجار لها بئرا

وطورا عراقيا وطورا يمانيا وطورا ... حجازيا وطورا أوتي مصرا

إلیٰ أن حوى منها الصحيح صحيحه ... فوافى كتابا قد غدا الأية الكبریٰ

كتاب له من شرع أحمد شرعية ... مطهرة تعلوا السماكين والنسرا

اور برہان قیراطی ؒ نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے

حدث وشنف بالحديث مسامعي ... فحديث من أهویٰ حليّ مسامعي

لله ما أحلیٰ مكرره الذي ... يحلو ويعذب في مذاق السامع

بسماعه نلت الذي أملته ... وبلغت كل مطالبي ومطامعي **75**

وطلعت في أفق السعادة صاعدا ... فی خير أوقات وأسعد طالع

ولقد هديت لغاية القصد التي ... صحت أدلته بغير ممانع

وسمعت نصا للحديث معرفا ... مما تضمنه كتاب الجامع

وهو الذي يتلیٰ إذا خطب عرا ... فتراه للمحذور أعظم دافع

كم من يد بيضا حواها طرسه ... تومي إلى طرق العلا بأصابع

وإذ بدا بالليل أسود نقشه ... يجلو علينا كل بدر ساطع

ملك القلوب به حديث نافع ... مما رواه مالك عن نافع

في سادة ما ان سمعت بمثلهم ... من مسمع عالي السماع وسامع

وقراءة القاري له ألفاظه ... تغريدها يرزي بسجع الساجع

قول دیگر

وفتى بخارا عند كل محدث ... هو في الحديث جهينة الأخبار

لكتابه الفضل المبين لأنه ... أسفاره في الصبح كالاسفار

كم أزهرت بحديثه أوراقه ... مثل الرياض لصاحب الأذكار

ألفاته مثل الغصون إذا بدت ... من فوقها الهمزات كالأطيار

بجوامع الكلم التي اجتمعت به   متفرقات الزهر والأزهار

قول شيخ أبي الحسن على بن عبيد اللّٰه بن عمر الشفيع النابلسى رحمه اللّٰه

ختم الصحيح بحمد ربي وانتهىٰ   وأرىٰ به الجاني تقهقر وانتهىٰ
فسقىٰ البخاري جُود جَود سحائب   ما غابت الشعرىٰ وما طلع السها
الحافظ الثقة الإمام المرتضىٰ   من سار في طلب الحديث وما وهىٰ
طلب الحديث بكل قطر شاسع   وروى عن الجم الغفير أولي النهىٰ
ورواه خلق عنه وانتفعوا به   وبفضله اعترف البرية كلها
بحر بجامعه الصحيح جواهر   قد غاصها فاجهد وغص أن رمتها 76
وروى أحاديثا معنعنة زهت   تحلو لسامعها إذا كررتها

قول إمام ابو الفتوح رحمه اللّٰه

صحيح البخاري يا ذا الأدب   قوي المتون على الرتب
قويم النظام بهيج الرواء   خطير يروج كنقد الذهب
فتبيانه موضح المعضلات   وألفاظه نخبة للنخب
مفيد المعاني شريف المعالي   رشيق أنيق كثير الشعب
سما عزه فوق نجم السماء   فكل جميل به يجتلب
سناء منير كضوء الضحا   ومتن مزيح لشوب الريب
كأن البخاري في جمعه   تلقىٰ من المصطفىٰ ما اكتتب
فللّٰه خاطره إذ وعىٰ   وساق فرائده وانتخب
جزاه الإله بما يرتضي   وبلغه عاليات القرب

قول ابن عامر فضل بن إسماعيل الجرجاني الأديب رحمه اللّٰه

صحيح البخاري لو أنصفوه   لما خط إلا بماء الذهب
هو الفرق بين الهدى والعمى   هو السد دون العنا والعطب

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

أسانيد مثل نجوم السماء ... أمام متون كمثل الشهب
به قام ميزان دين النبيﷺ ... ودان له العجم بعد العرب
حجاب من النار لا شك فيه ... يميز بين الرضا والغضب
وخير رفيق إلىٰ المصطفىٰ ... ونور مبين لكشف الريب
فيا عالما أجمع العالمون ... علىٰ فضل رتبته في الرتب
سبقت الأئمة فيما جمعت ... وفزت علىٰ رغمهم بالقصب
نفيت السقيم من الغافلين ... ومن كان متهما بالكذب
وأثبت من عدلته الرواة ... وصحت روايته في الكتب 77
وأبرزت في حسن ترتيبه ... وتبويبه عجبا للعجب
فأعطاك ربك ما تشتهيه ... وأجزل حظك فيما يهب
وخصك في عرصات الجنان ... بخير يدوم ولا يقتضب

للہ الحمد والمنہ کو پورا رسالہ ایک ماہ کی محنت میں تمام ہوا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس کو قبول فرمائے اور ہمارے خاتمہ کو بالخیر کرے۔

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والله الهادي، وعليه اعتمادي، وبه في كل الأمور استنادي، وآخر دعواي أن الحمد لله رب العالمين۔

إلهي عبدك العاصي أتاكا ... مقرا بالذنوب وقد دعاكا
فإن تغفر فأنت لذاك أهل ... وإن تطرد فمن يرحم سواكا

78
نہ کر حساب ہمارے گناہ بے حد کا
الٰہی تجھ کو غفور رحیم کہتے ہیں
عدو کہیں نہ کہیں دیکھ کر ہمیں محتاج
یہ ان کے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں

ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا، ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته علىٰ الذين من قبلنا، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به، واعف عنا واغفرلنا وارحمنا أنت مولنا فانصرنا على القوم الكافرين. آمين، برحمتك يا أرحم الراحمين. ١٣٢٤ هجريه نبويهﷺ

۱.تقريظ از قدوة المحققين، همام المدققين، إمام المفسرين، خاتمة المحدثين، بقية المتقدمين، حجة المتأخرين، قامع أساس البدعة والمبتدعين المقلدين، رافع سنن سيد المرسلين جناب مولانا مولوی محمد شمس الحق صاحب محدث عظیم آبادی ؒ 79

&

حامدا ومصلیا، اما بعد: فقیر حقیر محمد شمس الحق عفی عنہ عظیم آبادی کہتا ہے کہ عمر کریم عظیم آبادی عامله الله تعالیٰ بما یستحقه نے قیامت کبریٰ برپا کر دیا ہے، امام الائمہ محمد بن اسماعیل بخاری ؒ کی اہانت اور صحیح بخاری کی منقصت میں اس نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ افسوس کہ جو شخص مدعی اہل سنت بلکہ مدعی اہل اسلام ہو، اس سے ایسا فعل وقوع میں آئے؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جوان صالح شاب فاضل مولوی محمد ابو القاسم بنارسی سلمه الله کو کہ انھوں نے طاعن اَلدّ خصام کی خوب ہی خبر لی ہے اور اچھی طرح سے اس کی خرافات و ہزلیات کا جواب دیا ہے۔ والله أعلم بالصواب، فقط۔

۲. تقریظ رساله العرجون القدیم فی افشاء هفوات عمر کریم (حنفی) از مولانا حمید اللہ صاحب مصنف احادیث التفاسیر وغیرہ رئیس سراوہ ضلع میرٹھ

&

حامدا ومصلیا، السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رسالہ العرجون القدیم مجھ کو وصول ہوا اور میں نے اس کو اکثر مواقع سے دیکھا، ما شاء اللہ خوب لکھا گیا ہے، بات یوں ہی ٹھیک ہے کہ جو کچھ لکھا جائے اس کی دلیل بھی پیش کر دی جائے، حنفیوں کی طرح نہیں کہ جو چاہیں لکھتے جائیں اور دلیل میں اپنے خیالی پلاؤ کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ اور بے فائدہ طوالت کر کے اپنا بھی اور دوسروں کا بھی وقت ضائع کریں، آپ کی تحریر مدلل بھی ہے اور مختصر بھی ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العالمین آپ کے علم میں برکت دے اور خلوص نیت وصلاحیت اعمال کے ساتھ زندہ رکھے۔ آمین

عاجز حمید اللہ عفی عنہ از سراوہ ۱۲ محرم الحرام ۲۷ھ

۳. از مولانا بالفضل اولانا مولوی ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) ایڈیٹر اخبار اہل حدیث ومسلمان، امرت سر

رسالہ العرجون القدیم میں مولوی عمر کریم پٹنوی کے اشتہار نمبر ۳ کا رد بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور امام

بخاری ؒ کے رواۃ و احادیث وغیرہ کے متعلق جو مشتہر نے ہرزہ درائی کی تھی، اس کا معقول جواب ہے، گویا امام بخاری ؒ کے ڈیفنس (مدافعت) میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس میں ان کے حالات (مختصر لائف) بھی مرقوم ہیں۔ اخبار اہل حدیث نمبر ۱۵ مورخہ ۲۰ محرم الحرام ۶ ۱۳۷ھ

۴۔ از مولوی ابو اسرائیل محمد اسماعیل صاحب پر یوائی ضلع پرتاب گڑھ

مکرمی مولانا محمد ابو القاسم صاحب ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رسالہ العرجون القدیم پہنچا ہم نے شروع سے آخر تک دیکھا، ما شاء اللہ نہایت ہی عمدہ اور مدلل کتاب ہے، میں آپ کی اس محنت اور تحریر پر ہزار ہزار شاباشی اور چیرز کرتا ہوں۔ والسلام: محمد اسماعیل پر یوائی ۳ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ

۵۔ از مولوی ابو النعیم محمد عبد العظیم صاحب حیدر آبادی

برادر دینی جناب مولوی ابو القاسم صاحب ۔السلام علیکم وعلی من لدیکم۔ آپ کی کتاب العرجون القدیم پہنچی، میں نے بصد شوق اس کو از ابتداء تا انتہا دیکھا۔ ما شاء اللہ آپ نے تو خوب عمر کریم صاحب کے ہفوات خرافات مزخرفات کی اچھی طرح قلعی کھولی ہے، مجھے ایک زمانہ سے خیال تھا کہ عمر کریم کے مقابلہ پر ایک کتاب بھی لکھ ڈالوں، مگر خدا کا شکر کہ یہ کام آپ کے ہاتھ فتح ہو چکا، خدا آپ کو جزاء خیر دے۔ آمین خادم العلماء: ابو النعیم محمد عبد العظیم عفا عنہ الرحیم محمدی السنی حیدر آبادی

اِعلام

سنا گیا ہے کہ ایک بہت بڑی کتاب نہایت خوبی کے ساتھ امام الائمہ والمحدثین رأس المجتہدین محمد بن اسماعیل البخاری کے مناقب میں باہتمام جناب مولانا ابو الطیب مولوی محمد شمس الحق صاحب محدث عظیم آبادی کے تالیف ہو رہی ہے اور مولوی عبدالسلام صاحب مبارک پوری نہایت عرق ریزی کے ساتھ اس کو لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی سعی کو مشکور فرمائے اور حاسدین واہل البدع والعناد واہل الالحاد کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین، فقط ❶

أنا الراقم:

محمد أبو القاسم كنجاهی الأصل، بنارسی الوطن، عفا اللّٰہ عنه

شکریہ

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

ہم پہلے اپنے پروردگار رب العزت جل جلالہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل و تائید سے اس عاجز سے اس کتاب کی تکمیل کرا دی اور دوسرا شکر اسی کردگار عم نوالہ کا اس امر پر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے نیک بندوں کی نصرت سے اس کتاب کو حلیہ طبع سے مزین کرا کے مقبول اہل جہاں کیا۔ اس کے بعد حسب حکم رسول اکرم ♏ "من لم يشكر الناس لم يشكر اللّٰه" ❷ یعنی جس نے لوگوں کا شکریہ نہ ادا کیا، اس نے خدا کا بھی

❶ بالآخر مذکورہ کتاب "سیرۃ البخاری" کے نام سے پہلی بار ۱۳۲۹ھ شائع ہوئی، جو اپنی مثال آپ ہے، شاید ہی کسی زبان میں امام بخاری ♋ کے مناقب وفضائل اور صحیح بخاری کے خصائص و امتیازات میں ایسی کوئی جامع کتاب شائع ہوئی ہو۔ بعد ازاں کتاب کا دوسرا ایڈیشن مؤلف کتاب مولانا عبدالسلام مبارکپوری کے صاحبزادے شارح مشکاۃ مولانا عبیداللہ مبارک پوری کی زیرنگرانی ۱۳۶۶ھ میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں اس کتاب کے عربی وانگلش وغیرہ دیگر کئی زبانوں میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں، ابھی حال ہی (۲۰۰۹ء) میں اس کتاب کا سب سے بہترین اردو محقق ایڈیشن کتاب سرائے لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے، جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بدولت بقیہ تمام طبعات سے بہتر ہے۔ جس میں محقق کتاب ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی ♎ کی تعلیقات وحواشی نے اس کتاب کی علمی و تحقیقی حیثیت کو اور بھی مستند اور معتبر بنا دیا ہے۔ جزى اللّٰه الباعث عليه و مؤلفه و ناشريه خير ما يجزى به عباده الصالحين۔

❷ سنن الترمذي، برقم (١٩٥٥) وقال: "هذا حديث حسن صحيح"

شکریہ نہ ادا کیا ہم ان معززین کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اس کتاب کے طبع کرانے کے لیے دامے درمے مدد فرمائی ہے، خصوصاً شیخنا جناب مولانا محمد شمس الحق صاحب رئیس ڈیانواں ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں، خدا آپ کی جان و مال وغیرہ سب میں برکت عطا فرمائے اور آپ کی ہمت کو روز افزوں ترقی دے۔ ع

کہ حق بر تو پاشد بر خلق پاش ❶

تقریظ از سخنور فصیح اللسان نکتہ سنج بلیغ البیان مولوی محمد یوسف صاحب شمس 80 محمدی اڈیٹر اخبار "أهل الذکر" شہر لکھنو

نور تحقیقات دین سے کیا اجالا ہوگیا
ظلمت تقلید کا منہ کیسا کالا ہوگیا

کذب و باطل کس طرح دنیا میں بے رونق ہوئے
کیسا کیسا صدق و حق کا بول بالا ہوگیا

بدعتی بے علم کی وہ ساری گرما گرمیاں
ہوگئیں کافور کیسا سرد و پالا ہوگیا

سفلۂ وکم ظرف کرتا تھا بخاری پر جو جرح
کھل گئی کم مائیگی ظاہر رذالہ ہوگیا

غازی اسلام ابو القاسم محمد کا قلم
قلب مشرک چھیدنے کو جیسے بھالا ہوگیا

بدعتی بے دین پہ ایسے وار پے در پے کئے
ہو گیا مجروح سارا جسم چھالا ہوگیا

لکھی کس تحقیق و خوبی سے یہ عرجون قدیم
رد کذب و زور میں نادر رسالہ ہوگیا

جودت طبع رسا کا اس کے کیا کیجئے بیان
طرز تحقیقات جدت میں نرالا ہوگیا

رونا فرمان حق میں کیا کھلائے اس نے گل
صفحہ قرطاس گویا باغ لالہ ہوگیا

ہوگئی کس حسن سے تسوید اوراق کتاب
منہ جو دیکھا اہل بدعت کا تو کالا ہوگیا

شمس سے پوچھو ابو القاسم ہے مہر علم دین
جس کے انوار مضامین سے اجالا ہوگیا

---

❶ خدا نے تمھیں نوازا، تو مخلوق کو نواز!

﴿الم یعلموا انه من یحادد الله و رسوله فان له نار جهنم خالدا فیها ذلک الخزی العظیم﴾

الخزی العظیم

للمولوي

عمر کریم

اس رسالہ میں مولوی عمر کریم حنفی پٹنوی (علیه ما یستحقه) کے اشتہار نمبر (۴) کا مفصل جواب دیا گیا ہے، جس میں انہوں نے صحیح بخاری کی دس حدیثیں پیش کی تھی کہ ان مضامین کو ان کے ترجمہ باب سے مطابقت نہیں ہے، اس میں بتلا دیا گیا ہے کہ ان حدیثوں کو ان کے ابواب سے بیّن مطابقت ہے۔

مؤلفہ

مولوی محمد ابوالقاسم صاحب بنارسی ؒ

ولد مولانا محمد سعید صاحب مرحوم ومغفور محدث البنارسی ؒ

۲۵ رجب ۱۳۲۸ھ

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو 2
ہزاروں ہوچکے ہیں گو کہ تم سے فتنہ گر پہلے

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للّٰه الذي هدانا بكتابه المجيد إلىٰ الصراط المستقيم، والصلوة والسلام على رسوله محمد الذي اهتدينا بأحاديثه إلى الطريق المستقيم، وعلىٰ آله وأصحابه وأتباعه ومحدثي أمته الذين دونوا كتب الأحاديث لنهتدي بها إلىٰ هدى مستقيم، وبعد!

یہ خاکسار محمد ابوالقاسم عفی عنہ وہی پرانا شیدائے ناز ہے، جس نے مولوی عمر کریم کے جواب میں صراط مستقیم، والعرجون القدیم، والریح العقیم، والأمر المبرم لکھے ہیں، آج ''الخزی العظیم'' لکھنے پر شوخی سے قلم اٹھاتا اورتوجہ ناظرین کواپنی جانب مبذول کراتا ہواعرض کرتا ہے کہ آج پچیسویں رجب کو پھر ہمارے یار بے وفا مولوی عمر کریم (علیه ما يستحقه) کا اشتہار نمبر (۴) موصول ہوا، دیکھ کر معلوم ہوا کہ اصل میں یہ سب بیکاری کے شغل اور دن کاٹنے کے ڈھنگ ہیں۔ بقول۔

بیکار مباش کچھ کیا کر
تاگے ہی ادھیڑ کر سیا کر

ہم تو اس وقت بہت خوش ہوتے، جب معترض کو اس سے تحقیق حق وتفتیش امر واقعی مقصود ہوتی اور اس وقت لبیک کہہ کر جواب کے لیے اعتراض سنتے، لیکن یہاں معاملہ ہی دگرگوں ہے، اوپر سے قلت علمی دبائے نیچے سے تعصب جکڑے ہے، دائیں جانب سے ضد، بائیں طرف سے عداوت، غرض ہر چہارسو سے بیچارے قفس میں مقید تڑپ تڑپ کر بقول مرتا کیا نہ کرتا، یوں ہی جان کندنی کی آئے وائے سہی۔

اس کشمکش دام سے کیا کام تھا تجھے
اے الفت چمن تیرا خانہ خراب ہو

لیکن میری ہمت بھی دیکھو کہ اس حالت میں بھی رہائی دلانے کو آمادہ ہوں، نازبرداری کے لیے شیدائے ناز بلکہ وارسہنے کے لیے شہید ناز ہوں، خدا کا شکر ہے کہ میری آہ میں اثر ہے، میری تحریر میں زور ہے، اس لئے کہ میں
نے ”العرجون القدیم“ میں مولوی عمر کریم کو اشتہار نمبر (۳) بغیر بسملہ وحمدلہ لکھنے پر جیسی پر تاثیر نصیحت کی تھی، 3
بحمداللہ کہ وہ بااثر ہوئی، اشتہار نمبر (۴) کو آپ نے حمد وصلوۃ سے شروع کیا ہے، پھر بھی ایک کمی سلام کی رہ گئی، توقع ہے کہ آئندہ اس کی بھی تلافی ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

راہ پر ان کو تو لے آئے ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

بھائیو! برا نہ ماننا، میرے دوست مولوی عمر کریم کی اس حرکت پر نفریں نہ کرنا، آپ بالکل بے تقصیر ہیں بدووجہ: ایک یہ کہ آپ ان چار وجوہات مذکورہ کی وجہ سے مجبور محض ہیں، دوسرے یہ کہ میں نے خود "العرجون القديم" (ص: ٤٢) پر ان کو نوٹس دیا تھا کہ

''آپ کو صحیح بخاری کے جن ابواب میں ان کے ذیل کی احادیث سے مطابقت معلوم نہ ہو، بذریعہ اشتہار پیش کریں، میں اسے کھول کر بتا دوں گا بشرطیکہ حق استادیت بھی ادا کرنا۔''

اب آپ نے مجھے اپنا استاد مان لیا، میرے لکھنے کے مطابق اشتہار نمبر (۴) میں بالفعل دس حدیثیں پیش کی ہیں اور بسم اللہ کی مٹھائی کے لیے مزیدار میٹھی دل فگار گالیاں اول و آخر میں پیش کی ہیں، ہم بھی بخوشی آپ کے سارے تحفہ سب وشتم کا حصہ دار آپ ہی کو گردان کر بمصداق ''حق بحق دار رسید'' آپ کی ذہن کشائی کے لیے آپ کو واپس کرتے ہیں۔ لو بیٹھو بسم اللہ کرو اور اپنے سبق کا مطلب سمجھو لیکن ذرا سمجھ بوجھ کر، کیونکہ

میں نہیں وہ کوہ کن جو سر کو ٹکرا کر مروں
آہ گر کر دوں تو بجلی گر پڑے کوہسار پر

واضح ہو کہ معترض کا ایراد ''شاگرد'' سے اور اس کا جواب ''استاذ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، تاکہ ناظرین طرفین کی تحریروں میں آسانی سے امتیاز کر سکیں۔ وها أنا أشرع في الجواب، والله الموفق والمعين للصدق والصواب۔

شاگرد: " حامدا و مصلیا "

استاد:" و مسلما " کیوں چھوڑ دیا؟ کیا ﴿ **وسلموا تسليما** ﴾ کا حکم منسوخ ہے؟

شاگرد: (شعر)۔

أيها السامعون فاستمعوا أيها الغافلون فانتبهوا

استاد:۔

أيها الحاسدون فارتقبوا يوم بطش الإله فانتظروا ❶

شاگرد: کتاب بخاری کے تراجم کی جو پراگندہ حالت ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ الخ

استاد: اہل علم ہو کر کیا کوئی بھی تراجم بخاری کی حالت پراگندہ کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، إلا من سفه نفسه ! یہ تو اہل جہل، بوجہ اس کے کہ ان کو حدیث میں فہم نہیں، ایسا کہہ سکتے ہیں، اس سے تم نے اپنے کو بھی اہل علم 4
میں شامل کرنا چاہا ہے، جس کو ہم تاڑ گئے، لیکن جاہل جاہل ہے اور عالم عالم، دونوں کا اجتماع ناممکن، دونوں کی تفریق لازم، آپ پہلے اپنے علم کی سند پیش کریں، کہاں آپ نے حدیث پڑھی اور کس سے کون کون سے علوم آلیہ پڑھے؟ کس مدرسہ کی سند ہے؟ پھر سوائے اس کے کہ جہل سے آپ کو تراجم پراگندہ معلوم ہوتے ہیں اور کیا ہے؟ سچ ہے۔

وإذا خفيت على الغبي فعاذر أن لا تراني مقلة عمياء ❷

میں بڑے زوروں سے کہتا ہوں کہ بے شک امام بخاری کا تفقہ ترجمہ ابواب سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے سمجھنے کے لیے علم چاہیے، صحیح بخاری کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ ہر ایرے غیرے اس کے نکات کو معلوم کر لیں، امام بخاری ؒ کے اجتہاد کا یہ کمال ہے کہ وہ جس باب کو باندھ کر اس کے ذیل میں حدیث لاتے ہیں، اس میں ایک بیان سے صرف مطابقت ہوتی ہے، نہ پوری حدیث کے مضامین سے، آپ نے شاید مطابقت اس کو سمجھا ہے کہ جو لفظ باب میں ہو وہی لفظ حدیث میں بھی ہو اور پھر ساری حدیث باب کے مطابق ہو، یہ تو پھر کوئی کمال نہیں، اس لئے کہ اس طرح ایک بچے کو مضمون دے کر جواب طلب کرو تو وہ بھی صریح لفظوں میں اس کا جواب مضمون کے مطابق لکھ دے گا، کمال اجتہاد یہ ہے کہ اس طریق پر مناسبت ہو کہ ظاہر نظروں میں خلاف معلوم ہو، ایسے ہی مقاموں کو سرّ ونکتہ

---

❶ اے حاسدو! اللہ کی پکڑ کا انتظار کرو۔

❷ جب میں کند ذہن پر مخفی رہو، تو معذور سمجھنا کہ مجھے اندھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

File ... Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ امام بخاری کا یہ طریق دیکھ کر کس قدر ان کا تبحر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سمندر کی تہہ میں موتی! لیکن یہ اس کو معلوم ہوتا ہے جس کو علم ہو، کتب حدیث اس نے پڑھی ہو، اور جس کی آنکھوں پر جہالت وتعصب کا پردہ پڑ گیا ہے، وہ کیونکر دیکھ سکتا ہے؟ اور کس طرح وہ اس تہہ کو پہنچ سکتا ہے؟ پھر اس میں صحیح جامع بخاری کا کیا قصور؟ ؎

گر نہ بیند برد ز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ❶

شاگرد: بخاری پرستوں!

استاد: خدا کے سوا غیروں کی پرستش کرتے کرتے آپ کو سبھی غیر پرست نظر آنے لگے، بقول: ''المرء يقيس الغير علىٰ نفسه " امام پرستی، پیر پرستی، تعزیہ پرستی، قبر پرستی، ہویٰ پرستی جو کہ آپ کی موروثی عبادت ہے، جس پر آپ اشتہاروں میں بڑا زور دے چکے ہیں، اس کا بخار نکالنے کو اگر بخاری پرست نہ کہیں تو کیا پانچ پرستیوں کے مقابلہ میں ایک پرستی کے الزام دہی سے بھی گئے گزرے؟ لیکن ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔

گو یہ بھی ممکن تھا کہ ہم بھی تم کو ایسے ہی خطاب سنا دیتے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، تاہم اس قدر ضرور کہیں گے کہ ؎ 5

زبان میں بھی رکھتا ہوں گالی نہ دیجئے
میرے منہ سے بھی کچھ سنا کیجئے

شاگرد: ہم دس حدیثیں بخاری مع ان کے تراجم کے لکھتے ہیں (الی قولہ) اور اشتہار دیتے ہیں کہ اگر کوئی بخاری پرست ان حدیثوں اور ان کے تراجم میں تطابق تام دے دے تو اس کو فی حدیث مبلغ دو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ تا آخر

استاد: خیریت سے ابھی تک تو آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مطابقت کس کو کہتے ہیں؟ اور تطبیق تام کیونکر ہوتی ہے؟ اسی وجہ سے آپ نے تطبیق تام کے معنی بتانے میں بڑی غلطی کھائی ہے۔ سنئے اور غور سے سنئے اور خوب یاد رکھئے کہ مطابقت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مطابقت لفظی ۲۔ مطابقت معنوی

آپ نے مطابقت کو صرف مطابقت لفظی ہی سمجھا ہوا ہے کہ جو لفظ و مضمون باب کے ترجمہ میں ہو، وہی لفظ و مضمون حدیث میں ہو، لیکن صحیح بخاری میں ہر دو قسم کی مطابقت ہے، کیونکہ صرف مطابقت لفظی سے کسی کے اجتہاد کا کمال ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پھر سنئے مطابقت معنوی کی کئی قسمیں ہیں، منجملہ ان کے تین زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ مطابقت بطریق خصوص۔ ۲۔ مطابقت بطریق عموم۔ ۳۔ مطابقت بطریق استنباط۔

---

❶ اگر چمگادڑ کی آنکھ والا دن کو نہ دیکھ سکے تو سورج کا کیا گناہ!

ان تینوں میں تیسری مطابقت نہایت مشکل اور قابل غور ہوتی ہے۔ اور اسی سے اجتہاد کا کمال ہوتا ہے، گو امام بخاری نے مطابقت معنوی کی تینوں قسموں کو استعمال کیا ہے، جس سے ان کے اجتہاد کا حد درجہ کامل ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن تیسری مطابقت بالاستنباط کو زیادہ استعمال کیا ہے۔ مطابقت بطریق الاستنباط یہ ہے کہ ظاہر میں مضمونِ حدیث اور ترجمہ باب میں کوئی تعلق معلوم نہ ہو، بلکہ بالکل خلاف معلوم ہو، لیکن اس کے معانی میں ایک مطلب سے اور مفہوم باب سے تعلق ہوتا ہے، جس کے سمجھنے میں بڑے غور و علم کی ضرورت ہے، جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ذلك مما تحيرت فيه الأفهام وزلت فيه الأقدام!

لیکن اس کو جانے آپ کی بلا! سچ ہے ۔

زمانہ میں اگر ہوتا حصول علم بے محنت
تو بس ساری کتابیں ایک جاہل دھو کے پی جاتا

صحیح بخاری کی دس حدیثوں کی مطابقتِ ترجمہ پر اعتراض کا جواب

شاگرد: نمبرا: باب فصل [1] صلوة الفجر في جماعة . یعنی باب جماعت میں نماز فجر کے ثواب کی زیادتی کے بیچ۔

6 ”عن أبي موسىٰ قال النبيﷺ: أعظم الناس أجراً في الصلوة أبعدهم فأبعدهم فيمشي [2] والذي ينتظر الصلوة حتى يصليها مع الإمام أعظم أجرا من الذي يصلي ثم ينام . “

(بخاری، مطبوعہ أحمدی: ۹)

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین آدمیوں کے ازروئے ثواب کے وہ نمازی ہیں، جو دور سے چل کر مسجد میں آتے ہیں اور وہ شخص جو انتظار کرتا ہے، اس امر کے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے وہ بہت زیادہ ثواب میں ہے ایسے شخص سے کہ جو پڑھتا ہے اور سو رہتا ہے۔“

پس دیکھئے کہ باب کو حدیث سے کوئی مناسب نہیں، باب تو نماز فجر کے جماعت میں پڑھنے کی فضیلت کا ہے اور حدیث میں نماز فجر کا پتہ تک نہیں ملتا ہے، بلکہ ”ثم ینام“ کے لفظ سے، جو حدیث میں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عشاء کی نماز کے بارے میں ہے۔

استاد: ع

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

جلی نظر سے گو آپ کو مطابقت معلوم نہیں ہوتی، لیکن دقیق نظر سے صاف مطابقت پائی جاتی ہے، لیکن افسوس کہ جو باریک بین نہیں ہے، اس کو امام کا کیونکر کمال اجتہاد معلوم ہو؟ سنئے! امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں بیان فرمائی ہیں اور ہم نے اوپر مطابقت کی جو تین قسمیں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک ایک قسم کی مصداق ہر فرد حدیث ہے۔

پہلی حدیث جو حدیث ابی ہریرہ ہے، [3] اس سے باب کی مطابقت بطریق خصوص کے ہے، کیونکہ فجر کا لفظ اس میں موجود ہے، یہ اجتہاد کا ادنی درجہ ہے۔ یعنی صریح لفظوں سے تطابق کا۔

دوسری حدیث جو ابو الدرداء سے مروی ہے، اس کی باب سے مطابقت بطریق عموم کے ہے، کیونکہ باب میں

[1] ”فصل“ غلط ہے، ”فضل“ چاہیے۔ (مؤلف)

[2] ”فيمشي“ غلط ہے، حدیث میں ”ممشی“ کا لفظ ہے۔ (مؤلف)

[3] صحيح البخاري، برقم (٦٢١)

"في جماعة " کی قید بھی ہے اور اس دوسری حدیث میں " یصلون جمیعاً "کا لفظ جس سے جمیع و جماعت کی مطابقت بالتصریح ہے اور اس میں نماز فجر بطریق عموم کے داخل ہے، یہ اجتہاد کا اوسط درجہ ہے۔ ❶

تیسری حدیث ابوموسیٰ والی جس پر آپ کا اعتراض ہے (حالانکہ اسی حدیث سے اجتہاد کا درجہ کمال ثابت ہوتا ہے) اس کی مطابقت باب سے بطریق استنباط ہے، اور یہ وہی ہے جس کو آپ نے نہیں سمجھا (اور نہ آپ ایسے سمجھ سکتے ہیں!) غور سے سنئے! وہ استنباط یوں ہے کہ لفظ حدیث "فأبعدهم ممشى " سے اجر کی زیادتی وجود مشقت بالمشی الی الصلوۃ پر ہے اور ظاہر ہے کہ نماز فجر میں بہ نسبت اور نمازوں کے اشد مشقت وسخت دشواری بیداری از نوم ومشی الی المسجد برائے نماز جماعت کے ہوتی ہے، جیسا کہ ایک ایشیا کے بڑے تجربہ کار نے فرمایا ہے۔

7 خواب نوشیں با مداد رحیل
باز دارد پیادہ را ز سبیل ❷

پس حدیث کے مفہوم اور باب کے مصداق میں کھلی مطابقت ہے، اور یہ تطابق استنباطی ہے اور اجتہاد کا درجہ اعلیٰ ہے، جس کا وجود مسعود محدثین کی دیگر کتب حدیث میں مفقود ہے، یہ رتبہ خاص صحیح بخاری کو حاصل ہے لیکن آپ کو کیا؟ سچ ہے۔

کس طرح وہ مست ہوں سن کر بخاری کی حدیث
راگ سے ان کو بخارِ حال آنا چاہیے

شاگرد: نمبر۲۔ باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم. کیا اس شخص پر جو نماز جمعہ میں حاضر نہ ہو غسل ہے؟ یعنی عورتوں اور لڑکوں وغیرہ پر۔

حدیث: عن ابن عمر قال: كانت امرأة لعمر تشهد صلوة الصبح والعشاء في الجماعة في المسجد، فقيل لها: لم تخرجين وقد تعلمين أن عمر يكره ذلك ويغار؟ قالت: وما يمنعه أن ينهاني؟ قال: يمنعه قول رسول الله: لا تمنعوا إماء الله مساجد الله." (بخاری مطبوعہ أحمدی: ۱۲۳)

''ابن عمر ♦ سے روایت ہے، ابن عمر نے کہا کہ حضرت عمر ♦ کی بیوی صبح اور عشاء کی جماعت میں مسجد میں حاضر ہوتی تھیں، ان کو لوگوں نے کہا کہ تم کیوں نکلتی ہو؟ حالانکہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت عمر ♦ اس بات کو ناپسند اور غیرت معلوم کرتے ہیں، تو حضرت عمر ♦ کی بیوی نے جواب دیا کہ پھر حضرت عمر ♦ کو مجھ کو باز رکھنے سے کس چیز نے روکا؟ تو ابن عمر ♦ نے کہا کہ ان کو رسول اللہ ♏ کے اس حکم نے روکا کہ عورتوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت منع کرو۔''

---

❶ صحيح البخاري، برقم (٦٢٢)

❷ کوچ کی صبح میٹھی نیند مسافر کے سفر سے روک دیتی ہے۔

پس یہ باب اور اس کی حدیث صریح بے تعلق ہے۔کسواسطے ❶ کہ باب میں عورتوں اور لڑکیوں وغیرہ کے جمعہ کے دن غسل کا بیان ہے اور حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر ♦ کی بیوی صبح وعشاء کی نماز کی جماعت میں شامل ہونے کے واسطے مسجد جایا کرتی تھیں۔

استاد: مطابقت یوں نہیں دیکھی جاتی، نہ اس طور سے سمجھ میں آ سکتی ہے، صحیح بخاری کوئی معمولی کتاب نہیں ہے کہ بغیر کسی کامل استاد کے پڑھے سمجھ میں آ جائے، اول وآخر کو ملا کر دیکھئے اور نظر دقیق کو استعمال میں لائیں تو یہ عقدہ حل ہوسکتا ہے۔ سنئے اور غور سے سنئے! امام بخاری ؒ اس باب کے تحت پانچ روایتیں لائے ہیں، پہلی تین روایتوں میں مطابقت بطریق خصوص و بطریق عموم کا لحاظ ہے، جن میں غسل کے متعلق باب وحدیث سے صریح تطابق ہے، باقی
8 دو پچھلی روایتوں میں باب سے مطابقت بطریق استنباط ہے۔امام بخاری ؒ نے کس لطف سے استنباط کیا ہے کہ اس کے بیان کے لیے میرے پاس زبان نہیں ہے، قربان ہو جاؤں ایسی کتاب بے مثل اور ایسے امام بے مثیل پر! امام علیہ الرحمۃ اثر ابن عمر سے یہ بتلاتے ہیں کہ اس سے عورتوں کے حضور جماعت کی اجازت آنحضرت ﷺ سے رات میں ثابت ہوتی ہے نہ دن میں (جیسا کہ ابن عمر کی پہلی مختصر روایت مقید بقید ''لیل'' ہے اور دوسری مطلق جو محمول ہے اسی مقید پر) اور نماز جمعہ چونکہ دن کو ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت ان کو حضور مسجد کی اجازت نہیں ہے اور جب ان پر جمعہ نہیں تو غسل بھی نہیں ہے۔ وهو المراد!

اللہ اکبر! کیسا کمال کا اجتہاد ہے اور کیسے بلند درجہ کا استنباط اور باب سے کیسی صاف مطابقت ہے؟ لیکن اس کی قدر ایرے غیرے کیا جانیں؟ ع

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری ❷

شاگرد: نمبر۳: باب خير مال المسلم غنم يتبع بها شغف ❸ الجبال. بہتر مال مسلمانوں کا بکری کی گھیڑ ہے، جس کے ساتھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر لگا ہے۔

حدیث: عن أبي هريرة ❹ رضي الله عنه أن النبيﷺ قال: إذا سمعتم صياح الديكة فاسئلوا الله من فضله، فإنها رأت ملكا، وإذا سمعتم نهيق الحمار، فتعوذوا بالله من الشيطان، فإنه رأى شيطانا. (بخاری مطبوعہ أحمدى: ٤٦٦)

---

❶ یہ کہاں کی جناتی اردو ہے؟! (مؤلف)

❷ موتی کی قدر بادشاہ جانے یا جوہری!

❸ ''شغف'' غلط ہے ''شعف'' صحیح ہے۔(مؤلف)

❹ ''هريرة'' منصرف ہے ''أبی هريرةٍ'' پڑھیے۔(مؤلف)

''حضرت ابوہریرہ ♦ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ♏ نے فرمایا کہ جب مرغ بانگ دے تو اس وقت اللہ سے اس کی مہربانی کے خواستگار ہو، کیونکہ اس مرغ نے فرشتہ کو دیکھا ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو بذریعہ اللہ کے شیطان سے پناہ مانگو، کیونکہ اس گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے۔''

پس دیکھو کہ باب اوراس کے ذیل کی حدیث میں کوئی مناسبت نہیں ، ادھرعنوان باب کچھ اورالاپ رہا ہے اور ادھر حدیث کچھ اور گا رہی ہے، کس واسطے کہ باب تو بتا رہا ہے کہ بہتر مال بکری کی گھیڑ ہے کہ جس کے ساتھ پہاڑ پر لگا رہے اور حدیث کا یہ مضمون ہے کہ مرغ جب فرشتہ کو دیکھتا ہے تو بولتا ہے اور گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو چیختا ہے، ہاں البتہ اگر بخاری پرست یہ مناسبت پیدا کریں کہ چونکہ بکری اور مرغ اور گدھا سب جانور ہیں، اس واسطے ایک جانور کا ذکر باب میں اور دو جانور کا حدیث میں تو شاید باب اور مبوب میں کچھ مناسبت پیدا ہوجائے تو عجب نہیں۔

استاد: ایسی مناسبت پیدا کرنا تو تم جیسے...... پرستوں کا کام ہے، ہم ایسی گندی مناسبت نہیں بتلاتے، بلکہ
9 ہم نہایت صحیح مطابقت جو اصل اور سچ ہے جس سے امام کا کمال در اجتہاد ظاہر ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں،اسی دقیق النظر عینک لگاؤ اورغور سے دیکھو اور سنو! امام بخاری ♋ نے باب میں ایام فتنہ میں پہاڑ کی چوٹی پر مابین اہل غنم خیر ہونے کا ذکر کیا ہے،اور حدیث صياح الديك ونهيق الحمار سے اس طرف اشارہ ہے کہ مابین اہالی دیک وحمار کا سکونت پذیر ہونا (یعنی شہر کے محلوں میں رہنا) منع نہیں ہے،لیکن خیریت اہالی غنم میں شعف الجبال پر اقامت کرنے میں ہے، کیونکہ یہ باب بھی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔

علاوہ بریں یہ باب کتاب '' بدء الخلق '' میں واقع ہے، جس سے امام بخاری ♋ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایسے مواشی جن سے انسانی حوائج رفع ہو سکتے ہیں، منجملہ ان کے غنم بدرجہا افضل ہے، اور وجہ فضیلت یہ بتلائی کہ ایام فتنہ میں جز غنم کے اور کوئی جانور ایسا نہیں ہے کہ انسان دنیا سے یکسو ہوکر پہاڑ کی چوٹی پر بسر کرے ، گو اونٹ اور گدھے اور مرغ وغیرہ مواشی بھی رفع حوائج انسانی ہی کے لیے ہیں،لیکن ان سے چوٹی پہاڑ پر وہ حاجت انسانی رفع نہیں ہوسکتی، جو غنم سے ممکن ہے، کیونکہ لبن غنم اکل وشرب دونوں کے بدلے میں کافی وافی ہے، پس اس نکتہ کو بتلانے کے لیے امام نے باب منعقد کر کے یہ حدیث بیان کی ہے، جس سے ان کے اجتہاد کا کمال معلوم ہوتا ہے اور یہ مطابقت وہی بطریق استنباط ہے، جس استنباط پر حدیث و باب میں بین مطابقت ہے،لیکن تم کو یہ کیونکر معلوم ہو؟

آہ! ہم سے صحیح بخاری کی قدر پوچھو، کیا تم نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں؟ بقول۔

پیروی کیوں نہ ہو سنت کی پسند اے مسلم
ہم بخاری کی خبر ورد زبان رکھتے ہیں

شاگرد: نمبر۴: باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين وكذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى . **باب اس امر کے بیان میں کہ جب کسی کی نماز عید فوت ہوجائے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے اور اسی طرح عورتیں اور وہ لوگ جو گھروں اور دیہات میں ہیں، دو رکعت پڑھیں۔**

حدیث: ”عن عائشة أن أبابكر دخل عليها وعندها جاريتان في أيام منى تدففان وتضربان، والنبي متغش بثوبه، فانتهرهما أبوبكر فكشف النبي عن وجهه فقال: دعهما أبابكر فإنها أيام عيد، وتلك الأيام أيام منىٰ." (بخاری مطبوعہ احمدی: ۱۳۵)

” روایت ہے حضرت عائشہ ؓ سے کہ عید کے روز حضرت ابوبکر میرے گھر میں آئے اور اس وقت دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے، پس ابوبکر نے ان لڑکیوں کو منع کیا، اس پر آنحضرت نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر فرمایا کہ اے ابوبکر ان لڑکیوں کو کچھ مت کہو، کس واسطے کہ یہ عید کا دن ہے۔“ 10

پس حدیث اور باب سے کوئی تعلق نہیں، باب اس امر کا ہے کہ کسی سے عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، اور باب[1] میں حضرت عائشہ کے گھر میں دو لڑکیوں کے دف بجانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پس نفل کی نماز گھر پر پڑھنی اور دو لڑکیوں کے دف بجانے میں کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں۔

استاد: ان دونوں میں لگاؤ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ یوم عید عورتوں کے لیے بھی عید ہے یا نہیں؟ پس سنئے! امام بخاری ؒ نے باب اداء قضاء نماز یوم عید کا منعقد کیا ہے اور حدیث میں بالتصریح ”أيام عيد “ کا لفظ موجود ہے، جس سے علاوہ صاف لفظی مطابقت ہونے کے مقصود یہ ہے کہ لفظ ”أيام“ حدیث میں مرد و عورت ہر ایک کو بغیر کسی کی خصوصیت کے شامل ہے، لہٰذا وہ محل ادا ہوگیا اور جب ادا کا محل ہونا ثابت ہے تو امام کے ساتھ نماز عید نہ پڑھنے والا ایام منی میں بھی نماز ادا کرسکتا ہے اور وہ وہی دو رکعت ہے جس کو باب میں بتلایا۔ پس یہ بھی وہی اعلیٰ درجہ کی مطابقت بطریق استنباط ہے، جس سے امام کا کمال فی الحدیث و غایت رفعت فی الاجتہاد ثابت ہوا، جس کی قدر تم ہرگز نہیں کرسکتے، بمصداق۔ ع۔

چہ داند بوزنہ لذات ادرک [2]

ع۔

چہ روغن یاسمیں سر موشک کور [3]

---

[1] باب میں یا حدیث میں ہے؟! (مؤلف)

[2] بندر کیا جانے ادرک کا سواد؟

[3] چھچھوندر کے سر کو روغن یاسمین کا کیا فائدہ؟

شاگرد: نمبر۵: باب بيع المدبر . یعنی یہ باب ہے مدبر کے بیع کا۔

حدیث: حدثنا [1] زهير بن حرب حدثنا يعقوب حدثنا أبي عن صالح قال حدث ابن شهاب أن عبيدالله أجره [2] أن زيد بن خالد وأبا هريرة [3] رضي الله عنهم أجراهٗ [4] أنهما سمعا رسول الله يسأل عن الأمة تزني، ولم تحصن، قال: اجلدوها، ثم إن زنت فاجلدوها، ثم بيعوها بعد الثلاثة أو الرابعة." (بخاری مطبوعہ احمدی: ۲۹۷)

''رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ غیر محصنہ لونڈی اگر زنا کرے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ آپ نے ارشادفرمایا کوڑا مارو، پھر اگر زنا میں مرتکب ہوتو کوڑا مارو، پھر تیسرے یا چوتھے بار اگر زنا میں مرتکب ہوجائے تو اسے بیچ ڈالو۔''

پس باب اور حدیث محض بے تعلق ہے۔کسواسطے کہ باب تو مطلق مدبر کے بیع کا باندھا گیا ہے اور حدیث جواس میں دی گئی ہے، اس میں زانیہ لونڈی کے بیع کا حکم ہے۔

استاد: افسوس جب آپ نے اس قدر موٹی بات کونہیں سمجھا اور ظاہر مطابقت کو (جو کہ مطابقت بطریق
11 العموم ہے) نہیں سمجھ سکے تو باریک نکات اور مطابقت بطریق الاستنباط کو کیا سمجھیں گے؟

اے جناب! لفظ ''امۃ'' عام ہے، مدبرہ وغیر مدبرہ سب کو شامل ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ حکم عام مستلزم حکم خاص کو ہوتا ہے۔ پس جب کہ حدیث سے لونڈی کے بیع کا حکم عموماً ثابت ہے، گو بوجہ زنا سہی تو بیع مدبرہ کا حکم بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا، اور چونکہ مدبرہ و مدبر کا حکم اس امر میں ایک ہی ہے، لہٰذا باب بیع مدبر سے اور حدیث سے مطابقت بالکل صاف مثل شمس نیمروز ثابت ہے، گو بوجہ تعصب وعداوت کے آپ نہ دیکھ سکیں۔ پھر ہمیں کیا؟ ؎

شقی ازلی ہی رکھتا ہے بخاری سے عداوت بس
احادیث نبی سے فیض اٹھائے جس کا جی چاہے

شاگرد: نمبر۶: باب طول القيام في صلوة الليل. یہ باب ہے بیان میں درازی قیام کے رات کی نماز میں۔''

حدیث: ''عن حذيفة أن النبي ﷺ كان إذا قام التهجد [5] في الليل يشوص فاه بالسواك."

(بخاری مطبوعہ احمدی: ۱۵۳)

---

[1] یہاں پوری سند کیوں نقل کی ہے؟ (مؤلف)

[2] ''أجره'' غلط ہے صحیح ''أخبره'' ہے۔ (مؤلف)

[3] یہاں بھی أبا هريرة بالجر منصرف یاد رکھنا۔ (مؤلف)

[4] ''أجراه'' بھی غلط ہے صحیح ''أخبراه'' ہے۔ (مؤلف)

[5] التهجد غلط ہے، صحیح للتهجد ہے۔ (مؤلف)

’’حذیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز تہجد پڑھنے کا ارادہ کرتے تھے، تو صاف کر لیتے تھے اپنے منہ کو مسواک سے۔‘‘

پس اس حدیث کو باب سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں۔ کس واسطے کہ باب میں رات کی نماز کی درازی قیام کا بیان ہے اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے مسواک کرنے کا بیان ہے۔

استاد: گو لفظ ’’قیام‘‘ درباب اور ’’قام‘‘ درحدیث سے لفظی مطابقت ظاہر ہے، اس کے علاوہ اصل وجہ طول قیام کے باب میں حدیث سواک ذکر کرنے کی یہ ہے کہ سواک چونکہ ازالۂ نوم کی معین ہے، لہٰذا یہ تیاری خود طول قیام پر بیّن دال ہے، کیونکہ عرف میں رواج یہی ہے۔

علاوہ بریں یہ روایت حذیفہ کی مختصر ہے، حدیث طولانی حذیفہ کی جس کو عینی حنفی نے نقل کر دیا ہے، وہ یہ کہ حذیفہ کہتے ہیں، جس رات کو میں نے تہجد کے لئے آپ کو مسواک دیا، آنحضرت ﷺ نے اس رات میں سورۂ بقرہ پڑھی تھی، [1] جو بالتصریح طول قیام پر دال ہے، یہ تو ہم نے تمہاری تشفی کے لیے دوسری طولانی حدیث کا حوالہ دیا ہے، ورنہ ہماری نظر میں تو خود اسی بخاری کی حدیث سے طول قیام آنحضرت کے تہیأ سواک سے ثابت ہے۔ اسی وجہ سے جو قدر صحیح بخاری کی میری نظر میں ہے، تمہیں (بوجہ کم علمی کے) نہیں ہوسکتی. کیونکہ۔ ع

قدر گل بلبل بداند یا بداند عنبری

شاگرد: نمبر۷: باب الصدقة قبل العيد . یعنی یہ باب ہے صدقہ دینے کا عید کے قبل۔

12 حدیث: ’’عن أبي سعيد الخذري قال: كنا نخرج في عهد النبيﷺ الفطر صاعاً من طعام، قال أبو سعيد: وكان طعامنا الشعير والزبيب والأقط والتمر.‘‘ (بخاری مطبوعه أحمدی: ۲۰۴)

’’یعنی ابوسعید خذری ♦ [2] سے روایت ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں عید کے دن ہم ایک صاع طعام سے نکالتے تھے اور طعام ہمارا جو اور انگور اور اقط [3] اور کھجور سے تھا۔‘‘

پس باب اور حدیث میں کسی قسم کا تعلق نہیں ہے باب تو عید کے قبل صدقہ دینے کا باندھا گیا ہے اور حدیث میں قبل کا بالکل ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلق صدقہ دینے کا بیان ہے خواہ قبل ہو خواہ بعد!

استاد: نہیں جناب! یہ آپ کی غلط فہمی ہے، فطر حقیقت نماز عید کے قبل ہی کو کہتے ہیں اور مابعد کو مجازاً، لہٰذا لفظ ’’فطر‘‘ حدیث میں خود قبلیت عید پر بالتصریح دال ہے۔ کہئے اس سے بھی بڑھ کر کوئی صاف مطابقت ہوسکتی ہے؟

---

[1] دیکھیں: صحیح مسلم، برقم (۷۷۶) عمدة القاري (۷/۱۸۵)

[2] خذری غلط ہے، صحیح خدری ہے۔ (مؤلف)

[3] کیا ’’اقط‘‘ کا ترجمہ نہیں آیا؟ (مؤلف)

لیکن آپ نے قلت علمی سے اسے نہیں سمجھا۔

اے جناب! ضد وعداوت سے توبہ کر کے صحیح بخاری ہی کو اپنی رہبر سمجھئے، کیونکہ ؎

کتاب اللہ کے بعد از بخاری اپنی رہبر ہے
بچے خواری سے وہ رہبر بنائے جس کا جی چاہے

شاگرد: نمبر۸: باب التعوذ من عذاب القبر . یعنی یہ باب ہے عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا۔

حدیث: عن أيوب رضي الله عنه قال: خرج النبي ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال: يهود تعذب في قبرها. (بخاری، مطبوعه أحمدی: ۱۸٤)

"یعنی حضرت ایوب ♦ سے روایت ہے کہ نکلے رسول اللہ ﷺ اور حال یہ کہ آفتاب غروب ہوگیا تھا، پس سنا آپ نے ایک آواز، اس پر فرمایا آپ نے کہ ایک یہود ہے کہ جس پر قبر میں عذاب ہورہا ہے۔"

پس باب اور اس کی حدیث میں کوئی تعلق نہیں، باب تو عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا ہے اور حدیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں، بلکہ حدیث میں صرف ایک یہودی پر قبر میں عذاب ہونے کا بیان ہے۔

استاد: اجی حضرت! آنحضرت ﷺ کا طرزِ کلام خود آپ سے صدور تعوذ پر دال ہے، اس لئے کہ رؤیتِ بلا وسمعِ عذاب تعوذ کو مستلزم ہے اور آنحضرت ﷺ کا تعوذ عذاب قبر سے ثابت ہے۔ پس اس مقام پر بھی آپ کا تعوذ ضرور ثابت ہے، گو راوی نے اس سے سکوت کیا ہے کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ " السكوت في معرض البيان بيان "یعنی
13 تصریح کی جگہ خاموشی خود بیان ہے، لہٰذا حدیث کے مفاد اور باب کے مفہوم سے بیّن مطابقت ہے اور یہ تطابق بطریق استنباط ہے، جس سے امام کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ کہئے! آپ نے ایسی کھلی اور موٹی بات کو بھی سمجھا یا نہیں؟ ؎

جو اس پر بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

شاگرد: نمبر۹: باب الصلوة في القميص والسراويل والتبان والقباء . یعنی یہ باب ہے نماز کے جائز ہونے میں پیراہن اور سلی ❶ ہوئی چادر ❷ اور چھوٹی چادر اور قبا ❸ میں۔

(بخاری مطبوعه احمدی: ٥٢)

حدیث: عن ابن عمر قال سأل رجل عن رسول اللهﷺ قال: ما يلبس المحرم؟ فقال: لا يلبس القميص ولا السراويل ولا البرنس ولا ثوبا مسه زعفران ولا ورس، فمن لم يجد

---

❶ سراویل سلی چادر کو نہیں کہتے بلکہ شلوار یعنی سوتھن (پائجامہ) کو کہتے ہیں، ملاحظہ ہو منتخب وکشوری۔ (مؤلف)

❷ تبان چھوٹی چادر کو نہیں کہتے بلکہ چھوٹے پائجامہ کو کہتے ہیں۔ (مؤلف)

❸ قبا کا ترجمہ نہیں کر دیا؟ پیچھے کیے ہوئے جُبّہ (کوٹ) کو کہتے ہیں۔ (مؤلف)

النعلين فليلبس الخفين، وليقطعهما حتى يكونا من[1] الكعبين .

''یعنی ابن عمر نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جس شخص نے احرام باندھا ہو وہ کیا پہنے؟ فرمایا آنحضرت نے کہ نہ پہنے پیراہن اور نہ چادر اور نہ لمبی کلاہ[2] اور نہ زعفران اور ورس کا رنگا ہوا کپڑا اور جو شخص نہ پائے جوتا، پس پہنے موزے اور کاٹ ڈالے دونوں موزوں کو تاکہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہوجائیں۔

پس حدیث اور اس کے باب میں کوئی مناسبت نہیں۔ باب تو اس امر کا باندھا گیا ہے کہ پیراہن اور سلی ہوئی چادر اور چھوٹی چادر اور قبا پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہے، اور حدیث کا یہ مضمون ہے کہ جس نے احرام باندھا ہو، وہ پیراہن اور سلی ہوئی چادر اور لمبی کلاہ اور زعفران اور ورس کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔

استاد: مطابقت تو بہت صاف ہے، لیکن ''ذی مقلة عمیاء''کو تعلق کیونکر معلوم ہو؟ آیئے ہم آپ کو بتائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے منعقد باب کے تحت دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں، پہلے سے جو از صلوة فی القمیص والسراویل وغیرہ کے بابت صریح استنباط ہے، لہٰذا اس سے مطابقت ظاہر ہے۔ دوسری حدیث (جس پر آپ کا اعتراض ہے) اس سے بتلایا ہے کہ نہی لبس سراویل وغیرہ کے جواز کی بقید احرام ہے، اور نہی مقید اسی تقیید خاص کے ساتھ محصور ہوتی ہے، لہٰذا لبس سراویل وغیرہ کی ممانعت صرف حالت احرام میں ثابت ہوئی۔ پس حدیث منقولہ سے
صرف محرم کے لیے ان لباسوں کا عدم جواز ثابت ہوا نہ غیر محرم کے لیے (بطور مفہوم مخالف کے) لہٰذا نماز غیر محرم کی 14
ان کپڑوں میں یقیناً جائز ہوگی، کیونکہ نہی عباد کے فعل اختیاری پر ممانعت کا نام ہے بخلاف نفی کے، اور نہی میں وجود شئے قبل منہی عنہ ہوتا ہے، جس کو یہاں جواز سے تعبیر کیا گیا، لہٰذا باب سے حدیث کی ان کپڑوں میں نماز جائز ہونے کی نہایت صاف مطابقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب آپ کو بخاری کے نام ہی سے چڑھ ہے تو مطابقت کیونکر معلوم ہو؟ آہ! ضد و عداوت تیرا ستیاناس ہو۔

بخار آتا ہے منکر کو تو بس نام بخاری سے
بخاری کے حسد سے خار کھائے جس کا جی چاہے

شاگرد: نمبر۱۰: باب ما يستخرج من البحر . یعنی یہ باب ہے بیان میں حکم اس شئے کے جو دریا سے نکلتی ہے۔ آیا اس میں زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

حدیث: عن أبي هريرة عن النبيﷺ أن رجلا من بني إسرائيل سأل بعض بني إسرائيل أن يسلفه ألف دينار، فدفعها إليه، فخرج في البحر فلم يجد مركبا، فأخذ خشبة

---

[1] ''أسفل'' کا لفظ یہاں ہضم کر گئے؟ اصل عبارت یوں ہے: ''يكونا أسفل من الكعبين'' (مؤلف)

[2] برنس کے معنی وہ پوشاک مثل جیدر کوٹ رفیع جس میں ٹوپی سر ڈھانکے لگی ہوئی ہو علیحدہ نہ ہو جیسے پولیس مینوں کی کوٹ ٹوپی دار۔(مؤلف)

فنقرها فأدخل فيها ألف دينار فرمىٰ بها في البحر، فخرج الرجل الذي كان أسلفه، فإذا بخشبة فأخذها لأهله حطبا... فذكر الحديث: فلما نشرها وجد المال."

(بخاري مطبوعه أحمدي: ٢٠٣ ، كتاب الزكاة)

''یعنی رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک بنی اسرائیل نے دوسرے بنی اسرائیل سے ہزار دینار قرض لیا، اور قرض لے کر دریا میں نکلا اور بعد ہوجانے کام کے واپس آیا اور یہ چاہا کہ دائن کو اشرفی ادا کر دے مگر اس کو کوئی کشتی نہ ملی کہ دائن کے پاس جائے، تب اس نے ایک لکڑی لے کر اس میں سوراخ کیا اور وہ اشرفی سب (مع ایک خط کے) اس میں رکھ کر اس لکڑی کو دریا میں ڈال دیا اور اللہ سے یہ دعا کی کہ وہ اس لکڑی کو دائن کے پاس پہنچائے، بعد اس کے ایک روز دائن دریا کی طرف نکلا، اتفاقاً اس کو ایک لکڑی ملی اور اس نے اس کو اٹھا لیا اور مکان پر واسطے جلانے کے لایا اور اس کو چیرا تو اس میں اس نے وہ ہزار اشرفی (مع خط مدیون کے) پایا (بعد اس کے جب دونوں سے ملاقات ہوئی تو مدیون نے کہا کہ ہم نے وہ ہزار اشرفی ایک لکڑی میں رکھ کر دریا میں ڈال دی تھی، دائن نے کہا کہ وہ اشرفی مع خط ہم کو مل گئی)

15 پس دیکھئے کہ باب کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ کسواسطے کہ باب تو اس امر کا ہے کہ جو چیز دریا میں ہوتی ہے اس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اسی واسطے اس باب کے نیچے عنبر اور لوء لوء کے زکوۃ کے متعلق قول حسن اور ابن عباس ♦ کا بیان کیا گیا ہے اور حدیث کا یہ مضمون ہے کہ ایک شخص نے ایک لکڑی دریا کے کنارہ پر پایا کہ جس میں اس کی وہ ہزار اشرفی تھی کہ جس کو اس نے ایک شخص کو قرض دیا تھا، یعنی اپنا قرضہ وصول پایا، اور ظاہر ہے کہ ایسے واقعہ کو زکوۃ کے مسئلہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

استاد: ایسا نہ کہیے! اس واقعہ کو خاص کر زکوۃ سے بہت بڑا تعلق ہے، گھبرائیے نہیں، ہم آپ کو بتلا اور سمجھا دیتے ہیں، قبل اس کے ہم ایک ضروری بات بغیر کہے نہیں رہ سکتے، وہ یہ کہ بحمداللہ یہاں آپ اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ بخاری میں بہت سے اذیال باب کو ان کے ترجمہ باب سے تعلق اور مطابقت ہے، چنانچہ آپ کے عنبر اور لوء لوء والے بیان سے ثابت ہے کہ اس کی مطابقت آپ کو اس کے باب سے تسلیم ہے۔ پس آپ کی اگلی عبارت کہ ''بخاری میں ایسے مہملات اور خرافات ابواب کی کچھ کمی نہیں''، محض غلطی اور آپ ہی کے قول سے آپ کا جھوٹ ثابت ہوا، اور آپ کی ضد و عداوت کا عقدہ یہاں حل ہوگیا اور مثل مشہور ''الكذوب قد يصدق ''کا سچ ہونا ثابت ہوگیا۔ اسی کو کہتے ہیں:'' الحق يعلو ولا يعلى '' دیکھئے یہ بھی صحیح بخاری کے جامع اور بے مثل اور اصح ہونے کا اثر ہے۔ آخر کیوں نہ ہو۔

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

کہتا ہے کون نالۂ بلبل ہے بے اثر
پردہ میں گل کے لا کہ جگر پاش ہوگئے

اب سنئے اس حدیث کی اس کے باب سے مطابقت اور اپنے اعتراض کا جواب اور بہت ہی مختصر الفاظ میں! امام بخاری ﷫ نے اس حدیث سے یہ بتلایا ہے کہ لکڑی وغیرہ خسیس اشیاء بہتی ہوئی چونکہ ملکِ مالک سے منقطع ہوجاتی ہیں لہٰذا اس کا لے لینا جائز ہے، اس لئے اس میں زکوۃ (خمس) نہیں۔

کہئے! کیسی صاف مطابقت ہے؟ لیکن اس کو سمجھے کون؟ اے جناب! تعصب کی پٹی آنکھوں سے اٹھایئے، ضد و عداوت سے باز آیئے، صحیح بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر ایمان لایئے، ورنہ سن لیجئے کہ ؎

16 کرے حملہ بخاری پر بہت الحاد سے بدعی
نکل کر دین سے بے دیں کہائے جس کا جی چاہے

للہ الحمد کہ ایک روز کی محنت میں آپ کے اشتہار کا جواب بغیر کسی قسم کی مشقت کے آناً فاناً تیار ہوگیا اور آپ نے جس کو عقدہ لاینحل تصور فرمایا تھا، بات کی بات میں حل ہوگیا۔ اب آپ اپنے بیس روپیہ انعام کو بجائے مجیب کو دینے کے اپنے دماغ کے علاج میں صرف کر کے اپنے کو تندرست بنائیں، ورنہ عداوت کا گھن اندر ہی اندر آپ کا کام تمام کر دے گا اور آپ کو خبر بھی نہ ہوگی۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال [1]

والحمد لله أولاً وآخراً وظاهراً وباطناً، وبنعمته تتم الصالحات الباقيات، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه ورسوله محمد وعلىٰ آله وأزواجه وذرياته وأهل بيته وجميع أصحابه وسائر أتباعه أجمعين إلى يوم الدين، آمين ثم آمين .

---

[1] میں تو شرط لاج تم سے کہتا ہوں، تو خواہ میری بات سے نصیحت پکڑ یا ملال!

اشعار در مدح جامع صحیح بخاری شریف از سعد بنارسی

بخاری بعد تنزیل سماوی کتنی پیاری ہے
جو اس پر دل تصدیق ہے تو اس پر جان واری ہے

وہ اعداء نبی ہیں جو اس سے خار کھاتے ہیں
بخاری گلشن احمد کی اک شاداب کیاری ہے

سلف سے آج تک مانا ہے سب نے اس کی یکتائی
یہ اجماع بزرگاں اک بڑی حجت جاری ہے

یہ مجموعہ احادیث شفیع المذنبین کا ہے
مسلمان ہو کے اس سے بغض جو رکھے وہ ناری ہے

صحاح ستہ ہیں اطراف ستہ عالم دین کے
اور ان میں فوق رتبہ حصۂ جامع بخاری ہے

صحاح ستہ و قرآن ہیں گویا سات سیارے
کلام حق ہے خورشید اور مہ تاباں بخاری ہے

سلف اس کی صحت کے یوں ہیں ہیں قائل یک زباں ہو کر
کتابوں میں اصح سب سے پس فرقان باری ہے

زیادہ مدح کی اس کے تجھے اے سعد حاجت کیا؟
زبان پر خلق کے ہر دم ثنا جب اس کی جاری ہے

المرقوم ۲۵ رجب المرجب ۱۳۲۸ھ یوم سہ شنبہ

فہارس

☆ فہرست آیات

☆ فہرست احادیث

☆ فہرست رواۃ الحدیث

☆ فہرست موضوعات

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

فهرس الآيات

﴿سورة البقرة﴾

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ [آیت:۱۰] (ص: ۸۴۷)

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ﴾ [آیت: ۲۴] (ص: ۱۹۵، ۷۵۵)

﴿كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ [آیت: ۶۵] (ص: ۳۱۲، ۳۱۸)

﴿فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ﴾ [آیت: ۸۰] (ص: ۸۷۵)

﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آیت: ۱۱۱] (ص: ۱۶۸)

﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾ [آیت: ۱۶۳] (ص: ۸۷۳)

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ [آیت: ۱۸۴] (ص: ۳۳۳)

﴿فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [آیت: ۱۸۶] (ص: ۸۷۵)

﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ﴾ [آیت: ۱۸۷] (ص: ۳۷۴)

﴿وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ [آیت: ۲۲۵] (ص: ۳۷۳)

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ [آیت: ۲۵۳] (ص: ۹۰۹)

﴿آل عمران﴾

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ [آیت: ۹] (ص: ۸۷۵)

﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [آیت: ۳۶] (ص: ۳۸۴)

﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ [آیت: ۵۵] (ص: ۳۰۷)

﴿النساء﴾

﴿مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [آیت: ۲۵] (ص: ۴۱۱، ۸۵۳)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ﴾ [آیت: ۴۳] (ص: ۷۴۲)

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ [آیت: ۸۷] (ص: ۸۷۵)

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ﴾ [آیت: ۹۳] (ص: ۳۷۲)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

﴿ألم تكن أرض الله واسعة﴾ [آیت: ۹۷] (ص: ۳۳۱)

﴿ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى﴾ [آیت: ۱۱۵] (ص: ۴۲۸)

﴿ومن أصدق من الله قيلا﴾ [آیت: ۱۲۲] (ص: ۸۷۵)

﴿يأيها الذين آمنوا آمنوا بالله ورسوله﴾ [آیت: ۱۳۶] (ص: ۲۶۵)

﴿المائدہ﴾

﴿فاغسلوا وجوهكم وأيديكم﴾ [آیت: ۶] (ص: ۹۰۷)

﴿فطوعت له نفسه قتل أخيه فقتله فأصبح من الخاسرين﴾ [آیت: ۳۱] (ص: ۱۲۹)

﴿أو ينفوا من الأرض﴾ [آیت: ۳۳] (ص: ۳۳۱)

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾ [آیت: ۵۴] (ص: ۱۳۳، ۲۱۹)

﴿الأنعام﴾

﴿قل من ينجيكم من ظلمات البر والبحر﴾ [آیت: ۲۳] (ص: ۷۹۸)

﴿فأخذناهم بالبأساء والضراء لعلهم يتضرعون﴾ [آیت: ۴۲، ۴۳] (ص: ۷۹۹)

﴿فقطع دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين﴾ [آیت: ۴۵] (ص: ۲۲۴)

﴿وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل﴾ [آیت: ۱۵۳] (ص: ۸۴۸)

﴿الأعراف﴾

﴿اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء﴾ [آیت: ۳] (ص: ۸۴۸)

﴿حتى يلج الجمل في سم الخياط﴾ [آیت: ۴۰] (ص: ۹۱۴)

﴿حتى يلج الجمل في سم الخياط﴾ [آیت: ۴۳] (ص: ۸۷۶)

﴿أو عجبتم أن جاءكم ذكر من ربكم على رجل منكم﴾ [آیت: ۶۳] (ص: ۲۲۷)

﴿وإلى عاد أخاهم هودا﴾ [آیت: ۶۵] (ص: ۸۴۵)

﴿وإلى ثمود أخاهم صالحا﴾ [آیت: ۷۳] (ص: ۸۴۵)

﴿وإلى مدين أخاهم شعيبا﴾ [آیت: ۸۵] (ص: ۸۴۵)

﴿ولهم أعين لا يبصرون بها﴾ [آیت: ۱۷۹] (ص: ۶۸۹)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [آیت: ۱۸۸] (ص: ۸۷۴)

﴿وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ﴾ [آیت: ۱۸۸] (ص: ۸۷۴)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ﴾ [آیت: ۱۹۴] (ص: ۸۷۶)

﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ [آیت: ۲۰۴] (ص: ۸۰۳)

﴿وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً﴾ [آیت: ۲۰۵] (ص: ۷۹۹)

﴿التوبة﴾

﴿وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ﴾ [آیت: ۳۲] (ص: ۸۹۲)

﴿عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [آیت: ۴۳] (ص: ۷۲)

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ [آیت: ۸۰] (ص: ۳۵۷)

﴿مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ﴾ [آیت: ۱۱۳] (ص: ۳۵۷)

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا﴾ [آیت: ۱۲۲] (ص: ۷۱۷)

﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ [آیت: ۳۲] (ص: ۴۰۸)

﴿یونس﴾

﴿اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ [آیت: ۲] (ص: ۲۲۷)

﴿اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ [آیت: ۱۸] (ص: ۸۵۸)

﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ﴾ [آیت: ۳۶] (ص: ۴۶۸، ۷۱۵، ۷۱۶)

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ﴾ [آیت: ۱۰۶، ۱۰۷] (ص: ۸۷۶)

﴿هود﴾

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [آیت: ۶۹، ۷۰] (ص: ۳۴۱)

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ [آیت: ۷۷] (ص: ۳۴۱)

﴿سورة إبراهيم﴾

﴿قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ [آیت: ٣١] (ص: ٢٦٤)

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ﴾ [آیت: ٤٧] (ص: ٨٧٥)

﴿سورة الحجر﴾

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [آیت: ٩٣] (ص: ٢٦٢)

﴿سورة النحل﴾

﴿مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ [آیت: ٦١] (ص: ٢٠٥)

﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [آیت: ٦٩] (ص: ٢٩٠)

﴿اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ [آیت: ١٠٥] (ص: ٨٤٧)

﴿سورة بنی إسرائیل﴾

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ [آیت: ٢٣] (ص: ٨٧٤)

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [آیت: ٥٥] (ص: ٩٠٩)

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [آیت: ١٠٠] (ص: ٣١٢)

﴿سورة الكهف﴾

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ [آیت: ٥] (ص: ١٨٨، ١٩٦، ٢٢٢، ٢٩٢، ٣٠٠، ٣٥٣، ٧٩٥، ٩١٠)

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [آیت: ١١٠] (ص: ٢٢٨، ٨٤٥)

﴿سورة مریم﴾

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ [آیت: ١٨] (ص: ٣٤١)

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ [آیت: ٥٢] (ص: ٢٣٤)

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ [آیت: ٩٠] (ص: ٧٩١)

﴿سورة طه﴾

﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ [آیت: ١٠] (ص: ١٦٥)

﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ [آیت: ١١، ١٢] (ص: ٢٣٤)

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

﴿قَاعًا صَفْصَفًا﴾ [آیت: ۱۰۶] (ص: ۶۹۶)

﴿سورة الأنبياء﴾

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ﴾ [آیت: ۷] (ص: ۲۲۷)

﴿سورة الحج﴾

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ﴾ [آیت: ۲۸] (ص: ۳۲۲)

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ [آیت: ۷۳] (ص: ۸۷۵)

﴿سورة المؤمنون﴾

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [آیت: ۱] (ص: ۳۰۵)

﴿فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾ [آیت: ۷۶] (ص: ۷۹۹)

﴿قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ﴾ [آیت: ۸۸] (ص: ۸۷۴)

﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [آیت: ۹۶] (ص: ۳۳۸)

﴿سورة النور﴾

﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا﴾ [آیت: ۱۶] (ص: ۲۹۲)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ﴾ [آیت: ۱۹] (ص: ۳۷۳)

﴿سورة الفرقان﴾

﴿قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [آیت: ۶] (ص: ۸۵۸)

﴿سورة الشعراء﴾

﴿إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ [آیت: ۱۰۶] (ص: ۸۴۵)

﴿إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ﴾ [آیت: ۱۶۱] (ص: ۸۴۵)

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ [آیت: ۲۲۷] (ص: ۱۷۹)

﴿سورة النمل﴾

﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ [آیت: ٣٠،٣١] (ص: ٢٢٩)

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ [آیت: ٦٥] (ص: ٨٧٣)

﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ [آیت: ٨٠] (ص: ٨٧٦)

﴿سورة القصص﴾

﴿فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾ [آیت: ١٥] (ص: ٣٤٢)

﴿فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ﴾ [آیت: ٢٤] (ص: ٣٤٢)

﴿آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا﴾ [آیت: ٢٩،٣٠] (ص: ٢٣٤)

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ [آیت: ٣٣] (ص: ٣٤١)

﴿سورة العنكبوت﴾

﴿فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ﴾ [آیت: ١٥] (ص: ٢٦٤)

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا﴾ [آیت: ١٧] (ص: ٨٧٣)

﴿سورة لقمان﴾

﴿وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ﴾ [آیت: ١٠] (ص: ٢٨٥)

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [آیت: ١٣] (ص: ٨٧٦)

﴿سورة الأحزاب﴾

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [آیت: ٣٣] (ص: ١٦٥)

﴿وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ [آیت: ٤٠] (ص: ٤١٢)

﴿صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [آیت: ٥٦] (ص: ٤٠٧)

﴿سورة الفاطر﴾

﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ﴾ [آیت: ١٤] (ص: ٧٤٥،٨٧٦)

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ [آیت: ٢٢] (ص: ٨٧٦، ٨٧٨)

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ [آیت: ٤٣] (ص: ٤٧٤)

﴿سورة يٰسٓ﴾

﴿إن هو إلا ذكر وقرآن مبين﴾ [آیت: ٦٩] (ص: ٨٠٣)

﴿سورة الصافات﴾

﴿لمثل هذا فليعمل العاملون﴾ [آیت: ٦١] (ص: ٢٦٢)

﴿سورة صٓ﴾

﴿إذ دخلوا على داود ففزع منهم﴾ [آیت: ٢٢] (ص: ٣٤١)

﴿حتى توارت بالحجاب﴾ [آیت: ٣٢] (ص: ٢٠٤)

﴿سورة الزمر﴾

﴿أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه﴾ [آیت: ٢٢] (ص: ٢٩٣)

﴿الله خالق كل شيء وهو على كل شيء وكيل﴾ [آیت: ٦٢] (ص: ٨٧٣)

﴿سورة المؤمن﴾

﴿وقال ربكم ادعوني أستجب لكم﴾ [آیت: ٦٠] (ص: ٨٧٣)

﴿سورة حمٓ سجدة﴾

﴿وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن﴾ [آیت: ٢٦] (ص: ٧٤٣)

﴿سورة الشورى﴾

﴿ليس كمثله شيء وهو السميع البصير﴾ [آیت: ١١] (ص: ٨٤٠)

﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾ [آیت: ٤٠] (ص: ١٣١،٨٢٧)

﴿سورة الزخرف﴾

﴿وتلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون﴾ [آیت: ٧٢] (ص: ٢٦٢)

﴿سورة الدخان﴾

﴿فارتقب يوم تأتي السماء﴾ الخ [آیت: ١٠] (ص: ١٧٢)

﴿سورة الجاثية﴾

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ﴾ [آيت: ٢٥] (ص: ٧٢٠)

﴿سورة الأحقاف﴾

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ﴾ [آيت: ٥] (ص: ٧٤٦)

﴿سورة الفتح﴾

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [آيت: ٢] (ص: ٧٢)

﴿سورة الحجرات﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ﴾ [آيت: ١٢] (ص: ٣٧٤)

﴿سورة الذاريات﴾

﴿مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ﴾ [آيت: ٢٣] (ص: ٨٦٧)

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ [آيت: ٥٨] (ص: ٨٧٣)

﴿سورة النجم﴾

﴿ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ [آيت: ٣٠] (ص: ٢٤٦)

﴿سورة القمر﴾

﴿وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾ [آيت: ٢] (ص: ١٨٠)

﴿سورة الرحمن﴾

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ [آيت: ٢٦] (ص: ٢٠٥)

﴿سورة الحديد﴾

﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ [آيت: ٢١] (ص: ٢٨٦، ٢٩٣)

﴿سورة الحشر﴾

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ﴾ [آيت: ٢] (ص: ٤١٦)

﴿سورة الجمعة﴾

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا﴾ [آيت: ٩] (ص: ٧٨٨)

﴿سورۃ المنافقون﴾

﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ أَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَهُمۡ ﴾ (ص: ٣٥٨)

﴿سورۃ نوح﴾

﴿ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ﴾ [آیت: ٤] (ص: ٣٤٣)

﴿ مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُونَ لِلَّهِ وَقَارٗا ﴾ [آیت: ١٣،١٤] (ص: ٨٧٦)

﴿سورۃ العلق﴾

﴿ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ ﴾ [آیت: ٢،١] (ص: ٢٢٩)

﴿سورۃ العصر﴾

﴿ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلصَّبۡرِ ﴾ [آیت: ٣] (ص: ٢٦٤)

فهرس الأحاديث

☆ اتبعوا السواد الأعظم. (ص: ٤٠٥، ٧٦٢)

☆ أتى النبيﷺ سباطة قوم، فبال قائماً، ثم دعا بماء. (ص: ٢٤٣)

☆ اختلاف أمتي رحمة. (ص: ٧٢٧)

☆ إذا جلس أحدكم بين شعبها الأربع ثم جهدها. (ص: ٢٥١)

☆ إذا أتىٰ أحدكم الغائط، فلا يستقبل القبلة ولا يولها ظهره. (ص: ١٢٥)

☆ إذا أردت بقوم فتنة، فتوفني إليك غير مفتون. (ص: ١٣٦)

☆ إذا سمعتم صياح الديكة فاسئلوا الله من فضله. (ص: ٩٥٤)

☆ ارتقيت على ظهر بيت حفصة لبعض حاجتي. (ص: ١٢٤)

☆ أربع من كن فيه كان منافقا خالصاً. (ص: ٨٢٥)

☆ استأذن رسول الله ﷺ في الكتابة عنه فأذن له. (ص: ٤١٣)

☆ الشؤم في المرأة والدار والفرس. (ص: ٩٠٥)

☆ أصبنا سبيا، فكنا نعزل، فسألنا رسول اللهﷺ. (ص: ٢٥٦)

☆ أعظم الناس أجراً في الصلوة أبعدهم فأبعدهم ممشى. (ص: ٩٥٢،٢١٨)

☆ اعبدوا ربكم وأكرموا أخاكم. (ص: ٨٤٤)

☆ أفطر الحاجم والمحجوم. (ص: ٩٠٢)

☆ اقرأ بها في نفسك . (ص: ٨٠٣)

☆ اكتبوا لأبي شاه. (ص: ٤١٣)

☆ الأئمة من قريش. (ص: ٧١٨)

☆ القاتل والمقتول في النار . (ص: ٣٧٠)

☆ اللهم ألحقني بالرفيق الأعلىٰ. (ص: ١٣٦)

☆ اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد. (ص: ٨٥٩، ٨٧٧)

☆ اللهم فقهه في القرآن. (ص: ٧٩٧)

☆ الميت يعذب ببكاء الحي. (ص: ٧٩٢)

☆أن أبا بكر رضي الله عنه دخل عليها، وعندها جاريتان. (ص:٢١٩)

☆ إن بريرة دخلت عليها تستعينها في كتابتها، وعليها خمسة أواق.(ص: ١٩٧)

☆ أن بعض أزواج النبيﷺ قلن للنبيﷺ: أينا أسرع بك لحوقا؟ (ص: ٢٠٣)

☆ إن ختم بآمين، فقد أو جب. (ص: ٧٩٦)

☆ أن رجلا من بني إسرائيل سأل بعض بني إسرائيل أن يسلفه ألف دينار. (ص:١٦٠)

☆ إن رسول الله ﷺ سئل: أي العمل أفضل؟ فقال: إيمان بالله ورسوله. (ص: ٢٦٢)

☆ أن رسول اللهﷺ قال في مرضه الذى لم يقم منه. (ص: ٨٥٩)

☆ أن رسول الله ﷺ قال: ما حق امرئ مسلمٍ. (ص: ٩٠)

☆ إن رسول اللهﷺ كان يفعل ذلك، ولا يغتسل. (ص: ٢٥٢)

☆ إن رغم أنف أبي ذر. (ص: ٢٦٥)

☆ أن رفاعة طلقني فبت طلاقي. (ص: ٣٦٧)

☆ إن قريشاً أبطأوا عن الإسلام، فدعا عليهم النبيﷺ. (ص: ١٧٢)

☆ إن كان الشؤم في شيء، ففي الدار والمرأة والفرس. (ص: ٩٠٥)

☆ أن النبيﷺ احتجم وهو صائم. (ص: ٩٠٣)

☆ أن النبيﷺ قال: إذا سمعتم بكاء الديكة. (ص: ٢٨٤)

☆ أن النبيﷺ كان إذا قام التهجد في الليل. (ص: ١٠٤)

☆ إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ ما نوىٰ. (ص:٣٧٤)

☆ أنه سأل زيد بن ثابت فزعم أنه قرأ على النبيﷺ والنجم. (ص: ٣٧٩)

☆أنه صلىٰ قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا أو سبعة عشر شهرا. (ص: ٩٠٥)

☆ أنهما سمعا رسول الله يسأل عن الأمة تزني، ولم تحصن. (ص: ٩٥٧)

☆ إني سمعته يقول: بادروا بالموت ستاً. (ص: ١٣٦)

☆ أن اليهود جاؤا إلى النبيﷺ برجل منهم وامرأة زنيا. (ص: ١٠٥)

☆ آية المنافق ثلث إذا حدث كذب. (ص: ٨٢٥)

(ب)

☆ بلغوا عني ولو آية. (ص: ٧٢٣)

☆ بينما الناس في الصبح بقباء، جاء هم رجل. (ص: ٩٠٦)

(ت)

☆ توضأ رسول الله وضوءه للصلوة غير رجليه، وغسل فرجه. (ص:٩٠٦)

(ث)

☆ ثم أمرنا رسول الله ﷺ بعد ذلك بالغسل. (ص:٢٥٣)

(ح)

☆ حتى كثرت به الجراحة، فكاد بعض الناس يرتاب. (ص: ٢٢٢)
☆ حدثني أم رومان وهي أم عائشة قالت. (ص: ٣٢٦)

(خ)

☆ خرج النبيﷺ في طائفة النهار، لا يكلمني. (ص: ٢٣٢)
☆ خرج النبي ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا. (ص:٩٥٩)
☆ خطبنا النبيﷺ يوم النحر أن أول ما نبدأ به في يومنا هذا. (ص:٢٨٣)
☆ خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم. (ص: ٣٠٧)

(ر)

☆ رآني النبي ﷺ .
☆ رأيت عيسىٰ وموسىٰ و إبراهيم. (ص: ٢٠٠)
☆ رأيت في الجاهلية قردة قد زنت، فرجموها فرجمتها معهم. (ص: ١٢٨)

(س)

☆ سأل رجل عن رسول اللهﷺ قال: ما يلبس المحرم؟. (ص:٩٥٩)
☆ سترتُ النبيﷺ وهو يغتسل من الجنابة، فغسل يديه. (ص: ٩٠٧)
☆ سمعت النبي ﷺ وأنا محتلم. (ص:٨٠٨)
☆ سمعت النبيﷺ يقول: ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون. (ص:٨٦١)

(ص)

☆ صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة. (ص: ٨٢٢)
☆ صلى بنا النبيﷺ العشاء في آخر حياته، فلما سلم، قام. (ص:٣٢٨)
☆ صلى النبيﷺ فلما سلم قام النبيﷺ، فقال: أرأيتكم ليلتكم هذه. (ص: ٣٧٧)

(ع)

☆ عانق النبيﷺ الحسن. (ص: ٢٣٤)

(ف)

☆ فإذا كبر فكبروا. (ص: ١٣٢)
☆ فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمدﷺ. (ص: ٨٤٨)
☆ فإنه كان يكتب . (ص: ٤١٣)
☆ فطلقها آخر ثلاث تطليقات. (ص: ٣٦٧)
☆ فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره ﷺ. (ص:٣٦٧)
☆ في الحبه السوداء شفاء من كل داء. (ص: ٢٩٠)

(ق)

☆ قال لي علي: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول اللهﷺ؟ (ص: ٨٦١)

(ك)

☆ كان الله ولم يكن بشيء غيره، وكان عرشه على الماء. (ص:٣١١)
☆ كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد، في زمان رسول اللهﷺ. (ص:١٢٣)
☆ كانت امرأة لعمر تشهد صلوة الصبح والعشاء في الجماعة... (ص: ٢٨٢، ٩٥٣)
☆ كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع . (ص: ٣١٦)
☆ كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم. (ص:٨٣٨)
☆ كل أمر ذي بال لم يبدأ فيه بالحمد لله. (ص: ٨٣٩)

☆ كل شراب أسكر فهو حرام. (ص: ٣٠١)
☆ كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار . (ص: ٧٤٦)
☆ كلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو أحق بها. (ص: ٢٣٦)
☆ كنت أكتب كل شيء سمعته من رسول الله،" ﷺ . (ص: ٤١٣)
☆ كنت مع رسول الله ﷺ في سوق من أسواق المدينة. (ص:٢٣٣)
☆ كنا عند النبيﷺ، فخط خطا، وخط خطين عن يمينه. (ص: ٨٤٨)
☆ كنا نخرج في عهد النبيﷺ الفطر صاعاً من طعام. (ص: ٩٥٨)
☆ كنا نعزل والقرآن ينزل. (ص: ٢٥٦)

(ل)

☆ لا تجعلوا قبري عيدا. (ص: ٨٧٧)
☆ لا تخيروا بين الأنبياء. (ص:٩٠٨)
☆ لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم. (ص:٢٢٠)
☆لا تكتبوا عني، ومن كتب عني. (ص: ٩٤)
☆ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب . (ص: ٨٠١،٧٤٢،٣٨٢)
☆ لا يتمنىٰ أحدكم الموت، إما محسناً فلعله أن يزداد خيراً. (ص: ١٣٤)
☆ لا يتمنين أحدكم الموت من ضر أصابه. (ص: ١٣٤)
☆ لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن. (ص: ٣٧٢،٣٣٥)
☆ لعن رسول اللهﷺ زائرات القبور. (ص: ٨٦٠)
☆لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد. (ص:١٠٤)
☆ لكِ صدقة ولنا هدية. (ص: ٧١٧)
☆لما مات الحسن بن الحسين بن علي، ضربت امرأته القبة ... (ص: ١٠٣)
☆ ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف. (ص:١٨٦، ٣٣٤)

(م)

☆ ما تقول بين إسكاتك. (ص: ٨٠٣)
☆ ما حسدتكم اليهود على شيء ماحسدتكم على السلام والتأمين. (ص:٧٩٩)

☆ ما من مولود يولد إلا والشيطان يمسه. (ص: ٣٨٤)

☆ مسح رأسه بيديه فأقبل بهما وأدبر. (ص: ٣١٤)

☆ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد. (ص: ٧٤٤)

☆ من حدثكم... (ص: ٢٤٦)

☆ من حلف بغير الله فقد أشرك. (ص: ٨٧٤)

☆ من رآني فقد رأى الحق. (ص: ٩٠٠)

☆ من رآني في المنام، فقد رآني حقا. (ص: ٨٩٩)

☆ من قال: أنا خير من يونس بن متى فقد كذب. (ص: ٢٤٩)

☆ من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. (ص: ٧٤٣، ٨٥٨)

☆ من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. (ص: ٨٦٣، ٨٧٩)

☆ من لم يشكر الناس لم يشكر الله. (ص: ٩٤٠)

☆ من هم بحسنة فلم يعملها كتب الله له عنده حسنة كاملة. (ص: ٣٧٤)

(ن)

☆ نهىٰ رسول اللهﷺ أن يجصص القبر، وأن يبنىٰ عليه. (ص:٨٦١)

(و)

☆ وجدت من عبيد الله ريح شراب، وأنا سائل عنه. (ص: ٣٠١)

(ى)

☆ يا رسول اللهﷺ إذا جامع الرجل المرأة فلم ينزل. (ص: ٢٥١)

☆ يا عبادي! إني حرمت الظلم على نفسي. (ص: ٨٤٣)

الرواة المتكلم فيهم جرحاً وتعديلًا

[الف]

☆ إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع. (ص:١١٣)
☆ إبراهيم بن عبد الرحمن السكسكي. (ص:١١٣)
☆ إبراهيم (بن المنذر) الخزاعي. (ص:٤٣٥)
☆ إبراهيم بن يوسف بن إسحاق بن أبي إسحاق السبيعي. (ص:٤٣٧)
☆ ابن شهاب محمد بن مسلم. (ص:١٩١)
☆ أبو بكر بن عبدالرحمن بن حارث بن هشام. (ص:١٩١)
☆ أبوبكر بن عياش الكوفي المقرئ. (ص:٦٨٧)
☆ أبي بن عباس بن سهل بن سعد الساعدي. (ص:٤٣٨)
☆ أحمد بن بشير الكوفى. (ص:٤٣٩)
☆ أحمد بن صالح أبو جعفر المصري (ابن الطبرى). (ص:٤٤١، ٨٠١)
☆ أحمد بن عبد الله بن حكيم أبو عبد الرحمن الفرياني المروزي. (ص:٤٤٤)
☆ أحمد بن عيسىٰ أبو عبد الله. (ص:١٤ ٨)
☆ أحمد بن عيسىٰ المصري. (ص:٤٥٤)
☆ أسامة بن حفص. (ص:٤٤٥)
☆ أسباط أبو اليسع (ص:٤٤٦)
☆ إسحاق بن محمد بن إسماعيل بن عبد الله (ص:٤٤٦)
☆ إسرائيل بن موسىٰ (ص:٤٤٧)
☆ إسماعيل بن أبان الأزدي الكوفى (ص:١١٣، ٤٤٩)
☆ إسماعيل بن مجالد بن سعيد (ص:٤٥٠)
☆ أسيد بن زيد الجمال أبو محمد الكوفي (ص:٤٥٢، ٩١٢)
☆ أيوب بن عائذ الطائي (ص:١١٤، ٢٣٩)
☆ أيوب بن عائذ الكوفي (ص:٤٥٣)
☆ أيوب بن سليمان بن هلال (ص:٤٥٥)

[ب]

☆ بدل بن المحير أبو المنير اليربوعي البصري (ص:٤٥٧)
☆ بريد بن عبد الله بن أبي بردة (ص:٤٥٨)
☆ بشر بن محمد السختياني (ص:٢٤٠)

[ث]

☆ ثابت بن عجلان (ص:٤٦٠)
☆ ثابت بن محمد الكوفي العابد (ص:٤٦١، ٩١٣)
☆ ثور بن زيد الديلي: (ص:٤٦٢)
☆ ثور بن يزيد الكلاعي (ص:٤٦٤)

[ج]

☆ جعيد بن عبد الرحمن (ص:٤٦٧)

[ح]

☆ حاتم بن إسماعيل المدني (ص:٤٦٨)
☆ حارث بن شبل (ص:١١٤)
☆ حرب بن شداد اليشكري (ص:٤٦٩)
☆ حسان بن إبراهيم الكرماني (ص:٤٦٩)
☆ الحسن بن بشر البجلي (ص:٤٧٠)
☆ الحسن بن ذكوان (ص:٤٧٢)
☆ الحسن بن مدرک البصري (ص:٤٧٢)
☆ حميد بن نيرويه الطويل (ص:٤٧٤)

[خ]

☆ خالد بن مخلد القطواني الكوفي (ص:١٥٠، ٤٧٧)
☆ خالد بن مهران الحذاء (ص:٤٧٨)

☆ خلاد بن يحيىٰ (ص:٢٤٠)
☆ خليفة بن خياط العصفري البصري (ص:٤٨٠، ٩١٥)
☆ خيثم بن عراک (ص:٤٧٩)

[د]

☆ داود بن عبد الرحمن المكي العطار (ص:٤٨٣)

[ز]

☆ زهير بن محمد تميمي (ص:١١٥)
☆ زياد بن الربيع (ص:٤٨٥)
☆ زياد بن عبدالله بن الطفيل البكائي (ص:٤٨٧، ٩١٦)

[س]

☆ سالم بن عجلان الأفطس (ص:٢٤٠، ٤٩٠)
☆ سريج بن النعمان الجوهري (ص:٥٠٥)
☆ سعيد بن أبي عروبه (ص:١١٦، ٤٩٤)
☆ سعيد بن أبي هلال (ص:٤٩٧)
☆ سعيد بن أشوع (ص:٤٩١)
☆ سعيد بن سليمان (ص:٤٩٣)
☆ سعيد بن عبيد الله بن جبير بن حية الثقفي (ص:٤٩٣)
☆ سعيد بن عفير (ص:٣٣٧)
☆ سعيد بن كثير بن عفير المصري (ص:١٩٠، ٤٩٦)
☆ سلم بن زربر (ص:٤٩٩)
☆ سلمة بن رجاء الكوفي (ص:٤٩٩)
☆ سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي (ص:٥٠٠)
☆ سليمان بن كثير العيدى البصري (ص:٥٠٢)
☆ سيدان بن مضارب (ص:٥٠٣)

☆ سيف بن سليمان المكي (ص:٥٠٤)

[ش]

☆ شبابه بن سوار المدائني (ص:٢٣٧، ٥٠٧)
☆ شبيب بن سعيد الحيطى البصري (ص:٥٠٨)
☆ شريک بن عبد الله بن أبي نمر المدني (ص:٥٠٩)
☆ شعيب بن إسحاق (ص:٢٤٠)

[ص]

☆ صالح بن صالح بن حي (ص:٥١١)
☆ صخر بن جويرية (ص:٥١٢)
☆ صدقة بن خالد (ص:١٨٧)

[ط]

☆ طلحة بن نافع (ص:٥١٤)
☆ طلحة بن يحىٰ الزرقي (ص:٥١٤)

[ع]

☆ عاصم بن أبي النجود (ص:٥٢٠)
☆ عاصم بن سليمان الأحول البصري (ص:٥١٦، ٨١٨)
☆ عاصم بن علي بن عاصم الواسطي (ص:٥١٨)
☆ عباد بن راشد (ص:٥٢٢)
☆ عباد بن يعقوب الأسدي الرواجني الكوفي (ص:١٥٠، ٥٢٣)
☆ عبد الله بن أبي لبيد المدني (ص:١١٧، ٥٣٣)
☆ عبد الله بن أبي نجيح المكي (ص:٥٣٥)
☆ عبد الله بن حفص (ص:١١٦)
☆ عبد الله بن دينار (ص:٥٢٥)

☆ عبد الله بن ذكوان أبو الزناد (ص:٥٢٦)

☆ عبد الله بن سعيد بن أبي هند أبوبكر المدني (ص:٥٢٨)

☆ عبد الله بن صالح بن محمد بن محمد بن مسلم الجهني (ص:٥٢٩)

☆ عبد الله بن عبد المجيد (ص:٥٥٨)

☆ عبد الله بن العلاء بن زبير الدمشقي (ص:٥٣١)

☆ عبد الله بن لهيعة (ص:١١٧)

☆ عبد الله المثنىٰ الأنصاري (ص:٥٣٤)

☆ عبد الله بن نافع (مولىٰ ابن عمر) (ص:١١٨)

☆ عبد الحميد بن عبد الرحمن أبويحيىٰ الحماني الكوفي (ص:٢٣٧،٥٤٠)

☆ عبد الحميد بن أبي أويس عبد الله أبوبكر المدني (ص:٥٣٦، ٩٠١)

☆ عبد ربه بن نافع أبوشهاب الخياط (ص:٥٤١)

☆ عبد الرحمن بن أبي نعم البجلي (ص:٥٤٩)

☆ عبد الرحمن بن إسحاق بن حارث (ص:١١٨)

☆ عبد الرحمن بن ثروان (ص:٥٤٣)

☆ عبد الرحمن بن حماد الشعبي (ص:٥٤٤)

☆ عبد الرحمن بن سليمان بن الغسيل المدني (ص:٥٤٥)

☆ عبد الرحمن بن سلمان (ص:١١٨)

☆ عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار المدني (ص:٥٤٦)

☆ عبد الرحمن بن عبد الملک بن شيبة (ص:٥٤٧)

☆ عبدالرحمن بن غنم اشعرى (ص:١٨٨)

☆ عبد الرحمن بن محمد المحاربي (ص:٥٤٨)

☆ عبد الرحمن بن نمر (ص:٥٥٠)

☆ عبدالرحمن بن يزيد بن جابر (ص:١٨٧)

☆ عبد السلام بن حرب الملائي (ص:٥٥١)

☆ عبد العزيز بن عبد الله الأويسي المدني (ص:٥٥٢)

☆ عبد العزيز بن مسلم القسملي (ص:٥٥٣)

☆ عبد الملک بن الصباح الصنعاني (ص:٥٥٥)

☆ عبد الملک بن أعين (ص:١١٩، ٥٥٤)

☆ عبد الواحد بن واصل (ص:٥٥٦)

☆ عبد الوارث بن سعيد (ص:١١٩)

☆ عبيدة بن حميد الضبي الكوفي (ص:٥٥٩)

☆ عتبة بن خالد الأيلي (ص:٥٩٠)

☆ عثمان بن فرقد البصري (ص:٥٦١)

☆ عطاء بن أبى ميمونة (ص:٥٦٣)

☆ عطاء بن السائب (ص:١١٩،٥٦١)

☆ عطاء بن ميمونة البصري (ص:١٢٠)

☆ عطيه بن قيس كلابى (ص:١٨٨)

☆ عقيل بن خالد بن عقيل (ص:١٩١)

☆ عكرمة بن خالد مخزومي (ص:١٢٠)

☆ عكرمة مولىٰ ابن عباس (ص:٥٦٤)

☆ علاء بن خالد أسدي (ص:١٢٠)

☆ علي بن الجود (ص:٥٦٩)

☆ علي بن الحكم البناني البصري (ص:٥٧٠)

☆ علي بن عبد الله بن جعفر (ابن المديني) (ص:٥٧٢)

☆ عمر بن أبي زائدة (ص:٥٧٦)

☆ عمر بن ذر الهمداني (ص:٢٣٨، ٥٧٥)

☆ عمر بن علي بن عطاء بن مقدم البصري المقدمي (ص:٥٧٧)

☆ عمر بن محمد بن زيد بن عبد الله (ص:٥٧٨)

☆ عمر بن نافع مولى ابن عمر (ص:٥٧٩)

☆ عمران بن الحطان السدوسي البصري الخارجي (ص:٥٨١)

☆ عمران بن مسلم القصير (ص:٥٨٢)

☆ عمرو بن أبي عمرو (ص:٥٨٣)

☆ عمرو بن محمد الناقد (ص:٥٨٥)
☆ عمرو بن مرة الجملي (ص:٢٣٨)
☆ عمرو بن مرزوق الباهلي (ص:٥٨٦)
☆ عمرو بن مرة الحملي (ص:٥٨٩)
☆ عوف الأعرابي أبوسهل البصري (ص:١٥١، ٥٩٢)
☆ عيسىٰ بن طهمان (ص:٥٩٤)

[ف]

☆ فضيل بن سليمان (ص:٥٩٦)
☆ فليح بن سليمان المدني (ص:٥٩٧)

[ق]

☆ قتادة بن دعامة السدوسي (ص:٦٠١)
☆ قيس بن أبي حازم (ص:٦٠٣)

[ک]

☆ كثير بن شنطير (ص:٦٠٦)
☆ كليب بن وائل (ص:٦٠٧)
☆ كهمس بن المنهال (ص:١٢١،٦٠٨)

[ل]

☆ لاحق بن حميد (ص:٦٧٥)
☆ ليث بن سعد (ص:١٩١)

[م]

☆ مجالد بن سعيد بن عمير (ص:١٢١)
☆ مجاهد بن جبر المقرئ (ص:٦١٩)
☆ محارب بن دثار (ص:٦٢٠)

☆ محبوب الحسن القرشي (ص:٦٢٢)

☆ محمد بن حمير سيلجى الحمصي (ص:٦٢٣)

☆ محمد بن زياد بن عبد الله الزيادي (ص:٦٢٤)

☆ محمد بن سابق (ص:٦٢٥)

☆ محمد بن سواء السدوسي (ص:٦٢٦)

☆ محمد بن الصلت (أسدي) (ص:٦٢٧)

☆ محمد بن طلحة بن مصرف (ص:٦٢٨)

☆ محمد بن عبد الله بن مسلم الزهري (ص:٦٣٠)

☆ محمد بن عبد الرحمن الطفاوي (ص:٦٣٢)

☆ محمد بن عبد العزيز العمري الرملي (ص:٦٣٣)

☆ محمد بن عبيد الطنافسي (ص:٦٣٤)

☆ محمد بن عمرو بن علقمة بن وقاص الليثي المدني (ص:٦٣٦)

☆ محمد بن فضيل بن عزوان (ص: ١٥٢، ٦٣٧)

☆ محمد بن فليح بن سليمان المدني (ص:٦٣٩)

☆ محمد بن محبوب البناتي (ص:٦٤٠)

☆ محمد بن مطرف (ص:٦٤٨)

☆ محمد بن ميمون (ص:٦٤١)

☆ مروان بن حكم بن أبي العاص بن أمية (ص:٦١٤، ٨٠٥)

☆ مروان بن شجاع الجزري (ص:٦٤٢)

☆ مروان بن محمد الدمشقي الطاطري (ص:٦٤٣)

☆ مسكين بن بكير الحراني (ص:٦٤٤)

☆ مسور بن مخرمة بن نوفل بن أهيب (ص:٦١٠، ٨٠٨)

☆ مطرف بن عبد الله بن مطرف (ص:٦٤٥)

☆ معاوية بن إسحاق بن طلحة (ص:٦٤٦)

☆ معروف بن خربوذ (ص:٦٤٧)

☆ معلىٰ بن منصور الرازى (ص:٦٤٩)

☆ مغيرة بن عبد الرحمن بن عبد الله الأسدي (ص:٦٥١)
☆ مغيره بن مقسم (ص:٦٥٢، ٩١٨)
☆ مفضل بن فضالة (ص:٦٥٤)
☆ مقسم (ص:٦٥٥، ٩١٢)
☆ منصور بن عبد الرحمن (بن طلحة بن حارث) (ص:٦٥٧)
☆ منهال بن عمرو الكوفي (ص:٦٥٨)
☆ موسىٰ بن عقبة (ص:٦٦٠)
☆ موسىٰ بن مسعود (ص:٦٦١)
☆ موسىٰ بن نافع (ص:٦٦٣)
☆ ميمون بن سياه (ص:٦٦٤)

[ھ]

☆ هدبة بن خالد الصيسى البصري (ص:٦٦٥)
☆ هشام بن أبي عبد الله الدستوائي (ص:٦٦٨)
☆ هشام بن حجير المكي (ص:٦٦٦)
☆ هشام بن عمار (ص:١٨٧)
☆ همام بن يحيىٰ العودي البصري (ص:٦٦٩)

[و]

☆ ورقاء بن عمر (ص:٢٨٣، ٦٧٢)
☆ وهب بن جرير بن حازم (ص:٦٧٣)

[ی]

☆ يحيىٰ بن أبي إسحاق (الحضرمي النحوي) (ص:٦٧٦)
☆ يحيىٰ بن حمزة الحضرمي البتلهي (ص:٦٧٧)
☆ يحيىٰ بن سعيد الأموي الكوفي (بن أبان) (ص:٦٧٨)
☆ يحيىٰ بن سليمان الجعفي الكوفي (ص:٦٧٩)

☆ يحيىٰ بن صالح ابوحاظي الحمصى (ص:٦٨٠)

☆ يحيىٰ بن عباد الضبعي (ص:٦٨١)

☆ يحيىٰ بن عبد الله بن بكير المصري (ص:١٩٢، ٦٨٢)

☆ يعقوب بن حميد بن كاسب المدني (ص:٦٨٣)

☆ يونس بن أبي الفرات الاسكاف (ص:٦٨٥)

فہرس

- تقدیم فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ 5
- مقدمہ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد عزیر شمس ﷾ 11
- مقدمۃ التحقیق 31
- محدث کبیر علامہ محمد ابوالقاسم سیف بنارسی ﷫ 41

حل مشکلات بخاری (حصہ اول)

- دیباچہ: 67
- امام بخاری ﷫ احناف کی نظر میں: 69
- ابن عابدین حنفی کا قول: 69
- عینی حنفی کا قول: 70
- ملا علی قاری حنفی کا قول: 71
- (صحیح بخاری کی عظمت علامہ عینی حنفی کی نظر میں:) 71
- شیخ عبدالحق حنفی اور شیخ نور الحق حنفی کے اقوال: 72
- امام بخاری ﷫ پر تین اعتراضات کا جواب: 72
- ا۔ امام بخاری ﷫ کا معصوم نہ ہونا: 72
- صحیح بخاری کی تصنیف میں امام بخاری ﷫ کا حزم واحتیاط: 73
- (انبیاء ورسل کی عصمت کا صحیح معنی:) 73
- (صحیح بخاری کی تصنیف میں اساتذہ فن سے مشاورت:) 73
- ۲۔ امام بخاری کا مجتہد ہونا: 74
- اجتہاد جانچنے کے تین ذرائع: 74
- حنفیہ کے نزدیک شروط اجتہاد: 74
- امام بخاری میں شروط اجتہاد کا پایا جانا احناف کے اقوال سے: 74
- ۳۔ امام بخاری کا مقلد نہ ہونا: 75

☒ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟ 75
☒ امام بخاری کا خلق قرآن کا قائل نہ ہونا: 76
☒ مسلمہ بن قاسم کا قول: 76
☒ مسلمہ بن قاسم کا تعارف: 76
☒ (مسلمہ بن قاسم کا منصفانہ مقام:) 76
☒ مسلمہ بن قاسم کی تردید حافظ ابن حجر ؒ کے کلام سے: 77
☒ مسلمہ بن قاسم کی تردید، امام بخاری کے بیان سے: 77
☒ ایک نیا شگوفہ: 78
☒ امام بخاری کی لفظی بالقرآن کے مقولہ سے براءت: 78
☒ امام بخاری پر طعن کرنے والے کے متعلق ابوعمر وخفاف کا قول: 79
☒ جامع صحیح بخاری: 80
☒ کیا صحیح بخاری کسی کی نقل اور مسروقہ ہے؟ 80
☒ مسلمہ بن قاسم کا قول اور اس کی تردید حافظ ابن حجر کے کلام سے: 81
☒ مسلمہ بن قاسم کے قول کا درایتی جائزہ: 82
☒ امام بخاری کا مقام علی بن مدینی کی نگاہ میں: 83
☒ صحیح بخاری کی تکمیل بالکمال: 83
☒ ابوالولید باجی کا قول: 83
☒ ابوالولید آنحضرت ﷺ کے امّی ہونے کا قائل نہیں تھا: 83
☒ ابوالولید باجی کے قول کی تردید: 84
☒ جواب اول: 84
☒ جواب دوم: 85
☒ جواب سوم: 86
☒ جواب چہارم: 86
☒ جواب پنجم: 86
☒ عینی حنفی کا تعارف: 87
☒ عینی حنفی کی شرح بخاری کی حقیقت: 87

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

- عینی حنفی کا صحیح بخاری پر ایک اعتراض اور اس کا جواب: 88
- عینی حنفی کا امام بخاری پر علم صرف میں کوتاہ نظری کا اتہام: 89
- عینی حنفی کی علمی لیاقت: 89
- ایک لطیفہ: 89
- عینی حنفی کا حافظ ابن حجر پر ایک اعتراض اور اس کا جواب: 90
- حدیث وصیت میں "یبیت" کا اعراب: 90
- حافظ ابن حجر کا قول: 90
- عینی حنفی کا قول: 90
- عینی حنفی کی تردید کلام نبوی سے: 91
- عینی حنفی کی تردید علامہ سندھی حنفی کے کلام سے: 91
- عینی حنفی کی تردید دیگر شارحین حدیث کے کلام سے: 92
- آغازِ کتاب وابتداءِ جواب: 94
- کتابتِ حدیث کے دلائل اور اس کی ممانعت کا جائزہ: 94
- (رسول اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ صرف "علیہ السلام" کا لفظ لکھنا) 94
- وہابیت کا اتہام اور اس کا جواب: 96
- کیا صحیح حدیثوں کو صحیح کہنا ضلالت وگمراہی ہے؟ 96
- کیا صحیح بخاری کی تمام احادیث صحیح نہیں؟ 96
- احادیث بخاری مقبولۂ رسول ﷺ ہیں، شیخ نور الحق حنفی کی شہادت: 96
- رواۃ بخاری پر جرح کی حقیقت: 97
- (رواۃِ بخاری کے دفاع میں لکھی گئی کتب) 97
- صحیح بخاری کی عصمت: 97
- کتب احادیث کے مخالف پر رشید احمد گنگوہی حنفی کا فتویٰ: 97
- صحیح بخاری پر طعن کرنے والے کے متعلق شاہ ولی اللہ کا فتویٰ: 97
- کیا امام بخاری مجتہد نہ تھے؟ 98
- حامیانِ سنت پر ایک افتراء: 98
- امام بخاری پر تقلید اور تعصب کا اتہام: 98

☒ کیا امام بخاری میں ایک معمولی طالب العلم کے برابر تفقہ بھی نہ تھا؟...... 98
☒ کیا صحیح بخاری صحیح مجرد اور اصح الکتب نہیں ہے؟...... 98
☒ (صحیح بخاری کے صحیح مجرد اور اصح الکتب ہونے کے دلائل)...... 99
☒ صحیح بخاری میں صرفی ونحوی غلطیوں کی کثرت کا الزام اور اس کا جواب:...... 99
☒ کیا امام بخاری نے صحیح بخاری کی احادیث کو صحیح اور معمول بہا نہیں ٹھہرایا؟...... 99
☒ صحیح بخاری میں صرف صحیح احادیث داخل کی گئی ہیں:...... 99
☒ کیا صحیح بخاری کی تمام احادیث کو اُصح تسلیم کرنا اندھی تقلید، ضلالت اور شرک ہے؟...... 100
☒ جواب مضامین ڈاکٹر عمر کریم حنفی:...... 101
☒ امام بخاری مجتہد مطلق ہیں، امام شافعی کے مقلد نہیں:...... 101
☒ امام بخاری کی شافعیت کے بارے ابو عاصم کا قول اور اس کی تردید:...... 101
☒ کیا طبقات شافعیہ میں مذکور ہونا شافعیت کی دلیل ہے؟...... 101
☒ امام احمد بن حنبل کا طبقات شافعیہ میں مذکور ہونا:...... 101
☒ (داود ظاہری کا طبقات شوافع میں ذکر)...... 101
☒ (امام بخاری کے طبقات شافعیہ میں مذکور ہونے کی دلچسپ توجیہہ، مولانا عبدالسلام مبارکپوری ﷫ کے قلم سے)... 101
☒ (کیا تلمذ کی نسبت تقلید کی دلیل بن سکتی ہے؟)...... 101
☒ (مصنفینِ کتب طبقات کا اسلوب)...... 102
☒ (توافق فی المسائل اور تقلید)...... 102
☒ امام بخاری مجتہد مطلق تھے:...... 102
☒ (الفوائد الدراری مؤلفہ اسماعیل عجلونی حنفی کا تعارف)...... 102
☒ (امام بخاری مجتہد تھے، ابن تیمیہ، سخاوی اور انور شاہ کشمیری کی شہادت)...... 102
☒ امام بخاری پر مجتہد نہ ہونے کا اعتراض اور اس کی تردید:...... 103
☒ صحیح بخاری میں مطابقت کی اقسام:...... 103
☒ صحیح بخاری کی تین احادیث پر ترجمۃ الباب سے عدم مطابقت کا اعتراض اور اس کا جواب:...... 103
☒ پہلی حدیث:...... 103
☒ دوسری حدیث:...... 104
☒ تیسری حدیث:...... 105

☒ امام بخاری کی طرف منسوب ایک فتویٰ اور اس کی حقیقت:............ 107
☒ نفسِ قصہ کا غلط ہونا دو طریقوں سے:............ 108
☒ داخلی شہادت:............ 108
☒ امام بخاری اور قیاس کی حجیت:............ 108
☒ خارجی شہادت:............ 109
☒ شارحین ہدایہ کی نقل معتبر نہیں:............ 109
☒ امام بخاری کے بخارا سے نکالے جانے کی اصل وجہ:............ 110
☒ حافظ ابن حجر کا قول:............ 110
☒ نور الحق حنفی کا قول:............ 110
☒ (امام بخاری کا بخارا سے اخراج اور ابوحفص کبیر، ایک درایتی جائزہ)............ 111
☒ صحیح بخاری کے چند رواۃ پر جرح اور اس کے جواب:............ 112
☒ (رواۃِ بخاری پر جرح میں ڈاکٹر عمر کریم حنفی اور ایک شیعہ رافضی کا توافق!)............ 112
☒ ا۔ إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع:............ 113
☒ ۲۔ إسماعيل بن أبان:............ 113
☒ (إسماعيل بن أبان نام کے دو راوی ہیں)............ 114
☒ ۳۔ أيوب بن عائذ الطائي:............ 114
☒ ۴۔ حارث بن شبل:............ 114
☒ علامت تمییز کی وضاحت:............ 114
☒ (حارث بن شبل اور حارث بن شبیل دو الگ الگ راوی ہیں)............ 114
☒ ۵۔ زہیر بن محمد تمیمی:............ 115
☒ (زہیر بن محمد کی روایات سے احتجاج کا ضابطہ)............ 115
☒ ۶۔ سعید بن ابی عروبہ:............ 116
☒ ۷۔ عبداللہ بن حفص:............ 116
☒ مذکورہ راوی کے بارے ڈاکٹر عمر کریم کی غلطی:............ 116
☒ ۸۔ عبداللہ بن أبی لبید:............ 117
☒ ۹۔ عبداللہ بن لہیعہ:............ 117

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ (التاریخ الصغیر کے مطبوعہ نسخہ میں ایک غلطی) 117

☒ (صحیح بخاری میں عبداللہ بن لہیعہ کی کوئی روایت نہیں) 118

☒ ۱۰۔عبداللہ بن نافع: 118

☒ عبداللہ بن نافع صحیح بخاری کا راوی نہیں: 118

☒ ۱۱۔عبدالرحمٰن بن اسحاق بن حارث: 118

☒ (مذکورہ بالا راوی صحیح بخاری میں مذکور نہیں ہے) 118

☒ ۱۲۔عبدالرحمٰن بن سلمان: 118

☒ صحیح بخاری کا راوی عبدالرحمٰن بن سلمان نہیں، بلکہ عبدالرحمٰن بن سلیمان بن غسیل مدنی ہے: 119

☒ ۱۳۔عبدالملک بن أعین: 119

☒ ۱۴۔عبدالوارث بن سعید: 119

☒ ۱۵۔عطاء بن السائب: 119

☒ (عطاء بن السائب کا کتاب الضعفاء للبخاری میں مذکور ہونے کا سبب) 120

☒ ۱۶۔عطاء بن أبی میمونہ: 120

☒ ۱۷۔علاء بن خالد اسدی: 120

☒ ۱۸۔عکرمہ بن خالد مخزومی: 120

☒ مذکورہ بالا راوی صحیح بخاری میں مذکور نہیں: 120

☒ ۱۹۔کھمس بن منہال: 121

☒ ۲۰۔مجالد بن سعید بن عمیر: 121

☒ مذکورہ بالا راوی صحیح بخاری میں موجود نہیں: 121

☒ صحیح بخاری پر بعض علماء کی جرح کا جواب: 121

☒ امام مسلم کی امام بخاری سے روایت: 121

☒ صحیح بخاری کی چند احادیث پر اعتراض اور اس کا جواب: 123

☒ حدیث اول: 123

☒ کیا امام بخاری کے نزدیک کتے کا پیشاب پاک ہے؟ 124

☒ حدیث دوم: 124

☒ قضائے حاجت کے دوران استقبال واستدبار قبلہ سے ممانعت کی وضاحت: 125

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ (قضائے حاجت کے دوران استقبال واستدبار کی ممانعت اور ائمہ محدثین تبویبات) 125
☒ حدیث سوم: 126
☒ (وطی في الدبر اور حضرت ابن عمر کا اثر) 126
☒ اثر ابن عمر میں فی کا مجرور: 126
☒ امام بخاری نے فی کا مجرور کیوں ذکر نہیں کیا؟ 127
☒ (وطی فی الدبر کی حرمت پر احادیث اور ان کی اسنادی حیثیت) 127
☒ (امام بخاری کا فی کا مجرور ذکر نہ کرنے کا سبب، حافظ ابن حجر کے نزدیک) 127
☒ بخاری میں بندروں کی کہانی اور اس کی حقیقت: 128
☒ (مذکورہ بالا واقعہ کسی صحابی کا نہیں، بلکہ عمرو بن میمون تابعی کا بیان کردہ ہے) 128
☒ بندریا کا رجم اور اس کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں: 129
☒ بندر درحقیقت جن تھے، جو کہ مکلّف ہیں: 129
☒ (مؤلف ♋ کی ذکر کردہ ایک عبارت کی وضاحت) 130
☒ گھوڑے کا قصہ اور بندروں کی کہانی کی تائید: 130
☒ امام بخاری کا طرز عمل: 132
☒ صحیح بخاری کی دو احادیث اور امام بخاری کا طرز عمل: 132
☒ حدیث اول: 132
☒ امام بخاری کے صائم الدھر ہونے کا مطلب: 133
☒ امام بخاری کی خوراک اور عبادت میں اجتہاد: 133
☒ امام بخاری کا طرز عمل حدیث نبوی کے عین مطابق تھا: 134
☒ حدیث دوم: 134
☒ تمنائے موت کی ممانعت اور امام بخاری کا طرز عمل: 134
☒ کسی دینی ضرر کی وجہ سے موت کی تمنا درست ہے: 134
☒ امام بخاری کا طرز عمل حدیثِ نبوی کے عین مطابق تھا: 135
☒ موت کی تمنا اور حضرت عمر فاروق کا طرز عمل: 135
☒ صحابی رسول دحیہ بن خلیفہ کا طرز عمل: 135
☒ آنحضرت ♏ کا طرز عمل: 135

☒ صحابی رسول عابس غفاری کا طرز عمل:.. 136
☒ چھ باتیں دیکھنے سے پہلے موت کی تمنا کرنا:.. 136
☒ دور فتن میں موت کی تمنا کرنا:.. 136
☒ معترض کی ایک تاریخی غلطی:.. 136
☒ کتاب بخاری کے صحیح مجرد ہونے پر اجماع:.. 137
☒ امام بخاری پر امام مسلم کی جرح اور اس کی حقیقت:.. 137
☒ حدیث معنعن میں استاد و تلمیذ کی لقاء کی شرط:.. 137
☒ امام نووی کا قول:.. 137
☒ (امام بخاری اور علی بن مدینی کی طرف حدیث معنعن میں لقاء کی شرط منسوب کرنا درست نہیں)............ 137
☒ امام بخاری کی مدح امام مسلم کی زبانی:.. 138
☒ امام بخاری سے امام مسلم کا استفادہ:.. 139
☒ امام بخاری باتفاق علماء امام مسلم سے بڑے عالم ہیں:.. 139
☒ احادیث بخاری پر امام دارقطنی کی جرح کی حقیقت:.. 140
☒ (امام دارقطنی کی کتاب "الإلزامات والتتبع" کا تعارف).. 140
☒ (امام دارقطنی کی تنقید کا احادیث بخاری پر بلحاظ صحت کوئی اثر نہیں).. 140
☒ (امام دارقطنی وغیرہ کی تنقید کی آڑ لے کر صحیحین پر طعن کرنے والوں کا تجزیہ).. 141
☒ رواۃ بخاری پر باجی مالکی کی جرح اور اس کا جواب:.. 141
☒ ڈاکٹر عمر کریم کا علامہ عینی حنفی پر اتہام اور اس کا جواب:.. 141
☒ کیا علامہ عینی نے رجال بخاری کو اہل ہوئی کہا ہے؟.. 142
☒ کیا علامہ عینی صحیح بخاری کی تمام احادیث کو صحیح نہیں مانتے؟.. 142
☒ احادیث صحیحین کی اصحیت اور ابن ہمام حنفی:.. 142
☒ ابن ہمام کے قول کا جواب:.. 143
☒ صحیح بخاری کی عظمت، قسطلانی کی زبانی:.. 143
☒ صحیح بخاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی:.. 144
☒ شیخ عبدالحق دہلوی کے قول کا صحیح مطلب:.. 144
☒ صحیح بخاری کا مقام شیخ عبدالحق دہلوی کی نظر میں:.. 144

☒ (ڈاکٹر عمر کریم حنفی کی علمی لیاقت!!)..144
☒ صحیح بخاری اور ملا علی قاری حنفی:..144
☒ صحیح بخاری کے رواۃ پر جرح کی حقیقت، ایک حنفی عالم کے قلم سے:..145
☒ صحیح بخاری پر محبّ اللہ بہاری حنفی اور بحر العلوم حنفی کے سات اعتراضات کا جائزہ:..146
☒ محبّ اللہ اور بحر العلوم ناشناسانِ فتن حدیث کی لیاقت:..146
☒ کیا احادیثِ صحیحین کو دوسری کتب میں مذکورہ احادیث پر ترجیح حاصل نہیں؟..146
☒ کیا شیخین کی جلالت اور صحیحین کی قبولیت مسلم نہیں؟..147
☒ کیا صحیحین کی سب احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں؟..147
☒ (احادیث صحیحین کی قطعیت)..147
☒ (کیا صحیحین میں متناقض احادیث موجود ہیں؟)..148
☒ کیا صحیح بخاری میں اہل بدعت راوی موجود ہیں؟..148
☒ قدریہ کی اقسام:..148
☒ کیا احادیث صحیحین کی صحت پر اجماع نہیں؟..148
☒ کیا صحیح بخاری ومسلم کی احادیث پر یقین کرنا واجب نہیں؟..148
☒ صحیح بخاری کے رواۃ پر شبہہ رفض کا دفعیہ:..149
☒ قلیل التشیع راوی کی حدیث صحیح ہوتی ہے:..149
☒ متابعات میں ضعیف یا شیعی راوی کی روایت سے چنداں حرج نہیں:..149
☒ بلا دلیل مفصل تشیع کا الزام مقبول نہیں:..149
☒ (اہل بدعت کی توثیق اور بدعت کی اقسام، حافظ ذہبی کے کلام سے)..149
☒ خالد بن مخلد القطوانی الکوفی:..150
☒ عباد بن یعقوب الرواجنی الکوفی:..150
☒ عوف الاعرابی ابو سہل البصری:..151
☒ محمد بن فضیل بن غزوان:..152
☒ صحیح بخاری میں کسی رافضی کی روایت بانفراد نہیں ہے:..153
☒ (صحیح بخاری کی بابت صحیح مجرد ہونے کی تصریح علامہ عینی حنفی کے قلم سے)..153
☒ امام بخاری رحمہ اللہ پر رافضیت کا اتہام اور اس کا جواب:..154

☒ جامع صحیح بخاری کا اُصح الکتب ہونا جمیع اہل علم کے نزدیک مسلم ہے:........ 154
☒ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اُصحیت:........ 155
☒ حافظ ابوعلی نیشاپوری کا قول اور اس کی تردید حافظ ابن حجر کے کلام سے:........ 155
☒ (ڈاکٹر عمر کریم کی امام نسائی کی عبارت میں لفظی و معنوی تحریف اور اس کی وضاحت)........ 155
☒ حافظ ابن الصلاح کا قول:........ 157
☒ (صحیح بخاری کی اُصحیت اور مجرد صحیح کتاب ہونے کے متعلق امام نووی کا کلام)........ 157
☒ موطأ امام مالک کی اُصحیت اور اس کا جواب:........ 158
☒ حافظ ابن الصلاح کا قول:........ 158
☒ سنن نسائی کی صحت اور صحیح بخاری کی اُصحیت:........ 159
☒ صحیح بخاری کی اُصحیت اور سنن ابو داود:........ 159
☒ صحیح بخاری کی بابت ایک خواب:........ 160
☒ سنن ابوداود اور امام خطابی:........ 160
☒ صحیح بخاری کی اُصحیت اور سنن ترمذی:........ 161
☒ (امام بخاری کی مدح سرائی، امام ترمذی کی زبانی)........ 161
☒ حافظ ابن الصلاح کی اہانت اور اس کا جواب:........ 161
☒ (حافظ ابن الصلاح کی مدح سرائی، ابن خلکان کی زبانی)........ 162
☒ صحیح بخاری کی عظمت، عینی حنفی اور کاتب چلپی کی زبانی:........ 162
☒ حافظ ابن صلاح سے پیشتر بھی لوگ اُصحیت بخاری کے قائل تھے:........ 162
☒ صحیح بخاری کی اُصحیت، امام نسائی کی زبانی:........ 162
☒ صحیح بخاری کو اصح الکتب قرار دینے کا ماخذ و مصدر:........ 163
☒ صحیح بخاری کے اُصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اجماع ہے:........ 163
☒ بخاری کے اصح الکتب ہونے پر علماء شرق و غرب کا اتفاق ہے، عینی حنفی کی شہادت:........ 164
☒ (حدیث: "من شذ شذ في النار" کی تحقیق)........ 164
☒ صحیح بخاری کی اُصحیت اور مجلس مولود کی بدعت:........ 164
☒ کیا صحیح بخاری کو اُصح الکتب قرار دینا بدعت ہے؟........ 164
☒ بدعت کی تعریف:........ 164

☒ عید میلاد کا آغاز کب ہوا؟.. 164
☒ امام بخاری نے صحیح بخاری کو اصح الکتب کیوں نہیں کہا؟.. 164
☒ امام بخاری نے اپنے زمانے کے ائمہ اہل بیت سے روایت کیوں نہیں کی؟.. 165
☒ اہل بیت کون لوگ ہیں؟.. 165
☒ صحیح بخاری میں اہل بیت سے روایت موجود ہے:.. 165
☒ کیا حضرت حسن وحسین ؓ کی اولاد اہل بیت میں داخل ہے؟.. 165
☒ صحیح بخاری میں ائمہ اہل بیت کی مرویات:.. 166
☒ امام بخاری اور امام ابوحنیفہ دونوں تابعی نہ تھے:.. 166
☒ امام بخاری کا اپنے زمانے کے چار ائمہ اہل بیت سے روایت نہ کرنا اور اس کی اصل وجہ:.. 167
☒ علی بن موسیٰ الرضا کا ترجمہ:.. 167
☒ (علی بن موسی الرضا کا منصفانہ مقام).. 167
☒ مذکورہ ائمہ اہل بیت سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 167
☒ علی بن موسی الرضا ؒ سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 168
☒ محمد تقی ؒ سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 168
☒ علی نقی ؒ سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 168
☒ حسن عسکری ؒ سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 169
☒ (مذکورہ چاروں ائمہ اہل بیت کے تراجم).. 169
☒ تحصیل حدیث میں امام بخاری کی جدوجہد:.. 169
☒ صحیح بخاری اور اہل بیت کی احادیث:.. 169
☒ حضرت زین العابدین ؒ قلیل الحدیث تھے:.. 170
☒ اہل بیت کی طرف بہت زیادہ موضوع احادیث منسوب کی گئیں:.. 170
☒ صحیح بخاری میں امام ابوحنیفہ سے روایت نہ لینے کی وجہ:.. 171
☒ روایتِ حدیث میں امام ابوحنیفہ کا مقام:.. 171
☒ صحیح بخاری میں ایک تاریخی غلطی اور اس کا جواب:.. 172
☒ امام ابوحنیفہ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا جنگ احد؟ قاضی ابو یوسف کی شہادت:.. 178
☒ کیا امام ذہلی نے امام بخاری کو بدعتی کہا تھا؟.. 179

☒ حامیانِ صحیح بخاری پر افتراءات:...179
☒ امام بخاری کی قبر سے مشک کی خوشبو:...180
☒ آنحضرت ﷺ کے پسینے کی خوشبو:...180
☒ خضر ◆ کا امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد قبر پر تیس سال تک استفادہ کرنا:...180
☒ امام بخاری اور امام ذہلی:...181
☒ امام بخاری کو شافعی کہنا غلط ہے:...181
☒ کیا طبقات شوافع میں مذکور ہونا شافعیت کی دلیل ہے؟...181
☒ امام احمد اور داود ظاہری کا طبقات شافعیہ میں مذکور ہونا:...181
☒ امام بخاری اور امام ذہلی کا اختلاف:...182
☒ کیا امام بخاری خلقِ قرآن کے قائل تھے؟...182
☒ کیا امام بخاری الفاظِ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے؟...183
☒ امام ذہلی کا اپنے شاگردوں کو امام بخاری کے استقبال کا حکم:...184
☒ امام ذہلی کے امام بخاری سے ناراض ہونے کی اصل وجہ:...185
☒ صحیح بخاری کے خلاف غیض وغضب کا اظہار:...185
☒ ڈاکٹر عمر کریم کی ادبی لیاقت:...185
☒ صحیح بخاری میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے:...186
☒ کیا حرمتِ معازف والی حدیث موضوع ہے؟...186
☒ امام شوکانی کی طرف مذکورہ حدیث کو موضوع کہنے کی نسبت:...186
☒ (امام شوکانی کے نزدیک احادیث صحیحین کا مقام ومرتبہ)...186
☒ مذکورہ حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں:...187
☒ ہشام بن عمار کا ترجمہ:...187
☒ صدقہ بن خالد کا ترجمہ:...187
☒ عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کا ترجمہ:...187
☒ عطیہ بن قیس کلابی کا ترجمہ:...188
☒ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کا ترجمہ:...188
☒ متن حدیث اور موضوع حدیث کی علامت:...188

☒ مذکورہ حدیث پر ابن حزم کے سوا کسی نے کلام نہیں کیا:........ 188
☒ ابن حزم کی تردید میں حافظ ابن حجر کا قول:........ 188
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:........ 189
☒ قاضی شوکانی کا قول:........ 189
☒ حدیث معازف کی تصحیح میں امام شوکانی کا قول:........ 189
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:........ 189
☒ حافظ ابن حجر کا قول:........ 189
☒ کیا حدیث: "لا يزني الزاني حسين يزني وهو مؤمن" موضوع ہے؟........ 189
☒ مذکورہ حدیث اور امام ابوحنیفہ:........ 190
☒ کیا مذکورہ حدیث قرآن کے خلاف ہے؟........ 190
☒ امام ابوحنیفہ کی جرحِ حدیث مقبول نہیں:........ 190
☒ مذکورہ حدیث پر امام ابوحنیفہ کی جرح کی حیثیت:........ 190
☒ مذکورہ حدیث کے تمام راوی ائمہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں:........ 190
☒ سعید بن کثیر بن عفیر کا ترجمہ:........ 190
☒ لیث بن سعد کا ترجمہ:........ 191
☒ عقیل بن خالد بن عقیل کا ترجمہ:........ 191
☒ ابن شہاب زہری کا ترجمہ:........ 191
☒ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ہشام کا ترجمہ:........ 191
☒ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کا ترجمہ:........ 192
☒ (امام ابوحنیفہ سے مذکورہ حدیث کی بابت کلام نقل کرنے والا ابومطیع بلخی غیر معتبر اور متروک ہے)........ 192
☒ (امام ابوحنیفہ کی طرف کتاب "العلم والمتعلم" کی نسبت)........ 192
☒ متن حدیث کا درایتی جائزہ:........ 192
☒ کیا مذکورہ حدیث قرآن کے مخالف ہے؟........ 192
☒ حدیث مذکور میں کمالِ ایمان کی نفی مذکور ہے نہ کہ مطلق ایمان کی:........ 192
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:........ 192
☒ امام نووی کا قول:........ 193

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ مذکورہ حدیث قرآن مجید کے عین مطابق ہے:...................................... 193
☒ مذکورہ حدیث کی توضیح میں ابن عباس ◆ اور عینی حنفی کا قول::...................................... 193
☒ مذکورہ حدیث امام ابوحنیفہ کی شرط کے مطابق بھی صحیح ہے:...................................... 193
☒ امام ابوحنیفہ اور صحیح حدیث کی شرائط:...................................... 194
☒ کیا صحیح بخاری میں مخالفِ قرآن احادیث موجود ہیں؟...................................... 194
☒ (کیا صحیح حدیث کے لیے قرآن مجید کے موافق ہونا ضروری ہے؟)...................................... 194
☒ تصحیح حدیث میں امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کا مرتبہ:...................................... 194
☒ امام ابوحنیفہ نے حدیث پڑھی ہی نہیں، ایک حنفی کی شہادت:...................................... 195
☒ امام ابوحنیفہ کے قول "إذا صح الحديث فهو مذهبي" کا انوکھا مطلب:...................................... 195
☒ امام ابوحنیفہ کی شرائط صحت کے مطابق صحیح احادیث کہاں ہیں؟...................................... 195
☒ کیا کسی حنفی کے لیے احادیثِ بخاری کی پابندی ضروری نہیں؟...................................... 195
☒ صحیح بخاری میں کوئی بھی غلطی نہیں ہے:...................................... 196
☒ صحیح بخاری میں صرفی ونحوی غلطیاں نظر آنے کا اصل سبب:...................................... 196
☒ صحیح بخاری کی تائید میں ابن مالک نحوی کی ایک کتاب:...................................... 196
☒ امام بخاری کی توہین:...................................... 196
☒ تراجم ابواب میں امام بخاری کی فقاہت:...................................... 196
☒ حامیان سنت کو بخاری پرستی کا طعنہ اور اس کا جواب:...................................... 197
☒ صحیح بخاری میں پہلی غلطی اور علامہ عینی:...................................... 197
☒ علامہ عینی حنفی کی تردید:...................................... 198
☒ دوسری غلطی اور اس کا جواب:...................................... 200
☒ تیسری غلطی اور اس کا جواب:...................................... 203
☒ ایجاب و وجوب:...................................... 208
☒ امام بخاری پر علامہ عینی حنفی کا اعتراض اور اس کا جواب:...................................... 208
☒ امام بخاری ترجمۃ الباب میں وجوب کے بجائے ایجاب کا لفظ کیوں لائے؟...................................... 209
☒ باب افعال کی خاصیت:...................................... 209
☒ حکم کی تعریف:...................................... 210

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ امام بخاری کی تائید اصول فقہ حنفی کی کتب سے:........ 210

☒ امام بخاری مجتہد مطلق تھے:........ 210

☒ (امام بخاری مجتہد مطلق تھے، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کی شہادت)........ 210

☒ فن حدیث میں امام بخاری کا درجہ:........ 211

☒ امام بخاری کی شان میں اٹھارہ ائمہ محدثین کی شہادت:........ 211

☒ (امام بخاری کی مدح سرائی میں اسحاق بن راہویہ، ابومصعب الزھری اور محمد بن ظاہر المقدسی کے اقوال). 211

☒ حامیان سنت پر ایک افتراء اور اس کا جواب:........ 212

☒ صحیح بخاری کا وجود مسعود بذات خود امام بخاری کے اجتہاد کی دلیل ہے:........ 212

☒ کیا طبقات شافعیہ میں مذکور ہونا شافعیت کی دلیل ہے؟........ 212

☒ امام بخاری کی شافعیت میں ابوعاصم اور تاج الدین سبکی کا قول اور اس کا جواب:........ 212

☒ امام بخاری کو کسی نے مقلد نہیں کہا:........ 213

☒ امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں:........ 213

☒ صحیح بخاری میں صرف صحیح احادیث داخل ہیں:........ 214

☒ صحیح بخاری کے علاوہ بقیہ صحیح احادیث کہاں ہیں؟........ 214

☒ احادیث بخاری کی تعداد:........ 214

☒ (صحیح بخاری میں موصول احادیث کی تعداد)........ 214

☒ صحیح بخاری کی اہانت:........ 214

☒ کیا امام مسلم نے امام بخاری کو منتحل الحدیث کہا ہے؟........ 215

☒ کیا اصحابِ سنن نے امام بخاری سے روایت نہیں لی؟........ 215

☒ امام بخاری سے امام ترمذی اور نسائی کی روایت:........ 215

☒ امام مسلم کی روایت:........ 215

☒ امام بخاری کی فقاہت اور اجتہادات کا مجموعہ:........ 215

☒ امام بخاری کی طرف احناف کے وضع کردہ ایک فتویٰ کی نسبت:........ 216

☒ مذکورہ فتویٰ کی تردید علمائے احناف کی زبانی:........ 216

☒ امام بخاری کے بخارا سے اخراج کی اصل وجہ:........ 216

☒ صحیح بخاری کے تراجم ابواب:........ 217

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ مطابقت کی اقسام:.. 217
☒ ترجمہ باب سے احادیث کی مطابقت:.. 218
☒ پہلی حدیث:... 218
☒ ترجمہ باب سے حدیث کی مطابقت:.. 218
☒ علامہ سندھی حنفی کا قول:.. 219
☒ دوسری حدیث:... 219
☒ ترجمہ باب سے حدیث کی مطابقت:.. 219
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:.. 220
☒ تیسری حدیث:.. 220
☒ ترجمہ باب سے مطابقت:.. 220
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:.. 221
☒ امام بخاری کا استہزاء:.. 221
☒ کتاب بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی توہین کا اتہام اور اس کا جواب:........................ 221
☒ کیا امام بخاری نے صحیح بخاری میں امام ابوحنیفہ کی توہین کی ہے؟.............................. 222
☒ کیا ''بعض الناس'' کلمہ تحقیر ہے؟... 222
☒ امام ابوحنیفہ ائمہ محدثین کے نزدیک مجروح ہیں:... 223
☒ امام ابوحنیفہ کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں:.. 223
☒ کیا ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو فتوی نویسی سے روکا تھا؟..................................... 223
☒ امام بخاری کی طرف منسوب ایک جعلی فتوی:.. 223
☒ ڈاکٹر عمر کریم حنفی کے تین جھوٹ:.. 224
☒ (کیا امام بخاری کو امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین سے کوئی ذاتی عداوت تھی؟)............... 224
☒ امام بخاری پر توہین رسول ﷺ اور اہانت صحابہ کا اتہام:...................................... 225
☒ کتب احناف میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی توہین:...................................... 225
☒ صحیح بخاری میں کہیں بھی آنحضرت ﷺ کی توہین نہیں ہے:.................................... 226
☒ کیا پیغمبر کو لفظ ''رجل'' سے ذکر کرنا توہین ہے؟.. 227
☒ قرآن مجید میں انبیاء کی بابت لفظ رجل استعمال کیا گیا ہے:..................................... 227

☒ کیا رسول اللہ ﷺ رجل اور بشر نہ تھے؟.. 228
☒ کیا کتابِ بخاری کا آغاز بغیر حمد اور صلوٰۃ کے ہے؟.. 228
☒ حمد کی تعریف:.. 228
☒ حمد سے آغاز کی ترغیب:.. 228
☒ لکھ کر حمد کرنا ضروری نہیں:.. 229
☒ بسملہ لکھ کر آغاز کرنا مسنون طریقہ ہے:.. 229
☒ صحیح بخاری پر عینی حنفی کے چند اعتراضات اور اس کے جوابات:.. 230
☒ بسم اللہ قرآنی آیت ہے:.. 230
☒ صحیح بخاری کی ابتداء میں حمد اور صلوٰۃ کا ثبوت:.. 230
☒ کتاب بخاری میں ایک اور غلطی اور اس کا جواب:.. 231
☒ مذکورہ غلطی کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں:.. 234
☒ بخاری کے مرجیہ رواۃ:.. 235
☒ اہل ارجاء کی روایت:.. 236
☒ (کسی مشرک کی روایت مقبول نہیں).. 236
☒ (حدیث: "الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن" کی تحقیق).. 236
☒ (بہت سے رواۃ کو بلا دلیل بدعت کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، علامہ جلال الدین قاسمی کا کلام)...... 236
☒ امام ابوحنیفہ اور احناف کا مرجیہ ہونا:.. 237
☒ صحیح بخاری کے روایت سے طعن ارجاء کا دفعیہ:.. 237
☒ ۱۔ شبابہ بن سوار مدائنی:.. 237
☒ ۲۔ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن ابو یحییٰ الحمانی الکوفی:.. 237
☒ ۳۔ عمر بن ذر الہمدانی:.. 238
☒ عمرو بن مرۃ الجملی:.. 238
☒ ورقاء بن عمر:.. 238
☒ أیوب بن عائذ:.. 239
☒ بشر بن محمد السختیانی:.. 240
☒ سالم بن عجلان:.. 240

☒ شعیب بن اسحاق:.. 240
☒ خلاد بن یحیٰی:.. 240
☒ خاتمہ:.. 242

حل مشکلات بخاری (حصہ دوم)

☒ جواب مضامین سید محمد غوث حنفی سکھو چکی گورداسپوری::.. 243
☒ بخاری کی حدیثوں کا دوسری کتب حدیث سے مقابلہ:.. 243
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے والی حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب:.. 243
☒ معترض کی علمی لیاقت:.. 244
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے فوائد:.. 244
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اور صحابہ کرام کا طرز عمل:.. 244
☒ مذکورہ حدیث نبوی پر معترض کے فضول احتمالات اور ان کا جواب:.. 245
☒ کیا حالت پیشاب میں کلام کرنے کی ممانعت ہے؟.. 245
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اور حضرت عائشہ ☐ کی ایک حدیث:.. 246
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی رخصت اور ائمہ محدثین کی تبویبات:.. 246
☒ حدیثِ عائشہ ☐ کی صحیح توجیہہ:.. 246
☒ ملا علی قاری حنفی کا قول:.. 247
☒ حافظ ابن حجر کا قول:.. 247
☒ کیا آنحضرت ♏ نے حضرت عمر ♦ کو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع کیا تھا؟.. 247
☒ حضرت عمر سے حالت اسلام میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے:.. 247
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع کرنے والی احادیث ضعیف ہیں:.. 247
☒ صحابہ و تابعین کا طرز عمل:.. 247
☒ ممانعت میں کوئی حدیث ثابت نہیں:.. 248
☒ حافظ ابن حجر کا قول:.. 248
☒ امام شوکانی کا قول:.. 248
☒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے؟.. 248

☒ حدیث "من قال: أنا خیر من یونس ..." پر اعتراض اور اس کا جواب:...... 249
☒ جواب الجرح علی البخاری:...... 251
☒ عدم انزال سے عدم غسل والی حدیث منسوخ ہے:...... 251
☒ حدیث مذکور پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب:...... 251
☒ دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:...... 251
☒ تیسرا اعتراض اور اس کا جواب:...... 252
☒ چوتھا اعتراض اور اس کا جواب:...... 252
☒ مذکورہ حدیث کا نسخ صریح نص سے ثابت ہے:...... 253
☒ امام بخاری پر ایک اعتراض اور اس کا جواب:...... 254
☒ کیا رفع الیدین اور آمین بالجہر کی معارض احادیث موجود ہیں؟...... 255
☒ صحیح بخاری کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں:...... 255
☒ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیثوں کا مقابلہ:...... 256
☒ دفعِ تعارض کی شرائط:...... 257
☒ عزل کے متعلق صحیحین کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں:...... 257
☒ صحیحین کی مذکورہ دونوں احادیث ناسخ و منسوخ نہیں:...... 259
☒ فقہ حنفی میں بخوفِ زنا اور تسکین کی نیت سے مشت زنی کی اجازت ہے:...... 260
☒ جواب مضامین ایڈیٹر اہل فقہ:...... 261
☒ اجتہاد و تقلید:...... 261
☒ مسئلہ ایمان میں امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کے اجتہاد کا موازنہ:...... 261
☒ کیا مسئلہ ایمان میں امام بخاری کا اجتہاد قرآن و حدیث کے خلاف ہے؟...... 261
☒ امام بخاری کے دلائل:...... 262
☒ امام ابوحنیفہ کا اجتہاد درحقیقت قرآن و حدیث کے خلاف ہے:...... 262
☒ دونوں ائمہ کے اجتہاد میں اتحاد:...... 262
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:...... 263
☒ دیگر ائمہ اہل سنت کے اقوال:...... 263
☒ کیا ایمان و عمل میں مغایرت کلی ہے؟...... 263

☒ ایمان وعمل میں عطف مغایرت نہیں:........ 264
☒ قرآن مجید سے اہتمام شان کے لیے عطف کا ثبوت:........ 264
☒ معترض کی کوتاہ نظری اور اس کا جواب:........ 264
☒ مشاغل علمی وریویو:........ 266
☒ امام بخاری پر علم صرف میں عدم مہارت کا الزام اور اس کا جواب:........ 266
☒ مذکورہ اعتراض کا تین طرق سے جواب:........ 267
☒ طریق اول:........ 267
☒ طریق ثانی:........ 268
☒ طریق ثالث:........ 269
☒ الزامی جواب:........ 270
☒ امام ابوحنیفہ کی عربی دانی:........ 270
☒ حضرت امام بخاری اور ان کی کتاب صحیح بخاری:........ 271
☒ ایڈیٹر اہل فقہ کی علمی لیاقت:........ 271
☒ کتابتِ حدیث سے ممانعت کا سبب:........ 272
☒ عہد نبوی میں کتابتِ حدیث کا ثبوت:........ 272
☒ محدثین کے قواعد صحت وضعف آج تک منہاج العمل ہیں:........ 273
☒ کیا ہر جرح معتبر ہے؟........ 273
☒ محدثین پر جمعِ حدیث میں تعصب کا الزام:........ 273
☒ رواۃ بخاری پر جرح اور اس کا مسکت جواب:........ 274
☒ رواۃ بخاری پر جرح میں مقلدین کی تضعیف کردہ ایک کتاب:........ 274
☒ احادیث صحیحین کی قطعیت اور امام نووی کے کلام کی تردید:........ 274
☒ احادیث صحیحین پر ابن ہمام کا اعتراض اور اس کا جواب:........ 275
☒ صحیحین کی اصحیت علامہ زیلعی حنفی کی زبانی:........ 276
☒ صحیحین کی حدیث کو دیگر احادیث پر ترجیح حاصل ہے:........ 276
☒ رواۃ صحیحین پر جرح اور اس کی حقیقت:........ 276
☒ ائمہ محدثین کے نزدیک صحیح بخاری کا مقام ومرتبہ:........ 277

☒ جواب مضامین عبداللہ طالب العلم بہاری:............ 277
☒ جواب الجواب:............ 277
☒ دنیا میں اصلی مجتہد صرف امام بخاری ہیں:............ 277
☒ شہادت حسین ♦ کا اصل ذمہ دار کون تھا؟............ 277
☒ طاعنین صحیح بخاری کی حیثیت:............ 278
☒ امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کا موازنہ:............ 278
☒ امام ابوحنیفہ کو احادیث نبویہ سے شغل نہ تھا، ایک حنفی کی شہادت:............ 278
☒ ابن ابی لیلیٰ اور امام بخاری:............ 278
☒ امام بخاری کو مقلد کہنا جہالت کی علامت ہے:............ 278
☒ امام بخاری کی توہین:............ 279
☒ امام بخاری کو ابو عاصم کا طبقات شافعیہ میں ذکر کرنا:............ 279
☒ کیا امام مسلم شافعی تھے؟............ 279
☒ حامیان صحیح بخاری پر ایک افتراء:............ 280
☒ امام بخاری کے مجتہد ہونے کی شہادت:............ 280
☒ امام بخاری کی فقاہت اور معترض کی دریدہ دہنی:............ 280
☒ صحیح بخاری کے تراجم ابواب اور معترض کی ہرزہ سرائی:............ 281
☒ صحیح بخاری میں مطابقت کی اقسام:............ 281
☒ ترجمۃ الباب سے ایک حدیث کی مطابقت پر اعتراض اور اس کا جواب:............ 282
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:............ 283
☒ ترجمۃ الباب سے ایک حدیث کی مطابقت پر اعتراض اور اس کا جواب:............ 283
☒ علامہ عینی حنفی کا قول:............ 284
☒ ترجمۃ الباب سے ایک حدیث کی مطابقت پر اعتراض اور اس کا جواب:............ 284
☒ امام بخاری پر جہالت کا الزام اور اس کا جواب:............ 286
☒ امام بخاری پر امام مسلم کے کلام کی حقیقت:............ 287
☒ امام مسلم کی زبانی امام بخاری کی مدح وستائش:............ 287
☒ جواب مضامین شتیٰ بابت صحیح بخاری:............ 289

☒ صحیح بخاری پر دو اعتراضات اور ان کے جوابات:..289
☒ کیا صحیح بخاری کی حدیث جبرئیل میں "إذا ولدت الأمة ربها" کے الفاظ موضوع ہیں؟..............289
☒ مسند ابی حنیفہ کی حقیقت:..289
☒ کیا حدیث جبرئیل میں "أن تعبد الله کأنك تراه" کا جملہ موضوع ہے؟..............289
☒ صحیح بخاری کی ایک حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب:..290
☒ کلونجی ہر بیماری کی شفا ہے:..290
☒ کتب طب سے کلونجی کے فوائد:..290
☒ اہل ایمان کے لیے موجب یقین کلام رسول ہے، نہ کہ کلام اطباء:..291
☒ کیا امام بخاری نے کسی انعام کے لالچ میں احادیث حفظ کی تھیں؟..292
☒ مذکورہ افتراء کا درایتی جائزہ:..292
☒ امام بخاری کو صاحب باطن اور بدعتی قرار دینے کا افتراء اور اس کا جواب:..293
☒ کیا حدیث لکھنے سے قبل دو رکعت پڑھنے کا عمل بدعت ہے؟..293
☒ صحیح بخاری کے ایک ترجمۃ الباب پر اعتراض اور اس کا جواب:..294
☒ امام بخاری کو کئی لاکھ احادیث یاد تھیں:..295
☒ معلقاتِ بخاری کا حکم:..295
☒ صحیح بخاری کی اصحیت پر ایک عجیب اعتراض:..296
☒ امام بخاری کی فقاہت پر اعتراض اور اس کا جواب:..296
☒ عمر نبوی کے متعلق احادیثِ صحیحین میں تعارض اور اس کی حقیقت:..297
☒ قیام قباء کے متعلق احادیث بخاری میں تعارض اور اس کی حقیقت:..297
☒ بعض ضعفا سے محدثین کے روایت لینے کا ضابطہ:..299
☒ امام بخاری کا کسی روایت کو درج کرنا، اس کی صحت کی دلیل ہے:..299
☒ صحیح بخاری اور احناف کا طرز عمل:..300
☒ اہل حدیث پر ایک اتہام اور اس کا جواب:..300
☒ صحیح بخاری کی بابت ایک سوال اور اس کا جواب:..300
☒ نجدیوں کی بے بسی:..300
☒ کیا صحیح بخاری میں شراب کی حلت موجود ہے؟:..301

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ ترجمہ حدیث میں معترض کی جہالت کا ثبوت:........ 301
☒ مذہب حنفی میں شراب کی حلت کا ثبوت:........ 301
☒ کیا صحیح بخاری کو اصح الکتب کہنا رفض کی علامت ہے؟........ 302
☒ کیا صحیح بخاری کی احادیث شرع وعقل کے خلاف ہیں؟........ 302
☒ اہل حدیث پر کفر وارتداد کا اتہام اوراس کا جواب:........ 302
☒ مذہب حنفی کی رو سے احناف کا ایمان اور ابلیس کا ایمان برابر ہے:........ 302
☒ صحیح بخاری کے ایک اثر پر اعتراض اوراس کا جواب:........ 302
☒ معترض کی علمی لیاقت:........ 303
☒ صحیح بخاری میں تعارض اوراس کی حقیقت:........ 303
☒ امام بخاری اور مسئلہ عزل:........ 304
☒ باب العزل میں اقوال صحابہ ذکر کرنے کا سبب:........ 304
☒ کیا امام بخاری کا اجتہاد ظاہر حدیث کے خلاف ہے؟........ 304
☒ صحیح بخاری میں عبداللہ بن ابی کے جنازے سے متعلقہ احادیث میں تعارض اوراس کی حقیقت:........ 305
☒ علامہ عینی کا قول:........ 305
☒ امام ابوحنیفہ حدیث میں امام مالک کے شاگرد ہیں:........ 306
☒ صحیح بخاری میں وفات مسیح کے متعلق ابن عباس ♦ کا اثر:........ 306
☒ حدیث خیر القرون اور امام ابوحنیفہ کی تابعیت:........ 307
☒ حدیث خیر القرون کا مطلب:........ 308
☒ امام بخاری پر تیرہ اعتراضات اوران کے جوابات:........ 309
☒ صحیح بخاری کی ایک حدیث پر اعتراض اوراس کا جواب:........ 311
☒ بندروں کے رجم والی حدیث پر اعتراض اوراس کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں:........ 312
☒ ترجمہ باب سے ایک حدیث کی مطابقت پر اعتراض اوراس کا جواب:........ 313
☒ فہم حدیث میں معترض کی جہالت:........ 314
☒ امام بخاری پر سماع وتواجد کا اعتراض اوراس کا جواب:........ 148
☒ کیا امام بخاری کے پاس کوئی سند نہ تھی؟........ 315
☒ امام بخاری پر ایک اعتراض اوراس کا جواب:........ 316

⊠ حدیث افک کا انکار اور اس کا جواب:........ 317
⊠ بندروں کے رجم والی حدیث پر چار اعتراضات اور ان کے جوابات:........ 317
⊠ امام بخاری کی تاریخ وفات لفظ بندر سے نکالنا اور مؤلف ؒ کا دندان شکن مسکت جواب:........ 318
⊠ خاتمہ (حصہ دوم):........ 319

حل مشکلات بخاری (حصہ سوم)

⊠ اُصح الکتب اور غلطیاں:........ 321
⊠ صحیح بخاری کی پہلی غلطی اور اس کا جواب:........ 321
⊠ صحیح بخاری میں قرآنی آیات لکھنے کا انداز:........ 322
⊠ صحیح بخاری میں دوسری غلطی اور اس کا جواب:........ 323
⊠ احرف سبعہ کا مطلب:........ 323
⊠ صحیح بخاری میں تیسری غلطی اور اس کا جواب:........ 324
⊠ صحیح بخاری میں چوتھی غلطی اور اس کا جواب:........ 326
⊠ صحیح بخاری میں ایک موضوع حدیث کی نشاندہی اور اس کی حقیقت:........ 328
⊠ موضوع حدیث کی پہچان کیا ہے؟........ 330
⊠ حدیث مذکور علامات وضع سے مبرا ہے:........ 330
⊠ حدیث مذکور کی توضیح میں شارحین کے اقوال:........ 331
⊠ مذکورہ حدیث کی بابت معترض کو جواب الجواب:........ 332
⊠ صحیح بخاری کی چند احادیث پر وضع کا اعتراض اور اس کا جواب:........ 334
⊠ پہلی حدیث:........ 334
⊠ دوسری حدیث:........ 335
⊠ صحیح بخاری اور موضوعات ابن جوزی:........ 336
⊠ صحیح بخاری کی ایک حدیث کے متعلق معترض کی مزید گوہر افشانی اور اس کا جواب:........ 337
⊠ سعید بن عفیر پر جرح اور اس کا جواب:........ 337
⊠ معترض کے امام بخاری پر افتراءات کی فہرست:........ 338
⊠ خضر◆ زندہ ہیں:........ 339

☒ حضرت موسی ◆ کا ملک الموت کی آنکھ نکالنا:........................ 340
☒ کیا مذکورہ حدیث عقل ونقل کے مخالف ہے؟........................ 340
☒ مذکورہ حدیث کی تائید قرآن مجید کی آیات سے:........................ 341
☒ مذکورہ حدیث کے منکر پر امام ابن خزیمہ کا فتویٰ:........................ 342
☒ مذکورہ حدیث کی توجیہہ:........................ 342
☒ صحیح بخاری کے اثر ابن عمر ◆ پر پانچ اعتراضات اور ان کے جوابات:........................ 343
☒ علامہ عینی حنفی کا مختصر تعارف:........................ 345
☒ صحیح بخاری میں ایک غلطی اور اس کا جواب:........................ 346
☒ دوسری غلطی اور اس کا جواب:........................ 346
☒ تیسری غلطی اور اس کا جواب:........................ 347
☒ جماعت اہل حدیث پر افتراءات اور ان کا جواب:........................ 349
☒ صحیح بخاری کے رواۃ پر جرح اور اس کی حقیقت:........................ 349
☒ حضرت موسیٰ ◆ اور ملک الموت والی حدیث پر مزید اعتراضات اور ان کے جوابات:........................ 350
☒ امام بخاری کی توہین بار دیگر:........................ 352
☒ صحیح بخاری کی بعض احادیث پر مزید اعتراضات اور ان کے جوابات:........................ 353
☒ امام ابوحنیفہ کو عمر بھر دہر کا معنی معلوم نہ ہوا، ایک حنفی کی شہادت:........................ 353
☒ ابوالطفیل عامر بن واثلہ کا سن وفات:........................ 353
☒ بخاری کی ایک اور موضوع حدیث اور اس کا جواب:........................ 355
☒ اثر ابن عمر میں في کا مجرور:........................ 359
☒ مذکورہ اثر کے متعلق مزید اعتراضات اور ان کے جوابات:........................ 360
☒ اثر پر حدیث کا اطلاق:........................ 362
☒ کیا محدثین نے جمع روایات میں خلفائے راشدین کا طریقہ چھوڑ دیا تھا؟........................ 363
☒ محدثین کرام کا امت پر احسان:........................ 363
☒ صحیح بخاری کی ایک غلطی اور اس کا جواب:........................ 364
☒ امام بخاری پر دو اعتراضات اور ان کے جواب:........................ 365
☒ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی وضاحت:........................ 366

☒ امام بخاری اور طلاق ثلاثہ:.......... 367
☒ صحیح بخاری کی احادیث لعان:.......... 368
☒ کیا خون ناقض وضو ہے؟.......... 368
☒ صحیح بخاری کی ایک عبارت کی توضیح:.......... 369
☒ کیا صحیح بخاری فیصلہ کن کتاب نہیں؟.......... 370
☒ ترجمہ باب سے ایک حدیث کی مطابقت پر نو اعتراض اور ان کا جواب:.......... 370
☒ ارادہ دل پر مواخذہ:.......... 373
☒ ارادہ قلبی کی اقسام:.......... 374
☒ امام ابن باقلانی کا قول:.......... 375
☒ امام بخاری نے امام شافعی اور امام احمد سے روایت کیوں نہیں لی؟.......... 378
☒ امام بخاری پر حدیث میں کتر بیونت کا الزام اور اس کا جواب:.......... 379
☒ صحیح بخاری کی ایک حدیث پر تین اعتراضات اور ان کے جوابات:.......... 380
☒ رفع الیدین کے بارے ایک حدیث اور اس کی توضیح:.......... 381
☒ قراءت خلف الامام اور حضرت زید بن ثابت ♦:.......... 382
☒ صحیح بخاری کی حدیث ضب پر اعتراض اور اس کا جواب:.......... 383
☒ صحیح بخاری میں ایک اور موضوع حدیث اور اس کا جواب:.......... 383
☒ صحیح بخاری کی بابت اٹھارہ سوالات اور ان کے جوابات:.......... 385
☒ صحیح بخاری کے غیر مکمل کتاب ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب:.......... 389
☒ صحیح بخاری کے خلاف مقلدین کی ایک کتاب:.......... 390
☒ قصائد در مدح صحیح بخاری:.......... 391

الأمر المبرم

☒ دیباچہ:.......... 401
☒ اہل حدیث حضرات کی خدمت میں:.......... 404
☒ آغازِ کتاب:.......... 405
☒ ڈاکٹر عمر کریم کا دعوائے سیادت اور اس کی حقیقت:.......... 405
☒ (حدیث: "اتبعوا السواد الأعظم" کی تحقیق).......... 405

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ ابتدائے جواب:.. 407
☒ ابتدا ہی غلط!.. 407
☒ مولوی عمر کریم کا آنحضرت ♏ کے نام کے ساتھ درود نہ لکھنا:.. 407
☒ مولوی عمر کریم کا بقلم خود جہالت کا اعتراف:.. 407
☒ مولوی عمر کریم کا مقصدِ تالیف:.. 408
☒ عمل بالحدیث کا انتشار:.. 408
☒ تقلید اور عمل بالحدیث میں تناقض اور تباین کلی ہے:.. 408
☒ اہانتِ رسول ♏ کا مرتکب کون؟.. 409
☒ تقویۃ الاِیمان پر ایک افترا اور اس کا جواب:.. 409
☒ تقویۃ الاِیمان کی صداقت وحقانیت، رشید احمد گنگوہی حنفی کی زبانی:.. 409
☒ اہل حدیث پر امام ابوحنیفہ اور ان کی فقہ کی اہانت کا الزام:.. 410
☒ عمل بالکتاب والسنۃ کے متعلق شاہ ولی اللہ کی وصیت:.. 410
☒ امام ابوحنیفہ کی عمل بالحدیث کی تلقین:.. 410
☒ کیا فقہ حنفی کے تمام مسائل حدیث نبوی کے موافق ہیں؟.. 410
☒ فقہ حنفی کا پہلا مسئلہ:.. 411
☒ فقہ حنفی کا دوسرا مسئلہ:.. 411
☒ فقہ حنفی کا تیسرا مسئلہ:.. 411
☒ ردتقلید میں مؤلف ☋ کی ایک تصنیف اور مقلدین احناف کو چیلنج:.. 411
☒ احکام قرآنی کا مخالف کون؟ اہل حدیث یا مقلدین احناف؟.. 411
☒ فقہ حنفی کے قرآن وحدیث کے خلاف پچیس مسائل:.. 412
☒ سیرۃ النعمان اور اس کا جواب حسن البیان:.. 412
☒ کتابتِ حدیث کا آغاز کب ہوا تھا؟.. 413
☒ عہد نبوی میں کتابتِ حدیث کے دلائل:.. 413
☒ (عبداللہ بن عمرو ◆ کی عمر اور سن وفات).. 413
☒ حضرت ابوہریرہ اور کتابتِ حدیث:.. 414
☒ وضعِ احادیث کا سبب مسلکی تعصب ہے:.. 414

☒ (وضع حدیث میں تقلید وتعصب ایک بنیادی عنصر تھا).. 414
☒ ایک مشہور وضاع کا اقرار واعتراف:.. 414
☒ عبدالکریم وضاع حدیث اور عمر کریم:.. 415
☒ امام بخاری اور صحیح بخاری کی امامت وصحت کا اقرار، مولوی عمر کریم کی زبانی:.. 415
☒ مولوی عمر کریم کے کلام میں تناقض کا ثبوت:.. 415
☒ امام بخاری کو کئی لاکھ احادیث یاد تھیں:.. 416
☒ صحیح بخاری میں احادیث کی تعداد:.. 417
☒ مولوی عمر کریم کی تاریخ وسیر دانی:.. 417
☒ (احادیث بخاری کی مکمل تعداد).. 417
☒ صحیح بخاری کی تصنیف میں امام بخاری کا حزم واحتیاط:.. 417
☒ کیا جمع احادیث قدرت بشری سے باہر ہے؟.. 417
☒ صحیح بخاری ومسلم میں صرف صحیح احادیث شامل ہیں:.. 418
☒ صحیح بخاری ومسلم کی صحت پر اجماع:.. 418
☒ سنن اربعہ میں موضوع احادیث نہیں ہیں:.. 419
☒ ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل:.. 419
☒ (فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل درست نہیں).. 419
☒ (سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں موضوع احادیث موجود ہیں).. 420
☒ موضوع حدیث کی پہچان کیا ہے؟.. 420
☒ موضوعات ابن جوزی پر نقد وتبصرہ:.. 421
☒ بخاری ومسلم میں مجروح رواۃ اور اس کی حقیقت:.. 422
☒ فن حدیث میں محدثین کے علاوہ احناف وغیرہ کی جرح معتبر نہیں:.. 422
☒ ابن ہمام اور دیگر شارحین ہدایہ کی نقل غیر معتبر ہے:.. 422
☒ جرح غیر مفسر اور اسباب جرح سے ناواقف شخص کی جرح مقبول نہیں:.. 423
☒ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی کا قول:.. 423
☒ کیا احادیث کا موجودہ ذخیرہ فقہ کے لیے معیار نہیں؟.. 423
☒ حدیث اور فقہ کی تدوین میں مقارنہ:.. 423

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ تدوین حدیث کے بعد مقلدین نے احادیث کی مخالفت کیوں کی؟.......... 423
☒ مسائل فقہ کی کوئی سند نہیں:.......... 424
☒ فقہ حنفی کے موافق احادیث کہاں ہیں؟.......... 424
☒ کیا امام ابوحنیفہ پر احادیث کی پابندی واجب نہیں؟.......... 424
☒ امتداد زمانہ کی بدولت فقہ حنفی کے موافق احادیث کا نام ونشان باقی نہ رہا، مولوی عمر کریم کا اعتراف:...... 424
☒ اخذ حدیث میں امام ابوحنیفہ کے نظریہ شدت کا ابطال:.......... 425
☒ امام ابوحنیفہ کو احادیث نہ ملنے کا ثبوت:.......... 425
☒ کیا امام مسلم نے دیباچہ مسلم میں امام بخاری کو سخت لفظوں سے یاد کیا ہے؟.......... 425
☒ (حدیث معنعن میں لقاء وسماع کی شرط امام بخاری اور علی بن مدینی سے ثابت نہیں).......... 425
☒ امام ابن جوزی کے اسلوب جرح وتعدیل پر نقد وتبصرہ:.......... 426
☒ کیا مسائل حنفیہ کے مطابق احادیث موجود ہیں؟.......... 426
☒ مولوی عمر کریم کی احادیث نبویہ اور محدثین سے عداوت:.......... 426
☒ کتب صحاح سے عداوت رکھنے والے پر رشید احمد گنگوہی حنفی کا فتویٰ:.......... 427
☒ صحیح بخاری کی بابت مولوی عمر کریم کے کلام میں تناقض:.......... 427
☒ صحیح بخاری کی توہین کرنے والے کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فتوی:.......... 427
☒ کونسی جرح مقبول ہوتی ہے؟.......... 428
☒ جرح وتعدیل نقل کرنے کا ضابطہ:.......... 428
☒ راویانِ صحیح بخاری سے اتہامِ جرح کا دفعیہ:.......... 430
☒ تمہید ضروری:.......... 430
☒ صحیحین کے اصولی راوی جمہور کے نزدیک عادل ہیں:.......... 430
☒ صحیحین کے رواۃ پر کسی دوسرے کی جرح معتبر نہیں:.......... 430
☒ جرح کا مدار پانچ چیزوں پر ہے:.......... 431
☒ صحیح بخاری کے رواۃ پانچوں اسباب جرح سے مبرا ہیں:.......... 431
☒ کونسی بدعت اخذ روایت میں مانع ہے؟.......... 432
☒ اہل بدعت کی روایت لینے کا ضابطہ:.......... 432
☒ غیر معتبر جروح کا تذکرہ:.......... 433

☒ مشہور قاعدہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کی بابت ایک ضروری وضاحت:........ 433
☒ بخاری ومسلم کے رواۃ پر جرح مفسر ثابت نہیں:........ 433
✿ حرف الألف:........ 434
☒ (۱) ابراهيم بن عبدالرحمن السكسكي:........ 434
☒ (۲) إبراهيم (بن المنذر) الخزاعي 435
☒ (۳)إبراهيم بن يوسف بن إسحاق بن أبي إسحاق السبيعي:........ 437
☒ (۴) أبي بن عباس بن سهل بن سعد الساعدي:........ 438
☒ جرح غیر مفسر مردود ہے:........ 438
☒ جس راوی سے امام بخاری تخریج کریں وہ ان کے نزدیک ثقہ ہے:........ 438
☒ صحیح بخاری کے کسی راوی کے متعلق دوسرے کی جرح مقبول نہیں:........ 438
☒ (امام نسائی کے قول "ليس بالقوي" کا مطلب)........ 438
☒ (امام ابن معین کے قول "ليس بشيء" کا مطلب)........ 438
☒ (محدثین کرام ایک ہی راوی پر "ليس بالقوي" اور "حسن الحديث" کا اطلاق کردیتے ہیں:........ 438
☒ (۵) أحمد بن بشير الكوفي:........ 439
☒ (احمد بن بشیر نام کے دوراوی ہیں)........ 439
☒ (۶) أحمد بن شبيب بن سعيد:........ 440
☒ ابوالفتح ازدی بذات خود ضعیف ہے، لہٰذا اس کی جرح مقبول نہیں:........ 440
☒ (۷) أحمد بن صالح أبو جعفر المصري (ابن الطبرى):........ 441
☒ (۸)أحمد بن عبد الله بن حكيم:........ 444
☒ میزان الاعتدال کی ایک عبارت اور مولوی عمر کریم کی جہالت:........ 445
☒ (۹)" أسامة بن حفص:........ 445
☒ ابوالفتح ازدی کی جرح معتبر نہیں:........ 445
☒ (۱۰)أسباط أبو اليسع:........ 446
☒ (۱۱) إسحاق بن محمد بن إسماعيل بن عبد الله:........ 446
☒ (۱۲)"إسرائيل بن موسىٰ:........ 447
☒ مولوی عمر کریم کی خیانت:........ 448

☒ ابو الفتح ازدی جرح میں غیر معتمد ہے:........ 448
☒ (۱۳) إسماعيل بن أبان الأزدي الكوفي:........ 449
☒ لفظ "تشیع" کا معنی:........ 449
☒ (متقدمین کے نزدیک تشیع کا اطلاق)........ 450
☒ (۱۴) إسماعيل بن مجالد بن سعيد:........ 450
☒ (اہل کوفہ کے حق میں جوزجانی کی جرح مقبول نہیں)........ 452
☒ (امام نسائی کا قول "لیس بالقوي" خفیف جرح ہے)........ 452
☒ (۱۵) أسيد بن زيد الجمال:........ 452
☒ (۱۶) أيوب بن عائذ الكوفي:........ 453
☒ (امام ذہبی کے ایک قول پر تنبیہ)........ 454
☒ (۱۷) أحمد بن عيسىٰ المصري:........ 454
☒ (۱۸) أيوب بن سليمان بن هلال:........ 455
☒ جرح میں ابو الفتح ازدی کے قول کا اعتبار نہیں:........ 455
❁ حرف الباء:........ 457
☒ (۱۹) بدل بن المحير أبو المنير اليربوعي البصري:........ 457
☒ مولوی عمر کریم کی ایک غلطی اور خیانت کا ثبوت:........ 457
☒ (بدل بن محبر پر امام دارقطنی کی جرح مطلق نہیں بلکہ مقید ہے)........ 458
☒ (۲۰) بريد بن عبد الله بن أبي بردة:........ 458
☒ (امام احمد بن حنبل کے قول "منکر" کا مطلب)........ 459
❁ حرف الثاء:........ 460
☒ (۲۱) ثابت بن عجلان:........ 460
☒ (ثابت بن عجلان پر مختلف جروح کا جواب)........ 461
☒ (۲۲) ثابت بن محمد الكوفي:........ 461
☒ امام ذہبی کے ایک قول پر تنبیہ:........ 461
☒ متابعات اور شواہد میں ضعیف راویوں کی روایت:........ 462
☒ (۲۳) ثور بن زيد الديلي:........ 462

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ (ثور بن یزید بدعتی قدری سے امام اوزاعی نے مصافحہ کرنے سے انکار کردیا)........................ 462
☒ (۲۴)ثور بن يزيد الكلاعي: 464
☒ (ثور بن یزید کا قدریت سے رجوع)........................ 466
❁ حرف الجيم........................ 467
☒ (۲۵)جعيد بن عبد الرحمن: 467
☒ ابوالفتح ازدی کی جرح شاذ ہے:........................ 467
❁ حرف الحاء: 468
☒ (۲۶)حاتم بن إسماعيل المدني: 468
☒ (امام نسائی کا ایک ہی راوی پر "ليس بالقوي" اور "ليس به بأس" کے الفاظ کا اطلاق)............ 468
☒ (۲۷)حرب بن شداد اليشكري: 469
☒ (۲۸)حسان بن إبراهيم الكرماني: 469
☒ (۲۹)الحسن بن بشر البجلي: 470
☒ (ابن خراش پر حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر اور مولانا امیر علی ♦ کی جرح:........................ 471
☒ (۳۰)الحسن بن ذكوان: 472
☒ (امام یحیٰی القطان صرف ثقہ راوی سے روایت لیا کرتے تھے)........................ 472
☒ (۳۱)الحسن بن مدرك البصري: 472
☒ (محدثین کرام کے نزدیک الفاظ جرح میں "کذاب" کا اطلاق)........................ 474
☒ (۳۲)حميد بن نيرويه الطويل: 474
☒ مولوی عمر کریم کی راوی کا نام لکھنے میں غلطی:........................ 474
☒ (امام ابن عدی کا کسی راوی کو اپنی کتاب الکامل میں صرف درج کرنا موجب جرح نہیں)............ 474
☒ مدلسین کی روایات قبول کرنے کا ضابطہ:........................ 475
☒ صحیح بخاری و مسلم میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں:........................ 475
☒ (صحیح بخاری اور مسلم میں مدلسین کے عنعنات سماع پر محمول ہیں، علامہ عینی حنفی کا قول)........ 475
❁ حرف الخاء: 477
☒ (۳۳)خالد بن مخلد القطواني الكوفي: 477
☒ شیعہ راوی کی روایت لینے کا ضابطہ:........................ 477

☒ (۳۴)خالد بن مهران الحذاء: 478
☒ (امام ابو حاتم کے اقوال "یکتب حدیثه" اور "لا یحتج به" کا مطلب) 479
☒ (۳۵)خیثم بن عراک: 479
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 479
☒ ازدی کی جرح معتبر نہیں: 480
☒ (۳۶)خلیفة بن خیاط العصفري البصري: 480
✿ حرف الدال: 483
☒ (۳۷)داود بن عبد الرحمن المكي العطار: 483
☒ ازدی کی جرح کا اعتبار نہیں: 483
✿ حرف الزاء: 485
☒ (۳۸)زیاد بن الربیع: 485
☒ رواۃ پر تنقید میں اجتہاد کا دخل: 485
☒ (ابو بشر دولابی متکلم فیہ ہے) 485
☒ کسی ایک راوی پر جارح کے اقوال میں تعارض اور اس کا حل: 486
☒ جرح و تعدیل میں امام یحییٰ بن معین کے اقوال میں تعارض اور اس کا حل: 486
☒ (ائمہ محدثین کے اقوال میں جرح و تعدیل کا تعارض اور اس کا حل) 486
☒ (۳۹)زیاد بن عبد الله بن الطفیل البکائي الکوفي: 487
✿ حرف السین: 490
☒ (۴۰)سالم بن عجلان الأفطس: 490
☒ (۴۱)سعید بن أشوع: 491
☒ جوزجانی اور ازدی کی جرح کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول: 491
☒ (ایسی جرح جس کا سبب نظریاتی مخالفت ہو مقبول نہیں) 492
☒ (جوزجانی کی جرح اہل کوفہ اور ابن خراش کی جرح اہل شام کے حق میں مقبول نہیں) 492
☒ (۴۲)سعید بن سلیمان: 493
☒ امام دارقطنی کا قول "تکلموا فیه" مبہم ہے، لہٰذا مقبول نہیں: 493
☒ (۴۳)سعید بن عبید الله بن جبیر بن حیة الثقفي: 493

☒ (۴۴)سعيد بن أبي عروبه: 494
☒ (۴۵)سعيد بن كثير بن عفير المصري: 496
☒ (سعید بن کثیر پر جوزجانی کی جرح اور امام ابن عدی کا تعاقب): 496
☒ (۴۶)سعيد بن أبي هلال: 497
☒ نقلِ عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت: 497
☒ (۴۷)سلم بن زرير: 499
☒ راوی کے نام میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 499
☒ (۴۸)سلمة بن رجاء الكوفي: 499
☒ جس راوی سے امام بخاری تخریج کریں وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہے: 500
☒ (امام ابن معین کے قول "ليس بشيء" کا مطلب) 500
☒ (۴۹)سليمان بن عبد الرحمن الدمشقي: 500
☒ (۵۰)سليمان بن كثير العبدي البصري: 502
☒ مولوی عمر کریم کی ایک اور غلطی: 502
☒ (امام ابن معین جرح میں متشدد ہیں) 503
☒ (تعارض کے وقت امام ابن معین کی جرح "ضعیف" وغیرہ مقبول نہیں) 503
☒ (جرح وتعدیل میں ائمہ محدثین کے طبقات) 503
☒ (۵۱)سیدان بن مضارب: 503
☒ (۵۲)سيف بن سليمان المكي: 504
☒ (۵۳)سريج بن النعمان الجوهري: 505
☒ مولوی عمر کریم کی ہیرا پھیری: 506
❁ حرف الشين: 507
☒ (۵۴)شبابه بن سوار المدائني: 507
☒ (۵۵)شبيب بن سعيد الحيطى البصري: 508
☒ مولوی عمر کریم کی ایک اور غلطی: 508
☒ (۵۶)شریک بن عبد الله بن أبي نمر المدني: 509
☒ (ائمہ جرح وتعدیل کے الفاظ "لا بأس به" اور "ليس بالقوي" کا مطلب) 510

✿ حرف الصاد: 511

☒ (۵۷)صالح بن صالح بن حي: 511

☒ (۵۸)صخر بن جويرية: 512

☒ (تعدیل وتوثیق کا اعلیٰ درجہ) 512

✿ حرف الطاء: 514

☒ (۵۹)طلحة بن نافع: 514

☒ (۶۰)طلحة بن يحيىٰ الزرقي: 514

✿ حرف العین: 516

☒ (۶۱)عاصم بن سليمان الأحول: 516

☒ کیا عاصم نام کے تمام راوی ضعیف ہیں؟ 516

☒ (۶۲)عاصم بن علي بن عاصم الواسطي: 518

☒ (امام ابن معین کے الفاظ "ليس بشيء" کا اطلاق) 518

☒ (۶۳)عاصم بن أبي النجود: 520

☒ (۶۴)عباد بن راشد: 522

☒ (امام نسائی کے الفاظ "ليس بالقوي" کا مفہوم) 523

☒ (امام ابن معین کا ایک ہی راوی پر "صالح" اور "ليس بالقوي" کے الفاظ کا اطلاق: 523

☒ (۶۵)عباد بن يعقوب الأسدي الرواجني الكوفي: 523

☒ مولوی عمر کریم کی بد دیانتی: 524

☒ (بدعتی راوی سے روایت لینے کا ضابطہ) 525

☒ (۶۶)عبد الله بن دينار: 525

☒ (۶۷)عبد الله بن ذكوان أبو الزناد: 526

☒ مولوی عمر کریم کی صحیح بخاری سے عداوت اور نقل عبارت میں خیانت: 526

☒ (ایسی جرح جس کا سبب باہمی عداوت و اختلاف ہو مقبول نہیں) 528

☒ (۶۸)عبد الله بن سعيد بن أبي هند أبوبكر المدني: 528

☒ (امام ابوحاتم رازی جرح میں متشدد ہیں) 529

☒ (۶۹)عبد الله بن صالح بن محمد بن مسلم الجهني: 529

☒ (۷۰)عبد الله بن العلاء بن زبر الدمشقي: 531
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 531
☒ (عبداللہ بن زبر پر ابن معین سے جرح ثابت نہیں) 533
☒ (۷۱)عبد الله بن أبي لبيد المدني: 533
☒ (۷۲)عبد الله بن المثنیٰ الأنصاري: 534
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی ایک اور غلطی: 534
☒ (۷۳)عبد الله بن أبي نجيح المكي: 535
☒ مولوی عمر کریم کی ایک تحریف: 535
☒ (۷۴)عبد الحميد بن أبي أويس عبد الله أبوبكر المدني: 536
☒ ابوالفتح ازدی کے متعلق تفصیلی جرح: 537
☒ (۷۵)عبد الحميد بن الرحمن أبو يحییٰ الحماني الكوفي: 540
☒ مولوی عمر کریم کی علمی لیاقت: 540
☒ (۷۶)عبد ربه بن نافع أبوشهاب الخياط: 541
☒ مولوی عمر کریم کی ایک اور غلطی: 542
☒ (نقل عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت) 542
☒ (میزان الاعتدال میں حافظ ذہبی ؒ کے کلمہ "صح" کا مفہوم) 543
☒ (۷۷)عبد الرحمن بن ثروان: 543
☒ (الفاظ جرح وتعدیل میں کلمہ "لا يحتج به" کا مفہوم) 544
☒ (الفاظ جرح وتعدیل میں کلمہ "لين الحديث" کا مفہوم) 544
☒ (۷۸)عبد الرحمن بن حماد الشعيثي: 544
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 544
☒ (۷۹)عبد الرحمن بن سليمان بن الغسيل المدني: 545
☒ (ایک ہی راوی پر امام نسائی کا "ثقة" "ليس به بأس" اور "ليس بالقوي" کے الفاظ کا اطلاق) 545
☒ (۸۰)عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار المدني: 546
☒ (۸۱)عبد الرحمن بن عبد الملك بن شيبة: 547
☒ (۸۲)عبد الرحمن بن محمد المحاربي: 548

☒ مولوی عمر کریم کی ایک تحریف:.................................... 548
☒ (۸۳)عبد الرحمن بن أبي نعم البجلي: 549
☒ (امام ابن معین جرح میں متشدد ہیں)........................ 549
☒ (۸۴)عبد الرحمن بن نمر: 550
☒ (۸۵)عبد السلام بن حرب الملائي: 551
☒ (امام ابن سعد کی شاذ جرح کا حکم)........................ 552
☒ (۸۶)عبد العزيز بن عبد الله الأويسي المدني: 552
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی:........................ 552
☒ مولوی عمر کریم کی بد دیانتی:.................................... 552
☒ (ابو عبید آجری کی توثیق ثابت نہیں)........................ 552
☒ (۸۷)عبد العزيز بن مسلم القسملي: 553
☒ (کسی راوی سے وہم کا صدور موجبِ جرح نہیں)........................ 553
☒ (۸۸)عبد الملک بن أعين: 554
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی:........................ 554
☒ (۸۹)عبد الملک بن الصباح الصنعاني: 555
☒ (۹۰)عبد الواحد بن واصل: 556
☒ (۹۱)عبد الله بن عبد المجيد: 558
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی:........................ 558
☒ (امام یحییٰ بن معین کے الفاظ "ليس بشيء" کا مطلب)........................ 559
☒ (۹۲)عبيدة بن حميد الضبي الكوفي: 559
☒ (۹۳)عثمان بن فرقد البصري: 561
☒ (۹۴)عطاء بن السائب زيد بن الثقفي: 561
☒ مولوی عمر کریم کی چار غلطیاں:.................................... 561
☒ (عطاء بن سائب کی روایت کا حکم اور مختلط راوی کی روایت قبول کرنے کا ضابطہ)........................ 563
☒ (۹۵)عطاء بن ميمونة البصري: 563
☒ (امام ابن معین ثقہ راوی پر "ليس به بأس" کا اطلاق کر دیتے ہیں)........................ 564

☒ (۹۶)عكرمة مولىٰ ابن عباس: 564
☒ (۹۷)علي بن الجعد: 569
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 569
☒ (۹۸)علي بن الحكم البناني البصري: 570
☒ (توثیق سے عاری راوی کے متعلق ابوالفتح ازدی کی جرح کا اعتبار) 571
☒ (۹۹)علي بن عبد الله بن جعفر (ابن المديني): 572
☒ نقلِ عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت: 572
☒ (امام عقیلی سے امام علی بن مدینی کی توثیق) 575
☒ (۱۰۰)عمر بن ذر الهمداني: 575
☒ (۱۰۱)عمر بن أبي زائدة: 576
☒ (۱۰۲)عمر بن علي بن عطاء بن مقدم البصري المقدمي: 577
☒ (۱۰۳)عمر بن محمد بن زيد بن عبد الله : 578
☒ نقل جرح میں مولوی عمر کریم کی ہوشیاری: 578
☒ (۱۰۴)عمر بن نافع مولى ابن عمر: 579
☒ (۱۰۵)عمران بن الحطان السدوسي البصري الخارجي: 581
☒ (۱۰۶)عمران بن مسلم القصير: 582
☒ (۱۰۷)عمرو بن أبي عمرو: 583
☒ (۱۰۸)عمرو بن محمد الناقد: 585
☒ مطبع نول کشوری کی مطبوعات میں عموماً غلطی ہوتی ہے: 585
☒ میزان الاعتدال کی ایک عبارت کی تصحیح: 585
☒ (۱۰۹)عمرو بن مرزوق الباهلي: 586
☒ مولوی عمر کریم کے کلام میں تناقض: 587
☒ (۱۱۰)عمرو بن مرة الحملي: 589
☒ امام ابوحاتم کے الفاظ "يرى الإرجاء" کا مطلب: 589
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 590
☒ (۱۱۱)عتبة بن خالد الأيلي: 590

☒ مولوی عمر کریم کی چار غلطیاں:.......... 590
☒ (۱۱۲)عوف الأعرابي أبو سهل البصري:.......... 592
☒ جو راوی صحیحین میں ذکر کئے گئے ہیں، ان کی تعدیل پر جمہور کا اتفاق ہے:.......... 593
☒ (۱۱۳)عیسیٰ بن طهمان:.......... 594
☒ جرح میں ابن حبان کا تشدد:.......... 594
☒ (جرح میں ابن حبان متشدد ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی تصریح).......... 595
✿ حرف الفاء:.......... 596
☒ (۱۱۴)فضيل بن سليمان:.......... 596
☒ الفاظ جرح میں ''ليس بالقوي'' اور ''لين'' کا اطلاق:.......... 597
☒ (۱۱۵)فليح بن سليمان المدني:.......... 597
☒ الفاظ جرح میں "ليس بالقوي" "لا يحتج به" اور "ليس بثقة" کا مفہوم:.......... 598
☒ کسی راوی سے بخاری ومسلم کا روایت لینا اس کے امر کو تقویت دیتا ہے:.......... 598
☒ جس سے صحیح بخاری میں روایت لی جائے وہ پل عبور کر چکا ہے، لہٰذا اس پر کسی کی جرح قابل التفات نہیں:. 598
✿ حرف القاف:.......... 601
☒ (۱۱۶)قتادة بن دعامة السدوسي:.......... 601
☒ (۱۱۷)قيس بن أبي حازم:.......... 603
✿ حرف الكاف:.......... 606
☒ (۱۱۸)كثير بن شنظير:.......... 606
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی:.......... 606
☒ (یحییٰ بن سعید کا کسی سے روایت ترک کر دینا موجبِ جرح نہیں).......... 607
☒ (۱۱۹)كليب بن وائل:.......... 607
☒ (۱۲۰) كهمس بن المنهال:.......... 608
✿ حرف الميم:.......... 610
☒ (۱۲۱)مسور بن مخرمة بن نوفل بن أهيب:.......... 610
☒ (بلوغت کا آغاز).......... 611
☒ ائمہ فقہاء کے نزدیک بلوغت کا آغاز:.......... 612

☒ (سماعِ حدیث کے لیے عمر کی حد) 614
☒ (۱۲۲)مروان بن حكم بن أبي العاص بن أمية: 614
☒ مراسیلِ صحابہ کی حجیت: 617
☒ (۱۲۳)مجاهد بن جبر المقرئ: 619
☒ نقلِ عبارت میں مولوی عمر کریم کی بد دیانتی: 619
☒ (۱۲۴)محارب بن دثار: 620
☒ (۱۲۵)محبوب بن الحسن القرشي: 622
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 622
☒ (۱۲۶)محمد بن حمير سيلحي الحمصي: 623
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 623
☒ (۱۲۷)محمد بن زياد بن عبد الله الزيادي: 624
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 624
☒ (۱۲۸)محمد بن سابق: 625
☒ نقلِ عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت: 625
☒ (۱۲۹)محمد بن سواء السدوسي: 626
☒ (۱۳۰)محمد بن الصلت (أسدي): 627
☒ کلمہ جرح "فيه لين" کا اطلاق: 627
☒ محدثین کے نزدیک الفاظ جرح "لين الحديث" اور "فيه لين" کا اطلاق) 628
☒ (۱۳۱)محمد بن طلحة بن مصرف: 628
☒ کسی راوی سے بخاری و مسلم کا روایت لینے میں اتفاق کرنا، اس کے امر کو تقویت دیتا ہے: 629
☒ (۱۳۲)محمد بن عبد الله بن مسلم الزهري: 630
☒ (۱۳۳)محمد بن عبد الرحمن الطفاوي: 632
☒ مولوی عمر کریم کی ہوشیاری: 632
☒ (۱۳۴)محمد بن عبد العزيز العمري الرملي: 633
☒ (۱۳۵)محمد بن عبيد الطنافسي: 634
☒ کسی راوی سے خطا کا سرزد ہو جانا موجبِ جرح نہیں: 634

☒ (۱۳۶)محمد بن عمرو بن علقمة بن وقاص الليثي المدني: 636
☒ (۱۳۷)محمد بن فضيل بن غزوان: 637
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 638
☒ (۱۳۸) محمد بن فليح بن سليمان المدني: 639
☒ (۱۳۹)محمد بن محبوب البناتي: 640
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 641
☒ (۱۴۰)محمد بن ميمون: 641
☒ (۱۴۱)مروان بن شجاع الجزري: 642
☒ (محدثین کے نزدیک "ليس بحجة" کا لفظ کسی راوی کے ثقہ اور صدوق ہونے کے منافی نہیں) 643
☒ (۱۴۲)مروان بن محمد الدمشقي الطاطري: 643
☒ بوقتِ اختلاف ابن حزم کی جرح کا حکم: 643
☒ (ائمہ متقدمین کے برخلاف ابن حزم کی جرح کا حکم) 644
☒ (۱۴۳)مسكين بن بكير الحراني: 644
☒ (۱۴۴)مطرف بن عبد الله بن مطرف: 645
☒ (۱۴۵)معاوية بن إسحاق بن طلحة : 646
☒ (۱۴۶)معروف بن خربوذ: 647
☒ (۱۴۷)محمد بن مطرف: 648
☒ مولوی عمر کریم کی ایک چالاکی: 648
☒ (۱۴۸)معلیٰ بن منصور الرازی: 649
☒ مولوی عمر کریم کی علمی لیاقت: 649
☒ (۱۴۹)مغيرة بن عبد الرحمن بن عبد الله الأسدي: 651
☒ (امام ابن معین کے الفاظ "ليس بشيء" کا اطلاق) 651
☒ (۱۵۰)مغيرة بن مقسم: 652
☒ مدلس کی روایت قبول کرنے کا ضابطہ اور صحیحین میں مدلس راویوں کی روایات کا حکم: 652
☒ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مدلسین کے عنعنات سماع پر محمول ہیں) 653
☒ (۱۵۱)مفضل بن فضالة: 654

☒ (۱۵۲)مقسم: 655
☒ بحالت انفراد ابن حزم کی جرح کا حکم: 655
☒ (۱۵۳)منصور بن عبد الرحمن (بن طلحة بن حارث): 657
☒ (۱۵۴)منهال بن عمرو الكوفي: 658
☒ جوزجانی کی جرح کا حکم: 659
☒ (۱۵۵)موسیٰ بن عقبة: 660
☒ (نافع سے موسیٰ بن عقبہ کی روایت کا حکم) 660
☒ (۱۵۶)موسیٰ بن مسعود: 661
☒ (مولوی عمر کریم کی ایک غلطی) 661
☒ (۱۵۷)موسیٰ بن نافع: 663
☒ (امام احمد بن حنبل کے الفاظ ''منکر الحدیث'' کا مفہوم) 663
☒ (۱۵۸)ميمون بن سياه: 664
❁ حرف الہاء: 665
☒ (۱۵۹)هدبة بن خالد القيسى البصري: 665
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 665
☒ (۱۶۰) هشام بن حجير المكي: 666
☒ کسی ایک امام کی جرح میں تعارض کا حکم: 667
☒ (۱۶۱)هشام بن أبي عبد الله الدستوائي: 668
☒ نقل عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت: 668
☒ (۱۶۲)همام بن يحيیٰ العوذي البصري: 669
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 669
❁ حرف الواؤ: 672
☒ (۱۶۳)ورقاء بن عمر: 672
☒ کیا کسی راوی کا مرجی ہونا باعث جرح ہے؟ 672
☒ (۱۶۴)وهب بن جرير بن حازم: 673
❁ حرف اللام الف: 675

☒ (١٦٥) لاحق بن حميد: 675
✿ حرف الیاء: 676
☒ (١٦٦) يحيىٰ بن أبي إسحاق الحضرمي النحوي: 676
☒ مولوی عمر کریم کا غلط ترجمہ: 676
☒ (تضعیف نسبی سے مطلق تضعیف لازم نہیں آتی) 676
☒ (١٦٧) يحيىٰ بن حمزة الحضرمي البتلهي: 677
☒ (١٦٨) يحيىٰ بن سعيد الأموي الكوفي: 678
☒ (١٦٩) يحيىٰ بن سليمان الجعفي الكوفي: 679
☒ (امام ابوحاتم کے لفظ ''شیخ'' کا اطلاق) 680
☒ (١٧٠) يحيىٰ بن صالح الوحاظي الحمصى: 680
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 680
☒ (١٧١) يحيىٰ بن عباد الضبعي: 681
☒ (١٧٢) يحيىٰ بن عبد الله بن بكير المصري: 682
☒ (١٧٣) يعقوب بن حميد بن كاسب المدني: 683
☒ کسی راوی پر حد کا نافذ ہونا موجبِ جرح نہیں: 683
☒ (١٧٤) يونس بن أبي الفرات الاسكاف: 685
✿ باب الكنىٰ، حرف الباء: 687
☒ (١٧٥) أبوبكر بن عياش الكوفي المقرئ: 687
☒ کسی راوی سے غلطی اور وہم کا سرزد ہوجانا موجبِ جرح نہیں: 687
☒ اختتام: 689
☒ تقریظات: 691
☒ قصائد در مدح امام بخاری وتوصیف جامع صحیح بخاری: 694
☒ افسوس! محدث کبیر علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی وفات: 702
☒ اشعار وتواریخ انتقال مولانا مرحوم: 703
☒ بخدمت شریف علماء اہل حدیث زید مجدکم: 706
☒ اعیان اہلحدیث کی خدمت میں امر مبرم کی اپیل: 707

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

ماءحمیم

☒ دیباچہ:........ 713
☒ مؤلف ؒ کی کتب کی مقبولیت:........ 714
☒ صحیح بخاری پرعمل کرنا ضروری کیوں ہے؟........ 714
☒ کیا صحیح بخاری کی تفتیش وتحقیق کی ضرورت ہے؟........ 714
☒ کیا اخبار آحاد مفید حق نہیں؟:........ 715
☒ کیا اصول فقہ کی کسوٹی پر حدیث نبوی کو جانچنا درست ہے؟:........ 715
☒ خبر واحد اور علمائے احناف:........ 715
☒ ظن کا مفہوم:........ 716
☒ خبر آحاد کا واجب العمل نہ ہونا معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے:........ 716
☒ خبر واحد چاروں دلائل کی بنا پر موجب عمل ہے:........ 717
☒ خبر واحد اور قرآن مجید:........ 717
☒ خبر واحد اور حدیث رسول ﷺ:........ 717
☒ خبر واحد اور اجماع:........ 718
☒ خبر واحد اور قیاس:........ 718
☒ آحاد کی اقسام:........ 718
☒ صحیح بخاری کے واجب العمل ہونے پر اجماع ہے:........ 719
☒ کیا روایت بالمعنی موجب ضعف ہے؟:........ 719
☒ روایت بالمعنی کا مفہوم:........ 719
☒ روایت بالمعنی کی شروط:........ 719
☒ روایت بالمعنی اور ائمہ سلف کا تعامل:........ 720
☒ شرعی امور میں عقل شریعت کے تابع ہے:........ 720
☒ (روایت بالمعنی کی حدود وقیود)........ 720
☒ کیا صحیح بخاری کے رواۃ عادل نہیں؟........ 721
☒ عدالت کی تعریف:........ 721

Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ ضبطِ روایت اور محدثین کا طرز عمل: 722
☒ ایک حدیث کو مختلف ٹکڑوں میں بیان کرنے کا حکم: 722
☒ راویان صحیح بخاری کا حافظہ: 723
☒ ضبط کی اقسام: 723
☒ صحیح بخاری میں صحت روایت کی تمام شرائط موجود ہیں: 724
☒ قبول روایت کے لیے صحیح بخاری میں ایک اضافی شرط: 724
☒ قبول روایت کے لیے راوی کی عمر: 725
☒ کیا حدیث کے واجب العمل ہونے کے لیے تعامل صحابہ شرط ہے؟ 727
☒ صحابہ کرام کا باہم اختلاف: 727
☒ (مشہور حدیث: "اختلاف امتي رحمة") 727
☒ صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں: 727
☒ کیا حدیث کے واجب العمل ہونے کے لیے راوی حدیث کا اس پر عمل کرنا ضروری ہے؟ 728
☒ کیا امام بخاری کی روایت مقبول نہیں: 729
☒ امام بخاری کے فضائل، ائمہ محدثین کی زبانی: 729
☒ امام بخاری اور صحیح بخاری کی عظمت علامہ ابن عابدین حنفی کی زبانی: 729
☒ تقریظ: 731

صراط مستقیم

☒ دیباچہ: 737
☒ کیا تمام علماء اور اولیاءِ امت نے صحیح بخاری کو اصح الکتب نہیں کہا؟ 738
☒ کیا صحیح بخاری کے اصح الکتب ہونے میں اختلاف ہے؟ 738
☒ حافظ ابوعلی نیشاپوری کا قول اور اس کی تردید: 738
☒ موطا امام مالک اور صحیح بخاری کی اصحیت: 739
☒ حافظ ابن حجر ؒ کا کلام سمجھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 739
☒ صحیح بخاری کے مجروح رواۃ اور اس کا جواب: 739
☒ نقل عبارت میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 740

☒ صحیح بخاری کی روایات شاذ اور معلول نہیں: 740
☒ مولوی عمر کریم کے اعتراض کا جواب، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام سے: 740
☒ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر صحت میں ترجیح حاصل ہے: 740
☒ احادیث بخاری کی قطعیت کے متعلق ایک لطیفہ: 741
☒ کیا "نزهة النظر شرح نخبة الفكر" ملا علی قاری کی تصنیف ہے؟ 741
☒ کیا مقلدین احناف امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں؟ 741
☒ امام ابوحنیفہ کی عمل بالحدیث کی ترغیب: 741
☒ صحیح بخاری کی روایات کی شرائطِ صحت امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی معتبر ہیں: 742
☒ صحیح بخاری کی احادیث میں تعارض کا جواب: 742
☒ کیا صحیح بخاری کی احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں؟ 742
☒ کیا حدیث: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" قرآن کے خلاف ہے؟ 742
☒ آیت قرآنی کے ترجمہ میں مولوی عمر کریم کی تحریف: 742
☒ آیت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ کا شان نزول: 743
☒ کیا مولود شریف، نذر و نیاز، ذکر شہادت حسین اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حصول مرادات کے لیے جانا اجماعی مسائل ہیں؟ 744
☒ میلاد منانا صریح بدعت ہے: 744
☒ میلاد کا آغاز: 744
☒ کیا بزرگان دین کے مزارات پر حصول مرادات کے لیے جانا شرک نہیں؟ 745
☒ بدعت کا انجام: 746
☒ قصیدہ: 747

الريح العقيم

☒ دیباچہ: 753
کیا امام بخاری شافعی المذہب تھے؟ 754
☒ امام بخاری اور امام شافعی کا مسائل میں اختلاف: 754
☒ اجتہاد میں موافقت بسا اوقات مذہب کی طرف نسبت کا سبب بن جاتی ہے: 754

☒ توافق فی الأصول کی بنا پر امام بخاری کو شافعی کہا گیا، جو کہ درست نہیں:............ 755
☒ امام بخاری کی شافعیت کے متعلق صاحب سیرۃ البخاری کی نفیس بحث:............ 755
☒ کیا امام مہدی مذاہب اربعہ میں سے کسی فقہی مسلک کے پابند ہونگے؟............ 755
☒ (محی الدین ابن عربی کا تعارف)............ 755
☒ امام بخاری کو شافعی کہنے کا سبب:............ 755
☒ امام بخاری کو کسی نے حنفی کیوں نہیں کہا؟............ 756
☒ امام بخاری مجتہد مطلق تھے:............ 757
☒ صحیح بخاری اور سنن ابوداود کا موازنہ:............ 757
☒ کیا صحیح بخاری کو اصح الکتب کہنا دھوکہ دہی ہے؟............ 758
☒ صحیح بخاری کی عظمت کا اعتراف، علامہ ابن عابدین حنفی کی زبانی:............ 758
☒ کیا تمام علماء بارہ سو برس سے تقلید شخصی کو ضروری قرار دیتے آئے ہیں؟............ 760
☒ فتوحات مکیہ مؤلفہ محی الدین ابن عربی میں تقلید کی تردید:............ 760
☒ سواد اعظم سے علیحدہ کون لوگ ہیں؟............ 760
☒ تقلید شخصی پر اجماع کا دعوی باطل ہے:............ 762
☒ کیا صحیح بخاری کی صحت پر اجماع کا دعوی فاسد ہے؟............ 762
☒ صحیح بخاری کی مقبولیت:............ 763
☒ صحیح بخاری کی صحت پر اجماع ہے:............ 763
☒ اجماع حجت ہے:............ 764
☒ مولوی عمر کریم کی علمی قابلیت:............ 764
☒ آحاد کی اقسام اور ان کا حکم:............ 764
☒ صحیح بخاری و مسلم کی صحت پر اجماع:............ 765
☒ کیا امام مسلم نے امام بخاری پر جرح کی ہے؟............ 765
☒ مقدمہ مسلم پر علمائے اہلحدیث کی دو شروح:............ 765
☒ امام مسلم کی عبارت میں مولوی عمر کریم کی خیانت:............ 766
☒ امام مسلم کی جرح کا مورد اور اس کا مطلب:............ 766
☒ امام مسلم کی زبانی امام بخاری کی عظمت کا اقرار:............ 767

☒ علم حدیث میں امام بخاری کا مرتبہ امام مسلم پر مقدم ہے:........................ 767
☒ حدیث معنعن میں شرط لقاء کے متعلق امام نووی کا کلام:........................ 768
☒ امام مسلم نے صحیح مسلم میں امام بخاری سے روایت کیوں نہیں لی؟........................ 768
☒ امام ابوحنیفہ کا امام مالک سے روایت لینے کا ثبوت:........................ 770
☒ صحاح ستہ والوں کی امام بخاری سے روایت:........................ 771
☒ امام بخاری کے امام الدنیا ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب:........................ 771
☒ امام مسلم نے امام بخاری کی شروط روایت کی پابندی کیوں نہیں کی؟........................ 772
☒ موضوعات ابن جوزی میں امام ابوحنیفہ کی مدح میں ایک من گھڑت روایت:........................ 772
☒ مذکورہ حدیث کو موضوع کہنے پر احناف کی طرف سے امام ابن جوزی پر تعصب کا الزام:........................ 773
☒ علماء کے نزدیک موضوعات ابن جوزی کا مقام:........................ 773
☒ صحیح بخاری کی روایت کو موضوعات میں داخل کرنے پر ابن جوزی پر تعاقب:........................ 773
☒ موضوعات ابن جوزی پر امام سیوطی کا تعاقب:........................ 774
☒ کیا امام قسطلانی نے صحیح بخاری پر جرح کی ہے؟........................ 775
☒ صحیح بخاری پر بعض علماء کی جرح کی حقیقت:........................ 776
☒ علمائے احناف کی صحیح بخاری پر جرح اور اس کا جواب:........................ 777
☒ علامہ عینی حنفی اور صحیح بخاری:........................ 778
☒ شیخ عبدالحق دہلوی اور صحیح بخاری:........................ 780
☒ ابن ہمام حنفی اور صحیح بخاری:........................ 781
☒ (احادیث بخاری کی اصحیت پر ابن ہمام کا اعتراض اور اس کا فساد)........................ 782
☒ دیگر علمائے احناف اور صحیح بخاری:........................ 782
☒ مصنف ہدایہ کی حدیث دانی:........................ 783
☒ ابن ہمام کے قول کی تردید:........................ 784
☒ ابن ہمام حافظ ابن حجر کا شاگرد ہے:........................ 784
☒ صحیح بخاری کے مجروح رواۃ اور اس کا جواب:........................ 785
☒ علامہ ابوالحسن سندھی حنفی کا قول:........................ 785
☒ علامہ محمد معین حنفی کا قول:........................ 786

☒ مولوی عمر کریم حنفی کس کی مدد سے مضمون لکھتا ہے؟ 787
☒ مولوی عمر کریم کا اعتراف حق: 787
☒ کیا آمین بالجہر اور فاتحہ خلف الامام قرآن کے خلاف ہے؟ 787
☒ حنفی مذہب میں قرآن کی مخالفت: 788
☒ اہل حدیث پر ایک اتہام اور اس کا جواب: 788
☒ کیا حنفی مذہب میں بخاری کی احادیث واجب العمل نہیں 788
☒ آمین بالجہر اور فاتحہ خلف الامام کا فقہ حنفی سے ثبوت: 788
☒ کیا کتاب بخاری صحیح مجرد نہیں ہے؟ 791
☒ (صحیح بخاری مجرد صحیح کتاب ہے) 791
☒ مولوی عمر کریم کا خرافی عقیدہ: 791
☒ امام بخاری کی بشریت کی آڑ میں صحیح بخاری پر اعتراض اور اس کا جواب: 791
☒ کیا کتاب بخاری کو صحیح تسلیم کرنا شرک فی الرسالۃ ہے؟ 792
☒ امام ابوحنیفہ کا اشتغال حدیث کی طرف نہایت قلیل تھا: 792
☒ صحیح بخاری کی بعض روایات پر خلاف قرآن ہونے کا اعتراض: 792
☒ حدیث اول: "المیت یعذب ببکاء الحي": 792
☒ جواب: 793
☒ مولوی عمر کریم کی احادیث نبویہ سے عداوت وعناد کا واضح ثبوت: 794
☒ حدیث دوم اور اس کا جواب: 795
☒ کیا آمین دعا ہے؟ 796
☒ مولوی عمر کریم کا قرآنی آیت سے غلط استدلال: 797
☒ حضرت ابن عباس ◆ کی تفسیر قرآن میں مہارت: 797
☒ آمین بالجہر کسی طرح قرآن مجید کے خلاف نہیں: 798
☒ آمین بالجہر سے چڑنا یہود کی علامت ہے: 799
☒ یہود کا نمونہ علماء مقلدین: 800
☒ الزامی جواب: 800
☒ مولوی عمر کریم کا انوکھا استدلال: 801

☒ حدیث سوم: "لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب": 801
☒ مذکورہ حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں: 802
☒ آیت: ﴿واذا قرئ القرآن ...﴾ کا شان نزول: 802
☒ حدیث: "لا صلاۃ ..." اور آیت ﴿واذا قرئ القرآن﴾ میں تطبیق: 803
☒ کیا مذکورہ آیت سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟ 804
☒ صحیح بخاری کے چند راویوں پر جرح اور اس کا جواب: 805
☒ مروان بن حکم بن ابی العاص: 805
☒ مسور بن مخرمہ: 808
☒ مراسیل صحابہ کی حجیت: 809
☒ احمد بن صالح المصری: 810
☒ احمد بن عیسیٰ ابو عبداللہ: 814
☒ أیوب بن عائذ الکوفی: 816
☒ راوی کا نام لکھنے میں مولوی عمر کریم کی غلطی: 817
☒ عاصم بن سلیمان الأحول: 818
☒ الحسن بن مدرک البصری: 820
☒ صحیح بخاری کی بعض احادیث میں تعارض اور اس کا جواب: 822
☒ پہلی حدیث: 822
☒ پہلا جواب: 822
☒ دوسرا جواب: 823
☒ تیسرا جواب: 823
☒ چوتھا جواب: 823
☒ پانچواں جواب: 823
☒ چھٹا جواب: 823
☒ ساتواں جواب: 823
☒ نواں جواب: 823
☒ دسواں جواب: 823

☒ ستائیس وجوہات جن پر نماز باجماعت کا ثواب متفرع ہے:........ 823
☒ دوسری حدیث میں تعارض اور اس کا جواب:........ 825
☒ مولوی عمر کریم کی علمی لیاقت:........ 826
☒ مولوی عمر کریم کی عربی دانی:........ 827
☒ اشعار در مدح امام بخاری وصحیح بخاری:........ 828
☒ تقریظات:........ 831

العرجون القدیم

☒ اعتذار:........ 837
☒ دیباچہ:........ 838
☒ مولوی عمر کریم کی بغیر بسملہ، حمد اور بغیر درود کے ابتدا:........ 838
☒ ابتدا میں بسملہ کی ترغیب:........ 838
☒ ابتدا میں حمد کی ترغیب:........ 839
☒ ابتدا میں صلاۃ (درود) کی ترغیب:........ 839
☒ ابتدا کی اقسام:........ 839
☒ اللہ تعالیٰ کی صفات منہ اور ہاتھ وغیرہ کا انکار اور اس کا جواب:........ 840
☒ اثبات صفات باری تعالیٰ میں امام ترمذی کا قول:........ 840
☒ امام ابوالحسن اشعری کا قول:........ 840
☒ امام ابوحنیفہ کا قول:........ 841
☒ شیخ الاسلام بزدوی کا قول:........ 841
☒ احناف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممتنع نہیں:........ 842
☒ اہل حدیث پر ایک اتہام اور اس کا جواب:........ 842
☒ حنفیہ کی توہین رسالت:........ 843
☒ جلال الدین رومی کی توہین رسالت:........ 844
☒ مولوی عمر کریم کا ایک افتراء اور اس کا جواب:........ 844
☒ انبیاء کو بھائی کہنا:........ 845

☒ اہل تصوف کے متعلق اہل حدیث کا موقف: 846
☒ جو طریقت شریعت کے مخالف ہے، وہ زندیقیت ہے: 847
☒ کیا تقلید شخصی مدار ایمان ہے؟ 847
☒ قرآن مجید سے تقلید کا ابطال: 848
☒ حدیث نبوی سے تقلید کا ابطال: 848
☒ صوفیاء کے اقوال سے تقلید کا ابطال: 849
☒ فقہاء کے اقوال سے تقلید کا ابطال: 850
☒ مفسرین کے اقوال سے تقلید کا ابطال: 851
☒ محدثین کے نزدیک تقلید کا ابطال: 851
☒ علمائے احناف کے نزدیک تقلید کا ابطال: 852
☒ امام بخاری پر شافعیت کا الزام اور اس کا جواب: 853
☒ توافق فی الاصول اور تقلید: 853
☒ فقہ حنفی کا قرآن کے خلاف ایک مسئلہ: 853
☒ محدثین کرام کو فقہی مذاہب کی طرف منسوب کرنے کی اصل وجہ: 854
☒ امام بخاری پر تقلید کا اتہام اور اس کا جواب: 855
☒ صحیح بخاری میں صرف دو جگہ امام شافعی کا ذکر ہے: 856
☒ حافظ ابن حجر اور ان کی کتاب فتح الباری کی فضیلت: 857
☒ کیا بزرگان دین کی قبریں مثل صفا و مروہ شعائر اللہ اور ذریعہ نجات ہیں؟ 857
☒ قبر پرستی اور بت پرستی برابر ہے: 858
☒ قبر پرستی کی ممانعت: 859
☒ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا قول: 862
☒ شاہ ولی اللہ کا قول: 862
☒ کیا بزرگان دین کی قبروں پر حصول مرادات کے لیے جانا حدیث سے ثابت ہے؟ 863
☒ غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کی حرمت فقہاءِ احناف کے اقوال کی روشنی میں: 864
☒ ایسا ذبیحہ جس سے غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہو، حرام ہے: 864
☒ کیا صحیح بخاری کے تیس پارے بنانا شرک ہے؟ 865

☒ مولوی عمر کریم کی خبط الحواسی: 865
☒ مولوی عمر کریم کا سفید جھوٹ: 866
☒ مولوی عمر کریم کی جہالت کی دلیل: 866
☒ امام بخاری کے فضائل: 866
☒ امام بخاری کی اہانیت: 867
☒ صحیح حدیث کے خلاف ہر ایک قول مردود ہے: 868
☒ کتاب بخاری رسول اللہ ﷺ کی مقبولہ ہے: 868
☒ مولوی عمر کریم کی صحیح بخاری کے موضوع ومقصود سے ناواقفیت: 869
☒ صحیح بخاری کی اہانت علامتِ رفض اور سبیل مومنین سے علیحدگی ہے: 870
☒ (امام ابراہیم نخعی کی ثقاہت اور حماد بن ابی سلیمان اور ابوحنیفہ کے ارجاء کا ثبوت) 870
☒ حدیث دانی میں امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کا موازنہ: 871
☒ رسول اللہ ﷺ اور دیگر بزرگانِ دین کی قبروں پر بغرض حصول حاجات کے جانا شرک ہے: 872
☒ شرک کا معنی اور اقسام: 872
☒ شرک فی الذات کی وضاحت: 873
☒ شرک فی الصفات کی وضاحت: 873
☒ شرک فی العم کی وضاحت: 873
☒ شرک فی التصرفات کی وضاحت: 874
☒ شرک فی العادات کی وضاحت: 874
☒ قبروں پر بغرض حصول حاجات جانا شرک فی الصفات اور شرک التصرفات ہے: 875
☒ معبوانِ غیر اللہ سے قیامت کے دن پوچھ تاچھ ہوگی: 875
☒ بندوں کی حاجات پوری کرنے کا وعدہ ربانی: 875
☒ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا: 875
☒ کیا قبروں والے سنتے؟ 876
☒ قبروں والے کسی کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے: 876
☒ درود تاج کا ایک شرکیہ وظیفہ: 877
☒ قبروں سے حاجات برآری کی ممانعت: 877

☒ امام ابوحنیفہ کی قبروں پر طلب حاجت کے لیے آنے کی ممانعت:......878
☒ کیا قبروں پر حاجت برآری کے لیے جانا سنت ہے؟......879
☒ سنت کی تعریف:......879
☒ کیا صحابہ کرام حاجت برآری کے لیے کبھی قبر نبوی پر گئے تھے؟......879
☒ قبر نبوی میں سوراخ کر کے بارش طلب کرنے والا حضرت عائشہ کا اثر:......880
☒ مذکورہ اثر موقوف ہے، جو قابل احتجاج نہیں:......880
☒ (اثر عائشہ کی سند و متن میں نکارت)......880
☒ مذکورہ اثر کی سند قابل احتجاج نہیں:......881
☒ کیا حضرت عائشہ □ کے قول و فعل اور اعتقاد کا نام سنت ہے؟......882
☒ امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کی قبر پر حاجت طلبی کے لیے جانا ثابت نہیں:......882
☒ مولوی عمر کریم کی ادبی لیاقت:......882
☒ کیا اہل حدیث امام بخاری کے مقلد ہیں؟......882
☒ امام بخاری مجتہد کامل تھے:......883
☒ اجتہاد کی پانچ شرائط کا بیان:......883
☒ کیا اجتہاد صرف ائمہ اربعہ میں منحصر ہے؟......883
☒ امام ابوحنیفہ میں اجتہاد کی شرائط نہ تھیں:......883
☒ پہلی شرط کا فقدان:......883
☒ دوسری شرط کا فقدان:......884
☒ تیسری شرط کا فقدان:......884
☒ چوتھی شرط کا فقدان:......884
☒ پانچویں شرط کا فقدان:......885
☒ (امام ابوحنیفہ اور امام مالک میں بڑا عالم کون تھا؟ ایک مکالمہ)......885
☒ مذکورہ بالا بیان سے امام ابوحنیفہ کی اہانت مقصود نہیں:......885
☒ امام ابوحنیفہ اور امام بخاری میں بڑا مجتہد کون تھا؟......885
☒ ائمہ اربعہ کے عجیب و غریب مناقب غلو کا سبب ہیں:......886
☒ ائمہ اربعہ میں اجتہاد کے انحصار کا دعویٰ باطل ہے:......886

☒ امام بخاری کے فضائل: 887
☒ ائمہ اربعہ پر اجتہاد کے انحصار کا دعویٰ باطل ہے، ایک حنفی کی شہادت: 888
☒ تقلید کا ابطال ایک حنفی کی زبانی: 889
☒ امام بخاری مجتہد نہیں، مولوی عمر کریم کے مضحکہ خیز دلائل: 889
☒ شارحین ہدایہ کی نقل کا اعتبار نہیں: 890
☒ امام مالک سے حدیث کے نقل کرنے پر امام محمد کی درسگاہ میں رونق اور امام ابوحنیفہ سے نقل کرنے پر درسگاہ ویران! 890
☒ امام محمد نے امام مالک کے پاس جا کر تین سال علم حدیث پڑھا: 890
☒ مولوی عمر کریم کا سفید جھوٹ: 891
☒ صحیح بخاری میں احادیث کی ترجمۃ الباب سے عدم مطابقت کا اعتراض اور اس کا جواب: 892
☒ کیا امام ابوحنیفہ کا حفاظ حدیث میں شمار درست ہے؟ 892
☒ کسی نے امام ابوحنیفہ کو حافظ حدیث نہیں کہا: 893
☒ امام ابوحنیفہ پر محدثین کی جرح اور امام بخاری کی عظمت کا اعتراف: 893
☒ امام بخاری کی عظمت و امامت کا اعتراف احناف کی زبانی: 894
☒ امام ابوحنیفہ اور اہل عراق کے متعلق ابن خلدون کا تبصرہ: 894
☒ ابن خلدون کی زبانی امام بخاری کی عظمت کا اعتراف: 894
☒ کیا امام ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حافظ حدیث کہا ہے؟ 895
☒ امام ابوحنیفہ تابعی ہونے کا درجہ نہیں رکھتے تھے: 897
☒ شیخ عبدالحق دہلوی حنفی کا قول: 897
☒ ملا علی قاری حنفی کا قول: 897
☒ مصنف نامہ دانشوراں ناصری کا قول: 897
☒ خطیب تبریزی کا قول: 898
☒ حافظ ابن حجر کا قول: 898
☒ تقریب التہذیب کے طبقہ سادسہ کا مطلب: 898
☒ علامہ طاہر پٹنی حنفی کا قول: 898
☒ امام دارقطنی کا قول: 899

☒ عدم تابعیت کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ اور امام بخاری برابر ہیں:........ 899
☒ شہر کوفہ اور بخارا کا موازنہ:........ 900
☒ امام جعفر صادق کی امام ابوحنیفہ کو ایک نصیحت:........ 901
☒ امام بخاری کی اہانت:........ 902
☒ علمائے احناف کی زبانی امام بخاری کی عظمت کا اعتراف:........ 902
☒ صحیح بخاری کی احادیث میں تعارض کا جواب:........ 902
☒ پہلی حدیث:........ 902
☒ نقل عبارت میں مولوی عمر کریم کا سرقہ:........ 903
☒ مذکورہ حدیث میں تعارض کا پہلا جواب:........ 903
☒ دوسرا جواب:........ 903
☒ تیسرا جواب:........ 903
☒ چوتھا جواب:........ 904
☒ (روزے میں سنگی لگانا اور لگوانا درست ہے)........ 904
☒ دوسری حدیث:........ 905
☒ تیسری حدیث:........ 905
☒ چوتھی حدیث:........ 906
☒ مولوی عمر کریم کا اللہ اور رسول سے استہزاء:........ 908
☒ صحیح بخاری کی ایک حدیث پر مخالفت قرآن کا الزام اور اس کا جواب:........ 908
☒ صحیح بخاری کے چند رواۃ پر جرح اور اس کا جواب:........ 910
☒ عبدالحمید بن ابی اویس:........ 910
☒ ابوالفتح ازدی کی جرح معتبر نہیں:........ 910
☒ اُسید بن زید الجمال ابومحمد الکوفی:........ 912
☒ مقسم:........ 912
☒ ثابت بن محمد الکوفی:........ 913
☒ متابعات وشواہد میں ضعیف راوی کی روایت:........ 913
☒ زیاد بن الربیع:........ 914

☒ خلیفہ بن خیاط العصفري:.................... 915
☒ زیاد بن عبداللہ البکائي:.................... 916
☒ امام ابن معین کے الفاظ "لیس به بأس" اور "ضعیف" کا مطلب:.................... 917
☒ مغیرہ بن مقسم:.................... 918
☒ مولوی عمر کریم کی عربی دانی:.................... 919
☒ صحیح بخاری کے اصح الکتب ہونے کا ہر مذہب سے ثبوت:.................... 921
☒ امام بخاری کے مختصر حالات:.................... 926
☒ نظم:.................... 934
☒ تقریظات:.................... 938
☒ اعلام:.................... 940
☒ شکریہ:.................... 940
☒ قصیدہ:.................... 941

الخزي العظیم

☒ دیباچہ:.................... 947
☒ مولوی عمر کریم پر مؤلف ؒ کی مخلصانہ نصیحت کا اثر:.................... 947
☒ سبب تالیف:.................... 948
☒ تراجم بخاری پر پراگندہ ہونے کا الزام اور اس کا جواب:.................... 949
☒ بخاری پرستی کا طعنہ:.................... 950
☒ احادیث بخاری کی تراجم ابواب سے مطابقت پر اعتراض:.................... 950
☒ مطابقت کی اقسام:.................... 950
☒ صحیح بخاری کی دس حدیثوں کی مطابقتِ ترجمہ پر اعتراض کا جواب:.................... 952
☒ پہلی حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:.................... 952
☒ دوسری حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:.................... 953
☒ تیسری حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:.................... 954
☒ چوتھی حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:.................... 955

File F:\Books\Books\Books\Samadii Books\New Folder\header-kanfrans-1.tif not found.

☒ پانچویں حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..957
☒ چھٹی حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..957
☒ ساتویں حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..958
☒ آٹھویں حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..959
☒ نویں حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..959
☒ دسویں حدیث میں تعارض کا اعتراض اور اس کا جواب:..960
☒ اشعار در مدح صحیح بخاری:..963
☒ فہارس:..965
☒ فہرست آیات:..966
☒ فہرست احادیث:..975
☒ فہرست رواۃ الحدیث:..981
☒ فہرست موضوعات:..991